رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۰۰

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ماہوار علمی و اصلاحی اخبار

کانفرنس گزٹ

علی گڑھ

قیمت فی پرچہ ایک آنہ

تاریخ ہائے اشاعت
ہر ماہ عیسوی کی
یکم - ۸ - ۱۶ - ۲۴

قیمت اخبار
سالانہ - تین روپے
ششماہی - دو روپے
سہ ماہی - ایک روپیہ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

مہتمم سید الطاف علی بریلوی ... (علیگ)

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۱) | ۱۶ - جون سنہ ۱۹۴۰ء مطابق ۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر (۲۳)

آج دنیا ایک نہایت نازک دور سے گزر رہی ہے' جنگ نے خوفناک صورت اختیار کر لی ہے' اور اس کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے' برطانیہ پر خصوصیت کے ساتھ اس جنگ کا بہت بڑا بار ہے اور خطرہ ہر طرف سے محیط ہے' لیکن وہ اس خطرہ سے مرعوب و خوفزدہ نہیں ہے' بلکہ جیسے جیسے جنگ کی شدت بڑھتی جاتی ہے برطانیہ اور زیادہ عزم و استقلال کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہوتا جاتا ہے کیونکہ زندہ قوموں کی یہ خصوصیت ہے کہ جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو وہ گھبراتی نہیں بلکہ مردانہ وار اس کا مقابلہ کرتی ہیں' مسلمان جب زندہ تھے تو وہ بھی اسی طرح ہر خطرہ اور خوفناک حریف کے مقابلہ کیلئے تیار رہتے تھے' یہی چیز تھی جو دنیا میں ان کی سربلندی و سرفرازی کا باعث ہوئی'

برطانیہ کے عزم و حوصلہ کا اندازہ اُن الفاظ سے ہوتا ہے جو ابھی حال میں وزیر اعظم برطانیہ نے ایک تقریر کے سلسلہ میں فرمائے' انھوں نے نہایت جوش و خروش سے یہ اعلان کیا۔

"ہم آخر وقت تک لڑتے رہیں گے' فرانس میں لڑیں گے' ہم دریاؤں اور سمندروں میں لڑیں گے' ہم اپنے جزیرہ کو بچائیں گے' چاہے اس کے لئے ہمیں کتنی ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے' ہم سمندر کے ساحلوں پر لڑیں گے' ہم سمندر سے اُترنے کے مقامات پر لڑیں گے' ہم میدانوں میں' سڑکوں اور پہاڑیوں پر لڑیں گے' ہم ہرگز ہرگز اطاعت قبول نہ کریں گے' یہاں تک کہ اگر اس بعید ترین امکان کو بھی جس کا مجھے یقین نہیں ہے صحیح مان لیا جائے کہ یہ جزیرہ پورے کا پورا یا اس کا کچھ حصہ محکوم ہو جائے تب بھی ہم ہمت نہ ہاریں گے' تب ہماری سلطنت کے وہ حصے جو سمندر پار واقع ہیں اور جن کی حفاظت ہمارا بحری بیڑہ کر رہا ہے وہ سب مل کر اس جنگ کو جاری رکھیں گے تاآنکہ خدا وہ وقت نہ لائے کہ ایک نئی دنیا اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ نمودار ہو اور اس پرانی دنیا کو آزادی و نجات دلائے"

فرانس کی شکست کے بعد دوبارہ مسٹر چرچل نے نہایت صاف الفاظ میں یہ اعلان کیا:-

" فرانس کی لڑائی ختم ہو گئی' برطانیہ کی لڑائی اب شروع ہو گی' اگر ہم ہار گئے تو مع امریکہ کے ساری دنیا اندھیرے غار میں گر پڑے گی"

ان الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ برطانیہ کس عزم و ہمت کے ساتھ میدان میں آیا ہے اور اپنی سلطنت و اقتدار کے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک میدان جنگ میں بہانے کے لئے تیار ہے'

صوبہ بمبئی کی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ گزشتہ میں جو رزولیوشن منظور ہوئے تھے وہ کانفرنس گزٹ میں شائع ہو چکے ہیں' تشکر کا ایک رزولیوشن جو شائع ہونے سے رہ گیا تھا حسب ذیل ہے'

" بمبئی پریسیڈنسی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا یہ ٹھارواں اجلاس (دہلی) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی اُن شاندار تعلیمی خدمات کا دلی اعتراف و تشکر ادا کرتا ہے جو وہ عموماً مسلمانان ہند اور خصوصاً صوبہ بمبئی کے مسلمانوں کے لئے بجا لاتی رہی ہے' نیز یہ کہ کانفرنس جناب نواب صدر یار جنگ بہادر آنریری سکریٹری کانفرنس کی خدمت میں اس عظیم الشان کام کے سلسلہ میں جو ہم سب کو آئندہ انجام دینا ہے اپنے جذبہ وفاداری اور اتحاد عمل کا یقین دلاتی ہے "

قلعہ گوالیار

ہندوستان کے قلعوں کی مالا میں سب سے
رخشاں موتی جس کی چوٹی کو ہوا تک نہیں چھو سکتی۔
جس کے کنگوروں پر ابر بھی سایہ افگن نہیں ہو سکتا"
یہ الفاظ گوالیار کی شان میں اُس وقت لکھے
گئے تھے جب "مان سنگھ محل" چٹان کی شہری جانب
تعمیر ہو چکا تھا۔ مگر اس سے بہت عرصہ پہلے "گوالوں
کی پہاڑی" (گوپاگری) جس کے معنی گوالیار کے ہیں
اپنی مضبوطی کے لئے مشہور تھی۔ چھٹی صدی کی بات
ہے۔ جب ہن جرنیل طورامان نے گپتا سلطنت کا ایک
طرح خاتمہ کر دیا تھا۔ غالباً اس سے بھی پہلے۔ مگر اہم
متواتر ہوتی تھی۔ بہرحال قلعہ اس وقت زیادہ مشہور
ہو گیا۔ جب قطب الدین ایبک نے محمد غوری کی خاطر
اسے ۱۱۹۶ء میں تسخیر کیا۔ مابعد کی سات صدیوں کے
کشت و خون، شان و شوکت، چالبازیوں اور سازشوں
کی شاہد تھی۔ گوالیار کا اتنے تاریخی واقعات کا مرکز
بن جانا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یہ مسافت
تین سو فٹ بلند۔ پونے دو میل طول اور ۲۸۰۰ فٹ
قطر میں ہے۔ یہاں بکثرت تالاب اور ذخیرہ وار احتیاط
جو ایک فوج کے لئے کافی عرصہ تک رسد بہم
پہنچا سکتی ہیں۔ روایت ہے۔ کہ کسی وقت گوالیار میں
مقیم تھا۔ راجہ سورج سین اُس کے پاس جذام کے
علاج کے لئے آیا۔ اور پہاڑی کی چوٹی پر ایک مقدس
تالاب میں غسل کرنے سے راجہ تندرست ہو گیا۔ وہ
تالاب آج تک سورج کنڈ کہلاتا ہے۔

اس وقت سے لے کر شمالی ہند کی تاریخ میں
مشاہیر کا نام آچکا ہے۔ مثلاً التمش جس نے گیارہ
قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اور آخر کار جب قلعہ اُس کے
میں آگیا تو سات سو قیدی اس کے خیمہ کے سامنے
[illegible] گھاٹ اُتارے گئے۔ محمود غزنوی کئی دفعہ
پر چڑھ آیا۔ مگر ہر دفعہ اُسے خراج دیکر لوٹا دیا۔

پھر راجپوت راجہ مان سنگھ کی باری آئی جس
[illegible] اس کی گوجر رانی مرگ نینی کے طفیل گوالیار
شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ مان سنگھ نے ایک
عالیشان محل بنوا کر اس پر عجیب رنگا رنگ کی سلیں
[illegible]۔ اور خوبصورت مرگ نینی کے رہنے کے لئے
[illegible] محل" تعمیر کروایا۔ جہاں اس کی رانی نے
موسیقی کا مدرسہ کھولا۔ جو ہندوستان بھر میں مشہور ہوا۔
تان سین بھی اسی مدرسہ سے راگ سیکھ کر نکلا تھا۔

اب پھر مسلمان بابر کی سرکردگی میں آئے۔ اُس کے
آتے ہی قلعہ کے کنگوروں پر سے جینی بت دور ہٹا دیے
جانے کا حکم ہوا۔ مگر اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکی۔ سولھویں
صدی کے وسط میں یہ قلعہ اکبر کے قبضہ میں چلا گیا۔
اور اٹھارہویں صدی میں مرہٹوں کی آمد تک مغلوں
کے پاس ہی رہا۔

گوالیار کی تاریخ میں شاید سخت ترین خطرناک
وقت تھا۔ مغلوں کو اس کی اہمیت کا اندازہ تھا [illegible]
سال کے دوران میں بے شمار شاہزادے اور امراء نظر[illegible]
دروازہ ہاتھی پول میں سے گزرے اور پھر کبھی لوٹ کے
واپس نہیں کئے گئے۔ نہ انہوں نے زندہ رہ کر عمر
طبعی گزاری۔ انہیں آزاد رکھنا سلطنت کے لئے خطرناک
تھا۔ اور کھلم کھلا قتل کرنے سے بغاوت کا اندیشہ تھا
پس وہ گوالیار میں آئے۔ اور چند ماہ میں قسمتی سے
نہنگ اجل کا شکار ہو گئے۔ وہ کس طرح؟ پوست کے ذریعہ
جن لوگوں کی ہستی بادشاہ کی رائے میں نظام
سلطنت کے منافی ہوتی تھی۔ اُن کے لئے ایک معمول
کیا جاتا تھا۔ رات بھر پوست کو پانی میں بھگو کر صبح وہ
پانی کا پیالہ ان کو پینے کے لئے دیا جاتا تھا۔ اس سے
جسمانی اور ذہنی طاقت سلب ہو جاتی تھی حتیٰ کہ موت
انہیں ابدی موت سلا دیتی تھی۔ اسی موت کے [illegible]
سلیمان شکوہ اور سپہر شکوہ پسران دارا شکوہ بھی تھے
اور اورنگ زیب کا اپنا بیٹا سلطان محمد بھی گوالیار میں
قیدی مر گیا۔

قلعہ کی چوٹی پر سطح زمین سے تین سو فٹ کی بلندی
پر تو یہ واردات ظہور پذیر ہوتیں۔ مگر شہر گوالیار روز بروز
ترقی کی طرف گامزن تھا۔ پرانے گوالیار کے سنگ تراش
اب بھی موجود ہیں۔ جہاں کے کاریگر بلا کے چابکدست تھے۔
جالی کا کام یعنی پتھر پر جالی کی طرح کھدائی جس کے
لئے گوالیار اب تک مشہور ہے۔ مان سنگھ محل کے صحن
میں بہت اچھا دکھائی دیتا ہے۔ جب رانا جی سندھیا
۱۷۲۶ء میں پیشوا کے لئے چوتھ اکٹھی کرنے مالوہ آیا۔
اُس وقت سنگ تراشی اور رنگریزی کو خوب فروغ حاصل
تھا۔ رانا جی کو گوالیار کی اہمیت کا بخوبی علم تھا۔ مگر
نہ جانے کیوں اُس نے اجین کو اپنا صدر مقام بنایا
تقریباً نوے سال بعد گوالیار بھی سندھیا کی سلطنت
کا مرکز بنا۔ اور پھر بھی تقدیر اُس کے ساتھ چال چل گئی۔

[illegible] ۱۸۱۰ء کے بعد بھی مہاداجی سندھیا
کا دربار سفری دربار تھا۔ یعنی لشکر۔ ۱۸۱۰ء تک اسی
طرح رہا۔ جبکہ دولت راؤ سندھیا نے قلعہ کی جانب جنوب
اس لشکر کو ایک مستقل صورت عطا کی۔ اب یہ لشکر گوالیار
کا صدر مقام [illegible] گوالیار شہر کہلاتا ہے جو
کوئی [illegible] صدر مقام ہے۔ [illegible]
گوالیار اور مرار اس کے مضافات میں شامل ہو گئے ہیں
گویا ایک [illegible] صدر مقام [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اس کی [illegible]
کے [illegible] کی بہت [illegible]
[illegible] عمارتوں کی صداقت ہوتی ہے۔ [illegible] موتی
محل ہے جو اب بطور سرکاری [illegible] استعمال ہوتا ہے
لشکر کی تمام بڑی بڑی عمارتیں اچھی بنی ہوئی ہیں اور جو
محلات زیر استعمال نہیں انہیں سرکاری دفاتر میں منتقل
کر دیا گیا ہے۔

موتی محل کے علاوہ مہاراج بڑا محل بھی جہاں
لشکر کا بانی مہاراجہ دولت راؤ سندھیا رہا تھا۔
سرکاری دفاتر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ شہر کے وسطی
حصہ میں جسے باڑہ کہتے ہیں جہاں خوب چہل پہل ہوتی ہے
مرکز میں مہاراجہ جیاجی راؤ سندھیا کا بت نصب ہے۔ اور
اس کے گرد [illegible] ایک عمدہ مصوری شکل کا باغ ہے۔
ٹاؤن ہال۔ وکٹوریہ میموریل مارکیٹ بڑا ڈاکخانہ۔ سرکاری
مطبع اور امپیریل بنک ایک دوسرے کے نزدیک
واقع ہیں۔ اس چوک سے ایک نہایت خوبصورت بازار
نکلتا ہے۔ صرافہ جہاں قدیم دستکاری یعنی جالی کے کام
کا بہترین نمونہ دیکھنے میں آتا ہے
لیکن کسی شہر کی داستان کبھی ختم نہیں ہوتی۔ لشکر اب
بھی رو بہ ترقی ہے۔ یعنی بازار زیادہ کشادہ ہو رہے ہیں
پانی کے نکاس کا انتظام بہتر ہو رہا ہے۔ آب رسانی اور
بجلی کی روشنی کا انتظام خاطر خواہ ہے۔ شہر کے بد ترین
حصہ میں بھی بازار کشادہ کر دیے ہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی

[illegible] آزادی نہیں دے گا [illegible] ہو جائیں گے، اور جرمنی اُن [illegible] ذرائع پر پورے طور پر قبضہ کر لیگا [illegible] دوسرے وہ فرانس اور برطانیہ کی بھی یہی حالت [illegible] بنا چاہتا ہے اور اگر اس کو فتح حاصل ہوئی تو یہ دونوں ملک بھی غیر مسلح کر دئے جائیں گے، اور اس طرح یورپ بادساکی آزادی سلب ہو جائے گی،

اگر برطانوی بحری بیڑہ ختم ہو گیا اور صرف امریکہ باقی رہ گیا تو صرف برطانیہ سے تعلقات ہی منقطع نہ ہو جائیں گے بلکہ کوئی مسلح طاقت باقی نہیں رہے گی جو ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کو امریکہ پر حملہ کرنے سے روک سکے،

ہٹلر اسی سال برطانوی فریخ بحری بیڑوں اور بحری بندرگاہوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، بہرحال جنگ میں سب سے بڑی چیز وقت ہے، اور اس حقیقت کو ہٹلر سے زیادہ کوئی نہیں سمجھتا ہے، میں امریکہ کو کوئی مشورہ نہیں دے رہا ہوں، انگریز اپنا کام کر رہے ہیں اور وہ حتی المقدور اپنے ملک کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، چونکہ اس کے لئے ہم میں کافی جوش اور کافی حب الوطنی ہے، اس لئے ہم کو امید ہے کہ ہماری فتح ہوگی"

امریکہ نے ان اپیلوں کا حوصلہ افزا جواب دیا اور علاوہ فوجی امداد کے اور کسی قسم کی امداد میں تامل نہیں کیا، یعنی سامان جنگ دیا، ہوائی جہاز دئے، لیکن جیسا کہ لارڈ لوتھین نے اپنی اپیل میں کہا ہے "جنگ میں سب سے بڑی چیز وقت ہے" اور یہاں وقت میں گنجائش نہ تھی، جرمنی کے حملے پے در پے بلا تاخیر ہو رہے تھے اور ہوائی جہاز یا دوسرا جنگی سامان فوراً امریکہ سے نہیں آسکتا تھا اس کا نتیجہ جو ہونا چاہئے تھا وہ ہوا، یعنی فرانس کو شکست ہوئی، یہاں تک کہ وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گیا،

کس قدر حسرت و افسوس کی بات ہے کہ یورپ کی ایک اول درجہ کی سلطنت محض وقت پر تیار نہ ہو سکنے اور کافی سامان جنگ مہیا نہ ہونے کی وجہ سے جرمنی کے بے پناہ حملوں کا شکار ہو گئی، اور اب اس کی آزادی خطرہ میں ہے، یہ ایسا اندوہناک واقعہ ہے جس سے دوسری حکومتیں اور آنے والی نسلیں عبرت حاصل کر سکتی ہیں اور یہ سبق سیکھ سکتی ہیں کہ انہیں ہر وقت [illegible] حفاظت اور دشمن کی مدافعت کے لئے تیار

رہنا چاہئے،

یہ امر باعث اطمینان ہے کہ انگلستان نے یہ عزم کر لیا ہے کہ وہ آخر تک لڑے گا، اور پریسیڈنٹ امریکہ نے حال میں پھر اس وعدہ کا اعادہ کیا ہے کہ "جب تک اتحادی فوجیں معاملہ جاری رکھیں گی حکومت امریکہ سامان جنگ پہنچانے کی اپنی کوشش کو دوگنا کر دے گی، مجھے یقین ہے کہ جو ہفتہ گزرے گا اس میں اتحادی فوجوں کے سامان جنگ کی سپلائی میں اضافہ ہوتا جائے گا"

وزیر اعظم فرانس کی اپیل پر صدر جمہوریہ امریکہ نے فرانس کو بھی خاص طور پر یہ اطمینان دلایا تھا کہ "جب تک فرانس اپنی آزادی کے لئے جنگ کرتا رہے گا امریکہ اس کی زیادہ سے زیادہ سامان جنگ سے امداد کرتا رہے گا" لیکن سوال "وقت" کا تھا اور وقت میں گنجائش نہ تھی اس لئے فرانس کو بے سر و سامانی کی حالت میں مجبور ہو کر میدان جنگ سے ہٹنا پڑا اور وہ امریکہ کی امداد سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا،

گاندھی جی اور مسلمان

ایک خان بہادر کے خط کا جواب دیتے ہوئے گاندھی جی نے اپنے اخبار "ہریجن" میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے، جس میں جناب ممدوح نے اپنے اور مسلمانوں کے تعلقات پر بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے

"میرے پاس وہ خطوط موجود ہیں جن میں اردو اور انگریزی اخبارات کے تراشے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں اسلام کا اور ہندوستان کے مسلمانوں کا پکا دشمن ہوں۔ ایک وقت تھا کہ مجھے ان کا سب سے بڑا دوست سمجھا جاتا تھا اور میری رواداری و ہر دلعزیزی کی تعریف کی جاتی تھی اور اب ایک وقت یہ ہے کہ مجھے ان کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال وہ تعریف بھی میرے لئے تھی اور یہ تذلیل بھی میرے لئے ہے مجھے اس کو بھی برداشت کرنا چاہئے۔ سچی بات صرف خدا کو معلوم ہے مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں کرتا ہوں لکھتا ہوں یا خیال کرتا ہوں اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ میں ان کا دشمن ہوں میرا کوئی قول یا فعل ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر مجھے ان کا دشمن قرار دیا جا سکے وہ میرے خون کے بھائی ہیں یعنی حقیقی بھائی ہیں اور ہمیشہ حقیقی بھائی رہیں گے میں ان کو اپنا خاص بھائی سمجھوں گا چاہے وہ مجھے اس سے بھی زیادہ بے عزت و بے وقعت سمجھیں، اور وہ خود مجھے اپنا بھائی تسلیم نہ کریں"

گاندھی جی نے صحیح فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب سے مسلمان ان کو اپنا دوست اور بہی خواہ سمجھتے تھے، اور مسلمانوں کے حلقہ میں وہ سب ہندو لیڈروں سے زیادہ ہر دلعزیز تھے، لیکن اب حالات کیوں بدل گئے؟

از راہ کرم گاندھی جی غور فرمائیں کہ جو ان کے طریقہ کار اور طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی، مثلاً اردو زبان کے متعلق گاندھی جی کے خیالات میں جو تبدیلیاں ہوئیں کیا وہ مسلمانوں میں بدگمانیاں پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اسی طرح کے اور واقعات جو سب جانتے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں،

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یونیورسٹی میں مندرجہ آسامیوں کے واسطے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں،

(۱) لیڈی لکچرر گریڈ نمبر ۲۔ برائے تعلیم اقتصادیات
(۲) لیڈی لکچرر گریڈ نمبر ۲۔ برائے تاریخ،
(۳) لیڈی لکچرر گریڈ نمبر ۲۔ برائے تعلیمات،

تنخواہ، ۱۲۵ روپیہ سے ۱۷۵ تک پانچ روپیہ سالانہ ترقی،

درخواست گزاروں کے پاس تعلیمی اسناد ہونی چاہئیں۔ جن کا انتخاب عمل میں آجائے گا ان کو مندرجہ بالا مضامین کی تعلیم دینی ہوگی،

تمام درخواستیں عمر، تعلیمی ڈگریاں پڑھانے کا تجربہ درج ہو مع ان سرٹیفکیٹوں کے جو حال ہی میں حاصل کئے گئے ہوں ۳۰ جون ۱۹۴۲ء تک پہنچنی چاہئیں

بدستخط سید محمد احسن قائم مقام رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

تاریخ السلف — صاحبزادہ خواجہ معینی اجمیری کی مشہور تصنیف جس کو ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم نے نہایت پسند کیا ہے اس کتاب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے مفصل حالات نہایت دلچسپ انداز میں لکھے ہیں۔ کتابت طباعت، کاغذ سب عمدہ ہیں مصنف نے کچھ جلدیں ہدیۃً کانفرنس کو عطا کی ہیں، کانفرنس بکڈپو علی گڑھ سے مل سکتی ہیں قیمت عـہ

([illegible] محمد مقتدیٰ [illegible] اخبار [illegible] پریس علی گڑھ میں طبع ہوا اور وہیں سے شائع ہوا)

R. N. A. 520

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار

کانفرنس گزٹ

علی گڑھ

قیمت فی پرچہ ایک آنہ

تاریخ ہائے اشاعت
ہر ماہ عیسوی کی
یکم - ۸ - ۱۶ - ۲۴

قیمت اخبار
سالانہ - تین روپے
ششماہی - دو روپے
سہ ماہی - ایک روپیہ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

مینیجر سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۱) | یکم جولائی سنہ ۱۹۴۰ء مطابق ۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر (۲۵)

مسلم یونیورسٹی کی تعطیل کلاں اب قریب الاختتام ہے، انشاء اللہ ۱۵ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء کو یونیورسٹی اور طلبہ کالج وغیرہ کھل جائیں گے، مسلم یونیورسٹی اسکول ۳ - جولائی کو کھل رہا ہے۔

پروفیسر عبد المجید قریشی صاحب ایم اے آنریری جائنٹ سکریٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس جو کمال یار جنگ تعلیمی کمیٹی کے سلسلہ میں گزشتہ مہینہ میں ہندوستان کے ایک طویل دورہ کے سلسلہ میں مصروف تھے، اپنا دورہ ختم کرکے علی گڑھ تشریف لے آئے ہیں۔

مدراس یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ کی اسپیشل میٹنگ کا ایک اجلاس ۸ - اگست سنہ ۱۹۴۰ء کو ہوگا۔ جس میں اس امر پر غور کیا جائے گا کہ یونیورسٹی سے جو کالج وابستہ ہیں اُن کے طلبہ کو جبریہ فوجی تربیت دیجائے اور جو لڑکیاں زیر تعلیم ہیں انھیں نرسوں کی حیثیت سے تعلیم دی جائے۔

حال میں ہز ایکسیلنسی گورنر مدراس نے ایک

تحریر کرتے ہوئے کہا کہ ہٹلر کے وعدوں کی کوئی قیمت نہیں، اگر ہٹلر اس جنگ میں جیت گیا تو وہ ہندوستان کو اپنے لئے سب سے بڑا ذریعہ انعام سمجھے گا اور اس کی آزاد حکومت کا نام ونشان تک نہیں رہے گا۔

آپ نے ہندوستانی اور یورپین ممبروں سے اپیل کی کہ خواہ اُن کے سیاسی خیالات کچھ ہوں اور اُن کا کسی پارٹی سے بھی تعلق ہو سب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہٹلرازم کی لعنت کو دور کرنے کے لئے متحد ہو جانا چاہئے۔

بمبئی کی ایک تازہ اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ سیٹھ جمنالال بجاج کی درخواست پر سیٹھ گوبند رام سکاریہ (بمبئی) نے وار دھا کے "کامرس کالج" کے لئے گیارہ لاکھ روپیہ چندہ دیا ہے، یہ کالج سی پی و برار میں اپنی قسم کا پہلا ہوگا اور اس کا نام "گوبند رام سکاریہ کامرس کالج" ہوگا، سردار ولبھ بھائی پٹیل ۸ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء کو اس کا افتتاح کریں گے۔

[illegible] تعلیمی کمیٹی کی جو دوسری تعلیمی رپورٹ شائع ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنیادی تعلیم کی اسکیم کے [illegible] سات سو ٹیچروں کو ٹریننگ دی جارہی ہے، اور پانچ ہزار دو سو ٹیچر [illegible] کی تعلیم پا رہے ہیں، اور تقریباً ۲۵ [illegible] اسکیم کے ماتحت بنیادی درجوں میں تعلیم [illegible]

جوبلی گارڈن سہارنپور کے ایک عظیم الشان جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ جھوٹی خبروں اور افواہوں پر اعتماد نہ کریں، اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایسے موقعوں پر شرارت پسند لوگ ملک میں بد امنی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اس کے روکنے کا انتظام کیا جائے، ملک کے تمام نوجوانوں کو یہ طے کر لینا چاہئے کہ وہ امن و امان قائم رکھیں گے، ہمیں اس ملک میں رہنا ہے، بسنا ہے اور ہم مسلمانوں کو تو مرنے کے بعد بھی یہاں دفن ہونا ہے اس لئے مسلمانوں کو خاص طور پر اس سرزمین کی بھلائی اور خدمت کی ضرورت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم جولائی ۱۹۴۰ء

جنگ اور ہندوستان کا مستقبل

گزشتہ "جنگ عظیم" جو ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تھی اپنی وسعت اور ہولناک نتائج کے لحاظ سے دنیا میں ہمیشہ یادگار رہے گی لیکن موجودہ خونریز جنگ انسانوں کی ہلاکت اور پُر رونق آبادیوں کی تباہی کے لحاظ سے "جنگ عظیم" سے بھی بڑھ گئی، اور ابھی ترقی پذیر ہی یعنی اس کی شدت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور حلقۂ اثر برابر وسیع ہو رہا ہے۔

ابتدا میں صرف پولینڈ اور جرمنی کا جھگڑا تھا لیکن معاہدہ کی پابندی کی وجہ سے برطانیہ اور فرانس بھی جنگ میں حصہ لینے پر مجبور ہوئے، اس کے بعد جنگ کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہوا، چنانچہ ناروے، ہالینڈ اور بلجیم وغیرہ کو بھی مجبور ہو کر جنگ میں شریک ہونا پڑا، اور یہ شرکت کوئی معمولی ضابطہ کی شرکت نہ تھی بلکہ ان حکومتوں نے اپنی پوری قوت اور وسائل سے کام لیکر خوفناک دشمن کا مقابلہ کیا اور جب تک لڑنے کی قوت باقی رہی لڑتے رہے،

غرض اس زبردست معرکہ آرائی کا جو ہیبتناک وسائل کے ذریعہ میں ہو رہی تھی یہ نتیجہ ہوا کہ لاکھوں انسان ہلاک ہو گئے اور بہت سی بستیاں اور آبادیاں ویران ہو گئیں اور جن ممالک پر جنگ کی مصیبت آئی اُن کی بہت سی تاریخی یادگاریں اور شاندار عمارتیں جو خاص شہرت رکھتی تھیں اور سیاحوں کی توجہ و دلچسپی کا مرکز تھیں کھنڈروں کی صورت میں تبدیل ہو گئیں،

لیکن کیا ان اندوہناک واقعات کے پیش آنے کے بعد جنگ بند ہو گئی، اور دنیا میں امن و امان قائم ہو گیا؟ نہیں! بلکہ جنگ کا حلقۂ اثر وسیع ہو رہا ہے چنانچہ اب اٹلی بھی لڑائی میں شریک ہو گیا ہے، وہ اٹلی جس کا اعمالنامہ پہلے سے تاریک ہے اور جس کے ہاتھ عربوں، حبشیوں اور البانیہ کی بیگناہ حکومت کے خون سے رنگین ہیں، ان واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ برابر ترقی کر رہی ہے اور متعدد حکومتیں جو پہلے غیر جانبدار تھیں یکے بعد دیگرے جنگ میں شریک ہو رہی ہیں اور جو ابھی تک علٰحدہ ہیں اُن کے متعلق برابر یہ اندیشہ ہے کہ معلوم نہیں کب اور کس وقت وہ لڑائی میں شریک ہو کر اس کے شعلوں کو اور تیز کر دیں گی،

"ہندوستان" میدان جنگ سے دور اور ابھی تک جنگ کے خطرہ سے محفوظ ہے، ممکن ہے کہ وہ آخر تک اسی طرح محفوظ رہے یہاں تک کہ یہ جنگ ختم ہو جائے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ آگ کے شعلے بڑھتے بڑھتے ہندوستان تک پہنچ جائیں، اور ہمارے ملک کو مجبور ہو کر لڑائی میں شریک ہونا پڑے کیونکہ ہندوستان کا موجودہ جنگ میں شریک ہونا جو [illegible] کی مرضی سے نہیں ہے، ممکن ہے کہ کوئی حکومت یا قوم جنگ سے بچنا چاہتی ہو لیکن کوئی بے اصول حریف خواہ مخواہ اس سے دست و گریباں ہو تو اپنی حفاظت کے لئے اس کو لڑنا پڑے گا،

"ہندوستان" بحالت موجودہ اسی پوزیشن میں ہے، وہ اپنی طرف سے کسی پر حملہ کرنا یا لڑنا نہیں چاہتا لیکن اگر کوئی حریف خواہ مخواہ اس پر حملہ کرے تو اپنی حفاظت کے لئے اسکی مدافعت یا اگر ضرورت ہو تو حملہ کرنا ہندوستان کا اولین فرض ہے،

غرض مستقبل کے متعلق یقینی طور پر کوئی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی، بالکل ممکن ہے کہ جنگ کے بادل ٹالا ٹال گزر جائیں، اور ہندوستان ہر خطرہ سے محفوظ رہے لیکن اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستان کو اندرونی و بیرونی دونوں قسم کے خطرات پیش آئیں، ہمارے ملک میں بہت سے معاملہ فہم اور دوراندیش اصحاب ایسے ہیں جنھیں بیرونی حملہ سے زیادہ کسی اندرونی فتنہ کے برپا ہونے کا خطرہ ہے چنانچہ ابھی حال میں پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے قیام بمبئی کے موقع پر نمائندہ پریس کو جو بیان دیا اُس میں حالات حاضرہ پر وضاحت کے ساتھ بحث کرتے ہوئے ہندوستان کے مستقبل پر بھی اظہار خیال کیا ہے پنڈت جی فرماتے ہیں۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان پر کسی بڑے حملہ کا فی الحال ابھی امکان نہیں ہے نازک اور انقلابی حالات میں ہمیشہ داخلی ہنگامہ کا امکان رہا ہے میں اسے فرقہ وارانہ ہنگامہ نہیں کہتا بلکہ ممکن ہے کہ سماج اور سماج کے دشمن اس صورت حالات سے فائدہ اٹھائیں،

[illegible] کی بات نہیں ہے سب اس کے لئے اور انقلابی زمانہ کی تمام دوسری مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہونا چاہئے تاکہ ہندوستان آزاد، مضبوط اور منظم ہو کر اس دور انقلاب سے نکلے اس لئے کانگرس ورکنگ کمیٹی نے حفاظت خود اختیاری کے [illegible] دوسرے علاقوں کے لوگوں کو منظم کرنے کی ہدایت کی ہے۔ کانگرس والوں سے [illegible] اور [illegible] کی عملی خدمت [illegible] کا مطالبہ کیا ہے

ہندوستان پر کسی بیرونی حملہ کا خطرہ ہو یا نہ ہو [illegible] داخلی ہنگامہ" کا امکان [illegible] حقیقت [illegible] صورت کم خطرناک نہیں ہے لیکن اس خطرہ کو [illegible] کانگرس کے لیڈر کی [illegible] کہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ ملک کے ہر طبقہ و حصہ میں ایسے لوگوں کی خاصی تعداد موجود ہے جو کانگرس سے حسن ظن نہیں رکھتے [illegible] اس کے طرز عمل سے مطمئن نہیں ہیں اس لئے اگر واقعی یہ مقصد پیش نظر ہے کہ ہندوستان اس دور انقلاب سے امن و عافیت کے ساتھ گزر جائے تو کانگرس کو ملک کی تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کے ساتھ مل کر زمانہ جنگ کے لئے عارضی طور پر مصالحت و اتحاد عمل کرنا چاہیے،

اس نازک موقع پر اس کی سخت ضرورت ہے کہ ہر فرقہ کے ذمہ دار اور ذی اثر اصحاب متفقہ اعلان کر دیں کہ اس وقت ملک کی فلاح و بہبود اور امن و عافیت اس پر منحصر ہے کہ سب فرقے ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ و جارحانہ کارروائیاں ترک کر دیں، بالکل ممکن ہے کہ موجودہ خطرہ ٹل جانے کے بعد یہ عارضی صلح ایک مستقل و پائدار صلح کا سنگ بنیاد ثابت ہو اور ہندوستان ہمیشہ کے لئے باہمی کشمکش سے نجات حاصل کر لے،

داخلی ہنگامہ یا اندرونی فتنہ سے ہماری مراد خالص فرقہ وارانہ یا مذہبی جنگ نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ملک عام طور پر جہالت، افلاس

تنگدستی، اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہے، نظام معاشرت ابتر ہے اور لوگ شہریت کے فرائض اور انسانی حقوق سے ناآشنا ہیں، اور اُن میں صحیح معنوں میں وطن کی حفاظت یا محبت کا جذبہ موجود نہیں ہے، اس پر مزید مصیبت یہ ہے کہ "نیشنل کانگرس" نے ملک کے عام باشندوں خصوصاً دیہات کے ناخواندہ اور سادہ لوح لوگوں میں غلط توقعات اور اشتعال پیدا کر کے حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر دیے ہیں، اس لئے وہ ایک ایسے انقلاب کے منتظر ہیں جو اُن کی بدحالی کو خوش حالی سے تبدیل کر دے۔

ان سب حالات خصوصاً افلاس اور اخلاقی پستی کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر جنگ کی وجہ سے کسی موقع پر عام انتظامی حالات میں کوئی ابتری یا بدنظمی پیدا ہوئی یا جنگ کی کسی خاص منزل پر عوام نے جھوٹی خبروں اور غلط افواہوں کی وجہ سے یہ محسوس کر لیا کہ حکومت کمزور ہو گئی ہے تو شرارت پیشہ لوگ ایسا کام شروع کر دیں گے، اور ملک میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا، جس کا فرو کرنا حکومت کے لئے مشکل ہو گا، کیونکہ کسی ایسے ملک میں جس کی آبادی کا کثیر حصہ جاہل مفلس ہو جب ایک دفعہ ابتری پیدا ہو جائے تو عوام پر قابو حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ حکومت، اور ملک کی مختلف جماعتوں کے ارباب حل و عقد ابھی سے ایسی تدابیر اختیار کریں کہ اس قسم کی فتنہ پردازیوں اور شرارتوں کا امکان باقی نہ رہے، اس سلسلہ میں جو کام کرنے کے لائق ہیں اُن میں سے بعض جو زیادہ قابل توجہ ہیں حسب ذیل ہیں،

(۱) سب سے پہلی چیز جس سے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہوتا ہے وحشت انگیز خبریں ہیں، اس لئے شدید ضرورت ہے کہ جھوٹی خبروں اور افواہوں کی بروقت تردید کی جائے، اور اس کے ساتھ ہی صحیح خبروں کی بہم رسانی اور اشاعت کا بھی معقول انتظام کیا جائے، غلط خبروں کی اشاعت ہی کا نتیجہ تھا کہ لوگ محسوس کرنے لگے کہ اُن کا روپیہ بینکوں میں محفوظ نہیں ہے اس لئے وہ اپنا روپیہ نکلوانے کے لئے مضطرب ہو گئے، لیکن جب صحیح صورت حال معلوم ہوئی تو انہیں اندازہ ہوا کہ گورنمنٹ کی مالی ساکھ مضبوط ہے اور اُن کے روپیہ کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے تو آہستہ آہستہ یہ اضطراب دور ہوا اور لوگوں کو فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا،

یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جس طرح غلط خبروں کی اشاعت ملک میں اضطراب اور بے اطمینانی پیدا کرتی ہے، اسی طرح خبروں کا روکنا، اور بند کر دینا بھی لوگوں میں وحشت پیدا کرتا اور خواہ مخواہ بدگمانی پر مجبور کرتا ہے، موجودہ زمانہ میں جبکہ مختلف ممالک سے ہندوستان کے کاروباری اور تجارتی تعلقات ہیں، اور ان ممالک کی صلح یا جنگ کا اثر ہندوستان پر بھی پڑتا ہے یہ قدرتی بات ہے کہ لوگ صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے مضطرب رہتے ہیں خصوصاً جب برطانیہ بھی جنگ میں شریک ہے اور ہندوستان کسی نہ کسی صورت میں جنگ میں حصہ لے رہا ہے تو لوگوں کی یہ خواہش بالکل بجا ہے کہ انہیں جنگ کے متعلق ضروری اور صحیح حالات بہم پہنچائے جائیں، پس غلط خبروں اور افواہوں کو روکنا اور صحیح خبریں بہم پہنچانے کے لئے مناسب و معقول انتظام کرنا اس سلسلہ کا ایک ضروری اور ابتدائی فرض ہے،

(۲) ہمارا دوسرا فرض ہندوستان میں امن و امان قائم رکھنا اور اس کو "خانہ جنگی" سے محفوظ رکھنا ہے، یہ حکومت اور پبلک کا مشترکہ فرض ہے، اس لئے فریقین کو اس معاملہ میں تعاون کرنا چاہئے، تاکہ ہندوستان اس خطرناک زمانہ سے امن و عافیت کے ساتھ گزر جائے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حکومت اور پبلک دونوں واقعی طور پر یہ عزم کر لیں کہ ہندوستان کو داخلی ہنگاموں سے محفوظ رکھیں گے، تو انشاءاللہ اس مقصد میں انہیں کامیابی ہو گی،

اس وقت ہندوستان کی کوئی سیاسی یا غیر سیاسی جماعت ایسی نہیں ہے، جو خطرہ کی اہمیت اور ہندوستان کو خانہ جنگی سے محفوظ رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتی ہو، اس لئے یہ بہترین موقع ہے کہ یہ مختلف جماعتیں جو ہندوستان کے تحفظ کے معاملہ میں ایک مشترک مقصد رکھتی ہیں کم از کم زمانہ جنگ کے لئے باہم تعاون کریں، اس سے فرقہ وارانہ کشمکش کا خطرہ بالفعل ٹل جائے گا،

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس عارضی مفاہمت سے فرقہ وارانہ اختلافات مٹ جائیں گے کیونکہ جب ملک میں مختلف فرقے موجود ہیں اور ان کا نقطہ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہے تو ان اختلافات کا جاری رہنا لازمی ہے تاوقتیکہ اُن میں کوئی مستقل مفاہمت نہ ہو جائے، لیکن ہمیں اس قسم کے کسی سمجھوتہ کے انتظار میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہئے اور بالفعل ایک مشترکہ مقصد یعنی ہندوستان میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے اتحاد عمل کر لینا چاہئے،

ہندوستان کی دوسری جماعتوں کی طرح "جمعیتہ علمائے ہند" نے بھی ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی ضرورت محسوس کر کے یہ اپیل کی ہے کہ

"تمام اہل وطن اپنے اپنے حلقہ وار، محلہ وار محافظ جماعتیں قائم کر کے جلد از جلد اپنی حفاظت کا انتظام کریں، تمام باشندگان علاقہ و محلہ کا فرض ہے کہ وہ تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے اس اہم کام اور نیک مقصد میں باہمی تعاون سے کام کریں، اور ایسی مضبوط و متحد العمل جماعتیں بنالیں کہ فسادیوں اور شریروں کی مدافعت باقاعدہ منظم طریق پر کر سکیں"

گزشتہ جون میں جمعیتہ علمائے ہند کا جو سالانہ اجلاس جونپور میں منعقد ہوا تھا اس کے صدر مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے ہندوستان میں داخلی امن قائم رکھنے کی ضرورت محسوس فرماتے ہوئے حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں،

"اس وقت جبکہ برطانوی حکومت اور اُس وقت انتہائی مشکلات میں مبتلا ہے جس کے نتائج ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کل کو کیا پیش آنے والا ہے اس لئے ہم پر بہت زیادہ ضروری ہے کہ پیش آنے والے خطرات کا ہم ابھی سے انتظام کریں،

ایسے اوقات میں خود غرض، بزدل، بدمعاش لوگ امن و امان میں خلل ڈالتے ہیں، ملک میں ہر طرح کی شورش برپا کر کے جان، مال، عزت، راحت سب کو نیست و نابود کر دیتے ہیں، اور ملک کو مثل جہنم بنا دیتے ہیں، اس لئے شدید ضرورت ہے کہ تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں اس مقصد کے لئے متحد ہو جائیں اور باوجود اپنے سیاسی اختلافات کے امن و امان کی خاطر ہر قسم کی جد و جہد عمل میں لائیں اور شریف النفس، نیک دل نوجوانوں اور [illegible] کو رضاکار بنائیں اور ہر محلہ [illegible] کے

(بقیہ صفحہ [illegible] کالم [illegible])

دارالعلوم دیوبند میں نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی کا ورود مسعود

انجمن اتحاد طلباء دارالعلوم کی جانب سے جلسہ تہنیت اور سپاسنامہ

باب الظاہر (صدر دروازہ دارالعلوم) کے سنگ بنیاد نصب کرنے کی تقریب کے سلسلہ میں ۱۳۔ جمادی الاولیٰ کو شب کے ۹ بجے دارالعلوم میں تشریف لائے ۱۴۔ جمادی الاولیٰ یوم الجمعہ کی صبح کو ۹ بجے باب الظاہر کی تاسیس کی رسم ادا کی گئی۔ اس اجتماع میں علاوہ اساتذہ اور مقامی حضرات کے وہ حضرات بھی شریک تھے جو سنگ بنیاد نصب کرنے کی تقریب کے سلسلہ میں باہر سے تشریف لائے تھے جس میں نواب صدر یار جنگ بہادر خاص طور پر قابل الذکر ہیں۔ اس کے بعد نواب صدر یار جنگ بہادر نے دارالعلوم کے ادارات کا معائنہ فرمایا۔ بعد الجمعہ ۳ بجے انجمن الاتحاد کے زیر اہتمام زیر صدارت حضرت علامہ مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند "دارالحدیث" کے وسیع ہال میں ایک جلسہ ہوا۔ سب سے پہلے قاری حافظ ظریف حسن بہاری متعلم دارالعلوم نے قرآن مجید کی تلاوت کی اس کے بعد عزیز گرامی مولوی مسعود جاوید جونپوری نے نواب صدر یار جنگ بہادر کی خدمت میں اردو میں قصیدہ پڑھا۔ اس کے بعد عبدالسمیع متعلم دارالعلوم نے حضرت صدر یار جنگ بہادر کے تعارف میں تقریر کی آپ نے بیان کیا کہ حضرت نواب صاحب بہت بڑے رئیس ہونے کے ساتھ زبردست عالم اور مصنف ہیں جس کی نظیر موجودہ رؤسا میں محال نہیں تو کم از کم دشوار ضرور ہے۔ آپ مولانا الشاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مراد آبادی کے ارادتمند اور استاد العلماء حضرۃ مولانا لطف اللہ صاحب کے شاگرد ہیں۔ اول الذکر حضرت مولانا الشاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے براہ راست شاگرد و مؤخر الذکر حضرت مولانا اسحاق صاحب کے تلامذہ میں تھے۔ آپ مشرقی اور مغربی علوم کے جامع صوفی مشرب رئیس ہیں۔ اس کے بعد انجمن کی طرف سے مولوی کفایت اللہ متعلم دارالعلوم نے سپاسنامہ پیش کیا۔

خلاصہ تقریر نواب صدر یار جنگ بہادر اس کے بعد نواب صدر یار جنگ بہادر نے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے ایک نہایت مفید پُر مغز مختصر تقریر فرمائی جس کو مختصراً ذیل میں درج کرتے ہیں۔

جناب صدر اور علمائے کرام طلبائے عزیز۔ سب سے پہلے مجھے اس کا شکریہ ادا کرنا ہے جس کے لئے آپ نے مجھے بلایا ہے اور ہمدردی کی۔

میرے عزیز طالب علموں جو اپنے عزیزوں اور گھروں کو چھوڑ کر جمع ہوئے ہو۔ اس پر غور کیا ہے کہ کیوں آئے ہو۔ جواب دیا جائے گا کہ پڑھنے کے لئے آئے ہیں لیکن میں پھر کہوں گا کہ آپ کیوں آئے ہیں۔ آپ جو چند دن یا چند مہینے چند سال یہاں اپنے اساتذہ کی خدمت میں گذاریں گے وہ آپ کی زندگی کا بلکہ آخرت کی زندگی کا سرمایہ ہوگا۔

آپ دیکھیں گے کہ ہر زمانہ میں علماء سو پیدا ہوتے رہے ہیں جو درسگاہوں کے تعلیم یافتہ علماء کے حق کے لئے مصیبت بنے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی گیہوں کی روٹی کھا کر توانا و تندرست رہتا ہے اور دوسرا بیمار ہو جاتا ہے اسی طرح جو علم اچھے دماغوں میں داخل ہوتا ہے وہ مفید ہوتا ہے اور جو برے دماغوں میں جاتا ہے وہ فساد کا باعث بنتا ہے۔ علم حاصل کرنے سے پہلے تزکیہ کی ضرورت ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک ہی درسگاہ کے پڑھے ہوؤں میں ایک درہ لگانے کا حکم دیتا ہے دوسرا درہ کھاتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حالات فتنہ خلق قرآن پر درے کھانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ہدایت کی کہ جب تک آپ تزکیہ نفس کی طرف توجہ نہ کریں گے علم سے استفادہ نہیں ہو سکیگا۔ آپ استادوں کا انتہائی ادب کریں جھوٹ اور ریا سے اجتناب کریں اور علم کا احترام کریں استادوں کا احترام نہایت ضروری ہے بغیر اس کے علم حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی دے اور آپ کے علم میں برکت ہو۔ اور آپ کے عزیز طلبہ کامیاب ہو کر یہاں سے جائیں۔

علامہ عثمانی کی تقریر کا خلاصہ اس کے بعد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ التفسیر نے نواب صاحب کی تقریر پر اضافہ فرماتے ہوئے بیان فرمایا اس سخت موسم میں جبکہ ہمیں امید نہیں تھی کہ آپ ہماری استدعا کو قبول فرمائیں گے۔ لیکن آپ ہماری مساعی کے مطابق تشریف لے آئے۔ اس لئے ہم شکر گزار ہیں۔

نواب صاحب نے جو کچھ نصیحتیں آپ حضرات کو کی ہیں وہ حرفاً حرفاً صحیح ہیں اور آپ نے تمام ضروریات کو چند جملوں میں ادا فرمایا۔ مصائب چھوٹی سی سناں بھی ہیں اور بڑی بھی۔ حوادث سے کسی کو چارہ نہیں۔ سیلاب کی تباہی سے چھوٹی بستیاں جس طرح بہہ جاتی ہیں اسی طرح زلزلہ کی مصیبت اور اس کا احساس بڑے شہر والوں کو زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس کے نقصان کے اثرات بھی ان پر زیادہ ہوتے ہیں اسی طرح قوموں کے اوپر تباہی آتی رہی ہے جیسے ۱۸۵۷ء کے حادثہ نے ہمارے معابد اور ہمارے قومی تعمیرات کو مسمار کر دیا صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے دارالعلوم کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ غدر کے بعد سر سید احمد نے کالج بناکر قوم کے لئے مکان بنایا۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے مسجد تعمیر کی یہ بات مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ ہماری شکستہ مسجدوں سے مکانات کی تعمیر کی جانے لگی اس لئے دونوں درسگاہوں میں بُعد بڑھتا گیا۔ ہمیں ابھی دریافت کی کاوش ہے۔ ہمارے بزرگوں سے ہمت نہیں ہاری کچھ حالات ایسے پیش آئے کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو بھی یورپ کے حالات دیکھ کر مذہب کی ضرورت کا خیال ہوا۔ ضرورت ہے کہ دونوں درسگاہوں میں باہمی تعاون ہو۔ ہمارا مسلک کتاب و سنت کی بنا پر ہے۔ اس لئے ہم اس میں کچھ تغیر گوارا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ اور ٹھیک راستہ پر چلائے۔ اللہ تعالیٰ اس مرکز علم کو قائم رکھے اور اس میں جو چیزیں قابل اصلاح ہوں اُن کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

اس کے بعد مجلس برخاست ہوئی ۴ بجے انجمن کے اراکین نے نواب صدر یار جنگ بہادر کو چائے پر مدعو کیا۔ چنانچہ نواب صدر یار جنگ بہادر اور حضرت شیخ الاسلام امیر المومنین مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ التفسیر اور حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا سید طفیل احمد صاحب علیگ مصنف "روشن مستقبل" اور دوسرے اصحاب دفتر الاتحاد میں تشریف لائے۔ اور چائے نوش فرمائی۔ چائے نوشی سے فراغت کے بعد نواب

صدر یار جنگ بہادر اور ان کے رفقاء اور مولانا سید طفیل احمد صاحب علیگ نے انجمن اتحاد کے دارالکتب اور دارالاخبار کا معائنہ فرمایا۔

دارالاخبار میں ملک کے مشہور علمی و ادبی ماہانہ رسائل اور روزانہ اور سہ روزہ ہفتہ وار اخبارات خصوصاً انجمن کے ماہانہ قلمی رسالہ "اتحاد" اور ہفتہ وار قلمی اخبار "پیام اتحاد" اور سہ ماہی عربی کا مجلہ مرشد الہدیٰ کو دیکھ کر نواب صاحب نے جو خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا ہے اس کا اندازہ آپ کی اس تحریر سے ہو سکتا ہے جو آپ نے کتاب المعائنہ میں درج فرمائی ہے۔

عبدالرشید سمی
انجمن اتحاد دارالعلوم دیوبند

ندوۃ العلماء کیا اور کیسا؟

(از اخبار مدینہ)

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے متعلق بہت سے شکایتی مراسلے دفتر کو موصول ہوئے تھے جن کا خلاصہ ان کالموں میں دے دیا گیا تھا۔ بعد ازاں ان کا جواب بھی شائع پذیر ہو چکا ہے۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مراسلات بھیجنے والوں نے حد سے زیادہ مبالغہ آمیزی سے کام لیا۔ راقم الحروف کو براہ راست خود اس درسگاہ سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا مولانا ابو اللیث صاحب البتہ ندوہ کے ایک مایہ ناز عالم ہیں۔ انھوں نے ان مراسلات کی صحت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا تھا لیکن بعد ازاں یہ سمجھا گیا کہ بہرحال ان میں صداقت ضرور ہے اور اسی بنا پر مدینہ میں ان کا خلاصہ درج کر دیا گیا تھا مزید احتیاط کی خاطر جوابی مراسلہ کی اشاعت کے بعد اس کے جواب الجواب کا انتظار بھی کیا گیا مگر اب کامل تحقیقات کے بعد یہ ثابت ہوا کہ الزام لگانے والوں اور شکایت کرنے والوں نے افسوسناک انداز سے واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا تھا لیکن راقم الحروف کو بڑی خوشی ہے کہ ان شکایات کے سلسلہ میں ندوہ کے اصول تعلیم و نظام تعلیم کو بلا واسطہ دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور اب ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں مطلق کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ ہندوستان بلکہ جامعہ ازہر کو چھوڑ کر مشرقی دنیا میں دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی ایک ایسی درسگاہ ہے جہاں نہایت ہی معیاری اور اعلیٰ پیمانہ پر علم دین کی تعلیم کا انتظام ہے۔ ہندوستان کی دوسری دینی درسگاہوں کو جن میں دارالعلوم دیوبند بھی شامل ہے راقم الحروف کو متعدد بار دیکھنے، ان میں رہنے، ان کے بعض اساتذہ سے استفادہ کرنے اور ان کے فضلائے کرام سے دوستانہ و عزیزانہ تعلقات رکھنے کی عزت حاصل رہی ہے۔ اور اس لئے ہم پورے وثوق اور پورے ایمان و یقین کے ساتھ یہ عرض کر سکتے ہیں کہ ندوہ کا اصول تعلیم، نظام تعلیم، نصاب تعلیم اور تعلیم دینے کا طریقہ اپنی مثال آپ ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اگر ہماری تمام دینی درسگاہیں اسی انداز پر چلائی جائیں یا ہمارے تمام علمائے کرام ندوہ کے فارغ التحصیل ہو جائیں تو ہندوستان میں الحاد و زندقے اور مذہب سے تنفر و بے زاری اور علماء سے نفرت کے جو جذبات بڑھتے جا رہے ہیں وہ بہت جلد فنا ہو جائیں۔

ہماری دینی درسگاہوں کا ایک سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہاں طلبہ کی تعلیمی عمر کا بیشتر حصہ صرف و نحو وغیرہ مضامین پر صرف کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی کوئی ایسا نہیں ہوتا (الا ماشاء اللہ) جو صحیح عربی لکھ سکے یا بول سکے۔ لیکن ندوہ کی ایک سب سے بڑی خصوصیت ہے کہ یہاں صرف و نحو پر طالب علم کا کم سے کم وقت صرف کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود یہاں کے فارغ التحصیل کو عربی زبان پر حیرت انگیز دسترس ہوتی ہے اور یہ خصوصیت کم از کم ہندوستان میں صرف ندوہ کو ہی حاصل ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ چیز کیسے پیدا کی جاتی ہے! بات یہ ہے کہ ندوہ میں زبان کو آرٹ سمجھ کر اس کی تعلیم میں مشق و مزاولت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے لیکن ہماری دوسری دینی درسگاہوں میں نادانی سے زبان کو سائنس قرار دے کر اس کے صرفی و نحوی اصول کو رٹا دینا ہی اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے عام عربی درسگاہوں کے فاضلوں کی مثال ایسی ہو کر رہ جاتی ہے جیسے کسی بچہ کو چلنے کی مشق کرانے اور چلاتے رہنے کے بجائے چلنے کے اصول و مبادی سکھائے جائیں کہ دیکھو چلنے میں ایک پاؤں یوں اٹھاؤ، اتنا زاویہ بناؤ، ایسا دائرہ بناؤ، اتنا لمبا خط اور پیر اور پھر اتنا عرضاً اور پھر اتنا طولاً کھینچو۔ اس طرح کرنے سے بچہ بلاشبہ چلنے کے علم الاصول میں تو مزید طاق ہو جائے گا لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ "چلو" تو گر گر پڑے گا بخلاف اس کے جو بچہ چلنے کے اصول تو نہ سیکھے لیکن چلنا سیکھے، وہ آپ کو چلنے کے علمی اصول چاہے نہ بتلا سکے لیکن دوڑے گا تو ہوا کا مقابلہ کرے گا۔

اس اصول کے پیش نظر ندوے میں ابتدا ہی سے بچہ کو "بلا واسطہ طریقے" (DIRECT METHOD) سے عربی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایک الماری میں مٹی کی بہت سی چیزیں بنی ہوئی رکھی ہیں اب مثلاً اگر طالب علم کو یہ بتانا ہے کہ سیب کو عربی میں کیا کہتے ہیں تو استاد ایک سیب اٹھا کر طلباء کو دکھائے گا اور کہے گا۔ ھذا تفاح۔ اسی طرح وہ طالب سے یہ نہ کہے گا کہ "یہاں آؤ" بلکہ ہاتھ کا اشارہ کر کے کہے گا "تعال" غرض اس طرح مشق و تمرین سے طالب علم کو عربی سکھائی جاتی ہے اس کا نتیجہ ہے کہ ابتدائی درجوں ہی سے بچوں میں صحیح عربی کے جملے لکھنے اور بولنے کی لیاقت پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ صرف و نحو کی کتابیں وہ بہت کم پڑھتے ہیں۔

ندوۃ العلماء کا نصاب تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل تقلید ہے۔ دینیات کی وہ تمام مستند کتابیں جو سلف سے چلی آ رہی ہیں وہ سب یہاں پڑھائی جاتی ہیں۔ مثلاً قدوری، سراجی، شرح وقایہ، اصول الشاشی، ہدایہ، توضیح تلویح، حجۃ اللہ البالغہ، شرح عقائد نسفی، تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ، صحاح ستہ وغیرہ وغیرہ لیکن صرف اسی پر بس نہیں کیا جاتا بلکہ طالب علم کو حساب بھی کسور عام، اعشاریہ اور جذر المربع تک سکھایا جاتا ہے؟ علاوہ ازیں اتنی انگریزی بھی اسے سکھلا دی جاتی ہے کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد انگریزی اخبارات پڑھ سکے اور یورپ کے مستشرقین کی تصنیفات کا مطالعہ انگریزی زبان میں کر سکے۔ چنانچہ آخری درجے میں خالد شیلڈرک کی مشہور کتاب "اسلام آلقا دی کراس روڈ" داخل نصاب ہے۔ انگریزی کی تعلیم کے لئے کئی ٹیچر مستقل طور سے کام کرتے ہیں اور جو صاحب ہیڈ ٹیچر یا شعبہ انگلش کے استاد اعلیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں وہ انگریزی سے ایم اے ہونے کے علاوہ بعض اور [illegible] کے ایم اے بھی ہیں اور بی ٹی بھی۔ ان کی قابلیت اتنی اچھی ہے کہ کسی کالج میں اونچے طلباء کو باسانی پڑھا سکتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے مضامین میں بھی اساتذہ کا معیار بہت بلند ہے۔

حساب اور انگریزی کے علاوہ اس درسگاہ میں طلباء کو اقتصادیات، سیاسیات، فلسفہ جدید، نفسیات اور سائنس کی تعلیم بھی اتنی دی جاتی ہے کہ ان علوم پر ایک چلتی ہوئی سی مہارت (WORKING

(KNOWLEDGE) طلبا کو ہو جاتی ہے۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ندوہ سے جو طالب علم فارغ ہو کر نکلتا ہے وہ ملک کی دوسری دینی درسگاہوں کے فاضلوں کی طرح دنیا اور دنیا والوں کی رفتار و گفتار سے بے خبر نہیں ہوتا بلکہ سب کچھ جانتا ہے اور سب کچھ جاننے کے باوجود اسلام اور تعلیمات اسلام پر عامل رہنے کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔ تجربہ کے طور پر اگر ندوۃ العلما اور کسی اور مدرسہ سے بھی مثلاً دیوبند کے فارغ التحصیل سے (بشرطیکہ دونوں کی استعداد اور ذہانت و فراست میں دونوں برابر ہوں) ایک سرسری ملاقات کی جائے تو ایک نمایاں فرق محسوس ہوگا۔ مولانا حسین احمد مدظلہ کی سرگرمی سے دار العلوم دیوبند میں حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کا کچھ تھوڑا بہت شعور پیدا ہو گیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ بات نہیں جو ہونا چاہئے اور دوسری درسگاہوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اس دار العلوم کی ایک اور خصوصیت یہ دیکھنے میں آئی کہ یہاں اس وقت جتنے اساتذہ کام کر رہے ہیں وہ تقریباً سب اور اس کے ارباب اقتدار میں سے بھی اکثر اسی درسگاہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ اس سے اس درسگاہ کے نظام تعلیم کی کامیابی کا اندازہ ہوتا ہے۔ دار العلوم کا ادارۂ اہتمام مولانا محمد عرفان کے سپرد ہے۔ آپ ندوہ کے فاضل ہیں اور جامعہ ازہر (مصر) سے علوم القرآن میں "تخصص" کی سند فضیلت رکھتے ہیں۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جامعہ ازہر کے نظام تعلیم سے ہم لوگ چونکہ ناواقف ہوتے ہیں اس لئے جو شخص بھی وہاں سے کاغذ کا کوئی پرزہ لے آتا ہے ہم اسے "فاضل مصر" کہنے لگتے ہیں۔ بنابریں مولانا عمران صاحب کی سند تخصص کے متعلق صحیح علم صرف ان ہی کو ہو سکتا ہے جو جامعہ ازہر کے نصاب تعلیم سے باخبر ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ مولانا موصوف پہلے ہندوستانی ہیں جنہوں نے یہ سند اور وہ بھی درجہ اول کے نمبروں سے حاصل کی ہے جس وقت آپ کے نتیجہ کا اعلان ہوا تھا تو مصر کے اخبارات الاہرام و البلاغ وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ آپ کا تذکرہ کیا تھا۔ مولانا موصوف کے علاوہ مولانا ابو الحسن علی استاذ تفسیر، مولانا حیدر حسن خاں استاذ حدیث، مولانا شبلی استاذ فقہ وغیرہ وغیرہ تمام اساتذۂ کرام غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ بدنصیبی سے علما کے طبقے میں آجکل جہل مرکب اور ... تیاں اوصاف پیدا ہو گئے ہیں۔ علما میں عموماً ایسے افراد ملتے ہیں جو بظاہر خود کو بہت مقدس، بہت پاکیزہ اور متین بناتے ہیں۔

مگر آنکھوں میں ہنگام تبسم

ریا کی چشمکیں اللہ اکبر! الا ماشاء اللہ

لیکن ندوۃ العلما کے فضلا اور اساتذہ میں یہ چیز حیرت انگیز طور پر مفقود ہے۔ البتہ نیک اندر بد، بد اندر نیک تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی جن کو دار العلوم کی روح رواں سمجھنا چاہئے اپنے علم و فضل کے اعتبار سے اتنے بلند ہیں کہ عام علما ان کی عظمت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے مصر اور شام کے اہل علم حضرات ہندوستان کے علما میں صرف آپ ہی کا لوہا مانتے ہیں اور آج آپ کی تصنیف "سیرت نبوی" کا ترجمہ مصر میں ہو رہا ہے لیکن ان اعتبارات کے باوجود آپ ایک نہایت منکسر المزاج حلیم الطبع اور سادہ منش انسان ہیں۔ اور آپ ہی کا عکس ہے جو ندوہ کے تقریباً تمام وابستگان دامن میں نظر آتا ہے۔

یہاں اس دار العلوم پر تفصیل کے ساتھ لکھنے کا وقت اور موقعہ نہیں۔ جو بیان کی گئی ہیں تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے لیکن یہاں صرف اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے ہمارے خیال میں تعلیم و معیار تعلیم اور نصاب تعلیم کے علاوہ ایک خاص بات جو اس درسگاہ میں پائی جاتی ہے وہ طلبہ کے رہنے سہنے کا طریقہ ہے۔ عربی درسگاہوں کے طلبا عموماً دار التبائی کے میموں اور لاوارثوں کی طرح رہتے ہیں جو صبح و شام کٹورے لئے مطبخ پہنچتے ہیں اور وہاں سے فقرا و مساکین کی طرح کھانا لیکر اپنے حجروں میں (جن میں رہنے والے طلبا کی تعداد کمرے کی وسعت سے زیادہ ہوتی ہے) واپس آتے ہیں۔ اگرچہ طلبا ہر خاص قسم کا احساس کمتری پیدا کرتی ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں اور اس لئے اس سلسلہ میں ندوہ کو جو امتیاز حاصل ہے وہ ہماری دینی درسگاہوں کی دنیا میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں طلبا کے لئے کھانے کا ایک مشترک کمرہ ہے جہاں وہ کھانا کھاتے ہیں۔ جن طلبا کو مفت کھانا دیا جاتا ہے ان کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مطبخ کی فیس جو سات آٹھ روپیہ ہے ان کی طرف سے دار العلوم ادا کر دیتا ہے کپڑے بھی نادار و غیر مستطیع طلبا کے لئے بنوائے جاتے ہیں مگر ان میں بھی اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے کہ سلائی اور وضع قطع ویسی ہی ہو جیسی عام طور سے مستعمل ہے تاکہ ان کا خیراتی ہونا معلوم نہ ہو سکے۔ اس طرح گویا ندوے کے طلبا میں خود حقارتی کا وہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا جو آگے چل کر بہت سی نفسی بیماریوں کا سبب بن جاتا ہے پھر ان طلبا کی صحت کے لئے ورزش کا بھی انتظام ہے۔ ان کی دماغی صحت کے لئے ایک علمی انجمن بھی ہے اور ایک بہت عمدہ بات یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کا ایک بینک ہے جس میں وہ اپنا روپیہ جمع رکھتے ہیں۔ اس بینک میں سب کے بجائے زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کرنے والے بچہ کو انعام دیا جاتا ہے۔ اس بینک کا داخلہ خارجہ اور چیک بک وغیرہ کے ذریعہ سے بچہ کو دنیا کے اقتصادی نظام سے باخبر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

غرض بہت سی خصوصیات ہیں ... ہے
ایک ایسی جگہ ... خصوصیت

... ما تقدم ... کہ می نگرم
کرشمہ ... دل می کشد کہ جا اینجاست

مسلم یونیورسٹی میں صحافت کی تربیت

ہندوستان میں صحافت کی تربیت کے معقول انتظام کی ضرورت مدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ ایک طرف تو ایسے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے جو صحافت کا پیشہ اختیار کرنے کی خواہش اور جذبہ رکھتے ہیں اور دوسری طرف ہندوستان میں اخبارات کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے اور تربیت یافتہ نوجوانوں کی قابلیت کے مطابق کام کا میدان وسیع ہوتا جاتا ہے اور چونکہ صحافتی تربیت کا انتظام کسی یونیورسٹی یا اخبار کے دفتر میں نہیں ہے اس لئے اخبارات عموماً غیر تربیت یافتہ اور ناقابل لوگوں سے کام لینے پر مجبور ہیں جو صحافت کی ترقی میں بہت کم مدد دے سکتے ہیں اس طرح گو اخبار میں ملازمت کے خواہاں کارکنوں کی کمی نہیں ہے مگر صحافتی قابلیت کے منظر عام پر آنے کا موقع بہت کم ہے اس لئے کہ یہ قابلیت تربیت کے فقدان سے محسوس نہیں ہوتی نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اخباری کاروبار کی ترقی اور اخباروں کی حالت میں اصلاح کی رفتار بہت ہی سست ہے۔

اسی کے ساتھ صحافتی تربیت کے انتظام میں بعض شدید دشواریاں ہیں اس لئے کہ یہ تربیت کسی مدرسہ سے زیادہ بہتر طریقہ پر خود اخبار کے دفتر میں ہوتی ہے اور اخبارات کی سقیم حالت اس انتظام کے بار کو برداشت نہیں کر سکتی۔ دوسری طرف علمی درسگاہوں میں

[illegible] ہونے کی وجہ سے مصارف [illegible] پہلے کل مصارف ۱۷۰۰۰۰۰ [illegible] بڑھ کر تقریباً ۷۰۰۰۰۰۰ ہو گئے۔ کم از کم درجہ چہارم تک پڑھے ہوئے طالب علم کو ہم خواندہ کہہ سکتے ہیں۔ ایسے لڑکوں کی تعداد میں بلاشبہ اضافہ ہوا جو ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔

[illegible] طلبہ کی تعداد ۴۱۸۶۰۰۰

[illegible] طلبہ کی تعداد ۴۹۳۳۰۰۰

لیکن اب بھی تقریباً ۷۲ فی صدی تعلیم بیکار ضائع جاتی ہے۔

تعلیم نسواں — عوام میں ایک عام بیداری پھیل رہی ہے اور تعلیم نسواں کی اہمیت کا احساس روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ ماضی کے تعصبات جو تعلیم نسواں کی ترقی میں حائل تھے، آہستہ آہستہ مٹ رہے ہیں۔ بچپن کی شادی خلاف قانون قرار دے دی گئی ہے اور پردہ کی رسم بھی آہستہ آہستہ مٹ رہی ہے۔ طالبات کی تعداد ۱۹۳۲ء میں ۲۴۹۳۰۰۰ تھی اور ۱۹۳۷ء میں بڑھ کر ۳۱۳۸۰۰۰ ہو گئی گویا اس پانچ سال کی مدت میں ۲۵.۹ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ ابتدائی مدارس کے علاوہ لڑکیوں کے اور تمام اداروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے ۱۹۳۲ء میں زنانہ تعلیم کے کل مصارف ۲۳۹۰۰۰۰۰ تھے لیکن ۱۹۳۷ء میں ۲۶۹۰۰۰۰۰ تک پہنچ گئے لیکن اب بھی لڑکیوں کی تعلیم سے زیادہ لڑکوں کی تعلیم پر توجہ کی جاتی ہے چنانچہ زیادہ آمدنی ہونے کی شکل میں، اس کا بڑا حصہ لڑکوں کی تعلیم پر صرف ہوتا ہے۔ مخلوط تعلیم برابر بڑھ رہی ہے متعدد صوبوں میں مردانہ مدارس میں طالبات کی تعداد بڑھنی گئی۔ طالبات کی مجموعی تعداد ۳۱ لاکھ ۳۸ ہزار ہے ۱۹۳۷ء میں ۱۲ لاکھ ۶۲ ہزار مردانہ مدارس میں زیر تعلیم ہیں۔

تعلیم بالغان — ۱۹۳۷ء میں مرد بالغوں کے لئے ۲۰۱۶ اسکول تھے اور اس میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی کل تعداد ۳۰۰۰ تھی، عورتوں کے کل ۱۱۱

تعلیم بالغان کی توسیع و اشاعت میں زیادہ تر ہندوستان کے رضاکاروں کا حصہ ہے، انسپکٹروں کی تعداد اور قابلیت دونوں ناقابل اطمینان رہی ہیں [illegible] صورتیں اختیار نہیں کی گئیں جن سے تعلیم کی وسعت و ترقی کے ساتھ ساتھ انسپکٹروں کی تعداد میں بھی اضافہ [illegible] عورتوں کی تعلیم میں خصوصیت سے بہت [illegible] اب حالات بہتر ہوتے نظر آتے ہیں

اکثر صوبوں میں اس کمی کو محسوس کیا گیا اور اس کی طرف توجہ مبذول کی جا رہی ہے۔ (ہمدرد جامعہ)

جنگ اور ہندوستان کا مستقبل

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

ساتھ امن و امان کے تحفظ کے لئے کوشاں ہوں'

اس میں مسلمانوں کو ہرگز ہرگز دیر نہ کرنی چاہیے'

اور نہ اس میں کسی قسم کی فرقہ وارانہ چاشنی پیدا ہونے دینا چاہیے' باضابطہ نظام کے ساتھ باشندگان ملک اور ان کی جان و مال کی حفاظت کرنا چاہیے' ان والنیٹروں کا نظام بھی پنچایتی ہونا چاہیے' اور جہاں تک ممکن ہو حکومت سے بھی اپنی باضابطہ ذمہ داری کو تسلیم کرانا چاہیے''

ان حالات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ملک کی مختلف الخیال جماعتیں اور مختلف فرقوں کے ذمہ دار اشخاص' یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو جنگ کے معاملہ میں حکومت سے تعاون نہیں کر رہے ہیں اس بارہ میں متحد الخیال ہیں کہ بحالت موجودہ ہندوستان میں اندرونی شورش کا خطرہ ہے اور ہمیں اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے ابھی سے انتظام کرنا چاہئے اور اس میں مسلمانوں کو خاص طور پر حصہ لینا چاہیے' کیونکہ اگر خدا نخواستہ ملک میں بدامنی ہوئی تو مسلمان بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں گے' بلکہ پہلے سے تیار نہ ہونے کی صورت میں انھیں دوسروں سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

برطانیہ کے جنگی مصارف پچاس لاکھ پونڈ روزانہ

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک برطانوی فوج پر جو روپیہ صرف ہوتا تھا۔ وہ ۳۴۰ پاؤنڈ فی نفر سالانہ کے حساب سے پڑتا تھا لیکن آج کل بحساب اوسط ہر شخص پر چھ سو پونڈ سالانہ صرف ہو رہا ہے' بحری فوج' بری فوج' ہوائی فوج' اور وزارت بہم رسانی کا مجموعی خرچ چالیس لاکھ پاؤنڈ روزانہ ہے۔ اس کے علاوہ مزید دس لاکھ پاؤنڈ روزانہ ہوائی حملوں سے بچاؤ پر' بعض علاقوں کے خالی کرنے پر' جہاز سازی پر اور اشیاء خوردنی کے نرخ قائم کرنے پر صرف کیا جا رہا ہے۔ گویا آج کل حکومت پینسٹھ لاکھ اور ستر لاکھ پاؤنڈ کے درمیان روزانہ خرچ کر رہی ہے۔ ان میں پچاس لاکھ پونڈ روزانہ صرف جنگ پر صرف ہوتے ہیں۔ اس جنگ پر پورا ایک سال گزرنے سے پہلے یہ مصارف اسی لاکھ پاؤنڈ روزانہ تک پہنچ جائیں گے۔

اس خرچ کو پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹیکس لگایا جائے اور اس ٹیکس کا بوجھ نہایت غریب اور کنگال آدمیوں کے علاوہ سب کو اٹھانا پڑے گا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اگر دو ہزار پاؤنڈ سالانہ سے زیادہ کی آمدنی والوں کی ساری کی ساری ضبط کر لی جائیں تو حکومت کی آمدنی میں صرف چھ کروڑ پاؤنڈ سالانہ کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

برطانیہ اس وقت ۵ ملین' دوارب پچاس کروڑ پاؤنڈ سالانہ صرف کر رہا ہے۔ ۱۹۴۳ء میں ۱۲۵ ملین پاؤنڈ آمدنی کی امید ہے اور خرچ ۳۴۲ ملین پاؤنڈ تک بڑھ جائے گا۔ دونوں کے درمیان جو فرق دو ارب ملین کا فرق رہے گا اس کو کیونکر پورا کیا جائے گا؟ نئے ٹیکس پانسو ملین پاؤنڈ لائیں گے گویا حکومت کی کل آمدنی ۷۵۰ ملین پاؤنڈ ہوگی۔ بچت سوگ اور قرضہ جنگ کی اسکیم میں جس رفتار سے برطانیہ کے حصہ لے رہے ہیں اس سے یقین ہے کہ سال بھر میں ۱۵ ملین پاؤنڈ وصول ہو جائے گا۔ گویا کل آمدنی ۲۵۳ ملین پاؤنڈ ہوگی۔ موجودہ معیار سے جو خرچ ہو رہا ہے وہ اس رقم سے پورا ہو جائے گا غرض اس وقت برطانیہ اپنی آمدنی اور اپنے قومی وصول کے لحاظ سے تناسب کا سالی کے ساتھ لڑنے کی استعداد و استطاعت رکھتا ہے۔ (آزاد)

علمائے سلف

نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کی مشہور تصنیف جو عربی کی مستند و معتبر تاریخی کتابوں کے ہزاروں صفحے کے مطالعہ و ریزہ چینی کے بعد تالیف کی گئی' علمائے اسلام کے ایسے سبق آموز ولولہ انگیز و دلچسپ حالات اب تک کسی کتاب میں نہیں لکھے گئے ہیں' صرف حالات نہیں ہیں' بلکہ اس عہد کی علمی زندگی اور طریقہ تعلیم و تربیت کا مرقع ہے' بیان و زبان کی لطافت مزید برآں چھپائی' لکھائی عمدہ۔ طبع چہارم ضخامت ۳۰۰ صفحہ۔ قیمت [illegible] ۸/

ملنے کا پتہ

منیجر بکڈپو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی پبلیشر و پرنٹر شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا اور وہیں سے شائع ہوا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

مینیجر سید عابد علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۱) | یکم اگست سنہ ۱۹۴۰ء مطابق ۲۶ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر (۲۹)

تعطیل سالانہ کے بعد مسلم یونیورسٹی [illegible] توقع سے زیادہ طلبہ داخل ہوئے، اگر [illegible] طلبہ کو یہاں کے طریقہ کار سے ناواقف تھے بہت [illegible] پیش آئیں لیکن آخر کار کسی نہ کسی طرح داخل ہو گئے، جس قدر داخلہ ہوا عام ملکی حالات کے لحاظ سے اس قدر توقع نہ تھی، اب مسلم یونیورسٹی میں ہر طرف چہل پہل نظر آتی ہے، اور ایک نئی زندگی شروع ہو رہی ہے، آخر اگست میں ہز ایکسلنسی گورنر صوبہ متحدہ بھی مسلم یونیورسٹی میں تشریف لانے والے ہیں جس کے لئے ابھی سے انتظامات ہو رہے ہیں،

ڈھاکہ یونیورسٹی کی ایگزیکٹو کونسل نے جو کمیٹی مقرر کی تھی اس نے ڈھاکہ یونیورسٹی ایکٹ کے مسودہ پر غور کیا لیکن قلت وقت کی وجہ سے حکومت سے درخواست کی گئی ہے کہ مسودہ کی جانچ تک مہلت دی جائے، کمیٹی کے اس فیصلہ کی ایگزیکٹو کمیٹی نے تائید کی ہے،

ڈھاکہ یونیورسٹی میں گزشتہ مہینہ سے "آداب" اور "نمسکار" کا طریقہ جاری ہوا، جبکہ وائس چانسلر نے طلبہ کو اسناد تقسیم کیں، پہلے یہ دستور تھا کہ جب وائس چانسلر طلبہ کو سندیں تقسیم کرتے تھے، تو طلبہ اپنی جگہ پر واپسی کے وقت وائس چانسلر اور چانسلر کے سامنے جھکتے تھے، اس مرتبہ مسلمان طلبہ کی ایک جماعت نے مذہبی پہلو سے اس پر اعتراض کیا، اس بنا پر یونیورسٹی کی ایگزیکٹو کونسل نے آداب اور نمسکار کا طریقہ جاری کر دیا، گورنر بنگال نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے کنووکیشن کی صدارت فرمائی،

سنہ ۱۹۳۹ء کے متعلق جو سرکاری رپورٹ شائع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال ہندوستان میں دس اور پندرہ لاکھ کے درمیان موتیں صرف ملیریا سے ہوتی ہیں، رپورٹ سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ جو علاقے سمندر کی سطح سے پانچ ہزار فٹ بلند ہیں وہاں ملیریا نہیں پھیلتا،

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس ملک میں ملیریا صحت کا سب سے اہم مسئلہ ہے، اس کو تین بڑی بڑی مدوں میں تقسیم کیا گیا ہے، شہری، صنعتی اور دیہاتی علاقوں میں بمبئی کو مرکز بتایا گیا ہے جہاں ملیریا کے خلاف تدبیر اختیار کرنے سے حادثوں میں بہت کمی ہو گئی ہے، ہندوستان کے بہت سے صنعتی علاقوں میں بھی ملیریا پر قابو پانے کی کوشش جاری ہے،

رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ دیہات میں ملیریا پر قابو حاصل کرنا مشکل ہے کیونکہ وہاں لوگوں کی آبادی بہت گنجان اور قریب قریب ہے،

شملہ کی ایک تازہ اطلاع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند کے کمشنر محکمہ تعلیم کو سب یونیورسٹیوں سے اس معاملہ میں اتفاق رائے حاصل ہوا ہے کہ برطانوی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے جن طلبہ کی تعلیم میں جنگ کی وجہ سے خلل پڑ گیا ہے وہ اپنی تعلیم ہندوستان آ کر شملہ میں جاری رکھیں، ہندوستان میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران میں اس وقفہ کا خیال رکھا جائے گا جو برطانوی یونیورسٹیوں میں صرف ہوا،

موجودہ جنگ کے آغاز ہونے سے اب تک اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہ حکومت برطانیہ و حکومت ہند کو مجموعی طور پر ایک کروڑ روپیہ جنگ کے سلسلہ میں [illegible]

شملہ کی ایک اطلاع میں بیان کیا گیا ہے کہ جناب [illegible]
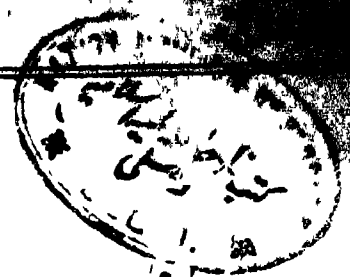
بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم اگست ۱۹۴۰ء

"دار المصنفین اعظم گڈھ"

(نمبر ۵)

مندرجہ بالا عنوان سے ہم نے ایک سلسلہ مضامین لکھا تھا جو کانفرنس گزٹ کے چار نمبروں میں شائع ہوا، اس مضمون میں دار المصنفین کی ضرورت اور اس کے اغراض و مقاصد کا تذکرہ کرنے کے بعد آخری نمبر میں اجمالاً اس کی تصنیفی خدمات بیان کی گئی تھیں، لیکن بعض لائق تذکرہ امور لکھنے سے رہ گئے تھے، اب اسی سلسلہ میں دار المصنفین کی مزید علمی خدمات اور اس کے کاروبار کے مختلف شعبوں کے متعلق بعض تفصیلات عرض کی جاتی ہیں، تاکہ ناظرین یہ اندازہ کر سکیں کہ یہ علمی ادارہ ملک و ملت کی کس قدر مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اور ان خدمات کے لحاظ سے مسلمانوں کا اس کے متعلق کیا فرض ہے۔

جیسا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں دار المصنفین کے ذریعہ سے جو کتابیں وجود میں آئیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت اس سلسلہ کتب کی ہے جو اوائل اسلام کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "مکمل سیرت" اور پھر اسی سلسلہ میں عہد خلافت راشدہ کی مفصل تاریخ، نیز مشاہیر صحابہ میں سے مہاجرین، انصار اور اہل بیت کے حالات، اور اسی سلسلہ میں "اسوۂ صحابہ" جیسی مفید تالیف جس میں نہایت جامعیت کے ساتھ صحابہ کرام کے عقائد، اعمال، اور اخلاق و معاشرت پر مفصل بحث کی گئی ہے، صحابہ کے بعد تابعین کرام کا تذکرہ جنھوں نے علوم تفسیر و حدیث کے سلسلہ میں دین کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے، اس لئے دار المصنفین نے جلیل القدر تابعین کے حالات میں بھی ایک مبسوط و پر مغز کتاب شائع کی ہے، اس سب گرانمایہ تالیفات نے اردو میں ایک ایسا ذخیرہ مہیا کر دیا ہے جس سے وہ اب تک تہی دامن تھی۔

اس مفید تاریخی سلسلہ کے علاوہ دار المصنفین نے حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانی مرحوم کی تمام تصنیفات اور مضامین و مقالات نہایت حسن و خوبی سے شائع کئے ہیں، جو کہ خود ہماری زبان کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہیں، علامہ مرحوم نے سیرت نبوی، تاریخ، سوانح عمری، علم کلام، فلسفہ، اردو اور فارسی شاعری و ادب اور فن معانی و بیان کے متعلق ایسی مفید و محققانہ کتابیں لکھی ہیں جن کی کوئی مثال پہلے اردو میں موجود نہ تھی، اور جن سے ہماری زبان میں ایک نیا رنگ تحقیق و تنقید پیدا ہوا، یہ دار المصنفین کا ایک کارنامہ ہے کہ اس نے ان علمی یادگار تصانیف کو نہایت آب و تاب اور صحت و نفاست کے ساتھ بار بار چھاپا اور ملک میں شائع کیا، ہندوستان کے بہت کم مصنف ایسے ہیں جن کی رحلت کے بعد ان کی تصانیف کی طباعت و اشاعت پر اس قدر توجہ کی گئی ہو، بلکہ شاید یہ کہنا صحیح ہے کہ کسی مصنف کو بھی یہ حسن قبول حاصل نہیں ہوا۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ دار المصنفین نے عام تاریخ اسلام، تاریخ ممالک اسلامیہ، فلسفہ تاریخ، سوانح عمری، شعر و ادب، لغت، تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، تصوف، فلسفہ جدیدہ، علم الاجتماع، اخلاق، اور تعلیم و تربیت وغیرہ کے متعلق نہایت کارآمد، مفید اور بلند پایہ کتابیں شائع کی ہیں، جن کو اہل علم کے حلقہ میں عام طور پر حسن قبول ہوا ہے۔

دار المصنفین کا شعبہ تصنیف علاوہ ان علمی خدمات کے جو تصنیف و تالیف کی صورت میں مستقل طور پر انجام دیتا ہے ایک کام یہ بھی کرتا ہے کہ اسلامی علوم و تاریخ اور عقائد و مسائل وغیرہ کے متعلق ہندوستان کے مختلف حصوں سے جو سینکڑوں سوالات آتے ہیں ان کے جوابات پوری تحقیق و اہتمام کے ساتھ دیتا ہے، شعبہ تصنیف کی اس خدمت سے وہ اصحاب خاص طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں جو کسی کتاب کی تالیف و تدوین میں مصروف ہیں۔

دار المصنفین کے شعبہ تصنیف کی ان خدمات سے جن کا تذکرہ مختصر طور پر کیا گیا ہے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ ادارہ بیک وقت علوم اسلامیہ اور اردو زبان کی خدمت میں مصروف ہے، اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مسلمانوں میں تاریخ اسلام اور علوم اسلامیہ کی طرف سے جو بیگانگی بلکہ بیزاری ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی شدید ضرورت محسوس ہوتی کہ ان کو اپنی تاریخ، قومی روایات اور علوم سے آشنا کیا جائے، زبان کا مسئلہ اور بھی اہم ہے، ہمارے حریف اردو پر مسلسل حملے کر رہے ہیں اور اس کی اہمیت گھٹانے میں مصروف ہیں، لہٰذا مسلمانوں کا (جو اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں) یہ فرض ہے کہ علمی حیثیت سے اپنی زبان کا معیار اس قدر بلند کر دیں کہ وہ ہندوستان کی [illegible] مقامی اور صوبہ واری زبانوں کے مقابلہ میں ایک خاص علمی سربلندی و برتری حاصل کر سکے۔

---

(۲) شعبہ [illegible] بصیغہ [illegible]

[illegible] "دار المطابع" کی [illegible] تالیف جو کتابیں مرتب ہوں وہ [illegible] دار المصنفین کی نگرانی میں [illegible] کے ساتھ چھپائی جائیں [illegible] دار المصنفین جو [illegible] صورت میں شائع ہونے کے [illegible] [illegible] احتیاط کے ساتھ تصحیح کریں۔

"اعظم گڈھ" ایک مختصر اور دور افتادہ شہر ہے [illegible] پریس کے لئے کوئی [illegible] ماحول نہ تھا [illegible] میسر آ سکتا تھا جو پریس کے کاروبار سے [illegible] ان مشکلات کی وجہ سے دار المصنفین اپنے ابتدائی دور میں کوئی پریس نہ قائم کر سکا، لیکن اس کے بعد مولوی مسعود علی صاحب ندوی مہتمم دار المصنفین نے محنت و ذہانت کی آمیزش سے اس مشکل کو آخر کار حل کر ڈالا، ابتدا میں معمولی پیمانہ پر ایک پریس قائم کر دیا۔

مولوی مسعود علی صاحب ندوی کو پریس کے کاروبار کا پہلے کوئی تجربہ نہ تھا، وہ اس کے جزئیات سے قطعی طور پر ناواقف تھے، لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں وہ ہمیشہ سے ہر کام ایک نو آموز اور ناتجربہ کار شخص کی حیثیت سے شروع کرتے ہیں اور اپنی اس کمزوری کی وجہ سے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے لیکن اس کے بعد نہایت جانفشانی سے لگاتار اس کام کے متعلق واقفیت و تجربہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ اس پر پورے حاوی ہو جاتے ہیں۔

پریس کے معاملہ میں بھی یہی صورت پیش آئی کہ وہ ایک طرف تجربہ حاصل کرنے اور دوسری طرف مشکلات پر قابو

صوبہ متحدہ کے تعلیمی مسائل

۱۹۲۱ء میں ہارٹوگ کمیٹی کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کی تعلیم پر نظرثانی کے لئے اپنی سفارش پیش کرے اسی کمیٹی کی سفارشوں پر صوبہ متحدہ میں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کی تعلیم کی نگرانی کے لئے ایک بورڈ قائم کیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ بورڈ جو ماہرین تعلیم کی جماعت پر مشتمل ہوگا نصاب ترتیب دے گا اور امتحانات کی نگرانی کرے گا۔ اس طرح ایک طرف تو نصاب اور امتحانات میں اصلاح ہو جائے گی اس لئے کہ بورڈ کے ارکین میں خاص ماہران تعلیم موجود ہوں گے اور دوسری طرف محکمہ تعلیم کا بار کم ہو جائے گا لیکن ان دونوں مقاصد میں سے ایک میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی بلکہ نصاب کے لئے کتابوں کے انتخاب اور ممتحنوں کے نامزد کرنے کے سلسلہ میں بورڈ پر ایسے اعتراضات کی بھرمار ہوئی کہ ان میں سے اکثر بالکل صحیح تھے۔ کانگرسی حکومت نے ایک خاص کمیٹی مقرر کی جس کے سامنے اس بورڈ کے متعلق شکایات پیش ہوئیں۔ ایک شکایت تھی کہ بورڈ کی رکنیت کے لئے ریشہ دوانی اور جماعت بندی کا اتنا زور ہوتا ہے کہ بورڈ کے تعلیمی مقاصد بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور اچھے ممتحن اور تعلیمی ماہروں کے بجائے نامناسب ممتحنین کا انتخاب کر لیا جاتا ہے اور بورڈ میں اچھے ماہرین تعلیم کے بجائے کم درجہ کے پروفیسر اور اساتذہ منتخب ہو جاتے ہیں یہ خیال عام ہو گیا تھا کہ چند مخصوص لوگوں اور دو چار خاص اداروں نے بورڈ پر قبضہ کر رکھا ہے ان حالات کے تحت حکومت کو احکام صادر کرنے پڑے کہ یہ بورڈ آئندہ نصاب کی مرتب کرے۔ تنظیم جدید کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس کی سفارش تھی کہ بورڈ کو سولہ ارکان کی ایک مشاورتی کمیٹی میں منتقل کر دیا جائے لیکن صوبہ متحدہ کی حکومت ابھی ایسی تبدیلی کرنے پر تیار نہیں ہے بلکہ اسی پر اکتفا کی گئی ہے کہ بورڈ کے موجودہ ارکان کی تعداد کم کر دی جائے اور اس کو زیادہ مؤثر بنا دیا جائے چنانچہ حالیہ تجویز کی رو سے رکنیت میں پرنسپلوں اور ہیڈ ماسٹروں کی تعداد پہلے کی بہ نسبت نصف کر دی گئی ہے بنارس اور علی گڑھ یونیورسٹیوں کے نمائندے اب بورڈ میں شامل نہ رہیں گے صوبہ کی دوسری تین یونیورسٹیوں سے سات نمائندوں کے بجائے اب صرف تین نمائندے لئے جائیں گے۔ غیر تعلیمی اداروں مثلاً چیمبر آف کامرس، برٹش انڈین ایسوسی ایشن، مجلس زمینداران آگرہ نیز صنعت و حرفت، انجینئرنگ، زراعت اور طبابت کی نمائندگی بالکل ختم کر دی جائے گی۔

"بنیادی تعلیم کے حالیہ تجربہ کے پیش نظر یہ طے کیا گیا ہے کہ مڈل تک کے لئے نصاب منتخب کرنے کا کام بورڈ کے بجائے محکمہ تعلیم کے سپرد کر دیا جائے حکومت صوبہ متحدہ نے بورڈ میں ان تبدیلیوں کی تجویز کو اس غرض سے شائع کیا ہے کہ ماہران تعلیم حکومت کو اپنے مشوروں سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ ہمیں امید ہے کہ صوبہ متحدہ کے ماہرین تعلیم ان مسائل پر غور کرنے کے بعد یہاں کی حکومت کو اپنی رائے سے ضرور مطلع کریں گے۔ (ہماری زبان)

تعلیم کا صحیح طریقہ

کچھ عرصہ ہوا۔ بنگال میں آل بنگال کالج اینڈ یونیورسٹی ٹیچرس کانفرس کا پانچواں سالانہ اجتماع ہوا تھا کلکتہ یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی کے صدر جناب ایچ سی مکرجی اس کے صدر تھے موصوف نے اپنے عالمانہ خطبۂ صدارت میں اعلیٰ تعلیم اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ "اسے بھولنا نہ چاہئے کہ یونیورسٹی کی تعلیم ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے دل میں حصول علم کا ایک بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں اور تحصیل علم کو طغرائے امتیاز سمجھتے ہیں ان چند انسانوں کے لئے جو غربت اور نفس کشی کی زندگی کو ہنسی خوشی برداشت کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں تاکہ وہ علم و حکمت کے چراغ کو روشن رکھیں اور اسی حالت میں آنے والی نسلوں کو اس شمع کو پہنچائیں، اگرچہ اس قسم کے طالب علم اس خاص تعلیم و تربیت سے مستفید ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو ہماری یونیورسٹیوں میں دی جاتی ہیں لیکن ہمیں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے کہ انسانی محنت کی بہترین شاخیں صرف موزوں اور موافق آب و ہوا میں بار آور ہوتی ہیں طالب علموں کی ذہنی اور دماغی نشوونما کے لئے بہترین اور موافق ترین فضا صرف ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اندر ہوتی ہے وہ اعلیٰ صنعتیں جو حیوان اور انسان میں مابہ الامتیاز ہیں اور دولت کے پرستار اور بے غرض خادم انسانیت میں فرق کرتی ہیں ہماری یونیورسٹیوں کے علمی اور فلسفیانہ مطالعہ کی فضا میں آسانی سے پیدا ہو سکتی ہیں۔"

اعلیٰ تعلیم کے میدان عمل میں اساتذہ کے حصہ پر بحث کرتے ہوئے موصوف نے ارشاد فرمایا کہ "اب تک ہمارے ملک میں جو نظام تعلیم رائج ہے اسے ہم "تعلیم برائے انتخاب" کہہ سکتے ہیں ہم اپنی نوجوان نسل کو بار بار آزمائشوں اور امتحانات کی مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں، صرف اس لئے تاکہ ان نوجوانوں کو الگ کیا جا سکے جو ہمارے پندار میں نااہل اور ناقابل ہیں بالفاظ دیگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ چند چیدہ اور منتخب طالب علموں کی ذہنی اور دماغی نشوونما میں ترقی ہو اگرچہ یہ صحیح ہے کہ معاشرتی ترقی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ افراد کی دماغی نشوونما ہو لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ چونکہ ایسے منتخب لوگ تعداد میں ہمیشہ بہت کم رہیں گے۔ اس لئے ضرور ہے کہ عمر تعلیم یافتہ اکثریت ان چند چنے ہوئے افراد پر چھا جائے۔ میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ افراد کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی ذہنی اور دماغی ترقی کے لئے بیہودہ سازش اور ذرائع مہیا کئے جائیں جو بڑی اکثریت کی پہنچ سے باہر اور ان کی پرواز خیال سے ماوراء ہیں۔ اس سے عوام کسی قسم کی ترقی نہ کر سکیں گے۔"

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "میرا خیال ہے کہ اگر ہم استاد اپنے طالب علموں کی صحیح رہنمائی کریں تو نہ صرف یہ کہ ہم ایک ایسی جماعت پیدا کریں گے جو مؤثر ترین اور مفید ترین ذرائع سے اپنے ملک کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکے گی بلکہ ان افراد پر بھی ایک مفید اثر ڈال سکیں گے جو بے معنی اور ہیجان انگیز سیاسی نعروں سے اثر پذیر ہو جاتے ہیں جو اکثر اوقات خود ان کے لئے مضر ہیں تاکہ از کم ملک کے لئے مفید نہیں ہیں۔"

(ہمدرد جامعہ)

ایرانی فوج کے سامنے شاہ ایران کی تقریر

"ابنائے وطن کو سپاہیانہ رنگ میں دیکھ کر مجھے جو خوشی ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو نہیں ہو سکتا جو اعلیٰ خاندان اور والا دودمان نوجوان اس وقت خدمت وطن کے لئے قفطان میں ملبوس شانہ سے شانہ ملائے مادر وطن کے سینہ پر کھڑے ہیں۔ وہ مادر وطن کے پیارے نونہال ہیں جن پر مادر وطن اور مجھ کو ناز ہے۔

میرے عزیز نوجوانو! میں تم کو ایک بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہوں کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت بھی ایسی نہیں ہے۔ جو حد و حد انسانی سے باہر ہو۔ دنیا کی کوئی بھی نعمت ایسی نہیں جو کوشش انسانی سے ملے اسی لئے اکثر لوگ ہمارے مذہب کو نسخہ عمل کہتے ہیں۔

آپ نے سنا یا کہ خطرہ کے وقت ہمت ہار کر بیٹھنا یا دوسرے کی امداد پر بھروسہ کرنا حماقت ہے ہم خدا کے غلام ہیں اور خدا سے بڑھ کر ہمارا کوئی معین و مددگار نہیں ہے۔ ہم کو ڈرایا جاتا ہے کہ دشمن ہماری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہم غافل نہیں ہیں۔ اور ہر قسم کی مشکل کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری کامیابی کا انحصار ہماری جد و جہد ہے جو اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں تو ہم کو ہر کوئی ستا سکتا ہے۔ کیونکہ ہماری حیثیت ہوا و اتول میں رمان کی سی ہے۔ لیکن اگر ہم میں قوت عمل ہے تو ہم خدا پر بھروسہ کرکے تن تنہا ساری دنیا سے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ میری قوم کی قوت عمل حرکت میں ہے اور ملک پر جان نثار کرنے کے لئے آپ لوگ کمربستہ کھڑے ہیں۔

اس وقت رزم کو نہ بھول جائے کہ جس قدر خطرہ بڑھیں اسی قدر جد و جہد میں اضافہ ہونا چاہئے۔ تاکہ ہم نہایت بے جگری سے اپنے دشمن کا مقابلہ کرسکیں۔ میں اپنی قوت عملی کی دولت ایک سپاہی سے حکمراں بنا تم جد و جہد کرو تو دنیا کو زیر کرلو۔

میرے عزیز نوجوانو! تمہارے امتحان کا وقت آپہنچا ہے۔

تم کو ہمیشہ یہ فخر رہا ہے کہ تم ایک جنگجو نسل سے ہو ایک زمانہ وہ تھا کہ تم نے اپنی قوت عمل سے دنیا کو زیر نگیں کیا۔ اس کے بعد تم سو گئے۔ اور مرمٹے۔ خدا نے اپنی مہربانی سے اب تم کو خواب سے جگایا۔ اور اب تم ہشاش بشاش اپنے آبا و اجداد کی طرح اپنے وطن کی خدمت کے لئے کمربستہ ہو۔ مگر طالب علم اس وقت تک اپنے امتحان میں پاس نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو سند نہیں ملتی تمہارے امتحان کا وقت قریب ہے۔ اکناف عالم میں جنگ کی بجلیاں کوند رہی ہیں نہ معلوم کس وقت یہ بجلیاں ہمارے ملک پر گریں۔ اور خون کی بارش ہونے لگے وہ تمہارے امتحان کا وقت ہوگا۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ جس طرح امتحان سے پہلے طلبا مستعدی سے محنت کرتے ہیں۔ اسی طرح تم کو بھی اس وقت امتحان کی تیاری اپنی جفاکشی اور مستعدی کے ذریعہ کرنی چاہئے۔

(از اتحاد مشرقی طہران بحوالہ الواعظ)

گردش لیل و نہار کے عبرتناک نتائج

انسان کا عروج و زوال یا بلندی و پستی کوئی اختیاری چیز نہیں قدرت جب اپنی بے پناہ طاقت کا مظاہرہ کرتی ہے تو چند لمحوں کے اندر ایسا عبرت انگیز انقلاب واقع ہوجاتا ہے کہ جو پست ہیں وہ بلند ہوجاتے ہیں اور جو بلند ہیں ذلت و خاک پر پڑے نظر آتے ہیں، مثلاً اب سے چند سال پہلے جب صوبہ بہار اور کوئٹہ میں زلزلہ آیا تو انسان نے کیسے کیسے حیرت انگیز اور سبق آموز واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے،

صبح کو منظر تھا کہ ایک دولتمند سیٹھ یا سرمایہ دار اپنے شاندار محل میں اطمینان و بے فکری سے بیٹھا ہے دولت و ثروت نے راحت و آرائش کا ہر سامان وافر مقدار میں مہیا کر دیا ہے، کارپرداز حاضر ہیں اور نوکر چاکر اشارہ ابرو کے منتظر، دفعتہ زلزلہ کا ایک خوفناک جھٹکا محسوس ہوتا ہے۔ زمین تہ و بالا ہوجاتی ہے اور شاندار محل سرنگوں،

اب منظر بدل جاتا ہے، محل کی جگہ کھنڈر نظر آتا ہے جو اہل نظر کے لئے ایک "مرقع عبرت" ہے، اب اس محل کے دولتمند مالک کے لئے سقف آسمان کے نیچے پناہ کی کوئی جگہ نہیں، اب وہ سیٹھ ہے نہ سرمایہ دار بلکہ ایک گدائے بےنوا ہے جو دانہ دانہ کو محتاج ہے، صبح کا آفتاب طلوع ہوتے وقت وہ ایک با اقتدار دولتمند تھا لیکن اس کے غروب ہونے سے پہلے وہ اپنا سب کچھ کھو چکا، اور اب اپنی ذات یا بدن کے کپڑوں کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں، یہ کس قدر عبرت انگیز واقعہ ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کس قدر بےبس ہے اور قدرت کس قدر با اختیار، کہ جس نے چند لمحوں کے اندر ایک دو نہیں، بلکہ ہزاروں دولتمند و با اقتدار انسانوں کو نان شبینہ کا محتاج بنا دیا یہ کوئی افسانہ نہیں بلکہ واقعات ہیں جو دنیا میں ہزاروں مرتبہ پیش آئے، اور اب بھی پیش آرہے ہیں اور ہم ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں،

جس طرح "زلزلہ" انسانی آبادیوں اور شاندار عمارتوں کو زیر و زبر کر دیتا ہے اور زندگی کی چہل پہل اور رونق ویرانگی سے تبدیل ہوجاتی ہے، اسی طرح "جنگ" بھی اپنے ساتھ بہت سے ہولناک واقعات لاتی اور بعض اوقات چند لمحوں میں ہزاروں لاکھوں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیتی ہے، بڑی بڑی انسانی آبادیاں اور پر رونق شہر تھوڑی دیر میں کھنڈروں کی صورت میں تبدیل ہوجاتے ہیں، عیش و طرب کی صحبتیں درہم و برہم ہوجاتی ہیں، عشرت خانے ویران اور سرسبز و شاداب کھیت اور باغ جل کر خاک سیاہ ہوجاتے ہیں،

ابھی حال میں پولینڈ کا دار الحکومت "وارسا" جو صدیوں کی مسلسل محنت کے بعد موجودہ ترقی یافتہ حالت پر پہنچا تھا کس بری طرح برباد ہوا، ہالینڈ کا کیا حشر ہوا، اور فرانس پر کیا گزری، اب پیرس کے عشرت خانے سنسان ہیں، زندگی کی مسرتوں، حوصلہ مندیوں اور امنگوں کا خاتمہ ہوچکا ہے اور جو فرانسیسی کل تک فخر و غرور کے ساتھ آزادی کی ہوا میں سر او نچا کرکے چلتے تھے آج ان کے دلوں پر خوف و ہیبت طاری ہے، اور اس خیال سے لرزہ براندام ہیں کہ جرمنی ان کے ساتھ آئندہ کیا سلوک کرتا ہے۔

کس قدر عبرت انگیز واقعہ ہے کہ فرانس جو یورپ کی ایک درجہ اول کی حکومت اور لاکھوں فوج کی مالک تھی، اور جس کو اپنی "میجینو لائن" اور اس کے آہنی قلعوں پر یہ اعتماد تھا کہ وہ ناقابل تسخیر ہیں چند ہفتوں کے اندر اس طرح پامال ہوگئی کہ اب مدت تک اس کے ابھرنے کی امید نہیں ہے،

یہ واقعات ایسے ہیں جن سے ہر قوم کو عبرت و بصیرت حاصل کرنا چاہئے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جس قوم کو آج ہر قسم کا عروج و اقتدار حاصل ہے، کل اس کا انجام کیا ہوگا، اور جو قوم آج غلامانہ زندگی بسر کر رہی اس کا "مستقبل" کیسا ہوگا، بعض دفعہ ایک ہی رات میں قوموں کی قسمت کا فیصلہ ہوجاتا ہے یعنی جو قوم رات کو آزادی کی حالت میں سوتی ہے صبح کو اٹھ کر اپنے کو غلامی و محکومیت کی حالت میں پاتی ہے، جس طرح ہالینڈ میں ہوا کہ لوگ رات کو سکون و اطمینان کے ساتھ سوئے لیکن جب صبح کو بیدار ہوئے تو یہ دیکھا کہ دشمن نے ایک قیامت برپا کر رکھی ہے

[illegible] ہوا؟ یہ کہ ہالینڈ کی آزادی اور حکومت، "[illegible] ماضی" کا ایک واقعہ بن گئی، غرض جب کوئی ہولناک جنگ دنیا میں پیش آتی ہے تو بہت سی شاندار حکومتیں، اور ان کی خوش منظر آبادیاں برباد ہو جاتی ہیں، اور بہت سی درماندہ قومیں دفعتہً پستی سے ابھر کر حکمراں بن جاتی ہیں،

جب بڑی بڑی قوموں کی زندگی اس طرح حوادث روزگار کا شکار ہو جاتی ہے تو افراد اور اشخاص کی زندگی میں اگر کوئی غیر معمولی انقلاب آئے ہو تو یہ کوئی عجیب و غیر معمولی بات نہیں، گردش کے حالات یا ملکی انقلابات کا اثر کم و بیش ہر شخص پر پڑتا ہے بلکہ جن کی ہستیاں زیادہ نمایاں اور با اقتدار ہیں انہیں عموماً مصائب کا زیادہ مقابلہ کرنا پڑتا ہے،

مثلاً اسی جنگ کا یہ واقعہ کس قدر عبرت انگیز ہے کہ "اعلان جنگ" کے وقت جو شخص فرانس کا وزیر اعظم تھا، اور جس کے ایک اشارہ پر فرانس کی ساری فوجیں میدان جنگ میں اتر آئی تھیں، آج خود فرانس ہی میں وہ اور اس کے رفقاء کار ایک "مجرم" کی حیثیت سے گرفتار کر لئے گئے ہیں، اور اب ان کا معاملہ موجودہ حکومت کے سامنے ہے، جرم یہ ہے کہ "وزیر اعظم نے جرمنی کے خلاف کیوں اعلان جنگ کیا؟"

اس سلسلہ میں جو تازہ خبر موصول ہوئی ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے:-

"فرانس کے سابق وزیر اعظم موسیو ڈلاڈیر کے ساتھ دو وزیروں کے علاوہ فرانس کے ۱۶ دوسرے سربرآوردہ سیاست داں بھی گرفتار کر لئے گئے ہیں، ان کے خلاف فرانس کی موجودہ گورنمنٹ جنگ کا اعلان کرنے اور اس کے جاری رکھنے کے سلسلہ میں مقدمہ چلائے گی، چار وزیروں، ۱۴ ڈپٹیوں اور ایک سینٹر کو شہری حقوق اور مقبوضات سے محروم کر دیا جائے گا"

فرانس کے موجودہ وزیر داخلہ نے ایک تقریر براڈکاسٹ کرتے ہوئے ان سابق وزراء کے خلاف شدید حملے کئے، اور یہ کہا کہ ذرا ان لوگوں کا خیال کیجئے جنھوں نے ملک کو لڑائی میں ڈھکیل دیا، جبکہ ان کو یہ معلوم تھا کہ ملک جنگ کے لئے تیار نہیں ہے جب روزان کے خلاف مقدمہ کی سماعت ہوگی، محبان وطن کے روبرو ان کو جوابدہی کرنا ہوگی"

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل توجہ ہے کہ چند روز ہوئے حکومت فرانس کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ایک "تحقیقاتی کمیشن" یہ بات دریافت کرے گا کہ فرانس کی شکست کے کیا اسباب ہیں؟ اب معلوم ہوا ہے کہ اس کمیشن نے سب سے پہلے جنرل گیملان سابق کمانڈر انچیف کے طرز عمل کی تحقیقات کی اور اس کی رپورٹ حکومت کو بھیجدی، اب حکومت نے جنرل گیملان سے جواب طلب کیا ہے کہ کیوں نہ آپ کے خلاف کارروائی کی جائے، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جنرل گیملان کے علاوہ اور بارہ افسروں سے بھی جواب طلب کیا گیا ہے۔

لیل و نہار کا یہ انقلاب کس قدر عجیب ہے کہ جو لوگ کل تک ایک ذمہ دار شخصیت رکھتے تھے اور جنھوں نے اپنی بلند آہنگی سے سارے ملک کو اپنا ہموا بنا لیا تھا آج وہ مجرم ہیں اور ملک ان کی تائید و حمایت کے لئے تیار نہیں ہے،

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر فرانس لڑائی جیت جاتا اور اسے "میدان جنگ" میں شاندار کامیابی ہوتی کیا جب بھی یہ لوگ اس جرم میں گرفتار کئے جاتے کہ انھوں نے جرمنی کے خلاف کیوں اعلان جنگ کیا؟ نہیں! بلکہ یہ لوگ ملک کے بہترین مدبر مانے جاتے اور ان کا یہ کارنامہ فرانس کی تاریخ میں زریں حروف میں لکھا جاتا کہ انھوں نے نہایت دانشمندی سے کام لیکر موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے زبردست حریف جرمنی کو شکست دے کر فرانس کی بہت بڑی خدمت انجام دی، ہٹلر آج فاتح ہے اور سارا جرمنی اس پر فخر کر رہا ہے، لیکن اگر اس جنگ کا خاتمہ جرمنی کی کامل شکست پر ہو تو چند لمحوں میں سارے ملک کی ذہنیت بدل جائے گی، اور جرمنی قوم ہٹلر سے نفرت و بیزاری ظاہر کرے گی اور یہ کہے گی کہ اس نے خواہ مخواہ ملک کو لڑائی کی آگ میں جھونک دیا، پس جو آج سب سے زیادہ لائق عزت ہے کل وہ سب سے بدتر انسان سمجھا جائے گا۔ یہ ہے گردش لیل و نہار کا کرشمہ،

اسی سلسلہ میں ایک اور تازہ مثال سے عبرت حاصل کیجئے، ہز ہائینس سر آغا خاں کی دولتمندی ضرب المثل ہے یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بھی چند ہی شخص ایسے ہیں جو امارت اور دولت میں سر آغا خاں کی ہمسری کر سکتے ہیں، لیکن ہز ہائینس علاوہ دولتمند ہونے کے ایک دولتمند فرقہ کے رہنما و پیشوا بھی ہیں جو ان کے لئے ہر قسم کی قربانی کر سکتا ہے، مگر جنگ نے دنیا میں جو انقلاب پیدا کیا اس سے ہز ہائینس سر آغا خاں بھی محفوظ نہ رہ سکے،

چنانچہ انگلستان کی ایک تازہ اطلاع میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آج کل ہز ہائینس سر آغا خاں مع اپنی بیوی اور ایک ہفت سالہ بچے کے جنوا میں پناہ گزیں ہیں، اخبار کے نامہ نگار مقیم جنوا کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ میں بالکل مفلس ہوں، میں ہندوستان، مصر اور برطانیہ سے روپیہ نہیں منگا سکتا، لیکن اتنا تو ہمارے پاس ہے کہ اگر کفایت کے ساتھ خرچ کریں تو ایک سال تک زندگی بسر کر سکتے ہیں،

آپ نے کہا میں بالکل مفلس ہوں اور دوسرے کروڑوں پناہ گزینوں کا جو حال ہے وہی ہمارا حال ہے، لیکن شکر ہے کہ ہم زندہ ہیں، سوئٹزرلینڈ میں ہی ہمیں رہنا ہوگا، جس کے بعد حالات نے اجازت دی تو ہم فرانس میں اپنے مکان واپس جائیں گے کیونکہ اپنے مکان میں پہنچ کر بڑی تسکین ہوگی،

ہز ہائینس سر آغا خاں کے جو شاندار گھوڑے تھے معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوا؟ جس وقت فرانس نے اپنی شکست مانی، سر آغا خاں اور ان کی بیوی اور بچہ فرانس کے آبی علاقوں کا دورہ کر رہے تھے چنانچہ سوئٹزرلینڈ ہی میں پناہ لیجا سکتی تھی،

یہ ہیں دنیا کے انقلابات، اس لئے کسی قوم اور کسی بڑی سے بڑی حکومت کو بھی اپنے مستقبل کی طرف سے مطمئن نہیں رہنا چاہئے، اور اس فریب نفس میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ وہ ناقابل تسخیر ہے، اس بارہ میں مسلمانوں کی حالت سب سے زیادہ افسوسناک ہے ان میں موقع شناسی اور دوربینی نہیں ہے اس لئے وہ عموماً اپنے مستقبل کی طرف سے غافل رہتے ہیں اور جب طوفان بالکل سر پر آجاتا ہے اس وقت بیدار ہوتے ہیں،

آپ ہندوستان کے دور آخر کی تاریخ مطالعہ کیجئے، مسلمانوں کی یہ کمزوری آپ کو ہر معاملہ میں نظر آئے گی، مسلمانوں کی اسی غفلت نے دوسری قوموں میں جرأت پیدا کی کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھائیں اور

[illegible] قرآن شریف کے سب سے پہلے مترجم نے اپنے اردو ترجمہ کی زبان کو ہندی زبان سے موسوم کیا تھا۔

اسی [illegible] میں آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ

قدیم شعراء کے کلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حسن و عشق کے جھگڑوں اور گل و بلبل کی داستانوں کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے اس اعتراض کا جواب راس مسعود [illegible] یہ دیا کہ اگر اردو شاعری کا کسی بہترین کا دوسری قوم کی اچھی سے اچھی نظم سے مقابلہ کیا جائے تو اول الذکر کا درجہ گرا ہوا نہ رہے گا۔

المختصر خطبہ صدارت حاضرین نے بہت زیادہ پسند کیا، پھر خواجہ صاحب موصوف نے اپنی صدارتی تقریر کی جس میں آپ نے منجملہ اور باتوں کے صاف فرمایا کہ

اردو ہندی کا جھگڑا غیر ملکی راج کا پیدا کردہ ہے کوئی اردو کو فنا نہیں کرسکتا اردو ہندوستانیوں کی مشترکہ زبان بنتی جارہی ہے۔

خواجہ صاحب کی تقریر کے بعد علامہ سید نجم الدین احمد صاحب جعفری بارایٹ لا نے تقریر فرمائی۔ حضرت احسان بن دانش نے ایک نظم "ناخواندہ خاتون" پڑھی خوب پسند کی گئی۔ ازاں بعد مسٹر گوری سرن سریواستو نے ایک مقالہ پڑھا جس میں آپ نے فرمایا کہ

اردو جاننے والے کو ہندی اور ہندی جاننے والے کو اردو پڑھنا ضروری ہے۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل پیغامات سنائے گئے اور پہلا اجلاس ختم ہوا۔

ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کا پیغام

"مجھے آپ کی کانفرنس سے پوری ہمدردی ہے اس بات کے یقین دلانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں کہ باوجود ان فرقہ وارانہ اختلافات کے جن کی وجہ سے ہمارے ملک میں آج کل اس قدر کشمکش پیدا ہوگئی ہے میں اردو زبان کو مشترکہ زبان سمجھتا ہوں اور اس کی ترقی کا دل سے خواہاں ہوں۔"

سر شاہ محمد سلیمان صاحب کا پیغام

"میں کانفرنس کی کامیابی کا تہ دل سے خواہاں ہوں۔"

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ صاحب کا پیغام

"میں امید کرتا ہوں کہ آپ ملک کی بہبودی کے مسائل پر غور و خوض کریں گے۔"

ڈاکٹر تارا چند صاحب کا پیغام

"میری دلی خواہش ہے کہ کل ہند اردو کانفرنس کا جلسہ کامیابی کے ساتھ منعقد ہو اور اس کے فیصلوں سے اردو ادب کی ترقی ہو۔"

دوسرا اجلاس ۱۳۔ جولائی کو شام کے ۹ بجے ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی بجائے پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کی صدارت میں شروع ہوا سب سے پہلے سیدہ سردار اختر بیگم صاحبہ اختر نے ایک نظم "شاعر رنگین نوا" پڑھی پھر جناب صدر نے اپنا صدارتی مقالہ پڑھا، آپ کے مقالہ کے بعد راجپال دیو صاحب نے ایک نظم پڑھی جو بہت پسند کی گئی اور محمود صاحب نے ایک میڈل بھی موصوف کو دیا۔

مسٹر سمیع الدین صاحب نے ایک رزولیوشن بریلی کالج میں (ایم اے اردو) کلاس کھولے جانے کے لئے پیش کیا۔ جو مولوی عزیز احمد خاں صاحب وکیل کی تائید کے بعد پاس ہوا اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کیلئے مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔

(۱) رائے بہادر گنگا رام صاحب یادو سٹی مجسٹریٹ، صدر
(۲) قاضی شرف الدین احمد صاحب، سکرٹری
(۳) سید ابوطاہر صاحب وکیل، ممبر
(۴) چودھری نول سنگھ صاحب ڈپٹی کلکٹر، ممبر
(۵) مسٹر جیون کشن صاحب بہادر سب جج، ممبر
(۶) مولوی سمیع الدین صاحب وکیل، ممبر

ایک اور رزولیوشن اس امر کا پیش کیا گیا کہ محکمہ گرام سدھار میں کیونکہ لفظ گرام زیادہ غیر معروف ہے اس واسطے بجائے گرام کے لفظ دیہات یا گاؤں استعمال کیا جائے جس کی علامہ جعفری صاحب نے تائید کی اور مسٹر تیج بہادر سہنا نے مخالفت کی لیکن اکثریت سے رزولیوشن پاس ہوگیا۔

اور پھر یہ دوسرا اجلاس بھی سردار اختر صاحبہ احسان بن دانش صاحب اور جگر صاحب مرادآبادی کی غزلیات پر ختم ہوا۔

تیسرا اجلاس ۱۴ جولائی کی صبح کو ۹ بجے زیر صدارت جناب برجموہن لال صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی شروع ہوا کیفی صاحب نے صدارتی مقالہ پڑھا پھر حضرت محسن اعظم گڑھی، حضرت ساغر نظامی اور مسٹر جاں نثار اختر (علیگ) نے نظمیں پڑھیں، حضرت مولانا احسن مارہروی، پروفیسر مسعود الحسن رضوی اور پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی بریلوی کے پُرزور مقالات پڑھے گئے پھر یہ اجلاس بھی ختم ہوا۔

چوتھا اجلاس یا مشاعرہ ۱۴۔ جولائی کی شب کو ۱۰ بجے شروع ہوا چونکہ پبلک کی بہت زیادہ تعداد کالج کے ہال میں جگہ کی قلت کے سبب نہ آسکی اور جب شور بہت زیادہ ہوا تو منتظمین نے کالج گراؤنڈ میں مشاعرہ کا انتظام کیا۔ جناب کیفی دہلوی، سرشار دہلوی، احسان دانش، روش صدیقی، جاں نثار اختر، جگر مرادآبادی، ساغر نظامی، محسن اعظم گڑھی، سردار اختر، شکیل بدایونی کی غزلیات پسند کی گئیں۔ اور کانفرنس مشاعرہ کی آخری نشست کے اختتام پر کامیاب ختم ہوئی۔

(زمانہ اخبار)

"دار المصنفین اعظم گڑھ"

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

کا معقول ذخیرہ ہے، صرف تاریخ کی ۷۴۲ کتابیں عربی کی، ۲۹۴ اردو کی، ۱۴۰ فارسی کی اور ۱۷ انگریزی کی ہیں، علوم و فنون کی تاریخ اور سوانح عمریوں کا سلسلہ اس کے علاوہ ہے۔ شعر و سخن کے سلسلہ میں عربی شعراء کے ۱۱۰ دیوان، اردو کے ۲۴۷ دیوان اور فارسی کے ۱۹۶ ہیں،

اس وقت دار المصنفین کے قبضہ میں متعدد عمارتیں ہیں جو مولوی مسعود علی صاحب ندوی منیجر دار المصنفین کی نگرانی میں تیار ہوئی ہیں جن کا ذوق تعمیر مسلّم ہے، ان عمارتوں کی تعداد حسب ذیل ہے،

۱۔ مسجد ۲۔ کتب خانہ ۳۔ مہمان خانہ ۴۔ دو سکونتی مکانات ۵۔ رفقاء دار المصنفین کیلئے ۸ کمرے ۶۔ ایک قدیم بنگلہ مولانا شبلی کا ۷۔ دفتر ۸۔ گودام ۹۔ پریس کا مکان،

ان سب عمارتوں میں صرف مسجد سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر مرحوم کے چندہ سے بنی ہے باقی سب عمارتیں خود دار المصنفین نے اپنے روپیہ سے تعمیر کی ہیں ان کیلئے پبلک سے کوئی چندہ نہیں لیا گیا، یہ عمارتیں اپنے محل وقوع اور حسن و نفاست کے لحاظ سے قابل دید ہیں اور نہایت کفایت سے تیار ہوئی ہیں ان عمارتوں کے متعلق جو منیجر ہیں وہ بھی کم و بیش پچاس ہزار کا ہے۔

دار المصنفین کے عہدہ داروں اور ارباب حل و عقد کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ صدر۔ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی
۲۔ **نائب صدر**۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر معتمد تعلیمات حیدرآباد
۳۔ **ناظم**۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی
۴۔ منیجر مولانا حاجی مسعود علی صاحب ندوی

ان اصحاب کے علاوہ پانچ اصحاب کی ایک مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی) ہے جس میں صدر سکرٹری اور منیجر کے علاوہ دو ممبر ہیں یعنی مولوی

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۰۰
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار اخبار
کانفرنس گزٹ
علی گڑھ
تاریخ ہائے اشاعت ہر ماہ عیسوی کی یکم - ۸ - ۱۶ - ۲۴
قیمت اخبار سالانہ تین روپیہ ششماہی دو روپیہ سہ ماہی ایک روپیہ
قیمت فی پرچہ ایک آنہ

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

مینیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ) — ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۲) | ۱۶ ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر (۳۵)

رمضان المبارک کے احترام کے سلسلہ میں جناب وائس چانسلر صاحب اور پرو وائس چانسلر صاحب نے حسب ذیل احکام شائع کئے ہیں۔

۱۔ یونیورسٹی اور اس کے ملحقہ اداروں کے تمام طلباء و مدرسین و دیگر ملازمین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ماہ رمضان المبارک کی روایات کا پورا پورا احترام کریں گے۔

۲۔ عام جگہوں پر پان کھانے، سگریٹ یا حقہ پینے یا پان کھانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۳۔ نماز کے اوقات میں اور تراویح کے وقت کسی قسم کا گانا بجانا یا شور و غل مطلق نہ ہونا چاہئے۔

۴۔ دن کے وقت طلبہ کی طرف سے یا مدرسین و دیگر ملازمین کی طرف سے کوئی ضیافت نہ ہونی چاہئے۔

۵۔ بجز مریضوں کے اور غیر مسلم طلبہ کے کسی کو دن کے وقت ڈائننگ ہال سے کھانا نہ ملنا چاہئے اور نہ طلبہ کو دن کے وقت اپنے کمروں میں کوئی چیز کھالی جانی چاہئے۔

۶۔ یونیورسٹی کی جامع مسجد اور یونیورسٹی اسکول کے نماز کے کمروں میں ہمیشہ تراویح کا خاص طور پر اہتمام ہوتا ہے طلبہ کو اس میں بالالتزام شریک ہونا چاہئے۔

۷۔ وارڈن صاحبان سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ مندرجہ بالا ہدایات کی پوری پوری پابندی کرائیں۔ اگر کوئی طالب علم ان کی خلاف ورزی کرے تو متعلقہ پرووسٹ سے اس کی رپورٹ کرنی چاہئے تاکہ ضروری کارروائی کی جائے۔

۸۔ تمام طلباء جو کہ یونیورسٹی کے علاقہ میں رہتے ہیں ان سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ مذکورہ صدر ہدایات کو ملحوظ خاطر رکھیں اور اگر کوئی ان کی خلاف ورزی کرے تو ناظم صاحب سنی یا شیعہ دینیات وائس چانسلر صاحب یا پرو وائس چانسلر صاحب سے رپورٹ کریں۔

۹۔ پرووسٹ صاحبان اس مہینہ میں کسی لڑکے کو سینما جانے کی اجازت نہ دیں۔

۱۰۔ ریڈیو کے پروگرام سے اس مہینہ سے گانا بجانا خارج کردیا جائے گا۔

۱۱۔ یونیورسٹی کے علاقہ میں جو ہوٹل واقع ہیں وہ دن کے وقت بند رہا کریں گے۔

حسب معمول امسال بھی مسلم یونیورسٹی کی "جامع مسجد" میں تراویح کا اہتمام ہے، نماز ٹھیک ۹ بجے شروع ہوتی ہے، جس میں مسلم یونیورسٹی کے کم و بیش ۳۰۰ اصحاب شریک ہوتے ہیں۔ مسجد کے علاوہ حسب ذیل ہوسٹلوں میں طلبہ کے لئے علیحدہ نماز تراویح کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۱) وقار الملک ہال (۲) طبیہ کالج ہوسٹل (۳) ممتاز ہاؤس (۴) آفتاب ہوسٹل (۵) ہیگ ہوسٹل (۶) ماریسن کورٹ (۷) محسن الملک ہوسٹل (۸) ڈیوٹی مسلم ہوسٹل صاحب باغ (۹) شاہجہاں منزل (۱۰) منٹو بی اسکول (۱۱) منٹو سی اسکول (۱۲) منٹو ڈی اسکول (۱۳) ظہور حسین وارڈ (۱۴) انگلش ہاؤس۔ ان سب مقامات پر دو دو حافظوں کا تقرر کیا گیا ہے جن میں ایک قاری ہیں اور ایک سامع۔ ان میں سے کئی ہوسٹلوں میں خود طلبہ قرآن مجید سنا رہے ہیں۔

تراویح کے علاوہ طلبہ کے لئے سحری وغیرہ کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ تراویح و سحری کی وجہ سے رات بھر ہوسٹلوں میں چہل پہل رہتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ ستمبر ۱۹۴۲ء

مسلمانوں کو عملی سیاست کی ضرورت

کانگریس کی مجلس عاملہ کے فیصلہ اور کانگریسی لیڈروں کی گرفتاری کے بعد جب سے ملک میں ہنگامہ شروع ہوا ہے ہندوستان کی تقریباً ساری آبادی حیرت یا افسوس کے ساتھ یہ تماشا دیکھ رہی ہے۔ البتہ ان میں سے چند جماعتوں نے اپنے ارکان کو یہ ہدایت صادر کی ہے کہ وہ اس تحریک سے علیحدہ رہیں۔ اور ہنگامہ و فساد میں کوئی حصہ نہ لیں۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کی "مجلس عاملہ" نے بھی اپنے ایک رزولیوشن میں جو بمبئی کے اجلاس میں منظور ہوا مسلمانانِ ہند کو حسب ذیل ہدایت کی ہے۔

"ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اس تحریک میں شرکت سے پرہیز کریں جو کانگریس نے جاری کی ہے اور اپنے معمولی پُرامن مشاغل میں مصروف رہیں۔"

ان الفاظ کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی یہ کہ جو ہنگامہ ملک میں برپا ہے مسلمان اس میں کوئی عملی حصہ نہ لیں اور خاموشی سے اپنے روزمرہ کے مشاغل میں مصروف رہیں۔

مسلم لیگ کے علاوہ جماعت احرار اسلام نے بھی اپنی مجلس عاملہ کے اجلاس میں چند تجاویز منظور کر کے مسلمانوں کو سول نافرمانی سے علیحدہ رہنے کا مشورہ دیتے ہوئے مجلس کی یہ رائے شائع کی ہے۔

"ملک میں جو ہنگامہ و فساد برپا ہے اس کے پیش نظر وہ (یعنی مجلس عاملہ) زیادہ مضبوطی سے اس رائے پر قائم رہنا پسند کرتی ہے کہ مجلس احرار اپنے کندھوں پر کسی جارحانہ تحریک کی ذمہ داری نہ لے۔"

اس کے علاوہ ایک دوسرے رزولیوشن میں یہ رائے ظاہر کی ہے۔

"ایسے دور میں جبکہ حکومت اور ہندوستان کی آبادی کا ایک حصہ آپس میں برسرپیکار ہیں۔ ایسے نازک حالات میں فریقین یا کسی اور پارٹی کا آلہ کار بنکر ملک کے عوام کو فرقہ وارانہ اصادم کے شعلوں کا شکار بنانا ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہوگا۔"

ان ہدایات کا مقصد بھی کھلا ہوا ہے یعنی حکومت اور کانگریس میں جو کشمکش جاری ہے مسلمان اس سے علیحدہ رہنا چاہئے اور کسی جماعت کا آلہ کار بن کر اس میں حصہ نہ لینا چاہئے۔

مذکورہ بالا جماعتوں کی طرح دوسرے چند لیڈروں نے بھی اپنے بیانات اور تحریروں میں مسلمانوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ موجودہ تحریک سے علیحدہ رہیں اور جو ہنگامہ ملک میں برپا ہے اس میں کوئی عملی حصہ نہ لیں۔ بے شک ان جماعتوں اور لیڈروں کی یہ رائے صحیح ہے کہ مسلمانوں کو ان ہنگامہ خیز تحریکوں سے جن کے مفید نتائج برآمد ہونے کی توقع نہیں علیحدہ رہنا چاہئے لیکن ہماری رائے میں مسلمانوں کا ایک منفی پہلو ہے۔ کیا یہ کافی ہے؟ [illegible] مگر وقت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کو بتایا جائے کہ انھیں کیا کرنا چاہئے؟

مسلمانوں کا اصلی بنیادی مرض جو اُن کے زوال و انحطاط کا باعث ہے وہ اُن کی "بے عملی" ہے جس نے انہیں دوسری قوموں کے مقابلہ میں کمزور و درماندہ بنا دیا ہے۔ اب اگر مسلمانوں میں از سرِ نو زندگی پیدا کرنا ہے تو اس کی ضرورت ہے کہ اُن کے قوائے عملی کو برانگیختہ کیا جائے۔ اور اُن کے لئے ایک "نصب العین" متعین کیا جائے جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ عملی کوشش کریں۔ اور اس تدبیر سے اُن میں ہمت و حوصلہ پیدا ہو۔

موجودہ زمانہ میں جبکہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کی ہر قوم اپنے سامنے ایک متعین مقصد رکھتی اور اُس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کر رہی ہے مسلمانوں کا طریقہ کار یہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ صرف مختلف قوموں کی جد و جہد کا تماشا دیکھتے رہیں اور خود کچھ نہ کریں۔ بے شبہ ہر قوم کی زندگی میں کبھی کبھی کوئی ایسا موقع بھی آجاتا ہے جبکہ خاموش یا غیرجانبدار رہنا ہی مفید ہوتا ہے لیکن موجودہ زمانہ میں جبکہ تقریباً ساری دنیا کی قوموں کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہے یہاں تک کہ بعض قومیں محض اپنی کمزوری یا قوت مقابلہ و مدافعت نہ رکھنے کی وجہ سے برباد ہو چکی ہیں مسلمانوں کا ایک بے عمل تماشائی کی حیثیت سے زندگی کی جد و جہد سے علیحدہ رہنا قومی نقطۂ نظر سے مہلک ہے، اس طرح تابکے مسلمان اپنے "معمولی اور پُرامن مشاغل" میں جیسی کہ انھیں ہدایت کی گئی ہے [illegible] مصروف رہ سکتے ہیں۔ حریفوں نے ملک میں ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اب امن و عافیت کے ساتھ اپنے مشاغل میں مصروف رہنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں بیک وقت عمل تخریب و تعمیر ساری دنیا میں جاری ہے۔ کچھ قومیں قوت سے غلبہ حاصل کر رہی ہیں اور کچھ اپنی کمزوری و فقدان وسائل کی وجہ سے شکست خوردہ حالت میں ہیں اور برابر پیچھے ہٹ رہی ہیں۔ چونکہ قدرت کا یہ کھیل ابھی جاری ہے اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس ڈرامہ کا انجام کیا ہوگا؟ کون عزت و سربلندی حاصل کریگا اور کون صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا؟ لیکن یقینی ہے کہ ایک زبردست و ناقابل تمثال انقلاب وقوع میں آئے گا جس سے ہماری دنیا کا موجودہ نقشہ بدل جائے گا۔

جنگ کے بعد ملکوں کی از سرِنو حدبندی ہوگی اور اس وقت جو زمین یا سرمایہ ایک قوم کے پاس ہے کل کوئی دوسرا اُس کا مالک ہوگا اور آج جو شہر تہذیب و تمدن اور دولت و حشمت کے مرکز ہیں اور جن کی خوش منظر و شاندار عمارتیں اور خوبصورت باغات شہرۂ آفاق ہیں وحشتناک کھنڈروں کی صورت میں تبدیل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ آج بھی یہ عمل جاری ہے، اس سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ بہت سی حکمراں و آزاد قومیں غلام و محکوم بن جائیں گی اور جو آزادی سے محروم اور کسی کے پنجۂ استبداد میں گرفتار ہیں وہ آزادی کی نعمت حاصل کر لیں گی، غرض یہ ساری کائنات انقلاب کے بعد ایک نئے پیکر

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر۔ سید طالب علی نقوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۲) | ۲۴ ستمبر ۱۹۴۲ء مطابق ... رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر (۳۶)

جناب سید ابو طالب نقوی صاحب آئی سی ایس کو ... ای کا خطاب عطا ہونے کی خوشی میں مسلم یونیورسٹی اسٹاف کے متعدد ارکان نیز بعض دوسرے اصحاب کی طرف سے جس دعوت عشائیہ کا اہتمام کیا گیا تھا وہ مسلم یونیورسٹی جمنیزیم میں ترا(؟)ئی دعوت میں تقریباً ڈیڑھ سو اصحاب نے شرکت کی، مہمانوں میں علاوہ ہندو مسلم حکام ضلع کے مسلم یونیورسٹی کے متعدد ممبران کورٹ، عہدہ دار اور تقریباً ہر شعبے کے اساتذہ شریک تھے، دعوت کا اہتمام عمدہ پیمانہ پر تھا اور ہر چیز سے خوش مذاقی و سلیقہ ظاہر ہوتا تھا یہ خصوصیت عام طور پر محسوس کی گئی۔

دعوت کے بعد یہ پر لطف صحبت ایک دلچسپ جلسہ کی صورت میں تبدیل ہو گئی، جس کے صدر پروفیسر ڈاکٹر اے ایل(؟) کے حیدر تھے، جن کی پر مغز تقریر سے جلسہ کا آغاز ہوا، اس موقع پر مولوی رشید احمد صاحب صدیقی چیرمین شعبۂ اردو نے میزبانوں کی طرف سے جناب نقوی صاحب اور دوسرے مہمانوں کا نہایت دلچسپ و طرب انگیز انداز میں شکریہ ادا کیا اور نقوی صاحب کی بعض ایسی خصوصیات بیان کیں جو عام نظروں سے ... مخفی تھیں

مہمانوں کی طرف سے جناب ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب دام اقبالہ نے میزبانوں کا شکریہ ادا کیا موصوف نے اپنی تقریر میں نقوی صاحب کی بعض دلچسپ خصوصیات بیان کرتے ہوئے چند ایسے امور کا تذکرہ کیا جو مسلم یونیورسٹی کے مفاد سے تعلق رکھتے تھے،

مسٹر ظفر عمر اڈیٹر سرگزشت نے بھی ایک مختصر تقریر کرتے ہوئے نقوی صاحب کا جام صحت تجویز کیا، اس کے بعد مولوی یعقوب بخش صاحب راغب استاد شعبۂ دینیات کی عربی نظم اور مسٹر محمد صادق ایم اے استاد شعبۂ فارسی کی فارسی نظم نے مجمع میں ایک خاص کیف و سرور پیدا کر دیا۔

آخر میں جناب نقوی صاحب نے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اردو میں ایک دلچسپ و ولولہ انگیز تقریر فرمائی، جو موقع کے لحاظ سے نہایت موزوں و مناسب تھی، اور زبان کے اعتبار سے بھی لائق ستائش۔ غرض یہ دعوت بہت لطف و خوبی سے ساڑھے دس بجے رات کے بعد ختم ہوئی،

اس کے بعد ... نواب مسعود ... کے یہاں جناب نقوی صاحب کی دعوت ہوئی اور ۱۱ کو کنور عبد الجمیل خاں صاحب و کنور عبد السلام خاں صاحب کی طرف سے جناب موصوف کے اعزاز میں ڈنر دیا گیا،

مذکورہ بالا دعوتوں کے بعد رمضان شریف شروع ہو جانے کی وجہ سے بالفعل دعوتوں کا یہ سلسلہ رک گیا اب بعد رمضان شریف شروع ہوگا،

ارباب علم کے حلقوں میں یہ خبر نہایت مسرت سے سنی جائے گی کہ ہز اگزالٹڈ ہائینس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے کورٹ کی تجویز پر نواب صدیار جنگ بہادر مولانا الحاج محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کو ڈاکٹر آف تھیالوجی (ڈی، ٹی، ایچ) کی ڈگری اور مولانا سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر عبد الحق صاحب کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگریاں دیا جانا منظور فرمایا ہے، ... ڈگریاں آئندہ کانووکیشن کے موقع پر دی جائیں گی۔

... جن اصحاب ...

... [illegible]

تاجر وغیرہ بھی ہیں جو علاوہ اپنے اپنے پیشہ کے پالیٹکس میں بھی حصہ لیتے ہیں بلکہ ان میں سے چند ایسے بھی ہیں جو اپنی دماغی برتری، سیاسی قابلیت یا ایثار و قربانی کی بناء پر ملک کے جلیل القدر سیاسی لیڈر مانے گئے، مثلاً مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری جو اپنے زمانہ کے نہایت ہر دلعزیز و سربرآوردہ لیڈر تھے اور انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بھی رہ چکے تھے، اسی طرح تجارت پیشہ جماعت اور دوسرے طبقات میں بھی خاصی سیاسی بیداری پائی جاتی ہے اور ان میں بہت سے سیاسی کام کرنے والے پیدا ہو گئے ہیں،

سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ تعلیمی زندگی میں مشغول ہیں یعنی متعلم یا معلم کی حیثیت رکھتے ہیں وہ بھی سیاست کی ہمہ گیری سے محفوظ نہ رہ سکے، آج کل جو فرقہ وارانہ جھگڑے یا سیاسی شورشیں اور ہڑتالیں سرکاری یا غیر سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں ہوتی رہتی ہیں وہ اسی ذہنیت کا ثمرہ ہیں بلکہ اب تو سیاست کی کارفرمائی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ خود طلبہ اور ان کے استادوں میں کشمکش پیدا ہوتی رہتی ہے۔

چنانچہ مثال کے طور پر یہاں سندھ کے ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو کل بعض روزانہ اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے:۔

"سندھ کے کالجوں میں ایک نازک صورت حالات پیدا ہو گئی ہے اور جب تک فریقین میں سے کوئی نہ جھکے یہ خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ فوراً پروفیسر اور طلبہ مرن ہرت شروع کر دیں گے۔

پرنسپل بوٹانی سے جب ایسوسی ایٹڈ پریس نے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ اس وقت تک فاقہ کئے جائیں گے جب تک کہ طلبہ معمول کے مطابق کام شروع نہ کر دیں۔ جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا فاقہ مکمل ہوگا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ فاقہ کا مطلب مکمل فاقہ ہے ایک نامکمل فاقہ نہیں ہو سکتا۔

دوسری طرف طلبہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اس وقت تک فاقہ کئے جائیں گے جب تک کالج کے عمال اور پرنسپل بوٹانی اپنے ارادہ کردہ فاقہ کے بیان کو واپس نہ لیں، وہ کل سے فاقہ شروع کرنے والے ہیں اور اس طرح اپنے پروفیسروں سے ایک روز کی پیل کر رہے ہیں"

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ زمانے کے سیاسی ماحول نے طلبہ و اساتذہ کی ذہنیت میں کیسی افسوسناک تبدیلی پیدا کر دی ہے، مندرجہ بالا خبر سے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ شاگرد یہ چاہتے ہیں کہ اپنے پروفیسروں سے ایک روز پہلے فاقہ شروع کر کے ان سے بازی لے جائیں، اب اس کے بعد دوسرے روز کا تار پڑھئے۔

"کراچی۔ ۲ ستمبر۔ سندھ کالج کے جمود کے حل کے لئے سمجھوتہ کی راہیں تلاش کی جا رہی ہیں، آج صبح تینوں متعلقہ کالجوں کے ایک ایک طالب علم نے پرنسپل بوٹانی کے احاطہ کے سامنے ۹ بجے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ بھوک ہڑتال پرنسپل بوٹانی کے فاقہ شروع کرنے کی دھمکی کے عمل میں آنے سے ۲۴ گھنٹے قبل شروع کی گئی، یہ کہا جا رہا ہے کہ کچھ تصفیہ کا پس منظر قائم کرنے کے لئے طلبہ کی چار بڑی مطالبات کے بارے میں تسلی کر دی گئی، مگر ایک اطلاع کے مطابق سب سے بڑا سوال جو زیر بحث آیا وہ یہ تھا کہ فاقہ اور جوابی فاقہ کے امکانات دور کئے جائیں"

اس تار سے یہ معلوم ہوا کہ سعادتمند شاگرد اپنے استاد سے بازی لے گئے اور استاد دیکھتے رہے اب اسی روز کا دوسرا تار ملاحظہ کیجئے۔

"کراچی۔ ۲ ستمبر۔ سندھ کالج کے پرنسپل اور پروفیسروں نے اور ان کے جواب میں طلبہ نے فاقہ کشی شروع کر دینے کے جو اعلانات کئے تھے وہ واپس لے لئے گئے ہیں۔ اب جمود حل کرنے کے لئے گفت و شنید شروع ہو گی۔ ایک کانفرنس کے بعد پرنسپل بوٹانی نے ایک بیان جاری کیا ہے۔ یہ کانفرنس کئی گھنٹے تک جاری رہی، اس میں مسٹر جمشید مہتا نے نمایاں حصہ لیا۔

جو بیان پرنسپل نے جاری کیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ پرنسپل بوٹانی نے اپنے اس فیصلہ کو واپس لے لیا ہے کہ وہ کل سے فاقہ شروع کر دیں گے۔ اس کے جواب میں طلبہ نے اس پر رضامندی ظاہر کر دی ہے کہ وہ اس جوابی فاقہ کو ختم کر دیں گے جو انھوں نے آج سے شروع کر دیا ہے۔ پرنسپل اور طلبہ اس پر رضامند ہیں کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ گفت و شنید کر کے صدق دل کے ساتھ موجودہ جمود کو دور کرنے کی راہیں تلاش کریں گے"

یہ پورا واقعہ جیسا کچھ بھی ہے انتہائی حیرت انگیز اور عبرتناک ہے، یہ سب کچھ موجودہ عہد کی تفرقہ انگیز سیاست کا کرشمہ ہے، ایک مشرقی طالب علم یا استاد اس قسم کی حرکات سے بالکل ناآشنا تھا، استاد کے پاس سب سے بڑی اور لازوال طاقت اس کی روحانی قوت تھی، دوسری طرف شاگرد کی اطاعت، فرماں پذیری، علم کی تشنگی اور والہانہ ذوق و شوق ایسی چیزیں تھیں جو استاد کو مجبور کر دیتی تھیں کہ وہ اپنی ساری طاقت و قابلیت اپنے شاگرد کی فلاح و اصلاح اور علمی ترقی کے لئے صرف کر دے، غرض شاگرد و استاد دونوں اپنے اپنے دائرہ کے اندر رہ کر کام کرتے تھے اور کوئی بھی حد سے تجاوز کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اب کیا ہو رہا ہے؟ یہ کہ استاد جو اپنی اخلاقی اور روحانی طاقت سے کام لینے کی صلاحیت نہیں رکھتا شاگردوں کو یہ دھمکی دیتا ہے کہ وہ "مرن برت" رکھے گا یعنی فاقہ کر کے مر جائے گا، اس کے جواب میں منچلے شاگرد یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم تم سے پہلے فاقہ شروع کر دیں گے، چنانچہ وہ اپنے اعلان پر عمل کرتے ہوئے استاد سے ۲۴ گھنٹے پہلے فاقہ شروع کر دیتے ہیں،

یہ رنگ دیکھ کر استاد کی ہمت پست ہو جاتی ہے اور وہ غریب مصالحت پر آمادہ ہو جاتا ہے آخر کار کسی قدر بحث و گفتگو کے بعد استاد اور شاگرد کے درمیان یہ طے پاتا ہے کہ "اچھا جاؤ نہ تم فاقہ کرو نہ ہم" اس سمجھوتہ کی بناء پر پرنسپل نے اپنا یہ فیصلہ کہ وہ کل سے فاقہ شروع کریں گے واپس لے لیا، اس کے جواب میں شاگردوں نے کہا کہ جو فاقہ ہم نے آج شروع کیا ہے ہم بھی اسے ختم کئے دیتے ہیں، چنانچہ انھوں نے فاقہ توڑ دیا اور اخبار کی اطلاع کے مطابق اب شاگرد اور استاد دونوں

"موجودہ جمود کو دور کرنے کی راہیں تلاش کریں گے"

ہمارا خیال ہے کہ استاد و شاگرد دونوں خوش ہوں گے کہ ان میں باعزت اور برابر کا سمجھوتہ ہو گیا۔ لیکن جن لوگوں کی نظر حقیقت پر ہے وہ اس بے راہ روی کو اپنی قوم کے مستقبل کے لئے "پیام موت" سمجھتے ہیں،

روس کے اسلامی مقبوضات

(جناب اعظم ہاشمی صاحب مہتمم نشریات انجمن مہاجرین ترکستان)

تاتارستان اور کریمیا

تاریخی بیں حضرات سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے جنوبی روس کا بڑا حصہ اسلامی ممالک اور مسلمانوں کا قدیمی وطن ہے جس کو قدیم مورخ توران اور دشت قپچاق لکھتے ہیں اور اب ان کو ترکستان، تاتارستان، قفقاز، کریمیا (قریم) کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ ان ممالک کے دور ماضی کی اسلامی شان و شوکت کو مورخین نے جلی حروف میں تحریر کیا ہے اور اس وقت ان پر ایک کافی عرصہ سے روسی قبضہ ہے۔ آج کل مقامات جنگ کا مرکز ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق کچھ معلومات ہم پہنچانا مسلمانوں کے لئے باعث دلچسپی ہوگا اور اس چیز کو نظر رکھتے ہوئے ان ممالک کے جغرافیہ اور تاریخ سے مختصر اقتباس ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

روس کے مقبوضہ ممالک کی مسلم آبادی خالص ترک ہیں اگرچہ وہاں دوسری ملت کے مسلمان بھی پائے جاتے ہیں اور یہ مسلم آبادی یورپ اور ایشیا کے دو بڑے علاقوں میں سکونت پذیر ہے۔ دونوں علاقوں کا رقبہ بلحاظ جغرافیہ ۵۵۶۶۲۸۰ مربع کیلومیٹر ہے اور آبادی ۳۹۵۳۸۶۰ افراد پر مشتمل ہے لیکن ان اعداد سے علاقہ ترکستان کا رقبہ اور آبادی خارج ہے۔

یورپ

تاتاری مسلمان جو روس کے یورپی حصہ میں آباد ہیں اس کا محل وقوع کوہ اورال کے جنوب غرب میں دو لاکھ اٹھارہ ہزار آٹھ سو اسی مربع کیلومیٹر ہے اور اس سر زمین کا نام تاتارستان ہے اور یہاں کے دار الخلافے اسلامی دور میں آق اوردا، قازان اور استراخان کے بعد دیگرے رہ چکے ہیں۔ اسلامی سلاطین کی فہرست میں اوزبک خان، برکت خان، اور سلطان غیاث الدین محمد اوزبیک خان جانی بیگ خان کے زمانہ حکومت میں اسلامی تاریخ بہترین ہے۔

روسی قبضہ

تاتارستان پر روسی قبضہ ۱۵۵۲ء بتاریخ ۱۰ اکتوبر سے جبھی حال جولائی ۱۹۱۷ء کے بعد شروع ہوتا ہے جس دن ۲۵ اکتوبر کو روسی شاہی نظام اشتراکیوں کے ہاتھ میں آیا۔ تاتارستان دو جمہوری حصوں میں تقسیم کر دیا گیا جو موجودہ دور تک تاتارستان اور باشقردستان کے نام سے مشہور ہیں ان کے مختصر حالات ذیل میں قلمبند کئے جاتے ہیں۔

تاتارستان

یہ جمہوریت کوہ اورال کے غرب میں دریائے ولگا کے ساحلی مقامات اور شہر ہنبزرہ کے درمیان ۶۷ ہزار ۹۰ مربع کیلومیٹر زمین پر واقع ہے۔ بڑے بڑے شہر سمارا، بلغار اور دن برغ وغیرہ ہیں جن کا مرکزی ادارہ اس وقت قازان ہے۔ آبادی ۲۷ لاکھ پانچ ہزار آٹھ سو ہے اور تمام مسلمان اور جن کا پیشہ زراعت، صناعت اور تجارت ہے۔

باشقروستان

یہ ریپبلک کوہ اورال کے جنوب مغربی علاقہ میں قدیم تاتارستان کا ڈیڑھ لاکھ ایک ہزار آٹھ سو بیس مربع کیلومیٹر کا ایک ٹکڑا ہے۔ بڑے بڑے مشہور شہر اوفا، چلبی، تاتانی، آلناس قابل ذکر ہیں اس کا مرکزی ادارہ اوفا ہے۔ آبادی ۲۹۷۵۴۰۰ ہے وہاں کے اصلی باشندے مسلمان ہیں عام پیشہ مویشیوں کی پرورش ہے۔ باشقروستان کے تاتاری ترکوں کی بہادری مشہور ہے اور ان کی عورتوں کی دستکاری اور وفاداری قابل تعریف ہے۔ کریمیا (قریم) یہ ایک جزیرہ نما اسلامی ملک ہے جو بحر اسود کے شمال میں ہے۔ ۲۵۰۸۱ مربع کیلومیٹر کا علیحدہ علاقہ ہے اور ۷۹۳۷۰۰ افراد پر مشتمل ہے جن میں سے ۸۰۰۰۰ مسلمان ہیں اور ان کی زبان ترکی ہے اور اصلی تاتاری نورگی النسل ہیں مشہور شہر باغچہ سرائے، کراچ، آق مسجد، سیمپوہ پول، (سیواستپول) ہیں۔ مرکزی ادارہ سیمپوہ پول ہے مسلمانوں کے دور حکومت دار السلطنت باغچہ سرائے رہ چکا ہے ۱۴۷۵ء میں کریمیا کے مسلمانوں نے اپنے ملک کو دولت عثمانیہ ترکیہ میں شامل کرالیا تھا۔ ۱۷۷۴ء میں کریمیا کو آزادی و خود مختاری دے دی گئی تھی ۱۷۸۳ء میں اس پر روسی تسلط ہوا جس کے خلاف حکومت عثمانیہ نے مسلمانان قریم کی حمایت میں روس کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا۔ ۲۶ ستمبر کو روسی انقلاب کے موقع پر کریمیا اپنے مفتی اعظم چلبی جہان کی قیادت میں آزاد ہو کر اسلامی جمہوریت کا علم بردار رہا لیکن نومبر ۱۹۱۸ء میں کریمیا روس کے تصرف میں دوبارہ آگیا اور آج وہ جرمن اثرات میں مبتلا ہے۔

قفقاز کی جمہوریتیں

قفقاز کا کل رقبہ ۴۲۸۷۵۵ مربع کیلومیٹر ہے اور کل آبادی ۱۳۹۳۳۱۰۰ افراد پر مشتمل ہے یورپ اور ایشیا کے درمیان ایک اہم خطہ ہے اور اس ملک کے باشندے مذہبی لحاظ سے تین فرقوں میں منقسم ہیں یعنی مسلم، عیسائی، یہودی اور نسلی نقطۂ نظر سے ترک تاتاری، ایرانی، گورجی، روسی، ارمنی پانچ قومیں ہیں۔ سوویٹ روس نے ان سب کو الگ الگ جمہوریتوں میں مندرجہ ذیل طریقہ پر پانچ جمہوریتوں یا ملکوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

جمہوریہ آذربائیجان

علاقہ قفقاز سے جنوب مغرب بحیرہ کیسپین میں ۸۵۹۶۳ مربع کیلومیٹر ٹکڑے کا نام جمہوریہ آذربائیجان رکھا گیا ہے۔ یہاں پر ۲۵۷۵۴۰ آبادی ہے جس میں اسی فی صدی مسلمان ہیں۔ مرکزی ادارہ شہر باکو ہے۔

جمہوریہ ارمنستان

قفقاز کے جنوب مشرق میں سے ماطوم کو ملا کر ۲۹۶۶۰ مربع کیلومیٹر کے ٹکڑے کو جدا کر کے اس کا نام ارمنستان رکھا گیا ہے (معلوم رہے کہ اس جمہوریہ کے وجود سے سال مشرقی ترکیہ میں بسنے والے ارمنوں کو اہمیت حاصل ہے) آبادی دس لاکھ بیرہ ہزار آٹھ سو ہے جن میں تہائی حصہ مسلمان باقی ارمنی اور یہودی ہیں جن کا مرکزی ادارہ ایروان ہے۔

گورجستان یا جارجیہ

یہ قطعہ کوہ قاف کے جنوب مغرب سے علیحدہ کیا گیا ہے مجموعی رقبہ ۷۰۰۹۴ مربع کیلومیٹر ہے آبادی ۲۹۲۴۶ افراد پر مشتمل ہے۔ یہاں پر تقریباً مسلم آبادی بیس فی صدی ہے۔ اور مسلمان نسلاً تاتاری ترک ہیں زبان ترکی ہے۔ گورجی اسالن کی قوم ہے گورجستان کا مرکزی ادارہ تفلس میں ہے۔ گورجستان یا جارجیہ دونوں کے معنی ایک ہیں۔

ماوراۓ قاف یا شمالی قفقاز

قفقاز کے سمت شمال میں ایک لاکھ سی ہزار سات سو اٹھارہ مربع کیلومیٹر زمین کا ٹکڑا علیحدہ کر کے ماوراۓ قاف نام رکھا گیا ہے جس کی مرکزی حکومت بھی تفلس میں ہے۔ کل آبادی ۲۶۸۶۰۰ افراد پر مشتمل ہے۔ یہاں ایک قبیلہ آباد ہے جس کا نام چرکس ہے اس لئے اس علاقہ کو چرکسک بھی کہتے ہیں لیکن یہ اعلان محض وقت کی سیاست ہے ورنہ چرکس قوم کی آبادی پچاس ہزار کو بھی نہیں پہنچی ... ورنہ ... کل آبادی آٹھ لاکھ کے قریب ہے خصوصاً چچن کے نام کی ایک مسلم قوم کی آبادی ڈھائی لاکھ ہے۔ انشاء اللہ یہاں یعنی قفقازی مسلمانوں اور دیگر اقوام کے بارے میں مفصل بحث کا سلسلہ شروع کیا جائے گا۔

داغستان!

قفقاز کے شمالی علاقوں میں ساٹھ ہزار تین سو میں مربع کیلومیٹر زمین کا رقبہ الگ کر کے داغستان ریپبلک قائم کیا گیا ہے یہاں کی کل آبادی ۹۰۱۵۰۰ افراد پر مشتمل ہے۔ یہاں پر تقریباً نوے فی صدی مسلم آبادی ہے۔ مرکزی ادارہ مخچ ہے۔ داغستانی مسلمانوں کی نسل ترک ہے ان کی نسلی زبان بھی ترکی ہے۔ علماء اسلام کے اثر و رسوخ سے تمام نشاندہی عربی میں ہیں نیز عام عربی بول اور سمجھ سکتے ہیں۔ داغستانی مسلمانوں کے حسن اور جمال کی تعریف میں پریوں کی نسبت دی جاتی ہے۔ مزید براں ان کی شجاعت اور دلیری کا سکہ تمام روس پر جما ہوا ہے۔

یہ ہے قفقاز کا مختصر حال جو پانچ حصوں میں الگ الگ جمہوریتوں کا نام لیوا ہے۔ لیکن چونکہ سوویٹ روس کا نظام حکومت اشتراکی ہے اس لئے ہر ایک ریپبلک پر کمیونسٹ ڈکٹیٹرشپ کا کلی اقتدار ہے۔

یہاں پر ایک نکتہ گوش گزار کرنا اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کا یہ لکھنا کہ وہاں (روس میں) سات قومیں مختلف النسل اور مذہب کی آباد ہیں اس دعوے کی اصلیت نہیں ہے۔

ریلوے قفقاز کو اس وقت کمک پہنچانے کے لئے ترکستان کے راستہ پر دو ریلوے لائنیں ہیں۔ سائبیریا کے راستہ ماسکو سے آنے والی لائن شمال سے تاشکند۔ تاشکند سے بخارا اور خیوا عشق آباد ہوتی ہوئی کراسنوودسک پہنچ کر باکو جاتی ہے۔

دوسری لائن تاشکند سے بحیرہ اورال سے ہوتی ہوئی مادرن برگ وہاں سے استراخان جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں راستوں سے قفقاز کو براہ ترکستان یورپ سے کمک پہنچ سکتی ہے۔ (ماخوذ)

چین کی تعلیمی ترقی

مارشل چیانگ کائی شک اور ان کے تحریک زندگی کا ایک عظیم الشان کارنامہ جاہل اور پسماندہ چین کی حیرت انگیز تعلیمی ترقی ہے ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۶ء تک اندرونی خانہ جنگی اور اس کے بعد جاپان کے مقابلہ میں چینی قوم پرستوں کی دفاعی سرگرمیوں کے باوجود چین کی تعلیمی تحریک اتنی ہی سرگرم رہی جتنے کہ اس کے دفاعی اقدامات ۱۹۳۱ء میں مجلس اقوام کے ماہرین کی ایک کمیٹی نے چین جا کر اور وہاں کے تعلیمی حالات کا مطالعہ کر کے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ "چین کی نسل ایک سے زیادہ مختلف مصائب کے ایسے اجتماع کا ہدف رہی ہے جن کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اس بدامنی اور مالی خستہ حالی کے زمانہ میں بھی یہ عقیدہ قائم رکھ کر کہ نئی نسلوں کی تعلیم مہذب سماج کا سب سے بڑا فرض ہے۔ اس کام میں ترقی کرنا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی تقلید بہت سی مغربی اقوام بھی نہیں کر سکتی ہیں۔

فی الحال تازہ اعداد حاصل نہیں ہو سکے لیکن ۱۹۱۲ء سے ۱۹۳۲ء تک (۲۰) سال کے عرصہ میں چین کے ابتدائی مدارس کی تعداد (۸۷) ہزار کے بجائے ۲ لاکھ (۶۵) ہزار ہو گئی اور طلبہ کی تعداد جو پہلے (۲۷) لاکھ سے زیادہ نہ تھی اس (۲۰) سال کے زمانہ میں ایک کروڑ ۱۶ لاکھ تک پہنچ گئی۔ ثانوی مدارس کی تعداد بھی ۳۷۳ کے بجائے (۱۹۰۰) اور طلبہ کا شمار (۵۲) ہزار کے بجائے (۴) لاکھ سے زیادہ ہو گیا۔ چار جامعات کے بجائے اس عرصہ میں تمام ملک میں (۴۲) یونیورسٹیاں قائم ہو گئیں۔ یہ تعلیمی ترقی ملک کے وسعت کے اعتبار سے کچھ زیادہ نہ ہو لیکن ملک کے حالات اور مقامی مشکلات کے مقابلہ میں بلاشبہ حیرت انگیز ہے۔ جو قوت ارادی اس کام میں چینی وطن پرستوں کی رہنما رہی اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جاپان کے حملے کے بعد چینی نے ترک وطن کے محفوظ مقامات کی طرف جس قدر ہجرت کی تو اپنے ساتھ اپنی یونیورسٹیوں کے تمام سامان و سامان کتب خانوں کو بھی لیتے گئے۔ انھوں نے پیٹھ کا ذخول پر یہ سارا سامان اٹھایا اور مسلسل ہزار ہا میل کا سفر جاری رکھا قدیم و جدید دنیا کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسی مثال مل سکے۔

زندگی کی دشوار گزار اور پرخطر شاہراہ پر چالیس قوموں کے گھبراۓ ہوۓ قافلے گزر رہے ہیں ایک کروڑ (۱۰) لاکھ مربع میل کیلومیٹر کے رقبہ میں (۴۰) کروڑ انسانوں کی یہ بستی اپنی قوت عمل کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہے۔ خصوصاً ان پسماندہ اقوام کے لئے جو قوت حیات کے اس کرشمہ کی کارسازی سے ابھی تک محروم ہیں چین کی یہ داستان عہد حاضر کی ظلمتوں میں ان اقوام کے لئے ایک مینارۂ روشنی ہے جو ان کو مستقبل کا راستہ بتا رہا ہے۔ (سلطنت)

ترکی کی صنعتی ترقی

ترکی کو نئے انقلاب کے بعد جب سر اٹھانے کا موقع ملا۔ تو اس کی سب سے زیادہ توجہ ملک کی صنعتی ترقی کی طرف مبذول ہوئی۔ اس دور کا آغاز ۱۹۲۴ء سے شروع ہوا حکومت ترکی نے مختلف غیر ملکی حکومتوں سے ایسے معاہدے کئے جس سے راس المال فراہم کرنے کا موقع ملا۔ پھر صنعتی ترقی کے لئے ملک میں مختلف قسم کے ادارے قائم کئے گئے جن میں سے ۱۹۳۲ء میں سومر بینک کا افتتاح خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ بینک مختلف صنعتوں کی ترقی میں امداد پہنچانے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ ترکی کے اس صنعتی دور میں کان کنی کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ اور روز بروز اس میں غیر معمولی ترقی ہوتی گئی۔ مثلاً ۱۹۳۱ء میں پتھر کے کوئلہ کی نکاسی صرف ۲۰۰۰ ۲۳ ٹن ہوئی تھی ۱۹۳۶ء میں ترقی کر کے ۱۳۴۰۰۰ ٹن تک پہنچی۔ اس سے پہلے حدود ترکی میں پتھر کے کوئلہ کی نکاسی ہوتی تھی لیکن اس مقدار میں نکلنے کے بعد نہ صرف درآمد رک گئی۔ بلکہ وافر حصہ برآمد ہونے لگا۔ اسی طرح ۱۹۳۶ء میں ترکی میں تانبا اس قدر مقدار میں نکالا گیا کہ اس سال ساری دنیا کی ... ترقی سے حاصل ہوئی اور ...

صوبوں سے تناسب آبادی کے لحاظ سے انتخاب عمل میں آتا ہے۔ کانفرنس کی مجلس منتظمہ کی بالکل وہی حیثیت ہے جو مسلم یونیورسٹی کورٹ یا آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کی ہے اور اس کی رکنیت میں خوش نصیبی سے منتخب اور چیدہ چیدہ اکابر ملت اور ماہرین تعلیم شامل ہیں۔

کانفرنس کے جدید قواعد کی رو سے دوران سال میں بعض خاص مقاصد کے ماتحت مجلس منتظمہ کے کچھ خصوصی اجلاس منعقد ہونا قرار پائے ہیں جن میں سے ایک اجلاس تعلیمی ہے جو ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو ۵ بجے شام صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں منعقد ہوگا۔ اس اجلاس میں غور کرنے کے لئے تعلیمی امور سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ مناسب تجاویز یکم اکتوبر تک ارسال فرمائیں۔ موصول شدہ تجاویز پر نہ صرف ۱۸۔ اکتوبر کے جلسہ منتظمہ میں غور ہوگا بلکہ ان میں سے اہم تجاویز کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں بھی جو تعطیلات کرسمس ماہ دسمبر ۱۹۴۲ء میں انشاء اللہ منعقد ہوگا پیش کیا جائے گا۔

(خان بہادر) عبد المجید قریشی ایم اے
آنریری جوائنٹ سکرٹری کانفرنس

مولوی اکرام عالم صاحب بدایونی بی اے (علیگ) ایڈوکیٹ بریلی کا انتقال پرملال

(نوشتہ مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی سکرٹری مسلم تعلیمی کانفرنس صوبہ متحدہ)

مولوی صاحب مرحوم کئی ماہ سے علیل تھے مگر اپنے پیشہ کے کاموں میں برابر مصروف رہے مشکل سے ایک ماہ کام چھوڑے ہوئے ہوا تھا۔ ابتداءً ضعف معدہ کی شکایت تھی جس کی وجہ سے حرارت غریزی روز بروز کم ہوتی گئی۔ ۹ ستمبر کی صبح کو بمقام بریلی طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم علی گڑھ کے ابتدائی اولڈ بوائز میں تھے ہمیشہ قومی کاموں میں بالخصوص تعلیمی تحریکات میں دلچسپی لیتے تھے۔

۱۹۲۳ء میں جب صوبہ کے مسلم تعلیمی کانفرنس کا اجلاس بدایوں میں ہوا اور اسی اجلاس میں پراونشل تعلیمی کانفرنس صوبہ متحدہ کو جو دس سال سے غفلت کی نیند میں سو رہی تھی از سر نو زندگی بخشنے میں آپ کی کوششوں کو بہت زیادہ دخل تھا۔ بدایوں کے اس تاریخی اجلاس ۱۹۲۳ء کے لئے جو مجلس استقبالیہ بنی تھی اس کے آنریری سکرٹری کے فرائض آپ نے جس دلچسپی اور انہماک سے انجام دیے وہ ہمیشہ کانفرنس کی تاریخ میں یادگار رہیں گی۔ اس کے بعد جب بریلی میں کانفرنس مذکور کا اجلاس نوابزادہ لیاقت علی خاں کی صدارت میں ہوا تو اس میں بھی آپ نے کافی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اسی موقع پر سود مند کانفرنس ہوئی جس میں آپ نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے متعلق ایک بصیرت افروز خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا تھا۔ اس سے قبل فرخ آباد کے اجلاس کے اقتصادی کانفرنس کی صدارت بھی آپ نے پراونشل مسلم تعلیمی کانفرنس کے موقع پر فرمائی تھی۔

۱۹۴۰ء میں پراونشل تعلیمی کانفرنس کا اجلاس جب دوسری مرتبہ نواب صاحب چھتاری کی صدارت میں بریلی میں ہوا تو آپ نے مقامی مجلس استقبالیہ کی صدارت کے فرائض نہایت قابلیت سے انجام دیے اور تمام روہیلکھنڈ کے مسلمانوں کے تعلیمی حالات پر مشتمل ایک پُر از معلومات خطبہ ارشاد فرمایا۔ بریلی کے ضلع مسلم لیگ کی صدارت اور رہنمائی کے فرائض بھی آپ عرصہ تک انجام دیتے رہے۔ "صد افسوس کہ روہیلکھنڈ کا یہ چمکتا ہوا ستارہ ۹ ستمبر کی صبح کو ہمیشہ کے لئے ہماری نظروں سے غائب ہو گیا بریلی سے نعش بدایوں لائی گئی اور ۱۰ ستمبر کی صبح کو اپنے وطن مالوف کی سرزمین میں سپرد خاک کی گئی"

قطعۂ تعزیت

جناب نظامی صاحب نے مولوی اکرام عالم صاحب کی رحلت سے متاثر ہو کر جو قطعۂ تعزیت لکھا ہے اور بغرض اشاعت کانفرنس گزٹ کو عنایت کیا ہے۔ ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔

زمانہ یوں تو مجسم شر ہے کیا کہئے
نئی یہ گردش شمس و قمر ہے کیا کہئے
ہے اس نے دھوکے سے اکرام سے لیا ہیرا
شکایت اس سے مجھے کس قدر ہے کیا کہئے
میں اور اس سے کروں عرض حال اے توبہ
وہ خود ہی غم سے [illegible] ہے کیا کہئے
کہیں کہ [illegible] اکرام [illegible]
میں [illegible] ان سے [illegible]
ملے سفر میں تو جی بھر کے بات ہو نہ سکی[1]
کہا یہ میں نے سر رہگذر ہے کیا کہئے
وطن میں آئے تو پوچھے خبر سے آئے ہیں
نہیں جب ان کو کچھ اپنی خبر ہے کیا کہئے
وہ دار فانی سے دار البقا کو جاتے ہیں
حضر میں پیش انہیں یہ سفر ہے کیا کہئے
دعا خدا سے ہے پہنچیں بخیر جنت میں
سنا ہے راہ بڑی پر خطر ہے کیا کہئے
نظامی کو ہے یقین صبر وجہ تسکین ہے
مگر ہیں آنکھوں میں آنسو بشر ہی کیا کہئے

[1] راقم سے مئی کے پہلے ہفتہ میں لکھنؤ میں جب وہ بلرام پور ہسپتال میں مقیم تھے تو یہ آخری ملاقات ہوئی تھی۔

مختصر نوٹ اور واقعات

بنارس ہندو یونیورسٹی کا معاملہ

بنارس کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حکومت کی طرف سے یونیورسٹی کے اندرونی علاقہ میں مسلح فوج کو متعین کرکے یونیورسٹی پر جو کنٹرول کیا گیا ہے اس کے متعلق موجودہ صورت حالات پر بحث کرنے کے لئے بنارس یونیورسٹی کی کونسل نے کئی ضروری اجلاس بند کمرہ میں کئے "معلوم ہوا ہے کہ یونیورسٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ ۲۔ اکتوبر سے اپنے کالج اور متعلقہ ادارے کھول دیئے جائیں"

سر کے وی ریڈی کی رحلت

تعلیمی حلقہ میں یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ سر کے وی ریڈی وائس چانسلر انامالائی یونیورسٹی کا مختصر سی علالت کے بعد ۶۲ سال کی عمر میں مدراس میں انتقال ہو گیا۔ آپ مخصوص قابلیت کے شخص تھے اور جب مدراس میں جسٹس پارٹی کی وزارت قائم ہوئی تو آپ بھی اس کے ایک وزیر تھے اس کے بعد آپ گورنر مدراس کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔ اور جب لارڈ ارسکن گورنر مدراس رخصت پر گئے تھے تو آپ ہی ان کی جگہ قائم مقام مقرر ہوئے تھے [illegible]

[illegible] کی ایک اطلاع [illegible]
[illegible] افغانستان [illegible]
لاہور میں تیز مشتاق [illegible]
[illegible] کے چار سال کے نصاب [illegible] شرکت کا انتظام [illegible] گیا ہے اس کے علاوہ حکومت [illegible] تعاون سے آئندہ موسم سرما کے دوران [illegible] طلبہ کے لئے نمک کی پیداوار [illegible] کیا [illegible] گیا ہے۔

پرنسپل میڈیکل کالج پر حملہ

لکھنؤ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ پرنسپل کنگ جارج کالج میڈیکل کالج لکھنؤ پر چند نامعلوم اشخاص نے حملہ کیا جبکہ وہ کالج کے دروازہ پر کھڑے تھے۔ سر پر جو زخم آیا ہے وہ زیادہ شدید نہیں خیال کیا جاتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب پرنسپل صاحب کالج کے دروازہ پر کھڑے تھے تو ایک نامعلوم شخص نے قریب کی ایک جھاڑی سے نکل کر اچانک ان پر حملہ کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک اور شخص نے جس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا بعد میں پرنسپل پر وار کیا۔ ڈاکٹر نے حملہ آور ول کو پکڑ لیا لیکن وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئے۔ ابھی تک کوئی شخص گرفتار نہیں کیا جا سکا۔

بنگال کی اتحاد کمیٹی

بنگال کی ہندو مسلم اتحاد کمیٹی نے صوبہ کی عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ قومی اتحاد کے مطالبہ کے لئے صف بستہ ہو جائیں۔ اپیل میں کہا گیا ہے کہ ایک بیرونی حملہ آور ہمارے دروازہ پر کھڑا ہوا ہے اس نازک اور پر از خطر وقت میں ہندو مسلمان تفرق و انتشار کو روا رکھتے ہیں جو ملک میں ہمارے قومی وجود کے لئے خطرہ کا باعث ہے صرف فرقہ وارانہ اتحاد ہی میں ہماری مادر وطن کی حفاظت مضمر ہے۔

[illegible] جب تک کسی کے قبضہ میں اپنا کیش سرٹیفکٹ ڈیفنس سیونگ سرٹیفکٹ ہے اس وقت تک [illegible] کی حفاظت کے متعلق کوئی تشویش [illegible] سرکاری کا [illegible] کے [illegible]

[illegible] سرٹیفکیٹوں کے [illegible] ہو سکے۔

یقیناً حکومت نے لوگوں کو دلا دیا [illegible]۔ یہ تجویز بھی زیر غور ہے کہ ایک الیا مرکزی دفتر کھول دیا جائے جہاں ایک معمولی سی فیس ادا کرنے پر یہ سرٹیفکیٹ رجسٹرڈ کرا لئے جائیں۔ تاکہ تلف ہو جانے پر بھی ان کے بدلے رقم کی ادائیگی ہو سکے۔

ڈاکخانہ کے ریکارڈ کو دشمن کی جارحانہ کارروائی سے بچانے کے بھی معقول انتظامات کئے جا رہے ہیں ڈاکخانوں میں جتنا روپیہ جمع کرایا جاتا ہے اس کے متعلق کاغذات ایک تو ڈاکخانہ میں ہی رکھے جاتے ہیں اور ایک ڈاکخانوں کے متعلق آڈٹ [illegible] کے دفتر کا ریکارڈ وقتاً فوقتاً محفوظ مقامات پر بھیج دیا جاتا ہے لیکن جو ریکارڈ ڈاکخانہ میں رہتا ہے۔ اس کی ضرورت حوالجات کے سلسلہ میں متواتر پڑتی رہتی ہے۔ اس لئے اسے ایسی جگہ پر نہیں بھیج سکتے۔ لیکن ان کے رکھنے کے لئے بھی خاص مکانات بنائے جا رہے ہیں۔

حکومت کی طرف سے اسکول میں تعطیل

بمبئی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ۱۸ ستمبر سے گورنمنٹ بمبئی نے ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول پانچ محل کو معطل کر دیا ہے سرکاری پریس نوٹ سے معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ نے سورت کے میونسپل بورڈ اسکول کو بھی معطل کر دیا ہے۔ یہ اسکول ۷ ستمبر سے چھ مہینے کے لئے معطل کیا گیا ہے، پانچ محل کے ڈسٹرکٹ اسکول کو بھی چھ مہینے کے لئے معطل کیا گیا ہے۔

چینی طلبہ کی ٹریننگ

چینی وزارت کلکتہ کے جاری کردہ بلیٹن کے مطابق چین کے آزاد علاقہ میں کم سے کم ۶۰ اسکولوں میں ۶۰ ہزار طلبہ کو یونائیٹڈ چائنا ریلیف کی طرف سے مالی امداد دی جا رہی ہے، چینی حکومت طلبہ کو سستے چاول پر پال رہی ہے اور مقبوضہ چین سے آنے والوں کو وظیفے دئے جاتے ہیں، جنگ کے بعد چین کی تعمیر کے لئے ۲ ہزار چینی طلبہ کا انتخاب کیا جا رہا ہے انہیں لو ہزار ڈالر سالانہ دئے جائیں گے۔

مسلم یونیورسٹی اور اسکے متعلقہ ہوسٹلوں میں نماز تراویح کا [illegible] کسی جگہ قرآن مجید ختم نہیں ہوا؟

[illegible] صاحب، جواہر خاں مسلم یونیورسٹی نے پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی ایڈیٹر نے دفتر [illegible] سلسلہ [illegible] علی گڑھ سے شائع کیا۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۶۲۰

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار اخبار

کانفرنس گزٹ

علی گڑھ

تاریخ ہائے اشاعت ہر ماہ عیسوی کی یکم - ۸ - ۱۶ - ۲۴

قیمت اخبار سالانہ تین روپیے ششماہی دو روپیے سہ ماہی ایک روپیہ

قیمت فی پرچہ ایک آنہ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر سید عطاء نبی نقوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۳) ۸ فروری ۱۹۴۳ء مطابق ۲ صفر ۱۳۶۲ھ نمبر (۶)

صاحبزادہ سر عبدالصمد خاں کے سی آئی ای کی رحلت

علی گڑھ میں یہ خبر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ ۲۰ جنوری گزشتہ کو جناب صاحبزادہ سر عبدالصمد خاں بہادر کے سی آئی ای عرف ابن میاں صاحب سابق وزیر اعظم رامپور نے طویل علالت کے بعد رحلت فرمائی۔

صاحبزادہ صاحب مرحوم جناب صاحبزادہ محمد عبداللہ خاں صاحب مرحوم کے فرزند اکبر تھے اور ایک جلیل القدر خاندان امارت و شرافت سے تعلق رکھتے تھے۔ خاندان ریاست و حکومت سے بھی مرحوم کا قریب ترین تعلق تھا۔ یعنی آپ علیا حضرت ہر ہائینس بیگم صاحبہ رامپور کے والد ماجد تھے۔

خاندانی اعزاز کے علاوہ صاحبزادہ صاحب مرحوم ذاتی طور سے خود بھی اپنی قابلیت، فراست، خوش انتظامی تدبر اور دوسرے اوصاف جلیلہ کے لحاظ سے ایک ممتاز، با اثر اور ہر دلعزیز شخصیت رکھتے تھے، اور رامپور کے لئے آپ کا عہد وزارت نہایت کامیاب تھا مرحوم نے ایک طویل زمانہ تک نہایت قابلیت اور غیر متزلزل وفاداری کے ساتھ رامپور کی شاندار خدمات

[illegible] ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور ہز ہائینس فرمانروائے رامپور اور ہر ہائینس بیگم صاحبہ بالقابہا کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مہمان

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے آئندہ سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور ریاستوں سے جو مہمان تشریف لا رہے ہیں ان کی ایک فہرست پچھلے پرچہ میں شائع ہو چکی ہے، اب مزید اطلاعات کے مطابق دوسری فہرست ذیل میں شائع کی جاتی ہے۔

(۱) نمائندہ اخبار "ڈان" دہلی (۲) آغا تاج محمد خاں صاحب بی اے، بی ٹی، کے، آئی، ایچ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم خیر پور اسٹیٹ (۳) ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن (۴) خان بہادر شیخ وحیدالدین صاحب سی آئی ای رئیس میرٹھ (۵) نواب دوست محمد خاں صاحب بہادر حیدر آباد دکن (۶) نواب اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا حیدر آباد دکن (۷) مولوی عبد[illegible] پاشا صاحب ایڈوکیٹ حیدر آباد دکن مسلم لاج کنگ کوٹھی روڈ۔ (۸) عبدالغنی صاحب بانی ڈائرکٹر انجمن خادم قرآن کمیٹی ۹۱ ماڈل ٹاؤن لاہور (۹) بیگم اعجاز رسول صاحبہ جلال پور ہاؤس ۹ قیصر باغ لکھنؤ (۱۰) مولانا محمد نور جید العلی صاحب فرنگی محل لکھنؤ (۱۱) خان بہادر مرزا اختر حسین صاحب اسسٹنٹ رجسٹرار پٹنہ یونیورسٹی (۱۲) خان بہادر سید شوکت علی صاحب سابق دیوان راج گڈھ۔ دیوان بلاغ سیہور ریاست بھوپال (۱۳) خان بہادر سید عبداللہ صاحب بی اے رٹائرڈ چیف سکریٹری مالیر کوٹلہ (۱۴) مسٹر ظفرالدین احمد ایجوکیشنل سکریٹری رامپور اسٹیٹ (۱۵) ہیڈ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ رامپور اسٹیٹ (۱۶) نواب میر احمد علی خاں صاحب ایم اے، ایم ای، ڈی بیرسٹر ایٹ لا پروفیسر عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدر آباد دکن (۱۷) پروفیسر عبدالمغنی صاحب ایم اے منشی فاضل صدر شعبۂ فارسی و اردو مہاراجہ کالج جے پور (۱۸) مولانا حامد حسین صاحب انصاری پیش امام و انسپکٹر مدارس بھرت پور (۱۹) بابو ریاض علی صاحب جوائنٹ سکریٹری انجمن اسلامیہ بھرت پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸۔فروری ۱۹۴۳ء

ہندوستان کی دو تحریکیں، سیاسی و تعلیمی

جس زمانہ میں سرسید مرحوم نے اپنی "تعلیمی تحریک" شروع کی مسلمان ملکی سیاست سے بالکل بیگانہ تھے، نہ اُن کی کوئی سیاسی انجمن تھی نہ وہ آئینی جد و جہد کے طریقوں سے واقف تھے، بلکہ کسی سیاسی انجمن سے تو انھیں دور کا بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے علاوہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے واقعات نے انھیں اس قدر مرعوب و خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ حکومت کے سامنے اپنا کوئی جائز مطالبہ پیش کرنے میں بھی تامل کرتے تھے، کیونکہ انھیں یہ خوف تھا کہ حکومت اُن کے مطالبات سے ناخوش ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اس احتیاط و خوف کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ تک مسلمانوں میں "جدید تعلیم" نہیں پھیلی تھی اور اُن کے دماغ میں پرانی شخصی حکومت کا تخیل تھا جبکہ حکومت کی کسی کارروائی پر نکتہ چینی کرنا گستاخی میں داخل تھا اور اس پر دار و گیر ہوا کرتی تھی، غرض جو وجہ بھی ہو جیسا کہ واقعات سے ثابت ہے انگریزی تسلط کے ابتدائی دور میں ہندوستان کے مسلمان قولاً و عملاً ملکی سیاست سے بالکل علحدہ تھے، یہاں تک کہ ایسی آئینی جد و جہد سے بھی جس میں حکومت کی ناخوشی کا شائبہ بھی ہو وہ احتیاط کرتے تھے، البتہ شدید ضرورت کے وقت کسی مخصوص و مقامی معاملہ کے متعلق وہ اپنے "معروضات" نہایت ادب سے حکومت کے سامنے پیش کیا کرتے تھے، جو کبھی مسترد کر دئے جاتے تھے اور کبھی انھیں شرف قبولیت عطا ہوتا تھا، لیکن یہ محض معمولی چیزیں تھیں جن کی سیاسی حیثیت سے کوئی اہمیت نہ تھی،

خود سرسید بھی مسلمانوں کا کسی سیاسی جد و جہد میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے تھے اُن کا یہ نظریہ تھا کہ مسلمانوں میں ابھی تعلیم نہیں پھیلی ہے اس لئے اگر اُنھوں نے ملکی سیاست میں حصہ لیا تو وہ صحیح و آئینی طریقہ سے اپنی جد و جہد جاری نہ رکھ سکیں گے بلکہ حدود سے تجاوز کر جائیں گے جس کا نتیجہ اُن کے لئے خطرناک ہوگا۔ سرسید کا یہ خیال اس بنا پر تھا کہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء نے حکومت کو مسلمانوں سے بدگمان کر دیا تھا اور وہ اس شورش و فساد کے ذمہ دار قرار دئے گئے تھے اس لئے حکومت ان کی نقل و حرکت کو کڑی نظر سے دیکھتی تھی، برخلاف ہندوستان کی دوسری قوموں کے جو مدت دراز سے مسلمانوں کی محکوم تھیں اس لئے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اُن میں وہ جذبات نہیں ہو سکتے جو ایک ایسی قوم میں ہو سکتے ہیں جو کل تک اس ملک میں حکمران تھی۔

غرض یہ مصالح تھے جن کی بنا پر سرسید نے بجائے کسی سیاسی تحریک کے "تعلیمی تحریک" شروع کی، سرسید اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مسلمان کسی غلط کاری کا ارتکاب نہیں کریں گے، کیونکہ تعلیم کی وجہ سے وہ جد و جہد کے اُن آئینی اور اثرانداز طریقوں سے واقف ہو جائیں گے جو ترقی یافتہ ممالک کی قومیں اپنے حقوق یا آزادی حاصل کرنے کے لئے برتا کرتی ہیں۔ ان وجوہ سے سرسید تعلیم کو ایک ایسی بنیادی چیز سمجھتے تھے جو مسلمانوں کی ساری سیاسی و اقتصادی مشکلات کو حل کر دے گی اور جس کی وجہ سے وہ اس ملک میں مناسب جگہ حاصل کر لیں گے، یہ وجوہ تھے جنکی بنا پر سرسید نے ۱۸۷۵ء میں ایک تعلیم گاہ کی بنیاد رکھی، اور مختلف تدبیروں سے یہ کوشش کی کہ عام مسلمان خصوصاً وہ مسلمان جو فارغ البال و صاحب استطاعت ہیں اس درسگاہ سے فائدہ اُٹھائیں۔

جس زمانہ میں سرسید نے اپنی تعلیمی جد و جہد شروع کی ہندو تعلیم میں آگے بڑھ چکے تھے۔ اُن کے یہاں مذہبی تعلیم کا کوئی سلسلہ یا نظام نہ تھا اس لئے وہ بغیر کسی روک ٹوک کے جدید تعلیم سے مستفید ہو سکتے تھے، مذہبی تعلیم صرف برہمنوں کی ایک مختصر سی جماعت تک محدود تھی، اور ان برہمنوں کا بھی صرف اتنا کام تھا کہ وہ مختلف تقاریب کے موقع پر مذہبی رسوم ادا کیا کریں۔

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں میں کبھی اور کسی زمانہ میں بھی مذہبی تعلیم یا دوسرے علوم و فنون کا سیکھنا کسی خاص طبقہ یا جماعت کے ساتھ مخصوص نہیں رہا بلکہ ہر مسلمان کو علم حاصل کرنے کی تاکید تھی اس لئے ہر زمانہ میں مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد جس کو پڑھنے کا موقع ملتا تھا نہ صرف مذہبی تعلیم بلکہ دوسرے مشرقی علوم یعنی ادب، تاریخ، فلسفہ، منطق اور طب وغیرہ کے پڑھنے میں مصروف رہتی تھی، چنانچہ جس زمانہ میں سرسید نے اپنی "تعلیمی تحریک" شروع کی ہندوستان کے مختلف حصوں خصوصاً شمالی ہند میں بہت سے مسلمان شرفاء مذہبی و مشرقی علوم کی تحصیل میں مصروف تھے، اور ایم اے او کالج سے پہلے ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند بھی قائم ہو چکا تھا جہاں مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام تھا۔

اس زمانہ میں تعلیم کا ایک سلسلہ یہ بھی تھا کہ بہت سے بلند پایہ علماء جو مختلف مذہبی و مشرقی علوم میں شہرت رکھتے تھے اپنے اپنے گھروں میں درس دیتے تھے جہاں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا، اور لوگ دور دراز سفر کر کے ان علماء کے فضل و کمال سے مستفید ہونے کے لئے آتے تھے۔ انگریزی حکومت کے آغاز میں بھی یہ سلسلہ کم و بیش جاری تھا، اور ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب، مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کے حلقۂ درس کی دور دور شہرت تھی، اور ہزاروں تشنگان علم ان علمی سرچشموں سے سیراب ہوتے تھے، اس اعلیٰ تعلیم کے علاوہ ابتدائی مکاتب کا بھی ایک سسٹم تھا جہاں قرآن مجید کے علاوہ مذہب اور لٹریچر کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں،

ان واقعات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جب ہندوستان پر انگریزی حکومت مسلط ہوئی تو مسلمان اس ملک کے اچھوتوں کی طرح وحشی و جاہل نہیں تھے

بلکہ ان کے پاس ایک مستقل تہذیب، مستقل علوم اور ایک مایۂ ناز لٹریچر تھا، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمان جس اسلامی و مشرقی تہذیب کے حامل تھے اس کا معیار موجودہ مغربی تہذیب سے کہیں زیادہ بلند و برتر تھا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ اس دور آخر میں اسلامی و مشرقی تہذیب علوم کا زوال شروع ہو چکا تھا لیکن یہ انحطاط ابھی اس حد تک نہیں پہنچا تھا کہ مسلمان اپنی تہذیب و علوم سے بالکل بیگانہ یا ناآشنا ہو چکے ہوں اور انہیں اپنے علوم کی عظمت و برتری کا کوئی احساس باقی نہ رہا ہو۔ یہ اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ جب سرسید نے اپنی تحریک شروع کی تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے مذہبی نقطۂ نظر سے اس کے نتائج پر غور کیا، چنانچہ ایک سلسلۂ بحث شروع ہو گیا جو مدت دراز تک جاری رہا جس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے، کیونکہ ناظر اصحاب اُن حالات سے بخوبی واقف ہیں جو ابتدائی دور میں موجودہ تعلیم کی مخالفت و موافقت کے سلسلہ میں پیش آئے۔

بے شبہ اس کشمکش کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے "تعلیم جدید" کی اشاعت و ترقی میں یہ مخالفت کسی قدر مانع آئی لیکن یہ قطعاً غلط ہے (جو کہیں کہیں دہرایا جاتا ہے) کہ محض علماء کی مخالفت اور مذہبی وجوہ سے مسلمان تعلیم میں پیچھے رہ گئے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی پستی کے اور بہت سے اسباب بھی ہیں جس کی ذمہ داری دوسروں پر بھی ہے۔

جن لوگوں نے مسلمانوں کی تعلیمی تاریخ پر غور کیا ہے وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ تعلیم کی گرانی، قواعد کی سخت گیری اور اغیار کی بے مہری، تنگ نظری نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں کیسی کیسی رکاوٹیں پیدا کی ہیں جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری ہے چنانچہ ہر سال کانفرنس کے اجلاس میں مختلف صوبوں کے تعلیمی معاملات کے متعلق جو رزولیوشن پیش ہوتے رہتے ہیں اُن سے پورے طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کون کون سے صوبوں میں مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے میں کیا کیا دشواریاں پیش آ رہی ہیں اور ان کی وجہ سے باوجود خواہش اور کوشش مسلمانوں کے لئے تعلیم حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

اس تعلیمی پسماندگی سے مسلمانوں کو ایک زبردست نقصان یہ پہنچا کہ بحیثیت ایک قوم کے اُن کی کوئی سیاسی اہمیت نہیں رہی، اور ان کے مقابلہ میں برادران وطن کی اہمیت بڑھ گئی کیونکہ تعلیم نے ان میں صلاحیت و قابلیت پیدا کر دی کہ وہ حکومت کے انتظام و کاروبار میں دخیل ہو گئے اور اس ابتدائی دور میں ایک ہندوستانی کو جو سرکاری عہدے مل سکتے تھے وہ انھوں نے حاصل کر لئے۔

اس کے علاوہ "جدید تعلیم" نے ان میں ایسی سمجھ بوجھ اور معاملہ فہمی کی قابلیت پیدا کر دی کہ وہ سیاسی مسائل اور ملکی معاملات کو سمجھنے لگے اور مختلف طریقوں سے اپنی قوم کی تنظیم اور عوام کی دماغی تربیت شروع کر دی یہاں تک کہ ان میں لیڈروں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جس نے مستقل طریقہ سے پالیٹکس اور ملکی خدمت کو اپنا نصب العین بنا لیا اور مروجہ نظام حکومت پر نکتہ چینی اور اصلاح کا مطالبہ شروع کر دیا، رفتہ رفتہ سیاسیات کا یہ شوق دوسرے تعلیم یافتہ لوگوں میں بھی پیدا ہوا اور بنگالی ہندوؤں نے جو نسبتہً زیادہ تعلیم یافتہ تھے ان معاملات میں زیادہ سرگرمی ظاہر کی۔

کچھ مدت بعد ان سیاسی کارکنوں نے ایک جماعت کی صورت اختیار کر لی جس کا نام "نیشنل کانگریس" قرار پایا۔ اس کانگریس نے اپنا پہلا باقاعدہ اجلاس دسمبر ۱۸۸۵ء میں کلکتہ میں منعقد کیا گویا اب ہندوستان میں آئینی سیاسی جد و جہد کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ سرسید کی دوربیں نگاہیں برادران وطن کی اس سیاسی جد و جہد اور نقل و حرکت کو نہایت توجہ سے دیکھ رہی تھیں اور وہ سمجھ رہے تھے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے، انھوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ کانگریس کا چرچا شروع ہونے پر کچھ مسلمان بھی اس طرف متوجہ ہو گئے ہیں اور خود برادران وطن بھی مسلمانوں کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن جیسا ہم اوپر عرض کر چکے ہیں سرسید ابھی مسلمانوں کا ابھی پالیٹکس میں داخل ہونا قبل از وقت سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے پالیٹکس سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے اور تعلیم پر متوجہ کرنے کے لئے "محمڈن ایجوکیشنل کانگریس" قائم کی، کانگریس کا پہلا اجلاس ۲۷ - دسمبر ۱۸۸۶ء کو ہوا تھا سرسید نے اس کے پورے ایک سال بعد ۲۷ - دسمبر ۱۸۸۶ء کو اپنی "ایجوکیشنل کانگریس" کا پہلا اجلاس علی گڑھ میں منعقد کیا۔

اس محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے پہلے اجلاس میں سرسید نے سب سے پہلا رزولیوشن پیش کرتے ہوئے جو تقریر کی اس کے پہلے فقرہ سے صراحتہً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرسید مسلمانوں کو صرف تعلیم میں مشغول رکھنا چاہتے تھے اور پالیٹکس میں اُن کی مداخلت پسند نہیں کرتے تھے۔

سرسید نے سلسلۂ تقریر میں فرمایا

"اے صاحبو! جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پولیٹیکل امور پر بحث کرنے سے ہماری قومی ترقی ہوگی میں اُس سے اتفاق نہیں کرتا بلکہ میں تعلیم کی ترقی کو اور صرف تعلیم ہی کو ذریعہ قومی ترقی کا سمجھتا ہوں، ہماری قوم کو اس وقت بجز ترقی تعلیم کے اور کسی چیز پر کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر ہماری قوم میں تعلیم کی کافی ترقی ہو جائے گی تو ہم کو وہی کافی ذریعہ تنزل کی حالت سے نکلنے کا ہو گا۔"

سرسید کی یہ تقریر کسی مزید وضاحت کی محتاج نہیں، ان کی ساری تقریروں اور طریقۂ کار سے یہ ثابت ہے کہ وہ تعلیم اور صرف تعلیم کو مسلمانوں کے ہر مرض کا علاج سمجھتے تھے، اُن کا یہ خیال تھا کہ تعلیم کے ذریعہ سے مسلمانوں کو اپنے تنزل اور کمزوریوں کا صحیح احساس ہو گا۔ اور پھر تعلیم ہی کی رہنمائی سے وہ اپنی قومی کمزوریوں کو دور کرنے کی تدبیریں اختیار کر سکیں گے۔

"نیشنل کانگریس" جو برادران وطن نے قائم کی تھی کسی صوبہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ایک آل انڈیا جماعت تھی، اسی طرح "ایجوکیشنل کانگریس" بھی ایک آل انڈیا جماعت قرار دی گئی، چنانچہ اس کے پہلے اجلاس میں جو رزولیوشن منظور ہوا اس کے الفاظ حسب ذیل تھے:-

"اس جلسہ کی یہ رائے ہے کہ محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کا علی گڑھ ہیڈ کوارٹر قرار دیا جائے اور اس کے مقاصد کی تکمیل اور تائید کے لئے ہر شہر اور ہر قصبہ میں کمیٹیاں قائم ہوں۔"

اس رزولیوشن کے علاوہ بانی ایجوکیشنل کانگریس یعنی سرسید نے بھی اپنی طویل تقریر میں اس تعلیمی انجمن کی ہندوستان گیر حیثیت کو وضاحت سے بیان کر دیا انھوں نے فرمایا "ان ہی خیالات سے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہر سال مسلمانوں کی تعلیم اور ترقی پر غور کرنے کے لئے مختلف مقامات اور مختلف صوبجات

(باقی)

اردو زبان

مسلمانوں کی ہندستان میں آمد سے پہلے ہندیوں کی زبان بھاشا تھی لیکن جب مسلمان ہندستان میں وارد ہوئے۔ تو چونکہ ان کی زبان عربی آمیز فارسی تھی اس لیے ان کی وہ زبان بھاشا سے ٹکرا کر ایک نئی زبان کی تخلیق کا موجب بنی۔ جیسا کہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ دو چیزوں کے باہم ٹکرانے سے ایک تیسری چیز وجود میں آجاتی ہے اسی طرح جب عربی آمیز فارسی زبان بھاشا سے ٹکرائی تو ایک نئی زبان ہندستانی معرض وجود میں آئی جس نے روز بروز وسعت اختیار کر لی۔ مسلمان بادشاہوں نے اس کے ساتھ رواداری برتی اور حوصلہ افزائی کی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انھوں سنسکرت بھاشا سے دشمنی روا رکھی نہیں بلکہ غیر مسلم محققین بھی اس امر پر متفق ہیں کہ انھوں نے زیادہ تر سنسکرت کے شاعروں کی حوصلہ افزائی کی جیسا کہ ڈاکٹر جتیندر بمل چودھری "ماڈرن ریویو" میں لکھتے ہیں۔

"مسلمان حکمرانوں نے زیادہ سے زیادہ سنسکرت کے شاعروں اور عالموں کی فیاضی سے سرپرستی کی"

عثمانیہ یونیورسٹی کے ونشی دھر جی صاحب لکھتے ہیں

"مسلمانوں کے عہد حکومت میں سنسکرت شاعری کی حوصلہ افزائی ہوئی اور شاعروں نے مسلمان بادشاہوں کی تعریفیں کی ہیں۔ جیسا کہ اودے راج نے محمد غوری کی تعریف میں "راج ونود" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔"

الغرض جب مسلم حکمرانوں نے ہندستانی کو بھی سہارا دیا تو پھر ولی۔ دکنی اور امیر خسرو نے اس کی آبیاری کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اس وقت اس نئی زبان یعنی ہندستانی کا نام "ریختہ" قرار دیا گیا۔

اس دوران میں یعنی مسلم عہد حکومت میں سرکاری زبان فارسی تھی جس میں ہندوؤں نے اس قدر دسترس حاصل کر لیا تھا کہ مسلمان فارسی تعلیم حاصل کرنے میں ہندوؤں کی شاگردی اختیار کر لیتے تھے لیکن پھر بھی اردو زبان نے ہمہ گیر وسعت اختیار کر لی اور غیر معمولی کشش سے سب کو اپنی طرف کھینچتی گئی۔ ہندو مسلمان وغیرہ سب اس زبان کو اپنانے لگے اور شعر و سخن اسی زبان میں کہنا شروع کیا۔

شاہجہاں کے وقت میں ریختہ کے بجائے "اردو" زبان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور تمام ہندستانی قوموں میں عام زبان کی حیثیت سے استعمال میں چلی آئی ہندستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچنے کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پھیلائی گئی جس کا یورپین سیاحوں نے بھی واضح لفظوں میں اعتراف کیا ہے ہر طرف اردو کا ہی غلغلہ تھا اور بقول گارسن دتاسی:

"اردو زبان نے سارے ہندستان میں وہی مرتبہ حاصل کر لیا ہے جو فرانسیسی زبان نے یورپ میں۔ یہی وہ زبان ہے جو سب سے زیادہ استعمال میں آتی ہے علاقوں اور شہروں میں اسی سے کام لیتے ہیں۔ ادبی لوگ اسی میں کتابیں لکھتے ہیں اور شاعر اسی زبان میں شعر کہتے ہیں اور یورپینوں کے ساتھ بات چیت میں یہی استعمال ہوتی ہے۔"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام قومیں بلا امتیاز مذہب و ملت "اردو" ہی کو اپنا تے تھے تو اس کے خلاف مخالفت کا جذبہ کیسے پیدا ہوا۔ اور کب سے چلا آتا ہے؟ سو جب اس کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہم واقعات کا سرسری طور پر بھی جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان میں غدر کا واقعہ عمل میں آنے کے ساتھ ہی جب مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ مخالف کے ایک ہی جھونکے سے بجھ گیا تو غیر مسلموں میں خیال پیدا ہوا کہ اب ہم نے محکومی سے نجات حاصل کر لی ہے لہٰذا مسلمانوں کے کسی بھی اثر کو جبراً دور کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ یہ خیال ان میں روز بروز ترقی پکڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس جوامع کے فرقہ وارانہ جذبہ سے متاثر ہو کر سرنو زبان بھاشا اور دیوناگری رسم الخط کو فروغ دینا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں شروع ہی سے اگرچہ انگریزوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا لیکن پھر زبان اور دیوناگری رسم الخط کو اردو جیسی مقبولیت نصیب نہ ہوئی کیونکہ اردو ہر ایک کے دل میں اپنا گھر کر چکی ہے۔ چنانچہ آج تک برابر زبان کا جھگڑا چلا آتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر قوم کے بہتر مستقبل کا انحصار زیادہ تر زبان ہی پر ہوتا ہے لیکن جائے غور ہے اور قابل تعجب کہ اردو جو نہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے اور نہ ہندوؤں کی مگر پھر بھی بعض اشخاص ان قماش کے ہیں جو کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی کے اصول پر کار فرما ہوتے ہوئے اس کو فرقہ وارانہ زبان قرار دیتے ہیں حالانکہ تیج بہادر سپرو کا قول ہے

"اردو زبان ہند و مسلمان دونوں کو اپنے آباؤ اجداد سے ایک مشترکہ و مقدس ترکہ کی حیثیت سے ملی ہے جو قطعاً ناقابل تقسیم ہے۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کہتے ہیں:-

"اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دینا بے معنی بات ہے اردو سرزمین ہند میں پیدا ہوئی" (عصر جدید)

لیکن گاندھی جی پھر بھی واقعات اور حقائق کا خون کرتے ہوئے ان الفاظ کا اظہار ناگپور میں ۲۴، ۲۵ اپریل ۱۹۳۶ء کو منعقدہ بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس میں کر چکے ہیں کہ

"اردو مسلمانوں کی زبان ہے قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے مسلمان بادشاہوں نے اسے بنایا مسلمان چاہیں تو اسے رکھیں اور پھیلائیں۔"

یہ ذہنیت ہے کانگریس کے کرتا دھرتا مہاتما گاندھی کی۔ اور اسی ذہنیت سے متاثر ہو کر کانگریسی وزراء نے ہندی کی ترویج میں ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کیا جس کی ایک ادنیٰ سی جھلک آپ ان الفاظ میں دیکھ سکتے ہیں جو مسٹر سمپورنانند وزیر تعلیم صوبجات متحدہ نے ۱۹ اگست ۱۹۳۸ء کو بنارس میں ناگری پرچارنی سبھا کے اجلاس میں فرماتے ہیں

"صرف ہندی شمالی ہندستان کے باشندوں کی مادری زبان ہے بلکہ وہ ہندستانیوں کی مشترکہ زبان ہے۔ اس لئے اس کو ایسی شکل میں ہونا چاہئے کہ اس کو صرف سمجھ سکیں۔ بلکہ بنگال گجرات اور دکھن کے رہنے والوں کو بھی دقت محسوس نہ ہو۔ برہمن پیدائشی لیڈر رہیں۔ انھیں اپنی پوزیشن کو محسوس کرتے ہوئے سیاسی حالت سنبھالنے میں اور اس کی ازسرنو تنظیم کرنے کی غرض سے آگے آنا چاہئے۔"

(۲۱ اگست ۱۹۴۲ء)

یوں معلوم ہوتا ہے کہ اردو کو نیست و نابود کرنے کے لئے اچھی طرح سے کمر کس لی ہے۔ جبھی تو اس کی مخالفت کرتے ہیں ان کی زبانیں تھکتی نہیں ہیں۔ اسی اردو کے خلاف ہیں لے رہے صرف حجاز، عراق، افریقہ ایسے سینیا، پورٹ سوڈان اور چین و جاپان تک ہی بلکہ دور دراز ملکوں میں بھی اپنی جڑیں مضبوط کی ہیں جس کا اثر دنیا کے اطراف و اکناف میں حاجی لوگ حجاز سے ہر سال اپنے ساتھ لایا کرتے ہیں۔ لیکن کیا ان کے مٹانے سے اردو مٹ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں ؎

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مگر شرط یہ ہے کہ ہر کوئی محب اردو زبان کی ترویج کی خاطر پوری سرگرمی سے مصروف عمل ہو جائے۔

ان اشخاص کی ذہنیت پر سوائے ماتم کرنے کے

اور کیا کیا جائے جو ڈینگیں مارتے رہتے ہیں کہ ہندوستان میں اردو کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے اور عوام کا رجحان زیادہ تر ہندی بھاشا کی طرف ہی ہے حالانکہ اہل سانکرتیاین صاحب ماہ نومبر کے وشال بھارت میں ایسے اصحاب کی غلطی ان الفاظ سے کھولتے ہیں۔

"مادری زبانوں کے بارے میں کل بنارس مرزاپور جون پور اور اعظم گڑھ کے ضلع میں کاشکا بولی جاتی ہے اسے بھوج پوری۔ اودھی اور بندیل کھنڈی وغیرہ کو جو لوگ عوامی کہتے ہیں وہ ان کی اہمیت کو نہیں سمجھتے وہ بھول جاتے ہیں کہ یہ زبانیں مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ پھر سوال ہوتا ہے ہندی کا۔ وہ ہماری مادری زبان نہیں ہے۔ اسے کسی بھی صوبائی زبان کو مار کر پونا بننے کا ادھیکار نہیں ہے۔ ہندی بھاشا کو تعلیم کی کسوٹی بنانا غلط ہے۔"

کہاں ہیں۔ ہندی زبان کو مادری زبان قرار دینے والے کیا وہ اب بھی اپنی ہٹ دھرمی سے نہ باز آئیں گے؟

ہندی سے کسی کو خدا واسطے کا بیر نہیں ہے بلکہ صاحب بصیرت اشخاص پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہندوستانی اردو جس شوق سے اردو زبان کی خدمت کرتے ہیں وہ اسی شوق سے ہندی جیسی زبان کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ چنانچہ ملک کے ادبی جرائد میں علی العموم ایسے کلام شائع ہوتے رہتے ہیں جن میں اردو ہندی دونوں زبانوں کے الفاظ ملے جلے ہوتے ہیں اور روز بروز ایسی شاعری ترقی پسند حلقوں میں وسعت اختیار کرتی جاتی ہے لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ برادران وطن کا ایک عنصر خواہ مخواہ کی عداوت اردو سے روا رکھے۔ اس کے مٹانے کے درپے رہے اور ہندی میں ایسے کرخت و بھیانک الفاظ تحریر و تقریر میں استعمال کرے جو فرشتوں کی سمجھ میں بھی نہ آئیں۔

(نوشتہ عزیز کشمیری از ہماری زبان
بحوالہ البرق کشمیر)

ہندوستان کے مشکل مسئلہ کا حل

مسٹر محمد علی جناح کا نقطۂ نظر

۲۳ جنوری ۱۹۴۳ء کو مسٹر جناح نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن بمبئی کے جلسہ میں مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔

مسٹر جناح نے فرمایا کہ یہ تجاویز پیش کی جا رہی ہیں کہ بحیثیت صدر مسلم لیگ مجھے اور مسلم لیگ کو چاہئے کہ کانگریس کے لیڈروں کو جیل سے رہا کرانے کے لئے کوئی پیش قدمی کریں۔ ایسی تملق آمیز تعریف ہے جس سے خواہ مخواہ نفس فربہ ہوتا ہے لیکن ہمیں چاہئے کہ ملک کی صورت حال کا مطالعہ کریں۔

مسٹر جناح نے کانگریس کے اس رزولیوشن کا ذکر کیا جو گزشتہ ۸۔ اگست کو منظور ہوا تھا اور نیز کانگریس کے اس طرز عمل کا جو اس نے گزشتہ بیس سال کے اندر جاری رکھا ہے۔ مسٹر گاندھی نے ۱۹۴۰ء میں کہا تھا جب تک مسلم لیگ کے ساتھ کوئی قابل عمل معاملہ نہ ہو سول نامتابعت میں مسلم لیگ کی مخالفت ضرور داخل ہوگی کوئی کانگریسی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔

پھر مسٹر جناح نے فرمایا کہ ایک اور موقعہ پر مسٹر گاندھی نے کہا کہ بغیر فرقہ وارانہ سمجھوتے کے اگر عام تحریک شروع کی گئی تو وہ خانہ جنگی کی طرف رہنمائی کرے گی اور خودکشی کے لئے دعوت ہوگی۔ مسٹر گاندھی نے اس پر اصرار کیا تھا کہ استقلال بغیر ہندو مسلم سمجھوتے کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہندوستان چھوڑنے کا مطالبہ

پھر کانگریس نے یکایک یہ پالیسی کیوں اختیار کر لی جس نے ترقی کر کے ۸۔ اگست ۱۹۴۲ء کے رزولیوشن کی صورت اختیار کی۔ کامل آزادی پہلے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سمجھوتہ بعد میں اور برطانویوں کے خلاف نعرہ کہ وہ ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں۔ یہ ایک فوری اور انقلابی تبدیلی تھی اور ایسی قلابازی جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت برطانیہ نے کانگریس کی عام سول نامتابعت کے خلاف پالیسی اختیار کی۔

کیا کانگریس کا مسٹر گاندھی کا یا دوسرے ہندو لیڈروں کا یہ خیال ہے کہ بغیر مسلم لیگ سے سمجھوتہ کئے ہوئے ہندوستان کے لئے کامل آزادی حاصل کر لیں گے؟ جو پالیسی اختیار کی گئی ہے وہ بقول مسٹر گاندھی خودکشی کی پالیسی ہے۔ یہ ہوا کرے کہ مسلمان تعداد میں ایک چوتھائی ہیں مگر ہمیشہ یہی نہیں ہو سکتا کہ آپ سر ہی گنتے جائیں مسلمان اس برصغیر میں ایک بڑی طاقتور قوم ہیں۔

کانگریس کے لیڈروں کی روش بالکل واضح ہے مسٹر گاندھی اور کانگریس یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اتنے طاقتور ہیں کہ حکومت برطانیہ کو اپنے مطالبات اس طرح منظور کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں کہ مسلم ہندوستان کے بڑے اور حقیقی مفاد قربان کر دئے جائیں۔ مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کے معنے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔

اس سلسلہ میں مسٹر جناح نے ہندو مہاسبھا کے اس رزولیوشن کا ذکر کیا جو اس نے ابھی کانپور میں منظور کیا ہے۔ ہندو مہاسبھا نے جو کانگریس کا دوسرا حصہ ہے اس معاملہ میں کوئی ابہام نہیں رکھا ہے وہ کہتی ہے "ہم ہندوستان کے لئے آزادی اور استقلال حاصل کریں گے تمہارے ساتھ مل کر اگر تمہیں یہ پسند ہو اور بغیر تمہارے اگر تم نہ آؤ"

مسٹر جناح نے فرمایا کہ متعلقہ فریق مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کے علاوہ حکومت برطانیہ کو مجبور کر رہے ہیں اور سخت برے نتائج سے ڈرا رہے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ دس کروڑ مسلمان یقیناً بغاوت کریں گے اور ہندو راج کی ہرگز اطاعت نہیں کریں گے۔

مسٹر جناح نے مزید فرمایا کہ "اس کے بعد ہندو مہاسبھا کے فیصلہ سے برطانوی رجعت پسندوں کو اس کا موقع مل جائے گا کہ وہ یہ لاجواب دلیل استعمال کریں "اگر ہندوستان کی بڑی پارٹیوں میں سمجھوتہ نہیں ہوا ہے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے"۔ فرض کیجئے کہ کانگریس کامیاب ہو گئی یا حکومت برطانیہ ہندوستان کو چھوڑ کر ہٹ گئی اور کانگریس کے خیال کے مطابق ہندوستان آزاد ہو گیا تو کیا کانگریس اس برصغیر میں آزادی قائم رکھ سکے گی۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ مسلمان ہندو راج قبول نہیں کریں گے اور اس کا نتیجہ صرف خانہ جنگی اور اختلال ہوگا۔

مسٹر گاندھی نے خود یہ کہا ہے کہ انگریزوں کے جانے کے بعد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم سمجھوتہ کر لیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم سمجھوتہ نہ کر سکیں اور پھر انھوں نے یہ بھی کہا کہ خونریزی اور خانہ جنگی بھی ہو سکتی ہے اس لئے کانگریس یا ہندو مہاسبھا کی پالیسی کو سمجھنا بہت دشوار ہے لیکن ایسے اخبار موجود ہیں جو یہ کہتے رہتے ہیں اور یہ تجاویز پیش کرتے ہیں کہ کسی قسم کا سمجھوتہ ہو جانا چاہئے۔ نیز دوسرے گوشوں سے بھی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ انھیں اس پالیسی پر اعتقاد نہیں ہے کہ انگریز ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں وہ سمجھوتہ نہ چاہتے ہیں سمجھوتہ مسلمانوں کے ساتھ نہیں

[illegible] چاہتے ہیں کہ انگریز [illegible] باضابطہ پالیسی نہیں [illegible] ہیں اور نہ یہ کہ انگریز ہندوستان [illegible] چلے جائیں بلکہ کوئی ایسی گورنمنٹ چاہتے ہیں جو ہندوؤں کو اس قابل کر دے کہ انگریزوں کی حمایت کے ساتھ وہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیں اور رفتہ رفتہ [illegible] کر انھیں ختم کر دیں۔

سراب محض

مسٹر جناح نے اس قسم کے خوابوں کو سراب محض سے تعبیر فرمایا اور پھر انھوں نے یہ سوال کیا کہ کیا حکومت برطانیہ برطانوی سنگینوں کی مدد سے مسلمانوں کو مغلوب کرنے اور غلام بنانے کے لئے مسٹر گاندھی کو اور پنڈت جواہر لال نہرو کو اس برصغیر کی حکومت کی گدی پر بٹھا سکے گی۔ اگر کانگریس اور ہندو لیڈر اخلاص کے ساتھ ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کی آزادی چاہتے ہیں تو اس کی راہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ پاکستان سکیم پر رضامند ہو جائیں یا تو یہ ہوگا کہ ہم اچھے ہمسایہ کی حیثیت سے رہیں یا یہ ہوگا کہ اگر کانگریس اکھنڈ ہندوستان اور متحدہ ہندوستان پر اڑی رہی تو پھر سب کے لئے غلامی کی حالت جاری رہے گی۔

مسٹر جناح نے فرمایا کہ اکھنڈ ہندوستان کے معنے جس طرح کہ مہا سبھا نے اپنے کانپور کے ریزولیوشن میں اس کی تشریح کی ہے یہ ہیں کہ ہندوستان پر ہندوؤں کا کامل تسلط ہو۔

برطانیہ کا ردِ عمل

مسٹر جناح نے اس تجویز کا پھر ذکر کر کے کہ لیگ کو چاہئے کہ ہندوستان کی سیاسی الجھن کو رفع کرنے میں پیش قدمی کرے فرمایا کہ اس سلسلے میں اس کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے کہ برطانیہ پر اس کا کیا ردِ عمل ہوا۔ انھوں نے مسٹر ایمرے کی تقریر کے بعض اقتباسات پڑھ کر سنائے جو انھوں نے اکبر (شہنشاہ ہندوستان) کی یادگار کی تقریب کے موقع پر فرمائی تھی۔ مسٹر جناح نے فرمایا کہ مسٹر ایمرے نے ایک تاریخی تحقیقات فرمائی ہے اور وہ اکبر کے طرز حکومت کا اس نظر سے مطالعہ فرما رہے ہیں کہ جنگ کے بعد ہندوستان میں اسی قسم کی حکومت قائم کریں۔ ہندوستان کی برطانوی حکومت بھی ویسی ہی قائم کی گئی ہے جیسی اکبر کی حکومت تھی۔ اکبر کی حکومت میں ہندو وزیر تھے اور مسلمان وزیر تھے۔ اکبر یہ جانتا تھا کہ اس کو دونوں پر حکومت کرنی ہے اس کو صرف اپنی شخصی اور مطلق العنان حکومت کی فکر تھی اور وہ کوئی حکومت نہ تھی۔ وہ کبھی ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے جتنا اس کا جی چاہا آگے بڑھا اور کبھی مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے۔ اس نے فوجی اور شہری انتظام کے لئے مختلف اقوام میں سے خود اپنے گورنروں کا تقرر کیا۔ ہندو اس کی حکومت پر کبھی راضی نہیں ہوئے، اور جب ہندوؤں یا مسلمانوں کی طرف سے کوئی شورش پیدا ہوئی اکبر نے اپنا کام کیا خواہ مسلمان وزیروں کے ذریعہ سے اور خواہ ہندو وزیروں کے ذریعہ سے۔ یہ طرز حکومت ہے جس کو ہندوستان میں مستقل طور سے قائم کرنے کی فکر کی جا رہی ہے۔ متحدہ ہندوستان کے معنے یہ ہیں کہ لوگوں کی رائے کا اس میں کوئی دخل نہ ہو اور صرف حاکم چال اور فریب سے حکومت کریں۔ یہ طرز حکومت ہے جس کو حکومت برطانیہ ہندوستان میں اختیار کئے ہوئے ہے اور اسے جاری رکھنا چاہتی ہے۔

وائسرائے کی موجودہ ایگزیکٹو گورنمنٹ اکبر کے نمونہ کی ہے۔ اس میں مسلمان، ہندو، پارسی اور سکھ ہیں اور ان سب کا وائسرائے نے تقرر کیا ہے۔

جغرافیائی حیثیت سے ایک

مسٹر جناح نے وائسرائے کی اس تقریر کے متعلق جو انھوں نے ایسوسی ایٹیڈ چیمبر آف کامرس کلکتہ میں کی تھی فرمایا جہاں مسٹر ایمرے تاریخی تحقیقات میں مصروف ہیں اور وحدت ہند کا وعظ کر رہے ہیں۔ وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے اپنے سات برس کے قیام کے بعد یہ انکشاف فرمایا کہ ہندوستان جغرافیائی حیثیت سے ایک ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی اس کے کیا معنے سمجھے گا؟ ہندو مہا سبھا نے اکھنڈ ہندوستان کا کا ریزولیوشن پاس کر کے برطانوی رجعت پسندوں کی خدمت میں نئے سال کا ایک تحفہ پیش کیا ہے۔

مسٹر جناح نے فرمایا ان حالات میں اس سیاسی دشواری کو میں کیونکر حل کروں۔ ۹۔ اگست سے لیکر اس وقت تک کانگریس کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ اگرچہ بہت سے کانگرسی جیل میں ہیں لیکن سارے کانگرسی جیل میں نہیں ہیں اور ہندو پریس بھی جیل میں نہیں ہے۔

اس کے کوئی آثار معلوم نہیں ہوتے کہ کانگریس کا دل ذرا بھی بدلا ہے۔ ابھی تک اس کے سوا کوئی بڑی تجویز نہیں آئی ہے کہ شدت سے وہ طرز عمل قائم رکھا جائے جو کانگریس نے ۹۔ اگست سے اختیار کیا ہے اور جس کی نہایت جارحانہ انداز سے ہندو مہا سبھا نے تصدیق کی ہے۔

صفائی کی ضرورت

کیا ہندوؤں میں کوئی ایسی جماعت نہیں جس کی فکر صاف ہو اور لوگوں کی تائید کے ساتھ ہندوستان کی موجودہ سیاسی دشواری کو رفع کرنے کے لئے کوئی تجویز پیش کر سکے؟ کیا کوئی ایسی جماعت ہے جو کسی بات کا یقین دلا سکے اور جس کی پشت پر کوئی تائید ہو، جو کچھ اختیار رکھتی ہو اور اس اختیار کی قوت پر کوئی دلی تبدیلی اور طرز عمل کی تبدیلی کے متعلق کوئی قطعی تجویز پیش کرے اور یہ خواہش کرے کہ مسلم لیگ اور مسلم ہندوستان کے ساتھ گفت و شنید اور سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہے۔

مسٹر جناح نے فرمایا "اگر آپ پوری صورت حال کا غور سے معائنہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ سیاسی دشواری کو رفع کرنے کی کنجی کانگریس اور مسٹر گاندھی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس طرح کر سکتے ہیں کہ تبدیلی کے لئے حقیقی اور مخلصانہ خواہش ظاہر کریں۔ ورنہ مجھ سے جو یہ عظیم اختیار منسوب کیا گیا ہے وہ محض ایک تعریف ہے مجھے یہ اختیار نہیں تھا کہ انھیں جیل میں بند کر دوں۔ لہذا یہ اختیار مجھے کیسے ہو سکتا ہے کہ جیل کے دروازے کھول دوں۔"

پاکستان کا مطالبہ دہرانے کے بعد مسٹر جناح نے مسلم طلبا کو ہدایت کی کہ بغیر اپنی تعلیم کا خفیف سا نقصان کئے ہوئے تعطیل کے زمانہ میں وہ مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کا کام انجام دیں۔ انھوں نے ان کو یہ نصیحت بھی کی کہ ہندوستان کے حالات اور غیر ملکی حالات کا مطالعہ کریں۔

(منشور)

ہندوستانی کا مسئلہ

انجمن ترقی اردو صوبہ بہار کی مقرر کردہ سب کمیٹی کی رپورٹ کا خلاصہ

اردو، ہندی، ہندوستانی۔ گریرسن کا یہ قول غالباً صحیح ہے کہ زبان کے لئے ہندوستانی کی اصطلاح اہل یورپ کے زیر اثر وضع کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ عہد شاہجہانی کے کسی مصنف کے یہاں "زبان ہندوستانی" کے الفاظ آئے ہوں لیکن قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ

لکھنے والے کی مراد کس زبان سے تھی۔ زبان کا یہ نام ہندوستان میں عام طور پر کبھی رائج نہیں رہا۔

زبان ہندی سے کبھی اردو مراد لی گئی ہے اور کبھی کوئی اور زبان جو شمالی ہند میں رائج ہو۔ برج بھاشا، اودھی وغیرہ شمالی ہند کی وہ زبانیں بھی جن میں ادب موجود ہے اس نام سے یاد کی گئی ہیں۔ آج کل یہ نام اس زبان کے لئے مخصوص ہے جس کی داغ بیل انگریزوں کے زیر سایہ انیسویں صدی کی ابتدا میں ڈالی گئی تھی اور جس کی پہلی کتاب فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے منوسل للو لال نے لکھی۔ اردو ہندی میں بڑے فرق دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہندی کا ذخیرہ الفاظ ہندوستانی زبانوں کے علاوہ فارسی اور عربی سے بھی لیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اردو ادب اس تہذیب کا مظہر ہے جو ہندوستان میں عربی، فارسی، ترکی ہندوستانی عناصر کے اختلاط سے پیدا ہوئی تھی۔ ہندی ادب ہندوستانی عنصر کے علاوہ دوسرے عناصر کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔

اردو ہندی کے بڑھتے ہوئے اختلاف کو دیکھ کر بعض اصحاب نے ہندوستانی زبان کا علم بلند کیا۔ اُن خیال ہے کہ مشترکہ قومیت کے لئے مشترکہ زبان ضروری ہے۔ انگریزی سے یہ کام نہیں لیا جاسکتا۔ ادبی حیثیت سے گو دونوں اردو ہندی الگ الگ رہیں تو مضائقہ نہیں لیکن اس وقت بھی ایک ایسی زبان ہونی چاہئے جو دفتروں اور تعلیم گاہوں میں انگریزی کے بدلے استعمال کی جاسکے اور آگے چل کر اردو ہندی کی جگہ لے سکے۔

صوبۂ بہار میں تحریک ہندوستانی

۱۹۳۶ء میں پٹنہ یونیورسٹی نے یہ طے کیا کہ عام طلبا کے لئے میٹرکیولیشن کے امتحان کے واسطے ہندوستانی ذریعۂ تعلیم ہو۔ انجمن ترقی اردو نے اس کے متعلق دو موقعوں پر جن خیالات کا اظہار کیا اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک ہندوستانی کی مکمل تصویر پیش نہ کی جائے، اور وہ ہمارے حسب دلخواہ نہ ہو، ہم ہندوستانی کو قبول نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر عبدالحق کی مقرر کردہ بہار کمیٹی نے ہندوستانی کی تصویر خود پیش کی، معاہدۂ عبدالحق و راجندر پرشاد کی رو سے ہندوستانی ملک کی دفتری اور تعلیمی زبان تسلیم کی گئی۔ لیکن یہ معاہدہ کسی جماعت کے سامنے منظوری کے لئے نہیں پیش ہوا۔ انجمن ترقی اردو صوبہ بہار نے ایک عرضداشت جس پر اور اصحاب کے علاوہ مجالس قانون ساز کے اردو داں ارکان میں چند کے سوا سب کے دستخط تھے، وزیر تعلیم کے پاس بھیجی، جس میں صاف صاف لکھ دیا گیا تھا کہ اگر ہندوستانی سے متعلق بہار کمیٹی کی تجاویز منظور نہیں کی گئیں تو ہندوستانی بہار کے حامیان اردو کو منظور نہیں اور اس صورت میں بہار کے اردو بولنے والوں کے لئے اردو ہی ذریعۂ تعلیم بنائی جائے۔

حکومت بہار نے اس عرضداشت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور ہندوستانی کو ذریعۂ تعلیم قرار دیکر ایک کمیٹی ہندوستانی کمیٹی کے نام سے اس کی تشکیل کے لئے قائم کی۔ انجمن ترقی اردو صوبۂ بہار نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اور وقتاً فوقتاً اپنا خیال ظاہر کیا کہ ہندوستانی کی تشکیل صحیح طور پر نہیں ہو رہی ہے لیکن اس وقت تک اس نے نہ ہندوستانی کو منظور کیا ہے اور نہ اسے قطعی طور پر ناقابل قبول قرار دیا۔ مسئلہ کی اہمیت کو دیکھکر مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسے صوبہ کے حامیان اردو کی کانفرنس میں پیش کیا جائے۔ ہندوستانی کمیٹی کی کارروائیوں کے متعلق اس کے۔

ہندوستانی کی چند تعریفیں

(۱) "پٹنہ یونیورسٹی سینٹ میں بابو بلدیو سہائے کی مجوزہ تعریف۔ ہندوستانی سے مراد وہ زبان مراد ہے جو بہار کے ہندو مسلمان عام طور پر بولتے ہیں اور جو ناگری یا اردو رسم خط میں لکھی جاتی ہے۔"

یہ ترمیم کہ بہار کے ہندو مسلمان کی جگہ اہل بہار رکھا جائے محرک نے مان لی اور اسی طرح سینٹ نے منظور کی۔

(۲) بہار کمیٹی کی تعریف:۔ "ہندوستانی سے مراد وہ زبان ہے جو اس ملک کی ہندو مسلمان قوموں کے میل جول اور ایک دوسرے کی تہذیب سے متاثر ہونے سے بنی ہے۔ یہ زبان شمالی ہند کے باشندے عام طور سے بولتے ہیں اور ہندوستان کے دوسرے حصوں کے رہنے والے سمجھتے ہیں، جو عربی فارسی کے نامانوس لفظوں سے خالی ہے اور جو اردو، دیوناگری یا کسی دوسرے رسم خط میں لکھی جاتی ہے۔"

(۳) معاہدہ عبدالحق و راجندر پرشاد:۔ ہندوستانی سے ہماری مراد شمالی ہندوستان میں جو زبان بولی جاتی ہے اس کا زیادہ سے زیادہ قدر مشترک ہے۔

(۴) ہندوستانی کمیٹی کی تعریف:۔ ہندوستانی وہ زبان ہے جو معمولی کاروبار و گفتگو میں شمالی ہند میں بولی جاتی ہے اور اردو اور ہندی کی بنیاد مشترک ہے۔

نواب مرزا یار جنگ بہادر ایجنٹ برار

ناگپور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ بارگاہ اعلیٰ حضرت خسرو دکن و برار سے نواب مرزا یار جنگ بہادر کو ایجنٹ برار کی خدمت پر سرفراز کیا گیا ہے۔ اس تقرر کا خیر مقدم کرتے ہوئے مسٹر ٹیج، یم، ایل، اے صدر مجلس بلدیہ ناگپور نے کہا یہ نہایت موزوں انتخاب ہے۔ منتخب ایجنٹ برار کی اعلیٰ قانون دانی کی نسبت میں نے بڑی تعریف سنی ہے اور پبلک حیثیت سے سماجی اصلاحی اور ہندو مسلم اتحادی امور میں نواب صاحب کا انہماک اور گہری دلچسپیوں کے تذکرے حضرت جلالۃ الملک کے اس اہمیت کو اور بھی قیمتی بنا دیتے ہیں کہ نواب مرزا یار جنگ بہادر کی موجودگی سے یہاں کی عوامی زندگی اچھی طرح مستفید ہوگی۔

اس تقرر اور انتخاب پر مسٹر بی، وندھے نال نے کہا "مجھے امید ہے کہ برار ایجنسی صوبۂ متوسط و برار کی عوامی زندگی کو متاثر کرے گی، راضی نامہ لکھنؤ کی مساعی میں نواب مرزا یار جنگ بہادر نے معاملہ فہم اور دیدہ ور صف میں اپنے لئے ایک نمایاں مقام حاصل کیا تھا۔ ہمیں توقع رکھنی چاہئے کہ ان کی یہ اور دوسری خصوصیات سے ہم مستفید ہوں گے۔

خان بہادر عزیز الدین نے کہا کہ "ایک غیر جانبدار شخص کی حیثیت سے اور سیاسی مسائل میں ان کے بے لوث نظرئے کچھ ایسے ہیں کہ میں نواب یار جنگ بہادر کا پُرخلوص خیر مقدم کرتا ہوں۔ اپنی اعلیٰ قانون دانی سے مجھے امید ہے کہ وہ ان مسائل میں اپنا پورا قوی اثر صرف کریں گے جن کا تعلق دولت آصفیہ، دولت برطانیہ اور صوبہ کے باشندوں سے ہے۔"

سندھ کے ہندوؤں کا مطالبہ

سندھ کے ہندو لیڈروں نے ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ہندوؤں کے حقوق و مفاد کا جو آج کل خطرہ میں

[illegible] کی

[illegible] ہندوؤں کے

[illegible] ہوگا۔ اب سندھ ہی

[illegible] ہے جہاں مسلم لیگ کی وزارت برسر

[illegible] یہاں مسلم لیگ کو اپنا وعدہ پورا

کرنا [illegible] اگر سندھ کے مسلمان، ہندوؤں کے حقوق

کے بارہ میں [illegible] سے کوئی مفاہمت کریں گے تو سندھ

[illegible] ہندو اس کا صدق دلی سے خیر مقدم کریں گے۔

ہندوؤں نے جن چیزوں کی مخالفت کی ہے ان میں قانون انتقال اراضی بھی ہے ہندوؤں کا یہ بیان ہے کہ یہ قانون ان کے مفاد کے لئے تباہ کن ہے، ہندوؤں نے سندھی زبان میں سنسکرت [illegible] کے الفاظ کی جگہ فارسی و عربی الفاظ داخل کرنے کی بھی مخالفت کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ سندھ میں ہندوؤں کی تعلیم کا بھی ایسا ہی خیال رکھا جائے گا جیسا کہ مسلمانوں کی تعلیم کا رکھا جاتا ہے، سرکاری ملازمتوں میں سے ۶۰ فی صدی مسلمانوں کو اور ۴۰ فی صدی ہندوؤں کو دی جائیں۔

[illegible] ہندوستان کی دو تحریکیں سیاسی و تعلیمی

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۴ کا)

کے لوگ ایک جگہ جمع ہوا کریں اور ایک صوبہ اور ضلع کے لوگوں کے ذریعہ سے دوسرے صوبہ اور ضلع کے مسلمانوں کو حالات معلوم ہوتے ہیں اور زندا بیر اُن کی بھلائی اور ترقی کی نسبت ہو چکی جائیں اُن پر بحث و مباحثہ ہو کر جو تدبیر عمدہ قرار پائے وہ اختیار کی جائے۔

اس کے بعد مزید صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں،

"یہ سالانہ جلسہ جیسے کہ آپ نے رزولیوشن پیش شدہ سے معلوم کیا ہوگا کسی ایک مقام کے لئے مخصوص نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر ایک صوبہ اور شہر میں جہاں کے لوگ اس کی خواہش کریں گے منعقد ہو سکے گا اور اس سے یہ فائدہ ہے کہ جو لوگ کسی سبب سے ایک مقام کے جلسہ میں شامل نہیں ہو سکتے وہ دوسرے مقام کے جلسہ میں شامل ہو سکیں گے، اور اس تدبیر سے اس جلسہ کے فوائد زیادہ تر عام ہو جائیں گے۔"

مندرجہ بالا حالات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں تقریباً ایک ہی زمانہ میں دو نہایت اہم قومی تحریکیں وجود میں آئیں، ایک سیاسی تحریک یعنی "نیشنل کانگریس" جس کے کارپرواز برادران وطن تھے اور دوسری تعلیمی تحریک یعنی "ایجوکیشنل کانگریس" جس کے بانی سرسید تھے، اور جو صرف مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے وجود میں آئی تھی، ان دونوں تحریکوں کا لائحہ عمل و مقصد ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھا، اس لئے دونوں جماعتوں کے کارکنوں کے جذبات بھی مختلف تھے۔ سیاسی تحریک میں جوش و خروش تھا، شور و شغب تھا اور ہنگامہ آرائی تھی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں عوام کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی طاقت تھی،

اس کے مقابلہ میں تعلیمی تحریک ایک ٹھنڈی تحریک تھی، جو اگرچہ اپنے مقصد کے لحاظ سے نہایت اہم اور قومی کمزوریوں کے علاج کے لئے تریاق کا حکم رکھتی تھی، لیکن ہنگامہ پسند طبائع کے لئے اس میں کوئی جاذبیت نہ تھی، اور جاہ پسند لیڈروں کے لئے اس میں خود نمائی کا کوئی موقع نہ تھا، "اللہ اکبر" کے نعرے نہ جیکارے، نہ زندہ باد کی صدائیں تھیں، وہاں خود نمائی تھی تو یہاں خود فراموشی کی ضرورت تھی، نفس حریص ستائش کا طالب تھا اور یہاں اس کا کوئی موقع نہ تھا، تعلیمی خدمت میں یہ طاقت کہاں ہے کہ کسی سر پُرغرور کو مجمع میں اونچا کر سکے۔ اور تعلیمی کارکنوں میں یہ آمرانہ و جارحانہ رتان کہاں ہیں کہ اُن کی جستجو سے اور نگاہ فتنہ آفریں سے میدان کارزار گرم ہو جائے اور مختلف فرقے ایک دوسرے سے گتھ جائیں

دونوں تحریکوں کے اس بنیادی اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی تحریک کے برابر تعلیمی [illegible] مقبول نہ ہو سکی، اس پر کس قدر [illegible] وہ کم ہے، لیکن ماتم سے کیا حاصل، [illegible] یہی ہے کہ صرف تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہمیں سیاست کا مرد میدان بھی بنا سکتی ہے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مہمان

(بقیہ مضمون صفحہ ایک کالم ۳ کا)

(۲۰) منشی امیر الدین صاحب رکن انجمن اسلامیہ بھرت پور (۲۱) حاجی مشتاق احمد صاحب رکن انجمن اسلامیہ بھرت پور (۲۲) منشی انتظام اللہ صاحب شہابی رکن انجمن اسلامیہ آگرہ محلہ چھڑی مار ٹولہ (۲۳) منشی ریاض الدین احمد صاحب سکریٹری انجمن اسلامیہ آگرہ (۲۴) مولوی ابو سعید محمود صاحب ایم اے، بی ایل اسسٹنٹ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم مسلم

مطبوعات کتابستان بمبئی

شانِ خدا } وجود خالق اعتقاد خالق نبوت توحید وغیرہ مسائل پر جدید علم کلام اور سائنس کی روشنی میں عالمانہ بحث اور ملاحدہ جدید و قدیم کے شکوک و شبہات کا مدلل و مسکت جواب زبان اور طرز بیان بالکل سادہ اور صاف۔ قیمت عہ

محمد رسول اللہ } فیلسوف انگریزی تامس کارلائل کی ایک تالیف کا اردو ترجمہ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت نہایت عمدہ اور فلسفیانہ انداز میں بیان کی گئی ہے اور مخالفین کے شبہات کا بہترین اور مسکت جواب دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ ایک غیر مسلم ہمارے آقائے نامدار کی کس طرح تعریف کر رہا ہے۔ ۸ر

جواہر علوم } قدیم و جدید عجائبات قدرت مظاہر کائنات اور نوامیس فطرت کے دلچسپ حالات علمی اصول پر۔ آخر میں دلچسپ سوال جواب اور اکتشافات مدنیہ سے قرآن حکیم کے اعجاز ہونے کا ثبوت۔ قیمت ۶ر

دل کی آواز } از قیسی صاحب امیوری۔ یہ ایک ناول ہے جو اپنے واقعات کے لحاظ سے نہایت دلچسپ ہے۔ قیمت . . . . عہ

آخری فیصلہ } قیسی صاحب کا دوسرا ناول اور مثل "دل کی آواز" کے دلچسپ۔ عہ

شمس العلماء مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم کی تصانیف

مرآۃ العروس } لڑکیوں کو اخلاق اور خانہ داری کی تعلیم دینے والی مشہور اور مقبول کتاب۔ ہہ

بنات النعش } مذکورہ بالا کتاب کا دوسرا حصہ قیمت ہہ

توبۃ النصوح } مذکورہ بالا کتاب کا تیسرا حصہ قیمت ہہ

بچیوں کے دو دو باتیں } بچیوں کے لئے پند و نصائح کے علاوہ معلومات ضروری کا ایک قابل قدر ذخیرہ۔ قیمت . . . . . عہ

اصلاح معیشت } دو بہنوں کے واقعات جن میں سگھڑاپے اور پھوہڑ کی تصاویر دکھائی گئی ہیں۔ عہ

حسن معاشرت } لڑکیوں کی زندگی کو کامیاب اور ہر دلعزیز بنانے والی بہترین کتاب۔ قیمت عہ

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام [illegible]) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں (ندوی) سکریٹری نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ جون ۱۹۴۲ء

اسلامی تہذیب کا اثر ہندوستان پر

اپنے پچھلے مضمون میں ہم نے کسی قدر تفصیل سے یہ بتایا تھا کہ اسلام نے مساوات و حریت کی جو تعلیم دی ہے دوسرے مذاہب میں اس کا وجود نہیں ہے اور اس سلسلہ میں ہم نے خصوصیت کے ساتھ ہندوؤں کے متعلق بحث کی تھی جہاں انسانوں کا معیار فضیلت عمدہ اعمال پر نہیں بلکہ ذات پات پر ہے یعنی اصطلاحی و رسمی حیثیت سے جس کی ذات اونچی مانی گئی ہے وہ بلند مرتبہ ہے اور جس کی ادنیٰ ہے وہ ذلیل و کم رتبہ ہے۔

"ذات پات" کی یہ تقسیم بظاہر بے ضرر معلوم ہوتی ہے، اور اس میں کوئی ایسا نقصان نظر نہیں آتا جو دنیا کے روزمرہ کے کاروبار اور معاملات پر اثر انداز ہو کیونکہ جہاں تک کہ ہندوستان کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ اصطلاحی حیثیت اور رسم و رواج کے لحاظ سے ادنیٰ ذات کے سمجھے جاتے ہیں (جیسے مہتر و چمار وغیرہ) وہ اپنی اخلاقی پستی، افلاس اور جہالت کے اعتبار سے واقعی ایسی شرمناک حالت میں مبتلا ہیں کہ ایک برہمن یا چھتری کے مقابلہ میں بیشک ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے لہٰذا اگر وہ اونچی ذات والوں کے مقابلہ میں ذلیل سمجھے جائیں تو یہ ایک بالکل قدرتی بات ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

بے شبہ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں جو لوگ ادنیٰ ذات کے مانے جاتے ہیں، وہ اپنے اخلاق و کردار، تہذیب و معاشرت اور تعلیم کے لحاظ سے ایسی ناگفتہ بہ پستی کی حالت میں ہیں کہ واقعتہً کسی عزت کے لائق نہیں ہیں لیکن یہ چیز ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے کیونکہ اگر انسانوں کی کوئی جماعت اخلاقی، تعلیمی یا مالی حیثیت سے پستی کی حالت میں ہے تو اس سے ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی یہ پستی و درماندگی ذات پات کی وجہ سے ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں اصلاح اخلاق و ترقی کا موقع نہیں دیا گیا اور ان کے راستہ میں شدید رکاوٹیں پیدا کی گئیں تاکہ وہ اپنی جگہ سے نہ ابھر سکیں اور یہ رکاوٹ پیدا کرنے والے وہ نام نہاد اونچی ذات والے تھے جنھیں ہر قسم کا اقتدار حاصل تھا اس لئے ان کی خودغرضانہ تدبیریں کامیاب ہوئیں اور ادنیٰ ذات والے جو اپنے مفاد کو سمجھنے اور اس کے لئے ایثار و قربانی کرنے کی مطلق صلاحیت و قابلیت نہیں رکھتے تھے اپنی جگہ سے ابھر سکے اور اسی پستی کی حالت میں اونچی ذات والوں کی خدمت و چاکری کرتے رہے۔

جب "ہندو عہد حکومت" میں اس حالت پر بہت سی صدیاں گزر گئیں تو خود ان شودروں یعنی ادنیٰ ذات والوں کے دل و دماغ میں یہ چیز راسخ ہو گئی کہ واقعی ہم پیدائشی طور پر ذلیل و خوار ہیں اور ایشور نے ہمیں صرف اونچی ذات والوں کی غلامی و چاکری کے لئے پیدا کیا ہے گویا یہ قدرت کا فیصلہ ہے کہ ہم اور ہماری آنے والی نسلیں ابدالآباد تک اسی ذلت و پستی کی حالت میں زندگی بسر کرتی رہیں، کیونکہ انسان قدرت کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس حالت سے نکلنے اور آگے قدم بڑھانے کی کوشش کرنا درحقیقت قدرت سے جنگ کرنا ہے جو انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

"ہندو عہد حکومت" کے بعد جب مسلمانوں کا دور حکمرانی آیا تو ہندوستان کی ہر قوم نے یہ دیکھا کہ مسلمان آپس میں کسی سے چھوت چھات نہیں کرتے سب ایک دوسرے کے ہاتھ کی چیز بے تکلف کھاتے ہیں اور سب ادنیٰ و اعلیٰ ایک ساتھ مسجد میں خدا کی عبادت کرتے ہیں، اگر شودروں میں کچھ ہمت ہوتی یا مسلمان ان کے معاملات میں مداخلت پسند کرتے تو یہ مسئلہ اسی وقت حل ہو جاتا یعنی شودر بڑی خوشی و فخر کے ساتھ حکمراں قوم کا مذہب قبول کر کے اسلامی برادری میں داخل ہو جاتے اور اونچی ذات کے ہندوؤں کو بھی جو ان سے نفرت کرتے تھے اس پر اعتراض کی جرأت نہ ہوتی، کیونکہ اس زمانہ کی شخصی حکومت میں اکثریت و اقلیت کی نمائندگی کا کوئی سوال نہ تھا اس لئے ہندوؤں کو اسکی ضرورت نہ تھی کہ وہ اپنی اکثریت ثابت کر کے زیادہ حقوق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

مسلمان بادشاہوں نے شودروں کی طرف اس لئے توجہ نہیں کی کہ وہ ہندوؤں کے مذہبی و معاشرتی معاملات اور قدیم رسم و رواج میں دخل دینا یا حکومت کے اثر سے کام لے کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنا اپنی سیاسی مصلحت کی بنا پر پسند نہیں کرتے تھے، ان کی یہ پالیسی صحیح تھی یا غلط؟ یہاں اس بحث کا موقع نہیں، بہرحال اسباب جو کچھ بھی ہوں واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کی ذات پات کی پرانی تقسیم کو توڑنے اور سب کو ایک سطح پر لانے کی کوئی کوشش نہیں کی یہ ہندوؤں کا ایک گھریلو معاملہ تھا جس کا حکومت سے کسی طرح کوئی تعلق نہ تھا۔ دوسری طرف بدنصیبی سے خود شودروں کی یہ حالت تھی کہ انھوں نے ایسے ماحول میں پرورش پائی تھی کہ ان کے دلوں میں کوئی امنگ آگے بڑھنے کی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

غرض یہ واقعہ بجائے خود افسوسناک ہے کہ شودر اپنی کمزوری و بے حسی کی وجہ سے اسلامی عہد حکومت میں جمود و پستی سے نکلنے کے لئے کوئی نتیجہ خیز کوشش نہ کر سکے لیکن پھر بھی یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ شودر یا عام ہندو مسلمانوں کے مذہب، تہذیب و معاشرت سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے خیالات میں سخت تزلزل پیدا ہوا، اور وہ ایک خاص قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ اب ان کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف تو اپنی معاشرت کی کمزوریاں اور خامیاں انھیں صاف طور پر محسوس ہو رہی تھیں اور وہ ان پابندیوں سے اکتا گئے تھے، دوسری طرف مسلمانوں کی آزادی و باہمی مساوات پر انھیں رشک آتا تھا لیکن ان میں اس قدر اخلاقی جرأت نہیں تھی کہ دیرینہ رسم و رواج کی زنجیروں کو توڑ کر اور آگے بڑھ کر مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو جائیں۔ ان کے دلوں میں رسم و رواج کی پابندیوں سے آزادی حاصل کرنے کا

تھوڑا بہت جذبہ ضرور پیدا ہو گیا تھا لیکن وہ ایسی آزادی نہیں چاہتے تھے جس کے لئے انھیں اپنی برادری کے دائرہ سے باہر نکلنا پڑے، یہی چیز تھی جس نے انھیں ذہنی کشمکش میں مبتلا کر رکھا تھا اور وہ اس مصیبت سے نجات کے لئے کوئی راستہ تلاش کر رہے تھے۔

عرض صورت واقعہ یہ تھی کہ ایک طرف تو ہندو مت پرستی ہمارے برادران وطن کو آگے بڑھنے سے روک رہی تھی، دوسری طرف زمانہ جو سب سے بڑا معلم و ادب آموز ہے انھیں مجبور کر رہا تھا کہ وہ اپنی حالت بدلنے کی کوشش کریں، اس کشمکش کا نتیجہ ہوا کہ ہندو قوم میں یکے بعد دیگرے کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جو فی الجملہ ریفارمر یا بانی فرقہ کی حیثیت رکھتے تھے، یہ ریفارمر اس قدر جرأت تو نہ کر سکے کہ ہندو مذہب کی تعلیمات و رسم و رواج پر یک وقت خط نسخ کھینچ دیں کیونکہ اس صورت میں عام ہندو جو صدیوں سے رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اُن کا ساتھ دینے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، اس لئے ان بانیان فرقہ نے بتدریج **اصلاح** کا ارادہ کیا، اور جن چیزوں کو وہ اپنے اپنے خیال کے مطابق زیادہ مُضر سمجھتے تھے سب سے پہلے ان کی اصلاح کی طرف توجہ کی،

مثال کے طور پر ہم **گرو نانک جی** کا نام پیش کرتے ہیں جو ہندو قوم میں ایک زبردست ریفارمر کی حیثیت سے نمایاں ہوئے انھوں نے محسوس کیا کہ اصنام پرستی اور ذات پات کی تقسیم نے ہندو قوم میں بہت سی کمزوریاں پیدا کر دی ہیں اس لئے آپ نے مختلف طریقوں سے **توحید** کا زبردست پرچار کیا اور ذات پات کی تقسیم کو ایک لغو و بے معنی چیز بتایا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے جو تعلیم دی وہ بالکل اسلام کے مطابق اور اسلامی تعلیم کے صحیح مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

سردار محمد یوسف صاحب جو پہلے خود بھی سکھ تھے اور جن کا مطالعہ سکھ مذہب کے متعلق بہت وسیع و عمیق ہے، ذات پات کے متعلق گرو نانک جی کی جو تعلیم (گرو گرنتھ کے حوالہ سے) پیش کرتے ہیں اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"اے برہمن تیرا اپنی ذات پر فخر کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ بنی نوع انسان کی پیدائش پرمیشر نے ایک ہی طرح سے کی ہے، پس اس صورت میں ذات پر اترانا بے فائدہ ہے۔ اے برہمن تو جو اپنے آپ پر اس قدر فخر کرتا ہے مجھے بتا تجھ میں کون سی بات ایسی ہے جو تجھے فوقیت دیتی ہے حالانکہ تمام بنی نوع انسان کی ناڑیوں میں ایک ہی طرح کا خون دوڑتا ہے، اگر برہمن میں کوئی فوقیت ہوتی تو بجائے خون کے دودھ ہونا چاہئے تھا"

گرو گرنتھ کے مندرجہ بالا الفاظ میں نہایت سادہ و دلنشیں طریقہ سے یہ حقیقت پیش کی گئی ہے کہ پیدائش کے لحاظ سے برہمن و شودر برابر ہیں اس لئے بحیثیت انسانیت ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں ہے یہ تعلیم ٹھیک اسلامی تعلیم کے مطابق ہے جس میں صرف اعمال و کردار کو معیار فضیلت قرار دیا گیا ہے اور پیدائش کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

ہندوستان میں اس قسم کے مذہبی ریفارمروں کا پیدا ہونا جو مورتی پوجا کی سخت مخالفت کر کے وحدانیت کی تعلیم دیں اور ذات پات کے معیار فضیلت ہونے سے انکار کریں یقیناً اسلامی تعلیم کا اثر ہے کیونکہ اسلام کے ہندوستان میں آنے سے پہلے اس قسم کے خیالات کسی مذہبی فرقہ کی تعلیم میں نہیں پائے جاتے۔

اسی طرح آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرستی نے بھی مورتی پوجا سے انکار کر کے توحید کی تعلیم دی مگر وہ اسلامی توحید کے بلند معیار کو نہ سمجھ سکے اس لئے انھوں نے خدا کے ساتھ مادہ و روح کو بھی شریک کر دیا، حالانکہ اسلام جس خدا کو مانتا ہے وہ ایک ایسی ہستی ہے جو واجب الوجود و قادر علی الاطلاق ہے اور اس کی ذات یا صفات میں کوئی چیز بھی شریک و سہیم نہیں ہے۔

پنڈت دیانند سرستی اسلامی دور حکومت کے بعد پیدا ہوئے جبکہ مسلمانوں کا کوئی اقتدار ملک میں باقی نہیں رہا تھا اور انگریزوں کے عروج کے ساتھ ساتھ مغربی خیالات بھی ملک میں پھیل رہے تھے، اس لئے انھوں نے یہ کوشش بھی کی کہ ہندو مذہب میں ایسی تبدیلیاں پیدا کریں جو جدید مغربی خیالات کے مطابق ہوں۔ ان کے پیش نظر چونکہ مذہبی اصلاح سے زیادہ ہندو قوم کے سیاسی مستقبل کی تعمیر اُن کے پیش نظر تھی اس لئے وہ کوئی معقول اصلاحی خدمت انجام نہیں دے سکے بلکہ قومی و نسلی جذبات و تعصبات کو برانگیختہ کر کے مسلمانوں کے خلاف صف آرائی شروع کر دی، ایسی حالت میں وہ کھلم کھلا کس طرح اس حقیقت کا اعتراف کر سکتے تھے کہ انھوں نے اسلامی تعلیمات سے فائدہ اُٹھایا ہے، لیکن کوئی شخص اسلامی تعلیم سے اثر پذیری کا اعتراف کرے یا نہ کرے یہ حقیقت اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ اسلام کے ہندوستان میں آنے کے بعد جتنے فرقے یا پنتھ ہندو مذہب میں نکل کر کسی خاص نام سے موسوم ہوئے وہ سب کم و بیش اسلامی تعلیم سے متاثر تھے بلکہ درحقیقت اسلامی تعلیم نے ہی اُن میں اصلاح کا خیال پیدا کیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو مختلف فرقے ہندوستان میں پیدا ہوئے وہ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے؟ اور کس حد تک مسلمانوں کے قریب آ گئے؟ اس کے جواب میں ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان فرقوں کو اپنے اصلاحی مقصد میں ابتدائی دور میں تھوڑی بہت کامیابی ضرور ہوئی لیکن کچھ مدت بعد ان پر جمود طاری ہو گیا اور وہ کوئی خاص خدمت انجام نہیں دے سکے، جس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہندو قوم کی غیر معمولی اکثریت اب تک مورتی پوجا اور ذات پات کے بندھن میں گرفتار ہے اور اس سلسلہ میں جو جدوجہد اس وقت تک کی گئی اس کا کوئی نمایاں اثر محسوس نہیں ہوتا۔ بے شبہ ہندو قوم میں سیاسی بیداری بہت کچھ پیدا ہو گئی ہے اور اصلاح معاشرت کے سلسلہ میں بھی مناسب کام ہوا ہے، لیکن ذات پات کی تقسیم توڑنے اور قدامت پسندوں کی ذہنیت میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے جو کوششیں کی گئیں وہ اب تک کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں حاصل کر سکیں اور جو مختلف فرقے کسی خاص اصلاح کے لئے پیدا ہوئے ان کی عملی سرگرمیاں بھی تقریباً ٹھنڈی پڑ گئیں۔

ہمارے خیال میں اس ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں جو اصلاح پسند فرقے ہندو مذہب میں پیدا ہوئے وہ باوجود اختلاف خیالات کسی نہ کسی صورت میں ہندو اکثریت سے وابستہ رہے اور اپنی روزمرہ کی معاشرت اور عام رسم و رواج میں انھوں نے کوئی نمایاں تبدیلی نہیں کی تاکہ

برما

برما ایک پرانا ملک ہے اور یہاں وقتاً فوقتاً مختلف قومیں اور خاندان حکومت کرتے رہے ہیں۔ گیارھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان برما کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اور اس کی نشانیاں آج بھی پاگن کے علاقہ میں موجود ہیں۔ یہ شہر اور یہ سلطنت قبلائی خاں کے عہد میں ایک چینی حملہ سے ختم ہوگئی۔ اس کے بعد کوئی طاقتور سلطنت نہ قائم ہو سکی اور وسطی برما کا بڑا حصہ شان خاندان کے زیر اقتدار آگیا۔ سولھویں صدی میں پھر ایک برمی شہزادہ نے عروج حاصل کرنا شروع کیا۔ اور اس کا دار الخلافہ پیگو تھا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد ایک نئے خاندان نے آوا میں قوت حاصل کرکے پیگو کو بھی اپنا ماتحت کر لیا۔ اٹھارھویں صدی میں یہاں کی مختلف ریاستوں میں اکثر لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں انگریز اور فرانسیسی بھی ان کے ساتھ تھے۔ انگریزوں نے ہمیشہ برمیوں کا ساتھ دیا۔ اور فرانسیسی پیگو والوں کے ساتھ رہے۔

۱۷۶۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے برما کے بعض مقامات مثلاً سیریم، پردم اور آوا میں اپنے تجارتی کارخانے قائم کئے اور کمپنی کے گماشتے اور ایجنٹ یہاں رہا کرتے تھے۔ ۱۷۹۵ء میں برمی فوجوں کے پانچ ہزار سپاہیوں نے چٹاگانگ کے انگریزی علاقہ پر حملہ کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ وہ ان ڈاکوؤں کی تلاش میں آئے ہیں جنہوں نے برما سے بھاگ کر یہاں پناہ لی ہے۔ اس وقت تو خیر بات رفع دفع ہوگئی مگر ۱۸۲۲ء میں برمی باشندوں نے آسام کی ایک ریاست پر حملہ کر دیا۔ یہ رئیس انگریزوں کا دوست تھا اس بنا پر ۱۸۲۴ء میں رنگون پر حملہ کیا گیا اور یہ بہت آسانی سے لے لیا گیا۔ اس کے بعد کچھ اور علاقہ فتح کر لیا گیا مگر دو سال تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا آخر ۱۸۲۶ء میں صلح ہوگئی اور تناسرم، ارکان، مرگوئی اور توالے وغیرہ کا علاقہ انگریزوں کے حوالہ کرنا پڑا۔ اور ایک کروڑ روپیہ بطور تاوان ادا کرنے کا وعدہ کیا گیا جس کا ایک چوتھائی حصہ اسی وقت داخل کیا گیا۔

اس کے بعد کچھ عرصہ تک حالات اچھے رہے مگر بعد میں تعلقات خراب ہونے لگے۔ انگریزی سفیر کو برما کے پایۂ تخت سے رنگون آنا پڑا اور پھر رنگون [illegible] برمیوں نے انگریزی جہازوں اور ملاحوں پر حملے شروع کئے اور ۱۸۵۲ء میں برما کی دوسری لڑائی ہوئی اور جنوبی برما کا سارا علاقہ انگریزوں کو مل گیا۔ البتہ شمال میں ایک آزاد برمی ریاست قائم رہی جس کا حاکم تھی باتھا مگر اس کے مظالم سے تنگ آکر ۱۸۸۵ء میں اس کے خلاف جنگ کی گئی اور اس کے دار السلطنت مانڈلے پر قبضہ کر لیا گیا۔ اب گویا پورا برما انگریزوں کی عملداری میں آگیا۔

دوسرے سال ریاست ہائے شان کو برما میں شامل کر لیا گیا۔ یہ ریاستیں کئی چھوٹی بڑی ریاستوں کا مجموعہ ہیں اور ان کے مقامی رئیس ہیں جو اندرونی معاملات میں آزاد ہیں ۱۹۲۲ء میں ان سب کا ایک فیڈریشن قائم کر دیا گیا ہے۔ اور ایک کونسل عام انتظامات کی ذمہ دار ہے جس کے ممبر بڑے رئیس بذات خود اور چھوٹے رئیسوں کے نمائندے ہیں۔ چیف کمشنر ان کا نگراں ہے۔ اس کے جنوب میں کرینی کی ریاستیں ہیں جو پہلے پانچ تھیں مگر اب تین رہ گئی ہیں ان سے بھی ایک متحدہ فیڈریشن بنانے کے لئے کہا گیا مگر یہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ یہاں پر برطانوی برما کا کوئی قانون نافذ نہیں ہے۔ ان کے اپنے قوانین بالکل الگ ہیں۔ البتہ ایک پولیٹیکل ایجنٹ یہاں رہتا ہے ۱۸۶۲ء میں برما کو چیف کمشنری کا درجہ دیا گیا اور ۱۸۹۷ء میں یہاں لفٹننٹ گورنر مقرر ہونے لگا اور ۱۹۲۳ء میں اس کو پورے صوبہ داری اختیارات مل گئے۔

۱۹۱۹ء میں جب ہندوستان کو اصلاحات دی گئیں تو اس میں جان بوجھ کر برما کو شامل نہیں کیا گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ برما اپنی مقامی خصوصیات کے لحاظ سے ہندوستان سے کچھ زیادہ مشابہت نہیں رکھتا۔ اس لئے یہاں کے مسائل پر خاص طور سے علیحدہ غور کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کام کے لئے برما ریفارم کمیٹی قائم ہوئی جس نے ۱۹۲۲ء میں سفارش کی کہ برما کو وہ تمام اختیارات دے دئے جائیں جو ہندوستانی صوبوں کو ۱۹۱۹ء میں حاصل ہو چکے ہیں چنانچہ ۱۹۲۳ء سے یہ پورے اختیارات والا ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد جب ہندوستان کو مزید اصلاحات دینے کے لئے کانفرنسیں اور کمیٹیاں ہوئیں تو برما کی مقامی خصوصیات کی بنا پر اس کو ہندوستان سے علیحدہ کر دینے کا خیال ظاہر کیا گیا۔ اور برطانیہ نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور ۱۹۳۵ء کے قانون میں برما کو ہندوستان میں شامل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو ہندوستان کے مسائل و اصلاحات الگ دی گئیں چنانچہ جب یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو اس نئے قانون کا نفاذ ہوا تو برما ہندوستان سے الگ ہو گیا۔

اب یہاں حکومت برطانیہ کا نمائندہ گورنر ہے جس کا تعلق براہ راست سکریٹری آف اسٹیٹ سے ہے۔ یہاں دو قانون ساز مجلسیں ہیں ایک سینٹ کہلاتی ہے جس کے ۳۶ ارکان ہیں جن میں سے آدھے منتخب اور آدھے نامزد شدہ ہیں۔ دوسری دار العوام ہے جس کے ۱۳۲ ممبر ہیں جو سب منتخب ہوتے ہیں۔ ہندوستانی معاملات کی دیکھ بھال کے لئے یہاں ایک ہندوستانی ایجنٹ رہتا ہے۔

یوں تو برما دو بڑے حصوں میں منقسم ہے ایک شمالی [illegible] جو بالکل خاص برما کہا جاتا ہے جو پہلے بالائی برما کہلاتا تھا۔ یہ برما آٹھ انتظامی اضلاع پر مشتمل ہے۔ مانڈلے، پردم، پاگن اور آوا جیسے شہر اسی حصہ میں ہیں۔ برما کی اصل تہذیب و تمدن کا گہوارہ یہی حصہ ہے۔ دراصل برمی قوم مختلف قوموں اور قبیلوں کے ملاپ سے بنی ہے۔ مثلاً نسلی اعتبار سے ان کا بڑا حصہ منگول نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کی زبان بھی چینی علاقہ سے متعلق ہے اور [illegible] نسل سے رہا۔ قریب ہی گویا مختلف قومیں اور قبیلے پہاڑوں پہاڑوں اور [illegible] سے ہوتے خاص برما میں آکر آباد ہوئے اور متحد ہو کر ایک قوم بن گئے۔ اور یہ قوم عرصہ تک ہندوستان اور چین کے درمیان [illegible] کی طرح زندگی گزارتی رہی۔ اس لئے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ جب ان میں ملکی اور قومی عصبیت کے جذبات پیدا ہونے شروع ہوئے تو ان کا آغاز بھی یہیں سے ہوا جنہوں نے بڑھتے بڑھتے خطرناک صورت اختیار کر لی جس کا اظہار علانیہ طور پر ۱۹۳۰ء میں ہوا۔

قومی خصوصیات کی وجہ سے دوسری قوموں سے منافرت تو پہلے ہی پیدا ہو چکی تھی مگر ابتدا میں یہ تعمیری کاموں تک محدود رہی۔ مثلاً دیسی مال خریدنے کا شوق اور دیسی مصنوعات کی سرپرستی کی گئی مگر بعد میں ہندوستانیوں اور چینیوں کے خلاف ایک عام جذبۂ نفرت پیدا ہونے لگا اور اس خاص زمانہ میں ان جذبات کے پیدا ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس وقت برما میں بڑی کساد بازاری پھیلی ہوئی تھی اور معاشی ابتری نے حالات بہت نازک کر دئے تھے چاول جو یہاں کی عام پیداوار ہے۔ اس کی قیمت

برابر گر رہی تھی ۱۹۲۴ء میں دھان کی ایک کشتی کی قیمت ۱۹۳ روپیہ تھی تو ۱۹۳۰ء میں ۱۳۸ روپیہ ہوگئی اور ۱۹۳۱ء میں صرف ۷۷ روپیہ رہ گئی۔ اس کی وجہ سے بہت سے کاشتکار تباہ ہو گئے۔ اور زراعت چھوڑ کر مختلف قسم کی محنت مزدوری کرنے لگے مگر یہاں ان کو عمر بھر سے رکھنے والے ہندوستانی مزدوروں سے مقابلہ کرنا پڑا ... یہ ان کے دشمن ہو گئے۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں ... برمیوں اور ہندوستانیوں کے درمیان جھگڑا ہوا ... صرف آپس میں مزدوروں میں ... ہندوستانی کا ... اور بازاروں میں ... حملے کئے گئے ... حصے سے ہندوستانی ہندوستان ... ۱۹۳۱ء میں برمیوں اور چینیوں ... لڑائی شروع ... کچھ ... چلے گئے۔

ان ... ملکوں کے خلاف ... ۱۹۳۰ء ... تعلق ... حکومت سے ... کی گئی ... حکومت ... کے بجائے ... خاص مرکز ... تھا ... بہت جلد اس کے اثرات ... ضلعوں تک پھیل گئے اور حکومت کو ... استعمال کرنا پڑی گو ... ہنگامہ جلد ختم ہو گیا مگر ۱۹۳۲ء تک اسکی دبی ہوئی چنگاریاں ... بھڑکتی رہیں۔ گزشتہ سال پھر رنگون میں برمیوں اور ہندوستانیوں کے درمیان تصادم ہو گیا جس میں ہندوستانیوں کا کافی نقصان ہوا۔

۱۹۳۱ء میں برما کی کل آبادی ۱،۴۶،۶۷،۱۴۶ تھی جو حسب ذیل بڑے بڑے مذاہب میں منقسم تھی۔

بدھ	۱،۲۳،۴۸،۰۳۷	۸۴٫۳ فی صدی
جنگلی	۷،۶۳،۲۴۳	۵٫۲ ״ ״
مسلمان	۵،۸۴،۸۳۹	۴ ״ ״
ہندو	۵،۷۰،۵۹۳	۳٫۹ ״ ״
عیسائی	۳،۳۱،۱۰۶	۲٫۳ ״ ״
دیگر	۳۹،۳۱۹	

ملکی لحاظ سے وہاں کی آبادی کی تقسیم یہ ہے۔

برمی	۹۰،۹۲،۲۱۴	ہندوستانی	۱۰،۱۷،۸۲۵
چینی	۱،۹۳،۵۹۴	ہندی برمی	۱،۸۲،۱۶۶

یورپین اور ہندوستانی عیسائی　۳۰،۸۵۱

برما میں چونکہ مختلف نسلیں اور قومیں آباد ہیں اور چونکہ یہ کئی ملکوں کے درمیان آباد ہے۔ اس لئے یہاں زبانیں بھی طرح طرح کی بولی جاتی ہیں۔ پہاڑی قبیلوں کی زبانیں الگ الگ ہیں لیکن مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کل آبادی کا $\frac{2}{3}$ حصہ برمی یا اس کی ذیلی زبانیں بولتا ہے زبان کے اعتبار سے آبادی اس طرح منقسم ہے۔

برمی اور اسکی ذیلی زبانیں	۹۷،۷۷،۱۳۳	۶۶٫۵ فیصدی
دوسری دیسی زبانیں بشمول چینی	۳۷،۸۹،۸۲۸	۲۵٫۹ ״
ہندوستانی زبانیں	۱۰،۷۹،۸۲۰	۷٫۴ ״
انگریزی	۲۶،۸۶۶	۰٫۲ ״
دیگر زبانیں	۳،۸۵۰	

ہندوستانی زبانوں میں ۲ لاکھ کے قریب ہندوستانی اردو اور ہندی بولنے والے ہیں۔

پیشوں کے اعتبار سے آبادی کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

زراعت	۶۶٫۵ فیصدی	روزمرہ پیشے	۲٫۳ فیصدی
جنگل، معدنیات	۱٫۲ ״	صنعت	۱۰٫۱ ״
نقل و حمل	۳٫۶ ״	تجارت	۹٫۱ ״
نظم و نسق حکومت	۱٫۲ ״	آزاد و صداقتی پیشے	۳٫۵ ״

یہاں ایک یونیورسٹی ہے اور اس سے متعلق انجینئرنگ کالج اور طبی کالج ہے۔ مانڈلے میں ایک انٹر کالج ہے اس کے علاوہ ایک اسکول آف آرٹس، ایک جنگلاتی اسکول اور دس تجارتی اسکول ہیں۔

۱۹۳۰ء میں جملہ تعلیمی اداروں اور ان کے طلبا کی تعداد حسب ذیل تھی۔

ادارے	تعداد	طالب علم	طالبات
اعلیٰ ادارے	۳	۱،۳۱۴	۱۷۸
دوسرے درجے کے ادارے	۱،۴۶۳	۱،۴۶،۶۴۷	۷۴،۸۴۹
پرائمری مدرسے	۴،۹۹۵	۱،۶۵،۷۴۹	۱،۳۶،۵۵۰
کل سرکاری مدرسے	۷،۵۶۷	۳،۳۱،۹۶۳	۲،۱۳،۴۳۸
غیر سرکاری مدرسے	۱۷،۹۵۷	۱،۸۶،۵۷۷	۶۱،۲۸۹
کل مدرسے	۲۵،۵۲۴	۵،۱۸،۵۴۰	۲،۱۹،۷۲۷

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے کل خواندہ اشخاص کی تعداد ۴۶ $\frac{1}{2}$ لاکھ تھی جس میں ۱۰ لاکھ عورتیں شامل تھیں خواندگی کے لحاظ سے اس وقت برما ہندوستان کی تمام ریاستوں اور صوبوں سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ ذیل کے اعداد سے یہ فرق بخوبی واضح ہو جائے گا، یعنی زبان میں خواندہ اشخاص کی تعداد کا اوسط فی ہزار ہے۔

تفصیل حسب ذیل ہے

مقام	خواندہ اشخاص	مرد	عورت
برما	۳۶۸	۵۶	۱۶۵
برما (علاوہ ماتحت برما)	۳۹۷	۶۰۰	۱۹۲
کوچین	۳۳۷	۴۴	۲۲۰
ٹراونکور	۲۸۹	۴۰۸	۱۶۸
بڑودہ	۲۰۹	۳۳۰	۷۹
بنگال	۱۱۰	۱۸۰	۳۲
مدراس	۱۰۸	۱۸۸	۳۰
میسور	۱۰۶	۱۷۲	۳۳
بمبئی	۱ ۳	۱۶۰	۲۹
آسام	۹۱	۱۵۲	۲۳
پنجاب	۵۹	۹۵	۱۵
یوپی	۵۵	۹۴	۱۱

بظاہر یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ برما جیسا وسیع صوبہ کہ ہندوستان کا ... وہ صوبہ ہی تھا، جہاں بہت سے وحشی قبیلے آباد ہوں جس کے اکثر حصے پہاڑی ہوں، جہاں ریل اور سڑکیں بہت کم ہوں، جہاں کے اکثر حصوں میں جدید تمدن کی شعاعیں تک نہ پہنچی ہوں وہ خواندگی میں اتنی ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔ دراصل اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں غیر سرکاری مدرسوں کی تعداد بہت کافی ہے اور یہ ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ یہاں خواندگی کا اوسط اتنا بڑھا ہوا ہے۔ یہ مدرسے اصل میں بدھ مت کی چھوٹی چھوٹی خانقاہیں ہیں جن کو "پھون گی کیانگ" کہا جاتا ہے تقریباً ہر گاؤں میں ایسا مدرسہ موجود ہے۔ جہاں سر منڈا کر اور پیلا لباس پہن کر ہر بدھی لڑکے کو جانا پڑتا ہے ان مدرسوں میں معمولی طریقہ پر لکھنا پڑھنا اور تھوڑی بہت ریاضی سکھائی جاتی ہے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بدھ مذہب میں ایسے لڑکے بہت کم ملتے ہیں جو معمولی نوشت و خواند سے واقف نہ ہوں۔

برمیوں کا لباس سادہ ہوتا ہے۔ سر پر ایک ریشمی پگڑی، ایک ڈھیلی سی صدری اور کمر سے ایک لنگی بندھی رہتی ہے جو ٹخنوں تک آتی ہے ان کی عورتوں کا لباس بھی مردوں کی طرح ہوتا ہے البتہ سر پر پگڑی نہیں ہوتی اور لنگی کا سرا مرد سامنے کی طرف کرتے ہیں اور یہ ایک جانب لٹکا لیتی ہیں برمی عورتیں ہنس مکھ اور خوش مزاج ہوتی ہیں۔ اور ایک خوش وضع اور خوش قطع برمی خاتون دنیا کی تمام دوسری عورتوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے، برمی عورتیں ...

... زندگی بسر کرتی ہیں۔ وہ اپنے ... تو بالکل خود مختار ہوتی ہیں مگر اپنے ... کے بیوپار کا سو بازیں بھی بڑی حد تک دخیل ... ہر ما میں روئی اور ریشم کا کاتنا اور بُننا اور ... گھریلو دستکاریوں میں داخل ہیں اور ان میں ... نمایاں ہیں۔ چھوٹی موٹی تجارت اور ... اشیائے خورونی کا لین دین ان کے ہی ہاتھ ... ہے۔ چنانچہ یہاں تجارت میں ایک ہزار مردوں کے ... کمانے والی عورتوں کا اوسط ۱۰۹ ہے۔ کچھ ... کشتیاں بھی چلاتی ہیں۔

... بودھ شان اور مون لوگوں میں شادی کی تقریبات ... مذہبی تعلق ہیں۔ ان کے یہاں شادی کی کوئی ... رسم نہیں ہوتی اور صرف لڑکے اور لڑکی کی رضامندی ... سے شادی ہو جاتی ہے بسا اوقات بڑے بوڑھوں ... رضامندی تک حاصل نہیں کی جاتی اور ان کو ... دی میں شریک کیا جاتا ہے۔ امراء کے طبقہ میں البتہ ... دی کے موقعوں پر لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے "بیا" ... پور کے نجومی، قاضی یا پنڈت کے فرائض انجام دیتا ہے ... پانی چھڑک کرنئے جوڑے کو آشیرباد دیتا ہے ... جیسے شادی میں آسانی ہے ویسے ہی طلاق کے معاملہ ... بھی بڑی آسانی ہے۔ انہیں صرف دیہات کے ... کی منظوری ضروری ہوتی ہے اور اس کے بعد فریقین ... علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ طلاق سے عورت کے رتبہ پر کوئی ... نہیں پڑتا۔ شادی پر اس کا نام نہیں بدلا جاتا اس ... طلاق کے بعد ایسا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ... نہ شادی کی انگوٹھی یا کوئی اور خاص نشانی ... استعمال کرنی ہے جو طلاق کے بعد اس کو ترک کرنا ... ہے۔ برما میں زیادہ تر ایک ہی شادی کا رواج ہے ... اور اس کی بڑی وجہ غالباً یہاں کی عورتوں کی ... معاشی آزادی ہے۔ امراء میں البتہ ایک عورت بطور ... بیوی کے رکھ لی جاتی ہے مگر ایسی عورتوں کی ... تعداد کبھی دو سے تجاوز نہیں ہوتی۔ برمی حکومت کے ... کی یادگار ہے جب بادشاہوں کے یہاں حرم اور ... لونڈیوں کا عام رواج تھا اور بڑے بڑے امراء ... نقل کیا کرتے تھے۔ کاچن لوگوں میں دو ... بہنیں ایک ساتھ نہیں بیاہی جاتیں۔ چونکہ ... بیواؤں سے شادی کرنے کو اچھا ... اس لئے یہ لوگ ان کی عورتوں سے ... بعض قوموں میں بے اولادی کی

صورت میں دوسری شادی کی اجازت ہے۔

برما کے پہاڑی علاقوں میں طرح طرح کے قبیلے آباد ہیں جن کے رسوم و رواج، عادات و اطوار ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان قبیلوں کی اکثریت کے یہاں "ٹاؤپ" یا کنواریوں کے مکان سے ہوتے ہیں۔ جو اکثر والدین کے گھر کے سامنے ہی ہوتے ہیں جہاں لڑکیاں رات کو کنواروں سے ملتی ہیں اور اس کو کوئی معیوب بات خیال نہیں کرتے۔ اکثر قبیلوں میں شادی سے پہلے جنسی تعلقات پیدا کرنے کی اجازت ہے اور اولاد پیدا ہونے کے بعد فریقین آپس میں شادی کر لیتے ہیں یا عورت کو اس کا تاوان جو عموماً ایک بھینس یا گائے ہوتی ہے ادا کر دیا جاتا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں اکثر یہ دستور رہا ہو کہ ہے کہ شام کو بازار یا ہاٹ سے لوٹتے وقت لڑکیاں اپنی رضامندی سے لڑکے کے گاؤں چلی جاتی ہیں۔ لڑکے کے گاؤں والے اس امر کی اطلاع لڑکی کے والدین تک بھیجتے ہیں اگر ان کو یہ بات پسند آگئی تو وہ خاموش رہتے ہیں ورنہ اسی وقت لڑکے کے گاؤں پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اگر اس اثنا میں لڑکی نے اپنے شوہر کے گھر انڈا ابال کر دونوں نے مل کر ساتھ کھا لیا ہے تو پھر یہ تعلقات ٹوٹ نہیں سکتے۔ بہر حال برما میں ایسے قبیلے آباد ہیں جن کی عادتیں، طور طریق، معاشرت، وضع قطع، لباس اور عقائد ہمارے یہاں کی جنگلی اقوام سے ملتے جلتے ہیں۔ اور جن کو ابھی تک موجودہ تہذیب و تمدن کی ہوا نہیں لگی ہے۔

(ماخوذ)

ڈسٹرکٹ وار کمیٹیوں کیلئے گورنر صوبجات متحدہ کا پیام

ہز ایکسلنسی گورنر صوبجات متحدہ نے قومی محاذ جنگ کے سلسلہ میں حسب ذیل پیام شائع کیا ہے۔

قومی محاذ جنگ کے لئے ہز ایکسلنسی وائسرائے کی پُرجوش اپیل آپ نے اخبارات میں پڑھی یا ریڈیو پر سُنی ہوگی۔ اس محاذ کا مقصد یہ ہے کہ عوام کی ہمت و استقلال برقرار رکھنے اور اس میں اضافہ کرنے کے لئے ہر امکانی کوشش کی جائے۔ جنگ کے سلسلہ میں عوام کی طاقت مقاومت کو مضبوط کیا جائے۔ ان تمام عناصر کو فنا کر دیا جائے جو اس طاقت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں اور خاص طور سے ہر قسم کے پانچویں کالم کی سرگرمیوں کا جن میں ایسی بات چیت، خیالات تحریریں اور افواہیں شامل ہیں جن سے لوگوں میں احساس شکست پیدا ہو سکتا ہے استیصال کر دیا جائے۔ اور قوم کے اس عزم کو تقویت پہنچائی جائے کہ ملک کے اندر یا باہر جارحیت اور مطلق العنانیت کا ہر شکل اور ہر صورت میں مقابلہ کیا جائے تا کہ یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے۔ جیسا کہ وائسرائے نے کہا ہے یہ محاذ ایسا ہے جس میں اس ملک کا ہر مرد اور ہر عورت اپنے کسی اصول یا کسی مقصد کی قربانی کئے بغیر حصہ لے سکتا ہے۔ اس سے گریز کرنے کے بجائے عملی حصہ لیجئے۔ اس کا نعرہ "طاقت اور حوصلہ" ہونا چاہئے۔

اس صوبہ میں محاذ جنگ بنانے اور اپنی مساعی جنگ میں اضافہ کرنے کے لئے جو کام کرنا چاہئے اس کے بارے میں پچھلے سال پبلسٹی ریلیف کمیٹی نے جس میں صوبہ کے ہر حصہ کے نمائندہ شامل ہیں غور کر لیا ہے۔ اس میں بہ متفقہ طور سے طے ہوا ہے کہ اس صوبہ میں کسی علیحدہ قومی محاذ جنگ کے ادارہ کی فی الحال ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ کام ڈسٹرکٹ وار کمیٹیوں کو کرنا چاہئے۔ جنگ کے ابتدائی ایام سے ڈسٹرکٹ وار کمیٹیوں نے جنگی مقاصد کے فنڈ اور جنگی قرضوں کے لئے روپیہ جمع کرنے فوج اور ٹیکنیکل کاموں کے لئے رنگروٹ مہیا کرنے اور پروپیگنڈہ کے سلسلہ میں شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی مساعی کو دوگنا کریں اور اس میں زیادہ وسعت پیدا کریں۔

ہمیں اپنے اہل وطن پر اس چیز کو واضح کر دینا چاہئے کہ نہ صرف ہندوستان کی سلامتی بلکہ دنیا کے سامنے اس کی عظمت اور عزت کا انحصار اس کے باشندوں کے اس رویہ پر منحصر ہے۔ جو وہ جاپانی جیرہ دستی کے چیلنج کے مقابلہ پر دکھاتے ہیں۔ نیز اس امر کو بھی واضح کر دینا چاہئے کہ بیرونی خطرہ سے قومی مدافعت کے یہ معنی ہیں کہ ملک کے اندر ایسے لوگوں کا پوری طرح سے مقابلہ کیا جائے جو اپنی تحریروں یا اپنے افعال یا اپنی تقریروں سے دانستہ یا نادانستہ طور پر ملک کے عزم یا لڑنے کی طاقت کو سلب کرتے ہیں۔ اب وقت حملہ کا ہے نہ کہ مدافعت کا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہر شخص قطعی فتح کے حصول کے لئے متحد ہو جائے۔

مجھے یقین ہے کہ ڈسٹرکٹ وار کمیٹیاں سعدی

سے اس اپیل کا خیر مقدم کریں گی اور اپنے کام کو پھیلانے اور ترقی دینے میں ان ذرائع کو کام میں لائیں گی جنھیں وہ موزوں سمجھیں۔ وار کمیٹیوں کے تصرف میں کچھ فنڈ رکھ دئے گئے ہیں تاکہ وہ جس طرح چاہیں لڑائی کے پروپیگنڈہ پر انھیں صرف کریں۔ بہت سے اضلاع میں تحصیل کی سب کمیٹیاں بن چکی ہیں اور چند اضلاع میں ہر پولیس حلقہ میں مذکور سب کمیٹیاں قائم کر دی گئی ہیں۔ چند اضلاع میں اسکول کے بچوں نے بھی بہت کار آمد خدمات انجام دی ہیں۔ چند اضلاع میں اخبار بھی جاری کئے گئے ہیں، جلسے منعقد کئے گئے ہیں اور ریڈیو کے ذریعہ سے نشر و اشاعت کے طریقے بھی جاری کر دئے گئے ہیں۔ عوام تک صحیح خبروں کا پہونچانا اور جھوٹی افواہوں کی تردید کرنا ضروری ہے۔ عوام کی رہنمائی کرنا چاہیئے تاکہ وہ ایک واحد مقصد کے حصول کے لئے متحد ہو جائیں۔ ان تمام کارروائیوں سے فوجی محاذ جنگ کے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے پورا کرنے کے لئے ہم انتہائی سرگرمی دکھلائیں۔

اسلامی تہذیب کا اثر ہندوستان پر

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

وضع قطع لباس، نام عموماً ہندوانہ رہے۔ اور جو گرو یا پیشوا ان نئے فرقوں کے بانی تھے وہ سب ہندوستان ہی میں اور کسی ہندو خاندان میں پیدا ہوئے، اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ جو لوگ ان نئے فرقوں میں داخل ہوئے وہ بھی خواہ مخواہ ہندو قوم سے وابستہ رہے اور اپنی کوئی بالکل جداگانہ حیثیت اور مستقل برادری قائم نہ کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کسی منزل میں بھی ہندو قوم سے پورے طور پر علیحدہ ہو کر نہ رہ سکے۔

اس مسلسل وابستگی کا یہ انجام ہوا کہ بانی فرقہ کی موت کے بعد جب اس کی مخصوص تعلیم و اصلاحی تحریک قدرتی طور پر کسی قدر کمزور پڑگئی تو ہندو اکثریت نے جو اب تک بدستور قدیم مذہب اور رسم و رواج کی پابند تھی ان چھوٹے چھوٹے فرقوں کو دوبارہ اپنے بڑے فرقہ میں جذب کرکے ان کی ساری اصلاحی سرگرمیوں کا خاتمہ کر دیا گویا پانی کے جو قطرے سمندر سے جدا ہوئے تھے وہ پھر آکر اس میں مل گئے۔

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی اصلاحی تحریک اور کوئی تبدیلی جو ہندو مذہب میں کی جائے صرف دو ہی صورتوں میں کامیاب ہو سکتی ہے ایک یہ کہ پوری قوم اس تحریک کو قبول کرے اور مذہبی عقائد و رسم و رواج کے لحاظ سے مختلف فرقوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ بالکل مٹ جائے، یا یہ کہ جو فرقہ کسی اصلاحی مقصد سے پیدا ہو وہ کامل طور پر اور ہر لحاظ سے ہندو اکثریت سے جدا ہو جائے، جب تک یہ نہ ہوگا اکثریت ان چھوٹے چھوٹے فرقوں کو جو پیدا ہوتے رہتے ہیں ہمیشہ اپنے میں جذب کرتی رہے گی۔

اس وقت سکھوں اور آریہ سماجیوں کی مثال ہمارے پیش نظر ہے جو اپنی بنیادی عقائد کے لحاظ سے سناتن دھرم یعنی قدیم ہندو مذہب سے بہت کچھ مختلف اور مورتی پوجا کے مخالف تھے، خصوصاً آریہ سماج اور سناتن دھرم میں سخت اختلاف تھا یہاں تک کہ ان دونوں کے باہم مذہبی مباحثے ہوا کرتے تھے اور کتابیں لکھی جاتی تھیں۔

خود بانی آریہ سماج یعنی پنڈت دیانند سرسوتی کی یہ حالت تھی کہ انھوں نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں نہ صرف سناتن دھرم بلکہ ہندوؤں کے ہر فرقہ پر سوقیانہ الفاظ اور تمسخر کے انداز میں شدید حملے کئے، اس کے بعد دیانند جی کے پیرو بھی کچھ زمانہ تک اسی طریقہ پر عمل کرتے رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ مخالفت کا یہ سارا جوش ٹھنڈا پڑگیا اور آریہ سماج کی کوئی علیحدہ اور امتیازی حیثیت باقی نہیں رہی، اور جہاں ہندوؤں میں اور بہت سے فرقے پائے جاتے تھے آریہ سماج بھی ایک ہندو فرقہ بن کر رہ گیا، اور جس طویل فہرست میں اور بہت سے رشی منی اور مہاتما تھے اسی میں دیانند جی کا نام بھی داخل ہو گیا۔

یوں کہنے کے لئے اب بھی آریہ سماج بحیثیت ایک فرقہ کے موجود ہے لیکن جن لوگوں نے ابتدا سے اب تک اس فرقہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ اب اس کی حیثیت ہندو مذہب کی ایک شاخ سے زیادہ نہیں۔ اس لئے یہ توقع رکھنا کہ چونکہ آریہ سماج توحید کا قائل ہے اس لئے وہ اسلام سے زیادہ قریب ہے کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک کی تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ جو فرقہ بھی ہندو مذہب سے نکلا خواہ وہ مورتی پوجا کا مخالف ہو یا توحید کا قائل آخر کار ہندو اکثریت میں جذب ہو جاتا ہے اور زندگی کے کسی دور میں بھی اس کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں پیدا ہوتا، اس لئے ہمیں کبھی اس غلطی میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے کہ ہندو مذہب میں جو فرقے توحید کے قائل ہیں یا گوشت خوری کو جائز سمجھتے ہیں وہ اسلام سے قریب ہیں، البتہ جن شودروں یا اونچی ذات کے ہندوؤں نے اسلام یا کوئی مذہب قبول کر لیا وہ بے شبہ اپنی برادری سے کٹ کر اُن سے جدا ہو گئے۔ کیونکہ مسلمان یا مسیحی ہونے کے بعد ان کا روحانی و مذہبی تعلق کسی ایسے گرو یا پیشوا سے باقی نہیں رہا جو ہندوستان میں اور کسی ہندو خاندان میں پیدا ہوا ہو۔

مندرجہ بالا حالات کی روشنی میں شودروں یا اچھوتوں کو اپنے مستقبل پر غور کرنا چاہیئے جن کی اکثریت اس وقت ایک شدید غلطی میں مبتلا ہے یعنی اُن کی کوشش یہ ہے کہ ہندو مذہب میں رہ کر کچھ حقوق اپنے لئے حاصل کریں، مثلاً یہ کہ انھیں مندروں میں جاکر مورتی درشن کی اجازت مل جائے اور ہندو اُن سے چھوت چھات نہ کریں۔ لیکن ان چیزوں سے انھیں کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ان کے لئے بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ وہ ہندو مذہب کی گرفت سے آزاد ہو کر اپنی فلاح و بہبود کے لئے کوشش کریں، اور مندروں میں داخل ہونے کی بے سود کوشش چھوڑ کر مندروں کو دور ہی سے سلام کریں۔ شودروں کو اونچی ذات والے ہندوؤں سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے، یہ کشمکش اُن کے لئے کچھ بھی مفید نہ ہوگی، بلکہ انہیں خاموشی کے ساتھ ہندو مذہب کے دائرہ سے باہر آکر آزادانہ طریقہ سے اپنا مستقبل تعمیر کرنا چاہیئے، آخر وہ کب تک دوسروں کا آلہ بنے رہیں گے، اور اپنی ناعاقبت اندیشی سے اونچی ذات والوں کو یہ موقع دیتے رہیں گے کہ وہ ان کے وجود سے فائدہ اٹھا کر حکومت کے سامنے اپنی غیر معمولی اکثریت ثابت کریں، اور اس اکثریت پر زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کرنے کی کوشش [illegible] اچھوتوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے [illegible] تک وہ دوسروں کے سہارے سے [illegible] کوشش کرتے رہیں، ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے [illegible]

اُردو کی پہلی اور دوسری کتاب

شائع کردہ کانفرنس پر

مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی کا ریویو

زبان صاف، سادہ، سلیس اور صحیح۔ خیالات بلند و پاکیزہ۔ باتیں کام کی۔ بول چال لڑکوں کی۔ قلم ایک ثقہ مسلمان کا۔ لیکن ایسا شیریں زبان کہ اس کے بول نہ کسی غیر مذہب والے کو گراں، نہ کسی اسلامی فرقہ کے حق میں بار۔ پڑھانے جائیے گھر کے بچوں اور بچیوں کو پڑھانے جائیے اور ایک ہی وقت میں انہیں زبان، ادب، مذہب، اخلاق، آداب، سب کچھ سکھاتے جائیے۔ خوش قسمت ہیں وہ گھرانے جہاں یہ کتابیں رواج پائیں۔ خوش نصیب ہیں وہ درسگاہیں جو یہ کتابیں اپنے ہاں پڑھوائیں۔ مذہب کے مسائل اور دنیا کا سلیقہ۔ دونوں ان اوراق کے اندر جمع۔

برطانیہ میں تعلیم پر جنگ کا اثر

رائٹر کا پولیٹیکل نامہ نگار لکھتا ہے کہ یہ خیال ہے کہ تعلیمی بورڈ کے پریسیڈنٹ مسٹر آر اے بٹلر "پبلک اسکول سسٹم" میں جلد ہی کسی زبردست تبدیلی کا اعلان کریں گے پرانا سسٹم جس کے مطابق ایٹن، رگبی اور ونچسٹر جیسے اسکولوں میں صرف وہی طلبہ داخل ہو سکتے تھے جو زیادہ فیس دے سکتے تھے ختم ہو جائے گا۔ یہ اسکول عام تعلیمی اسکولوں میں شامل ہو جائیں گے اور ان میں اوسط درجہ کے لوگوں اور مزدور طبقہ کے بچے بھی داخل ہو سکیں گے، لڑائی کے بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے پبلک اسکولوں کو زبردست مالی نقصان پہنچا ہے اور انھوں نے حکومت سے امداد لینا منظور کر لیا ہے۔

آسام کے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کا سرکلر

شیلانگ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ آسام کے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے شیلانگ میں تمام کالجوں اور اسکولوں کے اعلیٰ افسروں کے نام سرکلر جاری کیا ہے کہ وہ ہوسٹلوں میں رہنے والے طلبہ کے مربیوں کو لکھ دیں کہ ہوسٹلوں کو مختلف نوٹس دے کر بند کرنے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے جب کہ طالب علموں کے لئے سلسلۂ مراسلت کی مشکل کی وجہ سے گھر آنا دشوار ہو گا۔

ہندوستانی کو ترقی دینے کی کوشش

الٰہ آباد کی ایک خبر مظہر ہے کہ "ہندوستانی" کو ترقی دینے کے لئے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے دفتر نے ہندوستانی کا ایک محکمہ کھولا ہے مسٹر سری کرشن دت اس کے انچارج ہوں گے۔

اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا ہے کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس کی کارروائی کا اردو اور ہندی زبانوں میں ترجمہ کرا کے کارروائی کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ ہندوستانی بلیٹین ہندی اور اردو دو رسم الخط میں چھپے گا مگر زبان ایک ہی ہو گی۔

کلکتہ اور چٹاگانگ کے اسکول بند

حکومت بنگال نے ایک حکم جاری کیا ہے کہ کلکتہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں اور چٹاگانگ کے لڑکوں اور لڑکیوں کے سرکاری اسکول موجودہ چھٹیوں کے بعد اس وقت تک نہیں کھلیں گے جب تک کہ دوسرا حکم جاری کیا جائے۔

اس بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ حکومت اپنی یہ پالیسی اچھی طرح واضح کر چکی ہے کہ وہ جن کی موجودگی ضروری نہیں ہے ان کو خطرناک علاقوں میں نہیں رہنا چاہئے اس پالیسی کے پیش نظر یہ طے کیا گیا ہے کہ موجودہ چھٹیوں کے بعد کلکتہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں اور چٹاگانگ کے تمام اسکولوں اور کالجوں کو بند رکھا جائے، ان درسگاہوں کے طلبہ کے لئے جلد کوئی دوسرا انتظام کیا جائے گا، غیر سرکاری درسگاہوں کو بھی مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ بھی اس پالیسی پر عمل کریں۔

یہ منحوس جنگ جہاں اور بہت سی مصیبتیں ملک پر لائی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اب اس کا اثر تعلیم پر پڑ رہا ہے۔

نمبر جنتری علمی تحائف کرتوت (؟)

مضامین محمد علی — مولانا محمد علی مرحوم مغفور کے مضامین کا مجموعہ جو ان کے ہر قسم کے خیالات کا مرقع اور ہندوستان کے سب سے زیادہ ہنگامہ خیز دور کی تاریخ ہیں۔ قیمت مجلد .. ۲ روپے

جوہر اقبال — ڈاکٹر اقبال مرحوم مغفور کے خیالات اور شاعری پر مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر سید عابد حسین، خواجہ غلام السیدین وغیرہ کے مضامین۔ قیمت مجلد ۱۲ آنے

محاسن کلام غالب — غالب کی شاعری پر ڈاکٹر عبد الرحمٰن بجنوری مرحوم مغفور کا نہایت معرکۃ الآرا مضمون۔ قیمت مجلد ۔ ۱۰ آنے

مضامین رشید — جناب رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کے اٹھارہ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ۔ قیمت مجلد ۔ ۲ روپے

خنداں — جناب صدیقی صاحب کی ان مزاحیہ تقریروں کا مجموعہ ہے جو موصوف نے وقتاً فوقتاً دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر کیں۔ قیمت مجلد ۱۲ آنے

یادگار نصیر — محمد نصیر الدین صاحب علوی ایم اے ایل ایل بی مرحوم کے منتخب کلام کا مجموعہ جو غزلیات، قصائد، سلام اور رباعیات پر مشتمل ہے، کچھ غزلیات فارسی زبان میں بھی ہیں کلام دلپذیر اور مؤثر ہے۔ قیمت ۱۲ آنے

ہماری شاعری — سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا اردو شاعری پر ایک مضمون۔ قیمت مجلد ۲ روپے

بقائے دوام — موت و حیات و روح و حیات بعد الموت کے متعلق سائنٹیفک [illegible] قیمت ۱۰ آنے

الانہار — حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری پر نہایت مبسوط و سیر حاصل تبصرہ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی۔ قیمت .. ۱۲ آنے

المبین — اس کتاب میں عربی زبان کے فضائل اور اس کے بے نظیر خصائص بتا کر جملہ السنۂ عالم کے مقابلہ میں اس کی ناقابل انکار فوقیت و عظمت ثابت کی ہے۔ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم۔ قیمت ۲ روپے

ملنے کا پتہ۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی پبلشر و پرنٹر [illegible] پریس علی گڑھ میں طبع ہوا اور دفتر سے شائع ہوا)

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

مینجر - سر الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۳) | یکم جولائی سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۱۶ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر (۲۵)

ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ رامپور کے ایک معہد علمی ادارہ "رضا اکاڈمی" کے ارکان کی درخواست پر ہز ہائینس نواب صاحب رامپور بالقابہ نے از راہ علم دوستی سرکاری کتاب خانہ سے اردو فارسی، عربی اور انگریزی کی مطبوعہ کتابوں کے مکرر نسخوں میں سے ایک ایک جلد اکاڈمی کو عطا فرمائی ہے۔ ان کتابوں کی مجموعی قیمت کا اندازہ تقریباً دو ہزار روپیہ ہے۔

نئی دہلی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند نے سر مرزا اسمٰعیل صاحب وزیر اعظم جے پور اور فیڈریشن آف انڈین چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر مسٹر جی ایل مہتا کو ایگزیکٹو کونسل کے مرکزی مشاورتی بورڈ میں مقرر کیا ہے۔

پہلی جولائی سے کلکتہ کارپوریشن کے وہ اسکول کھل جائیں گے جہاں اے، آر، پی کی مشق ہو رہی تھی، تقریباً ساٹھ فی صدی اسکولوں میں یہ انتظام تھا۔ اگر اسکولوں کے کھلنے پر طلبہ کی حاضری ۳۳ فی صدی سے کم رہی تو کارپوریشن دو ہفتہ کے اندر انہیں دوبارہ بند کرنے پر غور کرے گا۔

دہلی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ پنڈت مدن موہن مالویہ، سیٹھ جگل کشور برلا اور ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی وزیر بنگال (قائم مقام صدر آل انڈیا ہندو مہاسبھا) اور چند دوسرے سربر آوردہ ہندو لیڈروں نے "آل انڈیا ہندو (آریہ) دھرم سیوا سنگھ سوسائٹی" قائم کی ہے جس کا دفتر کلکتہ اور دہلی میں ہوگا۔ اس سوسائٹی کے لئے ایک کروڑ روپیہ کی اپیل کی گئی ہے۔

سوسائٹی کا بڑا مقصد مختلف فرقوں یعنی سناتن دھرم، آریہ سماج، بدھ، جین، اور سکھ مذہب میں تنظیم پیدا کرنا اور ہندو نسل، دھرم اور تمدن کی حفاظت کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ سنگھ "سنسکرت اور سنسکرت آمیز ہندی کے ذریعہ سے آریہ تمدن کو عام کرنے کے لئے بہترین قوت استعمال کرے گا"۔

کیا مسلمان "سنگھ" کے ان مقاصد پر غور کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے۔

نیویارک کی ایک خبر مظہر ہے کہ فرینچ امریکن کلب کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر ونڈل ولکی نے یہ کہا کہ جنگ کے بعد سب لوگوں کو یہ حق ہوگا کہ وہ یہ انتخاب کر سکیں کہ وہ کس قسم کی حکومت چاہتے ہیں اور کس مذہب کو اختیار کرنا چاہتے ہیں، آپ نے یہ بھی کہا کہ جنگ کے بعد اقتصادی مسئلوں کو بے لوث طریقہ سے حل کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان کو بھی یہ حق ہوگا۔

حکومت حیدر آباد نے "انڈین سائینٹفک ریسرچ بورڈ" کو حیدر آباد میں اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی دعوت دی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ بورڈ نے یہ دعوت قبول کر لی ہے اور شروع جولائی میں اجلاس منعقد کرنا طے کیا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں سے تقریباً بیس ممتاز اصحاب جن میں ہندو مسلمان دونوں ہی اس اجلاس میں شریک ہوں گے۔ جو علمی حلقوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم جولائی ۱۹۴۲ء

یورپ اور مشرقی ممالک

موجودہ زمانہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ آزادی و مساوات کا زمانہ ہے، اسی بنا پر یورپ کی تقریباً ہر با اقتدار حکومت کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ کمزور قوموں اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے ساتھ انصاف و آزادی کا سلوک کرتی ہے اور اُن کی آزادی و مفاد کی محافظ ہے۔

اسی کے ساتھ یورپ اس امر کا بھی مدعی ہے کہ وہ دنیا میں تہذیب و شائستگی پھیلاتا ہے اور نیم وحشی مشرقی قوموں کو مہذب و متمدن بنانے کے لئے اپنے وقت اور دولت کی قربانی کرتا ہے، چنانچہ عموماً مشرقی ممالک میں یورپ کی مداخلت کا آغاز اسی تہذیب پھیلانے کی غرض سے ہوتا ہے۔ اپنا کوئی مقصد پیش نظر نہیں ہوتا۔

مشرقی قوموں کی دنیوی اصلاح و ترقی کے علاوہ یورپ کو ان کی "فلاح آخرت" یا "نجات" کی بھی فکر ہے یعنی وہ دین و دنیا دونوں کو سنوارنا چاہتا ہے، اس لئے وہ مشرقی قوموں کی روحانی و اخلاقی اصلاح کے لئے مسیحی مشنریوں کو بھیجتا ہے جو سارے ملک میں گھوم پھر کر مسیحی مذہب کی اشاعت کرتے ہیں، اور اس مقصد کے لئے وہ ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، مثلاً کسی جگہ عوام الناس کو جمع کر کے مذہبی وعظ کہتے ہیں کہیں مناظرہ و مباحثہ کرتے ہیں، اس کے علاوہ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس ملک میں جاتے ہیں وہاں کی زبان میں انجیل مقدس اور چھوٹے چھوٹے مذہبی رسالوں کی ہزاروں جلدیں لوگوں کو پڑھنے کے لئے دیتے ہیں۔ غرض یہ ساری تدبیریں لوگوں کی روحانی و اخلاقی فلاح کے لئے کی جاتی ہیں۔

فلاح آخرت کا سامان بہم پہنچانے کے علاوہ لوگوں کو متمدن و شائستہ بنانے اور تہذیب جدید کی ضروریات سے آشنا کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ یہ خدمت اپنی حکومت کی مدد و شرکت عمل سے یورپ کے ماہرین سیاست اور تاجر و سرمایہ دار انجام دیتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ یورپ کی با اقتدار حکومتیں مشرقی ریاستوں اور سلطنتوں سے تجارتی و کاروباری معاہدے کرتی ہیں جن کے ذریعہ سے اپنے لئے مخصوص مراعات و حقوق حاصل کر لیتی ہیں اس کے بعد اس مشرقی ملک میں یورپ کے مصنوعات کی آمد شروع ہو جاتی ہے اور تہذیب جدید نے موجودہ زمانہ کے ترقی یافتہ معاشرت زندگی کے لئے جو ساز و سامان تیار کیا ہے وہ آنے لگتا ہے جس کے استعمال کرنے سے ایک مشرقی انسان کی کیچلی بدل کر مہذب بن جاتا ہے یا کم سے کم یہ اُسے باور کرایا جاتا ہے کہ اب وہ "مہذب" ہو گیا۔ غرض اس طرح یورپ کی مہربانی سے مشرقی ملکوں میں مغربی تہذیب نہایت تیزی سے پھیلنے لگتی ہے۔ اور آزادی و مساوات کی نعمت گھر بیٹھے مل جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ دنیا کی کمزور قومیں خصوصاً مشرقی ریاستیں اور حکومتیں یورپ کی با اقتدار سلطنتوں کی ان گوناگوں نوازشوں سے حقیقی معنوں میں آزادی حاصل کر کے ان کے مساوی حقوق حاصل کر لیتی ہیں اور تہذیب و شائستگی سیکھ کر ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جاتی ہیں اگر درحقیقت ایسا ہے تو یہ زمانہ درماندہ قوموں اور کمزور حکومتوں کے لئے واقعی بہت بڑی نعمت ہے لیکن افسوس کہ واقعات اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

اس موقع پر یورپ کے وہ سینکڑوں کارنامے پیش کرنے کی ضرورت نہیں جو اُس نے گزشتہ صدیوں میں انجام دئے ہیں، کیونکہ صرف موجودہ واقعات ہی یہ حقیقت ظاہر کرنے کے لئے بخوبی کافی ہیں کہ دنیا کی کمزور حکومتوں اور پسماندہ قوموں کے ساتھ یورپ کی با اقتدار حکومتیں کس قسم کا سلوک کرتی ہیں اور اُن کی آزادی و مفاد کا کس قدر خیال کیا جاتا ہے۔

موجودہ جنگ کے افسوسناک واقعات

اس پر شاہد ہیں کہ اس "بیسویں صدی" میں جبکہ ہر طرف آزادی و مساوات کا غلغلہ بلند ہے کمزور حکومتوں اور قوموں کی آزادی کس طرح چھینی گئی اور اُن کی تہذیب و روایات کو مٹانے اور برباد کرنے کے لئے کیسے کیسے جابرانہ طریقے اختیار کئے گئے۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی قومیں اور حکومتیں جو موجودہ جنگ میں مبتلا اور آپس کے بے درد آزما حریفوں کے ہولناک مظالم کا شکار ہوئیں اُن میں ایک بھی ایسی نہ تھی جو میدان جنگ میں آتا اور اپنے ہاتھ خون میں رنگنا چاہتی ہو۔ اسی لئے جنگ شروع ہوتے ہی ہر حکومت نے اپنی غیر جانبداری اور جنگ سے بے تعلقی کا کھلے ہوئے الفاظ میں اعلان کر دیا، اور آخر وقت تک غیر جانبدار رہنے کی پوری کوشش کی لیکن جرمنی نے نہ اُن کی غیر جانبداری کا احترام کیا نہ آزادی کا، بلکہ اپنے ناجائز مقاصد کی تکمیل کے لئے بے دریغ حملہ کر کے اُن کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔

جرمنی نے ان کمزور حکومتوں کی مستقل حیثیت ختم کرنے کے علاوہ مجنونانہ جوش کی حالت میں اُن کی شاندار عمارتیں، مدارس، کتب خانے، ہسپتال، کارخانے، قومی یادگاریں، غرض ہر قیمتی اور کارآمد چیز برباد کر کے انہیں بالکل تباہ کر دیا، مثال کے طور پر ہالینڈ، بلجیم، ناروے وغیرہ جیسی بہت سی چھوٹی حکومتوں کا نام پیش کیا جا سکتا ہے جن کا جرم اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ وہ کمزور تھیں اور جنگ سے بے تعلق رہ کر اپنے ملک میں امن و عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتی تھیں۔

ان واقعات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مہذب و ترقی یافتہ قومیں حکومت و اقتدار حاصل کرنے کی ہوس میں اخلاقی اصول اور آئین شرافت کو کس بُری طرح سے پامال کر کے اپنے ناجائز مقاصد حاصل کرتی ہیں، جب خود یورپ کی مسیحی قوموں کے ساتھ جو اپنے حملہ آوروں کی طرح مہذب و تعلیم یافتہ ہیں یہ سلوک کیا جاتا ہے تو مشرقی قومیں جو نیم وحشی سمجھی جاتی ہیں اور جن کی زبان، تہذیب اور مذہب یورپ سے مختلف ہے کس طرح یہ توقع کر سکتی ہیں کہ کوئی با اقتدار قوم اُن کی آزادی اور تہذیب و تمدن کی حفاظت کرے

[مصر میں] تعلیم نسواں کی مختصر تاریخ

مصر میں جب پہلے پہل خدیو محمد علی پاشا نے تعلیمی اصلاحات کا آغاز کیا اس وقت اہالیان مصر کی رائے عامہ نئی طرز کے مدارس سے ناواقف اور ان کی غرض و غایت کے بارہ میں بہت مشتبہ تھی۔ اس لئے حکومت کو لوگوں کو مدرسہ میں بھیجنے کے لئے جبر سے کام لینا پڑا اس دور میں تعلیم صرف مردوں تک محدود تھی، لڑکیوں کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔ البتہ بعض صاحب ثروت اور ترقی یافتہ گھرانوں کی لڑکیاں اپنے گھروں پر میاں جی سے قرأت لکھنا، قرآن اور معمولی حساب کتاب کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔

۱۸۳۲ء میں محمد علی پاشا نے جب کلٹ بے کی مدد سے طب کا ایک مدرسہ قائم کیا تو اس مدرسہ اور شفاخانہ کے لئے ایسی دایوں کی اور قابلاؤں کی ضرورت محسوس ہوئی، جو شریف خواتین کو مدد دے سکیں، اس ضرورت کے لئے ۱۸۳۲ء میں قابلہ کی تعلیم کا ایک شعبہ قائم کیا گیا، لیکن عام طور پر لوگ لڑکیوں کی تعلیم اور انہیں مدارس میں بھیجنے سے اتنی نفرت کرتے تھے کہ محمد علی پاشا کو اس شعبہ کے افتتاح کے لئے دس حبشی لڑکیوں کو بھیجنا پڑا۔

مدرسہ سینہ اور لڑکوں کے ابتدائی مدارس | خدیو اسمٰعیل کے ابتدائی دور کی ترقیوں اور ملک میں اس کے نمایاں مظاہر کو دیکھ کر مصریوں کے خیالات بہت کچھ بدل چکے تھے، اس لئے اس زمانہ میں لڑکیوں کی تعلیم نامانوس نہ رہ گئی تھی، چنانچہ ۱۸۷۳ء میں خدیو اسمٰعیل کے ایما سے ان کی ایک محترم محل نے اپنے مصارف سے "سرائے سیوفیہ" میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ کھولا، مصر میں لڑکیوں کی تعلیم کا یہ پہلا مدرسہ تھا، یہی مدرسہ موجودہ مدرسہ سینہ کی بنیاد ہے یہ مدرسہ اقامتی تھا، اور تعلیم مفت تھی، اس کے باوجود شروع شروع میں اس کی طرف بہت کم توجہ ہوئی، پھر رفتہ رفتہ طالبات کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ مدرسہ بیرونی لڑکیوں کو لینے پر مجبور ہو گیا۔ اسمٰعیل پاشا اور ان کے لڑکے توفیق کے زمانہ تک لڑکیوں کا تنہا یہی مدرسہ تھا۔ پھر ۱۸۹۵ء میں خدیو عباس ثانی کے ابتدائی زمانہ ۱۸۹۵ء میں "مدرسہ عباس ابتدائیہ" کے نام سے [ایک] دوسرا مدرسہ قائم ہوا، ان دونوں مدرسوں [کی طالبات] کی تعداد ۹۴ تھی۔

پھر ۱۹۰۸ء میں محرم بک نے ایک پرائمری مدرسہ کھولا اس کے بعد مصر کا موجودہ دور شروع ہو گیا اور ۱۹۱۹ء میں سارے ملک میں مدارس کی تعداد بڑھنے لگی، اور ۱۹۳۵ء تک انیس سرکاری مدارس کھل گئے جن میں (۲۵۰۸) طالبات تعلیم حاصل کرتی تھیں، پھر ۱۹۳۷ء تک ان مدارس میں آٹھ کا اور اضافہ ہوا جن کی طالبات کی تعداد (۳۷۷۴) تھی۔ یہ سب مدارس سرکاری تھے، مصر کی علمی نہضت کے ساتھ غیر سرکاری کی تعداد بھی بڑھتی رہی۔ ۱۹۰۳ء میں غیر سرکاری مدارس کی تعداد کل تین تھی وہ بھی تینوں قاہرہ میں تھے، ان میں ۷۴۴ لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں ۱۹۲۰ء میں ان کی تعداد چالیس ہو گئی اور طالبات کی تعداد ۱۶۷۴، پھر ۱۹۳۵ء میں مدارس کی تعداد (۱۱۵) اور طالبات کی تعداد ۲۴۵۴۶ تک پہنچ گئی۔

غیر ملکی مشنری مدارس کا آغاز بھی خدیو اسمٰعیل کے زمانہ سے ہوا، حکومت ان کے لئے آسانیاں فراہم کرتی تھی، مدرسہ کی عمارت کے لئے مفت زمین دیتی تھی، اس قسم کا سب سے پہلا مدرسہ نسواں قاہرہ میں قائم ہوا جسے ۱۸۳۵ء میں ایک انگریز مشنری کی بیوی نے قائم کیا تھا، اس کے بعد امریکن مشن کے مدارس قائم ہوئے پہلے ان میں صرف یورپین اور دیسی عیسائی لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی تھیں، مصر میں برطانیہ کے ورود سے پہلے مصریوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی، ان مدارس نے مصری عورتوں کی ترقی میں بڑا حصہ لیا۔

تعلیمی نظام | ابتدا میں لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس کا تعلیمی نظام و نصاب ایک تھا، البتہ لڑکیوں کی تعلیم میں کچھ دستی کام بھی داخل تھے، ۱۹۱۳ء میں وزارت تعلیم نے لڑکیوں کا تعلیمی نظام علیحدہ مرتب کیا، جو لڑکوں کی تعلیم سے مختلف تھا۔ اس میں تعلیم کی مدت چھ سال قرار پائی۔ نصاب میں حسب ذیل مضامین تھے۔

دینیات، تہذیب، عربی زبان و خط انگریزی زبان و خط، فرانسیسی زبان، ترجمہ، مشاہدۂ فطرت، جغرافیہ، تاریخ، تدبیر منزل، حفظان صحت، تربیت جسمانی۔

۱۹۲۲ء میں وزارت نے لڑکیوں کی تعلیم کا معیار بلند کرنے کے لئے ان کی تعلیمی مدت بڑھا کر آٹھ سال کر دی تاکہ محض پرائمری تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کی استعداد ناقص نہ رہے۔ اور اس نصاب کے دوسرے اور تیسرے سالوں میں "بستان الاطفال" کا موضوع بڑھا دیا گیا۔

جب تعلیم نسواں کا دائرہ زیادہ بڑھنے لگا تو ۱۹۲۵ء میں پرائمری مدارس کا نظام تعلیم بدل دیا گیا اور اس کی مدت تعلیم لڑکوں کی پرائمری تعلیم کی مدت کی طرح ۵ سال کر دی گئی اور لڑکوں اور لڑکیوں کا نصاب تعلیم بالکل ایک کر دیا گیا، صرف عورتوں کی ضروریات کا لحاظ کر کے تھوڑا سا فرق قائم رہا۔ لڑکوں کی تعلیم میں دستی کام اور باغبانی داخل تھے۔ لڑکیوں کے نصاب میں اس کے بجائے سوزن کاری اور گھریلو ضروریات کی تعلیم کر دی گئی۔

۱۹۲۸ء میں لڑکوں کے پرائمری مدارس کی مدت تعلیم ۵ سال کے بجائے ۴ سال کر دی گئی لیکن مدارس نسواں کی مدت تعلیم علیٰ حالہ قائم رہی پھر ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۱ء میں اس کی مدت تعلیم بھی ۴ سال کر دی گئی اور لڑکیوں کی تعداد بڑھانے کے لئے وزارت نے پانچویں سال کے نصاب میں تربیت اطفال اور تدبیر منزل کے مضامین داخل کئے لیکن اس کے باوجود لڑکیوں نے ادھر توجہ نہ کی، اس لئے یہ اضافہ بےکار ثابت ہوا اور پھر وہی چار سال کی مدت رہ گئی۔

۱۹۳۵ء میں جب ثانوی تعلیم کے نصاب میں تغیر و تبدل ہوا تو پرائمری تعلیم کے نصاب میں بھی تھوڑی سی تبدیلی ہو گئی اور اس کی تعلیم و امتحان کے نئے طریقے مقرر کئے گئے، لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس کا نصاب تعلیم تقریباً یکساں ہے فرق اتنا ہے کہ لڑکیوں کے مدارس میں دستی کاموں کے بجائے سوزن کاری، تدبیر منزل اور موسیقی کی تعلیم لازمی ہے۔ اکثر مدارس میں فرانسیسی زبان بھی لازمی ہے۔

(سلطنت)

ملک معظم کا پیام ہندوستان کے باشندوں کے نام

ہندوستانی فوج کے کارناموں کا اعتراف

ہز رائل ہائینس ڈیوک آف گلوسٹر یعنی ملک معظم کے بھائی نے نئی دہلی سے ملک معظم کا ایک محبت آمیز پیام نشر کیا، پیام سے پہلے شہزادہ نے بطور تمہید فرمایا کہ میں آج رات یہ پیام دہلی سے نشر کر رہا ہوں، میں ابھی یہاں وارد ہوا ہوں اور میرا اولین فرض ہے کہ ملک معظم کا جو پیام میں انگلستان سے لے کر آیا ہوں اسے آپ کے گوش گزار کر دوں۔

پیام حسب ذیل ہے،

ہندوستان کے کروڑ ہا مردو اور عورتو!

یہ امر میرے لئے باعث صد فخر و مباہات ہے کہ میں خدمت کے بھائی چارے میں آپ کا شریک ہوں۔ یہ خیال میرے لئے موجب مسرت ہے کہ میرا عزیز بھائی اس وقت ہندوستان کی سیاحت کر رہا ہے۔ مجھے فی الحقیقت رنج ہے کہ میں نے اس عظیم الشان ملک کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا۔ تاہم میرا ارادہ ہے کہ جب امن عالم ایک مرتبہ پھر بحال ہو جائے۔ تو صمیم قلب کے ساتھ اس ملک کی سیر کروں۔

ہندوستان کے باشندوں اور ریاستوں کے فرمانرواؤں میں نے اپنے برادر عزیز سے استدعا کی ہے کہ وہ میرا ذاتی پیغام جو تحریک و استغنا کا حامل ہے آپ تک پہنچا دیں۔

اس طویل اور تلخ جنگ نے لامحالہ ہماری ان توقعات کو پورا ہونے سے روک دیا ہے جو ہندوستان کی ترقی اور امن و حریت کی راہوں کے ساتھ ساتھ اس ملک کے گامزن ہونے کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ہم اس جنگ میں از خود شریک نہیں ہوئے۔ ہمارا مقصد لامحالہ صلح پسندانہ ہے اور اس مقصد کے سلسلہ میں ہماری اپیل کا جواب جس انداز میں ہندوستان نے دیا ہے۔ اس سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔ والیان ریاست نے وفاشعاری اور میرے تاج و تخت کے ساتھ عقیدتمندانہ وابستگی کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے آدمیوں، روپوں اور ذاتی خدمات کی پیشکش کے سلسلہ کو جاری رکھا ہے۔ سول نظم و نسق نے وائسرائے اور ان کے برطانی اور ہندوستانی مشیروں کے زیر قیادت زائد از بھاری بھرکم بوجھ کو پوری جرأت کے ساتھ اٹھایا ہے۔ جو افراد سامان جنگ اور ضروریات زندگی کی پیداوار کے اہم کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کا مستعدانہ تعاون میرے نائب العام اور ان کے مشیروں کو حاصل رہا ہے۔ انھوں نے سخت محنت اور جانفشانی سے کام کیا ہے۔ لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ وقت تنگ ہے۔ دشمن پھاٹک پر آپہنچا ہے۔ ہمارے راستہ میں کچھ رکاوٹیں بھی ہیں۔ جن پر خیرسگالی اور تعاون باہمی کے بغیر قابو نہیں پایا جا سکتا۔

ان الفاظ کو اپنا اصولی قول بنا لیجئے۔ خطرہ کے موجودہ وقت میں بھی اور امن کے آنے والے زمانہ میں بھی ہندوستانی سپاہیوں کے شاندار کارنامے مبالغہ سے پاک ہیں اور میرے پاس الفاظ نہیں کہ ان کی وفاداری کی ستائش کروں۔ ان لوگوں نے اپنے شہنشاہ اور اپنے ملک کی مخلصانہ خدمات انجام دی ہیں۔

ہندوستانی فوج نے اپنے قابل فخر کارناموں میں اور اضافہ کیا ہے اور متعدد میدان ہائے جنگ میں شجاعانہ کام کئے ہیں۔ ان کے مقابل کثیر التعداد دشمن تھے۔ لیکن ان معرکوں نے ان کے سپاہیانہ اوصاف اور جوہر مردانگی کو نمایاں کر دیا۔

میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوں کہ ہندوستانی بحری اور فضائی فوج کی طاقت اور سرعت بڑھتی جا رہی ہے۔ ان لوگوں سے جو اپنے تیغ بکف رفقا کے ساتھ غیر مصافی آبادی کی حفاظت کے لئے میدان عمل میں آئے ہیں اپنے کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خطرہ کے وقت یکساں استقلال و استقامت کا مظاہرہ کریں گے۔

یہ امر موجب فخر ہے کہ میں آپ کے شہنشاہ کی حیثیت سے ہندوستان کے کروڑوں مردوں اور عورتوں کی خدمت خلق کے بھائی چارہ میں شریک ہوں۔ آپ اپنے وطن کی حفاظت اور مقدس مقصد کے لئے بدوش بدوش کھڑے ہیں۔ آپ کا کام دشوار ہے۔ اگرچہ ہم آپ کو ہر امکانی امداد دے رہے ہیں تاہم جن خطرات سے آپ دوچار ہیں۔ وہ گوناگوں ہیں۔ یقین ہے کہ آپ ان خطرات کا مقابلہ اس عزم و ہمت سے کریں گے جو ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں رہی ہے۔

میں صمیم قلب سے دعا کرتا ہوں کہ آپ اس مشترک خطرہ میں ایسی رکاوٹ پر غالب آنے کی ہمت پیدا کریں جو بے اعتمادی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ اس پائدار خیرسگالی کی مستحکم بنیاد رکھیں گے جس پر ہندوستان کی قسمت کا مدار ہے۔

موجودہ محنت و مشقت اس روز بار آور ہوگی خدا کے فضل سے دشمن کو مشترک جد و جہد سے زیر کر لیا جائے گا۔ اور ایک منصفانہ اور پائدار امن کی برکات ہندوستان اور دوسری اقوام عالم کو نصیب ہوں گی۔"

شاہی پیام کے بعد شہزادہ نے فرمایا:-

میں اپنی طرف سے صرف یہ کہتا ہوں کہ عرصہ دراز سے ہندوستان آنے کا ارادہ کر رہا تھا میں اس کو خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ ایک ایسے وقت میں یہاں آیا ہندوستان ایک جلیل القدر اور بہادر فوج ہے یہاں آزادی کے مقصد اور تہذیب کے لاکھوں فدائی دوست اور حفاظت کرنے والے موجود ہیں۔ میں آپ کو خیرسگالی اور صلحمندی کا پیغام سناتا ہوں۔ اپنے دورہ کے اختتام پر سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد میں پھر تقریر کروں گا۔ بخیر! قسمت آپ کی یاور ہو۔"

ریاست بڑودہ کے دیہاتی کتب خانے

ریاست بڑودہ میں دیہاتی کتب خانوں کا قیام ایک بڑا کارنامہ ہے جس پر ریاست بجا طور پر فخر کرتی ہے۔ ریاست کی ایک سرکاری اطلاع سے معلوم ہوا کہ وہاں ۱۲۷۰ دیہاتی کتب خانے اور ۵۶ دارالمطالعے ہیں۔ سال بسال دارالمطالعہ ترقی کر کے پورے کتب خانوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ برطانوی ہند کے مختلف صوبوں کے دیہات میں اس کے برعکس شاید ہی کوئی کتب خانہ یا دارالمطالعہ موجود ہو۔

ریاست کی ہمت افزائی سے کتب خانوں کی تحریک کو بہت مدد ملی ہے لیکن خود باشندگان دیہات کو بھی پیش قدمی کرنی چاہئے۔ قاعدہ یہ ہے کہ کوئی گاؤں اس وقت تک کتب خانہ جاری نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ ۷۵ روپیہ کا چندہ خود جمع نہ کرے۔ اس رقم میں سے ۲۵ روپیہ خرید کتب اور ۵۰ روپیہ فرنیچر اور دوسرے ضروری اخراجات کے واسطے لئے جاتے ہیں۔ جونہی یہ روپیہ مل جاتا ہے حکومت بڑودہ ۲۵/ روپیہ کی کتابیں خرید کر دے دیتی ہے۔ اس کتب خانہ کے انتظام کے لئے زیادہ سے زیادہ بارہ اور کم سے کم چھ ممبروں کی ایک مقامی کمیٹی مقرر کر دی جاتی ہے۔ اس کمیٹی کا کام یہ ہے کہ وہ سالانہ بجٹ کے لئے دیہات کا حصہ رسدی روپیہ فراہم کرے بچوں کی پیدائش، انتقال اور شادیوں کے موقع پر یہ کمیٹی اہل خاندان کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ "لائبریری فنڈ" کے لئے عطیات دیں۔ یہ اپیل ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ اس قسم کی حاصل شدہ رقم سرکاری محکمہ کتب خانہ کو بھیج دی جاتی ہے۔ گورنمنٹ اور لوکل بورڈ اس قسم کی رقوم پر اپنے حصہ کی رقم اضافہ کرتا ہے جو بالعموم گاؤں کے چندہ سے دو چند کے بقدر ہوتی ہے۔ پرائیویٹ اور سرکاری کل رقم لائبریری کو آپریٹو سوسائٹی کے پاس بھیج دی جاتی ہے وہ کتابیں یا [illegible] گاؤں کی لائبریری کو

...ہے۔ ایک چھوٹا سا ... کر دیا جاتا ہے۔
... بہت سے ایسے پُرجوش اصحاب ... کے ہر گاؤں میں ایک لائبریری کھلنا ... ان کے لئے بزرگوں کی مثال مفید اور ... ثابت ہوگی۔

(از اسٹیٹسمین مورخہ ۲۳ جون ۱۹۳۲ء)

ہندوستان کی آبادی

گورنمنٹ کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ تازہ مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی آبادی یکم مارچ [illegible] کو [illegible] کروڑ ۰۸ لاکھ تھی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یکم مارچ ۱۹۲۱ء میں یعنی دس سال پیشتر ہندوستان کی آبادی ۳۳ کروڑ ۱۸ لاکھ تھی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کی آبادی میں مجموعی اضافہ ۱۰ فی صدی کے حساب سے ہوا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ برطانوی ہند کی آبادی ۱۰،۲ کے حساب سے اور دیسی ریاستوں کی آبادی ۱۲،۳ کے حساب سے بڑھی ہے۔ مختلف صوبجات کی آبادی کے اعداد ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

مدراس	۴۶۷۴۲۰۰..	بمبئی	۲۲۸۰۸...
بنگال	۵۰۳۱۴...	یوپی	۵۵۰۲۱..
پنجاب	۲۵۴۱۹...	سی پی برار	۱۶۸۳۲..
صوبۂ سرحد	۳۰۳۸...	آسام	۱۰۲۰۵..
اڑیسہ	۸۷۲۹...	سندھ	۴۵۳۷...

صوبۂ سرحد کی آبادی میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ بمبئی ۴۴ فی صدی۔ بنگال میں پڑھے لکھے اشخاص کی تعداد ۹۷۲۰۰۰۰ ۔ مدراس میں ۶۴۲ ... اس معاملہ میں بنگال اول نمبر پر ہے اور مدراس دوسرے نمبر پر۔

یورپ اور مشرقی ممالک

(... سلسلہ ۳ کا)

... اور قہوہ خانے وغیرہ کھل جاتے ... بازاروں میں پھیل جاتی ... چیزوں کے استعمال

شوق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ اپنی کمائی کا بڑا حصہ اس پر خرچ کر دیتے ہیں،

امرا پر خصوصیت کے ساتھ یہ مصیبت آتی ہے جو بے دریغ اپنا روپیہ اس سامان تعیش کی خریداری پر خرچ کرتے اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے بعد یہ نوبت آتی ہے کہ لوگوں کو اپنے قدیم طرز کے مکانوں میں رہنا بھی گوارا نہیں ہوتا اس لئے جدید وضع کی کوٹھیاں اور بنگلے تعمیر ہوتے ہیں جو راحت بخش فرنیچر سے آراستہ کئے جاتے ہیں، غرض مغربی تہذیب وبا کی طرح سارے میں پھیل جاتی ہے جس سے ادنیٰ و اعلیٰ کوئی بھی محفوظ نہیں رہتا، یہاں تک کہ مزدوری پیشہ طبقہ بھی باوجود تنگ دستی جدید مصنوعات سے متمتع ہونے کی کوشش کرتا ہے جو اگر اور کچھ نہیں کر سکتا تو سگرٹ نوشی ہی پر دو چار پیسہ روزانہ خرچ کر دیتا ہے۔

یہ ہے وہ مغربی تہذیب جس نے بہت سی مشرقی قوموں کے قدیم تمدن، نظام معاشرت اور قومی خصوصیات کو درہم و برہم کر دیا ہے، اور اسی تہذیب کی اشاعت کے لئے یورپ، ایشیائی ملکوں میں جاتا اور لوگوں پر یہ احسان رکھتا ہے کہ وہ انہیں مہذب بنا رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس تہذیب جدید سے مشرق کو فائدہ پہنچا یا نقصان؟ اس سوال کے حل کرنے کے لئے اگر مشرقی ممالک کی صرف ایک ہی صدی کی پچھلی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو حقیقت بخوبی واضح ہو جائے گی کہ مشرق نے صدیوں کی مسلسل جد و جہد اور قربانی کے بعد جو کچھ حاصل کیا تھا اس کا بیشتر حصہ پچھلی صدی میں ضائع کر دیا اور جدید تہذیب مشرقی قوموں کی دولت، حشمت، اور طاقت حکومت کو محفوظ نہ رکھ سکی۔

جو مشرقی قومیں خود مختار و آزاد تھیں یا تو ان کا مستقل وجود باقی نہیں رہا اور وہ دنیا کے نقشہ سے غائب ہو گئیں یا یورپ کے زیر اثر آ گئیں، نیز بہت سی حکومتیں جو نہایت وسیع رقبہ کی مالک تھیں سمٹ کر ایک ریاست کی شکل میں تبدیل ہو گئیں، یہ تو مادی نقصان ہوا،

دوسرا نقصان یہ ہے کہ مشرق کی قومی خصوصیات فنا ہو گئیں، اخلاقی حالت میں انقلاب ہو گیا، علوم قدیمہ کس مپرسی کی حالت میں پڑ گئے اور خود وہ تہذیب جو مشرق کے لئے مایۂ نازش تھی باقی نہیں رہی،

ان حالات سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ نے مشرقی ممالک کو نہ آزادی عطا کی، نہ انہیں مہذب و شائستہ بنایا، نہ ان کے مفاد کی حفاظت کی، بلکہ ایسے حالات میں مبتلا کر دیا کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن،

بے شبہ اب اکثر مشرقی قومیں ایک حد تک بیدار ہو گئی ہیں اس لئے ان پر یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہو گئی ہے کہ پچھلی صدی میں ان کی بہت سی متاع عزیز ضائع ہو گئی، یہاں تک کہ وہ آزادی بھی باقی نہیں رہی جو صدیوں سے انہیں حاصل تھی،

اس کے علاوہ اب مشرقی قومیں یہ بھی محسوس کر رہی ہیں کہ یورپ نے ان کے ساتھ مناسب سلوک نہیں کیا بلکہ ان کی کمزوری و ناواقفیت اور سستی سے فائدہ اٹھا کر اپنے لئے سب کچھ حاصل کر لیا اور مختلف موقعوں پر جو وعدے و معاہدے کئے تھے وہ پورے نہیں کئے، لیکن افسوس کہ مشرق کی یہ بیداری و احساس اب ایک حد تک بعد از وقت ہے، کیونکہ مشرقی قوموں میں اب یہ صلاحیت و قوت باقی نہیں ہے کہ وہ بلا روک ٹوک آگے بڑھ سکیں، البتہ اگر خود یورپ میں کوئی زبردست غیر معمولی انقلاب ہو جس کے آثار نظر آ رہے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ مشرق کی قسمت ایک دفعہ پلٹ جائے بشرطیکہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے اور یہ سمجھے کہ وقت کا مطالبہ کیا ہے۔

حیدرآباد میں ڈیوک آف گلوسٹر کی تشریف آوری اور شاہی دعوت

ہز رائل ہائینس ڈیوک آف گلوسٹر (برادر ملک معظم) جو ہندوستان میں وارد ہوئے تھے مخصوص مقامات کے دورہ کے بعد حیدرآباد بھی تشریف لے گئے، برطانوی ہند کے بعد حیدرآباد پہلی ریاست ہے جہاں شہزادہ موصوف تشریف لائے اور آپ کا پرجوش طریقہ سے استقبال کیا گیا۔ ہز رائل ہائینس کا قیام مشہور و معروف قصر فلک نما میں ہوا۔ جہاں آپ کے والد ملک معظم جارج پنجم نے بھی حیدرآباد میں تشریف آوری

کے موقع پر قیام فرمایا تھا۔

ڈیوک نے دونزہتی مرکزوں پر ریاست کی فوج کا معائنہ فرمایا اور سپاہیوں کو مختلف قسم کے اسلحہ سے تربیت حاصل کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے متاثر ہوئے۔

۲۔ جون ۱۹۴۲ء کو اعلیٰ حضرت نظام نے ڈیوک آف گلوسسٹر کے اعزاز میں ایک شاندار ڈنر دیا جس میں آنریبل ریذیڈنٹ اور ہز ہائینس شہزادہ معظم جاہ کے علاوہ صدر اعظم، نواب سالار جنگ بہادر، نواب کمال یار جنگ بہادر، نواب بہادر یار جنگ بہادر اور دوسرے امراء وارکان حکومت شریک تھے۔ ڈیوک آف گلوسسٹر کے ارکان اسٹاف بھی مدعو تھے۔ کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت نے ملک معظم اور ڈیوک کا جام صحت تجویز فرمایا۔

اس تقریب سے فراغت کے بعد مہمان "ہال" میں جمع ہوئے جہاں صدر اعظم بہادر نے امرائے عظام اور ارکان کونسل کو شہزادہ کے سامنے پیش کیا۔ اس موقع پر جنگ کی وجہ سے یونیفارم کی شرط نہیں رکھی گئی تھی چنانچہ ڈیوک آف گلوسسٹر اور ان کے اسٹاف کے لوگ "خاکی" لباس میں تشریف لائے تھے دوسرے مہمان شارٹ کوٹ یا درباری لباس یعنی سیاہ شیروانی، دستار اور بکلوس وغیرہ میں تھے۔

حیدرآباد سے رخصت ہونے کے بعد مدراس سے ڈیوک آف گلوسسٹر نے اعلیٰ حضرت کو حسب ذیل پیام بھیجا۔

"ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد میں میری آمد ہندوستانی ریاستوں میں پہلی تھی اگرچہ میرا قیام بہت ہی مختصر رہا۔ تاریخ عالم کے اس انتشاری دور میں اس آمد کو میں خوش نصیبی سمجھتا ہوں یہ ایک ایسا دور انتشار ہے جبکہ دنیا کی تاریخ فیصلہ کن جنگ کی ترازو میں تل رہی ہے اور ایسی جنگ کبھی نہیں لڑی گئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہمارے جہاز پرسکون سمندروں میں رواں ہوتے، بلکہ یہ وقت طوفانی امواج کا ہے یہاں حیدرآباد میں موجودہ انتشاری دور پر غلبہ پانے کا احساس اور کامل اعتماد نیز دوستوں اور متحدہ قومیت کے ساتھ پورا خلوص اور وفاداری کے جذبات مجھے نظر آئے۔

ہندوستانی والیان ملک اور ان کی ریاستوں کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ اس جنگ کے چھڑنے کے ساتھ بلکہ اس سے بہت ہی پہلے والیان ریاست نے اپنی فوجیں، دوسرا سامان اور زرنقد امدادیں، اور ریاست کے تمام ذرائع ملک معظم کی خدمت میں پیش کر دیئے، یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو ہتھیار بند سپاہیوں کے دلوں کو گرماتا اور آخر کار ہم دشمنوں کو غلبہ دلائے گا۔

ہز اگزالٹڈ ہائینس اور ریاست حیدرآباد نے ہندوستانی مساعی اور مقاصد جنگ میں جو فیاضانہ حصہ لیا وہ حد درجہ شاندار ہے، حیدرآبادی افواج کی بے نظیر خصوصیات میں نے دیکھی ہیں جن میں سے اکثر ریاست سے باہر خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان میں اکثر ایسے بھی ہیں جن کو بہادری کے شاندار انعامات ملے۔

شاہی بحریہ اور شاہی ہندی بحریہ کے پاس وہ جہاز موجود ہیں جو حیدرآباد کے نام سے موسوم ہیں یہ ان وسیع ذرائع میں سے صرف چند کا ذکر ہے جو ریاست نے فتح کے یقین کے طور پر پیش کئے اور اس سے ایک بار پھر واضح ہو رہا ہے کہ وہ قابل فخر لقب "یار وفادار" ہز اگزالٹڈ ہائینس جس کے حامل ہیں واقعتہً ہز اگزالٹڈ ہائینس کو زیب دیتا ہے"

طبروق اور نہر سویز کی اہمیت

"طبروق" جو ایک طویل زمانہ سے دشمن کا زبردست مقابلہ کر رہا تھا ناسازگار حالات پیش آنے پر حریف کے قبضہ میں چلا گیا، طبروق، شمالی افریقہ کے ساحل پر ایک قدرتی بندرگاہ ہے۔ جو نہایت مفید و کارآمد ہے۔ یہ افریقہ کے ساحل پر اس مقام پر واقع ہے جو مغرب سے مشرق کی طرف مڑتا ہے، یہ بندرگاہ سمندر کی سطح سے ۱۲۹ فٹ بلند اور ہر طرف سے محفوظ ہے، وسط میں اس کا عمق ۴۳ فٹ ہے، ساحل سے ایک ہزار گز تک اس کی گہرائی ۳۰ فٹ ہے ۱۹۱۱ء کی جنگ طرابلس میں اٹلی نے پہلے اسی شہر پر قبضہ کیا تھا۔

طبروق وغیرہ کے مفتوح ہو جانے کے بعد یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دشمن نہر سویز پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ نہر سویز کو بڑا امتیاز حاصل ہے، اور وہ ہندوستان و انگلستان کے درمیان آمد و رفت کا محفوظ ترین راستہ ہے تجارتی نقطۂ نظر سے بھی یہ نہر خاص اہمیت رکھتی ہے۔

اس نہر کے ذریعہ سے ہر سال ساری دنیا کا ساٹھ فی صدی ٹین، اسی فی صدی ریشم، اسی فی صدی اون، پندرہ فی صدی مختلف مصالحہ جات اور چھیالیس فی صدی یورپ کی مصنوعات گزرتی تھیں، اس نہر سے ۱۳½ کروڑ روپیہ کی سالانہ آمدنی ہوتی ہے جس میں ۴½ کروڑ روپیہ انتظام کے سلسلہ میں خرچ ہو جاتا ہے باقی ۹ کروڑ روپیہ خالص آمدنی ہے جو حصہ داروں کے درمیان تقسیم ہو جاتی ہے چونکہ نہر سویز ہندوستان اور انگلستان کے درمیان سامان تجارت اور مسافروں کی آمد و رفت کا ذریعہ ہے اس لئے برطانیہ نے ہمیشہ اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے، ہمیں یقین ہے کہ اگر دشمن نے نہر سویز پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس کا سخت مقابلہ کیا جائے گا۔

مصر ایک اسلامی حکومت ہے اور تاریخی حیثیت سے اس کو غیر معمولی عظمت حاصل ہے اور آج بھی وہ اسلامی علوم و فنون کا ایک بڑا مرکز ہے جہاں مسلمانوں کی قدیم ترین یونیورسٹی جامع ازہر واقع ہے، غرض مصر کو مسلمانوں سے ایک گہرا تعلق ہے، ایسی حالت میں کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ دشمن مصر پر قبضہ کر کے اس کی آزادی اور اسلامی روح کا خاتمہ کر دے۔

"اٹلی" جو مسلمانوں کا بدترین دشمن اور جرمنی کا حلیف ہے ایک زمانہ دراز سے مصر کو حریصانہ نظروں سے دیکھ رہا ہے، اور آہستہ آہستہ افریقہ میں قدم جماتا جاتا ہے، لیکن اٹلی کی اسلام دشمنی کا حال چونکہ سارے اسلامی ممالک کو معلوم ہے اور عرب و افریقہ میں اس کی ریشہ دوانیاں اب عام طور پر ظاہر ہو چکی ہیں اس لئے ہمیں امید ہے کہ مصر، عراق، عرب اور شام کے مسلمان اٹلی کو ناکامیاب بنانے کے لئے ہر ممکن تدبیر سے کام لیں گے۔ طرابلس کی جنگ میں اٹلی نے جس شقاوت و بیدردی سے مسلمانوں کا خون بہایا تھا [illegible] انہیں برباد کیا ہے وہ مسلمانوں کو اب تک یاد ہے۔ وقت آگیا ہے کہ اٹلی سے [illegible]

علی گڑھ میں احتیاطی احکام

[illegible] رول ۱۵ (ب) ڈیفنس آف انڈیا رولس حسب ذیل احکامات ہوائی حملوں کی وجہ سے [illegible] آگ پر قابو پانے کے لئے جاری کئے [illegible] ہیں۔

۱۔ اُن مالکان کنوؤں کو جن کے کنوئیں اندر حدود میونسپل بورڈ علی گڑھ وہاتھرس واقع ہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ فوراً اپنے کنوؤں کی مرمت وصفائی کرائیں اور صفائی کے بعد پانی میں لال دوا ڈلوائیں اور ہر کنوئیں پر ایک مضبوط گرّی لگوائیں اور ایک رسّی اور دو بالٹیاں کنوئیں پر موجود رکھیں تاکہ پانی ہر وقت آسانی مہیا ہو سکے۔

۲۔ اُن مکانات میں جو اندر حدود میونسپل بورڈ علی گڑھ وہاتھرس واقع ہیں اور جن میں پانی کا ایک ایک نل لگا ہوا ہے ان کے رہنے والے یا اگر مکانات خالی ہیں تو مالکان ہر مکان میں دس گیلن پانی اور دو کیوبک فیٹ ریت ہر وقت موجود رکھیں۔

۳۔ اُن مکانات میں جو اندر حدود میونسپل بورڈ علی گڑھ وہاتھرس واقع ہیں اور جن میں پانی کے دو دو نل لگے ہوئے ہیں اُن کے رہنے والے یا اگر مکانات خالی ہوں تو مالکان ہر مکان میں کم از کم پچیس گیلن پانی اور تین کیوبک فیٹ ریت ہر وقت موجود رکھیں۔

۴۔ جو مکانات اندر حدود میونسپل بورڈ علی گڑھ وہاتھرس واقع ہیں اور جن میں دو سے زائد نل لگے ہوئے ہیں اُن کے رہنے والے یا اگر مکانات خالی ہوں تو ان کے مالکان ہر مکان میں پچاس گیلن پانی اور چھ کیوبک فیٹ ریت ہر وقت موجود رکھیں۔

۵۔ وہ مکانات جو اندر حدود میونسپل بورڈ علی گڑھ وہاتھرس واقع ہیں اور جن میں کوئی نل نہیں ہے اُن کے رہنے والے یا اگر مکانات خالی ہوں تو مالکان کم از کم دو گیلن پانی بالٹی میں یا [illegible] کسی موزوں چیز میں اور کم از کم ایک کیوبک [illegible] کسی موزوں چیز میں ہر وقت موجود رکھیں۔

[illegible] چار گیلن مٹی کے تیل کے کنستر میں [illegible] ریت آتا ہے۔

[illegible] پانی کا وزن پانچ سیر پانی کے برابر ہوتا ہے۔

۶۔ وہ مکانات جو اندر حدود میونسپل بورڈ علی گڑھ وہاتھرس واقع ہیں اور جن کا فاصلہ کسی پبلک کنوئیں سے پچیس فیت یا پچیس فیٹ کے اندر ہے ان کے رہنے والے یا اگر وہ خالی ہوں تو مالکان اپنے اپنے مکانات پر ایک ایک رسّی اور ایک ایک بالٹی موجود رکھیں تاکہ پانی ہر وقت بآسانی مہیا کیا جا سکے۔

ان احکامات کی تعمیل پہلی جولائی ۱۹۴۲ء تک ہونا ضروری ہے اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو اس رول کے تحت میں چھ ماہ تک کی سزا یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

(دستخط) ایس اے۔ ٹی نقوی او۔ بی۔ ای

آئی سی۔ ایس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ علی گڑھ

ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک اور کوشش

ہمیں مسرت ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے متعلق ملک میں احساس موجود ہے اور اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہتا ہے، چنانچہ کلکتہ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ ۲۰ جون گزشتہ کو ایک "آل انڈیا ہندو مسلم اتحاد کانفرنس" زیر صدارت نواب صاحب مرشد آباد منعقد ہوئی جس میں جناب صدر نے یہ فرمایا کہ ہندوستان کے ہر شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ جذبۂ حب الوطنی کے زیر اثر ہندوؤں اور مسلمانوں میں برادرانہ رواداری پیدا کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ ہندوستان کی آزادی سے یکساں طور پر مستفید ہو سکیں،

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے نواب صاحب نے یہ بھی فرمایا "ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت اور اس کی اہمیت اس نازک وقت سے زیادہ اور کسی وقت محسوس نہیں کی جا سکتی، ہندوستان کی منتشر اور بے ترتیب فضا میں ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ اس وقت بلند ہوا جب ہم اس کا جواب اچھی طرح سمجھنے سے قاصر تھے اس سلسلہ میں ہمارا ماضی کا تجربہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو ہمیں ناامید نہ ہونا چاہئے اور ہمیشہ یقین رکھنا چاہئے کہ یہ رے اور یہ تماشئون در اصل ایک روشن مستقبل کے شاہد ہے میں وقت آگیا ہے کہ ہم بغیر کسی جھجک کے اپنے ملک کے فائدہ کیلئے پُر خلوص غور و فکر کے شریف [illegible] فائدہ اٹھائیں

علمی تحائف

مضامین محمد علی | مولانا محمد علی مرحوم مغفور کے مضامین کا مجموعہ جو ان کے ہر قسم کے خیالات کا مرقع اور ہندوستان کے سب سے زیادہ ہنگامہ خیز دور کی تاریخ ہیں۔ قیمت مجلد ۔ ع

جوہر اقبال | ڈاکٹر اقبال مرحوم مغفور کے خیالات اور شاعری پر مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر سید عابد حسین، خواجہ غلام السیدین وغیرہ کے مضامین۔ قیمت مجلد عہ

محاسن کلام غالب | غالب کی شاعری پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم مغفور کا نہایت معرکۃ الآرا مضمون۔ قیمت مجلد ۔ ۔ عہ

مضامین رشید | جناب رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کے اٹھارہ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ۔ قیمت مجلد ع

خنداں | یہ جناب صدیقی صاحب کی ان مزاحیہ تقریروں کا مجموعہ ہے جو موصوف نے وقتاً فوقتاً دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر کیں۔ قیمت مجلد ع

یادگار نصیر | محمد نصیر الدین صاحب علوی ایم اے ایل ایل بی منصف مرحوم کے منتخب کلام کا مجموعہ جو غزلیات، قصائد سلام اور رباعیات پر مشتمل ہے کچھ غزلیات فارسی زبان میں بھی ہیں۔ کلام دلپذیر اور موثر ہے۔ قیمت ۔ ۔ عہ

ہماری شاعری | سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا اردو شاعری پر ایک مضمون۔ قیمت مجلد ۔ ۔ عا

بقائے دوام | موت وحیات وروح وحیات بعد الموت کے متعلق نہایت عجیب و پُر اسرار مقالا۔ قیمت عہ

الانہار | حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری پر نہایت مبسوط و سیر حاصل تبصرہ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی۔ قیمت ۔ ۔ ۔ عہ

المبین | اس کتاب میں عربی زبان کے فضائل اور اس کے بے نظیر خصائص بتا کر جملہ السنۂ عالم کے مقابلہ میں اس کی ناقابل انکار فوقیت و قدامت ثابت کی ہے۔ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم۔ قیمت عا

ملنے کا پتہ۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

([illegible] مختار محمد مصطفیٰ خاں شروانی پبلشر و پرنٹر شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا اور وہیں سے شائع ہوا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۴۲ء

مغربی تعلیم کے مختلف اثرات

یہ مسئلہ اب تک زیر بحث ہے کہ "جدید تعلیم" ...ے کے لئے کس حد تک مفید یا مضر ہے؟ اور کم و... ۵۰ سال کی تعلیمی جد و جہد کے بعد جو نتائج ...تعلیم کے ظاہر ہوئے اُن سے ملک کو کس قدر ...ہ یا نقصان پہنچا؟ حقیقت یہ ہے کہ کوئی طریقہ ... یا نظامِ تعلیم ایسا نہیں ہو سکتا جو ہر لحاظ سے ...ل اور ہر شخص کے لئے یکساں طور پر مفید ہو اور ...ں میں کسی اصلاح و ترقی کی گنجائش نہ ہو' اسی طرح ... نظامِ تعلیم ایسا بھی نہیں ہو سکتا جو یکسر غیر مفید ... بے سود ہو'

یہ افسوس کی بات ہے کہ "جدید تعلیم" کے مفید ...مضر ہونے کے بارہ میں اکثر لوگ انتہا پسند واقع ...ئے ہیں' یعنی ایک خاص جماعت قدامت پسند ...ہی ہے تو اب تک جدید تعلیم سے بیزار ہے اور ...سی پہلو سے بھی مفید نہیں سمجھتی' اس کے مقابلہ ...ایک دوسری جماعت ہے جو اس تعلیم کو ہر لحاظ ...ملک کے لئے مفید اور ہر عیب و نقص سے پاک ...سمجھتی ہے۔ اس انتہا پسندی نے ایسی صورت پیدا ...دی ہے کہ اس کے لئے صحیح رائے قائم کرنا مشکل ...ہے۔ لیکن یہ غنیمت ہے کہ ملک میں کچھ ایسے متفکر ...بھی موجود ہیں جنھوں نے جدید تعلیم اور ...اس نظام کے نتائج پر غور و فکر کرنے کے بعد اس کے محاسن و نقائص معلوم کر لئے ہیں' اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ان نقائص کی اصلاح کے بعد مروّجہ تعلیم کو زیادہ مفید و کارآمد بنایا جائے'

جدید تعلیم کا ابتدائی دور

واقعہ یہ ہے کہ کوئی نظامِ تعلیم' بھی اتنا مکمل نہیں ہو سکتا جو ہمیشہ کے لئے مفید و کار آمد ہو بلکہ حالات و ضروریات کے بدل جانے سے مختلف قسم کی تبدیلیاں ناگزیر ہو جاتی ہیں' مثلاً "جدید تعلیم" کے ابتدائی دور میں کسب معاش کے لحاظ سے یہ تعلیم ناکامیاب نہیں تھی کیونکہ جدید حکومت کو اپنے دفتروں اور محکموں کا کاروبار چلانے کے لئے مختلف قابلیتوں کے کلرک اور اہلکار درکار تھے اس لئے جو لوگ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھ پڑھ کر نکلتے تھے سرکاری دفتروں اور محکموں میں ان کی کھپت ہو جاتی تھی بلکہ زیادہ تر اسی خیال سے لوگوں کا رجحان انگریزی تعلیم کی طرف بڑھتا جاتا تھا لہٰذا اُس وقت یہ سوال لوگوں کے سامنے نہیں تھا کہ جو لوگ انگریزی پڑھیں گے وہ اپنی روزی کس طرح کمائیں گے۔

مشکلات کا آغاز

اس دور کے بعد جب تعلیم زیادہ پھیلی اور پڑھنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی اور سرکاری دفتروں میں اُن کے لئے گنجائش نہیں رہی تو ان بیروزگار نوجوانوں کی کس مپرسی کی وجہ سے سارے ملک میں ایک قسم کی بے اطمینانی اور اضطراب پھیل گیا' اور اب اس خطرناک بیروزگاری کے دور کرنے کا سوال ہمارے سامنے آیا' یہاں تک کہ خود حکومت بھی اس معاملہ کی اہمیت محسوس کرنے لگی' چنانچہ اب یہ مسئلہ مدت سے زیر بحث ہے کہ موجودہ تعلیم میں ایسی کون سی اصلاح و تبدیلی کی جائے کہ وہ بیروزگار نوجوانوں کی معاشی مشکلات کو حل کر سکے کیونکہ "روٹی" کا سوال کوئی معمولی سوال نہیں ہے' اور جب عمر عزیز کا ایک کافی حصہ' اور دماغی طاقت اور روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی ایک تعلیم یافتہ نوجوان کسب معاش سے محروم رہتا ہے تو اُس کا اضطراب بالکل ایک قدرتی بات ہے' اور ایسی حالت میں یہ مطالبہ کہ مروّجہ تعلیم میں کافی اصلاح و تبدیلی کر کے اُسے معاشی حیثیت سے مفید و سود مند بنایا جائے بالکل بجا و برمحل ہے۔

"مروّجہ تعلیم" کا یہ پہلو محض مثالاً پیش کیا گیا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ موجودہ نظامِ تعلیم نہ ہر لحاظ سے مکمل ہے اور نہ ہر حیثیت سے ناقص' اگر اس میں کچھ نقائص ہیں تو کچھ خوبیاں بھی ہیں' لہٰذا ہمارا فرض یہ ہونا چاہئے کہ ان نقائص کی اصلاح کے لئے زبردست جد و جہد کریں' اور جو خوبیاں ہیں ان کے حاصل کرنے کے لئے کم از کم اتنی کوشش ضرور کریں جتنی ہندوستان کی دوسری قوموں نے کی ہے۔

جدید تعلیم کا ایک مفید پہلو

اس موقع پر مروّجہ تعلیم کے سارے محاسن یا نقائص پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں' یہ کام اُن ماہرینِ تعلیم کا ہے جو موجودہ تعلیم کا کافی عملی تجربہ رکھتے ہیں اور جن کی نظر سارے جزئیات پر ہے' اس لئے ہم یہاں مروّجہ تعلیم کے صرف ایک پہلو پر مسلمانوں کو توجہ دلاتے ہیں کیونکہ زمانہ جس تیز رفتاری سے چل رہا ہے اور ملکی حالات میں عنقریب جن تبدیلیوں کا امکان ہے' اُس کے پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ مسلمان ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

"جدید تعلیم" کا جو مفید پہلو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے ملک کی مختلف قوموں میں کم و بیش اپنی موجودہ حالت کا احساس و بیداری پیدا کر دی' چونکہ جدید تعلیم پر سب سے پہلے برادرانِ وطن نے توجہ کی تھی اس لئے سب سے پہلے اُن میں اپنی کمزوری و درماندگی کا احساس پیدا ہوا' اور اس احساس کے ساتھ ہی انھوں نے طاقت حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی'

اس موقع پر یہ بحث غیر متعلق ہے کہ مسلمانوں نے جدید تعلیم پر تاخیر کے ساتھ کیوں توجہ کی' اس کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں بہرصورت یہ ایک واقعہ ہے کہ مسلمان اچھی خاصی تاخیر کے بعد مروّجہ تعلیم پر متوجہ ہوئے' اس لئے اُن میں تھوڑی یا بہت جو بیداری پیدا ہوئی' وہ اس وقت جب برادرانِ وطن ان سے بہت آگے بڑھ چکے' اور انھوں نے مزید اختیارات و اقتدار حاصل کرنے کے لئے حکومت سے آئینی جنگ شروع کر دی تھی۔

جدید تعلیم کا اثر ہندو مسلمانوں پر

ہندوستان میں جو "جدید تعلیم" رائج کی گئی' وہ ہندو مسلمان دونوں کے لئے یکساں تھی جو "نصابِ تعلیم" ہندوؤں کے لئے تھا وہی مسلمانوں کے لئے' تعلیم گاہوں کا ماحول بھی دونوں فرقوں کے لئے یکساں تھا' لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ اس تعلیم کے جو نتائج ظاہر ہوئے وہ یکساں نہ تھے' یہ صحیح ہے کہ دونوں قومیں اس تعلیم سے متاثر ہوئیں' مگر یہ اثر مختلف تھا برادرانِ وطن میں اس

تعلیم نے جذبۂ وطن پروری اور قومی عصبیت پیدا کی اور مسلمانوں میں شوقِ تقلیدِ مغرب پرستی،

ہر قوم کا لٹریچر اس کے جذبات کا مرقع ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر قوم کا لٹریچر ایک ایسا "مرقع" ہے جس میں ہم اس قوم کے خیالات و جذبات اور عادات و اطوار کی چلتی پھرتی صورتیں دیکھ سکتے ہیں، انگریزی لٹریچر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، انگریز چونکہ ایک آزاد قوم ہیں اور ان کی وطن پرستی ضرب المثل ہے اس لئے ان کے لٹریچر میں آزادی و حب وطن کی روح صاف طور پر جھلکتی نظر آتی ہے۔ اور انگریز قوم نے وطن کے لئے جو قربانیاں کی ہیں اس کی ہزاروں داستانیں اور ولولہ انگیز قصے اس لٹریچر میں موجود ہیں، جو ان کے بچوں اور نوجوانوں کے دلوں میں جوش و حرکت پیدا کرتے ہیں۔

دنیا میں دو چیزیں ایسی ہیں جو کسی قوم میں سب سے زیادہ عزم و حوصلہ یا جذبۂ قربانی پیدا کرتی ہیں، ایک **مذہب** دوسرا **وطن**، تاریخ کی ہزاروں شہادتیں موجود ہیں کہ مذہب کے لئے انسان نے جو قربانیاں کی ہیں وہ بے مثال ہیں، اور مذہب کے نام پر جائز و ناجائز طریقہ سے جو خونریزی کی ہے وہ نہایت حیرت انگیز ہے، یہ مذہبی جذبہ اس قدر بے پناہ ہے کہ جب کبھی وہ مشتعل ہو جاتا ہے تو انسان ہر قربانی پر آمادہ بلکہ ہر غیر خردمندانہ اور وحشیانہ حرکت کے لئے تیار ہو جاتا ہے، جس کی ہزاروں مثالیں دنیا کی تاریخ میں موجود ہیں۔

دوسرا جذبہ "حب وطن" کا ہے، وطن کی محبت و حفاظت کی خاطر انسان نے جو قربانیاں کیں وہ نہایت عجیب و حیرت انگیز ہیں۔ جب کبھی کسی قوم میں یہ جذبہ برانگیختہ ہو جاتا ہے تو کوئی قوت اس کو دبا نہیں سکتی۔ بعض قوموں کو اپنے وطن سے غیر معمولی محبت ہوتی ہے اس لئے یہ جذبہ ان میں زیادہ قوی و تیز ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے وطن کے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتیں اور بے دریغ ہر انتقام کے لئے تیار ہو جاتی ہیں، غرض وطن کے نام پر بھی دنیا میں زبردست خونریزی ہو چکی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے۔

مذہب کے بعد وطن پرستی کا جذبہ۔ یورپ میں ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے جب مذہب کا اچھا خاصہ زور تھا، مشہور صلیبی لڑائیاں جو مدت تک جاری رہیں اور جن میں تقریباً سارا یورپ شریک تھا اسی جذبہ کا نتیجہ تھیں، چنانچہ بڑے بڑے مسیحی پیشوا اور امراء و فرمانروا عوام کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کر کے انہیں جنگ کے شعلوں میں جھونک رہے تھے، لیکن کچھ مدت بعد یہ مذہبی جنون کم ہو گیا، اور یورپ نے محسوس کیا کہ مسلمان جیسی قوم سے جو مذہب کے لئے ہر قسم کی قربانی کر سکتی ہے مذہب کے نام پر جنگ کرنا ٹھیک نہیں ہے اس لئے اس نے اپنا طریقۂ کار بدل دیا، اور مقابلہ کی ایسی تدبیریں اختیار کیں جو نتائج کے لحاظ سے **صلیبی جنگ** سے بھی زیادہ خطرناک تھیں۔

مذہبی جذبات کے افسردہ ہو جانے کے بعد وطن پرستی کا دور شروع ہوا جو اب تک جاری ہے اب یورپ مذہب کے نام پر کوئی ہنگامہ آرائی نہیں کرتا، بلکہ جو کچھ کرتا ہے وطن کے نام پر کرتا ہے، یورپ کی ایک عام ذہنیت تو یہ ہے کہ وہ اپنے مقابلہ میں ساری مشرقی قوموں کو حقیر سمجھتا ہے اور ان کے ساتھ کبھی مساویانہ سلوک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا گو مشرقی قوموں کے مقابلہ میں سارے یورپ کی ذہنیت و طریقۂ کار یکساں ہے۔ لیکن اس کے بعد خود یورپ کی مختلف قوموں کے اہم جذبۂ وطن پرستی کار فرما ہے۔ اور ایک قوم دوسری قوم کو محض اختلاف وطن کی وجہ سے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی۔

جرمنی، فرانس، روس اور انگلستان وغیرہ سب میں جذبۂ وطنیت کار فرما ہے، چنانچہ آج جو جنگ جاری ہے اس میں یہ جذبہ پورے طور پر اپنا کام کر رہا ہے اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ موجودہ جنگ محض حکومتوں یا فوجوں کی جنگ نہیں بلکہ قوموں کی جنگ ہے یعنی ایک قوم دوسری قوم سے اپنے وطن کی حفاظت اور اپنی قومی عزت برقرار رکھنے کے لئے جنگ کر رہی ہے اسی جذبہ کا اثر ہے کہ جنگجو قوموں میں ہر قوم کے عوام و خواص، تاجر و کاریگر، اخبار نویس، پیر و فقیر غرض ہر طبقہ کے لوگ پورے جوش سے اپنی اپنی حکومت کو جنگ میں امداد دے رہے ہیں خصوصاً انگریزی قوم میں یہ جذبۂ وطن پرستی اس قدر عام ہے کہ قوم کا بچہ بچہ حفاظت وطن کے لئے ہر قربانی پر تیار نظر آتا ہے، یہ جذبۂ وطن پرستی انگریزی قوم میں آج نہیں پیدا ہوا بلکہ اب اس پر صدیاں گزر چکی ہیں اور یہی چیز اس قوم کی حیرت انگیز ترقی کا راز ہے۔

ہماری وطن پرستی کی نوعیت کہ ہم لوگ بھی حب وطن کے مدعی ہیں لیکن اس آخری دور میں جو ابھی گزرا ہے ہماری "مشرقی ذہنیت" محبت وطن کے متعلق یہ تھی کہ انسان ساری دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنے وطن میں بیٹھ جائے اور کسی حالت میں بھی حدودِ وطن سے باہر جانے کا ارادہ نہ کرے، چنانچہ دہلی، لکھنؤ کے بہت سے شعراء و فضلاء کے یہ قصے مشہور ہیں کہ انہیں وطن میں فاقہ کشی تک کی نوبت آ گئی اور باہر ان کے کمال کی قدر ہو سکتی تھی لیکن انہیں اپنے وطن کے در و دیوار اور کوچہ و بازار سے اس قدر محبت تھی کہ ہر تکلیف برداشت کی لیکن وطن سے باہر جانا گوارا نہیں کیا، اور اگر کبھی حوادث روزگار نے انہیں کہیں وطن سے دور پھینک دیا تو ہمیشہ وطن کی یاد میں گریہ و زاری کرتے اور سرد آہیں بھرتے رہے اور ان میں سے جو شاعر تھے انہوں نے پردیس کے ماحول سے متاثر ہو کر اشعار کے ذریعہ سے "حب وطن" کا اظہار کیا، لیکن ان کے کلام سے وطن کے متعلق کسی جذبۂ خدمت یا بلند نصب العین کا پتہ نہیں چلتا۔ بس جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ وطن میں بچپن و نوجوانی کا جو زمانہ گزرا ہے وہ یاد آتا ہے اور وہ گلیاں جن میں کھیلتے کودتے تھے یاد آتی ہیں، گویا یہی یادِ حسرت ان کی منتہائے نظر تھی، ان کے کلام سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ وطن کے لئے ایثار و قربانی کا بھی کوئی جذبہ اپنے دل میں رکھتے تھے یا نہیں؟

لکھنؤ کے مشہور شاعر ناسخ کا یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کے ایک شاگرد نے افلاس و تنگدستی سے مجبور ہو کر تلاش روزگار میں لکھنؤ سے باہر جانے کا قصد کیا اور رخصت ہونے کے لئے استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ میاں جہاں جاتے ہو وہاں کے خدا کو ہمارا سلام کہنا، شاگرد نے حیرت سے کہا حضرت کیا وہاں کوئی دوسرا خدا ہے؟ فرمایا اگر دوسرا نہیں ہے تو وہاں کیوں جاتے ہو، اگر دونوں جگہ ایک ہی خدا ہے تو جس طرح وہ پردیس میں دے سکتا ہے یہاں بھی دے سکتا ہے، شاگرد نے بھی آخر اسی ماحول میں تربیت پائی تھی، استاد کا فقرہ کام کر گیا، کمر کھول دی اور سفر ملتوی کر دیا۔

اس چھوٹے سے واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وطن کی محبت کے متعلق ہماری ذہنیت عام طور پر اس قسم کے فقرے [illegible]

کچھ نہیں کہ تیسرا فریق امپایر بن کر وہ کئے بغیر بھی حقیقی اتحاد کے پیدا ہونے کا موقعہ نہیں دیتا۔" یہ خیال عام فہم ہے اور کسی حد تک صحیح بھی ہے مگر ایسی صورتیں بھی ہوتی ہیں جب کہ خاص طور پر تیسرے فریق کا وجود بھی ——— جو مشترک مخالف ہوتا ہے ——— دو متقابل جماعتوں کو متحد کر دیتا ہے۔ یہی صورت ہندوستان میں کیوں پیش آئے؟ اور یہ حال اگر گاندھی جی کی تشخیص کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا علاج کیا ہے؟ خود گاندھی جی کے الفاظ میں وہ علاج یہ ہے کہ

"[illegible] جیسے ہوں کہ ہندوستان میں برطانوی [illegible] کے ختم ہوتے ہی فوراً دونوں فریق متحد ہو جائیں گے اگر کانگریس اور لیگ کی منزل مقصود آزادی ہے تو بغیر آپس میں شرائط طے کرنے کے سب مل کر اپنی زنجیروں سے آزاد ہونے کی کوشش کریں گے تب یہ زنجیریں ٹوٹ جائیں گی تو یہ صرف [illegible] دو [illegible] لئے بلکہ تمام جماعتوں کے لئے یہ عمل مفید [illegible] ہے کہ مجتمع ہو جائیں اور اپنی آزادی کو پوری طرح استعمال کریں اور ہندوستان کے مزاج کے مطابق ایک قومی حکومت وضع کریں۔"

ان الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] کو پہلے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اتحاد خود بخود آزادی کے بعد پیدا ہو جائے گا۔ مگر [illegible] یہ ہے کہ اس تجویز میں موجودہ صورت حال کے [illegible] کو نظر انداز کر دیا گیا ہے [illegible] کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت میں جس کی تعداد بڑھتی جاتی ہے یہ خوف پیدا ہو گیا ہے کہ جس وقت بھی آزادی حاصل ہو گی تو [illegible] اکثریت کی غلامی میں مبتلا کر لئے جائیں گے۔ یہ خوف بجا ہو یا بے جا ہو مگر اس کو نظر انداز کرنا کوئی عقلمندی ہے یا علاج [illegible] کا یہی [illegible] ہے کہ [illegible] سب سے پہلے [illegible] کے گلے میں گھنٹی ڈال دی جائے۔ [illegible] نہیں ہوتا کہ آزادی کے گلے میں کس طرح گھنٹی ڈالی

جا سکے گی یعنی ہم کس طرح ایک طاقتور فریق کے مقابلہ میں آپس کا اتحاد قائم کئے بغیر آزادی حاصل کر سکیں گے۔ گاندھی جی نے خود بھی زمانہ گزشتہ میں اکثر یہی کہا ہے کہ فرقہ وارانہ اتحاد کے بغیر سوراج ممکن نہیں۔ البتہ اتحاد اگر ہو گا تو وہ سوراج کے لئے ہماری جد و جہد کو بہت آسان بنا دے گا" خواہ اس کا سبب زیادہ تر ہماری تعداد کی زیادتی ہی ہو۔ اس لئے ہم راجگوپال اچاری جیسے لیڈروں کے ہم خیال ہیں کہ "کوئی چیز اس سے زیادہ ضروری اور حقیقی نہیں ہے کہ کانگریس اور لیگ کے درمیان معاملہ فوراً طے ہو جائے"

کانگریس نے پاکستان کی تجویز کو مسترد کس طرح سے کر دیا ہے مگر ایک منفی نقطۂ نظر کافی نہیں اور یقیناً اس سے موجودہ صورت حال میں کوئی مدد نہیں مل سکتی جبکہ ہندوستان کی [illegible] ناقابل دفاع [illegible] سے برطانیہ کے ہاتھوں سے اقتدارات کو چھین لینے کا ایک ایسا موقعہ آ گیا ہے جو صدیوں بعد حاصل ہوا کرتا ہے راجہ جی نے کانگریس کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اپنا کوئی متبادل حل پیش کرے۔ ایک متبادل حل پیدا کرنا لازمی ہے۔ راجہ جی تحریک کرتے ہیں کہ پنڈت جواہر لال نہرو اور مسٹر جناح "خود حرکت کریں اور اس ایک چیز کو حاصل کریں جس کی اس وقت ضرورت ہے اور جس کے ذریعہ سے ملک کی حفاظت ہو سکے گی"۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کا دوسرا طریقہ صدر کانگریس نے پیش کیا ہے وہ یہ کہ کانگریس اور لیگ کے پانچ پانچ نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔ افسوس ہے کہ کانگریس کی مجلس عاملہ نے کئی مہینے گزر جانے کے بعد بھی اس تجویز پر غور کرنے کے لئے اپنا کوئی جلسہ نہیں کیا ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ [illegible] کے جلسہ میں مجلس عاملہ کانگریس کے نمائندے نامزد کرے گی اور لیگ کو دعوت دے گی کہ وہ بھی ایک مشترک کانفرنس کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرے۔ (ترجمہ بمبئی کرانیکل [illegible])

نہر سویز

ماہرین جنگ کا خیال ہے کہ نہر سویز جنگی نقطۂ نگاہ سے جبرالٹر سے کم نہیں ہے اسے بجا طور پر مشرق کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ اگر [illegible]

خدیو مصر سے برطانیہ کے لئے اس کے چوالیس فی صدی حصے خریدتا۔ تو سلطنت برطانیہ کی تاریخ غالباً مختلف ہوتی۔

نہر سویز کے قبضہ نے برطانیہ کو مشرق کی ملکہ بنا رکھا ہے۔ ایشیا کے تجارتی دروازے اس کے لئے کھول رکھے ہیں۔ کہتے ہیں۔ مشرق اور مغرب کو ملانے والی اس نہر کا خاکہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے فراعنۂ مصر نے بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کو ملانے کے لئے ایک نہر تعمیر کرنے کی غرض سے [illegible] کرائی تھی شاہ نیکو نے بھی دریائے نیل سے ملحق ایک نہر تعمیر کی تھی جس کے آثار اب دریافت ہوئے ہیں لیکن درحقیقت فرانسیسی انجینئر فرڈیننڈ ہی پہلا شخص تھا جس نے عملی طور پر اس نہر کو قابل جہاز رانی بنایا

۱۸۵۴ء میں اس نے خدیو مصر سے نہر تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کی لیکن سلطان ترکی کی تصدیق حاصل کرنے میں بارہ سال لگ گئے۔ آخر ۱۸۶۶ء میں کھدائی کا کام شروع ہوا۔ اور نومبر ۱۸۶۹ء میں یہ تیار ہو گئی۔ نہر سویز کی تعمیر پر ۴۴ ملین فرانک خرچ ہوئے۔

قانونی حیثیت سے سویز کی ملکیت اب بھی فرانسیسی کمپنی ہی کے ہاتھ میں تھی لیکن برطانیہ نے ۱۸۸۸ء میں سویز کانفرنس منعقد کرائی۔ قسطنطنیہ میں یہ طے ہو گیا کہ سویز بین الاقوامی شاہراہ قرار دی جائے اور نہر ہر قسم کے جنگی تجارتی جہازوں کے لئے جنگ اور امن کے زمانہ میں ہر ملک کے لئے کھلی رہے۔

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں جب ترکی نے اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ اور مصر نے برطانوی آغوش میں پناہ لی۔ تو قسطنطنیہ کا سابق عہد نامہ توڑ دیا گیا۔ اور سویز برطانوی اقتدار میں آ گئی۔ ۱۹۱۵ء میں ترکی نے اس پر حملہ بھی کیا۔ مگر [illegible] جنگ عظیم کے بعد سے اٹلی کی بحری قوت [illegible] شروع ہو گئی۔ تو اس نے افریقہ کی نوآبادیات کے مسائل کو پیش نظر رکھ لیا۔ اور مسولینی نے مطالبہ کیا کہ سویز کی منتظم کمیٹی میں اس کے آدمیوں کو شریک کیا جائے ابی سینیا کی لڑائی میں اس شاہراہ سے اٹلی کے ۲ لاکھ ۵ ہزار آدمی اور ۳۰۰۰۰۰ ٹن کے جہاز گزرے تھے اور ہر آدمی پر دس فرانک فی کس اور ہر ٹن مال پر [illegible] فرانک محصول ادا کرنا پڑتا تھا اتنی بڑی رقم کا ہاتھ سے جانا مسولینی کو بہت کھٹکا لیکن [illegible] سوا اور چارہ ہی کیا تھا۔

مصر سے برطانوی عہد نامہ میں جس میں مصر کی آزادی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ قرار پایا ہے کہ کمپنی ..... اشرفیاں بطور خراج مصر کو سالانہ ادا کرے گی۔ اور کمپنی مذکور کے ملازمین میں مصریوں کی تعداد بتدریج بڑھائی جائے گی۔ اور ۱۹۶۸ء میں نہر سویز کمپنی کے قبضہ سے نکل کر مصری جائداد بنجائے گی۔ برطانیہ نے پورٹ سعید اور اسکندریہ پر اپنے بحری مستقر قائم کر کے اس کی حفاظت قائم کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ لیکن جرمنی کے شیطانی ارادوں سے کچھ بعید نہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی جنگ سویز کے ریتیلے میدانوں ہی میں لڑی جائے۔ اگر یہ خون آشامی ہوئی۔ تو اس کا اثر ایشیا کے کل ممالک پر پڑے گا اور عجب نہیں کہ سویز کے ناکے پر دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں آپس میں گتھ جائیں۔ سویز برطانوی سلطنت کی شہ رگ اور ہندوستان کی کنجی ہے۔ اور اس بات میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اگر ہٹلر نے اس طرف رخ کیا تو برطانیہ کی تمام تر توتیں اس کا سر کچلنے میں صرف ہوجائیں گی (نئی زندگی)

حکومت ہند کی مالی حیثیت

لندن ۲ جوالائی۔ مانچسٹر گارڈین کا فنانشل ایڈیٹر کہتا ہے کہ اب سے چھ ماہ بعد ہندوستان تمام قرضہ ادا کرے گا۔ اور ہندوستان میں برطانیہ کا جو سرمایہ لگا ہوا ہے وہ معمولی تجارتی بیوپار پر آجائے گا۔ وکٹوریہ اور ایڈورڈ کے زمانہ میں برطانیہ نے جو بچت کرکے سرمایہ ہندوستان میں لگایا تھا وہ اب ہم لڑائی میں خرچ کر ڈالیں گے۔ مارچ ۱۹۳۶ء میں حکومت ہند کا اسٹرلنگ قرضہ ۷۳ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ تھا۔ جنوری میں ۳ ½ فی صدی قرضہ ادا کرنے کے بعد ہندوستان پر ۹ کروڑ ۲۰ لاکھ پونڈ رہ جائے گا جس کا نصف حصہ اس ملک سے باہر ہے آٹھ برس ہوئے اسٹرلنگ قرضہ پر ایک کروڑ ۳۰ لاکھ پونڈ سود تھا۔ لیکن ۱۹۴۲ء میں ۲۷ ½ لاکھ پونڈ رہ جائے گا۔ حکومت ہند نے ۱۹۳۶ء سے لندن میں کوئی قرض نہیں لیا۔ ہندوستان کے اندرونی وسائل میں اضافہ ہوا ہے اور مالی سیاست مستحکم ہوگئی ہے اس کو تمام قرض ہندوستان ہی سے مل گیا۔ اس کے علاوہ حکومت ہند نے یہ پالیسی اختیار کرلی کہ اسٹرلنگ قرضہ کو گھٹایا جائے اور شرح سود کم کیا جائے پچھلے تین یا چار سال کے اندر حکومت ہند نے اسٹرلنگ قرضہ ادا کر کے روپیہ کا قرض لے لیا۔

لیکن یہ تو ایک ضمنی پہلو ہے اہم پہلو یہ ہے کہ ہندوستانی لوگ بڑے بڑے کارخانے کھول رہے ہیں۔ تقریباً تمام سرکاری قرضہ بڑے بڑے کارخانے کھولنے کے لئے لیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوستان پر قومی قرضہ نہیں ہے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۳۱ء کو حکومت ہند کا سود والا قرضہ ۹۳ کروڑ ۶۳ لاکھ پونڈ کے برابر تھا۔ اس رقم میں سے ۶۷ کروڑ ۷۰ لاکھ پونڈ یعنی ۷۲ فی صدی سرمایہ منافع کمانے والے کاموں میں لگا ہوا ہے جن میں سرکاری ریلیں وغیرہ شامل ہیں۔ ان ریلوں سے حکومت ہند کو زبردست منافع ہوتا ہے جس سے ٹیکس دہندوں کو ۱۹۳۲-۳۱ء میں حکومت ہند کو تمام قرضوں پر ۳ کروڑ پونڈ سود ادا کرنا تھا اس میں سے ۲ کروڑ ۵۵ لاکھ پونڈ ریلوں وغیرہ سے وصول ہوگیا۔ اور تمام آمدنی میں صرف ۴۵ لاکھ پونڈ وصول کرنے کی ضرورت رہ گئی۔ اس رقم سے پھر ایک کروڑ ۶۵ لاکھ پونڈ کا منافع ہوا۔ اس سے یہ حیرت انگیز نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت ہند قرضہ کا جو سود ادا کرتی ہے اس سے زیادہ وہ اس سرمایہ کے منافع سے وصول کرلیتی ہے۔ اگر اس کو سرمایہ تاجرانہ استعمال نہیں کہہ سکتے تو اور کسی کو نہیں کہہ سکتے

جامعۂ عثمانیہ کی نئی میقات کا افتتاح

حیدرآباد ۲۸ جون۔ موسم گرما کی تعطیلات کے بعد آج جامعۂ عثمانیہ کی نئی میقات کا افتتاح آنریبل **نواب مہدی یار جنگ بہادر معین امیر جامعہ نے** فرمایا۔ اس افتتاحی جلسہ میں تقریباً ایک ہزار طلبہ جامعۂ عثمانیہ و کلیہ جات مختلف کے علاوہ اساتذہ پروفیسران جامعۂ عثمانیہ و زنانہ کالج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی معین امیر جامعہ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ہال میں داخل ہوئے جن کا حاضرین نے پرزور تالیوں سے استقبال کیا۔

جلسہ کا آغاز مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی قرأت اور پنڈت ونشی دھر کی پرارتھنا سے ہوا جس کے بعد مولوی قاضی محمد حسین صاحب نائب معین امیر جامعہ نے معین امیر جامعہ سے جامعہ کی نئی میقات کا افتتاح کرنے کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ "آج جبکہ جامعہ کے نئے تعلیمی سال کا آغاز بفضلہ تعالیٰ ہو رہا ہے اس وقت دنیا کے موجودہ حالات کے باعث دنیا کے کئی علم کے گھر متأثر ہوئے لیکن شکر ہے کہ ہمارا یہ جامعہ محفوظ و مصئون ہے ہمارے اس گھر کے متعلق میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے مطابق علم کا یہ شہر امن و امان میں ہے۔ ہمارے افتتاحی جلسوں میں عالی جناب معین امیر جامعہ کی شرکت بے پایاں مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ آپ اس جامعہ کے معین امیر ہیں اور اس نسبت کے باعث اس جامعہ کی قوت اور عظمت قائم ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی وجہ سے بھی اس قریبی نسبت میں کوئی فرق یا اثر پیدا ہو تو اس جامعہ کے لئے وہ کوئی خوش نصیب دن نہ ہوگا آپ کی ذات اس جامعہ کے تمام امور میں اب سب سے زیادہ حد تک ممد و معاون ہے۔ یہ جلسہ شعبہ جات جامعہ کے اجتماع کا ہے۔ آپ کی ہدایات اس اجتماع کے لئے رہنمائی اور دلجوئی کا باعث ہوں گی

نواب مہدی یار جنگ بہادر نے حاضرین کو اور خصوصاً متعلمین جامعہ کو "محبوب طلبہ" کے دل افزاء کلمہ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک بہت اچھی رسم ہوگئی ہے کہ جامعہ کا سال شروع ہو تو اس قسم کا اجتماع ہوا کرتا ہے جس میں ہم سب کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملتا ہے۔

جامعہ کی سال گزشتہ کی سرگرمیوں پر ایک مختصر تبصرہ کرتے ہوئے معین امیر جامعہ نے کہا کہ گزشتہ سال جامعہ نے شاہزادہ والاشان نواب معظم جاہ بہادر کو اعزازی ڈگری دینے کی عزت حاصل کی اور اس طرح سے ہماری جامعہ کو خاندان شاہی کے دو بلند پایہ ارکان کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ سالانہ جلسہ تقسیم اسناد میں خود جامعہ کے ایک سپوت کو اعزازی ڈگری دی گئی جو نہ صرف اپنے اوصاف کی وجہ سے ہر دل عزیز ہے بلکہ ان کی قابلیت بھی غیر معمولی ہے۔ انھوں نے ریاضی اور سائنس میں جامعہ کے نام کو ہندوستان اور ہندوستان کے باہر کی دنیا میں روشن کیا ہے۔ ڈاکٹر رضی الدین ایسے لوگوں میں ہیں جن کی قابلیت مسلم ہے۔ گزشتہ سال جامعہ کی سرپرستی میں دو تین کانفرنسیں منعقد کی گئیں جو بہت کامیاب رہیں۔

جامعۂ عثمانیہ میں ملکی زبانوں کی اعلیٰ تعلیم کے انتظام کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ سنسکرت، مرہٹی، کنڑی اور تلنگی میں تعلیم کا انتظام ہوا تھا لیکن پہلی مرتبہ گزشتہ سال اس کا امتحان ہوا اور سنسکرت میں ایک لڑکا اول آیا۔ آگے چل کر نواب صاحب نے کہا کہ اب اس بات

نہیں کیا جا سکتا کہ جامعہ نے ملکی زبانوں پر کوئی توجہ نہیں کی۔

امتحان کے نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ گزشتہ سال انٹرمیڈیٹ میں چار لڑکیاں اول، دوم، سوم، چہارم آئیں۔ اس لئے میں یہاں کے طلبہ سے مخاطب ہو کر کہنا چاہتا ہوں کہ دیکھو لڑکیاں بڑھی جا رہی ہیں ہوشیار ہو جاؤ۔

جامعۂ عثمانیہ کی ڈگریوں کو بیرونی جامعات میں تسلیم کرانے کے مسئلہ پر کہا کہ "ولایت کی سربرآوردہ جامعات اور ہندوستان کی بڑی جامعات نے جامعۂ عثمانیہ کی ڈگریوں کو تسلیم کر لیا ہے۔ چند جامعات نے اگر تسلیم نہیں کیا تو ہم انھیں مجبور نہیں کر سکتے لیکن بہت جلد وہ بھی ہمارے طلبہ کی غیر معمولی قابلیت سے متاثر ہو کر ہماری ڈگریوں کو تسلیم کر لیں گے

آپ نے کہا کہ اس جنگ عظیم کی وجہ سے ہمارا بہت کچھ نقصان ہوا۔ ہمارے بہت سے کام ناتمام رہ گئے، مثلاً ہم اس سال سائنس کالج اور انجمن اتحاد طلبہ کی عمارت "عثرہ" کی تکمیل کر دینا چاہتے تھے لیکن جنگ کی وجہ سے یہ کام ملتوی ہو گئے کیونکہ لوہا اور دیگر سامان عمارات کے لئے دستیاب نہیں ہو رہا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس سال اساتذہ کے مکانات بھی بنوائے جائیں تاکہ صحیح معنی میں یہ ایک اقامتی جامعہ ہو جائے۔

ورزش جسمانی کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے نواب مہدی یار جنگ بہادر نے فرمایا کہ اسی سال سے ورزش جسمانی کے لزوم میں سختی کر کے ایک اچھا اقدام کیا گیا ہے۔ اور اس امر پر بھی زور دیا کہ جامعہ کے طلبہ یونیورسٹی ٹریننگ کور میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو کر ملک کی خدمت میں حصہ لیں۔

نواب معین امیر جامعہ نے اپنا خطبہ اس دعا پر ختم کیا کہ اس ادارہ کو جس کی نسبت آصف سابع ولی نعمت کے اسم مبارک سے ہے آئندہ زندگی میں اس نسبت کے شایان شان ترقی نصیب ہو۔

مغربی تعلیم کے مختلف اثرات

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

تھے کہ وطن کی روکھی سوکھی روٹی، پردیس کے پلاؤ قورمہ سے بہتر ہے" ان واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وطن سے ہماری محبت "پست ہمتی" کی بنا پر تھی برخلاف ہمارے اسلاف کے جنھوں نے اپنے وطن سے باہر نکل کر حیرت انگیز کارنامے انجام دئے اور ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا کیا۔

مغرب کا نظریہ وطن پرستی

وطن کے متعلق اس دور آخر کی مشرقی ذہنیت کے مقابلہ میں مغرب کی ذہنیت بالکل مختلف ہے، چنانچہ ایک انگریز کے نقطۂ نظر سے وطن کی محبت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایک شخص ہمیشہ وطن سے لگا بیٹھا رہے اور پاؤں توڑ کر گھر میں بیٹھ جائے، بلکہ ایک انگریز بعض دفعہ اپنی ساری عمر وطن سے باہر گزار دیتا ہے لیکن خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں اور کسی حالت میں ہو، اپنے وطن کو نہیں بھلاتا اور ہمیشہ اس کی سربلندی، عزت اور بہبود کے لئے کام کرتا رہتا ہے، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ وطن کو سب سے زیادہ فائدہ انھیں انگریزوں نے پہنچایا ہے جنھوں نے وطن سے دور دراز مسافت پر جا کر وطن کے لئے کام کیا۔

ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز خواہ کہیں بھی ہو، اپنے وطن کے فائدہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی چشم پوشی نہیں کرتا، وہ دوسری جگہ رہ کر بھی اپنے وطن کا سیاسی وقار بڑھاتا ہے اور جو دولت کماتا ہے اپنے وطن میں لاتا ہے۔ ان حالات کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ مغربی اقوام خصوصاً انگریزوں کا لٹریچر وطن پرستی کے جذبات سے معمور ہے اور ان کی قوم کے جن افراد نے وطن کی کوئی خدمت کی ہے ان کے کارنامے بڑی آب و تاب سے بیان کئے گئے ہیں۔

مغربی لٹریچر کا اثر

ہندوستان پر انگریزوں کے مسلط ہونے کے بعد جب انگریزی تعلیم ملک میں جاری ہوئی تو انگریزی زبان کا لٹریچر بھی سارے ملک میں پھیل گیا جو لاکھوں نوجوانوں نے پڑھا جس سے انھیں یہ معلوم ہوا کہ یورپ میں حب وطن کا کیا مفہوم ہے؟ اسی لٹریچر نے انھیں یہ بتایا کہ حب وطن کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وطن کی آزادی اور اس کے اقتدار کے لئے کوشش کی جائے، اور قدرت نے وطن کو حصول دولت کے جو وسائل و ذرائع عطا کئے ہیں ان سے خود اہل وطن فائدہ اٹھائیں۔

غرض یہ مغربی تعلیم ہی کا اثر ہے کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں وطن کی آزادی و ترقی کا احساس پیدا ہوا، یہاں تک کہ انھوں نے ملک کے مفاد کے لئے عملی جد و جہد شروع کر دی جو آج سارے ملک میں جاری ہے اور اس کے نتیجہ خیز ہونے میں اب شبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن افسوس ہے کہ اس جد و جہد میں مسلمانوں کا بہت کم حصہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی لٹریچر کی اس خصوصیت سے انھوں نے کافی فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ ان کی ساری توجہ انگریزی معاشرت اختیار کرنے اور اپنی روزمرہ کی زندگی کو ہم آہنگ فرنگ بنانے میں مبذول رہی۔

ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ دو چیزیں ہیں جو کسی انسان میں سب سے زیادہ عزم و حوصلہ اور جذبۂ قربانی پیدا کرتی ہیں، ایک مذہب دوسرا وطن لیکن مسلمانوں کی موجودہ حالت یہ ہے کہ اب ان میں وہ مذہبی روح باقی نہیں رہی جو ان کے اسلاف میں کارفرما تھی یعنی ان کے مذہبی جذبات مردہ ہو گئے ہیں، اسی طرح "وطن" کے لئے بھی ان میں کوئی خاص جذبۂ محبت نہیں ہے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہر میدان میں پیچھے ہیں۔

مختصر نوٹ اور واقعات

حیدرآباد کی ایک خبر مظہر ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی بی اے کی ڈگری کو انسٹی ٹیوشن آف انجینئرس (انڈیا) نے تسلیم کر لیا ہے، اور اس جامعہ کے سند یافتوں کو ایسوسی ایٹ ممبرشپ کے امتحانات کی دفعات الف و ب سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، لہٰذا اب [illegible] جامعۂ عثمانیہ کے طلبہ باآسانی انسٹی ٹیوشن مذکور کی رکنیت حاصل کر سکتے ہیں اس سے دیگر فوائد کے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ سلسلہ فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں شریک ہو سکیں گے اور اس سے بیرون ممالک سرکارعالی ان کی ملازمت کے امکانات میں اضافہ ہو جائے گا

بنگلور کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ امین الملک سر مرزا محمد اسمٰعیل کے سی آئی ای، او بی ای، سابق دیوان میسور و حال وزیر اعظم جے پور مسلم ہال میں تشریف لائے جہاں سربرآوردہ مسلمانوں نے آپ کا استقبال کیا۔

سر موصوف نے انجمن کا دارالاقامہ، لائبریری

... عمارات اور زیر تعمیر عمارتوں ... فرمایا اور پانسو روپیہ کا ایک چیک صدر انجمن مسلمانان ملک میسور" کے نام عطا کر کے انجمن کی خدمات کا اعتراف کیا۔

بمبئی کی ایک خبر مظہر ہے کہ امریکن سپاہی ہندوستان اور اُس کے مسائل سے سخت دلچسپی لے رہے ہیں جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پرانی کتابوں کا ایک اسٹال جس میں ہندوستان کے متعلق کتابیں تھیں بالکل خالی ہو گیا۔ اس وقت خصوصیت کے ساتھ گاندھی جی کی کتاب "تلاش حق" اور پنڈت جواہر لال کی کتاب "میری کہانی" کی بہت زیادہ مانگ ہے، ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ دو امریکن کھادی کی دوکان پر گئے، اور دو چرخے خریدے جنہیں بڑی حفاظت سے باندھ کر لے گئے۔

صوبہ سرحد کے پھلوں پر پابندی
ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا ہے کہ صوبہ سرحد کے پھلوں کی ساری فصل حکومت ہند نے خرید لی ہے اس لئے صوبہ کے پھلوں کو باہر بھیجنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اعلان میں کہا گیا ہے کہ ریلوے کی گاڑیوں اور پٹرول کی قلت محسوس کی جا رہی ہے، اس لئے پھلوں کے بہت سے حصہ کا ضائع ہو جانا یقینی ہے ان حالات کے پیش نظر حکومت ہند نے صوبہ کے ان پھلوں کی ساری فصل کو خرید لینے کا فیصلہ کیا ہے جنہیں خشک کیا جا سکتا ہے۔

اس فیصلہ کے ماتحت صوبہ کے پھلوں کی برآمد منع کر دی گئی ہے۔ حکم پہلی جولائی سے نافذ ہو گیا ہے صوبہ کی حکومت نے پھل پیدا کرنے والوں کو مناسب قیمت دلوانے کا انتظام کر لیا ہے۔

ریاستی مسلم لیگ کا اخبار
دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ دہلی سے ایک ہفتہ وار اخبار "ریاستی دنیا" جاری ہونے والا ہے جس کی اجازت حاصل ہو چکی ہے کہا جاتا ہے کہ جولائی کے اخیر تک اخبار جاری ہو گا۔ ابھی یہ نہیں معلوم کہ یہ اخبار ہندوستانی ریاستوں کے متعلق کس قسم کی خدمت انجام دے گا۔

والیان ریاست کی جنگی امداد
ہز ہائینس جام صاحب نواں نگر چانسلر ایوان والیان ریاست ہند نے حال میں ایوان کی ایک مجلس میں جو تقریر کی اس میں والیان ملک کی مساعی جنگ پر بھی مختصر تبصرہ کیا اور جنگ کے مختلف میدانوں میں ریاستی فوجوں نے جو حصہ لیا ہے اُس کا ذکر بھی کیا اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی بتایا کہ جنگ کے سلسلہ میں والیان ملک نے جو مالی امداد دی ہے وہ تقریباً تین کروڑ دس لاکھ بیس ہزار روپیہ ہے، اس کے علاوہ والیان ملک تقریباً ۲۰ لاکھ ۳۴ ہزار روپیہ بطور سالانہ امداد دے رہے ہیں۔

سر عزیز الحق ہائی کمشنر ہند کی تقریر
لندن کی ایک خبر مظہر ہے کہ ۵ جولائی کی رات کو سر عزیز الحق ہائی کمشنر ہندوستان نے ایک تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج ہندوستان کو سب سے زیادہ کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے حاضرین کو بتایا کہ برطانوی تجارتی بیڑہ میں اس وقت ہندوستان کے اوسطاً ۴۰ ہزار جہازراں کام کر رہے ہیں اور ہر مہینہ ۵۰ ہزار آدمی ہندوستان کی بری فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں، اور ان مہینوں میں ہندوستان کی صنعتی ترقی اس پیمانہ پر ہوئی ہے کہ کوئی شخص اس کو تصور نہیں کر سکتا تاوقتیکہ خود ہندوستان جا کر نہ دیکھے ہندوستان کی اس بڑے پیمانہ پر تنظیم کی گئی ہے کہ وہ ایک کثیر مقدار میں گولہ بارود کا سامان مہیا کر سکتا ہے۔ ہماری مصر کی فوج میں اس وقت بڑی تعداد میں ہندوستانی سپاہی کام کر رہے ہیں۔

سلسلۂ تقریر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہندوستان آج دولت مشترکہ کا ایک بہت بڑا حصہ ہے، ہندوستان کی از سر نو تعمیر کے مسئلہ کے بارہ میں انھوں نے کہا کہ ہمیں حائل ہونا نہیں چاہئیے "ہم برابر کے شریک رہنا چاہتے ہیں حکومت کے اس اعلان کے ہم ... ہیں کہ ہندوستان دولت مشترکہ کا ایک شریک کار ہو گا۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جب آئندہ اپنے معاملات کو سلجھانے کا وقت آئے گا تو اس وقت دونوں اپنا اپنا مرتبہ پہچان لیں گے۔"

تعطیل کلاں کے ختم ہونے پر مسلم یونیورسٹی ۱۵ جولائی ۱۹۴۳ء کو کھلے گی اس لئے دفتروں کی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں، اور ضروری انتظامات شروع ہو گئے ہیں توقع کی جاتی ہے کہ اس دفعہ طلبہ کا داخلہ زیادہ تعداد میں ہو گا۔ مسلم یونیورسٹی کا اجلاس ۸ جولائی سے مکمل گیا ہے۔

علمی تحائف

مضامین محمد علی مولانا محمد علی مرحوم مغفور کے مضامین کا مجموعہ جو ان کے ہر قسم کے خیالات کا مرقع اور ہندوستان کے سب سے زیادہ ہنگامہ خیز دور کی تاریخ ہیں۔ قیمت مجلد . ۶؍

جوہر اقبال ڈاکٹر اقبال مرحوم مغفور کے خیالات اور شاعری پر مولانا سید سلیمان ندوی ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر سید عابد حسین، خواجہ غلام السیدین وغیرہ کے مضامین۔ قیمت مجلد . ۱۲؍

محاسن کلام غالب غالب کی شاعری پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم مغفور کا نہایت معرکۃ الآرا مضمون۔ قیمت مجلد [illegible]

مضامین رشید جناب رشید احمد صاحب صدیقی، ایم اے صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کے اٹھارہ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ قیمت مجلد . [illegible]

خنداں یہ جناب صدیقی صاحب کی ان مزاحیہ تقریروں کا مجموعہ ہے جو موصوف نے وقتاً فوقتاً دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر کیں قیمت مجلد ۱۲؍

یادگار نصیر محمد نصیر الدین صاحب علوی ایم اے ایل ایل بی مصنف مرحوم کے منتخب کلام کا مجموعہ جو غزلیات، قصائد، سلام اور رباعیات پر مشتمل ہے، کچھ غزلیات فارسی زبان میں بھی ہیں کلام دلپذیر اور مؤثر ہے۔ قیمت ۸؍

ہماری شاعری سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا اردو شاعری پر ایک مضمون قیمت مجلد .. [illegible]

بقائے دوام موت و حیات و روح و حیات بعد الموت کے متعلق سائنٹفک پر اسرار حالات قیمت [illegible]

الانہار حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری پر نہایت مبسوط و سیر حاصل تبصرہ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی۔ قیمت . [illegible]

المبین اس کتاب میں عربی زبان کے فضائل اور اس کے بے نظیر خصائص بتا کر تمام السنۂ عالم کے مقابلہ میں اس کی ناقابل انکار فوقیت، قدامت ثابت کی ہے۔ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی ... مطبع ... پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا اور وہیں سے شائع ہوا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۳) | ۲۴ جولائی سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۹ رجب سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر (۲۸)

ڈائرکٹر پبلسٹی مسلم یونیورسٹی اطلاع دیتے ہیں کہ ہز اگزالٹڈ ہائینس حضور نظام کی سالگرہ منانے کے لئے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے ایک ایٹ ہوم دیا۔ تمام ممبران اسٹاف حکام ضلع مسٹر نقوی کلکٹر اور عمائد شہر نے شرکت کی۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے تقریر کرتے ہوئے ان گہرے اور دیرینہ تعلقات کا ذکر کیا جو علی گڑھ اور حیدرآباد میں قائم ہیں اور فرمایا کہ اس وقت حیدرآباد اسلامی تہذیب اور اردو زبان کا مرکز ہے اور حضور نظام کی جود و سخا ہندوستان بھر کے تمام اداروں اور عالموں پر چھائی ہوئی ہے حضور نظام برطانوی ہند میں اس طرح عزیز ہیں جس طرح حیدرآباد میں ہر جگہ آپ کی درازی عمر و اقبال کی دعائیں کی جائیں گی اور جشن سالگرہ منایا جائے گا علی گڑھ خاص طور سے حضور نظام کی ذاتی دلچسپی اور شاہانہ امداد کا زیر بار ہے۔ سر ضیاء الدین نے افسوس ظاہر کیا کہ وہ علالت کی وجہ سے اس موقع پر حیدرآباد نہ جا سکے۔

ڈاکٹر ہادی حسن نے ایک حیدرآبادی کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے حضور نظام کی سرپرستی علم و ادب کا تذکرہ کیا۔ آپ نے کہا کہ حیدرآباد کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ یعنی دو کروڑ روپیہ سالانہ تعلیم پر صرف کرتی ہے۔ حیدرآباد ہی نے سب سے پہلے اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا۔ حیدرآباد کی رعایا کے تمام طبقوں میں کامل اتحاد و اتفاق پایا جاتا ہے اور حضور نظام نے نور و ظلمت کی جنگ میں حصہ لے کر ایک مثال قائم کی ہے۔

آخر میں ناظم دینیات نے حضور نظام کی درازی عمر اور بلندی اقبال کے لئے دعا کی۔

نئے تعلیمی سال کے افتتاح پر لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر نے ممبران اسٹاف کو ایٹ ہوم دیا۔ اس موقع پر تقریر فرماتے ہوئے آپ نے اساتذہ میں باہم یکجہتی اور اتحاد عمل پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک تعلیمی ادارہ کا سرمایہ اس کی عمارت اور فنڈ نہیں بلکہ اس کے طلبہ ہوتے ہیں اور انہیں کے تعلیمی معیار پر ادارہ کی شہرت اور نیکنامی کا دارومدار ہوتا ہے۔ ایک طالب علم کی صلاحیتوں کو پوری طور سے بروئے کار نہیں لایا جا سکتا تاوقتیکہ اساتذہ گہری دلچسپی نہ رکھیں یہ صرف اس وقت ممکن ہے جبکہ اساتذہ ایک مشنری اسپرٹ کے ساتھ کام کریں۔ کم از کم علی گڑھ جیسے قومی ادارہ میں اساتذہ کو چاہئے کہ وہ اپنے کام کو بجائے خود ایک معاوضہ سمجھیں۔ بیشک یہ ضروری ہے کہ اساتذہ مالی اور دیگر قسم کی پریشانیوں سے آزاد رہیں اور اس کے لئے جہاں تک مالیات اجازت دیں میں تنخواہوں اور گریڈ وغیرہ میں اضافہ کی کوشش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ جنگ کے حالات کی وجہ سے سامان خورد و نوش کی کمیابی علمی کام کرنے والوں کے لئے خلل انداز نہ ہو۔ چنانچہ گیہوں اتنی مقدار میں جمع کیا جا رہا ہے جو طلبا و اساتذہ کی ضروریات کو کافی ہو۔ حال میں اچھی قسم کی شکر بھی فراہم کی گئی اور چائے اور نمک کی فراہمی کا انتظام بھی زیر غور ہے۔

آخر میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے فرمایا کہ پانچ اساتذہ جو ملٹری ٹریننگ حاصل کرنے گئے تھے چند دن ہوئے واپس آگئے ہیں یہ اساتذہ ایمرجینسی کمیشن کے لئے طلبہ کو تیار کرنے میں بہت مددگار ثابت ہونگے۔ آپ نے یہ بھی امید ظاہر کی کہ دیگر اساتذہ بھی ملٹری ٹریننگ کیلئے اپنا نام پیش کرینگے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ جولائی سنہ ۱۹۴۲ء

ہندوستان اور اسکی شرکت جنگ

"ہندوستان" موجودہ جنگ میں شریک ہے یا نہیں؟ یہ ایک سوال ہے جو آغاز جنگ سے زیر بحث ہے، ایک جماعت کا تو یہ خیال ہے کہ جب برطانیہ جنگ میں شریک ہے اور ہندوستان برطانیہ کا ماتحت، تو اس کے شریک جنگ ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ملک میں ایک اور جماعت بھی ہے جو بار بار یہ اعلان کرتی ہے کہ یہ جنگ سامراجی اقتدار کے لئے ہے اور ہندوستان اس جنگ میں شریک نہیں ہے۔

یہ کہنے سے ان لوگوں کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ جنگ ہماری مرضی کے خلاف اور بغیر ہماری اجازت کے شروع کی گئی ہے اس لئے یہ ہماری جنگ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ جماعت شروع سے یہ مطالبہ بھی کر رہی ہے کہ برطانیہ کو وضاحت کے ساتھ یہ بتانا چاہئے کہ وہ کس مقصد سے اس جنگ میں شریک ہوا ہے؟ جب تک ہمیں یہ نہ بتایا جائے ہم اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لے سکتے،

ہمارے نزدیک موجودہ حالت میں جبکہ دشمن ہندوستان کے دروازہ تک پہنچ گیا ہے یہ بحث چھیڑنا کہ ہندوستان اس جنگ میں شریک ہے یا نہیں محض ایک بے معنی و بے سود بحث ہے جس سے لوگوں میں خواہ مخواہ انتشار و اضطراب پیدا ہوگا جو ہندوستان کے مستقبل کے لئے سخت مضر و خطرناک ہے حالانکہ وقت اس کو مقتضی ہے کہ سارا ملک ہم آہنگی کے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ موجودہ نازک دور میں دشمن کی مدافعت اور ملک کی حفاظت ہر ہندوستانی کا اولین فرض ہے،

جنگ میں ہندوستان کی شرکت یا عدم شرکت ایک لفظی و اصطلاحی بحث ہے۔ حالانکہ دیکھنا یہ چاہئے کہ واقعہ کیا ہے؟

واقعہ و حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان عملی طور پر جنگ میں شریک ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق حکومت کی ہر امکانی مدد کر رہا ہے۔ جس کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

(۱) ہندوستان کے سارے چھوٹے بڑے والیان ریاست خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان پوری سرگرمی سے حکومت کی مالی، اخلاقی اور فوجی امداد کر رہے ہیں، یہ والیان ملک صرف اپنی ذات بابرکات ہی کی طرف سے مدد نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنی رعایا کو بھی جنگ میں مدد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، غرض دیسی ریاستوں سے اب تک کروڑوں روپیہ امداد جنگ کے سلسلہ میں جا چکا ہے۔

(۲) والیان ملک کے علاوہ زمیندار، تاجر، ملازمت پیشہ غرض ہر طبقہ کے کثیر افراد جنگ کے سلسلہ میں حکومت کی امکانی مدد کر رہے ہیں جس کی تفصیل ہم روزمرہ اخباروں میں پڑھتے ہیں۔

(۳) لاکھوں ہندوستانی بلا امتیاز مذہب اپنی خوشی سے فوج میں اور جنگ کے متعلق دوسرے شعبوں میں بھرتی ہو رہے ہیں اور نہ صرف ہندوستان میں بلکہ باہر بھی مختلف میدان ہائے جنگ میں کام کر کے خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں۔

ہمارے پاس ایسے اعداد نہیں ہیں جن کی بنیاد پر ہم صحیح طور پر یہ بتا سکیں کہ ہندوستان نے جنگ کے سلسلہ میں مختلف طریقوں سے جو امداد دی وہ کس قدر ہے، لیکن اس امداد کا کچھ اندازہ ہندوستان کے ہائی کمشنر سر عزیز الحق (متعینہ لندن) کے ایک انٹرویو سے ہو سکتا ہے جو رویٹر نے ہندوستان بھیجا ہے،

اس انٹرویو میں سر موصوف نے ہندوستان کی جنگی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ فرمایا:-

"ہندوستان جنگی کوششوں کے لئے جو کچھ ممکن ہے کر رہا ہے پچھلے دو برسوں میں ہندوستانی فوج بہت بڑھا دی گئی ہے ——— جبریہ بھرتی کے بغیر ہر مہینہ پچاس ہزار ہندوستانی بھرتی ہو جاتے ہیں جب سر سٹیفورڈ کرپس کا مشن ہندوستان میں ناکام ہوا قریب قریب اسی وقت ہندوستانی فوج کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ چکی تھی ——— ہندوستانی تجارتی بیڑہ میں تقریباً چالیس ہزار ہندوستانی ہیں۔

ہندوستانی فوج کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے اسی فی صدی ہندوستان میں تیار ہو رہی ہیں اور تیاری کا پیمانہ برابر بڑھ رہا ہے ہندوستان ٹینک بھی بنا رہا ہے چین نے حال میں ہندوستان کو ایک کروڑ ۱۵ لاکھ پچاس ہزار پونڈ کپڑے کا آرڈر دیا تھا ہندوستان نے جہازی کارخانے سب طرح کے جہازوں کی مرمت کر رہے ہیں اور چھوٹے جہاز بنا رہے ہیں پچھلے سال ملک میں چالیس ہزار مستریوں کو تربیت دی گئی اور ملک میں اب تربیت کے ۳۰۰ مرکز ہیں"

سر عزیز الحق کا مندرجہ بالا بیان اگرچہ مختصر ہے لیکن پھر بھی اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان مختلف طریقوں سے اس وقت جنگ میں کس قدر امداد دے رہا ہے، غرض یہ جنگ خواہ ہندوستان کی رضامندی سے شروع کی گئی ہو یا اس کی مرضی کے خلاف، بہرصورت یہ واقعہ سب کے سامنے ہے کہ جنگ ہو رہی ہے اور ہندوستان اس میں ایک فریق کی حیثیت رکھتا ہے، اور ایسی صورت میں وہ کسی طرح بھی خطرہ سے محفوظ نہیں ہے، اگر گاندھی جی یا دوسرے لیڈر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جنگ سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کر کے خطرہ سے محفوظ ہو جائیں گے یا ہندوستان کو بچا لیں گے تو یہ ان کی خوش فہمی اور غلط اندیشی ہے۔

ہر حکومت جو اس وقت جنگ میں شریک ہے اپنے سامنے خاص مقصد رکھتی ہے، جس کی تکمیل کے لئے وہ اپنی پوری طاقت خرچ کر رہی ہے۔ اب اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہندوستان پر قبضہ کرنا بھی کسی حکومت کے مقصد میں داخل ہے تو وہ یقیناً اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرے گی خواہ وہ اس میں کامیاب ہو یا ناکامیاب، لہذا ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہنا چاہئے کہ اگر ہم

اپنی غیر جانبداری یا بے طرفی کا اعلان کر دیں گے تو دشمن اپنا مقصد بدل دے گا اور ہندوستان پر حملہ کرنے سے رُک جائے گا۔

اسی جنگ کا یہ تازہ واقعہ ہمارے سامنے ہے کہ جرمنی اپنے مقصد کے لئے فرانس کو نیست و نابود کرنا ضروری سمجھتا تھا لیکن اس مقصد کی تکمیل بہ آسانی سے اس صورت میں ممکن تھی کہ پہلے "بلجیم" کا خاتمہ کیا جائے چنانچہ ایسا کیا گیا حالانکہ بلجیم ایک غیر جانبدار حکومت تھی اور اس نے آغاز جنگ ہی کے موقع پر یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ بالکل بے تعلق ہے اور اس جنگ میں کسی کے ساتھ شریک نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے جرمنی کے جنگی مقاصد کی تکمیل بلجیم کے برباد کرنے پر منحصر تھی اس لئے اس کی غیر جانبداری کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔

جب جنگجو حکومتوں کا طریقہ کار یہ ہے تو کانگریس (جو بار بار جنگ سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کر رہی ہے) کس طرح یہ توقع کر سکتی ہے کہ جرمنی یا جاپان اُس کی بے تعلقی کا احترام کریں گے اور محض کانگریس کے کسی اعلان یا رزولیوشن کی بنا پر فیصلہ کر لیں گے کہ چونکہ ہندوستان جنگ میں شریک نہیں ہے لہٰذا ہمیں اس پر حملہ نہیں کرنا چاہئے حالانکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ باوجود ان اعلانات کے ہندوستان ہر قسم کی امداد جنگ میں دے رہا ہے اور اس کے تمام وسائل برطانیہ کے لئے وقف ہیں

یہ حالات پیش نظر رکھنے کے بعد ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہندوستان میں امن و امان قائم رکھیں اور اُس کو بیرونی خطرہ سے بچانے کے لئے ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں۔ اگر ہم نے جلد سے جلد اس پر توجہ نہ کی تو ہندوستان کو ایسا نقصان پہنچے گا جس کی تلافی صدیوں تک نہ ہو سکے گی۔

سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت دنیا کے جن ملکوں میں جنگ ہو رہی ہے اُن کی حالت ہندوستان سے مختلف ہے یعنی انھیں صرف بیرونی حملہ کی مدافعت کرنا ہے اور علاوہ اقتصادی مشکلات کے جو بحالت جنگ ناگزیر ہیں اور کوئی اندرونی خطرہ اُن کے لئے نہیں ہے لیکن ہندوستان کے لئے علاوہ بیرونی خطرہ کے جو دشمن کے حملہ کی صورت میں نمودار ہو سکتا ہے اندرونی خطرہ بھی موجود ہے۔

ہندوستان کا یہ اندرونی خطرہ کیا ہے؟ مختلف فرقوں اور قوموں کا اختلافات و خانہ جنگی۔ بدقسمتی سے جس طرح جنگ سے پہلے تھی اسی طرح آج بھی موجود ہے یعنی ہندوستان نے اس جنگ سے کوئی سبق نہیں لیا اور مختلف فرقوں نے اپنے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی لیڈروں کی نبرد آزمائی میں آج بھی کوئی کمی نہیں اور اخبارات بھی بدستور عوام کے جذبات کو برانگیختہ کرنے میں مصروف ہیں اور فرقہ وارانہ فسادات بھی برابر ہوتے رہتے ہیں۔

اب جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ ہندوستان میں ایک مضبوط و باضابطہ حکومت موجود ہے جو اندرونی امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے۔ یہ حالت ہے کہ لوگ فتنہ و فساد اور خانہ جنگی سے باز نہیں آتے تو اگر خدانخواستہ ہندوستان پر کوئی بیرونی حملہ ہوا اور اُس سے عوام میں دہشت پیدا ہوئی تو اس سے جو ابتری سارے ملک میں پھیلے گی اس کو کون روک سکے گا۔ اور وہ ہندو و مسلم عوام جن کے فرقہ وارانہ جذبات لیڈروں نے برانگیختہ کر دئے ہیں اس موقع پر کیا انتظام کریں گے۔

ہمارے ملک کی حالت تو یہ ہے کہ محض جاپان کے متوقع حملہ کے خطرہ سے دہشت زدہ ہو کر لاکھوں آدمی اپنا کاروبار چھوڑ کر مدراس و کلکتہ سے بھاگ گئے جن میں سے بہتوں کو آخر کار واپس جانا پڑا۔ اور بہت سے اس بھاگ دوڑ میں اس قدر تباہ ہو گئے کہ پھر نہ سنبھل سکے اور از سر نو اپنا کاروبار جاری رکھنا اُن کے لئے ممکن نہ ہوا۔ یہ سب واقعات ایسی حالت میں پیش آئے جبکہ واقعتہً کوئی حملہ نہیں ہوا تھا اور جاپان کے ایک سپاہی نے بھی ہندوستان کی زمین پر قدم نہیں رکھا تھا۔ اس وحشت و دہشت کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان ایک مدت دراز سے بیرونی حملوں سے محفوظ ہے اس لئے یہاں کے لوگوں میں خطرہ کا مقابلہ کرنے کی وہ ہمت نہیں ہے جو ایسے ملک کے لوگوں میں ہے جنھیں جلد جلد اس قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ان واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ فرقہ وارانہ کشمکش کے ہمارے ملک کی ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ وہ غیر منظم و ناتربیت یافتہ ہے اور یہ نہیں جانتا کہ خطرہ کے وقت کس طرح اُس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی قوم میں تنظیم اور اجتماعی قوت سے کام کرنے کی صلاحیت نہ ہو وہ کبھی خطرہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی بلکہ ایسے موقع پر اُس میں سخت ابتری و بدحواسی پھیل جاتی ہے اور ہر شخص صرف اپنی جان بچانے کی فکر کرتا ہے ملک کی حفاظت یا اجتماعی طاقت سے دشمن کا مقابلہ کرنے کا خیال کسی کو نہیں آتا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ہندوستان ایک مدت سے امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہا ہے اس لئے اُس کی قوت مقاومت و مقابلہ فنا ہو چکی ہے۔

ہندوستان کی ایک مصیبت اور بھی ہے جو سب سے بڑھ کر ہے اور وہ اُس کا شدید افلاس ہے۔ شاید ساری دنیا میں صرف ہندوستان ہی ایک ملک ہے جس میں لاکھوں انسان نان شبینہ کے محتاج ہیں اور جن کو اتنا بھی میسر نہیں کہ وہ اس کے سہارے سے روح و جسم کا تعلق قائم رکھ سکیں، اس لئے بہت سے انسان فاقہ کشی کی مصیبت برداشت کر کے ہلاک ہو جاتے ہیں، اور بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جب جائز طریقہ سے روزی حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ انھیں میسر نہیں آتا تو چوری، ڈاکہ زنی یا اسی قسم کے دوسرے ذرائع سے اپنی روزی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ملک میں کسی وجہ سے ابتری و بدامنی پھیل جاتی ہے تو ایسے موقع پر انھیں دست درازی کا اور زیادہ موقع ملتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی ذہنیت اس قدر مسخ ہو جاتی ہے کہ جب ملک پر کوئی عام مصیبت آتی ہے تو اُن کے دلوں میں ملک کی حفاظت یا ابنائے وطن سے ہمدردی کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ وہ لوگوں کی اس مصیبت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، غرض یہ مصائب و اخلاقی کمزوریاں ہیں جن میں ہمارا ملک گرفتار ہے۔

اب ذرا تصور کیجئے کہ جو ملک ان اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہے اور جہاں ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے اگر اُس ملک پر کسی خوفناک دشمن کا حملہ ہو تو وہ کس طرح اُس کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ یہ خیال کرنا کہ مصیبت کے وقت سارا ملک متحد ہو جائے گا اور اُس کی ذہنیت بدل جائے گی محض حسن ظن ہے کیونکہ آج بھی ہندوستان بہت سے مصائب میں مبتلا ہے لیکن اُس کی حالت

مملکت آصفیہ کی تعلیمی ترقی

از محمد شمس الدین صاحب فاروقی بی اے۔
ایل ایل بی (عثمانیہ) معاون مدیر حسابات سلطنت

مملکت حیدرآباد میں سرکاری طور پر تعلیم کا آغاز ۱۲۷۱ھ سے ہوا اس کی ابتداء دار العلوم کے مدرسہ کے قیام سے ہوئی اس کے بعد ۱۲۹۵ھ میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے ہر ایک تعلقہ میں ایک ایک فارسی اور ایک ایک زبان ملکی کے مدرسہ کی بنا ڈالی گئی اور ہر ضلع کے مستقر پر ایک علحدہ مدرسہ کا قیام عمل میں آیا۔ ان مدرسوں کی نگرانی عہدہ داروں کے تفویض کی گئی لیکن وہ اپنی دیگر سرکاری مصروفیات کے باعث اس طرف خاص دلچسپی نہ لے سکتے تھے اس لئے نظام تعلیم کی نگرانی اس وقت کے مدرسہ انجینئرنگ کے پرنسپل کے سپرد کی گئی لیکن یہ انتظام صرف مرکز کی حد تک تھا اس لئے [illegible] میں ورنیکلر تعلیم کا ایک ناظم مقرر کیا گیا جس نے مدارس اضلاع کی ازسرنو تنظیم کی اور دس سال کے دوران میں تعلیمی امور نے نمایاں ترقی کی۔ بلدہ میں چادرگھاٹ اسکول کو [illegible] میں درجہ دوم کا کالج بنا دیا گیا اور اس کا الحاق مدراس یونیورسٹی سے کر دیا گیا جس کا نام نظام کالج قرار پایا۔

اس مدرسہ کے علاوہ بلدہ کے امراء اور اعزا کے لڑکوں کی تعلیم کے لئے دو بڑے اور عمدہ مدرسے کھولے گئے ان میں سے پہلا مدرسہ عالیہ ہے جس کو بعد میں سرکاری حیثیت دے دی گئی اس وقت سے یہ برابر ترقی کے مدارج طے کرتا جا رہا ہے۔ دوسرا مدرسہ اعزہ ہے [illegible] میں مدرسہ عالیہ کی اہمیت میں اس طرح اضافہ کیا گیا کہ حیدرآباد کالج کی کلاسیں بھی اس سے متعلق کر دی گئیں اور پھر سے چادرگھاٹ اسکول کے نام سے یاد کئے جانے لگا اس طرح گویا موجودہ نظام کالج کی بنیاد پڑی۔ اس اثنا میں برابر اردو و انگریزی کے مدارس میں اضافہ ہوتا گیا جس میں عثمانیہ کورس اور مدراس کورس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس طرح سے گویا بلدہ اور اضلاع میں حسب ضرورت مختلف مدارس کا قیام عمل میں لایا جانے لگا اور اب موجودہ صورت میں تعلیم کے فروغ کا یہ عالم ہے کہ سررشتہ تعلیمات کے زیر نگرانی بلدہ و اضلاع میں بیسوں مدارس فوقانیہ سینکڑوں مدارس وسطانیہ و تحتانیہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ بے شمار ابتدائی مدارس قائم ہیں اور کوئی جگہ ایسی باقی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی اسکول قائم نہ ہو۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء سے جو عملی ترقی اس جانب تمام ملک میں ہوئی ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔ سررشتہ تعلیمات پر پہلے صرف ۱۶ لاکھ روپیہ خرچ ہوتا تھا مگر اب دن دونی رات چوگنی ترقی کے مدنظر اس کا میزانیہ ایک کروڑ تک پہنچ چکا ہے اور جبری ابتدائی تعلیم کے مدارس میں اور [illegible] کا امکان ہے۔ اس تمام جد و جہد کا نتیجہ یہ ہے کہ پورا ملک رغبت کے ساتھ تعلیم کی جانب متوجہ ہے اور اب تمام ملک میں تقریباً سوا دو ہزار کے قریب مدارس ہیں جن میں ڈھائی پونے تین لاکھ کی طلبہ کی تعداد مصروف تعلیم ہے۔

تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ جسمانی نشو و نما کا پہلو بھی بہت زیادہ نمایاں ہوتا جا رہا ہے کیونکہ کوئی ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے نوجوان جسمانی طور پر بھی مضبوط و توانا نہ ہوں چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے مدرسوں کالجوں اور جامعہ میں ورزش جسمانی اسپورٹس اور کھیل وغیرہ کے مختلف سامان مہیا ہیں اور لڑکوں کی جسمانی تربیت کی طرف بطور خاص توجہ دی جاتی ہے چنانچہ ملک میں آئے دن کے مختلف اسپورٹس کھیل اور کود اور ورزش جسمانی کے مظاہروں سے جسمانی نشو و نما کی ترقی اور عمدہ صحت کے نتائج ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

دماغی اور جسمانی نشو و نما دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں دونوں کو بدوش بدوش لے چلنا ہر ایک ادارہ اور تعلیمی مرکز کا مقدس فریضہ ہے۔ دماغی صلاحیتوں کے ابھار اور نوجوانوں کی قدرتی توانائیوں کو مقصد مطلب کاموں میں مصروف رکھنے کے لئے ضبط و تنظیم کے مسلمہ اصولوں اور قاعدوں کو بروئے کار لایا جانا ضروری ہے ابتدائی تعلیم سے بچوں کی معمولی تربیت اور ذہنی نشو و نما تو ضرور ہوتی ہے لیکن علمی و ادبی کاوشوں کو ملک میں پھیلانے علمی خزانوں سے مالا مال ہونے اور دماغی تخیلات کے اعلیٰ نمونے ملک و قوم کی بہبود کے واسطے پیش کرنے کے لئے ایک اعلیٰ تعلیمی درسگاہ بالفاظ ایک جامعہ کے قیام کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ صرف معمولی درسگاہوں اور مدرسوں کا قیام ان مقاصد کو بہ حسن الوجوہ پورا نہیں کر سکتا۔ وقت کے ان ہی تقاضوں سے ایک جامعہ کے قیام کا تخیل ملک کے ارباب حل و عقد کے دماغوں میں چکر لگانے لگا خصوصاً ایک ایسی جامعہ جس کا ذریعہ تعلیم اردو ہو۔ ہندوستان کے مفکرین کے لئے مادری زبان میں تعلیم دینے کا مسئلہ بہت اہم رہا ہے اور جب کبھی اس کے متعلق کوئی تجویز پیش کی گئی تو [illegible] دونوں نے اس کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا۔ اس سلسلہ میں اردو یونیورسٹی کی تشکیل کے [illegible] بہادر مرحوم نے ایک [illegible] پیش کی تھی اگرچہ یہ کوشش فوری عملی صورت اختیار نہ کر سکی لیکن اس کا اثر ضرور ہوا کہ [illegible] کے لئے ایک [illegible] حیدری مرحوم کی کوششیں اس معاملہ میں [illegible] ہوئیں۔ اور [illegible] کے بعد اس معاملہ کو حضرت اقدس و اعلیٰ کے حضور میں پیش کرنے کی عزت حاصل کی گئی جس پر فرمان مبارک صادر ہوا کہ

> "[illegible] ایک ایسی جامعہ قائم کی جائے جس میں قدیم و جدید مشرقی و مغربی علوم کا امتزاج اس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمانی اور دماغی اور روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے اور جس میں علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلبہ کے اخلاق کی درستگی کی نگرانی ہو اور دوسری طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا کام جاری رہے۔"

اس طرح مادری زبان کے ذریعہ تعلیم کے ایک اہم مسئلہ کو حضور اقدس و اعلیٰ کے مدبرانہ طرز عمل اور فیاضانہ امداد سے ہمیشہ کے لئے طے فرما دیا۔ اور ۲۸۔ اگست ۱۹۱۷ء ایک منشور شاہی کے ذریعہ جامعہ عثمانیہ کے قیام کی منظوری صادر فرمائی گئی۔ اس زمانہ سے لے کر اس وقت تک جو ترقی اس جامعہ نے کی ہے اور اس کے جو اثرات پورے ہندوستان پر مرتب ہو رہے ہیں وہ ظاہر و باہر ہیں۔ تمام ہندوستان کی جامعات میں جامعہ عثمانیہ ایک نمایاں خصوصیت کی بنا پر ممتاز نظر آتی ہے کیونکہ وہ ایک جدید تعلیمی طرز عمل کی رہنما ہے۔ اردو زبان ہمیشہ سلطان العلوم

خسرو دکن و برار کی سخاوت اور فیاضی کی رہین منت رہے گی جنہوں نے یہ عظیم الشان ادارہ قائم کرکے نوجوانان دکن کی دماغی صلاحیتوں کے نتیجہ بخش اور مفید نتائج کو منظر عام پر آنے اور ملک و قوم کو اس سے مستفید ہونے کا موقع عطا فرمایا۔ دور ہمایونی کا یہ علمی و تعلیمی کارنامہ اس کے قیام تک آصف جاہ سابع کی علمی و تعلیمی سرپرستی کی فقید المثال یاد دلاتا رہے گا۔

درسی کتابوں کے ترجموں کے لئے جامعہ کے برابر ہی دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا جس نے نصابی کتب کی مانگ کو نہ صرف پورا کیا بلکہ انگریزی زبان کی ساری مشکلات جو طلبا کو پیش آتی تھیں یک لخت دور کر دیں۔ اس طرح جامعہ اور دارالترجمہ کے قیام کے بعد اس نوعیت کی جامعہ کے لئے بلند و عالی شان عمارتوں کی شدید ضرورت تھی اور یہ ضرورت بھی آج بڑی حد تک پوری ہو گئی ہے یونیورسٹی کی عمارات کا کام بہت سرعت کے ساتھ عملی شکل اختیار کر چکا ہے اہم عمارات بنائے جا چکے ہیں ادبیہ فنون کی عظیم الشان عمارت تکمیل پا چکی ہے۔ سائنس کالج اور دوسری عمارتوں کا کام بھی ہو رہا ہے۔

حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو ذات ہمایونی کی ایک ادنیٰ توجہ نے اس جامعہ کے قیام سے ہند کی تعلیمی دنیا میں نہ صرف ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے بلکہ آج ہندوستان کے علمی حلقوں میں مادری زبان میں تعلیم دینے کے متعلق حوصلہ افزا خیالات پیدا ہو گئے ہیں۔

سلطنت حیدرآباد میں تعلیمی ترقی کی رفتار نسبتاً زیادہ حوصلہ افزا ہے علم کی روشنی سے ملک کا گوشہ گوشہ منور ہو رہا ہے۔ اور اس روز افزوں علم کی اشاعت اور ترویج سے تہذیب، تمدن اور زندگی کے ہر شعبہ پر جو گہرے اور دور رس نتائج مرتب ہو رہے ہیں اور وہ حیدرآباد کی ہمہ گیر ترقی کی عملی طور پر نشاندہی کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حیدرآباد کی تعلیمی ترقی میں سرکاری کالجوں، مدرسوں اور جامعہ کے قیام کے قطع نظر غیر سرکاری انفرادی اور خانگی کوششیں بھی فراموش نہیں کی جا سکتیں جو ملک کے مختلف مشرقی طرز تعلیم کے اداروں، درسگاہیں اور مدارس انجام دے رہے ہیں جن میں سے بعض کو سرکاری مالی اعانت حاصل ہے اور بعض پبلک چندوں اور عطیوں کی بنا پر چل رہے ہیں۔ بہر حال ہر وہ کوشش جو تعلیمی ترقی کی طرف مائل ہو خواہ وہ حکومت کی ہو یا غیر سرکاری یا نیم سرکاری ہر حیثیت سے حوصلہ افزائی کی مستحق ہے۔ ذات ہمایونی کے دور سعید میں تعلیمی ترقی کی رفتار ہر اعتبار سے لائق تحسین اور قابل رشک ہے جو ملک و قوم کی ترقی کی واحد ضامن ہے ملک کی اس سے بڑھ کر اور کوئی خوش نصیبی نہیں ہو سکتی کہ جہل کا بدنما داغ اس کی پیشانی سے محو ہو جائے اور ملک کی ہر خدمت کے لئے تعلیم یافتہ نوجوان میسر آئیں تعلیم کی اشاعت نے نہ صرف ہزاروں بلکہ لاکھوں نوجوانوں کے دماغوں کو جلا دی ہے اور آئندہ ملک کی باگ ان ہی کے ہاتھوں میں ہو گی۔ سرکاری ملازمتوں کے قطع نظر تعلیم یافتہ نوجوان نسل معاشی، صنعتی، زراعتی اور علمی و ادبی جد و جہد کے باعث کئی اعتبار سے ملک و قوم کی خدمت انجام دے رہی ہے جس کو صرف تعلیمی ترقی ہی کا باعث کہا جا سکتا ہے بحیثیت مجموعی تعلیم کے جن خوشگوار اثرات سے ملک مستفید ہو رہا ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں یہ سب سلطان العلوم اعلیٰ حضرت خسرو دکن و برار کی تعلیمی سرپرستی اور فیضان کا اثر ہے کہ ملک دکن کے چپہ چپہ سے علم و ادب کے چشمے پھوٹ نکلے ہیں اور سارا ملک اس سے سیراب ہو رہا ہے۔ حضور پرنور کے دور فرخندہ فال کی تعلیمی ترقی ملک کو آگے بڑھانے میں سازگار ہو گی اور اعلیٰ تہذیب و تمدن کے یادگار آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑ جائے گی۔

لینن گراڈ

ماسکو اور کریملن کے بعد عسکری نقطۂ نگاہ سے لینن گراڈ ہی ایک ایسا اہم روسی شہر ہے جس پر اتحادیوں اور محوری طاقتوں کی نگاہیں ہمیشہ ایک مذبذب امید کے ساتھ پڑ رہی ہیں۔

یورپ میں روس کا بہترین عسکری مرکز لینن گراڈ ہے۔ جسے بعض سیاح اس کی عجیب و غریب خصوصیتوں کے باعث بھوتوں اور سیاہیوں کا شہر بھی کہتے ہیں۔

اور اس کی تفاصیل یوں بیان کی جاتی ہیں کہ یہ ایک قلعہ بند شہر ہے۔ جو فوجی حلقہ میں شامل ہے اور اس لحاظ سے یورپ کا فوجی یا عسکری "راز" بھی کہلا سکتا ہے۔ مزید براں یہ روسی وزارت بحریہ کا صدر مقام ہے اور اس کے پیٹر اور پال نامی دو کلیساؤں کی عالی شان عمارات میں جو "قلاع خوف" بھی کہلاتے ہیں تمام روس کی دولت کا ایک تہائی حصہ موجود ہے۔

لینن گراڈ کی بندرگاہ اور ساحل آبدوز کشتیوں کا مرکز ہیں جہاں سگار کی صورت والی ہلکے نیلے رنگ کی بحری کلیں سمندروں میں منظر پرست ذخیرہ مہیا کرنے کے لئے ہر وقت احکام کی منتظر رہتی ہیں۔

گزشتہ تیس برس کے قلیل عرصہ میں لینن گراڈ تین نام بدل چکے ہیں ۱۹۱۴ء میں اس شہر کا نام "سینٹ پیٹرس برگ" تھا۔ جو اپنی رونق و شان کے لحاظ سے پیرس اور ویانا کا جواب تھا لیکن جب روسی "اسٹیم رولر" جرمنی کے خلاف برسر پیکار ہوا تو اس کا نام تبدیل کر کے "پیٹروگراڈ" رکھ دیا گیا۔ پھر جب ۱۹۲۴ء میں بالشویکوں نے ماسکو میں اپنے رہبر و رہنما کی لاش کو دفن کیا تو اس کے نام سے اس پیٹروگراڈ کو منسوب کرتے ہوئے اسے لینن گراڈ بنا دیا گیا۔

لینن گراڈ میں اب کون رہتا ہے؟ اس کا جواب غیر ملکی سیاحوں کے نزدیک یہ ہے کہ لینن گراڈ صرف بھوتوں، سیاہیوں اور کارخانہ کے مزدوروں کا شہر ہے اور موخر الذکر گروہ کو "بھوت" بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جب یہ کارخانوں سے کام کر کے نکلتے ہیں تو ان کے چہرے دھوئیں کی وجہ سے بالکل سیاہ بن کر بھوتوں کی سی ہیبت اختیار کر جاتے ہیں۔

ہوائی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے لندن کی طرح لینن گراڈ میں بھی ہوائی غبارے ہیں جو کیروف پارک کے حصہ میں بہت بڑی تعداد میں اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

لینن گراڈ کے عین قلب میں نہر "فانٹنکا" کے رنگین کناروں پر مشہور و معروف محل اینکوف کی عالیشان عمارت ہے۔ اب لوگ اسے "محل مہاجرین" بھی کہتے ہیں۔ اور جو اب حکومت روس کا ایک زبردست فوجی مرکز ہے۔ روبل کا زبردست ذخیرہ اسی اینکوف نامی مشہور محل کے پارکوں کی تہ میں جمع کیا گیا ہے۔

لینن گراڈ کی بندرگاہ میں عجیب و غریب قسم کے جہاز بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ جو خالص چوبی یا آہنی ہونے کے بجائے کنکریٹ سے تیار کئے جاتے ہیں۔ ان کی ساخت لوہے کے ڈھانچے پر مضبوط کنکریٹ سے کی جاتی ہے اور یہ ایک قسم کی بڑی بار بردار کشتیاں ہوتی ہیں۔ جن میں کم از کم ... ٹن

[illegible] ہے۔ جہاز کا وزن بھی [illegible] پانی سے بہت کم ہوتا ہے کشتیاں [illegible] پر آ جاتی ہیں۔ زعد۔ کارتوس وغیرہ ایک مقام [illegible] دوسرے مقام تک پہنچانے کے کام لائی جارہی ہیں۔ [illegible] یہاں کے اسلحہ سازی کارخانوں کی روسی [illegible] کی جانب سے کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔ ہر کارخانہ کے اردگرد انگپو کا زبردست پہرہ ہوتا ہے اور کسی آدمی کو بھی ان کے "پاس" کا اچھی طرح سے معائنہ کے لئے بغیر کسی بھی صنعتی مرکز کے اندر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ لیکن مزدوروں کی بیویوں [illegible] اور دوسری رشتہ دار دوشیزاؤں کو اپنے تھیلے تھیلے شالوں کے ساتھ اپنے متعلقین کا کھانا لے جانے کی عام اجازت ہے۔ لینن گراڈ کے [illegible] علاقہ ڈیلسکوئی میں بھی عورتیں بکثرت نظر آتی ہیں اور یہ علاقہ بھی عسکری حلقہ میں شامل ہے۔ اس آبادی کا مقامی نام پوشکن ہے۔ کیونکہ یہ تاریخی طور پر مشہور روسی شاعر پوشکن کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔

ایسٹرلی کا مشہور سرمائی محل جو کبھی ملکہ کیتھرائن کا شاہی محل تھا۔ اب پندرہ ٹن کے روسی ٹینکوں کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ اسی محل کے سامنے ایک بہت بڑا میدان ہے جس میں فوجیں پریڈ کرتی ہیں۔ فوجی مظاہروں کے لئے احکام صادر کرنے کے لئے محل کے اوپر بڑے بڑے لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں۔

اگرچہ لینن گراڈ میں طیارہ شکن توپوں اور ہوائی مدافعت کا پورا پورا انتظام ہے لیکن اس کا عکسی فوٹو لینے کی قطعی طور پر ممانعت ہے اور اگر کوئی سیاح ہمت کرکے ایسے فعل کے ارتکاب کی کوشش بھی کرے تو کیمرے کے بٹن دبانے کی آواز کے ساتھ ہی اسے انگپو کی گولیوں کا بھی منتظر رہنا چاہئے۔

(نئی زندگی)

صوبہ متحدہ میں موسیقی کی تعلیم

یو۔پی گزٹ مورخہ ۶۔جون ۱۹۴۲ء میں ان مدارس کے درجہ تین اور چار کے لئے جو ابتدائی تعلیم کے درجے کہلاتے ہیں موسیقی کو لازمی مضمون قرار دیا گیا ہے اسی کے ساتھ ہی اس کا نصاب بھی دے دیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں درجوں کے لئے موسیقی کی کوئی کتاب مقرر نہیں ہے۔ نصاب میں سادہ گیت جو علٰحدہ علٰحدہ اور کورس (انترا) کے طور پر گلئے جائیں شامل ہیں اور گیتوں کے ساتھ بھاؤ بتانا۔ سُر کا تصور پیدا کیا جائے گا۔ اور اسی کے مطابق موسیقی کی سُر تانیں سکھائی جائیں گی۔ باجوں کے ساتھ آواز نکالنے کی مشق کرائی جائے گی۔ درجہ پانچ میں بھی موسیقی کا مضمون لازمی رکھا گیا ہے۔ اور اس درجہ کے لئے بھی کوئی کتاب موسیقی کی مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اس کی تعلیم مناسب طریقہ سے سُر نکالنے سے شروع ہوگی۔ ابتدا سادہ گیتوں سے ہوگی اور ایک ہی سُر کی تکرار سے احتراز کیا جائے گا۔

اسی سلسلہ میں ڈائرکٹر صاحب کی ایک گشتی چٹھی نمبری ۱۷۱۹ ج مورخہ ۲۔جون ۴۲ء بھی مدارس کو بھیجی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ موسیقی کی تعلیم رفتہ رفتہ جوں جوں اُستاد میسر آتے جائیں دی جائے۔ جہاں تک ممکن ہو موجودہ اُستادوں سے جو فن موسیقی سے واقف ہوں کام لیا جائے۔ اس کریکولم میں کہیں طبلہ بجانے کی تعلیم کا ذکر نہیں ہے۔ ایک ہمعصر نے گانے کے ساتھ طبلہ کی تعلیم کو بھی شامل کر دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جن طالب علموں کے سرپرست ہیڈ ماسٹر سے درخواست کریں گے ان کے لڑکوں کو گانے کی تعلیم سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے محکمہ تعلیم کی طرف سے استثنا کا کوئی حکم جاری نہیں ہوا ہے محکمہ تعلیم کی اس جدت کے متعلق قدرتی طور پر مسلمانوں میں جو گانے بجانے کی تعلیم کو مذہبًا جائز نہیں سمجھتے تشویش پیدا ہو گئی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ فن موسیقی فنون لطیفہ میں شامل ہے اور تمام مہذب ممالک میں اس کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن ہندوستان جیسے ملک میں اور خاص کر ایسے زمانہ میں جبکہ مسلمان اپنے کلچر کی حفاظت کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔ موسیقی کے اس مضمون کو لازمی قرار دے کر قدامت پسند مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگانا دانشمندی کی پالیسی نہیں کہا جا سکتا۔ جو قومیں اس فن لطیف کی تعلیم اپنے بچوں کے لئے ضروری سمجھتی ہیں ان کے خوش کرنے کے لئے یہ بھی کافی ہو سکتا تھا کہ اس مضمون کو اختیاری مضمون قرار دیا جاتا۔ یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اسکولوں میں اس فن کے جاننے والے اُستاد عام طور سے موجود نہیں ہیں اور نہ محکمہ نے اس فن کے جاننے والے جدید اُستادوں کا کوئی انتظام کیا ہے تو اس فن کو لازمی قرار دینے میں کیوں عجلت کی گئی ہے کر کے یہ لکھنا کہ جوں جوں اُستاد میسر آتے جائیں گے موسیقی کی تعلیم رفتہ رفتہ دی جائے گی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جن مدرسوں میں پرانے اُستادوں میں کوئی اُستاد اس فن کا جاننے والا موجود نہ ہوگا۔ اور نہ کوئی نیا اُستاد اس فن کے سکھانے کے لئے مقرر کیا جائے گا۔ وہاں کے ہیڈ ماسٹر اس مضمون کو جو لازمی قرار دیا گیا ہے کس طرح سکھائیں گے اور وہاں اس مضمون کا لازمی قرار دیا جانا کیا وزن رکھے گا۔

کیا محکمۂ تعلیم اس عقدہ کو حل کرے گا اور اگر نہیں حل کرے گا تو یہ لازمی مضمون بہت سے مدرسوں میں جہاں اس کے سکھانے والے میسر نہ آئیں گے صرف کاغذ کی زینت بنا رہے گا اور تعلیم اوقات تعلیم میں جو منٹ اس کی تعلیم کے لئے مقرر کئے جائیں گے وہ ضائع جائیں گے ہمیں امید ہے کہ صوبہ کے محکمۂ تعلیم کے افسر اعلیٰ جو ایک تجربہ کار افسر ہیں اس نئے کریکولم پر مکرر غور فرمائیں گے اور کریکولم کی مناسب ترمیم ہو جائے سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی بدگمانی جو اس سرکلر کے جاری ہونے پر محکمۂ تعلیم سے پیدا ہو گئی ہے دور ہو جائے گی۔ بلکہ عام طلبہ کا یہ فائدہ ہوگا کہ موسیقی کے اُستادوں کے موجود نہ ہونے کی حالت میں تضیع اوقات کا جو اندیشہ ہے وہ جاتا رہے گا۔ پہلے ماہر فن اُستادوں کے مہیا کرنے کا انتظام کیا جاتا اور اس کے بعد اس شعبۂ تعلیم کو کریکولم میں داخل کیا جانا چاہئے تھا

(ہمدم والعصر)

ہندوستان اور اسکی شرکت جنگ

(بقیہ مضمون صفحہ ۴ کالم ۳ کا)

میں کوئی انقلاب نہیں ہوا اب بھی یہاں کی مختلف قومیں باہمی تعاون کی ضرورت محسوس نہیں کرتیں اور عوام کی ذہنیت اور اخلاقی حالت میں بھی ابتک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لہذا اس کی کوئی توقع نہیں ہے کہ اگر ملک کسی خطرہ میں مبتلا ہوا تو فرقہ وارانہ منافرت کا خاتمہ ہو جائے گا اور ایک قوم دوسری قوم کے مفاد اور جان و مال کی حفاظت کرنا اپنا ملی فریضہ تصور کرے گی بلکہ اندیشہ ہے کہ اس حملے سے جو بدنظمی اور ابتری پھیلے گی لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اور یہ اندرونی خطرہ ملک کے لئے بیرونی خطرہ سے زیادہ مہیب و خوفناک ثابت ہوگا۔

ملک کے جو حالات ہم نے پیش کئے ہیں انھیں نظر انداز کرنا اور مستقبل کی فکر نہ کرنا ایک ایسی خطرناک غلطی ہے جس کی کبھی تلافی نہ ہوسکے گی۔ اور اگر حقیقتہً ملک کسی سخت خطرہ میں مبتلا ہوگیا اور اس کے امن و امان میں خلل پیدا ہوا تو یہ ہنگامہ پسند لیڈر جو آج اپنی شعلہ بیانی سے عوام کے جذبات کو مشتعل کر رہے ہیں ملک کو اس آنے والی مصیبت سے یقیناً نہیں بچا سکیں گے اس لئے عاقبت اندیشی اس کو مقتضی ہے کہ ابھی سے ایسی تدبیریں عمل میں لائی جائیں کہ اگر کسی وقت اندرونی و بیرونی خطرہ میں مبتلا ہو یا کبھی کوئی حریف ہندوستان پر حملہ کرے تو ایسے معاملہ میں سارے ملک کو ایک آہنی دیوار کی طرح مضبوط و متحد پائے۔

خطرہ کے نمودار ہونے سے پیشتر وقت کے جو قیمتی لمحے ہمیں میسر ہیں انھیں ضائع نہیں کرنا چاہئے اگر درحقیقت ہم اس قدر بدقسمت ہیں کہ آپس میں کوئی مستقل مصالحت نہیں کرسکتے تو کم از کم زمانہ جنگ میں ہمیں عارضی طور پر مصالحت کرلینا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایک متحد و مضبوط ہندوستان ہی حریف کے حملہ کی مدافعت کرسکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان اس وقت تک مضبوط نہیں ہوسکتا جب تک وہ متحد نہ ہو۔

ہندوستان کی موجودہ فوجی طاقت

ہز رائل ہائینس ڈیوک آف گلوسٹر برادر ملک معظم نے ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت جو طویل تقریر آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی سے نشر فرمائی اس میں ہندوستان کی موجودہ فوجی طاقت کے متعلق حسب ذیل خیالات ظاہر کئے۔

"تیسری بات جس کا مجھ پر بہت واضح اثر ہوا وہ ہندوستان اور لنکا کی موجودہ زبردست فوجی طاقت ہے۔ آپ نے مسٹر ونسٹن چرچل کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں ایسی زبردست مسلح فوجیں موجود ہیں جیسی ہندوستان کے برطانوی دور کی تاریخ میں کبھی نہیں۔ میں نے ان کا حوصلہ اور ان کی اہلیت دیکھی ہے۔ میں نے وہ دفاعات دیکھے ہیں جہاں یہ لوگ متعین ہیں میں نے اُن لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو اُن کے پاپشت شہری دفاع کا کام کر رہے ہیں۔

موجودہ زمانہ کی جنگ میں کوئی ملک محفوظ نہیں کہا جاسکتا لیکن ہندوستان اور سیلون ایسے مضبوط قلعے ہیں جن کی طرف اگر دشمن نے رخ کیا تو اُس کا سارا کس بل نکل جائے گا۔ اس سے بھی اہم تر یہ کہ جب وہ مبارک دن آئے گا کہ ہماری مسلح فوجیں آگے بڑھیں گی اور دشمن کو وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو ڈھونڈھ نکالیں گی تو وہ یقیناً اُسے شکست دیدیں گی اور برباد کردیں گی۔

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ صرف میری ذاتی رائے نہیں ہے میں نے اُن لوگوں سے باتیں کی ہیں جو جاپانیوں سے لڑ چکے ہیں یہ لوگ جاپانیوں کے ہتھکنڈوں سے واقف ہوچکے ہیں، ان کا یہ صرف خیال نہیں ہے وہ یقیناً جانتے ہیں کہ جب وہ دوبارہ جاپانیوں سے کم و بیش برابر کی ٹکر لیں گے تو وہ جاپانیوں کو ہرادیں گے۔ جو کچھ وہ جاپانیوں کے ساتھ کرسکتے ہیں وہی جرمنوں اور اطالیوں کے ساتھ کرسکتے ہیں۔

ہندوستان اور سیلون میں اس وقت بحری، بری اور ہوائی فوجوں کا جو اجتماع ہے اس میں بہت زبردست اضافہ پایا جاتا ہے، یہاں برطانیہ، برطانوی ممالک اور اتحادی اقوام کی فوجیں موجود ہیں، یہاں خود آپ کی اپنی ہندوستانی فوجیں ہیں جن میں ہندوستان کے تمام علاقوں کے لوگ شامل ہیں، انھیں کے ساتھ "تاج برطانیہ" کے سب سے زیادہ قدیم اتحادی نیپال کی فوجیں بھی ہیں یہ فوجیں جن میں ہر فرقہ کے لوگ ہیں لیکن جو ایک دوسرے کے دوش بدوش اپنے برطانوی رفقاء کے ساتھ لڑ رہی ہیں اس وقت بھی ایسے جنگی اعزاز حاصل کرچکی ہیں جو ہر زمانہ میں قابل فخر سمجھے جاسکتے ہیں"

ہمیں امید ہے کہ ڈیوک آف گلوسٹر کی یہ تقریر جس میں ہندوستان کی فوجی طاقت و قوت مدافعت کے متعلق اظہار واقعات کیا گیا ہے لوگوں کے لئے بہت کچھ اطمینان بخش ثابت ہوگی اور وہ محسوس کریں گے کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کی حفاظت کے لئے ہر وہ تدبیر عمل میں لارہی ہے جو بحالت موجودہ ممکن ہے۔

اتحادیوں کے بحری نقصانات

نیویارک کی ایک اطلاع مورخہ ۱۴ جولائی [illegible]

[illegible] کہ جنگ شروع ہونے کے بعد سے اب تک اتحادی ممالک اور غیر جانبدار ملکوں کے ۳۰۰۰ جہاز غرق ہوچکے ہیں۔ ۱۳ جولائی کی رات کو بحری معاملات کے ماہر مسٹر ایچ سی فرانی نے یہ کہا کہ امریکہ سے جو اعلان ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کے ساحل کے قریب اتحادی جہازوں کے غرق ہونے کا ماہانہ اوسط اسّی رہا ہے۔

سب سے زیادہ جہاز برازیل اور امریکہ کے درمیان غرق ہوئے، اگرچہ نقصان بہت زبردست ہوا ہے لیکن اس سے کم ہے جتنا کہ ۲۵ سال پہلے اتحادیوں کو پہنچا تھا، ۱۹۱۷ء کی ششماہی میں اتحادیوں کے ۲۳۰۰ جہاز غرق ہوئے تھے یعنی گزشتہ چھ مہینہ میں امریکہ کے جتنے جہاز غرق ہوئے اُن سے ایک ہزار زیادہ غرق ہوئے تھے۔ امریکہ کے سمندر کے باہر بھی گوبلز نے ایک ہزار جہاز غرق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے، مسٹر فرانی نے یہ بھی کہا کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ ہم جتنے جہاز تیار کر رہے ہیں اس سے زیادہ برباد ہو رہے ہیں۔"

بےشبہ جہازوں کی بربادی کا مسئلہ خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے، چنانچہ امریکہ کی ایک معتبر تازہ اطلاع میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ۱۲ جولائی سے شروع ہونے والے ہفتہ میں اس قدر جہاز غرق ہوئے کہ جنگ شروع ہونے کے بعد سے اب تک نہیں ضائع ہوئے تھے، نیز یہ کہ برطانیہ اور امریکہ مل کر جتنے جہاز تیار کرتے ہیں اس سے زیادہ ڈوب جاتے ہیں، خیال کیا جاتا ہے کہ اب امریکہ اور زیادہ سرگرمی سے جہازوں کی تیاری پر توجہ کرے گا۔

پنجاب میں زنانہ تعلیم کی [illegible]

خان بہادر میاں [illegible] صاحب [illegible] چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے [illegible] [illegible] اساتذہ [illegible] [illegible] ۱۹۴۰ [illegible]

[illegible]

[illegible] لڑکیاں [illegible] بی اے کے [illegible]
ہیڈ واروں میں لڑکیوں کی تعداد صرف ۳۵۸ تھی۔
یونیورسٹی کے ماتحت اس وقت پانچ کالج استانیوں کے لئے ہیں جن میں ۳۰۸ لڑکیاں تربیت حاصل کر رہی ہیں، مردانہ کالجوں میں اس وقت ۳۷۷ استاد زیر تربیت ہیں یہ تناسب یقیناً حوصلہ افزا ہے۔

تقریر کے خاتمہ پر آپ نے فرمایا کہ لڑکیوں کی جسمانی صحت کا خیال رکھنا ہر تعلیمی ادارہ کا اولین فرض ہونا چاہئے کیونکہ تندرست مائیں ہی تندرست قوم پیدا کر سکتی ہیں، میری خواہش ہے کہ ہر ایک لڑکی بندوق چلانے تیراکی اور اپنی حفاظت کے فن میں طاق ہو۔

مسٹر ساورکر کی زہر افشانی

ہمعصر خالد سرینگر (کشمیر) رقمطراز ہے کہ ہندو مہاسبھا کے پریسیڈنٹ مسٹر ساورکر تعصب کا زہر پھیلانے کے بعد کشمیر سے واپس چلے گئے، ساورکر صاحب تین دن جموں میں اور دو دن سرینگر میں مقیم رہے اور اسی اثنا میں آپ نے مسلمانوں کے خلاف پیٹ بھر کر نفرت پھیلائی، ہندو مسلم اتحاد کے لفظ سے آپ سخت چڑھتے رہے اور بار بار یہی کہتے رہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے مسلمان اگر اپنا حق جتاتے ہیں تو عرب کے ریگستان میں چلے جائیں، ہندوؤں کے سوا ہندوستان پر حکومت کرنے کا کسی کو حق نہیں، کشمیر میں ہندو راج ہے، کشمیر کے ہندو ہندو راج کا ساتھ دیں۔

یہ کس قدر افسوس و رنج کی بات ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان ایک نازک دور سے گذر رہا ہے، سب قوموں کو آپس میں مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے ایسی فتنہ انگیز تقریریں کی جاتی ہیں جو مختلف فرقوں میں نفرت و عداوت پیدا کریں۔ ہمیں حیرت ہے کہ حکومت کشمیر نے اس [illegible] تقریروں کی کیوں اجازت دی جو [illegible] کی عایا [illegible] میں نفرت پیدا کر کے کسی فتنہ کا [illegible] کشمیر میں مسلمانوں کی [illegible] اکثریت ہے اس لئے مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ رکھنا حکومت کا سب سے پہلا فرض ہے۔ بیرونی شورش پسندوں کا ریاست میں آ کر اس قسم کا خطرناک کھیل کھیلنا خود ریاست کے مستقبل کے لئے بھی سخت خطرناک ہو سکتا ہے۔ اگر ان شر انگیز تقریروں کی بدولت ریاست میں کوئی ہنگامہ برپا ہو تو اس کی پوری ذمہ داری حکومت کشمیر پر ہوگی جس نے ایسے بدنام فرقہ پرستوں کو ریاست میں تقریر کرنے کا موقع دیا۔

صدر اعظم حیدر آباد کا پیام تہنیت

اعلحضرت نظام خلد اللہ ملکہ کی تقریب سالگرہ کے مبارک موقع پر نواب صاحب چھتاری صدر اعظم حیدر آباد نے لاسلکی نشرگاہ حیدر آباد سے حسب ذیل پیام نشر کیا۔

"آج اعلحضرت سلطان العلوم شہریار دکن و برار خلد اللہ ملکہ و شوکتہ کی سالگرہ مبارک کا روز سعید ہے ہمارے دل مسرت و انبساط سے لبریز ہیں خدا ظل الٰہی کو ہمارے سروں پر صد ہا سال قائم رکھے اور ہمارے جذبۂ جاں نثاری کو دولت و خاندان آصفیہ کی خدمت کے لئے استوار تر بنائے، آمین"

بندگان عالی کی ذات ہمایونی نہ صرف آپ کی وفادار رعایا بلکہ جملہ مسلمانوں کے لئے مایۂ ناز اور باعث صد افتخار ہے، اعلیٰ حضرت کے ایک ادنیٰ سپاس گزار کی حیثیت سے میرے لئے اس جشن مسعود کے مبارک موقع پر اس طرح حاضر ہونے کا یہ پہلا اتفاق ہے اور میں بجا طور پر اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ مجھے حضرت جہاں پناہی کی خدمت کا شرف حاصل ہے۔

حکومت سرکار عالی کے صدر اعظم کی حیثیت سے میری آواز سارے حیدر آباد کی آواز ہے اور اس میں ہمارے ملک کے ان بہادر سپاہیوں کی آواز بھی شامل ہے جو حیدر آباد کی قدیم روایات کو زندہ رکھنے کے لئے اپنے وطن سے دور جنگ کے مختلف میدانوں میں داد شجاعت دے رہے ہیں۔ اسی اعتماد کے ساتھ آج میں اس نشرگاہ سے اہل حیدر آباد کی عقیدتمندی اور وفاشعاری کا ہدیہ تبریک و تہنیت لے کر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہونے کی عزت و سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

تقریر کے خاتمہ پر صدر اعظم نے اعلحضرت و خاندان شاہی کی ترقی عمر و اقبال کے لئے دعا فرمائی۔

علمی تحائف

مضامین محمد علی } مولانا محمد علی مرحوم مغفور کے مضامین کا مجموعہ جو اُن کے ہر قسم کے خیالات کا مرقع اور ہندوستان کے سب سے زیادہ ہنگامہ خیز دور کی تاریخ ہیں۔ قیمت مجلد ۶ عہ

جوہر اقبال } ڈاکٹر اقبال مرحوم مغفور کے خیالات اور شاعری پر مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر سید عابد حسین، خواجہ غلام السیدین وغیرہ کے مضامین۔ قیمت مجلد ۸ عہ

محاسن کلام غالب } غالب کی شاعری پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم مغفور کا نہایت معرکۃ الآرا مضمون۔ قیمت مجلد عہ

مضامین رشید } جناب رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کے اٹھارہ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ۔ قیمت مجلد ۶

خنداں } جناب صدیقی صاحب کی اُن مزاحیہ تقریروں کا مجموعہ ہے جو موصوف نے وقتاً فوقتاً دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر کیں۔ قیمت مجلد .. ۶ عہ

یادگار نصیر } محمد نصیر الدین صاحب علوی ایم اے ایل ایل بی منصف مرحوم کے منتخب کلام کا مجموعہ جو غزلیات، قصائد، سلام اور رباعیات پر مشتمل ہے کچھ غزلیات فارسی زبان میں بھی ہیں کلام دلپذیر اور مؤثر ہے۔ قیمت .. ۸ عہ

ہماری شاعری } سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا اردو شاعری پر ایک مضمون۔ قیمت مجلد .. ۶ عہ

بقائے دوام } موت و حیات، روح و حیات بعد الموت کے متعلق نہایت عجیب اسرار و حقائق۔ قیمت عہ

الانہار } حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری پر نہایت مبسوط و سیر حاصل تبصرہ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی۔ قیمت .. ..

المبین } اس کتاب میں عربی زبان کے فضائل اور اس کے بے نظیر خصائص بتا کر جملہ السنۂ عالم کے مقابلہ میں اس کی ناقابل انکار فوقیت و برتری ثابت کی ہے از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم۔ قیمت ۶ عہ

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام [illegible] شروانی پبلشر و پرنٹر شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا اور دفتر سے شائع ہوا)

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۰

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا

کانفرنس گزٹ

تاریخ ہائے اشاعت
ہر ماہ عیسوی کی
یکم ۔ ۸ ۔ ۱۶ ۔ ۲۴

قیمت فی پرچہ
ایک آنہ

قیمت اخبار
سالانہ ۔ تین روپئے
ششماہی ۔ دو روپئے
سہ ماہی ۔ ایک روپیہ

علی گڑھ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر ۔ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر ۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۳) | یکم اگست سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۱۷ ۔ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر (۲۹)

معلوم ہوا ہے کہ حکومت سندھ نے بذریعہ ڈائرکٹر صیغہ تعلیمات یہ احکام جاری کئے ہیں کہ تمام اسکولوں کے ماسٹروں کو یا تو اے آر پی میں یا سوک گارڈ میں داخل ہو جانا چاہئے۔

سرہند کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ محکمہ تعلیم ریاست پٹیالہ نے ایک نئے سرکلر کے ذریعہ سے پرائمری سے پانچویں جماعت تک گورمکھی کو لازمی مضمون قرار دیا ہے اس سرکلر پر فوراً عملدرآمد شروع ہو جائیگا۔

صوبہ بہار کی اردو کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے مولوی ظفر علی خاں صاحب ممبر اسمبلی نے یہ کہا کہ "زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور نہ اس کو کسی قسم کی رکاوٹوں سے نقصان پہنچتا ہے، کسی زبان کو کسی ایک جماعت یا فرقہ سے وابستہ کرنا اس کے دائرہ کو محدود کرنا ہے۔ آپ نے کہا کہ اردو کو مسلمانوں سے وابستہ کرنا حقیقت کے منافی ہے۔

اردو زبان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے آپ نے یہ کہا کہ موجودہ پوزیشن یہ ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی زبان ہے اور اس کو بنانے میں ہندو اور مسلمان دونوں کا حصہ ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ کچھ مدت سے دلی یونیورسٹی کی جدید "سہ سالہ اسکیم" کے سلسلہ میں سر ماریس گائر وائس چانسلر اور کورٹ کے اکثر ممبروں میں شدید اختلاف رائے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کے تعلیمی ممبر سر این آر سرکار کافی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ چند روز ہوئے جملہ مقامی کالجوں کے نمائندوں سے سر ماریس گائر اور رجسٹرار یونیورسٹی کی موجودگی میں اس معاملہ پر تین چار گھنٹہ تک غور و خوض کیا گیا۔ اس کے بعد دوبارہ ملاقات میں اس مسئلہ پر کافی بحث ہوئی۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ سر این آر سرکار اپنے عہدہ کا چارج سر جوگیندر کو دینے سے پہلے اس دشواری کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور یونیورسٹی کورٹ کی میٹنگ میں اس مفاہمت کا اعلان ہو جائے گا جو کالجوں یونیورسٹی اور ممبروں کے درمیان ہوگی۔

یہ کہا جاتا ہے کہ سہ سالہ اسکیم تو قائم رہے گی لیکن [illegible] بہت سے اعتراضات جو اسکیم سے [illegible] ہیں، رفع کر دئے جائیں گے۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے وائس چانسلر فنڈ کیلئے چندہ کی اپیل کی ہے جس میں جنگ اور عام اقتصادی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ حالات موجودہ اوسط درجہ کے لوگوں کیلئے بچوں کی تعلیم نہایت مشکل ہوگئی ہے اور جنگ کے حلقوں سے آئے ہوئے غیر ملکی پناہ گزینوں نے اس مسئلہ کو اور مشکل بنا دیا ہے نیز بہت سے ہونہار طلبہ ایسے ہیں جو بغیر مالی امداد تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے یونیورسٹی میں طلبہ کا جو اضافہ ہوا ہے اسی تناسب سے مالی امداد کے خواہشمند طلبہ کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے طلبہ کی امداد کیلئے سر سید راس مسعود نے ایک روپیہ فنڈ جاری کیا تھا جو ان کے بعد بھی جاری رہا۔ گزشتہ سال ۵۲۷۵ روپیہ چار آنہ ۶ پائی مستحق طلبہ کو وائس چانسلر فنڈ سے دیا گیا۔ فنڈ میں ۲۷ روپیہ قرض ہے، وائس چانسلر صاحب یہ توقع کرتے ہیں کہ سب اصحاب سنہ ۴۳-۱۹۴۲ء فنڈ کے لئے بھی اپنی امداد جاری رکھیں گے اور اس فنڈ کے لئے بارہ روپیہ مرحمت فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم اگست ۱۹۴۲

ہندوستان کیلئے صحیح راہ عمل

"ملکی سیاست" پر بحث و گفتگو کے سلسلہ میں اکثر مسلمان انڈین نیشنل کانگریس کے متعلق یہ شکایت کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے جذبات و محسوسات کا لحاظ نہیں کرتی اور اس میں اکثر اوقات ایسی تجویزیں پاس ہو جاتی ہیں جو مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اُن کے لئے مُضر ہیں اور جن سے اُن کی حق تلفی ہوتی ہے۔ کانگریس کے اس طرز عمل سے اکثر لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ "نیشنل کانگریس" بجائے عام ملکی مفاد کے صرف ایک خاص فرقہ یعنی اکثریت کے غلبہ و اقتدار کے لئے جد و جہد کرتی ہے۔ اس خیال کا یہ نتیجہ ہے کہ بہت سے مسلمان محض اسی وجہ سے کانگریس میں شریک نہیں ہوتے کہ اس شرکت سے اُن کی قوم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا، اور اکثریت کی طاقت و غلبہ کے مقابلہ میں اُن کی کوئی ایسی تجویز جو مسلمانوں کے مفاد سے تعلق رکھتی ہو کبھی کامیاب نہ ہو سکے گی۔

یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ایک خاصی تعداد ایسے مسلمانوں کی بھی ہے جو کانگریس کے فرقہ وارانہ رجحانات کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کانگریس سے جو شکایت ہے اس کا "صحیح علاج" یہ ہے کہ وہ نیشنل کانگریس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو کر اقتدار حاصل کریں اور ایسا اثر پیدا کریں کہ اُن کی مرضی و مفاد کے خلاف کوئی تجویز کانگریس میں منظور نہ ہو سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ کانگریس کی موجودہ ذہنیت مسلمانوں کی اس سیاسی کوتاہ بینی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس میں داخل نہیں ہیں اس لئے اقتدار یافتہ گروہ بھی من مانی کارروائیاں کرتا ہے اور کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں،

یہ بات بظاہر معقول معلوم ہوتی ہے جس سے اکثر لوگ متاثر ہوتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اگر وہ کانگریس میں شریک ہو کر جد و جہد کریں تو اپنی قوم کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن شریک ہونے کے بعد انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ

ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

حقیقت یہ ہے کہ محض تخیل و حسن ظن سے دنیا میں کام نہیں چلتا بلکہ صحیح فیصلہ واقعات کی بنا پر ہوتا ہے اس لئے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعات سے کیا حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

کانگریس کے طرز عمل اور مخصوص رجحانات کے متعلق بہت سے واقعات ایسے ہیں جو پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن مسٹر راجگوپال اچاریہ کا تازہ واقعہ خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے لئے سبق آموز ہے جس سے بہت سے لوگ غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے ہیں اور ملکی پریس نے بھی اس واقعہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔

مسلم لیگی اخبارات عام طور پر مسٹر اچاریہ کے طرز عمل کی حمایت کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحیح قدم اُٹھایا ہے جس کی بحالت موجودہ ضرورت تھی۔ برخلاف اس کے کانگریسی اخبارات کی اکثریت مسٹر اچاریہ کی مخالف ہے، اسی طرح ملک کی مختلف سیاسی جماعتیں اس واقعہ کے متعلق مختلف الخیال ہیں۔ مجلس احرار مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہے جو عموماً کانگریس کے ہمنوا رہتی ہے لیکن اس واقعہ کے متعلق مجلس مذکور کے ہفتہ وار اخبار نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں اُن سے نہ صرف کانگریس کے اس طرز عمل پر نکتہ چینی کی ہے جو اُس نے مسٹر اچاریہ کے متعلق اختیار کیا بلکہ اس معاملہ پر بھی بحث کی ہے کہ جو مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کانگریس میں شریک ہو کر مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کر سکتے ہیں اُن کی رائے کس حد تک صحیح یا غلط ہے؟

مجلس احرار کے ترجمان "افضل" نے اس مسئلہ کے متعلق جو طویل "مقالہ افتتاحیہ" لکھا ہے۔ اس میں مسٹر اچاریہ کے طریقۂ کار پر بحث کرنے کے بعد حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں۔

"راجہ جی کے دور حاضرہ کی سرگزشت بہت سے لوگوں کی آنکھیں کھول دے گی، راجہ جی سے زیادہ کانگریس کا کارکن اور خیرخواہ کون ہوگا لیکن جب راجہ جی کو کانگریس کی سرکاری حکمت عملی پر نکتہ چینی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُن کے لئے کانگریس کے اندر رہنا ناممکن ہو گیا۔ مجلس عاملہ سے استعفا دینے کے بعد بھی ان کی سرگرمیوں پر پابندی لگانے کی ضرورت سمجھی گئی اور آخرکار انہیں کانگریس سے مستعفی ہونا مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوا۔

خبر ہے کہ ... اسمبلی کی کانگریسی پارٹی کی رہنمائی اسمبلی کی رکنیت سے اور کانگریس کے ہر عہدہ بلکہ چار آنہ سالہ [illegible] کی رکنیت سے بھی مستعفی ہو رہے ہیں اور ناگ ناڈ (?) کانگریس کے صدر کے نوٹس کے ساتھ ہی اگر گاندھی جی اور مولانا آزاد کا مشورہ بھی ایک حقیقت ہے تو یہ ظاہر ہے کہ کانگریس کے اچھے سے اچھے کارکنوں نے اپنی اصول پرستی کی بنا پر راجہ جی سے کیا کچھ مطالبہ کیا ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد ہمعصر کو در [illegible] لکھتا ہے کہ

"اب اُن دوستوں کے لئے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے جن کو ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ کانگریس کے اندر جا کر اس کو درست کرنے کی کوشش ہونی چاہئے۔ اگرچہ راجہ جی کانگریس کے اندر ہوتے ہوئے بلکہ اس کے ممتاز ترین نمائندوں میں سے ہوتے ہوئے اسے اپنے نقطۂ نگاہ پر لانا چاہیں تو اُن کو کانگریس کے اندر رہنا محال ہو جاتا ہے تو اُن لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو کانگریس کے رکن ہی اس لئے بنتے ہیں کہ اقلیت میں ہونے کے باوجود وہ غالب اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا سکیں، ہم خیال بنانے کے لئے پروپیگنڈے کی ضرورت ہوتی ہے پروپیگنڈا بھی وسیع اور شدید ہونا چاہئے گو اس میں تلخی کی ضرورت نہیں، تاہم کانگریس کی حکمت عملی کی پُرزور تائید کی ذمہ داریوں کو اپنی گردن پر لیکر اور کانگریس میں کوئی عہدہ اور پوزیشن حاصل کرکے اس کو اپنا ہم خیال بنانا ناممکن ہے۔ اور اگر کسی نے ایسی کوشش کی تو اُسے کانگریس سے نکلنا پڑیگا

خواہ وہ راجہ جی کی طرح اس کے اندر رہ کر کتنا ہی خواہشمند کیوں نہ ہو۔

آج تو راجہ جی کے فقرے نے ہماری سیاسی مشکلات کو حل کرنے میں امداد دی ہے۔ اگر ہم یہ سمجھیں کہ ہندو مسلم منازعات کا حل کانگریس کے اندر رہ کر ہو سکتا ہے تو یہ طریقہ کار انہی مسلمانوں کو قبول ہوگا جو کانگریس کی ہندو اکثریت کا فیصلہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔ اگر وہ اکثریت کے فیصلہ پر کاربند ہونا چاہتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی فیصلہ منوانے کا جو خواہشمند ہو تو وہ کسی عہدہ پر رہ کر ایسا کرنے کا اختیار نہیں رکھ سکتا بلکہ اسے ذمہ داری کے ہر عہدہ سے سبکدوش ہونا پڑیگا۔"

"راجہ جی کی عمر بھر کی کانگریس نوازی اور مثالی قومی خدمت کے بعد ان سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا گیا ہے اور انہیں اپنی تمام آئین پسندیوں اور تلخ تجربوں کے باوجود کوئی راہ عمل سوائے اس کے نظر نہیں آئی کہ وہ کانگریس کے عہدوں سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کریں تو کسی احتجاج کرنے والے مسلمان کا کیا حال ہوگا؟ اسے تو اکثریت کی ہاں میں ہاں ملانی پڑے گی اور یا اس کو سبکدوش ہو کر کانگریس کے دائرہ سے باہر نکالا جائے گا۔ پس ظاہر ہے کہ کانگریس میں گھسنے کی کوشش کرنا اور وہ بھی اس امید پر کہ ہم وہاں جا کر اصلاح کر سکیں گے ایسی ہی ہے جیسا کہ راجہ جی کا یہ ابتدائی خیال کہ وہ کانگریس کے عہدوں کو سنبھال کر بھی کانگریس کے فیصلے کے خلاف پروپیگنڈا کر سکیں گے۔"

"اسلامی مسائل" ایسے نہیں ہیں جن کو ہندو اکثریت آسانی سے قبول کر سکتی ہے، اگر ایسا ہوتا تو قوم پرست مسلمانوں نے اپنی ہمنوائی کا کوئی تصفیہ کر لیا ہوتا ___"

"کانگریس کی اکثریت مسلم مفاد کی نگہبان نہیں ہے، اس وقت تو یہی حقیقت ہے اور اس سے انکار کی کسی کو گنجائش نہیں ہو سکتی، پھر عارضی مفاد پر یا محض وقت گزارنے کے لئے غلط راستہ پر چلنا مفید نہیں۔ اگر ہم چار چار آنہ کے رکن بن کر علیحدہ علیحدہ کانگریس میں جائیں گے تو ہم وہاں اپنی بات نہیں منوا سکتے بلکہ وہاں ہندو اکثریت کی ہمنوائی کرنی پڑے گی، اگر ہم سب کے سب مسلمانوں کو بھی کانگریس میں لے جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم فقط ۲۵ فی صدی ہوں گے اور ۷۵ فیصدی لوگ وہ بیٹھے ہوں گے جن کے بیشتر نظریات ہم سے بالکل جداگانہ ہیں'

حکومت سے تو لڑ جھگڑ کر اب بھی مرکزی حکومت میں ایک تہائی نشستوں کا مطالبہ تسلیم کرایا ہے اس لئے اگر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے مطابق آئین بنے تو ہندوستان کے مرکز میں مسلمانوں کو ایک تہائی نمائندگی حاصل ہوگی، لیکن کانگریس کے مرکزی ایوان میں ہم ایک چوتھائی ہی رہیں گے، مرکزی حکومت کا آئین کانگریس کے ماتحت ہوگا کیونکہ وزرا، کانگریس کے فیصلوں کے پابند ہوں گے یعنی جو کچھ ہم نے مرکز میں حکومت سے حاصل کیا ہے وہ بھی ہم کانگریس کی ماتحتی قبول کرکے ضائع کر بیٹھیں گے اور ہندوستان کے مرکز کا فیصلہ اس اسمبلی کے ہاتھ میں نہ ہوگا جس میں ایک تہائی مسلم نمائندگی ہوگی بلکہ اس جماعت کے ہاتھ میں ہوگا جس میں فرقہ پرستی کو دخل ہی نہ ہوگا اور جس میں ۷۵ فیصدی کے قریب ہندو اثر کام کر رہا ہوگا'

اگر ہمیں مستقبل میں ایسے ہی کسی فیصلہ کو قبول کرکے اس پر عمل کرنا ہے تو بیشک ہمیں اپنے لئے کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اگر ہمیں ہندوستان میں اسلامی حقوق، اسلامی ضروریات اور اسلامی مفاد کو محض غیرمسلمین کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا ہے تو سوچنا پڑے گا کہ ہمارے لئے درست راہ عمل کیا ہے'

"صحیح راہ عمل یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کا آزاد خیال نظام بنائیں اور فقط اسی کی وفاداری اور اسی کے فیصلوں کی پابندی اپنے ذمہ لیں۔ اس طرح ہم آزادانہ طور پر ملک و ملت کی بہبودی کے امور پر غور و فکر کرکے درست راہ عمل اختیار کر سکیں گے اور جماعتی حیثیت سے جو طریقہ یا جو پروگرام یا جو پروپیگنڈا اختیار کرنا ہوگا کر سکیں گے۔ ہمارا فیصلہ جماعتی فیصلہ ہوگا، ہماری صلح جماعتی صلح ہوگی اور ہماری جنگ بھی جماعتی جنگ ہوگی۔ نہ ہم اکیلے جا کر وزارتوں اور صدارتوں کے لئے جد و جہد کریں گے اور اس طرح ملت کی پریشانی کا باعث ہوں گے اور ہر مرتبہ نئی آواز اور نئی تحریک پیدا کرنے کی دھن میں ہوں گے"

واقعہ یہ ہے کہ کانگریس خواہ سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتی ہو یا محض اکثریت کی، بہرصورت یہ یقینی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مخصوص مفاد کی حفاظت نہیں کر سکتی، ہندوستان کی مختلف قوموں کے حالات جداگانہ ہیں اور ان کی بعض ضروریات ایک دوسرے سے مختلف، لہذا ہر فرقہ کو اس کا حق شہریت ملنا چاہئے، صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہندوستان کے مختلف فرقے باہمی مصالحت و امن و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں، ہر فرقہ اپنی ضرورتیں خود ہی سمجھتا ہے اور خود ہی اس کو مناسب طریقہ سے پیش کر سکتا ہے۔ اس لئے اگر ہندوستان کے مختلف فرقے اپنے سیاسی مفاد کے لئے علیحدہ علیحدہ انجمنیں یا کانفرنسیں بنائیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے مطالبات اور مخصوص ضرورتیں حکومت اور ابنائے وطن کے سامنے پیش کریں تو یہ کچھ بیجا بات نہیں ہے، البتہ جب یہ جماعتیں اپنے مقصد سے تجاوز کرکے ایک دوسرے کے خلاف اشتعال انگیز طریقہ اختیار کریں بیشک ان کا وجود ملک کے لئے خطرناک ہوگا۔

ہر فرقہ کے کچھ مطالبات ایسے بھی ہیں جن میں دوسرے فرقے بھی اس کے ساتھ شریک ہیں لہذا اگر ان مشترک مطالبات میں سب فرقے باہم مل کر کام کریں تو یہ بہت اچھی بات ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا، بلکہ اس ہم آہنگی سے مطالبات کی اہمیت بہت بڑھ جائے گی اور حکومت کے لئے ان کا مسترد کرنا آسان نہ ہوگا، لیکن یہ توقع رکھنا کہ ہر فرقہ کے مخصوص مطالبات کے لئے بھی دوسرے فرقے جد و جہد کریں گے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

قوم پروری کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ کوئی قوم اپنے مفاد کو دوسروں کے لئے قربان کر دے اگر کسی ملک میں مختلف قومیں آباد ہیں تو ان میں سے کوئی قوم کتنی ہی چھوٹی سی تعداد میں کیوں نہ ہو محض اس بناء پر اس کے مخصوص حقوق نظرانداز نہیں کئے جا سکتے کہ اس کی تعداد کسی دوسری قوم کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے، ہر قوم کی یہ قدرتی آرزو ہے کہ اس کا مذہب، تمدن، زبان اور قومی خصوصیات محفوظ رہیں۔ یہ ایسی خواہش ہے جس کو نامناسب نہیں کہہ سکتے لہذا اگر کوئی قوم ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتی ہے

بقیہ مضمون

"سلاطین آصفیہ"

از حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ماہر آثار قدیمہ

ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کا فرمانروا خاندان جسے یورپی مورخ نظام حیدرآباد کا خاندان کہا کرتے ہیں۔ اس کے مورث اعلیٰ نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر ہیں۔ ان کے اجداد میں شیخ عزیزاں ایک زبردست بزرگ اور بلند پایہ عالم گزرے ہیں جو شیخ المشائخ شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد سے ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب امیر المومنین خلیفہ اول حضرت ابوبکر الصدیقؓ تک پہنچتا ہے۔

سلاطین شیبانیہ کے عہد میں اخلاف ماوراءالنہر کی ریاست شیخ عزیزاں اور ان کی اولاد سے مدت دراز تک وابستہ تھی۔ اور یہ جلیل القدر خاندان سو سال تک باشندگان سمرقند و بخارا کا مذہبی پیشوا بنا ہوا تھا۔ شیخ عزیزاں کے زہد و اتقا اور اثر و اقتدار کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے آگے سلاطین وقت کی گردنیں جھکا کرتی تھیں اور جب کبھی مشکل وقت آتا تو ان سے اعانت و استمداد کے طالب ہوا کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں **عبداللہ خاں** والی بخارا (۹۶۶ھ۔۹۹۱ھ) اور جوانمرد علی والی سمرقند (۹۵۰ھ۔۹۶۶ھ) کے مابین لڑائی ہوئی۔ شیخ عزیزاں عبداللہ خاں پر نظر عنایت رکھا کرتے تھے، اس لئے عبداللہ خاں شیخ کی خدمت میں حصول امداد کی نیت سے حاضر ہوا۔ اس کے گلے میں رسی بندھی ہوئی تھی جس کا سرا ایک سوار کے ہاتھ میں تھا۔ ماوراءالنہر کے تاجدار کا اس انکسار اور فروتنی کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہونا ایک عجوبہ بات تھی۔ اس سے شیخ بے حد متاثر ہوئے اور اپنی چادر اڑھا کر اسے گھوڑے پر سوار کرایا اور اس کے حق میں دعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سمرقند پر عبداللہ خاں کا قبضہ ہوگیا۔ یہ واقعہ ۹۶۶ھ کا ہے اس کے تین سال بعد شیخ عزیزاں نے انتقال فرمایا۔

شیخ عزیزاں کے پوتے شیخ عالم باقی محمد خاں استراخانی والی بخارا (۱۰۰۶ھ۔۱۰۱۴ھ) کے معاصر تھے۔ بادشاہ جب بیمار ہوا تو صحت و سلامتی کے لئے شیخ سے دعا کی خواہش کی۔ شیخ نے فرمایا کہ دریائے آمو کی تازہ ہوا مریض کے لئے بے حد مفید ہوگی۔ لوگوں نے بادشاہ کو پالکی میں بٹھایا۔ اس کے بعد پالکی کشتی میں رکھی اور کشتی کئی روز تک دریا میں چکر لگاتی رہی۔

شیخ عالم نے خنگ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس میں فقہ حنفیہ کے مسائل مذکور ہیں۔ ایک اور کتاب ہے جس کا نام مناقب چار یار ہے خلفاء اربعہ کے فضائل بیان کئے ہیں۔

شیخ عالم کے دو فرزند تھے۔ خواجہ بہاءالدین اور **خواجہ عابد**۔ خواجہ بہاءالدین امیر عبدالعزیز خاں استراخانی (۱۰۵۵ھ۔۱۰۹۱ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ انوشہ خاں والی خوارزم نے جب امیر عبدالعزیز خاں کے خلاف بغاوت کی تو خواجہ بہاءالدین بیٹے کے شریک ہوگئے لیکن منشا کا کام رہا اور بہاءالدین کو عبدالعزیز خاں نے قتل کرا دیا۔ بہاءالدین کے فرزند محمد امین ۱۱۰۰ھ میں سمرقند سے ہندوستان میں آئے اور **اورنگ زیب عالمگیر** نے ان کو ۱۱۱۰ھ میں صدارت کل کے عہدہ پر مامور کیا۔ محمد شاہ کے عہد میں عہدۂ وزارت پر فائز ہوئے۔ وزیر الممالک اعتماد الدولہ ان کا خطاب تھا ان کے دو فرزند تھے۔ اعتماد الدولہ وزیر الممالک **محمد فاضل** جنہوں نے پچیس (۲۵) سال تک سلاطین مغلیہ کے دربار میں وزارت کی ہے۔ دوسرے فرزند **معین الملک** رستم ہند پنجاب کے صوبہ دار تھے اور انہوں نے لاہور میں احمد شاہ درانی کو شکست دی تھی۔

خواجہ عابد ۱۰۶۵ھ میں بعہد شاہجہان ہندوستان آئے ۱۰۸۷ھ میں صدارت کل کے عہدہ پر مامور ہوئے ان کے فرزند میر شہاب الدین ولایت میں عرصہ تک سبحان قلی خاں والی بخارا کے متوسل رہے۔ ۱۰۹۰ھ میں ہندوستان آکر عالمگیر اورنگ زیب کی ملازمت کی اور بادشاہ کے مزاج میں اس قدر رسوخ پیدا کیا کہ فرزند دلبند کے لقب سے مخاطب ہوئے۔ غازی الدین خاں فیروز جنگ ان کا خطاب تھا۔ شاہجہاں بادشاہ کے وزیر اعظم نواب سعداللہ خاں کی دختر سعدالنساء بیگم سے ان کی شادی ہوئی تھی جن کے بطن سے نواب **قمرالدین خاں بہادر نظام الملک** آصف جاہ تولد ہوئے۔

نظام الملک آصف جاہ کے کئی فرزند تھے۔ بڑے فرزند محمد پناہ غازی الدین خاں فیروز جنگ احمد شاہ کے میر بخشی اور احمد شاہ نے امیر الامراء کے عہدے سے سرفراز کئے تھے۔ ان کے فرزند میر شہاب الدین وزیر الممالک اعتماد الدولہ عماد غازی الدین خاں نصرت جنگ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے عہد میں سات سال تک عہدۂ وزارت پر مامور رہے۔ آصف جاہ کے دوسرے تیسرے اور چوتھے فرزند میر احمد خاں ناصر جنگ میر محمد خاں صلابت جنگ اور میر نظام علی خاں نظام الملک ثانی آصف جاہ کے بعد بعد دیگرے دکن میں برسر حکومت رہے۔ پانچویں فرزند محمد شریف خاں شجاع الملک بسالت جنگ راجمندری اور ادھونی کی صوبہ داری پر اور چھٹے فرزند مغل علی خاں ہمایوں جاہ بیجاپور کی صوبہ داری پر مامور تھے۔

آصف جاہ بہادر صوبہ دار کی حیثیت سے دکن پر متصرف ہوئے۔ ان کی عمر کے کم و بیش بیس سال اس علاقہ کے نظم و نسق میں گزرے۔ ۱۱۶۱ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو نربدا سے ترچناپلی تک دکن اور جنوب کا تمام ملک ان کے تحت و تصرف میں تھا۔ شمالی علاقے انربدا کرشنا کے مابین براہ راست خود ان کے زیر انتظام تھے جنوب میں ارکاٹ کے علاوہ جو نواب انورالدین خاں شہامت جنگ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا کرنول کڑپہ شاہ نور اور رنگاپور کے علاقے مختلف حکام کے تفویض کئے تھے۔ یہ نوراب میسور کے راجہ مطیع اور فرمانبردار ہونے کی حیثیت سے سالانہ پیشکش ایصال کیا کرتے تھے۔ اس وقت تمام ملک کا محاصل کم و بیش نو کروڑ روپیہ وصول ہوتا تھا۔

آصف جاہ کے بعد **نواب ناصر جنگ** برسر حکومت ہوئے لیکن ان کے بھانجے مظفر جنگ نے تخت کے لئے شورش برپا کردی ان دنوں دکن میں یورپ کی دو زبردست قومیں فرانسیسی اور انگریز زور آزمائی کر رہی تھیں انگریز ناصر جنگ کے اور فرانسیسی مظفر جنگ کے طرفدار ہوگئے فرانسیسیوں کی سازش سے ناصر جنگ نے شہادت پائی مظفر جنگ حکمران مقرر ہوگئے لیکن چند مہینوں کے بعد بعض فوجی افسروں نے انہیں بھی قتل کر ڈالا۔ ان کے بعد صلابت جنگ تخت نشین ہوئے جنہیں نواب نظام علی خاں نے معزول کرکے تخت پر قبضہ کرلیا۔

اس زمانہ میں دکن کی سیاسی حالت نہایت ابتر اور پرآشوب تھی۔ میسور میں **ٹیپو سلطان**۔ شمال مغرب میں مرہٹے روز بروز اپنی قوت و اقتدار کو بڑھا رہے تھے۔ کرناٹک اور اڑیسہ کے سواحل پر انگریزوں اور فرانسیسیوں نے قسمت آزمائی شروع کردی تھی۔ ملک میں ہر چہار طرف قتل و خونریزی کا بازار گرم تھا۔ اس کشمکش میں مرہٹوں نے بیجاپور اور برار کے اکثر علاقے داب لئے تھے۔ والیان ارکاٹ نے خود مختاری کا اعلان کردیا تھا۔ ۱۱۷۲ھ میں مشرقی ساحل کا شمالی علاقہ جس میں ایلور، راجمندری، سیکاکول شامل ہیں اور کرشنا کا زیریں ملک جو سرکار

مرتضیٰ نگر گنٹور کہلاتا ہے ایک معاہدہ کی رو سے انگریزوں کے تفویض ہو گیا۔ لیکن ان اضلاع کے محاصل سے انگریزوں نے بولا کھ روپیہ سالانہ سرکار آصفیہ کو خراج دینے کا اقرار کیا۔ اس طرح سلطنت کا تقریباً نصف حصہ شاہان آصفیہ کے قبضہ و تصرف سے نکل گیا۔

نظام علی خاں نے ۱۱۷۵ھ سے ۱۲۱۸ھ تک تقریباً چالیس سال حکومت کی۔ اس طویل مدت میں انھوں نے ایک مرتبہ کرناٹک پر چڑھائی کی۔ تین مرتبہ مرہٹوں سے چار مرتبہ حکومت میسور سے معرکہ آرا ہوئے اس کے علاوہ ملک کے اندرونی فسادات اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں بھی ان کا بہت سا زمانہ صرف ہوا ۱۷۹۹ء میں جب ٹیپو سلطان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تو اس کے مقبوضات سے کورم کنڈہ، گونٹی اور ان کے ملحق علاقے جن کا محاصل چھ لاکھ روپیہ سالانہ تھا۔ نظام علی خاں کو ملے۔ اس طرح سے ان کی عملداری میں تھوڑے سے ملک کا اضافہ ہو گیا لیکن اس کے ایک سال بعد ۱۸۰۰ء میں یہ علاقے ایک امدادی فوج کے اخراجات کے لئے انگریزوں نے پھر واپس لے لئے۔

سکندر جاہ کے زمانہ میں ملک کے اندر دور تک پنڈارے گھس آئے۔ اور ہر طرف لوٹ مار شروع کر دی۔ سکندر جاہ نے ان کے استیصال کے لئے فوج کثیر روانہ کی۔ جنرل سرجان ملکم بھی اپنی فوج کے ساتھ لشکر میں شریک ہو گیا۔ دونوں فوجوں نے متفق ہو کر نہ صرف پنڈاروں کو ملک سے باہر نکال، بلکہ بندھیا کے راجہ اور پنڈاروں کے سردار امیر خاں کو مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔

اسی عہد میں راجہ **چندو لال** وزیر اور ہنری رسل رزیڈنٹ نے باہم مشورہ کر کے سالانہ چالیس لاکھ کے اخراجات سے ایک فوج ملازم رکھی۔ رزیڈنٹ نے اس کے انتظامات اپنے ذمہ لے لئے اور حیدرآباد کنٹنجنٹ اس کا نام قرار پایا۔ حکومت نے اخراجات بروقت ادا نہیں کئے اس لئے کئی سال کا بقایا واجب الادا ہو گیا۔ ناصر الدولہ برسر حکومت ہوئے تو اس بقایا کی بابت گفت و شنید شروع ہوئی۔ اور ایک معاہدہ کی رو سے جو ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں مرتب ہوا ہے صوبہ برار اضلاع عثمان آباد و نلدرگ وغیرہ کنٹنجنٹ کے اخراجات اور بقایا کی ادائی میں انگریزوں کو تفویض کر دئے گئے اس زمانہ سے کنٹنجنٹ سرکار نظام کی فوج کا جزو نہیں رہی بلکہ ایک مستقل فوج بن گئی کہ جسے انگریزوں نے نظام کے فائدہ کے لئے ملازم رکھا ہے۔ **افضل الدولہ** کے زمانہ میں غدر کے بعد انگریزوں نے عثمان آباد اور اکثر مفوضہ اضلاع واپس کر دئے صرف صوبہ برار بطور امانی اپنے قبضہ میں رکھ لیا۔ حضرت خلد مکان میر محبوب علی خاں کے عہد میں ۴ شعبان ۱۳۲۰ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۰۲ء کو برار کی نسبت ایک جدید معاہدہ عمل میں آیا۔ اور اس کی رو سے اضلاع مفوضہ برار کا دوامی اجارہ انگریزوں کے حوالہ کر دیا گیا اور اس کے عوض سالانہ پچیس لاکھ روپیہ برار کے محاصل سے سرکار نظام کے حق میں دوامی واجب الایصال قرار پائے۔

موجودہ بادشاہ **آصف جاہ سابع** نے جنگ عظیم کے بعد استرداد برار کی نسبت گورنر جنرل سے خط و کتابت شروع کی جس کا سلسلہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء سے ۱۲ رمضان ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۲۶ء تک جاری رہا۔ آخرالامر گورنر جنرل نے ۱۳۲۰ھ کے معاہدہ کو امر فیصل شدہ قرار دیا۔

نواب آصف جاہ اول فارسی کے زبردست شاعر اور مرزا عبدالقادر بیدل کے شاگرد تھے۔ آپ نے مشہور شعراء موسوی خاں جرأت اور میرزا خاں بھرائی کو سرپرستی اور مشہور مورخ محمد ہاشم خوافی خاں کو دیوان مقرر کیا تھا۔ ناصر جنگ کو شاعری کے علاوہ مصوری اور موسیقی میں بھی کمال تھا۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی صمصام الدولہ شاہ نواز خاں مصنف مآثر الامراء۔ مرزا علی نقی ایجاد ان کے ندیمان خاص سے تھے۔ نظام علی خاں اور سکندر جاہ کا عہد حکومت باوجود سیاسی اختلال کے علمی اور ادبی ترقیوں کے لئے خاص امتیاز رکھتا ہے۔ اس عہد میں تاریخ نگاری کو خاص طور پر ترقی ہوئی۔ لالہ لچھمی نارائن شفیق خاں ہمدانی مصنف سوانح دکن۔ شاہ تجلی علی مصنف آصف نامہ۔ وزیر میر عالم مصنف حدیقۃ العالم۔ منشی قادر خاں بیدری مصنف تاریخ دکن۔ غلام حسین خاں جوہر مصنف ماہ نامہ، محمد فیض اللہ منشی مصنف خزانۂ گوہر شاہوار اس عہد کے ممتاز مورخ ہیں۔ ان میں لچھمی نارائن اور قادر خاں اس لئے قابل ذکر ہیں کہ انھوں نے تاریخ کے مختلف شعبوں پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ اردو شعراء میں مرزا علی لطف مصنف گلشن ہند۔ میر قمر الدین منت مصنف شکرستان۔ شاہ کمال الدین کمال مصنف مجمع الانتخاب کو دربار سے تعلق تھا اور انھیں علی الترتیب چار سو اور دو دو سو روپیہ ماہوار ملا کرتے تھے۔ ناصر الدولہ کے عہد میں اردو شاعری کو خاصہ فروغ ہو گیا تھا۔ مہاراجہ چندو لال کی قدردانی سے شاہ نصیر دہلوی، حسین علی خاں، ذوالفقار علی خاں صفا حیدرآباد میں جمع ہو گئے پہلے شاعر کو دوسرے اور تیسرے کو پانچ پانچ سو روپیہ ماہانہ ملا کرتے تھے۔

امیر کبیر محمد فخر الدین خاں اور ان کے فرزند عمدۃ الملک رفیع الدین خاں نے فرانسیسی اور انگریزی زبانوں سے حکمت عملی اور ریاضیات کی کتابوں کو ترجمہ کر کے علوم جدیدہ کے رواج میں خاص کوشش کی ہے۔

حضرت خلد مکاں میر محبوب **علی خاں کی** تخت نشینی اور سالار جنگ کی وزارت سے جدید اصلاحات کا دور شروع ہوتا ہے۔ ملک کی انتظامی تقسیم، اراضی کا بند و بست، جمع بندی کی ترتیب، مالیات کی تنظیم، عدالتوں کا قیام، آئین و قوانین کی تدوین۔ جدید تعلیم کا رواج، سرکاری مدارس کی بنا، یہ سب اس عہد کے کارنامے ہیں۔ محسن الملک سید مہدی علی خاں وقار الملک سید علی حسن، سرور الملک آغا مرزا۔ اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی، عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی، شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی وغیرہ کی وہ ممتاز ہستیاں ہیں جنھوں نے ملک کے جدید نظم و نسق میں نمایاں حصہ لیا ہے۔

موجودہ بادشاہ آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ کا دور حکومت تاریخ دکن میں عہد زرین کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ اسی دور میں دستوری حکومت کی بنیاد پڑی ہے۔ ۲۲ صفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۱۹ء کو حضور پرنور نے باب حکومت قائم فرمائی جس میں ایک صدر نشین اور سات رکن مقرر ہوئے۔ سلطنت کا نظام باب حکومت کو تفویض ہوا۔ دول متمدن کے طرز پر انتظامی سررشتوں میں اصلاحات کی گئیں۔ **عثمانیہ** یونیورسٹی کو قائم کر کے زبان اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیا نصاب تعلیم کی تدوین و ترجمہ کے لئے ۱۳۳۵ھ میں سررشتہ تالیف و ترجمہ قائم ہوا۔ تعلیم کے لئے ۱۳۳۶ھ میں یونیورسٹی کالج کا افتتاح عمل میں آیا۔ کروڑہا روپیہ کے صرف سے عالیشان محلات، پبلک عمارات، سینکڑوں میل آمد و رفت کی سڑکیں، عثمان ساگر، حمایت ساگر، نظام ساگر کے تالاب اور ان کے کنوے نیز اسی نوعیت کی رفاہ عام کی بے شمار عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں

...وہ عہد تعمیرات کے لحاظ سے بھی خاندان ...حکومت میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔
...ملک کے موجودہ انتظامی حالات تعلیمی ترقیات سر رشتوں کی تنظیم و ترتیب اسی نوعیت کے اور بہت سے کوائف ۱۹۳۳ء تک کی، رپورٹ نظم و نسق کی جلد میں بہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور اس میں سلطنت کے ہر شعبہ پر ابتدا سے اس وقت تک تاریخی حیثیت اور مورخانہ انداز سے نظر غائر ڈالی ہے۔

شاہان آصفیہ

۱۔ نظام الملک آصف جاہ اول — ۱۱۳۷ھ
۲۔ ناصر جنگ — ۱۱۶۱ھ
۳۔ مظفر جنگ — ۱۱۶۴ھ
۴۔ صلابت جنگ — ۱۱۶۴ھ
۵۔ میر نظام علی آصف جاہ ثانی — ۱۱۷۵ھ
بغاوت مرشدزادہ عالیجاہ — ۱۲۱۰ھ
۶۔ سکندر جاہ آصف جاہ ثالث — ۱۲۱۸ھ
۷۔ ناصر الدولہ آصف جاہ رابع — ۱۲۴۴ھ
۸۔ افضل الدولہ آصف جاہ خامس — ۱۲۷۵ھ
۹۔ میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس — ۱۲۸۵ھ
۱۰۔ میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع — ۱۳۲۹ھ

(سلطنت)

حروں کے دلچسپ حالات

"مجلس اتحاد المسلمین" حیدرآباد کے سالانہ اجلاس میں نواب بہادر یار جنگ بہادر نے اپنے سفر "بلوچستان" کا تذکرہ کرتے ہوئے حروں کے حالات بھی بیان کئے جنہوں نے سندھ میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے، نواب صاحب نے فرمایا:-

"حروں کا مرکز خیرپور ریاست کے پاس ہے یہ جو پیر پگاڑو ہیں ان کی بستی خیرپور سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے، ان سے ملنے کے لئے باوجود اپنے ساتھیوں کی مخالفت کے تحقیق کے لئے گیا۔ اس سلسلہ میں جو واقعات معلوم ہوئے وہ دلچسپ ہیں۔

"حر" ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے کسی نسل یا جماعت کا نام نہیں، یہ محمد بن قاسم یا محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آئے اور سندھ میں آباد ہوئے

ان کے موجودہ پیر کا نام صبغۃ اللہ شاہ راشدی ہے ان کو پیر پگاڑو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُن کے سر پر سنہری دستی پگڑی ہے۔ ان کی عمر ۳۵ برس کی ہے تعلیم یافتہ ہیں،

حروں کا عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ خدا اُن کے پیر میں حلول کر جاتا ہے وہ اپنے پیر کو خدا سمجھتے ہیں یہ نماز بھی پڑھتے ہیں روزہ بھی رکھتے ہیں لیکن ان سب کے باوجود وہ اپنے پیر کو خدا سمجھتے ہیں ان پیر نے چار پانچ سال پہلے حج بھی کیا تھا۔

اس فرقہ کے تین طبقے ہیں یعنی عام مرید، حر اور غازی، حر وہ طبقہ ہے جو جان نثار سمجھا جاتا ہے جب پیر پگاڑو شکار کھیلنے نکلتے ہیں اور بدقسمتی سے ان کو کوئی شکار نہیں ملتا تو ان حروں میں سے کوئی شیر یا گینڈا بن کر پیر کے سامنے آتا ہے اور پیر صاحب اس شکار سے دلچسپی نہیں فرماتے

حروں میں غازی کو بڑا درجہ حاصل ہے یہ غازی وہ ہیں جن کو پیر صاحب نے منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔ درجہ اول کے حروں کو لے کر غازی بنایا گیا، اور اُن سے کہا گیا کہ وہ خود کو مُردہ تصور کریں اور میدان میں اپنی چادریں اوڑھ کر چیت لیٹ جائیں، وہ جب چادریں اوڑھ کر لیٹ گئے تو پیر پگاڑو نے اپنے باقی مریدوں کو لے کر ان پر نماز جنازہ پڑھی، اس طرح ان غازیوں کے دلوں میں موت کا خوف بالکل نہیں ہے ——"

"پیر صاحب کو اپنے خدام کے انتخاب میں بڑا دخل ہے وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ بدرو اور کریہہ منظر کوئی خادم ان کے پاس نہ ہو، پیر صاحب بہت مالدار آدمی ہیں ان کے تاج میں جو کلغی کبوتر کی طرح ہوتا ہے جواہرات اور موتی لٹکے ہوئے ہوتے ہیں، وہ سونے چاندی کی اشیاء استعمال کرتے ہیں ان کی گرفتاری کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ بخش کی حکومت سندھ نے پیر صاحب سے برضامندی باہمی یہ طے کر لیا تھا کہ پیر صاحب گرفتار نہ کئے جائیں گے لیکن گورنمنٹ آف انڈیا نے انہیں گرفتار کر لیا۔"

مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کے جہاں اور متعدد اسباب ہیں اُن میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ جاہل و گمراہ پیروں کا اقتدار بہت بڑھ گیا ہے جو مسلمانوں کی شامت اعمال سے ایک بلائے بے درماں کی طرح اُن پر مسلط ہو گئے ہیں اور اُن کا خون چوس رہے ہیں۔

یہ خود ساختہ پیر جو "توکل" کے مدعی ہیں، مسلمانوں کی پُرمشقت کمائی سے نہ صرف پرورش پا رہے ہیں بلکہ امیرانہ و شاہانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، اگر یہ لوگ صرف مسلمانوں کے مال پر تصرف کرتے (حالانکہ شرعاً و قانوناً انھیں اس کا کوئی حق نہیں ہے) جب بھی صبر کیا جا سکتا تھا لیکن یہ کس طرح برداشت کی جا سکتی ہے کہ یہ خود اسلام کی بیخ کنی کر رہے ہیں، اور باوجود ادعائے اسلام اُس کے تمام مسلّمہ عقائد خصوصاً عقیدۂ توحید کو پامال کر کے نعوذ باللہ خالق کائنات کی ہمسری کے مدعی ہیں، اس لئے ان کا وجود اسلام کے لئے اُن لوگوں سے زیادہ خطرناک ہے جو اسلام کے منکر اور کھلے ہوئے دشمن ہیں، کیونکہ مسلمان ان کے فریب میں نہیں آسکتے برخلاف ان خود ساختہ پیروں کے جو اسلام کا جامہ پہن کر مسلمانوں کے دین و ایمان اور مال و اسباب پر ڈاکہ ڈالتے ہیں

اس مصیبت کا واحد علاج صرف یہ ہے کہ مسلمانوں میں صحیح مذہبی تعلیم کی اشاعت کی جائے اور اسلامی احکام بتائے جائیں تاکہ ان کی آنکھیں کھلیں اور وہ ان دشمنان ملک و ملت کے پنجہ سے رہائی حاصل کر لیں،

مسٹر ساورکر کی معاندانہ جدوجہد

گزشتہ جولائی میں قومی دن کی تقریب کے سلسلہ میں سرینگر (کشمیر) میں جو عظیم الشان جلسہ ہوا اُس میں کشمیر کے مشہور لیڈر شیخ محمد عبداللہ صاحب (شیر کشمیر) نے مسٹر ساورکر صدر ہندو مہاسبھا کے دورہ کشمیر کا تذکرہ کر کے ہندوؤں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے رویہ کا جائزہ لیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ آج وہ ویر ساورکر صاحب کو کشمیر میں مدعو کر کے اور اس کی رہنمائی قبول کر کے خطرناک آگ سے کھیل رہے ہیں، اگر انھوں نے یہاں ساورکر صاحب کی لیڈری قبول کر کے ہندو، ہندی، ہندوستان کا نعرہ بلند کیا تو کشمیر میں "پاکستان" کے نعرہ کو جنم دینے والے وہی ٹھہریں گے۔

میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ پاکستان کا نعرہ "ہندی، ہندو، ہندوستان اور اسی طرح کے ہندو راج کے خوابوں اور فرقہ پرستانہ سرگرمیوں کی تعمیر اور ردّ عمل ہے۔ اگر کشمیر کے ہندو نہیں چاہتے کہ کشمیر میں پاکستان کا نعرہ بلند ہو، اور اگر وہ چاہتے ہیں کہ نازک زمانہ میں یہاں کا اندرونی امن قائم رہے، فرقہ وارانہ تعلقات درست رہیں، حملہ آوروں کا مقابلہ مشترکہ قوت سے ہو، اور متحدہ ہندوستان متحدہ کوششوں سے آزاد ہو تو انھیں ہندی، ہندو، ہندوستان کا نعرہ لگانے والے ساورکر صاحب ایسے خطرناک آدمیوں کو یہاں لاکر مظاہرہ بازی نہیں کرنی چاہئے۔

نفرت کا بیج بوکر صرف نفرت کا پھل ہی کاٹا جا سکتا ہے "نیشنل کانفرنس" اپنی سیاسی تحریک کو نفرت کے اصول پر قائم کرنے کے خلاف ہے، مسلم کانفرنس کا یقین ہے کہ صرف محبت کے اصول پر چلائی ہوئی تحریک ہی ہمیں آزادی اور حقیقی ترقی کے ساحل سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

شیخ محمد عبداللہ صاحب کے بیان پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں، مسلمانوں کے متعلق مسٹر ساورکر کا جو رویہ ہے اس سے سارا ملک واقف ہے۔ اگر موجودہ نازک دور میں بھی ان کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں تو یہ ملک کے مفاد کے لئے سخت مضر ہوگا ہندو ریاستوں کو اس معاملہ میں خصوصیت کے ساتھ احتیاط کی ضرورت ہے، یہ لیڈر تو اشتعال انگیز تقریریں کر کے چلے جائیں گے لیکن جو نفرت وہ پھیلا جائیں گے اس کا نتیجہ ان ریاستوں کو بھگتنا پڑیگا۔

مسلمانوں کیلئے صحیح راہ عمل

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

تو یہ فرقہ پرستی نہیں ہے بلکہ یہ ایک جائز کوشش ہے ایسے قدرتی حق کے لئے جس کا حاصل کرنا اس کا فرض ہے، اس کی کوئی معقول وجہ نہیں کہ جو قوم اکثریت کے درجہ میں ہے اگر وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کرے تو قابل شکایت نہ سمجھی جائے لیکن جب کوئی قلیل التعداد و درماندہ قوم اپنے قدرتی حقوق کے لئے جد وجہد کرے تو مورد ملامت ہو اور اس پر فرقہ پرستی کا الزام لگایا جائے۔

غرض ہندوستان کے موجودہ حالات کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے "صحیح راہ عمل" یہ ہے کہ مشترک مطالبات میں ہندوستان کی دوسری قوموں کے ساتھ "اتحاد عمل" کریں، اور اپنے مخصوص مفاد کے لئے ایک علٰحدہ جماعت کے ذریعہ سے اپنی سیاسی حدو جہد جاری رکھیں، یہ جماعت "مسلم لیگ" ہو سکتی ہے یا ہر ایسی جماعت کہ جس پر مسلمانوں کی اکثریت کو پورا اعتماد ہو، اس وقت ہمیں مسلمانوں کی کسی "خاص سیاسی جماعت" پر اظہار رائے مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ باوجود نیشنل کانگرس کے مخصوص حقوق ومفاد کی محافظ ہو، اگر نیشنل کانگرس کے باوجود ہندو مہا سبھا کی ضرورت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلم لیگ" کی ضرورت نہ ہو، اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے مختلف فرقہ وارانہ انجمنوں کا وجود بجائے خود مضر وخطرناک نہیں ہے، خطرہ صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک قوم دوسری قوم کے حقوق پر دست درازی کرتی ہے، اگر ہندوستان کی سب قومیں اپنی اپنی حد سے تجاوز کر کے ایک دوسرے کے حقوق غصب کرنے کی کوشش نہ کریں تو ان کے آپس میں ٹکرانے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ہندوستان کے مختلف فرقوں کے باہم آج تک جو فتنہ وفساد ہو تا رہا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایک قوم اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسری قوم کے مذہب یا کسی دنیوی مفاد میں مداخلت کرنا چاہتی ہے اور اپنے واجبی حصہ پر قناعت نہ کر کے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے، حالانکہ اگر سب قومیں ایک دفعہ یہ حقیقت سمجھ لیں کہ سب کو ہندوستان میں رہنے اور اس کے قدرتی ذرائع سے منتفع ہونے کا یکساں حق حاصل ہے تو دفعتہً سارے فتنہ وفساد کا خاتمہ ہو سکتا ہے،

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے ہمیشہ ہر قوم کے ساتھ میل جول اور عمدہ تعلقات رکھے ہیں، ان کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے کہ وہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں دوسری قوموں کے پہلو بہ پہلو خوشگوار تعلقات کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ہیں، اور ہندوستان کے باہر آج بھی وہ جہاں کہیں آباد ہیں (خواہ وہ اقلیت کی حالت میں ہوں یا ان کی اکثریت ہو) ہموطن قوموں کے ساتھ ان کے معاملات وتعلقات نہایت شگفتہ وناقابل شکایت ہیں، مثلاً چین میں مسلمانوں کی اقلیت ہے اور مصر میں غیر معمولی اکثریت، لیکن دونوں ملکوں میں کسی کو مسلمانوں سے شکوہ نہیں ہے۔ رہا کبھی کبھی اختلافات پیدا ہو جانا تو یہ خود ایک ہی فرقہ کے لوگوں میں ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے دیکھنا تو یہ ہے کہ اپنے ہموطنوں سے مسلمانوں کے "مستقل تعلقات" کیسے ہیں۔ یہ تو صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں دو قومیں صرف اس لئے لڑتی ہیں کہ وہ مذہب یا زبان کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ اختلافات دوسرے ملکوں میں بھی موجود ہیں لیکن اس کی بنیاد پر کبھی ان کے باہم جنگ برپا نہیں ہوتی، جو ہندوستان میں روزمرہ کا مشغلہ ہے اور جس کی وجہ سے ہر قوم کی زندگی تلخ ہو گئی ہے اور ایک اجنبی قوم کو ہم پر ہنسنے اور طعنہ زنی کا موقع ملتا ہے۔

حکومت کے ذمہ دار ارکان نے بار ہا ہماری اس خانہ جنگی کو ہندوستان کی مزید ترقی میں رکاوٹ کا سبب قرار دیا ہے، اور ہم آج تک اپنے قول یا عمل سے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جب "تیسری طاقت" ہندوستان سے چلی جائے گی تو خود بخود اتفاق ہو جائے گا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم ارادہ کر لیں تو آج بھی کوئی طاقت ہمیں متحد ہونے سے نہیں روک سکتی، اجنبی حکومت یا تیسری طاقت کا شکوہ کر کے گویا ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم اس کے ہاتھ کا کھلونا ہیں اور خود ہر قسم کے عزم وارادہ اور عقل وخرد سے عاری ہیں، اور دوسرے جس طرح ہمارے ساتھ کھیلنا چاہیں کھیل سکتے ہیں۔

مسٹر جناح کے تاثرات

بھوپال ۳۰ جولائی۔ ایسوشی ایٹڈ پریس سے ایک ملاقات کے دوران میں مسٹر جناح نے بیان کیا کہ "کانگریس کی مجلس عاملہ کی حالیہ قرارداد اور مسٹر گاندھی اور دوسرے [illegible] کے اعلانات نے ملک کی [illegible] ناک اور نازک بنا دیا ہے [illegible]

کل ہند مسلم لیگ جہاں تک ممکن ہو سکے بہت جلد اس صورت حال پر غور کرنا چاہیئے۔ اس لئے میں نے یہ تجویز کی ہے کہ بہت جلد مجلس عاملہ مسلم لیگ کا ایک جلسہ طلب کیا جائے"۔

اس کے علاوہ مسٹر جناح نے یہ بھی کہا کہ "اس اثنا میں تمام مسلمانان ہند سے میں یہ کہوں گا کہ وہ بہت محتاط اور ہوشیار ہیں اور جو جال کانگریس نے پھیلایا ہے اس میں نہ پھنسیں اور نہ کسی مجوزہ "بڑے اقدام" میں مبتلا ہوں جس کو وہ بقول ان کے "ہندوستان کی آزادی اور مختاری" کے لئے شروع کرنا چاہتے ہیں بلکہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ کل ہند مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے فیصلہ کا انتظار کریں۔

سر تیج بہادر سپرو کی تجویز

سر تیج بہادر سپرو اپنے ایک بیان میں کہتے ہیں کہ کوئی وجہ نہیں کہ کیوں مختلف جماعتوں اور فرقوں کے لیڈر ایک گول میز کے گرد جمع نہ ہو جائیں اور اس امر پر گفتگو نہ کریں کہ کس طرح موجودہ کشمکش رفع ہو سکتی ہے اور دوران جنگ کے لئے اور وسیع تر سوالات کو آئندہ کے لئے ملتوی کر کے کوئی سمجھوتہ کر لیں۔

جنگ ختم ہونے کے فوراً ہی بعد وسیع تر مسائل کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ کانگریس کی مجلس عاملہ کے رزولیوشن پر تنقید کرتے ہوئے سر تیج کہتے ہیں کہ:-

"میری رائے میں یہ اقدام غیر دانشمندانہ اور بے محل ہے۔ اور میں صدق دل سے امید کرتا ہوں کہ ابھی مزید غور و فکر کی گنجائش باقی ہوگی۔ اور ایسے ذرائع مل سکتے ہیں جس سے اس صورت حال کو درست کیا جائے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں نے ان غیر موثر طریقوں کے متعلق اپنی رائے بدل دی ہے جو حکومت نے صورت حالات کے متعلق اختیار کئے ہیں۔ لیکن میں یہ خیال کرتا ہوں کہ جنگ کی صورت حال اور ہندوستان پر اس کے اثرات کا اندیشہ اتنا زیادہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ملک کو ایک عمومی تحریک میں مبتلا کر دیا جائے۔ بہتر اور زیادہ دانشمندانہ طریقہ کار یہ ہوگا کہ اجتماعی طور پر اندرونی جھگڑوں میں ایک سمجھوتہ کرنے اور اپنے درمیان ہم آہنگی اور تعاون کی روح پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

والسرائے کی کونسل کے ہندوستانی اراکین اس امر میں جو حصہ لے سکتے ہیں اس کا ذکر کرتے ہوئے سر تیج کہتے ہیں کہ:-

"اب ان ہندوستانی اراکین کے لئے وقت آگیا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ہندوستان کے قضیہ کا تصفیہ کرنے میں اپنے حصہ کا کام انجام دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں اور ان میں سے کم از کم چند ایسے ضرور ہیں جو اس معاملہ میں بہت بڑا حصہ لے سکتے ہیں"۔

اکیڈیمک کونسل کا اجلاس

اکیڈیمک کونسل کا ایک اجلاس خصوصی بتاریخ ۲۰ جولائی زیر صدارت لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر منعقد ہوا۔

مختلف جگہوں کے لئے حسب ذیل انتخابی کمیٹیاں مقرر کی گئیں۔

(الف) ریڈر ان میکنکل انجینئرنگ۔

(۱) خان بہادر میاں عبدالعزیز صاحب ممبر پبلک سروس کمیشن یو پی (۲) خان بہادر رائے جی خانصاحب سپلائی ڈیپارٹمنٹ دہلی۔ (۳) مسٹر ڈبلو۔ ڈبلو وڈ پرنسپل پالی ٹیکنیک دہلی۔

اگر مذکورہ بالا حضرات میں سے کوئی ممبری قبول نہ کر سکے تو خانصاحب شیخ فتح احمد ڈپٹی چیف انجینئر ای۔ آئی ریلوے ممبر مقرر ہوں۔

(ب) لکچرر (گریڈ اول و دوم) میکینکل انجینئرنگ الیکٹریکل انجینئرنگ۔

(۱) خان بہادر میاں عبدالعزیز صاحب (۲) خان بہادر رائے جی خاں صاحب (۳) ڈاکٹر محمد اسحق

(ج) لکچرر (گریڈ دوم) ریاضی (ٹیکنالوجی)

(۱) خان بہادر عبدالمجید قریشی صاحب (۲) میجر ایم حیدر خاں۔ (۳) ڈاکٹر محمد اسحق۔

(د) لکچرر زنانہ کالج مندرجہ ذیل مضامین کے لئے۔

(۱) انگریزی۔ ڈاکٹر ہادی حسن (۴) تعلیم خان بہادر عبدالمجید قریشی۔ (۲) تاریخ۔ پروفیسر محمد حبیب (۵) سنی دینیات مولانا سید وصی علی صاحب (۳) اردو خواجہ منظور حسن (۶) شیعہ دینیات مولانا عابد حسین صاحب

نوٹ علاوہ وائس چانسلر، پرو وائس چانسلر آنریری ٹریژرر اور صدر شعبہ متعلقہ کے خان بہادر شیخ عبداللہ اور مسز ایم جے حیدر مندرجہ بالا تمام کمیٹیوں کے تقرر کے ممبر ہوں گے۔

(ہ) ٹرینڈ فزیکل انسٹرکٹرس برائے زنانہ کالج۔

(۱) خان بہادر شیخ عبداللہ (۲) مسز ایم جے حیدر (۳) ڈاکٹر ا۔۔۔

علمی تحائف

مضامین محمد علی مولانا محمد علی مرحوم مغفور کے مضامین کا مجموعہ جو ان کے ہر قسم کے خیالات کا مرقع اور ہندوستان کے سب سے زیادہ ہنگامہ خیز دور کی تاریخ ہیں۔ قیمت مجلد ۔۔ ۲؍

جوہر اقبال ڈاکٹر اقبال مرحوم مغفور کے خیالات اور شاعری پر مولانا سید سلیمان ندوی ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر سید عابد حسین، خواجہ غلام السیدین وغیرہ کے مضامین۔ قیمت مجلد ۱؍۸

محاسن کلام غالب غالب کی شاعری پر ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم مغفور کا نہایت معرکۃ الآرا مضمون۔ قیمت مجلد ۱۲؍

مضامین رشید جناب رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی کے اعلیٰ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ۔ قیمت مجلد ۲؍

خنداں یہ جناب صدیقی صاحب کی ان مزاحیہ تقریروں کا مجموعہ ہے جو موصوف نے وقتاً فوقتاً دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر کیں۔ قیمت مجلد۔ ۲؍

یادگار نصیر محمد نصیر الدین صاحب علوی ایم اے ایل ایل بی منصف مرحوم کے منتخب کلام کا مجموعہ جو غزلیات، قصائد، سلام اور رباعیات پر مشتمل ہے کچھ غزلیات فارسی زبان میں بھی ہیں۔ کلام دلپذیر اور موثر ہے۔ قیمت ۱؍۸

ہماری شاعری سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا اردو شاعری پر ایک مضمون۔ قیمت مجلد ۲؍

لقائے دوام موت و حیات و روح و حیات بعد الموت کے متعلق نہایت عجیب پر اسرار آیات۔ قیمت ۱۲؍

الانہار حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری پر نہایت مبسوط و سیر حاصل تبصرہ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی۔ قیمت ۱؍۸

المبین اس کتاب میں عربی زبان کے فضائل اور اس کے بے نظیر خصائص بتا کر جملہ السنہ عالم مقابلہ میں اس کی ناقابل انکار فوقیت ثابت کی ہے۔ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم قیمت ۔ ۲؍

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی پبلشر و پرنٹر شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا اور وہیں سے شائع ہوا)

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر - سید طالب علی کیلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۳) | ۸ - اگست ۱۹۴۲ء مطابق ۲۴ - رجب المرجب ۱۳۶۱ھ | نمبر (۳۰)

ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر نے ان ممبران اسٹاف کے اعزاز میں جو ملٹری ٹریننگ حاصل کر کے حال میں مئو سے واپس آئے ہیں ایک لنچ دیا جس میں پرو وائس چانسلر، بی اے حلیم، میجر حیدر خاں نواب زادہ ایس ایم ظہور الدین اور حبیب اللہ خاں علی گڑھ کے اولڈ بوائے جو اس وقت لفٹننٹ ہیں اور تین ریسرچ اسٹوڈینٹس جو مئو ٹریننگ کے لئے جا رہے ہیں شریک تھے۔

وائس چانسلر نے کمانڈینٹ اسٹاف ٹریننگ کالج مئو کا ایک خط پڑھا جس میں ممبران اسٹاف مسلم یونیورسٹی کی بابت مذکور تھا مجھے افسوس ہے کہ میں ان کے لئے کچھ اور زیادہ نہ کرسکا اس لئے کہ کورس بہت جلدی میں قائم کیا گیا تھا میں امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ ہم کو ایسے ہی صحیح قسم کے طلبہ بھیجیں گے اس سے قبل بھی یہاں علی گڑھ کے بہت سے اولڈ بوائے آچکے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں آتے رہیں۔

نواب زادہ ظہور الدین اور حبیب اللہ خاں نے کہا کہ بنگلور، مئو، ڈیرہ دون اور جلگاؤں کے چار اسانت کالجوں میں تقریباً ۳۰ - ۴۰ علی گڑھ کے اولڈ بوائے اس دوران میں ٹریننگ حاصل کر رہے تھے۔ ان میں علی گڑھ کے وہ اولڈ بوائے شامل نہیں جو پہلے ہی ایر فورس یا نیوی میں کمیشن حاصل کر چکے ہیں۔

میجر حیدر خاں نے فرمایا کہ علی گڑھ سے سو سے زائد طلبہ ۴۲-۱۹۴۱ء میں ٹریننگ کے لئے بھیجے گئے اور تقریباً اس سے دوگنی تعداد میں علی گڑھ کے قدیم طلبہ نے دوسرے طریقوں سے ایمرجنسی کمیشن حاصل کیا۔

وائس چانسلر صاحب نے فرمایا کہ وہ ان طلبائے قدیم کی تعداد معلوم کریں گے جو ایمرجنسی کمیشن حاصل کر چکے ہیں اور ان کی خدمات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھیں گے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ علی گڑھ کے طلبہ کا کوئی لیائزن افسر نہیں جو پبلک کے سامنے علی گڑھ کے طلبائے قدیم کی خدمات کو پیش کرے۔

پرو وائس چانسلر صاحب نے فرمایا کہ طلبائے قدیم علی گڑھ آکر ملٹری ٹریننگ حاصل کر سکتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ باقاعدہ کلاس میں نام لکھائیں۔ وہ طلبہ جو ایمرجنسی کمیشن میں جانا چاہیں ان کو چاہئے کہ وہ اس کلاس میں نام لکھائیں جس شرط کے ساتھ کہ کوئی شخص علی گڑھ سے ایمرجنسی کمیشن کے لئے نہیں بھیجا جاسکتا تاوقتیکہ وہ علی گڑھ کا طالب علم خواہ ماضی میں یا حال میں نہ رہا ہو۔

ایمرجنسی کمیشن کے خواہشمند طلبہ کو چاہئے کہ وہ فوراً درخواست دے دیں۔ آئندہ گروپ [illegible] کی جائے گی۔ ابتدائی انتخاب ایک کمیٹی کرے گی جو وائس چانسلر، پرو وائس چانسلر اور میجر حیدر خاں پر مشتمل ہوگی۔

(پبلسٹی بیورو مسلم یونیورسٹی)

دوسری اگست کو اگزیکٹو کونسل مسلم یونیورسٹی کی ماہانہ [illegible] منعقد ہوئی۔ فیصلہ طلب معاملات کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ میٹنگ کا سلسلہ شام تک جاری رہا۔ بیرون علی گڑھ سے حسب ذیل اصحاب کونسل میں شرکت کیلئے تشریف لائے تھے۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب، حاجی ابوالحسن صاحب، ڈاکٹر ولی محمد صاحب، مسٹر محمد یمین [illegible] میر نیرنگ صاحب، خان بہادر اختر عادل صاحب۔ علی گڑھ کے سب ممبروں نے بھی کونسل میں شرکت کی۔

"بحر اسود"

فتنۂ جنگ کا ایک اور محاذ

موجودہ جنگ نے اپنی فوری اور اچانک تبدیلیوں کی وجہ سے پیش قیاسی اور پیش بینی کو ناممکن بنا رکھا ہے۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ جنگ فیصلہ کن طور پر روس کے میدان میں ہوگی۔ کبھی یہ قیاس غالب ہوتا ہے کہ **بحر اوقیانوس** میں اس جنگ کا تصفیہ ہوگا اور کبھی افریقہ کے شمالی ساحل سے آخری فیصلہ کی توقعات وابستہ کی جاتی ہیں۔ لیکن اب مفکرین اور سیاست دان اس جنگ کے فیصلہ کا انحصار بحر اسود پر موقوف رکھتے ہیں واقعہ بھی یہی ہے کہ روس، قفقاز اور مصر کے اٹھتے ہوئے طوفان اپنی بلاخیزیوں کے ساتھ اس نازی طاقت سے یہیں ٹکرائیں گے جو جزیرہ نما کریمیا میں سمٹ کر آئی ہوئی ہے۔ اس موسم بہار میں جب کہ جنگ کا دیوتا اپنی پوری بہار دکھلا رہا ہے عسکری اہمیت اس سمندر سے قریب ہوتی جا رہی ہے۔

بحر اسود جو اپنی وسعت میں "بحر اروف" کو بھی لئے ہوئے ہے **ایک لاکھ بہتر ہزار مربع میل** ہے اس میں روس کے مشہور دریا ڈان، نیپر، نیسٹر اور یورپ کے مشہور دریا ڈینوب آکر گرتے ہیں۔ بحر اسود میں ترکی بلغاریہ، قفقاز اور روس کی متعدد بندرگاہیں واقع ہیں لیکن روس کی مشہور، ممتاز اور اہم ترین بندرگاہیں اسی سمندر میں واقع ہیں۔ شمالی ساحل پر آرک انجل اور مرمانسک یہی دو بندرگاہیں مشہور ہیں لیکن موسم سرما میں آرک انجل منجمد ہو کر رہ جاتا ہے اور مرمانسک ہی کارآمد رہتا ہے۔ ایک اور مشہور بندرگاہ ولادی واسٹک ہے لیکن درحقیقت وہ ایشیائی روس کا بندرگاہ ہے وہ یورپی روس سے بہت ہی دور واقع ہے اب روس کے لئے بحر اسود کی ممتاز ترین بندرگاہیں اوڈیسہ نووروسسک اور سباسٹاپول ہی ہیں۔ ان ہی بندرگاہوں میں روس کا بحری بیڑہ روسی تجارت و حرفت اور عسکری فرائض انجام دینے کے لئے موجود رہتا ہے۔

اس کے علاوہ کسی سیاسی کا یہ قول ہے کہ روس کی اشتمالیت اس وقت تک عالمگیریت کا جامہ پہننے سے قاصر ہے جب تک کہ اس کا اپنا ساحل اور اپنی بندرگاہ نہ ہو جائے لیکن ترکی کو بھی جو اس بحر کا ایک ساحلی ملک ہے اپنی بقا کے لئے دردانیال اور باسفورس پر قبضہ رکھنا ضروری ہے۔ ان دو طاقتوں کا یہ مفاد اکثر معاندانہ رقابت کا باعث بنا رہا ہے۔ گزشتہ جنگ میں اتحادیوں نے روس کو قسطنطنیہ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن ترکی کی خوش قسمتی تھی کہ اس خط حیات پر یہ ضرب نہ لگ سکی۔

ترکی کو اپنی بقا کے لئے اور روس کو اپنے اقتدار کے لئے بحر اسود پر قبضہ رکھنا ضروری ہے۔ یہی وہ حالات تھے کہ اتحادیوں نے توازن قوت کو برقرار رکھنے کے لئے مانٹرو کانفرنس منعقد کی جس میں یہ طے کیا گیا کہ ترکی کو زمانۂ جنگ میں جنگی جہازوں کے لئے اپنے باسفورس کو بند کر دے اس لحاظ سے بحر اسود سے ترکی کو بے شمار فائدے حاصل ہوئے اب تک روس اپنے بحری بیڑے کو اس سمندر میں محفوظ رکھے ہوئے تھا ـــ اس بہار میں نازیوں کے نئے حملے نے روسیوں سے ان کی آخری بندرگاہ **سباسٹوپول** کو بھی چھین لیا ہے اور روس کا بحری اقتدار اس سمندر میں اب تقریباً ختم ہو چکا ہے یہیں کہا جا سکتا کہ ترکی اس طاقت سے بے نیاز ہو کر رہے گا۔

ہٹلر کا فوری اقدام **قفقاز** کی طرف ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس پر قبضہ حاصل ہو جائے اس کے بعد وہ ایک طویل جنگ کی جرأت بھی کر سکتا ہے اس کے لئے وہ ترکی سے گزرنے کی اجازت چاہتا تھا لیکن ترکی نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا اسی لئے جرمنی کو اپنا حملہ جزیرہ نمائے کریمیا پر کرنا پڑا اور نازیوں کی دوسری تدبیر یہ بھی کہ لیبیا، مصر اور نہر سویز سے ہوتے ہوئے عراق، شام، فلسطین کو اپنے اقتدار میں لانے کے بعد ایران، قفقاز کا ارادہ کریں لہٰذا آج یہی دو جنگی منصوبے ہیں جن پر ہٹلر کی فوجیں کاربند ہیں۔

ان حالات میں جب کہ بحر اسود سے روسی بحری بیڑہ کمزور ہو چکا ہے ہٹلر کے لئے بڑی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں اب جب کہ وہ قفقاز اور ماسکو کو منقطع کرنے کے لئے روستوف ماسکو لائن پر ضرب لگا رہا ہے اگر اس کو اپنے اس مقصد میں کامیابی ہو جائے تو وہ قفقاز پر حملہ کرے گا۔ یہ حملہ بحری اور بری اور فضائی تینوں طرف سے ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قفقاز کو بھی **جنرل ویول** کی نگرانی میں گزشتہ سال سے مستحکم کیا جا رہا ہے۔

ایران میں بھی اتحادیوں کی افواج قفقاز کی مدافعت کے لئے موجود ہیں لیکن اہم سوال ترکی کی غیر جانبداری کا ہے ایسی صورت میں جب کہ روس کی ساری بندرگاہیں جرمنی کے زیر اقتدار ہیں اور اس کے ارادے قفقاز کے ہیں کیا **ترکی اپنی موجودہ حالت کو جاری رکھ سکے گا**۔ اگر ترکی غیر جانبدار بھی رہے تو بحر اسود میں آگ اور خون کی اس ہولی سے بچ نہیں سکتا جو قفقاز کے لئے کھیلی جائے گی خود ترکی کو اپنی بقا کے لئے بحر اسود میں اقتدار قائم رکھنا ضروری ہے۔

علاوہ ازیں اب جب کہ بحر اسود کے بندرگاہ محوری اقتدار کے تابع ہیں ترکی کا خاموش رہنا ممکن نہیں خصوصاً اس حالت میں جب کہ بڑھتا ہوا محوری سیلاب اسکندریہ اور ترکی جانب چلا آ رہا ہے اس کا رخ بھی ترکی جنوبی سرحد ہے۔ ان حالات میں کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے امن اور جنگ کا مستقبل اسی بحر اسود اور اس کے ساحلی علاقوں سے وابستہ ہے ترکی کی غیر جانبداری اپنی حیات اور بقا کے لئے ہے لیکن جب یہ غیر جانبداری ہلاکت ہی جا رہی ہو تو ترکی کے لئے اپنی حکمت عملیوں کو بدل دینا ناگزیر ہو جائے گا۔

بحر اسود میں محوری کامیابیوں کی وجہ سے اور قفقاز کے محوری منصوبوں کی وجہ سے اور افریقی میدان جنگ کے سمٹ کر سویز کے قریب آنے کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتحادی اور محوری طاقتیں ایک مقام پر مرکز ہو رہی ہیں اور وہ مقام یا علاقہ ایشیائے کوچک ہے اور اس ایشیائے کوچک میں ترکی وہ علاقہ ہے جو اب تک غیر جانبدار تھا لیکن اب اس کی بقا اور فنا کا سوال پیدا ہو چکا ہے ایک اور مقتدر سیاسی رصد کا جنگ میں آ جانا کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر ترکی کی غیر جانبداری کو مان بھی لیا جائے تو روس اور جرمنی کی آویزش جو قفقاز کے لئے ہو رہی ہے اس میں بحر اسود کی فوجیں مستقل کی ضامن ہیں اور وہ یہ ثابت کر دے گی کہ یہ جنگ انہی ہولناکیوں کی وجہ سے ایک نامعلوم مدت تک جاری رہنے والی ہے اس کی وجہ بحر اسود سے روسی اقتدار کا زوال ہے۔ بحر روم میں اس جنگ کے فیصلہ کے امکانات کا ختم ہو جانا اس لئے قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ساری برسر جنگ فوجوں کا مفاد بحر اسود اور اس کے ساحلی ممالک سے وابستہ ہو گیا ہے لیکن اگر اس موسم بہار میں روسی گزشتہ موسم بہار کی طرح کامیاب مدافعت کر لیں اور مصر میں محوری اقدام روک دیا جائے تو ایک بہتر مستقبل کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں ورنہ یہ فتنہ بحر اسود میں آکر جو قیامت بپا

کرے گا اس کو گزشتہ سطروں میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ ترکی کی سیاست اس عہد میں اس توازن قوت کے اصول کو فروغ بروئے کار لائے گی جس کی وجہ سے اس کا بحری اقتدار خطرہ میں ہے اگر ترکی خود یونان کا حامی بھی ہے تو اب وہ نہیں رہ سکتا اس لئے کہ جزیرہ بحر اسود اور پھر یونانی سمندر اور سارے جنوبی یورپ کے ساحل پر قابض ہیں بحر روم کا سارا جنوبی ساحل جرمن اقتدار کے تحت ہے ایسی صورت میں دردانیال آبنائے باسفورس اور مارمورا کی محافظت ترکی سے کیسے ممکن ہو گی جب کہ جرمن اقتدار بڑھ رہا ہے ترکی یورپ اور قوت کے لئے اتحادیوں کا ساتھ دینا بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔

اس وقت میں کسی مقام سے اس کی جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے اسے نئے مسائل پیدا ہو گئے جیسے کہ بحر اسود کی جغرافیائی اور جنگی اہمیتوں کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ موسم بہار اور بحر اسود اس جنگ کے متعلق بہت جلد فیصلہ کن عنصر ثابت ہوں گے۔

(از سید عابد علی خاں صاحب بی اے ورا خبار پیام)

ریاست گوالیار اور مسلمان

بعنوان دستوری اصلاحات گوالیار مسٹر منظر عالم انصاری ایم اے ایل ایل بی (علیگ) ایڈوکیٹ ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ رقمطراز ہیں مسلمانان گوالیار کا ایک کامل مطالبہ ریاست کی دستوری اصلاحات سے متعلق ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی آمد پر رام راج قائم کرنے کے اشتیاق میں جدا وندان کانگریس کو مرکزی مقننہ میں واضح اکثریت حاصل کرنے کا خواب نظر آیا اس لئے انہوں نے اسٹیٹس پیپلس کانفرنس کا جامہ پہن کر ہندوستانی ریاستوں میں مداخلت شروع کی اور جا بجا ایجی ٹیشن اور سارے جنگ بھاؤں نے تقریباً ہر ریاست میں دستوری اصلاحات کا سوال اٹھایا۔ گوالیار میں مہاراجہ صاحب کی جوان العمری نے وار دھا کے بازیگروں کو اپنے عیارانہ مقاصد میں کامیاب ہونے کا نادر موقع دے دیا۔ سازشی مشیروں نے کمسن دربار عالی وقار کو بہلا کر پانچ افسروں اور رعایا کے تین نمائندوں پر مشتمل ایک ایسی ”فارم کمیٹی“ نامزد کرنے پر آمادہ کر لیا جس کے تمام ممبر ہندو تھے۔ اس کمیٹی کا متفقہ فیصلہ بعض ترمیموں کے بعد ۱۴ جون ۱۹۳۹ء اور ۳ ستمبر ۱۹۴۱ء کے فرامین کی شکل میں ظاہر ہوا۔

حالانکہ مغرب کے پارلیمنٹری طرز کا جمہوری نظام حکومت ہندوستان کے مزاج کے موافق نہیں ہو سکتا لیکن گوالیار کی تجویز اصلاحات برطانیہ کے آئینی تجربوں کے مطابق بھی مرتب نہیں کی گئی۔ اس کی رو سے مطلق العنان ویٹو ( ) اور شاہی اختیارات کے لئے مکمل تحفظات رکھے گئے لیکن مسلمانوں کو ان بنیادی حقوق اور تحفظات سے بھی محروم رکھا گیا جو برطانوی ریاست والوں نے کمیونل ایوارڈ میں قائم کئے تھے اور جن کو والیان ریاست ہائے ہند کے نمائندوں نے تسلیم کر لیا تھا۔ سوالات پوچھنے، تجاویز منظور کرنے، قانون سازی کی تحریک کرنے اور بجٹ کی اہم مدوں پر بحث کرنے کے برائے نام اختیارات گوالیار کے نام نہاد ایوان ہائے مقننہ کو دئے گئے۔ مرسم دستور اور مالیات کسی ایوان کے دائرہ اختیار میں نہیں تھے۔ خون کے پیاسے جاگیرداروں کے لئے کثیر تحفظات تھے پھر مستثنیات اور پابندیاں مستبدانہ قیصریت کی جڑوں کو مضبوط کرنے والی تھیں۔ سرکاری اکثریت کا اصول بڑی چالاکی سے ایوان بالائی میں برقرار رکھا گیا تھا اور ایوان زیریں کے مرتب کردہ قانونی مسودے ایوان بالائی کی منظوری کے بغیر قانون نہیں بن سکتے تھے علاوہ ازیں فرمانروا کی رضامندی قانون سازی کی راہ میں سنگ گراں کا درجہ رکھتی تھی کسی ایوان کو اپنا اسپیکر منتخب کرنے کا اختیار نہ تھا۔ بنیادی حقوق اور آزادیاں محض نمائشی تھیں۔ ترقی یافتہ جمہوریت کے اصولوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ تمہید میں رعایا کے لئے کوئی دستوری نصب العین متعین نہ تھا۔ گوالیار میں جو اصلاحات ۱۹۴۱ء میں عطا ہوئے ان کی قدر و وسعت کا مقابلہ عموماً اُن اصلاحات سے کیا جا سکتا ہے جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۲۰ء کی رو سے برطانوی ہند کو ملے تھے۔ زمانہ حاضرہ میں قیانوسی اصلاحات کی کوئی تجویز ردی کاغذ کے ان پرزوں سے بہتر نہیں سمجھی جا سکتی جو محض کوڑے کرکٹ میں پھینکے جانے کے مستحق ہوتے ہیں۔

ہوشربا خطرات کے موقع پر وفادار مسلمانوں نے اپنے محبوب مہاراجگان کے عزو وقار کو جان و مال کی قربانیاں پیش کر کے بچایا تھا دستوری ترتیب کے ہر موقع پر ان کو نہ صرف حق صحیح نمائندگی سے محروم کیا گیا بلکہ ان سے ایسا آئین قبول کرنے کو کہا گیا جو ان کی مرضی کے برعکس مرتب کیا گیا تھا گوالیار کے تین لاکھ مسلمانوں پر مشتمل وفادار اقلیت کے لئے نئے دستور میں نہ پاسنگ تھا۔ نہ مؤثر نشستیں تھیں اور نہ کوئی تحفظات تھے۔

”جداگانہ انتخاب“ ریاست ہائے ہند کے تمام مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ، کانگریس لیگ کے معروف لکھنؤ پیکٹ کا طے شدہ مسئلہ، کمیونل ایوارڈ کا مسلمہ اصول اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹس ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۵ء کا ناطق فیصلہ ہے۔ گوالیار کے پولیٹیکل منسٹر سر کیلاش نرائن ہکسر ۳۲-۱۹۳۰-۳۱ء کی گول میز کانفرنسوں میں شریک تھے اور جداگانہ انتخاب ان کانفرنسوں کے مسلسل سیاسی اذکار کا ایک متفقہ نتیجہ اور نمائندگان گوالیار دربار کا منظور شدہ مسئلہ ہے مگر ریاست نے بلا استحقاق اپنے سابقہ فیصلہ کی تنسیخ کی غرض سے مخلوط انتخاب کو تمام فرقہ وارانہ بیماریوں کا بہترین علاج کہہ کر اعلان کیا کہ ”آراضی حلقوں کے عام انتخابات میں اگر مسلمانوں کی مجموعی تعداد دو سے کم رہی تو انتخابات میں ناکامیاب رہنے والے مسلمان امیدواروں میں سے اسی تعداد بطور ممبر (ایوان بالائی جو ۴۰ ممبروں اور ایک نامزد اسپیکر پر مشتمل ہوگا) نامزد کی جائے گی جو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو اور اگر ناکامیاب مسلمان امیدوار نہ ملے تو ایسا شخص یا اشخاص جن کو دربار اپنے اعتبار تمیزی سے منتخب فرمائیں نامزد کئے جائیں گے (بحوالہ اکسٹرا آرڈنری گوالیار گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۳-۹-۴۱ء صفحہ ۲۵ فقرہ ۴ ضمن ۳)

کسی حلقہ انتخاب کے ووٹروں کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ ووٹر جس امیدوار کو منتخب کرنے سے انکار کر دیں حکومت اسی ناکامیاب امیدوار کو نامزد کرنے کا اعلان کر دے۔ در اصل مسلمانوں کے حق صحیح نمائندگی کو سلب کرنے کے لئے یہ ایک عیارانہ ایجاد ہے۔ مزید برآں تجویز اصلاحات ایسی ناقابل فہم مضحکہ خیز آمیزش میں مرتب کی گئی تھی جس سے اصلاحات کا مقصد ہی فوت ہو گیا تھا۔ ریاست کی اس فرقہ وارانہ پالیسی کا جتنا بھی

...ہے جس نے تاریخی مسلم اقلیت کو عدم ... رکھنے والی معاندانہ اکثریت کے لئے مسلمانوں کے حقوق و مفاد پر ڈاکہ زنی کی آسانیاں فراہم کر دیں۔ خدا کا شکر ہے کہ انجمن اسلام ریاست گوالیار کو معاملہ کی نزاکت کا پورا احساس تھا لہٰذا مسلمانوں نے من حیث الجماعت نئے دستور کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اصلاحات کے بارے میں اب اُن کا متفقہ مطالبہ یہ ہے کہ خطرناک حالات جنگ کے پیش نظر اصلاحات ملتوی رکھے جائیں اور اختتام جنگ کے بعد ہی اُن پر از سر نو غور کیا جائے مسلمان مُصر ہیں کہ ان کے لئے بطریق جداگانہ انتخاب ۳۳ فی صدی نشستیں محفوظ کی جائیں اور قطعی اطمینان دلایا جائے کہ بعد جنگ مجلس واضع دستور میں مسلمانوں کو ان کا واجب اور حقیقی حصہ ملے گا اور کوئی دستور ان کی خواہش کے برعکس اور انجمن اسلام ریاست گوالیار کی پسند اور مرضی کے خلاف نافذ نہیں کیا جائیگا۔

ریاست گوالیار کے وہ حکام جو نئے دستور کو بلامخالفت منظور کرانے کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں اپنے اوچھے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ڈفنس آف انڈیا رولس گوالیار کی آڑ لیکر سختیوں اور مظالم سے جائز سیاسی تحریکوں کو کچلنے میں معروف ہیں لیکن بحمداللہ کسی قسم کا جبر۔ لالچ اور ظلم گوالیار کے باعث مسلمانوں کے تدریجی ترقی کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے حقوق و مفاد کی حفاظت اپنی پوری قوت سے کریں گے۔ آخر تا میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مسلمان حسب دستور سابق اپنے مہاراجہ کے وفادار ہیں اور رہیں گے، اور اپنی جائز آرزوؤں کی تکمیل اور جبر و مظالم سے نجات کے لئے امید و بیم کی حالت میں اپنے دربار عالی وقار کو دیکھ رہے ہیں اور مجھے امید ہے کہ وسیع النظر فیاض مہاراجہ صاحب اپنی وفادار مسلم رعایا کی نا امیدی میں مزید اضافہ کرنا مناسب نہیں سمجھیں گے۔

(نامہ نگار خصوصی)

چین کی تعلیمی ترقی

مارشل چیانگ کائی شک اور ان کی غیر یک جنگ کا ایک عظیم الشان کارنامہ جاہل اور پسماندہ

چین کی حیرت انگیز تعلیمی ترقی ہے ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۶ء تک اندرونی خانہ جنگی اور اس کے بعد جاپان کے مقابلہ میں چینی قوم پرستوں کی دفاعی سرگرمیوں کے باوجود چین کی تعلیمی تحریک اتنی ہی سرگرم رہی جتنے کہ اس کے دفاعی اقدامات ۱۹۳۱ء میں مجلس اقوام کے ماہرین کی ایک کمیٹی نے چین جاکر وہاں کے تعلیمی حالات کا مطالعہ کرکے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ:

"چین کی نسل ایک سے زیادہ مختلف مصائب کے ایسے اجماع کا ہدف رہی ہے جن کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اس بدامنی اور بدحالی کے زمانہ میں بھی یہ عقیدہ قائم رکھ کر کہ نئی نسلوں کی تعلیم مہذب سماج کا سب سے بڑا فرض ہے اس کام میں ترقی کرنا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی نقل بہت سی مغربی اقوام بھی نہیں کر سکی ہیں"

فی الحال تازہ اعداد حاصل نہیں ہوسکے لیکن ۱۹۱۲ء سے ۱۹۳۲ء تک (۲۰) سال کے عرصہ میں چین کے ابتدائی مدارس کی تعداد (۸۷) ہزار کے بجائے ۲ لاکھ (۶۵) ہزار ہوگئی اور طلبہ کی تعداد جو پہلے (۲۷) لاکھ سے زیادہ نہ تھی اس (۲۰) سال کے زمانہ میں ایک کروڑ ۱۷ لاکھ تک پہنچ گئی۔ ثانوی مدارس کی تعداد بھی ۳۷۳ کے بجائے (۱۹) ... اور طلبہ کا شمار (۵۲) ہزار کے بجائے (۴) لاکھ سے زیادہ ہوگیا چار جامعات کے بجائے اس عرصہ میں تمام ملک میں (۹۲) یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ یہ تعلیمی ترقی ملک کے وسعت کے اعتبار سے کچھ زیادہ نہ ہو لیکن ملک کے حالات اور معاشی مشکلات کے مقابلہ میں بلاشبہ حیرت انگیز ہے۔ جو قوت ارادی اس کام میں چینی وطن پرستوں کی رہنما رہی اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جاپان کے حملہ کے بعد چین سے لوگ وسطی ملک کے محفوظ مقامات کی طرف جس قدر ہٹتے گئے تو اپنے ساتھ اپنی یونیورسٹیوں کے تمام ساز و سامان اور کتب خانوں کو بھی لیتے گئے۔ انھوں نے اپنے کاندھوں پر یہ سارا سامان اٹھایا اور مسلسل ہزارہا میل کا سفر جاری رکھا قدیم و جدید دنیا کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسی مثال مل سکے۔

زندگی کی اس دشوار گزار اور پُرخطر شاہراہ پر جہاں قوموں کے گھبرائے ہوئے قافلے گزر رہے ہیں ایک کروڑ (۱۰) لاکھ مربع کیلومیٹر کے رقبہ میں (۴۰) کروڑ انسانوں کی یہ بستی اپنی قوت عمل کا ایک عجیب و غریب مظہر ہے۔ خصوصاً ان پسماندہ اقوام کے لئے جو قوت حیات کے اس کرشمہ کی کارسازی سے ابھی تک محروم ہیں۔ چین کی یہ ۲۰ سالہ عہد حاضر کی ظلمتوں میں ان اقوام کے لئے ایک مینارہ روشنی ہے جو اپنے مستقبل کا راستہ تلاش کر رہی ہے۔

(ماخوذ)

مسٹر جناح کے تاثرات

بمبئی ۳۱۔ جولائی۔ مسٹر جناح صدر کل ہند مسلم لیگ اپنے ایک بیان میں کہتے ہیں کہ

"مجلس عاملہ کانگریس کا ... فیصلہ ... اگر برطانوی ہندوستان سے ... اس ... عام سول نافرمانی شروع کی جائے مسٹر گاندھی ... کانگریس کی اس پالیسی اور نظام العمل کا انتہائی نقطہ ہے جس کا مقصد یہ ہے۔ انگریزوں کو دھمکا کر ... باہر کیا جائے، اور ان پر ایک ایسے نظام حکومت کے قیام کو تسلیم کرنے اور اقتدار حکومت کو منتقل کرنے کے لئے جبر کیا جائے جس سے فوراً برطانوی سنگینوں کی سرپرستی میں ہندو راج قائم ہو جائے۔ اور اس طرح مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے مفادات کو کانگریسی راج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔

گاندھی جی کی آغاز جنگ سے اب تک کی جو روش رہی ہے اُس کا اور اُن کی سرگرمیوں کا تجزیہ کرنے کے بعد مسٹر جناح کہتے ہیں کانگریس کی تجاویز انکشاف کے بعد کانگریس خصوصاً مسٹر گاندھی مسلمانوں کی علٰحدگی کے کسی تصور کو بھی جو تجاویز میں ظاہر کیا گیا تھا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انھیں توقع تھی کہ مسودہ اعلان میں پاکستان اسکیم پر نہ صرف یہ کہ کوئی بحث و تمحیص کی جائے گی۔ بلکہ اس کی قطعاً اور صراحت کے ساتھ مذمت کی جائے گی۔ یہ بات کانگریس کی قرارداد الٰہ آباد اور مسٹر گاندھی کی تحریروں سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ وہ غیر منقسم ہندوستان کو اپنا خزانہ اور علٰحدگی کی اسکیم کے ذکر کو گناہ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے مسٹر گاندھی نے اپنی تلخی اور گرمی مایوسی میں اب اپنی ایک بڑی تحریک کی طرف رجوع کیا ہے یہ بالکل واضح ہے کہ برطانوی حکومت دو وجوہ سے مسٹر گاندھی کے مطالبات تسلیم کرنے کی جرأت

نہیں کر سکتی اولاً اس لئے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کے مقدس عزم کے خلاف ہوگا جو پاکستان کے حامی ہیں اور ہندو راج یا ہندو اکثریت والی کسی وحدانی حکومت کے آگے سر نہیں جھکائیں گے۔ اور دوسرے۔ اگر ایسا کرنا مسلمانوں کے ساتھ سخت بد عہدی ہے اگر وہ ان تمام اعلانات کو من اعتنا نگسست یعنی اعلان پر ہوا ہے نظر انداز کر دے۔ یہ ہیں وہ بات جن میں مسٹر گاندھی نے ہندوستان سے انہ ہو جاؤ کا لو وعدہ کیا ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس پوری طرح جانتی ہے کہ غیر مسلح ہندوستان آمادہ برطانیہ سے۔ جو اس پوری سعی کرا سکتا ہیں نہ اور اگر ہے تو انکار کرتا ہوں کہ مسٹر گاندھی اس لمحے لئے تھی۔ حال کرتے ہیں کہ لیکن ہماری اسد عا پر رضامندی کے ساتھ پورا ہو جائے گا۔ خصوصاً حسب عالمگیر کی موجودہ حالت میں۔

مسٹر گاندھی اعتراف کرتے ہیں کہ اگر ایسا واقعہ کسی حکومت یا دستور کی عدم موجودگی میں پیش آیا تو اس کا نتیجہ سراج اور جو بر بر۔ خود ان کو اس بات کا یقین ہے کہ برطانیوں کی واپسی کے بعد مختلف قوتوں اور مفادات کے نمائندے فوراً آپس میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور آپ کے بیان کی برعظیم کے لئے ایک مشترکہ حکومت قائم کر لیں گے لیکن ان کے رضامند ہونے میں اب کوئی چیز حائل ہے۔ یہ ایسا سراسر طفلانہ ہے کہ جب تک انگریز یہاں موجود رہیں گے اس وقت تک کوئی رضامندی نہ ہو سکے گا۔

لیکن ایک چیز تو یقینی ہے وہ یہ کہ مسٹر گاندھی مسلمانوں اور دوسروں کے لئے جو شرائط قائم فرما رہے ہیں ان کی اساس پر کوئی رضامندی نہیں ہو سکتا اور کوئی نظام حکومت ان شرائط پر برطانوی سنگینوں کی امداد اور برطانیہ کے سایۂ عاطفت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا اور یہ کام برطانوی حکومت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ نہایت غیر منصفانہ ہوگا اور اگر برطانیہ ایسا کرے بھی تو یہ نظام حکومت چند ماہ کے اندر ٹوٹ جائے گا۔ مسلمانان ہند کو ذرا بھی عذر نہیں اگر انگریز آج ہندوستان سے واپس ہو جائیں لیکن مسلم ہندوستان کو جس بات کا خوف ہے اور جس کی نسبت انہیں اندیشے ہیں وہ یہ ہے کہ برطانیہ شاید اپنے سخت ابتلا اور تزلزل کی حالت میں مسلم ہندوستان اور دوسری اقلیتوں اور مفادات کا نقصان کر کے کانگریس کی رضامندی حاصل کرنے کی غلطی کا ارتکاب کرے یہی وہ نازک مسئلہ ہے جس سے مسٹر گاندھی آج کل کھیل رہے ہیں اگر وہ کامیاب ہو جائیں تو برطانیہ پر مسٹر گاندھی اور کانگریس کا بول بالا ہوگا اور یہ خواری کا آخری داؤں ہے۔

مسٹر گاندھی اپنی قوم، کانگریسیوں اور دوسروں کو جنہیں ان کی اتباع کی ترغیب دی جا سکے اب نہایت ماہرانہ طور پر بغاوت کے راستے پر لئے جا رہے ہیں۔ اور اب بھی وقت باقی ہے کہ وہ رک جائیں یہ اقدام برطانوی حکومت کو چیلنج ہے مگر وہ اپنی حفاظت کے بالکل قابل ہے۔ مگر یہ مسلم ہندوستان کو بھی چیلنج ہے اور اس امر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مسٹر گاندھی نے صرف مسلمانوں کے مطالبات کو شدت کے ساتھ رد کر دیا ہے بلکہ ان سے امتزاج یا مشورہ کے بغیر اپنی تحریک شروع کر رہے ہیں جس کا واحد مقصد ہر جائز و ناجائز طریقہ سے ایسی صورت حال پیدا کر دینا ہے جس سے پاکستان اسکیم۔ صرف خارج از بحث ہو جائے بلکہ اس کو آخری طور پر تباہ کر دیا جائے۔ مسلم ہندوستان ایسی صورت حال کے مقابلہ میں محض تماشائی نہیں رہ سکتا۔

میں اپنی مجلس عاملہ کا اجلاس قریبی تاریخ میں طلب کر رہا ہوں اور ہمیں اپنے طور پر فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس خطرہ کے مقابلہ میں ہمیں کیا طریقۂ کار کرنا چاہئے۔

اُردو کی پہلی اور دوسری کتاب
شائع کردہ کانفرنس پر

جناب مولانا حافظ قاری الحاج محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی رائے

تعلیم کا ابتدائی ذریعہ زبان ہے۔ اس لئے بچوں کی تعلیم کا آغاز قدرتی طور پر زبان آموزی ہی سے ہو سکتا ہے۔ ابتدائے آفرینش میں بھی رب العلمین نے سب سے پہلے آدمؑ کو لغت ہی کی تعلیم دی۔

وعلّم آدم الاسماء کلها۔

چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مادری اور ملکی زبان اُردو ہے اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان بچوں کے تعلیمی نصاب کا ابتدائی حصہ خود اُردو زبان کی تعلیم ہو تاکہ ابتدا ہی سے بچوں کا محاورہ بھی درست رہے اور آئندہ چل کر انہیں عام افہام و تفہیم پر زبان کی حیثیت سے پوری قدرت ہو۔

قوم نے اس سے غفلت تو نہیں برتی اور ابتدائی مدارس کے لئے نصاب اردو کے سلسلہ میں متعدد اور متنوع کتابیں لکھ کر داخل درس بھی کی گئیں۔ لیکن زبان آموزی کے یہ نصابی رسائل اکثر و بیشتر چونکہ جانوروں کے قصوں طوطا، مینا اور کتا، بلی کے افسانوں یا فرضی کہانیوں پر مشتمل ہیں اس لئے ابتدائی تعلیم میں عموماً یہی کہانیاں بچوں کے ورد زبان ہو کر رہ جاتی ہیں جن سے ممکن ہے کہ کسی حد تک اُن کا محاورہ تو درست ہو جاتا ہو لیکن یہ یقینی ہے کہ ان کے اخلاق و معاشرت اور ذہنیت پر ان افسانوں سے کوئی اچھا اثر نہیں پڑتا اور عاماً یہ بچے اس تعلیم سے اپنی آئندہ تعلیمی زندگی کا کوئی عمدہ خاکہ تیار کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ اس کمی کی خاطر خواہ تلافی کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ نے بچوں کی ابتدائی تعلیم کا اردو نصاب ایسے بہتر انداز پر مرتب کرایا ہے کہ اُسے پڑھ کر علاوہ زبان دانی کے بچوں کو ابتدا ہی سے بقدر ضرورت دینی معلومات پر عبور اور اسلامی خصوصیات کا شعور بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

اس نصاب کے دو رسالے احقر کے سامنے ہیں اردو کی پہلی اور اردو کی دوسری۔ زبان نہایت سلیس بامحاورہ پیرایۂ بیان دلچسپ اور بچوں کے لئے موزوں ہے۔ ہر دو رسالے اپنے موضوع کے لحاظ سے بہترین افادی حیثیت رکھتے ہیں امید ہے اس جدید نصاب سے قدیم نصابوں کی وہ تمام سابقہ کمزوریاں زائل ہو جائیں گی جن کے زائل کئے جانے کی اشد ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ اس نصاب کو قوم کے نونہالوں کے لئے ذریعہ انکشافات علم فرما کر اُن کے مستقبل کو اس سے درخشاں اور تاباں فرمائے۔ آمین،

ایڈیٹر۔ مندرجہ بالا دونوں کتابیں علی الترتیب ۲۰ و ۵ پیسے میں صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے مل سکتی ہیں۔

ایک مشہور و فیاض رئیس کی رحلت

یہ خبر ہم نے نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ سُنی کہ ہمارے صوبہ کے ایک نامور بزرگ یعنی خان بہادر حاجی شیخ بشیر الدین صاحب رئیس لال کرتی میرٹھ نے ۲۹ جولائی سنہ [illegible] کو رحلت فرمائی۔ شیخ صاحب مرحوم کم و بیش تین ماہ سے کاربنکل کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ ہر علاج جو ہو سکتا تھا کیا گیا اور ہر تدبیر جو ممکن تھی عمل میں لائی گئی، لیکن موت کا کیا علاج!

شیخ صاحب مرحوم ایک خوش عقیدہ و پابند مذہب بزرگ تھے، اور اپنی فیاضی، سیر چشمی، و سعدا ری، تواضع، مہمان نوازی، حسن معاشرت اور اخلاق کریمانہ کی وجہ سے ہر حلقہ میں مشہور و ہر دلعزیز تھے اور ہر شخص دل سے آپ کی عزت کرتا تھا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے جنازہ کے ساتھ تقریباً دس ہزار کا مجمع تھا جس میں ہر فرقہ و طبقہ کے لوگ تھے، اور جس طرح مسلمان اس حادثہ پر غمگین و افسردہ تھے اسی طرح ہندو بھی متاثر تھے، چنانچہ آپ کی خبر وفات مشتہر ہونے پر میرٹھ میں عام ہڑتال ہوئی، اور جو جلسہ تعزیت منعقد ہوا اس میں ہر فرقہ کے لوگوں نے شرکت کی،

شیخ صاحب مرحوم کی قومی و تعلیمی کاموں سے بھی عمیق تعلق تھا فیض عام ہائی اسکول مرحوم ہی کی سعی و توجہ سے ایک ابتدائی مدرسہ سے ترقی کر کے ہائی اسکول بنا اور پھر انٹر کالج کے درجہ تک ترقی کر گیا، اسی طرح دوسرے قومی کاموں میں بھی ہمیشہ سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ شیخ صاحب کی رحلت سے جو نقصان پہنچا ہے اُس کی تلافی مشکل سے ہو سکے گی بلکہ شاید نہ ہو سکے،

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور پسماندوں کو صبر کی توفیق عطا کرے، ہمیں اس حادثہ پر مرحوم کے برادر بزرگ خان بہادر حاجی شیخ وحید الدین صاحب سے عمیق ہمدردی ہے اس حادثہ سے آپ کو جو صدمہ ہوا ہوگا ہر شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے کیونکہ دونوں بھائیوں میں باہم ایسی محبت تھی جو عام طور پر ضرب المثل تھی۔

ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کی یادگار قائم کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جس میں سر سبام نواب محمد اسمٰعیل خاں، نواب جمشید علی خاں، سیٹھ سورج مل اور لالہ مہابیر پرشاد وغیرہ شریک ہیں۔ شیخ صاحب مرحوم کو ہندو و مسلمانوں میں جو ہر دلعزیزی حاصل تھی اس کے پیش نظر ہمیں یہ توقع ہے کہ یادگار کی تحریک ضرور کامیاب ہوگی۔ خدا کرے یہ یادگار ہندو مسلم اتحاد کی یادگار ثابت ہو۔

مسلم لیگ کی نئی مجلس عاملہ

بمبئی کی ایک اطلاع مُظہر ہے کہ مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے امسال مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے لئے حسب ذیل ارکان کے ناموں کا اعلان کیا ہے:

مسٹر عبد المتین چودھری (آسام) سر ناظم الدین، مولوی محمد اکرم خاں حسن اصفہانی (بنگال)، مولوی لطف الرحمٰن، حسین امام (بہار)، نواب محمد اسمٰعیل خاں، چودھری خلیق الزماں، راجہ صاحب محمود آباد (صوبہ متحدہ)، بیگم محمد علی (دہلی)، نواب افتخار حسین خان، شیخ کرامت علی ایم اے ایل، میاں بشیر احمد صاحب (پنجاب) سردار اورنگ زیب خاں، سردار بخت جمال خاں (صوبہ سرحد)، قاضی محمد عیسیٰ (بلوچستان)، جی این سید، خان بہادر کھوڑو (سندھ)، سر کریم بھائی ابراہیم (بمبئی)، ایس اے رؤف شاہ (صوبہ متوسط)، حاجی عبد الستار، حاجی اسحٰق سیٹھ (مدراس)، نوابزادہ لیاقت علی خاں اس سال بھی آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے سکرٹری رہیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نئی ورکنگ کمیٹی میں سر سکندر حیات خاں شامل نہیں ہیں۔

ایک تازہ اطلاع مُظہر ہے کہ مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۶۔ اگست سنہ [illegible] کو بمبئی میں ہوگا۔

یونائیٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ حکومت بنگال نے کلکتہ یونیورسٹی کو ریزرو دفتر کھولنے کیلئے ۴ لاکھ ۰ ہزار روپیہ دینا منظور کیا ہے

مدراس میں ایمرجنسی کمیشن کے بحری بری اور ہوائی صیغوں میں تربیت حاصل کرنیوالے امیدواروں کا اسکول کھولنے کی اسکیم مکمل ہو گئی ہے بالفعل پچاس نوجوانوں کو تربیت دیجائے گی۔ کورس تین مہینہ تک کا ہوگا۔

علمی تحائف

مضامین محمد علی — مولانا محمد علی مرحوم مغفور کے مضامین کا مجموعہ جو اُن کے ہر قسم کے خیالات کا مرقع اور ہندوستان کے سب سے زیادہ ہنگامہ خیز دور کی تاریخ ہیں۔ قیمت مجلد عہ

جوہر اقبال — ڈاکٹر اقبال مرحوم مغفور کے خیالات اور شاعری پر مولانا سید سلیمان ندوی ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر سید عابد حسین، خواجہ غلام السیدین وغیرہ کے مضامین۔ قیمت مجلد عہ

محاسن کلام غالب — غالب کی شاعری پر ڈاکٹر عبد الرحمٰن بجنوری مرحوم و مغفور کا نہایت معرکۃ الآرا مضمون۔ قیمت مجلد عہ

مضامین رشید — جناب رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کے اعلیٰ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ قیمت مجلد عہ

خنداں — جناب صدیقی صاحب کی ان مزاحیہ تقریروں کا مجموعہ ہے جو موصوف نے وقتاً فوقتاً دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر کیں۔ قیمت مجلد عہ

یادگار نصیر — محمد نصیر الدین صاحب علوی ایم اے ایل ایل بی مصنف مرحوم کے منتخب کلام کا مجموعہ جو غزلیات، قصائد، سلام اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ کچھ غزلیات فارسی زبان میں بھی ہیں۔ کلام دلپذیر اور موثر ہے۔ قیمت .. عہ

ہماری شاعری — سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا اردو شاعری پر ایک مضمون۔ قیمت مجلد .. عہ

بقائے دوام — موت و حیات و روح و حیات بعد الموت کے متعلق نہایت عجیب و پُر اسرار حالات قیمت عہ

الانہار — حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری پر نہایت مبسوط و سیر حاصل تبصرہ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی قیمت .. .. عہ

المبین — اس کتاب میں عربی زبان کے فضائل اور اس کے بے نظیر خصائص بتا کر جملہ السنۂ عالم کے مقابلہ میں اسکی ناقابل انکار فوقیت ثابت کی ہے۔ از مولانا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم قیمت .. عہ

ملنے کا پتہ:۔ **کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ**

(باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی پبلیشر و پرنٹر شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا اور وہیں سے شائع ہوا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۳) | ۱۶-۲۴ اگست ۱۹۴۲ء مطابق ۳ و ۱۱ شعبان ۱۳۶۱ھ | نمبر (۳۱ و ۳۲)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس ۰ [illegible] اگست ۱۹۴۲ء کو صدر [illegible] کانفرنس (سلطان جہاں منزل) [illegible] منعقد ہوا جس میں کانفرنس کے عہدہ داران اور ارکان مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کا انتخاب عمل میں آیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- آنریری سکرٹری کانفرنس کے عہدہ پر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی بلا مقابلہ منتخب ہوئے کوئی دوسرا نام پیش نہیں ہوا۔

۲- وائس پریسیڈنٹ - مولوی سید طفیل احمد صاحب (علیگ)

۳- سکرٹری شعبہ تالیف و تصنیف - مولوی سید احمد صاحب صدیقی ایم اے

۴- سکرٹری شعبہ تعلیمی - خان بہادر سید آل علی نقوی صاحب

۵- سکرٹری شعبہ اصلاح معاشرت - شیخ عطاء اللہ صاحب ایم اے

۶- سکرٹری شعبہ تعلیم نسواں - مسس قمر جہاں جعفر علی صاحبہ

اساتذہ مسلم یونیورسٹی میں سے حسب ذیل اصحاب منتخب ہوئے۔

۱- شفاء الملک حکیم مولوی محمد عبد اللطیف صاحب پرنسپل طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

۲- مسٹر آل احمد سرور ایم اے استاد شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی۔

حسب ذیل مقامی اصحاب علاوہ اساتذہ کے ممبر منتخب ہوئے۔

۱- خانصاحب میر ولایت حسین صاحب بی اے

۲- صاحبزادہ شہزاد احمد خانصاحب (علیگ)

حسب ذیل اصحاب بیرون علیگڑھ سے مجلس عاملہ کے ممبر ہوئے۔

۱- نواب محمد اسمٰعیل خانصاحب میرٹھ۔

۲- ڈاکٹر عبد الستار صدیقی صاحب الہ آباد

۳- ڈاکٹر عابد حسین صاحب جامعہ ملیہ دہلی۔

۴- مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایوں۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب ایم ایل اے وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی اپنے عہدہ کے لحاظ سے بدستور مجلس عاملہ کے صدر رہے اسی طرح خان بہادر مولوی حاجی محمد عبید الرحمن خانصاحب شروانی ٹریزرر مسلم یونیورسٹی بھی بلحاظ اپنے عہدہ کے کانفرنس کے ٹریژرر اور مجلس عاملہ کے ممبر رہے۔

خان بہادر پروفیسر عبد المجید قریشی صاحب آنریری جوائنٹ سکرٹری کی مدت عہدہ ابھی باقی تھی اس لئے موصوف بدستور اپنے عہدہ پر مامور رہے۔

مذکورہ بالا انتخابات پانچ سال کے واسطے عمل میں آئے ہیں۔

کانفرنس گزٹ شروانی پریس میں چھپتا تھا لیکن اب پریس منکور نے چھاپنے سے انکار کر دیا اور ۱۶، اگست کے اخبار کی کاپیاں جو طبع کی گئی تھیں واپس کر دیں اور دوسرے پریس سے معاملہ کرنے اور حصول اجازت میں کافی وقت صرف ہوا۔ اس لئے ۱۶ و ۲۴ اگست کا اخبار یکجا شائع ہو رہا ہے آئندہ انشاء اللہ [illegible] زائد صفحے [illegible] کی تلافی کر دی جائیگی ہم [illegible] کبھی پسند نہیں کرتے لیکن [illegible]

ایک مشہور و فیاض رئیس کی رحلت

یہ خبر ہم نے نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ سُنی کہ ہمارے صوبہ کے ایک نامور بزرگ یعنی خان بہادر حاجی شیخ بشیر الدین صاحب رئیس لال کرتی میرٹھ نے ۲۹ جولائی ۱۹۴۳ء کو رحلت فرمائی۔ شیخ صاحب مرحوم کم و بیش تین ماہ سے کاربنکل کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ ہر علاج جو ہو سکتا تھا کیا گیا، اور ہر تدبیر جو ممکن تھی عمل میں لائی گئی، لیکن موت کا کیا علاج!

شیخ صاحب مرحوم ایک خوش عقیدہ و پابند مذہب بزرگ تھے، اور اپنی فیاضی، سیر چشمی، وضعداری، تواضع، مہمان نوازی، حسن معاشرت اور اخلاق کریمانہ کی وجہ سے ہر حلقہ میں مشہور و ہر دلعزیز تھے اور ہر شخص دل سے آپ کی عزت کرتا تھا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے جنازہ کے ساتھ تقریباً دس ہزار کا مجمع تھا جس میں ہر فرقہ و طبقہ کے لوگ تھے، اور جس طرح مسلمان اس حادثہ پر غمگین و افسردہ تھے اسی طرح ہندو بھی متاثر تھے، چنانچہ آپ کی خبر وفات مشتہر ہونے پر میرٹھ میں عام ہڑتال ہوئی، اور جو جلسۂ تعزیت منعقد ہوا اس میں ہر فرقہ کے لوگوں نے شرکت کی۔

شیخ صاحب مرحوم کی قومی و تعلیمی کاموں سے بھی عمیق تعلق تھا، فیض عام ہائی اسکول مرحوم ہی کی سعی و توجہ سے ایک ابتدائی مدرسہ سے ترقی کرکے ہائی اسکول بنا اور پھر انٹر کالج کے درجہ تک ترقی کر گیا، اسی طرح دوسرے قومی کاموں میں بھی ہمیشہ سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ شیخ صاحب کی رحلت سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی مشکل سے ہو سکے گی یا شاید نہ ہو سکے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور پسماندوں کو صبر کی توفیق عطا کرے، ہمیں اس حادثہ پر مرحوم کے برادر بزرگ خان بہادر حاجی شیخ وحید الدین صاحب سے عمیق ہمدردی ہے اس حادثہ سے آپ کو جو صدمہ ہوا ہوگا ہر شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے کیونکہ دونوں بھائیوں میں باہم ایسی محبت تھی جو عام طور پر ضرب المثل تھی۔

ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کی یادگار قائم کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جس میں سر سیٹھ حاجی نواب محمد اسمٰعیل خاں، نواب جمشید علی خاں، سیٹھ سورج مل اور لالہ مہابیر پرشاد وغیرہ شریک ہیں۔ شیخ صاحب مرحوم کو ہندو مسلمانوں میں جو ہر دلعزیزی حاصل تھی اس کے پیش نظر ہمیں یہ توقع ہے کہ یادگار کی تحریک ضرور کامیاب ہوگی۔ خدا کرے یہ یادگار ہندو مسلم اتحاد کی یادگار ثابت ہو۔

مسلم لیگ کی نئی مجلس عاملہ

بمبئی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے امسال مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے لئے حسب ذیل ارکان کے ناموں کا اعلان کیا ہے:

مسٹر عبد المتین چودھری (آسام)، سر ناظم الدین، مولوی محمد اکرم خاں، حسن اصفہانی (بنگال)، مولوی لطف الرحمٰن، حسین امام (بہار)، نواب محمد اسمٰعیل خاں، چودھری خلیق الزماں، راجہ صاحب محمود آباد (صوبہ متحدہ)، بیگم محمد علی (دہلی)، نواب افتخار حسین خان، شیخ کرامت علی ایم ایل اے، میاں بشیر احمد صاحب (پنجاب)، سردار اورنگ زیب خاں، سردار بخت جمال خاں (صوبہ سرحد)، قاضی محمد عیسیٰ (بلوچستان)، جی ایم سید، خان بہادر کھوڑو (سندھ)، سر کریم بھائی ابراہیم (بمبئی)، ایس اے رؤف شاہ (صوبہ متوسط)، حاجی عبد الستار، حاجی اسحٰق سیٹھ (مدراس)، نوابزادہ لیاقت علی خاں اس سال بھی آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے سکرٹری رہیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نئی ورکنگ کمیٹی میں سر سکندر حیات خاں شامل نہیں ہیں۔

ایک تازہ اطلاع مظہر ہے کہ مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۱۔ اگست ۱۹۴۳ء کو بمبئی میں ہوگا۔

یونائٹیڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ حکومت بنگال نے کلکتہ یونیورسٹی کو ریزرو فنڈ کھولنے کیلئے ۴ لاکھ ۰ ہزار روپیہ دینا منظور کیا ہے۔

مدراس میں ایمرجنسی کمیشن کے بحری، بری اور ہوائی صیغوں میں تربیت حاصل کرنیوالے امیدواروں کا اسکول کھولنے کی اسکیم مکمل ہوگئی ہے بالفعل پچاس نوجوانوں کو تربیت دیجائے گی۔ کورس تین مہینہ تک کا ہوگا۔

(باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی پبلیشر و پرنٹر شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا اور وہیں سے شائع ہوا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۳) | ۱۶و۲۴-۸- اگست ۱۹۴۲ء مطابق ۳و۱۰ شعبان ۱۳۶۱ھ | نمبر (۳۱و۳۲)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس ۸ / اگست ۱۹۴۲ء کو بمقام دفتر کانفرنس (سلطان جہاں منزل) منعقد ہوا۔ جس میں کانفرنس کے بعض عہدہ داروں اور ارکان مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کا انتخاب عمل میں آیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ آنریری سکریٹری کانفرنس کے عہدہ پر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی بلا مقابلہ منتخب ہوئے کوئی دوسرا نام پیش نہیں ہوا۔

۲۔ وائس پریسیڈنٹ۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب (علیگ)

۳۔ سکریٹری شعبہ تالیف و تصنیف۔ مولوی عبدالاحد صاحب صدیقی ایم اے

۴۔ سکریٹری شعبہ تعلیمی۔ خان بہادر سید آل علی نقوی صاحب

۵۔ سکریٹری شعبہ اصلاح معاشرت شیخ عطاء اللہ صاحب ایم اے۔

۶۔ سکریٹری شعبہ تعلیم نسواں مس قمر جہاں جعفر علی صاحبہ

اساتذہ مسلم یونیورسٹی میں سے حسب ذیل اصحاب منتخب ہوئے۔

۱۔ سعادت الملک حکیم مولوی محمد عبداللطیف صاحب فلسفی پرنسپل طبیہ کالج (مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

۲۔ مسٹر آل احمد سرور ایم اے استاد شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی۔

حسب ذیل مقامی اصحاب علاوہ اساتذہ کے ممبر منتخب ہوئے

۱۔ خانصاحب میر ولایت حسین صاحب بی اے

۲۔ صاحبزادہ شہزاد احمد خانصاحب (علیگ)

حسب ذیل اصحاب بیرون علیگڈھ سے مجلس عاملہ کے ممبر ہوئے۔

۱۔ نواب محمد اسمٰعیل خانصاحب میرٹھ۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب الہ آباد

۳۔ ڈاکٹر عابد حسین صاحب جامعہ ملیہ دہلی۔

۴۔ مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایوں۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب ایم ایل اے وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی اپنے عہدہ کے لحاظ سے بدستور مجلس عاملہ کے صدر رہے اسی طرح خان بہادر مولوی حاجی محمد عبید الرحمن خانصاحب شروانی ٹرژرر مسلم یونیورسٹی بھی بلحاظ اپنے عہدہ کے کانفرنس کے ٹرژرر اور مجلس عاملہ کے ممبر رہے۔

خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب آنریری جوائنٹ سکریٹری کی مدت عہدہ ابھی باقی تھی، اس لئے موصوف بدستور اپنے عہدہ پر مامور رہے۔

مذکورۂ بالا انتخابات پانچ سال کے واسطے عمل میں آئے ہیں۔

کانفرنس گزٹ شروانی پریس میں چھپتا تھا لیکن اب پریس مذکور نے چھاپنے سے انکار کر دیا اور ۱۶ / اگست کے اخبار کی کاپیاں جو طبع ہو گئی تھیں واپس کر دیں دوسرے پریس سے معاملہ کرنے اور حصول اجازت میں کافی وقت صرف ہوا۔ اس لئے ۱۶ و ۲۴ / اگست کا اخبار یکجا شائع ہو رہا ہے آئندہ انشاء اللہ [illegible] زائد صفحے بڑھا کر اس کی تلافی کر دی جائیگی ہم دو پرچے یکجا شائع کرنا کبھی پسند نہیں کرتے لیکن [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ و ۲۳ - اگست ۱۹۴۲ء

ہندوستان کا موجودہ دور اور مسلمان

آج ہندوستان ایک نہایت نازک دور سے گزر رہا ہے اور اس کا مستقبل بالکل تاریک نظر آتا ہے۔ غالباً ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے بعد ایسا پُر خطر زمانہ ہندوستان پر کبھی نہیں آیا۔ کیونکہ موجودہ حالت یہ ہے کہ ہندوستان دو زبردست خطروں میں مبتلا ہے۔ پہلا خطرہ یہ ہے کہ ایک بیرونی اور خوفناک دشمن ہندوستان کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اور اُس کی حریصانہ نظریں ہمارے وطن پر پڑ رہی ہیں۔ دوسرا خطرہ اندرونی ہے جو حسب ذیل صورتوں میں نمودار ہوا ہے۔

۱۔ حکومت اور نیشنل کانگریس کی زبردست کشمکش

۲۔ فرقہ وارانہ مناقشات خصوصاً ہندو مسلمانوں کا سخت اختلاف۔

۳۔ شدید افلاس اور ضروریات زندگی کی خوفناک گرانی۔

یہ تین خطرے ایسے ہیں جنہوں نے ہندوستان کو سخت مصائب میں مبتلا کر رکھا ہے جن سے "نجات" کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یہ خطرے ایسے ہیں جن کی وجہ سے حکومت اور پبلک دونوں سخت پریشان ہیں گویا سارا ملک اضطراب کی حالت میں ہے اور کسی کو بھی اطمینان خاطر و عافیت میسر نہیں ہے۔

ملک میں ہمیشہ سے ایک ایسی مختصر سی جماعت موجود رہی ہے جو ہندوستان کو ان مصائب و خطرات سے نجات دلانے کی کوشش کر رہی ہے اور خود حکومت بھی جو ان مشکلات سے پریشان ہو گئی ہے۔ اُن سے عہدہ برآ ہونے کی تدبیر و کوشش کرتی رہتی ہے لیکن اب تک ہمارا "حق" دور کا سا معاملہ ہے یعنی کسی کو بھی ان مشکلات کے دور کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اور ہندوستان کی فضا بدستور تیرہ و تار ہے بلکہ یہ اندیشہ ہے کہ حالات بد سے بدتر ہو جائیں گے۔

یہ خطرات جن میں ہندوستان گھرا ہوا ہے ایسے ہیں کہ جن سے ملک کا ہر فرقہ متاثر ہو رہا ہے لیکن سب سے زیادہ مصیبت مسلمانوں کے لئے ہے جو اپنی مالی و اقتصادی حیثیت اور تعداد کے لحاظ سے ایک کمزور و درماندہ قوم ہیں اور اس پر مزید مصیبت یہ ہے کہ متحد و منظم نہیں ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو قوم کمزور اور قلیل تعداد میں ہو وہ خطرات کا مقابلہ ہمت و قوت کے ساتھ نہیں کر سکتی لیکن باایں ہمہ ہر قوم کو اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے اور اگر ملک کے لئے کوئی خطرہ درپیش ہو یا اندرونی مشکلات کی وجہ سے حالات ناسازگار ہوں تو قوم کے فرائض بھی بڑھ جاتے ہیں اور اپنی بقائے حیات و تحفظ کے لئے زیادہ سے زیادہ جد و جہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

جس دور سے ہم گزر رہے ہیں یہ بھی اسی قسم کا ہے کہ ایک طرف تو اندرونی حالات ناسازگار ہیں دوسری طرف بیرونی حملہ آور کا خطرہ ہے جو ہندوستان کے قریب آ چکا ہے اور ہمارے وطن عزیز کو برباد کرنے اور امن و عافیت میں خلل انداز ہونے کا ارادہ کر رہا ہے۔ یہ سب حالات اس امر کو مقتضی ہیں کہ مسلمان اپنے معاملہ پر جلد سے جلد توجہ کریں کہ ان گوناگوں مشکلات و خطرات کی صورت میں وہ کس طریقہ سے اپنے مفاد کی حفاظت کر سکتے اور عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں۔

ملک کے اندرونی حالات اس تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں اور بیرونی خطرہ اس قدر قریب آ گیا ہے کہ اب زیادہ غور و فکر کی مہلت نہیں ہے بس جو کچھ کرنا ہے وہ جلد کرنا چاہئے۔ زمانہ تیز رفتار ہے اور وہ اس لئے ٹھہر کر ہمارا انتظار نہیں کرے گا کہ ہم ابھی اپنے مستقبل کے متعلق غور و بحث کر رہے ہیں یا کوئی نظام عمل تیار کر رہے ہیں۔ قوموں کی زندگی میں وقت اور موقع سے فائدہ اٹھانے کی بڑی قیمت ہے بعض دفعہ ذرا سی تاخیر یا موقع سے غفلت قوم کی ترقی کو سالہا سال کے لئے پیچھے ڈال دیتی ہے۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی قوم بروقت بیدار نہ ہونے۔ غلط روی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ترقی سے محروم ہو جاتی ہے اور اس کا نام اولوالعزم اور زندہ قوموں کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ میں کسی قوم کو یہ مشورہ نہیں دیا جا سکتا کہ وہ ملکی سیاست سے علٰحدہ رہے اور جو کچھ اس کے گرد و پیش ہو رہا ہے یا دوسری قومیں جو کچھ کر رہی ہیں اس سے بالکل آنکھیں بند کر لے ایسا کرنا درحقیقت ایک قسم کی خودکشی ہوگی۔

ہندوستان کی موجودہ سیاست کیا ہے؟ اپنے مفاد کی حفاظت، حقوں کے لئے جد و جہد کرنا اور اپنے حقوق کو دوسروں کی دست برد یا مخالفانہ ارادوں سے بچانا یہ ایسے "بنیادی فرائض" ہیں جنہیں دنیا کی کوئی قوم بھی نظر انداز نہیں کر سکتی، حکومتوں اور رعایا کی کشمکش ہو یا مختلف حکومتوں کی باہمی جنگ، سب کی اصلی وجہ یہ ہے کہ یا تو حکومت رعایا کو اس کے بنیادی حقوق نہیں دیتی اور ظالمانہ مستبدانہ طریقہ سے حکومت کرتی ہے یا ایک قوم دوسری قوم کے حقوق خواہ مخواہ غصب کر کے اس کی آزادی کو فنا کرنا چاہتی ہے غرض ساری دنیا میں مفاد و حقوق کی جنگ جاری ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اپنے مفاد و شہری حقوق سے دستبردار ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اُن کی کوئی مستقل حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ اور اُن کی قومی عزت و تاریخی عظمت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا اس لئے مسلمان اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ وہ میدان عمل میں آئیں اور اپنے مفاد کی حفاظت و حقوق حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کریں۔

زمانہ کے زبردست طمانچے نے مسلمانوں کو بیدار کر دیا ہے اور انہیں اپنی کمزوری و درماندگی کا احساس پیدا ہو گیا ہے اس لئے اُن میں زندگی کے کچھ آثار نظر آنے لگے ہیں اور وہ کچھ نہ کچھ کام

کر رہے ہیں یہ دیکھ کر بہت سے لوگوں کے دلوں میں خوشگوار امیدیں پیدا ہو گئی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان اس ملک میں اپنے لئے مناسب جگہ حاصل کر لیں گے لیکن یہ خیال حقیقت سے بہت دور ہے۔ مسلمان بے شبہ کچھ کام کر رہے ہیں لیکن دوسری قومیں جس ہمت و سرگرمی سے کام کر رہی ہیں اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے کام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

قومی ترقی کے لئے تین کام انجام دینے کی ضرورت ہے مثلاً

۱۔ قوم کے زیادہ سے زیادہ افراد کا تعلیم حاصل کرنا۔

۲۔ تجارتی کاروبار اور وسائل معاش کو ترقی دینا۔

۳۔ سیاسی قوت و رسوخ و اقتدار حاصل کرنا۔

یہ چیزیں ہیں جن کے لئے ہندوستان کی مختلف قومیں اور مسلمان جد و جہد میں مصروف ہیں لیکن مسلمانوں کی کوشش دوسروں کے مقابلہ میں ہیچ ہے جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُن کی کوشش کے اطمینان بخش نتائج ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ اس موقع پر مسلمانوں کی قومی ترقی کے متعلق کوئی مفصل تبصرہ مقصود نہیں۔ اس لئے اجمالاً عرض کیا جاتا ہے کہ برادران وطن کے مقابلہ میں ابھی مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے ہیں جس کی صحیح کیفیت اُن سرکاری رپورٹوں سے معلوم ہو سکتی ہے جو ہر صوبہ کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے شائع ہوتی رہتی ہیں خصوصاً اعلیٰ تعلیم اور مختلف پیشوں کی تعلیم میں مسلمانوں کا بہت کم حصہ ہے حالانکہ تقریباً ۷۵ برس سے انھیں تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور ایک اچھی خاصی جماعت اس خدمت میں مصروف ہے کہ اُن کی تعلیمی ترقی کے لئے ہر ممکن تدبیر عمل میں لائے لیکن باوجود اس جد و جہد کے مسلمان اپنے برادران وطن سے تعلیم میں بہت پیچھے ہیں۔

مسلمانوں کی جو حالت تعلیم میں ہے وہی تجارتی کاروبار اور صنعت و حرفت میں ہے۔ ملک کی تقریباً ساری تجارت اور ہر قسم کا سود مند و منفعت بخش کاروبار برادران وطن کے ہاتھ میں ہے البتہ مختلف پیشوں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد ہے لیکن یہ پیشہ ور و کاریگر چونکہ عموماً مفلس و نادار ہیں اور بے سرمایگی کی وجہ سے اپنی مصنوعات کا کافی ذخیرہ تیار کر کے خود بازار میں نہیں لا سکتے۔ اس لئے دوسری قوموں کے سرمایہ دار اُنکی محنت و مشقت سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں، اور ان پیشہ وروں اور کاریگروں کو جو اچھے خاصے ہنرمند ہیں معمولی مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ اس لئے اُن کی ساری عمر عسرت و تنگدستی میں گزر جاتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات وہ اپنے پیشہ سے اُکتا کر ملازمت یا کوئی اور ذریعۂ معاش جو نسبتاً زیادہ منفعت بخش ہو اختیار کر لیتے ہیں، اس کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ ہماری بہت سی صنعتیں اس کس مپرسی اور ناقدر شناسی کی وجہ سے برباد ہو گئی ہیں۔ غرض واقعہ یہ ہے کہ مسلمان تجارت اور صنعت و حرفت میں دوسری قوموں کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہیں اور منجملہ اور بہت سی کمزوریوں کے یہ بھی اُن کی ایک کمزوری ہے جس سے انھیں بہت نقصان پہنچا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار اور نفوذ و اثر ملک میں کس قدر ہے؟ اس کے معلوم کرنے کے لئے ہمیں کسی زیادہ کاوش و کوشش کی ضرورت نہیں ہے۔ روزمرہ جو واقعات پیش آ رہے ہیں اور مسلمانوں کے حقوق جس بے دردی سے پامال ہو رہے ہیں وہ خود اس امر کا بردست ثبوت ہیں کہ سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کی کوئی خاص اہمیت اس ملک میں نہیں ہے۔ ورنہ کسی کو بھی یہ جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس طرح اُن کی حق تلفی کرے۔

ہم روزمرہ اخباروں میں اس قسم کے واقعات پڑھتے رہتے ہیں کہ حکومت کے ہر صیغہ و محکمہ میں مسلمانوں سے نہ صرف بے مہری کا سلوک کیا جاتا ہے بلکہ ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ حکومت کے مختلف محکموں اور دفتروں میں اپنا معمولی واجبی حصہ بھی نہ حاصل کر سکیں یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ لوگ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلمانوں میں نہ تو اس قدر احساس ہے اور نہ قوت، کہ وہ اپنی کسی حق تلفی پر پُر زور طریقہ سے صدائے احتجاج بلند کر سکیں اور جب تک اپنا مقصد حاصل نہ کر لیں اپنی جد و جہد جاری رکھیں، یہ کمزوری مسلمانوں میں اس لئے ہے کہ ابھی تک اُن میں اس حد تک سیاسی بیداری نہیں پیدا ہوئی کہ وہ اپنے مفاد کی حفاظت یا حصول کے لئے کوئی قربانی کر سکیں یا آئینی جنگ جاری رکھیں اس لئے ہر شخص نہایت دلیری سے ان کی حق تلفی کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور مسلمان اپنی کمزوری و بے اثری کی وجہ سے صبر و افسوس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔

مندرجہ بالا واقعات و تصریحات سے یہ ظاہر ہے کہ اس ملک کے مسلمان تعلیمی، اقتصادی اور کاروباری حیثیت سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں کمزور و درماندہ ہیں اور اپنی تعداد و تاریخی عظمت کے لحاظ سے اُن کی جو حیثیت و سیاسی اہمیت اس ملک میں ہونی چاہئے وہ انھیں حاصل نہیں ہے اب مسلمانوں کے سامنے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ اپنی موجودہ حالت پر قناعت کریں اور گردش لیل و نہار اُن کے ساتھ جو سلوک کرے اس کو طوعاً و کرہاً برداشت کرتے رہیں، دنیا میں ایک سے زیادہ قومیں ایسی ہیں جو اسی طریقہ پر عمل کر کے آہستہ آہستہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، اور کچھ ابھی روز بد دیکھنے کے لئے زندہ ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی درماندگی و کمزوری سے اثر پذیر ہو کر ایک اولو العزم و حوصلہ مند قوم کی طرح اس پستی سے نکلنے کے لئے زبردست کوشش کر کے آگے بڑھیں اور اگر راستہ میں کوئی رکاوٹ پیش آئے تو مردانہ وار اس کا مقابلہ کریں صرف یہی ایک طریقہ ہے جس پر عمل کرنے سے وہ نہ صرف زندہ رہ سکتے ہیں بلکہ ایک حد تک اپنا از دست رفتہ اقتدار بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

بیشک برادران وطن کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کم ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تعداد کی قلت کبھی کسی قوم کے لئے مانع ترقی نہیں ہو سکتی یہ نہایت افسوسناک بات ہے کہ اب تک ہندوستان کے بہت سے مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ چونکہ ہماری تعداد تھوڑی ہے اس لئے ہم برادران وطن کے مقابلہ میں ترقی نہیں کر سکتے۔

اس ذہنیت نے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور ان میں ایک عجیب قسم کی افسردگی و

مطمئن رہئے صورت حال قابو میں ہے۔ پانچویں کالم والوں کی مدد سے دشمن نے کچھ بندرگاہوں تک پہونچ گئے تھے لیکن ان کا بڑی سے صفایا کیا جا رہا ہے۔ اس میں بالکل شبہ نہیں کہ ہوائی حملہ ایک مختصر مدت تک دفاع کیا جا سکتا ہو۔

چینی دوستوں کی مدد سے [illegible] کی تیز ترقی [illegible] خطرے سے نکلنے کی [illegible] [illegible] اور قلعہ بندی [illegible] [illegible] حال کر رہے تھے اس لئے کہ ان کے پاس کوئی دوسرا [illegible] [illegible]

ہندوستان کا موجودہ بحران

(بقیہ مضمون صفحہ ۔۔۔ کا بقیہ)

[illegible] تعداد کا [illegible] [illegible] کہ یہ چیز کسی قوم کی ترقی کو روک کر اسے [illegible] بنا دے۔ ہندوستان میں [illegible] کی تعداد بہت قلیل ہے لیکن باوجود اس کے وہ ایک ترقی یافتہ قوم ہیں اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر تعلیم کے معاملہ کو لے لیجئے ہندوستان کی ہر قوم خواہ اس کی تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ تعلیم حاصل کر سکتی ہے اب فرض کیجئے کہ برادران وطن میں پچاس فی صدی تعلیم یافتہ ہیں تو مسلمان بھی اگر ہمت و ایثار اور تدبیر و کوشش سے کام لیں تو اپنی قوم کے پچاس فی صدی افراد کو تعلیم یافتہ بنا سکتے ہیں۔

فرض ایک چھوٹی سے چھوٹی قوم بھی علم حاصل کر سکتی ہے ہر قسم کا تجارتی کاروبار کر سکتی اور دولت کما سکتی ہے، تعداد کی کمی و بیشی کا اثر میدان جنگ میں تو ظاہر ہو سکتا ہے لیکن روزمرہ کی زندگی اور کاروبار میں تعداد کی قلت ہمیں کسی کام سے نہیں روک سکتی۔ بلکہ مسلمانوں کی تاریخ میں تو ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ باوجود قلت تعداد وہ میدان جنگ میں بھی اپنے حریف پر غالب آئے اور بے لاگ طریقہ سے فتح حاصل کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزم راسخ واہمیت مردانہ کے مقابلہ میں تعداد کا سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

صحیح تعلیم عمدہ تربیت، عزم راسخ اور عمل پیہم سے چھوٹی سے چھوٹی قوم میں ایسی صفات پیدا ہو سکتی ہیں کہ وہ تمام مشکلات پر غالب آکر اپنا مقصد حاصل کر لے۔ اور مسلمان تو خدا کے فضل سے تعداد کے لحاظ سے بھی اتنے کم نہیں ہیں کہ اگر وہ قوت حاصل کریں تو ملک میں کوئی حکومت یا ابنائے وطن میں نظر انداز کرنے کی جرأت کر سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت بھی ۹ کروڑ انسانوں کے مطالبات کو رد نہیں کر سکتی۔ اس لئے مسلمانوں کو ایک لمحہ کے لئے یہ افسردہ کن خیال اپنے دل میں نہ لانا چاہئے چونکہ وہ تعداد میں کم ہیں اس لئے دوسری کثیر التعداد قوموں کے مقابلہ میں ان کے لئے ترقی کے امکانات کم ہیں۔ قومیں اپنی تعداد کی بنیاد پر ترقی نہیں کرتی ہیں بلکہ اپنی سیرت و خصائل نیز بہترین کیرکٹر، مسلسل کوشش، اتحاد فکر و عمل کی بدولت آگے بڑھتی ہیں۔

عہد رسالت اور عہد خلافت میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی؟ اور ان کے مقابلہ میں خود عرب کے اندر اور عرب کے باہر ان کے حریفوں یعنی ایران و روم کے پاس کتنا ٹڈی دل تھا لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ یہ مصلحت و بزدل حریف کسی میدان میں بھی تو مسلمانوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ کیا اس روشن مثال کے بعد بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس لئے ترقی نہیں کر سکتے کہ ان کی تعداد تھوڑی ہے ایک سچے مسلمان کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ مایوسی کا خیال بھی دل میں لائے، اسلام کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے کہ مسلمان مایوس ہونے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے، حقیقی مسلمانوں کی سربلندی کے متعلق خالق کائنات کا فرمان موجود ہے کہ

وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

مسلم یونیورسٹی کے بہی خواہوں کو یہ سنکر اطمینان ہوگا کہ خدا کے فضل و کرم سے یہاں ہنگامہ آرائی کا کوئی اثر نہیں ہے

عجیب و غریب جبرالٹر

مصر کی جنگ شروع ہوتے ہی جرمنوں کے جبرالٹر پر بھی حملہ کر دینے کی خبریں آنے لگی ہیں اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح جرمن بحر روم کے مشرقی دروازہ پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں اسی طرح بحر روم کا مغربی دروازہ جبرالٹر بھی ان کے منصوبوں کے خاکہ سے باہر نہیں ہے۔ آپ کو شاید یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اگر جبرالٹر پر جنگ ہوئی اور جرمنوں نے اس زبردست بحری ناکے کا ہوائی یا بری محاصرہ کیا تو یہ جبرالٹر کی زندگی میں پہلا محاصرہ نہیں ہوگا بلکہ اس مختصر سے مقام پر گیارہ مرتبہ اس قسم کی زبردست جنگیں ہو چکی ہیں۔

جہاں تک جبرالٹر کی تاریخ کا تعلق ہے یوں تو جبرالٹر بہت ہی پرانی جگہ ہے۔ حتیٰ کہ قدیم یونانیوں کی کہانیوں تک میں اس کا نام پایا جاتا ہے۔ لیکن دنیا کی تاریخ میں جبرالٹر کا ذکر صحیح معنوں میں اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب ۷۱۱ء میں عرب فاتح طارق ابن زیاد نے ۳۰ اپریل کو اس چٹان پر اتر کر اس جگہ ایک شکین قلعہ تعمیر کیا۔ طارق کی نسبت سے اس جگہ کا نام جبل الطارق پڑ گیا۔ جسے انگریزوں نے جبرالٹر بنا دیا۔ طارق کا قلعہ آج بھی موجود ہے اور اسے مورش کیسل کہتے ہیں۔

عرب جرنیل نے جس معمولی سی چٹان کو اپنے لنگر انداز ہونے کا شرف بخشا۔ یہ معمولی سی چٹان آگے چل کر دنیا کی تاریخ میں کتنی اہم ثابت ہوئی۔ اس کا حال معلوم کرنا ہو تو آپ یورپ کی تاریخ کے صفحات الٹتے جائیے جس پر جابجا خونریز جنگوں کے تذکرے ملیں گے۔ ان خونریز جنگوں کے تذکرہ میں آپ کو جابجا جبرالٹر کا نام نظر آئے گا۔ [illegible] کے واقعات میں آپ یہ پائیں گے کہ اس سنہ میں جبرالٹر کا پہلی مرتبہ محاصرہ کیا گیا ۱۴۶۲ء میں آپ اسپین کے بہادر عربوں کو اندرونی اختلافات کے ہاتھوں تباہ ہو کر اسپین کے عیسائیوں سے شکست کھانے کے بعد اسپین اور جبرالٹر سے محروم ہوتا دیکھیں گے۔ ۱۷۰۴ء میں آپ برطانوی بحری بیڑے کو ہالینڈ کی بری فوج کی مدد سے تین دن کے محاصرہ کے

بعد جبرالٹر پر قابض ہوتا ہوا پائیں گے۔ ۱۷۰۴ء کے واقعات میں آپ کو انگلستان کی ملکہ این کا وہ فرمان ملے گا جس کی رو سے جبرالٹر کو ایک آزاد بندرگاہ قرار دے دیا گیا۔ اور ——— آپ دیکھیں گے کہ ۱۷۱۳ء میں یوٹرخ کے صلح نامہ کی رو سے جبرالٹر برطانیہ کی ملکیت تسلیم کر لیا گیا۔

مگر جس مقام کو یورپ میں ناکہ بندی کے زاویۂ نگاہ سے اس قدر اہمیت حاصل ہے اور جس مقام پر قابض ہونے کے لئے ۱۷۷۹ء سے ۱۷۸۳ء تک کے محاصرہ میں فرانس اور اسپین برطانیہ کے مقابلہ پر چالیس ہزار فوج میدان میں لے آئے تھے تو آپ کو یہ معلوم کر کے یقیناً بڑی حیرت ہوگی کہ یہ مقام صرف دو میل لمبا ہے اور اس میں کل دو بڑی بڑی سڑکیں ہیں جن کی کل مسافت صرف دو گھنٹہ کی ہے اور وہ بھی پاپیادہ ورنہ موٹر میں آپ صرف چند منٹوں میں یہ مسافت طے کر سکتے ہیں۔ جبرالٹر اس قدر مختصر مقام ہے کہ صرف دو روز میں آپ اس کے چپہ چپہ کی سیر کر سکتے ہیں اور سیر میں آپ دو روز کے مختصر وقفے میں جبرالٹر کی تمام چھوٹی سڑکیں اور گلیاں دیکھ لیں گے۔ اور وہ پندرہ ہزار باشندے بھی آپ کی نظر سے گزر جائیں گے جو جبرالٹر میں مقیم ہیں۔ اور جو ہر ہفتہ کے دن قریب قریب سب ہی ساحلی سڑک پر بغرض سیر و تفریح آتے ہیں۔

یہ معلوم کر کے آپ کو یقیناً تعجب ہوا ہوگا کہ دنیا کا ایک اہم ترین مقام کس قدر مختصر اور محدود ہے لیکن جب آپ یہ معلوم کریں گے تو اور بھی زیادہ حیرت زدہ ہوں گے کہ جبرالٹر نہ صرف ایک مختصر مقام ہے بلکہ یہ ایسا کچھ قابل دید بھی نہیں۔ پہاڑی مقامات عموماً دلکش اور خوشنما ہوتے ہیں۔ لیکن جبرالٹر کو شاید قدرت نے خصوصی توجہ سے ہر قسم کی دلکشی سے محروم کر دیا ہے۔ جبرالٹر کی پہاڑی کی زیادہ سے زیادہ بلند چوٹی صرف ۱۴۰۰ فیٹ اونچی ہے اور اس پہاڑی پر نہ درخت ہیں نہ سبزہ وغیرہ اور نہ اس پر کسی شے کی کاشت ہو سکتی ہے۔ انتہا یہ کہ اگر اسپین اور دیگر مراقش سے کھانے پینے کا سامان نہ آئے تو جبرالٹر کے رہنے والوں کو آب و دانہ بھی میسر نہ ہو گویا قدرت کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبرالٹر انسانی آبادی سے روشناس نہ ہو سکے۔

لیکن قدرت کا یہ حیرت انگیز کرشمہ دیکھ کر سیاح حیران و ششدر رہ جاتے ہیں کہ ایک طرف تو قدرت نے اسے انسانوں کے لئے ناقابل رہائش ہونے کی حد تک بنجر اور غیر دلکش بنا دیا ہے مگر دوسری طرف جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے قدرت نے اس مختصر سی بے برگ و گیاہ چٹان کو زبردست اہمیت بخشی ہے۔ اپنی جغرافیائی پوزیشن کے لحاظ سے جبرالٹر نہ صرف دنیا کے اہم ترین سمندر بحر روم کا مغربی دروازہ ہے بلکہ دو بڑے سمندروں اور دو بڑے براعظموں کے درمیان اس طرح واقع ہے کہ یورپ میں جب کبھی کوئی لڑائی ہوتی ہے جبرالٹر اس میں کلیدی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔

جبرالٹر کی کلیدی حیثیت حاصل کر لینے کی وجہ یہ ہے کہ جبرالٹر پر جس حکومت کا قبضہ ہو وہ مشرق و مغرب کے درمیانی بحری راستوں پر اپنا اقتدار قائم کر سکتی ہے۔ بحر روم میں محوری طاقتوں کو جن وجوہ سے برطانیہ کے خلاف جنگ چھیڑنے کی ہمت نہیں ہو سکی ان میں سے ایک بڑی وجہ جبرالٹر پر برطانیہ کا قبضہ بھی ہے۔

انگریزوں نے جبرالٹر کی ناکہ بندی کی اہمیت کو کئی صدی سے ذہن نشین کر رکھا ہے۔ چنانچہ جبرالٹر کا جو سب سے بڑا محاصرہ ۱۷۷۹ء سے ۱۷۸۳ء تک ہوا اور جس میں فرانس اور اسپین انگریزوں کے خلاف متحد ہو کر جبرالٹر پر ۴۰ ہزار مسلح فوجی چڑھا لائے تھے اس محاصرہ میں جبرالٹر پر انگریزوں کے صرف ۹ ہزار سپاہی اور ۵ جنگی جہاز تھے۔ مگر انھوں نے جانیں لڑا دی تھیں جتنا مضبوط قلعہ انھوں نے جبرالٹر پر تعمیر کر رکھا ہے اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ (ماخوذ)

رامپور کی جنگی امداد

ہز ہائنس رامپور ٹروپس کمفرٹ کمیٹی ۱۹۴۲ء میں قائم ہوئی۔ اس کمیٹی کے قیام کا اصل مقصد سمندر پار گئی ہوئی افواج کو آرام و آسائش بہم پہنچانا ہے۔ یہ کمیٹی اب تک مختلف اشیاء کے ۱۰ پارسل روانہ کر چکی ہے جن کی مجموعی قیمت ۵۰۰۰ روپیہ ہوتی ہے۔ یہ پارسل علیا حضرت بیگم صاحبہ، افسران ریاست، فیلکر طینیا اور جنرل پبلک کے چندہ جات سے روانہ کئے گئے ہیں۔ اب تک ۲۰۰ من تمباکو کشیدنی۔ ۱½ من تمباکو خوردنی۔ ۱۰۰ من گڑ۔ ۲۰ من نخود بریاں اور ۱۲۵۰۰۰ بیڑیاں روانہ کی جا چکی ہیں۔

کمیٹی ہذا نے مندرجہ بالا اشیاء کی روز افزوں گرانی اور کمیابی کے باوجود یہ تہیہ کر لیا ہے کہ تا اختتام جنگ افواج رامپور کو برابر پارسل روانہ کئے جاتے رہیں گے۔

عالیجناب کرنل سید بشیر حسین زیدی بہادر سی۔ آئی۔ ای چیف منسٹر رامپور کی زیر صدارت تحریک بچت (سیونگ کیمپین) کا جلسہ منعقد ہوا۔ شرکاء جلسہ میں اراکین ریاست۔ عمائدین شہر، ممبران مجلس مقننہ۔ ممبران میونسپل بورڈ۔ سالار صاحبان رضاکاران، نمائندگان فیکٹریز و معمار عمائد بطور خاص ذکر ہیں۔ عالیجناب صدر نے مقاصد جلسہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: خصوصاً جنگ اور پریشانیوں کے موقع پر پس انداز کرنے کی عام طور پر ضرورت ہے تاکہ بچی ہوئی رقم آڑے وقت میں کام آ سکے۔ اعلیٰحضرت نے جی پی فنڈ کو جاری کر کے ملازمان گورنمنٹ رامپور کو اپنی آمدنی کا ایک جزو بچانے پر مجبور فرمایا جو آگے چلکر افادی شکل اختیار کرے گا۔ پھر بیمہ زندگی (انشورنس اسکیم) کے اجراء سے اپنے ملازمین پر مزید احسان فرمایا۔ بیمہ زندگی کی بدولت ایک ملازم ایک مدت کے بعد اپنے پسماندگان کے لئے معقول رقم چھوڑنے کے قابل ہو گیا ہے۔ سیونگ کیمپین اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کی غایت ایک طرف تو اپنی خدمت ہے اور دوسری طرف جنگ کی اعانت، اصل منشاء یہ ہے کہ تحریک بچت (سیونگ کیمپین) کے افادی پہلو کو سمجھ کر ہر شخص اس میں حصہ دار اور کفایت شعاری کا عادی بنے۔ اگر ہر مہینہ وہ زیادہ رقم نہیں لگا سکتا تو کم از کم ۴ آنہ ماہوار یا اس سے بھی کم رقم لگائے۔ ۴ آنہ ۸ آنہ ایک روپیہ ماہوار سیونگ اسٹامپ خریدنے سے ۱۰ روپیہ کی رقم ہو جانے پر پوسٹل سیونگ سرٹیفکیٹ مل جائیگا جو ۱۰ سال کے بعد مع منافع ۱۴ روپیہ ۹ آنہ میں ڈاکخانہ سے بھنایا جا سکیگا۔ آخر میں شرکاء جلسہ سے استدعا کی گئی کہ تحریک بچت کو کامیاب بنانے

میں پورے انہماک [illegible] کیا جائے اور انفرادی مساعی [illegible]ریک کی مقصد وری میں امکانی کوشش سے دریغ نہ کیا جائے"
سکرٹری انچارج پبلک انفارمیشن آفس
رامپور اسٹیٹ

پہلی ستمبر سے گھڑیوں میں تبدیلی

ہندوستان میں وقت کے دو مختلف معیاروں کی موجودگی دواع کے اغراض کے لئے نامناسب ہے چنانچہ اس سال ۱۵ مئی سے سارے ہندوستان میں ایک ہی معیار عملدرآمد ہو رہا ہے یہ طے کرنے میں کہ وہ معیار کیا ہونا چاہئے حکومت کو ایک طرف تو ہندوستان کے اس حصہ کی سہولت کو دیکھنا تھا جو ۸۲½ طول البلد کے مغرب میں واقع اور جہاں اس وقت بھی دن روشنی کافی رہتی ہے اور دوسری طرف ان مشرقی صوبوں کی ضروریات کا خیال کرنا تھا جہاں اس بنا پر کہ ایک ہی وقت میں کارخانوں میں بھی بجلی کی مانگ ہوتی ہے اور گھر دفتر اور سڑک کی روشنی کے لئے بھی بجلی درکار ہوتی ہے۔

ایک طرف اس کی ضرورت ہے کہ بجلی کے صرف کو بہت زیادہ نہ بڑھنے دیا جائے اور دوسری طرف تاریکی کم کرنے کے لئے دن کی مزید روشنی درکار ہے۔ چونکہ گرمی کے مہینوں میں مشرقی علاقوں میں دن کی روشنی کافی رہتی ہے۔ اس لئے یہ خیال کیا گیا کہ اگر تمام ہندوستان میں وقت کا ایسا معیار مقرر کر دیا جائے جو گرینج کے وقت سے ½ ۵ گھنٹے آگے رکھا گیا ہو تو دفتر اور کارخانوں کے اوقات میں مناسب تبدیلی کر کے موسم گرما میں ان علاقوں کی ضروریات کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے مطابق ۱۵ مئی ۴۲ء سے ہندوستان میں ہر جگہ ایک ہی وقت رائج کیا گیا تھا لیکن حکومت نے یہ ذمہ داری لی تھی کہ وہ موسم سرما کے شروع ہونے سے پہلے مزید تبدیلی کے مسئلہ پر غور کرے گی اب طے کیا گیا ہے کہ اس خیال سے کہ مشرقی صوبوں میں کافی روشنی رہے یہ ضروری ہے کہ مستقبل قریب میں کوئی ایسی تبدیلی کی جائے اور تمام ملک [illegible] ہندوستانی معیار وقت گرینج کے وقت سے ½ ۶ گھنٹے آگے ہو۔ یہ تبدیلی ۳۱ اگست اور پہلی ستمبر کی درمیانی رات کے بارہ بجے سے عمل میں آجائے گی اور اس تاریخ سے تمام گھڑیاں ایک گھنٹہ بڑھا دی جائیں گی اس کا پورا احساس ہے کہ گھڑیوں کے ایک گھنٹے بڑھ جانے سے ان علاقوں میں دقت پیش آئیگی جو ۸۲½ طول البلد کے مغرب میں واقع ہیں لیکن یقین ہے کہ کام کے اوقات میں مناسب تبدیلی کر کے یہ دقت دور کی جا سکتی ہے اور جب عام لوگ اس نئے وقت کے عادی ہو جائیں گے تو انہیں کوئی بڑی دشواری پیش نہ آئے گی۔

ودیا مندر اسکیم

صوبہ متوسط و برار کی کانگریسی وزارت نے اپنے زمانہ اقتدار میں "ودیا مندر اسکیم" کے نام سے ایک تعلیمی اسکیم جاری کی تھی جو مسلمانوں کے لئے ہر پہلو سے سخت مضر تھی، اسی بنا پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور دوسری اسلامی جماعتوں نیز مسلمانان صوبہ متوسط نے اس اسکیم سے سخت اختلاف کیا، اور اسی زمانہ میں ہم نے کانفرنس گزٹ میں ایک سلسلہ مضامین لکھکر "ودیا مندر اسکیم" کی نامعقولیت اور خامیاں نہایت واضح دلائل سے ثابت کیں، لیکن صوبہ کی وزارت نے جو سنا یا سب سے زیادہ بدنام وزارت تھی مسلمانوں کے شور و غوغا پر کوئی توجہ نہیں کی، یہاں تک کہ اس وزارت ہی کا خاتمہ ہو گیا اس کے بعد ودیا مندر اسکیم کا چرچا خود بخود کم ہو گیا تھا لیکن اب ہمعصر الفاروق کا مٹی (صوبہ متوسط) کے ایک نوٹ سے معلوم ہوا کہ اسکیم مذکور میں ابھی تک کچھ آثار حیات باقی ہیں۔ الفاروق لکھتا ہے۔

"بندریا کی عادت ہے کہ وہ اپنے بچے کو مرنے پر بھی چھاتی سے لگائے رکھتی ہے تاآنکہ وہ خود بخود نہ سوکھ کر گر پڑے سی پی کی تازہ "تعلیمی رپورٹ" کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسی طرح ہماری سی پی گورنمنٹ بھی کانگریسی وزارت کی خالص فرقہ وارانہ اسکیم ودیا مندر کو اس کے مردہ ہو جانے پر بھی چھاتی سے لگائے ہوئے ہے۔

جیسا کہ ماہرین تعلیم نے اس اسکیم کے متعلق پیشین گوئی فرمائی تھی یہ اسکیم ناقابل عمل ثابت ہوئی، رپورٹ میں لکھا ہے کہ ودیا مندر اسکیم کو جاری رکھا گیا۔ مگر اس کی ترقی سست رہی تجربہ سے ثابت ہوا کہ اس کی راہ میں ایسی مشکلات ہیں، جن کا اسکیم بنانے والوں کو ابتداءً اندازہ نہ تھا۔ ان مشکلات پر قابو پانے کی ہر ممکن سعی کی جا رہی ہے۔"

ہمعصر الفاروق لکھتا ہے کہ ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت ایک "ناقابل عمل اسکیم" پر محض ہندو اکثریت کے خوف سے پبلک فنڈ کا اسراف کر رہی ہے۔

خبروں کی اشاعت پر پابندی

مرکزی حکومت نے اپنے ایک حکم کے ذریعہ سے تمام پرنٹرز، پبلشر اور ایڈیٹروں کو ممانعت کر دی ہے کہ کوئی خبر (خبر کی تعریف میں ان تقریروں یا بیانات کی رپورٹ بھی شامل ہے جو پبلک کے افراد کریں یا دیں) جس کا تعلق اس اجتماعی تحریک سے ہو جسے آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے منظور کیا ہے، یا ان کارروائیوں سے ہو جو حکومت اس تحریک کے خلاف اختیار کرے سوا ایسی خبروں کے جو ایسے اخباروں میں شائع ہوئی ہوں یا ایسے اخباروں سے حاصل کی ہوئی ہوں جو (۲ الف) سرکاری ذرائع (ب) ایسوسی ایٹڈ پریس، یونائیٹڈ پریس یا اورینٹ کے ذریعہ یا (ج) ایسے نامہ نگاروں کے ذریعہ جو متذکرہ بالا اخباروں سے تعلق رکھتے ہوں اور جن کے نام اس ضلع کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس رجسٹر ہوں جہاں نامہ نگار مذکور کام کرتا ہے۔

قواعد تحفظ ہند میں اضافہ کر کے حکومت ہند نے صوبائی حکومتوں کو اختیار دیدیا ہے کہ وہ ہر ایسے مقامی ادارہ کو بند کر دے جو اپنا سرمایہ یا دفتر یا اپنے اراکین یا [illegible]

کانفرنس گزٹ علی گڑھ

تاریخ اشاعت ہر ماہ عیسوی کی یکم - ۸ - ۱۶ - ۲۴

قیمت اخبار سالانہ تین روپیہ ششماہی دو روپیہ سہ ماہی ایک روپیہ

قیمت فی پرچہ ایک آنہ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ایڈیٹر ـ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر ـ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۳) | یکم ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۱۹ شعبان سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر (۳۳)

بنارس کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یہاں اس وقت جو صورت حالات پیدا ہو گئی ہے اس کی وجہ سے یونیورسٹی اور ملحقہ اسکول اور کالج ۱۴ ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء تک کے لئے بند رہیں گے۔ سر رادھا کرشن وائس چانسلر بنارس ہندو یونیورسٹی نے ایک نوٹس جاری کیا ہے جس میں طلبہ کو والدین یا سرپرستوں کے ساتھ رہنے کی سخت تاکید کی گئی ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس میں طلبہ کا ہی فائدہ ہے۔

مدراس کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ڈاکٹر اے ایم لکشمن سوامی مدالیار کو سر محمد عثمان کی جگہ مدراس یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنایا گیا ہے کیونکہ سر موصوف کے ایگزیکٹو کونسلر بن جانے سے یہ عہدہ خالی ہو گیا تھا۔

کلکتہ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر ولیم آئیو جنگ سابق پرنسپل یونیورسٹی کالج کولمبو کو سیلون کی نئی یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا ہے۔

رانچی (صوبہ بہار) کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ بہار کی "تعلیمی بورڈ" بہار کی ایک میٹنگ مسٹر گرنس تعلیمی مشیر گورنر بہار کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں چار سال کے تجربات پر غور کیا گیا۔ اور یہ طے ہوا کہ اس قسم کی تعلیم کے لئے موزوں و مناسب کتابیں تیار کی جائیں۔

کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور سنڈیکیٹ نے کالجوں کے پرنسپلوں اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کی کانفرنس کے فیصلے کے موافق یہ طے کیا ہے کہ اسکول اور کالج ۳۱ اگست سنہ ۱۹۴۲ء تک بند رہیں گے۔

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ لیڈی ارون کالج جو ۲۴ اگست کو کھلنے والا تھا ابھی نہیں کھلیگا اور بعد کو اس کے کھلنے کی تاریخ کا اعلان کیا جائے گا۔

ہفتہ گذشتہ میں مسلم یونیورسٹی میں خاصی چہل پہل رہی کیونکہ اس ہفتہ میں متعدد معزز مہمان یہاں وارد ہوئے، سب سے پہلے مشہور چینی مسلمان عثمان وو جو چین کی "اسلامک فیڈریشن" کے نمائندہ ہیں اور کچھ مدت سے ہندوستان کی سیاحت میں مصروف ہیں علیگڑھ تشریف لائے۔ موصوف نے یہاں مسلمانان چین کے متعلق ایک پُر از معلومات تقریر کی، آپ نے مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی، موصوف کے اعزاز میں ایک ایٹ ہوم بھی دیا گیا جس میں مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ اور دوسرے اصحاب شریک تھے۔

مسٹر عثمان وو کے تشریف لیجانے کے بعد سر فیروز خاں نون اور ڈاکٹر امبیدکار ممبران ایگزیکٹو کونسل حکومت ہند علیگڑھ تشریف لائے جن کا پُر جوش طریقہ سے خیر مقدم کیا گیا، دونوں صاحبوں نے "اسٹریچی ہال" میں تقریریں کیں، جلسہ میں طلبہ، اساتذہ اور دوسرے عہدہ دار شریک تھے، ان معزز مہمانوں کے اعزاز میں بھی ایٹ ہوم دیا گیا۔ "اسٹریچی ہال" کی تقریروں میں دونوں صاحبوں نے اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق ملکی حالت اور ہندوستان کی موجودہ سیاست پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مسٹر فیروز خاں نے مسلم لیگ کے طریقہ کار کی حمایت کی؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم ستمبر ۱۹۴۲ء

ہندوستان کی موجودہ حالت پر حکومت ہند کا تبصرہ

کانگرس کی "جدید تحریک" کے سلسلہ میں حکومت ہند نے ۸ راگست ۱۹۴۲ء کو جو طویل اعلان شائع کیا ہے اُس میں کانگرس کے انقلاب انگیز رزولیوشن کے متعلق حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے۔

"اگر اس رزولیوشن کو منظور کر لیا جائے تو ہندوستان پر بیرونی حملہ کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اندرونی طور پر برٹش گورنمنٹ کی غیر حاضری میں خانہ جنگی چھڑ جائے گی امن و قانون ختم ہو جائے گا۔ فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو جائیں گے۔ انتظام میں گڑبڑ پھیل جائے گی"

مندرجہ بالا الفاظ میں ہونے والے واقعات کی جو تصویر کھینچی گئی ہے وہ قرین قیاس ہے۔ کسی ایک حکومت کے رخصت ہو جانے کے بعد اگر ملک میں فوراً ہی مضبوط و مستحکم حکومت قائم نہ ہو جائے تو ملک کا خانہ جنگی میں مبتلا ہو جانا یا انتظام کی ابتری یقینی ہے۔

اس کے بعد سرکاری اعلان میں یہ کہا گیا ہے کہ "حکومت ہند کانگرس پارٹی کے اس دعویٰ کو بھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ وہ تمام ہندوستان کی طرف سے بولنے کا حق رکھتی ہے۔ ہندوستان کی سیاسیات میں کانگرس بڑے طویل عرصے سے زبردست رسوخ اور اہمیت کی مالک چلی آتی ہے۔ اس وقت بھی اس کی اہمیت نمایاں ہے لیکن حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہندوستان کی رائے عامہ کے تمام عناصر کو ملحوظ رکھے

مذکورۂ بالا الفاظ میں اگرچہ حکومت نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ہندوستان کی عملی سیاست میں کانگرس کو زبردست رسوخ و اہمیت حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ باوجود اس اقتدار کے کانگرس سارے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو محتاج دلیل نہیں جس شخص کو ہندوستان کے متعلق کچھ بھی واقفیت ہے وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہے کہ مسلمان جو ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ اور جن کی تعداد کم و بیش ۹ کروڑ ہے من حیث القوم کانگرس سے علیحدہ ہیں اس میں شک نہیں کہ کچھ مسلمان کانگرس میں شریک ہیں لیکن کوئی شخص بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ مسلمان ساری مسلم قوم یا اس کی اکثریت کے نمائندہ ہیں کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی حیثیت سے کانگرس میں شریک ہیں۔ اور اپنی قوم کے قائم مقام نہیں ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کی سب سے زیادہ نمایاں اور سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ ہے جس کا وجود خود اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی نقطۂ نظر کانگرس سے مختلف ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں اور بھی کچھ جماعتیں ہیں جو یا تو کھلم کھلا کانگرس کی مخالف ہیں یا ناطرفدار۔

مسلمانوں کے علاوہ خود ہندوؤں میں ایک سے زیادہ ایسی جماعتیں ہیں جن کا سیاسی نصب العین و طریقۂ عمل کانگرس سے مختلف ہے ان جماعتوں میں ہندو مہاسبھا کو خاص اہمیت حاصل ہے جو اکثر موقعوں پر علی الاعلان کانگرس سے اپنا اختلاف ظاہر کر رہی ہے۔ مختلف سیاسی جماعتوں کے علاوہ اور بہت سے ہندو مسلم لیڈر ہیں جو کسی خاص پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے لیکن کانگرس کے موجودہ سیاسی نظریہ کے مخالف ہیں۔ ان حالات میں اگر حکومت کانگرس کو سارے ملک کی نمائندہ جماعت تسلیم نہ کرے اور بقول خود "رائے عامہ کے تمام عناصر" کا لحاظ رکھے تو یہ کوئی قابل اعتراض رویہ نہیں ہے۔

حکومت نے اپنے رویہ کی مزید وضاحت حسب ذیل الفاظ میں کی ہے۔

"اگر کانگرس پارٹی کے پیش کردہ مطالبات کو منظور کر لیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان بڑے بڑے اور خاص عناصر کو قید محض و بے دخل کر دیا گیا جو کانگرس کی مجوزہ تحریک کے خلاف ہیں اور ہندوستانی جنگی سرگرمیوں میں مداخلت کو پسند نہیں کرتے۔"

مندرجۂ بالا الفاظ کو کافی سمجھ کر حکومت نے کانگرس کے ارادے ناسازگی کے متعلق اور زیادہ صراحت کے ساتھ یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھا کہ

"کانگرس لیڈر یہ دعویٰ کرتے کے قائل ہو چکے ہیں کہ صرف اسی طریقہ سے ہندوستان کا مستقبل محفوظ ہو سکتا ہے کانگرس پارٹی ہندوستان کی نمائندہ نہیں بلکہ اپنا قبضہ جمانے کی خاطر اور اپنی ڈکٹیٹرانہ پالیسی کو چلانے کے پیش نظر اُس کے لیڈروں نے ہندوستان کو مکمل دست بردار لانے کی سرگرمیوں میں روڑے اٹکائے ہیں۔"

کانگرس کے طرز عمل پر نکتہ چینی کے بعد ہندوستان کے متعلق حکومت کی پالیسی کا حسب ذیل الفاظ میں اظہار کیا ہے۔

"ہندوستان کے مستقبل کے متعلق حکومت کی پالیسی بالکل واضح ہے یعنی یہ کہ جونہی جنگ ختم ہوئی ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دینے کے لئے اپنی مرضی کے مطابق گورنمنٹ سازی کا فیصلہ کرنے کی مکمل آزادی ہوگی لیکن یہ گورنمنٹ صرف کسی ایک پارٹی کی بجائے تمام پارٹیوں کو قبول ہونی چاہیئے"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حکومت کسی ایک پارٹی کے حوالہ کر دی گئی تو وہ کبھی کامیاب ہو سکے گی اور دوسری پارٹیاں خواہ وہ کیسی ہی قلیل تعداد کی حالت میں کیوں نہ ہوں کسی ایک پارٹی کے مکمل اقتدار کو ہرگز پسند نہیں کریں گی۔ کانگرسی وزارتوں کے زمانہ میں اس کا تلخ تجربہ ہو چکا ہے کہ دوسری پارٹیوں کو کیسی کیسی شکایتیں پیدا ہوئیں۔ اور مختلف فرقوں میں کتنے فسادات ہوئے جو آخر کار پولیس یا فوج کی مداخلت سے ختم کئے گئے۔ اگر مختلف صوبوں میں بجائے کانگرسی حکومت کے صحیح معنوں میں ایک ملی جلی قومی حکومت ہوتی تو یہ واقعات ہرگز پیش نہ آتے۔

یہ سب کچھ ایسی حالت میں ہوا جبکہ اقلیتوں کے حقوق محفوظ قرار دئے گئے تھے اور اس بارہ میں گورنر کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ اور کانگرسی حکومت کو مکمل آزادی بھی حاصل نہیں تھی اب اگر آئندہ پارٹی حکومت کو کامل آزادی حاصل ہوئی تو پچھلے تجربہ کے پیش نظر ہمیں یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ سارے

ملک میں فرقہ وارانہ فسادات پھیل جائیں گے۔ اس لئے حکومت ہند کا یہ خیال صحیح ہے کہ آئندہ ہندوستان کی عنان حکومت کسی ایک پارٹی کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ ایسی حکومت ہو جو ہر پارٹی کے نزدیک لائق قبول ہو۔

ابھی اعلان میں حکومت نے اپنی پالیسی کی مزید تصریح حسب ذیل الفاظ میں کی ہے:-

"برٹش گورنمنٹ نے ہندوستان کے لوگوں کو سیلف گورنمنٹ حاصل کرنے یا ڈومینین [illegible] کی گارنٹی دے دی ہے۔ برطانیہ کے لوگوں نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ جونہی موقع آئے گا ہندوستان کے آئین کا ڈھانچہ خود ہندوستانی تیار کریں گے۔"

جو کہا گیا ہے مستقبل کے متعلق ہے اور [illegible] جا سکتا ہے کہ ہندوستان کا مستقبل کیا ہوگا لیکن گورنمنٹ [illegible] ارادہ کا اظہار بھی بجائے خود دلچسپ ہے۔

اب سال کے آخر میں حکومت نے ہندوستان کے باشندوں سے حسب ذیل الفاظ میں اپیل کی ہے:-

"حکومت ہندوستان کے باشندوں سے اپیل کرتی ہے کہ ایک پارٹی [illegible] کی مزاحمت [illegible] عام [illegible] اپنے سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ دیں اور جنگ کے دوران کے لئے ایسے [illegible] ہندوستان کی حفاظت کرنے اور اس مشترکہ مقصد کو حاصل کرنے کا عزم رکھیں جس پر ہندوستان ہی کا نہیں دنیا بھر کے تمام آزادی پسند لوگوں کے مستقبل کا انحصار ہے۔"

ترجمہ رزولیوشن منظور کردہ مجلس عاملہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ منعقدہ علیگڑھ

"مسلمانانِ صوبہ متحدہ کے پالیسی تعلیمی مطالبات" کا معاملہ کئی برس سے پیش ہے مگر ہنوز روز اول ہے حالانکہ اس سلسلہ میں اب تک ہر قسم کی آئینی جدوجہد عمل میں آ چکی ہے اور بار بار مختلف طریقوں سے حکومت کو یاد دہانی کی گئی۔ اب آخر میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کی ورکنگ کمیٹی نے اس کے متعلق ایک مفصل رزولیوشن پاس کر کے حکومت کو بھیجا ہے جو ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر

قرار پایا کہ پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس یو۔پی کی ورکنگ کمیٹی مسلمانوں کے مطالبات ۱۹۴۱-۳۰ ۔ ۸۷/۱۹۴۸ - A مورخہ ۴ جون ۱۹۴۲ء پر اپنی سخت مایوسی کا اظہار کرتی ہے۔ اور سارے معاملات کے ساتھ گورنمنٹ کے تجیر ہمدردانہ سلوک کیا ہے اس پر زور احتجاج کرتی ہے۔ ساتھ ہی یہ ورکنگ کمیٹی گورنمنٹ کی توجہ حسب ذیل حقائق کی جانب مبذول کرانا چاہتی ہے:-

(۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ نے ان مطالبات کی اصل حیثیت کو فراموش کر دیا ہے۔ یہ مطالبات محض عام طور پر مسلمانوں کے ابتدائی مطالبات نہیں ہیں بلکہ ایک طرف آنریبل وزیر تعلیم ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم اور دوسری جانب مسلمانوں کے نمایندوں کے درمیان مباحثہ اور جو بحث ہوئی اس کے نتیجہ میں معرض وجود میں آئیں۔ اس وقت فریقین نے ان امور پر اتفاق رائے کیا تھا ان کا یہ ایک مکمل خلاصہ مرتب کیا گیا تھا (ملاحظہ ہو تقریر آنریبل وزیر تعلیم صفحہ ۱۵ مشمولہ روداد لکھنؤ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۹۳۸ء)

(۲) پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ستمبر ۱۹۳۲ء بمقام مظفر نگر آنریبل وزیر تعلیم نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ گورنمنٹ کے باضابطہ احکام جلد جاری ہوں گے۔

(۳) آنریبل وزیر تعلیم نے پھر کانفرنس کی میٹنگ منعقدہ جون ۱۹۳۷ء میں بمقام لکھنؤ جو اس وقت کے وزیر تعلیم راجہ صاحب سلیم پور کی صدارت میں منعقد ہوئی مسلم نمائندوں کو دوبارہ اسی قسم کا اطمینان دلایا۔ (ملاحظہ ہو روداد کانفرنس جو ممبروں کو بھیجی گئی تھی)

(۴) گورنمنٹ نے اس معاملہ میں تاخیر کرنے کے جو طریقے اختیار کئے وہ اس کمیٹی کے رائے میں دانستہ تھے۔ اور یہ چیز معلوم کر کے خصوصیت کے ساتھ بہت صدمہ ہوا کہ نہ صرف گورنمنٹ بہت سے اُن اہم متفق نقطوں سے پیچھے ہٹ گئی ہے جو اس کے اور مسلم نمایندوں کے درمیان طے ہوئے تھے بلکہ بعض صورتوں میں کچھ احکام کو بھی واپس لے لیا۔ انکو غیر معین مدت کے لئے ملتوی کر دیا۔

مزید قرار پایا کہ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں نیز اس وجہ سے کہ ستمبر ۱۹۳۲ء کی کانفرنس میں تمام وہ مطالبات جو اس کے رزولیوشنوں میں شامل ہیں مسلمانانِ صوبہ کی تعلیمی ترقی کے لئے بیحد ضروری ہیں یہ کمیٹی گورنمنٹ پر زور دیتی ہے کہ وہ مسلم نمائندوں کی بہ شمولیت پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کسی قریبی تاریخ میں دوبارہ کانفرنس مدعو کرے تاکہ ہر ایک پائنٹ پر از سر نو غور ہو سکے۔ اور وہ عملی طریقے اور ذرائع تجویز ہو سکیں جن کی رو سے تمام منظور اور بعجلت نافذ ہو سکیں۔ کیونکہ موجودہ سرکاری احکام مسلمانوں کے نقطہ نظر سے ہم اور ناقابل اطمینان ہیں۔

یہ بھی قرار پایا کہ مندرجہ بالا رزولیوشن اور اس کے متعلقہ کاغذات کی ایک کاپی پراونشل مسلم لیگ یو۔پی کے پریسیڈنٹ صاحب کی خدمت میں بھیجکر درخواست کی جائے کہ لیگ مذکور یو۔پی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے اس معاملہ میں اتحاد عمل کرے۔

مزید قرار پایا کہ رزولیوشن کی کاپیاں حسب ذیل لوگوں کو روانہ کی جائیں۔

۱۔ ایڈوائزر ٹو ہز ایکسلنسی دی گورنر یو۔پی محکمہ تعلیم۔
۲۔ ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیمات یو۔پی
۳۔ سکرٹری صاحب آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس
۴۔ پریسیڈنٹ صاحب پراونشل مسلم ایجوکیشنل کمیٹی، صوبہ متحدہ۔
۵۔ چیرمین صاحبان ڈسٹرکٹ محمڈن ایجوکیشنل کمیٹی۔ یو۔پی
۶۔ اسلامیہ ہائی اسکولوں کے منیجر صاحبان۔
۷۔ وائس چانسلر صاحب مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
۸۔ پریسیڈنٹ صاحب و ممبر صاحبان مجوزہ وفد منظور کردہ پراونشیل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ الہ آباد۔

مندرجہ بالا رزولیوشن کے بعد ابھی تک گورنمنٹ نے اس سلسلہ میں کوئی مزید کارروائی نہیں کی ہے ہمیں امید ہے کہ معاملہ کی نوعیت پر لحاظ کر کے حکومت جلد توجہ کرے گی۔

برج بھاشا کے ادب کی عمر سولہویں صدی عیسوی سے زیادہ نہیں

(ڈاکٹر نارائن چند صاحب)

یہ دعویٰ کرنا ہے کہ برج بھاشا کا ادب سولہویں صدی عیسوی سے زیادہ پرانا نہیں۔ نیچے دی ہوئی دلیلوں کی بنیاد پر قائم ہے۔

۱۔ برج بھاشا ایک حال کی زبان ہے اور زبانوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتی ہے جنہیں تیسرے عہد کی پراکرت یعنی انڈو آرین کہا جاتا ہے۔ زبانوں کا یہ گروہ ثانوی پراکروں یا درمیانی انڈو آرین سے نکلا ہے۔ جو زبانیں دوسرے اور تیسرے دور میں گزریں ان کی تحقیق مشکل ہے اکثر محققوں کی رائے ہے کہ ثانوی پراکرت کا دور ۶۰۰ سنہ سے ۱۰۰۰ سنہ تک رہا۔

۲۔ درمیانی پراکرتوں نے جو بولنے میں آتی تھیں اس مذہبی تحریک سے ترقی پائی۔ جو مہاویرا اور بدھ سے شروع ہوئی۔ پالی کو بہت اہم امتیاز ملا۔ کیونکہ اس کو بدھوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں استعمال کیا۔ اردھ ماگدھی جسے جینیوں نے اسی کام میں استعمال کیا اس کے بعد درجہ رکھتی ہے۔ اور پراکرتیں بھی مروج تھیں جیسے مہاراشٹری جو گیت اور شاعری کی حامل تھی۔ اور سورسینی جو خواتین وغیرہ کی زبان کی طور پر ڈراموں میں استعمال ہوتی تھی۔

۳۔ چھٹی صدی عیسوی تک پراکرتیں مدوّن اور مردہ ہو گئی تھیں۔ ان میں کتابیں برابر لکھی جاتی تھیں لیکن ان کی ترقی اور پھیلاؤ رک گیا تھا۔ اس صدی میں عام بولنے والی زبانیں جن سے ادبی پراکرتیں الگ ہو گئی تھیں ادبی کاموں میں استعمال ہونے لگی تھیں۔ پراکرتوں کی ادبی نشوونما کے اس شکل کو اپ بھرنش زبانوں میں سے ایک یعنی ناگر کو بہت اہمیت ملی شمالی ہند کے زیادہ تر حصوں میں ادبی تصنیفوں میں اسی کی قسموں کا استعمال عام تھا۔ لیکن ناگر اور اس کے شعبوں کے علاوہ سورسینی کی طرح اور پراکرتوں کی اپ بھرنش زبانیں بھی ترقی پر تھیں۔

۴۔ نئی زبانیں یعنی تیسرے دور کی پراکرتیں اپ بھرنش زبانوں سے نکلیں ناگر سے راجستھانی اور گجراتی زبانیں پیدا ہوئیں۔ سورسینی اپ بھرنش کی یادگار ہیم چندر کی پراکرت گرامر [illegible] فوت ہوا لیکن اس زبان اور [illegible] دریافت و تحقیق کرنا مشکل ہے۔ یہ پایا جاتا ہے کہ سورسینی اپ بھرنش میں اور تغیر ہوا۔ جسے مغربی ہندی وغیرہ کہا جاتا ہے۔

۵۔ اس زبان کے ظہور کے بعد ثانوی پراکرت کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور نئی انڈو آرین بولیوں کا عہد شروع ہوتا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرانی مغربی ہندی جو وسط ملک کی نئی بولی کی ابتدائی شکل ہے گیارھویں صدی میں پختہ ہوئی۔ پرانی مغربی ہندی سے ہندوستانی (کھڑی) کی شاخ شمالی وسط ملک کی بولی اور جنوبی حصوں میں سے چل نکلی۔ اور درمیانی حصوں میں برج نے جنم لیا۔ بارھویں صدی میں یہ سب نئی بولیاں تھیں۔ تیرھویں صدی کے دوران میں انہوں نے ادبی شکل اختیار کی۔

۶۔ ان زبانوں کی نشوونما کے مطالعے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوستانی یعنی کھڑی سب سے پہلی زبان تھی جس نے ادبی زبان کی حیثیت حاصل کی۔ چودھویں صدی کے آخری ربع سے ہندوستانی (دکنی اردو) کی مسلسل تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ جبکہ سولہویں صدی سے پہلے برج کی تاریخ معرض اشتباہ میں ہے۔

۷۔ اب سولہویں صدی کے اس لٹریچر پر جسے برج سے منسوب کیا جاتا ہے نظر ڈالی جاتی ہے۔

(۱) پہلا شاعر جس کی نسبت یہ فرض کیا گیا ہے کہ اس نے برج کا عروض استعمال کیا۔ پرتھی راج راسو کا مصنف چند بردائے ہے۔ جو پرتھی راج کا معاصر (بارھویں صدی) بتایا جاتا ہے۔ راسو کی نسبت اکثروں کی یہ رائے ہے کہ یہ مصنوعی تصنیف ہے۔ اس بارے میں کہ یہ کتاب چند بردائے کی تصنیف ہے ڈاکٹر بوہلر۔ گوری شنکر ہیرا چند اوجھا۔ گریرسن اور دوسرے علماء کو شبہے ہیں۔ اس کی زبان پرانی اور نئی زبانوں کی عجیب کھچڑی ہے۔ اس کے مندرجات تاریخ سے لگا نہیں کھاتے اور اس کا مصنف مشتبہ ہے۔

ان وجوہ سے پنڈت راجندر رنگلا اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ کتاب کیا زبان اور کیا تاریخ کے مطالعے کے لئے نکمی ہے۔

(ب) دوسرا شخص جو برج کا مصنف بتایا جاتا ہے امیر خسرو ہے اس کا انتقال ۱۳۲۵ء میں ہوا۔ اس کے شعروں۔ پہیلیوں۔ دوسخنوں کی کوئی مستند لکھی ہوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔ لاہور کے پروفیسر محمود شیرانی نے مکمل بحث کے بعد ثابت کیا ہے کہ خالق باری جو ہندی اور فارسی لفظوں کی ایک ڈکشنری ہے اور خسرو سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کی تصنیف نہیں دکھتی۔ بہت کے ہندی شعروں کی زبان ایسی حال کی ہے کہ کوئی بھی اسے تیرھویں یا چودھویں صدی کی زبان نہیں بتا سکتا۔ زیادہ تر شعر محض حال کی ہندوستانی یا کھڑی بولی میں ہیں۔ اور بعض میں برج کا پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر ہدایت حسین نے امیر خسرو کی اصلی تصانیف کی فہرست مرتب کی ہے مگر ہندی اشعار کا اس میں ذکر تک نہیں۔ بعض ہندی لکھنے والوں کو خسرو کی نظم خضر خاں اور دیول رانی میں ایک کا ملحق ملتا ہے۔ جس میں ایک فقرہ ہندی کا واقع ہوا ہے۔ جس میں ہندی کی تعریف ہے اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ خسرو ہندی کا مداح اور شاعر تھا لیکن اس فقرے کے پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خسرو کا مطلب برج بھاشا یا ہندوستانی سے نہیں۔ ایسی بودی شہادت کی بنیاد پر برج بھاشا کی تاریخ کو امیر خسرو سے منسوب کرنا سائنٹیفک طور پر درست نہیں۔

(ج) پھر سادھوؤں اور بھگتوں کو برج کا شاعر بتایا جاتا ہے جیسے نامدیو۔ ربداس۔ دھنا۔ پیپا۔ سین اور کبیر وغیرہ۔ ان کی بانیاں اور پد (اشعار) گرو گرنتھ صاحب میں دبے ہوئے ہیں۔ وہ کہاں تک اصلی اور مستند ہیں؟ یہ ایک عقدہ لاحل ہے۔ نامدیو مرہٹہ تھا جو تیرھویں صدی میں ہوا ہے اور یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ اس نے ہندی میں لکھا بھی یا نہیں؟ کیونکہ گرو گرنتھ صاحب سترھویں صدی کے شروع میں مدوّن کیا گیا۔ اور دوسرے بھگتوں کے کلام کی مستند کتابیں کہیں موجود نہیں ہیں۔

ان میں کبیر جو پندرھویں صدی میں ہوا ہے بہت مشہور ہے اس کے بہت سے شعر گرو گرنتھ صاحب میں ملتے ہیں۔ ان اشعار کی زبان پر پنجابی کا رنگ غالب ہے۔ ناگری پرچارنی سبھا نے رائے بہادر شیام سندر داس کی ادارت میں کبیر کا کلام چھاپا ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ کلام ایک قلمی کتاب سے لیا گیا جو ۱۵۰۴ء میں لکھی گئی تھی لیکن اس کتاب کی تحریر کی تاریخ کی صحت کے بارے میں بہت شبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے ڈاکٹر پی ڈی۔ بارتھوال کی کتاب:- ہندی شاعری کا نرگن سکول)۔ بہرحال اس اڈیشن کی زبان بھی ویسی ہی پنجابی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے جیسی گرنتھ صاحب

کے انتخابات کی زبان۔ اور کبیر خود کہتا ہے کہ وہ پوربی زبان میں لکھتا ہے۔ اور اس کے کلام میں راجستھانی کا اثر بہت کچھ پایا جاتا ہے ان صورتوں میں کبیر کے کلام کی زبان کے بارے میں قطعی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ پنڈت رامچندر شکلا نے یہ کہہ کر اس عقدے کے حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ کبیر جن شعروں کے ذریعہ اپنے اعتقاد اور اصولوں کی تلقین کرتا ان کی زبان تو سادھوکڑی ہے اور رامنس اور شبدوں کی زبان کاویہ بھاشا یا برج ہے۔ یہ حل اطمینان کے قابل نہیں ہو سکتا۔ خود کبیر کے بیان سے اختلاف رکھتا ہے۔

۸۔ چنانچہ جتنا کوئی ان ادبی تصانیف سے متعلق تحقیق کرے اتنے ہی وثوق کے ساتھ یہ نتیجہ اس کے ذہن پر قائم ہو جاتا ہے کہ عام طور پر جو رائیں اس کی زبان کی نسبت ظاہر کی جاتی ہیں بے بنیاد ہیں اور خیالات بھی اس نتیجے کی تائید کرتے ہیں۔ یہ بدیہی امر ہے کہ کوئی بولی ادبی زبان کی حیثیت اور رفعت کو نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ اسے زبردست سماجی طاقت حاصل نہ ہو۔ یہ طاقت مذہبی بھی ہو سکتی ہے اور سیاسی بھی۔ پالی اور آردھ ماگدھی کو وہ عروج نصیب ہوا اس وجہ سے کہ وہ بدھوں اور جینوں کے اصلاحی مساعی کا آلۂ کار رہیں۔ ہندستانی کو اپنا ادبی مرتبہ مسلمان مبلغوں اور حکام کی امداد سے حاصل ہوا راجستھانی چودھویں سے سولھویں صدی تک شمالی ہند کے بڑے حصے کی ادبی زبان رہی اس کی ترقی اور عام پسندی میواڑ کے سسودیہ شاہی خاندان کے طفیل تھی۔ جب مغلوں نے میواڑ کے راناؤں پر غلبہ پایا تو راجستھانی صرف مقامی زبان ہو کر رہ گئی۔

اب اگر ہم برج سے متعلق غور کریں تو سولھویں صدی تک ہمیں کوئی سیاسی یا مذہبی تحریک اس کی پشتی پر نظر نہیں آتی۔ برج کا علاقہ کسی سیاسی طاقت کا مرکز نہ تھا جب تک کہ ولبھ آچاریہ نے برج میں آکر کرشن بھگتی کی اعتقادی تحریک شروع نہ کی برج کی مذہبی مرکز کے اعتبار سے کوئی اہمیت نہ تھی ظاہر ہے کہ ولبھ آچاریہ کی تحریک نے وہ جذبۂ عمل بخشا جس نے ایک محض بولی کو ادبی زبان میں کایا پلٹ کر دیا۔ سورداس اور ولبھ کے دوسرے چیلوں (اشٹ چھاپ) نے شمالی ہند میں برج بھاشا کو وہ عظمت بخشی کہ بنگالے تک کے دور دراز خطے میں کرشن بھگتی کے اظہار کے لئے برج بھاشا کی کوئی شکل اختیار کی گئی۔

۹۔ کبیر اور دوسرے بھگتوں کا کلام اس کی کچھ ہی زبان تھی سینہ بسینہ (یعنی زبانی) لوگوں میں پہنچا جب برج کی رَو چلی تو اس کلام پر بھی برج کا رنگ چڑھتا۔

۱۰۔ میری یہ رائے کہ برج بھاشا کے ادب کی کوئی مستند کتاب ایسی نہیں ہے جسے سولھویں صدی سے پہلے بتا سکیں ان وجوہ پر مبنی ہے جنھیں میں نے اختصار کے ساتھ اوپر بیان کیا ہے۔ الہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ ہندی کے صدر ڈاکٹر دھریندر ورما نے بھی جو کسی طرح بھی ہندستانی کے طرف دار نہیں قرار دیے جا سکتے اپنی کتاب میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے: "ہندی زبان اور برج کی قواعد کی تاریخ"

(ہماری زبان)

اسلامی تعلیم، توحید، رواداری

(سرسی پی راماسوامی آئر کی تقریر)

محکمۂ معلومات و نشریات (حکومت ہند) کے نئے ممبر سرسی پی راماسوامی آئر نے جو پہلے ریاست ٹراونکور میں دیوان تھے ۲۶ جولائی ۱۹۴۲ء کو کیلی کولور کے مقام پر ایک مسجد کا افتتاح کیا تھا۔ اس موقعہ پر آپ نے اسلامی تعلیمات پر جو تقریر کی تھی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"بانیانِ مسجد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کی خدمت کا شرف کسی دوسرے مذہب کے پیرو کو نصیب ہو۔ میں آپ کی اس عزت افزائی کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اسلامی تعلیمات کے متعلق اظہار خیال کا موقع دیا۔ اس وقت جبکہ ہمارے عظیم الشان ملک کو اپنی تمام قومیتوں کی متحدہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ آپ کی طرف سے یہ دعوت بہت ہی برمحل ہے۔ میں ایک عرصہ سے آپ کی مقدس دینی نیز دنیوی کتابوں کا گہرا مطالعہ کر رہا ہوں اور اسی بنا پر میں آج اس موقع پر اپنے مسلمان دوستوں کے سامنے مذہب اسلام پر اپنے خیالات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کا سرچشمہ ذات باری ہے، اس بنا پر ان کا وجود بھی ایک حد تک "وحدت میں کثرت کا مظاہرہ ہے" اور اسی میں ان کی قوت ہے۔ اسلام کا ظہور ایک ایسے بے آب و گیاہ ملک میں ہوا جہاں محنت و مشقت سے بھی بدشواری پیٹ پالا جا سکتا ہے۔ جہاں زندگی کے آثار [illegible] ہیں تو خانہ بدوش عربوں کے گھوڑوں اور قافلے کی [illegible] میں، ایسے ماحول میں عرب کے بدو ہی کے لئے نہیں بلکہ کسی عرب مفکر کے لئے بھی اس ثبات و فراوانی کا تخیل قائم کرنے کا کوئی محل نہ تھا۔ جو آج دوسرے ممالک میں رسم و رواج کی شکل میں پائی جاتی ہے، قریباً قرون کی اصنام پرستی کے بعد عربوں کو ایک "پیغام" پہنچا جو ہمارے اپنشدوں کی زبان میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"ایک میوا دوتیم برہم" (ایک ہی ذات باری (برہم) جس کا کوئی ثانی نہیں) یہ پیغام تھا جو پیغمبر اسلام محمد (صلعم) کو ملا اور جس کی حقیقت کو انھوں نے نہ صرف خود محسوس فرما لیا بلکہ ساری دنیا کو اس طرح اس سے روشناس کرایا کہ وہ اب بآسانی بھول نہیں سکتی۔

آپ ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے تھے جو عہد جاہلیت کی رسومات میں گرفتار تھی۔ قبیلوں کی خانہ جنگی، بردہ فروشی، اور لاتعداد شادیوں کا رواج تھا آپ نے اپنی قوم کو فطری حدود سے روشناس کرایا اور ان کے کردار میں اعتدال پیدا کر دیا۔ اس ماحول میں اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ آپ اپنی تعلیمات میں رحم و نرمی کے پہلو پر زیادہ زور دیں چنانچہ آپکا اولین پیغام "وحدت باری تعالیٰ" اور دوسرا حلم کا ہے، دوسرا بڑا اضافہ جو آپ نے اس زمانہ کے مذہبی افکار میں فرمایا وہ یہ ہے کہ "ملاؤں یا پروہتوں" کے مقابلہ میں "عام لوگوں" کی ایک برادری قائم کر دی جس کا ہر فرد خود ہی اپنا ملا یا پروہت ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ علما اور علوم الٰہیہ کے جاننے والوں کا وجود ہی نہ رہے۔ نہیں بلکہ یہ لوگ بھی موجود رہے اور دوسرے ملکوں کی طرح عوام پر ان کا اثر پڑتا رہا۔

اسلام کے متعلق بعض باتیں لوگ بے سمجھے ہی کہدیا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہی ایک بات لے لیجئے جو بسا اوقات سننے میں آتی ہے کہ اسلام دنیا میں بزور شمشیر پھیلا اور مسلمان حکمران غیر مسلموں کے سامنے دو ہی صورتیں پیش کیا کرتے تھے قبول اسلام یا تباہی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ [illegible] نے جو غیر فانی تعلیم دی وہ رواداری کی تعلیم ہے مگر لوگ اس بات کو اکثر بھول جاتے ہیں [illegible]

[illegible] سے جو میں نے پیش کی ہیں صاف ظاہر ہے [illegible] پیدا کہنے ظلم و تعدی کرنے یا نفرت [illegible] کے لئے نہیں آیا۔ یہ مذہب تنگ نظری نہیں [illegible] داداری اور بردباری کی تعلیم دیتا ہے ہمیں چاہئے کہ ہم سب اس بات کو یاد رکھیں اور اپنی زندگی پیغمبر اسلام کی تعلیمات کے قالب میں ڈھالیں۔

آج دنیا کی جو افسوسناک حالت ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوؤں نے اُپنیشد کی تعلیم بھلا دی مسلمانوں نے قرآن پاک کو ترک کر دیا۔ اور عیسائی اقوام نے یہی نہیں کہ انجیل کی تعلیم پس پشت ڈال دی بلکہ قریب قریب ملیامیٹ کر دی۔ آج صرف اس ملک ہی [illegible] کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے (خصوصاً اس جوہری دور کی نئی تنظیم کے لئے جو کل پیدا ہونے والی ہے) یہ ازبس ضروری ہے کہ ہم اپنی اپنی [illegible] کے مطابق اس پیغام پر عمل پیرا ہوں جو ان قرآنی آیات میں دنیا کو دیا گیا ہے۔ اسلام نے ”وحدت باری تعالےٰ“ کا جو پیغام دیا ہے اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔ اسلام ہی شاید واحد مذہب ہے جس نے رنگ و نسل کے جملہ امتیازات دور کر دئے۔ جن لوگوں نے چین مصر اور ان دور دراز علاقوں کا سفر کیا ہے جہاں اسلام کا سکہ رواں ہے۔ وہ واقف ہیں کہ ہر مسلمان عربی حبشی اور یوربی مسلمان کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور سب کو صحیح معنوں میں اپنا بھائی سمجھتا ہے۔

آج دنیا کے آدھے مصائب رنگ و نسل کے امتیازات کی وجہ سے ہیں۔ اپنی نسل کو عام انسانوں سے برتر سمجھنے کا نازی تخیل جنوبی افریقہ کے سفید فام انسان کا تخیل، حبشیوں کی پستی جس میں بہت آہستہ آہستہ ترقی ہو رہی ہے۔ ہندوؤں کا پست قوموں سے الگ تھلگ رہنا یہ سب باتیں اسلام کے لئے بالکل اجنبی ہیں۔ اسلام ذات پات رنگ و نسل کے ان امتیازات سے پاک ہے۔ جو حضرت عیسیٰ اور اپنشدوں کی تعلیم کے برخلاف ہے۔ آج عیسائیوں اور ہندوؤں میں پائے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی تہذیب و تمدن پر اسلام کا یہ سب سے بڑا احسان ہے۔ کہ اس نے دنیا کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔

سر تیج بہادر سپرو کا مشورہ

[illegible] سر تیج بہادر سپرو نے الہ آباد سے ایک طویل بیان شائع کیا ہے جس میں ہندوستان کے موجودہ افسوسناک حالات پر اظہار رنج و ملال کے بعد یہ فرمایا ہے کہ

”کوئی حکومت خواہ وہ ملکی ہو یا قومی اس پر فرض ہے کہ امن بحال کرنے کے لئے اقدامات کرے“

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ موجودہ صورت حالات میں صرف سخت اقدامات سے ناظرین کی طرف سے ہمدردانہ الفاظ کے استعمال سے امن و قانون بحال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ آپ کے خیال میں

”فسادات جس طرح دور دراز تک ہوتے ہیں یا ہو رہے ہیں [illegible] ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت [illegible] اگر سخت اقدامات سے تو رش کو دبایا جا سکتا ہے لیکن لوگوں کے دلوں میں جو تلخی پیدا ہو گئی ہے وہ آسانی سے دور نہیں کی جا سکتی ہے“

اس لئے آپ حکومت سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”میرا مشورہ یہ ہے کہ ملک میں امن و نظم کی بحالی کے لئے قانونی اختیارات کے ساتھ ساتھ تعمیری اقدامات بھی بلا تاخیر کرنے چاہئیں۔ پارلیمنٹ کے ممبر ابھی [illegible] سے [illegible] سکے۔ انہیں [illegible] جانا چاہئے [illegible] [illegible] نہیں [illegible] چاہئے کیونکہ [illegible] صورت حالات مضطرب کن ہیں [illegible] اس ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اس ملک کو ان عام مصائب سے جو موجودہ [illegible] کے نتیجہ کے طور پر رونما ہو سکتے ہیں بچانا چاہئے“

سپرو کی رائے میں پارلیمنٹ کا یہ فرض ہے کہ وہ ہندوستان لیڈروں سے گفت و شنید کرنے کے لئے ایک وفد انگلستان سے بھیجے ان کے خیال میں ابھی حالات اس قدر ناسازگار نہیں ہیں کہ کوئی بحث و گفتگو نہ ہو سکے۔

سر سپرو زیادہ تر اس لئے باہمی مصالحت و مفاہمت پر زور دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک موجودہ حالات میں ہندوستان میں امن و امان قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

”میں نے متعدد بار یہ تنبیہ کی ہے اور میں ایک بار اور یہ تنبیہ کرتا ہوں کہ ہر چیز سے زیادہ اہم دشمن کا خطرہ ہے جو تیار ہے دن بدن ہندوستان کے حالات کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اور ریڈیو کے ذریعہ پروپیگنڈا کر رہا ہے جس سے عام لوگوں کے ذہن کو اور بھی بھڑکایا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں اب کانفرنس طلب کرکے صورت حالات پر بحث کرنے کے لئے زیادہ وقت نہیں ہے۔ [illegible] سیاسی صورت حالات کے متعلق اب تیز رفتار فیصلوں کا وقت ہے۔ صرف اسی طرح لوگوں کی [illegible] اور خیالات بدلے جا سکتے ہیں اور امن و نظم قائم ہو سکتا ہے

اب چیلنج پیش کرنے یا منظور کرنے کا وقت نہیں ہے۔ تعمیری سیاست کا [illegible] ہے جس [illegible] اور عقل کی جھلک ہونی چاہئے ہم جب ایک دوسرے [illegible] بلاواسطہ یا بالواسطہ عمداً گردی کی اجازت نہیں [illegible] رائج بالا اخبار نے [illegible] طور پر [illegible] کی مذمت کی ہے“

صوبہ متوسط کی عام تعلیمی حالت

ہمعصر العارف [illegible] رقمطراز ہے کہ حال [illegible] صوبہ کی تعلیمی حالت پر جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ صوبہ کی عام تعلیمی حالت قدرے [illegible] بہ ترقی رہی [illegible] سال، زیر رپورٹ میں ۹۲ء [illegible] اور ۲۰۳۸۹ طلبہ کا اضافہ ہوا۔ مسلم طلبہ پست اقوام طلبہ اور طالبات میں بالترتیب ۷۰۰، ۵۰۴۴، ۳۰۰ اور ۴۴ کا اضافہ ہوا۔

جنگلی اور خانہ بدوش اقوام کے طلبہ کی تعداد [illegible] کمی ہو گئی ہے اس کی بڑی وجہ ان اقوام کی مالی بدحالی بتائی جاتی ہے۔ حکومت نے جنگلی اقوام کے انکوائری آفیسر کی سفارش پر آٹھ سے مڈل اسکول بنا اور ۲۵ لڑکوں کو نارمل اسکول میں داخل کیا۔ ۹ پرانے طلبائے نارمل کی جگہ بدستور محفوظ رکھی گئی [illegible] اپریل ۱۹۴۶ء سے ضلع منڈلہ کے جنگلی حلقہ میں ۵۱ اسکول میں ۱۵ روپیہ ماہوار تنخواہ سے ۵۱ ماسٹروں کو جنگلی اقوام کے بچوں کے لئے مقرر کیا۔

حکومت ”جنگلی اقوام“ میں تعلیم پھیلانے کے لئے جو سعی کر رہی ہے۔ یقیناً وہ ہر تعلیم پسند ہندوستانی کے نزدیک قابل تحسین سمجھی جائے گی پست اقوام کے طلبہ میں جو ترقی دکھائی گئی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں دن دونی رات چوگنی بیداری پھیل رہی ہے مسلمان طلبہ کی تعداد میں بھی

اضافہ ہوا ہے مگر وہ قابل اطمینان و استحسان نہیں کہا جا سکتا۔ کانگریسی وزارت اور کانگریسی لوکل باڈیز کی زیادتیوں کے بعد یہ اضافہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

گیہوں کی قیمت پر کنٹرول

لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے گیہوں کی قیمت کو کنٹرول پر ایک بیان شائع کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

آجکل یہ بحث جاری ہے کہ گیہوں کے نرخ اور اُنکی قیمت پر گورنمنٹ کی جانب سے پابندیاں عائد کیا جانا اقتصادیات اور معاشیات کے اصولوں کی رو سے کہاں تک صحیح ہے۔ یہ بحث حالت امن میں کتنی ہی درست کیوں نہ رہی ہو لیکن حالت جنگ میں اس کو کسی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا۔ معاشیات کے تمام نظریات کا بنیادی مقصد عوام کی خوشحالی اور بہبودی ہوا کرتا ہے اور حالت جنگ میں اس مقصد کو پورا کرنے کے طریقے بالکل بدل جایا کرتے ہیں اس وقت پیش نظر مسئلہ یہ ہے کہ پہلے جنگ کی ضروریات کو پورا کیا جائے اور جو کچھ بچے اسے بلا تفریق عوام میں تقسیم کیا جائے۔ بدقسمتی سے معاشیات کے ماہرین الگ الگ تین قسم کے ہیں۔

(۱) اوّل قسم ان ماہرین معاشیات کی ہے جو سرمایہ داروں کے زر خرید ہیں۔ یہ ہمیشہ صنعتی ترقی کے پردہ میں اپنے موکلوں کے مفاد کو کامیاب بنانے کی فکر میں رہتے ہیں اور ان کو عوام کے مفاد سے کوئی بحث نہیں ہوتی۔

(۲) دوسری قسم ان ماہرین معاشیات کی ہے جو ہمیشہ گورنمنٹ کے افعال کی تائید کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

(۳) تیسری قسم ان ماہرین معاشیات کی ہے جو خالص علمی نقطۂ نظر رکھتے ہیں یہ حضرات صرف ان اصطلاحات اور علمی نظریات سے واسطہ رکھتے ہیں جو کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں ان کو موجودہ مسائل کا بہت کم علم ہوتا ہے جن پر اسمبلی وغیرہ میں غیر ماہرین بحث کیا کرتے ہیں۔

بعض لوگ یہ دکھلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ گیہوں کے بازار میں جو کچھ گڑبڑ ہے وہ محض گورنمنٹ کے کنٹرول کی وجہ سے ہے۔ یہ درحقیقت بالکل غلط ہے گورنمنٹ کا پہلا فرض ہے کہ وہ عام لوگوں اور بالخصوص مزدور پیشہ کی خوراک کی بہم رسانی کا انتظام کرے۔ اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی شخص غیر معمولی نفع حاصل کرنے کے لئے گیہوں جمع نہ کرنے پائے۔ نرخ مقرر کرنا گورنمنٹ آف انڈیا کا فرض ہے اور تجار کو گیہوں فروخت کرنے کیلئے مجبور کرنا صوبجاتی حکومتوں کا فرض ہے۔ موجودہ گڑبڑ کی اصل وجہ یہی ہے کہ صوبجاتی حکومتیں گورنمنٹ آف انڈیا کے ساتھ تعاون نہیں کر رہی ہیں۔ صوبجاتی حکومتیں سیاسی یا دیگر وجوہ سے تجار کو اس امر پر مجبور نہیں کرتیں کہ وہ اندوختہ فروخت کے لئے نکالیں۔

اس وقت گیہوں کی کمی نہیں بشرطیکہ صحیح طور پر اس کو تقسیم کیا جائے اس میں شک نہیں کہ یو۔پی میں گیہوں کی پیداوار معمول سے ۵ فیصدی کم ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں پنجاب میں ۱۵ فیصدی زیادہ ہے۔ گذشتہ تین ماہ میں صوبہ یو۔پی میں درآمد و برآمد کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ درآمد بقدر ۱۷۰۰۰ من کے زیادہ ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پنجاب سے آیا ہوا یہ غلہ کہاں چلا گیا۔

یو۔پی میں گیہوں کی کمی نہیں بلکہ پیداوار کا ۲/۵ حصہ ابتک مواضعات میں ہے بازار میں نہ لائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ گاؤں والوں کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ کچھ روز کے بعد ان کو دگنی قیمت ملسکے گی یہ کہ سکہ کی کوئی قیمت نہیں رہے گی اس لئے گیہوں کی شکل میں پس انداز کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اس سلسلہ میں بعض ہندوستانی ریاستوں کا رویہ گورنمنٹ آف انڈیا کے رویہ سے بہتر ہے اور میں چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ آف انڈیا بھی بھوپال گورنمنٹ کی تقلید کرے۔ بھوپال گورنمنٹ نے ہر گاؤں اور قصبہ میں کاشتکار کے پاس اس کے کھانے اور تخم ریزی کی ضروریات کے بقدر چھوڑ کر تمام غلہ خود خرید لیا ہے۔ ریاست ہی اس کو شہر میں لانے کا انتظام کرتی ہے اور اپنی نگرانی میں فروخت کراتی ہے۔ اس طرح ذخیرہ جمع کرنے والے سرمایہ دار درمیان سے اٹھ جاتے ہیں۔

اس صورت میں فائدہ بہت زیادہ اور نقصان بہت کم ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو مجاز بنا دینا چاہئے کہ وہ مواضعات میں کسانوں اور بڑے بڑے [illegible] کے اندوختہ کو طلب کریں اور کنٹرول کی قیمت پر خرید کر لیں اور بعد ازاں اس کو شہر میں لاکر فروخت کریں۔ کسی کو بہت زیادہ مقدار میں خرید کرنے کا موقع نہ دیا جائے اس طرح عوام کو اطمینان حاصل ہوگا اور اندرونی خلفشار کے امکانات کم ہو جائیں گے۔ امن میں خلل ڈالنے کے لئے کانگریس کا یہ پروپیگنڈا اتنا مضر نہیں جتنا کہ اشیاء خوردنی کی کمیابی۔

وائس چانسلر صاحب کا طلبہ سے خطاب

لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر نے نئے سیشن کے آغاز پر ممبران اسٹاف اور طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپیل کی کہ وہ یونیورسٹی کو موجودہ خلفشار سے محفوظ رکھنے کی سعی کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں آخری فتح کے متعلق کوئی شک نہیں رکھتا اگرچہ اس تک پہنچنے کے لئے ہم کو بہت سے امتحانات سے گذرنا ہوگا۔ تاہم دانشمندی کا تقاضہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر موقع کے لئے تیار رکھیں۔ اگر آپ کی پوری پوری مدد میرے شامل حال رہی تو مجھے یقین ہے کہ میں تمام مشکلات کو سر کر سکونگا۔

سر ضیاء الدین نے فرمایا کہ اگرچہ یونیورسٹی ایک علمی ادارہ ہے تاہم یونیورسٹی میں مسلم قوم کے رجحانات کا عکس نظر آنا ناگزیر ہے۔ میں ابھی حال تک مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کا سکرٹری تھا اور اب بھی اس کا ممبر ہوں میں اس پارٹی میں اس یقین کے ساتھ شامل ہوا تھا کہ مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ کرنے کے لئے یہ واحد جماعت ہے۔ یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ کانگریس نے مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنے کی کوئی سچی کوشش نہیں کی اور زاغلول پاشا کی مثال کی تقلید نہ کی جنہوں نے اقلیتوں کو ان کے مطالبہ سے زیادہ دیکر اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے حل کر دیا۔ کانگریس نے ایک بہت ہی نازک وقت میں پارٹی بندی سے [illegible] پر عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ایک پارٹی کا یہ انفرادی اقدام فرقہ وارانہ فساد کا باعث نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ سیاسی اختلافات کو ہندو مسلم فساد کی شکل نہ دی جائے۔ ہندوؤں میں بھی بہت سے ایسے لوگ [illegible] کانگریس کی موجودہ پالیسی سے [illegible]

[illegible] ضیاء الدین نے فرمایا [illegible] کی وجہ یہ نہیں کہ وہ کمیونسٹ [illegible] خیالات کی اشاعت کرتے ہیں [illegible] غیر اسلامی ہیں۔ ایسے غیر مذہبی لوگوں [illegible] گڑھ میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ میں تمام طلبہ [illegible] ممبران اسٹاف کو بہتر طریقہ سے آگاہ کرتا ہوں [illegible] ان کو اسلامی اصولوں کی پوری پوری پابندی کرنا ہوگی۔ غیر مسلم طلبہ سے بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ اسلامی روایات کا احترام کریں گے۔ کوئی کتاب ایسی داخل نصاب نہیں کی جا سکتی جو اسلام اور مسلمانوں کی نیک نامی کے متضاد ہو نہ کوئی لکچرر خواہ وہ بیرونی ہو یا اندرونی اسلام سے استہزاء کر سکتا ہے۔

وائس چانسلر نے ہوسٹل کی زندگی کی طرف توجہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ علیگڑھ کا ایک نمایاں پہلو ہے اس سے خود اعتمادی۔ اصابت رائے۔ خودداری اور مصلحت اندیشی پیدا ہوتی ہے۔ علی گڑھ کا طالب علم مادر درس گاہ کی شہرت اور نیک نامی کا خیال رکھتا ہے۔ کوئی شخص جو علانیہ یونیورسٹی کی تنقید و مخالفت کرتا ہے وہ مادر درس گاہ کا سچا سپوت نہیں۔

جدید ترقی کے شعبوں کے سلسلہ میں وائس چانسلر نے انجینیرنگ کالج۔ ڈائریکٹیشن کلاس سول ڈیفینس اور زنانہ ڈگری کالج کا تذکرہ کیا۔ پانچ ممبران اسٹاف ملٹری ٹریننگ حاصل کر کے آئے ہیں۔ اور دیگر ممبران ٹریننگ کے لئے جا رہے ہیں چونکہ نیوی اور ایر فورس میں مسلمانوں کا حصہ بہت کم ہے اس لئے حکومت بھوپال نے میری درخواست پر منظور کیا ہے کہ وہ علی گڑھ کے طلبہ کو پرواز کی تعلیم دے گی۔

وائس چانسلر نے یہ بھی اعلان کیا کہ نواب بھوپال رمضان کے بعد یونیورسٹی تشریف لائیں گے [illegible] عثمان چینی تعلیمی مشن۔ سر فیروز خاں نون اور ڈاکٹر امبیدکار بھی علی گڑھ تشریف [illegible] گے۔

[illegible] میں سر ضیاء الدین نے طلبہ و اسٹاف [illegible] کا اظہار فرمایا اور امید کی کہ وہ [illegible] میں استقلال و سکون سے کام

وائس چانسلر صاحب کا سفر بھوپال

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد ۸۔ اگست کو بھوپال تشریف لے گئے۔ اعلیحضرت سے ملاقات کے دوران میں مساعی جنگ کے سلسلہ میں یونیورسٹی کے کاموں پر گفتگو رہی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین نے ہز ہائینس کی توجہ ان مشکلات کی جانب مبذول کرائی جو یونیورسٹی کے طلبہ کو ہوائی اور بحری فوج میں ملازمت حاصل کرنے میں پیش آتی ہیں۔ سر ضیاء الدین نے درخواست کی کہ بھوپال میں فلائنگ کی ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ طلبہ واقعی دلچسپی رکھتے ہیں۔ گورنمنٹ بھوپال ان طلبہ کو ہر امداد پہنچائیگی جو اس ٹریننگ کی غرض سے بھوپال جائیں گے۔

سر ضیاء الدین نے ہز ہائینس سے یہ بھی درخواست کی کہ وہ یونیورسٹی کی مساعی جنگ کا معائنہ فرمائیں اور ہز ہائینس نے رمضان کے بعد علیگڑھ تشریف لانے کا وعدہ فرمایا۔

سر ضیاء الدین نے مختلف مواقع پر علیگڑھ کے طلبہ قدیم سے بھی ملاقات کی اور انہوں نے تعلیمی معاملات میں بھوپال کی دقتوں پر گفتگو کی۔ سر ضیاء الدین نے اپنے قدیم دوست سر جوزف بھور اور لیڈی بھور سے بھی ملاقات کی جو نوجوں کے رشتہ داروں کی طبی امداد میں بڑا حصہ لے رہی ہیں۔ ریاست کی جانب سے یونیورسٹی کو ۵۰۰ من غلہ مہیا کرنے کا بھی وعدہ کیا گیا بشرطیکہ گورنمنٹ آف انڈیا سے اجازت حاصل کر لی جائے۔ سر ضیاء الدین نے اجازت حاصل کر لی ہے۔

وائس چانسلر نے ہز ہائینس کی خدمت میں ایک مکمل نوٹ یونیورسٹی کی مساعی جنگ پر ارسال کیا ہے۔ (نامہ نگار)

یہ مضمون بوجہ عدم گنجائش پچھلے پرچہ میں شائع نہ ہو سکا۔

مسٹر محمد احمد کاظمی نے مرکزی اسمبلی میں قانون ضابطہ فوجداری میں جو ترمیم پیش کی تھی کہ مقدمہ کی سماعت میں سشن ججوں کی مدد کیلئے اسیسروں کا طریقہ کار بند کر دیا جائے۔ حکومت ہند نے یہ تجویز صوبجاتی حکومتوں کے پاس بھیجدی ہے تاکہ وہ اس معاملہ میں ہائیکورٹوں اور ججوں کی عام رائے معلوم کریں۔

چند قابل دید کتابیں

سیر کائنات — یہ کتاب انگلستان کے مشہور سائنس داں جی جینس کی آٹھ تقریروں کا مجموعہ ہے جو موصوف نے رائل انسٹی ٹیوٹ آف لندن میں زمین ہوا اور چاند ستاروں پر کی تھیں، بہت مجلد . . . ۱۲؍

سلطنت خداداد — میسور کی نامور سلطنت کے بانی حیدر علی اور اس کے جانشین ٹیپو سلطان کی مکمل تاریخ قیمت . . . للعہ؍

تاریخ جنوبی ہند — جنوبی ہند کی مکمل تاریخ بڑی چھان بین سے کی گئی ہے، اور داخلی اور خارجی ہر ممکن سند پیش کی گئی ہے قیمت . . . . . . ستے؍

معلم کی زندگی — یہ مؤلف کی محض آپ بیتی ہی نہیں بلکہ جامعہ کی دلچسپ اور مکمل تاریخ نیز اکیس ۲۱ سالہ تعلیمی تجربوں کا نچوڑ ہے۔ قیمت ہر دو حصص . . . . . . ۵؍

محشر خیال — سجاد علی انصاری مرحوم کے مجموعۂ مضامین کا دوسرا ایڈیشن۔ اس مرحوم کا ہنگامہ خیز ڈرامہ "رد زیر جنرا" بھی شامل کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد ۲؍ ۸ . . . غیر مجلد ۵؍

مبادی سیاسیات — مصنفہ پروفیسر ہارون خاں صاحب شروانی اس میں تفصیل سے علم سیاست کی ابتدائی معلومات اور عہد حاضر کی سیاسی تحریکوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ...۶ صفحات قیمت مجلد . . . . . . ۵؍

روح اقبال — یہ کتاب ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب کے تین مقالوں اقبال اور آرٹ، اقبال کا فلسفۂ تمدن، اقبال کے مذہبی اور ما بعد الطبیعی تصورات پر مشتمل ہے۔ قیمت غیر مجلد ۳؍

ذکر حسینؓ — ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ کی "ذکر حسین" کے موقع پر معرکۃ الآرا تقریر جسے پبلک کے مطالبہ پر کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ قیمت . . . . . . [illegible]

مفصل فہرست مفت

ملنے کا پتہ

کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل [illegible]

[illegible] مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ میں چھپا اور [illegible] الشفان ندوی [illegible] صدر دفتر کانفرنس [illegible]

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۳) | یکم اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۱۹ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر

پرو وائس چانسلر پروفیسر اے بی اے حلیم نے سالانہ اجلاس دیتے ہوئے فرمایا کہ اس ادارہ کو اس کے بانی سر سید احمد خاں نے مغربی فنون اور اسلامی علوم و تہذیب کو یکجا کرنے کی غرض سے قائم کیا تھا۔ اندیشہ ہے کہ مغربی تصورات و نظریات کے اثر سے کہیں ہم اپنے بنیادی مقاصد نہ بھول جائیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ان مقاصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

یونیورسٹی کا مقصد یہ ہے کہ نوجوان طلبہ کو ایسی فضا میں تعلیم دی جائے کہ وہ مغربی علوم و فنون کے ساتھ ساتھ اسلام کے اخلاقی اور ثقافتی اثرات سے بھی متاثر ہوں۔ ہر ایک سے اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کے اصول اور روایات کی پیروی کرے گا۔

آگے چل کر پرو وائس چانسلر نے کہا کہ تعمیر کو تخریب کا علم نہیں دینا چاہئے بلکہ ان واقعات کا جو کہ وقت دنیا کے مختلف حصوں میں پیش آ رہے ہیں اس طور سے مطالعہ کرنا چاہئے کہ ان تصورات کی روشنی میں اپنا راستہ متعین کرنا چاہئے

جاپان اور چین کی مثالیں دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ان دونوں ملکوں میں زلزلہ اور جنگ کے مصائب کے باوجود علمی اور تعلیمی کام برابر جاری ہیں۔ نوجوانوں کو قیادت کے فرائض کے لئے تیار کرنے کے لئے ان کی صحیح تربیت ضروری ہے۔ ہندوستان میں انسانوں کی کمی نہیں لیکن بے غرض اور تربیت یافتہ لیڈروں کی کمی ہے اور یونیورسٹیوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس کمی کو پورا کریں گی۔

پرو وائس چانسلر نے بہت اظہار خوشی کیا کہ اسلامی رواداری کے اصولوں کے مطابق یونیورسٹی کے دروازے غیر مسلم طلبہ کے لئے ہمیشہ کھلے رہے اور ان کے ساتھ مسلم طلبہ کا رویہ نہایت دوستانہ رہا۔

خزاں کی تعطیلات کے سلسلہ میں پرو وائس چانسلر نے طلبہ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے اپنے گھر جا کر کسی ہنگامہ میں حصہ نہ لیں۔ آپ نے طلبہ کو یہ بھی ہدایت کی کہ وہ بگڑ بیٹھے پینے کی عادت چھوڑ دیں اور ان طلبہ کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے دوران تعطیلات میں [illegible]

محمد حضور عالم صاحب بدایونی [illegible] امرتسر سے لکھتے ہیں:

"میں ان تمام حضرات کا بدل ممنون ہوں جنہوں نے میرے [illegible] جناب مولوی محمد اکرام عالم صاحب مرحوم و مغفور کی رحلت پر مجھ سے ہمدردی کا اظہار فرمائی ہے، تعزیتی پیغام ارسال فرمائے ہیں۔ اگر میں اپنی بے انتہا مصروفیت کے سبب با سہواً کسی صاحب کے خط کا جواب نہ دے سکوں تو امیدوار معافی ہوں۔"

مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد اور اس کے متعلقہ ہوسٹلوں میں نماز تراویح میں قرآن مجید سنانے کا جو اہتمام تھا اس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مسجد میں ۱۴ رمضان المبارک کو قرآن مجید ختم ہوا۔ اس کے بعد تبرک تقسیم کیا گیا۔ ختم کے دن تقریباً [illegible] اصحاب نماز میں شریک تھے۔ دوسرے حلقوں میں بھی مختلف تاریخوں میں ختم ہوا۔

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم اکتوبر ۱۹۴۲ء

سیاست کی ہمہ گیری اور تعلیم (۲)

مندرجہ بالا عنوان کے تحت میں ہم نے کانفرنس گزٹ کے پچھلے پرچہ میں تفصیلاً یہ عرض کیا تھا کہ اب ملک میں "سیاست کی ہمہ گیری" کا یہ حال ہے کہ کسی حلقہ و طبقہ کے لوگ اس ذوق سے ناآشنا نہیں، یہاں تک کہ اب ہماری تعلیم گاہیں بھی سیاست کی جولانگاہ ہیں اور شاگرد و استاد دونوں نہ صرف ملک کی موجودہ سیاست میں عملی حصہ لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات وہ ایک دوسرے کے خلاف بھی سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے جوڑ توڑ کرتے رہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم نے مثالاً کراچی کے ایک واقعہ کا ذکر کیا تھا جہاں طلبہ اور پرنسپل کے درمیان ایک مضحکہ انگیز کشمکش وجود میں آئی جس میں فریقین نے ایسا معاندانہ رویہ اختیار کیا کہ گویا وہ دو حریف ہیں جو ایک دوسرے کو شکست دینے کی کوشش کر رہے ہیں، یہ صورت حالات درحقیقت نہایت افسوسناک و لائق اصلاح ہے لیکن یہ اصلاح کس طرح ممکن ہے جبکہ اکثر اُستاد جو عموماً کسی نہ کسی سیاسی جماعت کے ہم خیال ہوتے ہیں طلبہ میں اپنے خیالات کی اشاعت کرتے رہتے ہیں۔

اسی طرح لیڈروں کی بھی عموماً یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان نوجوانوں کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے آلۂ کار بنائیں اس لئے وہ اپنی ہر سیاسی تحریک یا ہنگامی ایجی ٹیشن میں انہیں شریک کرنے کی کوشش کرتے ہیں، البتہ جو لیڈر زیادہ محتاط ہیں وہ علی الاعلان طلبہ کو کوئی ترغیب نہیں دیتے لیکن انہیں سیاسی شورشوں میں شریک ہونے سے روکنا بھی پسند نہیں کرتے، یہ اسی ذہنیت کا اثر ہے کہ ہر لیڈر کے ساتھ کم و بیش طلبہ کی بھی ایک جماعت ہوتی ہے، ساتھ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں اُسے اپنا رہنما سمجھتی ہے۔ اور مختلف طریقوں سے اس کی تائید و حمایت کرتی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ جہاں لیڈروں کا کسی شہر میں ورود ہوتا ہے تو یہ طلبہ اُن کی گاڑیاں کھینچتے ہیں اور "زندہ باد" کے نعروں سے آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں، کہنے والے کہتے ہیں کہ ان نعروں سے لیڈروں پر جو کیفیت و سرور طاری ہوتا ہے دنیا کی کوئی مسرت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی،

خصوصیت کے ساتھ فرقہ پرست لیڈروں میں یہ خود بینی و خود نمائی اور بھی زیادہ تیز ہوتی ہے اور چونکہ انہیں معاملہ فہم اور سنجیدہ اشخاص کی حمایت حاصل نہیں ہوتی اس لئے وہ عوام اور ناتجربہ کار طلبہ میں اپنے رہبرانہ خیالات پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ نوعمر طلبہ اُن کو اپنے فرقہ یا قوم کا پُرجوش علمبردار سمجھ کر بہت جلد اُن کے دامِ فریب میں آ جاتے ہیں اور اس فریب خوردہ حالت میں ان کے احکام کی تعمیل میں ہر قسم کی بےراہ روی کے لئے تیار رہتے ہیں،

غرض ان لیڈروں کے ذریعہ سے طلبہ میں ملکی سیاست کا صحیح یا غلط شوق پیدا ہوتا ہے جو اکثر عملی طور پر غیر معتدل حد تک ترقی کر جاتا ہے یہاں تک کہ خود استادوں کے لئے بھی یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ کسی سیاسی ہیجان کے وقت طلبہ کو اپنے قابو میں رکھ سکیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری ڈسپلن کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

چونکہ ہندوستان کی بدنصیبی سے یہاں بہت سے بداندیش اور غلط کار لیڈر عوام پر مسلط ہو گئے ہیں جو ان کی کورانہ طریقہ پر پیروی کرتے ہیں اس لئے کسی شریف النفس اور باعزت انسان کے لئے خواہ وہ کسی کالج کا پروفیسر یا پرنسپل ہی کیوں نہ ہو یہ بہت مشکل ہے کہ وہ گمگشتہ راہ طلبہ یا ناعاقبت اندیش عوام کا مقابلہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات استاد اپنے لئے ایک احتیاط طریقہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جو اگرچہ اُن کے مرتبہ کے مناسب نہیں لیکن حالات کے لحاظ سے عاقبت اندیشی پر مبنی ہے، کیونکہ اس طرح وہ اُس فضیحت و رسوائی سے محفوظ رہ سکتے ہیں جس کا سیاسی ہیجان کے زمانہ میں ہر وقت خطرہ رہتا ہے،

"تعلیمی زندگی" ایک خاص ماحول اور خاص ذہنیت کی طالب ہے لہٰذا طلبہ و اساتذہ جو تعلیمی مشاغل میں مصروف ہیں اُن کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دائرۂ عمل سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اسی ماحول میں اپنی زندگی بسر کریں جو اپنے مشاغل و مقصد حیات کے لحاظ سے اُن کے لئے مناسب ہو،

بے شبہ انسان کو کبھی کبھی ایسے موقع بھی پیش آ جاتا ہے جبکہ علمی و تعلیمی مشاغل کو بھی نظرانداز کرنا ناگزیر ہے لیکن یہ اُس وقت ہوتا ہے جب کوئی حریف ہمارے وطن پر حملہ آور ہو کر اُس کے امن و عافیت میں خلل ڈالنے یا اُس پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش کرے، ایسے نازک وقت میں وطن کی حفاظت اور دشمن کی مدافعت ہر شخص کا سب سے پہلا فرض ہے جو سپاہی کے علاوہ ایک طالب علم کو بھی حسب استطاعت انجام دینا چاہئے، لیکن روزمرہ کی عام سیاسی جدوجہد میں طلبہ کا مسلسل طور پر عملی حصہ لینا اپنی تعلیمی زندگی کو برباد کر دینے کے ہم معنی ہے۔ اگر کسی ملک میں اس طریقہ پر عمل شروع ہو جائے تو پھر کسی علم و فن کے لئے اس ملک میں کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو جائے گا اور وحشت و بربریت کا وہ دور جو صدیوں کی انسانی کوشش کے بعد ختم ہوا ہے از سرِنو شروع ہو جائے گا۔

جو مسائل ہمارے ملک کے مفاد سے تعلق رکھتے ہیں اُن سے دلچسپی رکھنا یا اُن کے متعلق صحیح واقفیت و معلومات حاصل کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں کیونکہ عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد ہر شخص کو اُن مسائل و معاملات سے واسطہ پڑے گا جو لوازمۂ حیات ہیں اور جن سے بے نیاز ہو کر رہنا ممکن نہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ہر ایسی چیز کے متعلق جو ہمارے لئے مستقبل میں کارآمد ہو سکتی ہے صحیح

معلومات حاصل کریں، لیکن قبل از وقت "عملی انہماک" بے شبہ نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ نہایت مضر اور زندگی میں ابتری پیدا کرنیوالا'

وہ زمانہ جب ایک بچہ یا نوجوان "طلب علم" میں مصروف ہوتا ہے درحقیقت اس کی زندگی کا بہترین زمانہ ہے، اسی زمانہ میں ہر انسان کی زندگی کا مستقبل تعمیر ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو جیسا بنانا چاہے بن سکتا ہے اس لئے ہر حوصلہ مند اور انجام اندیش نوجوان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ اس عمر میں اپنی زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھالے اور ایسی تربیت حاصل کرے کہ آئندہ زمانہ میں نیکی کی راہیں اس کے لئے کھل جائیں لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب طالب علمی کے زمانہ میں اسے یکسوئی و اطمینان قلب کے ساتھ اپنا کام انجام دینے کا موقع ملے "اگر" پالیٹکس "میں حصہ لینے کے بعد کسی نوجوان کو اس قدر اطمینان قلب میسر نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنا کام محنت و یکسوئی سے انجام دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جو طالب علم پالیٹکس یا دوسرے غیر متعلق معاملات سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں وہ بحیثیت ایک لائق طالب علم کے کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر ہر طالب علم اس حقیقت سے واقف ہو کر زمانہ طلب علم میں سیاست یا دوسرے معاملات سے بھی دلچسپی لینا اس کے مستقبل کے لئے کس قدر مضر ہے تو وہ یقینا اوائل عمر میں ہر قسم کی غلط روی سے احتیاط کر کے ایسا راستہ اختیار کریگا جو اُسے بلا خوف و خطر منزل مقصود تک پہنچا دے۔ لیکن عام طور پر طلبہ میں اس قدر انجام اندیشی نہیں پائی جاتی اس لئے یہ فرض اساتذہ و منتظمین کا ہے کہ وہ اپنے اخلاقی اثر اور حسن تربیت سے طلبہ کے لئے ایسا ماحول اور علمی فضا پیدا کر دیں کہ وہ دماغی تشویش و انتشار خیال سے محفوظ رہ کر صرف اپنے فرائض میں مشغول رہیں، اور ملک کے دوسرے اہم مسائل میں دخل دے کر خلل و ابتری نہ پیدا کریں'

موجودہ زمانہ میں طلبہ کے سیاسی رجحانات اور غلط کردار سے علمی و تعلیمی مقاصد کو جو نقصان

پہنچا ہے اور اس کی وجہ سے تعلیمی معیار جس قدر گر گیا ہے اُس کے متعلق مولوی بشیر الدین صاحب نے جن کی ساری عمر مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کی کوشش میں صرف ہوئی (اور جو اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے بانی ہیں) ایک نوٹ لکھا ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ سرکاری کالجوں اور اسکولوں کی ہنگامہ خیزی کا کون ذمہ دار ہے؟

مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

"ہم طلبہ کے عملی سیاست میں حصہ لینے سے ہمیشہ مخالف رہے ہیں چونکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ طلبہ اور اساتذہ کو دنیا اور ما فیہا سے بے خبر ہو کر تمام تر توجہ صرف تحصیل علم اور اخلاق حسنہ کے پیدا کرنے کی طرف کرنی چاہئے کیونکہ زمانہ طالب علمی میں ہر طالب علم کا ایک ایک لمحہ زندگی ساعت بیش قیمت ہے۔ زمانہ طالب علمی میں کچھ تھوڑا سا وقت بھی علاوہ تعلیم کے صرف کرنا تکمیل تعلیم کی راہ میں سخت رکاوٹ ہے کیونکہ ہم افسوس کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ جب سے ہندوستان میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی ہے۔ اور طالب علموں نے سیاسیات میں عملی حصہ لینا شروع کیا ہے۔ اس وقت سے طالب علموں کی قابلیت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔ اگرچہ سالانہ امتحانات میں بہت سے طالب علم کامیاب ہوتے ہیں لیکن تجربہ یہ شہادت دے رہا ہے۔ کہ باوجود ڈپلومہ حاصل کرنے کے عام طور پر ڈپلومہ پانے والے لوگوں کی کسی شعبہ علمی میں استعداد اچھی نہیں ہوتی۔ لیکن بدقسمتی سے موجودہ ہنگامہ میں اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ نے زیادہ حصہ لیا ہے۔ اس وجہ سے سررشتہ تعلیم نے بعض امدادی اسکولوں اور کالجوں کی امداد بند کر دی ہے۔ اور بذریعہ گشتی چٹھی تمام امدادی اسکولوں کو یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر کسی اسکول کے طلبا موجودہ شورش میں حصہ لیں گے تو اس اسکول کی امداد بند کر دی جائے گی۔ بدقسمتی سے ہمیں معلوم نہیں کہ سرکاری کالجوں اور اسکولوں کے طلبا نے موجودہ شورش میں حصہ لیا۔ اور امدادی اسکولوں کے کس قدر طلبہ نے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سرکاری کالجوں اور اسکولوں کے طلبا نے بھی موجودہ شورش میں کم و بیش حصہ لیا ہے جبکہ امدادی کالجوں اور اسکولوں کے طلبا کے شورش میں حصہ لینے کی وجہ سے ان کی امداد بند کر دی ہے' بند کرنے کی دھمکی دی گئی ہے۔ تو قدرتی طریقہ سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے جن کالجوں اور اسکولوں کے طلبہ نے شورش میں حصہ لیا یا آئندہ لیں گے اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔ اور اسے کیا سزا دی جائے گی۔ ہمارا خیال یہ ہے۔ کہ اس کی تمام تر ذمہ داری سررشتہ تعلیم کے موجودہ نظام کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس وجہ سے سررشتہ تعلیم کے اعلیٰ احکام جن کے ہاتھ میں سررشتہ تعلیم کا تمام نظم و نسق ہے اس کے ذمہ دار ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ان سے باز پرس نہ کی جائے۔"

مندرجہ بالا بیان سے بھی یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ موجودہ زمانہ کے طلبہ جس فضا اور جس ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں وہ ان کی تعلیمی زندگی کے لئے ناسازگار ہے' اس لئے شدید ضرورت ہے کہ طریقہ تعلیم و تربیت میں ایسی تبدیلیاں کی جائیں جو طلبہ میں صحیح علمی ذوق اور فرض شناسی کا جذبہ پیدا کریں تاکہ وہ ایک پُرسکون دماغ کے ساتھ پوری یکسوئی سے اپنے تعلیمی مشاغل جاری رکھ سکیں'

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر طلبہ کو اپنے روزمرہ کے تعلیمی مشاغل کے ساتھ عمیق تعلق پیدا ہو جائے (جو صرف قابل اساتذہ کی کوشش سے ممکن ہے) تو پھر وہ اپنے گرد و پیش کی سیاسی فضا سے ہرگز متاثر نہ ہوں گے' اور اُن کے خیالات میں وہ انتشار اور دلوں میں وہ اضطراب نہ ہوگا' جس نے آج کل تقریباً ہر طالب علم کو فکر و تشویش میں مبتلا کر رکھا ہے' اور ان میں سے کسی کو بھی اطمینان خاطر میسر نہیں ہے'

عہد گزشتہ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں کہ ہر ملک میں بڑے بڑے ہنگامے ہوتے رہتے تھے یہاں تک کہ انقلاب حکومت بھی واقع ہو جاتا تھا لیکن جن طلبہ یا علماء کے دل میں علم کے لئے سچی تڑپ اور تشنگی تھی وہ بدستور اسی وارفتگی اور والہانہ شوق کے ساتھ علم کے حاصل کرنے میں مصروف رہتے تھے انکے تعلیمی مشاغل کسی حالت میں بند نہیں ہوتے تھے'۔ نہ وہ کسی کو چھیڑتے تھے' اور نہ کوئی شخص اُن کے علمی مشاغل میں خلل انداز ہوتا کیونکہ سب جانتے تھے کہ انھوں نے اپنی زندگیاں علم کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہیں اس لئے اُن کا وجود کسی کے لئے بھی خطرناک نہیں ہو سکتا'

غرض طلبہ و اساتذہ ایک ایسی دنیا میں رہتے تھے جہاں ملکی انقلابات کا اثر بمشکل سے پہنچتا تھا' اور یہ اُن کی سب سے بڑی خوش نصیبی تھی'

امریکہ کے فولادی مکانات

آپ نے یہ تو سُنا ہوگا کہ امریکہ میں چلتے پھرتے مکانات بھی ہوتے ہیں اور ان مکانات کے مکین خانہ بدوشوں کی طرح مگر خانہ بدوشوں سے کہیں زیادہ آرام کے ساتھ مختلف مقامات پر زندگی بسر کرنے کا لطف اٹھاتے رہتے ہیں۔

مگر یہ سُن کر غالباً آپ کو بڑی حیرت ہوگی کہ امریکہ میں آجکل ایسے چلتے پھرتے مکانات بھی بننے لگے ہیں جو چار آدمیوں کی محنت سے صرف اٹھائیس گھنٹے میں تیار ہو جاتے ہیں۔ اور جنھیں بستر کی طرح لپیٹ کر ساتھ لے جایا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کو بآسانی منتقل کیا جاسکتا ہے۔

یہ مکانات کس قسم کے مصالحے سے تیار کئے جاتے ہیں کہ اس قدر جلد تیار ہو جاتے ہیں اور انھیں بآسانی تہہ کرکے ایک مقام سے دوسرے مقام کو بھی لے جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے آپ یقیناً بیتاب ہوں گے۔

مگر جب آپ یہ معلوم کریں گے کہ یہ مکانات کس چیز سے بنائے جاتے ہیں تو یقیناً آپ کی حیرت اور بھی بڑھ جائے گی۔ کیونکہ یہ مکانات فولاد کی ہلکی چادروں سے بنائے جاتے ہیں۔ اور ان ہلکی چادروں سے دو دو کمرے بنا دئے جاتے ہیں۔

یہ معلوم کرکے آپ کو یقیناً بڑی حیرت ہوگی کہ امریکہ کے بستروں کی طرح لپیٹے جاسکنے والے مکانات فولاد کی ہلکی چادروں سے بنتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی یقیناً آپ کے ذہن میں پیدا ہو رہا ہوگا کہ ان ہلکی فولادی چادروں کے مکانات میں بسنے والے سردی گرمی کے موسمی اثرات سے محفوظ رہتے ہیں؟

جو سوال ان مکانات کا حال پڑھ کر آپ کے ذہن میں پیدا ہوا ہے یہ سوال ان جدید مکانات کے اختراع کرنے والوں کے ذہن میں آپ سے پہلے آچکا ہے اور انھوں نے بعض کیمیاوی مصالحوں سے ان مکانوں کی فولادی چادروں کو کچھ ایسا بنا دیا ہے کہ گرمیوں میں یہ چادریں ٹھنڈی رہتی ہیں اور جاڑوں میں گرم ہو جاتی ہیں۔

امریکہ کے ان جدید مکانوں کا حال پڑھتے میں شاید آپ کے تصور میں چھوٹی چھوٹی ٹین کی کوٹھریاں ہونگی اور شاید آپ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ امریکہ کے بعض جدت پسندوں نے فولادی چادروں سے چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں بنا کر ان میں زندگی بسر کرنی شروع کر دی ہے۔ کیونکہ امریکہ کے آجکل جدید لذتیں حاصل کرنے والوں کو تو محض اختراع اور جدت پسندی کی دُھن ہے خواہ وہ معقولیت کے معیار پر پوری بھی نہ اترتی ہو۔

مگر آپ کو معلوم کرنا چاہئے کہ جن جدید مکانات کا ذکر کیا جا رہا ہے ان میں سے ہر مکان چار ہزار تین سو مربع فٹ جگہ گھیرتا ہے۔ اور اس مکان میں ایک پورا خاندان مزے سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔

سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب امریکہ میں پچاس پچاس منزل اونچی عمارات موجود ہیں اور ان عمارات میں اہل امریکہ زیادہ سے زیادہ آرام دہ طریق پر زندگی بسر کر سکتے ہیں تو پھر اہل امریکہ کو اس قسم کے مکانات بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا اس قسم کے مکانات میں وہ پختہ اور عالیشان عمارات کی بہ نسبت زیادہ آرام سے رہ سکتے ہیں؟

اس سوال کا جو جواب ایک امریکن مضمون نگار مسٹر ڈی جی وانسٹن نے دیا ہے اُسے پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ اہل امریکہ کس طرح فوراً ہی جدید حالات کے سانچے میں ڈھل جانا جانتے ہیں۔ یہ جاننا یقیناً بے حد دلچسپ ہے کہ اس امریکن مضمون نگار نے کیا جواب دیا ہے۔

اس نے اس قسم کے مکانات بنانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس وقت تمام امریکہ میں ہوائی جہازوں کے انجن، فیکٹریاں اور اسلحہ جات کے کارخانے اس قدر تیزی کے ساتھ قائم ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ جو لوگ ان فیکٹریوں اور کارخانوں وغیرہ میں کام کرتے ہیں ان کی رہائش کے بندوبست کا سوال شدید شکل اختیار کر گیا ہے۔"

یہ سوال شدید شکل کیوں اختیار کر گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کارخانے وغیرہ بالکل ننگے اور غیر آباد مقامات پر قائم ہو رہے ہیں۔ اور بعض کارکنوں اور مزدوروں کو اپنی جائے اقامت سے کارخانے تک پہنچنے کے لئے روزانہ ستر ستر اور ساٹھ ساٹھ میل کا سفر طے کرنا پڑ رہا ہے۔ ان لوگوں کی دشواری جدید قسم کے فولادی مکانات سے دور کی جا رہی ہے۔

جب آپ ان فولادی چادروں کے مکانات کی اندرونی ساخت کا حال معلوم کریں گے تو آپ کو اور بھی زیادہ حیرت ہوگی۔ کیونکہ ان مکانات میں یہ صفت رکھی گئی ہے کہ یہ مکینوں کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے ساتھ بڑھ سکتے ہیں۔

آپ یہ سُن کر یقیناً تعجب سے سوال کریں گے کہ کیا ان فولادی چادروں کے جدید مکانات میں درختوں کی سی قوت نمو رکھ دی گئی ہے کہ کسی مخصوص برقی عمل سے ان فولادی مکانات کی چادروں کی دیواروں اور چھتوں میں یہ صفت پیدا کر دی گئی ہے کہ اگر دو کمروں کے ایک مکان کو چار کمروں کا مکان بنانا ہے تو اس مخصوص برقی عمل سے وہ کے چار کمرے بنائے جا سکتے ہیں؟

اچھے اس سوال کا جواب بھی آپ امریکن مضمون نگار ہی کی زبان سے سنئے۔

امریکن مضمون نگار نے ان جدید امریکی مکانات کی عجیب و غریب اندرونی ساخت کے بارے میں لکھا ہے کہ

"جدید قسم کا فولادی چادروں کا مکان مکینوں کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے ساتھ بڑھ سکتا ہے۔ فرض کیجئے آپ کا فولادی مکان ایک کمرہ کا ایک مکان ہے اب آپ کی شادی ہوتی ہے اور آپ کو یہ ضرورت پڑتی ہے کہ دو کمرے ہوں آپ کو صرف اتنا کرنا ہوگا کہ آپ اتنے ہی بڑے کمرہ کا آرڈر دیدیجئے جو زیادہ سے زیادہ ایک دن میں تیار ہو جائے گا اور جب وہ آپ کے ایک کمرہ کے مکان کی دیوار سے ملا دیا جائے گا تو آپ ملحقہ دیواریں دروازہ تیار ہو جائیں گے یوں آپ کا مکان دو کمروں کا مکان بن جائیگا۔"

آپ یہ معلوم کرکے یقیناً تعجب کریں گے کہ گو کہنے کو یہ ایک کمرہ ہوگا مگر اس کے بنوانے پر چھ سو چالیس روپیہ خرچ کرنے پڑیں گے۔

غرض امریکہ میں جنگی حالات کے اثر سے جن تبدیلیوں کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ یہ تبدیلیاں کرنے کے عمل میں بھی امریکنوں نے اپنی قومی عادت کے مطابق عجیب و غریب جدتوں سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ ابھی اہل امریکہ اپنی جدت پسندی سے اور کیسے کیسے عجیب و غریب کام لیتے ہیں۔

ایڈیٹر۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج کل جس طرح مکانات جلد تعمیر ہوتے ہیں اسی طرح ہوائی حملوں سے بہت جلد برباد بھی ہو جاتے ہیں۔

دکن کی تمدنی تاریخ

حیدرآباد کے نوادر خانہ میں بیش بہا اور نایاب چیزوں کا مجموعہ

حیدرآباد کا سرکاری نوادر خانہ بلدہ حیدرآباد کے باغ عامہ میں ۱۳۴۰ف (۱۹۳۰ء) میں قائم کیا گیا اور ذوات شاہانہ نے بنفس نفیس اس کا افتتاح فرمایا تھا۔ نوادر خانہ محض ایک نمائش گاہ نہیں ہے جیسا کہ عموماً اس قسم کے اداروں کو سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ ایک ایسا نادر ذخیرہ ہے جس کی مدد سے ان مختلف تمدنوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ جو قدیم ترین زمانوں سے ممالک محروسہ سرکار عالی میں نشو نما پاتے رہے۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت گزشتہ بارہ سال سے اس نوادر خانہ کو ترقی دی جا رہی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اب یہاں ہزارہا کی تعداد میں نادر اور بیش بہا چیزیں موجود ہیں۔ ان اشیاء کا تعلق قبل از تاریخ زمانہ سے لیکر عہد جدید تک تاریخ دکن کے ہر دور سے ہے۔ اور ان میں تازہ ترین اضافہ اندھرا دور کے چار ہزار سکوں کا ہے۔ جو کہ نذدپور میں دریافت ہوئے ہیں۔ کونڈاپور کے قریب ایک قدیم اندھرا شہر آباد تھا۔ اور نوادر خانہ کے نگران نواب محمد احمد صاحب ایک سال سے اس مقام پر کھدائی کروا رہے تھے۔ امید ہے کہ ان سکوں کی دریافت سے تاریخ دکن کے اس اہم دور کے مزید حالات معلوم ہو سکیں گے۔

قبل از تاریخ دور کا شعبہ

فی الحال نوادر خانہ بائیس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور یہ تقسیم قبل از تاریخ بدھی چینی، ہندو اور اسلامی پانچ اہم شعبوں کے تحت کی گئی ہے۔ قدامت کے اعتبار سے ان میں زیادہ دلچسپ وہ شعبہ ہے جس کا تعلق قبل از تاریخ دور سے ہے۔ اس شعبہ میں پتھر کے وہ آلات موجود ہیں جو دکن کی ایسی قدیم قومیں استعمال کرتی تھیں۔ جن کے متعلق بہت ہی کم معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس شعبہ میں وہ اشیاء بھی موجود ہیں جو قدیم مقبروں سے برآمد ہوئی ہیں اور خیال ہے کہ ان کا تعلق قبل از تاریخ دور سے ہے۔ یہ آثار لوہے کے برتنوں اور انسانی ہڈیوں پر مشتمل ہیں۔

بدھی اور چینی شعبہ

بدھی شعبہ میں ان سلاخوں کے ٹکڑے رکھے گئے ہیں۔ جو دکن میں بدھی یادگاروں کے اطراف حفاظت کے لئے لگائی گئی تھیں۔ اور پتھر اور دھاتو سے بنائے ہوئے گوتم بدھ کے کئی مجسمے بھی ہیں۔

چینی شعبہ میں چینی دور کی یادگاروں کو محفوظ کرنے کی خاص کوشش اور توجہ کی جا رہی ہے اور اس دور کی سنگ تراشی کی نمائش کے لئے الگ ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

ہندو دور

ہندو دور کی سنگ تراشی کے بہت اچھے نمونے بھی اس نوادر خانہ میں موجود ہیں اور یہ مجموعہ جنوبی ہند کے بہترین مجموعوں میں سے ہے۔ اس میں پاربتی اور مہادیو کے مجسمے اس اعتبار سے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں کہ یہ جنوبی ہند کے فن سنگ تراشی کے مایہ ناز نمونے ہیں۔ یہ نمونے دس سال قبل حیدرآباد کے قریب آصف نگر میں دریافت ہوئے تھے۔ اس شعبہ کے لئے نوادر خانہ کے احاطہ میں کاکتیا طرز کا ایک منڈپ بھی تعمیر کر دیا گیا ہے۔ منڈپ کے کھمبے اور چھت کے تکونے ٹکڑے ایک حالیہ کھدائی کے دوران میں ورنگل میں برآمد ہوئے تھے۔ اس منڈپ کی تعمیر میں کافی مصارف ہوئے۔ اور اس کو بنانے ہوئے کاکتیا طرز تعمیر کی معمولی سی معمولی خصوصیات کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ اس شعبہ میں پیتل کی بھی کچھ اچھی چیزیں ہیں جن میں سے لکشمی کی ایک چھوٹی سی مورت بہت جاذب توجہ ہے۔ کیونکہ اس کی ساخت میں کچھ مصری اثر پایا جاتا ہے۔

اسلامی دور

اسلامی دور سے تعلق رکھنے والی جو اشیاء ہیں ان میں قرآن پاک کے قلمی نسخوں کا ایک بہترین مجموعہ بھی شامل ہے۔ یہ قلمی نسخے محکمۂ ہذا نے بارہ سال کے عرصہ میں فراہم کئے ہیں۔ جو تاریخی، فنی اور خطاطی اعتبار سے بہت زیادہ اہم ہیں۔ ان قلمی نسخوں میں تاریخی اہمیت کے حامل دو نسخے ہیں جو شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے کتب خانہ میں تھے۔ جو مغل شاہنشاہ حضرت شاہجہاں کے دستخطی ہیں۔ ایک اور نسخہ پر اورنگ زیب کے دستخط ثبت ہیں۔ جن نسخوں پر تاریخ درج ہے ان میں سب سے قدیم ۵۵۵ھ کا ہے۔ لیکن فن خطاطی کے اعتبار سے کئی نسخے اس سے بہت زیادہ قدیم ہیں۔ اور ایک نسخہ جو خط کوفی میں لکھا گیا ہے۔ دسویں یا گیارھویں صدی عیسوی کا خیال کیا جاتا ہے۔

منقش قلمی نسخے

منقش قلمی نسخوں سے نہایت شستہ اور اعلیٰ فنی مذاق کا اظہار ہوتا ہے۔ ان نسخوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیمثال خطاطی قیمتی رنگوں کا استعمال اور مزین صفحات۔ کے نازک اور دلکش نقش و نگار پر نہایت فیاضی سے روپیہ خرچ ہوا ہے۔

(ادارہ)

مطالعہ سے استفادہ کے اصول

مطالعہ کا بڑا ذریعہ کتب بینی ہے قابلیت کے ساتھ کتب بینی کرنے سے آپ کا مطالعہ بڑے سکون کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہونچے گا۔ اگر آپ اپنے کو ایک لائق کتب بیں بھی تصور کرتے ہیں تب بھی آپ کے لئے ترقی کی گنجائش ہے جس سے ذیل اصولوں کی پابندی مطالعہ کے فوائد کو بہت بڑھا دیتی ہے

کتب بینی کا طریقہ زیر مطالعہ کتاب کے مضمون سے ہم آہنگ ہونا چاہیئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک صفحہ پڑھنے کے بعد یکایک محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ آپ نے پڑھا ہے، اس کا خفیف سا خیال بھی دماغ میں باقی نہیں رہ گیا یا مقرر کی تقریر جاری ہے اور آپ کا دماغ اس سے کوسوں دور ہے۔ یہ دونوں باتیں یکساں ہیں اگر آپ نے اس شخص کی باتیں سنی ہیں جو آپ سے گفتگو کر رہا تھا لیکن اس کے مطلب کو آپ نے نہ سمجھا تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے اس کا پیام سنا۔ ایک صفحہ پڑھنے کے بعد اگر آپ کے دماغ میں مقرر کے پیام کا تصور نہیں ہے تو پڑھنے کا عمل تو آپ نے ضرور پورا کیا لیکن اس کا عمل جو اصلی مقصد ہے وہ پورا نہ ہوا مصنف دوسروں میں ایک اثر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے مطالعہ کرنے والے کا پہلا فرض یہ ہے کہ پہلے وہ اس کا اندازہ کرے کہ مصنف کیسا اثر پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

مختلف موضوعوں پر مختلف کتابوں کا مطالعہ مختلف خیالات و جذبات کے ماتحت ہونا چاہیئے اور ان کے پڑھنے کا طریقہ بھی مختلف ہونا چاہیئے مصنف جو کچھ کتنا یا محسوس کرانا چاہتا ہے اس کو

... کرنا چاہئے اور مصنف کی ذہنی ... سے رہنمائی کرنی چاہئے۔

مطالعہ کرتے وقت مصنف کی زبان اور طرز ادا سے مانوس ہونا ضروری ہے، ہر نئے موضوع کے **مصطلحات** سے واقف ہونا اس پر قابو حاصل کرنے کی ضمانت ہے۔ بہت سی کتابوں میں موضوع زیر بحث کی سرخیاں قائم کر دی جاتی ہیں جس سے بہت مفید رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اگر سرخیاں نہ ہوں تو تفصیلی مطالعہ سے پہلے کتاب پر ایک سرسری نظر ڈال لینا چاہئے اس سلسلہ میں جا بجا سے تھوڑا بہت پڑھ بھی لینا چاہئے اس سے گہرے مطالعہ میں بڑی آسانی پیدا ہو جائے گی اور مضمون واضح ہو جائے گا کتب بینی کا مقصد موضوع زیر بحث سے واقفیت حاصل کرنا ہے۔ صرف ورق گردانی نہیں۔

کتاب کے ہر حصہ کے خاص نکتوں کو بہت اچھی طرح سمجھنا چاہئے بلکہ ان کو اپنے الفاظ میں لکھ لینا چاہئے، بعض لوگ اس قسم کے خاص جملوں پر خط کھینچ دیتے ہیں لیکن نکتہ کو پوری طرح سے سمجھنے کا معیار یہ ہے کہ اس کو اپنے الفاظ میں ادا کیا جا سکے ممکن ہے اصل مصنف کی طرح آپ خوبی کے ساتھ اس کے خیال کو اپنے الفاظ میں ادا نہ کر سکیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اصل مفہوم پورے طور سے ادا ہو جائے طرز ادا کیسا ہی ہو، اگر اس پر آپ کو قدرت نہیں ہے۔ اور آپ مصنف ہی کے طرز بیان کے محتاج ہیں، تو پھر آپ نے کافی غور و خوض سے مطالعہ نہیں کیا ہے۔

مصنف کی ان تمام دلیلوں پر پورا غور کرنا چاہئے جن پر اس کے خیالات کا مدار ہے، اور یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ صرف ایک بات بیان کر کے اس کا متوقع ہے کہ آپ اس کے بیان کو تسلیم کریں یا اس کی سندیں پیش کر کے اپنا بیان باور کرانا چاہتا ہے، یا وہ دوسرے ماہرین فن کا حوالہ دے کر ان کی سندوں پر آپ کے اعتماد کا امیدوار ہے، یا حقیقتیں پیش کر کے اپنے خیالات کی صداقت منوانا چاہتا ہے یا وہ ضمناً حقیقتیں بھی پیش کرتا ہے اور کیا وہ آپ کے اندر ایسی کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ آپ وہ سب کچھ یقین کر لینا چاہتے ہیں جو وہ کہتا ہے یا اس کا طرز ادا آپ کو اس کی مخالفت پر آمادہ کر دیتا ہے اور کیا وہ وضاحت کے لئے تمثیلوں سے کام لیتا ہے، جس سے موضوع تو واضح ہو جاتا ہے لیکن حقیقت کی تائید نہیں ہوتی، مطالعہ کے وقت تمام اور اس قبیل کی دوسری باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے مطالعہ کرنے والا جس قدر مصنف کی خطیبانہ تدبیروں سے واقف ہوتا ہے، اسی قدر مطالعہ میں گہرائی پیدا ہوتی ہے اس کی شہادتوں پر غور نہ کرنے سے صرف تمثیل یاد رہ جاتی ہے اور حقیقت فراموش ہو جاتی ہے۔ اس لئے جو کچھ پڑھا جائے اس کا صحیح اور مرتب خاکہ تیار کرتے رہنا چاہئے۔ البتہ شاعری و افسانہ اور پُراسرار قصوں وغیرہ کے مطالعہ میں چنداں اس کی ضرورت نہیں لیکن ان سب کا مطالعہ بھی کسی مقصد ہی کے تحت میں کیا جاتا ہے اس لئے اس کی مختصر یادداشت تیار کر لینا مفید ہے۔ (معارف)

ہنری فورڈ کی پیشین گوئی

مجھے کامل یقین ہے کہ اس جنگ کے بعد ایک "عالمی وفاق" قائم ہو گا جس میں قومیت کی تمام حد بندیاں زمین کے برابر کر دی جائیں گی اور دنیا کی جملہ قومیں عام امن و اماں کی فضا میں خوشحالی سے زندگی گزاریں گی۔ ... برطرف ہو جائے گی اور ایک عالمی سکہ کی ترویج نیز عالمی کفایت شعاری و عالمی بازار کا وجود ہو گا اگر ایسا وفاق قائم نہ ہو تو اس جنگ کو اور ایک جنگ کی جو اس سے بھی زیادہ ہولناک ہو گی محض پیروی مشق سمجھنا چاہئے۔

ریاستہائے "متحدہ" وفاق کی عملی مثال پیش کرتی ہیں۔ ہم نے وفاق اس لئے قائم کیا کہ اپنے آپ کو بربادی سے بچانے کا یہی واحد طریقہ تھا یورپ بھی محسوس کر رہا ہے کہ اب وہ بغیر وفاق کے ... نہیں رہ سکتا۔ اگر اس کی حمایت میں ریاست ہائے متحدہ اپنے اثر کو کام میں لائے تو وہاں بھی اسی قسم کا باہمی سمجھوتہ ممکن ہے کسی ملک کو شرکت پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہت جلد ہر ملک جان لے گا کہ خود اپنی خوشی سے وفاق میں شریک ہونے میں کیا نفع ہے اس وقت نہ تو فوجوں کی ضرورت ہو گی اور نہ لڑائیاں ہوا کریں گی۔ کیونکہ تمام قومیں ایک ہی وفاق کے تحت ایک دوسرے کی ہمسایہ بن جائیں گی۔

معلوم ہوتا ہے ——— اگرچہ مجھے یہ کہتے سے نفرت ہے ——— کہ وہ سبق سکھانے کے لئے جو ہم کسی اور طریقہ سے سیکھتے ہوئے نظر نہیں آتے جنگ کا ہونا ضروری ہے۔ موجودہ جنگ لالچ، اقتدار کی مجنونانہ ہوس اور مالی نفع کی خاطر لڑی جا رہی ہے اور جب تک ان لوگوں کی عقل ٹھکانے نہ آئے جو اس لڑائی کے ذمہ دار ہیں یہ جنگ کوئی معاملہ نہیں چکا سکتی۔ لیکن اگر موجودہ جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام عالم کا وفاق قائم ہو جائے اور سیاسی ... نیست و نابود ہو جائیں تو ایسے ... کا یقین ہو سکتا ہے جو تمام نسلوں اور عقیدوں کے لئے سلامتی اور امن و امان کا دور ہو گا۔

جنگ کے انسداد کے لئے زبردست ... انہماک کے ساتھ ترقی دی جائے گی پیداوار افزوں ہو گی اور ... دنیا ... سب کام میں مصروف رہیں گے اور تبادلے کے لئے دوستانہ طور پر ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔ ... دنیا میں نہ تو جنگ کے لئے ... رہے گا اور نہ استعمال کی وجہ پیدا ہو گی۔ ساری دنیا کے لئے سامان کی تیاری نیز انسانی ضروریات اور جائز خواہشات کی تکمیل کے لئے جدید سامان کی تیاری بھی ... ہو رہا ہے۔

شاید اس جنگ کے بعد لوگ سوچ بچار کر سکیں گے اگر آپ لوگوں کو سوچنے پر مائل کریں تو کسی غلطیوں کا ارتکاب کرنے کے بعد آخر کار وہ صحیح طور پر سوچنے لگیں گے۔ یہی تعلیم ہے اور تعلیم ہی کے ذریعہ ہم خوشی اور آسودگی حاصل کر سکتے ہیں۔

مجھے اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں کہ موجودہ جنگی صنعتیں اور عورتوں کی بڑھتی ہوئی امداد ... جنگ ختم ہونے پر عام گھریلو زندگی کے تصورات کی کایا پلٹ دیں ... اس کے برخلاف جنگ کے بعد عورتیں گھروں میں اپنی جگہ سنبھال لیں گی۔ ... جنگ بڑے پیمانہ پر انسانی ضروریات پیدا (فراہم) کرنی جا رہی ہے اور ساتھ ہی کئی میکانکی ... اگرچہ ... اس وقت بہت سا کام مل جائے گا جبکہ امن قائم ہو جائے اور سب لوگ مل کر عالمی وفاق تعمیر کریں۔

حبش کا دور جدید

لندن "ٹائمز" لکھتا ہے کہ حبش کی جنگ کے سرکاری بیان میں جنرل پلاٹ اور جنرل کنگھم کی رہنمائی

حبشیوں نے ایک سلطنت کو تباہ اور دوسری کو بحال کردیا تعریف کی گئی ہے۔ تین براعظموں کے بہادر سپاہیوں کی کوششیں اور قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں۔ اس مختصر فوج کے سوا جو برطانیہ اور حبش کے سمجھوتہ اور فوجی معاہدہ کی دفعات کی رو سے جبوتی ریلوے کی حفاظت کرنے کے لئے رکھی گئی ہے باقی تمام شاہی اور اتحادی فوجوں نے حبش کو خالی کردیا ہے ان فوجوں کی علیحدگی سے ہمارے بہت سے حبشیوں کو ہماری نیک نیتی کا ثبوت مل گیا ہے کیونکہ تجربات کی بناء پر انھیں اہل یورپ کے ارادوں کے متعلق شبہ تھا اور اس طرح ان کے دلوں سے یہ ڈر دور ہوگیا ہے کہ کہیں برطانیہ زیادہ عرصہ تک حبش پر فوجی قبضہ نہ رکھے جس کی وجہ سے مشکلات اور الجھن پیدا ہوجائیں۔

یہ خبر بھی اطمینان بخش ہے کہ حبش کے بڑے بڑے جاگیرداروں نے امن و امان قائم رکھنے ملکی حکومت کے وقار کو بحال کرنے اور اپنے ملک کی اقتصادی زندگی کی از سر نو تنظیم کرنے میں شہنشاہ ہیل سلاسی کا وفاداری سے ساتھ دیا ہے۔

اگرچہ اطالوی اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ تاہم انھوں نے ملک کو عملاً کچھ فوائد بھی پہنچائے۔ انھوں نے وہاں بعض اچھی بڑی سڑکیں بنوائیں ٹیلیگراف لائین قائم کیں اور لاسلکی اسٹیشن بنوائے۔ انھوں نے صنعتیں جاری کیں جن میں سے بعض مقامی ضروریات نیز فاتحین کے مفاد میں کام آئیں۔

مگر حبش نسبتاً گراں معیار زندگی کا بار نہیں برداشت کرسکتا جو اطالوی حملہ آوروں نے قائم کیا تھا۔ شہنشاہ کو اس معاملہ میں بہت مشکل پیش آرہی ہیں کہ ناگزیر کفایت شعاری اور شدید تخفیف میں کیسے امتیاز پیدا کریں انھوں نے اپنے شہری عہدہ داروں کی تنظیم کے سلسلہ میں کفایت شعاری اور احتیاط کو کام میں لاکر قابل تعریف مثال قائم کردی ہے۔ نیز آزادی حاصل کرنے کے ایک سال بعد خزانہ میں جو مالگزاری وصول ہوئی ہے وہ توقعات کے عین مطابق رہی۔

حبش کا ایک مغربی حکومت کے پنجہ سے اس قدر جلد آزاد ہوجانا موجودہ زمانہ کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے'

مسٹر جناح کی خدمت میں میمورنڈم

بمبئی کی ایک اطلاع مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۲ء مظہر ہے کہ بہت سے مقامی مسلمان لیڈروں اور دوسرے مشہور مسلمانوں نے مسٹر جناح کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کیا ہے جس میں ان سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ موجودہ خطرناک جمود کو حل کرنے کے لئے اپنا پورا اثر استعمال کریں اور لیگ اور کانگریس میں فوری اتحاد کرائیں نیز ہندوستان کو غیر ملکی حملہ سے بچانے کے لئے ایک عارضی قومی حکومت بنائیں'

میمورنڈم میں لکھا ہے کہ سب پر عیاں ہے کہ موجودہ نازک حالت بغیر نمائندہ عارضی قومی حکومت کے قیام کے (جس کے ساتھ عوام کی حمایت ہو اور جو حقیقی طاقت سے مسلح ہو) دور نہیں ہوسکتی اور اس کے لئے پہلی چیز جو ضروری ہے وہ "ہندو مسلم اتحاد" ہے اس نازک لمحہ میں بھی وہ خلیج جو دونوں جماعتوں کے درمیان حائل ہے اسی طرح قائم ہے۔

میمورنڈم میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہم ان لوگوں سے متفق نہیں ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اتحاد حاصل نہیں ہوسکتا' اتحاد کے امکان سے انکار کے معنیٰ یہ ہیں کہ آزادی کے امکان سے انکار کیا جارہا ہے جو وقت اب درپیش ہے اس کو کم کئے بغیر میمورنڈم میں یہ بتایا گیا ہے کہ نہایت اہم سوالات جن پر سب کا اتفاق ہے اس سمجھوتہ کو بنیاد قرار دے کر اعتماد اور حب وطن کے جذبہ کو قائم و برقرار رکھتے ہوئے حل کئے جاسکتے ہیں اور اتحاد حاصل ہوسکتا ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اول درجہ کی اہمیت رکھنے والے تمام کانگریسی لیڈر جیل میں ہیں اس لئے ہمیں امید ہے کہ اس نازک صورت حالات میں قائد اعظم ہی موجودہ نزاکت کو سلجھانے میں زیادہ حصہ لے سکتے ہیں' ہم ان سے اس بات میں پوری طرح متفق ہیں کہ دس کروڑ مسلمانوں کے سیاسی' اقتصادی اور تمدنی و مذہبی حقوق کی حفاظت کے لئے انہیں حق خود اختیاری ملنا چاہئے ہمیں قائد اعظم کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد ہے اور ہمیں یقین ہے کہ خطرہ کے اس عظیم وقت میں وہ موقع پر پورے اتریں گے اور تمام ملک اور دنیا کی تحسین حاصل کریں گے۔

کانگریس اور لیگ میں اتحاد کی ضرورت پر زور دینے کے بعد میمورنڈم نے حکومت بمبئی سے اپیل کی ہے کہ وہ گاندھی جی اور ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو رہا کردے تاکہ وہ فوراً گفت و شنید کا آغاز کرسکیں اور اس کے ساتھ ہی موجودہ تشدد آمیز ہنگاموں کی بھی پرزور مذمت کی گئی ہے'

روسی معاشرت کا ایک پہلو

مسٹر فیروز گاندھی نے اپنے ایک طویل مضمون میں روسی عورتوں کے حالات اور مشاغل زندگی بیان کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ روسی عورتیں تقریباً ہر قسم کا کام انجام دیتی ہیں چنانچہ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۲ء کے درمیان مختلف شعبوں میں ان کی تعداد ۳۰ لاکھ سے بڑھ کر ۹۰ لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور اندازہ یہ ہے کہ ۱۹۴۲ء تک یہاں کام کرنے والی عورتوں کی تعداد دو کروڑ تک ہوجائے گی ——"

۱۹۴۲ء میں روس کی تقریباً ۴۰ فی صدی عورتیں تجارت' سمارتی ٹھیکوں' ۱۵ فی صدی دکانوں' گوداموں' جہازوں اور ہوٹلوں' ۲۰ فی صدی' ڈاکٹروں اور استانیوں اور صرف ۲ فی صدی گھر کے کام کاج میں معروف نظر آئیں گی' باقی ۲۳ فی صدی دوسرے مختلف شعبوں سائنس وغیرہ میں مشغول ملیں گی ——"

یہاں بڑی تعداد میں پرورش گاہ بچگان اور دبستان اطفال (بچوں کے مدارس جہاں ان کو کھلونوں وغیرہ کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی ہے) موجود ہیں' جہاں عورتیں اپنے بچوں کو چھوڑ دیتی اور خود کام کاج میں مشغول رہتی ہیں۔ پانچ سال پہلے ان مدرسوں میں ۲۰ لاکھ بچوں کی نگہداشت اور تعلیم کا انتظام کیا گیا' اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۹۴۲ء تک اس قسم کے مدرسوں کی تعداد دوگنی ہوگئی ہوگی اور تقریباً ۵۰ لاکھ بچے ان مدرسوں میں رکھے جائیں گے ——"

روس کے چپہ چپہ پر ہوٹل موجود ہیں' اس کے علاوہ بہت سے متحرک ہوٹل بھی ہیں جہاں ہر وقت کھانا تیار رہتا ہے جس کی وجہ سے وہاں کی عورتوں کو اپنا وقت چولہے کے پاس گذارنے

[illegible] کے بڑے [illegible] کے لئے پچاس [illegible] ہو گئے۔ اس سال اُن ہوٹلوں [illegible] ایک لاکھ ۵۰ ہزار روبل (ایک روبل تقریباً ڈیڑھ روپیہ کے برابر) ہوئی تھی،

یہاں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی دن میں سات گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے بعض کارخانوں میں مرد و عورتیں چھ گھنٹے کام کرتے ہیں لیکن مقررہ وقت کی مقررہ تنخواہ ہر شخص کو بغیر امتیاز مرد و عورت یکساں دی جاتی ہے۔

یہاں کام کی دیکھ بھال کے لئے ایک کمیٹی ہوتی ہے اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ کام کرنے والی عورتوں کی صحت دیکھتی ہے اگر کچھ عورتیں ایسی ہوں جنکی تندرستی کام کے قابل نہیں تو کمیٹی انہیں اجازت نہیں دیتی۔ عورتیں صرف اسی قدر کام کر سکتی ہیں جتنا اُن کے بس میں ہو۔ ایسے کارخانوں میں عورتوں کو کام کرنے کی اجازت نہیں جہاں اُن کی تندرستی خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اور ایسی عورتوں کو جن کے بچے چھ مہینے کی عمر سے کم کے ہوتے ہیں، رات میں کام کرنے کی اجازت نہیں ــــ"

تعلیمی امداد کا معاملہ

حکومت صوبہ متحدہ نے ان کالجوں کے لئے جن کی گرانٹ میں تخفیف ہونا چاہئے یہ طے کیا ہے کہ ۴۴-۱۹۴۳ء کے لئے اس امداد میں تخفیف نہ کی جائے، کالجوں کی امداد کے مسئلہ پر گورنمنٹ کے احکام مورخہ ۲ مئی ۱۹۴۳ء کے ماتحت نظر ثانی کی گئی اور یہ دیکھا گیا کہ کالجوں کو جو امداد ملتی ہے اس میں ان کالجوں کے طلبہ کی تعداد کی مناسبت سے کمی و بیشی ہونا چاہئے چنانچہ اس معیار کے مطابق جن کالجوں کی امداد میں اضافہ کیا گیا ہے ان میں شائع شدہ رقم تک اضافہ ہوا ہے۔ لیکن اس معیار کے مطابق ان کالجوں کی امداد میں تخفیف کے مسئلہ کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے، تاکہ حکومت [illegible] دوران میں مزید غور و تحقیقات کر سکے اور اس [illegible] حکومت نے ایک کمیٹی بھی مقرر کر نا طے کر دیا ہے اور ان امور سے کالجوں کو بھی مطلع کر دیا گیا ہے"

صوبہ سرحد میں جرائم کی رفتار

محکمہ اطلاعات صوبہ سرحد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ جولائی ۱۹۴۳ء میں پورے صوبہ میں قتل کی ۵۴ وارداتیں ہوئیں۔ مگر ۱۹۴۲ء کے اس مہینہ میں قتل کی وارداتوں کی تعداد ۵۳ تھی، گویا ایک کا اضافہ ہوا۔

اسی مہینہ میں ڈکیتی کی ۹۔ اور نقب زنی کی ۱۵۴ وارداتیں ہوئیں۔ گزشتہ سال اسی مہینہ میں ان وارداتوں کی تعداد علی الترتیب ۴ اور ۱۵۹ تھی۔ آغاز ۱۹۴۳ء سے ماہ جولائی کے اختتام تک قتل کی مجموعی تعداد ۴۲۸ ڈکیتی کی ۵۴ اور نقب زنی کی ۸۵۷ تھی، گزشتہ سال اسی عرصہ میں یہ تعداد علی الترتیب ۳۴۸۔ ۵۵۔ ۸۹۲ تھی۔

کمیونسٹ پارٹی کی ایک یادداشت

معلوم ہوا ہے کہ احمد آباد میں شہر کی مقامی کمیونسٹ پارٹی نے ایک میمورنڈم تیار کیا ہے جس پر یہ پارٹی احمد آباد کے باشندوں کے دستخط حاصل کر رہی ہے، اب تک اس پر پانچ ہزار باشندگان شہر کے دستخط لئے جا چکے ہیں،

احمد آباد کی مقامی کمیونسٹ پارٹی یہ میمورنڈم مسٹر راجگوپال آچاریہ اور مسٹر جناح کو بھیجے گی، اس کا مضمون یہ ہے کہ ایک ایسی قومی حکومت بنائی جائے جس میں پنڈت جواہر لال نہرو اور مسٹر جناح ہوں اور اس قسم کی حکومت کے قیام کی کوششوں کی ابتدا کانگریس اور لیگ کے درمیان سمجھوتہ کرانے کے اقدام سے کی جائے"

علی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر حادثہ

گزشتہ ہفتہ میں علی گڑھ کے ریلوے اسٹیشن پر بم پھٹنے کا جو خوفناک حادثہ پیش آیا اسکے متعلق ابھی تک صحیح و مفصل معلومات حاصل نہیں ہیں، مقامی ہمعصر علی گڑھ اخبار کا بیان ہے "آج صبح اسٹیشن پر ایک زبردست بم پھٹا جس سے ایک کنسٹبل جگناتھ نامی موقع پر مر گیا اور دوسرا کنسٹبل ہوتی سنگھ بری طرح سے زخمی ہوا، دو تین قلیوں کے بھی چوٹ آئی اور اُن میں سے ایک کی حالت بہت خراب بتائی جاتی ہے"

پولیس سرگرمی سے تحقیقات میں مصروف ہے۔

(باہتمام (وفا صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

مینیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے علیگ

جلد (۱۳) ۸ - اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۲۶ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ نمبر (۳۸)

چونکہ یکم اکتوبر سے مسلم یونیورسٹی اور اس کے متعلقہ اداروں میں تعطیل خزاں شروع ہوگئی ہے جو ۱۶ - اکتوبر تک جاری رہے گی، اس لئے بہت سے طلبہ و اساتذہ اس تعطیل میں اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں اور اب عید کے بعد واپس آئیں گے۔

مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد میں ایک قرآن مجید تراویح میں ختم ہونے کے بعد ۱۷ - رمضان سے دوسرا قرآن مجید شروع ہوا، روزانہ تین پارے سنائے جاتے ہیں لیکن تعطیل کی وجہ سے اب سامعین کی تعداد تھوڑی ہوئی ہے۔

ہمیں یہ خبر سن کر مسرت ہوئی کہ "انجمن حمایت اسلام لاہور" کا سالانہ اجلاس جو پچھلے دنوں ملتوی ہوگیا تھا اب حالات سازگار ہو جانے پر ۲۷ تا ۲۹ نومبر سنہ ۱۹۴۲ء اسلامیہ کالج لاہور کے میدان میں منعقد ہوگا۔

یہ امر مزید باعث مسرت ہے کہ ہز ہائنس نواب حاجی سر محمد حمید اللہ خاں بہادر فرمانروائے بھوپال نے از راہ معارف پروری اس اجلاس میں تشریف لانا منظور فرما لیا ہے ہمیں امید ہے کہ ہز ہائنس کی یہ شرکت انجمن کے لئے فلاح و بہبودی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

"انجمن حمایت اسلام" صوبہ پنجاب میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے جو خدمت انجام دے رہی ہے وہ لائق تحسین و ستائش اور ہمہ حوصلہ افزائی کی مستحق ہے۔

اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہ نے از راہ علم پروری انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں کے لئے تین ہزار روپیہ سالانہ کا جو گرانقدر عطیہ مقرر فرمایا ہے اس پر صوبہ متوسط کے مسلمان جابجا جلسے منعقد کرکے اظہار شکر گزاری کر رہے ہیں۔

چنگکنگ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ جمعیۃ مسلمانان چین نے مسلم لیگ کو ایک برقی پیغام بھیجا ہے جس میں ہندوستان کی مختلف قوموں کے اندرونی اتحاد پر زور دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مذہبی آزادی صرف اس وقت میسر آسکتی ہے جب رنگ و نسل کی قید سے آزادی حاصل کرلی جائے

حیدر آباد کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کمشور روانہ ہو رہے ہیں تاکہ آندھرا یونیورسٹی کے شعبۂ سائنس کی تعلیمی کمیٹی کو مشورہ دیں، آندھرا یونیورسٹی اپنے شعبۂ سائنس کی جدید تنظیم کر رہی ہے اور اسی معاملہ میں مشورہ کے لئے ڈاکٹر رضی الدین کو مدعو کیا ہے۔

کاغذ کی قلت کی وجہ سے محکمۂ تجارت کے مشورہ پر حکومت ہند نے ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں کو یہ لکھا ہے کہ جب تک کاغذ کی قلت کا سلسلہ جاری ہے درسی کتابوں میں کسی قسم کی تبدیلی یا ان کی دوبارہ طباعت کم سے کم کی جائے، خواہ امتحان کی ضرورتوں میں کچھ ترمیم ہی کرنا پڑے۔

اطلاع - بوجہ تعطیل عید الفطر دفتر کانفرنس کئی دن بند رہ کر ۱۵ - اکتوبر کو کھلے گا اسلئے ۱۶ تاریخ کا اخبار ۲۴ تاریخ کے ساتھ شائع ہوگا۔

سزبھادا، سکندہ، بھیمہ، ہری سیتی، دلوا اور گنندرا کے زمانہ کے ہیں۔ ان کے علاوہ محمد اول، مظفر دوئم آف گجرات (۸۶۳-۹۳۲ اے ایچ) کے زمانہ کے ہیں اور بہت سے دور جدید یا دوسری ریاستوں کے تھے جن کا گوالیار کی تاریخ سے کوئی تعلق نہیں۔

حفاظت:- ان یادگاروں کی حفاظت مناسب طریقہ سے کی جاتی ہے۔ لکن مڈھ (شہانہ) کا مشہور مندر، جبس نگر (بھیلسہ) کا مشہور پتھر کا ستون، بادشاہ بسو دھرم کے زمانہ کا بہت بڑا پتھر کا ستون، لشکر میں محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ، گوالیار میں گوجری محل، بیدا یا گیری کا غار، رہدوں کے زمانہ کا اشوپا، گیارسپور میں ومابو کا مندر، اور باغ نمبر ۲ کا غار، ان تمام مقامات کی مرمت کرائی گئی اور ان کی حفاظت کے انتظامات کئے گئے۔

نشر و اشاعت:- ریاست میں آثار قدیمہ کے دو میوزیم ہیں جن میں سے ایک گوالیار کے قلعہ گوجری محل میں ہے اور دوسرا اجین میں ہے جو مہاکال میوزیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس میں مختلف اشیا کی نمائش کی گئی ہے۔

بیرونی مقامات میں بھی ان نوادرات کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے۔

اس محکمہ کی تمام کارگزاری آل انڈیا ہسٹری کانگریس کلکتہ کو بھیجی گئی تھی اسی طرح کچھ تصاویر ہنولولو کی یونیورسٹی کو روانہ کی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ معلومات کے ذخیرے چھوٹی بڑی تصاویر مختلف طلبا کو دی گئی تھیں جن میں علم نوع انسان اور ہندوستان کے علم حیوانات کے مضامین بھی شامل تھے۔

فوٹو کارڈ اور بڑی تصاویر فہرست وغیرہ ریکارڈ کے لئے نیز فروخت کرنے اور اسی طرح کے دوسرے اداروں سے تبادلہ کرنے کے لئے تیار کی جا رہی ہیں۔

تحقیقات:- ریسرچ کے کاموں کے لئے بہترین انتظامات کی ضرورت ہے، جن میں محکمہ آثار قدیمہ کی دلچسپیوں کے لئے مختلف کتابیں، اخبارات و رسائل وغیرہ شامل ہیں۔ ہندوستان اور بیرون ہند کے بہت سے مشہور حضرات اس میوزیم کو دیکھ چکے ہیں جن میں پرنس یو۔ ایس گائیکواڑ آف بڑودہ، اڈکشر پول مین آف امریکہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

تین عالمگیر لڑائیاں

دنیا کی تین بڑی لڑائیوں کے اسباب، نوعیت اور واقعات کا موضوع دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ یہ تینوں عالمگیر لڑائیاں یہ ہیں۔

(۱) نپولین اعظم کی لڑائیاں جو ۱۸۱۵ء میں ختم ہوئیں۔

(۲) گزشتہ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک

(۳) موجودہ عالمگیر لڑائی جو ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ آئندہ ایسا کوئی فاضل مورخ نکلے گا جو ایک بہت بڑی تصنیف اس موضوع پر دنیا کے سامنے پیش کرے گا لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم خود اس کی طرف توجہ نہ کریں اور حالات و واقعات پر نگاہ نہ ڈالیں۔

جن تین لڑائیوں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ صرف ایک ہیں بلکہ چند معنوں میں عالمگیر لڑائیاں تھیں اس لئے کہ وہ ایک سے زیادہ "براعظموں" میں لڑی گئی تھیں اور ان کے ذریعہ بہت سے ممالک کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا تھا۔ ان لڑائیوں کے اسباب و خواص میں مناسبت اس لئے نہیں ہے کہ ان میں آدرشوں یا شخصیتوں کا عمل ایک جیسا تھا بلکہ اس لئے کہ ان کے جغرافیائی، نسلی اور قومی عناصر میں ایک میاوی رشتہ تھا۔ کسی دو اشخاص کے کیرکٹر اور حالتوں میں نپولین اور ہٹلر سے زیادہ فرق نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں کی کوششیں اور مہمات ایک ہی بات پر چل رہی ہیں۔

دونوں نے ہی ایک بات دیکھی کہ انگلستان آزادی کا ایک مضبوط قلعہ ہے اسی پر دونوں نے حملہ کرنا چاہا۔ دونوں نے اپنی فوجوں کو بولون کے قریب جمع کیا اور وہاں سے انگلستان کو دھمکی دی لڑائی کے دوران میں دونوں کو یہی کرنا پڑا کہ براعظم یورپ کے زیادہ ممالک پر قبضہ کریں اور آخرکار روس پر حملہ کریں جس کے نتائج خود دونوں کے لئے خراب ہوں مطلب یہ ہے کہ بنیادی حالات کے تقاضوں نے دونوں کو ایک ہی طرح کی پالیسی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

دنیا کی تاریخ پر جو بنیادی حالات اثر انداز ہوتے ہیں ان میں آدرشوں کے فرق کو زیادہ امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ غور کیجئے کہ اٹھارویں صدی کی فرانسیسی جمہوریت اور موجودہ زمانہ کے فیشزم میں کیسا آسمان اور زمین کا فرق ہے جہاں تک آدرشوں کا تعلق ہے ان میں قطبین کا فاصلہ موجود ہے بلکہ یہ دونوں سسٹم ایک دوسرے کے منافی واقع ہوئے ہیں یہ امر اسی وقت واضح ہوگیا تھا جب کہ ۱۹۴۰ء میں فسطائی کامیابی نے وشی فرانس کے فرمانرواؤں کو یہ ترغیب دی کہ وہ انقلاب فرانس کے اصولوں کو خیرباد کہہ دیں۔

تاہم اصولوں اور آدرشوں کے اس اختلاف نے جنگ اور ملک گیری کے پروگرام پر کوئی اثر نہیں ڈالا ہے۔ اور اب بھی ناروے سے لے کر بلقان تک "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے۔ مشرق میں ایشیا کی مشترک خوشحالی کا جاپانی نعرہ بھی اس کی صدائے بازگشت ہے فرانس نے انقلاب کے زمانہ میں آزادی، مساوات اور برادری کا اصول جاری کیا تھا۔ جاپان بھی آج اٹھارھویں صدی کے جمہوری فرانس کی طرح یہی دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ قوموں کو آزاد کرائے گا لیکن دونوں حالتوں میں حقیقی نتیجہ یہی برآمد ہوا ہے کہ "آزاد کردہ" ملک کو بھاری سے بھاری زنجیریں پہنا دی گئیں ہیں اور محکومی و غلامی کی تلخیوں میں مزید اضافہ کر دیا گیا ہے۔

مشترک جنگی حالات: مذکورہ بالا تینوں لڑائیوں میں جو جنگی حالات مشترک ہیں ان کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان مختلف شریک جنگ ممالک کے ریکارڈوں پر غور کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں ہمیں انگلستان کی حالت پر سب سے پہلے غور کرنا پڑے گا۔ آزادی کی اس سرزمین نے تقریباً تین صدیوں سے ہمیشہ بڑے بڑے جارحانہ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا ہے۔ اس نے فلپ چہارم، نپولین، قیصر ولیم اور ہٹلر کی مہموں اور جارحانہ کارروائیوں کو نیچا دکھایا ہے اس نے ان قوموں کی امداد بھی کی ہے جو مذکورہ بالا حملہ آوروں کے مقابلہ میں آئی ہیں۔

بعد کو دو اسباب کی بنا پر انگلستان کی صورت حال اور بھی بہتر ہو گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ امریکہ اس کے پہلو بہ پہلو اسلحہ بند ہو کر کھڑا ہو گیا ہے دوسرے یہ کہ ڈومینیوں کی پوری تائید بھی انگلستان کو حاصل ہے۔ جنوبی افریقہ، کناڈا اور آسٹریلیا

دنیا یا کسی کے لئے رہنمائی بھی حاصل ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ لوگ مغربی یورپ میں قبل از وقت ایک دوسرا محاذ قائم کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں ان کے لئے رشتہ عالمگیر لڑائیوں کا سبق موجود ہے وہ وقت ... لخود نپولین ہی نے برطانیہ کو ایک دوسرا محاذ قائم کرنے کا موقع اس وقت دیا تھا جب اس نے اسپین اور پرتگال پر قبضہ کرنے کے ... جو روس پر حملہ کیا تھا اس کی اسی ... نے برطانیہ کو بہترین موقعہ دیا۔ (ماخوذ)

مختصر نوٹ اور واقعات

بڑودہ میں پرائمری تعلیم کا انتظام

بڑودہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حکومت بڑودہ پرائمری تعلیم کے تمام نقائص دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے، طلبہ کی مجموعی تعداد ۲۲ لاکھ ۴۴ ہزار ۳۴۸ سے بڑھ کر ۲۲ لاکھ ۰۷ ہزار ۴۹۳ ہو گئی ہے ۱۹۵۲ء کے دوران میں ۶۴۹۶ ٹیچر پرائمری اسکولوں میں کام کر رہے تھے، ان میں سے ۴ ہزار ۹۸۵ ٹرینڈ ہیں اور ۱۵۳۳ بغیر ٹریننگ لئے ہوئے ہیں، لڑکیوں کے اسکولوں کی کل تعداد ۲۶۳ تھی، دوران میں ۴۴ ہزار ۴۹۳ لڑکیاں تھیں،

بمبئی یونیورسٹی میں طالب علم کی شرارت

بمبئی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ بمبئی یونیورسٹی ہال میں جہاں ایم بی بی ایس کا امتحان ہو رہا تھا، امتحان دینے والوں کے جواب کے پرچے پھاڑنے کی کوشش کی گئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جی ایس میڈیکل کالج کا ایک طالب علم ہال میں دوڑا ہوا آیا، اور ایک امتحان دینے والے کے جواب کی کاپی کا پہلا صفحہ پھاڑ دیا۔ پولیس نے جو وہاں پہرہ پر تھی طالب علم کو زیادہ شرارت نہ کرنے دی اور اسے گرفتار کر لیا۔

چینی قائد اسلامیہ کالج لاہور میں

مسٹر عثمان دو چینی مسلم قائد نے اسلامیہ کالج لاہور کے ایک کثیر اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ چینی مسلمان ملت اسلامیہ ہند سے تہذیبی و ثقافتی تعلقات قائم کرنے کے لئے بہت بے چین ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ عظیم اخوت اسلامی کی زنجیر کو اس طرح مضبوط تر کر لیں،

سلسلۂ تقریر میں آپ نے یہ بھی کہا کہ مسلمانان چین یہ محسوس کرتے ہیں کہ انھیں اردو زبان سیکھنی چاہئے وہ زبان جو سب قوموں اور دنیا کے ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے جس کا شمار دنیا کی سب سے زیادہ سمجھی جانے والی زبانوں میں ہوتا ہے۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اور جامعہ اسلامیہ علی گڑھ کے ارباب اقتدار نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنی جامعات میں چینی طلبہ کو ہر ممکن سہولت بہم پہنچائیں گے۔ اس پیش کش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مسٹر عثمان نے کہا کہ چینی مسلمان اس سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے۔

چینی طلبہ ہندوستان میں

پیکنگ کی ایک مختصر اطلاع مظہر ہے کہ چینی یونیورسٹی کے گریجویٹ مستقبل قریب میں ہندوستان جائیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تبادلے کے اصول کی بنیاد پر ہندوستانی طلبہ بھی اعلیٰ تعلیم کے لئے چین جائیں، چینی وزارت تعلیم اور ہندوستان کے متعلقہ افسر اس اسکیم کی تفصیلات کی تکمیل میں مصروف ہیں۔

بمبئی یونیورسٹی کے امتحانات

معلوم ہوا ہے کہ اکتوبر میں یونیورسٹی امتحانات میں بیٹھنے والے طلبہ کو رجسٹرار نے مطلع کیا ہے کہ جن طلبہ امتحان دینا ہے انھیں اجازت نامہ دکھانے پر امتحان کے کمرہ میں داخل ہونے دیا جائے گا، طلبہ کو یہ اجازت نامہ پرنسپلوں سے مل سکتا ہے جو طلبہ اجازت ناموں کے یہ کارڈ پیش نہ کریں گے انھیں امتحان کے کمرہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔

بالغ العمر لوگوں کی تعلیم

بروداں کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ بالغوں کی جہالت دور کرنے کے لئے کوشش جاری رکھی گئی ہے۔ ۹۶ جماعتیں ساری ریاست میں کام کر رہی ہیں۔ اور ۲۳۶۶ شخص حاضر ہوتے ہیں ان میں ۲۷۲ کو تعلیم یافتہ ہونے کا سارٹیفکیٹ دیا جا چکا ہے۔ ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے جو نئے تعلیم یافتہ بالغوں کے لئے مناسب لٹریچر تجویز کرے گی۔

کنگ جارج پنجم و ششم کا سکہ

ایک پریس کمیونک مظہر ہے کہ فنانس ڈپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک نوٹیفکیشن سے جارج پنجم اور جارج ششم کے چاندی کے روپیہ اور اٹھنیاں یکم مئی ۱۹۵۴ء کو چلنے بند ہو جائیں گے، گو سرکاری خزانوں، پوسٹ آفسوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر یہ سکے ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء تک لئے جائیں گے۔

اس کے بعد آئندہ اطلاع تک صرف بمبئی، کلکتہ، اور مدراس کے ریزرو بینک آف انڈیا کے اجرا کے محکمہ کے دفاتر میں یہ روپیہ اور اٹھنیاں لی جائیں گی۔

گورنمنٹ آف انڈیا نے سکوں کے لئے چاندی کے استعمال کو کم کرنے اور جعلی سکہ سازی کو روکنے کے لئے جو ترقی پذیر پالیسی اختیار کر رکھی ہے یہ اس کا آخری مرحلہ ہے۔

امریکہ میں جہاز سازی

امریکہ میں جس شاندار طریقہ سے جہازوں کی تعمیر ہو رہی ہے اس کی تفصیل اب معلوم ہوئی ہے۔ ۴ ستمبر کو لبرٹی فلیگ کی سالگرہ کے ہفتہ کے آغاز پر دس جہاز سمندر میں اتارے گئے، ان میں سے چار جنگی جہاز، چار تجارتی جہاز اور دو مال لے جانے والے جہاز ہیں۔

امریکہ کی جنگی صنعت کے مبصر مسٹر ہنری نے بیان کیا کہ چالیس دن کے اندر لبرٹی کمپنی کو لبرٹی قسم کا ایک جہاز تیار کر کے دیدیا گیا آپ نے کہا کہ امریکہ میں جہازوں کی تیاری کی رفتار روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور یہ امید ظاہر کی کہ آئندہ سال چار جہاز روزانہ کا اوسط ہو گا۔

ہندوستان میں گیہوں کی آمد

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے

... کی ایک بڑی مقدار گزشتہ ... ہندوستان بھیجی ہے اور ابھی اور بھیج رہی ہے اس درآمد کے نتیجہ میں یہاں گیہوں کی پوزیشن بہت اچھی ہو جائے گی، کچھ اور باتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے ہندوستان میں گیہوں بھیجا گیا تھا مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور چاول کا مطالبہ کیا ہے، عراق، ایران اور سیلون بھیجنے کے لئے کافی چاول مل سکیں گے، سمندر پار کی ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تقریباً ۱۲۰۰ ٹن چاول درکار ہیں۔

تنکھم کی چوٹی پر چڑھنے میں کامیابی

کلکتہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ تنکھم کی ۱۹ ہزار فٹ چوٹی ... انڈین پر چڑھا گیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس اونچی چوٹی پر پہلی مرتبہ چڑھا گیا ہے یہ کارنامہ ونگ کمانڈر اے جے ایم اسمتھ اور اسکواڈرن لیڈر پی آر اے فورڈ نے انجام دیا ہے جو گزشتہ مہینہ میں خراب موسمی حالات میں انجام دیا گیا۔

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک طالب علم کی گرفتاری

لکھنؤ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ یونیورسٹی کے ایک طالب علم کو گرفتار کیا گیا ہے، پولیس نے اس طالب علم کو مخالفانہ لٹریچر اپنے پاس رکھنے کے جرم میں گرفتار کیا ہے۔ مقامی حکام اب بہت محتاط ہو گئے ہیں، پولیس پکٹ شہر میں کئی مقامات پر لگا دئے گئے ہیں۔ سول سکریٹریٹ اور دوسری گورنمنٹ عمارات پر فوجی دستوں کے پکٹ بٹھا دئے گئے ہیں۔

صدر امریکہ کا نمائندہ چین میں

چنگکنگ سے سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ مسٹر وینڈل ولکی یہاں پہنچ گئے۔

مسٹر ولکی نے چنگکنگ پہنچنے پر ایک بیان دیتے ہوئے یہ کہا کہ مجھے یہاں پہنچنے پر خوشی ہے اور میں چین میں وارد ہونے کے بعد فخر محسوس کر رہا ہوں، اس سفر کے سلسلہ میں مجھے تنہا خطرہ یہ پیش آیا کہ جب میں چین میں وارد ہوا تو مجھے اظہار عقیدت سے تقریباً مار ڈالا گیا۔

مسٹر وینڈل ولکی چنگکنگ میں وارد ہونے کے بعد اُس کے بازاروں سے موٹر میں گزرے، جن بازاروں سے وہ گزرے ان میں پانچ لاکھ چینی دو طرفہ کھڑے تھے یہ لاکھوں آدمی امریکن جھنڈے ہلا رہے تھے اور زور زور سے تالیاں بجا بجا کر چیئرز دے رہے تھے۔ مارشل چیانگ کائی شیک آپ کے اعزاز میں ایک ڈنر دے رہے ہیں۔

ٹرکی اور برطانیہ کے تعلقات

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ٹرکی اور برطانیہ کے تعلقات روز بروز بہتر ہوتے جاتے ہیں برطانیہ سے ٹرکی کو صرف مال ہی سپلائی نہیں کیا جاتا ہے بلکہ انجینئر "ٹرکی" کی گودیوں پر بھی کام کر رہے ہیں، ان انجینیروں نے حال ہی میں ٹرکی کی دو سب سے بڑی بندرگاہوں کی تعمیر کی ہے جن کا نام اسکندرونہ اور ... ہے۔

ایک اطلاع میں یہ بتایا گیا ہے کہ برطانیہ سے ترکی کو اس وقت ۹۰ لاکھ پونڈ کا سامان جا چکا ہے اس سامان میں ریلوے انجن، فولادی سامان، تانبا، سوت اور اُون وغیرہ شامل ہیں،

دہلی میں چونگی کی آمدنی میں کمی

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ماہ اگست ۱۹۴۲ء کے حسابات کے متعلق دہلی میونسپل کمیٹی نے جو سیاں مرتب کیا ہے اس کے مطابق اس مہینہ کے دوران میں سال گزشتہ کے اس مہینہ کی آمدنی کا مقابلہ کرتے ہوئے چونگی کی آمدنی میں ۳۱ ہزار ۶۱۹ روپیہ کی تخفیف ہوئی، کمیٹی کے سکرٹری نے اپنے نوٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس تخفیف کی وجہ یہ ہے کہ خراب حالات کی بنا پر شہر میں درآمد کم ہوئی، یہ معاملہ کمیٹی کے سامنے پیش ہوگا جس کا جلسہ جلد ہونے والا ہے۔

کلکتہ میں پناہ گھروں کی تیاری

معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ بنگال نے کلکتہ کے مختلف حصوں میں ۲۸ مزید ریلیف سنٹر کھولنے کا فیصلہ کیا ہے، پہلے سے اس قسم کے ۱۴ سنٹر موجود ہیں، یہ سنٹر اُن لوگوں کے لئے ہیں جو کلکتہ میں ہوائی حملہ سے بے خانماں ہو جائیں گے۔ نئے سنٹروں میں ۲۱ ہزار اشخاص آ سکتے ہیں اس اسکیم پر گورنمنٹ کا پہلے چھ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اور اس کو چلانے پر ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف ہوتا رہے گا۔

(باہتمام (خانصاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۳) | ۱۶- اکتوبر ۱۹۴۲ء مطابق ۵- شوال ۱۳۶۱ھ | نمبر (۳۹)

تعطیل کے بعد مسلم یونیورسٹی اور اُس کے متعلق ادارے کھل گئے، طلبہ واپس آ گئے اور تعلیم شروع ہو گئی۔ اب وہی چہل پہل نظر آتی ہے جو پہلے تھی۔

۲۲- اکتوبر ۱۹۴۲ء کو کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اور ۲۳- کو مجلس منتظمہ کا جلسہ صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل میں منعقد ہو رہا ہے، باہر سے بھی مجلس عاملہ کے بعض ممبر شرکت کے لئے تشریف لا رہے ہیں، جلسہ میں کانفرنس کے مختلف شعبوں کے لئے حسب قواعد ممبروں کا انتخاب ہوگا، اس کے علاوہ بعض اور ضروری امور بھی پیش ہونگے۔

مسلم یونیورسٹی کو ایک ایسے اتالیق کی ضرورت تھی جو طلبہ کو ایمرجینسی کمیشن کے لئے تربیت دے سکے اب معلوم ہوا ہے کہ اس عہدہ کے لئے مسٹر کوئل تشریف لائے ہیں، صاحب موصوف رنگون یونیورسٹی میں فزیکس کے پروفیسر تھے، اور اسے آر پی کے ایک اعلیٰ عہدہ دار رہ چکے ہیں۔

افسوس ہے کہ جنگ کے خطرات کی وجہ سے امسال بحری راستہ سے حج نہ ہو سکے گا۔ جس کا اعلان حکومت نے کر دیا ہے، حالات کے لحاظ سے ملک حجاز ابن سعود نے بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ حکومت ہند کا یہ اقدام بروقت و مناسب ہے کیونکہ اس سے خود مسلمانوں ہی کا فائدہ ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ خطرات سے محفوظ رہیں۔

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ نومبر [illegible] میں نئی دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوگا جس میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی بمبئی والی قرارداد کی توثیق کی جائے گی۔

حیدر آباد کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ نواب کاظم یار جنگ بہادر چیف سکرٹری پیشی اعلیٰحضرت نظام کو بسلسلہ تقریب سالگرہ حسن خدمت کے صلہ میں صدر المہامی پیشی کے عہدہ پر سرفراز فرمایا گیا ہے جس کے متعلق اعلیٰحضرت کا فرمان صادر ہو چکا ہے۔

چینی مسلمان لیڈر مسٹر عثمان وو جو چند مہینہ سے ہندوستان کا دورہ کر رہے ہیں، اب پشاور پہنچ گئے ہیں جہاں آپ صوبہ مسلم لیگ کے سکرٹری کے ہاں قیام فرما ہیں۔

مدراس کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ سر کے ویکٹا ریڈی کی سبکدوشی کی جگہ پر مسٹر اے رتناسامی کو انامالائی یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا ہے امید ہے کہ آپ کے زمانہ میں یونیورسٹی اپنی موجودہ حیثیت کو قائم رکھے گی۔

مسلم یونیورسٹی کی انجمن اسلامی تاریخ و تمدن ہر سال جو اسلامی ہفتہ مناتی ہے اور جس میں مفید مقالات پڑھے جاتے ہیں، اس دفعہ یہ ہفتہ ۲۵ تا ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۲ء منعقد ہوگا، متعدد علماء و مشاہیر کو اس ہفتہ میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی ہے جو اپنی تقریروں یا مقالات سے حاضرین کو مستفید فرمائیں گے، مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب، نواب بہادر یار جنگ بہادر کو بھی دعوت شرکت دی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ اکتوبر ۱۹۴۲ء

جنگ کے بعد!

(۲)

مندرجہ بالا عنوان کے تحت میں ہم نے کانفرنس گزٹ کے پچھلے پرچہ میں جنگ کے "اثرات مابعد" پر بحث کی تھی، اور بعض ایسے واقعات کی طرف اشارہ کیا تھا جن کے پیش آنے کا امکان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری دنیا کے ماہرین و مبصرین اس امر میں متحد الخیال ہیں کہ یہ جنگ دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ انقلاب انگیز جنگ ہے جس سے بلا استثنا کم و بیش ہر ملک متاثر ہو رہا ہے اور دنیا کے ہر گوشہ میں انقلاب و تبدیلی کے آثار نظر آرہے ہیں اس لئے ہولناک نتائج کا وجود میں آنا یقینی ہے۔

یہ خونریز جنگ ابھی جاری ہے اور کوئی شخص بھی یقینی طور پر نہیں بتا سکتا کہ کب ختم ہوگی؟ لیکن حالت یہ ہے کہ جنگ کے خاتمہ سے پہلے ہی پرحیرت انگیز و اندوہناک انقلاب تمام ممالک خصوصاً یورپ میں اب تک ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس خونریز ہنگامہ کے ختم ہونے تک اور بہت سے ایسے انقلابات پیش آئیں گے جن کا ہم ابھی تصور بھی نہیں کرسکتے نہ پہلے سے ہمیں ان واقعات کا تفصیلی علم ہوسکتا ہے۔ لیکن ہر شخص جو ذرا بھی بصیرت رکھتا ہے اجمالاً یہ جانتا ہے کہ اس خوفناک و ہمہ گیر جنگ کے نتائج یقیناً ایسے ہوں گے جن سے کم و بیش ساری دنیا اثر پذیر ہوگی۔

جب دنیا کے کسی حصہ میں کوئی زبردست طوفان آتا ہے یا موسمی حوادث واقع ہوتے ہیں تو کمزور و درماندہ ہستیاں سب سے زیادہ نقصان اٹھاتی ہیں مثلاً بارش یا سیلاب کے طوفان سے سب سے زیادہ صدمہ اُن عمارتوں کو پہنچتا ہے جن کی بنا کمزور ہے اور جو قوت مقاومت نہیں رکھتیں۔ برخلاف اس کے جو عمارتیں مضبوط و مستحکم ہیں وہ ان حوادث کا مقابلہ کر کے محفوظ رہتی ہیں، طوفان آتا ہے اور گزر جاتا ہے اور انھیں کوئی غیر معمولی صدمہ نہیں پہنچتا ہے چنانچہ خود ان ہندوستان میں بہت سی ایسی شاندار عمارتیں ہیں جو باوجود ہزاروں انقلابات و موسمی حوادث کے صدیوں سے کھڑی ہوئی اپنے بانیوں کی عظمت و شوکت کی داستانیں زبان حال سے سنا رہی ہیں، دہلی و لاہور کی شاہی مسجد، لال قلعہ اور ہمایوں کا مقبرہ اسی قسم کی عمارتیں ہیں جنھوں نے بہت سے موسمی طوفانوں کا مقابلہ کیا ہے۔

جنگ بھی ایک "طوفان" ہے جو انسانوں کی تباہی و ہلاکت کے لئے کبھی کبھی نمودار ہو جاتا ہے اور بہت سے ملکوں اور قوموں کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔ لیکن جس طرح دوسرے موسمی حوادث و طوفان کمزور ہستیوں کے لئے زیادہ خطرناک و تباہ کن ثابت ہوتے ہیں اسی طرح جنگ بھی اُن کمزور قوموں کو جو قوت مقابلہ یا مدافعت نہیں رکھتیں برباد کر دیتی ہے، اور جو قومیں زیادہ کمزور ہیں اُن کا نام صفحۂ ہستی سے یکسر مٹا دیتی ہے۔

تاریخ میں ہمارے سامنے بہت سی قوموں کی مثالیں موجود ہیں جنھوں نے اپنی ہمت سے عروج و اقتدار حاصل کیا اور ہر قسم کے حوادث و مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہیں لیکن اس کے بعد مختلف اسباب سے بتدریج انھیں زوال ہوا اور وہ کمزور ہو گئیں اور ان میں یہ عزم و حوصلہ باقی نہیں رہا کہ کسی زبردست حریف کا مردانہ وار مقابلہ کر سکیں اس لئے حملہ آوروں نے آسانی سے اُن کا تختہ الٹ دیا ہے۔

جب کسی قوم کے عروج و اقبال کا زمانہ ہوتا ہے تو کوئی شخص آسانی سے یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آسکتا ہے کہ یہ قوم اس قدر کمزور ہو جائے گی کہ حریف اسے آسانی سے مٹا دیں گے۔ مثلاً اکبر و جہانگیر یا شاہجہاں و عالمگیر کے زمانہ میں کون شخص یہ خیال کرسکتا تھا کہ عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ اس جلیل القدر شاہی خاندان کی حکومت و اقتدار کا یکسر خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے جاہ و جلال کی داستانیں صرف تاریخی کتابوں میں رہ جائیں گی۔ لیکن آج اس واقعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ مغلیہ خاندان جس نے زمانۂ دراز تک ہندوستان پر نہایت دبدبہ و سطوت سے حکومت کی آخر کار اپنی اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے تباہ کیا اور جو لوگ زیادہ [illegible] و قابلیت رکھتے تھے وہ حکومت کے مالک ہوئے۔ ہندوستان سے باہر بھی دوسرے ممالک میں مختلف قوموں و مسلمانوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا کہ جہاں جہاں وہ کمزور تھے فنا ہو گئے اور جہاں انھیں قوت مقاومت موجود تھی اپنی ہستی باقی رکھ سکے۔ تمدن اسپین میں مسلمان اپنی خانہ جنگیوں کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے اس لئے اُن کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا لیکن ترکی و افغانستان کے مسلمانوں میں اس قدر قوت باقی تھی کہ وہ اپنی حفاظت کرسکیں اس لئے وہ اپنا وجود باقی رکھ سکے۔

[illegible] حالات "مستقبل" کے لئے سبق آموز ہیں، اس لئے ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ موجودہ جنگ کا اثر بھی یہی ہوگا کہ جو قومیں کمزور ہیں وہ فنا ہو جائیں گی یا اور زیادہ کمزور ہو جائیں گی اور جو بیدار و ہوشیار ہیں اور قوت مقابلہ رکھتی ہیں وہ اس خوفناک طوفان سے اپنے کو بچالیں گی۔

اس وقت مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ دنیا کے سب حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن ہر ایک کی حالت مختلف ہے یعنی کسی ملک میں وہ حکمران ہیں اور کسی ملک میں محکوم، لیکن ان میں سے کوئی بھی خطرہ سے باہر نہیں ہے، اگرچہ فی الحال کوئی اسلامی حکومت باضابطہ طور پر شریک جنگ نہیں ہے بلکہ ہر حکومت نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا ہے، لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کون سی حکومت کس وقت تک اپنی غیر جانبداری قائم رکھ سکے گی، مثلاً ترکی حکومت غیر جانبدار ہے، لیکن ایک سے زیادہ دفعہ ایسے واقعات پیش آ چکے کہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اُسے صبح یا شام جنگ میں مبتلا ہونا پڑے گا، مگر خوش نصیبی سے اُس وقت وہ خطرہ ٹل گیا، لیکن جب تک جنگ جاری ہے ہر وقت اس کا امکان ہے کہ نہ صرف ترکی بلکہ ہر چھوٹی بڑی اسلامی حکومت جنگ میں مبتلا ہو سکتی ہے۔

جب حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکمراں قومیں

نہر سویز

[illegible] بطلیموس کے [illegible] آنے والے ساری دنیا کی نگاہیں نہر سویز کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ یہ نہر بحیرۂ روم کو بحیرۂ احمر سے ملاتی ہے۔ اس نہر کی وجہ سے بحر اوقیانوس اور بحر ہند کا فاصلہ بہت کم ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس نہر کے بننے سے پہلے جتنے بھی جہاز یورپ اور بحیرۂ روم کی بندرگاہوں سے ہندوستان آتے تھے انہیں جنوبی افریقہ کا دور دراز کا راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔ چونکہ یہ دقت اس نہر کے بننے سے دور ہو سکتی تھی قدیم سلطنتیں بھی اس کوشش میں رہی ہیں کہ یہ نہر بنے تاکہ سب اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

انیسویں صدی میں بعض انجینیروں نے نہر سویز کے آس پاس کے علاقوں کی پیمائش شروع کی تو ایک پرانی نہر کے آثار نظر آئے۔ یونان کے قدیم مورخین سٹرابو اور پلینی نے بھی اسی ایک نہر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ میلاد مسیح سے دو ہزار سال پہلے سوسٹرس فرعون مصر نے پہلے پہل یہ نہر کھدوائی۔ جو بحیرۂ احمر کو دریائے نیل سے ملاتی تھی۔

ہیرو دوٹس یونانی مورخ نے بھی لکھا ہے کہ میلاد مسیح سے چھ سو سال پہلے بطلیموس دوم شاہ مصر کو بھی یہی دھن رہی، اور اس نے ایک لاکھ بیس ہزار مزدور وغیرہ مہیا بھی کر لئے تھے۔ اس کو یہ کھٹکا ہوا کہ کہیں بربری قوم اس نہر کی خاطر مصر پر یلغار نہ کر دے۔ چنانچہ اس نے یہ نہر بنانے کا خیال چھوڑ دیا۔ سو برس کے بعد دارائے اعظم شہنشاہ ایران نے یہ کام شروع کیا لیکن کچھ عرصے کے بعد مصر کی مشہور ملکہ کلیوپیٹرا اور تراجن و ایڈرین قیصران روم اور حضرت عمرو عاص حاکم مصر نے بھی یہ نہر کھدوانا چاہی۔ آٹھویں صدی میں مصریوں نے یہ نہر اس لئے بالکل بھر دی کہ کہیں جہاز عربستان نہ جا سکیں۔

صدیوں تک یہ نہر بند رہی لیکن اس نہر کو از سر نو جاری کرنے کا خیال سوچتے رہے۔ حکومت وینس جس کا بحیرۂ روم پر تسلط تھا کئی مرتبہ یہ بیڑہ اٹھانے کے لئے تیار ہوئی لیکن کوئی نہ کوئی مشکل آن پڑتی تھی۔ چنانچہ اس نے بھی یہ خیال ترک کر دیا۔

بعض فرانسیسی جو بین الاقوامی تجارت کے حامی تھے اس نہر کا بنایا جانا نہایت ضروری سمجھتے تھے چنانچہ لوئی چہار دہم شہنشاہ فرانس کے وزیر اعظم کالبرٹ نے تحریک کی اور جرمن فیلسوف لیبنٹز نے نقشے بنوائے مگر ان میں سے ایک بھی شہنشاہ فرانس کو پسند نہ آیا۔

۱۷۹۸ء میں نپولین نے مصر پر فتح پائی۔ اس کے سر میں سمائی کہ ہندوستان کو لے لیجئے۔ چنانچہ اس نہر کی دھن اسے بھی لگی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نزدیک راستے سے اپنی سپاہ ہندوستان کی بندرگاہوں میں اتار دے۔ پانچ ہفتے متواتر پرانی نہر کے آثار کا خود معائنہ کرتا رہا۔ اس کے بعد نپولین نے ایک فرانسیسی انجینیر لاپیری کو نہر کا نقشہ بنانے کے لئے مامور کیا۔ لیکن اس انجینیر کی کوشش بھی رائیگاں گئی کیونکہ وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ بحیرۂ روم کی سطح بحیرۂ احمر سے نو میٹر اونچی ہے۔

ایک انگریزی انجینیر چیزنی نے یہ ثابت کر دکھایا کہ دونوں بحیروں کی سطح برابر ہے۔ لیکن اس بار بھی انگریزی حکومت نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ ۱۸۳۲ء میں فرانس میں اس نہر کا چرچا ہونے لگا۔

ایک فرانسیسی انجینیر [illegible] انفانتین کئی مرتبہ مصر گیا اور بہت کوشش کی کہ حاکم مصر کی توجہ اس معاملہ کی طرف مبذول کرے۔ ناکام تو رہا لیکن ہمت نہ ہاری۔ ۱۸۴۶ء میں فرانس [illegible] نہر سویز کے مسئلہ پر غور کرنے کی غرض سے ایک انجمن قائم کی۔ اس کام کے لئے کثیر سرمایہ ضروری تھا جو اس انجمن کے مقدور سے باہر نظر آتا تھا لیکن اس انجمن کے ایک رکن فرڈنیان دو لیسپس نے یہ بیڑا اٹھایا لیکن وہ اپنے خیالات کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا مگر اس کو اس نہر کی دھن برابر لگی رہی۔

[illegible] سعید پاشا نے عنان حکومت ہاتھ میں لی فرڈنیان دو لیسپس مصر کی طرف روانہ ہوا اور سعید پاشا کے ساتھ اسکندریہ سے قاہرہ تک سفر کیا۔ اس سفر میں فرڈنیان نے موقعہ پا کر اپنی اسکیم اور خیالات سعید پاشا پر ظاہر کر دئے۔ پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ سعید پاشا نے ایک فرمان کے ذریعہ نہر سویز کھودنے اور بنانے کا امتیاز فرڈنیان دو لیسپس کے نام عطا کیا۔ شرط یہ تھی کہ باب عالی بھی اس اسکیم کو منظور کرے۔ [illegible] انفانتین بیکار ہو گئی اور فرڈنیان [illegible] اکیلا کرتا دھرتا ہو گیا۔ یہ شخص ایک [illegible] سیاست دان اور ماہر انجینیر ہونے کے علاوہ [illegible] لیسپس نے نہر سویز کھودنے اور بنانے کی غرض سے ایک کمیشن مالی اور بحری انجینیروں کو شرکت کی دعوت دی۔ یہ بین الاقوامی کمیشن اکتوبر ۱۸۵۵ء میں قائم ہوئی لیسپس کی اسکیم پر بحث ہوتی رہی۔ آخر کار طے پایا کہ نہر کھودی جائے لیکن باب عالی کی منظوری حاصل نہ ہو سکی تھی۔

لیسپس سمجھ گیا کہ انگلستان کو موافق بنایا جائے یا انگلستان کی مدد سے باب عالی کی اجازت کے بغیر کھدائی شروع کر دی جائے۔ ایک ترکی بینکر دو لور بھی انجمن آستانہ کا رکن تھا۔ اس نے لیسپس کو مشورہ دیا کہ انگلستان کو ملائے۔ لارڈ پامرسٹن وزیر اعظم برطانیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ اس نہر کے بننے اور بحیرۂ روم و احمر کے مابین جہازوں کے گزرنے سے باب عالی کے تعلقات دول یورپ سے بگڑ جائیں گے اور اس نہر کے بننے سے دول یورپ کا توازن بگڑ جائے گا۔ اسی خیال سے فرانسیسی حکومت نے بھی لیسپس کی اسکیم سے موافقت نہ کی۔

اسی اثنا میں لیسپس نے تمام ممالک یورپ کا دورہ کیا تاکہ انہیں اپنی اسکیم کا طرفدار بنائے یہاں تک کہ لندن گیا اور لارڈ پامرسٹن سے ملاقات کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برطانوی حکومت نے یہ مان لیا کہ اس اسکیم پر عملدرآمد شروع ہو جائے لیکن رسمی طور پر موافقت اور [illegible] سے انکار کر دیا۔ [illegible] جون ۱۸۵۸ء کو لارڈ پامرسٹن نے مقتدین کو اطمینان دلایا کہ اس اسکیم کا [illegible] کوئی نتیجہ نہ ہوگا [illegible] صرف ہوگا۔ اس مرحلہ پر فرانس اور آسٹریا اس اسکیم کے طرفدار ہو گئے اور انہوں نے باب عالی کو اپنے نظریہ کی اطلاع دے دی۔

۱۸۵۸ء میں فرانس اور آسٹریا کی [illegible] پر لیسپس نے ایک کمپنی موسوم بہ "کمپنی نہر سویز" کی بنیاد ڈالی جس کا سرمایہ دو سو ملین [illegible] تجویز ہوا اس سلسلے میں چار سو حصہ دار تھے اور ہر حصہ کی مالیت پانسو فرانک مقرر ہوئی۔

انگلستان اور آسٹریا نے حصہ دار بننا پسند نہ کیا لیکن فرانس نے دو سو سات حصے اور جرمنی نے پچاس حصے خرید لئے۔ باقی حصے سب کے سب سعید پاشا نے خرید لئے۔ گو باب عالی نے ابھی تک منظوری نہیں دی تھی۔ پھر بھی ۲۵ اپریل ۱۸۵۹ء کو کھدائی شروع کر دی گئی۔

برطانیہ کی اعانت سے باب عالی نے لیسپس کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں اور کام بند کرنے کا مطالبہ کیا لیکن حکومت فرانس کی مداخلت کی وجہ سے ترکی کے وزیر اعظم نے باب عالی کی رضامندی کا اعلان کر دیا۔ زیادہ عرصہ گزرا تھا کہ لیسپس کے مربی سعید پاشا

نے وفات پائی۔ اور لیسپس کو گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حاکم مصر اسمٰعیل پاشا نے کام روک دیے جانے کا تقاضا کیا۔ ملکہ کی امداد سے کمپنی بچ گئی۔ اس برتری سے دوسرے شروع ہوئی۔ آخرکار نپولین سوم شہنشاہ فرانس نے بیچ بچاؤ کیا اور طے پایا کہ کام کر دیا جائے لیکن ۸۴ ملین فرانک بطور تاوان کمپنی کو دے دیا جائے۔

نہر سویز کی لمبائی ۱۶۰ کیلو میٹر لمبی ہے حالانکہ بحیرۂ روم و بحیرۂ احمر کا درمیانی فاصلہ بخط مستقیم صرف ۱۲۰ کیلو میٹر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کے دباؤ کو کم کرنے کے لئے نہر سویز میں بہت پیچ و خم ڈال دیے گئے اور جس سے لمبائی زیادہ ہو گئی۔

اس نہر کی کھدائی میں بہت سی قدرتی مسائل اور مشکلات کا سامنا رہا۔ نہر کے آس پاس کی زمین ساری ریت ... مزدور کام کرتے تھے ... کرنا پڑتا تھا۔ نہ تو جدید وسائل اور مشینی آلات ہی تھے۔ ڈاک اور تار کا کوئی معقول انتظام تھا نہ کوئی ریل ہی تھی۔ کھدائی کے مشینی ذرائع جو آج کل عام ہیں وہ میسر نہ تھے۔ مزدوروں کے استعمال کے لئے ایک ہزار چھ سو اونٹ روزانہ پانی لاتے تھے۔

غرض اس اسکیم کی تکمیل کی راہ میں آندھیاں، مزدوروں کی بیماری، مجالس کی کارروائیاں، اپنوں کی مایوسیاں، دول خارجہ کی سیاست، سب آڑے آتے رہے۔ دس سال برابر بڑی محنت اور ایثار سے کام ہوتا گیا۔ آخرکار ۱۷ نومبر ۱۸۶۹ء کو نہر سویز کی رسم افتتاح عمل میں آئی۔ سویرے ۶ بجے آگے آگے فرانس کا سلطنتی جہاز اور پیچھے پچاس سلطنتوں کے جنگی جہاز نہر سویز میں داخل ہوئے۔

فرانسیسی جہاز میں سلطنت فرانس کا نمائندہ اور فرڈینانڈ دلیسپس سوار تھے۔ ان کے علاوہ دولت برطانیہ کے نمائندے اور خاندان شاہی کے افراد بھی شریک تھے۔ فرانسیسی حکومت کی طرف سے لیسپس کو رسمی طور پر ان الفاظ میں مبارکباد دی گئی۔

"بڑی طاقتوں کی طرف سے آپ کی اسکیم کی بہت مخالفتیں ہوئیں لیکن آپ کا کمال ہے کہ آپ نے اپنا ارادہ پورا کر دکھایا۔"

افتتاح کے وقت نہر سویز کی لمبائی ۱۶۰ کیلو میٹر، چوڑائی ۲۲ میٹر اور گہرائی ۸ میٹر تھی۔ ان دنوں بڑے سے بڑا جہاز ۵۰۰۰ ٹن سے زیادہ وزنی نہ تھا لیکن جہازوں کی ظرفیت روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور اس نہر کے بنانے میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ اس وقت اس نہر کا طول ۱۶۳ کیلو میٹر ہے اور ۲۴۲ میٹر لمبے اور ۲۱ میٹر چوڑے جہاز آسانی سے اس میں سے گزر سکتے ہیں۔ اس کی گہرائی ۱۲ لغایت ۱۳ میٹر ہے اور خیال ہے کہ اسے اور بھی گہرا کر دیا جائے۔ اس کی چوڑائی مختلف نقاط پر مختلف ہے اور ۹۵ اور ۱۶۰ میٹر کے درمیان رہتی ہے۔ یہ نہر کئی جھیلوں میں سے گزرتی ہے۔ ایک جھیل ۱۵ کیلو میٹر چوڑی ہے۔

(انصاری)

"بدلا ہوا وقت"

یکم ستمبر کو جب لوگ سوئے ہوئے اٹھے۔ اور انھوں نے خلاف معمول ۵ و ۶ بجے کی بجائے ۶ و ۷ بجے پایا تو ان میں سے اکثر نے محسوس کیا کہ وہ اپنی زندگی کے بہت ہی قیمتی ساٹھ منٹ کھو بیٹھے ہیں۔ اور چونکہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔ لہٰذا کھوئے ہوئے وقت کے لوٹ آنے کا سوال ہی نہ تھا۔ جو لوگ زندگی میں وقت کی زیادہ قدر نہیں کرتے۔ ان کو بھی افسوس ہوا کیونکہ ان کی نیند کے ۶۰ منٹ ضائع چلے گئے اور اس کے عوض میں انہیں کچھ بھی نہ ملا۔

اب آپ کئی دن کے تجربہ کے بعد تو سمجھ گئے ہوں گے کہ اگر دن کا کام معمول سے ایک گھنٹہ پہلے شروع کر دیا جائے۔ تو شام کو ہم جلدی فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور جنگ کے ان دنوں میں جبکہ بلیک آؤٹ اور روشنی پر پابندیوں کے باعث تمام کام دن ہی میں ختم کر لینے ضروری ہوں۔ یہ چیز مفید ہے۔ لیکن پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ یہ چیز تو اس طرح بھی آسانی ہو سکتی تھی کہ دفاتر کے اوقات بدل کر ۱۰ سے ۴ کی بجائے ۹ سے ۳ کر دیے جاتے۔ اور اس طرح سب پروگرام ایک گھنٹہ پہلے شروع کر کے ایک گھنٹہ پہلے ختم کر دیے جاتے۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے۔ جو گھڑیوں کا استعمال نہیں کرتے اور جو وقت کا حساب آسمان سے کرتے ہیں۔ سورج کا چڑھنا۔ سر پر آنا۔ غروب ہونا اور رات کے وقت آسمان پر تاروں کی گردش وغیرہ جن کی گھڑی ہے۔ ان کے لئے تو ہر کام کو ایک گھنٹہ پہلے کرنا بالکل آسان چیز ہے لیکن جو لوگ گھڑیوں کے حساب سے چلتے ہیں اور اسی کے حساب سے اپنے تمام کام کو پابند کرتے ہیں۔ ان کے لئے وقت سے پہلے کوئی کام کرنا سخت مشکل ہے۔ خاص کر یورپ اور برطانیہ میں ایسا ممکن نہیں اور ان کے لئے گھڑیوں کو ایک گھنٹہ آگے کرنا ہی بہترین علاج ہے۔

مجھے ایک مثال یاد آ گئی۔ جو اس چیز کو اور بھی واضح کر دے گی۔ کئی سال کی بات ہے۔ دفتر میں ایک کلرک متواتر کئی روز سے لیٹ پہنچتا تھا دو تین مرتبہ اُسے ٹوکا گیا۔ لیکن وہ بدستور ۱۰ و ۱۵ منٹ لیٹ آتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے مذاقاً کہا۔ کہ اگر تم اپنی گھڑی کو ۱۵ منٹ آگے کر لو تو ضرور ۱۰ بجے دفتر پہنچ جایا کرو گے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور چپ ہو رہا۔ لیکن میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ جب متواتر ۱۵ دن تک میں اسے عین وقت پر دفتر آتا دیکھتا رہا۔ تو سولھویں دن میں نے اس سے پوچھا کہ اب تم لیٹ کیوں نہیں ہوتے اس کا جواب سن کر میں حیران رہ گیا۔ کہ اس کی گھڑی پہلے ہی ۱۵ منٹ آگے تھی اور وہ اس لئے کہ گھر سے دفتر تک پہنچنے میں اسے پندرہ منٹ صرف ہوتے تھے۔ اور وہ اپنی گھڑی کے مطابق ۱۰ بجے ہی گھر سے روانہ ہو سکتا تھا اور غیر ضروری دیر اس کے علاوہ ہو جاتی تھی۔ اور اب میرے مشورہ پر گھڑی کو پندرہ منٹ اور آگے کر لینے سے ۱۰ ۱/۲ بجے یعنی ٹھیک دس بجے دفتر پہنچ جاتا اور اس طرح اسے غیر ضروری طور پر اپنے دماغ پر بوجھ بھی نہ ڈالنا پڑتا۔

دراصل جہاں تک وقت کا تعلق ہے گھڑی سے زیادہ معتبر کوئی چیز نہیں سمجھی جاتی اور انسان یہ جاننے کے باوجود بھی کہ اس کی گھڑی دس یا پندرہ منٹ آگے جا رہی ہے گھڑی میں وقت کے مطابق ہی کام شروع کرے گا۔ اور اس طرح سے دیر نہیں ہوتی۔ گھڑی آگے رکھنے کے اس اصول کو گھڑیاں رکھنے والے لوگ تسلیم کریں گے کہ اگر اس اصول کو وسیع پیمانہ پر ایک عظیم الشان سلطنت میں سرکاری طور پر استعمال کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے تو یہ انسانی نفسیات کے بالکل مطابق ہے ویسے بھی زندگی کے ہر شعبہ کے پروگراموں میں اوقات کی تبدیلی کی نسبت یہ کہیں زیادہ آسان اور دلچسپ طریقہ ہے۔ کہ آنے والے چند ہی دنوں میں ہم دیکھ سکیں گے۔ کہ جاڑے کے موسم میں

...ہم۔ آسانی پیدا ہوگی ہے اور ہم اپنے آپ کو پرانے وقت سے آگے چلتے ہوئے محسوس کریں گے۔

یہ ہے دراصل DAYLIGHT SAVING کا فلسفہ جس کے متعلق لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ جو درحقیقت اس قدر سادہ ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہم محسوس کریں گے۔ جیسے کسی کوئی تبدیلی واقع ہی نہیں ہوئی۔ البتہ جہاں تک نماز۔ روزہ۔ سحری۔ افطار وغیرہ کا تعلق ہے لوگوں کو پرانے وقت کا ہی پابند رہنا پڑے گا یا مقررہ اوقات میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔

(ماخوذ)

امریکہ اور ہندوستان کی تجارت

۴۱-۱۹۴۰ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ ہندوستان کی تجارت میں بڑا اضافہ ہوا۔ درآمد تقریباً دگنی ہوگئی، یعنی پہلے ۱۴۸۶ لاکھ روپیہ کا سامان درآمد کیا جاتا تھا۔ اور اس سال ۲۷۰۰ لاکھ روپیہ کا کیا گیا۔ برآمد میں بھی اضافہ ہوا یعنی پہلے ۲۰۱۸ لاکھ روپیہ کا سامان برآمد کیا جاتا تھا۔ لیکن امسال ۳۱۹۴ لاکھ روپیہ کا سامان برآمد کیا۔

ہندوستان سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو جو چیزیں برآمد کی جاتی ہیں۔ ان میں سے خاص چیزیں یہ ہیں۔ خام جوٹ اور جوٹ کی بنی ہوئی چیزیں، کھالیں، اور چمڑے، لاکھ، بعض ترکاریاں، خام روئی، اور خام اون،

خام جوٹ ۷۴ ہزار ٹن کی مقدار میں برآمد کیا گیا۔ حالانکہ اس کے مقابلہ میں پچھلے سال ۵۱ ہزار ٹن کی مقدار میں برآمد کیا گیا تھا۔ یہ کمی دوسری طرف پوری ہوگئی۔ یعنی ۴۰-۱۹۳۹ء میں جوٹ کا بنا ہوا کپڑا ۶۷ کروڑ ۴۰ لاکھ گز کی مقدار میں برآمد کیا گیا تھا مگر اس سال ۷۸ کروڑ ۳۰ لاکھ گز کیا گیا۔ اور اس کی قیمت ۱۹۳ لاکھ روپیہ سے بڑھ کر ۱۲۳۴ لاکھ ہوگئی۔ لاکھ اور پکائی اور کمائی ہوئی کھالوں اور چمڑوں کی مانگ کم رہی۔ مگر بیج اور ترکاریاں زیادہ گئیں یعنی پچھلے سال ۹۱ لاکھ روپیہ کی ترکاریاں اور بیج جہاز کے ذریعہ روانہ کئے گئے تھے اور امسال ۱۳۹ لاکھ روپیہ کے گئے۔

امریکہ سے ہندوستان میں جو سامان درآمد کیا جاتا ہے، اس میں زیادہ تر یہ چیزیں شامل ہیں۔ مشینری، مل کا سامان، موٹر گاڑیاں، معدنی تیل، آلات، تیار شدہ تمباکو، کیمیائی چیزیں، رنگائی اور دباغت کی چیزیں، لوہا اور فولاد، جست، کاغذ، دفتی اور خام روئی۔

مشینری اور مل کے سامان کی درآمد ۲۴۹ روپیہ سے بڑھ کر ۳۰۹ لاکھ روپیہ ہوگئی مگر درآمد شدہ موٹروں کی تعداد ۲۹۶۹ سے گھٹ کر ۱۹۸۹ رہ گئی۔ البتہ درآمد شدہ بسوں کی تعداد ۱۰۳۳ سے بڑھ کر ۳۴۰۸ تک پہنچ گئی۔

کاغذ اور دفتی کی درآمد میں بھی کافی اضافہ ہوا یعنی ۲ ملین ہنڈریڈ ویٹ (۲۴ لاکھ) روپے بڑھ کر ۲ ملین ہنڈریڈ ویٹ (۷۶ لاکھ روپیہ) ہوگئی۔ رنگائی اور دباغت کی چیزوں کی درآمد ۲۴ لاکھ روپیہ سے بڑھ کر ۲۳۳ لاکھ روپیہ اور جست کی ۲ لاکھ سے بڑھ کر ۵۹ لاکھ روپیہ ہوگئی۔

مسلمانان شہر علی گڑھ سے ضروری درخواست

یہ امر اب محتاج بیان نہیں رہ گیا ہے کہ آپ سب صاحبان کی فیاضی و توجہ اور "انجمن امداد اللہ" کی مخلصانہ جدوجہد اور اللہ کے فضل و کرم سے مسلم مسافر خانہ ریلوے روڈ کا ایک معتدبہ حصہ مکمل ہوگیا ہے۔ اور یہ کہنا غالباً مبالغہ نہ ہوگا کہ ہر لحاظ سے ہمارے شہر کے شایان شان ہے۔ عرصہ سے دور دراز کے ہر طبقہ کے مسلمان بلا کرایہ اس مسافر خانہ میں قیام کرتے ہیں اور ہر قسم کی سہولیت و آرام پاتے ہیں۔ آپ حضرات کو اس کا بھی علم ہے کہ مسافر خانے کے نام نہ تو کوئی جائداد ہے نہ وقف ہے۔ اور کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ ہے سوائے چند دوکانات کے جن کی آمدنی مشکل سے ضروری اخراجات جس میں دو مدرس تنخواہ دار موضع شمس پورا اور داؤد پور کوٹہ میں تعلیم دے رہے ہیں ایسی صورت میں مسافر خانہ کی بقیہ عمارت و زنانہ کمروں کا تکملہ سخت دشوار ہو رہا ہے۔ اکثر مسافروں کو جگہ نہ رہنے کے باعث محروم واپس جانا پڑتا ہے۔ صرف سنہ ۴۰ء میں (۳۵۲۱) مسافر مقیم رہ چکے ہیں اس کمی جگہ کو پورا کرنے اور عمارت کے تکملہ کے لئے ہماری نظر آنے والی عید سعید اور عید الضحیٰ پر پڑتی ہے اس موقعہ پر اگر آپ حضرات بالخصوص ارباب حل و عقد مسلم یونیورسٹی معہ طلباء و اساتذہ اپنی خیرات صدقات و قربانی کی کھالوں سے مسافر خانہ کی مدد فرمائیں تو ہم کو بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیابی کی امید ہے۔ اور یقیناً آپ حضرات بھی داخل حسنات ہوں گے۔ ہم اراکین انجمن امداد اللہ جناب ڈاکٹر اجمل صاحب ایم بی بی ایس ریلوے روڈ علی گڑھ کے بیحد شکرگزار ہیں کہ موصوف نے از راہ فیاضی و ہمدردی اس اشتہار کا خرچہ برداشت فرمایا ہے اور مسافر خانہ کے بیمار مسافروں کا علاج بھی مفت کرنا منظور فرمایا ہے (نوٹ) مسافر خانہ میں آبنوشی کا سردست انتظام بذریعہ پمپ کے ہے جو اکثر خراب ہوجاتا ہے اگر کوئی صاحب اس کی بجائے مختصر سا پختہ چاہ بنوا کر دیں تو چشمہ فیض ہمیشہ کو جاری رہے گا اور عنداللہ ماجور ہوں گے۔ والسلام

العبد ع علی محمد

منجانب انجمن امداد اللہ مسلم مسافر خانہ علیگڑھ

مختصر نوٹ اور واقعات

لاہور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ عید الفطر میں عید کی نماز مختلف مسجدوں میں ہوئی جہاں مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوئے۔ تقریباً ایک لاکھ اشخاص نے بادشاہی مسجد میں عید کی نماز پڑھی۔ سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم، میاں عبدالحی وزیر تعلیم اور میجر خضر حیات خاں وزیر پبلک ورکس نے بھی بادشاہی مسجد میں عید کی نماز پڑھی۔

شام کو مسلم کلب کی طرف سے عید کی خوشی میں نرسنگھ داس گارڈنس میں ایک شاندار پارٹی دی گئی جس میں غیر مسلم بھی خاصی تعداد میں شامل ہوئے۔ فرقہ وارانہ اتحاد کی غرض سے صوبہ میں پہلی دفعہ اس عید پارٹی میں غیر مسلموں کو مدعو کیا گیا۔ گورنر پنجاب بھی اس پارٹی میں شریک ہوئے۔

غیر مسلم مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے سر سکندر حیات نے کہا کہ تہواروں کا مل کر منانا ماضی کی شاندار روایات کو زندہ کرے گا۔ اور اس سے فرقہ وارانہ اتحاد کو تقویت پہنچے گی۔ سر سکندر حیات خاں نے سمندر پار لڑنے والی فوجوں کے نام بھی ایک پیغام پڑھا، دیوان بہادر کشن کشور راؤ اور سردار بلدیو سنگھ وزیر ترقیات نے ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے علی الترتیب دیوالی اور گرونانک دیو کے جنم دن پر ایسی ہی مشترکہ پارٹیاں کرنے کے لئے دعوت دی آخر میں گورنر پنجاب نے مسلمانوں کو عید پر مبارکباد دی

دہلی میں عید

دہلی میں عید الفطر کی تقریب پوری اسلامی شان سے منائی گئی۔ عیدگاہ میں نماز عید الفطر کے لئے تقریباً نصف لاکھ مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ جامع مسجد اور مسجد فتحپوری میں کثیر تعداد مسلمانوں نے نماز ادا کی۔ گو بعض افراد کی عید پر سوگواری کا سایہ بھی پڑا ہوگا کیونکہ بہت سے مسلمانوں کے عزیز و اقربا اس وقت ہندوستان سے ہزاروں میل دور جنگ کے میدانوں میں پڑے ہوئے ہیں مگر عید الفطر کی تقریب پر کافی رونق اور چہل پہل پائی جاتی تھی جامع مسجد کے اردگرد خصوصیت کے ساتھ بہت بھیڑ بھاڑ اور چہل پہل تھی شہر کی مختلف تفریح گاہوں میں عید کے لئے خاص پروگرام چلائے گئے اور وہ سب بہت کامیاب رہے۔

دہلی کی عید کے سلسلہ میں اس سال ہندو مسلم اتحاد کا جو منظر دیکھنے میں آیا وہ کسی طرح قابل فراموش نہیں ہے۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں کے سامنے ایک سبیل لگائی گئی تھی جس پر تقریباً آٹھ نو ہندو و مسلمان پانی پلانے میں مصروف تھے۔ کانگریسی ہندوؤں کی جانب سے پان کی تقسیم کا انتظام کیا گیا تھا۔ اہل ہنود بہت سے پھولوں اور گوٹے کے ہار لئے کھڑے تھے اور مسلمانوں کے گلوں میں ڈال رہے تھے۔

اہل ہنود کی جانب سے ایک کیمپ لگایا گیا تھا پولیس نے اس کو کانگریس کا کیمپ سمجھ کر اس کو ہٹانا چاہا۔ لیکن ان کو بتایا گیا کہ یہ کانگریس کا نہیں بلکہ ہندو مسلم اتحاد کا کیمپ ہے۔ اسی طرح عیدگاہ پر بھی کانگریسی ہندو مسلمانوں کو ہار پہنائے گئے۔ اور پان اور الائچی سے تواضع کی۔

عید کے موقع پر مسٹر جناح کا پیام

نئی دہلی ۱۲- اکتوبر۔ مسٹر جناح نے عید الفطر کے موقع پر مسلمانان ہند کے نام ایک ولولہ انگیز پیغام ارسال کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ میری دلی تمنا ہے کہ اس مبارک اور مقدس دن پر ہم سب بھائی نہ دل سے عہد کریں کہ اپنے حقوق حاصل کریں گے۔ مسلمان ہندوستان میں فاتح، تاجر، مبلغ اور معلم کی حیثیت میں آئے تھے انھیں اس تہذیب و تمدن پر ناز تھا جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ انھوں نے برِّ اعظم ہند کی اصلاح کی اور انقلاب پیدا کیا۔ آج ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ہیں اور اتنی مسلم آبادی دنیا کے کسی ایک ملک میں نہیں۔

مسلمانان ہند دوسری اقوام کے مقابلہ میں اپنا علیحدہ تہذیب و تمدن رکھتے ہیں۔ مسلم ہند موجودہ جنگ عالم میں ایک اہم عنصر کی حیثیت سے حصّہ لینے والا ہے۔ دنیا کے آئندہ نظام میں بھی اسلامی ہند کو نمایاں حصّہ لینا ہے۔ ہمارا مصمم ارادہ ہے کہ شمال مغربی اور شمال مشرقی ہندوستان میں جہاں ہماری اکثریت ہے اپنی آزاد ریاستیں قائم کریں۔ میں ہر مسلمان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے مطالبۂ پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کرے کیونکہ پاکستان ہمارے لئے موت و حیات کا سوال ہے بلکہ ہماری آئندہ نسلوں کا انحصار بھی اسی پر ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم عید کے مبارک دن سے عہد کریں کہ پاکستان حاصل کریں گے یا ختم ہو جائیں گے۔

حیدرآباد میں عید

حیدرآباد کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ اعلیٰحضرت نظام نے عید الفطر کی نماز مسجد جوری میں ادا کی۔ شاہی معیت میں ہز ہائینس پرنس آف برار والاشان حضرت ولیعہد بہادر، والاشان نواب معظم جاہ بہادر اور صاحبزادہ نواب بسالت جاہ بہادر تھے، نماز میں امراء و صاحبزادگان پائیگاہ کے علاوہ نواب صاحب چھتاری صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی بھی شریک تھے۔

عیدگاہ میں تقریباً ۲۵ ہزار مسلمانوں نے عید کی نماز ادا کی، آلۂ مکبر الصوت کے ذریعہ سے خطبہ پوری عیدگاہ میں سنا گیا۔ عید کی نماز خطیب ابراہیم رشید نے پڑھائی۔ خطبہ کے دوران میں جیسے ہی خطیب کی زبان سے شاہ عثمان کا اسم گرامی نکلا عیدگاہ کے میدان میں توپیں سر کی گئیں۔ بارش کی وجہ سے انتظام میں فی الجملہ دشواری پیش آئی۔ عملہ کے ساتھ ناظم صاحب امور مذہبی خود انتظامات میں شریک تھے۔

بمبئی میں عید

بمبئی میں عید کے موقع پر آزاد میدان میں مسلمانوں کا کثیر اجتماع ہوا۔ ایران، عراق، مصر، افغانستان اور ٹرکی کے قونصل خانوں کے افسر بھی شریک ہوئے، مسٹر چندریگر ممبر اسمبلی و صدر بمبئی پراونشل مسلم لیگ نے لیگ کا جھنڈا لہرایا اور یہ بتایا کہ مسلمان کیوں کانگریس کی موجودہ تحریک میں شامل نہیں ہوئے۔ اگرچہ مسلمانوں کو برطانیہ کی پالیسی سے اختلاف ہے لیکن کانگریس نے چونکہ مسلمانوں کے مطالبات پورے نہیں کئے اس لئے مسلمان کانگریس کی تحریک میں حصّہ نہیں لے سکتے۔

آپ نے کہا کہ جب آزاد نوبت کے متعلق مسلمانوں کا مطالبہ پورا ہو جائے گا تو اس صورت میں مسٹر جناح صدر مسلم لیگ تعاون کر سکتے ہیں۔ آزاد نوبت کا مقصد حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

بنارس ہندو یونیورسٹی کے معاملات

بنارس کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ سر رادھا کرشنن وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی ہندو یونیورسٹی نے طلبہ کے والدین کو ایک سرکلر بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ یونیورسٹی کی کلاسیں بتدریج کھولنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، والدین کو چاہئے کہ وہ پوری ذمہ داری سے کام لیں اور صرف اُن طلبہ کو یونیورسٹی میں بھیجیں جن پر موجودہ سیاسی صورت حالات کا کوئی اثر نہیں ہے۔

یہ معلوم ہوا ہے کہ ہندو یونیورسٹی ۲۶- اکتوبر کو کھلے گی۔

ہندوستان کا آئندہ چیف جسٹس

معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے چیف جسٹس اور فیڈرل کورٹ کے پریسیڈنٹ سر مارس گائر اپریل ۱۹۴۳ء میں ریٹائر ہو رہے ہیں، ان کے جانشین کے متعلق ابھی سے قیاس آرائیاں شروع ہو گئی ہیں، کہا جاتا ہے کہ سر محمد ظفر اللہ جو آج کل فیڈرل کورٹ کے جج ہیں اور گورنمنٹ ہند کے چینکنگ میں ایجنٹ جنرل تھے سر مارس گائر کے جانشین مقرر کئے جائیں گے اگر انگلستان سے کوئی اعلیٰ یوروپین قانون داں اس عہدہ پر مقرر نہ کیا گیا تو سر ظفر اللہ کے تقرر کے امکانات سب سے زیادہ ہیں۔

وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی کی ہدایت

پٹنہ یونیورسٹی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ڈاکٹر سچدانند سنہا وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی نے طلبہ کے سرپرستوں سے ایک طویل اپیل کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ جیسے ہی مقامی حالات اجازت دیں طلبہ کالجوں میں حاضر ہونا شروع کر دیں لیکن ڈاکٹر سنہا نے اس اپیل میں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر [illegible]

[illegible] میں مشغول [illegible] تو ایسی حالت میں بہتر ہے [illegible] وا ہی پر ڈٹے رہیں اور کالجوں میں نہ آئیں تاکہ اس طرح وہ اپنا وقت اور اپنے سرپرستوں کا روپیہ بچا سکیں۔

آسام میں طلبہ کو تنبیہ شیلانگ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن آسام نے انسٹی ٹیوشن کے افسروں کے نام ایک سرکلر شائع کیا ہے کہ جو طالب علم یوجا کی تعطیلات کے بعد اسکول کھلنے کی تاریخ پر حاضر نہ ہوں گے یا جو اپنی فیس ۱۸۔نومبر تک ادا نہ کرسکیں گے اُن کے نام رجسٹر سے کاٹ دیئے جائیں گے، اور ایسے طالب علم جو اپنی فیس یکم دسمبر تک ادا نہ کرسکیں گے اُن کو کسی دوسرے انسٹی ٹیوشن میں داخلہ کی اجازت نہ ہوگی۔

گورنمنٹ ہائی اسکول میں دھماکہ پونا کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ۱۴۔اکتوبر کو سہ پہر کے وقت سانگلی کے گورنمنٹ ہائی اسکول کے سائنس روم میں ایک دھماکہ ہوا جس سے کمرہ کی کچھ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے، مگر کسی شخص کے چوٹ نہیں آئی، معلوم ہوا ہے کہ پولس نے موقع واردات سے ایک دیسی ساخت کے بم کے کچھ ٹکڑے برآمد کئے ہیں۔

اسلامی دنیا میں عید کی تقریب تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ پشاور، ایران، افغانستان، وسط ایشیا، سوویٹ ممالک اور شمال مغربی سرحدی صوبہ سے متصل قبائلی سرزمین میں عیدالفطر کی تقریب شان وشکوہ کے ساتھ منائی گئی، کابل میں شاہ افغانستان نے اپنی رعایا کی طرف سے ہدیہ ہائے تہنیت وصول کئے، ارکان حکومت شرف باریابی حاصل کرنے کے لئے "سلام خانہ" میں جمع ہوئے۔

طہران ریڈیو نے یہ اطلاع نشر کی ہے کہ ایران میں عید سعید کی تقریب دھوم دھام کے [illegible] میں چترال سے لیکر بلوچستان تک قبائلی سرداروں نے اپنے دستور کے مطابق عید منائی۔

ایک وزیر کو جرمانہ کی سزا پشاور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ قاضی عطاء اللہ صاحب سابق وزیر تعلیم صوبہ سرحد کے خلاف قانون اسلحہ کے تحت مردان جیل میں مقدمہ کی سماعت ہوئی، عدالت نے انھیں ڈھائی سو روپیہ جرمانہ کی سزا کا حکم سنایا لیکن قاضی عطاء اللہ صاحب نے جرمانہ دینے سے انکار کردیا اس پر اُن کی اسی قدر مالیت کی قرقی کرلی گئی اور اب انہیں رہا کردیا گیا۔

اعلیٰحضرت نظام کا ایک عطیہ اعلیٰحضرت نظام خلد اللہ ملکہ نے "بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پونا" کو مہابھارت کی اشاعت کے لئے پانسو روپیہ دیا ہے۔ دس برس ہوئے اسی مقصد کے لئے حکومت نظام نے انسٹی ٹیوٹ مذکور کو ایک ہزار روپیہ سالانہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ ۳۲ ½ ہزار ایک مہمان خانہ کی تعمیر کے لئے بھی دیئے تھے جس کا نام "نظام گیسٹ ہاؤس" رکھا گیا تھا، یہ شاندار مہمان خانہ آج باہر سے آنے والوں کے لئے نہایت راحت بخش ثابت ہو رہا ہے۔

امریکہ کے حق شہریت میں ترمیم امریکہ میں "شہریت" کا قانون یہ ہے کہ جو امریکن شہری تین یا پانچ برس تک امریکہ سے باہر رہیں اُن کا حق شہریت ختم ہوجاتا ہے، اب صدر امریکہ نے ایک اطلاع کے مطابق ایک مسودۂ قانون پر دستخط کئے ہیں جن سے امریکن نیشنلٹی ایکٹ ۱۹۴۰ء میں ترمیم کردی گئی ہے۔ قانون کے غیر ترمیم شدہ حالت میں رہنے سے جو امریکن سمندر پار گئے ہوئے ہیں وہ قطعی طور پر اپنا حق شہریت کھو بیٹھتے اگر وہ امریکہ کے باہر کسی ملک میں تین یا پانچ برس گزار دیتے۔

صدر امریکہ نے جو ترمیم کی ہے اس کی رو سے اس قانون کی حقوق شہریت سے محروم کرنے والی دفعہ اکتوبر ۱۹۴۴ء تک ملتوی کردی گئی۔

اطلاع بنایت الغرض یکہ دفتر کی تعطیل اور بعض دوسری [illegible]

چند قابل قدر کتابیں

سیر کائنات یہ کتاب انگلستان کے مشہور سائنس داں جی جینس کی آٹھ تقریروں کا مجموعہ ہے جو موصوف نے رائل انسٹی ٹیوٹ آف لنڈن میں زمین، ہوا، چاند، ستاروں پر کی تھیں قیمت مجلد ۲؎

سلطنت خداداد میسور کی نامور سلطنت کے بانی حیدر علی اور اس کے جانشین ٹیپو سلطان کی مکمل تاریخ، قیمت [illegible]

تاریخ جنوبی ہند جنوبی ہند کی مکمل تاریخ مرتبہ [illegible] [illegible] اور داخلی اور خارجی [illegible] کی گئی ہے۔ قیمت [illegible]

معلم کی زندگی مؤلف کی محنت آپ بیتی ہی نہیں بلکہ جامعہ کی دلچسپ اور مکمل تاریخ بھی ہے اور سالہا سال کے تعلیمی تجربوں کا نچوڑ ہے قیمت ہر دو [illegible]

محشر خیال سجاد علی انصاری مرحوم کے مجموعہ مضامین کا دوسرا ایڈیشن اس مرتبہ مرحوم کا ہنگامہ خیز ڈرامہ اور جزا بھی شامل کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد [illegible]

مبادی سیاسیات مصنفہ پروفیسر محمود خاں صاحب شروانی اس میں تفصیل سے علم سیاست کی ابتدائی معلومات اور عہد حاضر کی سیاسی تحریکوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ .. صفحات قیمت مجلد .. [illegible]

روح اقبال یہ کتاب ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب کے تین مقالوں اقبال اور آرٹ، اقبال کا فلسفہ تمدن، اقبال کے مذہبی و مابعد الطبیعی تصورات پر مشتمل ہے۔ قیمت غیر مجلد .. [illegible]

ذکر حسین ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ کی "ذکر حسین" کے موقع پر معرکۃ الآرا تقریر جسے پبلک کے مطالبہ پر کتابی شکل میں شائع کیا گیا .. [illegible]

مفصل فہرست کتب

ملنے کا پتہ

کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

[illegible] صاحب ۔ جو [illegible] پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ [illegible]

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ) | ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۳) | ۸ - دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۲۸ - ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر (۴۶)

اکیڈیمک کونسل (مسلم یونیورسٹی) کے گزشتہ جلسہ منعقدہ نومبر سنہ ۱۹۴۲ء میں منجملہ دوسرے امور کے شعبہ عربی کی سفارش کے مطابق یہ بھی طے ہوا کہ مندرجہ ذیل ہندوستانی یونیورسٹیوں اور عربی مدارس کے امتحانات پوسٹ گریجویٹ کلاسوں میں اسلامی تاریخ اور اسلامی فلسفہ کے وظائف دیے جانے کے لئے مسلّم شمار ہوں گے۔

۱ - تمام ہندوستانی یونیورسٹیوں کا امتحان فاضل (عربی)،

(۲) مندرجہ ذیل اداروں کا امتحان فاضل (عربی)، دیوبند، ندوۃ العلماء، مدرسہ عالیہ کلکتہ - مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ، مدرسہ عالیہ رامپور، مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ۔

۳ - امتحان ممتاز الافاضل مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ،

۴ - آخری امتحان جامعہ سلطانیہ لکھنؤ،

۵ - سند درسیات جامع العلوم کانپور،

۶ - آخری امتحان مظاہر العلوم سہارنپور،

اکیڈیمک کے مذکورہ بالا جلسہ میں ایگزیکٹو کونسل مسلم یونیورسٹی سے یہ سفارش بھی کی گئی کہ مسٹر عطاء اللہ لکچرر شعبۂ اقتصادیات کو "انڈین اکانومک ایسوسی ایشن کانفرنس" میں شرکت کے لئے جو اپریل سنہ ۱۹۴۳ء میں بمقام الہ آباد منعقد ہوگی نمائندہ مقرر کیا جائے۔

ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال نے پشاور میں ایک ڈنر کے موقع پر سپاس نامہ کے جواب میں تقریر فرماتے ہوئے یہ ارشاد کیا کہ ہندو، مسلمان اور سکھوں کا یہ ممتاز اجتماع اس محبت کا ثبوت ہے جو آپ میرے ساتھ رکھتے ہیں، اور اس اتحاد کا ایک خوشگوار نشان ہے جو اس صوبہ کی مختلف قوموں میں موجود ہے"

اس کے بعد سلسلۂ تقریر میں ہز ہائینس نے اس امر کی توضیح کی کہ محوری قوتوں کی کامیابی اسلامی ممالک کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، ہز ہائینس نے اُن تعلقات کا بھی تذکرہ کیا جو بھوپال کو صوبۂ سرحد سے وابستہ کرتے ہیں اور اپنے اُن آبا و اجداد کا ذکر کیا جو اسی صوبہ سے آئے تھے، انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اُن کی فوج کا بڑا حصہ پٹھانوں کا ہے ایسی حالت پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے، اور انشاء اللہ آئندہ بھی رہے گی، جس طرح کہ پٹھانوں کی بہادری بین الاقوامی شہرت رکھتی ہے خدا نے چاہا تو موجودہ جنگ میں بھی اُن کی خدمات بین الاقوامی شہرت حاصل کریں گی۔

ہز ہائینس نے اپنی تقریر میں ہندوستان کے اختلافات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میری رعایا نے جس میں ہندو مسلمان دونوں ہیں اپنا سب کچھ اس جنگ میں لگا دیا ہے، یہ سچ ہے کہ ابھی بہت سے مقامی مسائل و اختلافات کو ابھی حل ہونا ہے لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان مسائل کا تصفیہ اُس وقت تک ملتوی کیا جاسکتا ہے جب تک کہ ہم دنیا کی آزادی کو حیثیت لیں۔

اخبار کی آخری کاپی تیار ہو چکی تھی کہ یہ اندوہناک خبر ملی کہ آج ۸ دسمبر کو حاجی محمد صالح خاں صاحب ... نے رحلت فرمائی، حاجی صاحب مرحوم ... ممتاز فیاض و باوضع ... [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸۔ دسمبر ۱۹۴۲ء

ہندوستان کا ایک پیچیدہ مسئلہ

ہندوستان کے ملکی و سیاسی معاملات میں بعض پیچیدگیاں ایسی ہیں جو باوجود مسلسل کوشش کے اب تک حل نہیں ہو سکیں، اور ان کے حل نہ ہونے سے ہندوستان کی ترقی رُکی ہوئی ہے اور آگے بڑھنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، ان سیاسی معاملات میں سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ "فرقہ وارانہ کشمکش" کا ہے جو آج بھی ملک میں موجود ہے اور اب تک اس اختلاف کو دور کرنے کی کوئی کوشش و تدبیر کامیاب نہیں ہوئی،

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے اور یہاں بہت سے فرقے ہیں جو اپنے مذہبی عقائد اور رسوم و معاشرت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں لیکن کثرت تعداد کے لحاظ سے دو فرقے یعنی ہندو اور مسلمان سب سے بڑے ہیں، اگر ان دونوں میں مصالحت ہو جائے تو ہندوستان کا پیچیدہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے فرقے بھی خواہ مخواہ اس مصالحت میں شامل ہو جائیں گے غرض ہندوستان کی فلاح و ترقی ہندو مسلمانوں کے اتحاد و عمل پر منحصر ہے۔ لیکن بدنصیبی سے اب تک اس معاملہ میں کوئی مستقل کامیابی نہیں ہوئی، البتہ کبھی کبھی خاص حالات پیش آجانے کی وجہ سے مصالحت کی [illegible] پیدا ہوئی لیکن وہ عارضی تھیں انہیں مستقل نصیب نہیں ہوا۔

ہندو مسلمانوں میں جو اختلاف ہے خواہ اس کے وجوہ معقول نہ ہوں لیکن یہ حقیقت بجائے خود ثابت ہے کہ یہ اختلاف معمولی نہیں بلکہ شدید ہے۔ اور اس کی شدت اس سے ظاہر ہے کہ اس اختلاف یا مخالفت کی وجہ سے ان دونوں فرقوں میں جنگ و جدال تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور ایسی خونریزی ہوتی ہے جس میں فریقین کی بہت سی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ کم و بیش زخمی ہوتے ہیں جانوں کے علاوہ عموماً فریقین کا مالی نقصان بھی ہوتا ہے کیونکہ اس فساد کے سلسلہ میں غارتگری اور آتشزدگی وغیرہ کے حادثات بھی پیش آتے ہیں جس سے لوگوں کو غیر معمولی مالی نقصان پہنچتا ہے۔ ان حالات میں کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے مابین کوئی خاص یا غیر معمولی اختلاف نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دونوں فرقوں میں ایسے مصالحت پسند، دور اندیش اور سنجیدہ اصحاب موجود ہیں جو اس اختلاف اور فتنہ و فساد کو بُرا سمجھتے ہیں اور اس کی اصلاح کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش بھی کرتے رہتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر فرقہ میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو مصالحت کی اہمیت و ضرورت محسوس نہیں کرتے اور معمولی معمولی باتوں پر جذبات سے مغلوب ہو کر فتنہ و فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں اگر یہ فتنہ پرداز لوگ موجود نہ ہوتے تو یقیناً فساد و خونریزی کی نوبت نہ آتی۔

فتنہ و فساد کا یہ سلسلہ اسی مدت سے جاری ہے اور اصلاحی کوششیں اتنی مرتبہ ناکامیاب ہو چکی ہیں کہ اب بہت سے حامیان اتحاد بھی اس سے مایوس ہو چکے ہیں کہ ہندو مسلمانوں میں مصالحت ہو سکتی ہے یہ اسی مایوسی اور بار بار کی ناکامی کا اثر ہے کہ بہت سے معقولیت پسند اصحاب جو اتحاد کی ہر تحریک میں پیش پیش رہتے تھے، اب خاموش ہو کر بیٹھ رہے اور یہ سمجھنے لگے کہ اس کام کے لئے کوشش کرنا گویا پہاڑ سے سر ٹکرانا ہے اس لئے خواہ مخواہ کیوں وقت ضائع کیا جائے اور لوگوں کا نشانہ ملامت بنا جائے، البتہ کچھ نئے نئے لوگ جذبۂ حب وطن سے مجبور ہو کر بڑے جوش کے ساتھ میدان میں آتے رہتے ہیں، لیکن کچھ مدت کے تلخ تجربوں کے بعد وہ بھی شکستہ خاطر ہو کر اس کوشش سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں لیکن مسٹر راجگوپال اچاریہ کی طرح دو چار صاحب ہمت ایسے بھی ہیں جو اب تک مایوس نہیں ہوئے اور اسی جد و جہد میں مصروف ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان مخلصین کی کوششیں کہاں تک کامیاب ہوتی ہیں۔ اب تک جو نتائج ظاہر ہوئے وہ کچھ امید افزا نہیں ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے فرقہ وارانہ مصالحت وجود میں نہیں آتی اور فتنہ و فساد کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ آج تک جاری ہے؟ یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ اس کے حقیقی اسباب کا پتہ چلانا آسان نہیں، تاہم حالات کے مطالعہ کے بعد اس سیسیت کے جو اسباب سمجھ میں آتے ہیں وہ ذیل میں بتائے جاتے ہیں۔

۱۔ ابھی تک ہندوستانی عوام کی اکثریت نے فرقہ وارانہ اتحاد کی اہمیت و ضرورت محسوس نہیں کی ہے اس لئے اب تک یہ امر ان کے ذہن نشین نہیں ہے کہ ہندو مسلمانوں کے میل جول سے ملک کو ترقی و فلاح اور آزادی نصیب ہوگی جس سے بلا امتیاز مذہب و فرقہ ہر شخص فائدہ اٹھائے گا،

۲۔ ہر فرقہ کے لیڈروں میں ابھی تک ایک خاصی تعداد ایسے تنگ نظر اور کوتاہ اندیش لوگوں کی ہے جو اپنے فرقہ میں ہر دلعزیزی و اقتدار حاصل کرنے کے لئے دوسرے فرقہ پر الزامات لگا کر اپنے فرقہ کو اس کے خلاف برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً بعض ہندو لیڈر مسلمانوں کے عہد حکومت کے واقعات نہایت بدنما طریقہ سے اپنے فرقہ والوں کے سامنے پیش کرتے اور یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ہندوؤں پر سخت مظالم کئے اور انھیں زور قوت سے مسلمان بنانے کی کوشش کی، ہندو یہ واقعات سن کر مشتعل و برانگیختہ ہو جاتے ہیں، اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کے متعلق ایک مستقل نفرت و کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کو اپنا دیرینہ دشمن سمجھ کر کبھی ان کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش نہیں کرتے۔

۳۔ فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے جس قدر کوشش و تدبیر کی ضرورت تھی وہ اب تک عمل میں نہیں آئی، اور اس سلسلہ میں فریقین کے لیڈروں نے عوام کی ذہنیت تبدیل کرنے اور معاملہ کی اہمیت جتانے کیلئے

کوئی مستقل کوشش اور زبردست پروپگنڈا نہیں کیا۔

اب تک اس سلسلہ میں جو کوشش ہوتی رہی اُس کا طریقہ عموماً یہ رہا کہ بعض مخلص و اتحاد پسند لیڈروں کی تحریک و اصرار پر ہندو مسلمان لیڈر کسی شہر میں جمع ہوئے اور گفت و شنید کے لئے جلسہ شروع ہوا تاکہ مختلف فیہ مسائل پر بحث کرکے اس مشکل کا کوئی حل تجویز کیا جائے لیکن بد قسمتی سے اس جلسہ میں کچھ ایسے لیڈر بھی بھیجے گئے جو فرقہ پرستی میں بدنام ہیں اور جن کی ساری عمر آتش افروزی، ہنگامہ آرائی میں گزری ہے لیکن جلسہ میں وہ ایک مصالحت پسند انسان کے روپ میں نمودار ہوتے ہیں اور ایک تیز نظر شکاری کی طرح موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب انھیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ گفتگو ایسی منزل پر آگئی ہے کہ شاید اختلاف کا خاتمہ ہو جائے تو وہ فوراً کوئی ایسا مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں جس سے فریقین کا توازن دماغی قائم نہ رہے اور وہ مشتعل ہو جائیں۔

اس فتنہ پردازی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جلسۂ مصالحت نہایت تلخی و ناکامی کی حالت میں ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد یہ فرقہ پرست جلسہ سے باہر نکل کر تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سے اپنی قوم کو یہ بتلاتے ہیں کہ انھوں نے کس طرح جلسہ میں اپنی قوم کے مفاد کی حفاظت کی اور انھیں آنے والے خطرہ سے بچایا۔ یقین کہ عوام جن کی ذہنیت پہلے سے خراب کر دی گئی ہے اس فرقہ پرست و تنگ نظر لیڈروں کے ان ناشائستہ کارناموں سے خوش ہوتے ہیں اور اُن کا اقتدار عوام میں بڑھ جاتا ہے۔

ان واقعات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ فرقہ پرست لیڈر ہندو مسلم مصالحت میں کس قدر بڑی رکاوٹ ہیں جو عوام کو اپنا آلۂ کار بنا کر شخصی اقتدار حاصل کرنے کے لئے بیتاب رہتے اور ملک کے مفاد کو اپنے ذاتی اغراض پر قربان کر دیتے ہیں۔

اب رہے وہ لیڈر جو واقعی طور پر اتحاد کے حامی ہیں اُن کی کمزوری یہ ہے کہ وہ پوری قوت سے اس کے درپے نہیں ہوتے کہ جس طرح بھی ممکن ہو ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کا استیصال کر دیں، اور اخلاقی جرأت سے کام لے کر ان فرقہ پرست لیڈروں کا مقابلہ کریں جو ہمیشہ مصالحت میں سنگ راہ ہوتے ہیں۔

۴۔ ایک اور چیز جو موجودہ زمانہ میں ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں ناخوشگواری بلکہ نفرت و بیزاری پیدا کر رہی ہے بعض غیر مسلم مصنفین کی وہ غیر مستند و شرارت آمیز تاریخی کتابیں ہیں جو سرکاری تعلیم گاہوں کے "نصاب تعلیم" میں داخل ہیں یا عام پڑھنے والوں کے لئے لکھی گئی ہیں، اور جن میں اسلام اور مسلمانوں کی نہایت مکروہ و غلط تصویر دنیا کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ غیر مسلم طلبہ جب اوائل عمر میں فتنہ انگیز کتابیں پڑھتے ہیں، تو مسلمانوں کے متعلق نہایت غلط اور خلاف واقعہ باتیں اُن کے دلوں میں راسخ ہو جاتی ہیں جس کا اثر آخر عمر تک قائم رہتا ہے۔

تاریخی و نصابی کتابوں کے علاوہ غیر مسلم مصنفین (جن میں یورپ کے سیاست داں بھی شامل ہیں) ناولوں، افسانوں اور دوسرے مضامین کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی مسخ شدہ تصویر لوگوں کے سامنے کرکے ہمیشہ مخالفانہ پروپگنڈا کرتے رہتے ہیں اس طریقہ سے مشرقی و مغربی زبانوں میں مسلمانوں کے خلاف گندہ و فتنہ انگیز لٹریچر کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ مہیا ہو گیا ہے، ناواقف اور خالی الذہن غیر مسلم جب اس لٹریچر کو پڑھتے ہیں تو خواہ مخواہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے زمانہ عروج و ترقی میں دوسری قوموں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا اور یہ کہ اسلام تہذیب و شائستگی کا مخالف اور انسان کی دنیوی ترقی میں سنگ راہ ہے۔

۵۔ یورپ کے سیاست پیشہ لوگوں کے علاوہ (جو مشرقی ممالک پر اپنا اقتدار حاصل کرنے کے لئے بے چین رہتے ہیں) مسیحی مشنریوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپگنڈا کرنے میں کچھ کم کام نہیں کیا، اگرچہ ان مشنریوں کا طریقہ کار سیاست پیشہ لوگوں سے مختلف تھا لیکن اپنے نتائج کے لحاظ سے اُس سے بھی زیادہ خطرناک۔

ان لوگوں نے اسلامی عقائد، اسلامی تعلیم و تہذیب کو اسی مکروہ صورت میں پیش کیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور شبانہ روز کے اعمال پر تاریخی رنگ میں ایسی نکتہ چینی کی کہ عوام کا تو کیا ذکر ہے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اسلام واقعی دنیا کے لئے ایک مصیبت اور انسانی ترقی میں سنگ راہ ہے۔

مسیحی مشنریوں نے تلبیس سے کام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور اسلامی عقائد و مسائل پر جو بے بنیاد اعتراضات کئے تھے مسلمانوں نے ایک ایک کرکے اُن کے دنداں شکن جوابات دئے اور یہ ثابت کر دیا کہ ان میں سے ایک اعتراض بھی کسی صحیح بنیاد پر مبنی نہیں ہے، مثلاً مسیحی مشنریوں کا ایک کہنہ و بوسیدہ اعتراض یہ ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا! مسلمانوں نے اس کے جواب میں نہایت زبردست دلائل سے ثابت کیا کہ اسلام نے کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی کہیں اجازت نہیں دی ہے، اور خلفائے راشدین و صحابۂ کرام نے جو اسلام کی صحیح و حقیقی تعلیم کے حامل تھے کبھی ایسا نہیں کیا، لیکن یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ اب تک اس فرسودہ اعتراض کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے، اور جو لوگ اسلامی تعلیم سے ناواقف ہیں وہ آج بھی اس فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۶۔ مسیحی مشنریوں کی تقلید میں ہندوستان میں آریہ سماج نے بھی اسلام و مسلمانوں کے خلاف زبردست پروپگنڈا شروع کیا، مشنریوں کی تصنیفات میں ایک حد تک تہذیب و شائستگی کا لحاظ رکھا جاتا تھا لیکن آریہ سماج نے اس کا لحاظ بھی نہ کیا اور نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ ہندوستان کے تمام مذاہب کے متعلق ایسا سفیہانہ طریقہ اختیار کیا جو سخت اشتعال انگیز تھا اور جس نے ایک مستقل نفرت و بیزاری مختلف فرقوں کے درمیان پیدا کر دی۔ بانی آریہ سماج اور اُن کے مقلدین کی یہ اشتعال انگیز تصانیف آج بھی موجود ہیں جن کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مذہب کے نام پر جو طریقۂ تحریر اختیار کیا گیا وہ کس قدر شرمناک ہے آریہ سماج نے تالیف و تصنیف کے علاوہ مختلف مذاہب سے مناظرہ کا سلسلہ بھی شروع کیا اور ہندو مذہب کی تعلیم کے خلاف مسلمانوں اور دوسرے مذہب والوں کو آریہ بنانے کی بھی کوشش کی، اور اس جد و جہد میں ایسے طریقے اختیار کئے جس سے ملک کی ساری فضا مکدر ہو گئی اور شدید فرقہ وارانہ اختلاف پیدا ہو گیا۔

آریہ سماج نے شہروں کے علاوہ دیہات میں بھی اپنا کام شروع کیا اور نو مسلم قوموں کو جو صدیوں سے مسلمان چلی آتے ہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں نے تمہارے باپ دادا کو زبردستی مسلمان بنا لیا تھا، اب تم پھر ہندو مذہب میں آجاؤ اس تحریک نے جس کا نام شدھی رکھا گیا تھا ایک

... زبان

... یعقوب مرحوم کی آخری تقریر

(۲)

نثر اردو کی ابتدا

اپنی اس دلچسپ تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے سر محمد یعقوب نے کہا "پرتگالی فرانسیسی اور انگریز جب ہندوستان میں اپنی تجارت کے سلسلے میں آنے گئے تو انھوں نے بھی اس زبان میں اپنی زبان کے الفاظ شامل کر کے اس زبان کو اور وسعت دی کیونکہ ہم صبح سے شام تک ان زبانوں کے الفاظ اردو میں بے تکلف استعمال کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اردو کے الفاظ بول رہے ہیں۔ مثلاً ریڈیو، ٹیلیگراف، ہال وغیرہ۔ اردو کے پروان چڑھانے میں چار زبانوں نے زیادہ حصہ لیا۔ سب سے پہلے بھاشا اس کے بعد عربی فارسی اور انگریزی کا نمبر آتا ہے جن سے مل کر یہ زبان بنی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا دور جہاں تک حکمرانی کا تعلق ہے زیادہ تر فائدہ مند نہ تھا اور ملک کے باشندے اس کے مداح نہ تھے لیکن نثر اردو کے لئے یہ دور نہایت مفید ثابت ہوا کیونکہ ۱۸۰۰ء میں اس کمپنی نے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا جس کے ساتھ ایک دار الترجمہ بھی کھولا اور فارسی کی سینکڑوں کتابوں کا ترجمہ اردو میں کر کے اردو کو وسعت دی۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار اور منشی پریم چند نے اور ان جیسے دیگر بلند پایہ ہندو ادیبوں نے بھی اردو کی بہت بڑی خدمت کی۔

آگے چل کر سر موصوف نے فرمایا "جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ اردو بولنے کی زبان تھی اور فارسی لکھنے کی، اردو زبان کو لکھنے کی زبان بنانے کا سہرا سب سے پہلے مرزا غالب کے سر ہے کیونکہ انھوں نے اردو نثر میں خطوط لکھنے کی بنا ڈالی تھی اور نئی اردو کی بنیاد مرزا غالب ہی سے ہوتی ہے اس کے بعد اس زبان میں نئے علوم کو لینا اور زبان کو زائد الفاظ اور قافیوں و ردیفوں سے پاک و صاف کرنا سر سید احمد خاں اور ان کے رفقاء کار نے جن میں نواب محسن الملک، علامہ شبلی، مولانا [illegible] احمد، مولانا حالی وغیرہ شامل ہیں اپنے ذمہ لیا۔ [illegible] نے اپنی تصانیف اور مضامین سے اردو [illegible] پہنچا دیا جس درجہ پر آج ہم اس کو دیکھ [illegible] اردو کا [illegible]

حضرت سلطان العلوم سلطان الشعراء کی ذات ہمایونی ہے جنھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنا کر اردو کو سکۂ رائج الوقت بنا دیا اور جیسا کہ اردو سکہ ملک میں چلتا ہے اسی طرح یہ زبان چلتی ہے یہاں پر اردو کی جانب سے بڑی خدمت دار الترجمہ کر رہا ہے سب سے پہلے اردو کو مولوی عبدالحق صاحب کا رہین منت ہونا چاہئے جو نصف صدی سے اس کی خدمت کر رہے ہیں اور اس کے بعد دار الترجمہ کے دیگر [illegible] جن میں منشی عنایت اللہ صاحب اور موجودہ ناظم الیاس برنی صاحب شامل ہیں۔ اردو کی جیسی خدمت حیدرآباد کر رہا ہے ایسی خدمت ہندوستان کے کسی صوبہ میں نہیں ہو رہی ہے۔ حکیم شمس اللہ قادری صاحب نے بھی اردو کی خدمت تاریخ ہندوستان اردو میں لکھ کر کی۔ اسی طرح آپ کے دوسرے نوجوان مصنفین جن کا تعلق عثمانیہ یونیورسٹی سے ہے جن میں نامی ڈاکٹر زور ڈاکٹر سید سجاد ہیں۔ موجودہ زمانے میں ان کی اردو ٹکسالی اردو کہلاتی ہے۔ گو کہ مدت سے زمانہ سے اس کی بنیاد پڑی جس کو تقریباً پانسو سال کا عرصہ ہوتا ہے اس وقت یہ دنیا کی بڑی بڑی زبانوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

قوم کی تشکیل کے لئے یک زبانی ضروری ہے

اور عثمانیہ یونیورسٹی کی وجہ اردو زبان میں علم کے تمام شعبے منتقل ہو گئے ہیں۔ زبان کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے سر موصوف نے کہا "قوم بننے کے لئے ایک زبان کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دنیا میں جتنی قومیں آباد ہیں ان میں سے ہر ایک کی اپنی زبان ہے۔ ہندوستان میں اگرچہ قوم کا لفظ زیادہ پکارا جاتا ہے لیکن ان چیزوں کو جن سے کہ قوم بنائی جاتی ہے حاصل نہیں کیا جاتا۔ میرا کہنا یہ ہے کہ پشاور سے لے کر راس کماری تک اردو ہی ایک زبان ہو جائے کیونکہ برطانیہ کی زبان انگریزی ہے اور اس کے جزائر آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ میں بھی انگریزی بولی جاتی ہے اور امریکہ میں بھی انگریزی زبان رائج ہے لیکن برطانیہ میں جو انگریزی بولی جاتی ہے ان دوسرے علاقوں میں نہیں بولی جاتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ انگریزی زبان نہیں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مقامی حالات کے اعتبار سے وہاں کے مروجہ الفاظ انگریزی زبان میں استعمال ہوتے ہیں اسی طرح ہندوستان سے جو ایک بہت بڑا ملک ہے یہ توقع کرنا بہت دشوار ہے کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک زبان ہے بلکہ ہر صوبہ میں مقامی حالات کے اعتبار سے کچھ الفاظ شامل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حیدرآباد اور دہلی کی اردو میں بہت بڑا فرق ہے جس کی وجہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اردو نہیں۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں کی گفتگو میں عربی کے [illegible] الفاظ [illegible] ہوں اور ہندوؤں کی گفتگو میں [illegible] لیکن یہ زبان بہت لوچ رکھتی ہے اس میں ہر قسم کے الفاظ نہایت خوبی سے سما جاتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں نے زبان کے مسئلہ کو مابہ النزاع [illegible] ملک کے ہر باشندے کا فرض ہے کہ ملک کی اس زبان کو علمی خزانوں سے مالا مال کرنے کی کوشش کرے اور ایسی زبان بولی جائے جو ہر صوبہ کے لوگ نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔

تقریر ختم کرتے ہوئے سر محمد یعقوب نے فرمایا "انگریزوں نے بھی اس زبان کو ترقی دینے کی حتی المقدور کوشش کی جن میں اردو کے بعض اچھے مترجم بھی گزرے ہیں۔ اب ہماری مشترکہ زبان ہے اور تاریخ اس کی شاہد ہے کہ ہندوستان کی بسنے والی ہر قوم نے اس کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا جس طرح اردو میں انگریزی زبانوں کے لفظ مل کر جذب ہو گئے اور یہ امتیاز باقی نہ رہا کہ کون لفظ کس کا ہے اسی طرح اب اس کی ضرورت ہے کہ ملک کے تمام اقوام بلا امتیاز مذہب و ملت ایک ہو جائیں اور اس کا امتیاز باقی نہ رہے کہ کون شخص کس قوم سے تعلق رکھتا ہے اور سب مل کر ملک کی ترقی کے لئے کام کریں۔

سر محمد یعقوب مرحوم

سر محمد یعقوب مرحوم کی افسوسناک رحلت کی اطلاع کانفرنس گزٹ میں شائع ہو چکی ہے اب ذیل میں کسی قدر تفصیلی حالات شائع کئے جاتے ہیں۔

سر موصوف کا وطن مراد آباد تھا لیکن آپ کے والد حافظ محمد اسمٰعیل صاحب (مرحوم) کی زندگی کا بڑا حصہ پیشۂ وکالت کے سلسلہ میں شاہجہانپور میں گزرا، وہ شہر کے ممتاز و کامیاب وکلاء میں سمجھے جاتے تھے، اور ان کا حلقۂ احباب نہایت وسیع تھا۔

حافظ صاحب مرحوم کو قومی کاموں خصوصاً علی گڑھ

تحریک سے نہایت دلچسپی تھی، چنانچہ سرسید مرحوم کے زمانہ میں انھوں نے شاہجہانپور کے چند دوسرے با اثر اصحاب کے ساتھ شامل ہو کر علی گڑھ کی ایجوکیشنل کانفرنس کو شاہجہانپور میں سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی دعوت دی، اور یہ اجلاس دسمبر ۱۸۹۵ء میں زیر صدارت **نواب محسن الملک** بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوا جس میں اُس زمانہ کے تمام مشہور و ممتاز مسلمان شریک تھے۔

حافظ محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم جماعت استقبالیہ کے ایک ممتاز ممبر تھے، اور انھوں نے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے بہت محنت و کوشش کی اور شہر کے بعض سربرآوردہ مسلمانوں کو جو مذہبی وجوہ کی بناء پر سرسید مرحوم اور اُن کی تعلیمی تحریک سے ایک حد تک بیزار تھے کانفرنس کی شرکت پر آمادہ کیا، اس کے علاوہ انھوں نے شاہجہانپور کی گزشتہ تاریخ کے متعلق کانفرنس کے اجلاس میں ایک لکچر بھی دیا جو مورخانہ انداز پر بہت محنت و کوشش سے تیار کیا گیا تھا، اجلاس کے بعد یہ لکچر ایک مستقل رسالہ کی صورت میں علی گڑھ سے چھپ کر شائع ہو گیا۔

تمام قومی تحریکات کے علاوہ حافظ محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم مسلمانان شاہجہانپور کی قومی و تعلیمی ضرورتوں کے سرانجام میں بھی خاص دلچسپی لیتے تھے اور اُس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جن معاملات میں جد و جہد کرنے یا حکام کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اُن میں پیش پیش رہتے تھے۔ چونکہ حافظ صاحب مرحوم کا مستقل قیام شاہجہانپور میں تھا اس لئے سر محمد یعقوب مرحوم کی عمر کا ابتدائی حصہ شاہجہانپور ہی میں گزرا،

ابتدائے عمر میں سر محمد یعقوب مرحوم نے کچھ مدت تک عربی کی تعلیم بھی سبقاً سبقاً مولانا سید بشیر احمد صاحب مرحوم سے حاصل کی جو شاہجہانپور کے ایک عربی مدرسہ میں مدرس اعلیٰ تھے اور اپنے شاگردوں کے ساتھ نہایت لطف و محبت سے پیش آتے تھے۔

حافظ محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کو علی گڑھ تحریک اور ایم اے او کالج سے جو تعلق تھا اُس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ محمد یعقوب صاحب کو انھوں نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے علی گڑھ بھیجا۔ کانفرنس کا اجلاس دسمبر ۱۸۹۵ء میں ہوا تھا۔ حافظ صاحب نے اجلاس سے چند ماہ پہلے اگست ۱۸۹۵ء کو انھیں علی گڑھ بھیج دیا تھا جہاں وہ مارچ ۱۹۰۰ء تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ گویا وہ سرسید کے زمانہ ہی میں علی گڑھ آ گئے اور تقریباً تین سال تک اُن کے عہد میں تعلیم پائی، اور ان کی تعلیمی جد و جہد کو بچشم خود دیکھا۔ اس کے بعد نواب محسن الملک (مرحوم) کا دور آیا اور اُن کی ہمت مردانہ، تدبر و محنت اور رواداری و بیدار مغزی سے علی گڑھ تحریک کا چرچا سارے ملک میں پھیل گیا،

یہ زمانہ علی گڑھ کی تاریخ میں ایک خاص امتیاز رکھتا تھا، سر محمد یعقوب مرحوم نے اسی ماحول میں تعلیم پائی اور نواب محسن الملک (مرحوم) کی صحبت میں بھی انھیں باریابی کا موقع ملا اس لئے اُن میں قومی کاموں کا ایک خاص ذوق پیدا ہو گیا جس کا اظہار زمانۂ طالب علمی ہی میں مختلف صورتوں میں ہوتا رہا۔ اسی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں وہ "یعقوب قوم" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

علی گڑھ چھوڑنے کے بعد بھی انھوں نے اپنے تعلقات کالج اور اُس کے ارباب حل و عقد سے قائم رکھے، پیر اکثر اولڈ بوائز سے بھی اُن کے تعلقات نہایت دوستانہ و خوشگوار تھے "مرحوم" کالج کے معاملات کے علاوہ اُن سب تحریکوں میں بھی عملی حصہ لیتے تھے جو علی گڑھ سے جاری ہوتی تھیں۔

سر محمد یعقوب نے کالج چھوڑنے کے بعد ابتدا میں کچھ مدت تک **شاہجہانپور** میں اس کے بعد اپنے وطن مرادآباد میں مستقل طور پر وکالت شروع کی، اس کے علاوہ قومی خدمت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ چنانچہ اپنے وطن کے ہیوٹ مسلم ہائی اسکول کی ترقی کے لئے خاص کوشش کی اور اس کے انتظامیہ کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے، اس کے علاوہ اپنی ہردلعزیزی کی وجہ سے مرادآباد میونسپلٹی کے چیرمین بنائے گئے ان سب عہدوں کے فرائض انھوں نے دلچسپی اور خوش اسلوبی سے انجام دئے۔ مزید برآں ملکی سیاست میں بھی حصہ لینا شروع کیا جس کی وجہ سے آپ سیاسی لیڈروں کے حلقہ میں روشناس ہوئے۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، نیز کافی مدت تک اسمبلی کے وائس پریسیڈنٹ اور اس کے بعد پریسیڈنٹ رہے۔ اس کے بعد کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور کچھ مدت تک وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کے قائم مقام ممبر بھی رہے۔ اسمبلی کی ممبری کے زمانہ میں آپ بعض سرکاری کمیٹیوں کے ممبر بھی منتخب ہوتے رہتے تھے۔

اس سارے زمانہ میں آپ ملکی سیاسیات میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ ایک طویل مدت تک آل انڈیا مسلم لیگ سے بھی آپ کا تعلق رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۷ء میں جب **آل انڈیا مسلم لیگ** کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں ہوا تو آپ ہی نے اجلاس کی صدارت فرمائی، اسی اجلاس میں "سائمن کمیشن" کے بائیکاٹ کی تجویز منظور ہوئی تھی، مسٹر **محمد علی جناح** کے زمانۂ صدارت مسلم لیگ میں آپ لیگ کے سکرٹری بھی رہے۔

ان سیاسی خدمات کے زمانہ میں بھی علی گڑھ سے اُن کے تعلقات مستحکم تھے اور وہ یہاں کے معاملات میں پوری دلچسپی سے حصہ لیتے تھے۔ مسلم یونیورسٹی قائم ہونے سے پہلے وہ علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی تھے۔ یونیورسٹی کے قیام کے بعد ممبر کورٹ مقرر ہوئے۔ جب مسلم یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے ملک میں چندہ کی تحریک شروع ہوئی تو سر محمد یعقوب نے بھی اُس میں عملی حصہ لیا اور اپنے حلقۂ اثر میں چندہ کی فراہمی کے لئے خاص کوشش کی، علی گڑھ کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن سے بھی مرحوم کا خاص تعلق تھا اور جب موقع ملتا تھا آپ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں بھی شرکت کرتے تھے۔ آفتاب ہوسٹل کی تعمیر میں بھی آپ نے حصہ لیا اور فراہمی چندہ کے لئے کوشش کی۔ غرض علی گڑھ کے ہر کام سے آپ پوری دلچسپی لیتے تھے اور کسی ممکن امداد میں تامل نہیں کرتے تھے،

اوائل ۱۹۳۸ء میں آپ "مشیر اصلاحات" کے عہدہ پر مقرر ہو کر حیدرآباد تشریف لے گئے، چونکہ برطانوی ہند میں آپ کو مرکزی اسمبلی کے کاروبار کا پورا تجربہ تھا، اور جو اصلاحات بتدریج ہندوستان کے آئین حکومت میں ہوئی تھیں اُن سے بھی کافی واقفیت تھی اس لئے مشیر اصلاحات کی حیثیت سے حیدرآباد میں آپ کا تقرر ایک خاص موزونیت رکھتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ قضا و قدر نے آپ کو اتنا موقع نہ دیا کہ جس مقصد کے لئے آپ مقرر کئے گئے تھے اُس کی تکمیل کر سکیں۔

ہندوستان کی طرح حیدرآباد میں بھی [illegible] دو سال کے قیام میں آپ [illegible] وسیع ہو گیا [illegible]

بہت سے پبلک جلسوں میں مفید تقریریں کیں اور بہت سے جلسوں کی صدارت فرمائی' اور یہ سلسلہ وفات سے ایک دو روز تک پہلے جاری رہا۔ مرحوم نے قیام حیدرآباد کی مختصر مدت میں نہ صرف اولڈ بوائز کے حلقہ میں بلکہ وہاں کے عمائد و ممتاز اصحاب کے حلقہ میں بھی ایک خاص وقار و اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ جب اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہ کو سر محمد یعقوب کی رحلت کی خبر پہنچی تو حضور ممدوح نے خاص طور پر "خطۂ صالحین" میں دفن کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی' نیز سر ممدوح کی قیام گاہ پر تشریف لا کر دیر تک قیام فرمایا اور مرحوم کی وفاداری کا تذکرہ کرتے ہوئے اظہار تاسف فرماتے رہے' اس کے علاوہ تجہیز و تکفین کے انتظامات کے متعلق بھی مناسب احکام صادر فرمائے اور بعض خاص تبرکات بھی عطا کئے'

آپ کی تدفین میں علاوہ صدر اعظم کے دوسرے بہت سے ارکان سلطنت' سرکاری عہدہ دار اور عام مسلمان کثیر تعداد میں موجود تھے' مرحوم کی ہر دلعزیزی اس سے ظاہر ہے کہ حیدرآباد کے ہر طبقہ و حلقہ میں آپ کی وفات پر غیر معمولی رنج و ملال ظاہر کیا گیا اور ملکی اخبارات نے بھی اس اندوہناک حادثہ پر رنج و قلق ظاہر کیا۔ چنانچہ حیدرآباد کا ایک ربرآوردہ اخبار اپنے مقالہ افتتاحیہ میں اس حادثہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"اس مختصر سی مدت میں آپ نے یہاں کے مختلف حلقوں میں جو غیر معمولی مقبولیت و شہرت حاصل کر لی تھی وہ آپ کی ہمہ گیر شخصیت اور قابلیت کی بین دلیل ہے۔ یہ آپ میں عجیب وصف تھا کہ ملنے والے اور نہ ملنے والے دونوں آپ کے یکساں طور پر مداح تھے۔ اور آپ نے اس دوران میں جہاں مختلف ممتاز حیثیتوں سے بے شمار سرکاری اور پبلک خدمات انجام دیں وہاں کسی متنفس کو بھی آپ سے بدظنی یا شکایت کا موقع نہ ملا' بلکہ آپ کے اوصاف حمیدہ و اطوار پسندیدہ نے یکساں طور پر سب کا دل بلا لحاظ مذہب و ملت موہ لیا تھا اور ہر ایک آپ کے حسن سیرت اور کردار کے گن گاتا تھا۔ آپ نے اپنی وسیع خیالی کے جو نقوش دیرپا نقوش اہل حیدرآباد کے دلوں پر مرتسم فرمائے ہیں اور اپنے بہترین سلوک اور اعلیٰ طرز عمل سے انسانیت کا ایک قابل تقلید نمونہ ملک کے آگے پیش کیا ہے جس کو یقیناً فراموش نہ کیا جا سکے گا۔"

پھر اسی سلسلہ میں لکھا ہے:۔

"عزت و شہرت اور جاہ و حشمت نے ہمیشہ آپ کا ساتھ دیا اور مختلف حیثیتوں سے آپ ممتاز اور ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے اور بڑے بڑے مناصب آپ کو عطا ہوئے لیکن آپ کے اعلیٰ کردار کی ایک نمایاں خاصیت یہ تھی کہ جیسے جیسے آپ نے ترقی کے منازل طے کئے ویسے ویسے آپ کی عبدیت میں انکساری بڑھتی گئی' بڑے بڑے مناصب اور رتبوں کے ساتھ طبیعت کا یہ رنگ ایک ایسا عطیہ تھا جسے قدرت نے فیاضی سے عطا کیا تھا ———'

"کبھی آپ کو گوارا نہ تھا کہ کسی طرح بھی کسی کی شکستہ خاطری ہو' ہمیشہ خوشدلی اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے' غریبوں کی مدد اور سلوک میں پس و پیش نہ فرماتے تھے' چنانچہ خدمتگاروں اور ملازموں کے ساتھ جو آپ کا سلوک تھا اس نے ان کو آپ کی وفات پر آٹھ آٹھ آنسو رلائے' غریب سے امیر تک سب کے قلوب ایک ہیجانی و انتشاری کیفیت میں مبتلا تھے' غرض ان سب خصوصیات کا ایک شخص واحد کی ذات میں جمع ہو جانا ایک غیر معمولی بات تھی' ان خصوصیات نے مرحوم کے رشتہ داروں' احباب اور ملازموں پر بڑے گہرے اثر چھوڑے ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ وہ جلد بھلائے جا سکیں۔"

اخبارات کے علاوہ حیدرآباد کے متعدد اعلیٰ عہدہ داروں نے بھی مرحوم کی ذاتی خوبیوں اور محاسن اخلاق کے متعلق اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں جو حقیقت پر مبنی ہیں۔ موجودہ زمانہ کی حالت یہ ہے کہ جو لوگ سیاسی یا مذہبی عقائد کے اعتبار سے مختلف الخیال ہوتے ہیں ان کے باہم عموماً خوشگوار تعلقات نہیں ہوتے۔ سر محمد یعقوب مرحوم بھی مخصوص سیاسی خیالات رکھتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ان سب دوستوں اور شناساؤں سے جو سیاسیات میں ان سے اختلاف رکھتے تھے نہایت اخلاص و خوش دلی سے ملتے تھے اور خیالات کے اختلاف کا کوئی اثر اپنے طرز عمل سے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ یہ اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف الخیال لیڈروں سے ان کے ذاتی تعلقات شگفتہ اور دوستانہ تھے'

مذہبی معاملات میں بھی مرحوم تنگ نظر نہ تھے اس لئے ہر فرقہ و مشرب کے مسلمانوں سے ان کے تعلقات تھے اور وہ کبھی مذہبی مباحث چھیڑ کر کسی کی دل شکنی نہیں کرتے تھے' اس کے علاوہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں بھی اس کی احتیاط کرتے تھے کہ کوئی ایسا لفظ ان کی زبان و قلم سے نہ نکلے جو تعلقات میں ناخوش گواری یا تلخی پیدا کرے' علی گڑھ میں گزشتہ چہل سالہ مدت میں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے' اور مختلف پارٹیاں قائم ہوئیں لیکن انھوں نے سب سے اپنے دوستانہ تعلقات قائم رکھے اور حتی الامکان اس کی احتیاط برتی کہ کوئی ایسا طرز عمل نہ اختیار کریں جس سے کسی فریق کو شکوہ و شکایت پیدا ہو۔ غرض خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مسلم یونیورسٹی کے دائرہ عمل کی وسعت

مکرمی تسلیم میں ممنون ہوں گا اگر آپ اطلاعات ذیل اپنے موقر جریدہ کی قریبی اشاعت میں درج فرمائیں۔

نیازمند ڈاکٹر احمد وہاب خیری

گزشتہ سال مسلم یونیورسٹی ایکٹ میں ترمیم ہو جانے سے یونیورسٹی کو اب یہ اختیار ہو گیا ہے کہ وہ ضلع علی گڑھ کے حدود میں مختلف درسگاہیں قائم کر کے ان کو یونیورسٹی سے ملحق کر سکتے ہیں چنانچہ اس اختیار کے بموجب امسال تعلیم نسواں کے لئے ڈگری کالج کا قیام عمل میں آ چکا ہے علاوہ ازیں انجینیرنگ کالج اور ٹیکنیکل کالج بھی معرض وجود میں آ گئے ہیں جن کی جماعت انتظامیہ کا اول اجلاس اس ہفتہ میں منعقد ہوا اب یہ درسگاہیں جدید قواعد کے تحت میں اپنا کام معمول کے مطابق کرنے لگی ہیں۔ متعلقہ قواعد (رولس) کا مسودہ تیار کیا جا رہا ہے تاکہ ان درسگاہوں کے نظم و نسق میں آئینی سہولتیں پیدا ہو جائیں ان درسگاہوں کی جماعت ہائے انتظامیہ میں ماہرین فن ہیں۔ یونیورسٹی کی اکیڈیمک اور اگزیکیٹو کونسلوں نے حال میں چند قرار دادیں منظور کی ہیں جن کی رو

سے وزیٹنگ بورڈ اور گورنر جنرل با جلاس کونسل سے طبیہ کالج کے قیام کے لئے اجازت حاصل کی جائے گی۔ متعلقہ ضابطہ کا مسودہ تیار کیا جا رہا ہے جو مسلم یونیورسٹی کورٹ کے آئندہ اجلاس میں پیش کیا جائے گا۔

اب شدت کے ساتھ یہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ لندن کی طرح علی گڑھ یونیورسٹی کے حدود میں بھی علوم مشرقیہ کی درس و تدریس کے لئے ایک درس گاہ جو ہمہ وجوہ مکمل ہو قائم کی جائے چنانچہ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر عالی جناب لفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے اعلیٰ حضرت خسرو دکن بالقابہ کی بارگاہ معلیٰ میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ مجوزہ مشرقی درس گاہ مسجد زہرا کے زیر سایہ اپنے ارتقائی مدارج طے کرے قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ازراہ نوازش خسروانہ اس تجویز کو شرف قبولیت عطا فرمایا ہے۔

اسلامی علوم و تمدن کی مجوزہ درس گاہ کی تاسیس کی ضرورت کا احساس اس لئے بھی قوی تر ہو گیا ہے کہ بیرون ہند کے مسلم طلبہ خصوصاً باشندگان چین علی گڑھ یونیورسٹی میں داخل ہونا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ علی گڑھ میں داخلہ حاصل کرنے کا جذبہ چینی طلبہ کے دل میں اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ انھیں اس امر کا یقین ہو جائے کہ علی گڑھ میں اسلامی علوم و تمدن سے مستفید ہونے کے مواقع انھیں میسر آئیں گے۔

ہندوستانی یونیورسٹیوں کا مروجہ نصاب تعلیم ان کے لئے جاذب توجہ نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ شاندار تجویز بروئے کار آ گئی تو یہ امید کرنا کچھ بعید از قیاس نہ ہوگا کہ انشاء اللہ مسجد زہرا کی حیثیت اسلام اور اسلامی علوم کے مطالعہ کے سلسلے میں وہی ہو گی جو جامعہ ازہر کی مصر میں ہے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت خسرو دکن بالقابہ نے اس تجویز سے خاص شفقت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ان عمارات کے نقشے جو اس درس گاہ کے قیام کے لئے ضروری ہیں اس وقت زیر غور ہیں۔

ہماری قوم کے بلند نظر اور شاعرانہ ذوق رکھنے والے اصحاب بے شبہ اس کے متوقع ہوں گے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب مسجد زہرا اور اس کا ماحول اپنی مذہبی و علمی فضا اور نظر فریب و شاندار مناظر کے لحاظ سے مصر کی جامعہ ازہر کے لئے بھی رشک کا باعث ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت جیسے قدر شناس علم و ہنر کی ایک جنبش نظر سے وہ سب کچھ ممکن ہے جو ہماری امیدوں سے بھی بالاتر ہو۔

لندن میں شہنشاہ اکبر کی سالگرہ

اکبر اعظم کی ۴۰۰ ویں سالگرہ برٹش کونسل آف دی ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن" "انڈین سوسائٹی" اور "رائل ایشیاٹک سوسائٹی" کی مشترکہ سرپرستی میں منائی گئی اس تقریب کے اعزاز میں برٹش کونسل کے شعبہ فنون لطیفہ نے ایک نمائش کا انتظام کیا جس میں اکبر کے زمانہ میں بنائی ہوئی ایک تصویر شامل ہے اور جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ شہنشاہ کی واحد مستند تصویر ہے۔

مسٹر ایمری کی تقریر

لندن ۲۴ نومبر۔ مسٹر ایمری وزیر ہند نے دوشنبہ کو لندن کے برطانویوں اور ہندوستانیوں کے ایک ممتاز اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے جو اکبر اعظم کی چہار صد سالہ سالگرہ کی تقریب میں ہوا تھا' ہندوستان کے سیاسی مستقبل و عظمت کی مساوی حیثیت سے رواداری مفاہمت و اتحاد کی اپیل کی۔

مسٹر ایمری نے کہا "اگر سیاسی ہندوستان کے قائدین عصر حاضر کے جدید اصولوں پر اپنے آپ کو اس وسیع المشربی اور فراخدلی کے لئے وقف کر دیں جس کا اظہار اکبر نے کیا تھا تو یقیناً ہندوستان کے مستقبل کی ضمانت ہو جائے گی"۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے وزیر ہند نے کہا کہ اکبر "اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ شدید عدم رواداری کے زمانہ میں یہ پہلی ہستی ہے جس نے اپنی نسبت یہ خیال کیا کہ وہ ایک ایسا ترک یا مسلمان نہیں جو صرف اپنے قبیلہ والوں یا ہم مذہبوں کے لئے فرمانروائی کر رہا ہو بلکہ ہندوستان کا ایک ایسا حاکم ہے جس سے اس کے تمام باشندے مساوی انصاف اور مساوی نوازش کی امید رکھ سکتے ہیں اور جو یہ اعتراف کرنے کے لئے تیار ہے کہ مختلف مذاہب اس حقیقت روحانی تک پہنچنے کے محض مختلف طریقے ہیں جو عالم تخلیق میں پنہاں ہے اور اس طرح ہر مذہب احترام کا مستحق ہے اکبر کی بھی وہ اسپرٹ ہے جو ہندوستان کو پھر ایک بار دنیا میں وہ مقام عطا کر سکتی ہے جو اسے اکبر کے زمانہ میں حاصل تھا"۔

سر میلکم رابرٹسن' صدر برٹش کونسل نے جلسہ کی صدارت کی' انھوں نے ہز اگزالٹیڈ ہائی نس حضور نظام حیدر آباد و برار کا ایک پیام پڑھا جس میں لکھا ہے کہ اکبر "وہ مغل اعظم ہیں جنھوں نے ہندوستانی روایت و ثقافت کا انمٹ اثر چھوڑا۔ ہندوستانی اتحاد کے بانی کی حیثیت سے اکبر کا فیضان اب تک باقی و جاری ہے"۔

جام صاحب نوانگر

جام صاحب نوانگر نے کہا "اکبر بحیثیت شہنشاہ کے والیان ریاست کے لئے خاص دلکشی رکھتے ہیں ہم ہندوستان میں شخصی حکومت کی اہم روایت کے علمبردار ہیں۔ ہم والیان ریاست اپنی عظیم روایات اور تاریخ کے اسباق سے واقف ہوتے ہوئے' جدید میلانات اور ہندوستان کی جدید اسپرٹ سے بھی آگاہی رکھتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ ہم ان کے قدم بقدم چلیں گے اور ان کی نشو و نما کریں گے ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں سیاسی اور ثقافتی حیثیت سے ہندوستان کی ابھی بڑی خدمت کرنی ہے۔ ہماری واحد توقع یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے پیش اکبر اعظم کی مثال رہیگی۔

سر عزیز الحق کی تقریر

لندن ۲۵ نومبر۔ سر عزیز الحق ہائی کمشنر ہندوستان نے دوشنبہ کو شہنشاہ اکبر اعظم کے چہار صد سالہ جلسہ سالگرہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جبکہ ملکہ الزبتھ اپنی سلطنت برطانیہ کے بر و بحر پر عظمت و شوکت کی وسعت دے رہی تھی اس وقت اکبر اعظم مختلف العقائد گروہوں کو ایک مشترکہ شیرازہ میں منسلک کر کے جزیرہ نمائے ہند میں اپنی سب سے بڑی سلطنت مستحکم کر رہا تھا۔" آج جب کہ انگلستان متحدہ اقوام کے ساتھ ہندوستان کو لئے ہوئے انسانی آزادی و حقوق کے لئے جو نازیوں اور جاپانیوں کے ہاتھوں پامال ہو رہے ہیں مصروف آزما ہے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے ایک فرمانروا کی سالگرہ منانا مناسب ہوگا۔ اکبر اعظم نے زبان ادب اور فنون لطیفہ کو جو ترقی دی ہے وہ ہم سب کے لئے — چاہے ہندوستانی ہوں یا انگریز — ایک پیام ہے۔

اس [illegible]

[illegible] ادارہ [illegible]
[illegible] مستقبل کی تعمیر نو سے
[illegible] میں برطانوی کونسل
[illegible] کے مابین ایک نئی مفاہمت
[illegible] کی ایک نئی دستاویز ادر مشرق و مغرب
[illegible] کے اختلاط کی تجویز پر غور کر رہی ہے۔

مختصر نوٹ اور واقعات

[illegible] نواب صاحب بھوپال درہ خیبر میں — پشاور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ پہلی دسمبر کو ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال نے درہ خیبر [illegible] معائنہ فرما کر تیراہ کے آفریدیوں سے بھوپال کے [illegible] تعلقات کی تجدید کی۔ قبیلہ والوں نے گرم جوشی سے [illegible] ہائینس کا خیر مقدم کیا۔ اور اپنی قومی روایات [illegible] مطابق انہیں بھیڑوں اور خنجروں وغیرہ کے تحائف [illegible] پیش کئے اور جمرود میں کھانے پر مدعو کیا۔
[illegible] ہائینس آج صبح پشاور سے روانہ ہوئے اور [illegible] سے بذریعہ موٹر سیدھے افغانستان [illegible]

[illegible] — کلکتہ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ حکومت بنگال نے اپنے صوبہ کے [illegible] اضلاع میں مفت کونین [illegible] کے لئے ۳ لاکھ ۵۴ ہزار روپیہ صرف [illegible] حکومت نے ۱۳ ہزار روپیہ کی ایک [illegible] کے لئے ڈائرکٹر پبلک [illegible] بنگال کو [illegible] کونین کی بڑھتی ہوئی ضرورت کو پورا [illegible] اس کے [illegible] حکومت نے بعض اضلاع [illegible] ایک رقم سپرد کی ہے تاکہ [illegible]

[illegible]

پنجاب یونیورسٹی کو امسال دو لاکھ روپیہ کا خسارہ ہوگا یونیورسٹی کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے پانچ ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جس کا یہ کام ہوگا کہ آمدنی کے جدید ذرائع اور مصارف کی تخفیف پر غور کرے۔ اس کمیٹی کے ممبر سر منوہر لال، ڈاکٹر ایل سی جین، پرنسپل جواہر سنگھ ڈاکٹر منظفر اور خلیفہ شجاع الدین مقرر کئے گئے ہیں۔

پنجاب میں صنعتی تربیت کے مرکز — لاہور کی ایک سرکاری اطلاع مظہر ہے کہ "ٹیکنیکل ٹریننگ اسکیم" کی رفتار ترقی کے اعداد دسمبر ۱۹۴۲ء تک مرتب ہو چکے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صنعتی اسکیم کے اجراء سے پنجاب نے ۹۴۴۵ کاریگر بری و بحری فوج اور سول و فوجی کارخانوں میں ملازمت کے لئے بہم پہنچائے ہیں۔
معلوم ہوا ہے کہ اس وقت صوبہ کے ۷۴ مرکزوں میں ۵۹۰۴ اشخاص صنعتی تربیت حاصل کر رہے ہیں اور ان میں ۱۴۶۸ جگہوں کو ابھی پُر کرنا مطلوب ہے امسال ماہ ستمبر کے دوران میں ۱۱۶ جدید نشستوں کی منظوری دی گئی ہے۔

ایک کھرب ڈالر کا بجٹ — واشنگٹن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ باخبر حلقوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جنوری ۱۹۴۳ء میں امریکن کانگرس میں دنیا کا سب سے بڑا بجٹ جو ایک کھرب ڈالر کا ہے پیش کیا جائے گا سینیٹر وینڈنبرگ نے ایک انٹرویو میں کہا کہ کانگرس میں اس کی سخت مخالفت کی جائیگی۔
"ایک کھرب ڈالر" کی رقم کتنی عظیم الشان ہے لیکن جنگ کا دیوتا شاید اس پر بھی قناعت نہ کرے اس لئے نہ صرف امریکہ بلکہ ساری دنیا کو ابھی ہر قسم کی جانی و مالی قربانیوں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

جنگ کا اثر نصاب تعلیم پر — ہینگ سنگ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یہاں طلبا اور اُن کے سرپرستوں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ چونکہ کاغذ کی کمیابی سے جدید کتابوں کا چھاپنا تقریباً ناممکن سا ہو گیا ہے اس لئے جن کتابوں کی میعاد [illegible] دسمبر کو ختم ہوتی ہے انہیں تا اختتام جنگ کورس [illegible] رہنے دیا جائے اور نئی کتابیں رائج نہ کی جائیں۔
[illegible] سے یہ تجویز صوبہ میں لائق پذیرائی ہے۔

مطبوعات انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

یہ انجمن طلبائے مسلم یونیورسٹی کا ایک ادارہ ہے۔ جو ہر سال ہندوستان کے مقتدر علما اور اہل علم کو مدعو کیا کرتا ہے اور یہ بزرگان ملت علی گڑھ تشریف لا کر اپنے مواعظ تقاریر اور مقالوں سے طلبائے یونیورسٹی اور دیگر شائقین کو مستفید فرمایا کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ ایک ہفتہ تک مسلسل جاری رہتا ہے۔ ذیل کی مطبوعات اسی سلسلہ کے چند مقالات ہیں جو انجمن مذکور نے بغرض رفاہ عام کتابی شکل میں شائع کئے ہیں۔ اور برائے نام قیمت پر ان کو فروخت کرتی ہے یہ مقالات اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان گھر میں پہنچیں اور اس کے مکین ان کو پڑھ کر اپنے ایمان و روح کو تازگی بخشیں۔
مقالات کے عنوانات مع قیمت میں درج ہیں۔

کلمۂ طیبہ — از حضرت مولانا حافظ قاری محمد طاہر صاحب قاسمی۔ ۳/
ایمان — از حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی قیمت ۴/

تمدن اسلام کا پیام بیسویں صدی کی دنیا کے نام — از مولانا عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی قیمت ۳/

تمدن اسلام کی کہانی اسی کی زبانی — " " ۴/

فردوس گم گشتہ — از جناب چودھری غلام محمد صاحب پرویز۔ ۳/

تعلیم جدید پر ایک نظر روشن خیالوں کی نذر — از جناب محمد صدیق حسین صاحب۔ ۳/

انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل — از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب قیمت ۴/

تصنیفات مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی

روح القرآن — کلام مجید کی بہترین کلید ہے۔ ضروریات زمانہ کے مطابق مضامین کی فہرست مشکل الفاظ کی لغات، سورتوں کے خواص اور عملیات، خلاصے اور شان نزول درج ہیں۔ قیمت ... ۶/
سنگھار خانہ — مستورات کی خانگی زندگی سنوارنے کیلئے بہترین کتاب ہے قیمت ... ۶/
ماں بچہ کی نگہداشت — زچاؤں اور بچوں کے متعلق بہترین ہدایات [illegible] معلومات کا ذخیرہ قیمت ۴/
ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان [illegible] منزل۔ علی گڑھ

[illegible] محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا۔

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

مدیر سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۳) | ۱۶- دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۷- ذوی الحجہ سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر (۴۷)

گئی بہار مگر شورِ میکدہ نہ گیا
چلے ہی آتے ہیں میکش سبو سبو کرتے

مولانا الحاج سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم مغفور سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی کی ذات بابرکات علی گڑھ کے لئے باعث صد ناز و افتخار تھی اس کے علاوہ حلقۂ احباب و تلامذہ میں بھی مرحوم کو غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل تھی، یہ اسی کا اثر ہے کہ اگرچہ اب مولانا کی وفات پر تیس سال سے زیادہ زمانہ گزر گیا لیکن مخلصین و تلامذہ کے دلوں میں ان کی یاد اب تک تازہ ہے

آج بھی یہ حالت ہے کہ جب کسی صحبت میں حسن اتفاق سے مولانا کا ذکر چھڑ جاتا ہے تو لوگ عام طور پر مولانا اور اُن کی پُر لطف و بابرکت صحبتوں کو نہایت حسرت و یاس سے یاد کرتے ہیں اور ہر شخص مولانا کے فضل و کمال' اور اُن کی بلند شخصیت و باوقار زندگی، اور نکتہ آفریں طبیعت کے متعلق دو چار واقعات سنا دیتا ہے علی گڑھ میں یہ بات شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو کہ لوگ رحلت کے بعد بھی اس کو برسوں تک اسی جذبۂ عقیدت و جوش محبت کے ساتھ یاد رکھیں۔

مولانا مرحوم کے احباب و تلامذہ ہر سال ماہ ربیع الاول میں جو مولانا کی وفات کا مہینہ ہے مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد میں ایک جلسہ قرآن خوانی منعقد کرتے ہیں' جس کے آخر میں تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امسال بھی یہ جلسہ اپنے موقع پر منعقد ہوا تھا لیکن اس کے بعد ابھی حال میں مولانا کے ایک مخلص اور اُن کے اُستاد مرحوم کے ایک عزیز قریب نے نواب صدر یار جنگ بہادر کے سامنے یہ آرزو ظاہر کی کہ کیا خوب ہو کہ خود مولانا مرحوم کی قیامگاہ پر جس میں مرحوم نے اپنی علی گڑھ کی تیس سالہ زندگی بسر کی، ایک جلسۂ احباب ان کی یاد میں منعقد کیا جائے، نواب صاحب ممدوح نے اس تجویز کو پسند کیا چنانچہ ۷- دسمبر ۱۹۴۲ء کو بوقت ۵ بجے شام نواب صدر یار جنگ بہادر کی طرف سے مولانا مرحوم کی قیامگاہ پر چائے کی ایک دعوت قرار دی گئی۔

دعوت کا انتظام اور مولانا مرحوم کے احباب و تلامذہ کو مجتمع کرنے کی خدمت مولوی رشید احمد صاحب صدیقی چیرمین شعبۂ اردو کے متعلق کی گئی تھی، چونکہ رشید احمد صاحب خود بھی مولانا کے ایک مخلص عزیز شاگرد ہیں اس لئے انھوں نے ایک خاص جذبہ کے ساتھ یہ فرض انجام دیا'

مولانا مرحوم کے احباب و تلامذہ وقت مقررہ پر جمع ہو گئے سب سے پہلے چائے کا دور ہوا' جس کا اہتمام مولانا مرحوم کے ذوق طبع کے مطابق کیا گیا تھا تاکہ اس ذریعہ سے اس بزم شدہ صحبت کی یاد تازہ ہو جائے [illegible] بعد سب حاضرین نے فاتحہ [illegible] فاتحہ کے بعد منظور علی صاحب تمنا [illegible] جو ایک مدت دراز تک مولانا [illegible] مجید میں شریک رہ چکے ہیں ایک اثر انگیز نظم مولانا کی یاد میں پڑھی' تمنا صاحب کے بعد مسٹر آل احمد سرور لکچرر شعبۂ اردو نے (جو مولانا کے ایک مخلص و عزیز شاگرد ہیں) اپنی نظم سنائی' جس سے مولانا مرحوم کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا تھا' یہ دونوں نظمیں انشاء اللہ آئندہ شائع کی جائیں گی'

اس یادگار صحبت میں جو احباب شریک تھے

ساتھ اپنے ارادہ پر قائم رہے اور اپنا کام جاری رکھا تو یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ کامیاب ہوں گے اور عوام میں اس قدر فہم و فراست پیدا ہو جائے گی کہ وہ اچھے بُرے لیڈروں میں امتیاز کر کے یہ اندازہ کر سکیں گے کہ کون شخص اُن کی صحیح طریقہ سے رہنمائی کرتا ہے اور کون اپنی خودغرضی کے لئے انھیں اپنا آلۂ کار بنا کر غلط راستہ پر لئے جاتا ہے۔

اب تک دنیا میں جس قدر حقیقی مصلح اور ریفارمر پیدا ہوئے اُن سب کی نمایاں خصوصیت عزم و مستقل مزاجی اور اخلاقی جرأت تھی، وہ جو بھی قوم کی اصلاح کے لئے اٹھے تھے اس سے اُن کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ اُن فرسودہ رسم و رواج، فرسودہ عقائد و خیالات اور اوہام باطلہ کی شدید مخالفت کریں جو صدیوں سے ملک میں رائج ہیں، [illegible] قوم کے عوام [illegible] دونوں اُن میں مبتلا ہیں اور کسی طرح اُن سے چھوڑنے پر راضی نہیں۔

اگر یہ مصلحین محض اس خوف سے اپنا فرض ادا کرنے سے رُک جاتے کہ عوام اور ان کے قدامت پسند رہنما اُن کی مخالفت کریں گے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہتے اور گمگشتہ راہ قوم کی اصلاح کبھی ممکن نہ ہوتی۔ لیکن [illegible] کسی مخالفت سے مرعوب ہوئے۔ اس کی کچھ پروا [illegible] اپنے خیالات کے ظاہر کرنے سے عوام برہم [illegible] گا اور وہ نفرت کی نظر سے دیکھے جائیں گے۔

ہمارے سامنے دنیا کے "مصلح اعظم" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال موجود ہے جب آپ نے عرب کے اصنام پرست مشرکین کے سامنے توحید کی تعلیم پیش کی تو اس کی کس قدر شدید مخالفت کی گئی، قوم کا ہر فرد آپ کی جان کا خواہاں ہو گیا۔ چونکہ یہ واقعات سب کو معلوم ہیں اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں، اسی کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رکھئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عرب کے ایک ممتاز ترین خاندان میں پیدا ہوئے تھے جو ہر لحاظ سے محترم و باوقار تھا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی اپنی صداقت و امانت اور دوسرے اخلاقی محاسن کے لحاظ سے سارے قریش میں امتیاز خاص رکھتی تھی، لیکن توحید کی تعلیم پیش کرنے کے بعد آپ کا یہ دنیوی وقار و اعزاز دفعتہً جاتا رہا اور سارا ملک آپ کا دشمن ہو گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی ذہنیت سے بخوبی واقف تھے کیونکہ اپنی عمر کے پورے چالیس برس اسی قوم میں گزار چکے تھے۔ اس لئے آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اس قوم کے سامنے جو صدیوں سے شرک و صنم پرستی میں مبتلا ہے توحید کی تعلیم پیش کی جائے گی تو وہ سخت مخالفت کرے گی اور مجھے جو ہر دلعزیزی خاندانی وقار حاصل ہے وہ دفعتہً رخصت ہو جائے گا۔ لیکن باوجود اس علم و یقین کے آپ نے پورے عزم و استقلال کے ساتھ اپنی گمراہ قوم کو خدا کا پیام پہنچایا اور ہر تکلیف و مصیبت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے،

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہل عرب یہاں تک آمادہ ہو گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بادشاہ بنا لیں اور جو زیادہ سے زیادہ دولت و مال اُن سے ممکن ہے وہ حضور کے سامنے پیش کر دیں بشرطیکہ حضور اُن کے مذہب و معبودان باطل کو برا کہنا چھوڑ دیں لیکن آپ نے اس ساری ترغیبات کو ٹھکرا دیا اور اپنا کام استقلال سے جاری رکھا یہاں تک کہ آپ اس گمراہ قوم کی ذہنیت بدلنے میں کامیاب ہوئے اور وہی قوم جو کل تک آپ کی دشمن تھی اس انقلاب ذہنیت کے بعد اس قدر شکرگزار و جاں نثار بن گئی کہ پروانہ وار ہر موقع پر آنحضرتؐ کے لئے اپنی جان قربان کرنے لگی اور اس نے آنحضرتؐ کے حکم پر کسی بڑی سے بڑی قربانی سے کبھی تامل نہیں کیا، یہ تھا نتیجہ آنحضرت صلعم کے عزم و استقلال، اور اخلاقی جرأت کا جو آج ہمارے سامنے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مصلحین کی زندگی کے اس قسم کے واقعات ہمارے لئے سبق آموز و بصیرت افروز ہیں اور صحیح شاہراہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہمیں منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہے اور جس میں کامیابی کا اصلی راز پنہاں ہے،

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے موجودہ لیڈروں میں یہ عزم و حوصلہ اور اخلاقی جرأت موجود ہے کہ وہ عوام اور اُن کے فتنہ پرداز لیڈروں کی مخالفت سے بے پروا ہو کر وہ بات جو اُن کے نزدیک سچی اور صحیح ہے دنیا کے سامنے پیش کریں اور آخر لمحۂ حیات تک اس پر استقلال و مضبوطی سے قائم رہیں، اگر واقعی اُن میں یہ جرأت و استقلال موجود ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُن کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی اور ان کی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ برخلاف اس کے اگر لیڈروں میں یہ اخلاقی جرأت و استقلال نہیں ہے کہ وہ عوام کے شور و ہنگامہ سے متأثر ہوئے بغیر پورے حوصلے سے اپنا کام جاری رکھ سکیں تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

تنگ نظر اور فرقہ پرست لیڈروں سے تو نہ اب یہ توقع کی جا سکتی ہے نہ آئندہ کہ وہ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کر کے ملک کی صحیح خدمت انجام دیں گے، البتہ ان لیڈروں سے جو واقعی طور پر یہ رائے رکھتے ہیں کہ وطن کی فلاح و ترقی اور امن و عافیت کے لئے مختلف فرقوں کا یہ اتحاد ضروری ہے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی جد و جہد کریں گے، لیکن جیسا ہم اوپر عرض کر چکے ہیں ان لیڈروں کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ فرقہ پرست لیڈروں کا مقابلہ کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں اور عوام کو بھی ناخوش کرنا نہیں چاہتے ایسی حالت میں اس نیک مقصد میں کامیابی کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

لیڈر کا یہ کام نہیں ہے یا نہ ہونا چاہئے کہ وہ خس و خاشاک کی طرح سیلاب کے ساتھ بہتا رہے اور عوام کے رجحانات و جذبات کی پیروی کرے۔ بلکہ اُس کا کام یہ ہے کہ اپنی شخصیت و دلائل سے عوام کو اس حد تک متأثر کر دے کہ وہ خواہ مخواہ اُس کی پیروی کریں اور یہ اعتماد کریں کہ وہ صحیح طریقہ سے اُن کی رہنمائی کر رہا ہے۔ لیکن یہ مرتبہ اُسی لیڈر کو حاصل ہو سکتا ہے جو بار بار کے تجربہ کے بعد امتحان میں پورا اترا ہو اور ملک و ملت کے مفاد کے مقابلہ میں اپنے ذاتی مفاد و اغراض کو قربان کر چکا ہو، ایسا لیڈر عوام کی ذہنیت میں انقلاب پیدا کر کے انھیں اتحاد و مصالحت پر آمادہ کر سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر عوام پورے جذبہ کے ساتھ اس پر آمادہ ہو جائیں تو پھر کوئی چیز اس مقصد میں سنگ راہ نہیں بن سکتی۔

سعی مصالحت کے سلسلہ میں یہ سب سے پہلی اور بنیادی چیز ہے جس پر ملک کے مخلص لیڈروں کو توجہ کرنا چاہئے۔

(باقی آئندہ)

مراقش - الجزائر اور ٹونس

امریکی فوجیں یلغار کرتی ہوئی شمالی افریقہ پر آپہنچیں اور دنیا محو حیرت رہ گئی۔ اس حملے سے آئندہ تاریخ میں رد و بدل کے نئے نئے دروازے کھل گئے ہیں۔ مراقش - الجیریا اور ٹونس عرب مسلمانوں کی سرزمین ہے لیکن ایک مدت سے یہ مسلمان فرانسیسیوں کی غلامی میں دم توڑ رہے ہیں۔

مراقش

یہ ۱۹۰۴ء کا واقعہ ہے۔ جب انگریزوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ مراقش فرانسیسی قبضہ میں رہے گا۔ فرانسیسیوں نے اس کے بدلے مصر میں انگریزوں کا قبضہ تسلیم کرلیا ۱۹۰۵ء میں اچانک قیصر جرمنی نے اس معاہدہ کے خلاف آواز بلند کی۔ الجیریا میں ایک کانفرنس ہوئی۔ جس میں جرمنی کو ناکامی ہوئی۔ فرانسیسیوں اور جرمنوں کا ایک معاہدہ ہوا جس میں فرانسیسیوں کے اقتدار کو تسلیم کرلیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں پھر بحران پیدا ہوا لیکن مسٹر لائڈ جارج نے اعلان کیا کہ جرمنی کی مداخلت کو برطانیہ کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کرے گا اور ۱۹۱۱ء میں ہی جنگ کے امکانات پیدا ہوگئے تھے لیکن فرانسیسی جرمن معاہدہ نے اس جنگ کو ۱۹۱۴ء تک ملتوی کردیا۔ اور اس مدت میں مراقش پر فرانسیسیوں کا اقتدار پکا ہوگیا۔

مراقش کے ایک حصہ پر ہسپانیہ کا قبضہ ہے مراقش کی کل آبادی ۷۲ لاکھ ہے جس میں بیشتر آبادی عرب مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہسپانوی اور فرانسیسی مراکو پر ایک مسلمان سلطان حکمران ہے۔ لیکن اس کے اختیارات بالکل محدود ہیں۔ اصل میں فرانسیسی ریزیڈنٹ ہی حکومت کرتا ہے۔ مراقش کو بے حد فوجی اہمیت حاصل ہے کیونکہ بحیرۂ روم میں داخلہ کے لئے یہ بہترین دروازہ ہے۔ پچھلے چند برسوں میں مراقش کے باشندوں میں "پان اسلامزم" کی تحریک بہت زوروں پر رہی ہے

الجزائر

الجزائر بھی عربوں کے تمدن کی مشہور آماجگاہ ہے۔ اور جس پر فرانسیسیوں کا مکمل قبضہ ہے۔ الجزائر کی آبادی ۷۲ ½ لاکھ ہے۔ جس میں سے فرانسیسی صرف ۱۰ لاکھ ہیں۔ باقی تمام عرب مسلمان ہیں۔ اس علاقے کا طرز حکومت یہ ہے کہ فرانسیسی گورنر جنرل کو پوری اختیارات حاصل ہیں۔ اس علاقہ میں فرانسیسی آباد کار بھی ہیں۔ سونا اور فاسفیٹ کی کانیں یہاں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کے عربی مسلمانوں کا اسلامی جذبہ بے حد گہرا ہے۔ چنانچہ قومی اور پان اسلامزم کی تحریکیں شروع ہوئیں اور قریب قریب تمام مسلمان ان تحریکوں کے حامی ہیں۔ یہاں کے بعض باشندوں کو "فرانسیسی شہریوں" کے حقوق دے گئے ہیں۔

ٹیونس

اس علاقہ کو عربی زبان میں افریقہ کہتے ہیں اس کی کل آبادی ۲۶ لاکھ ہے جس میں سے ۲۴ لاکھ عربی مسلمان ہیں۔ اس علاقہ میں فرانسیسیوں کے علاوہ اطالوی بھی آباد ہیں چنانچہ اس آبادی کے دعوئے کی بنا پر اطالویوں نے چاہا کہ ٹیونس ان کا ہو جائے کیونکہ ۱۹ویں صدی میں سب سے پہلے اطالوی سوداگروں نے اس سرزمین پر قدم رکھا لیکن بسمارک نے فرانس کو ابھارا۔ اور ۱۸۸۱ء میں فرانس نے ٹیونس پر قبضہ کرلیا ٹیونس میں رہنے والے اطالوی رعیت تصور کی جاتی ہے۔ لیکن ۱۹۳۸ء میں جب سے مسولینی کی پالیسی [illegible] کے خلاف ہوئی ہے۔ اطالیہ کے یہودی کٹ کر علیحدہ ہوگئے ہیں۔

یہاں کے عربوں میں بھی قومی تحریک موجود ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام عرب مسلمان ایک ہی نظام کے جھنڈے تلے آجائیں۔ پان اسلامزم کی تحریک یہاں بھی شدت سے جاری ہے۔ یہاں ۱۹۳۷ء میں فسادات بھی ہوئے

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اطالیہ کے مفاد بھی ان علاقوں میں موجود تھے اور فرانسیسیوں کے بھی۔ اطالیہ کو سابقہ خصومت کی بنا پر یہ خدشہ تھا کہ اتحادی ضرور اس علاقہ پر حملہ آور ہوں گے۔ اس لئے محوری اس پر حملہ میں پہل کرنا چاہتے تھے۔ پچھلے دنوں سے مارشل رومیل کو ٹونس سے امداد بھیجی جاری ہے۔ اور وشی حکومت نے بند آنکھوں سے ان واقعات کو دیکھا۔ لیکن اتحادیوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ انھوں نے ان تمام واقعات کو سامنے رکھا اور امریکی فوجیں ان علاقوں میں داخل ہوگئیں۔

عربی مسلمانوں کی اس سرزمین کی طرف اچانک ساری دنیا کی آنکھیں لگ گئی ہیں۔ مدت سے مسلمان اس سرزمین میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے کچھ دور نہیں کہ اس کروٹ سے مسلمانوں کے جمہوری حقوق کو بھی تسلیم کرلیا جائے۔ مادی طاقتیں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔ وہ اپنے اپنے نفع کے لئے ایک دوسرے کو گزند پہنچا رہی ہیں۔ امریکہ کی یہ حرکت [illegible] دونوں ملک مراقش الجیریا اور ٹیونس کے مسلمانوں کے لئے سود مند ثابت ہوگی۔ اور محوریوں کی [illegible] ان علاقوں میں ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گی۔

[illegible]

"تاتاریوں کا وطن"
سویٹ نظام کے تحت

[illegible] جہاں کھیتی کا کام [illegible] آج یہاں [illegible] ملکی ہیں [illegible] جس کی جاگیریں [illegible] گاؤں کی شکل میں ہیں۔ [illegible] آباد دوسرے لوگ ہیں جن کے [illegible] مذہب اور زبانیں رکھتے ہیں اور خوبصورت ہیں۔ دوسرے بسنے والوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔

یہاں کی [illegible] اقوام میں مغرب میں جارجین اور جنوب میں آرمینی اور آذربائیجان میں تاتار مشہور ہیں۔ جارجین اور آرمنی عیسائی ہیں اور تاتار مسلمان۔ جارجین اور سرکیشین اصل میں رائن کی وادی میں رہتے بستے تھے لیکن اب دوسری قوم سے گھل مل جانے کے باعث بعض کولاکی بالائی وادی میں بستے ہیں۔ جارجین کہلانے والوں میں گوریں امریشیں اور منگریلین جارجیا میں اور سوانیشین کوہ قاف کی اونچی جنگل وادی میں بود و باش رکھتے ہیں۔

سرکیشین کہلانے والوں میں آب دعازیں اور چرکسی قبائل ہیں۔ سطح مرتفع آرمینین کوہ قاف کے متوازی لیکن نیچی سطح پر چلا گیا ہے۔ جہاں آرمینین اور

تاتار آباد ہیں۔ ماورائے قفقاز میں بہت سی بت پرست آبادی بھی ہے جس میں ایران اور ترکی کے سابق رہنے والے بھی شامل ہیں۔

یہاں کی آبادی ۱۹۳۳ء کی مردم شماری کے مطابق سترہ لاکھ تھی۔ لیکن تازہ ترین موصولہ اطلاعات سے واضح ہوتا ہے کہ بحیثیت مجموعی سولہ لاکھ دس ہزار ہے جو عام طور پر جارجین زبان بولتے ہیں چودہ لاکھ چھتر ہزار آرمینین روزمرہ آرمینین زبان بولتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ماورائے قفقاز ہی میں بسے ہوئے ہیں اور قفقاز میں لوگوں کا خلط ملط دیکھ کر روس نے اپنا اقتدار بڑھانا شروع کیا ۱۸۰۱ء میں روسی سرحد آج کل کی بین الاقوامی سرحد سے بہت بڑھ گئی تھی جو اس وقت تارص اور وہاں کے اضلاع جواب ترکی کے قبضہ میں ہیں روس میں شامل تھے۔

انقلاب روس اتحادی مداخلت اور جنگ عظیم کے کھیل کی وجہ سے جس میں ترکی کے مشرقی ولایت کے حصوں کو شامل کر لیا گیا تھا۔ ماورائے قفقاز میں ایک ڈرامائی سیاسی تغیر پیدا ہوا اس کے نتیجے کے طور پر تین آزاد قومی ریاستیں جارجیا (روسی آرمینیا) اور آذربائجان ظہور میں آئیں۔ انقلاب پر مغربی طاقتوں کی مداخلت نے ... بلکہ عہد نامہ ماسکو سے انگورہ پہنچ چکا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبوری عہد نامہ نومبر ۱۹۱۹ء میں صحیح کیا۔ قبل اس کے کہ اتحادی مداخلت کا پیش تینوں ماورائے قفقاز جمہوریتوں کو ... مداخلتی پیش کش جنوری ۱۹۲۰ء میں دیا گیا۔ روس اور ترکی کے مابین ایک دوسرا معاہدہ مارچ ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ R-S-F-S-R اور ترکی کے مابین مارچ ۱۹۲۱ء کے عہد نامہ کی رو سے ترکی اور ریاست ہائے ماورائے قفقاز کی سرحد بحیرۂ اسود سے ایران تک قبول کر لی گئی۔ اس عہد نامہ کی تکمیل بمقام کارس ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو عمل میں آئی جس پر ایک طرف حکومت ترکی کے دستخط تھے تو دوسری طرف جارجیا، آرائی وان اور آذربائجان کی سوویٹ حکومت کے دستخط تھے۔ جنوری ۱۹۲۱ء میں ایک ایسے ہی عہد نامہ پر انقرہ میں دستخط کئے گئے۔ جو یوکرین کی سوویٹ سوشلسٹ جمہوریت اور ترکی کے مابین ہوا۔ اسی طرح ترکی نے عہد نامہ کی زنجیر کو مکمل کیا۔

گو بظاہر ماورائے قفقاز حکومتوں کی رسمی آزادی کا ان عہد ناموں میں ذکر کیا گیا تھا۔ مگر وہ صاف طور سے روسی اقتدار کے تحت تھے۔ اور یہ حکومتیں ایک ماورائے قفقاز کا وفاق R-S-F-S بنانے پر مجبور تھیں۔ یہ تمام کارروائی ۶۔ جولائی ۱۹۲۳ء کے آئین کے مطابق عمل میں آئی۔

ماورائے قفقاز کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ الف۔ جارجین سوویٹ سوشلسٹ جمہوریت جس کی آبادی ۳۰ لاکھ ہے۔ ب۔ آذربائجان کی سوویٹ سوشلسٹ جمہوریت جس کی آبادی ۳۰ لاکھ سے کچھ کم ہے ج۔ آرمینین سوویٹ سوشلسٹ جمہوریت جو عام طور پر سے آرائی وان کہلاتی ہے اس کی آبادی ۱۱ لاکھ سے زیادہ ہے ۱۹۲۳ء کے آئین کی رو سے دیگر ریاستوں کی طرح ان ریاستوں کو بھی ایک طرح کی حکومت خود اختیاری عطا کی گئی جس میں مقامی زبان کے سرکاری استعمال کی اجازت دی گئی۔ گو دفاع اور فینانس اور جماعتی تنظیمیں مرکزی حکومت ہی کے ہاتھوں میں رہیں۔ بعد کے عہد ناموں میں روسی زبان کو لازمی قرار دیا گیا۔

ماورائے قفقاز کی سرحد ایران اور تقریباً نصف ترکی تک قدرتی ساخت کی ہے۔ کچھ حصہ دریائے آراس سے بنتی ہے۔ دریائے آراس، کارس اور آردن کے اضلاع ترکی کو تفویض ہونے کے بعد سے یہ سرحد سیدھی چلی گئی ہے عہد ناموں کی رو سے محصول کروڑ گیری کے بغیر ترکی سے تجارت درآمد کی اجازت ہے۔

قدرتی ذرائع پیداوار

ماورائے قفقاز کے الحاق اور آمیزش کے بعد یونین نے مشترکہ ریل کی سڑکیں ترکی اور ایران کی انتہائی سرحدوں تک بنانے میں آسانی محسوس کی کیونکہ کثیر خام ذرائع بسہولت اسے حاصل ہو سکتے ہیں جن میں قابل ذکر اور باکو کے تیل کے چشمے، طفلس کے جنوب میں پھیلے ہوئے تانبے کی کچ دھات کے میدان اور مینگنیز کے میدان سے دنیا کی پیداوار کا پچیس فی صد مینگنیز نکالا جاتا ہے۔

گو یہ کانیں دنیا کے اور مقامات سے زیادہ تر مینگنیز پیدا کرتی ہیں۔ لیکن روسی جمہوریہ کے علاوہ سے دوسرے ذخائر میں مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔ جو ضلع نکوپال (یوکرین) میں موجود ہیں۔ گیسی کوئلہ اور نمک کی کانیں آرمینین سطح مرتفع میں کھودی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں معمولی کوئلہ بھی بکثرت ملتا ہے جو ضرورتوں کے کام آتا ہے۔ تھوڑی مقدار میں پارہ گندک اور لوہے کی کچ دھات کے ذخائر مختلف مقامات میں ملتے ہیں اور اس بات کا یقین کیا جاتا ہے کہ قاصیط میں ریڈیم کا ذخیرہ بھی موجود ہے۔

زرعی پیداوار میں مکئی، چاول، تمباکو اور روئی اہم ہیں۔ سوویٹ حکومت نے روئی اور چائے کی پیداوار کو یہاں خوب ترقی دی ہے۔ ۱۹۳۳ء کی روئی کی پیداوار اس علاقہ میں کوئی دو لاکھ ۳۵ ہزار آٹھ سو ہکرش ہوئی۔ حالانکہ ۱۹۲۸ء کی پیداوار اس پیداوار کی صرف آدھی تھی۔ جارجیا ساگوان کے جنگلوں کی وجہ سے بہت زرخیز علاقہ ہے۔ خاص طور سے چائے کی کاشت روز بروز (باطوم) میں گزشتہ سالوں میں بہت ترقی پا گئی ہے ۱۹۳۴ء تک اس کی پیداوار اڑتالیس ہزار چھ سو ٹن سے زیادہ ہو گئی تھی۔ شراب کی کشید مختلف مقامات پر کامیاب ہی سوائے پہاڑی مقامات کے۔

نہروں کی تعمیر اور آبپاشی کے پھیلے ہوئے ذرائع سے زراعتی اور صنعتی ترقی کے دروازے آرمینین لوگوں کو کھول دئے۔ اہم ترین پیداوار ماورائے قفقاز کا تیل ہے۔ باکو کے خطہ کو سوویٹ یونین کے قدیم ترین تیل مہیا کرنے والے شہر کی حیثیت سے شرف حاصل رہ چکا ہے۔ اور آج کل تو روسی پیداوار کا چوتھائی حصہ یہیں سے فراہم کیا جاتا ہے۔ یہاں کے تیل کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف مقدار میں بڑھا ہوا ہوتا ہے بلکہ نوعیت میں بھی اعلیٰ ہوتا ہے خصوصاً چلانے (انجنوں) کے مقصد کے لئے اس تیل کا ثانی نہیں۔ کوہ قاف سے شمال میں تیل کا اہم مرکز گروزنی ہے۔ جہاں سے روسی پیداوار کے کل کا آٹھواں حصہ تیل ملتا ہے لیکن تیل باکو کے مقابل میں کمتر درجہ کا ہے جس کا نقطۂ انجماد بہت اونچا ہوتا ہے۔

باکو کا تیل بحیرۂ اسود پر سے پائپ لائن سے بطومی لایا جاتا ہے۔ اور وہاں سے باطوم گروزنی تیل پائپ لائن سے طیوپس بھیجا جاتا ہے۔ ریل کے ذریعہ اب تو مقامات کو طیوپس سے متصل کر دیا گیا ہے۔

ذرائع آمد و رفت

طفلس کی باقاعدہ ایئر سروس ماسکو تک قائم ہے راست ریل نکالنے میں کوہ قاف حائل ہے ماسکو

[illegible] شمالی کوہ قاف میں [illegible] تک ہو کر ساحلی [illegible] ہوتے ہوئے تنگ دروں کو پار کرتے [illegible] سے قریب دربند سے ہوتے ہوئے باکو [illegible] ہیں۔ باکو سے رہیں پوتی اور باطوم (بحیرۂ [illegible]) تک گدر و دریائن کی وادیوں میں ہو کر دوڑتی ہیں [illegible] باسکو سے طفلس تک ریل کا سدھار اسٹیشن ولادی کاوزاک پر سے ہو کر جو کوہ قاف کے شمالی دامن میں ہے) کوہ قاف پر سے سڑک کے ذریعہ ختم ہوتا ہے کوہ قاف کو پار کرنے والی دو سڑکیں ہیں ایک ارتنے ڈک ملٹری روڈ جو مامی زن کے درّے میں ہوتی ہوئی گٹ اِس جانے والی۔ دوسری جارجن ملٹری روڈ دراریل کے درّے میں گزرنے والی دونوں زار کے عہد کی بنی ہوئی ہیں۔ درہ دراریل میں سے گزرنے والی سڑک حمل نقل کے لئے عام طور سے زیر استعمال ہے اس کی تعمیر نہایت عمدہ طریقہ پر کی گئی ہے۔ لیکن درہ مامی زن کی سڑک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روزمرہ کی آمد و رفت کے ناقابل ہے باکو، پوتی، باطوم لائن چھوٹی تنگ پٹری کی شاخوں سے ملی ہوئی ہے۔ جو شطاوی کی میگنیز کی کانوں سنگ تاخ اور زنلاؤ اور کوئلہ پائے جانے والے اضلاع کے پار اور آرمینین سرحد تک چلی گئی ہیں یہ شاخ آرمینیا میں تقسیم ہو کر تو بریز (ایران) سے ملی ہوئی ارانی دان اور جلفہ کی طرف جاتی ہے، اور دوسری ارض روم سے ملی ہوئی ترکی سرحد تک چلی گئی ہے۔ باکو، بخارا اور سمرقند کے بحیرۂ خضر کے پار جہازی راستہ پر ترکی ریلوے سے ملا ہوا ہے۔ جلفہ اور میر جیلوں کے درمیان روسی ایرانی سرحد ستر میل لمبی ریلوے لائن تعمیر ہو چکی ہے باکو پہلے ہی سے میر جیلون سے ایک لائن کے ذریعہ جو ۱۹۱۶ء میں تعمیر کی گئی تھی ملا ہوا ہے۔

(مترجمہ سری نواس لاہوتی در پیام)

بنگلور میں اردو کانفرنس اور عظیم الشان مشاعرہ

اعلان کے مطابق ۲۷- نومبر گزشتہ کو بنگلور میں آل انڈیا اردو کانفرنس کا اجلاس اور عظیم الشان مشاعرہ نہایت شاندار طریقہ سے منعقد ہوا۔ ریاست میسور کے [illegible] اور سربرآوردہ اصحاب کے علاوہ مدراس، حیدرآباد اور شمالی ہند کے متعدد ادیب و شعرا اجلاس میں تشریف فرما تھے جن میں سے چند اصحاب کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

جے محمد امام صاحب وزیر تعلیمات میسور، شفیق الملک عالی بہادر محمد عباس خاں صاحب، رکن الملک سید عبدالواحد صاحب سبزواری، فائد الملک نواب غلام احمد صاحب کلامی، شعرا میں جگر مراد آبادی، سیماب اکبرآبادی، جوش ملیح آبادی، ساغر نظامی، اعجاز صدیقی، اسد لکھنوی وغیرہ تشریف رکھتے تھے۔

اس کانفرنس اور مشاعرہ کا اہتمام سیدہ اختر صاحبہ نے کیا تھا جنھوں نے محض اردو کی خدمت اور جنوبی ہند میں اس کی توسیع و اشاعت کے لئے اس کانفرنس اور مشاعرہ پر کم و بیش ۱۵ ہزار روپیہ صرف کیا۔

کانفرنس کا اجلاس بنگلور کے ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا جہاں ہزاروں سامعین کا شاندار مجمع تھا اور خواتین کی شرکت کا بھی معقول انتظام کیا گیا تھا اجلاس کی افتتاحی رسم ریذیڈنٹ صاحب میسور ادا کرنے والے تھے جو ٹھیک چار بجے سہ پہر کو تشریف لائے۔ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام مجید سے ہوا اس کے بعد صدر استقبالیہ سیدہ اختر صاحبہ نے ریذیڈنٹ صاحب کو پھولوں کے ہار پہنائے۔ بنگلور کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ریاست میسور کے ریذیڈنٹ نے ایک ادبی کانفرنس کا نہ صرف افتتاح کیا بلکہ اپنی افتتاحی تقریر بھی اردو زبان میں کی۔

اس کے بعد سیدہ اختر صاحبہ نے اپنا خطبۂ صدر جماعت استقبالیہ پڑھا۔ بعد ازاں آنریبل جے محمد امام صاحب وزیر تعلیمات ریاست میسور و صدر اجلاس نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا۔

خطبہ کے بعد متعدد شعرا یعنی جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، سیماب اکبرآبادی، ساغر نظامی نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ جناب جگر کی غزل کا یہ مطلع بہت پسند کیا گیا۔

جلوہ بقدر ظرف نظر دیکھتے رہے
کیا دیکھتے ہم ان کو مگر دیکھتے رہے

ریذیڈنٹ صاحب ریاست میسور نے اردو میں جو افتتاحی تقریر کی اس میں کانفرنس کی تائید و تحریک کے بعد یہ کہا۔

"یہ نہایت مستحسن اور مناسب امر ہے کہ بنگلور کو اس ادبی کانفرنس کے لئے منتخب کیا گیا ہے کیونکہ آپ ایک ایسی ریاست میں یہ اجلاس کر رہے ہیں جہاں کے حکمراں کلچر و ثقافت کے ہمیشہ سے سرپرست رہے ہیں

آپ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ جہاں تک مسلمانوں کی تعلیم کا سوال ہے ہز ہائینس حضور مہاراجہ صاحب میسور کی حکومت ایک نہایت فیاضانہ پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔ وہ اردو تعلیم کی ہمدردی اور اسی طرح عربی و فارسی تعلیم کی بھی حوصلہ افزائی کرتی ہے حکومت بڑی فیاضی کے ساتھ مسلم طلبا کو وظائف دیتی ہے اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکومت نے اردو وہی لی سی کورس میں مذہبی تعلیم کو بھی شامل کر لیا ہے۔ [illegible] مسلمانوں کے ایک کلچر کے [illegible] ارتقا [illegible] طویل تعلیم بھی شامل ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ [illegible] کے دوش پر تعلیم کا بوجھ رکھا گیا ہے اور آج [illegible] موجود ہیں مسلمان ہیں۔

تقریر کے خاتمہ پر ریذیڈنٹ صاحب نے ہندوستانی [illegible] کی تعریف کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ

"اگر میں بھی ایک شاعر ہوتا تو میرا خیال ہے کہ میری نظم چوتھی ہندوستانی ڈویژن کے سپاہی کے متعلق ہوتی!!"

بنگلور کی اردو کانفرنس میں جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد کے تعلیم یافتہ اصحاب نے کافی حصہ لیا چنانچہ کانفرنس کے پہلے اجلاس میں پروفیسر محمد عبدالقادر سروری ایم اے ایل ایل بی عثمانیہ صدر شعبۂ اردو جامعۂ میسور نے اردو کے چند اہم مسائل پر لکچر دیا کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں مولوی خواجہ حمیدالدین صاحب شاہد بی اے (عثمانیہ) مہتمم و مدیر "سب رس" نے جنوبی ہند میں اردو کی خدمات پر دلچسپ تقریر کی، کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور ایم اے (عثمانیہ) پی ایچ ڈی (لندن) صدر شعبۂ اردو جامعۂ عثمانیہ نے اردو کی ترقی و اشاعت پر تقریر کرتے ہوئے تفصیلی بحث کی، اور تعلیم بالغان کی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ایک تحریک بھی پیش کی جس کی تائید محوی لکھنوی پروفیسر مدراس یونیورسٹی نے کی۔

ان تقریروں کے علاوہ کانفرنس میں اردو کے

متعلق اور بحث سے مفید و دلچسپ مباحث ہوئے اور کانفرنس کا اجلاس ۲۷ سے ۲۹ نومبر تک جاری رہنے کے بعد خوش اسلوبی و کامیابی سے ختم ہوا۔

اکزکٹو کونسل مسلم یونیورسٹی کا اجلاس

کونسل مسلم یونیورسٹی کا ایک جلسہ بروز یکشنبہ بتاریخ ۲۔ دسمبر ۴۲ء کونسل روم میں منعقد ہوا لفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر نے صدارت فرمائی۔ حسب ذیل اصحاب شریک جلسہ تھے۔

۱۔ پروفیسر اے بی اے حلیم پرو وائس چانسلر ۲۔ خان بہادر عبدالرحمٰن خاں صاحب شروانی ٹریژرر ۳۔ غلام بھیک نیرنگ صاحب ۴۔ ۔۔۔ صاحب ۵۔ خان بہادر ۔۔۔ عادل صاحب ۶۔ محمد یونس صاحب ۷۔ حاجی ابوالحسن صاحب ۸۔ ڈاکٹر ۔۔۔ محمد ۹۔ عبدالمجید صاحب قریشی ۱۰۔ خان بہادر شیخ عبداللہ ۱۱۔ نواب صدر یار جنگ بہادر ۱۲۔ محمد شریف صاحب

۔۔۔ سے پہلے سر محمد یعقوب کی وفات پر ایک تعزیت کی تجویز پیش ہوئی جس کو تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر منظور کیا اور فاتحہ خوانی کی۔

بعد ازاں حسب ذیل امور طے پائے۔

۱۔ رجسٹرار نے کونسل کو ان اسٹیچوٹس اور آرڈیننس کی اطلاع دی جو گورنمنٹ آف انڈیا سے منظور ہو کر آئے ہیں۔ ان کی رو سے کورٹ کی ممبری کے لئے کم از کم پچیس سال عمر ضروری ہے

۲۔ ڈاکٹر رفعت حسین شعبۂ کیمسٹری میں عارضی ریڈر رکھے گئے اور ان کی تنخواہ ریڈر کے عہدہ پر تقرری کی تاریخ سے ۵۰۰ روپیہ ماہوار منظور کی گئی لیکن چونکہ وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں ایک ملازمت پر جا رہے ہیں اس لئے ان کو چار ماہ کی رخصت دی گئی۔ ڈاکٹر عمر فاروق شعبۂ کیمسٹری میں ریڈر کی۔

۳۔ ڈاکٹر فیاض خاں صاحب ۱۸ سال سے ۔۔۔ ہونے کی وجہ سے اپنے عہدہ سے سبکدوش کر دیئے گئے۔

۴۔ طے پایا کہ ایم اے او کالج کی تاریخ جس کو ۳۔۲۷ء میں محمد امین صاحب زبیری نے مرتب کیا تھا اس کے طبع کرانے کے مسئلہ کو نواب صدر یار جنگ بہادر کے سپرد کیا گیا۔

۵۔ مندرجہ ذیل اصحاب کا انجینئرنگ کالج میں تقرر منظور کیا گیا۔

۱۔ مسٹر بہتا چاریہ لکچرر گریڈ اول الکٹریکل انجینئرنگ

۲۔ مسٹر محمد احمد علی لکچرر گریڈ دوم مکینیکل انجینئرنگ

۳۔ مسٹر عبدالقیوم خاں آفریدی لکچرر گریڈ دوم الکٹریکل انجینئرنگ۔ ۴۔ مسٹر ممتاز حسین قریشی لکچرر گریڈ دوم الیکٹریکل انجینئرنگ۔

۶۔ مولانا عبدالعزیز میمن شعبۂ عربی میں پروفیسر مقرر کئے گئے۔ ڈاکٹر عابد احمد علی تا تقرر مستقل ریڈر اپنی جگہ ریڈر رہیں گے۔

۷۔ طبیہ کالج کی جدید عمارت کی بابت طے پایا کہ اس کا تمام انتظام ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے جو مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ہو۔

وائس چانسلر، ٹریژرر، خان بہادر محمد سلیمان چیف انجینئر گورنمنٹ آف انڈیا۔ پی ڈبلیو ڈی اور مسٹر محمد حنیف ایگزیکیٹو انجینئر، وائس چیرمین بلڈنگ کمیٹی۔

۸۔ فنانس کمیٹی کی روئداد پیش ہوئی اور قرار پایا کہ آئندہ اشاعت کے لئے جو چیزیں یا یونیورسٹی کے لئے جو سامان مثلاً کاغذ وغیرہ خریدا جائے اس کے لئے یونیورسٹی سے پچیس ہزار روپیہ تک پیشگی لئے جا سکتے ہیں اس وقت یونیورسٹی سے پیشگی نہ ملنے کی وجہ سے اس قسم کی ضروریات کے لئے وائس چانسلر نے اپنی جیب سے رقم دی۔ آئندہ ایسی تمام خرید و فروخت یونیورسٹی کی جانب سے ہوگی۔ نیز یہ بھی قرار پایا کہ اس قسم کی خرید و فروخت کے انتظامات کے اخراجات پورے کرنے کے لئے قیمت خرید پر ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے زیادتی کی جا سکتی ہے۔

۹۔ حسب سفارش اکیڈیمک کونسل امتحانات کے لئے ایک بڑا ہال تعمیر کیا جائے۔ فیصلہ ہوا کہ چونکہ اس وقت تعمیر کا سامان مہیا نہیں ہو سکتا اس لئے اس تجویز کو ملتوی رکھا جائے۔

۱۰۔ کونسل نے اسکول آف انڈین ایر ٹریننگ کورس کھولنے کو اصولاً منظور کیا۔

۱۱۔ قرار پایا کہ بس ایس ہال کی نیس میں دسمبر ۴۲ء سے دو روپیہ ماہوار اضافہ کیا جائے۔

۱۲۔ مسٹر معین الحق عارضی طور پر لکچرر گریڈ اول اور مسٹر عبدالوحید قریشی عارضی طور پر لکچرر گریڈ دوم شعبۂ تاریخ مقرر ہوئے۔

۱۳۔ چونکہ امسال موسم سرما کی تعطیل ۲۳ دسمبر سے یکم جنوری تک ہے اور دو دن کے بعد ہی محرم کی تعطیل شروع ہو جاتی ہے اس لئے ۔۔۔ نے اکیڈیمک کونسل کو اس طرف توجہ دلائی کہ سرما کی تعطیل دسمبر کے بجائے جنوری کے اول ہفتہ میں دی جائے اور اس کو محرم کی تعطیل سے ملا دیا جائے۔ جو ۹ جنوری سے ۲۰ جنوری تک ہوگی۔

ڈائرکٹر پبلسٹی بیورو یونیورسٹی

مختصر نوٹ اور واقعات

صوبہ بمبئی میں تعلیمی ترقی

۱۹۴۰ء و ۱۹۴۱ء کے دوران میں صوبہ بمبئی کے اندر تعلیمی ترقی کی جو سرکاری رپورٹ شائع ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ صوبہ بمبئی میں ۴۲-۱۹۴۱ء کے دوران میں ۴۰۲ تعلیمی اداروں کا اضافہ ہوا ہے۔ پہلے ان اداروں کی تعداد ۲۲ ہزار ۱۵۷ تھی۔ طلبہ کی تعداد میں ۲۲ ہزار ۹۸۸ تھی۔ پہلے یہ تعداد ۱۸ لاکھ ۲۵ ہزار ۱۸۲ تھی۔ تعلیمی اداروں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا ہے اس کا اصلی سبب دوران سال میں بالغوں کی تعلیم کے لئے کئی جماعتوں کا قائم کیا جانا ہے۔

صوبہ کے ۲۱ ہزار ۷۵۶ قصبات و دیہات میں سے ۱۳ ہزار ۶۷۹ میں اسکول موجود ہیں۔ ہر قسم کے اداروں کے اندر مرد طلبہ کا اوسط ۶۲ء۱۲ ہے۔ اور طالبات کا عورتوں کی کل آبادی کے مقابلہ میں فی صدی اوسط ۹۸ء۴ ہے جو پہلے ۸ء۴ تھا۔ مصدقہ مدارس میں مسلمان طلبہ کی کل تعداد میں ۳ ہزار ۴۵۱ کا اضافہ ہوا ہے پہلے ان کی تعداد ۲ لاکھ ۱۹ ہزار ۲۹۳ تھی جن میں ۴۶ ہزار ۱۷۰ لڑکیاں تھیں۔

انڈین سائنس کانگریس کا اجلاس

کلکتہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ "انڈین سائنس کانگریس" کا آئندہ اجلاس جو لکھنؤ میں لکھنؤ یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہونا قرار پایا تھا اب لکھنؤ میں غیر یقینی صورت حالات کے پیش نظر کلکتہ میں جنوری ۱۹۴۳ء کے پہلے ہفتہ میں منعقد ہوگا۔

انڈین سائنس کانگریس ایسوسی ایشن کی اگزکٹو کمیٹی کی درخواست پر کلکتہ یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ نے حال کے ایک جلسہ میں فیصلہ کیا ہے کہ انڈین سائنس

... کانگریس کے اس
... کئے گئے جلسے میں آپ اس
... وا ڈیا اس دفعہ سائنس کانگریس
کے صدر آئندہ سال کے لئے رہیں گے۔ اور ہونے
والے اجلاس کی کارروائیوں میں صدارت کے فرائض
انجام دیں گے۔

سر فیروز خاں نون حیدر آباد میں
سر فیروز خاں نون حال میں حیدر آباد تشریف لے گئے تھے، وہاں آپ نے طلبائے جامعۂ عثمانیہ سے خطاب کرتے ہوئے ایک طویل تقریر کی جس میں آپ نے فرمایا۔

"فرمانروائے حیدر آباد کا سب کے ساتھ بلا تفریق مذہب و ملت بے مثل روادارانہ سلوک تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، جدید حیدر آباد کی تعلیمی اور تعمیری ترقی دیکھ کر میں بہت محظوظ ہوا آپ کی یہ عظیم الشان جامعہ بلاشبہ یکتائے روزگار ہے۔"

اس کے بعد آپ نے عمدہ سیرت کی ضرورت جتاتے ہوئے یہ فرمایا کہ

"زندگی کی ناکامی اور کامیابی کا تمامتر انحصار سیرت پر ہے۔"

آپ نے اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے کہا

"ہر مذہب نے سیرت کی تعمیر کے لئے سخت سے تاکید کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی اہمیت کو جس قدر محسوس کیا جائے کم ہے، اچھے شہری بننے اور اپنے وجود کو سودمند بنانے کے لئے سیرت کے بغیر چارہ نہیں"

آخر میں آپ نے طلبہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ

"وہ دوران تعلیم میں عملی حیثیت سے سیاسیات میں ہرگز حصہ نہ لیں۔"

اتحادی سائنسدانوں کا احتجاج
لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ اتحادی سائنس دانوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً ۱۵ اقوام کے نمائندے شریک ہوئے اور ایک رزولیوشن پاس کیا گیا کہ جرمنی اور اس کے رفیق اپنے دشمن ممالک کے سائنس دانوں اور سائنس کے اداروں کو تباہ کر رہے ہیں، ان کے جرائم کا جواب اتحادی قومیں اپنی کوششوں کو زیادہ تیز کرکے دیں گی۔

مسلم یونیورسٹی کا جلسۂ تعزیت

۷- دسمبر سنہ کو بوقت ۹ بجے شب کے حاجی **محمد صالح خاں** صاحب رئیس بھیکم پور نے اس دار فانی کو خیرباد کہہ کر بطرف ملک جاودانی رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کے جنازہ کو بھیکم پور لے گئے اور وہاں دفن کیا گیا۔ لفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر ہمراہ جنازہ بھیکم پور تشریف لے گئے۔

۸- دسمبر سنہ کو رام پور حامد ہال مسلم یونیورسٹی میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس کی صدارت پروفیسر اے بی اے حلیم صاحب نے فرمائی۔ صاحب صدر نے مرحوم کی صفات پر مختصر تقریر فرمائی اور حاجی صاحب موصوف کی وفات حسرت آیات کی وجہ سے یونیورسٹی و ملحقہ درسگاہیں اور کھیل وغیرہ اس دن بند رہے۔ جلسہ میں حسب ذیل رزولیوشن پاس ہوا۔

"مسلم یونیورسٹی کا یہ جلسہ حاجی محمد صالح خاں صاحب شیروانی رئیس بھیکم پور کے انتقال پر انتہائی رنج و اندوہ کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم عرصہ دراز تک یونیورسٹی کورٹ کے ممبر رہے آپ نے یونیورسٹی کی ترقی و بہبود میں ناقابل فراموش حصہ لیا اور اپنی فیاضی اور سخاوت سے گرانقدر مالی امداد کرتے رہے۔

مرحوم ایک معتدد گھرانے کے شریف طبع اور باعزت فرد تھے آپ نے اسلامی تہذیب و تقویٰ و پرہیزگاری کی روایات کو کامل طور پر قائم رکھا اور آپ کی وفات عام مسلمانوں کے لئے نقصان عظیم ہے۔

یہ جلسہ دست بدعا ہے کہ خدا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

گئی بہار مگر شورِ میکدہ نہ گیا

(بقیہ مضمون صفحہ ایک کالم ۳ کا)

نام بوجہ عدم گنجائش نہیں لکھے جا سکتے چند حسب ذیل ہیں، نواب صدر یار جنگ بہادر، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب، خان بہادر مولوی حاجی محمد عبیدالرحمن خاں صاحب، خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب، مولوی حاجی ابوالحسن صاحب، پروفیسر اے بی اے حلیم صاحب، پروفیسر ڈاکٹر ایم کے حیدر صاحب، شفاء الملک حکیم محمد عبداللطیف صاحب، مولانا مفتی محمد عبداللطیف صاحب، قاضی عزیز الدین احمد صاحب بلگرامی، مسٹر عظمت الٰہی زبیری، مولوی بدر الدین صاحب علوی، مولوی رشید احمد صاحب صدیقی، مسٹر آل احمد سرور،

مطبوعات انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

یہ انجمن طلبائے مسلم یونیورسٹی کا ایک ادارہ ہے جو ہر سال ہندوستان کے مقتدر علماء اور اہل علم کو مدعو کیا کرتا ہے اور یہ بزرگان ملت علی گڑھ تشریف لاکر اپنے مواعظ، تقاریر اور مقالوں سے طلباء یونیورسٹی اور دیگر شائقین کو مستفید فرمایا کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ ایک ہفتہ تک مسلسل جاری رہتا ہے۔ ذیل کی مطبوعات اسی سلسلہ کے چند مقالات ہیں جو انجمن مذکور نے بغرض رفاہ عام کتابی شکل میں شائع کئے ہیں اور برائے نام قیمت پر ان کو فروخت کرتی ہے۔ یہ مقالات اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان گھر میں پہنچیں اور اس کے ممبران کو پڑھ کر اپنے ایمان و روح کو تازگی بخشیں۔ مقالات کے عنوانات معہ قیمت ذیل میں درج ہیں۔

کلمۂ طیبہ - از حضرت مولانا حافظ قاری محمد طاہر صاحب قاسمی - ۳/
ایمان - از حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی قیمت ۴/

تمدن اسلام کا پیام بیسویں صدی کی دنیا کے نام - از مولانا عبدالماجد صاحب بی اے دریابادی قیمت ۳/

تمدن اسلام کی کہانی اسی کی زبانی - ۔۔ ۔۔ ۳/

فردوس گم گشتہ - از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز۔ ۳/

تعلیم جدید پر ایک نظر روشن خیالوں کی نذر - از جناب محمد صدیق میمن صاحب ۳/

انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل - از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب۔ ۳/

تصنیفات مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی

روح القرآن - کلام مجید کی بہترین کلید ہے، ضروریات زمانہ کے مطابق مضامین کی فہرست، مشکل الفاظ کی لغات، سورتوں کے خواص اور عملیات، خلاصے اور شان نزول درج ہیں۔ قیمت عہ

سنگھار خانہ - مستورات کی خانگی زندگی سنوارنے کے لئے بہترین کتاب۔ قیمت عہ

ماں بچہ کی نگہداشت - زچہ اور بچہ کے متعلق بہترین اور نہایت مفید اور کارآمد معلومات کا ذخیرہ۔ قیمت ۱۲/

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام ... خاں صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صادر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

جلد (۱۴) | یکم جنوری ۱۹۴۳ء مطابق ۲۳ - ذوالحجہ سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر (۱)

۲۸- دسمبر ۱۹۴۲ء کو سر سکندر حیات خاں کی وفات پر مسلم یونیورسٹی کا ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے مرحوم کی تعلیمی زندگی اور درسگاہ کے ساتھ دلچسپی، سیاسی تدبر اور اخلاقی خوبیوں کا تذکرہ کیا۔ ڈاکٹر [illegible] یونیورسٹی اسکول نے مرحوم کے ذاتی علمی تدبر کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ پنجاب کے مشکل مسائل کو انھوں نے کس خوبصورتی سے حل کیا اور مسلمانوں کی بہبودی کے لئے کیا کیا کام کئے۔

بعد ازاں [illegible] نے کھڑے ہو کر مندرجہ ذیل تجویز منظور (؟) اور فاتحہ خوانی کی۔

"مسلم یونیورسٹی کا یہ جلسہ آنریبل سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم صوبہ پنجاب کی اچانک وفات حسرت آیات پر دلی غم و اندوہ کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم ایم اے او کالج اسکول کے [illegible] اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ایک ممتاز رکن تھے آپ نے یونیورسٹی کی فلاح و بہبود سے ہمیشہ گہری دلچسپی لی آپ کے انتقال سے یونیورسٹی کا ایک سچا ہی خواہ جاتا رہا۔

مرحوم کی گرانقدر فوجی خدمات اور میدان سیاست میں آپ کی جرأت اور [illegible] ہمیشہ یادگار رہے گی آپ نے لکھنؤ کے اجلاس میں مسلم لیگ کا ساتھ دے کر ملت کی یکجہتی کو قائم رکھنے میں مدد کی جو ایک قابل تقلید مثال ہے [illegible] صوبہ پنجاب کی وزارت کے کام آپ [illegible] حسن و خوبی سے انجام دئے وہ عدیم المثال رہے آپ کے انتقال سے صوبہ پنجاب اور مسلمانان ہند کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ یہ جلسہ دست بدعا ہے کہ خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!"

کانفرنس کا سالانہ اجلاس علی گڑھ میں

گزشتہ ۱۹۴۲ء کی خبر سالی میں اخبارات میں یہ اعلان ہوا تھا کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس اس دفعہ حیدرآباد میں منعقد ہوگا لیکن اس کے بعد بعض وجوہ سے اس فیصلہ میں تبدیلی واقع ہوئی اور یہ قرار پایا کہ اب یہ اجلاس ۱۳-۱۴ فروری کو علی گڑھ میں منعقد ہوگا۔ اور ۱۳ کی صبح کو مسلم یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد بھی ہوگا۔

اجلاس کی صدارت امیر پائیگاہ (حیدرآباد) جناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر فرمائیں گے جو حیدرآباد کے مشہور خاندان آسمان جاہی کے ایک گوہر تابندہ ہیں، اس جلیل القدر خاندان سے [illegible] بہت پرانا تعلق ہے کیونکہ نواب ظہیر یار جنگ بہادر کے جد امجد نواب سر آسمانجاہ بہادر وزیر اعظم حیدرآباد علی گڑھ تحریک کے ایک زبردست معاون و حامی تھے، اور ایک دفع اپنے زمانہ وزارت عظمیٰ میں یہاں تشریف بھی لائے تھے،

اجلاس کے انتظامات کے لئے ایک استقبالیہ کمیٹی بھی بن گئی ہے جس کے صدر خان بہادر مولوی حاجی محمد عبید الرحمن خاں صاحب شروانی ایم ایل اے ہیں اور سکریٹری ڈاکٹر بابر مرزا صاحب ایم اے پی ایچ ڈی قرار پائے ہیں۔

اس موقع پر ہندوستان کے دوسرے مشاہیر تعلیم اور اعیان و اکابر کے علاوہ ہز ہائینس فرمانروائے بھوپال پرو چانسلر مسلم یونیورسٹی اور جناب نواب کمال یار جنگ بہادر بھی تشریف لائیں گے۔

استقبالیہ کمیٹی کے ممبروں کے لئے دس روپیہ فیس تجویز کی گئی ہے۔

ہندوستان کا ایک پیچیدہ مسئلہ (۳)

کانفرنس گزٹ کے پچھلے دو پرچوں میں ہم نے مندرجۂ بالا عنوان کے تحت میں ہندو مسلم کش مکش کے وجوہ و اسباب بیان کرکے اس مشکل کے حل کرنے کی ضرورت پر تفصیلی بحث کی تھی اور کسی قدر وضاحت کے ساتھ یہ بتایا تھا کہ اس سلسلہ میں بنیادی کام جو کرنے کے لائق ہے یہ ہے کہ بلند نظر، اولو العزم اور مصالحت پسند لیڈروں کی ایک جماعت خواہ وہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو اس عزم کے ساتھ "میدان عمل" میں آئے کہ وہ اپنی ساری زندگی فرقہ وارانہ مصالحت حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے گی۔

اس جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ ہر ممکن تدبیر سے عوام کی ذہنیت تبدیل کرنے کی کوشش کرے اور اخلاقی جرأت سے کام لے کر فرقہ پرست و فتنہ پرداز لیڈروں کے متعلق صاف صاف یہ اعلان کر دے کہ یہ لوگ ملک کے ہوا خواہ نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی عوام کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرے کہ ہندو مسلم اتحاد دونوں فرقوں کے لئے مفید و سودمند ہے اور اسی پر ملک کی فلاح، ترقی اور آزادی کا مدار ہے۔

مقصد اس جد و جہد کا یہ ہونا چاہئے کہ ہر فرقہ کے عوام میں "ذہنی انقلاب" اس حد تک پیدا کیا جائے کہ یہ چیز ان کے دلوں میں پورے طور پر راسخ ہو جائے کہ بغیر باہمی مصالحت کے اس ملک میں کوئی فرقہ امن و عافیت سے خوشگوار زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ہر شخص کی زندگی، عزت، اور مال و متاع صرف اسی وقت محفوظ رہ سکتا ہے جب سب فرقے ایک دوسرے کی عزت، جان و مال، اور مذہب کا احترام کرتے ہوئے آپس میں اتحاد اور حسن معاشرت سے پیش آئیں۔ اگر مصالحت پسند لیڈر اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جائیں یعنی عوام کی ذہنیت تبدیل کر سکیں تو یہ ملک پر ان کا بہت بڑا احسان ہوگا اور اس ذہنی انقلاب کے بعد فرقہ پرست لیڈروں کی کوئی اہمیت ملک میں باقی نہیں رہے گی۔

ہندو مسلم کش مکش کے اسباب میں دوسری چیز جو ہم نے پیش کی تھی وہ فرقہ پرست لیڈروں کا اشتعال انگیز، مخالفانہ پروپیگنڈہ ہے جو تحریر و تقریر، اخبارات کے ذریعہ سے ایک فرقہ دوسرے فرقہ [illegible] اپنے حقوق کا غاصب ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے خواہ مخواہ لوگوں کے جذبات مشتعل ہوتے ہیں اور باہمی منافرت بڑھتی ہے، اس لئے شدید ضرورت ہے کہ قانون کے ذریعہ سے یا جوابی لٹریچر کے ذریعہ سے ان جھوٹے واقعات پر مبنی ہوں، اس فتنہ پردازی کا استیصال کیا جائے اور عوام کو کھلے الفاظ میں یہ بتایا جائے کہ یہ پروپیگنڈہ محض شرارت اور [illegible] پر مبنی ہے۔ اور دوسروں کو محض اپنے اغراض کے لئے آلہ کار بنایا جاتا ہے، اور جب اس پروپیگنڈہ سے فرقہ وارانہ جذبات برانگیختہ ہو جاتے ہیں اور ہندو مسلمانوں میں فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے تو عوام کی جان و مال کا شدید نقصان ہوتا ہے لیکن لیڈر عموماً محفوظ رہتے ہیں اور کچھ دنوں کی خاموشی کے بعد پھر اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔

عام تقریر اور اخباری تحریروں کے علاوہ مستقل تصانیف کے ذریعہ سے بھی نہایت ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ فتنہ پھیلانے کی کوشش کی جاتی ہے یعنی جیسا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں غیر مسلم مصنفین خصوصاً یورپ کے مورخ، افسانہ نویس نام نہاد تاریخی کتابوں یا اخلاقی و تاریخی افسانوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے خلاف زہریلا لٹریچر ملک میں پھیلاتے رہتے ہیں۔

سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ خود ہمارے نصاب تعلیم میں جو سرکاری مدارس میں رائج ہے ایسی کتابیں داخل کی جاتی ہیں جن میں تاریخی رنگ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محض غلط و بے بنیاد واقعات درج ہوتے ہیں۔ یہ کتابیں تاریخ کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہیں حالانکہ تاریخی حیثیت سے ان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ خود تراشیدہ واقعات تاریخ کا مرتبہ کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ لیکن باوجود اس کے جب یہ "خرافات" تاریخی حیثیت حاصل کر لیتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، اور کسی ایک فرقہ کے اسلاف و آباء و اجداد کے وضعی جرائم دوسرے فرقہ کے دل میں شدید نفرت پیدا کر دیتے ہیں جس کے نتائج نہایت [illegible] ہوتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ اس فتنہ کی طرف جو روز بروز [illegible] مستقل [illegible] فوری توجہ کی جائے [illegible] نصاب تعلیم [illegible] [illegible] پیش کیا جا [illegible] اور اگر اس سلسلہ میں [illegible] کوشش کی جائے تو [illegible] اس حصہ کو نصاب سے خارج کر [illegible] لازمی ہے کہ اس سلسلہ میں [illegible] کوشش کی ضرورت ہے [illegible] کے لئے [illegible] ہو جائے۔

اس مقصد کے حاصل کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ [illegible] نصاب کی [illegible] کمیٹی [illegible] جس میں ہر فرقہ کے نمائندہ اصحاب شریک ہوں۔ اس کمیٹی کے ممبر پوری توجہ ان سب کتابوں کا مطالعہ کریں جو بطور نصاب تعلیم [illegible] ہیں۔ اس مقصد کے لئے پیش کی گئی [illegible] مطالعہ اس نقطۂ نظر سے ہو کہ ان کتابوں میں کوئی چیز تو نہیں ہے جو تاریخی حیثیت سے پایۂ [illegible] سے ساقط ہے یا مختلف فرقوں کے درمیان منافرت پیدا کر سکتی ہے۔ جب کمیٹی اپنا پورا اطمینان کر دے تو کتاب اس قابل سمجھی جائے کہ نصاب تعلیم میں داخل ہو سکے۔ اس تنقید کے سلسلہ میں ان کتابوں کو شامل کرنا چاہئے جو یورپ کے مصنفین نے لکھی ہیں جن میں اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر واقعات ایک خاص انداز سے بیان کیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر کچھ مدت تک مسلسل پوری سرگرمی سے اس طرح عمل کیا جائے اور تنقیدی کمیٹیوں کے ممبر و [illegible]

لائق و باخبر ہوں، اور اپنا فرض صحیح طریقہ سے ادا کریں تو اس فتنہ کا یقیناً خاتمہ ہو جائے گا اور جس لٹریچر نے ملک کے مختلف فرقوں کے درمیان تلخی اور تعلقات میں ناخوشگواری پیدا کر دی ہے، صفحۂ ہستی پر باقی نہیں رہیگا۔ واقعہ یہ ہے کہ ملک کے مختلف فرقوں میں جو بدگمانی پیدا ہو گئی ہے اس میں بڑا حصہ اسی خطرناک لٹریچر کا ہے جو فتنہ پرور دماغوں نے ہمارے ملک کے تعلیم حاصل کرنے والے بچوں اور دوسرے بے خبر سادہ دل ناظرین کے لئے مہیا کر دیا ہے۔ اور جس نے ہماری غفلت سے رفتہ رفتہ ایسی صورت حاصل کر لی ہے کہ بہت سے واقعات جو قطعی غلط و بے بنیاد ہیں اب ایک مسلمہ تاریخی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔ لہذا نہ صرف ملکی مفاد بلکہ علمی و تاریخی نقطۂ نظر سے بھی اس کی شدید ضرورت ہے کہ اس فریب کا پردہ چاک کرکے اس فتنہ کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا جائے۔

اسی سلسلہ میں ملکی مفاد و حب وطن کے نقطۂ نظر سے یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ پریس کی آزادی کی وجہ سے جو لٹریچر ہمارے ملک میں پھیل رہا ہے اس میں یورپ کے مصنفین کی تالیفات کا بھی کافی حصہ ہے جن میں سے اکثر اپنی سیاسی [illegible] کی وجہ سے مشرقی قوموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کی ذہنیت یہ ہے کہ یہ قومیں انسانیت و شائستگی سے عاری ہیں اور صرف ترقی یافتہ قوموں کی غلامی کے لئے پیدا کی گئی ہیں مغربی مصنفین اور دوسرے سیاسی مدبرین نے یہ خیالات ساری دنیا میں اس قدر پھیلا دیے ہیں کہ یورپ کی مختلف قوموں میں کم و بیش نسلی غرور و تکبر پیدا ہو گیا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگی ہیں کہ ہم کو دنیا کے ہر ملک پر حکمرانی کا حق حاصل ہے لیکن اب مشرق بیدار ہو رہا ہے اور دوسری قوموں کے دوش بدوش چلنا چاہتا ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ اس داغ حقارت کو اپنی پیشانی سے مٹائے اور ثابت کرے کہ اپنے ذاتی و ذہنی اوصاف اور اخلاقی بلندی کے لحاظ سے وہ کسی سے کم نہیں ہے، منجملہ مشرقی ممالک کے ہندوستان بھی ایک ایسا ملک ہے جو ایک طویل خواب غفلت کے بعد اب بیدار ہو رہا ہے اور اپنی صحیح جگہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے لہذا اس کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے لٹریچر کی اشاعت جائز نہ رکھے جس کے پڑھنے سے قوم میں احساس کمتری پیدا ہو۔

مغربی مصنفین کی ان تصنیفات کے علاوہ جو عموماً سیاسی نقطۂ نظر سے لکھی جاتی ہیں وہ فتنہ انگیز مذہبی لٹریچر بھی لائق توجہ ہے جو مسیحی مشنریوں یا آریہ سماجیوں نے شائع کیا ہے اور جس میں اس ملک کے دوسرے مذاہب پر ایسے ناشائستہ طریقہ سے نکتہ چینی اور حملہ کیا گیا ہے جو بے شبہ اشتعال انگیز ہے۔ مسیحی مشنریوں نے باوجود غلط و بے بنیاد اعتراضات کے پھر بھی ایک حد تک تہذیب کا لحاظ رکھا ہے لیکن آریہ سماجی لٹریچر نے تو مختلف فرقوں کے تعلقات میں نفرت و عداوت پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اس لٹریچر کی اشتعال انگیزی اسی سے ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے ملک میں بعض نہایت افسوسناک واقعات پیش آئے۔ اور بعض پُرجوش مسلمانوں نے جو اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکے قانون اور شریعت کی حدود سے آگے بڑھ کر ان بازاری مصنفین کو ہلاک کر دیا جنھوں نے یہ گندہ لٹریچر شائع کیا تھا، اس کی وجہ سے تعلقات میں مزید تلخی پیدا ہوئی اور ملک کی فضا اس قدر مکدر ہو گئی کہ امن و امان خطرہ میں پڑ گیا۔ یہ واقعات نہایت افسوسناک بلکہ شرمناک ہیں اور ان کو روکنا ملک کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ آج ہندوستان کے علاوہ اور کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں اس قسم کا گندہ لٹریچر شائع ہوتا ہو۔ یہ ہندوستان کی سخت بدنصیبی ہے کہ یہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو مذہب کی آڑ میں نہایت سفیہانہ طریقہ سے دوسروں پر حملے کرتے ہیں

بے شبہ اپنے مذہب کی اشاعت اور اس کی خوبیاں بیان کرنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے، اور تہذیب و شائستگی کے ساتھ دوسرے مذاہب کی تعلیم پر بھی نکتہ چینی کی جا سکتی ہے لیکن کسی مذہب کے پیشوا کی ذات پر جس کو کروڑوں انسان پیشوا تسلیم کرتے ہوں ناشائستہ طریقہ سے حملہ کرنا اخلاقی پستی اور کمینہ پن کی علامت ہے جس کو کسی مذہب کا کوئی شریف انسان ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کر سکتا۔ اس ناشائستہ طریقہ کا روکنا حکومت کا فرض ہے اور ملک میں امن و امانیت قائم رکھنے کے لئے حکومت کو یہ فرض ادا کرنا چاہئے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندو مسلمانوں میں جس طرح آج کل روزمرہ جھگڑے اور ہنگامے ہوتے رہتے ہیں اور جن میں قتل و خونریزی تک کے واقعات پیش آ جاتے ہیں پہلے ان کا وجود نہ تھا یا کبھی اتفاق سے اس کی نوبت آتی تھی، حالانکہ اب سے پہلے ہندو مسلمان دونوں پر مذہب کا اثر زیادہ تھا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ہندو مسلمان دونوں باوجود اپنے اپنے مذہبی عقائد و اعمال کے پابند ہونے کے نہ تو ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں پر حملے کرتے تھے اور نہ فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں مداخلت کرتے تھے اس لئے تصادم کی کوئی وجہ نہ تھی، برخلاف اس کے آج دونوں کی یہ حالت ہے کہ اگرچہ مذہب سے بہت کچھ دور و بیگانہ ہو گئے لیکن پھر بھی مذہب کے نام پر اس طرح لڑتے ہیں کہ گویا یہ مذہب کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔ اگر ہندوستان واقعی آگے بڑھنا اور آزاد ملکوں کی طرح شاندار زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو جلد سے جلد اس نوبت کا خاتمہ ہونا چاہئے۔

دنیا میں صرف ایک ہندوستان ہی ایسا ملک نہیں ہے جہاں مختلف قومیں آباد ہیں، چین میں بودھ مذہب کے پیرو بھی ہیں اور مسلمان بھی، لیکن آج وطن کی عزت و آزادی قائم رکھنے کے لئے دونوں جان و مال کی قربانیاں کر رہے ہیں، روس میں بھی مختلف قومیں آباد ہیں جن کے مذہبی عقائد و رسوم اور زبان ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن پھر بھی وہ کبھی آپس میں جنگ و جدال نہیں کرتیں، اور آج سب متحد ہو کر جرمنی کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جو کچھ دوسرے ممالک میں ہو سکتا ہے وہ ہندوستان میں کیوں نہیں ہو سکتا، کیا یہ ہماری نااہلیت کی دلیل نہیں ہے۔

کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے متعلق ضروری اطلاعات

کانفرنس کا جو سالانہ اجلاس ۱۳ و ۱۴ فروری ۱۹۴۳ء کو علیگڑھ میں منعقد ہونے والا ہے اس میں کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی کی رپورٹ بھی آخری منظوری کیلئے پیش کیجائیگی۔

استقبالیہ کمیٹی کے ممبروں کیلئے دس روپیہ کی فیس قرار پائی ہے۔ علم دوست اصحاب سے امید ہے کہ وہ استقبالیہ کمیٹی کی ممبری قبول فرما کر اس ادارہ کے کارکنوں کی حوصلہ افزائی فرمائینگے۔ فیس ممبری وفد روپیہ پانچ روپیہ ہے۔ ان سب اصحاب کو اجلاس میں شریک ہونے اور اس کی ساری کارروائی میں عملی حصہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔

فیس وزیٹری ایک روپیہ ہے۔ وزیٹر اجلاس میں شریک ہو سکیں گے لیکن انہیں کارروائی میں حصہ لینے کا اختیار نہ ہوگا

بحری بیڑا کسے کہتے ہیں؟

اردو میں بحری بیڑے کو بیان کرنے کے لئے صرف ایک ہی لفظ ہے یعنے بحری بیڑہ مگر انگریزی میں بحری بیڑہ کو بیان کرنے کے لئے ایک سے زیادہ الفاظ موجود ہیں اور وہ جب الگ الگ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً فلیٹ، فلوٹلا اور سکویڈرن وغیرہ۔ یہ نام مختلف قسم کے جنگی جہازوں اور ان کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔ جنگی جہاز بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں مثلاً بیٹل شپ (جنگی جہاز) طیارہ بردار، کروزر، تباہ کن، غوطہ خور، ٹینکر یعنے تیل کے جہاز، بحری ہوائی جہاز بردار، غوطہ خور شکن، سمندری سرنگیں صاف کرنے والے۔ موٹر تارپیڈو کشتیاں اور سپلائی جہاز وغیرہ۔ محکمہ بحریہ کی زبان بھی الگ ہے۔ اس میں اور عام بول چال کی زبان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ عام شہری اس زبان کو سمجھ نہیں سکتا۔ وہاں کسی آدمی یا کارڈ کو نام لے کر نہیں پکارا جاتا بلکہ نمبر سے پکارا جاتا ہے۔ مثلاً ف ل کا مطلب ہے فرسٹ لفٹننٹ۔ افسروں کے عہدوں کے نام بھی عجیب و غریب ہیں۔ جب تک کوئی برسوں وہاں نہ رہے اس کو وہاں کے رسم و رواج۔ زبان اور چال ڈھال کا پتہ تک نہیں لگ سکتا۔

برطانوی بحری بیڑے کے کئی حصے ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں مثلاً ہوم فلیٹ یعنی وہ بیڑہ جو وطن کی حفاظت کے کام پر مامور ہے۔ یہ بیڑہ انگلینڈ کی حفاظت کے علاوہ جبل طارق سے لے کر آرکٹک تک اور ادھر اطلانتک سے لے کر بحر بالٹک تک کے سمندر کی نگرانی رکھتا ہے۔ یہ سارا سمندری رقبہ کمانڈر انچیف ہوم فلیٹ کے ماتحت سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد بحر روم کا بیڑہ ہے۔ اس کا جغرافیائی علاقہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ تیسرا ریزرو فلیٹ، چائنا فلیٹ، آج کل چائنا سکویڈرن کہلاتا ہے اور اس کی اہمیت کم ہو گئی ہے۔ دراصل فلیٹ کا مطلب ہے برطانوی بحری فوج کا ایک حصہ جو جنگی جہازوں کی زیر سرکردگی ہو۔ ۸-۱ [illegible] یعنی موجودہ جنگ شروع ہونے سے ۲۳ روز پہلے ہوم فلیٹ کی پریڈ ہوئی تھی اس وقت اس بیڑے کے جو جہاز پریڈ میں شامل ہوئے تھے ان کی تعداد ۱۳۰ تھی اور وہ ۲۵ میل لمبے ساحل پر کھڑے تھے۔ چائنا سکویڈرن کے علاوہ ایسٹ انڈیز سکویڈرن امریکن سکویڈرن اور ویسٹ انڈیز سکویڈرن بھی ہیں۔

آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ اور کینیڈا کی اپنی بحری طاقت ہے مگر موخر الذکر دو نوآبادیاں اپنی بحری حفاظت کے لئے انگلینڈ پر انحصار کرتی ہیں ہر ایک اسکویڈرن ایک فلیگ آفیسر کے ماتحت ہوتا ہے۔ فلیگ آفیسر کسی خاص افسر یا عہدہ کا نام نہیں ہے۔ یہ لفظ چند افسروں اور عہدہ داروں کو مجموعی طور پر ظاہر کرتا ہے ان افسروں میں [illegible] گریڈ کے بحری افسر مثلاً امیر البحر، نائب امیر البحر [illegible] بھی شامل ہیں ان تمام افسروں کو اپنے اپنے جہازوں پر ایک خاص قسم کا جھنڈا رکھنے کا اختیار ہوتا ہے اس لئے یہ فلیگ افسر یعنی جھنڈے والے افسر کہلاتے ہیں ان سے چھوٹے افسروں کو اس قسم کا امتیاز حاصل نہیں ہوتا ان کی وردیوں پر بھی کوئی امتیازی نشان نہیں ہوتا۔ فلیگ آفیسر جہاز کے اندرونی انتظامی امور میں مداخلت نہیں کرتے ایک سکویڈرن میں عام طور پر [illegible] آٹھ جہاز [illegible] ہوتے ہیں۔

جنگی کروزر

جنگی کروزر اور جنگی جہاز میں [illegible] فرق ہوتا ہے۔ دوسرا امتیازی فرق رفتار کا ہے۔ موخر الذکر زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے۔ انگلینڈ نے جنگی کروزر پہلے پہل ۱۹۰۶ء میں تیار کیے تھے۔ تب سے ان میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اسلحہ کے نقطۂ نظر سے بھی ان میں اسلحہ جنگی جہاز سے کم ہوتے ہیں۔ ان کی تیاری کا خاص مقصد ان کو ہراول کے طور پر استعمال کرنا تھا تاکہ یہ آگے پہنچ کر دشمن کا پتہ چلائیں اور موقعہ ملنے پر اسے روک کر جنگ شروع کر دیں اور خاص بیڑے کے پہنچنے تک اس کو روکے رکھیں۔ گزشتہ جنگ عظیم میں زیادہ مفید ثابت نہ ہوئے ان کا استعمال جرمن جنگی کروزروں کے حملوں کا جواب دینے میں جداگانہ طور پر ہوتا رہا۔ ان کے مرکز بھی الگ ہوتے ہیں اور انتظامیہ محکمہ بھی جدا ہوتا ہے۔ جب گزشتہ جنگ ختم ہوئی تو انگلینڈ کے پاس اس قسم کے چار اور فرانس کے پاس دو جہاز تھے۔ جاپان کے پاس ایک بھی نہ تھا۔ امریکہ نے اپنے اس قسم کے جہازوں کو طیارہ بردار جہازوں کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ہلکے اور دوسرے بھاری کروزر۔ موخر الذکر دس ہزار ٹن بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ اور ان میں آٹھ آٹھ انچ کی توپیں نصب ہوتی ہیں۔ برطانوی بیڑے میں عام طور پر وہ سبھی جہاز کروزر کہلاتے ہیں جن کا وزن تین ہزار سے دس ہزار ٹن تک ہوتا ہے اور جن پر چھ انچ قطر کی توپیں چڑھی ہوتی ہیں۔ ان جہازوں کا استعمال نگرانی، نگہبانی، جاسوسی، قافلوں کی پہرے داری اور بڑے جہازوں کو اپنی آڑ میں لے کر چلنے کے لئے ہوتا ہے۔

تباہ کن

تقریباً ۵۰ سال پہلے بڑے بڑے [illegible] کے لئے [illegible] ایک خاص قسم کی کشتی [illegible] تھی جس میں [illegible] کیا کرتا تھا [illegible] اور [illegible] سے مضبوط [illegible] اس قسم کے [illegible] جہاز کو تباہ کن کہا جاتا ہے۔ تقریباً [illegible] ہوتا ہے اس میں آٹھ یا دس تارپیڈو ہوتے ہیں [illegible] توپیں بھی ہوتی ہیں رفتار بھی کافی تیز ہوتی ہے [illegible] اچھی رفتار سے چل سکتا ہے تباہ کن اور کروزر [illegible] چھوٹے جہازوں کے [illegible] ہوتا [illegible] جہاز [illegible] ان کے [illegible] فلیٹ کی [illegible] ہوتا ہے [illegible] کبھی ہلکے کروزر [illegible] ہوتا ہے اس کے ماتحت [illegible] جہازوں کو گروہ [illegible] گروہ [illegible] نہیں چلتے۔ اکیلے دکیلے چلتے ہیں۔ پچھلی جنگ [illegible] سے جدا کرتے تھے مگر [illegible] مفید ثابت نہیں ہوئے تھے لہذا اب [illegible] زیادہ [illegible] گئی۔ ان کے برخلاف سمندری بارودی سرنگیں صاف کرنے والے بحری جہاز گروہ [illegible] کام کیا کرتے ہیں۔

سپلائی سٹور

بحری جہازوں کے سٹور میں تقریباً ۵۰ ہزار قسم کی اشیاء کا ذخیرہ ملے گا یہ ذخیرے اسلحہ خانہ سے بالکل الگ ہوتے ہیں سنہ ۱۹۳۹-۴۰ء میں برطانوی بحری بیڑے کے صرف ایندھن کا سالانہ اوسط خرچ ڈیڑھ کروڑ پونڈ تھا جو اب کم از کم چار گنا زیادہ ہو گا۔ اور [illegible]

خانہ کی ازسرنو تنظیم ۱۹ء میں ہوئی تھی اور اس کے بعد تو اس میں بے شمار تبدیلیاں ہو چکی ہیں وہاں ہر دورے کے لئے صبح، دوپہر، بعد دوپہر، شام اور رات کے کھانے کے لئے الگ الگ چیزیں تیار رہتی ہیں ہر ایک طالب علم پر جو راک کا اوسط خرچ ایک تنلنگ سے بے کر ایک تنلنگ چار پیس تک آتا ہے۔

(پیام)

اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ کی تقریر

بوقت افتتاح نمائش مصنوعات ملکی

یکم ذالحجہ ۱۳۶۱ھ کو اعلیٰ حضرت نظام نے مصنوعات ملکی کی نمائش کا افتتاح فرماتے ہوئے حسب ذیل مختصر مگر جامع تقریر فرمائی۔ خصوصیت کے ساتھ لائق توجہ ہے

اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

آج مجھ کو اس نمائش کا افتتاح کرکے مسرت ہوئی۔ یہ نمائش اہل ملک میں پسند ہو رہی ہے اس کی ابتدا سے میں ہر سال اس میں آیا کرتا ہوں لیکن اس سال میں نے بانیان نمائش کی خواہش پر خود اس کا افتتاح کرنا اس لئے قبول کیا کہ اس سے لوگوں پر ملکی صنعت اور سکار کی اہمیت ظاہر ہو اور اس کو ترقی اور زینت دینے کی طرف اہل ملک کی توجہ مائل ہو۔

۲۔ اس نمائش کے بانی جامعہ عثمانیہ کے قدیم طلبہ ہیں۔ انہوں نے ملک کی صنعتی ترقی کے لئے جو عملی کام کیا ہے اس سے ان کی ہمت اور حوصلہ کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ کی تعلیم اور تربیت کے بدولت ان میں علمی قدر و فنون کے علاوہ عملی کام کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے جو قابل قدر ہے۔ ضمناً میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حالیہ سیاسی فسادات و ہنگاموں میں بھی جامعہ کے طلباء نے جو نظم و ضبط قائم رکھا اور موجودہ سیاسی ہلچل میں حصہ لینے سے اجتناب کیا اُن کا یہ اچھا رویہ دوسروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر نے مجھ کو مبارکباد کا پیام بھیجا ہے۔

۳۔ آج کل کی جنگ سے مختلف قسم کے اشیاء کی درآمد بند ہو جانے سے ان اشیاء کو خود ملک میں تیار کرنے کی ضرورت داعی ہوئی ہے۔ اور اس طرح لوگوں کو ملکی صنعت کو فروغ دینے کا موقع ملا ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر اس بات کی کوشش کریں کہ خود ملک کی صنعت اور پیداوار ہماری اکثر ضرورتوں کو کافی ہو جائے کیا اچھا ہو اگر ہر شخص اس بات کا عزم کرے کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کی چیزیں اپنے ملک کی بنی ہوئی خریدے اور صرف وہ اشیاء جو ملک میں تیار نہیں ہوتیں باہر سے خریدے بلکہ ان کے بارے میں بھی یہ فکر کرے کہ کیوں نہیں وہ چیزیں بھی ملک میں بنائی جائیں۔

۴۔ جنگ کی وجہ سے جو بعض صنعتوں کو قائم کرنے کے مواقع حاصل ہو گئے ہیں ان سے میری حکومت بے خبر نہیں ہے بلکہ اس کی کوشش کر رہی ہے کہ اس ملک کی اشیاء خام کو حتی الامکان صنعتوں کے کام میں لایا جائے تاکہ اس کا مالی فائدہ نہ صرف کاشتکاروں بلکہ ان دستکاروں کو بھی حاصل ہو جو ان اشیاء خام کو پیدا کرتے ہیں یا ان مزدوروں کو روزی نصیب ہو جو کارخانوں میں کام کرتے ہیں

۵۔ ہر ملکی صنعتی ترقی اس امر کی شاہد ہے کہ جس ملک نے اپنی فرصت اور مواقع سے فائدہ اٹھایا اور بروقت عمل کیا کامیاب رہا۔ جو سوچتا رہا اور عمل میں پیچھے رہا اس سے میدان معیشت میں دوسرا بازی لے گیا۔

۶۔ جامعہ عثمانیہ سے متعلق ایک زرعی کالج قائم کرنے کی تجویز جو جامعہ کی اسکیم میں داخل ہے بعض وجوہ سے بعد جنگ اس پر عمل نہیں ہو سکتا ہے۔ جنگ کے اختتام پر اس میں عجلت کا ہونا چاہئے۔

۷۔ مگر صنعتی ترقی محض حکومت ہی کے ذمہ نہیں ہے۔ ملک کے سرمایہ داروں کا جو معاشی مفاد اس میں ہے اس سے ان کا اخلاقی فرض بھی ہے کہ ملک میں جن اشیاء کی کھپت ہوتی ہو ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور ان اشیاء کی تیاری کی اسکیم بنائیں اور حکومت سے سہولتوں اور مشوروں کے طالب ہوں اس طرح ملک میں روزگار بڑھانے اور بیروزگاری کو دور کرنے میں مدد و معاون ہوں۔

۸۔ آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گو کہ نمائش اطمینان بخش ہے تاہم جن چیزوں کی نمائش کی جاتی ہے اُن کو کافی مقدار میں بازار میں لانے اور ان کی فروخت (اندرون و بیرون ملک) کرنے کا انتظام کافی طور پر نہیں کیا جاتا۔ یہ غرض پوری کرنے کے لئے اگر صناعوں کی ایک انجمن امداد باہمی قائم ہو تو مناسب ہے تاکہ ایک دوسرے کی مدد سے یہ کام انجام پا سکے۔

۹۔ الحاصل انجمن طلبۂ قدیم نے جو کام کیا ہے وہ اپنی حد تک اچھا ہے مجھے امید ہے کہ یہ انجمن اہل ملک کی مدد سے آئندہ اور زیادہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرے گی اور اس کی کوشش کرے گی کہ حیدرآباد صنعت و حرفت میں ہندوستان کے کسی حصہ سے پیچھے نہ رہے۔

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ نے بھی جو نیک کردار یا آئین کا اظہار برٹش انڈیا کے خلفشار کے زمانہ میں کیا تھا اس کے متعلق ہز اکسلنسی دی وائسرائے بہادر نے جو اظہار پسندیدگی کیا تھا تو میں نے بحیثیت چانسلر یونیورسٹی مذکور یہ پیام توسط سر ضیاء الدین احمد طلبہ تک پہنچا دیا ہے جو یقیناً ان سب کے لئے موجب حوصلہ افزائی ہوگا۔ اور جس کی آج کل کے پُرآشوب زمانہ میں سخت ضرورت ہے کہ بغیر اس کے امن و امان قائم نہیں رہ سکتا۔

سلطان ابن سعود کا حجاج سے خطاب

مکہ معظمہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ سلطان ابن سعود فرمانروائے حجاز و نجد نے اُن حجاج کو مخاطب کرتے ہوئے جو جمعہ کے روز ارکان حج ادا کرنے کیلئے جمع ہوئے تھے اور مصر، ہندوستان اور جاوہ کے حاجیوں کی غیر حاضری پر اظہار افسوس کیا آپنے فرمایا کہ ہم اس بات سے خوب آگاہ ہیں کہ بیت اللہ کی حاضری کی تمنا سے انکے قلوب بیچین ہونگے۔ اس راہ میں جو چیز اُن کیلئے حائل ہوئی وہ سفر کے خطرات ہیں جن کا ہم کو ان کی جانب سے اندیشہ تھا۔

سلطان نے یہ بھی فرمایا کہ حکومت ہند نے ہمکو ان وجوہ سے مطلع کیا جنکی بنا پر اس نے حاجیوں کو سفر حجاز سے روکنے کا فیصلہ کیا کہ کہیں ایسا نہو کہ کعبۃ اللہ کے سفر میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہو جائیں۔ ہمکو یہ اطلاع بھی ملی کہ حکومت ہند نے حاجیوں کیلئے جہاز تیار کر لئے تھے اور انکے متعلق سب انتظامات مکمل کر دئیے تھے لیکن راستے کے خطرات نے بحر ہند کے ذریعہ سے مسلمانوں کا عرب پہنچنا ناممکن کر دیا۔

حکومت برطانیہ نے مصر، شام و فلسطین کے مسلمان بھائیوں کو پہنچانے کیلئے باربردار جہاز مہیا کئے اور ہم اُنکی مدد و اعانت کے شکرگزار ہیں جسکے بغیر مسلمان اس وادی غیر ذی زرع میں یا حرم تک نہ آتے اس امر پر زور دیتے ہوئے کہ جنگ کے مصائب سے ارض مقدس

آخری میعاد داخلہ ۱۵۔ جنوری ۱۹۴۳ء تک رکھی گئی ہے (۲) کسی دوکاندار کو استحقاقاً اپنی پرانی دکان کا طلب کرنا جائز نہیں ہے (۳) سکریٹری کو تمام و کمال اختیارات بغرض دئے جانے دوکانات کے حاصل ہیں۔ (۴) کسی دوکاندار کو بلا اجازت سکریٹری کے کسی شخص کو دوکان منتقل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے (۵) ہر دوکاندار کو چاہئے کہ وہ اپنا صاف صاف پورا پتہ بقسم دوکان کوپن منی آرڈر یا درخواست میں تحریر کریں (۶) اگر کوئی دوکاندار دوکانات ملنے کا بلا کافی اطمینان کئے اپنا مال روانہ کرے گا تو کمیٹی اس کے ہرجہ کی ذمہ دار نہ ہوگی (۷) تقسیم شدہ دوکانات اگر ۶۔ فروری ۱۹۴۳ء کی شب تک خالی رہیں گی اور آراستہ نہ کی جاویں گی تو ۷ فروری ۱۹۴۳ء کی صبح کو دوسرے دوکانداروں کو دی جاویں گی اور کرایہ واپس نہ دیا جاوے گا (۸) جو شخص آراضی کرایہ پر لے کر اپنے صرف سے دوکانات تیار کریں گے اُن سے کرایہ چھ پائی فٹ طول میں لیا جاوے گا اور اس قسم کے دوکانداروں اور کرایہ داران حلوائی خانہ اور نانبائی خانہ پیش دوکانات خوانچہ لگا کر فروخت نہیں کرسکتے اور نہ کرسیاں و بنچ ڈال سکتے ہیں۔ اگر ایسا کریں گے تو علاوہ کرایہ دوکانات کے ان سے مکمت نمبر مار اری فی دوکاندار مبلغ ایک روپیہ وصول کیا جائے گا اور پیش دوکانات سو فیٹ سے زائد آراضی نمبر بازاری میں نہیں دی جاوے گی (۹) سڑک پختہ دہلی جو درمیان شہر کے آتی ہے۔ اس کے دونوں طرف آراضی بحساب ۱۲ ار فی فٹ طول میں ۳ فٹ طول تک لیا جاوے گا اور زائد سو فیٹ پر بحساب ۸ ر فی فیٹ طول میں لیا جاوے گا (۱۰) خوانچہ پھیری والے، بہنگی والے، اور ٹھیلہ والوں کو اندر جانے کی سخت ممانعت ہے یہ اشخاص باہر حدود نمائش مال فروخت کرسکتے ہیں جن کا محصول خوانچہ پھیری والے، بہنگی والے پر ایک روپیہ اور ڈھکیل والوں پر ایک روپیہ آٹھ آنہ اور ٹھیلہ والوں سے دو روپیہ لیا جاوے گا (۱۱) پس پشت دوکانات آگ جلانے یا ایسا سامان رکھنے کی سخت ممانعت ہے جس سے آتشزدگی کا اندیشہ ہو (۱۲) اندرون بازار نمائش دوکان کے آگے سائبان ڈالنا یا تختہ لگا کر بڑھانا پیش دوکانات سڑک پر مال رکھنے کی ممانعت ہے (۱۳) پیش دروازہ منزل گیٹ جو سڑک پر واقع ہے و نیز سڑک پختہ جو جیل کی سڑک سے ملی ہے کسی شخص کو دوکان نہیں دی جاویں گی اور کوئی شخص خوانچہ لگا کر و فرش بچھا کر مال فروخت کرسکتا ہے اور نہ کوئی دوکاندار بلا اجازت سکریٹری صاحب دوکان یا آراضی پر قبضہ کرسکتا ہے (۱۴) باستثنار جانوران استعمالی، وسار حتکامان وغیرہ بچے جو نعامات کے گھوڑوں کے ہمراہ آویں اور سب پر محصول داخلہ ۸ ر فی راس و فیس چٹھی ایک روپیہ لیا جائے گا (۱۵) دوکانات کی تقسیم ۲۲۔ جنوری ۱۹۴۳ء تک سکریٹری صاحب کریں گے۔ دوکانداروں کو چاہئے کہ بذریعہ جوابی پوسٹ کارڈ کے نمبر اپنا دریافت کریں (۱۶) جملہ قواعد مندرجہ بالا کی پابندی لازمی ہوگی۔ درصورت خلاف ورزی قانونی کارروائی کی جائے گی۔ جس میں جرمانہ ۵۰ روپیہ تک ادا کرنا ہوگا۔

ایس جی ٹی بی۔ احمد آئی سی۔ ایس
سکریٹری نمائش علی گڑھ

پنجاب یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد

دسمبر گزشتہ کے اخیر ہفتہ میں پنجاب یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا، ہز ایکسلنسی چانسلر نے صدارت فرمائی، جلسہ میں یونیورسٹی کے بہت سے گریجویٹ شریک ہوئے جن میں تقریباً ڈیڑھ سو لڑکیاں تھیں۔ اس رسم کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مسٹر منوہر لال وزیر مالیات پنجاب کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری دی گئی اور سر جارج منتھائی کو ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری عطا کی گئی۔

میاں عبدالحی وزیر تعلیم پنجاب نے کنووکیشن ایڈریس پڑھا اس کا موضوع "تعمیر بعد جنگ" تھا یعنی جنگ کے بعد "تعلیمی تعمیر" کے متعلق میاں عبدالحی نے فرمایا کہ اسے نظام کیلئے پہلی ضروری چیز یہ ہے کہ تعلیم دیسی زبانوں میں دی جائے، آپ نے اس رائے کا اظہار بھی کیا کہ عالمگیر پیمانہ پر مفت تعلیم دی جائے اور یہ تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے ہو اور موجودہ پرائمری تعلیم میں بنیادی اصلاح کی حمایت کی۔

کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے یہ فرمایا کہ نئے سسٹم میں صنعتی دستکاری اور پیشوں کی تعلیم کے لئے زیادہ گنجائش ہوگی۔ تمام تعلیمی اداروں میں یہ سسٹم بچوں کی صحت کو خاص اہمیت دے گا۔

آخر میں وزیر تعلیم نے بیان کیا کہ جب دنیا میں امن عام ہوگا اور سیاسی قطع بازوں نے جنگ کے جن سیاست کو چھوڑ دیا ہے وہ امن پسند قوموں کی مشترکہ کوشش سے کچل دیا جائے گا۔ تو ہندوستان کو وہ آزادی ملے گی جس کی اسے عرصہ سے تمنا تھی"

۱۹ طلبہ کو جنگی ریگولیشن کے مطابق خاص جنگی سائنس اور آرٹ کی بیچلر ڈگریاں دی گئیں ان میں چار خود حاضر تھے۔ ۱۵۔ میڈیکل گریجوئٹ اشخاص نے جو آئی، ایم ایس میں کام کر رہے ہیں خود ڈگریاں لیں۔

"سالانہ رپورٹ" مظہر ہے کہ امیدواروں کی کل تعداد جو یونیورسٹی کے مختلف امتحانوں میں شامل ہوئی ۵۶ ہزار تھی، بہت سے امیدوار طالبات کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا، یونیورسٹی صوبہ کی جنگی کوششوں میں بہت دلچسپی لے رہی ہے اور جنگ کے آغاز پر تمام وسائل کو حکومت کی مرضی پر سونپ دیا تھا اور جن طلبہ نے جنگی خدمات کے لئے خود کو رضاکارانہ طور پر پیش کیا اور جنگی سرگرمیوں میں شریک ہوئے ان کے لئے کافی سہولتیں مہیا کرنے کے واسطے خاص قواعد بنائے۔

تقریب سالگرہ میں مسٹر جناح کی تقریر

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے اس ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے جو مسلمانان دہلی کی جانب سے آپ کی چھیاسٹھویں سالگرہ کے موقع پر موصوف کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا یہ وعدہ کیا کہ وہ آئندہ بھی مسلمانان ہند کی خدمت اس جذبہ کے ساتھ انجام دیتے رہیں گے جیسے کہ اب تک کرتے رہے۔

مسٹر جناح نے پچھلے دور میں مسلمانوں کی تنزل حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح ۱۹۳۶ء میں اُن کے منتظم کرنے کی کوشش کی گئی پھر اسی سلسلہ میں یہ فرمایا کہ "مسلم ہندوستان" آج ایک جھنڈے کے گرد جمع ہو گیا ہے اور آج وہ ایک آواز اور پورے اتحاد کے ساتھ بولتا ہے۔ ہمارے پاس ہمارا ایک جھنڈا موجود ہے جس کی عزت باقی رکھنے کے لئے ہمیں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔ مسٹر جناح نے دعویٰ کیا کہ آج اس برّ اعظم" میں کوئی فرقہ اتنا منظم نہیں جتنے کہ مسلمان ہیں وہ اپنے منشور کو تسلیم کرانے کے قابل ہو گئے ہیں ان کا منشور پاکستان ہے اور وہ آج اُن کا ایک عقیدہ ہے۔

[illegible] مقابلہ
[illegible] کے لئے ہر قربانی پیش کرنے کے لئے
تیار رہنا چاہئے۔ آج مسلم ہندوستان اس سے بالکل مختلف
ہے جیسا کہ وہ آج سے پانچ سال پہلے تھا۔ ہر غیر جانبدار
مبصر نے اس بات کو محسوس کیا ہے۔ مجھے یہ کہنے کی
اجازت دیجئے کہ تمام غلط بیانات محض وقتی طور پر باعث
تسکین ہو سکتے ہیں۔ ہمیں ہمارے مستحکم ارادہ سے نہ حکومت
برطانیہ باز رکھ سکتی ہے اور نہ حکومت ہند۔ ہمیں ہر قیمت
پر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ میں آپ کی
زندگی امداد اور اشتراک عمل سے اُسے اپنی زندگی میں
حاصل کر سکوں گا۔

مسٹر جناح کے اعزاز میں جو ڈنر دیا گیا اُس میں
تقریباً دو سو اشخاص شریک تھے۔ اسی سلسلہ میں دوسرا
جلسہ عربک کالج میں ہوا جس میں نواب زادہ لیاقت علی خاں
صاحب نے تقریر کی۔

اندور کی تعلیمی کانفرنس

اندور کی ایک اطلاع مُظہر ہے کہ ڈاکٹر جیکر نے
"آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس" میں اپنی تقریر صدارت
کے سلسلہ میں یہ کہا کہ جب میں محکمہ تعلیم سے تعلق رکھتا تھا
تو اُس وقت کے مسائل زمانہ موجودہ سے مختلف تھے
اُس وقت ایک مسئلہ یہ تھا کہ اسکولوں میں طلبہ کو مذہبی
ہدایات کہاں تک دی جائیں، جہاں تک اس سوال
کا تعلق ہے وہ اب زیر بحث نہیں رہا۔ مجھے خوشی ہے
کہ مذہبی خیالات آپ کی تعلیمی سرگرمیوں پر غلبہ نہیں
پا سکتے۔ (سبحان اللہ)

ہمیں سب سے پہلے اس امر کا فیصلہ کرنا ہے کہ
ہم کس قسم کی سوسائٹی کے جسم دانا بننا چاہتے ہیں ہمیں
سوچنا ہے کہ موجودہ سرمایہ دارانہ سسٹم کو کو اپریٹو سسٹم
میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جو مفاد عامہ کے حق
میں ہو۔ ہمیں مفاد عامہ کو پس پشت ڈال کر انفرادی
و جماعتی مفاد پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہئے، جنگ قدرتی
طور پر ان اسباب کو پیدا کر رہی ہے کیونکہ اس کی وجہ
سے دنیا مساعی عامہ کی ضرورت محسوس کر رہی ہے
قبائلی، جماعتی اور نسلی تکبر آہستہ آہستہ مٹتے جا رہے ہیں
(دوسرے لوگوں کا مشاہدہ یہ ہے کہ نہ صرف ہندوستان
بلکہ یورپ میں بھی جماعتی و نسلی تکبر بڑھ گیا ہے اور یہ
جنگ اسی تعصب تکبر کا نتیجہ ہے) مسٹر جیکر کہتے ہیں

کہ یہ کام اور بھی جلد ختم ہو جاتا اگر حکومت مناسب وقت
پر مناسب قدم اٹھاتی۔

مرہٹوں کی تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جنگ سے
پیدا شدہ جوش و خروش ذاتی و نسلی امتیاز کو مٹا دیتا ہے
اگر ہندوستان کے نوجوانوں کو اپنے ملک پر حملہ کے مقابلہ
کے لئے ایک شہری فوج کی ترتیب کی اجازت دی جاتی تو
ہم اس وقت تک قومی ترقی کی شاہراہ پر بہت آگے
بڑھ گئے ہوتے

یونیورسٹیوں کا فرض ہے کہ وہ [illegible]
کریں جس سے ہم میں اپنے وطن سے وفاداری اور نمک
حلالی کا جذبہ پیدا ہو اور اس کا طریقہ تعلیم لوگوں
میں اتفاق پیدا کرے نہ کہ نفاق، مجھے پورا بھروسہ ہے
کہ موجودہ نفاق پیدا کرنے والی طاقتیں ماند ہو جائیں
گی اور اس کی جگہ یکجہتی پیدا کرنے والی طاقتیں
[illegible] لیں گی۔

سیکنڈری جماعتوں تک ذریعہ تعلیم مادری زبان
ہونا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو یونیورسٹیوں میں بھی ذریعہ
تعلیم مادری زبان ہی ہونا چاہئے۔ یونیورسٹی کی تعلیم
کا اہم حصہ جس پر [illegible] لوگوں کی وجہ ضرور ہے
یہ ہے کہ کالجوں میں فوجی تعلیم لازمی قرار دی جائے
کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ملک کے نوجوانوں کا فرض ہے کہ
وہ اپنے وطن کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھیں

ہندوستانی اکیڈمی کا جدید انتظام

معلوم ہوا ہے کہ ہندوستانی اکیڈمی (الٰہ آباد)
کی یکم جنوری ۱۹۴۳ء سے از سر نو تنظیم ہوگی۔ حکومت صوبجات
متحدہ کی دعوت پر رائے راجیشور بلی سابق وزیر تعلیمات
صوبہ متحدہ نے اکیڈمی کی صدارت قبول کر لی ہے جس
کی میعاد تین سال ہے۔ دوسرے ممبروں اور عہدہ داروں
کی میعاد صرف چھ ماہ ہوگی۔

حکومت کی سابق کے مطابق رائے بہادر پنڈت
شکھ دیو بہاری مصرا جنرل سکرٹری، شعبہ اردو کے جائنٹ
سکرٹری ڈاکٹر محمد حفیظ، شعبہ ہندی کے ڈاکٹر [illegible]
نامزد ہوئے ہیں۔ دونوں صاحبوں کا تعلق الٰہ آباد
یونیورسٹی سے ہے ان چار عہدہ داروں کے علاوہ
اکیڈمی کی مجلس عاملہ کے ممبر بھی نامزد کئے گئے ہیں

مطبوعات انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

انجمن طلبائے مسلم یونیورسٹی کا ایک ادارہ ہے جو ہمیشہ
ہندوستان کے مقتدر علماء اور اہل علم کو مدعو کیا کرتا ہے
اور یہ بزرگان ملت علی گڑھ تشریف لا کر اپنے مواعظ،
تقاریر اور مقالوں سے طلباء یونیورسٹی اور دیگر شائقین کو
مستفید فرمایا کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ ایک مدت تک جاری
رہتا ہے۔ ذیل کی مطبوعات اسی سلسلہ کے چند مقالات
ہیں جو [illegible] تمام [illegible]
شائع کئے ہیں اور [illegible] قیمت پر ان کو [illegible] کرتی
ہے۔ یہ مقالات اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان گھر میں پہنچیں اور
[illegible] ان کو پڑھ کر اپنے ایمان و روح کو تازگی بخشیں
مقالات کے عنوانات مع قیمت ذیل میں دئے ہیں۔

کلمۂ طیبہ۔ از حضرت مولانا [illegible] قاری محمد طاہر صاحب قاسمی ۳/

ایمان۔ از حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی قیمت ۴/

تمدن اسلام کا پیام بیسویں صدی کی دنیا کے نام — از مولانا عبدالماجد صاحب (بی اے) دریابادی قیمت ۳/

تمدن اسلام کی کہانی اسی کی زبانی — ۴/

فردوس گم گشتہ۔ از جناب [illegible] علامہ احمد صاحب پرویز ۳/

تعلیم جدید پر ایک نظر روشن خیالوں کی نذر — از جناب محمد صدیق [illegible] صاحب ۳/

انسان کا معاشی مسئلہ اور اُس کا اسلامی حل — از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ۴/

تصنیفات مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی

روح القرآن — کلام مجید کی [illegible] کے مطابق مضامین کی فہرست [illegible] لغات، سورتوں کے عنوانات و عملیات، خلاصے اور شان نزول درج ہیں۔ قیمت ۶

سنگار خانہ — مستورات کی خانگی زندگی سنوارنے کیلئے بہترین کتاب ہے قیمت ۶

ماں بچہ کی نگہداشت — زچاؤں اور بچوں کے متعلق بہترین اور نہایت مفید اور کارآمد معلومات کا ذخیرہ قیمت ۶

ملنے کا پتہ:- **کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ**

(باہتمام [illegible] صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۴) | ۸ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء مطابق یکم محرم الحرام سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۲)

خانصاحب میر ولایت حسین صاحب بی اے (علیگ) کے ہزاروں شاگردوں اور سینکڑوں احباب کے حلقہ میں یہ خبر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی کہ آخر دسمبر میں جناب میر صاحب کو ایک بہت بڑا صدمہ برداشت کرنا پڑا، یعنی موصوف کے صاحبزادہ سید مہدی حسن صاحب کی اہلیہ محترمہ نے تقریباً دو سال کی علالت کے بعد انتقال کیا۔

مرحومہ ایک نیک و شریف طینت خاتون تھیں اور اپنی فرمانبرداری، خوش اخلاقی اور حسن انتظام کی وجہ سے سارے خاندان میں ہر دلعزیز تھیں جس سے کنبہ کی خانگی زندگی راحت و اطمینان سے بسر ہوتی تھی، ہمیں اس حادثہ پر جناب میر صاحب اور جملہ متعلقین سے عمیق ہمدردی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور متعلقین کو صبر کی توفیق عطا کرے۔

جنوری کے پہلے ہفتہ میں ایک پُرمسرت تقریب کی وجہ سے مسلم یونیورسٹی کے حلقہ میں خاص چہل پہل رہی یعنی اسی ہفتہ ۵ جنوری کی شام کو عزیز عبدالحمید قریشی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) خلف السعید جناب خاں بہادر پروفیسر عبدالمجید صاحب قریشی ایم اے کا عقد سید عبدالجلیل صاحب ایم اے اسسٹنٹ رجسٹرار مسلم یونیورسٹی کی صاحبزادی صفدر جہاں بیگم صاحبہ بی اے بی ٹی (علیگ) سے عمل میں آیا، عقد نکاح کے بعد ۸ بجے شب [illegible] موصوف کی طرف [illegible] پر لطف و پُرتکلف دعوت [illegible] یونیورسٹی [illegible] اور شہر کے سینکڑوں معزز [illegible] شریک [illegible]

دوسرے روز دوپہر کو خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب کی کوٹھی بیت المجید میں ایک شاندار دعوت ولیمہ ہوئی جس میں مسلم یونیورسٹی کے عہدہ داروں، ممبران اسٹاف، کارکنان دفاتر، طلبہ اور بہت سے اولڈ بوائے شریک تھے، بیرون علیگڑھ کے مہمان بھی اس تقریب سعید میں شرکت کے لئے آئے تھے، ہم جناب قریشی صاحب اور سید صاحب کو اس رشتہ کے بخوش اسلوبی و شاندار طریقہ سے سرانجام پانے پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ یہ تقریب فریقین کیلئے باعث سعادت و برکت ہو۔

مسلم یونیورسٹی کنووکیشن اور "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" کا جو سالانہ اجلاس ۱۳ و ۱۴ فروری کو علی گڑھ میں ہونے والا ہے اس کا مختصر و اجمالی پروگرام حسب ذیل ہے۔

۱۔ مسلم یونیورسٹی کنووکیشن — ۱۱ بجے دن
۲۔ کانفرنس کا پہلا اجلاس عام — ۳ بجے سہ پہر
۳۔ کنووکیشن ایٹ ہوم — ۵ بجے شام
۴۔ کانفرنس کا دوسرا اجلاس — ۸½ بجے شب

۱۴ فروری ۱۹۴۳ء کا پروگرام

۱۔ کانفرنس کا تیسرا اجلاس — ۱۰ بجے صبح
۲۔ کانفرنس کا چوتھا اجلاس — ۳ بجے سہ پہر
۳۔ آخری اجلاس عام — ۸ بجے شب

مفصل پروگرام ان شاءاللہ عنقریب [illegible]

جو احباب کانفرنس کے آئندہ اجلاس میں [illegible] پیش کرنا چاہیں وہ ان کی نقل [illegible] صدر دفتر کانفرنس میں بھیج دیں۔

خان بہادر مولوی [illegible] شروانی صدر استقبالیہ کمیٹی نے [illegible] استقبالیہ کمیٹی کا ایک جلسہ [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ جنوری ۱۹۴۳ء

علی گڑھ میں کانفرنس کا سالانہ اجلاس

۲۴ اکتوبر ۱۹۴۲ء کے کانفرنس گزٹ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے متعلق ہم نے جو "مقالہ افتتاحیہ" لکھا تھا اس کا عنوان تھا "علی گڑھ حیدرآباد میں" اس عنوان کے تحت میں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس کا سالانہ اجلاس مملکت آصفیہ کے شاندار دار الحکومت حیدرآباد میں منعقد ہونا قرار پایا ہے۔"

اس اعلان کے سلسلہ میں ہم نے علی گڑھ و حیدرآباد کے دیرینہ و تاریخی تعلقات اور اعلیٰحضرت نظام کی شاہانہ نوازشات کا تفصیلی تذکرہ کرکے یہ عرض کیا تھا کہ کارکنان علی گڑھ کی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ علی گڑھ تحریک کے حامی و علمبردار ایک دفعہ خسرو دکن کے زیر سایہ خود اعلیٰحضرت کے دار الحکومت حیدرآباد میں جمع ہوکر اپنے جذبات تشکر گزاری کا اظہار کریں اور کم و بیش نصف صدی سے حیدرآباد و علی گڑھ کے درمیان جو تعلقات قائم ہیں ان کی [illegible] کریں۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض وجوہ سے کانفرنس کا یہ اجلاس جو گزشتہ دسمبر میں دار الحکومت حیدرآباد میں ہونے والا تھا منعقد نہ ہو سکا اور اب [illegible]-۱۴ جنوری ۱۹۴۳ء کو بجائے حیدرآباد کے انشاء اللہ علی گڑھ میں ہوگا لیکن حیدرآباد سے اب [illegible] اجلاس کا تعلق اس حد تک ہوگا کہ ہم اپنے پچھلے مقالۂ افتتاحیہ کے عنوان کو ذرا الٹ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ

حیدرآباد — علی گڑھ میں

واقعہ یہ ہے کہ اس اجلاس کی صدارت نواب ظہیر یار جنگ بہادر فرمائیں گے جو حیدرآباد کے جلیل القدر امراء میں سے ہیں، اور نواب صاحب ممدوح کے علاوہ نواب کمال یار جنگ بہادر اور حیدرآباد کے دوسرے ممتاز اصحاب اجلاس میں شرکت فرمائیں گے اس لئے مقام اجلاس کی تبدیلی کے بعد بھی حیدرآباد کا تعلق بدستور قائم رہے گا'

موجودہ "عالمگیر جنگ" نے ہندوستان کی عام حالت میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے' ملک کی اقتصادی حالت نہایت ابتر ہے اور ہر طبقہ کے لوگ کم و بیش مالی مشکلات میں مبتلا اور مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن ہیں' مزید براں سفر کی سہولتیں بھی مفقود ہو چکی ہیں اور لوگ بلا ضرورت شدید سفر کرنے سے گھبراتے ہیں' ایسے ناسازگار حالات میں اجلاس کا انتظام کرنا اور مختلف صوبوں کے مسلمانوں کا ایک تعلیمی مقصد کے لئے علی گڑھ میں جمع ہونا سہل نہیں ہے۔ اسی بنا پر بعض اصحاب یہ کہتے ہیں کہ ان حالات میں اجلاس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا تفصیلی جواب ہم آگے چل کر عرض کریں گے مختصر جواب یہ ہے کہ جب باوجود ناسازگاری حالات ہم پورے انہماک سے اپنے روزمرہ کے کاروبار میں مصروف ہیں اور ہر قسم کی تقریبات مثلاً شادی بیاہ کے مراسم اور دوسرے کام بدستور جاری ہیں اور ہم اپنے ذاتی کاروبار کے لئے سفر بھی کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ صرف قومی کام جنگ کی وجہ کر بند کر دیے جائیں' بے شبہ مشکلات موجود ہیں اور ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن باوجود ان مشکلات کے دنیا کا کاروبار جس حد تک بھی ممکن ہے جاری ہے' یہاں تک کہ جن مقامات پر شدت سے جنگ ہو رہی ہے وہاں بھی یہ حالت ہے کہ رات کو دشمن ہوائی جہازوں سے گولہ باری کرکے ایک ہنگامہ برپا کرتا ہے اور لوگ صبح اٹھ کر یہ خوفناک منظر دیکھتے ہیں کہ بہت سی شاندار عمارتیں جو کل شام تک آباد تھیں اب کھنڈر بن گئی ہیں' ہر طرف وحشت و ویرانگی کے آثار ہیں' اور سینکڑوں انسان جو کل تک زندہ تھے آج گلی کوچوں میں بیجان پڑے ہیں اور ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے جسم پارہ پارہ ہو گئے' یہ مناظر کس قدر ہولناک ہیں لیکن کیا ان کی وجہ سے لوگ اپنا کاروبار بند کر دیتے ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر شخص اپنے روزمرہ کے فرائض ادا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے' دفتروں اور سرکاری محکموں میں کام کرنے والے اپنے اپنے دفتر میں اور مزدوری پیشہ لوگ کارخانوں میں بدستور کام کرتے جاتے ہیں تاکہ اپنی روزی حاصل کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے حوادث و انقلابات دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں لیکن انسان اپنا کام برابر جاری رکھتا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ جنگ کے زمانہ میں قومی کام یکسر بند کر دیے جائیں۔

بے شبہ مشکلات موجود ہیں اور ان سے پورے طور پر عہدہ برآ ہونا مشکل ہے اس لئے یہ تو ضرور ہوگا کہ امن و عافیت اور فارغ البالی کی حالت میں ہم جس حد تک کام کر سکتے ہیں جنگ کی حالت میں نہیں کر سکیں گے لیکن کام کا بالکل بند کر دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ہم دوسری زندہ قوموں کو دیکھتے ہیں کہ جنگ کے زمانہ میں بھی جو تباہی و تخریب کا زمانہ ہے وہ تعمیری کاموں کو نظر انداز نہیں کرتیں' اور موجودہ زمانہ کی ہنگامہ آرائی انہیں فکر فردا سے غافل و بے نیاز نہیں کرتی' اس لئے ہمیں بھی شخصی کاروبار کی طرح اپنا قومی و تعمیری کام بھی جاری رکھنا چاہئے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوم کی ترقی و فلاح کے لئے جو کام انجام دیے جاتے ہیں وہ بہت سے ہیں اور ان سب کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے لیکن ان کاموں میں "تعلیم" کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ قوم کی ترقی کا مدار زیادہ تر تعلیم پر ہے اس لئے "تعلیم" قومی ترقی کے لئے ایک بنیادی چیز کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ہم کسی حالت میں بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا زمانہ جنگ میں بھی اپنے بچوں کی تعلیم یا تعلیمی مسائل سے غفلت برتنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ بے شبہ کچھ کام ضرور ایسے ہیں جو ناقابل عبور مشکلات کی وجہ سے عارضی طور پر جنگ کے زمانہ میں بند کر دیے جاتے ہیں لیکن تعلیم کسی حالت میں بھی ملتوی نہیں کی جا سکتی' نہ کوئی نظام تعلیم جو ملک میں رائج

سے کیسے بند کیا جا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جب ہندوستان کی دوسری قومیں باوجود مشکلات نہایت سرگرمی سے تعمیری کام اور قومی کاروبار میں مصروف ہیں تو مسلمانوں کے لئے یہ کہاں تک مناسب اور درونِ عقل ہے کہ اس زمانہ میں وہ اُن ضروری کاموں سے دستبردار ہو جائیں جن پر ان کی قوم کی فلاح و ترقی کا انحصار ہو۔

کوئی شخص اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ جنگ کی وجہ سے تخریب کا جو سلسلہ جاری ہے وہ ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ شکست و فتح کے بعد عنقریب ایک ایسا زمانہ آئے گا جب فاتح و مفتوح دونوں تلافی مافات کی کوشش کرنے پر مجبور ہوں گے اور دنیا کے ہر ملک میں جن میں ہندوستان بھی شامل ہے از سرِ نو تعمیری دور کا آغاز ہوگا۔ لیکن اس آنے والے تعمیری دور میں وہی قوم سب سے زیادہ تعمیری کام انجام دے سکے گی جس میں سب سے زیادہ کام کرنے کی صلاحیت و قابلیت ہے اور جو اس قدر صاحبِ بصیرت و انجام اندیش ہے کہ اپنے ماحول اور زمانہ کی رفتار کو دیکھ کر یہ اندازہ کر سکتی ہے کہ اُسے کیا کام کرنا ہے اور کس طریقہ سے کرنا ہے۔

اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جو قوم تعلیمی حیثیت سے پستی کی حالت میں ہو اور جس میں خواندہ لوگوں کی فی صدی تعداد اپنے ابنائے وطن کے مقابلہ میں بہت قلیل ہو وہ ایک تعلیم یافتہ اور حالاتِ زمانہ سے باخبر قوم کے مقابلہ میں ترقی کی صلاحیت نہیں رکھتی خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ ہندوستان کی مختلف قوموں کے درمیان ایک کشمکش جاری ہو کوئی ایسی قوم جو تعلیم میں پسماندہ اور ضرورتِ زمانہ سے بے خبر ہو نہ تو اپنے حقوق حاصل کر سکتی ہے نہ کوئی ترقی کر سکتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ ہمیشہ دوسری قوموں کی دستِ نگر رہے گی۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو مسلمانوں کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ "ہندوستان بعد از جنگ" میں وہ کس طرح زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں؟ ایک آزاد و ترقی یافتہ قوم کی طرح جس کو اس ملک میں سارے حقوق حاصل ہوں یا ایک پسماندہ و ناتعلیم یافتہ قوم کی حیثیت سے جو دوسروں کی دستِ نگر ہو اور خود کوئی مستقل پوزیشن ملک میں نہ رکھتی ہو۔

اب مراعات و رواداری کا زمانہ نہیں ہے کہ ہندوستان کی کوئی ترقی یافتہ قوم مسلمانوں کے لئے خواہ مخواہ ایثار و قربانی کرے اور وہ بربنائے رعایت اپنے حق سے زیادہ کوئی چیز حاصل کر لیں بلکہ اب یہ ہے کہ ہر قوم بقدر اپنی سعی و کوشش کے فائدہ حاصل کرے گی اور جس میں ترقی کرنے کی زیادہ صلاحیت و قابلیت ہے وہی زیادہ کامیاب ہوگی۔ بے شبہ دور اصلاحات سے پہلے جبکہ ہندوستان میں تقریباً مطلق العنان حکومت تھی کبھی کبھی مسلمانوں کو یہ موقع مل جاتا تھا کہ وہ حکومت سے کوئی معمولی رعایت حاصل کر لیں کیونکہ اُس زمانہ میں اقتدار حکام اپنے ملکی مصالح کے لحاظ سے کسی موقع پر اُن کے ساتھ شخصی طور پر کوئی رعایت کر دیتے تھے اور اگرچہ یہ رعایت دوسری قوموں کو ناگوار گزرتی تھی لیکن وہ حکومت کے خوف سے خاموش رہتی تھیں اور مسلمان عارضی طور پر تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیتے تھے، مگر اب وہ صورت بھی باقی نہیں رہی۔

موجودہ حالت یہ ہے کہ اب مسلمانوں کے لئے اس قسم کی مراعات کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے اب حکام اس قدر مطلق العنان نہیں ہیں کہ تقرری و ترقی وغیرہ اور بغیر کسی ضابطہ کے مسلمانوں کے ساتھ کوئی رعایت کر سکیں۔ اس کے علاوہ اُن کے لئے یہ مشکل بھی سنگِ راہ ہے کہ جس فرقہ کی ملک میں اکثریت ہے اُس نے ملک میں اس قدر طاقت اور اقتدار حاصل کر لیا ہے کہ حکومت اُسے خوش و مطمئن رکھنا ضروری سمجھتی ہے لہٰذا اُسے کیا ضرورت ہے کہ وہ مسلمانوں کی خاطر بھڑوں کے چھتّے میں ہاتھ ڈالے اور اس کو خواہ مخواہ اپنا مخالف بنائے۔ اب حالت تو یہ ہے کہ اگر کوئی با اعتبار عہدہ دار کسی موقع پر کسی مسلمان کے ساتھ کوئی معمولی سی رعایت بھی ملازمت وغیرہ کے سلسلہ میں کرتا ہے تو اخبارات میں ایک شور برپا ہو جاتا ہے اور اکثریت رکھنے والے فرقہ کے ممبر اس کے متعلق اسمبلی میں حکومت سے جواب طلب کرتے ہیں کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ غرض حکومت کو یہاں ٹھہرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

جب حالات اس قدر بدل گئے ہیں تو مسلمانوں کے لئے یہ کہاں تک جائز ہے کہ وہ زمانۂ ماضی کا خواب دیکھتے رہیں جبکہ بالادست حکام اُن کے ساتھ کوئی معمولی سی رعایت کر دیتے تھے تو وہ اسی سے خوش ہو جاتے تھے اور شکریہ ادا کرتے کرتے اُن کی زبانیں خشک ہو جاتی تھیں، اور حکام کے اس عدلِ نوشیروانی کی تعریف سے ساری فضا میں ایک تلاطم برپا ہو جاتا تھا، مسلمانوں کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ زمانہ گیا اور اس طرح گیا کہ اب کبھی واپس نہ آئے گا۔ اس لئے انھیں ان پرانے قصّوں کو بھول جانا چاہئے جبکہ وہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری سے "صاحب" کو خوش کر کے اپنا کوئی کام نکال لیتے یا ملازمت، تعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں کوئی معمولی رعایت و سہولت حاصل کر لیتے تھے، یہ تو موجودہ حالت ہے لیکن اب جو زمانہ (بعد جنگ) آنے والا ہے وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا اور اس میں کسی ناتعلیم یافتہ قوم کے لئے ترقی کا کوئی موقع نہ ہوگا۔

ابھی یہ پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی کہ آنے والے زمانہ میں ہندوستان کا نظامِ حکومت کیا اور کیسا ہوگا لیکن اس قدر یقینی ہے کہ اگر سب نہیں تو بہت کچھ اختیاراتِ حکومت اہلِ ملک کی طرف منتقل ہو جائیں گے اس لئے جو قوم ان اختیارات کو سنبھالنے کی سب سے زیادہ قابلیت رکھتی ہوگی وہی درحقیقت حکومت کرے گی اور دوسری قومیں اپنی ناقابلیت کی وجہ سے اس کی دستِ نگر ہوں گی، بے شبہ اس آنے والے زمانہ میں مسلمان قوم کے بھی کچھ حقوق ہوں گے اور وہ نظر انداز نہیں کی جائے گی لیکن جب تک مسلمانوں میں ان حقوق سے متمتع ہونے کی قابلیت نہ ہو محض قانونی حقوق سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ آج بھی مسلمانوں کے بہت سے حقوق صرف اس لئے غصب ہو رہے ہیں کہ وہ ان کے حاصل کرنے کے لئے جد و جہد نہیں کرتے یا اپنی عدمِ قابلیت کی وجہ سے ان سے بخوبی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

اب چونکہ مسلمانوں میں کسی قدر تعلیم پھیل گئی ہے اس لئے وہ فی الجملہ بیدار ہو گئے ہیں اور اپنے حقوق کے لئے تھوڑی بہت جد و جہد بھی کرتے ہیں لیکن ابھی انھیں بہت کچھ کرنا ہے۔ چند تعلیم یافتہ آدمیوں کے شور و غل سے نہ تو حکومت پورے طور پر متاثر ہو سکتی ہے نہ ابنائے وطن، اس لئے شدید ضرورت ہے کہ مسلمان عوام میں سیاسی بیداری اور اپنے حقوق کے تحفظ کا ایک زبردست جذبہ پیدا کیا جائے، اور یہ

[illegible] غازی عصمت انونو

"[illegible] میں گزشتہ [illegible] میں جنگ کی آگ مزید [illegible] کے ساتھ بھڑکے گی۔ کیونکہ فریقین جنگ میں [illegible] کوئی امکان نہیں ہے۔ مگر ہم حسب سابق غیر جانبدار رہیں گے اور کسی حکومت کو بھی دھوکا نہیں دیں گے"

یہ ہیں وہ الفاظ جو صدر اعظم ترکی غازی عصمت انونو نے ترکی پارلیمنٹ کے تازہ ترین اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے کہے ہیں۔

یہ الفاظ اگر ایک طرف سال آئندہ کے لئے ترکی پالیسی کا اعلان ہے تو دوسری طرف یہ ترکی کے سپاہی سیاست داں عصمت انونو کی شخصیت کے آئینہ دار بھی ہیں۔

اس وقت کے بڑے بڑے سیاست دانوں میں سے کوئی ایک بھی اتنے طویل عرصہ تک نظام حکومت میں مسلسل افسرانہ عہدوں پر فائز نہیں رہا جتنے عرصہ سے غازی عصمت انونو لگاتار ترکی کے اعلیٰ عہدوں پر کام کرتے چلے آرہے ہیں ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۸ء تک غازی عصمت انونو ترکی کے کابینہ حکومت کے نمایاں وزیر رہے۔ پہلے آپ وزیر خارجہ تھے پھر وزیر اعظم بنا دئے گئے۔ اور ماہ نومبر ۱۹۳۸ء سے جبکہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا انتقال ہوا آپ جمہوریہ ترکی کے صدر اعظم ہیں۔

یہ ترکی اور دنیائے اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ موجودہ جنگ کے دور میں جب دنیا اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ ترکی کی قیادت کی باگ غازی عصمت جیسے منجھے ہوئے تجربہ کار مدبر اور سپاہی کے ہاتھوں میں ہے۔

غازی عصمت انونو کی بلند شخصیت کے اس پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک امریکن مصنف نے لکھا ہے کہ "یورپ کے سیاسی حلقوں میں غازی عصمت انونو کے بارے میں یہ عام شہرت ہے کہ آپ یورپ کے کامیاب ترین ڈپلومیٹ ہیں۔ مگر آپ کی کامیاب ڈپلومیسی کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ آپ کا رویہ ہمیشہ ایماندارانہ رہتا ہے اور آج تک کسی حکومت کو ان کی طرف سے یہ شکایت کبھی پیدا نہیں ہوئی کہ انھوں نے ہمارے ساتھ فریب سے کام لیا ہے"۔

امریکن مصنف نے جو کچھ کہا ہے اس کی روشنی میں جب ہم غازی عصمت انونو کی تازہ ترین تقریر کے ان الفاظ کو پڑھتے ہیں جو اس مضمون کے شروع میں درج کئے گئے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سیاست و تدبر میں عصمت انونو کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔

مگر صدر اعظم ترکی کی زبردست شخصیت کے اس پہلو سے بھی کہیں زیادہ دلچسپ اور حیرت میں ڈال دینے والا ان کی شخصیت کا وہ پہلو ہے جسے امریکن مصنف غالباً پہلی مرتبہ دنیا کے سامنے روشنی میں لایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

"جس زبردست فوجی جرنیل عصمت انونو نے گزشتہ جنگ عظیم میں اور ۲۲-۱۹۲۱ء کی یونان و ترکی کی جنگ میں مخالفوں کے دانت کھٹے کر دئے تھے۔ اور [illegible] کے ناکہ بندی کے زبردست منصوبوں سے ارض جنگ کے نقشے بدل کر رکھ دئے۔ جس سابق وزیر خارجہ و وزیر اعظم کے تدبر کی تمام یورپ میں دھاک بیٹھی ہوئی ہے اور جس صدر اعظم کی انتظامی قابلیت کے یورپ کی دار السلطنتوں کے سرکاری حلقوں میں گن گائے جاتے ہیں وہ زبردست سپہ سالار عدیم المثال مدبر اور مسلمہ منتظم حکومت شہرت اور ذاتی پروپیگنڈے سے کوسوں دور رکھا گیا ہے۔

امریکن مصنف نے بتایا ہے کہ ترکی اخبارات میں غازی عصمت انونو کا نام سرخیوں میں کبھی نہیں لکھا جاتا۔ قسطنطنیہ، سمرنا اور انقرہ میں سیاسی قیاس آرائی اور سیاسی گپ شپ لوگوں کے لئے جزو زندگی کی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر ان مقامات پر بھی سرنج گاہوں اور کلبوں کی سیاسی محفلوں میں عصمت انونو کا کبھی ذکر نہیں آتا۔ کیونکہ صدر اعظم ترکی کے بارے میں ان مقامات کے سیاسی چرچوں میں کبھی کوئی تراشیدہ افسانہ نہیں چھیڑا جاتا اور نہ ان کے ناموں کو کسی افواہ میں ملوث کیا جاتا ہے۔

امریکن مصنف نے لکھا ہے کہ اس کی ایک خاص گہری وجہ ہے۔ ترکی میں تقریباً ہر شخص اس سے باخبر ہے کہ ترک قوم کے بزرگ ترین فرد غازی عصمت انونو کی۔ خواہش ہے کہ ان کی ذات کو پبلک گفتگو کا موضوع نہ بنایا جائے۔

غازی عصمت انونو ذاتی شہرت اور پروپیگنڈے سے کس قدر بے نیاز ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسری حکومتوں کے سیاست داں۔ مدبر اور ارباب حکومت نہ صرف اپنی شہرت سمیٹنے کی فکریں کرتے رہتے ہیں بلکہ مسلسل پروپیگنڈے کے ذریعہ سے وہ اپنے بیوی بچوں تک کو مشاہیر بنا ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر امریکن مصنف کے الفاظ میں۔

"ترکی میں تمام لوگ غازی عصمت انونو کی ذات کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتے کہ وہ اس وقت ترکی کے صدر اعظم اور اس سے پہلے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ رہ چکے ہیں۔ جبکہ ان کی گھریلو زندگی کے بارے میں لوگوں کو صرف یہ معلوم ہے کہ وہ تین بچوں کے باپ ہیں اور ان کی گھریلو زندگی آسودگی اور مسرت سے مالا مال ہے"

امریکن مصنف نے لکھا ہے کہ اپنی ذاتی اور نجی اور خانگی زندگی کو پروپیگنڈے کا موضوع بنانے سے غازی عصمت انونو اس قدر گریز کرتے ہیں کہ

"آج تک کسی ایک پبلک یا سرکاری تقریب کے موقع پر بھی لوگوں نے غازی عصمت کے بچوں کو ان کے ہمراہ نہیں دیکھا"

جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ سادہ مزاج اور شہرت سے کوسوں دور بھاگنے والا وہی لا ثانی ترک انسان ہے جس نے قوم و وطن کی فداکارانہ محبت کے جوش میں بیس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے سلطان عبد الحمید خاں کی وطن فروش حکومت کا تختہ الٹ دینے کے لئے زبردست ترین سازش کی تھی۔ جو تمام وقت تک جدید ترکی کے بانی اعظم مصطفےٰ کمال پاشا نور اللہ مرقدہٗ کا دست راست بنا رہا۔ اور جو آج بھی چاروں طرف سے جنگ کے شعلوں میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود پورے اطمینان کے ساتھ اپنے تدبر کے بل پر ترکی کو آگے بڑھائے لئے چلا جا رہا ہے تو بے اختیار امریکن مصنف کی طرح یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ "پائندہ باد ترکی زندہ باد صدر اعظم ترکی"

(بشکریہ وطن)

چین کا مستقبل

(از سری نواس لاہوتی)

خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ ہمیں جو خبریں پہنچتی ہیں ان میں اکثر و بیشتر یورپ اور امریکہ کی خبریں ہوتی ہیں ان کے ذریعہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہٹلر کیا کہتا ہے چرچل کی توقع کیا ہے مگر چین کے بارے میں ہمیں کوئی خاص خبریں نہیں ملتی ہیں۔ ہاں کبھی کبھی یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے

کہ ہوائی حملہ ہوا اور سینکڑوں ہزاروں لوگ مارے گئے کافی نقصان ہوا'

یہ بھی ہماری بہت سی بدقسمتیوں میں سے ایک بدقسمتی ہے کہ بیرونی خبروں کے لئے ہمیں قریب قریب برٹش ہوز ایجنسی پر اکتفا کرنا پڑتا ہے جو خبروں کو ہمارے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ سامراجی نقطۂ نظر سے ہم تک پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ جو کچھ خبریں ہم تک پہنچتی ہیں ان کو لندن کے مرکزی دفتر میں اپنے نقطۂ نظر سے ڈھال کر بھیجا جاتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے؟ کس چیز میں ہمارا فائدہ ہے اس کو نظر انداز کرکے اس کے برعکس ہمیں صرف ان خبروں پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے لیکن وہ دنیا کی اصلی خبریں جن کے راز میں ہندوستان کا راز مضمر ہے ہم انہیں حاصل نہیں کر سکتے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی قومی خبر رساں ایجنسیاں نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمیں چین کی اصلی خبریں نہیں ملتی ہیں۔ خبروں کی کمی نہیں ہے بشرطیکہ ہم تک صحیح خبریں پہنچیں۔ چین میں کیا ہو رہا ہے وہ دنیا کے لئے ایشیا کے لئے اور خصوصاً ہندوستان کے لئے ایک اہمیت رکھنے والی چیز ہے جس کے ردعمل مستقبل میں دنیا کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ چین کے بارے میں ہم جو خبریں پڑھتے ہیں ان کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ جاپان کی فوجوں نے چین میں کتنی بربادیاں کی ہیں۔ ان خبروں کا مطلب ہے بڑے بڑے شہروں پر روزانہ بمباری۔ لاکھوں کا خون۔ موجودہ طریقۂ جنگ کی بے رحمی اور حیوانیت۔

لیکن چین کی سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والی خبر یہ ہے کہ وہ بہادری سے ایک خوفناک دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی مشکلات کو اپنی بہادری سے حل کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی ہمیں ایک نورانی شعاع نظر آ رہی ہے چینی سپاہیوں کی بہادری نے چین کو اقوام عالم میں نمایاں جگہ کا مستحق ثابت کر دیا ہے اور دنیا کی قومیں جنگ آزادی کے سلسلہ میں چین کو اپنا رہنما تسلیم کر رہی ہیں۔ صرف ایک بڑا ملک ہی ایسا کر سکتا ہے۔ بڑا ملک اس لئے نہیں کہ اس نے دور ماضی میں نمایاں کام کئے ہیں بلکہ اس لئے کہ اس نے حال میں اپنی بہادری کا سکہ جما دیا ہے چینی مدبرین نے ایسے نازک وقت میں صحیح تدبر اور مستحکم وطن پرستی کا ثبوت دیا ہے۔ حقیقت تو اس وقت معلوم ہو سکے گی جب جنگ ختم ہو جائے گی اور اس زمانہ کا ایک غیر جانبدار مورخ پورے سکون قلب کے ساتھ اس زمانہ کی بین الاقوامی سیاست کی تاریخ لکھنے بیٹھے گا اس وقت چینی سیاست اور تدبر پر ایسے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ جن کا اٹھانا ممکن نہیں۔ اس بدلتی ہوئی دنیا میں قطعی فیصلہ کرنا ناممکن ہے لیکن موجودہ حالات اس بات کی تشفی کے لئے کافی ہیں کہ چین کامیاب ہوگا جہاں تک فوج کا تعلق ہے گزشتہ پانچ سال کی سخت کش مکش کے بعد بھی چین آج اس سے زیادہ طاقتور ہے جتنا کہ جنگ چھڑنے سے قبل تھا۔ چینی قوم کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ معمولی کسان بھی جنگجو سپاہی نظر آتا ہے۔ ایسے چینی جنرل جو فسطائیت کے آگے سر خم کرنے کے لئے تیار تھے ان کی جگہ تجربہ کار اور نڈر جنرلوں نے لے لی ہے۔

آج دونوں حلقوں میں یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ خود جرمنوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اگر کوئی ناگوار حادثہ پیش نہ آیا تو یقیناً چینی قوم کامیاب ہوگی جہاں تک چینی افسروں کا تعلق ہے ان کا بیان ہے کہ حقیقی جنگ کا آغاز اب ہوا ہے۔ ایسا کون سا ناگوار حادثہ ہو سکتا ہے جو چینی کامیابی کے لئے خطرہ پیدا کرے؟ اب یہ ناممکن ہو گیا ہے کہ اکیلا جاپان چین کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکے اگر اتحادی ممالک کا کچھ رخ بدلا ہوا ہوتا تو یہ ممکن ہو سکتا تھا۔ مگر مارشل چیانگ کائی شیک کی ہندوستان میں آمد۔ برطانوی مدبرین سے گفتگو نے اس بات کو صاف ظاہر کر دیا ہے کہ نہ صرف چینیوں کو اتحادیوں کی ضرورت ہے بلکہ خود اتحادی ممالک چین کی امداد کو اپنے بچاؤ کی ایک صورت تسلیم کرتے ہیں۔ جاپانی فسطائیت کی دراز دستی کا مقابلہ کرتے ہیں چینی قوم پرستوں نے جس شاندار جرأت اور ہمت کا مظاہرہ کیا ہے اس سے بہتر کوئی مثال ایشیا کی تاریخ میں موجود نہیں چینی قوم نے قومیت کا ایک ایسا جذبہ صادق پیدا کر دیا جس میں کسی قسم کے مذہبی تعصبات کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

یہ سوال کہ اس حیوانیت اور تشدد کے پیچھے چین میں کیا ہو رہا ہے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے جس کا جواب ہے، چین کی تعمیر نو، جس نے مذہبی امتیازات کو نظر انداز کرکے اپنی کمزوریوں پر غالب آکر ایک منظم قوم کی شکل میں اپنے آپ کو ڈھالا ہے جس کا نقطۂ نظر انسانیت ہے۔ موجودہ چین کا حال اس درخت کا سا ہے جس میں برابر نئی کونپلیں پھوٹ رہی ہیں اور پرانے پتے جھڑتے چلے جا رہے ہیں۔

جنگ کی وجہ سے چینی سماج میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے تفصیلی بیان کا موقع نہیں ہے'

نئے سیاسی نظام نے نئے سماجی تصورات پیدا کر دیئے ہیں اور انہیں تصورات نے قومیت کی جڑیں مضبوط کی ہیں جنگ کی ابتدا نے قوم پرستوں کے دل پر ملک کے ہاتھ سے نکل جانے کی ایسی ٹھیس پہنچائی کہ حب الوطنی کا نہ صرف تصور پیدا ہو گیا بلکہ وہ نئی زندگی میں ڈھلنے لگے۔ چینی قوم کی زندگی میں یہ دور ایسا دور تھا جبکہ اس کو رجعت پسندی کے مرکز سے ہٹ کر دوسری راہ اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا چینی قوم آج ایسے موڑ پر آگئی ہے جہاں سے اس میں زندگی کی نئی قدریں پیدا ہو گئی ہیں اور دور ماضی میں مجمع انسان کے بنائے ہوئے فرسودہ قوانین کا جنازہ نکل رہا ہے۔ وہ نئی چیزیں زندگی کی مادی کشمکش سے پیدا ہو کر قوموں میں نئے تخیل، نئے انداز فکر اور نئے زاویۂ نظر کی بنیاد ڈالتی ہے جس کی رہنمائی انسانیت اپنے پورے تمدنی آثار کے ساتھ کروٹ لیتی ہے یہی وجہ ہے کہ پانچ سال کی سخت کش مکش کے بعد بھی چینی قوم کے حوصلے غیر متزلزل نظر آتے ہیں وہ صرف اپنے بچاؤ کے لئے نہیں بلکہ مستقبل میں پیدا ہونے والے اس نظام نو کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں جس نظام میں ہر انسان کے مساوی حقوق تسلیم کئے گئے ہیں ہوائی جہازوں کے لگاتار حملوں توپوں اور ٹینکوں کی سمع خراش آوازوں کے باوجود صنعت و حرفت اور خاص کر گھریلو صنعتوں میں نمایاں کامیابی حاصل ہو رہی ہے ان گھریلو صنعتوں سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ ویران حلقوں میں انہیں جلدی سے جاری کیا جا سکتا ہے اور خطرہ لاحق ہونے پر انہیں فوراً منتقل کیا جا سکتا ہے

یہ ہے موجودہ چین، جس میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو رہا ہے، چینی قوم ایسے تشدد کے زمانہ میں بھی اپنے آپ کو اس طرح سے منظم اور متحد کئے ہوئے ہے کہ کوئی بربریت اور حیوانیت ان کے رشتۂ اتحاد میں مزاحمت نہیں کر سکتی۔

کیا ہندوستانی قریبی ایشیائی ملک سے جس کا ہمارا صدیوں سے دوستانہ تعلق رہا ہے سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

(پیام)

[illegible] اور واقعات

[illegible] سندھ میں ایک مسلم [illegible] کھلنے والا ہے۔ پیر الٰہی بخش وزیر تعلیم سندھ نے اس سلسلہ میں ابتدائی [illegible] کر دیا ہے، فی الحال انٹرمیڈیٹ آرٹس کی جماعتوں تک تعلیم ہوگی۔ اس کے بعد یہ ایک مکمل کالج ہو جائے گا۔ عورتوں کے لئے بھی ایک علیحدہ کالج کھولنے کی کوشش جاری ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سندھ گورنمنٹ نے تعلیم بالغان کے متعلق جو سرگرمی شروع کی تھی وہ مارشل لا سے پیدا شدہ حالات کی وجہ سے ملتوی کر دی گئی۔ کیونکہ مارشل لا کا نفاذ رات کے وقت تعلیم بالغان کا انتظام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

افغانستان میں عید الاضحیٰ — کابل کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ولیعہد افغانستان شہزادہ محمد اکبر خاں کی اندوہناک وفات کی وجہ سے اس دفعہ عید کے موقع پر کابل میں جشن اور دوسری تقریبات مسرت نہیں ہوئیں، اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ اور آپ کے دونوں عم بزرگوار ہز رائل ہائنس وزیر اعظم اور ہز رائل ہائنس وزیر جنگ و خاندان شاہی کے دیگر افراد نے نماز عید شاہی محل کی مسجد میں ادا کی۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ سلام خانہ میں تشریف لے گئے وہاں سرکاری افسروں اور اعیان ملک نے مرحوم شہزادہ کی فاتحہ خوانی کی۔

اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ نے تقریر کرتے ہوئے افغانوں کو نصیحت کی کہ وہ سنت ابراہیمی کو تازہ رکھیں اور قربانی کے جذبہ کو کمزور نہ ہونے دیں، آپ نے جنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہر شخص کو اس منحوس جنگ کے خاتمہ کی دعا مانگنا چاہئے اور یہ دعا کرنی چاہئے کہ دنیا میں امن قائم ہو۔

ریڈیو کے ذریعہ [illegible] لاکھ الفاظ — آسٹریلیا کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ برطانوی نوآبادیوں کی کانفرنس میں آسٹریلیا کے وزیر رسل و رسائل نے اس دلچسپ حقیقت کا انکشاف کیا کہ اس سال کے دوران میں سلطنت برطانیہ کے اخباری نمائندوں نے ریڈیو کے ذریعہ سے اپنے اخبارات کو دو کروڑ بیس لاکھ الفاظ کے پیامات بھیجے۔ جنگ سے قبل پیام رسانی کا ذریعہ بحری تار تھے مگر جنگ کی وجہ سے سلطنت برطانیہ بحری تاروں کے بعض سلسلوں سے محروم ہو گئی۔

اس کانفرنس میں برطانیہ، کینیڈا، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے علاوہ ہندوستان کے نمائندے بھی شریک تھے۔

بنگلور میں مسٹر جناح کی سالگرہ — بنگلور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ وہاں مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کی سالگرہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ منائی گئی، رات کے آٹھ بجے شہر میں ایک جلوس نکالا گیا جو شاہراہوں پر "قائد اعظم زندہ باد" "[illegible] زندہ باد" کے نعروں اور اللہ اکبر کی صداؤں کے ساتھ گزرا۔

شہریوں کے ایک بڑے مجمع کے علاوہ جلوس میں مسلم نیشنل گارڈ اور اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ارکان بڑی تعداد میں شریک تھے رات کے دس بجے مسی [illegible] میں ایک زبردست اجتماع ہوا جس میں مقامی قائدین نے تقریریں کیں اور چند نوجوانوں نے مسٹر جناح کی شان میں نظمیں سنائیں نماز جمعہ کے موقع پر ہر ایک مسجد میں مسٹر جناح کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔

لندن میں تعمیر مسجد — لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ وزیر نوآبادیات سے دارالعوام میں یہ دریافت کیا گیا کہ حکومت کی دی ہوئی زمین پر لندن میں جو جدید مسجد تعمیر ہونے والی ہے اس کو سارا عالم اسلام تعمیر کرائے گا یا کوئی خاص ملک؟

وزیر موصوف نے جواب دیا کہ اس مسجد کی تعمیر کے لئے جو مجلس قائم ہوئی ہے وہ اس کا انتظام کرے گی اس مجلس میں متعدد ممالک کے مسلمان شامل ہیں نیز یہ مجلس اس تعمیری اسکیم میں تعاون کے لئے سارے دنیا کے مسلمانوں سے اپیل کرنے والی ہے۔

کلکتہ میں دوکانوں کے قواعد — کلکتہ گزٹ میں ایک حکم شائع ہوا ہے جس کی رو سے چاول، گیہوں، آٹا اور بعض دوسری ضروریات زندگی کی دوکانیں جو "سبب خیرت" کی گنتی کے ۲۴ گھنٹے بعد تک بند رہیں گی، ان کو بعض خاص قسم کے افسر زبردستی توڑ کر کھول سکتے ہیں، ان افسروں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس مال پر قبضہ کریں جو ان دوکانوں میں موجود ہو۔ اور وہ جس طرح ضروری سمجھیں اس کی نکاسی کر دیں۔ آٹا، دال، مٹی کا تیل، نمک اور مسالہ کی دوکانیں بھی اس میں شامل ہیں۔

رقص گاہ میں آگ — بوسٹن (امریکہ) کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ایک مقامی "نائٹ کلب" میں آگ لگنے سے ۔ [illegible] آدمی جل اور جھلس کر ہلاک ہو گئے، لوگ تفریح طبع کے لئے جمع ہوئے تھے، یہ حادثہ اس قدر شدید تھا کہ شہر کے ہسپتال مردوں اور زخمیوں سے بھر گئے۔ لاشوں کو جو ہوئی۔ [illegible] کے [illegible] نکالنے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

کلب میں لطف اٹھانے والوں کو آتش زدگی کا علم ایک خاصہ کے بالوں میں آگ لگنے سے ہوا آگ لگتے ہی خاصہ مہمانوں کے مجمع کی طرف دوڑی، یہ مہمان مختلف کمروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ آگ کسی جلتے ہوئے سگریٹ سے بھڑکی۔ اور کلب کی وسیع عمارت جو لکڑی سے بنی ہوئی تھی آگ کی لپیٹ میں آ گئی۔

کلب کی بہت سی عورتیں شام کے لباس میں ملبوس تھیں سب سے پہلے نکلنے کی کوشش کی لیکن ۴۶۳ نکل کر آگ کی لپیٹ میں آ کر جھلس کر ہلاک ہو گئے صرف چند لاشوں کی شناخت ہو سکی اور ۲۶۳ اشخاص اب تک غائب ہیں۔

مجلس ادب اردو ناگپور — مجلس ادب اردو ناگپور یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہفتہ اردو کا آغاز کرتے ہوئے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے اردو زبان کو مختلف قوموں کی مشترکہ میراث قرار دیا اور یہ فرمایا کہ اردو کو غیر ملکی زبان قرار دینا بیسویں صدی کی سب سے بڑی فریب کاری ہے۔

اس کے بعد "فن خطابت" پر اظہار خیال کرتے ہوئے آپ نے ان تجربات کی وضاحت فرمائی جو اس زمانہ میں حاصل ہوئے جبکہ آپ کی عمر صرف [illegible] سال کی تھی، اس کے بعد آپ نے اس فن کے نکات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایک خطیب کی نہ صرف شخصیت اثر پیدا کرتی ہے بلکہ زبان، محاورات، سلاست الفاظ، طرز بیان اور طریقہ تعلیم کی خوبیوں کا بھی سامعین پر اثر ہوتا ہے۔

علی گڑھ میں کانفرنس کا سالانہ اجلاس

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۲ کا)

صرف "تعلیم" ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے۔

جب ہمارے عوام تعلیم حاصل کرلیں گے تو وہ صحیح طور پر اندازہ کرسکیں گے کہ اس ملک میں بحیثیت ایک عظیم الشان قوم کے اُن کے کیا حقوق ہیں اور وہ کس طرح پامال ہو رہے ہیں اور انھیں ان حقوق کے حاصل کرنے کے لئے کس طریقہ سے جد و جہد کرنا چاہئے "تعلیم" انھیں یہ بتائے گی کہ آزاد و ترقی یافتہ ممالک کا طرز حکومت کیا ہے اور دنیا کی دوسری قوموں نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے کیا قربانیاں کی ہیں، اور انھیں ان قربانیوں سے کیا سبق حاصل کرنا چاہئے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نصف صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت سے مسلمانوں میں تعلیم کی ترقی و اشاعت کے لئے اسی وجہ سے کوشش کر رہی ہے کہ کسی قوم کی ترقی کے لئے تعلیم ایک بنیادی چیز ہے اور اسی کے ذریعہ سے قوم اُبھر سکتی ہے۔ جب کوئی قوم تعلیم حاصل کرے گی تو اس کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اُٹھ جائے گا اور اُسے وہ شاہراہ نظر آنے لگے گی جو منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہے۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ جب ہمارے عوام تعلیم حاصل کرلیں گے تو مسلمان لیڈروں کے مطالبات میں زور پیدا ہو جائے گا اور اُنکی جد و جہد کی رفتار بڑھ جائے گی۔ کیونکہ حکومت و ابنائے وطن دونوں یہ محسوس کریں گے کہ ان مطالبات کے پیچھے پوری قوم کی طاقت موجود ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی حکومت یا کوئی قوم یہ جرأت نہیں کرسکتی کہ ایک ایسی متحدہ قوم کے مطالبات کو بالکل نظر انداز کردے جس کی تعداد کم و بیش ۹ کروڑ ہے۔

جب صورت حالات یہ ہے تو مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنے تعلیمی اداروں کی امداد کرکے انھیں اس قابل بنائیں کہ اُن کی آواز میں قوت و اثر پیدا ہو۔ اور مسلمان ہر قسم کی تعلیمی سہولتیں حاصل کرسکیں۔

موجودہ حالت میں مسلمانوں کی کس مپرسی اس سے ظاہر ہے کہ چند سال ہوئے کہ صوبۂ متحدہ کے مسلمانوں نے اپنے "چالیس تعلیمی مطالبات" صوبہ کی حکومت کے سامنے پیش کئے تھے اور حکومت نے اُنکی معقولیت بھی تسلیم کرلی تھی، صوبہ کی تعلیمی کانفرنس کئی سال سے اس سلسلہ میں جد و جہد کر رہی ہے مگر ابھی تک اُن پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اگر صوبہ کے مسلمان پوری قوت سے اس کے لئے جد و جہد کرتے تو یہ صورت پیش نہ آتی لیکن مسلمانوں میں احساس نہیں ہے۔ اور احساس اس لئے نہیں ہے کہ اُن میں تعلیم عام نہیں ہے۔ اور بغیر تعلیم کسی قوم میں احساس نہیں پیدا ہوسکتا اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے اس پر سب سے زیادہ توجہ کریں تاکہ قوم میں احساس و بیداری پیدا ہو اور وہ بغیر کسی کی رہنمائی کے اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکے۔

سر سکندر حیات خاں مرحوم

سر سکندر حیات خاں مرحوم کی افسوسناک رحلت پر مسلم یونیورسٹی میں جو جلسہ تعزیت منعقد ہوا اس کی روداد ہم کانفرنس گزٹ کے پچھلے پرچہ میں شائع کرچکے ہیں، سر سکندر کا علی گڑھ سے نہایت دیرینہ و خاندانی تعلق تھا اُن کے والد سردار محمد حیات خاں سی ایس آئی سر سید مرحوم کے مخصوص دوست اور علی گڑھ تحریک کے زبردست معاون و مددگار تھے اور انھوں نے صوبۂ پنجاب میں علی گڑھ تحریک کا اثر اور سر سید کا رسوخ بڑھانے کے لئے غیر معمولی خدمات انجام دی تھیں۔ اور ہمیشہ علی گڑھ کالج کے مفاد کے لئے عملی کوشش کرتے رہتے تھے۔

ایجوکیشنل کانفرنس سے بھی سردار صاحب مرحوم کو غیر معمولی دلچسپی تھی، چنانچہ مرحوم اور اُن کے مخصوص احباب مثلاً خاں بہادر محمد برکت علیخاں صاحب مرحوم وغیرہ کی کوشش سے ایجوکیشنل کانفرنس کا تیسرا سالانہ اجلاس ۱۸۸۸ء میں صوبۂ پنجاب کے دار الحکومت لاہور میں منعقد ہوا اور اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے نہایت کامیاب رہا۔ اس اجلاس کے صدر خود سردار محمد حیات خاں صاحب مرحوم تھے، اس کے بعد مرحوم نے سر سید کے زمانہ میں دو دفعہ اور علی گڑھ اور الہ آباد میں کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت فرمائی، اور آخر عمر تک کالج اور کانفرنس کے معاملات میں عملی حصہ لیتے رہے غرض سردار صاحب مرحوم اور اُن کے احباب کی وجہ سے علی گڑھ تحریک کو پنجاب میں غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی۔

سکندر حیات خاں مرحوم ۵۔ جون ۱۸۹۲ء کو ملتان میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ماجد ڈسٹرکٹ جج تھے، مرحوم نے ابتدائی تعلیم تقریباً سات سال تک گھر ہی میں حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد اپنے خاندانی تعلقات کے لحاظ سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے علی گڑھ آئے اور یہاں ایم اے او کالج کے اسکول میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ لیکن کچھ مدت بعد تعلیم کی تکمیل سے پہلے ۱۹۱۰ء میں آپ انگلینڈ روانہ ہوگئے اور وہاں پہونچ کر یونیورسٹی کالج لندن میں داخل ہوئے یہاں آپنے ڈاکٹری کے امتحان کے لئے تیاری شروع کردی لیکن ابھی دو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ اپنے برادر اکبر کے انتقال کی وجہ سے آپ کو ترک تعلیم کرکے ہندوستان واپس آنا پڑا اور ڈاکٹری کی تعلیم نامکمل رہ گئی ہندوستان پہنچ کر آپ نے تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور اپنی ساری توجہ تجارتی کاروبار کی طرف مبذول کی اور آپ کا زیادہ وقت پالم پور میں گزرا جہاں آپ کے چائے کے باغات وغیرہ ہیں، یہاں آپ نے جدید طریقہ پر کاشت کو ترقی دینے کی کوشش کی اور اس کے علاوہ دوسرے تجارتی کاروبار سے بھی دلچسپی لیتے رہے۔

سر سکندر اسی کاروبار میں مصروف تھے کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا، اور آپ شاہی کمیشن حاصل کرکے اسسٹنٹ ریکروٹنگ آفیسر کے عہدہ پر مامور ہوئے اور اس کے بعد اپنی ۶۷ پنجابی رجمنٹ (اب ۱/۲ پنجابی رجمنٹ) کے ساتھ سمندر پار تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے افغانستان کی تیسری جنگ میں بھی حصہ لیا۔

۱۹۲۰ء میں جب جنگ کا طویل سلسلہ ختم ہوگیا تو آپ نے ازسرِ نو تجارتی کاروبار میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور اسی کے ساتھ ملکی سیاست سے بھی اپنا تعلق پیدا کیا۔ اور اپنے ضلع اٹک سے پنجاب کونسل میں جانے کی کوشش کی اور زمیندار پارٹی کی طرف سے آپ ممبر منتخب ہوئے، اس کے بعد ۱۹۲۶ء میں آپ پولیس کمیٹی کے عہدہ دار مقرر ہوئے اور ۱۹۲۸ء میں پراونشل رفارم کمیٹی کے صدر قرار پائے اسی سال آپ نے کچھ مدت تک ریاست بہاولپور کے وزیر اعظم کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ۱۹۲۹ء

[illegible] ہوئے اور ۱۹۔۔ء [illegible] ختم ہو گیا۔ اسی زمانہ سے آپ [illegible] اور آپ کی شخصیت ملک میں [illegible] کے بعد ۱۹۳۲ء میں آپ کو [illegible] صوبہ پنجاب کے قائم مقام گورنر بنائے [illegible] ازاں ۱۹۳۳ء میں آپ ریزرو بینک آف [illegible] پہلے ہندوستانی ڈپٹی گورنر مقرر ہو کر پنجاب کے باہر تشریف لے گئے اور ۱۲ مہینے تک اس عہدہ پر کام کرنے کے بعد دوبارہ پنجاب میں واپس آئے اور انتخابات عمومی کے لئے یونینسٹ (اتحاد) پارٹی کی تنظیم کی آپ ۱۹۳۳ء سے اس پارٹی کے لیڈر تھے، آخر میں آپ صوبۂ پنجاب کی وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوئے۔

سر سکندر حیات کا انداز سپاہیانہ تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں آپ کو ہاکی اور کرکٹ کھیلنے سے خاص دلچسپی تھی، چنانچہ علی گڑھ میں آپ ہاکی ٹیم کے کپتان تھے، بچپن میں آپ کو مشینری اور مختلف مصنوعات سے خاص دلچسپی تھی چنانچہ آپ نے ایک ماڈل ریل گاڑی بنائی تھی۔ یہ نمونہ علی گڑھ کی نمائش میں رکھا گیا۔ بچپن میں آپ کو پڑھنے کا اچھا خاصہ شوق تھا چنانچہ جب آپ ششم جماعت میں تھے تو آپ نے شکسپیر کے ایک ڈرامہ کا اردو میں ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔

سر سکندر حیات خاں ایک ہوشمند اور مصلحت اندیش مدبر اور ایک موقع شناس و معاملہ فہم سیاستداں تھے اور گرد و پیش کے حالات و ہوا کے رخ پر ان کی نظر خوب رہتی تھی اس لئے وہ ہمیشہ وقت و موقع کا لحاظ کر کے کام کرتے تھے۔ پنجاب میں انہیں ہندو، مسلمان اور سکھ تین قوموں سے سابقہ تھا۔ حتی الامکان انھوں نے ان تینوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی اور اس میں بہت کچھ کامیاب ہوئے۔

سرزمین پنجاب اپنے سیاسی مد و جزر اور مختلف قوموں کے باہمی تعلقات کے لحاظ سے ایک مخصوص حالت رکھتی ہے۔ سر سکندر اپنے صوبہ کی ان خصوصیات سے خوب واقف تھے اس لئے ہمیشہ پنجاب کے حالات [illegible] کر کام کرتے تھے۔ اور جب کسی کام کے متعلق کوئی فیصلہ کر لیتے تھے تو پھر اس کے متعلق پروا نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کے کام یا تجاویز پر کیا نکتہ چینی کرتے ہیں، وہ ہر اعتراض یا نکتہ چینی کا جواب دینا بھی خوب جانتے تھے چنانچہ جب کبھی ضرورت پیش آتی تھی اسمبلی میں یا اس کے باہر بیانات اور تقریروں کے ذریعہ معترضین کو بڑی بلند آہنگی سے جواب دیتے تھے، انھوں نے اپنی پارٹی کی بڑی خوبی سے تنظیم کی تھی اور پارٹی کا اعتماد انہیں حاصل تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ بے خوف ہو کر کام کرتے تھے، صوبہ کے اخبارات پر بھی ان کا کافی اثر تھا، اور وہ مختلف طریقوں سے اخبارات کی امداد کرتے رہتے تھے۔

سر سکندر حیات خاں مرحوم ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں میں سے صرف آل انڈیا مسلم لیگ سے تعلق رکھتے تھے جس میں وہ چند سال سے شامل ہو گئے تھے اور اس کے ایک ممتاز رکن نیز کافی مدت تک اس کی ورکنگ کمیٹی کے باا ثر ممبر بھی رہے، اس لئے حتی الامکان وہ مسلم لیگ کے فیصلوں کا احترام کرتے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن ان کی وزارت مسلم لیگی نہیں تھی اس لئے جب صوبہ کی خاص مصلحتیں اس کو مقتضی ہوتی تھیں کہ وہ مسلم لیگ کے فیصلہ پر عمل نہ کریں تو حتی الامکان خوش اسلوبی کے ساتھ مسلم لیگ کے فیصلہ کو نظر انداز کر دیتے تھے۔

سر سکندر نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان میں حکومت کے ایک زبردست ستون تھے اور انھوں نے جنگی مقاصد کے سلسلہ میں حکومت کو زبردست امداد دی، خود حکومت کو بھی اس کا احساس تھا کہ ان کی امداد کس قدر بیش قیمت ہے، مسٹر چرچل وزیر اعظم اور مسٹر ایمرے وزیر ہند نے ان کی تعزیت کے سلسلہ میں جو پیامات بھیجے ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حکومت کی نظر میں ان کی کیسی قدر و منزلت تھی۔

ذاتی طور پر سر سکندر نہایت خوش مزاج، ملنسار اور شریف طینت انسان تھے، اور اپنے احباب و مخلصین کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہمیشہ خوش دلی کے ساتھ آمادہ رہتے تھے، وہ اس قدر متحمل و متواضع تھے کہ جن لوگوں سے ان کا شدید اختلاف تھا ان سے بھی شرافت و خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ سر سکندر نے اپنے صوبہ سے فرقہ وارانہ اختلاف کو مٹانے کی بھی ہمیشہ کوشش کی، اور ان کا یہ کارنامہ بھی لائق ذکر ہے کہ موجودہ ہنگامہ میں جو کانگریسی لیڈروں کی گرفتاری کے بعد شروع ہوا پنجاب فتنہ و فساد سے بہت کچھ محفوظ رہا۔

مطبوعات انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

یہ انجمن طلبائے مسلم یونیورسٹی کا ایک ادارہ ہے جو ہر سال ہندوستان کے مقتدر علماء اور اہل علم کو مدعو کیا کرتا ہے اور یہ بزرگان ملت علی گڑھ تشریف لا کر اپنے مواعظ، تقاریر اور مقالوں سے طلباء یونیورسٹی اور دیگر شائقین کو مستفید فرمایا کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ ایک ہفتہ تک مسلسل جاری رہتا ہے۔ ذیل کی مطبوعات اسی سلسلہ کے چند مقالات ہیں جو انجمن مذکور نے بغرض رفاہ عام کتابی شکل میں شائع کئے ہیں اور برائے نام قیمت پر ان کو فروخت کرتی ہے۔ یہ مقالات اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان گھر میں پہونچیں اور اس کے مکین ان کو پڑھ کر اپنے ایمان و روح کو تازگی بخشیں۔ مقالات کے عنوانات مع قیمت ذیل میں درج ہیں۔

کلمۂ طیبہ ۔ از حضرت مولانا حافظ قاری محمد طاہر صاحب قاسمی ۳؍

ایمان ۔ از حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی قیمت ۴؍

تمدن اسلام کا پیام بیسویں صدی کی دنیا کے نام | از مولانا عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی قیمت ۳؍

تمدن اسلام کی کہانی اسی کی زبانی ۔ " " ۔

فردوس گم گشتہ ۔ از جناب چودھری علامہ احمد صاحب پرویز۔ ۳؍

تعلیم جدید پر ایک نظر روشن خیالوں کی نذر | از جناب محمد صدیق میمن صاحب ۳؍

انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل | از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب۔ ۴؍

تصنیفات مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی

روح القرآن | کلام مجید کی سہل کلید، ضروریات زمانہ کے مطابق مضامین کی فہرست، مشکل الفاظ کی لغات، سورتوں کے خواص اور عملیات، خلاصے اور شان نزول درج ہیں۔ قیمت .. .. ۲؍

سنگھار خانہ | مستورات کی خانگی زندگی سنوارنے کیلئے بہترین کتاب ہے۔ قیمت .. .. ۲؍

ماں بچہ کی نگہداشت | زچاؤں اور بچوں کے متعلق بہترین اور نہایت مفید اور کارآمد معلومات کا ذخیرہ قیمت ۶؍

ملنے کا پتہ۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام رضا صاحب، جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

مینیجر سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۳)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جو سالانہ اجلاس ۱۳-۱۴ فروری سنہ ۱۹۴۳ء کو علی گڑھ میں ہونے والا ہے اُس کے انتظام کے لئے ایک مجلس استقبالیہ مرتب ہو گئی ہے جس کی اطلاع ہم پہلے شائع کر چکے ہیں۔ اس مجلس کا پہلا جلسہ خان بہادر مولوی حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر مجلس استقبالیہ کی دعوت پر ۱۳ جنوری کو بوقت ۴ ½ بجے شام حبیب منزل (میرس روڈ) میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں کانفرنس کی مجلس عاملہ و مجلس منتظمہ کے مقامی ممبر نیز بعض بیرونی ممبر، مسلم یونیورسٹی کے متعدد اساتذہ اور بعض دوسرے معزز اصحاب شریک تھے کانفرنس کے عہدہ داروں میں سے نواب صدر یار جنگ بہادر - خان بہادر پروفیسر عبد المجید قریشی صاحب ایم اے اور مولوی سید طفیل احمد صاحب بھی جلسہ میں تشریف رکھتے تھے۔

جلسہ شروع ہونے سے پہلے صدر مجلس استقبالیہ خان بہادر صاحب کی طرف سے چائے اور اس کے شیریں و نمکین لوازم سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ اس کے بعد خان بہادر پروفیسر عبد المجید قریشی صاحب ایم اے [illegible] سکریٹری کانفرنس نے اس جلسہ کا مقصد بیان کرتے ہوئے اجلاس کے آئندہ انتظامات کے لئے چند ضروری کمیٹیاں بنانے کی تجویز پیش کی چنانچہ باہمی مشورہ سے باتفاق رائے مختلف انتظامات کے لئے حسب ذیل کمیٹیاں بنائی گئیں۔

۱- کمیٹی قیام مہمانان - ڈاکٹر عبد العزیز پوری صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول۔

۲- کمیٹی طعام مہمانان - پروفیسر شیخ عبد الرشید صاحب، پروفیسر عنایت علی خاں صاحب، کنور عمار احمد صاحب بی اے رئیس دانپور، کلیم الرحمن خاں صاحب شروانی، مسٹر حفیظ الرحمن بی اے ایل ایل بی سکرٹری۔ کمیٹی باختیار اضافہ۔

۳- کمیٹی فراہمی چندہ - خان بہادر قاضی عزیز الدین صاحب بلگرامی سکرٹری، ڈاکٹر قاضی سعید الدین صاحب محمد احمد خاں صاحب ایڈوکیٹ، مسٹر حفیظ الرحمن - عبد الغفور صاحب بی اے - خان بہادر عبد المقیت خاں صاحب، خان بہادر عبد المجید قریشی صاحب، ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی۔

۴- کمیٹی استقبال مہمانان - پروفیسر محمد شفیع صاحب، ڈاکٹر خواجہ حامد علی صاحب،

۵- کمیٹی نشر و اشاعت - ڈاکٹر [illegible] صاحب سکرٹری، [illegible] خیری صاحب بی اے، خواجہ جمیل الدین احمد صاحب، [illegible] عبد الرشید صاحب، محمد اکرام اللہ خاں ندوی [illegible] کانفرنس گزٹ۔

۶- کمیٹی برائے ترتیب پروگرام و تجاویز - ڈاکٹر محمود احمد صاحب سکرٹری، خان بہادر سید آل علی نقوی صاحب، مولوی سید طفیل احمد صاحب، ڈاکٹر اقبال حسین صاحب قادری - خواجہ جمیل الدین احمد صاحب،

ہز اگزالٹیڈ ہائینس حضور نظام سلطنت یونیورسٹی کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے لئے ۱۳ فروری اور اس موقع پر خطبہ دینے کے لئے آنریبل مسٹر سید عبد العزیز کو مقرر فرمایا ہے، اور ہز ہائینس حضور پرنور چانسلر یونیورسٹی نے جلسہ کی صدارت منظور فرمائی ہے۔ یہ جلسہ اس لحاظ سے خصوصیت رکھتا ہے کہ اس میں نواب صدر یار جنگ بہادر کو ڈاکٹر آف لاز کی اور مولوی عبد الحق صاحب و مولانا سید سلیمان ندوی کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگریاں دی جائیں گی۔ [illegible] سے اصحاب اس موقع پر تشریف لائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ جنوری ۱۹۴۳ء

کانفرنس کا آئندہ سالانہ اجلاس

اخبارات میں عام طور پر یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" کا باونواں سالانہ اجلاس ۱۳-۱۴ فروری ۱۹۴۳ء کو مسلمانانِ ہند کے تعلیمی مرکز (علی گڑھ) میں منعقد ہوگا۔ ۱۹۳۶ء کے بعد جس پر اب چھ برس کا زمانہ گزرا کانفرنس کا کوئی سالانہ اجلاس علی گڑھ میں نہیں ہوا، بلکہ اس زمانہ میں کانفرنس ہندوستان کے دوسرے صوبوں یعنی بہار، بنگال اور بمبئی وغیرہ کا سفر کرتی رہی۔ اور اس کے سالانہ اجلاس پٹنہ، کلکتہ اور پونا جیسے اہم مقامات پر منعقد ہوئے۔

کانفرنس کا اجلاس خواہ ہندوستان کے کسی مقام پر ہو سب کا مقصد ایک ہے۔ جس کے لئے یہ کانفرنس نصف صدی سے زیادہ مدت سے کوشش کر رہی ہے اور وہ مقصد مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ مسلمانوں میں "علوم جدیدہ" کی اشاعت کی جائے، اور ایسے وسائل بہم پہنچائے جائیں کہ وہ بھی ہندوستان کی دوسری قوموں کی طرح علم و ہنر کے ہر شعبہ میں ترقی کر کے اپنی صحیح جگہ حاصل کر سکیں۔ یوں کہنے کے لئے تو یہ ایک معمولی سی بات ہے، ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کے لئے کسی خاص جد و جہد کی کیا ضرورت ہے؟ ہندوستان کے بعض حصوں میں یونیورسٹیاں قائم ہو چکی ہیں، سرکاری اسکول اور کالج کھلے ہوئے ہیں جن میں بلا تخصیص مذہب و ملت ہر شخص تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مسلمان بھی اگر تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان تعلیم گاہوں سے فائدہ اٹھا سکیں، بظاہر یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے لیکن ہم نہیں ایسی بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو مسلمانوں کی تعلیمی مشکلات سے ناواقف ہے۔ اور یہ نہیں جانتا کہ ایک مسلمان بچہ کو تعلیم حاصل کرنے میں کیا کیا دشواریاں پیش آتی ہیں۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں کانفرنس کے جو سالانہ اجلاس منعقد ہوا کرتے ہیں اور ان میں جو رزولیوشن ہر صوبہ کے تعلیمی معاملات و حالات کے متعلق پیش ہوتے ہیں ان سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان بچوں کے لئے آج کل تعلیم حاصل کرنا کس قدر مشکل ہو گیا ہے اور قدم قدم پر ان کو کیا رکاوٹیں پیش آتی ہیں، کانفرنس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ حتی الامکان ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کرے، اور مسلمانوں کے لئے تعلیمی سہولتیں بہم پہنچائے۔

تعلیم کے متعلق سینکڑوں حل طلب مسائل ہیں اور سینکڑوں مشکلات، جن کا عام لوگوں کو مطلق اندازہ نہیں ہے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نیز بعض صوبوں کی تعلیمی کانفرنسوں کی کوشش سے کچھ دشواریاں حل ہو گئی ہیں لیکن ابھی بہت سی باقی ہیں جن کے لئے مسلسل پُرزور کوشش کی ضرورت ہے، لیکن یہ کام صرف ایسی تعلیمی جماعتوں کے ذریعہ سے انجام پا سکتا ہے جو ایک مسلمہ نمائندہ حیثیت رکھتی ہوں، انفرادی کوشش اس معاملہ میں کچھ زیادہ مفید و سود مند نہیں ہو سکتی۔

موجودہ زمانہ میں وہی مطالبات فی الجملہ لائق توجہ سمجھے جاتے ہیں جو اجتماعی حیثیت سے اور کسی قوم کی نمائندہ جماعتوں کی طرف سے پیش کئے جائیں۔ اس لئے ہر صوبہ میں ایسی تعلیمی جماعتوں کی ضرورت ہے جو اپنے صوبہ کے تعلیمی مسائل کا غور سے مطالعہ کرتی رہیں اور جب ضرورت اس سلسلہ میں آئینی جد و جہد جاری رکھیں۔ تعلیمی دشواریوں کا دور کرنا اور مسلمانوں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانا تاکہ مسلمان بچے بلا رکاوٹ تعلیم حاصل کر سکیں ہر صوبہ کے مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض ہے جو انہیں انجام دینا چاہئے۔ ناواقف احباب کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ محض تعلیم گاہوں کے وجود سے تعلیمی دشواریاں حل ہو گئی ہیں اور اب اس سلسلہ میں انہیں کچھ نہیں کرنا ہے

ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں اور انہیں جو شکایتیں ہیں اگر ان سے قطع نظر کر کے صرف "صوبہ متحدہ کی تعلیمی حالت" پر نظر ڈالی جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے یہاں گوناگوں دشواریاں ہیں جن کی وجہ سے وہ اس صوبہ کی دوسری قوموں کی طرح تعلیم میں ترقی نہیں کر سکتے، چنانچہ ان مشکلات کو محسوس کر کے صوبہ متحدہ کی تعلیمی کانفرنس کے نمائندوں اور دوسرے ماہرین تعلیم نے لکھنؤ میں جمع ہو کر کافی غور و بحث کے بعد "صوبہ متحدہ کے مسلمانوں کے چالیس مطالبات" حکومت کے سامنے پیش کئے۔ اس کانفرنس میں جس میں ان مطالبات پر بحث ہوئی صیغہ تعلیم کے ذمہ دار سرکاری عہدہ دار بھی موجود تھے انھوں نے ان مطالبات کی اہمیت کا اعتراف کیا۔ لیکن نتیجہ ؟

صوبہ کی تعلیمی کانفرنس گزشتہ چند سال سے برابر ان مطالبات کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کر رہی ہے۔ ہر سال کانفرنس کے اجلاس میں ان مطالبات پر زور دیا جاتا ہے اور حکومت کو یاد دلائی جاتی ہے، اس کے علاوہ مختلف اوقات میں صوبہ کے وزیر تعلیم اور دوسرے عہدہ داروں کو بالمشافہ بھی اس پر متوجہ کیا گیا۔ اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے ان مطالبات کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے پُرزور تائید کی مگر با ایں ہمہ جد و جہد ہنوز روز اول ہے۔ اور مسلمانوں کے مطالبات سالہا سال گزر جانے پر بھی اب تک زیر غور ہیں، حالانکہ تعلیم ایک "صیغہ منتقلہ" ہے اور ان مطالبات کا پورا کرنا جن کی معقولیت مسلمہ ہے ان اصحاب کے اختیار سے باہر نہیں جو سررشتہ تعلیم کے با اقتدار عہدہ دار اور اس کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔

اس ایک واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ کس قدر پیچیدہ ہے اور ان کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے کس قدر شدید جد و جہد کی ضرورت ہے، کیونکہ ناخداوندان تعلیم اس قدر گراں گوش ہیں کہ جب تک کوئی مطالبہ نہایت بلند آہنگی سے نہ پیش کیا جائے وہ اس کو نہیں سنتے بلکہ کسی قومی ادارہ کی پشت پر پوری قوم کی طاقت و اخلاقی امداد نہ ہو کوئی مطالبہ بلند آہنگی سے نہیں پیش کیا جا سکتا۔

اگر صرف یونیورسٹیوں کا وجود مسلمانوں کی تعلیمی ترقی

کے لئے کافی ہوتا تو شاید ہمارے صوبہ کے مسلمان تعلیم میں سب سے آگے ہوتے۔ کیونکہ ہمارے صوبہ میں پانچ یونیورسٹیاں ہیں جو ہندوستان کے کسی صوبہ میں نہیں ہیں اور ان پانچ میں ایک مسلم یونیورسٹی بھی جس کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے ہیں اس کے علاوہ اکثر اضلاع میں مسلمانوں کے ہائی اسکول بھی موجود ہیں لیکن باوجود ان سب انتظامات کے ہمارے صوبہ کے مسلمان تعلیم کے ہر شعبہ میں برادران وطن سے پیچھے ہیں اور تعلیم حاصل کرنا اُن کے لئے سخت مشکل ہے، کیونکہ قطع نظر افلاس و مالی مشکلات کے موجودہ نظام تعلیم کی گرانباری و خامیاں اور قواعد و ضوابط کی پیچیدگیاں اُن کے لئے سنگ راہ ہیں جو آگے بڑھنے سے روکتی ہیں۔

سررشتۂ تعلیم کی رپورٹیں جو صحیح اعداد و شمار پر مبنی ہیں اُن کے مطالعہ سے ہر شخص مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا اندازہ کر سکتا ہے، یہ ساری مصیبت یا تو نیز اس وجہ سے ہے کہ تعلیمی سلسلہ میں مسلمانوں کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ ایک معمولی سی بات یہ ہے کہ اسلامیہ اسکولوں کو حکومت سے تعلیمی امداد حاصل کرنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں اور وہ اسکول بہت خوش نصیب سمجھا جاتا ہے جو حسب ضرورت گرانٹ حاصل کر سکے، غرض جب تک یہ مشکلات حل نہ ہوں مسلمان تعلیم میں آگے نہیں بڑھ سکتے اور تعلیم کی وجہ سے دوسری قومیں جو گوناگوں فائدے حاصل کرتی ہیں وہ مسلمانوں کو نصیب نہیں ہو سکتے۔

بعض مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ انہیں تعلیم سے زیادہ ملکی سیاسیات میں حصہ لینے کی ضرورت ہے، کیونکہ جب سیاسی جد و جہد سے ہندوستانیوں کو ہر قسم کے حقوق و اختیارات حاصل ہوں گے تو وہ ایسی تعلیم کا انتظام کر سکیں گے جو صحیح معنوں میں "قومی تعلیم" ہوگی، اور ہماری قومی ضرورتوں کو صحیح طریقہ سے پورا کر سکے گی۔ بے شبہ یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن ہمیں یہ عرض کرنے کی اجازت دی جائے کہ خود سیاسی نقطۂ نظر سے بھی سب سے پہلے تعلیم کی ترقی و اشاعت کے لئے کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک ناتعلیم یافتہ قوم نہ اپنے حقوق و مفاد کو صحیح طریقہ سے سمجھ سکتی ہے اور نہ اس کے لئے حصول کیلئے کسی خاص جذبہ کے ساتھ کوشش کر سکتی ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی قوم سیاسیات میں جوش و سرگرمی سے حصہ لے تو سب سے پہلے اسے تعلیم دیجئے تاکہ وہ اپنے حقوق اور قومی مفاد سے آشنا ہو اور ایک صحیح جذبہ کے ساتھ اُس کے حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرے۔

یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جو قومیں تعلیم سے بے بہرہ ہیں اور یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ بحیثیت ایک قوم کے اُن کے کیا حقوق ہیں، وہ سیاسی و اقتصادی حیثیت سے عموماً خسارہ میں رہتی ہیں اور ہر تعلیم یافتہ و باقتدار قوم اُن کے حقوق پامال کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی ہے۔ مسلمان آج اسی وجہ سے خسارہ میں ہیں کہ اُن کے اکثر و بیشتر افراد تعلیم سے محروم ہیں، ہزاروں دیہات و قصبات ایسے ہیں کہ جہاں علم کی روشنی اب تک نہیں پہنچی، خود شہروں میں بھی آبادی کا بڑا حصہ ناخواندہ ہے یہ ناخواندہ مسلمان نہ مذہب سے واقف ہیں نہ سیاست سے، وہ دنیا کے حالات بلکہ گرد و پیش کے واقعات سے بھی بالکل بے خبر ہیں، اُن کی کس مپرسی و درماندگی لائق رحم اور اُن کی زندگی مصائب و مشکلات سے لبریز ہے، اس لئے ہمارا کہنا یہ ہے کہ سب سے پہلے ان لاکھوں جاہل و مصیبت زدہ مسلمانوں کو تعلیم دے کر انسان بناؤ۔ پھر مسلمان بناؤ، اس کے بعد ملکی سیاست سمجھاؤ۔

چونکہ مسلمانوں میں اب تک بھی حسب ضرورت تعلیم نہیں پھیلی ہے اس لئے وہ آج بھی ملکی سیاست سے یکسر بیگانہ ہیں۔ اُن کے حقوق پامال ہو رہے ہیں اور وہ اس سے بالکل بے خبر ہیں، ان کے چاروں طرف ایک طوفان برپا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ کیا ہو رہا ہے ہندوستان میں ایک زبردست تبدیلی و انقلاب کے آثار نمایاں ہیں لیکن انہیں اس کی کچھ خبر نہیں، بلکہ وہ ایک پُر مشقت زندگی میں مبتلا ہیں تاکہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے شام کی روٹی پیدا کریں لیکن صد حیف کہ اُن میں لاکھوں ایسے بھی ہیں جنھیں وہ روٹی میسر نہیں آتی یعنی وہ نان شبینہ کے بھی محتاج ہیں جس قوم کی یہ حالت ہو وہ سیاست میں کیا عملی حصہ لے سکتی ہے۔

شہروں میں بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کی آمد پر جو ہنگامہ آرائی ہوتی ہے اور استقبال کے وقت جس جوش و خروش کا اظہار ہوتا ہے یا "زندہ باد" کے بے معنی نعرے بلند کئے جاتے ہیں، اُس سے ہمیں خوش ہونا چاہئے نہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونا چاہئے۔ یہ وقتی شور و ہنگامہ مسلمانوں کے احساس و بیداری کا ثبوت نہیں ہے۔ عوام تماشا پسند ہیں، اس لئے وہ اس قسم کے موقعوں پر ہمیشہ جمع ہو جاتے ہیں، اور تماشہ کے بعد منتشر ہو جاتے ہیں، عملی حیثیت سے ان نمائشی چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے، البتہ اگر یہی مسلمان تعلیم حاصل کر کے سیاسی مسائل کو بخوبی سمجھنے لگیں اور اپنے حقوق کے لئے مردانہ وار جد و جہد کریں تو اُن کی یہ کوشش جو عزم صحیح پر مبنی ہوگی یقیناً ملک و قوم کے لئے مفید و نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔ غرض کامیابی و ترقی کا راز صرف تعلیم میں مضمر ہے۔ ایک تعلیم یافتہ انسان جو دنیا کے نشیب و فراز اور گرد و پیش کے حالات سے واقف ہے ہزاروں لاکھوں انسانوں پر حکومت کر سکتا ہے۔

یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ ۷۵ سال کی کوشش اور شور و غلغلہ کے بعد بھی مسلمان اپنے ابنائے وطن کے مقابلہ میں تعلیم میں پیچھے ہیں۔ اُن کی تین نسلیں اسی جد و جہد میں گزر چکی ہیں اور ابھی تک اس معاملہ میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس ناکامی سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری کوشش میں خامی ہے اور مقتضائے وقت کے لحاظ سے ہمیں جو کچھ کرنا چاہئے تھا وہ ہم نے اب تک نہیں کیا اور افسوس ہے کہ بہت سا قیمتی وقت نمائشی چیزوں میں ضائع کر دیا، لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنی جد و جہد کو اور تیز کر دیں۔

زمانہ نہایت سرعت سے بدل رہا ہے، انقلاب کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں، مہلت تھوڑی ہے اور کام زیادہ، اب غفلت کا موقع نہیں ہے، اگر ہم نے اپنی بدنصیبی و ناعاقبت اندیشی سے اس "ملا ملی فرصت" کو ضائع کر دیا تو خود ہم ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائیں گے لہٰذا سخت ضرورت ہے کہ مسلمان بلا توقف وقت کے اس سب سے اہم مسئلہ پر غور کریں نہ صرف غور کریں بلکہ اس کا فیصلہ کریں کہ وہ کیا تدابیر ہیں جن کے ذریعہ سے جلد سے جلد مسلمانوں میں تعلیم پھیلائی جا سکتی ہے۔

اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس مسئلہ کے طے کرنے کیلئے بہترین جگہ "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" کا پلیٹ فارم ہے، اس لئے آپ کانفرنس کے اجلاس میں تشریف لائے اور اپنی قوم کی قسمت کا فیصلہ کیجئے۔

[...]ڈ کی محافظ عورتیں

اسٹالن گراڈ کی حفاظت انسانی کارنامہ ہے۔ معلوم دنیا میں اتنی بڑی لڑائی کبھی نہیں ہوئی اور نہ کبھی کسی انسان نے اتنی جانبازی، دلیری اور شجاعت کمائی [...] ہے۔ اسٹالن گراڈ کی محافظ سرخ فوج دنیا سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔ سرخ فوج کی عظمت اور قوت کا راز یہ نہیں ہے کہ وہ جدید ترین ہتھیاروں سے آراستہ ہے اس کا سب سے بڑا ہتھیار ایثار اور قربانی کا وہ لافانی جذبہ ہے جو اسے سوویٹ نظام زندگی اور سوشلسٹ سوسائٹی سے ورثہ میں ملا ہے۔ یہ اعلیٰ ترین انسانی صنعت ہے۔ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اصول اور صداقت کے کے لئے اپنی جان دے دی ہے اور ان کے نام تاریخ کے صفحات پر سرخ حروف سے لکھے ہیں لیکن سوویٹ یونین کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پچیس برس کی مختصر سی مدت میں ایک دو نہیں ہزاروں لاکھوں کروڑوں ایسے انسان پیدا کر دئے ہیں جنھیں وہ انسانی صفات بلند ترین نقطہ پر پائے جاتے ہیں جن کا احترام ہر دور اور ہر زمانہ کے انسان کرتے رہے ہیں آج سوویٹ یونین کی سرخ فوج ہی نہیں وہاں کا ہر باشندہ مرد، عورت اور بچے تک ناقابل فہم شجاعت، عدیم المثال قربانی اور فوق البشری استقلال کے جیتے جاگتے مجسمے ہیں۔

اسٹالن کا نام آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں گونج رہا ہے۔ آج توشنکو، وارو شیلاف، ژیوکاف وغیرہ کے نام فوجی حلقوں میں عزت اور احترام کے ساتھ لئے جاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ سوویٹ یونین کے لاکھوں گمنام ہیرو ہیں وہ مجاہد جن کے خون سے سوویٹ یونین کی زمین گلنار ہے وہ جری جنھوں نے جرمنوں کے چھکے چھڑا دیے جن کے گوشت اور پوست کے جسم آہنی و فولادی دیواروں سے زیادہ مضبوط ثابت ہوئے جن کے ارادے پہاڑوں کی طرح اٹل تھے، جن کے ایثار اور قربانی سے سوویٹ یونین کی آزادی ہی برقرار نہیں رہے گی بلکہ ساری دنیا کی آزادی کا آفتاب طلوع ہوگا۔

جب سوویٹ جرمن جنگ شروع ہوئی تو لال فوج کے [...] سپاہیوں کے علاوہ بے شمار شہر اور دیہات کے [...] کی حفاظت کرنے کے لئے اٹھ کھڑے [...] آنکھوں والی لڑکی بھی تھی جس [...] تھی۔ اس کا نام اولگا میلیوسکا تھا۔ وہ اڈیسہ اور سیواستوپول میں جا کر جرمنوں سے لڑی اور چار مرتبہ زخمی ہوئی۔ سوویٹ یونین نے اسے آرڈر آف دی ریڈ اسٹار سے سرفراز کیا۔ زخموں سے چور اولگا فوجی ہسپتال میں بھیج دی گئی لیکن جسمانی زخم سے کاری ایک اور زخم اس کے دل پر تھا جو ہسپتال میں اچھا نہیں ہو سکتا تھا وہ زخم صرف نازی درندوں کا خون بہا کر ان وحشیوں کو سوویٹ یونین سے باہر نکال کر اچھا ہو سکتا تھا اس لئے اولگا میدان جنگ میں جانے کے لئے بیتاب تھی جب اسٹالین گراڈ پر حملہ ہوا تو وہ سپاہیوں کی صفوں میں آ کر نرس کا کام کرنے لگی لوگ اسے دیکھتے تھے کہ وہ کتنی نڈر ہو کر گولوں کی بارش اور گولیوں کی بوچھار میں چلی جاتی تھی جیسے کوئی جا رہا ہو۔ کانپتا میدان جنگ میں حرکت کر رہا ہے کبھی وہ کسی سرخ سپاہی کے پٹی باندھتی نظر آتی اور کبھی کسی زخمی کو میدان سے اٹھا کر لاتی دکھائی دیتی۔ ہر سپاہی اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ ایک دن اولگا میدان سے واپس نہیں آئی۔ وہ مدت پیدا ہونگ کر کچھ فیصلہ طے کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ دشمن کی گولی اسے آ کر لگی ہر شخص اس کی وجہ سے رنجیدہ تھا شام کو لوگ اسے اس حالت میں اٹھا کر لائے کہ اس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا اس میں چلنے کی طاقت نہیں تھی لیکن اس کی روح زندہ تھی وہ زخمی ہو سکی تھی اور مسکراتی اولگا نے کہا "مجھے مارنا آسان نہیں ہے" کچھ دن بعد وہ اچھی ہو گئی اور اب میدان جنگ میں سرخ سپاہیوں کے کندھے سے کندھا ملا کر جرمن ڈاکوؤں کا مقابلہ کر رہی ہے۔

میر بنا بارشوا جنگ شروع ہونے سے قبل ڈاکٹر تھی۔ اسٹالین گراڈ کی لڑائی میں وہ نرس کی حیثیت سے شریک ہوئی وہ ہمیشہ آگے بڑھتے ہوئے سپاہیوں کی صف میں رہتی تھی مشین گنیں تک آگ کے شعلوں سے جہاں جاتی تھیں وہاں میر بنا کا خوبصورت چہرہ چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اس کی عجلت اور پھرتی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر زخمی سپاہی کے پاس پہنچ جاتی تھی اور اس کی مرہم پٹی کرنے لگتی تھی۔ ایک دن جب وہ ایک زخمی سپاہی کے پٹی باندھ رہی تھی تو ایک گولی اس کے کندھے پر آ کر لگی۔ ایک چیخ سنائی دی اور وہ بیہوش ہو کر سپاہی پر گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ سپاہی اپنے زخمی ہاتھ سے اس کو سہارا دئے ہوئے ہے اور دوسرے ہاتھ سے اس کے کندھے پر پٹی باندھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ دونوں دن بھر میدان میں پڑے رہے گولیاں ان کے اوپر سے سنسناتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ رات کو کچھ سرخ سپاہی آ کر انھیں اندھیرے اٹھا لے گئے۔ میر بنا نے مسکرا کر کہا میں جانتی تھی کہ تم مجھے بچا لو گے"

اسے زخمیوں کے ایک ہسپتال میں والگا کے اس پار بھیج دیا گیا۔ چلتے وقت اس نے بڑے یقین و اعتماد سے کہا میں بہت جلد واپس آ جاؤں گی۔

ایک اور لڑکی کلاب اسنزکینہ نے انتہائی بہادری سے اسٹالین گراڈ کی حفاظت میں حصہ لیا۔ سرخ فوج کے کچھ سپاہی ایک مکان کو گھیرے ہوئے تھے جس میں جرمن سپاہی چھپے بیٹھے تھے کھڑکیوں اور دروں سے منہ نکالے ہوئے مشین گنیں بے تحاشا گولیاں برسا رہی تھیں کچھ جرمن فاشسٹ ایک دوسرے مکان میں گھس گئے جس کی طرف سرخ فوج کے سپاہیوں نے توجہ نہیں کی تھی۔ کلابہ نے دیکھ لیا اور چلا کر پکارا "ہم مر جائیں گے لیکن ہتھیار نہیں ڈالیں گے" یہ آواز سرخ سپاہیوں کی ہمت بڑھانے کے لئے کافی تھی ایک ایک کر کے انھوں نے ہٹلری درندوں کو اپنی گولی کا نشانہ بنایا۔ بہت سے سرخ سپاہی زخمی ہو گئے۔ کلابہ جرمنوں سے لڑتی بھی جاتی تھی اور زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی بھی کرتی جاتی تھی وہ ہوشمندی اور استقلال کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

اسٹالین گراڈ ہی کی نہیں بلکہ سوویٹ یونین کی تمام عورتیں سرخ فوج کے ساتھ جرمنوں کو اپنی مقدس سرزمین سے نکالنے کے لئے جنگ کر رہی ہیں ان کی جنگ اپنے ماں باپ، اپنے بھائیوں، اپنے شوہروں اور اپنے بیٹوں کی آزادی کے لئے ہے خود اپنی آبرو بچانے کی جنگ ہے اور سب سے بڑھ کر ساری دنیا کی ماؤں اور بہنوں کو فسطائیوں کی درندگی اور وحشیانہ حرکتوں سے محفوظ رکھنے کی جنگ ہے۔

(قومی جنگ)

"لنکا کا موتی"

جزیرہ لنکا کا شمالی مغربی ساحل بہت وحشتناک اور غیر آباد ہے۔ مگر اس قطعۂ زمین کو موتیوں کی شکارگاہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ سال کے اکثر حصے میں سمندر کی طوفانی موجیں یہاں آ آ کر ساحل سے ٹکراتی ہیں کنارے پر سینکڑوں میلوں تک خطرناک اور خاردار جنگل پھیلا ہوا ہے۔ جہاں زراعت کا نشان تک

نظر نہیں آتا۔ اور جنگل میں ہاتھی، چیتے، ہرن اور سور ہر وقت ادھر ادھر پھرتے رہتے ہیں۔ مگر جب موتی نکالنے کا موسم آتا ہے تو ہزاروں شائق یہاں جمع ہو کر چند دنوں کے واسطے اس مقام پر ایک ہنگامہ پیدا کر دیتے ہیں۔

فصل شروع ہونے سے چند ہفتے قبل مزدوروں کی چند کشتیاں یہاں ساحل پر آجاتی ہیں۔ اور ایک عارضی شہر کی عارضی تعمیر کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ زمین صاف کر کے لکڑی کے اونچے اونچے مضبوط ستون کھڑے کر دئے جاتے ہیں۔ کھجور کی پتیوں سے جھونپڑے تیار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اچھا خاصہ شہر جس میں چوڑی چوڑی سڑکیں، منڈیاں، بازار، دکانیں، عدالتیں اور افسروں کی اقامت گاہیں ہوتی ہیں نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور کرایہ پر اٹھا دیا جاتا ہے۔ چند روز ہی میں مزدور، ملاح، غوطہ خور، تاجر، عمال، چالیس پچاس ہزار کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں، اور سینکڑوں کشتیاں سمندر میں نظر آنے لگتی ہیں۔ ابتدائے سال میں موتی نکالنے کی حدود جھنڈیوں کے ذریعہ متعین کر دی جاتی ہیں۔ اور ایک مقررہ دن پر موتیوں کے لئے سیپیوں کا شکار شروع ہو جاتا ہے۔

ابتدا یوں ہوتی ہے کہ آدھی رات کو جب ہوا موافق ہوتی ہے تو کئی سو کشتیاں جن میں سے ہر ایک میں ساٹھ ساٹھ آدمی ہوتے ہیں۔ بادبان کھول کر رواں ہو جاتی ہیں۔ اور پھر سہ پہر کو جب ساحل کی طرف ہوا ہوتی ہے تو واپس آتی ہیں۔ کشتیاں بارہ پندرہ میل تک سمندر میں چلی جاتی ہیں اور حدود مقررہ پر پہنچ کر اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ غوطہ خور اپنے اپنے سینوں سے بھاری پتھر باندھ کر غوطے لگاتے ہیں۔ نیچے سمندر کی تہ میں جلدی جلدی سیپیاں چن کر اپنی تھیلی میں رکھ لیتے ہیں۔ پھر رسی کو جنبش دے کر اشارہ کرتے ہیں کہ ان کو اوپر آنے میں رسی کھینچ کر مدد دی جائے۔ سطح آب پر آنے کے بعد ذرا دیر تو تازہ ہوا میں دم لیتے ہیں۔ اس کے بعد پھر غوطہ لگاتے ہیں۔ اور یہ عمل برابر جاری رہتا ہے۔ یہ لوگ پچاس سکنڈ سے زیادہ پانی میں نہیں رہ سکتے لیکن بعض عرب غوطہ خور نوے سکنڈ تک اندر رہ سکتے ہیں۔ یہ عمل تقریباً چھ گھنٹے جاری رہتا ہے۔ اور دوپہر کے بعد تمام کشتیاں جمع کی ہوئی سیپیاں لے کر ساحل پر واپس آجاتی ہیں۔ کشتیوں سے نکال کر تمام سیپیاں بوروں میں بھر دی جاتی ہیں۔ ان کا ایک تہائی حصہ بطور مزدوری غوطہ خوروں کو دیدیا جاتا ہے۔

روزانہ پانچ لاکھ سیپیاں نکالنے کا اوسط رہتا ہے۔ اور جب ان کا شمار ہو چکتا ہے تو خریداروں کی جماعت پہنچتی ہے اور اسی وقت فروخت شروع ہو جاتی ہے۔ نیلام کرنے والا ساحل کا نام اور سیپیوں کی تعداد بیان کرتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس مقام کی سیپیوں سے فی صد کتنے موتی نکلنے کا اوسط ہے نیلام گھر میں ہر ملک و قوم کے سوداگر نظر آتے ہیں نیلام فی ہزار سیپی کے حساب سے شروع ہوتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ بولی بڑھنے لگتی ہے اور قسمت آزمائی شروع ہو جاتی ہے سیپیوں کی خریداری حقیقتاً ایک طرح کی قمار بازی ہے۔ کیونکہ ایک شخص سو روپیہ فی ہزار خریدنے پر بھی نقصان اٹھاتا ہے۔ اور دوسرا فی سیپی ایک روپیہ ادا کرنے کے بعد بھی دولتمند ہو جاتا ہے۔ الغرض ہر سیپ لاٹری کا ایک ٹکٹ ہے۔ جس کے لینے کے لئے لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ آدھ گھنٹہ میں لاکھوں سیپیاں ٹھکانے لگ جاتی ہیں۔ سیپیوں کے نیلام کے بعد جو کام سب سے زیادہ اہم اور سخت ہے۔ وہ ان کے اندر سے موتی نکالنا ہے۔ اگر ہزار دو ہزار یا لاکھ دو لاکھ سیپیاں ہوں تو بھی زیادہ دشواری نہ ہو۔ لیکن آٹھ آٹھ کروڑ سیپیوں کو سڑا کر گلانا۔ اور پھر ہزاروں مزدوروں کی نگرانی کرنا کہ وہ چوری نہ کر سکیں۔ آسان کام نہیں۔

جس وقت غوطہ خوروں کو مزدوری میں ایک تہائی حصہ سیپیاں ملتی ہیں تو اسے سوداگر فوراً خرید لیتے ہیں اور کھول کر دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر سے موتی نکلنے کا کیا اوسط ہے اور پھر اسی اوسط کو پیش نظر رکھ کر وہ مخصوص ساحلوں کی سیپیوں کو خریدتے ہیں۔ اچھے ساحل کی ہر دس سیپیوں میں سے ایک سیپ کے اندر ضرور موتی نکلتا ہے خواہ ذرہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ ہر دس موتیوں میں سے ایک موتی اپنے رنگ، جسامت اور گولائی کے لحاظ سے قیمتی نکل آتا ہے۔ لیکن ایسے موتی جن سے بہت نفع حاصل ہو کم نکلتے ہیں۔ جب تک شکار جاری رہتا ہے لوگ جوق در جوق کھنچے چلے آتے ہیں۔ حتیٰ کہ لڑکے بھی اس خبط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور جدھر دیکھو جاقو سے سیپیاں کھولتے نظر آتے ہیں۔

بعض لوگوں کو نہایت قیمتی موتی بھی مل جاتے ہیں لیکن ایسے موتی نظر کبھی نہیں آتے۔ جہاں کسی کو کوئی ملا وہ چھپا لیتا ہے تاکہ ساحل کی سیپیوں کی قیمت نہ بڑھ جائے کہ اس کو جوڑ کا موتی مل جائے۔ اس صورت میں قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے ایسی حالت میں یہ اندازہ کرنا کہ ہر سال کس قیمت کے موتی یہاں سے باہر جاتے ہیں۔ دشوار ہے۔

نیلام ہونے کے بعد سیپیاں دھوپ میں ڈھیر کر دی جاتی ہیں جہاں وہ چند گھنٹے کے بعد مر جاتی ہیں اور سڑنے شروع ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد کروڑوں مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے اور ہر طرف بدبو پھیلنے لگتی ہے۔ چند دنوں میں عفونت اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ میلوں تک ہوا خراب ہوتی ہے۔ اور سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ جوں جوں سیپیوں کا شکار بڑھتا جاتا ہے مکھیوں کی کثرت اور بدبو کی تیزی بڑھتی جاتی ہے اور یہ سارا قطعہ انسانی سکونت و قیام کے ناقابل ہو جاتا ہے۔

جب سیپیاں بالکل سڑ جاتی ہیں تو ان کو پانی کے بڑے بڑے ٹبوں میں ڈال کر پاؤں سے روندتے ہیں یہاں تک کہ ان کا سڑا ہوا گوشت بالکل بہہ جاتا ہے۔ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں ان کو بلا اجازت ہاتھ باہر نکالنے کی سخت ممانعت ہے۔ روندنے کے درمیان میں جتنے موتی ان کو ملتے ہیں وہ مالک کو دیتے جاتے ہیں۔ روندنے کے بعد سڑا ہوا گوشت خشک کر لیا جاتا ہے اور پھر اس میں موتیوں کی جستجو ہوتی ہے۔ کبھی کبھی اچھے موتی بھی مل جاتے ہیں۔

یہ شکار ۲۰ فروری سے شروع ہوتا ہے اور پانچ چھ ہفتہ کے بعد جب برساتی ہوا چلنے لگتی ہے ختم ہو جاتا۔ تمام لوگ واپس ہو جاتے ہیں اور یہ مقام پھر اسی طرح ویران ہو جاتا ہے۔ لنکا میں یہ شکار کب سے رائج ہے۔ اس کی کوئی صحیح تاریخ مقرر نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ ۵۰۰ سال قبل مسیح آرین فاتحین کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لنکا سے موتی ہندوستان بھیجے جاتے تھے۔

(ایشیا)

مسلم یوتھ کلب کا سالانہ جلسہ

۱۱ دسمبر ۱۹۴۲ء کو بوقت ۵ بجے شام مسلم یوتھ کلب کا سالانہ جلسہ تقسیم انعامات (ایک شاندار شو میچ اور ٹی پارٹی کے بعد) زیر صدارت ڈاکٹر محمد اسحٰق منعقد ہوا، جلسہ میں قاضی سعید الدین صاحب، محمد یوسف صاحب، فاروقی محمود صاحب، شہاب الدین صاحب، عمر علی صاحب اور دوسرے بہت سے اصحاب مدعو تھے، جلسہ کا آغاز تلاوت کلام مجید سے ہوا۔ صدر جلسہ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا

[illegible] نائب صدر نے رپورٹ پڑھی۔ [illegible] الدین صاحب کپتان کلب و سید نظیر حسن صاحب [illegible] نے بھی اپنی رپورٹیں پیش کیں۔ اس کے بعد انعامات تقسیم کئے گئے، قاضی مبین الدین صاحب [illegible] سالانہ انعام دیا گیا۔ اس کے بعد صدر جلسہ نے آئندہ سال (۴۴-۱۹۴۳ء) کے منتخب عہدہ داروں کے نام سنائے جو حسب ذیل ہیں۔

سید احمد علی صاحب نائب صدر، اظہار الدین صاحب کپتان ہاکی، ابن محمد صاحب جعفری کپتان اسپورٹس، حبیب احمد صاحب کپتان انڈور گیمس، فرید الحسن خاں معتمد اعزازی، اور سید نظیر حسن مہتمم خزانہ

خاکسار فرید الحسن خاں معتمد اعزازی

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب بالقابہ کا ایک قابل توجہ بیان

لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب ایم ایل اے وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے ریزگاری اور چھوٹے سکوں کی قلت پر ایک بیان شائع کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ چاہے دشمن کے پروپگنڈے سے ملک کے ضبط قوانین میں رخنہ نہ پڑے اگر حسب ذیل باتوں کا خیال نہ رکھا گیا تو ضرور پبلک کے اندرونی ضبط و امن میں خلل پڑ سکتا ہے،

۱۔ غربا کی ضروریات زندگی سستی قیمت پر مہیا کی جائیں خصوصاً غلہ وغیرہ انھیں ارزاں دینے کا انتظام کیا جائے۔

۲۔ روزمرہ کے کاموں کے لئے ریزگاری اور چھوٹے سکوں کی بہم رسانی میں سہولت پیدا کیجائے۔

۳۔ حکام ضلع احتجاج کرنے والوں، ذخائر جمع کرنے والوں اور اُمرا کی ضرورتوں سے زیادہ غربا کی ضرورتوں کا خیال رکھیں۔

چھوٹے سکوں کے بارے میں بار بار آنریبل فنانس ممبر سے بھی کہہ چکا ہوں اور انھیں لکھ بھی چکا ہوں کہ غربا کو ریزگاری وغیرہ مل بھی رہی ہے یا نہیں، موصوف نے کاغذی سکہ کی حفاظت و احتیاط کی طرف قدم اٹھایا لیکن چھوٹے سکوں کے پگھلائے جانے [illegible] جانب کوئی انسدادی اقدام نہیں کیا جب [illegible] بڑھنے لگی تھی اس وقت آپ کو چاہئے [illegible] کو واپس لے لیتے یا تانبہ کے سکہ کے پگھلانے کے خلاف آرڈیننس نافذ کرتے اور بینکوں کو ہدایت جاری کرتے کہ وہ کسی فرد کو زیادہ تعداد میں تانبہ کے سکے اور پیسے نہ دیں، تانبہ کا پیسہ قریب قریب غائب ہو چکا ہے اور فنانس ڈپارٹمنٹ نے اس کے بجائے دوسرا سکہ جاری کرانے کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ پیسہ کے بجائے ٹکٹ جاری کرنا خطرناک و تکلیف دہ ہے کیونکہ غربا کو آسانی کے ساتھ دھوکہ دے کر لوگ آسانی کے ساتھ استعمال شدہ ٹکٹ دے سکتے ہیں۔

غربا کے کاروبار روپیوں میں نہیں پیسوں میں ہوتے ہیں اور ان کی سہولت کے لئے پیسوں کا رکھا جانا اشد ضروری ہے، غربا جن کی آمدنیاں محدود ہیں انھیں اشیاء کی گرانی کی وجہ سے بہت دشواریاں پیش آ رہی ہیں یا تو روپیہ کی قیمت خرید بیسی کی کی جائے یا تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے محض چند روپیہ مہنگائی الاؤنس سے کام نہیں چل سکتا۔

ناگپور یونیورسٹی میں مسٹر سرکار کی تقریر

ناگپور یونیورسٹی کا کنووکیشن ایڈرس پڑھتے ہوئے مسٹر سرکار کامرس ممبر حکومت ہند نے اس بات پر زور دیا کہ "مابعد جنگ تعمیر" میں ہندوستان دوسرے ایشیائی ممالک کے شانہ بشانہ اہم پارٹ ادا کریگا آپ نے کہا کہ آج ہندوستان عظیم تبدیلیوں کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ سیاسی طور پر ہم نہایت تیزی سے مدارج طے کر رہے ہیں۔ میری رائے ہے کہ جس سیاسی مطمح نظر مقصود کے لئے ہم جد و جہد کرتے آئے ہیں جنگ کے بعد برطانیہ اس سے ہمیں محروم نہ رکھ سکے گا، اور اس کے معنی یہ ہوئے کہ جنگ کے بعد دنیا کی از سرِ نو تعمیر میں بھی ہمیں حصہ لینا ہوگا۔ اور ہمیں اپنے ملک کے سیاسی و اقتصادی حالات میں تناسب پیدا کرنا ہوگا۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے مسٹر سرکار نے کہا کہ میں اس مرحلہ پر اپنے ملک کے مخصوص سیاسی مسائل میں پڑنا نہیں چاہتا۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ایک طرف ملک کی سیاسی پارٹیوں میں اور دوسری طرف ہندوستان اور برطانیہ میں عدم مفاہمت کی وجہ سے سیاسی جمود کی سی حالت موجود ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دوران جنگ میں ہم جو کچھ حاصل کر سکتے تھے اس سے محروم ہیں، میری اپنی رائے یہ ہے کہ جنگ کے بعد نہ صرف ہندوستان آزاد ہوگا بلکہ متحد بھی ہوگا اور ایشیے ممالک کی برادری میں وہ درجہ حاصل ہوگا۔ جس کا وہ مستحق ہے ہندوستان موجودہ جنگ میں جو امداد دے رہا ہے اُس کے پیش نظر برطانوی مدبرین کو اس کی آزادی سے محروم نہیں رکھیں گے کیونکہ انہیں یہ غور کرنا ہے کہ ہندوستان اس لئے جنگ نہیں کرتا۔ کہ کسی قسم کے امپیریلزم کی غلامی میں جکڑا جائے۔"

ہماری آرزو ہے کہ زمانۂ مابعد جنگ کے متعلق مسٹر سرکار نے جو توقعات قائم کر رکھی ہیں وہ پوری ہوں۔ اگرچہ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو۔ کیونکہ ہر آرزو پوری نہیں ہو سکتی، اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مختصر نوٹ اور واقعات

راجپوتانہ یونیورسٹی جے پور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حکومت جے پور راجپوتانہ کے لئے ایک علیحدہ یونیورسٹی کے قیام کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے اور اس مقصد کے پیش نظر اُس نے مسٹر جے سی اولوسالق پرنسپل مہاراجہ کالج میسور کو اسپیشل افسر مقرر کیا ہے۔ مسٹر اولو نے مہاراجہ کالج کے اسٹاف اور طلبہ سے اس یونیورسٹی کے متعلق یہ کہا کہ ہم راجپوتانہ کے رہنے والے آگرہ یونیورسٹی کے احسان مند ہیں لیکن ہم ایک ایسی یونیورسٹی قائم کرنا چاہتے ہیں جس پر راجپوتانہ کے لوگوں کا کنٹرول ہو۔ جدید یونیورسٹی صرف امتحان لینے والی پارٹی نہیں ہوگی بلکہ وہ تمام کالجوں میں ایک نئی تعلیمی زندگی پیدا کر دے گی۔

میسور یونیورسٹی میں ہندی میسور کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ میسور یونیورسٹی کی اکاڈمی کونسل نے اس تجویز کو منظور کر لیا ہے کہ انٹرمیڈیٹ اور ڈگری امتحانوں کے لئے ہندی کو زبان ثانی کی فہرست میں شامل کر لیا جائے۔ کونسل نے ڈگری کورس میں امتیازی مضمون کے طور پر اسلامی کلچر اور تہذیب کو شامل کرنے کی اجازت دیدی ہے۔

ملکی تحفظ اور عوام نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ سر جوالا پرشاد ممبر سول ڈیفنس نے ہندوستان کے سربرآوردہ اصحاب کی ایک کانفرنس

۲۵-۲۶ جنوری ۱۹۴۳ء کو طلب کی ہے جس میں شہری حفاظت کی آرگنائزیشنوں اور عوام کے درمیان نزدیکی تعلق پیدا کرنے پر غور کیا جائے گا۔

جن لوگوں کو اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا ہے اُن میں صوبوں کے وزیر، گورنروں کے مشیر، یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر اور دوسرے ممتاز اصحاب شامل ہیں جن میں سر سپرو، ڈاکٹر مونجے، اور مسٹر راجگوپال اچاریہ کے نام خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ ایک اور کانفرنس ۲۷ جنوری کو طلب کی گئی ہے جس میں عورتوں کے لئے حفاظت کی تدبیروں پر غور کیا جائے گا۔

ترک ایڈیٹر ہندوستان میں

معلوم ہوا ہے کہ ترکی کے چند سربرآوردہ ایڈیٹر، اور ممبران پارلیمنٹ عنقریب ہندوستان آ رہے ہیں، اس ڈیپوٹیشن کے ارکان جن اہم مقامات کا دورہ کریں گے ان میں دہلی، لاہور، پشاور، لکھنؤ، بنارس، بمبئی، کلکتہ، مدراس، کراچی، اور بعض دیسی ریاستیں شامل ہیں، وفد کے دوران سفر میں حکومت ہند کے محکمۂ سیاسیات کے ایک عہدہ دار سید علی جواد ڈپٹی پرنسپل انفارمیشن افسر ساتھ رہیں گے۔

یہ وفد بغداد کے راستہ سے ہندوستان روانہ ہو گیا ہے، ہندوستان کو روانگی سے پہلے ڈیلیگیشن کے پریزیڈنٹ صالح رفیق عطائی نے جو ایک نیم سرکاری اخبار کے ایڈیٹر ہیں مندرجۂ ذیل بیان دیا ہے۔

"مجھے اور میرے رفیقوں کو حکومت ہند کا دعوت نامہ حاصل کرکے بڑی خوشی ہوئی کہ ہمیں ہندوستان کے حالات مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ ہم ترک جرنلسٹوں کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ ذاتی تعلقات دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں، ہم ہندوستانی پریس کے اپنے دوستوں کو سلام کرتے ہیں جن سے ہم ملیں گے۔

دو روپیہ کا نوٹ

بمبئی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ ریزرو بینک آف انڈیا عنقریب دو روپیہ والے نوٹ جاری کرے گا۔ کیونکہ ایک روپیہ کا استعمال بکثرت ہونے کی وجہ سے انکی مانگ بہت بڑھ گئی ہے۔ نوٹ اگست یا ستمبر ۱۹۴۲ء میں ہی تیار ہونے والے تھے مگر بعض مشکلات کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینہ کے اخیر میں یہ نوٹ جاری ہو جائیں گے

افغانستان میں شدید سردی

معلوم ہوا ہے کہ افغانستان اور مرکزی ایشیا کے دوسرے علاقوں میں زبردست سردی پڑ رہی ہے اِن سارے علاقوں میں تھرمامیٹر کا پارہ انجماد کے درجہ سے بہت نیچے ہے افغانستان، تاجکستان، سنکیانگ اور ازبکستان کے دوسرے درّے برف سے سفید ہو چکے ہیں نیز افغانستان میں سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر کا کام جو مدت سے شروع ہو چکا تھا سردی کے بڑھ جانے سے رُک گیا ہے لیکن حکومت افغانستان نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سرما کے اختتام سے پہلے یہ کام شروع کر دیا جائے گا۔

ہندوستان میں کاغذ کی قلت

کلکتہ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر شاما پرشاد مکرجی سابق وزیر بنگال کی سرکردگی میں ایک ڈیپوٹیشن نے ویسرائے کی اگزیکٹو کونسل کے کامرس ممبر سے ملاقات کی اور اس مشکل صورت حالات کو بیان کیا جو حکومت ہند کے ملوں کے تیار شدہ ۹۰ فی صدی کاغذ اپنے قبضہ میں لینے کے فیصلہ سے پیدا ہو گئی ہے۔

ڈیپوٹیشن نے یہ تجویز کیا کہ حکومت کو چاہئے کہ فوجی اور غیر فوجی کاموں میں کاغذ کے استعمال میں کفایت کرے اور وزیر ہند سے درخواست کی جائے کہ وہ کاغذ بھیجنے کے لئے زیادہ تعداد میں جہاز مہیا کریں ڈیپوٹیشن نے یہ بھی کہا کہ حکومت کو ۷۰ فی صدی کاغذ سے کام چلانا چاہئے، اور ۳۰ فی صدی عوام کے خرچ کے لئے رہنے دینا چاہئے۔ مسٹر سرکار نے ان شکایات کو توجہ و ہمدردی سے سنا۔

پیر پگاڑو کی چار لاکھ کی چاندی پر قبضہ

کراچی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ چاندی کی ۹۰ سلیاں جن کی قیمت کا اندازہ چار لاکھ روپیہ ہے، اور جو پیر پگاڑو کی ملکیت بتائی جاتی ہیں ان پر پولیس نے قبضہ کر لیا ہے، یہ چاندی زمین میں دفن تھی پولیس نے زمین کھود کر نکالی اور اُسے اپنے قبضہ میں کر لیا۔

افغانستان میں معدنیات

ڈائرکٹر جنرل انڈسٹریز اور دو ماہرین معدنیات اور ڈائرکٹر وزارت معدنیات کچھ مدت پہلے سنگ لاجورد، کوئلہ اور نمک کی کانوں کے معائنہ کے لئے جو نئی دریافت ہوئی ہیں، صوبہ قطغن اور صوبہ بدخشاں کی طرف گئے ہوئے تھے معائنہ کے بعد کابل واپس آ گئے، اور انھوں نے اپنے معائنہ کے نتائج وزارت معدنیات کے سامنے پیش کر دئے۔

کلکتہ میں وائس چانسلر پر حملہ

کلکتہ سے افسوسناک خبر موصول ہوئی ہے کہ ڈاکٹر پی سی رائے وائس چانسلر یونیورسٹی پر تقریباً ایک درجن نوجوانوں نے حملہ کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر رائے جب ایک کانفرنس کا افتتاح کرنے کے لئے "دربھنگہ بلڈنگ" کے صدر دروازہ پر پہنچے تو جیسے ہی وہ کار سے اُترے ایک نوجوان نے ان کے سامنے ایک پٹاخہ پھینک دیا، جب پٹاخہ پھٹنے سے ہلچل پیدا ہوئی تو نوجوانوں نے ڈاکٹر رائے پر حملہ کر دیا اور اب اچھی خاصی لڑائی شروع ہو گئی۔

ڈاکٹر رائے نے اپنے ڈرائیور کی مدد سے ان حملہ آوروں کی خوب خبر لی یہ واقعہ دیکھ کر لوگوں کا بہت بڑا ہجوم ہو گیا حملہ آور ایک اور پٹاخہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ڈرائیور کے معمولی سی چوٹ آئی۔ ڈاکٹر رائے نے انٹرویو کے دوران میں بیان کیا کہ اگر یہ واقعہ یونیورسٹی کے احاطہ کے باہر ہوتا تو کوئی بات نہ تھی لیکن یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ یونیورسٹی کے تقدس و عظمت کو جو علم حاصل کرنے کی جگہ ہے اس طرح گندہ کیا گیا۔

اگر تعلیم کا یہی نتیجہ ہے جس کا مظاہرہ نوجوانوں نے کلکتہ میں کیا تو یہ کس قدر شرمناک ہے کیا ہمارے بلند بانگ لیڈر اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونگے،

جامع مسجد دہلی سے کباڑیوں کا اخراج

دہلی کی ایک اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر خوانچہ فروشوں اور کباڑیوں کا جو مجمع رہتا تھا اُسے وہاں سے ہٹا دیا گیا جس سے جامع مسجد کمیٹی کو پانسو روپیہ ماہوار کا نقصان ہوگا لیکن کمیٹی نے مسجد کی شان کو بحال و نمایاں کرنے کے لئے یہ اقدام کیا۔

ضرورت سے زیادہ ریزگاری رکھنا جرم ہے

نئی دہلی کے ایک سرکاری بیان میں بتایا گیا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت ملک کے اندر ریزگاری کی جو کمی پڑ رہی ہے [illegible]

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خاں ندوی

نائب سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۱۷ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۴)

۲۲-جنوری سنہ ۱۹۴۳ء کو بوقت ۴ بجے شام نواب آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور کے احاطۂ مزار میں "سالانہ فاتحہ" کا جلسہ وقار و سکون کے ساتھ منعقد ہوا جس کا اہتمام مرحوم کے خلف الرشید صاحب زادہ شہزادہ احمد خاں صاحب نے کیا تھا۔ مسلم یونیورسٹی کے عہدہ داران و ممبران اسٹاف اور دوسرے اصحاب نے اس جلسہ میں شریک ہو کر قرآن خوانی کی سعادت حاصل کی۔ بعد ختم قرآن مجید ختم ہوئے آخر میں سب حاضرین کو شیرینی تقسیم کی گئی۔ صاحبزادہ شہزادہ احمد خاں صاحب ہر سال نہایت محبت و عقیدت سے اس جلسہ کا اہتمام کیا کرتے ہیں۔

۲۳-جنوری کی شام کو خان بہادر قاضی عزیز الدین احمد صاحب بلگرامی کی دعوت پر کمیٹی فراہمی چندہ کا ایک جلسہ صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل میں منعقد ہوا۔ جلسہ میں حسب ذیل اصحاب نے شرکت فرمائی۔

(۱) مولوی سید طفیل احمد صاحب (۲) خان بہادر پروفیسر عبد المجید قریشی صاحب (۳) خان بہادر مولوی حاجی محمد عبید الرحمٰن خاں صاحب (۴) خان بہادر مولوی حاجی محمد حبیب اللہ خاں صاحب (۵) خان بہادر عبد المقیت خاں صاحب شروانی (۶) ڈاکٹر قاضی سعید الدین صاحب۔

سب سے پہلے حاضرین مجلس پر تکلف چائے سے لذت اندوز ہوئے جس کا اہتمام جناب قاضی عزیز الدین احمد صاحب کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس کے بعد انتقالیہ کمیٹی کے لئے چندہ فراہم کرنے کی غرض سے بعض معزز اصحاب کے نام تجویز کئے گئے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱- مسلم یونیورسٹی کے حلقہ میں فراہمی چندہ کا کام انجام دینے کے لئے پروفیسر عبد المجید قریشی صاحب قاضی سعید الدین صاحب اور ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی تجویز کئے گئے۔

۲- شہر علی گڑھ اور وکلاء کے حلقہ سے چندہ وصول کرنے کے لئے محمد انس خاں صاحب و محمد حفیظ الرحمٰن صاحب کے نام تجویز کئے گئے۔

۳- تحصیل اترولی اور اس کے نواح میں چندہ کی فراہمی خان بہادر عبد المقیت خاں صاحب شروانی اور عبد الصبور خاں صاحب شروانی کے متعلق کی گئی۔

جلسہ میں خان بہادر مولوی حاجی محمد عبید الرحمٰن خاں صاحب شروانی نے ڈھائی سو روپیہ کے عطیہ کا وعدہ فرمایا۔

۲۴-جنوری کی شام کو ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب کی دعوت پر کمیٹی نشر و اشاعت کا ایک جلسہ صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل میں منعقد ہوا، جس میں حسب ذیل اصحاب شریک تھے۔

(۱) ڈاکٹر محمد یوسف صاحب (۲) محمد اکرام اللہ خاں ندوی (۳) جمیل الدین صاحب (۴) احمد وہاب خدری صاحب (۵) قاضی عبد الرشید صاحب (۶) اے بیچ خواجہ صاحب (۷) سید الطاف علی صاحب۔

شرکاء جلسہ کے لئے ڈاکٹر محمد یوسف صاحب کی طرف سے عصرانہ اور اس کے متعلقات کا اہتمام بھی فراخدلی سے کیا گیا تھا۔ جلسہ میں بعض امور جو اجلاس سالانہ کے سلسلہ میں خبروں کی نشر و اشاعت سے تعلق رکھتے تھے طے ہوئے، اور یہ بھی قرار پایا کہ کانفرنس کے سالانہ اجلاس سے ایک دو روز پہلے اس کے خطبات صدارت، اردو اخبارات کو اشاعت کیلئے بھیجے جائیں نیز یہ کہ ایام اجلاس میں کمیٹی

برادری میں شامل ہو سکے لیکن زمانہ نے جو سبق بڑا ادب آموز ہے۔ رسم بھی باقی نہ رہنے دی اور اب تو یہ حالت ہے کہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہندو نوجوان تعلیم حاصل کرنے یا سیر و تفریح کے لئے انگلستان جاتے ہیں اور کوئی شخص اس کو برا نہیں سمجھتا۔ انہیں پاک کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

ان حالات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جو قوم ترقی کا عزم رکھتی ہو اس کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ثانی کر کے ان سب خرابیوں کا استیصال کرنا چاہیے۔ جو آگے بڑھنے میں روک پیدا کرتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کسی قوم میں یہ احساس کس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ہماری روزمرہ کی زندگی اور طریقہ کار میں نقائص موجود ہیں اور جب تک ان کی اصلاح نہ ہو ہم ترقی نہیں کر سکتے، ظاہر ہے کہ یہ احساس "تعلیم" سے پیدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں ابھی تک تعلیم نہیں پھیلی وہ صدیوں سے جس حالت میں زندگی بسر کر رہی ہیں، ابھی تک ان میں اپنی پستی کا احساس نہیں ہے۔ معلوم ہے دنیا کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی ہے، لیکن جب یہی وحشی و ناخواندہ قومیں حکومت یا اپنی ہم وطن قوموں کی توجہ و مہربانی سے تعلیم حاصل کر لیتی ہیں تو ان میں اپنی پسماندگی و مظلومیت کا ایک زبردست احساس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے حقوق حاصل کر لینے کی کوشش شروع کر دیتی ہیں۔

ہندوستان کی شودر قوموں یعنی اچھوتوں کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ لوگ ہزاروں برس سے ذلت و مظلومیت کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں علم سے انہیں دور کا تعلق بھی نہ تھا بلکہ علم حاصل کرنا ان کے لئے جرم کی حیثیت رکھتا تھا، ایک صدی آتی تھی اور گزر جاتی تھی پھر اسی طرح دوسری آتی اور گزر جاتی تھی لیکن اچھوتوں کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی، غرض نسل در نسل کی ہزاروں گردشیں بھی انہیں اپنی جگہ سے نہ ابھار سکیں۔

"اچھوت" اس ذلیل حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ ہندوستان میں بہت سے انقلاب ہوئے یہاں تک کہ موجودہ دور حکومت شروع ہوا۔ اور ملک میں تعلیم پھیلنے لگی، اچھوت بھی آخر اسی ملک میں رہتے تھے اس لئے وہ بھی اس ماحول سے ایک حد تک متاثر ہوئے۔ حکومت نے بھی ان کی حالت پر تھوڑی بہت توجہ کی اس کے علاوہ برادران وطن کی سیاسی مصلحتیں بھی اس امر کو مقتضی ہوئیں کہ اچھوتوں کی حالت زار پر کچھ توجہ کر کے ان کے ساتھ کچھ ہمدردی ظاہر کی جائے کیونکہ برادران وطن کو یہ خطرہ تھا کہ اگر اچھوتوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا گیا تو مسیحی مشنری ان کا شکار کریں گے، وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اچھوتوں میں سے جن لوگوں نے مسیحی مذہب قبول کر لیا ان کا معیار زندگی فی الجملہ بڑھ گیا اور ان کی ایک مستقل برادری اور سوسائٹی قائم ہو گئی۔

مسیحی مشنریوں کے علاوہ برادران وطن کو مسلمانوں سے بھی یہ خطرہ تھا کہ ان اچھوتوں کو اپنی برادری میں شامل کر لیں گے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اسلام میں چھوت چھات کی لعنت نہیں ہے، اس لئے مسلمانوں کی وسیع برادری میں شامل ہونے کے بعد اچھوتوں کی حیثیت بڑھ جائے گی، اور جس ذلت و خواری کی حالت میں وہ مبتلا ہیں اس سے نجات حاصل کر لیں گے غرض اچھوت خواہ مسیحی مذہب قبول کریں یا اسلام دونوں صورتوں میں یہ خطرہ موجود تھا کہ اچھوتوں کے نکل جانے کے بعد جن کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے، ہندوستان میں برادران وطن کی تعدادی اکثریت نہ رہے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی سیاسی اہمیت گھٹ جائے گی اور اس کھیل کا خاتمہ ہو جائے گا جو اکثریت کے بل پر کھیلا جا رہا ہے۔

غرض وجوہ کچھ بھی ہوں واقعہ یہ ہے کہ حکومت، برادران وطن کی توجہ اور مسلمانوں کی فراخدلی کی بدولت اچھوت بھی تعلیم سے آشنا ہوئے یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع بھی ملا (جیسے ڈاکٹر امبیدکار وغیرہ) اس تعلیم سے اچھوتوں میں اپنی بدنصیبی کا احساس پیدا ہوا۔ اور انھوں نے اس ذلیل و خوار حالت سے نکلنے کے لئے کوشش شروع کر دی اور ان لوگوں کی برادری میں سے جن لوگوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی وہ قدرتی طور پر قوم کے لیڈر قرار پائے، ان حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بنیادی چیز جس نے اچھوتوں جیسی درماندہ قوم میں احساس، بیداری، اور زندگی کی لہریں پیدا کیں "تعلیم" تھی، تعلیم ہی کی بدولت انھوں نے یہ جانا کہ ان میں کیا خامیاں ہیں، اور تعلیم ہی نے انھیں یہ بتایا کہ ان خامیوں کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے، اور وہ کونسا راستہ ہے جس پر چل کر وہ ترقی کر سکتے ہیں؟

مسلمانوں کی حالت اچھوتوں اور دوسری وحشی قوموں سے بالکل مختلف ہے ان میں ابتدا سے علم کا چرچا رہا مسلمانوں نے صرف خود ہی علم حاصل نہیں کیا بلکہ دوسری قوموں میں بھی علم کی اشاعت کے لئے زبردست کوشش کی، اس معاملہ میں مسلمانوں کی فیاضی و فراخدلی ضرب المثل ہے اور تاریخ اس کی بہترین شاہد ہے لیکن اس دور آخر میں جو مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا دور تھا علمی حیثیت سے بھی مسلمانوں نے تنزل کیا خصوصاً انقلاب حکومت کے بعد مسلمانوں کی حالت نہایت ابتر ہو گئی۔

اس جدید دور میں وقت کا مطالبہ یہ تھا کہ مسلمان علوم جدیدہ حاصل کر کے اس انحطاط پذیر حالت سے نکلنے کی کوشش کریں لیکن بدنصیبی سے انھیں اس کا موقع نہ ملا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قومیں جو اپنی حیات کے کسی دور میں بھی علمی حیثیت سے مسلمانوں کی ہمسر نہیں ان سے اس قدر آگے بڑھ گئیں کہ مسلمان ان کی تیز رفتاری سے حیرت زدہ رہ گئے،

مسلمانوں کے انحطاط کے ساتھ مشرقی علوم کا پہلے ہی زوال ہو چکا تھا لہذا مسلمانوں کے لئے صرف ایک ذریعہ رہ گیا تھا کہ وہ وقت کے مطالبہ کے مطابق علوم جدیدہ حاصل کر کے دوسری قوموں کے دوش بدوش چلنے کی کوشش کریں لیکن جب مسلمان ایسا نہ کر سکے تو دوسری قوموں کے مقابلہ میں ان کا پیچھے رہ جانا ایک قدرتی بات تھی،

ایک خاص مدت تک جمود و تعطل میں مبتلا رہنے کے بعد مسلمان تعلیم پر متوجہ ہوئے۔ چنانچہ اب پچاس ساٹھ برس سے وہ اس جد و جہد میں مصروف ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ جد و جہد لائق اطمینان ہے اور اب اس سلسلہ میں کسی مزید کوشش کی ضرورت نہیں۔

ہم نے اوپر یہ عرض کیا ہے کہ قومی ترقی کے سلسلہ میں جو سیاسی، مذہبی یا اصلاحی تحریکیں ملک میں جاری ہیں وہ سب ان لوگوں کی بدولت چل رہی ہیں جو ان تحریکوں میں کام کرنے کے لئے شریک ہو گئے ہیں،

لیڈروں کا شاندار استقبال، اللہ اکبر و زندہ باد کے نعرے، اور مذہبی و سیاسی جلسوں کی شان و شوکت، نیز حاضرین کی کثرت محض اس وجہ

دہلی کے سو سال پہلے کے دو اردو اخبارات

ڈاکٹر آئی، ایچ، قریشی، (ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، کیمبرج) نے انڈین ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن کے اٹھارویں اجلاس میں جس کی کارروائی ابھی کتابی شکل میں شائع ہوئی ہے۔ ایک مقالہ پڑھا تھا جس میں آپ نے اردو کے دو اخبارات کا حال بیان کیا ہے۔ یہ اخبارات ایک سو سال پہلے دہلی سے شائع ہوتے تھے اور کم و بیش ان کی ہر اشاعت میں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی غزلیں چھپتی تھیں ان اخبارات سے مغلیہ دارالحکومت کی معاشی زندگی اور یہاں کی دلچسپیوں کے متعلق قابل قدر اطلاعات ملتی ہیں۔

یہ دونوں اخبار ہفتہ وار تھے اور دونوں میں بادشاہ کی صحت اور ان کے مشاغل و مصروفیات کے حال پر مشتمل قلعہ معلی کے خبرنامے نمایاں طور پر شائع ہوتے تھے۔ ان خبرناموں سے بڑے پتہ کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ دربار جو کسی زمانہ میں بڑی شان و شوکت کا مالک تھا اب اس کی حالت کس قدر پست ہو گئی تھی اور نام نہاد [illegible] مغل تاجدار کو اپنا نمائشی وقار برقرار رکھنے کے لئے کیسے کیسے جتن کرنے پڑتے تھے۔

اخبار دہلی ان میں سے ایک کا نام "اخبار دہلی" تھا جو بڑے سلیقہ سے مرتب کیا جاتا تھا۔ اس کا معیار بلند تھا اور تبصروں میں غیر جانبداری سے کام لیا جاتا تھا۔ اس اخبار کی زبان اس زمانہ کی فصیح اردو تھی جو دہلی میں بولی جاتی تھی اور جسے پڑھ کر زبان چٹخارے لیتی ہے۔ یہ اخبار عمدہ کاغذ پر لیتھو میں چھپتا تھا۔

ڈاکٹر قریشی نے اس اخبار کا جون ۱۸۵۱ء سے فروری ۱۸۵۲ء تک کا فائل دیکھا ہے جو دہلی کے سابق چیف کمشنر سر جان ٹامسن آنجہانی کے پاس تھا۔ ان اشاعتوں میں چار بڑے واقعات یعنی اکبر شاہ ثانی کی رحلت، بہادر شاہ ثانی کی تخت نشینی۔ برطانوی سالار اعظم اور گورنر جنرل کی آمد کے حالات درج ہیں۔ اور ان واقعات اور ان کے تمام رسوم و آداب کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اخباروں کے اس مجموعہ میں بہادر شاہ کی تخت نشینی کے بعد کی جتنی اشاعتیں ہیں ان میں سے ہر ایک میں بادشاہ کا کلام شائع ہوا ہے۔ بہادر شاہ مرحوم بلند پایہ شاعر تھے اور دلی کی فضا پر اس وقت جو پستی اور مایوسی طاری تھی اس کا عکس ان کے کلام کے سوز و گداز میں پایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی "استادِ شہ" ملک الشعرا ذوق کی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں لیکن ذوق کے ہمعصر اور اردو کے سب سے بڑے شاعر غالب کے کلام کی طرف سے بے اعتنائی برتی جاتی تھی۔

دہلی کے نام نہاد رسمی بادشاہ کا تذکرہ ہمیشہ محبت و احترام کے ساتھ کیا جاتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل دہلی بادشاہ کو پرانی عظمت کی یادگار سمجھتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ "اخبار دہلی" کافی باخبر پرچہ تھا جس میں ہندوستان اور ممالک عالم کے معاملات پر ہوش مندانہ تبصرے ہوتے تھے۔ یہ اخبار ہمسایہ حکومتوں کے معاملات میں بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ اور بیگم سمرو کی حکومت کی مذمت کرتا تھا اور اسے خون آشام بتاتا تھا اس مذمت کی شہادت میں اخبار مذکور میں اعداد و شمار اور واقعات بھی پیش کئے جاتے تھے۔

برطانوی نظام حکومت کے بعض اقدامات پر بھی بڑے مؤثر لہجہ میں نکتہ چینی کی جاتی تھی بعض اقدامات سے ناراضگی کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے جو ۱۸۵۷ء میں اپنی انتہا کو پہنچ گئے۔

اس زمانہ میں دہلی میں جو انگریزوں کی قلیل جماعت موجود تھی اس کی معاشی زندگی کے دلچسپ پہلوؤں پر بھی اس اخبار نے روشنی ڈالی ہے۔ سہ پہر کے وقت گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلنا۔ کشتی چلانا، اور مچھلی کا شکار ان کی دل پسند تفریحیں تھیں۔ ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں۔

"صاحبوں میں سبز بال خواتین بے دریغ روپیہ صرف کر سکتی تھیں۔ زندگی کی بے مزگی اور یکسانیت کو دور کرنے کے لئے کبھی کبھی بازی گر کا تماشہ یا ناچ بھی ہو جاتا تھا یورپین آبادی کی معاشی دلچسپیوں اور معرکوں میں اکثر اور ہندو دولت مند نمایاں حصہ لیا کرتے تھے اور یہ دونوں بہت ہر دلعزیز تھے۔

"نور مشرقی" دوسرا اخبار "نور مشرقی" لیتھو میں عمدہ قسم کے موٹے بادامی کاغذ کے چار صفحات پر چھپتا تھا اور ہر صفحہ میں دو کالم ہوتے تھے۔ اس کے ایک پرچہ کی قیمت ایک آنہ تھی اور اشتہاروں کے شائع کرنے کی اجرت فی پرچہ ایک آنہ فی سطر تھی (اس زمانہ میں اشتہار بہت کم تھے) یہ اخبار جمعہ کو شائع ہوتا تھا اور اخبار نمبر ۲ جلد اول۔ ۲۴ فروری ۱۸۵۳ء کو شائع ہوا تھا۔

اس اخبار میں مقامی خبروں کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ اس میں زیادہ تر بازاروں کے جھگڑے اور دربار کی سازشوں کا حال درج ہوتا تھا۔ ترکی، ایران اور حیدرآباد کی خبروں کے سوا باقی ممالک کی خبریں بہت مختصر ہوتی تھیں [illegible] ڈاکٹر قریشی کے پاس ہیں اور [illegible] ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئے۔ [illegible] ملکوں کے [illegible] بالخصوص مشرق وسطیٰ [illegible] کی سرگرمیوں [illegible] اور [illegible] پر بہت [illegible] گئی ہے۔

[illegible] کی فصیح اردو ہے جس میں [illegible] اردو کے استعارے بھی پائے جاتے ہیں [illegible] انگریزی الفاظ بھی [illegible] موجود ہیں [illegible] "نور مغربی" [illegible] "نور مشرقی" اور "نور مغربی" [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] خود ایک دوسرے کی [illegible] نکالے گئے تھے۔

(مرکزی اطلاعات)

ترکی وفد کی ہندوستان میں آمد

ہم اپنے آپ کو اجنبی نہیں سمجھتے

۱۶ جنوری [illegible] ترکی کے [illegible] رکنی وفد آج شام ہندوستان پہنچ گیا [illegible] اور مرکزی حکومت کے نمائندوں کے علاوہ کل ہند مدیران جرائد کانفرنس کی طرف سے [illegible] ترک [illegible] نے ان کا استقبال کیا۔ وفد کے تمام ارکان فرانسیسی زبان بولتے ہیں ان میں سے ایک صاحب جو حکومت ترکی کے محکمہ صحافت کے رکن ہیں اور جن کا نام [illegible] ہے صاف اور رواں انگریزی بولتے ہیں۔

ہندوستان کے دوست اسی اثنا میں کے نمائندے سے وفد کے لیڈر عطا صاحب نے کہا کہ ہم ہندوستان کے چار ملکوں میں داخل ہو گئے ہیں اور ہمیں بالکل یہ محسوس ہو کہ ہم یہاں اجنبی ہیں۔

اخباری نمائندے نے ان سے ہندوستان کے اخبارات کو ایک پیام دینے کے لئے کہا عطا صاحب نے کہا کہ ہمیں ہندوستان آکر بڑی مسرت ہوئی اس لئے کہ ہم کو دعوت دے کر حکومت ہند نے ہمیں دو ماتوں کا موقع دیا ہے۔ ایک ہندوستان کی خوبصورتی اور اس کی پرانی تہذیب کا مطالعہ کرنے کا اور دوسرے ہندوستان کے لوگوں سے ملنے جلنے کا جن کے لئے

ترکوں کے دلوں میں بڑی جگہ ہے۔

ہم دونوں کے ملک ایک دوسرے سے بہت دور ہیں مگر پھر بھی ہماری ہمدردیوں کے اعتبار سے ہم بالکل نزدیک ہیں اس کا پرشمار ہونے کی وجہ ترکی کی تمنا ہے کہ ہندوستان اس لڑائی کے دور سے سلامتی کے ساتھ باہر نکل آئے اور اس کا نقصان کم سے کم ہو۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو ہندوستان کی معاشرت سے کوئی دلچسپی ہے عطا نے کہا کہ ہندوستان جیسے ملک میں جو بھی پیش آئے گا وہ ہمارے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ خصوصیت کے ساتھ اس لئے کہ ہم اخبار نویس ہیں اور دوستانہ اخبار نویس۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم کو ہمیشہ ہندوستانیوں سے مل کر مسرت ہوتی ہے۔

ان سے یہ پوچھا گیا کہ آیا اس کا امکان ہے کہ وفد چین جائے گا تو عطا نے کہا کہ ان کی یہ ساری سیاحت حکومت ہند کی دعوت پر ہوئی ہے اور چین جانے کا سوال حکومت کی اس دعوت پر ہی موقوف ہوگا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ بعض ارکان وفد مجلس ملی کے نائب ہیں اور پارلیمانی فرائض کی ادائگی کے خیال سے جلد ہی واپس ہونا چاہتے ہیں۔

عطا نے اخبار نویسوں سے کہا کہ ترکی کا وفد تمام ہند مدیران جرائد کی کانفرنس کے صدر مسٹر [illegible] سے ملاقات کا متمنی ہے۔ ہندوستان کے اخبار نویسوں اور دوسرے لوگوں نے ترکی کے اس وفد کا خیر مقدم کرتے ہوئے بیشمار تار دئے ہیں۔

ہندوستان کے ایک اخبار نویس نے جب وفد سے یہ کہا کہ "ہم نہ تو جاپانیوں کو یہاں چاہتے ہیں نہ جرمنوں کو بلکہ ہم حکومت خود اختیاری چاہتے ہیں" تو وفد کے ایک رکن نے کہا کہ انھوں نے اس نقطۂ نظر کو بہت پسند کیا اور کہا "ہم ہندوستان کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ ہمارا دوست ہے ہندوستان ہماری مشکلات اور مصائب میں ہم سے ہمدردی رکھتا ہے اور ہم نے اس سے ہمیشہ تعلقات قائم رکھے ہیں۔ برطانیہ سے بھی ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔

شام میں وفد کے ارکان تفریح کے لئے باہر گئے تھے وفد کے بعض ارکان ہندوستان کی مختلف زبانوں کے رسم الخط سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں انھوں نے دریافت کیا کہ "ترکی وفد" کا لفظ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں کس طرح لکھا جاتا ہے۔

انھوں نے اپنی زبان کے رسم الخط کا ذکر کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا کہ ترکی زبان کا قدیم رسم الخط ترک کر دیا گیا ہے اور الفاظ کا تلفظ رومن رسم الخط میں لکھا جاتا ہے ترکوں کی موجودہ نسل قدیم رسم الخط سے واقف نہیں ہے۔

یہ سب حضرات خاص انقرہ سے آئے ہیں اور اگرچہ پیشہ کے اعتبار سے اخبار نویس ہیں لیکن کسی نہ کسی طرح یہ سب کے سب ترکی حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ وفد حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہے۔

عطا وفد کے صدر ہیں۔ انھوں نے گزشتہ جنگ عظیم میں حصہ لیا تھا اور ۱۹۲۳ء سے ترکوں کی مجلس کبیر ملی میں نائب رہے ہیں۔ انھوں نے ترکی زبان کی اصلاحات میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور نیم سرکاری ترکی اخبار الوس کے مدیر بھی ہیں۔ انھوں نے انگلستان، جنوبی امریکہ اور دوسرے کئی ممالک کی سیاحت کی ہے۔ ترکی کی انجمن صحافت کے بھی صدر ہیں۔

صادق۔ ترکی کی مجلس کبیر ملی کے نائب ہیں اور سرکاری وفدوں کے ہمراہ کئی بیرونی ممالک کو بھیجے جا چکے ہیں۔ وہ ترکی کے محکمۂ امور خارجہ کے رکن ہیں اور استنبول کے اخبار آقشام کے مدیر خصوصی ہیں۔

مالی مسیح ملو۔ اناطولین نیوز ایجنسی کے ڈائرکٹر ہیں اور ترکی کے وزیر خارجہ کے بھائی ہیں۔

آ[illegible]۔ ترکی کے محکمۂ خارجہ کے سررشتہ آداب و رسوم کے صدر ہیں۔ وہ سفارت طہران، ٹوکیو اور میڈرڈ میں سفارت کی خدمات بھی انجام دے چکے ہیں۔

بلیغ۔ ترکی کے محکمۂ صحافت کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل ہیں۔

فلک۔ ترکی کے سربرآوردہ اخبار نویس ہیں۔

ترکی اخبار نویسوں کا وفد

ترک اخبار نویسوں کا ایک مشن ہندوستان پہنچ چکا ہے۔ ان کے نام اور مختصر حالات ذیل درج کئے جاتے ہیں۔ موسیو عطائی۔ گزشتہ جنگ عظیم میں شریک تھے ۱۹۲۳ء سے ترکی مجلس ملیہ کبیر کے رکن ہیں ترکی زبان میں انھوں نے بہت اصلاحات کی ہیں ترکیہ کے نیم سرکاری اخبار الوس کے چیف اڈیٹر ہیں یورپ اور امریکہ میں وسعت کے ساتھ سفر کر چکے ہیں۔ اس وفد کے جو ہندوستان میں آیا ہے صدر ہیں۔

موسیو صادق ۱۹۲۳ء سے مجلس ملیہ کبیر ترکیہ کے رکن ہیں حکومت ترکیہ کی طرف سے غیر ممالک کو جو وفد بھیجے گئے ان میں سے بہت سوں میں موسیو صادق شریک تھے۔ ترکی کے امور خارجہ کے رکن تھے۔ استنبول کے مشہور اخبار اقشام کے چیف اڈیٹر ہیں۔ فن اجتماعیات کے مطالعہ میں بہت شغف رکھتے ہیں۔

موسیو لینی لبیبغلو اناطولیہ کی خبر رساں ایجنسی کے ڈائرکٹر ہیں بہت وسعت کے ساتھ سفر کر چکے ہیں۔

موسیو ارتیل ترکیہ کے دفتر خارجہ میں چیف پروٹوکل ہیں۔ سفارت طہران، ٹوکیو اور میڈرڈ میں سفارتی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

موسیو برہان بیلج اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل پریس بیورو۔ وسعت کے ساتھ سفر کر چکے ہیں۔

موسیو فلک بہت مشہور اور سربرآوردہ مضمون نگار ہیں۔ ترکی کے تمام ممتاز اخبارات میں مضامین لکھتے ہیں اور وہ بڑے شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

کراچی میں حکومت ہند کی طرف سے میجر بیگ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ فوج کی طرف سے جنرل ہنٹ نے اور آل انڈیا نیوز پیپرز ایڈیٹرس کانفرنس کی طرف سے مسٹر [illegible] نے۔ ترکی مشن میں سب لوگ فرانسیسی بولتے ہیں۔ صرف موسیو برہان بیلج انگریزی زبان میں بھی بے تکلف گفتگو کر سکتے ہیں۔ خیر مقدم کے موقع پر میجر بیگ نے ترجمانی کی۔ موسیو عطائی صدر نے فرانسیسی زبان میں کہا "بہت بہت شکریہ"۔

ہوٹل میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد سکریٹریٹ میں وزیر اعظم سندھ کے ساتھ ترکی مشن نے چائے پی۔ اس چائے کی دعوت میں مسٹر ہڈ [illegible] کے بعض وزرا اور بڑے سرکاری حکام شریک تھے۔ ان بہت سے اخبار نویسوں کے علاوہ جن کا وفد سے تعارف کرایا گیا مسٹر ای جی پیرن منیجنگ ڈائرکٹر ٹائمز آف انڈیا اور سر فرانسس جیف اڈیٹر ٹائمز آف انڈیا بھی تھے وزیر اعظم سندھ کے خیر مقدم کے جواب میں موسیو عطائی صدر وفد نے اپنے رفقا کی طرف سے شکریہ ادا کیا اور فرمایا۔ ہم یہاں ہندوستانیوں سے ملنے آئے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ جب ہم کراچی واپس آئیں گے تو اس سے زیادہ کہہ سکیں گے۔

ہندوستانی اخبار نویسوں میں سے جب ایک نے کہا کہ ہم نہ جاپان کو چاہتے ہیں اور نہ جرمنی کو ہم اپنی حکومت چاہتے ہیں تو موسیو عطائی نے فرمایا

[illegible] نظر کو ہم بڑی پسندی کی نظر سے دیکھتے ہیں
[illegible] ہندوستان کی سلامتی سے بڑی گہری دلچسپی ہے
[illegible] ہندوستان ہمارا دوست ہے۔ ہماری مصائب
اور دشواریوں میں ہندوستان نے ہمارے ساتھ
ہمدردیاں کی ہیں۔ ہمارے درمیان۔ دوستی برابر
قائم رہی ہے اور انگلستان سے ہمارے تعلقات
اخلاص مندانہ ہیں۔

۱۸ جنوری کو ترکی مشن آگرہ میں تھا وہاں اس نے فتح پور سیکری، سکندرہ، قلعہ اور تاج اور دوسری تاریخی عمارتیں دیکھیں۔ اکبر کی قبر پر پانچوں ترک کوئی بیس منٹ تک کھڑے رہے۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس کے نامہ نگار نے یہ محسوس کیا کہ وہ اس پر نازاں تھے کہ اکبر ترک، ترک قوم کا ایک فرد تھا۔ انہوں نے اس سلسلے میں جو بعض باتیں کہیں اس سے یہ اندازہ ہوا کہ وہ ہندوستان میں دورِ مغلیہ کی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ تاج کے حسنِ تعمیر کو دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے اور انہیں سلطان سلیمان کی شوکت و حشمت یاد آگئی جو شاہجہاں کا ہمعصر تھا۔ مسجد سلیمانیہ اور تاج میں ان کو بہت مشابہت معلوم ہوئی۔ مسجد سلیمانیہ استنبول میں ہے اور اسی زمانہ میں تعمیر ہوئی جب تاج بنا۔

قلعہ میں انھوں نے موتی مسجد دیکھی۔ اس کو دیکھ کر وفد کے کسی رکن نے کہا کہ ہمارے ہاں بڑی بڑی مسجدیں ہیں مگر ایسی خوبصورت کوئی نہیں۔ موسیو عطائی صدر وفد آگرہ میں مسلم لیگ کے صدر اور ارکان سے بھی ملے۔

یہ معلوم کر کے ہمیں مسرت ہوئی کہ سرکاری پروگرام کے علاوہ ترکی وفد کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جن لوگوں سے چاہیں ملیں اور جن کی چاہیں دعوت قبول کریں۔ چنانچہ دہلی میں انھوں نے نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب آنریری سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کے ہاں لنچ کی۔ اخبار "ڈان" کی طرف سے اور مسلم لیگ دہلی کی طرف سے الگ الگ چائے کی دعوتیں منظور کیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کو اس کی بڑی مسرت [illegible] کہ ترکی اخبار نویسوں کا وفد ایسے زمانہ میں آیا [illegible] ہندوستان کا مستقبل صورت پذیر ہو رہا ہے اور [illegible] مسائل پر برطانیہ اور مسلمانوں کے درمیان تین سال سے گفت و شنید ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ ارکانِ وفد مسلمان لیڈروں سے مل کر ہندوستان کی سیاست کو اچھی سمجھیں گے اور اپنے ہموطنوں کو اور دنیا کو مسلمانوں کی سیاسی روش اُن کے مقاصد اور نقطۂ نظر سے آگاہ کریں گے۔ (منشور)

تعلیمی تحریک کی اہمیت

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کے)

سے ہے کہ لوگوں کو ان تحریکوں سے عموماً دلچسپی پیدا ہو گئی ہے، یہاں تک کہ بہت سے لوگ دور دراز سفر کی زحمتیں برداشت کر کے ان جلسوں میں شریک ہونے کے لئے آتے ہیں، لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ جس تحریک کی بدولت مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ وہ قومی ضروریات اور ملکی پالٹکس میں حصہ لیں وہی تحریک۔ سب سے زیادہ کس مپرسی کی حالت میں ہے، اس سے ہماری مراد تعلیمی تحریک ہے جس کی کامیابی پر ہماری قوم کی ترقی منحصر ہے۔

سیاسی و مذہبی جلسوں میں لوگ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور جو کچھ وہاں پیش ہوتی ہیں اُن کی نہایت جوش و خروش سے تائید کرتے ہیں، برخلاف اس کے تعلیمی جلسے عموماً سرد نظر آتے ہیں، نہ حاضرین کی وہ کثرت ہوتی ہے، نہ وہ جوش و خروش پایا جاتا ہے جس کا مظاہرہ سیاسی جلسوں میں ہوتا رہتا ہے، اسی طرح تعلیمی کام کرنے والے لیڈروں کی بھی عوام میں کوئی خاص قدر و منزلت نہیں ہے۔ ہماری قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی ساری عمر تعلیمی خدمت میں گزر گئی ہے اور جو سالہا سال خلوص و نیت سے مسلمانوں میں تعلیم کی اشاعت کے لئے کوشش کر رہے ہیں لیکن تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے بھی اُن کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی نہ کوئی اُن کے لئے زندہ باد کے نعرے بلند کرتا ہے۔ نہ اُن کے خیالات توجہ سے سنتا ہے۔ عموماً تعلیمی جلسوں میں عموماً ایک افسردگی سی پائی جاتی ہے اور ماہرینِ فن کے لیکچر بے توجہی سے سنے جاتے ہیں حیرت تو یہ ہے کہ تعلیم یافتہ اصحاب بھی جو تعلیم کی قدر و قیمت سے بخوبی واقف ہیں تعلیمی مسائل، تعلیمی جلسوں اور تعلیمی اخبارات و رسائل سے کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساری قومی تحریکوں میں صرف تعلیمی تحریک سب سے زیادہ کس مپرسی کی حالت میں ہے، اور عام طور پر لوگوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح دوسری سیاسی و مذہبی تحریکوں کے لئے کام کرنے والے مل جاتے ہیں کسی تعلیمی خدمت کے لئے نہیں ملتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ حالت ہے کہ ہماری قوم کے بعض تعلیم یافتہ نوجوان بالمعاوضہ بھی تعلیمی کام کے لئے آمادہ نہیں ہوتے یعنی جب تک انہیں کسی دوسرے محکمہ میں ملازمت مل سکے، محکمہ تعلیم میں ملازمت کرنا حتی الامکان پسند نہیں کرتے۔

جب تعلیمی تحریک کی یہ قدر و منزلت ہے تو وہ لوگ واقعی لائق ستائش ہیں جو ملک کی اس بے اعتنائی کی حالت میں بھی کسی نہ کسی طریقہ سے اپنی قوم کی تعلیمی ترقی کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور انہیں اس کی مطلق پروا نہیں ہے کہ اُن کی قوم اس خدمت کی کوئی قدر کرتی ہے یا نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے مخلصین جو اس کس مپرسی کی حالت میں کام کر رہے ہیں بہت تھوڑے ہوتے ہیں حالانکہ حالات موجودہ میں بہت سے کام کرنے والوں کی ضرورت ہے،

اس وقت ہندوستان کی دوسری قوموں میں ہزاروں کام کرنے والے ہیں جو مختلف طریقوں سے تعلیم کی ترقی و اشاعت کے لئے سرگرمی سے کوشش کر رہے ہیں، کام کرنے کا حوصلہ اُن میں اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ قوم اُن کی خدمات کو بہ نظرِ استحسان دیکھتی ہے اور ہر موقع پر اُن کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جس سے اُن کی ہمت بڑھتی ہے۔ مسلمان بھی اگر تعلیم کی کوئی قدر و قیمت اور اہمیت محسوس کرتے ہیں تو اُن کا فرض ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے تعلیمی کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ وہ تعلیم کی اشاعت و ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ کام انجام دے سکیں جس کی ہماری قوم کو شدید ضرورت ہے۔

روس کو برطانیہ اور امریکہ کی امداد

واشنگٹن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ امریکہ سے

دھارا ور پٹہ کے قانون کے ماتحت جو سامان روس بھیجا گیا اس میں ۰۰ ۲۳ ٹینک اور ۰۰ ۲۶ ہوائی جہاز اور ۱۸ ہزار فوجی گاڑیاں شامل ہیں ادھار و پٹہ کے قانون کے ایڈمنسٹریٹر نے ان اعداد و شمار کا انکشاف کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہم ابھی تک روس کو اس قدر سامان نہیں بھیج سکے جتنا کہ ہم بھیجنا چاہتے ہیں لیکن جہازوں کی کمی اور جہازوں پر دشمن کے حملوں کے باوجود جو سامان بھیجا جا رہا ہے اس میں ہر مرتبہ اضافہ ہو رہا ہے۔

گزشتہ نومبر میں جو سامان بھیجا گیا وہ ایک ریکارڈ تھا۔ اس مہینہ میں بمقابلہ جنوری ۱۳ گنا سامان بھیجا گیا۔ برطانیہ روس کو ۲۶۰۰ ٹینک اور دو ہزار سے زیادہ ہوائی جہاز بھیج چکا ہے امریکہ سے ادھار اور پٹہ کے قانون کے ماتحت اب روس کو خور و نوش کا سامان بھی پہلے کے مقابلہ میں زیادہ مقدار میں بھیجا جا رہا ہے۔

مختصر نوٹ اور واقعات

چنگاؤں کے اسکول بند

چنگاؤں کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ مقامی تعلیم گاہوں کے منتظمین نے شہر کے سب ہائی اسکول عارضی طور پر بند کر دئے ہیں اور میٹرکولیشن کے امیدواروں کو ان کے سابقہ نتائج کی بنا پر ترقی دے دی گئی ہے جو طلبہ کسی دوسری جگہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل ہونا چاہتے ہیں انھیں سرٹیفکیٹ دئے جا رہے ہیں۔

کالج کی عمارت میں آگ لگی

بمبئی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ کل رات کو وڈبرا ایک عمارت میں آج شام کو آگ لگ گئی۔ اس عمارت میں سڈنہم کالج آف کامرس کی کلاسیں بھی جاری تھیں فائر بریگیڈ نے آگ جلد بجھا دی لیکن پھر بھی کچھ فرنیچر جل گیا۔

چھوٹے سکوں کا قانون

نئی دہلی ۲۳ جنوری۔ آج ہندوستان کے سکوں کے قانون کے ماتحت حکومت ہند کے گزٹ میں ایک اعلان شائع ہوا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آج ۲۳ جنوری سے دونی کا وزن ۹۰ گرین ٹرائے، اکنی کا وزن ۶۰ گرین ٹرائے، ادھنی کا وزن ۴۵ گرین ٹرائے، اور پیسہ کا وزن ۳۰ گرین ٹرائے ہوگا۔

نیا پیسہ

نئی دہلی کی ایک اطلاع مورخہ ۲۳ جنوری میں بتایا گیا ہے کہ فروری ۱۹۴۳ء کے شروع میں حکومت ایک نئی شکل و صورت کا پیسہ جاری کرے گی جس کا وزن ۷۵ گرین کے بجائے صرف ۳۰ گرین ہوگا۔ یہ پیسہ بھی گول ہوگا۔ اور اس کے قطر کے عین وسط میں کنارے سے تقریباً ۳ انچ کے فاصلہ پر ایک گول سوراخ ہوگا۔ اس کے ایک طرف انگور کی پتیوں کی بیل اور پیسہ کی قیمت انگریزی، ہندی اور اردو میں اور تاریخ ہوگی۔ دوسری جانب تاج شاہی ہوگا۔

حکومت نے اس سلسلہ میں جو اعلان شائع کیا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ لوگوں نے دھاتوں کی قیمتیں بڑھ جانے کی امید پر دھاتوں کو پگھلانا شروع کر دیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سکوں کی اصلی قیمت سے ان کے دھاتوں کی نسبت کہیں کم ہے اور ان کے اس قدر بڑھنے کی بھی کوئی امید نہیں ہے کہ وہ سکوں کی اصلی قیمت کے برابر پہنچ سکیں، حکومت عوام کی اس ذہنیت کو ختم کرنے کے لئے ہی نیا پیسہ جاری کر رہی ہے۔

گیہوں سے کنٹرول برخاست

نئی دہلی۔ حکومت ہند کا ایک اعلان مظہر ہے کہ ملک میں اناج کی کمی کے باعث جو نازک صورت حالات پیدا ہو رہی ہے اس سے حکومت کو بہت تشویش ہے اسے اس بات کا علم ہے کہ اناجوں میں گیہوں کی بعض علاقوں میں خاص طور پر بہت کمی ہے اور اگرچہ دوسرے اناجوں کی اتنی زیادہ کمی نہیں ہے لیکن جنگ سے پیشتر کے مقابلہ میں ان کی قیمتیں بہت چڑھ گئی ہیں۔

برما کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے اگرچہ چاول کسی قدر کم مل سکا ہے اور اگرچہ جنگ کے حالات کی وجہ سے اناج کی مانگ میں بھی کچھ اضافہ ہو گیا ہے لیکن حکومت ہند کو اس بات کا یقین ہے کہ موجودہ شدید کمی کے ذمہ صرف مندرجہ بالا حالات ہی کلیتاً ذمہ دار نہیں ہیں حکومت کی رائے میں یہ کمی خاص طور پر اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ کاشتکاروں، زمینداروں، بیوپاریوں اور عوام نے اناج کا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے حکومت ہند کو اس امر کا یقین ہے کہ اگر یہ ذخیرے بازار میں آ جائیں اور ایمانداری سے خریداروں کو فروخت کئے جائیں تو اس امر کا بہت کم اندیشہ ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو اپنی روزمرہ کی ضروریات میں کمی کرنی پڑے گی۔

جہاں تک قیمتوں کا تعلق ہے پچھلے سال میں زیادہ سے زیادہ بھاؤ مقرر کر کے قیمتوں کو کنٹرول کرنے کی ایک سے زیادہ بار کوشش کی گئی لیکن یہ کوشش محض جزوی طور پر کامیاب ہو سکی۔ بدیں وجہ حکومت ہند نے اپنی فوری مشکلات حکومت برطانیہ کے روبرو پیش کیں اور حکومت ہند کو اس امر کا اعلان کرتے ہوئے ایک گونہ مسرت ہوتی ہے کہ حکومت برطانیہ قطع نظر اس کے کہ جنگ کے باعث جہازوں پر بہت زیادہ بار ہے آئندہ دو یا تین ماہ میں گیہوں کی فراہمی کے لئے کافی تعداد میں جہاز دینے کو رضامند ہو گئی ہے۔ جب یہ جہاز گیہوں لے کر ہندوستان پہنچیں گے تو ان علاقوں کو بھیج دئے جائیں گے جہاں گیہوں کی بہت زیادہ کمی ہے اور ان علاقوں کی حکومتیں اس گیہوں کو حسب ضرورت مناسب طریقہ پر اپنے اپنے علاقوں میں فروخت کرائیں گی۔ امید کی جاتی ہے کہ گیہوں موجودہ کھلے بھاؤ کے مقابلہ میں سستا فروخت ہوگا۔

حکومت ہند نے حکومت پنجاب سے مشورہ کے ..... بعد یہ بھی انتظام کیا ہے کہ فوراً سرکاری خریداری کی ایک ایجنسی قائم کی جائے جو براہ راست حکومت پنجاب کے ماتحت اور اس کی امداد سے کام کرے گی۔ حکومت کا یہ بھی ارادہ ہے کہ جن علاقوں میں گیہوں افراط سے مل سکتا ہے وہاں بھی خریداری کی سرکاری ایجنسیاں قائم کی جائیں۔ یہ ایجنسیاں صرف صوبوں میں ہی قائم نہیں کی جائیں گی بلکہ ان ریاستوں میں بھی قائم کی جائیں گی جہاں معقول مقدار میں گیہوں مل سکتا ہے اور جو حکومت کے ساتھ اس اسکیم میں تعاون کرنے پر آمادہ ہیں۔ ان ایجنسیوں کا یہ کام ہے کہ وہ ان علاقوں میں جہاں زائد اناج ہے اناج خرید کر ہندوستان کے ان علاقوں میں جہاں اناج کی کمی ہے اور فوجی ضروریات کے لئے اناج مہیا کریں۔ صوبوں اور ریاستوں سے اناج باہر بھیجنے کی ممانعت کر دی جائے گی اور صرف سرکاری ایجنسیوں کو گیہوں برآمد کرنے کی اجازت ہوگی۔ یہ ایجنسیاں جو مال خریدیں گی وہ حکومت ہند کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ جو ملک کی ضروریات کے مطابق اس کو تقسیم کرے گی اور اس امر کے پیش نظر کہ کہیں یہ اناج بھی جمع نہ کر لیا جائے

[illegible] تک کریں گی۔ وہ [illegible] [illegible] گی کہ اناج سستے داموں [illegible] جائے۔ حکومت ہند کو اس امر [illegible] کہ وہ اس طرح اناج پیدا کرنے والے [illegible] برآمدی تجارت کرنے والوں میں مقابلہ [illegible] کا خاتمہ کر سکے گی اور غیر ملکی گیہوں ہندوستان میں درآمد کرنے کے بعد قیمتوں کو اس سے کہیں بہتر [illegible] قابو میں رکھ سکے گی جیسے کہ آج تک رکھ سکی ہے۔ اندریں حالات یہ فیصلہ کیا ہے کہ حکومت گیہوں کا زیادہ سے زیادہ بھاؤ مقرر کرنے کے متعلق حکومت ہند کے محکمہ تجارت کا نوٹیفکیشن [illegible] مجریہ ۵ دسمبر ۱۹۴۲ء [illegible] مجریہ ۲۸ مارچ [illegible] واپس لے لیا گیا ہے اور یہ کہ صوبجاتی حکومتوں سے بھی مندرجہ بالا نوٹیفکیشنوں پر مبنی تمام احکام منسوخ کر دینے کی درخواست کیجاتی ہے۔ (اے پ)

ہندو کالج میں آل انڈیا مباحثہ

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ۲۲۔ جنوری کی شام کو ۷ بجے ہندو کالج میں ایک آل انڈیا مباحثہ ہندوستانی زبان میں ہوا مباحثہ کا موضوع یہ شعر تھا:۔

آئے کیا بچے ہیں تو ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبہ کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

اس جلسہ کے صدر پروفیسر بریم چند رتہ ۱۴ مقرر اس مباحثہ میں شریک ہوئے انکیں اسلامیہ کالج لاہور، آگرہ کالج آگرہ، عربک کالج دہلی، لیڈی ہارڈنگ کالج دہلی، رامجس کالج دہلی اور ہندو کالج دہلی کے طلبہ نے حصہ لیا سب سے اچھی مقرر ٹیم ہندو کالج کی مانی گئی لیکن ہندو کالج چونکہ ٹرافی کے لئے مقابلہ میں شریک نہیں ہوتا اس لئے ٹرافی اسلامیہ کالج لاہور کو دے دی گئی۔ تجویز کثرت رائے سے پاس ہو گئی۔ [illegible] انعامات حسب ذیل اشخاص کو دئے گئے۔

(۱) مسٹر ترلوک چند ہندو کالج دہلی (۲) مسٹر [illegible] عالم اسلامیہ کالج لاہور (۳) مسٹر گودی شنکر کپور [illegible] کالج دہلی۔

[illegible] کی ایک اطلاع میں بتایا [illegible] ہے کہ آسٹریلیا کے وزیر تجارت [illegible] ہے کہ آسٹریلیا کے پاس ۔ اکروڑ بشل گیہوں ہندوستان بھیجنے کے لئے تیار رکھا ہے بشرطیکہ برطانیہ اسے پہنچانے کے لئے جہازوں کا بندوبست کرے۔ انھوں نے کہا کہ اتنا گیہوں ہندوستان بھیج دینے کے بعد بھی آسٹریلیا کے پاس بہت سا ذخیرہ محفوظ رہے گا۔ آخر میں انھوں نے بتایا کہ ہندوستان ہمارا پرانا گاہک ہے اور اگر جہاز مل جائیں تو ہم بڑی خوشی سے ہندوستان کو گیہوں بھیج دیں گے۔

مرکزی اسمبلی میں پانچ نئے بل

دہلی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کے ۱۱ فروری کے اجلاس میں پانچ نئے بل پیش ہوں گے۔ ان میں سے تین بل مسٹر سید محمد احمد کاظمی پیش کریں گے جن میں سے ایک تعزیرات ہند میں ترمیم کے متعلق دوسرا ضابطہ فوجداری میں ترمیم کے متعلق اور تیسرا فیڈرل کورٹ کے اختیار سماعت کی توسیع کے متعلق ہے۔ چوتھا بل انڈین مرچینٹ شپنگ ایکٹ میں ترمیم کے متعلق مسٹر فضل حق پراچہ پیش کریں گے اور پانچواں بل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب علی گڑھ یونیورسٹی ایکٹ میں ترمیم کے لئے پیش کریں گے

ترکی وفد اور علی گڑھ

ہر شخص کو یہ یقین تھا کہ ترکی اخبار نویسوں کا وفد علی گڑھ ضرور آئے گا اس لئے یہاں نہایت اشتیاق کے ساتھ وفد کا انتظار تھا اور ہر قسم کے انتظامات اس سلسلہ میں کئے گئے تھے لیکن اس کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ وفد یہاں نہیں آرہا ہے تو ہر شخص نے حیرت و افسوس کے ساتھ اس خبر کو سنا وفد بنارس جائے گا اور ہندو یونیورسٹی کا معائنہ کرے گا لیکن مسلم یونیورسٹی دیکھنے کا اب اس کو موقع نہیں ملے گا۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

چینی خبروں کی اشاعت

چین کی اطلاعات کا جو بلیٹن کلکتہ کے چینی سفارت خانہ نے جاری کیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ سال ماہ جنوری اور نومبر کے درمیان خبروں کے ۸۹۷۴۲۹ الفاظ روس اور امریکہ بھیجے گئے۔ امریکہ سے یہ خبریں برطانیہ بھیجی گئیں۔

[illegible] مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم فروری ۱۹۴۳ء

موجودہ جنگ اور قوموں کا اتحاد

آج دنیا جس دور سے گزر رہی ہے وہ دور "تخریب" ہے اور تخریب بھی ایسی ہمہ گیر جس کی مثال تاریخ میں موجود نہیں ہے، یوں تو دنیا میں ہمیشہ سے تخریب و تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، کبھی امن و عافیت کا دور آتا ہے اور کبھی جنگ و پیکار و ابتری کا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ملک میں ہر طرف سرسبز و شاداب کھیتیاں اور شاداب ترو تازہ باغات نظر آتے ہیں اور ہر قسم کے اناج اور پھلوں کی فراوانی ہوتی ہے اس لئے ہر شخص قدرت کی اس فیاضی کی بدولت مطمئن و فارغ البال نظر آتا ہے۔ لیکن کبھی اس کے خلاف ایسا بھی ہوتا ہے خشک سالی یا طوفان باد و باراں کی وجہ سے کھیتیاں برباد اور باغ ویران ہو جاتے ہیں، لوگ دانہ دانہ کو ترستے ہیں، اطمینان قلب رخصت ہو جاتا ہے اور ہر شخص فکر فردا میں مضطرب و پریشان نظر آتا ہے۔ اور ہزاروں لاکھوں انسان نان شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ گویا انسانی آبادیوں کا سارا نظام حیات درہم برہم ہو جاتا ہے۔

غرض جہاں تک انقلاب و حوادث کا تعلق ہے دنیا پہلے بھی گوناگوں مصائب میں مبتلا ہو چکی ہے لیکن بنی نوع انسان کے مصائب کی جو نوعیت آج ہے دنیا پہلے کبھی نہ تھی، گزشتہ اور موجودہ دور میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں جنگ و جدال کی وجہ سے انسانوں اور آبادیوں پر جو مصیبت نازل ہوتی تھی اس کا دائرہ محدود ہوتا تھا، اس زمانہ میں دنیا کے مختلف ممالک کے باہمی تعلقات کی یہ نوعیت نہ تھی جو آج ہے یعنی ایک ملک دوسرے ملک سے اس طرح وابستہ نہ تھا اور نہ مختلف ممالک کے تجارتی و کاروباری تعلقات اس قدر وسیع پیمانہ پر تھے، اس لئے جب دو حکومتوں میں جنگ چھڑتی تھی تو دنیا کی دوسری حکومتیں جو اس جنگ میں کسی طرف سے شریک نہیں ہیں اس کے اچھے یا برے نتائج و اثرات سے بالکل محفوظ رہتی تھیں، البتہ ہمسایہ ممالک فی الجملہ اثر پذیر ہوتے تھے مگر اس کا فائدہ یہ تھا کہ دوسرے ممالک امن و عافیت سے زندگی بسر کرتے تھے، اور جنگ کی وجہ سے جو تخریب واقع ہوتی تھی وہ صرف ایک خاص رقبہ تک محدود رہتی تھی۔

موجودہ زمانہ میں حالات بالکل بدل گئے ہیں اب کوئی حکومت انفرادی حالت میں نہیں رہ سکتی بلکہ کاروباری، تجارتی اور سیاسی وجوہ سے دوسری حکومتوں سے تعلقات رکھنے پر مجبور ہے اس طرز عمل کی وجہ سے حکومتوں میں جتھہ بندی کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور اب کئی مختلف ٹولیاں ہیں جو باہمی معاہدوں کے ذریعہ سے قائم ہیں، ان میں کوئی جتھہ زبردست ہے اور کوئی کمزور۔ جو کمزور رہتا ہے وہ سمجھتا ہے کسی دوسری مضبوط حکومت کو اپنے جتھہ میں شامل کرے، کی کوشش کرتا رہتا ہے لیکن یورپ کے مدبرین جنگ کے خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے ہمیشہ ایسی تدبیریں کرتے رہتے ہیں کہ مختلف حکومتوں کے مابین ایک توازن قائم رہے اور کوئی جتھہ اس قدر طاقت حاصل کر سکے جو دوسرے کو تباہ کر کے اپنے جتھہ کا اقتدار قائم کر دے، یہ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ جب دو حکومتوں میں جنگ چھڑتی ہے تو ہر فریق کے رفیق بھی جن سے معاہدہ ہے اس جنگ میں شریک ہو جاتے ہیں اس لئے یہ جنگ صرف دو حکومتوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ جتنی حکومتیں اپنی سیاسی مصلحتوں یا معاہدوں کے ذریعہ سے کسی جتھہ میں شامل ہیں وہ سب اس میں شریک ہو جاتی ہیں اس لئے حلقۂ جنگ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اور جنگ کی وجہ سے جو "تخریب" واقع ہوتی ہے اس سے بہت وسیع رقبہ جو مختلف حکومتوں کے ماتحت ہے متاثر ہوتا ہے اور وہاں کے رہنے والے سخت مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

موجودہ زمانہ کی ایک خاص حالت یہ ہے کہ یورپ کا اقتدار مشرقی دنیا تک پہنچ گیا ہے یعنی ایشیا و افریقہ کا ایک وسیع رقبہ یورپ کی حکومتوں کے تحت آ گیا ہے اس لئے اب یورپ میں جو جنگ چھڑتی ہے اس سے مشرقی ممالک بھی شدید مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی حیثیت بھی ایک فریق جنگ کی طرح مانی جاتی ہے۔

جرمنی، فرانس، انگلینڈ اور ہالینڈ وغیرہ یورپ کی حکومتیں ہیں لیکن مشرق کے بہت سے ملکوں پر بھی ان کا قبضہ ہے اور ان کی مستقل نو آبادیاں بھی ہیں جہاں انہیں حکومت کا اقتدار حاصل ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب یورپ کی دو حکومتوں میں جنگ چھڑتی ہے تو ان کے مشرقی علاقے بھی محفوظ نہیں رہتے اور وہ بھی دشمنوں کی جماعت میں شمار کئے جاتے ہیں۔

[illegible] ایک چھوٹی سی سلطنت ہے [illegible] بہت مختصر ہے لیکن مشرقی [illegible] رقبہ اس قدر وسیع ہے کہ [illegible] اس کا رقبہ [illegible] ایک چھوٹی سی ہے، اور [illegible] تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ [illegible] کا مشرقی علاقہ بھی خطرہ کی حالت میں آ جاتا ہے اور جرمنی یا اس کے رفیقوں کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ ہالینڈ کے مشرقی علاقہ کو تباہ و برباد کریں چنانچہ جاپان نے اسی طریقہ پر عمل کر کے ہالینڈ کے مشرقی علاقہ پر حملہ کیا تقریباً یہی حالت ہندوستان کی ہے۔ جرمنی اور ہندوستان کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہے۔ اسی طرح جاپان سے بھی ہندوستان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب یورپ میں پولینڈ کے معاملہ کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ انگلینڈ اور جرمنی ایک دوسرے کے خلاف اعلان جنگ کر دیتے ہیں، ہندوستان کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں لیکن محض اس بناء پر کہ ہندوستان حکومت برطانیہ کا ماتحت ہے دشمن ملک سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح جب جاپان جنگ میں داخل ہوتا ہے تو وہ بھی ہندوستان سے ایک دشمن کا سلوک کرتا ہے چنانچہ آج کلکتہ اور چٹاگانگ وغیرہ پر جو ہوائی حملے ہو رہے ہیں اور جس سے بے قصور شہری آبادی کی جان و مال

کا نقصان ہو رہا ہے اور کوئی وجہ بھی ہے کہ برطانیہ کا ماتحت ہونے کی وجہ سے ہندوستان بھی دشمن ملک قرار دیا گیا ہے۔

عرصہ موجودہ زمانہ میں صورت واقعہ یہ ہے کہ جب دو حکومتوں میں جنگ چھڑتی ہے تو جتنے ممالک ان حکومتوں سے کوئی تعلق رکھتے ہیں (خواہ وہ تعلق دوستی کا ہو یا ماتحتی کا) وہ سب بھی اصولاً و عملاً دشمن سمجھے جاتے ہیں اور اُن کے ساتھ دشمنوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ یہی اس کا نتیجہ ہے کہ جنگ کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور دنیا کے ایک بہت بڑے رقبہ کو لوگوں مصائب میں مبتلا ہو جانا پڑتا ہے۔ البتہ ان مصائب کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان دوست یا ماتحت ممالک کو خود بھی جنگ میں حصہ لینا پڑتا ہے، اور اس صورت میں انہیں وہ جانی و مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے جو جنگ کا لازمی نتیجہ ہے، اور کبھی یہ نقصان کاروباری و اقتصادی مصائب تک محدود رہتا ہے۔

ہمارے ملک کی حالت یہ ہے کہ ابھی تک وہ براہ راست جنگ میں مبتلا نہیں ہوا ہے، لیکن جنگ اُس کے دروازہ تک پہنچ گئی ہے اور موذی دشمن لوگوں میں خوف و دہشت پھیلانے کے لئے ہوائی حملے کر رہا ہے، ممکن ہے کہ معاملہ اس حد سے آگے نہ بڑھے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حالات ایسی صورت اختیار کریں کہ دشمن ہمارے ملک پر حملہ کر دے، اور ہمیں اپنے وطن و عزت کی حفاظت کے لئے اُس کا مقابلہ کرنا پڑے جو ہمارا اولین فرض ہے۔

غرض بحالت موجودہ ہندوستان براہ راست جنگ میں مبتلا نہیں ہے، لیکن جنگ کی وجہ سے جو دوسری مصیبتیں کسی ملک پر نازل ہوتی ہیں ہندوستان بھی اُن سے محفوظ نہیں رہا چنانچہ آج سارا ملک ایک شدید اضطراب و پریشانی کی حالت میں مبتلا ہے کاروبار ابتر ہے، اور روزمرہ کی ضروریات زندگی کی شدید گرانی اور بہت سی چیزوں کی نایابی و فقدان نے لوگوں کو سخت پریشان و بدحواس کر رکھا ہے، ملک میں لاکھوں انسان ایسے ہیں جو نان شبینہ تک کو محتاج ہو گئے ہیں، اناج کے بیوپاریوں اور سرمایہ داروں کی شقاوت یہاں تک بڑھ گئی کہ انھوں نے اجناس خوردنی کو گوداموں میں چھپا رکھا ہے اور مخلوق کی پریشانی و مصیبت کا انہیں کچھ احساس نہیں۔

مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ ملک میں پورے طور پر امن و عافیت بھی نہیں ہے، کیونکہ گزشتہ اگست سے ایک ناعافیت اندیش جماعت نے جو خطرناک و جارحانہ تحریک شروع کی ہے اُس سے ملک کو مسلسل نقصان پہنچ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تحریک کا مقصد تعمیر نہیں بلکہ "تخریب" ہے اور ملک کو ایک نازک دور میں اس مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہے۔

اس مصیبت کے علاوہ فرقہ وارانہ کشمکش کی مصیبت بھی ہے جس سے ابھی تک ہمارے ملک کو نجات نہیں ملی۔ کیونکہ مختلف فرقوں کے باہمی تعلقات ابھی تک ناخوشگوار ہیں جس کا مظاہرہ ہر موقع پر ہوتا رہتا ہے اور روز ایسے نئے نئے اختلافی معاملات ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں جو تعلقات کو اور زیادہ خراب کر دیتے ہیں، مثلاً کچھ مدت سے "پاکستان" اور "اکھنڈ ہندوستان" کے مسئلے نے ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں اور زیادہ تلخی پیدا کر دی ہے، برادران وطن یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے کسی علاقہ میں مسلمانوں کو حق خود اختیاری دے دیا گیا تو یہ "اکھنڈ ہندوستان" بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور یہ گھر وندہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا، لیکن مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ پاکستان سے واقعی طور پر ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

پاکستان کے حامی جو کچھ خود لینا چاہتے ہیں وہی دوسروں کو بھی دینا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جس علاقہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں اُن کا اقتدار ہونا چاہیے اور اسی طرح ہندو اکثریت کے علاقہ میں ہندوؤں کا۔ نیز یہ کہ ہر علاقہ میں اقلیت کے حقوق پورے طور پر محفوظ رہنے چاہئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت بہت تھوڑے علاقہ میں ہے اس لئے اگر پاکستان کی تحریک کامیاب ہو بھی جائے جب بھی برادران وطن ہندوستان کے ایک بڑے حصہ پر قابض و متصرف رہیں گے۔

"پاکستان کا معاملہ محض مثالاً پیش کیا گیا ورنہ بہت سے مسائل ہیں جو مختلف فرقوں کے درمیان اختلاف کا باعث ہیں، پاکستانی تحریک کی عمر تو بہت تھوڑی ہے لیکن فرقہ وارانہ کشمکش مدت سے جاری ہے، البتہ اب اس میں اضافہ ضرور ہو گیا ہے اور روز بروز ایسے مسائل ہمارے سامنے آ رہے ہیں جو اس اختلاف کو بڑھا رہے ہیں۔

ان حالات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا ملک اس وقت ہر اعتبار سے ایک نازک و خطرناک دور سے گزر رہا ہے، ایک طرف بیرونی حملہ کا خطرہ ہے دوسری طرف اندرونی اختلافات نے ہماری طاقت کو کمزور کر دیا ہے، تیسری مصیبت اس عالمگیر جنگ کی ہے کہ باوجود براہ راست جنگ میں مبتلا نہ ہونے کے بھی ہمارا ملک اس ہولناک جنگ کے شدید اثرات سے تہ و بالا ہو رہا ہے۔ اور سارے ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اضطراب پھیلا ہوا ہے۔

اس وقت دنیا کے جو ممالک براہ راست یا بالواسطہ جنگ میں مبتلا ہیں اُن کے رہنے والے حتی الامکان اپنے مصائب کو ٹالنے یا کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ایک خاص بات یہ ہے کہ اس تازہ مصیبت کی وجہ سے وہ آپس میں متحد ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنے سارے اختلافات اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو کچھ مدت کیلئے بالکل ختم کر دئے ہیں تاکہ سب لوگ متحد ہو کر پوری قوت سے اپنے وطن کی حفاظت کریں۔ چنانچہ ترکی وفد کے لیڈر موسیو عطائی نے گزشتہ ہفتہ میں اپنی راولپنڈی کی تقریر میں یہ کہا۔

"ترکی اور ہندوستان جنگ کے ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں ہم نے اپنے تحفظ کے لئے یہی حل تلاش کیا ہے کہ اس وقت ہم سب کو پورے طور پر متحد ہو جانا چاہئے اور اپنے تمام اختلافات جنگ کے بعد کیلئے ملتوی کر دینے چاہئیں، تین سال سے ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوا ہمیں امید ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو بھی تمام ہندوستان کی سلامتی کا یہی خیال ہوگا اور وہ اس کیلئے کوشش بھی کر رہے ہوں گے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ اس عالمگیر مصیبت کے زمانہ میں آزاد قوموں کی کیا ذہنیت ہے اور اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کیلئے انھوں نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے، اُن میں اس قدر عافیت اندیشی ہے کہ اس نازک دور میں وہ اپنے ملک کی حفاظت کے لئے متحد ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ دشمن ہمارے دروازہ تک آ گیا ہے لیکن ہمیں آپس کی لڑائی سے فرصت نہیں، کیا یہ زندگی کے [illegible] اور کیا ایسی قوم دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہے؟

مسلمانوں پر ہندو تمدن کے اثرات

ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر تعلیم صوبہ بہار نے حال میں مندرجہ بالا عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا ہے جس کے ایک حصہ میں زبان کے مسئلہ پر بھی بحث کی ہے جو دلچسپی سے پڑھے جانے کے لائق ہے۔ ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

بہر حال اگر ان ظاہری علامتوں کو چھوڑ کر ان کی تہذیب اور کلچر پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ اس جگہ بھی مسلمانوں نے تیزی سے ہندو اثرات قبول کئے ہیں اور یہاں بھی وہی امتزاج عمل میں آیا ہے یہاں اس بات کو بھی محسوس کرنا چاہئے کہ سچی ہندوستانی تہذیب کو بنانے اور اس کی نشو ونما میں مسلمانوں نے کس قدر قربانیاں دی ہیں۔ ایک زبان ہی کے مسئلہ کو لیجئے یہ کسی قوم کے خیالات اور مزاج کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہے۔ اسلام کی مقدس زبان عربی ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے جو مسلمان حملہ آور سندھ میں آئے ان کی مادری زبان عربی تھی۔ صحیح ہے کہ عربی کا مطالعہ مسلمانوں میں ایک خاص طبقہ تک محدود ہے لیکن پھر عربی ہندوستان کے ہر حصہ میں جاری ہے وسط ایشیا کے جو ہندو فاتحین آئے ان کی مادری زبان ترکی تھی۔ بہر حال جب سے مسلم فاتحین نے ہندوستان میں حکومت شروع کی اور جب تک مسلم حکومت قائم رہی اس پورے دور میں سرکاری زبان فارسی رہی، آج مسلمان ان تینوں زبانوں میں سے ایک بھی نہیں بولتے اور نہ مسلم فاتحوں نے ان میں سے کوئی زبان اپنے مفتوحوں پر لادنے کی کوشش کی۔

اس کے برخلاف مسلمانوں نے ہندوستان کی بولیوں کو اپنایا اور اپنی عربی، ترکی اور فارسی زبان کے الفاظ سے ان بولیوں کو سنوارا اور سجایا۔ پنجاب کے مسلمان پنجابی بولتے ہیں، بنگال کے مسلمان بنگلہ، گجرات کے مسلمان گجراتی، اور مہاراشٹر کے مسلمان مرہٹی بولتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان جس صوبہ میں رہتا ہے وہ اسی صوبہ کی زبان بولتا ہے اور اس صوبہ کے ہندو اور مسلمان دونوں ایک [illegible] اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اس [illegible] ہی زبان رہ جاتی ہے جس پر آج [illegible] جاری ہے یعنی اردو، لیکن اردو کسی طرح مسلمانوں کی زبان نہیں۔ یہ زبان ہندوستان سے باہر کسی مسلم دیس میں نہیں بولی جاتی، وہ نہ اسے کوئی مسلمان فاتح باہر سے اس ملک میں لایا۔ اردو ہندی زبان ایک ہی کا روپ ہے، اردو کے اکثر الفاظ اس کی گرامر، اس کے فعل وغیرہ سب یہیں سے لئے گئے۔ حقیقت میں اردو کا اصلی روپ ہے، جو دہلی کے ارد گرد بولی جاتی ہے اور جسے کھڑی بولی کہتے ہیں جب مسلمان باہر سے آکر دہلی اور اس کے آس پاس آباد ہوئے تو وہ بھی یہی معامی بولی بولنے لگے جو دھیرے دھیرے آگے چل کر اردو کی زبان بن گئی۔ یہ ہندو اور مسلمان دونوں نے مل کر اس کے ادب کو بڑھایا اور اسے آراستہ کیا۔ یہ سچی بات ہے کہ ہندوستان میں انگریزی زبان کے رواج پانے سے پہلے بھی اردو ہندوستان کی بول چال کی زبان تھی۔ ہندی اردو کے جھگڑے کے متعلق ہم بعد میں کچھ کہیں گے یہاں گنجائش نہیں۔

بہر حال یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کے مختلف صوبوں کی زبانوں کو ترقی دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ پنجابی، ہندی اور بنگلہ کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمان امراء، والیوں، ادیبوں، شاعروں نے ان زبانوں کی ترقی میں بڑی مدد دی اور انہیں خود بھی آگے بڑھایا۔ آج اگر ان زبانوں کو اپنی ترقی پر ناز ہے تو اس کا اجر ہندو اور مسلمان دونوں کو ملنا چاہئے ان زبانوں کے ادیبوں کی فہرست میں متعدد مسلمانوں کے نام ملتے ہیں یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ہندو اور مسلمان دونوں کی تصانیف میں ایک ہی قسم کے خیالات اور جذبات پائے جاتے ہیں لوگ کوشش کرنے پر بھی شاید یہ نہ بتا سکیں کہ کوئی خاص تحریر یا نظم کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہے یا ہندو کی، پنجابی اور بنگلہ کے ہندو اور مسلمان مصنفوں کا اسٹائل بالکل یکساں ہے اور ان میں کسی قسم کا فرق نہیں پایا جاتا دونوں میں ایک ہی تمدنی بہاؤ اور ایک ہی قسم کے جذبات نظر آتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر ہندوستان کے ان مسلم مضمون نگار اور شاعروں کا ایران، ترکی اور مصر کے ادیبوں سے مقابلہ کیا جائے تو ان میں کوئی مماثلت نظر نہ آئے گی۔ دونوں کے طرز نگارش اور سوچنے کا ڈھنگ میں فرق ہے۔ غرضیکہ انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کا تمدنی امتزاج مکمل ہو چکا تھا۔ مختلف صوبوں میں رہنے والے مسلمانوں نے اپنے اپنے صوبہ کی بولیوں کو اپنا لیا تھا وہ اسی زبان میں بولتے تھے وہی لکھتے تھے اور اسی میں سوچتے تھے۔

قدیم ہندوستان

مہاسہان کے کھنڈروں میں

اگرچہ مہاستھان کا نام اتنا مشہور نہیں جتنا کہ بہار، پور اور نالندہ کا ہے۔ لیکن تاریخی مقام ہونے کی حیثیت سے اس کا نام ان کے مقابلہ میں کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ روح افزا و جاذب نظر مقام کبھی وار بندر (جو شمالی بنگال میں واقع ہے) کا پایۂ تخت تھا۔ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ اپنے سیاحت نامہ میں اس مقام کا ذکر کرتے ہوئے اسے ایک "خوبصورت متبرک شہر" لکھا ہے۔

تاریخ قدیم کا یہ بارونق شہر جو کبھی مصفا تالابوں اور پُر فضا گلزاروں سے گھرا ہوا تھا اور دریائے "کالا، تو" کے کنارے پر واقع تھا۔ آج رفتار زمانہ کی رو میں آکر اپنی پرانی عظمت کھو چکا ہے۔ اب یہ ایک غیر آباد اور ویران جگہ ہے۔ جو قسم قسم کی جھاڑیوں اور مینڈوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اب بھی ان کھنڈروں کو دیکھتے ہوئے اس کی پرانی شان و شوکت یاد آجاتی ہے۔

انقلاب زمانہ کا یہ تباہ شدہ شہر سب سے پہلے سچان ہملٹن نے دریافت کیا۔ پھر اور کئی ماہرین آثار قدیمہ نے اس کی تاریکی پر روشنی ڈالی۔ حتیٰ کہ ۱۹۲۸ء میں "صیغۂ آثار قدیمہ" نے یہاں پوری طرح سے کام شروع کر دیا۔ اور اب تک بہت سی نادر اشیاء دستیاب ہو چکی ہیں۔ جن سے تاریخ گپتا پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

مہاستھان کے کھنڈرات دور سے ایک مستطیل چٹان معلوم ہوتے ہیں جس کا رقبہ ۸۰۰×۴۰۰۰ مربع فٹ ہے۔ اور اوسط بلندی ۱۵ فٹ ہے۔ علاوہ ازیں بہت سی مینڈیں ہیں۔ جو دریا کی سمت کو چھوڑ کر باقی چاروں طرف چار میل لمبے قطعہ زمین کے بیچوں بیچ پھیلی ہوئی ہیں۔ اس بلند ہموار میدان میں سب سے اونچی مینڈ وہ پیر شاہ سلطان ماہسوار کا مقبرہ ہے جو مقامی مسلمانوں میں ایک متبرک مقام خیال کیا جاتا ہے۔ یہ مینڈ سطح زمین سے ۴۰ فٹ بلند ہے۔

شمال مشرقی جانب زمانۂ قدیم کے دو بڑے لیکن بے ربط و شکستہ منہ زمین سے کھود کر نکالے گئے ہیں۔ مندر کے ستونوں پر سورج دیوتا اور کنول کے پھولوں کی بنی ہوئی تصویریں عہد گپتا میں تعمیر کے فن کی یاد دلاتی ہیں۔ ان نقوش کو دیکھتے ہوئے پھر اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ یہ لوگ جنھوں نے قدیم ماہران فن کے کام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسے شاندار مندر تعمیر کئے۔ آٹھویں۔ نویں صدی (جب بنگال پر پال حکومت کرتے تھے) تک زندہ رہے۔

مندروں، نالاوں اور حماموں کے علاوہ سب سے قابل دید اور روح افزا مقام گوبند اجھیٹہ ہے یہ ایک ۳۰ فٹ اونچی منڈ ہے۔ جواب ور ماے کا لاؤ بر کچھ اس طرح کھڑی ہے کہ جو دیکھو منہ سے "واہ" نکل جاتی ہے۔ اس قطعۂ زمین کے آثار قدیمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عمارات اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچائی گئیں جب پہلے پہل مسلمان ایک فاتح کی حیثیت سے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔

مٹی کے ایک برتن سے بنگال کے آزاد سلاطین (الیاس شاہ سے لیکر شمس الدین یوسف شاہ تک) کے وقت کے ۱۸ سکے برآمد ہوئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ منڈ کی چوٹی پر جو پتھری فرش ہے وہ انھیں سلاطین کا بنایا ہوا ہے۔

زمانۂ سلف کا ایک منبر مختلف زاویوں سے دیکھنے میں بڑا دلکش معلوم ہوتا ہے۔ پہلی نظر میں یہ بہت بڑا دکھائی دیتا ہے لیکن غور سے دیکھیے تب چھوٹا چھوٹا معلوم ہونے لگتا ہے۔

مہاستھان کے کھنڈروں میں جو سب سے نادر اشیاء برآمد ہوئی ہیں۔ ان میں ایک دھات کا ٹھیکرا ہے۔ جس پر ایک آدمی کو چار گھوڑوں کے رتھ پر سوار دکھایا گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کمان ہے اور وہ سامنے ہرنوں کے ایک غول پر تیر چھوڑ رہا ہے۔

پھر چکنی مٹی کی ایک سل ہے جس پر تصویر میں ایک بیل اور ہاتھی کی لڑائی کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔

مہاستھان کی تاریخ ابھی ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہو سکی ممکن ہے مسٹر ڈیکشٹ کے الفاظ میں وہ بہادر جو ہزاروں سال ہوئے اس شہر کے ساتھ سپرد خاک ہو چکے ہیں۔ اس پر پوری پوری روشنی ڈال سکیں۔

مہاستھان جانے کے لئے ضلع بوگرا سے ٹیکسی یا رکشوں پر جانا پڑتا ہے۔ یہ مقام بوگرا ضلع کے ہیڈ کوارٹر سے سات یا آٹھ میل شمال کی جانب واقع ہے (نئی زندگی)

برطانیہ کے روزانہ جنگی مصارف

سر کنگسلے ووڈ وزیر خزانہ برطانیہ نے پارلیمنٹ کے اجلاس میں اعلان کیا کہ برطانیہ آج کل جنگ پر ایک کروڑ چالیس لاکھ پونڈ (تقریباً ۲۰ کروڑ روپیہ) روزانہ خرچ کر رہا ہے۔ انھوں نے قرضہ کے دو مطالبے پیش کئے ان میں سے ایک ۹۰ کروڑ پونڈ کے لئے تھا جو موجودہ مالی سال کے آخر میں زائد اخراجات پورے کرنے کے لئے درکار ہوگا۔ اور دوسرا مطالبہ ایک ارب پونڈ کا مستقبل کے جنگی اخراجات کے لئے تھا۔ ہاؤس نے یہ دونوں مطالبے رائے شماری کے بغیر ہی منظور کر دئے۔

وزیر خزانہ نے یہ بھی کہا کہ حال ہی میں برطانیہ کے جنگی مصارف میں ۱۲½ لاکھ روپیہ یومیہ کا اضافہ ہوگیا ہے [۴] انھوں نے کہا کہ سال رواں کے لئے شروع میں ساڑھے چار ارب پونڈ کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا تھا لیکن اس کے بجائے اس سال میں ۴ کروڑ ۹۰ لاکھ پونڈ خرچ ہوں گے۔ اتنے بڑے خرچ کے تخمینہ میں ۵ فی صدی کا اضافہ عبرتناک بخش نہیں ہے۔ شراب، تمباکو، تفریحات اور خریداری ٹیکس کے متعلق جو تخمینہ لگایا گیا ہے اس میں بھی اضافہ ہوگا۔ قیمتوں کے کنٹرول کے متعلق پیشنگوئی کرتے ہوئے وزیر خزانہ نے کہا کہ جن چیزوں پر کنٹرول نہیں ان کے دام بہت زیادہ چڑھ گئے ہیں۔

آخر میں وزیر خزانہ نے یہ فرمایا کہ اس عظیم جد و جہد میں ہماری مالی حالت کا مضبوط بنیادوں پر قائم ہونا ہماری مادی و اخلاقی قوت کے لئے اشد ضروری ہے۔

[۴] اس کا خاص سبب یہ ہے کہ افریقہ لیبیا اور دوسرے سمندر پار کے علاقوں میں جنگی اخراجات میں نمایاں اضافہ ہوگیا ہے

ترکی وفد کا سیاسی نظریہ

راولپنڈی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یہاں ترکی اخبار نویسوں کے ڈیلی گیشن کے لیڈر موسیو عطائی نے اخباری نمائندوں کی ایک کانفرنس میں کہا کہ ترکی اور ہندوستان جنگ کے ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں، ہم نے اپنے تحفظ کے لئے یہی حل تلاش کیا ہے کہ اس وقت ہم سب کو پورے طور پر متحد ہو جانا چاہئے اور اپنے تمام اختلافات جنگ کے بعد کے لئے ملتوی کر دینے چاہئیں۔ تین سال سے ہمارے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا، ہمیں امید ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو بھی تمام ہندوستان کی سلامتی کا خیال ہوگا اور وہ اسی کے لئے کوشش بھی کر رہے ہونگے۔

ہندوستان کے مغربی سرحد کے تحفظ کے انتظامات کے بارہ میں موسیو عطائی نے کہا کہ بر اعظم کی جانب ہندوستان کے دروازے بالکل بند اور مقفل ہیں۔ اس کانفرنس میں چند مقامی مسلم لیگی اخبارات کے نمائندے بھی تھے۔ جب موسیو عطائی نے یہ کہا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ترکی میں اخوت کا ایک خصوصی جذبہ موجود ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کو ترکی سے جو ہمدردی ہے اسے وہ فراموش نہیں کر سکتا، اس وقت ایک مسلم لیگی نے دریافت کیا کہ ترکی نے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جو ہندوؤں اور حکومت سے برسر جنگ ہیں کوئی کام اب تک کیوں نہیں کیا۔

موسیو عطائی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ اندرونی معاملہ ہے چونکہ ہم نے ہندوستان کو کسی بیرونی معاملہ میں الجھا ہوا نہیں دیکھا اس وجہ سے ہمیں اب تک اپنی ہمدردی ظاہر کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے ہماری اندرونی سیاسیات میں مداخلت کی ہوتی تو ہم ان کی مداخلت کو ہرگز پسند نہ کرتے۔

گیہوں کے متعلق حکومت ہند کا اعلان

حکومت ہند کے محکمۂ لیبر نے ہندوستان کی تمام بیوپار منڈیوں کو ایک مراسلہ بھیجا ہے جس میں ان منڈیوں کو یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے تمام ممبروں کو اس مراسلہ میں مضمر تجویزوں سے آگاہ کر دیں، اس مراسلہ میں مذکور ہے کہ ملک میں گیہوں کا جو ذخیرہ موجود ہے اسے حکومت نئی فصل کا گیہوں آنے تک ختم کر دینا ہی مناسب سمجھتی ہے۔ یہ مناسب نہ ہوگا کہ نئی فصل کا گیہوں بازار میں آنے کے بعد پرانے گیہوں کا ذخیرہ بازاروں میں فروخت کیا جائے پچھلی فصل کا گیہوں بازار میں آنے کے وقت بچا ہوا گیہوں موجود نہ تھا لیکن سال رواں کی گیہوں کی فصل کا گیہوں معمولی حالات میں ۱۲ ماہ کے لئے

...کے باعث گیہوں کا خرچ ... سے گیہوں ناکافی ثابت ہوا ہے ... نہیں کہ کھیتوں میں سے کچھ گیہوں نئی فصل ... تک اگلے سال کے لئے کھیتوں میں بند رکھنا ... ممکن ہے۔ نئی فصل کا گیہوں مارچ کے آخری ہفتہ میں یا اپریل کے شروع میں بازاروں میں آجانے کی امید کی جاتی ہے۔

ہندوستان کا جنگی خرچ ایک کروڑ روزانہ

نئی دہلی۔ ۳۰ جنوری۔ حکومت ہند کا سالانہ بجٹ ماہ فروری میں مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کے اجلاس میں پیش ہوگا۔ اس کے بارے میں جو تازہ ترین اطلاعات موصول ہوئی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ سال رواں کے بجٹ میں ۷۰ کروڑ روپیہ کا خسارہ رہے گا۔ پچھلے بجٹ کے موقع پر ممبر مالیات نے ۴۷ کروڑ روپیہ کے خسارہ کا تخمینہ لگایا تھا۔

نومبر کے اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں ان کے مطابق اس مہینہ تک فوجوں کا خرچہ ۱۸۰ کروڑ ۴۲ لاکھ تک پہنچ گیا تھا یعنی ۷۲ لاکھ یومیہ جنگ پر خرچ کیا جارہا تھا۔ چونکہ فوجی اخراجات میں تقریباً ایک کروڑ روپیہ فی ماہ کے حساب سے اضافہ ہورہا ہے۔ اس لئے ممبر مالیات آئندہ سال کے لئے ایک کروڑ روپیہ یومیہ کے حساب سے فوجی بجٹ پیش کریں گے۔

پہلے آٹھ ماہ کی آمدنی اور خرچ کو سامنے رکھتے ہوئے جس میں ریلوے، ڈاک اور تار کی آمدنی اور اخراجات شامل نہیں یہ پتہ لگتا ہے کہ آمدنی کے مقابلہ میں ۹۱ ½ کروڑ روپیہ زائد خرچ ہوچکا ہے۔ جبکہ گزشتہ سال کے اسی عرصہ میں ۳۶ ½ کروڑ روپیہ زائد خرچ ہوا تھا۔ اس کی بڑی وجہ فوجی اخراجات میں زبردست اضافہ ہے۔ پچھلے آٹھ ماہ میں ایک ارب روپیہ فوجوں پر خرچ کیا جاچکا ہے۔

پروگرام اجلاس سالانہ
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بمقام علیگڑھ

۱۲ فروری ۱۹۴۳ء جمعہ

۱۰ بجے صبح۔ استقبال صدر اجلاس کانفرنس ریلوے اسٹیشن پر۔

۸ ½ بجے شب۔ مجلس مضامین بمقام آسمان منزل جس میں کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی کی رپورٹ کے متعلق رزولیوشن نیز شعبہ جات کانفرنس کی دوسری تجاویز پر غور و مباحث ہوگا جس کا نتیجہ آخیر فیصلہ کے لئے اجلاس عام کے شعبۂ تعلیمی میں پیش کیا جائیگا۔

۱۳ فروری ۱۹۴۳ء شنبہ

۳ بجکر ۴۵ منٹ تا ۵ ½ بجے۔ کانفرنس کا پہلا اجلاس عام زیر صدارت نواب ظہیر یار جنگ بہادر بی اے امیر پائیگاہ آسمانجاہی حیدرآباد دکن بمقام اسٹریچی ہال۔

۸ ½ بجے شب۔ اجلاس شعبۂ تعلیمی زیر صدارت لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب بالقابہ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی بمقام اسٹریچی ہال (اس اجلاس میں کمال یار جنگ ایجوکیشن کی رپورٹ پر بحث ہوگی)

۱۴ فروری ۱۹۴۳ء یکشنبہ

۱۰ بجے صبح سے ایک بجے دوپہر تک اجلاس شعبۂ نسواں بمقام اسٹریچی ہال زیر صدارت بیگم صاحبہ نواب ظہیر یار جنگ بہادر۔

۱۰ بجے صبح سے ایک بجے دوپہر تک۔ بمقام آسمان منزل اجلاس شعبۂ اصلاح معاشرت و اقتصادیات زیر صدارت سیٹھ احمد بارہ ون جعفر صاحب جنرل سکرٹری بمبئی پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس (پونا)
(شعبۂ نسواں اور شعبۂ اصلاح معاشرت کے اجلاس حسب تصریح بالا ایک وقت دو مختلف مقامات پر ہوں گے۔ ایڈیٹر)

۳ بجے سہ پہر سے ۶ بجے شام تک۔ اجلاس شعبۂ اردو (تصنیف و تالیف) بمقام اسٹریچی ہال زیر صدارت ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب بی اے سکرٹری انجمن ترقی اردو (دہلی)

۸ ½ بجے شب۔ آخری اجلاس عام کانفرنس زیر صدارت نواب ظہیر یار جنگ بہادر۔

نوٹ (۱) مجلس مضامین کانفرنس کے اجلاس ہائے عام اور شعبوں کے اجلاس میں داخلہ بذریعہ پاس یا ٹکٹ ہوگا۔

شرح ٹکٹ۔ لائف ممبر، ممبر خصوصی، ممبر مجلس استقبالیہ ماف ہے، ۵ عہ، ۵ عہ
ممبر عمومی، وزیٹر
صہ، عہ

نوٹ (۲) بیرون علی گڑھ سے تشریف لانے والے جملہ مہمانان کانفرنس جو کم از کم پانچ روپیہ کا ٹکٹ ممبری خریدیں گے اُن کے قیام و طعام کا انتظام مجلس استقبالیہ کی طرف سے ہوگا۔ قیام سرسید کورٹ میں اور کھانا سرسید ڈائننگ ہال میں ہوگا۔ کھانے کے ٹکٹ انکوائری آفس سے حاصل کئے جائیں۔ چائے کا اہتمام ہوٹلوں میں ہوگا جس کی قیمت خود مہمان ادا کریں گے۔

نوٹ (۳) اجلاس عام میں پہلا اجلاس شروع ہونے سے پہلے سوا تین بجے ایئر ٹریننگ اسکول کی رسم افتتاح کا جلسہ ہوگا۔ لہٰذا جملہ مہمانان کانفرنس اپنی اپنی نشستوں پر ۳ بجے تشریف لے آئیں تاکہ جلسہ ایئر ٹریننگ اسکول کی رسم افتتاح بھی دیکھ سکیں۔

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی (نواب صدر یار جنگ)
آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس
علی گڑھ

تعلیمی اداروں اور ریاستوں کے نمائندے و عہدہ دار
جو کانفرنس کے آئندہ سالانہ اجلاس میں شرکت فرمائینگے

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں ہندوستانی ریاستوں کے سرکاری عہدہ دار یا تعلیمی افسر نیز مختلف یونیورسٹیوں، اور تعلیمی انجمنوں و کانفرنسوں کے نمائندے بھی شریک ہوا کرتے ہیں چنانچہ کانفرنس کے آئندہ اجلاس میں بھی بہت سے عہدہ دار و نمائندے شرکت فرمائیں گے جن کے اسمائے گرامی ذیل میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۱) جناب سید بشیر حسین صاحب زیدی بالقابہ چیف منسٹر ریاست رامپور،
(۲) دو اصحاب نمائندے ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ رامپور
(۳) جناب مولوی عبد الحمید خاں صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ۔
(۴) جناب مولوی سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج۔
(یہ ہر دو اصحاب عثمانیہ یونیورسٹی کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت فرمائیں گے)
(۵) جناب خواجہ غلام السیدین صاحب ڈائرکٹر تعلیمات ریاست جموں و کشمیر
(۶) مسٹر جی اے شاہ اسسٹنٹ انسپکٹر فار مسلم ایجوکیشن

ریاست کشمیر،

(۷) مسٹر جی اے خان ہوم مسٹر صاحب بہادر کشمیر (...... اصحاب محکمہ تعلیمات ریاست کشمیر کے نمائندوں کی حیثیت سے شرکت فرمائیں گے)

(۸) آنریبل پیر الٰہی بخش صاحب وزیر تعلیم سندھ جو گورنمنٹ سندھ کے محکمہ تعلیمات کے نمائندہ کی حیثیت سے اجلاس کانفرنس میں شریک ہوں گے۔

(۹) پروفیسر ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صاحب بحیثیت نمائندہ کلکتہ یونیورسٹی شریک اجلاس ہوں گے۔

(۱۰) ڈاکٹر محمد بدل الرحمن صاحب پرنسپل اندھیری کالج بحیثیت نمائندہ بمبئی یونیورسٹی اجلاس کانفرنس میں شریک ہوں گے۔

مندرجہ بالا اصحاب کے علاوہ اور بہت سے ماہرین تعلیم اور سربرآوردہ اصحاب کانفرنس کے شعبوں کی صدارت یا مقالات پڑھنے کے لئے یا مسائل زیر بحث میں عملی حصہ لینے کے لئے تشریف لائیں گے جن میں حسب ذیل معزز اصحاب بھی شامل ہیں۔

(۱) نواب کمال یار جنگ بہادر حیدرآباد،

(۲) بیگم صاحبہ نواب ظہیر یار جنگ بہادر جو شعبۂ نسواں کی صدارت فرمائیں گی۔

(۳) ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے علیگ معتمد انجمن ترقی اردو جو کانفرنس کے شعبۂ تالیف و تصنیف کی صدارت فرمائیں گے۔ اور ۱۳ فروری کو مسلم یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد میں آپ کو ڈگری بھی دی جائے گی۔

(۴) سیٹھ احمد یار دین حسن صاحب جنرل سکریٹری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبۂ بمبئی، جو کانفرنس کے شعبۂ اصلاح معاشرت کی صدارت کریں گے۔

(۵) مسز ایچ لے حکیم صاحبہ مسجرابہ لے ایڈرس اسکول کلکتہ جو شعبۂ تعلیم نسواں میں مقالہ پڑھیں گی اور رزولیوشن پیش کریں گی۔

(۶) ایس احمد صاحب ادیب ایم اے لکچرر حلیم مسلم کالج کلکتہ جو شعبۂ تالیف و تصنیف میں مقالہ پڑھیں گے۔

(۷) مسٹر محمد یونس صاحب بیرسٹرایٹ لا سابق وزیر صوبۂ بہار۔

(۸) مسٹر ظفر حسن واسطی ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ مرادآباد، آپ مقالہ پڑھیں گے اور عربی تعلیم سے متعلق رزولیوشن پیش کریں گے۔

(۹) میاں حفیظ الرحمٰن صاحب ہیڈماسٹر پنجابی ہائی اسکول صدر بازار دہلی۔

(۱۰) مسز پی صوفی ایم اے حیدرآباد۔ جو شعبۂ نسواں میں مقالہ پڑھیں گی۔

(۱۱) غلام احمد خاں صاحب ممبر مجلس پائیگاہ آسمانجاہی

(۱۲) خاں صاحب عبدالحکیم صاحب ایم اے (علیگ) پرنسپل راجشاہی کالج ڈھاکہ،

(۱۳) مظفر احمد صاحب ایم اے بی ایل ٹریژرر ڈھاکہ یونیورسٹی۔

(۱۴) سید منصور علی صاحب جائنٹ سکریٹری انجمن اسلامیہ بھرت پور۔

(۱۵) سکریٹری اسلامی پنچایت ریاست جے پور۔

مندرجہ بالا اصحاب کے علاوہ اور بہت سے اصحاب کے تشریف لانے کی توقع ہے۔ چنانچہ تازہ ڈاک سے حسب ذیل اصحاب کی تشریف آوری کی اطلاع موصول ہوئی۔

(۱۶) جناب نواب بہادر یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن)

(۱۷) جناب عبدالسلام صاحب ڈائرکٹر تعلیمات بھوپال جو بحیثیت نمائندہ محکمہ تعلیمات بھوپال شرکت فرمائیں گے۔

(۱۸) مولوی نظام الدین حسن صاحب نظامی سکریٹری پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبۂ متحدہ۔

(۱۹) ڈاکٹر ڈبلیو ایچ اے شادانی ایم اے لکچرر فارسی ڈپارٹمنٹ۔ جو ڈھاکہ یونیورسٹی کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کریں گے۔

(۲۰) مسٹر محمود الحسن صدیقی بی اے (علیگ) سکریٹری ریاستی مسلم لیگ۔

(۲۱) مولوی حسن الدین صاحب خاموش۔

یادگار ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان مرحوم سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی

زندہ قومیں اپنے جلیل القدر فرزندان کی یاد کسی طرح دل سے محو نہیں ہونے دیتیں۔ سر شاہ محمد سلیمان مرحوم و مغفور سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و جج فیڈرل کورٹ ہماری قوم کی بہترین خصوصیات کے حامل تھے ان کی اعلیٰ خدمات، گہرا ادبی شغف، بے نظیر ہمہ گیری اور بے مثال خلوص باعث فخر بھی ہے اور لائق تقلید بھی۔ ایک ایسے شخص کی یاد تازہ رکھنا اور اس کے شایان شان یادگار قائم رکھنا ہم سب پر فرض ہے اسی خیال سے مسلم یونیورسٹی کورٹ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰۔ اپریل ۱۹۴۱ء میں بذریعہ قرارداد ۳۶ ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس کا مقصد مرحوم کی مناسب یادگار کا تعین اور جلد سے جلد اس تجویز کو عملی شکل دینا تھا۔

کمیٹی نے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ انجینیرنگ کالج کی الیکٹریکل (لیبوریٹری) مرحوم کے نام نامی سے موسوم کی جائے اور اس کے لئے ملک و قوم سے ایک لاکھ روپیہ کی اپیل کی جائے۔

سر شاہ محمد سلیمان مرحوم و مغفور کو بڑی آرزو تھی کہ مسلمانوں میں سائنس کی اعلیٰ تعلیم عام ہو جائے اور ان کے لئے ہر قسم کی سہولتیں فراہم ہوں تاکہ وہ دنیا کی روز افزوں ترقیوں میں حصہ لیں اور صنعتی و حرفتی شعبوں میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ انھوں نے اپنے زمانہ وائس چانسلری میں سائنس کے شعبوں کے معیار کو اور بلند کیا اور انجینیرنگ کو خاص طور پر ترقی دی گئی تاکہ وہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکے۔

ایک بڑے آدمی اور بڑے مقصد کے لئے یہ رقم بہت زیادہ نہیں ہے اور امید ہے کہ مسلمان بہت جلد ایک لاکھ روپیہ فراہم کر دیں گے۔ خدا انہیں اس کی توفیق دے۔ روپیہ ٹریژرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام آنا چاہئے۔

خاکساران

(ڈاکٹر سر) ضیاء الدین احمد وائس چانسلر،

(پروفیسر) ابوبکر احمد حلیم پرووائس چانسلر،

(خان بہادر حاجی) محمد عبید الرحمٰن خاں ٹریژرر

مختصر نوٹ اور واقعات

صوبۂ متحدہ میں راشن کی تجویز

الہ آباد کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ہز ایکسلینسی گورنر صوبجات متحدہ کی خدمت میں الہ آباد کے کچھ شہریوں کی طرف سے ایک ایڈرس اور ایک لاکھ روپیہ کی تھیلی ایک تدکاری ہوائی جہاز خریدنے کے لئے پیش کی گئی۔ گورنر نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومت کسی نہ کسی قسم کا راشن مقرر کرے گی۔

دوسرا طریقہ لوگوں کو کافی مقدار میں خوراک بہم پہنچانے کا یہ ہو سکتا ہے کہ حکومت خریداری کی ایک ایجنسی قائم کرے جو اناج وغیرہ خرید کر فروخت کرے یا اپنی نگرانی میں فروخت کرائے۔ ہز ایکسلینسی نے یہ بھی فرمایا کہ حکومت کے زیر غور یہ تجویز بھی ہے کہ جنگ کے بعد کی تعمیر سرگرمیوں کے لئے تمام [illegible]

[illegible] ایک

...دہلی کی ایک خبر میں یہ بتایا گیا ہے کہ گیہوں کے نرخ پر سے کنٹرول اٹھالینے کے متعلق حکومت ہند کے ... بعض صوبائی حکومتوں نے گیہوں کے تھوک بیوپاریوں کے نرخ پر کنٹرول قائم رکھ کر جو روّیہ عمل کیا ہے اس سے حالت قطعی بہتر نہیں ہوئی ہے۔ باخبر حلقوں میں کہا جارہا ہے کہ عنقریب ہی اس سلسلہ میں وائسرائے اور گورنر یوپی کی ملاقات ہوگی۔

لائل پور کے گیہوں کی منڈی کے بعد دوسرا نمبر ہاپڑ منڈی کا ہے اور پنجاب کے بعد یوپی میں سب سے زیادہ گیہوں پیدا ہوتا ہے، اس لئے یہ بات خاص طور پر ضروری ہے کہ ان دونوں صوبوں میں گیہوں کے تھوک کے نرخ میں یکسانیت قائم رکھی جائے۔

امریکہ میں جہاز سازی کا پروگرام — واشنگٹن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ میری ٹائم کمیشن کے صدر مسٹر ایمو رینزلینڈ نے یہ بتایا ہے کہ جنگی پیداوار کے بورڈ نے ایک کروڑ ۶۰ لاکھ ٹن کے جہاز اس سال بنانے کے لئے کافی مقدار میں فولاد وقف کردیا ہے اس سال امریکہ میں جہاز سازی کی رفتار ۵ ½ جہاز یومیہ ہوگی۔

کمیشن ۱۹۴۳ء میں مزید ایک کروڑ ... ٹن کے جہاز بنانے کے لئے فولاد حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہے اگر حسب ضرورت کافی مقدار میں فولاد مل گیا تو پروگرام کے مطابق جہاز بنانے کے لئے جہاز سازی کے کارخانوں کے مزید پونے دولاکھ مزدور ... ہوں گے۔

... دعوت ... پابندی — ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ ... دعوتوں کے بعد جو کھانا ضائع ... بچانے کی غرض سے ... [illegible]

ہوں، اس حکم کا نفاذ چار فروری ۱۹۴۳ء سے ہوگا اگر کوئی شخص دعوت دینا چاہے گا تو اسے بمبئی شہر کے سپلائی کمشنر سے باقاعدہ تحریری اجازت نامہ حاصل کرنا ہوگا۔

ڈھاکہ یونیورسٹی میں طلبہ کا ہنگامہ — ڈھاکہ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ کرزن ہال میں طالبات کی انجمن کے ایک جلسہ کے سلسلہ میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلبہ کی دو جماعتوں میں جھگڑا ہوگیا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جلسہ کی کاروائی "بندے ماترم" کے گیت سے شروع ہوئی، اس پر ایک مسلمان طالب علم نے اعتراض کیا۔ چنانچہ طلبہ دو پارٹیوں میں منقسم ہوگئے اور ایک دوسرے پر کرسیاں پھینکی شروع کیں، ہال کے باہر لڑائی ہونے لگی اور اس میں ٹوٹی کرسیاں، ہاکی کی اسٹکیں اور سوڈا واٹر کی بوتلیں آزادی سے استعمال کی گئیں۔

وائس چانسلر کی سخت کوشش کے باوجود آدھ گھنٹہ تک لڑائی ہوتی رہی، مسلح پولیس نے موقع پر پہنچ کر امن قائم کیا جو طلبہ زخمی ہوئے ان میں سے تین ہسپتال پہنچائے گئے، یونیورسٹی بند ہے اور مسلح پولیس گشت لگارہی ہے۔

جنگ کے خاتمہ کی پیشین گوئی — کلکتہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ اسٹیٹسمین کے ایڈیٹر مسٹر آرتھر مور نے ایک انٹرویو کے دوران میں یہ کہا کہ میری یہ قطعی رائے ہے کہ جنگ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہوجائے گی، پریزیڈنٹ روزولٹ، مسٹر چرچل اور اتحادی فوجی افسروں کے درمیان جو طویل و مکمل مشورے ہوئے ہیں نیز روس کو ہماری روزافزوں امداد پہنچ رہی ہے اس سے ہم سب کی یقیناً حوصلہ افزائی ہوئی ہے اور اگر ڈھیل نہ ڈالی گئی تو ایسی کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ جنگ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی نہ ختم ہوجائے۔

اجلاس کانفرنس کے انتظامات — کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سلسلہ میں ضروری انتظامات شروع ہوگئے ہیں گزشتہ ہفتہ میں کمیٹی فراہمی چندہ اور استقبالیہ کمیٹی کے جلسے منعقد ہوئے جن میں غور و بحث کے بعد ضروری امور طے ہوئے، اور اجلاس کا پروگرام مرتب کیا گیا جو اس پرچہ میں شائع ہورہا ہے۔

مطبوعات مدینہ پریس

کلام پاک عکسی — مترجمہ حضرت شیخ الہند اسیر مالٹا معہ تفسیر و حواشی از شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی۔ بہترین ترجمہ بہترین تفسیر۔ اردو داں اصحاب کیلئے بےنظیر تحفہ، روح کو تسکین دینے کی خاص چیز۔ طباعت اور صحت کے لحاظ سے بھی بےمثل، ہدیہ قسم اول خانی مجلد چرمی ۵ء، ہدیہ دوم غیرخانی مجلد چرمی سے۔ حمائل شریف خانی مجلد چرمی ۔ سستا ایڈیشن (جس میں صرف ترجمہ ہے تفسیر نہیں ہے) مجلد پارچہ ۔

یازدہ سورہ عکسی — مترجمہ حضرت شیخ الہند ہفت رنگ ہر صفحہ نقش و نگار سے جگمگاتا ہوا نہایت خوبصورت نہایت شاندار ہدیہ مجلد .. ۔

وعائے گنج العرش ـ مثل یازدہ سورہ خوبصورت و خوشنما ہدیہ مجلد ۔

اعمال قرآنی کامل — آیات کلام پاک کے خواص از حکیم الامت مولانا تھانوی قیمت .. ۸ر

عقل و ایمان — مصر کے ایک مشہور فاضل کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ جس میں عقیدۂ اسلامیہ اور اثبات صدق نبوت محمدیہ کے موضوع اور بعض دیگر مسائل پر نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں بحث کی گئی ہے قیمت ۸ر

خیر الکلام — علامہ شمس الدین ابو عبداللہ ابن قیمؒ کی مشہور کتاب "جلاء الافہام" کا اردو ترجمہ جس میں درود و سلام کی فضیلت عالمانہ انداز اور سلیس پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ قیمت .. .. ..

سفرنامہ شیخ الہندؒ — مالٹا کے سفر اور اسیری کے حالات اور حضرت شیخ الہندؒ کی مختصر سوانح عمری۔ ۸ر

ملنے کا پتہ:- کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

علی گڑھ کی نمائش

علی گڑھ کی مشہور و معروف نمائش اس دفعہ بھی حسب معمول اپنی پرانی شان کے ساتھ ہورہی ہے۔ سب دوکاندار جو ہمیشہ آیا کرتے تھے اس دفعہ بھی آئے ہیں نمائش ... فروری سے شروع ہوکر ۱۰ فروری ۱۹۴۳ء تک جاری ... حسن اتفاق سے اس زمانہ میں آل انڈیا ... کانفرنس کا سالانہ اجلاس اور مسلم یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد بھی ہورہا ہے اس لئے امید ہے کہ بیرونی مہمانوں کو بھی نمائش دیکھنے کا موقع ملے گا مقامی حکام نمائش کو کامیاب بنانے اور دوکانداروں کو سہولت بہم

... مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خان ندوی ... نے دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا۔

R.N.A. 520

رجسٹرڈ نمبر ایل ۔ ۵۲۰

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار تعلیمی و اصلاحی اخبار

کانفرنس گزٹ

علی گڑھ

قیمت اخبار
سالانہ۔ تین روپیے
ششماہی۔ دو روپیے
سہ ماہی۔ ایک روپیہ

قیمت فی پرچہ
ایک آنہ

تاریخ ہائے اشاعت
ہر ماہ عیسوی کی

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۱۲)

۲۱ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء کو مسلم یونیورسٹی کورٹ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، جس کی دوسری نشست شام تک جاری رہی، اس اجلاس میں بجٹ منظور ہوا، نیز بعض دوسرے اہم معاملات کا فیصلہ ہوا۔ مختلف صوبوں کے بہت سے ممبر اس اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔

انجمن ترقی اردو کا اخبار "ہماری زبان" رقمطراز ہے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سندوں کے اجلاس میں جو ابھی ہو چکا ہے ان بزرگوں کو اعزازی سندیں ڈاکٹریٹ کی دی گئیں، نواب صدر یار جنگ بہادر، مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، یہ تینوں بزرگ اس اعزاز سے اگرچہ مستغنی ہیں مگر واقعی مستحق تھے، بجائے اس کے چاہیے کہ مسلم یونیورسٹی کو مبارکباد دی جائے کہ ان کی اعزازی سندات کی فہرست میں نہیں ایسے نام ایزاد ہوئے جن سے وہ فہرست سج گئی۔

انجمن عثمانیہ امرتسر کے سکریٹری چودھری احمد سعید صاحب ایم اے، ایل ایل بی اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن عثمانیہ امرتسر کا آٹھواں سالانہ جلسہ ۲۱-۲۲ مارچ کو ہونا قرار پایا تھا لیکن بعض اہم وجوہ کے پیش نظر اجلاس ۱۱-۱۲-۱۳-اپریل پر ملتوی کر دیا گیا۔

لکھنؤ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ صوبجات متحدہ کے چند شہروں میں جن میں لکھنؤ بھی شامل ہے آئندہ مہینہ سے اناج کا راشن مقرر کر دیا جائے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حسب ذیل بنیادوں پر راشن کارڈ جاری کرنے کے لئے وسیع پیمانہ پر انتظام کر دیا گیا۔

بالغ العمر اور ۱۲ سال سے زیادہ عمر کے لوگوں کے لئے فی کس ڈیڑھ چھٹانک اناج روزانہ اور ۱۲ سال سے کم عمر بچوں کے لئے فی کس پانچ چھٹانک روزانہ ملے گا۔ ان شہروں میں سے ہر ایک کو راشن کی تقسیم کے لئے کئی حلقوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ عام لوگ اپنے علاقہ کی کسی بھی دوکان سے راشن کے مطابق اناج خریدنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ ہوٹلوں وغیرہ کو اناج پہنچانے کا بندوبست بھی کیا جائے گا۔ جو افسر خوراک کے راشن کے متعلق حکومت صوبۂ متحدہ کی اسکیم کے سلسلہ میں کام کریں گے ان کی تربیت کے لئے حکومت نے تین دن کا نصاب مقرر کیا ہے۔

---

۲۳ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء کو ہندوستان میں یوم پاکستان منایا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے ایک طویل بیان شائع کیا ہے جس کے آخر میں وہ تعلیم یافتہ طبقہ اور طلبہ سے اپیل کرتے ہیں کہ اس کار عظیم کے لئے جو آپ کو درپیش ہے اپنی تربیت کیجئے اور مسلح ہو جائیے، آخری نتیجہ آپ ہی کے ہاتھوں پر منحصر ہے اور وہ ہماری گرفت کے قریب ہے۔

ماضی میں آپ نے حیرت انگیز کام کئے ہیں آپ اب بھی اس قابل ہیں کہ اپنی تاریخ کو دہرائیں دوسری اقوام کے مقابلہ میں آپ محاسن و صفات کے اعتبار سے کسی طرح کم نہیں ہیں، بس اتنی بات کی ضرورت ہے کہ آپ پر یہ حقیقت روشن ہو جائے، آپ اسے محسوس کرنے لگیں اور پھر اس کی کہ ہمت کے ساتھ، اعتماد کے ساتھ اور اتحاد کے ساتھ عمل کریں۔

ہمیں امید ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان [illegible] اپیل کی طرف ... توجہ کی اہمیت کا ... [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ - مارچ ۱۹۴۳ء

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس

(۵)

اجلاس شعبۂ تالیف و تصنیف

تقریباً ۳ ½ بجے کانفرنس کے شعبۂ تالیف و تصنیف کا اجلاس اسٹریچی ہال میں منعقد ہوا۔ سب سے پہلے نواب صدر یار جنگ بہادر آنریری سکرٹری کانفرنس نے ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو کے لئے تحریک صدارت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں آپ کی خدمت میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ اس اجلاس کے صدر مولوی عبدالحق صاحب منتخب ہوں، مولوی صاحب کی عمر کا بڑا حصہ اردو کی خدمت میں گزرا ہے، اُن کے سوا اور کون صدر ہوسکتا۔ وہ انجمن ترقی اردو کے معتمد ہیں لیکن اُن کی ذات بجائے خود ایک انجمن ہے۔ مولانا حالی نے تو معلوم نہیں کس حالت میں اور کس موقع کے لئے کہا تھا لیکن مولوی صاحب پر اُن کا یہ شعر بالکل چسپاں ہے

بہت لگتا ہے جی صحبت میں اُس کی
وہ اپنی ذات سے اک "انجمن" ہے

مولوی صاحب کی اتنی عمر اردو کی خدمت میں گزری وہ مسلسل کام کر رہے ہیں اور اب بھی کئے جا رہے ہیں یہ حق ہے زیادہ کون صدارت کا مستحق ہوسکتا ہے اس لئے میں تحریک کرتا ہوں کہ مولوی صاحب صدر منتخب کئے جائیں۔

مولوی سید طفیل احمد صاحب نے تحریک صدارت کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہ موقع دیا گیا ہے کہ میں اس تحریک کی تائید کروں، جب کسی کی صدارت کے لئے تحریک یا تائید کی جاتی ہے تو اس میں تعریف و تعارف کا ایک پہلو ہوتا ہے لیکن مولوی عبدالحق صاحب تعارف سے مستغنی ہیں، اس لئے تائید سے درحقیقت بیرا لتعارف ہو رہا ہے۔

جیسا کہ نواب صاحب نے فرمایا۔ مولوی صاحب مدت سے اردو کی خدمت کر رہے ہیں اور اب اس پر کئی قرن گزر گئے ہیں

۱۹۰۳ء میں شعبہ اردو کانفرنس میں قائم ہوا۔ اس کے پہلے سکرٹری مولانا شبلی نعمانی تھے، ۱۹۱۲ء میں مولوی عبدالحق صاحب اس شعبہ کے سکرٹری قرار پائے۔ جو ۱۹۲۳ء تک برابر اپنے شعبہ کی رپورٹیں کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں پیش کرتے رہے، اس کے بعد مولوی صاحب نے اس مقصد کے لئے سرمایہ فراہم کیا اور اس شعبہ کو مستقل حیثیت دے کر اس کا نام انجمن ترقی اردو رکھا۔ جو اب تک اردو کی خدمت میں مصروف ہے۔ مولوی صاحب کی ان خدمات کے لحاظ سے میں اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے درخواست کرتا ہوں کہ جناب والا صدارت کی کرسی پر تشریف لائیں۔

تحریک و تائید کے بعد ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب صدارت کی کرسی پر تشریف لائے۔ اس کے بعد موصوف نے مولوی رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے سکرٹری شعبہ سے رپورٹ پڑھنے کے لئے فرمایا۔ جو پڑھی گئی، یہ رپورٹ حسب ذیل ہے۔

رپورٹ سکرٹری شعبۂ اردو (تصنیف و تالیف)

جناب صدر، خواتین و حضرات،

کانفرنس کے شعبۂ اردو کے تصنیف و تالیف کی کارگزاری کی رپورٹ پیش کرنے سے پہلے میں اپنا یہ نہایت خوشگوار فرض سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کی اس شعبہ کی صدارت کے لئے تشریف آوری پر اظہار مسرت کروں۔ نیز میں اپنی یونیورسٹی کو بھی مبارکباد دینا چاہتا ہوں کہ اس نے امسال مولوی عبدالحق صاحب و سید سلیمان ندوی صاحب اور نواب صدر یار جنگ بہادر کو اعزازی علمی ڈگریاں دے کر اپنی علم دوستی ادب نوازی اور قدرشناسی کا ثبوت دیا ہے ہمارے ان بزرگوں کی خدمات علم و ادب اتنی گرانقدر اور بلند پایہ ہیں کہ ان کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔

کانفرنس کا یہ شعبہ کانفرنس کی ابتدا سے علمی و ادبی خدمات کے انجام دینے اور اہم اور مستند کتابوں کے شائع کرنے میں مصروف رہا ہے علامہ شبلی اور ان کے بعد ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی توجہ سے انجمن ترقی اردو جو ایک شعبہ کے طور پر شروع ہوئی تھی، ایک زندہ ادارہ بن گئی ہے۔ انجمن کے سکرٹری آج ہمارے اس شعبہ کے صدر ہیں اور آپ اسے پہلے بھی کئی بار وہیں۔ شرف عطا کر چکے ہیں اس طرح انجمن ترقی اردو اور کانفرنس کا تعلق اب بھی قائم ہے اور انجمن کی خدمات پر کانفرنس بھی فخر کرتی ہے۔

پونا میں کانفرنس کا جو اجلاس ہوا تھا اس کے بعد اس شعبہ کی طرف سے حسب ذیل کتابیں شائع کی گئیں۔

۱۔ تحفۃ المجاہدین ۔ از شمس اللہ قادری صاحب،
۲۔ تعلیم جدید ۔ از چودھری محمد اکبر صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم اسکول لائل پور

۳۔ اللغات الاقبال ۔ از مولوی فضل قدیر صاحب ندوی لکھنؤ

اس کے علاوہ حسب ذیل تصانیف کی طباعت و اشاعت کا سامان کیا جا رہا ہے۔

(۱) مسلمانان بنگال کی تعلیمی حالت کا جائزہ از پروفیسر قمر صدیقی ایم اے لکچرر کمرشل کالج کلکتہ،

یہ مقالہ خاص طور پر سو روپیہ کا معاوضہ دیکر لکھوایا گیا ہے اور اس سے بنگال کے مسلمانوں کی تعلیمی استعداد اور ضروریات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس کی اشاعت مقدم ہے۔

(۲) کانفرنس کی جوبلی کے موقع پر مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر مقالے لکھوائے گئے تھے اور پانچ سو روپیہ کے تین انعام دئے گئے تھے۔ یہ مقالے اس قابل ہیں کہ انھیں شائع کیا جائے۔

(۳) جوبلی کے اجلاس میں اور اس کے بعد کانفرنس میں بعض نہایت مفید اور فاضلانہ مقالے پڑھے گئے۔ یہ مقالے درحقیقت بڑے غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ کانفرنس میں اکثر ہنگامی ضروریات کی بنا پر انھیں اس توجہ و انہماک سے نہیں سنا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔ دوسرے امید ہے کہ وہ ہمارے تعلیمی نظام کے بنانے اور اسے ایک مستقل صورت دینے میں بڑے

حالات کے بدلنے پر غور کیا جائے گا۔

(۴) ملک کے بعض گوشوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ کانفرنس دینیات کی کتابیں، لڑکیوں کی درسی کتابیں، اور تاریخ کی درسی کتابیں خاص طور سے شائع کرائے۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کی تعلیم کا مکمل خاکہ بنانے والوں کے سامنے آئے گا۔ اور یہ شعبہ ہر اس خدمت کے لئے حاضر ہے جو اس سلسلہ میں مفید ہوسکتی ہے۔

حضرات! کانفرنس نے اس وقت تک ۵۰ سے زیادہ کتابیں شائع کی ہیں۔ بکڈپو میں اردو کی ۱۴۰۰۰ (چودہ ہزار) کتابیں ہیں۔ ان میں کانفرنس کی مطبوعات کے علاوہ ملک کے دوسرے اشاعت گاہوں کی شائع کردہ کتابیں ہیں۔ چند سال پہلے ۲۵ روپیہ سالانہ کی کتابیں فروخت ہوتی تھیں لیکن ہمیں خوشی ہے کہ پچھلے سال ۵۰۰ روپیہ کی کتابیں فروخت ہوئیں اور امسال ایک ہزار کے قریب فروخت ہوچکی ہیں۔

حضرات! کانفرنس کے ابتدائی زمانہ میں چونکہ اردو کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بہت زیادہ وسیع نہیں ہوا تھا، اس لئے خاص خاص کتابوں کا شائع کرنا بہت بڑا کام تھا۔ کانفرنس کے اس شعبہ نے اردو کی بہت سی اچھی کتابوں کو ملک کے سامنے لاکر اس ضرورت کو پورا کیا۔ لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ ملک میں بہت سے اچھے ادارے مختلف کتابوں کی اشاعت میں سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ علمی، ادبی، عام فہم غرض ہر قسم کی کتابیں چھپتی اور مقبول ہوتی ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہر سال میں معیاری اور مستند و عام فہم کتابیں شائع کرتی ہے۔ دارالمصنفین، مکتبہ جامعہ، دارالترجمہ حیدرآباد، مکتبۂ اردو، ندوۃ المصنفین اور ملک کے دوسرے ادارے اپنی اپنی بساط کے مطابق اردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ کانفرنس نے جو چراغ روشن کیا تھا اس کا اجالا گوشہ گوشہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے اب ہمارا کام صرف چند کتابوں کی اشاعت نہیں رہا بلکہ اس سے زیادہ اہم ہوگیا ہے کانفرنس سے ملک کے سنجیدہ طبقے ذہنی قیادت کی امید رکھتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں اس شعبہ کے کام کو اور مفید بنائیں اور اس سے ہماری بنیادی ضروریات پوری ہوسکیں۔

امسال کانفرنس نے ہر شعبے کو موقع دیا ہے کہ وہ اپنے کام کو زیادہ مفید اور ہمہ گیر بنانے کے لئے ایک مشاورتی کمیٹی بھی بنائے۔ چنانچہ اس سال کے انتخابات کے ذریعہ سے حسب ذیل اشخاص اس شعبہ کے ممبر قرار پائے۔

(۱) نواب صدر یار جنگ بہادر،
(۲) خان بہادر عبدالمجید قزلباشی صاحب،
(۳) شفاء الملک حکیم مولوی محمد عبداللطیف صاحب،
(۴) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب،
(۵) مولوی سید طفیل احمد صاحب،
(۶) مسٹر آل احمد سرور،
(۷) خان بہادر ڈاکٹر ضیاء الرحمن خاں صاحب،
(۸) میاں بشیر احمد صاحب بار ایٹ لا ایڈیٹر رسالہ ہمایوں،
(۹) عبدالقادر خاں صاحب ایم اے بی ٹی دہلی،
(۱۰) ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب جامعہ ملیہ دہلی،

ان حضرات سے مشورہ کرنے کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ اس شعبہ کی سرگرمیاں صرف تعلیمی ادب کی اشاعت کے لئے صرف ہوں۔ مختلف صوبوں کے تعلیمی حالات کا جائزہ، بالغوں، بچوں، پیشہ وروں کی تعلیم کے متعلق تحقیق، جدید نظریات کی وضاحت، مغربی طریقہ پر بحث و تمحیص ضروری ہے۔ ہم اس شعبہ کی طرف سے متفرق کتابیں شائع کرنے کے بجائے فی الحال تعلیمی لٹریچر شائع کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی ایک باقاعدہ پروگرام کے ماتحت۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے ماہرین تعلیم کی کمیٹی اس قسم کا ایک پروگرام ہمارے لئے وضع کرے گی۔

آخر میں میں جناب صدر کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ہماری دعوت قبول فرمائی اور آپ سب حضرات کا ممنون ہوں جنھوں نے شرکت کرکے ہماری عزت افزائی کی۔ خصوصاً میں جناب سجاد مرزا صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج حیدرآباد کا ممنون ہوں جو اپنے بنیادی ٹائپ کے نمونوں کی نمائش بھی کر رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ اس کا اچھی طرح معائنہ کریں گے اور اس کی خوبیوں پر غور فرمائیں گے۔

مندرجہ بالا رپورٹ پڑھے جانے کے بعد پروفیسر سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج (حیدرآباد دکن) نے اردو کی طباعت کے مسئلہ پر ایک مفید و پرازمعلومات تقریر کی اور اس سلسلہ میں اپنے تجارب بیان کئے۔

پروفیسر صاحب نے اس تقریر میں دلنشین دلائل سے ٹائپ کی ضرورت و اہمیت واضح کی اور یہ بتایا کہ ٹائپ کے حروف میں طبع ہونے کی وجہ سے ہندی کس قدر غیر معمولی ترقی کر رہی ہے، کیونکہ ٹائپ کی وجہ سے ہندی کتابوں پر کم لاگت آتی ہے اور وہ تھوڑے وقت میں بہت زیادہ تعداد میں چھپ سکتی ہیں اور اپنی قیمت کی ارزانی کی وجہ سے اردو کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ تعداد میں فروخت ہوتی ہیں۔

سلسلۂ تقریر میں آپ نے اردو ٹائپ کے رواج کی تدریجی تاریخ، اس کی تیاری کی مشکلات اور ٹائپ کے حروف کی تعداد و نوعیت وغیرہ پر بھی مفصل بحث کی۔ اسی سلسلہ میں آپ نے بتایا کہ ٹائپ کے حروف کی وجہ سے ہندی اور انگریزی کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اسمبلی وغیرہ کی تقریریں اور مباحثے ان زبانوں میں جلد چھپ جاتے ہیں لیکن اردو کو لیتھو کی مشکلات کی وجہ سے یہ سہولت میسر نہیں ہے۔

تقریر کے علاوہ پروفیسر صاحب نے اپنے تجویز کردہ ٹائپ کے نمونوں کی بھی نمائش کی جو اسٹریچی ہال کے باہر برآمدہ میں لوگوں نے دیکھی پروفیسر صاحب کے بیان کے مطابق مجوزہ ٹائپ کی خصوصیات مختصر طور پر حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ٹائپ میں حروف کی اصلی شکل کو باقی رکھا گیا ہے تاکہ مبتدیوں کو پڑھنے میں سہولت ہو۔

۲۔ مروجہ نسخ (عربی) ٹائپ میں تقریباً ۴۲۶ حروف ہیں اور بمبئی کے نسخ ٹائپ میں ۲۲۵ حروف ہیں، لیکن یہ نو ایجاد ٹائپ سو سے بھی کم حروف میں مکمل کرلیا گیا ہے۔

۳۔ حرفوں کی وضع ایسی ہے کہ ٹائپ ڈھالنے میں سہولت ہو اور حروف کی نوکیں وغیرہ اس طرح قائم کی گئی ہیں کہ استعمال میں ٹوٹ نہیں سکتیں۔ اس لئے دوسرے ٹائپوں کے مقابلہ میں اس کی عمر آٹھ گنی زیادہ ہے۔

۴۔ دوسرے ٹائپوں کا ایک فانٹ یعنی مکمل سیٹ جتنی قیمت میں خریدا جاسکتا ہے اسی قیمت میں اس بنیادی ٹائپ کے تقریباً چار فانٹ مل سکتے ہیں، لہذا ایک فانٹ سے جس صفحات کمپوز ہوسکیں گے چار فانٹ سے اس سے چوگنے ہوں گے۔

رپورٹ سکریٹری شعبۂ نسواں

۱۴ فروری ۱۹۴۳ء کو شعبۂ نسواں کے اجلاس میں مس قمر جہاں صاحبہ نے اسٹریچی ہال میں پڑھی

جناب صدر، حاضرین و حضرات جلسہ! کانفرنس کی گزشتہ پچاس سال کی تاریخ میں اس ہال میں آج کا جلسہ اس شان سے منعقد ہونا ایک تاریخی واقعہ ہے زمانہ ہر لمحہ ایک نئی کروٹ بدلتا ہے اور اس کی ہر کروٹ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ غالباً آپ حضرات میں اس وقت اکثر ایسے بھی تشریف رکھتے ہیں جن کو کانفرنس سے دیرینہ دلچسپی ہے۔ اور اس کے گزشتہ بہت سے اجلاسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ ان حضرات کے ذہن میں یقینی کانفرنس کے اس دور کی یاد بھی تازہ ہوگی۔ جبکہ تعلیم کی کمی نہیں۔ بلکہ رسم و رواج کے ماتحت ہمیں اس قسم کے ہنگاموں میں شرکت کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن زمانہ ایک حالت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صرف چند ہی سال قبل اجلاس میں خواتین کو پس پردہ بھی بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اب بفضلہ تعالیٰ اس قدر خواتین کا مجمع ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک معزز خاتون کرسی صدارت پر رونق افروز ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس درجہ تک پہنچنے میں طبقۂ نسواں کی اپنی جد و جہد اور تعلیمی ترقی کا بہت بڑا حصہ ہے لیکن ساتھ ہی ہمیں اپنے بزرگ بھائیوں کا شکریہ بھی ادا کرنا لازمی ہے کہ انھوں نے ہماری جائز آزادی کو ہمدردی کی نظروں سے دیکھا۔ اور ساری بندشیں ڈھیلی کیں اور ہمیں آگے بڑھنے کے لئے راستہ بنایا امید ہے کہ آئندہ بھی ایسا ہی سلوک رہے گا

کانفرنس کی خدمات مسلمانان ہند پر اس قدر ہیں جن کا شمار کرنا آسمان کے تاروں کو شمار کرنے کا مصداق ہوگا۔ ابتدا سے اب تک اس کا نصب العین مسلمانوں کی تعلیمی بیداری اور ترقی رہا اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس نے ہر ممکن امکانی کوشش کی۔ ملک کے طول و عرض میں دورہ کر کے اور اجلاس کر کے سعی کی اور خدا کا شکر ہے کہ بڑی حد تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ مقصد کی کامیابی کا سب سے بڑا ثبوت مسلمانوں کی عام تعلیمی دلچسپی اور بیداری ہی نہیں۔ بلکہ مسلمانان ہند کی واحد درس گاہ علی گڑھ یونیورسٹی اور مسلم گرلز کالج ہے۔ اگر کانفرنس اپنے اجلاسوں و اداروں سے ملک کے طول و عرض میں تعلیم کی ضرورت اور علی گڑھ کی اہمیت کی نشر و اشاعت نہ کرتی تو کیا معلوم آج ہم کہاں ہوتے۔

اس میں شک نہیں کہ اس کامیابی کا سہرا بزرگ قوم سرسید علیہ الرحمۃ کے رفقاء کار اور ایک حد تک ہمارے جواں ہمت قابل احترام بزرگ نواب صدر یار جنگ بہادر آنریری سکریٹری کانفرنس کے سر ہے جو دامے درمے قدمے سخنے گزشتہ بیس سال سے اپنی اعلیٰ قابلیت اور خاموشی سے ملک و قوم کی ٹھوس خدمت انجام دیتے رہتے ہیں۔ اور جن کی بیش بہا خدمات سے قوم کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ کانفرنس کے لئے تو موصوف کی ذات علت و معلول کی طرح ہے۔ حضرات مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کانفرنس کے شعبۂ تعلیم نسواں کی مختصر سی تاریخ بھی بیان کروں یوں تو دنیا کی تاریخ حضرت آدم سے شروع ہوتی ہے لیکن علی گڑھ کی ہر چیز کی تاریخ سرسید علیہ الرحمۃ سے شروع ہوتی ہے چنانچہ اس کانفرنس کا ابتدائی دور بھی انہیں مبارک ہاتھوں سے اسی مبارک سر زمین میں شروع ہوا۔

لیکن بالکل ابتدا میں چونکہ تعلیم نسواں کی جانب خیال کرنا بھی معیوب خیال کیا جاتا تھا اور اسی بنا پر عرصہ تک اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔

حضرات آپ میں سے زیادہ واقف ہیں کہ کانفرنس کا طریقہ کار رہا کہ اس کے مختلف اجلاس ملک کے سربرآوردہ حضرات کی صدارت میں منعقد ہوں جس میں تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مباحثہ ہوا اور ریزولیوشن پاس ہوں۔ لیکن رفتہ رفتہ ضروریات کی نوعیت پر غور کرتے ہوئے چار مختلف شعبے بنائے گئے تاکہ ہر شعبہ کی مخصوص ماہرین تعلیم اس میں طے کریں۔ اس طرح سے کام میں بہت سہولتیں ہو گئیں۔ چنانچہ دیگر شعبہ جات کی طرح سے شعبۂ تعلیم نسواں بھی قائم ہوا۔ اور ۱۹۳۶ء کا زمانہ تھا جب رامپور میں شعبۂ تعلیم نسواں کا پہلا اجلاس زیر صدارت نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب (موجودہ سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ) ہوا۔ اور پروفیسر بشیر احمد ہاشمی (موجودہ پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور) سرگرم سکریٹری تھے۔ یہاں پر یہ امر بیان کرنا ضروری ہے کہ اس سے قبل خان بہادر شیخ عبد اللہ صاحب سکریٹری گرلز کالج کمیٹی عرصہ تک سکریٹری شعبۂ تعلیم نسواں کی حیثیت سے ممبران کانفرنس کی توجہ تعلیم نسواں کی طرف مبذول کرتے رہے گزشتہ سالوں کی رپورٹوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم نسواں کی حمایت میں بہت سے ریزولیوشن مختلف اجلاسوں میں پاس کئے گئے خاص طور پر ۱۹۲۲ء میں جبکہ سیشن مدراس میں ہوا اور جنوبی ہند کے مرسید سیٹھ محمد حسن مرحوم (جن کو تعلیم نسواں سے والہانہ دلچسپی تھی) نے تعلیم نسواں کی طرف توجہ دلائی اور اس میں عملی کام بھی کیا۔ خان بہادر شیخ عبد اللہ صاحب کا سکریٹری کی حیثیت سے عملی کارنامہ یہ ہے کہ ایک معمولی مدرسہ قائم کر کے اسے اعلیٰ قسم کا ڈگری کالج بنا دیا جس کے لئے وہ طبقۂ نسواں کی شکرگزاری کے مستحق ہیں۔ اجلاس ۱۹۳۶ء میں مختلف تقاریر کے بعد چار ریزولیوشن پاس ہوئے (۱) لڑکیوں کی تعلیمی کمی کو پورا کرنے کے ذرائع (۲) گرلز انٹرمیڈیٹ کالج کو ڈگری کالج بنانے کی ضرورت۔ (۳) مسلمانوں کی اپنی تعلیم و تہذیب سے بیگانگی (۴) ٹرینڈ اسکولوں کی ضرورت

۱۹۳۸ء میں تعلیم نسواں کا جلسہ زیر صدارت جناب شیخ عبد اللہ صاحب علی گڑھ میں منعقد ہوا۔ پروفیسر ہادی حسن صاحب اور پروفیسر بشیر احمد صاحب ہاشمی نے سکریٹری کی خدمات انجام دیں۔ اس مرتبہ دو ریزولیوشن پاس ہوئے جس میں پہلے کے تین حصے تھے۔

(۱) لڑکیوں کی تعلیم کو لڑکوں کی تعلیم پر فضیلت ہونی چاہئے (۲) ابتدائی تعلیم کو ثانوی پر فوقیت (۳) لڑکیوں کی ابتدائی تعلیم کو مؤثر بنانے کے لئے ایک اسکیم کا مطالبہ۔ دوسرا ریزولیوشن گرلز انٹر کالج کو ڈگری کالج بنانے کا مطالبہ تھا۔

۱۹۳۸ء میں کانفرنس کا اجلاس پٹنہ میں ہوا اس دفعہ شعبۂ تعلیم نسواں کا کوئی باقاعدہ جلسہ نہ ہو سکا گو کہ لیڈی انیس امام صاحبہ کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کی صدر تھیں۔ عام اجلاس میں صرف ایک ریزولیوشن گورنمنٹ بنگال کی تعلیم نسواں کی کوششوں پر مبارکباد کا پاس ہوا۔

۱۹۳۹ء میں کانفرنس کا اجلاس کلکتہ جیسے کاروباری شہر میں ہوا اور شعبۂ تعلیم نسواں کی صدارت جناب ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب پرنسپل انجمنِ کالج بمبئی نے کی۔ جو تعلیم نسواں کے زبردست حامی ہیں۔ اور سکریٹری کے فرائض جناب الحاج مولوی مقتدیٰ خاں صاحب شروانی جیسی بزرگ ہستی نے انجام دئے۔ اور پانچ ریزولیوشن پاس ہوئے۔

(۱) لڑکیوں کی تعلیم میں کالجوں کی طرف سے میٹرک ایف، اے اور بی، اے میں معاشیات وخانہ داری کے انتظام کا مطالبہ۔

(۲) زنانہ مدارس میں دستکاری پر مزید توجہ اور اس کے لئے امداد وانتظام۔

(۳) مسلمان لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ڈھاکہ اور چٹاگاؤں میں مدارس کا قیام۔

(۴) بنگال گورنمنٹ سے درخواست کہ تعلیم نسواں کی ترقی کے لئے مستقل وغیر مستقل یکمشت مالی امداد۔

(۵) صوبہ بنگال کے مسلمانوں سے درخواست کہ ایک فنڈ قائم کریں۔ اور تعلیم میں امداد دیں۔

۱۹۳۰ء میں کانفرنس کا اجلاس پونہ میں زیر صدارت لیڈی شیخ عبدالقادر صاحبہ منعقد ہوا اور سکرٹری کی خدمات مولوی مقتدیٰ خاں صاحب نے انجام دیں۔ کانفرنس اور شعبۂ تعلیم نسواں کی تاریخ میں ایک تاریخی تبدیلی تھی اور پہلا موقعہ تھا کہ ایک محترم خاتون صدارت کے اہم فرائض انجام دینے کے لئے منتخب ہوئیں دوسرا قدم یہ کہ اس مرتبہ خواتین نے کثرت سے شرکت کی اور اپنے خیالات کا آزادی سے اظہار بھی کیا۔ اس بھی بڑھ کر دوسرا قدم آج ہے جبکہ شعبہ کی ہی ایک محترم خاتون دور دراز صوبہ سے منتخب ہو کر تشریف لائی ہیں۔

کانفرنس تعلیم نسواں میں مالی امداد بھی کرتی رہی ہے۔ چنانچہ ۱۹۴۲ء میں کانفرنس نے ۲۴۰۰ روپیہ سالانہ امدادی فنڈ سے ۱۹۸۲ روپیہ لڑکوں اور ۸۱۴ روپیہ لڑکیوں کے اسکولوں کو دیا۔

اسی طرح امدادی فنڈ وظائف ۴۲۵۲ روپیہ سالانہ سے ۲۳۶۸ روپیہ لڑکوں کو اور ۱۵۶ روپیہ دو لڑکیوں کو وظیفہ کے طور پر دیا۔ یہ تو کانفرنس کے شعبۂ تعلیم نسواں کی مختصر تاریخ تھی جو دیگر حضرات و خواتین نے انجام دی۔ اب مجھ سے سوال ہو سکتا ہے کہ تم نے سکرٹری کی حیثیت سے کیا خدمات انجام دیں۔

اس کے لئے عرض ہے کہ گزشتہ سال کے شروع تک میں کانفرنس کے جملہ ممبروں میں سے ایک سوئی ہوئی ممبر تھی کہ گزشتہ اکتوبر ۱۹۴۲ء کے الکشن میں سکرٹری شعبۂ نسواں کے اہم کام کی ذمہ داری میرے کندھوں پر رکھی گئی۔ ابھی میں اس خوشگوار بار کا توازن قائم کر کے کھڑی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ سالانہ سشن آگیا ایسی حالت میں مجھ سے کیا کام ہو سکتا تھا۔ میری کوشش تھی اور ہے بلکہ سکرٹری کی حیثیت سے میرا فرض بھی ہے کہ ہندوستان کی لڑکیوں کی تعلیمی حالت کا ایک خاکہ تیار کر کے آپ لوگوں کے سامنے پیش کروں۔ تاکہ معلوم ہو کہ۔ صرف یوپی بلکہ تمام ہندوستان میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیمی حالت کیا ہے۔ لیکن یہ کام اس قدر آسان نہیں تھا اور نہ اتنی قلیل مدت میں انجام پا سکتا تھا کیونکہ تمامی صوبوں کی گورنمنٹ رپورٹ دیکھنے کے بعد بھی حسب دلخواہ معلومات نہ حاصل ہو سکیں۔ جن حضرات نے ان رپورٹوں کا مطالعہ کیا ہے اس دشواری کو سمجھ سکتے ہیں اور یقینی وہ میرے ساتھ ہمدردی کریں گے لیکن جو کچھ معلومات ہیں انھیں مختصر طور پر ضرور بیان کروں گی۔ اب چونکہ اتفاق سے کانفرنس کا سشن یوپی میں ہے اور پھر خاص علی گڑھ میں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضلع علی گڑھ میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیمی حالت بیان کی جائے۔

علی گڑھ میں مسلمانوں کی آبادی قریب دو لاکھ ہے اور ہندوؤں کی آبادی گیارہ لاکھ ہے یعنی ۸۵ فی صدی ہندو زیادہ ہیں۔ چنانچہ اب اسکولوں کو دیکھئے کہ تمام ضلع میں ۴۳ اسکول ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہیں اور ان کی تفصیل نہایت دلشکن ہے۔ گو مضافات میں ۴۳۔ اسکول ہیں جن میں ہندو لڑکیوں کے لئے دو مڈل اسکول کھیر اور سبڈوں میں اور ۳۹ پرائمری اسکول مختلف جگہوں میں۔ ۲۷ دوسری جماعت تک کے اور ۱۲ چوتھی جماعت تک ان ۴۱ اسکولوں کے مقابلہ میں مسلمان لڑکیوں کے لئے صرف پرائمری اسکول ہیں۔ ایک جلالی میں دوسرا کھیر میں۔ اور ان دونوں اسکولوں کی حالت بھی بہت خراب۔ دونوں میں قریب ۳۵۔ لڑکیاں اور صرف ایک ایک استانی ہے۔ ان دونوں اسکولوں کی خراب حالت کی وجہ پردہ کی دشواری اور سواری کی غیر موجودگی ہے۔ سب سے زیادہ قابل افسوس یہ امر ہے کہ ہر دو جگہ بفضلہ مسلمانوں کی اچھی تعداد ہے خاص طور پر جلالی جو علی گڑھ کے قریب ہی ہے لیکن وہاں کے امراء نے کبھی کبھی اسکول کی ضروریات کو پورا کرنے کی اور اس کی حالت درست کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار فرمایا اور نہ اپنی اور اپنے طبقہ کی حالت کی توجہ گورنمنٹ پر ظاہر کی جس کا نتیجہ ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی لڑکیوں کی تعلیمی گرانٹ ۱۵۰۳۰ روپیہ میں صرف ۴۸۰ روپیہ سالانہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں خرچ ہوتا ہے اور باقی حصہ پورا ہندوؤں پر صرف ہوتا ہے۔ اگر تمام مسلمان اس طرف توجہ کریں اور گورنمنٹ ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں تو بہت ممکن ہے کہ بعض ایسے اسکول جن کی حالت زیادہ اچھی نہیں بند کر کے مخصوص مسلمان لڑکیوں کے اسکول کھولے جائیں ڈسٹرکٹ بورڈ میں مسلمان لڑکوں کی تعلیم کے لئے ۶۰۰۰ روپیہ سالانہ کی گرانٹ علیحدہ ہے دوسری طرف اچھوتوں کے لئے علیحدہ گرانٹ ہے لیکن لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے گو کہ ڈسٹرکٹ بورڈ مسلم ایجوکیشن کمیٹی نے اپنی سالانہ رپورٹ میں گورنمنٹ کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی کہ مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک علیحدہ گرانٹ ہونا چاہئے تاکہ لڑکیوں کو وظائف دئے جائیں نیز ان کی مخصوص دشواریاں رفع ہوں۔

لیکن اس پر غور نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ڈسٹرکٹ بورڈ اور گورنمنٹ کی ۳½ لاکھ سالانہ گرانٹ میں مسلمان لڑکیوں کے حصہ میں صرف ۴۸۰ روپیہ سالانہ آتا ہے۔ یہ حال تو علی گڑھ کے ضلع کا ہے جس میں بفضلہ تعالیٰ معقول تعلیم یافتہ حضرات کی تعداد ہے۔ نیز تعلیم کی ضرورت کو سمجھتے ہیں۔ نہ معلوم دیگر اضلاع کا کیا حال ہوگا۔ ممکن ہے یہ ۴۸۰ روپیہ والی رقم بھی نہ ملتی ہو۔

اب آپ شہر کو لیجئے دو گورنمنٹ اسکول ہیں ایک ہندوؤں کا دوسرا مسلمانوں کے لئے۔ ہندوؤں کا مڈل اسکول ہے اور مسلمانوں کا وہی چوتھی جماعت تک میونسپلٹی کی طرف سے تین اسکولوں کو گرانٹ ملتی ہے ایک ٹیکارام ہائی اسکول جس میں ایک بھی مسلمان لڑکی نہیں ہے۔ دوسرا مشن اسکول اس میں کچھ تعداد ہے تیسرا اینگلو ورنا کیولر اسکول۔ اس میں ضرور مسلمانوں کی کافی تعداد ہے۔ ان کے علاوہ ممکن ہے کہ کہیں شہر میں کوئی خستہ حال اور اسکول بھی ہو لیکن گورنمنٹ یا میونسپلٹی اس کی مدد نہیں کرتی۔ اس کے بعد یونیورسٹی کی طرف آئیے تو بفضلہ تعالیٰ ایک گرلز کالج ہے۔ اس میں ۴۵۰ لڑکیاں ہیں جس میں ۱۲۵ بورڈنگ میں ہیں انٹرمیڈیٹ تک ۱۵۰ لڑکیاں باقی ۳۰۰ ہائی اسکول میں ہیں۔ اس موقع پر ہمارا فرض ہے کہ مسلم یونیورسٹی اتھارٹیز کا بھی قوم اور طبقۂ نسواں کی طرف سے شکریہ ادا کریں کہ آخر انھوں نے پوسٹ گریجویٹ طالبات کے لئے تعلیم کا انتظام یونیورسٹی میں کیا ہے اور اس وقت خدا کے فضل سے ایم اے میں ۱۰ لڑکیاں۔ انگلش، جغرافیہ، فلاسفی، اقتصادیات اور تاریخ

کریم ہیں۔ ان حضرات پر پروفیسر حبیب الرحمن صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج کی ہمت و کوشش بھی قابل ذکر ہے جنہوں نے اپنے زمانہ پرنسپلی میں ہزار ہا دشواریوں کا مقابلہ کرکے ٹریننگ کالج میں لڑکیوں کا انتظام کیا اور ایک بہت زبردست ضرورت کو پورا کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ گزشتہ چار سال میں کم و بیش پچاس لڑکیاں بی ٹی کا امتحان پاس کرکے مختلف گورنمنٹ اور مسلم اسکولوں میں ملازم ہوئیں جس سے مسلمان اساتذہ کی کمی پوری ہو رہی ہے۔ اُن کے آگے رفتار ترقی کھل گئی ہے اور اگر اس خوش اسلوبی سے جاری رہا جس کی موجودہ اسٹاف ٹریننگ کالج سے قطعی امید ہے تو انشاءاللہ مسلمان اساتذہ کی کمی بہت جلد پوری ہو جائے گی۔ (باقی آئندہ)

صوبۂ متوسط میں نواب مرزا یار جنگ بہادر کا خیر مقدم

نواب مرزا یار جنگ بہادر کے ایجنٹ برار مقرر ہونے اور صدر اعظم کے دولتکدہ پر ممدوح کی رخصتی دعوت کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں، اب معلوم ہوا ہے کہ صوبۂ متوسط و برار میں پہنچنے پر ہز ایکسلینسی گورنر صوبہ نے نواب مرزا یار جنگ بہادر کے اعزاز میں گورنمنٹ ہاؤس میں ایک ڈنر دیا۔ اس موقع پر گورنر نے نواب صاحب کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہم آج نواب مرزا یار جنگ بہادر کا جو بحیثیت ایجنٹ برار ہمارے چھوٹے گروہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں، خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہم نواب صاحب کو بنفس نفیس یا بحیثیت برٹش گورنمنٹ کے ایک معروف دوست ہونے کے ایجنٹ جس سے صوبہ کے ایک حصہ کو تاریخی تعلق رہا ہے اپنے درمیان دیکھ کر خوش ہیں۔

الہ آباد یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد نواب صاحب نے ممتاز اور طویل خدمات انجام دیں، آپ بیس برس تک مملکت نظام کی عدالت عالیہ کے چیف جسٹس رہے۔ اس کے علاوہ آپ حکومت کا تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ آپ یو پی کی مجلس مقننہ کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۱۰ء میں آپ کو لارڈ منٹو نے ایک مجلس کے لئے نامزد فرمایا تھا۔ عدالتی لائن میں آنے سے پہلے آپ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۹ء تک سرکار عالی نظام کے لیگل کونسلر رہے۔ آپ کا نام لکھنؤ

پیکٹ کے ساتھ جس کے ذریعہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں کے مطالبات کو متحد کرنے کی کوشش کی گئی ہمیشہ لیا جائے گا۔

بہر حال ہمیں ایک تجربہ کار اور معتدل خیالات کے آفیسر کو اپنے درمیان دیکھ کر خوشی ہوتی ہے مجھے کامل یقین ہے کہ سی پی میں نواب صاحب اور بیگم کا قیام باعث مسرت ہوگا۔"

نواب مرزا یار جنگ بہادر نے ہز ایکسلینسی گورنر اور لیڈی صاحبہ کی مہربانی اور حسن اخلاق کا شکریہ ادا فرمایا، اور گورنر صاحب نے اُن کے اور بیگم صاحبہ کے متعلق حسن خیالات کا اظہار کیا اُس کا شکریہ بھی ادا کیا، اس کے بعد خانوادۂ آصفی اور برطانیہ کے تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے نواب صاحب نے فرمایا

"زمانہ کے سرد و گرم نے ان تعلقات کی آزمائش کی ہے وہ نہ صرف زمانہ امن بلکہ سلطنت کی تاریخ ہند کے نازک ترین دور میں بحال رہے ہیں۔ ۱۹۳۶ء کے معاہدہ برار کو اسی رشتہ کا نتیجہ سمجھئے جس کی رو سے ہز اگزالٹیڈ ہائینس نے ازراہ مراحم خسروانہ مجھے ایجنٹ مقرر فرمایا ہے۔

۱۹۱۱ء میں مجھے حیدرآباد بلوا لیا گیا اور میں اپنے آقائے ولی نعمت کی سیادت میں مختلف حیثیت سے مملکت کی خدمت انجام دیتا رہا ہوں۔ اس وقت میرے متعلق مملکت آصفیہ کے مفاد کی نگرانی تفویض کی گئی ہے، میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں آپ کی بھی مدد کا مستحق ہوں۔ کیونکہ یور ایکسلینسی نہ صرف سی پی کے بلکہ برار کے بھی گورنر ہیں جو مملکت آصفیہ کا ایک جزو لاینفک ہے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

۵۔ کمپوزیٹروں کو مروجہ ٹائپوں کے ۲۲ اور ۶۳ خانے یاد رکھنے پڑتے ہیں، اس ایجاد کی ٹائپ کے لئے ایک سو سے کم یاد رکھنے ہوں گے اس طرح کمپوزنگ اور تقسیم حروف میں ۵۰ اور ۷۵ فی صدی وقت کی بچت ہوگی۔

۶۔ اگر لیتھو کی طبع شدہ ایک سو صفحہ کی کتاب مروجہ ٹائپوں میں چھپوائیں تو تقریباً دو سو صفحہ کی ہو جائے گی اور مصارف بھی دوگنے سے زائد ہونگے مگر اس نو ایجاد ٹائپ میں لیتھو کے مقابلہ میں صفحات اور مصارف صرف ۲۵ یا ۳۰ فی صدی زیادہ ہونگے۔

۷۔ اس ٹائپ کے حروف کی وضع ایسی ہے کہ ہر ایک سائز کے فانٹ بھی تیار کئے جا سکتے ہیں۔

حاضرین نے پروفیسر صاحب کی تقریر توجہ سے سُنی اور اُس سے دلچسپی ظاہر کی۔ اس کے بعد ماہر القادری صاحب نے اردو کے متعلق ایک نظم پڑھی جو دلچسپی سے سُنی گئی

مسٹر رجب یار کا رزولیوشن کے بعد جناب صدر نے حسب ذیل رزولیوشن پیش کیا۔

(۱)

"اس کانفرنس کو یہ دیکھ کر نہایت افسوس ہے کہ جے پور جو زمانہ قریب تک ہندوستان کی متعدد تہذیب، دربار و شاعری کا ایک مرکز رہا ہے چند سال سے وہاں اردو زبان کی مسلسل مخالفت کی جا رہی ہے اور خود حکومت جے پور اردو کو کمزور کرنے بلکہ ریاست سے مٹا دینے میں کوشاں نظر آتی ہے۔ اس اردو دشمنی نے موجودہ دیوان صاحب کے زمانہ میں مزید قوت حاصل کر لی ہے اور کہا جاتا ہے کہ مہاسبھائی شورش اور بعض لوگوں کے فاقہ کرنے کی دھمکی سے گھبرا کر ریاست کے دیوان صاحب نے حکم جاری کر دیا ہے کہ جے پور کی عدالتوں اور محکموں میں علد سے جلد ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط رائج کر دیا جائے اور اس حکم پر بڑی مستعدی اور تندہی سے عمل ہو رہا ہے جس نے اہل اردو کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔

اس کانفرنس کی رائے میں زبان کے معاملہ کو سیاسی یا فرقہ وارانہ مسئلہ بنانا نہایت ناعاقبت اندیشی کی بات ہے اور یہ کانفرنس حکومت جے پور کو متنبہ کرنا چاہتی ہے کہ اگر زبان اردو کو جبراً اس کے سابقہ حقوق سے محروم کیا گیا تو نہ صرف جے پور بلکہ تمام ہندوستان میں اہل اردو کی کمال ناراضی کا موجب ہوگا۔"

مندرجہ بالا رزولیوشن پیش کرتے ہوئے جناب صدر نے بتایا کہ کس طرح ایک شخص پنڈت رام چندر شرما نے اس مقصد سے مرن برت رکھا کہ جب تک ریاست کے دفتروں اور عدالتوں میں بجائے اردو کے ہندی نہ رائج کی جائے وہ اپنا برت نہ توڑیں گے

جے پور کی ہندو سبھا اور بعض دوسری جماعتوں نے اس تحریک کی حمایت کی اور دیوان صاحب کو خط لکھا، اس شورش کا یہ نتیجہ ہوا کہ ناگری رسم خط کے متعلق ایک حکم جاری کیا گیا جس میں یہ لکھا تھا کہ ریاست جے پور کی اکثریت اس رسم خط کو استعمال کرتی ہے لہذا گورنمنٹ کا یہ منشاء ہے کہ تمام دفتروں اور عدالتوں میں یہی رسم خط استعمال کیا جائے تاکہ اشخاص متعلقہ کو کوئی زحمت نہ ہو لیکن اس حکم سے ان لوگوں پر جو دیوناگری رسم خط سے واقف ہیں اردو رسم خط کے استعمال کی ممانعت نہ ہوگی لیکن لوگوں نے کہا کہ یہ کافی نہیں، وہ چاہتے تھے کہ حکومت یہ فیصلہ کر دے کہ صرف دیوناگری رسم خط استعمال ہوگا۔ آخر کار حکومت کو ایک دوسرا حکم جاری کرنا پڑا جس کے آخر میں یہ صراحت کر دی گئی کہ سرکار کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں جلد سے جلد دیوناگری کا عام استعمال ہونا چاہیئے۔

جب مجھے ان واقعات کا علم ہوا تو میں نے سر مرزا محمد اسمٰعیل صاحب دیوان جے پور کو خط لکھا اور ایک خاص آدمی بھیجا۔ اور اخبارات کے کٹنگ بھی بھیجے۔ انجمن کے نمائندہ نے ممدوح کو یہ بھی بتایا کہ ۱۳۔ فروری ۱۹۴۲ء کو علی گڑھ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہونے والا ہے جس میں اس معاملہ کے متعلق رزولیوشن پیش ہوگا۔ لہذا تاریخ مذکور تک اس خط کا جواب پہنچ جانا چاہئے جس میں اس حکم کی صراحت کر دی جائے جو رسم خط کے متعلق جاری کیا گیا ہے، نمائندہ کو اطمینان دلایا گیا کہ ۱۳۔ فروری تک خط کا جواب بھیج دیا جائے گا۔ جس میں حکم کی صراحت بھی کر دی جائے گی لیکن افسوس ہے کہ آج ۱۴ تاریخ تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اس لئے یہ رزولیوشن پیش کیا جاتا ہے۔

مسٹر آل احمد سرور استاد شعبہ اردو کی تائید کے بعد یہ رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوا،

اس کے بعد حسب ذیل رزولیوشن پیش ہو کر منظور ہوا،

(۲)

"یہ کانفرنس اس بات پر اظہار تاسف کرتی ہے کہ دہلی حالانکہ ہندوستان میں اردو کا قدیم ترین مرکز ہے مگر پھر بھی دہلی یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے درانحالیکہ دہلی کے دارالسلطنت اور اردو کا مرکز ہونے کی صورت میں دہلی یونیورسٹی کو خود اس امر کا خیال رکھنا چاہئے تھا لہذا یہ کانفرنس پُرزور الفاظ میں درخواست کرتی ہے کہ دہلی یونیورسٹی میں

۱۔ جملہ مضامین کے لئے اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے

۲۔ اردو زبان کی تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے

۳۔ اردو کو دوسرے اختیاری مضامین کا جزء بنایا جائے،

یہ کانفرنس محکمۂ تعلیم دہلی اور بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن دہلی سے درخواست کرتی ہے کہ اس صوبہ کے بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن کے امتحان میں باستثنا انگریزی دیگر مضامین کے جوابات لازمی طور پر اردو میں دیں اور اس زبان میں پاس ہونا لازمی قرار دیا جائے۔

محرک۔ مسز جے زلف علی۔ موید۔ مسٹر سراج الحق قریشی بی اے

مندرجہ بالا رزولیوشن کے منظور ہو جانے کے بعد حسب ذیل رزولیوشن پیش ہو کر منظور ہوا۔

(۳)

"آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اس اجلاس کو بہت افسوس ہے کہ ریاست گوالیار بھی سابقہ روادارانہ پالیسی کو پس پشت ڈال کر ریاست دفتروں اور عدالتوں میں مروجہ اردو زبان کے بجائے ناقابل فہم سنسکرت آمیز ہندی کو رائج کر رہی ہے۔ متعدد اردو قوانین کے ترجمے ہندی بھاشا میں ہو چکے ہیں چنانچہ "مجموعہ ضابطہ فوجداری" کا ترجمہ "اپرادھ سنبدھی ودھی کا سنگرہ" "شاہی اعلان" کو "ادو گھوشنا" "کمرستران" کہا جاتا ہے۔

ریاست گوالیار کی یہ پالیسی نہ صرف رعایائے گوالیار کی مشکلات کا سبب بن گئی ہے بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی کا سبب ہے اس لئے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا یہ اجلاس ہز ہائینس مہاراجہ صاحب گوالیار اور ان کی گورنمنٹ سے اپیل کرتا ہے کہ ان تمام قوانین کو از سر نو مروجہ اردو زبان میں مرتب کرایا جائے جو گزشتہ چند سالوں میں سنسکرت آمیز ہندی بھاشا میں مرتب کئے جا چکے ہیں نیز دفاتر کو بھی مروجہ اردو زبان استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی جائے، اور اردو دان طبقہ کو یہ اطمینان دلا کر کہ آئندہ ہر قسم کی تبدیلی پر اصرار نہ کیا جائے گا تشکریہ کا موقع عطا فرمایا جائے۔

محرک۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب۔ موید مسٹر سراج الحق قریشی بی اے

رزولیوشنوں کے منظور ہو جانے کے بعد جناب صدر نے فرمایا کہ کئی صاحبوں نے اس اجلاس میں پڑھنے کے لئے مقالات لکھے تھے جو وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھے جا سکے، یہ مقالے موجود ہیں۔ بعد کو چھپ جائینگے۔

آخر میں مسٹر آل احمد سرور استاد شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی نے جناب صدر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ کہا کہ آپ نے خطبہ میں اردو کی ترقی کے لئے کام کرنے کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اگر اس کے متعلق آپ ایک مہم شروع کریں تو ہم اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں، اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لئے بھی جدوجہد ہونا چاہئے، ہم جامعہ عثمانیہ کو رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں اس کے لئے جہاں اور لوگ کام کر رہے ہیں آپ بھی کام کریں، ہم بھی آپ کو مدد دیں گے، آپ نے ہماری کوتاہیوں پر بھی توجہ دلائی ہے ہم خود بھی مطمئن نہیں ہیں، لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے معلوم نہیں آپ مایوس کیوں ہیں، کام ہو رہا ہے اور بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

سرور صاحب کی تقریر کے بعد اجلاس برخاست ہوا۔

مکاتیب سر محمد اقبال کی تدوین و ترتیب

خوش آں قومے پریشاں روزگارے
کہ زاید از ضمیرش پختہ کارے
نمودش سرے از اسرار غیب است
ز ہر گردے بروں ناید سوارے

حکیم الامت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم و مغفور نے ملت اسلامیہ کی بالعموم اور اسلامی ہندوستان کی حیات نو کی تعمیر میں بالخصوص جو خود فروشانہ اور ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں انکا احسانمندانہ اعتراف روز بروز وسیع اور شدید ہوتا چلا جا رہا ہے اور وسیع تر اور شدید تر ہوتا چلا جائے گا۔ اقبال نے مصرعہ "من قطرۂ خون من است" کہتے ہوئے اپنے جانفزا اور روح پرور نغموں سے ملت کے لئے ایک لازوال جنت نگاہ اور فردوس گوش آراستہ کر دیا

من کہ ایں شب را چوں ماہ آراستم
گرد پائے ملت بیضا ستم

اقبال نے نونہالان ملت کے دلوں کو خدمت و محبت ملت سے سرشار اور نوجوانوں کے دماغوں کو الہام

... ہر صاحب ذوق کے لئے
... افکار کی اشاعت جس کا معقول
... کی وفات کے بعد ادب اقبال کی ترقی
... ہے۔ باعث مسرت ہے۔

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بربست و چشم ما کشاد

اقبال کے افکار عالم اسلام کے لئے ایک منزل اقبال کی بانگ درا کا کام دے رہے ہیں اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان کی وسیع ترین اشاعت اسلامی ہندوستان میں موجودہ اور آنے والی بیداری کی اولین بنیاد ہے۔

شو در روزے حریف بحر پرشور
ز آشوبے کہ دادم آبجو را

علامہ ممدوح کی وفات کو قریباً پانچ سال کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن ان کے افکار کی اشاعت کے سلسلہ میں ایک ضروری کام ابھی تک محتاج توجہ ہے۔ علامہ ممدوح کے مکاتیب کی جمع و ترتیب اور اشاعت ایک طرف تو اس مرد حق آگاہ اور دانا ئے راز کے افکار کی اہمیت سمجھنے کے لئے اور دوسری طرف شعر و ادب، مذہب، تاریخ، فلسفہ، عالمگیر تحریکات حالیہ پر اسلامی تبصرہ اور ملکی و اسلامی سیاست میں بصیرت حاصل کرنے کے لئے بے حد اہم ہے۔ مسلمانان ہند کی محسن ناشناسی کی یہ ایک المناک و شرمناک بلکہ ایک ناقابل معافی گناہ ہوگا اگر علامہ ممدوح کے مکاتیب کو اسلامی ہندوستان کی آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کا اہتمام نہ کر لیا گیا۔

پانچ سال کے صبر آزما انتظار کے بعد علامہ مرحوم کے چند مخلصین کے پیہم اصرار پر میں نے قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند کے مصداق علامہ ممدوح کے مکاتیب کی جمع و ترتیب کا کام شروع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ مرد درویش کی یہ یادگار جس کا تحفظ اس کے مطبوعہ افکار کی طرح ضروری ہے ایک دن پوری دلآویزی کے ساتھ اقبال نامہ کے عنوان سے شائع ہو سکے گی۔

آپ کی علم دوستی اور ملت پروری سے توقع ہے کہ آپ اس تجویز کو پسند اور اس فریضۂ ملی کی انجام دہی میں اس ناچیز کی امداد فرما دیں گے جس کی صورتیں ... ہیں۔

(۱) ... آپ کے پاس علامہ اقبال کا کوئی خط یا اس قسم کی کوئی تحریر محفوظ ہو تو از راہ کرم خاکسار کو عاریۃً مرحمت فرما دیں۔ یہ تحریر بصیغۂ رجسٹری بھیجی جائے بعد نقل بحفاظت تمام واپس بھیج دی جائے گی یا اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی طرف سے دوسرے مجموعہ مکاتیب کے ساتھ جو میں مہیا کر سکوں آپ کے مکاتیب بھی مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں پیش کر کے آئندہ نسلوں کے لئے اس قومی سرمایہ و امانت کو محفوظ کر دیا جائے۔ اس باب میں آپ کی ہدایات کی پورے طور پر تعمیل ہوگی۔

(۲) اگر آپ کے حلقۂ احباب میں ایسے بزرگ ہیں جن کے پاس علامہ اقبال کے مکاتیب موجود ہونے کی امید یا امکان ہے تو ان کے مفصل پتے خاکسار کو قریب ترین فرصت میں مرحمت فرما کر ممنون فرمادیں تاکہ ان بزرگوں سے براہ راست عطیۂ مکاتیب کے لئے درخواست کی جا سکے۔ امید ہے آپ اپنے ایسے احباب کو اس پر مائل بھی فرما دیں گے کہ وہ خاکسار کو علامہ اقبال کے مکاتیب کی نقل حاصل کرنے کی اجازت دیں۔

(۳) اگر آپ کے علم میں علامہ ممدوح کے ایسے مکاتیب ہیں جو کسی اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں تو از راہ کرم ایسے اخبارات یا رسائل یا کتب کا مفصل حوالہ مرحمت فرمایئے تاکہ انہیں حاصل کیا جا سکے۔

(۴) اگر آپ کا تعلق کسی اخبار، میگزین یا رسالہ سے ہے تو اس میں مکاتیب اقبال کی فراہمی کی اس کوشش کا اعلان فرماتے ہوئے ایک تائیدی شذرہ میں متعلقہ احباب کو اس خاکسار کی فوری امداد و اعانت کی طرف متوجہ فرما دیں۔

اقبال ملت کا ایسا خادم اور رہنما تھا جس کے متعلق خود علامہ ہی کے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امید ہے آپ اقبال کی اس ضروری یادگار کو محفوظ کرنے میں میری امداد فرما دیں گے۔

کسے کو بر خودی زد لا الٰہ را
ز خاک مردہ رویاند نگہ را
مدہ از دست دامان چنیں مرد
کہ دیدم در کمندش مہر و مہ را

نیاز آگین شیخ عطاء اللہ ایم اے
شعبۂ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مطبوعات مدینہ پریس

کلام پاک عکسی مع ترجمہ حضرت شیخ الہند (اسیر مالٹا) مع تفسیر و حواشی از شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی۔ بہترین ترجمہ بہترین تفسیر۔ اردو داں اصحاب کے لئے بے نظیر تحفہ۔ روح کو تسکین دینے کی خاص چیز طباعت اور صحت کے لحاظ سے بھی بے مثل)۔ ہدیہ قسم اول حنائی مجلد چرمی ۳۵؎ قسم دوم میر حنائی مجلد چرمی ۲۶؎ رحائل شریف حنائی مجلد چرمی ۳۰؎ سستا ایڈیشن جس میں صرف ترجمہ ہے تفسیر نہیں ہے مجلد پارچہ ۱۵؎

پانزدہ سورہ عکسی مترجمہ حضرت شیخ الہند ہفت رنگ ہر صفحہ نقش و نگار سے جگمگاتا ہوا نہایت خوبصورت نہایت شاندار۔ ہدیہ مجلد ... ۱۲؎

دعا، گنج العرش مثل پانزدہ سورہ خوبصورت و خوش نما۔ ہدیہ مجلد ... ۶؎

اعمال قرآنی کامل آیات کلام پاک کے خواص از حکیم الامت مولانا تھانوی۔ قیمت ۸؎

عقل و ایمان مصر کے ایک مشہور فاضل کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ جس میں عقیدۂ اسلامیہ اور اثبات صدق نبوت محمدیہ کے موضوع اور بعض دوسرے مسائل پر نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں بحث کی گئی ہے۔ قیمت ... ۸؎

خیر الکلام علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ ابن قیم کی مشہور کتاب "جلاء الافہام" کا اردو ترجمہ جس میں درود و سلام کی فضیلت عالمانہ انداز اور دلنشین پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے قیمت عہ

سفرنامہ شیخ الہندؒ مالٹا کے سفر اور اسیری کے حالات اور حضرت شیخ الہندؒ کی مختصر سوانح عمری۔ قیمت ... ۸؎

ملنے کا پتہ:۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

پنجاب اور اسٹینڈرڈ کپڑا

لاہور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حال ہی میں اسٹینڈرڈ کپڑے کا پہلا چالان امرتسر پہنچا جو ضلع کے مختلف حصوں میں ارزاں نرخ پر فروخت کرنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ صوبہ پنجاب کو سہ ماہی مختتمہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۳ء کیلئے ۸۰ لاکھ گز کپڑا ملا ہے اور آئندہ سہ ماہی کیلئے ۳۰ لاکھ گز ملیگا۔ حکومت نے ایک شخص کیلئے ۵ گز قمیص کا کپڑا اور ایک دھوتی یا گیشت ۲ ۱/۲ گز کپڑا فروخت ...

جلد (۱۴) | ۸ اپریل ۱۹۴۳ء مطابق ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ | نمبر [illegible]

۳۱ مارچ ۱۹۴۳ء کو بوقت ۵½ بجے شام صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں کانفرنس کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں کانفرنس کا سالانہ بجٹ بابت ۴۴-۱۹۴۳ء منظور ہوا،

اس کے بعد ایک سب کمیٹی کا تقرر بغرض ترمیم قواعد کانفرنس عمل میں آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ کانفرنس کے گزشتہ سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ میں ایک رزولیوشن منظور ہوا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ بلحاظ حالات حاضرہ کانفرنس کے قواعد پر نظر ثانی کی جائے۔ اجلاس کے بعد ۵ مارچ ۱۹۴۳ء کو کانفرنس کی جو مجلس عاملہ اور ورکنگ کمیٹی منعقد ہوئی، اس نے مجوزہ کمیٹی کی ممبری کے لئے چند نام تجویز کر کے سینٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبروں کے پاس بغرض منظوری بھیجے، بیرونی اور مقامی ممبروں نے ان ناموں سے اتفاق کیا چنانچہ مجلس منتظمہ کے اجلاس میں بلا اختلاف وہ نام منظور ہو گئے اور حسب ذیل اصحاب کی سب کمیٹی کا تقرر عمل میں آیا۔

(۱) صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کنوینر،
(۲) [illegible] حکیم مولوی محمد عبد اللطیف صاحب،
(۳) [illegible] مسعود ایم اے،
(۴) شیخ عطاء اللہ صاحب ایم اے،
(۵) ڈاکٹر عبد العزیز پوری صاحب،
(۶) ڈاکٹر افضال حسین صاحب قادری [illegible]

مذکورہ بالا ممبروں کے علاوہ [illegible] باعتبار اپنے عہدہ کے اس کمیٹی کے ممبر [illegible]
۱۔ پریسیڈنٹ مجلس منتظمہ،
۲۔ وائس پریسیڈنٹ مجلس منتظمہ،
۳۔ آنریری سکرٹری صاحب کانفرنس،
۴۔ آنریری جوائنٹ سکرٹری صاحب کانفرنس،

مجلس منتظمہ کے اس اجلاس میں کانفرنس کے آنریری سکرٹری، جائنٹ سکرٹری اور وائس پریسیڈنٹ بھی شریک تھے،

نہایت رنج و افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ آخر مارچ میں خانصاحب میر ولایت حسین صاحب بی اے (علیگ) کو اس پیرانہ سالی میں ایک اور غیر معمولی صدمہ برداشت کرنا پڑا یعنی آپ کے فرزند اکبر سید محمود حسن صاحب رجسٹرار نے طویل و مسلسل علالت کے بعد دہلی میں انتقال کیا، اس حادثہ سے سارا خاندان ماتم [illegible] بن گیا ہے لیکن جناب میر صاحب نے [illegible] کی طرح اس صدمہ کو بھی غیر معمولی صبر کے ساتھ برداشت کیا ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ اور اُن کے والدین اور سب اقارب و احباب کو یہ توفیق عطا کرے کہ وہ اس صدمہ کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کریں۔ میر صاحب کے تمام احباب و تلامذہ کو اس صدمہ میں موصوف کے ساتھ غیر معمولی ہمدردی ہے [illegible] قدر کے فیصلے کے سامنے سب کو تسلیم [illegible]

۱۹۴۳ء میں جب پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس بریلی میں منعقد ہوا [illegible] ہوئی تھی کہ اسلامیہ ہائی اسکول بریلی کو [illegible] یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوئی تھی اجلاس کے [illegible] اسکول نے اس مقصد کے لئے [illegible] چنانچہ اس ضرورت سے عمارت کی [illegible] اب ہمیں بخوشی [illegible] موبہ متحدہ کے [illegible] اسلامیہ ہائی اسکول کو [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸۔ اپریل ۱۹۶۳ء

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد

عثمانیہ یونیورسٹی (یا جامعۂ عثمانیہ) حیدرآباد، اعلیٰ حضرت خسرو دکن آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کے عہد زریں کا ایک شاندار کارنامہ ہے جس کی شہرت ہندوستان سے گزر کر دوسرے ممالک تک بھی پہنچ چکی ہے۔

اب سے ۲۵ سال پہلے جب چند نکتہ رس ارباب علم کی توجہ سے "عثمانیہ یونیورسٹی" کی اسکیم کا ابتدائی خاکہ تیار ہوا تو سر اکبر حیدری (مرحوم) نے جو اس زمانہ میں معتمد تعلیمات کے عہدہ پر مامور تھے اس کے متعلق ایک مفصل و مکمل عرضداشت بارگاہ خسروی میں پیش کی جس کے ملاحظہ کے بعد اعلیٰحضرت نے ایک فرمان صادر فرمایا جس کے حسب ذیل الفاظ سے اس مجوزہ یونیورسٹی کا مقصد بخوبی واضح ہوتا ہے "ممالک محروسہ کے لئے ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں جدید و قدیم مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمی، دماغی و روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے اور جس میں علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلبہ کے اخلاق کی [illegible] کی نگرانی ہو، اور دوسری طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا کام بھی جاری رہے۔"

جامعہ عثمانیہ کے قیام سے پہلے ہندوستان میں غیر ملکی زبانوں کے ذریعہ سے علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن جامعہ عثمانیہ نے پہلی دفعہ یہ "نصب العین" قرار دیا کہ علوم جدیدہ کی تعلیم اردو زبان کے ذریعہ سے دی جائے جو اس وسیع ملک کے ہر گوشہ میں بولی یا سمجھی جاتی ہے۔

غرض جب جامعہ عثمانیہ کا خاکہ مرتب ہو گیا تو اعلیٰ حضرت کے منشور خسروی کی بنا پر یکم محرم الحرام ۱۳۳۷ھ سے جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا اور نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی اس کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے اب جامعہ کے قیام پر ۲۵ برس کا زمانہ گزر چکا ہے جو تجربہ کے لئے بہت کافی مدت ہے۔

جامعہ عثمانیہ کے ابتدائی دور میں عام لوگوں کا تو کیا ذکر ہے بہت سے ماہرین تعلیم کو بھی اس میں شبہ تھا کہ یہ تجربہ کامیاب ہو سکے گا۔ کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اردو زبان میں یہ صلاحیت و استعداد نہیں ہے کہ وہ علوم جدیدہ کی تعلیم کا ذریعہ بن سکے۔ کیونکہ ان اصحاب کی یہ رائے تھی کہ اردو کا "خزانۂ الفاظ" علوم و فنون جدیدہ کے "علمی مصطلحات" سے خالی ہے، اور اس میں علمی مطالب ادا کرنے کی قابلیت نہیں ہے۔ لیکن ۲۵ سال کے مسلسل تجربے نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ یہ خیال صحیح نہ تھا، چنانچہ اب بہت سے ماہرین فن اس کے معترف ہیں کہ جامعۂ عثمانیہ کے طلبہ جنھوں نے اردو زبان کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کی ہے ان کا معیار قابلیت کسی طرح ان طلبہ سے کم نہیں ہے جنھوں نے مغربی زبانوں کے ذریعہ سے علوم جدیدہ حاصل کئے ہیں اس کے علاوہ جامعۂ عثمانیہ کے فارغ التحصیل طلبہ کے علمی و تصنیفی کارنامے بھی اس پر شاہد ہیں کہ ان کا معیار قابلیت کسی سے کم نہیں بلکہ بعض صورتوں میں زیادہ ہے، غرض عثمانیہ یونیورسٹی کا تجربہ اس قدر کامیاب رہا کہ دوسری یونیورسٹیاں اس سے سبق حاصل کر کے اس ۲۵ سالہ تجربہ کی روشنی میں اپنے لئے ایک جدید "لائحہ عمل" وضع کر سکتی ہیں۔

اب چونکہ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام پر ۲۵ سال کا زمانہ گزر چکا ہے اس لئے حیدرآباد کے بعض وقیع اخبارات یہ تحریک پیش کر رہے ہیں کہ جامعہ عثمانیہ کی سلور جوبلی شاندار پیمانہ پر منائی جائے۔ ہمارے خیال میں یہ تحریک نہایت مفید و مستحسن ہے، عثمانیہ یونیورسٹی نے اپنی تاسیس کے موقع پر جو نصب العین قرار دیا تھا اس میں اعلیٰ وجہ الکمال کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کی نقرئی جوبلی کا ایک شاندار جلسہ منعقد کر کے اس کے ۲۵ سال کے کارناموں پر تبصرہ کیا جائے، اور ہندوستان کے دوسرے ماہرین تعلیم کو بھی یہ موقع دیا جائے کہ وہ اس کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کریں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ اس تقریب میں ہندوستان کی سب یونیورسٹیوں کے نمائندوں کو دعوت دی جائے تاکہ وہ عثمانیہ یونیورسٹی کے تعلیمی تجارب سے براہ راست واقفیت حاصل کریں واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کی تعلیمی تاریخ میں جامعہ عثمانیہ کی وجہ سے جو انقلاب ہوا ہے وہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہندوستان میں جو سیاسی انقلاب ہو رہا ہے وہ بھی اس امر کو مقتضی ہے کہ ہم اپنے نصاب تعلیم، طریقۂ تعلیم اور ذریعۂ تعلیم میں تبدیلی کر کے ایک ایسا نظام مرتب کریں جو حالات حاضرہ کے مناسب ہو۔

جامعہ عثمانیہ کی ۲۵ سالہ کارگزاری کا جائزہ لینے کے بعد یہ بھی اندازہ ہو سکے گا کہ اس تجربہ میں کس حد تک کامیابی ہوئی؟ اس میں کیا نقائص باقی رہ گئے؟ اور آئندہ اس سلسلہ میں کیا کام کرنا ہے؟ اگر جوبلی کی مجوزہ تقریب اس طریقہ سے انجام دی گئی تو اس سے کام کرنے والوں میں ایک تازہ امنگ پیدا ہوگی، جس سے تعلیم کا ایک دور جدید شروع ہوگا۔

اب سے ۲۵ برس پہلے جب عثمانیہ یونیورسٹی وجود میں آئی تھی اس کے سب سے پہلے وائس چانسلر نواب صدر یار جنگ بہادر نے ایک افتتاحی خطبہ دیا تھا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کس فضا میں قائم ہوئی، اور اس سے کیا توقعات وابستہ تھیں۔

موقع کی مناسبت کے لحاظ سے ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم نواب صدر یار جنگ بہادر کا یہ خطبہ یہاں نقل کرتے ہیں، اگر سلور جوبلی کا تخیل وجود پذیر ہوا تو اب ۲۵ سال بعد موجودہ وائس چانسلر کی تقریر

ہمیں یہ بتا سکے گی کہ جامعہ کی تاسیس کے موقع پر جو توقعات اس سے وابستہ تھیں وہ کس حد تک پوری ہوئیں اور گزشتہ ایام میں جامعہ نے جو تعلیمی خدمت کی اُس سے کیا نتائج ظاہر ہوئے اور ملک کو اس سے کس قدر فائدہ پہنچا۔

اب ذیل میں نواب صدر یار جنگ بہادر کا وہ افتتاحی خطبہ ملاحظہ کیجئے جو یکم ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ یوم پنجشنبہ کو جناب ممدوح نے ارشاد فرمایا۔

جامعۂ عثمانیہ کا خطبۂ افتتاحیہ

حضرات ارکان مجلس اعلیٰ معزز رفقاء دیگر معززین، اساتذۂ کرام اور عزیز طلبا! آج کا مبارک دن ایک تاریخی دن ہے اور غرۂ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ کو اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع خسرو دکن خلد اللہ ملکہٗ کے عہد ہمایوں کا وہ علمی کارنامہ شروع ہوتا ہے جو بفضل خدا صدیوں تک یادگار رہے گا۔ اس سرزمین میں مدت ہائے دراز سے رود موسیٰ جاری ہے۔ جامعۂ عثمانیہ کا چشمۂ فیض رود عیسیٰ بن کر مُردہ دلوں کو زندہ کرنے اور جہالت کے مریضوں کو شفا بخشنے میں اعجاز مسیحا دکھلائے گا۔

جس طرح خلیفہ ہارون الرشید کے "بیت الحکمۃ" اور خواجہ نظام الملک طوسی کے بغداد و نیشاپور کے مدارس نظامیہ کا نام صدہا برس گزر جانے پر بھی آج تک روشن ہے، اسی طرح جامعۂ عثمانیہ کے دارالترجمہ اور درس گاہوں کے کارنامے صفحات تاریخ کو صدیوں تک مور و درخشاں رکھیں گے انشاء اللہ العزیز۔

حضرات! علم بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کو بنی نوع انسان میں پھیلانا سب سے بڑا فیض ہے۔ تعلیم ملکی زبان میں ایک ایسا دلکش خواب تھا جو برسوں ہمارے ملک نے دیکھا کیا مبارک عہد عثمانی کی یہ کیسی برکت ہے کہ ہم اس رنگین خواب کی تعبیر آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ؎

بہ حسرت داغ از رشکِ منابے کہ من دیدم
زلیخا کو رشد در حسرتِ خوابے کہ من دیدم

اعلیٰ حضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہٗ کی سرپرستی میں مجلس اعلیٰ رفقاء و اساتذہ کا یہ مجمع اس لئے قائم ہوا ہے کہ نعمت علم کو زیادہ سہل الحصول اور سریع الفہم بنا کر جس طرح حضور ملک معظم قیصر ہند نے اپنے شاہی پیام میں فرمایا تھا)

"علم اور امید کی کرنیں غریبوں کی جھونپڑیوں تک پہنچا دیں"۔ یہ کام بہت مشکل تھا اور ہے لیکن اعلیٰ حضرت کی شاہانہ سرپرستی اور توجہ، سرکار عالی کے محکمۂ تعلیمات کی جانفشانی اور ارکان دارالترجمہ کی محنت و عرق ریزی نے اس دشوار گزار مرحلہ کو اس قدر آسان کر دیا کہ آج ہمارا پہلا قافلہ بخیر و خوبی جادہ پیما ہوتا ہے، خدائے تعالیٰ اس کو منزل مقصود تک صحیح و سلامت پہنچائے۔

جامعۂ عثمانیہ کی آئندہ نیک نامی اور کامیابی کا زیادہ تر دار و مدار اس کے محترم اساتذہ اور عزیز طلبا کی کوششوں پر ہے۔ جامعۂ عثمانیہ کے حکام نے پوری کوشش لائق اور فاضل علماء کے فراہم کرنے میں کی ہے اور منشور خسروی نے علوم ظاہری کے ساتھ علم دین اور اخلاقیات کو لازم قرار دیا ہے، لہذا یہ توقع بالکل بجا ہے کہ ہمارے استادوں کی تعلیم میں علوم جدیدہ کی وسعت اور نئے اعلیٰ اصول تعلیم کے دوش بدوش قدیم استادوں کی شفقت و دلسوزی اور متانت و وقار کا جلوہ ہمیشہ نمایاں رہے گا۔ اور ہمارے عزیز طلبا کی پیشانیوں میں سعادت مندی اور ہوشیاری کے ساتھ ساتھ ادب و سعادت کا نور ہمیشہ تاباں رہے گا جو تعلیم قدیم کا سرمایۂ ناز ہے اور اس طرح جامعہ عثمانیہ کی تعلیم قدیم و جدید دونوں تعلیموں کی برکتوں اور خوبیوں کا مجموعہ ہوگی۔ اور اس کے شاندار نتائج چار دانگ عالم میں اپنا کوس عظمت بجائیں گے ؎

یارب این آرزوئے من چہ خوش است
تو بدیں آرزو مرا برسال

اب میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اعلیٰ حضرت خسرو دکن میر عثمان علی خاں بہادر آصف جاہ سابع کو سالہائے دراز تک صحت و قوت کے ساتھ صراط مستقیم اور تخت سلطنت پر قائم رکھے اور ان کے اعزاز و جاہ و اقبال میں روز افزوں ترقی فرمائے اور خاندان شاہی کو باصد جاہ و جلال اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

رپورٹ شعبۂ معاشیات و اصلاح معاشرت

جو شیخ عطاء اللہ صاحب ایم اے سکریٹری شعبۂ اصلاح معاشرت نے ۱۴۔فروری ۱۹۳۴ء کو شعبہ کے اجلاس میں پڑھی

حضرات! کانفرنس کے شعبۂ معاشیات اور اصلاح معاشرت کا مقصد مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی خصوصاً واضح تر الفاظ میں ان کے افلاس کے اسباب دریافت کرنا اور ان کی معاشی بہتری اور ترقی کے وسائل تجویز کرنا ہے۔ آج کل کی دنیا میں جو سراپا عالم اسباب بن کر رہ گئی ہے معاشی مرفہ الحالی قوموں کی زندگی اور ترقی کی اولین بنیاد قرار دی جا سکتی ہے۔ مسلمان کے جذبۂ ایثار اور خدمت ملت کے ساتھ اگر اس میں معاشی قوت بھی پیدا کی جا سکے تو وہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس ملک میں اپنے شاندار ماضی کی طرح ایک خوشگوار اور اپنے شایان شان مستقبل بھی پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے افلاس کے اسباب دریافت کرنا... قوم کی پوری توجہ کا طالب اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے کماحقہٗ یار جنگ تعلیمی کمیٹی کے انداز پر ایک معاشی جائزہ کا منتظر ہے۔

کانفرنس کے دوسرے شعبوں کی طرح تھوڑا عرصہ ہوا اس شعبہ کا قیام عمل میں آیا اور اس کی معتمدی کے فرائض خاکسار سے متعلق ہوئے۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسے ادارے کی طرف سے جس کے ذرائع محدود ہوں اور جس کا نظم ہر شہر اور قصبہ تک پھیلا ہوا نہ ہو اس سلسلہ میں کوئی عملی خدمت بجا لانا مشکل ہے تاہم ابتداء کار کے طور پر میں نے بحیثیت معتمد شعبۂ معاشیات اور اصلاح معاشرت ہندوستان کی تمام بیمہ کمپنیوں کے نام ایک گشتی مراسلت جاری کی جس میں ایک سوالنامہ کی صورت میں یہ دریافت کیا گیا کہ ہر کمپنی میں (۱) مسلمانوں اور غیر مسلموں کی بیمہ پالیسیوں کی کیا تعداد ہے اور دونوں صورتوں میں پالیسیوں کی مالیت کیا ہے (۲) مسلمانوں کو بیمہ کرانے میں کیا کیا اعتراضات ہیں (۳) مسلمانوں کی کس قدر فی صدی تعداد بیمہ کرانے کے بعد اقساط بیمہ ادا نہ کرنے کی بنا پر بیمہ منسوخ کرا دیتی ہے (۴) مسلمانوں کو بیمہ کی طرف متوجہ کرانے کے لئے آپ کی رائے میں کیا وسائل اختیار کرنے چاہئیں (۵) آپ کی کمپنی میں مسلمان ایجنٹس اور ڈائرکٹروں کی کیا تعداد ہے کیا آپ کی رائے میں مسلمان ایجنٹوں اور ڈائرکٹروں کا تقرر مسلمانوں میں بیمہ کو مقبول بنا سکے گا وغیرہ وغیرہ۔ بیمہ کمپنیوں کی اکثریت نے میرے سوالات کے جوابات دئے لیکن چونکہ مسلمانوں سے متعلق علیحدہ شمار و اعداد مرتب نہیں ہوتے اس لئے جس واقفیت کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت تھی وہی

باجازت آل انڈیا ریڈیو

[illegible] (ملتان) ایم اے ایم ایس سی [illegible] استاد ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

[illegible] محبت اور ہمدردی تو بچوں کا پیدائشی حق ہے [illegible] دنیا میں [illegible] خدا کے ہاتھوں ملا ہے اپنے بچوں [illegible] محبت نہیں کرتا۔ ہاں دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو سبھی بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ وہ انہیں گود کو ان خوبصورتی اور بھولے پن کے ننھے مجسموں سے بھر لینا چاہتے ہیں۔ وہ ایک شاعر اور مصوّر کی طرح ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کے لئے کیسی کیسی حسین تشبیہیں کیسے اچھے اچھے نام ایجاد کرتے ہیں۔ ایک بچہ کا معصوم حسن۔ اس کا بڑوں پر بھولے پن کا اعتماد کس کے دل میں محبت اور ہمدردی کی مہک پیدا نہیں کرتا۔ بچوں کو دیکھ کر ایک بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔ یہ تو ہماری دنیا کے ننھے فرشتے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے 'نہیں نہیں یہ تو خدا کے وہ پیامبر ہیں جن کے قدموں پر نور اور رحمت کے بادل نچھاور ہوتے ہیں۔ تیسرا کہتا ہے۔ نہیں۔ یہ آسمان کے بھولے ہوئے تارے ہیں۔ جو ہماری دنیا میں راہ بھول کر آنکلے۔ اور ٹیگور کے نزدیک تو وہ ایک حسین اور زندہ ثبوت ہیں خدا کی رحمت کا۔ اس کے خیال میں ہر ایک نومولود کی آمد یہ پتہ بتاتی ہے کہ خدا ابھی تک اپنے بندوں سے مایوس نہیں ہوا۔

پچھلی صدی کے آغاز میں جرمنی کی سرزمین پر ایک بچوں سے ایسا ہی محبت کرنے والا انسان پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام فروبل تھا۔ اُسے بچے پھولوں سے بھی زیادہ حسین سبز پتیوں سے بھی زیادہ سہاونے معلوم ہوتے تھے۔ جب وہ اپنے آپ کو بچوں میں پاتا تھا۔ تو اسے یوں معلوم ہوتا۔ گویا اس نے اپنی زندگی کا بھولا بسرا ہوا ماحول پا لیا ہے۔ ایک مرتبہ اس کا ارادہ ہوا کہ وہ ایک مدرسہ کھولے اور اس کی فضا کو ہمدردی اور محبت سے بھرپور کر دے۔ بار بار سوچتا تھا کہ اس کا نام کیا ہو۔ سکول؟ سکول کا نام آتے ہی اس کے دل پر ایک جھرجھری سی آجاتی تھی۔ مار پٹائی، جھڑکیاں، گھڑکیاں، بے [illegible] 'اندھا دھند رٹائی' سوچتا تھا کہ کیا اپنے مدرسہ کا نام یہی رکھوں، نہیں نہیں۔ میرے بچے تو [illegible] پودے ہوں گے۔ پھر میں ان پودوں کا رکھوالا۔ یہ خیال اس کے دل میں ایک مدت تک پھڑپھڑاتا سا رہا۔ بچہ ایک پودا ہے۔ اور استاد اس باغ کے مالی ہیں۔ تو پھر اس کا نام کیا ہو۔ ایک عرصہ تک وہ ایک اچھے نام کی تلاش میں کھویا کھویا سا رہا اور سچ بات تو یہ ہے کہ کسی اچھے کام کے لئے سب سے پہلے اچھا نام ضروری ہے۔ ایک دن وہ ایک پہاڑی راستہ سے نیچے اُتر رہا تھا۔ گاؤں ایک نقشہ کی طرح اس کے پاؤں کے عین نیچے۔ دوپہر کی دھوپ میں چمک رہا تھا گاؤں کیا تھا۔ باغ' انسانوں کا باغ۔ باغ کی تشبیہ اسے ہمیشہ سے پسند تھی۔ اترتے اترتے ایک لمحہ کے لئے بجلی کی طرح اس کے دل میں ایک خیال چمک گیا۔ وہ وہیں کا وہیں ٹھٹک کر رہ گیا۔ گویا کسی نامعلوم طاقت نے اس کے پاؤں کو پکڑ لیا تھا اس کے چہرہ سے ایک حقیقی وجدان مترشح ہو رہا تھا اس کی آنکھوں میں ایک عجیب و غریب چمک پیدا ہو گئی اور پہاڑیوں کی خاموش فضا میں ایک ایسی آواز جو اس کی دل کی گہرائیوں سے اٹھی تھی۔ اس نے پکارا' پا لیا' پا لیا۔ کنڈر گارٹن۔ اور چاروں طرف سے صدا اٹھی۔ کنڈر گارٹن۔

کنڈر گارٹن سے کیا مراد ہے۔ بچوں کا باغ۔ اس باغ کے ننھے ننھے پودے بچے ہیں اور استاد ان پودوں کی دیکھ بھال کرنے والا ہے ہر پودے میں قدرت نے اٹھان اور نشوونما کی قوتیں پوشیدہ رکھی ہیں۔ اگر مٹی زرخیز ہو۔ پانی وافر ملے۔ اور تیز دھوپ آئے۔ تو اس کی ساری قوتیں پورے زور سے نمو میں پھیلیں پھلیں گی۔ اور بڑھیں گی۔ باغبان کا کام محض اتنا ہی ہے کہ وہ مناسب ماحول بنا دے۔ ایسا ماحول جس میں خوابیدہ قوتیں بیدار ہو جائیں۔ پھر ایک پودے کا پھول جدا اس کا پھل جدا۔ اس کا رنگ و بو جدا۔ اور پورے باغ کی آراستگی اور ترتیب میں بھی اس کے رنگوں اس کی خوشبو اس کے قامت و انداز کی مخصوص جگہ ہے۔ پودے کی اپنی بھلائی اور پورے باغ کی بھلائی اسی میں ہے کہ اسے ایسی سہولتیں مہیا ہو جائیں کہ وہ پروان چڑھے۔ اور اس کا جوبن پورے نکھار پر آ جائے۔

یہی حال مدرسہ کا ہے۔ ہر بچہ کا مزاج مختلف اس کے رجحانات جدا اس کی جبلتوں کی آمیزش کا ڈھنگ علیحدہ علیحدہ ہے۔ استاد کو چاہئے کہ وہ ہر بچہ کی ذہنی اور اخلاقی ضرورتوں کا جائزہ لے اس کی جانچ پڑتال کرے۔ اس کی خوبیوں کو ابھارے اور اس کی کمیوں کو پورا کرے۔ تبھی وہ بچہ اپنے لئے کارآمد بن سکتا ہے۔ اور سماج کے لئے زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ تو سب سے پہلے مدرسہ کے باغبان کو اپنی پھلواڑی کی دیکھ بھال کرنا چاہئے۔ اس کے لئے زرخیز مٹی مہیا کرے۔ پانی سے کیاریوں کو جل تھل کر دے۔ یہ مٹی اور پانی کیا ہیں۔ فروبل کی رائے میں یہ کھیل اور حرکتیں ہیں۔ اس نے مدرسہ میں باغ کی فضا پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے بچوں کے لئے تحفے ایجاد کئے جن سے وہ کھیلیں ناچیں اور گائیں۔ گانے کے لئے گیت لکھے۔ ناچنے کے لئے کھیل ایجاد کئے۔ اور کھیلنے کے لئے کھلونے۔ قوت تخلیق اور ایجاد کی امنگ کے لئے مشغلے۔ کھلونوں کے ذریعہ فروبل کا مقصد یہ تھا کہ بچہ خارجی دنیا کو اپنا لے۔ اس کے اثرات کو اپنے میں سمو لے۔ اس کے تجربات سے اپنی شخصیت کو مالا مال کرے۔ مگر انسان کا کام محض تاثرات کا مال گودام بننا نہیں ہے۔ اس کے دل کی دنیا میں وہ تیرا رہ تڑپ رہا ہے۔ جو قندیل ازلی سے اترا۔ اور انسان کے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ وہ تیرا رہ کیا ہے۔ تخلیق اور ایجاد کی امنگ۔ اگر مخلوق اپنے خالق کی طرح ایک حد تک تخلیقی عمل میں حصہ نہ لے تو وہ مخلوق اپنے خالق کے لئے باعث ننگ ہے۔ جیسے یہ کائنات ایک عالمگیر تخلیقی تڑپ کا مادی نتیجہ ہے۔ اسی طرح انسان کی بھی اس تخلیقی تڑپ کا کوئی نہ کوئی خوشگوار نتیجہ نکلنا چاہئے۔ جب بچہ کھلونوں اور تحفوں کے ذریعہ خارجی دنیا کے تاثرات کو اپنا لے تو پھر مشغلوں کے ذریعہ اپنی داخلی دنیا کو خارجی صورت دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ فروبل کے تحفوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے تیار کرنے میں کتنا غور و فکر سے کام لیا ہوگا۔ اس نے سالہا سال ماؤں کو اپنے بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا ننھوں بچوں کے مشاغل کا ہمدردانہ مطالعہ کیا ہوگا۔ اس کی دلچسپیوں پر سوچ بچار کی ہوگی۔ اس کے بعد یہ تحفے خریدے۔ اس کے تحفے اس کے وہ جاپانی کھلونے نہیں جنہیں بازار سے سستے داموں لے لیا اور بچوں کے ہاتھ ان کی مہنگی قیمت کے بدلے بیچ ڈالا اس کے کھلونوں میں ایک محبت بھری زندگی کا پیغام۔

ایک ذہن اور مجددانہ مطالعہ کا نچوڑ چھاپا ہوا ہے
اس کے کھلونے اور مشاغل اس کے گرد و پیش کے ماحول
کی فطری اور قدرتی پیداوار ہیں۔ ہمارے بعض سیدھے
سادے لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی مدرسہ میں کنڈر گارٹن
کا سامان خرید کر ڈھیر کر دیا۔ اور بچوں کو اس پر شکار
تو گویا کنڈر گارٹن سکول قائم کر دیا۔

اسی قسم کے تجربے ہمارے ملک میں ہو چکے ہیں اور اکثر ناکام رہے ہیں۔ اور ناکام ہونا ہی چاہئیں سات سمندر پار کا ایک نازک پودا اگر کسی لاپروائی سے اور بے احتیاطی سے ہمارے ہاں لاکر زمین پر پٹک دیا جائے اور امید رکھیں کہ پروان چڑھے گا۔ تو یہ غلطی ہے۔ فروبل نے یہ تحفے ہندوستانی بچوں کے لئے نہیں جرمنی بچوں کے لئے بنائے تھے۔ ہم کبھی بھی ایک بچہ کا کھلونا اس سے چھین کر دوسرے کو نہیں دیتے خواہ دوسرا بچہ ہمارا اپنا ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح ہم جرمن بچوں کے تحفے ہندوستانی بچوں کے ہاتھ میں نہیں رکھ سکتے۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ جرمن بچے بگڑ جائیں گے کہ ہم نہیں دیں گے۔ نہیں یہ بات نہیں۔ ہندوستانی بچے بگڑ جائیں گے۔ کہ ہم نہیں لیں گے۔ یہ کھلونے ہمارے لئے نہیں بنائے گئے۔ پس فروبل کا ہمارے لئے پہلا پیغام یہی ہے کہ ہم ہندوستانی بچوں کے لئے مناسب قسم کے تعلیمی تحفے تیار کریں۔ جب کھلونوں سے کھیلیں کران کے ہمراہ گیت گائیں اپنی طبیعت کے مطابق۔ رومانی قسم کی کھیلیں کھیل کر اور بچے کے لئے تو آپ جانتے ہی ہیں کہ زندگی کی ہر معمولی سے معمولی چیز رومان سے بھری ہوئی ہے جب ان سب ولولوں سے وہ اپنی شخصیت کو پروان چڑھالے۔ تو پھر اسے مشغلے دے جائیں۔ مشغلے کیا ہیں یہی کاغذ اور گتے سے ماڈل بنانا چکنی مٹی سے کھلونے تیار کرنا چٹائیاں اور ٹوکریاں بننا۔ انہیں نئے نئے جاندار قسم کے ڈیزائن اور طرزیں پیدا کرنا یہی مشغلے ہیں۔ مشغلے بچے کی جدت اور اپج کے لئے کیسی رنگین اور خوبصورت راہیں کھول دیتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جو چیز تیار ہوتی ہے۔ وہ محض اس کے اپنے لئے نہیں۔ بلکہ دوسروں کے لئے مفید ہوتی ہے۔ ان کے ذریعہ سے اس کی انفرادی نشوونما ہی نہیں بلکہ سماجی تربیت بھی ہوتی ہے۔ اور ایک خاموش اور غیر شعوری انداز میں بچے کے دل پر یہ حقیقت گھر کر جاتی ہے کہ خدا اس سے محبت کرتا ہے۔ جو خدا کے بندوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔ فروبل کے الفاظ میں کنڈر گارٹن کے بچے میں ایسے یوں معلوم ہوتا ہے۔ گویا آسمان سے فرشتے اتر آئے ہوں۔ وہ فرشتے جنہیں خدا اپنے بچوں کی امداد اور حفاظت کے لئے زمین پر اتارا کرتا ہے۔

فروبل کی نظر میں نیا مدرسہ بچوں کے لئے ایک نئی دنیا تھی۔ اور بچوں کی اس نئی دنیا میں وہ بڑوں کے لئے بھی ایک نئی دنیا بنانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ اس قدر سیدھا سادہ اور پاک دل تھا کہ اسکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انسان اتنے کند اور غبی بھی ہو سکتے ہیں۔ انسان کا دل اتنا کمین اور اتنا بے حس بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تعلیم کے ایسے نظام کو خوش آمدید نہ کہیں گے۔ اور ایک ایسے فرد کا جو اسے بر کامیاب بنانے میں جان توڑ کوشش کر رہا ہے ہاتھ نہ بٹائیں گے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہو کہ لوگ مجھے ایک بڑی سودائی کہیں گے اور پاگل خانہ میں بند کر دیں گے۔ تو میں ننگے سر اور ننگے پاؤں جرمنی کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک چلا چلا کر منادی کرتا پھرتا کہ اے میرے ہموطنو! آؤ اور بچوں کی خدمت کا کام آج سے شروع کر دو۔

حیرانی کی بات ہے کہ جرمنی نے فروبل کو آخر کار ایک بڑی سودائی ہی نہیں بلکہ ایک خطرناک انقلابی ایک خوفناک باغی قرار دیا۔ اس کی وفات سے ایک سال پہلے جرمنی کی حکومت نے اعلان کر دیا کہ کنڈر گارٹن کے سکول خلاف قانون ادارے ہیں ان کے خیال میں یہ ادارے انقلابی خیالات کے گہوارے تھے۔ بیشک انقلابی تو ضرور تھے۔ حکومت استعمار پرست تھی۔ تو یہ ادارے ذہنی اور اخلاقی آزادی کے علمبردار تھے۔ حکومت سب کو ایک فولادی نظام میں ڈھالنا چاہتی تھی۔ یہ ادارے انفرادی اٹھان کے لئے پالنے کا کام کر رہے تھے۔ کہنے کو تو فروبل نے یہ حادثہ سہار لیا۔ لیکن یہ بے قدری اس کے دل میں ایک گھاؤ سا لگا گئی۔ اس کی صحت نے جواب دے دیا۔ اور سال بھر کے اندر اندر اس کا انتقال ہو گیا۔ فروبل مر چکا مگر اس کا نام ابھی تک زندہ ہے۔ اور اس کا کام بھی زندہ ہے اس کے اثر سے آج بھی بہت سے مدرسے حقیقی معنوں میں بچوں کی پھلواری بنے ہوئے ہیں۔ اور اس کی یادگار پر سب سے مقدس نذر عقیدت وہ سدا بہار

رپورٹ شعبہ تعلیمی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

از

خان بہادر سید آل علی نقوی ایم اے سکرٹری شعبہ تعلیمی کانفرنس

شعبہ تعلیمی کے اجلاس کے حالات کانفرنس گزٹ میں شائع ہو چکے ہیں اب سکرٹری شعبہ کی رپورٹ ذیل میں شائع کی جاتی ہے۔ ایڈیٹر

جناب صدر و معزز حاضرین۔ کانفرنس کا شعبہ تعلیمی ابتداءً سنہ ۱۹۰۱ء میں قائم ہوا۔ گزشتہ سنین میں مسلمانان ہند کی ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے متعلق اہم ریزولیوشن جو وقتاً فوقتاً پاس ہوئے نیز ماہرین تعلیم کے بیش بہا اور مفید خطبات و مقالات جو مختلف اجلاسوں میں پڑھے گئے اور مستقل علمی سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں کانفرنس کی سابقہ روئدادوں میں درج ہیں۔ شعبۂ ہذا کی نمایاں خدمات کا تذکرہ سکرٹری کی پچھلی رپورٹ میں کیا گیا تھا جو دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء میں اجلاس کانفرنس منعقدہ پونا میں پیش ہوئی تھی۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں قواعد کانفرنس میں ترمیم ہو کر شعبہ جات کی از سر نو تنظیم ہوئی۔ ۸۔ اگست سنہ ۱۹۴۲ء کو موجودہ ٹرم کے لئے مجھ کو سکرٹری شعبۂ تعلیمی منتخب کیا گیا۔ اس شعبہ کی کمیٹی پہلی مرتبہ ۲۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء کو قائم ہوئی اور حسب ذیل اصحاب اس کے ممبر منتخب ہوئے:۔

(۱) ڈاکٹر عبد الستار صدیقی صاحب چیرمین عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی،

(۲) ڈاکٹر عابد حسین صاحب پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی،

(۳) ڈاکٹر عبد العزیز پوری صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول،

(۴) حاجی مولوی ابو الحسن صاحب ریٹائرڈ آئی ای ایس، غازی پور،

(۵) سید عبد الواحد صاحب ایم اے اسسٹنٹ انسپکٹر آف اسکولس میرٹھ،

(۶) مولوی سید مہدی حسن صاحب ہیڈ ماسٹر شعیب محمدیہ اسلامیہ ہائی اسکول آگرہ،

(۷) مس قمر جہاں جعفر علی صاحبہ

[illegible] ن '

[illegible] ین نظامی صاحب آنریری [illegible] کانفرنس صوبہ متحدہ '

[illegible] مسٹر عبدالمجید قریشی آنریری جوائنٹ [illegible] انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس '

[illegible] احمد سرور ایم اے لکچرار ار دو ڈیپارٹمنٹ [illegible] یونیورسٹی '

[illegible] میں کانفرنس کے جوبلی سیشن منعقدہ علی گڑھ میں شعبہ تعلیمی کے تین سیکشن کر دیئے گئے تھے اور ہر سیکشن کا جلسہ علیحدہ ہوا تھا' یونیورسٹی سیکشن کے جلسہ کی صدارت علامہ مسٹر عبداللہ یوسف علی نے فرمائی تھی۔ ثانوی تعلیم کے سیکشن کی ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے اور ابتدائی تعلیم کے سیکشن کی اس خاکسار نے۔ لیکن ۱۹۳۸ء کے اجلاس کلکتہ میں شعبہ تعلیمی کا ایک ہی جلسہ زیر صدارت آنریبل سرسید سعد اللہ وزیر اعظم صوبہ آسام ہوا تھا اور ۱۹۴۰ء میں بمقام پونا اس شعبہ کے صدر پروفیسر اے' بی' اے حلیم صاحب پرووائس مسلم یونیورسٹی تھے

کانفرنس کے اجلاس منعقدہ پونا میں شعبہ تعلیمی [illegible] ۲۱ رزولیوشن پاس ہوئے تھے ان میں سے ۶ انجاویز صوبہ بمبئی کے متعلق تھیں۔ گورنمنٹ بمبئی نے اُن پر جو احکام صادر کئے وہ بحیثیت مجموعی ہمدردانہ و معقول ہیں۔ باقیماندہ پانچ رزولیوشنو میں سے ایک اہم رزولیوشن یہ تھا کہ مسلم یونیورسٹی میں مثل بعض دیگر ہندوستانی یونیورسٹیوں کے عربی' فارسی و اردو کے امتحانات قائم کئے جائیں۔ یہ تجویز ہنوز باضابطہ منظور نہیں ہوئی ہے لیکن ذاتی معلومات کی بنا میں اس قدر عرض کرسکتا ہوں کہ ہماری یونیورسٹی نے اس مفید رزولیوشن پر بہت ہمدردی سے غور کیا ہے اور اس سلسلہ میں ضروری کارروائی ہورہی ہے۔ اس کے برعکس رزولیوشن نمبر ۱۴ میں الہ آباد یونیورسٹی کی ایگزیکیوٹو کمیٹی کے منتخب شدہ ممبران میں مسلمانوں کی نمائندگی کے متعلق جو استدعا یا لیا لسنا یونیورسٹی مذکور و گورنمنٹ صوبہ متحدہ سے کی گئی تھی اس پر تا حال کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ مختلف [illegible] رزولیوشنوں پر دفتر کانفرنس میں جو کارروائیاں [illegible] یا ہنوز جاری ہیں اُن کی تفصیل جناب [illegible] سکریٹری صاحب کانفرنس کی رپورٹ میں [illegible] ہے۔

اکتوبر گزشتہ سے اب تک کمیٹی شعبہ تعلیمی کے دو جلسے ہوئے ہیں وسط نومبر ۱۹۴۰ء میں شعبہ تعلیمی وشعبہ تعلیم نسواں کے مشترک جلسہ میں بہ تعمیل رزولیوشن سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کمال یار جنگ کمیٹی رپورٹ کے متعلق جملہ آراء موصولہ و تنقیدات پر غور کرنے کے بعد اس میں چند ترمیمات و اضافے منظور ہوئے اور ایک سب کمیٹی کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ کمال یار جنگ کمیٹی کا خلاصہ تیار کرے جس میں کمیٹی مذکور کے نتائج تحقیقات اور سفارشات کے علاوہ محولہ ترمیمات و اضافے بھی شامل کئے جائیں۔ شعبہ ہذا کا دوسرا جلسہ جس میں سب کمیٹی کا مرتب و بالا ہوا خلاصہ رپورٹ پیش ہو کر منظور ہوا حال میں ہی منعقد ہوا تھا۔

پچھلے ڈیڑھ سال میں دفتر کانفرنس نے برٹش انڈیا کے مختلف صوبہ جات اور چند بڑی ہندوستانی ریاستوں کی سالانہ تعلیمی رپورٹیں فراہم کی ہیں۔ ان رپورٹوں سے جو مختلف اوقات پر موصول ہوتی رہیں ہر علاقہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق اعداد وشمار و دیگر حالات ضروری انتخاب کرکے اس غرض سے جمع کئے گئے ہیں کہ مسلم پبلک کی آگاہی کے لئے ان کو اردو میں شائع کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو مختلف اقطاع ہند کے مسلمانوں کی ترقی کی رفتار کا عام اندازہ ہو سکے۔ جو رپورٹیں تا حال حاصل ہو سکی ہیں ان میں سے بعض ۱۹۳۸ء–۱۹۳۹ء کی اور بعض ایک یا دو سال ماقبل کی ہیں۔ بحالت موجودہ حاصل شدہ مواد ہی پیش کیا جا سکے گا لیکن آئندہ مطلوبہ رپورٹیں باقاعدگی سے بروقت موصول ہوتے پر استادانہ سالوار تبصرہ کرنا ممکن ہو گا۔

اس مختصر رپورٹ کو میں اس اپیل پر ختم کرتا ہوں کہ مسلمان ماہران تعلیم نیز مسلم تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے جملہ اصحاب جو ہندوستان کے مختلف صوبجات یا ہندوستانی ریاستوں سے تعلق رکھتے ہیں علاقہ متعلقہ کے مسلمانوں کے مخصوص تعلیمی دارو کے حالات و ضروریات سے اور نیز اس سند و فنا [illegible] و ضروری اعداد وشمار مسلمانوں کے تعلیمی مطالبات اور اُن کی جائز شکایات رفع کرنے کی معقول تجاویز سے دفتر کانفرنس کو وقتاً فوقتاً آگاہ فرماتے رہیں اس قسم کی اطلاعات باقاعدگی سے مہیا ہوتی رہیں تو ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کل ہند مسلم تعلیمی کانفرنس کے عہدہ دار اور کارکن تمام ہندوستان کے مسلمانو کے تعلیمی حالات و ضروریات سے ہمہ وقت باخبر رہیں گے اور جن معاملات میں فوری توجہ درکار ہوگی ان پر کمیٹی شعبہ تعلیمی و مجلس منتظمہ بعد غور مناسب بر وقت عملی کارروائی کرسکیں گی۔ اس ضمن میں منجملہ دیگر امور کے حسب ذیل مسائل خاص اہمیت رکھتے ہیں :-

(۱) ہر صوبہ یا ریاست کے سررشتہ تعلیم کے افسران میں اور تعلیمی بورڈوں یا کمیٹیوں میں مسلم نمائندگی کافی ہے یا نہیں '

(۲) عام مدارس ثانوی و ابتدائی میں مسلم مدرسین کا تناسب '

(۳) مخصوص اسلامی مدارس و مکاتب کی تعلیمی ترقی و انتظامی حالات کس حد تک قابل اطمینان ہیں اور ان کے موجودہ نقائص رفع کرنے کی مناسب تدبیر۔

(۴) عام سرکاری مدارس یا مخصوص اسلامی درس گاہوں میں مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم کا کافی انتظام ہے یا نہیں اور بصورت آخر موجودہ صورت حال کی اصلاح کن ذرائع سے ہو سکتی ہے '

(۵) مختلف مضامین کی منظور شدہ کتب جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اطمینان ہیں یا نہیں۔ بصورت آخر کتب متعلقہ کے قابل اعتراض حصوں کی وضاحت '

(۶) ثانوی و ابتدائی مدارس کو امداد دئے جانے کے قواعد صوبہ یا ریاست متعلقہ کے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب ہیں یا نہیں '

(۷) بنیادی تعلیم کی اسکیمیں جو تجربتاً مختلف صوبجات یا خاص مقامات میں جاری کی گئی ہیں مسلمانوں کے لئے کس حد تک مفید ہیں اور اسلامی و تعلیمی نقطہ ہائے نظر سے اُن کی تنقید '

(۸) مختلف یونیورسٹیوں کی انتظامی و تعلیمی کمیٹیوں و عملۂ مدرسین میں مسلمانوں کی نمائندگی اور اُن کے جائز حقوق کا تحفظ '

مجھ کو یقین ہے کہ اگر میری اس ناچیز اپیل پر توجہ کی گئی اور دفتر کانفرنس کو مطلوبہ اطلاعات باقاعدگی سے مہیا کی جائیں گی تو کانفرنس اور اس کا شعبہ تعلیمی اپنے فرائض زیادہ مؤثر طور پر انجام دے سکیں گے۔

رپورٹ شعبۂ معاشیات و اصلاح معاشرت

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

میانہ ہوسکی البتہ اتنا ضرور ہوا اور ہوگا کہ بیمہ کمپنیوں نے مسلمان ایجنٹوں اور ڈائرکٹروں کی خدمات حاصل کرنے کی طرف توجہ کی۔

شعبہ کی تنظیم ابھی چند ماہ ہی ہوئے ایک کمیٹی کے قیام سے مکمل ہوئی اور آئندہ طریق کار پر غور کرنے کے لئے کمیٹی کا ایک اجلاس بھی منعقد کیا جا چکا ہے جس میں اس امر پر کہ شعبہ کو کس طرح اور کیا خدمات مسلمانوں کی معاشی بہتری کے سلسلہ میں انجام دینی چاہئیں۔ ممبران کمیٹی سے تجاویز طلب کی گئی ہیں۔ ممبران کمیٹی کے علاوہ دوسرے اصحاب سے بھی استفادہ کرنے کی تجویز ہے۔ خاکسار تجاویز پیش کرنے اور پاس کرانے کا متمنی نہیں۔ چند امور پیش نظر ہیں اور رفیقان کار کی معیت اور ان کی ہدایت میں جو خدمت اس سلسلہ میں انجام دی جاسکی اس کی روئداد آئندہ اجلاس کانفرنس میں پیش کردی جائے گی۔

اکھنڈ ہندوستان کانفرنس

لاہور کی ایک خبر میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسٹر تیجا سنگھ جنرل سکریٹری "آل انڈیا اکھنڈ ہندوستان کانفرنس" نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو بذریعہ تار مطلع کیا ہے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گوجرانوالہ نے ڈیفنس آف انڈیا رولز کے قاعدہ - ۵۶ کے ماتحت اکھنڈ ہندوستان کانفرنس کا اجلاس منعقد کرنے کی ممانعت کردی ہے جسے مرکزی اکالی دل کے حامی منعقد کرنا چاہتے تھے۔ یہ کانفرنس ۲۷ و ۲۸ مارچ کو منعقد ہونے والی تھی۔

بعد کی ایک خبر میں جو گوجرانوالہ سے اخبارات کو بھیجی گئی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے زیر دفعہ ۵۶ ڈیفنس آف انڈیا رولز اکھنڈ ہندوستان کانفرنس کے انعقاد کی ممانعت کردی تھی لیکن بابا کھڑک سنگھ سردار بچن سنگھ صراف تیجا سنگھ اور پروفیسر نرائن سنگھ آف لاہور نے اس پابندی کی خلاف ورزی میں تقریریں کیں جس کے نتیجہ کے طور پر انھیں گرفتار کرلیا گیا۔

اطلاع ملنے پر میاں محمد اسلم صاحب معیت سردار سگوان سنگھ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ایک جمعیت ساتھ لے کر موقع پر پہنچے جو لوگ وہاں موجود تھے پولیس نے انہیں خلاف قانون مجمع ہونے کے متعلق انتباہ کیا اور کہا کہ وہ منتشر ہو جائیں، اس کے بعد مذکورہ بالا چاروں لیڈروں کو گرفتار کرکے جیل بھیج دیا۔"

اکھنڈ ہندوستان کی تحریک ایک جدید فتنہ ہے جو چند روز سے ہندوستان میں پھیل رہا ہے، اور مسٹر منشی جیسے بڑے بڑے کانگرسی لیڈر اس تحریک کے علمبردار ہیں، جو عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر مسلم لیگ کا "مطالبہ پاکستان" وجود میں آگیا تو غریب ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اور ایک بڑی مصیبت ملک پر نازل ہوگی، عوام اس پروپگنڈے سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ واقعی دیش کا ستیاناس ہو جائے گا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ کہا جاتا ہے بے سر و پا خرافات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ہندوستان کے بڑے حصہ پر برادران وطن کا اقتدار ہوگا۔

اسی کے ساتھ یہ تاریخی حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ ہندوستان کبھی اور کسی زمانہ میں بھی "اکھنڈ" نہیں تھا لیکن موجودہ زمانہ کی پر فریب سیاست کو حقیقت سے کیا واسطہ ہے جس ملک کے عوام کی یہ ذہنیت ہو کہ وہ آنکھ بند کرکے ہر جاہ پسند لیڈر کی صدائے بے ہنگام پر لبیک کہنے کے لئے تیار رہتے ہوں وہاں ہر نامعقول سے نامعقول تحریک مقبولیت حاصل کرسکتی ہے۔

سیٹھ جگل کشور برلا کی ڈینگ

حال میں مشہور سرمایہ دار سیٹھ برلا نے ایک صدارتی تقریر میں مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ جب تک ۳۰ کروڑ ہندو اور ۵۰ کروڑ بودھ زندہ ہیں اس وقت تک بعض لوگوں کی یہ دھمکی کارگر نہیں ہوسکتی کہ ہم تلوار کے زور سے پاکستان لے لیں گے ہندو کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ اب تک ظلم سہتا تھا آئندہ برداشت نہیں کرے گا۔"

اپنی تعداد خواہ مخواہ، ۳۰ کروڑ بتانا اور پھر اس کے ساتھ پچاس کروڑ بودھ مذہب والوں کو (جنھیں ہندوستان کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں) خواہ مخواہ اپنا حامی و مددگار فرض کرلینا ایک عجیب قسم کی لغویت ہے، غالباً سیٹھ برلا نے سرمایہ داری کے گھمنڈ میں یہ کہنے کی جرأت کی ہے اور وہ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں کہ محض دولت کے بل پر کوئی قوم آگے نہیں بڑھ سکتی، اس کیلئے کچھ اور اوصاف کی بھی ضرورت ہے لیکن وہ محض دولت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کو چیلنج دیتے ہیں۔

سیٹھ برلا کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان قوم ان دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوسکتی، اس نے ایسے بہت سے برلا دیکھے ہیں، اس لئے وہ اس قسم کی لایعنی تقریروں کی پرکس کی برابر بھی پروا نہیں کرتی، مسلمانوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ وہ تلوار کے زور سے پاکستان "لیں گے"، تلوار ان پر اٹھائی جاتی ہے جو خود بھی صاحب سیف ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ برلا جی اور ان کے دوستوں کو تلوار سے کیا واسطہ! مسلمانوں نے کبھی نہتوں اور کمزوروں پر تلوار نہیں اٹھائی، البتہ انھوں نے قیصر و کسریٰ جیسے [illegible] کا تلوار سے مقابلہ کرکے ان کے سر پُر غرور کو نیچا کیا ہے۔

برلا جی کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر مسلمانوں نے واقعۃً پاکستان کو اپنا نصب العین بنالیا تو وہ یقیناً بغیر تلوار اٹھائے اسے حاصل کرلیں گے اور برلا جی کف افسوس ملتے رہ جائیں گے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

ہندو عورتوں کی وراثت کا بل

۲۹ مارچ گزشتہ کو مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں اس بل کے متعلق بحث ہوئی جو ہندو عورتوں کے حق وراثت کے متعلق ہے، پنڈت نیل کنٹھ داس نے یہ مطالبہ کیا کہ جنگ کے اختتام تک اس بل پر بحث ملتوی رکھی جائے، مسٹر رام رتن گپتا نے بیٹیوں کو جائداد میں معقول حصہ دینے کے اصول سے تو اتفاق کیا لیکن بیٹیوں کی اولاد پر اس کا اطلاق کرنے کی مخالفت کی، انھوں نے کہا کہ بل کو متضاد شکل دے دی گئی ہے نیز اس کی کافی اشاعت نہیں کی گئی۔

مسٹر گووند دیش مکھ نے اپنی تقریر میں کہا کہ جب

... وقت نے چاہا؟
... کے متعلق عوام میں ابھی تشویش
... ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس مسئلہ کی
... ام کی کافی تو پسند ول نہیں ہوئی ہے اور
... وہ ابھی حاصل کرنا باقی ہیں تو اس کے
... کے اجلاس سے پہلے کافی وقت مل
سکتا ہے۔

انھوں نے کہا کہ جو لوگ منو سمرتی کی آڑ لیتے ہیں انھیں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اب ہندو سماج کے ڈھانچہ میں بہت کچھ تبدیلی ہو چکی ہے اور اگر ہندو سماج کو زندہ رکھنا ہے تو منو مہاراج کے مقرر کئے ہوئے اصول میں تبدیلی کرنی ہو گی۔

اسلام نے اب سے تقریباً ۱۴ سو برس پہلے وراثت میں عورتوں کا حصہ مقرر کر دیا تھا، لیکن آج اس ترقی و آزادی کے زمانہ میں جبکہ عورتوں کی حمایت کا غلغلہ بلند ہے، بہت سی قوموں میں عورتوں کا حق وراثت تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہ ہے حقیقت اُن بلند بانگ دعووں کی جو عورتوں کی حمایت میں کئے جاتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ اب کچھ لوگ وراثت میں عورتوں کو حصہ دینے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں، یہاں تک کہ منو سمرتی کے اٹل احکام پر خط تنسیخ کھینچنے کو تیار ہو گئے ہیں۔
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

ریزگاری کے بدلے میں ٹکٹ

مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کے اجلاس میں بھائی پرمانند کے ایک سوال کے جواب میں سرگورد ناتھ بیو، سکریٹری محکمہ ڈاک دیر وارنے کہا کہ حکومت کو یہ معلوم ہے کہ حال میں ریزگاری کی قلت کے باعث ڈاک و تار کے محکمہ کے افسران اس محکمہ کے لین دین کے سلسلہ میں عوام کو آزادی سے ریزگاری نہیں دے سکے ہیں۔ اس معاملہ میں انھوں نے ڈائرکٹر جنرل محکمہ ڈاک و تار کے ایک واضح حکم کی تعمیل کی۔ پوسٹ کارڈ، لفافوں کی قیمت اور دوسری ضروریات کے لئے ڈاک خانہ ڈاک کے ٹکٹ نہیں دئے جاتے تھے کیونکہ ڈاک کے محکمہ ... جب کبھی ریزگاری ہوتی تھی۔ تو ... ریزگاری نہ ہونے کی صورت میں ... ریزگاری کے بدلے ڈاک کے ٹکٹ دیدیے جاتے تھے۔ ڈائرکٹر جنرل نے عملہ کو سخت ہدایات کی ہوئی ہیں کہ ریزگاری ہونے کی صورت میں عوام کو مناسب حد تک ریزگاری دینے سے انکار کرنے کی صورت میں عملہ کے آدمیوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ حکومت کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ محکمہ ڈاک و تار کے ملازمین ریزگاری جمع کر رہے ہیں۔ اگر کوئی ایسی شکایت حکومت موصول ہوئی تو حکومت سکے جمع کرنے والوں کے خلاف مناسب کارروائی کرے گی۔

سر جرمی ریسمین ممبر مالیات نے ضمنی سوالوں کے جواب میں کہا کہ حکومت ڈاک کے ٹکٹوں کو کرنسی نہیں بنا سکتی کیونکہ اس قسم کے سکوں کے رائج کرنے سے بہت زیادہ دقت پیش آئے گی۔ ممبر مالیات نے ہاؤس کو یقین دلایا کہ حکومت کو امید ہے کہ مناسب مدت کے اندر ریزگاری کی کمی کی شکایت دور ہو جائے گی۔ اور ملک میں ریزگاری کی ضرورت سے زیادہ افراط ہو جائے گی۔

تعلیمی کانفرنس صوبہ متحدہ کا سالانہ اجلاس

پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کا سالانہ اجلاس ۲۷-۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء کو زیر صدارت نواب حاجی حافظ محمد جمشید علی خاں صاحب ایم بی ای، ایم ایل اے پیلی بھیت میں منعقد ہوا۔ صوبہ کے مختلف اضلاع خصوصاً روہیلکھنڈ کے نمائندے اجلاس میں شریک تھے۔

نواب محمد جمشید علی خاں صاحب نے بحیثیت صدر اجلاس جو خطبہ اس موقع پر پڑھا وہ اگرچہ مختصر تھا لیکن اس میں بہت سی باتیں نہایت صاف اور سلجھے ہوئے انداز میں بیان کی گئی تھیں اور مسلمانان صوبہ کی تعلیمی ترقی کے سلسلہ میں ایسے مشورے دئے گئے تھے، جو قابل توجہ اور لائق عمل ہیں۔ انشاء اللہ ہم یہ خطبہ آئندہ پرچہ میں شائع کریں گے۔

صدر جماعت استقبالیہ محمد ظفر یار خاں صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر کا خطبہ بھی دلچسپ تھا صاحب موصوف نے اس خطبہ میں روہیلکھنڈ خصوصاً ضلع پیلی بھیت کے ایام ماضی کے متعلق بہت سے مفید و دلچسپ معلومات پیش کئے تھے۔

کانفرنس کے شعبہ اردو کی صدارت مولوی رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے (چیرمن شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی) نے فرمائی آپ کا خطبہ نہایت دلچسپ و معنی خیز تھا جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔

مطبوعات کتابستان الٰہ آباد

شان خدا — وجود خالق، اعتقاد خالق، نبوت، توحید مسائل پر جدید علم کلام اور سائنس کی روشنی میں عالمانہ بحث اور ملاحدہ جدیدہ و قدیم کے شکوک و شبہات کا مدلل و مسکت جواب، زبان اور طرز بیان بالکل سادہ اور صاف۔ قیمت .. عہ

محمد رسول اللہ — ڈیلوف انگریزی تامس کارلائل کی ایک تالیف کا اردو ترجمہ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سیرت نہایت عمدہ اور فلسفیانہ انداز میں بیان کی گئی ہے اور مخالفین کے شبہات کا بہترین اور مسکت جواب دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں یہی دیکھنے کی بات ہے کہ ایک غیر مسلم ہمارے آقائے نامدار کی کس طرح تعریف کر رہا ہے۔ قیمت ۸ ر

جواہر العلوم — قدیم و جدید عجائبات قدرت، مظاہر کائنات اور نوامیس فطرت کے دلچسپ حالات علمی اصول پر۔ آخر میں بعض دلچسپ سوال جواب اور اکتشافات جدیدہ سے قرآن حکیم کے اعجاز ہونے کا ثبوت۔ قیمت ...... ۲ ر

دل کی آواز — از نفیسی صاحب امروہوی، یہ ایک ناول ہے جو اپنے واقعات کے لحاظ سے نہایت دلچسپ ہے۔
آخری فیصلہ — نفیسی صاحب کا دوسرا ناول، دل کی آواز کے دلچسپ ...

شمس العلماء مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم کی تصانیف

مراۃ العروس — لڑکیوں کو اخلاق اور خانہ داری کی تعلیم دینے والی مشہور اور بے نظیر کتاب ۱۲
بنات النعش — مذکورہ بالا کتاب کا دوسرا حصہ۔ قیمت ۱۲
توبۃ النصوح — مذکورہ بالا کتاب کا تیسرا حصہ۔ قیمت ۱۲
بچیوں سے دو دو باتیں — بچیوں کے لئے بیش بہا نصائح کے علاوہ معلومات ضروری کا ایک قابل قدر ذخیرہ۔ قیمت ...
اصلاح معیشت — دو بہنوں کے واقعات جن میں گھر اور پھوہڑ کی تصاویر دکھائی گئی ہیں
حسن معاشرت — لڑکیوں کی زندگی کو کامیاب اور ہر دلعزیز بنانے والی بہترین کتاب
چند پند — بچوں کیلئے نصیحت آموز مضامین قیمت ...
منتخب الحکایات — بچوں کیلئے چھوٹی چھوٹی کہانیاں ...

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل ...

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۱۶ اپریل ۱۹۴۳ء مطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ | نمبر (۱۵)

آجکل مسلم یونیورسٹی میں سالانہ امتحانات ہو رہے ہیں جن کا سلسلہ آخر اپریل تک جاری رہے گا، بہت سے طلبہ امتحانات سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جا چکے ہیں۔ امتحانات کے بعد ۸ مئی ۱۹۴۳ء سے مسلم یونیورسٹی کی تعطیل کلاں شروع ہوگی۔

ہم نے یہ خبر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ سنی کہ حیدرآباد کے کہنہ مشق صحیفہ نگار مولوی اکبر علی صاحب اڈیٹر روزنامہ صحیفہ نے ایک مختصر سی علالت کے بعد رحلت فرمائی۔

مولوی صاحب مرحوم حیدرآباد کے پرانے اخبار نویس اور مذہبی و ادبی ذوق رکھنے والے بزرگ تھے، اور اپنی وضع و اصول کے پابند تھے، انھوں نے حیدرآباد میں اپنا اخبار اُس وقت جاری کیا جب کہ ہاں صحافت کا ابتدائی دور تھا اور لوگ اخبار بینی کے ذوق سے ناآشنا تھے، اس لحاظ سے مولوی صاحب مرحوم کو اولیت کا فخر حاصل تھا۔

مولوی اکبر علی صاحب نے اپنے اخبار کو کبھی تجارتی اصول پر نہیں چلایا اگر وہ ایسا کرتے تو بہت کچھ مالی منفعت حاصل کر سکتے تھے جس کے مواقع حیدرآباد میں انہیں حاصل تھے۔ مولوی صاحب نے صحیفہ کے ذریعہ سے ملک کے علاوہ مذہب کی بھی خدمت کی، اور اپنے اخبار کا جو مقصد انھوں نے متعین کر لیا تھا اُسے آخر تک قائم رکھا۔ اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ زمانہ کے رنگ پر چلنے کی کوشش نہیں کی جو بجائے خود ایک لائق ستائش بات ہے۔ اگرچہ اس کا اثر یہ ضرور ہوا کہ صحیفہ اُن اخبارات کے برابر ترقی نہیں کر سکا جو اس کے بعد جاری ہوئے۔ اور حالات کے ساتھ ساتھ اپنی پالیسی بھی بدلتے رہے۔

مولوی اکبر علی صاحب مرحوم کو ایک خاص مذہبی ذوق تھا۔ چنانچہ جب نواب صدر یار جنگ بہادر اپنے زمانہ صدر الصدوری میں حیدرآباد کی بڑی بڑی مذہبی مجالس میں تقریریں فرمایا کرتے تھے تو مولوی صاحب قریباً لفظ بلفظ ان تقریروں کو قلمبند کر لیتے تھے۔ اس کے بعد یہ تقریریں رسالوں کی صورت میں شائع ہو جاتی تھیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اُن کے پسماندوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے

دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے انتظامات سرگرمی سے جاری ہیں۔ اجلاس کا سلسلہ ۲۳ تا ۲۶ اپریل ۱۹۴۳ء جاری رہے گا

۲۳ کی صبح کو ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ ہوگا۔ اور شام کو کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس عربک کالج کے ہال میں ہوگا۔

۲۴ اپریل کو آل انڈیا مسلم لیگ کا پہلا اجلاس عام پنڈال میں منعقد ہوگا جس میں تلاوت قرآن مجید اور قومی ترانوں کے علاوہ خطبۂ صدارت مجلس استقبالیہ خطبۂ اجلاس، اور آنریری سکرٹری کی رپورٹ پڑھی جائے گی، اور مسٹر محمد علی جناح سبجکٹس کمیٹی کے لئے پندرہ اصحاب کو نامزد فرمائیں گے۔ شام کو ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوگا۔

۲۵ اپریل کی صبح کو سبجکٹس کمیٹی کا اجلاس اور شام کو لیگ کا دوسرا اجلاس عام ہوگا جس میں [illegible] پر بحث ہوگی۔

مسلم لیگ کا اجلاس [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶-اپریل ۱۹۶۴ء

اصلاح معاشرت

اصلاح معاشرت (یا اصلاح رسوم) کے متعلق نواب صدر یار جنگ بہادر کا ایک مختصر لیکن سبق آموز مضمون اس پرچہ میں شائع ہو رہا ہے جو موجودہ دور بے عملی میں خصوصیت سے لائق مطالعہ ہے کیونکہ اس میں ایک مثال کے ذریعہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مشہور اسلامی خاندان نے کس طرح محض "عمل" کے ذریعہ غیر شرعی رسم و رواج اور فضول مراسم سے نجات حاصل کر لی۔

نہایت افسوس ہے کہ "صحیح اسلامی تعلیم" سے ہر ملک کے مسلمان روز بروز بیگانہ ہوتے جاتے ہیں، علاوہ دیرینہ مراسم قبیحہ کے اب مغرب پرستی نے بھی ہماری خانگی معیشت میں اضافہ کیا۔ اسلام کی سادہ تعلیم کی وہ شان اب نظر نہیں آتی جو پہلے ہماری ایک نمایاں خصوصیت سمجھی جاتی تھی، لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت اس معاملہ میں سب سے زیادہ افسوسناک ہے۔ اس میں شک نہیں کہ "اسلامی تعلیم" سے ہندوستان کی دوسری قومیں غیر معمولی طور پر متاثر ہوئی ہیں جس کا اثر کم و بیش ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں نظر آتا ہے لیکن اسی کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اپنے ابنائے وطن کا اثر بہت کچھ قبول کیا ہے (جس سے دوسرے ممالک کے مسلمان محفوظ ہیں) چنانچہ اب حالت یہ ہے کہ جن مراسم کو اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں وہ ہماری روزمرہ کی زندگی اور شادی و غم کی تقریبات میں اس طرح رواج پا گئے ہیں کہ عوام ان کو ایک اسلامی یا مذہبی چیز سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں، بے شک کچھ مسلمان ایسے بھی ہیں جو ان لغو مراسم کو پسند نہیں کرتے، نہ ان کی کوئی مذہبی حیثیت تسلیم کرتے ہیں لیکن برادری و خاندان میں بدنامی و رسوائی کے خیال سے وہ بھی با دل ناخواستہ ان مراسم پر عمل کرتے ہیں کیونکہ ان میں اس قدر اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ علی الاعلان ان فضول مراسم سے اپنی بیزاری کا اظہار کریں۔

اس اخلاقی کمزوری کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان رسوم باطلہ پر روپیہ صرف ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی ان پر عمل کرنے سے پہلو تہی کرے تو لوگ اسے کنجوس، منحوس اور بخیل سمجھتے ہیں، اس بدنامی سے بچنے کے لئے لوگ طوعاً و کرہاً ان بے ہودہ مراسم پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر کوئی شخص اخلاقی جرأت و ہمت سے کام لیکر ایک دفعہ ان سب لاطائل مراسم سے اپنی بیزاری ظاہر کر کے ان پر عمل کرنے سے انکار کر دے تو چند روز تک تو ضرور برادری میں اس کا چرچا رہے گا لیکن اس کے بعد جب لوگ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں گے تو ان کی ذہنیت خود بخود بدل جائے گی یہاں تک کہ خود بھی ترک مراسم پر آمادہ ہو جائیں گے اور دل میں ممنون و شکرگزار ہوں گے کہ اس درد سر مصیبت سے نجات حاصل ہو گئی۔

یہ شکرگزاری اس بنا پر ہوگی کہ اب مسلمانوں کی مالی پستی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ان مصارف طلب مراسم کا ادا کرنا ان کے لئے بلائے جان ہو گیا ہے اور جب سودی قرض لے کر یا جائداد رہن رکھ کر انہیں ان فضول و بیہودہ رسم و رواج پر روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے تو وہ دل میں کڑھتے ہیں اور گھٹتے ہیں مگر جبراً و قہراً برادری کے خوف سے اس پر عمل کرتے ہیں، ان میں اس قدر اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ کوئی مصلحانہ قدم اٹھا کر آگے بڑھیں اور ان سب لغو و رسوم سے آزاد ہو جائیں، ایسی حالت میں اگر کوئی باہمت اور مضبوط ارادہ کا شخص رسم و رواج کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے آمادہ ہو جائے تو پھر دوسرے لوگوں میں بھی ہمت پیدا ہو گی اور وہ خوشی سے اس کے لئے تیار ہو جائیں گے یہاں تک کہ جو لوگ کل تک ظاہرداری کے طور پر اور برادری کے خوف سے ان مراسم پر اصرار کرتے تھے اب ترک مراسم میں سب سے پیش پیش نظر آئیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ بحالت موجودہ مسلمانوں میں بہت سی برادریاں اور بہت سے خاندان ہیں جنھوں نے شادی و غم کی مختلف تقریبات کے متعلق ایک معیار بنا رکھا ہے جس پر زمانہ دراز سے عمل ہو رہا ہے، ہر برادری میں امیر بھی ہیں اور غریب بھی، ایسے بھی ہیں جو ضرورت سے زیادہ آمدنی رکھتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی مشکل سے اُن کی ضرورت کے لئے کافی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی، لیکن برادری کے معیار نے سب کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے اس لئے کم آمدنی والا بھی یہ چاہتا ہے کہ اس معیار کو قائم رکھے تاکہ اس کی نگاہ برادری میں نیچی نہ ہو اور لوگ اس پر انگلیاں نہ اٹھائیں کہ اس نے اپنے باپ کی موت پر یا بیٹی کی شادی پر اس قدر خرچ نہیں کیا جتنا کرنا چاہئے تھا اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے برادری کے خوش حال اصحاب اور اونچے طبقہ کے لوگ مقررہ معیار کو گھٹا دیں، فضول اور غیر ضروری رسوم کو ترک کر دیں اور شادی و غم کے ناگزیر و ضروری مصارف پر جس قدر روپیہ صرف ہوتا ہے اس میں بھی معقول تخفیف کر دیں اس طریقہ کار سے یہ فائدہ ہوگا کہ برادری کے متوسط الحال اور کم استطاعت طبقہ کو اس معمولی معیار پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ اور وہ ان تقریبات کی ضرورت سے قرض لینے یا دوسرے نامناسب طریقوں سے روپیہ حاصل کرنے پر مجبور نہ ہوں گے۔

برادران وطن کو جب سے اصلاح معاشرت کا خیال پیدا ہوا ہے وہ اسی قسم کی تدابیر پر عمل کر رہے ہیں، چنانچہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ دہلی وغیرہ کی جینی (ہندو) برادری نے ہر تقریب کے لئے خرچ کا ایک ایسا معیار مقرر کر دیا ہے جو کم استطاعت لوگوں کے لئے بھی لائق عمل ہے، اس سے زیادہ خرچ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ مصارف کا یہ معیار برادری کے مختلف حیثیت رکھنے والے اصحاب نے باہمی مشورہ سے طے کیا ہے۔ اور یہ سب تجاویز ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر کے چھاپ دی گئی ہیں، ان تجاویز میں برادری کے کم استطاعت طبقہ کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے، جب کسی شخص کے یہاں کوئی تقریب ہوتی ہے تو وہ اسی معیار کے مطابق خرچ کرتا ہے چونکہ یہ کام ایک باضابطہ طریقہ سے اور برادری کے

مقررہ کردہ قواعد کے مطابق عمل میں آتا ہے اس لئے کوئی شخص کم خرچ کرنے میں کسی قسم کی شرمندگی محسوس نہیں کرتا۔

اسی طرح برادران وطن کی دوسری مختلف قوموں نے اپنی اپنی برادری کی اصلاح کے لئے کوشش شروع کر دی ہے اور اس میں بہت کچھ کامیابی ہو رہی ہے البتہ راسخ العقیدہ ہندو اور برہمن بعض اصلاحی تحریکوں کی اس بنا پر مخالفت کر رہے ہیں کہ اُن کے نقطۂ نظر سے بہت سے رسم و رواج مذہبی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ہندوؤں کا اصلاح پسند و تعلیم یافتہ طبقہ خواہ مذہبی ہو یا نہ ہو اب اکتا گیا ہے اس مخالفت کی زیادہ پروا نہیں کرتا بلکہ وہ قدامت پسند طبقہ کو نظر انداز کر کے اس کوشش میں مصروف ہے کہ حکومت ایسے قوانین نافذ کرے کہ لوگ خواہ مخواہ اصلاح پر مجبور ہو جائیں چنانچہ اس قسم کے بہت سے بل اسمبلی میں پیش ہو کر قانون کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور آج کل بھی عورتوں کے حق وراثت کا بل اسمبلی میں پیش ہے۔ حالانکہ منوسمرتی کے احکام کے مطابق عورتوں کو وراثت میں حصہ نہیں مل سکتا لیکن ہندوؤں کی مصلحت شناس و عاقبت اندیش قوم اپنے قومی مفاد کے معاملہ میں ان مذہبی احکام کی پروا نہیں کرتی۔

اس موقع پر یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ برادران وطن جن رسوم کو چھوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ ان کے یہاں مذہبی حیثیت رکھتے ہیں اور ہزاروں برس سے رائج ہیں اور اُن کی قومی زندگی میں ان رسوم نے ایک خاص حیثیت حاصل کر لی ہے لیکن ہندو باوجود اپنی ضرب المثل قدامت پسندی کے اپنی قوم کے فائدہ کے لئے ان سب چیزوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں سے جن رسوم باطلہ کو چھوڑنے کے لئے کہا جاتا ہے انھیں کوئی مذہبی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ مذہب اُن کا مخالف ہے اس لئے اُن کے چھوڑنے میں مسلمانوں کو ذرا بھی پس و پیش نہ ہونا چاہئے لیکن مسلمان اپنی شامت اعمال سے نہ صرف ان رسوم باطلہ میں گرفتار ہیں بلکہ ان کو مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ناعاقبت اندیشی کس قدر افسوسناک ہے۔ مسلمانوں کے لئے اصلاح معاشرت کا مسئلہ ذرا بھی پیچیدہ نہیں ہے۔ اُن کے لئے صاف اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ مذہب کی صحیح اور اصلی تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح معاشرت کی ساری خرابیاں خود بخود دور ہو جائیں گی کیونکہ مذہب میں ان رسوم باطلہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے علی گڑھ کے شیروانی خاندان نے بھی (جیسا نواب صدر یار جنگ بہادر کے مضمون سے ظاہر ہے) اسی طریقہ سے کامیابی حاصل کی یعنی اس عہد کے مشہور مذہبی عالم حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب (علیہ الرحمۃ) سے سارے رسوم مروجہ کے متعلق تفصیلاً یہ دریافت کیا کہ ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے ان کا بے اصل ہونا ظاہر فرمایا۔ یہ معلوم ہونے کے بعد لوگوں نے بغیر کسی پس و پیش کے انھیں چھوڑ دیا، اور ایک بڑی مصیبت سے نجات حاصل کر لی، دوسرے مسلمان بھی اسی طریقہ سے مروجہ رسوم کے متعلق شریعت کا حکم معلوم کر کے اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

صحیح الخیال علماء نے ہمیشہ ان رسوم باطلہ کی مخالفت کی ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں میں رائج ہیں بلکہ جن رسوم نے عوام کی نظر میں ... حاصل کر لیا ہے علماء نے خصوصیت سے ان کی مخالفت کی ہے اور مذہبی اصلاح میں انہیں بدعت قرار دیا ہے، خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان نے اس بارہ میں مسلسل جدوجہد کی ہے، اس سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوا اور وہ مشرکانہ رسمیں جو مسلمانوں میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں ایک حد تک کم ہو گئیں، لیکن اب بھی ملک کے مختلف حصوں میں جہاں مذہبی تعلیم کا چرچا نہیں ہے مسلمان رسوم بد میں مبتلا ہیں اور ان فضول اور بے معنی مراسم پر ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کر رہے ہیں اس لئے شدید ضرورت ہے کہ مذہبی اصلاح کا سلسلہ برابر جاری رکھا جائے، یہ فرض سب سے پہلے علماء کا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ وہی اسکو خوش اسلوبی انجام دے سکتے ہیں۔

علماء نے ہمیشہ مذہبی نقطۂ نظر سے ان رسوم و بدعات کی مخالفت کی کیونکہ ان مروجہ رسوم میں بہت سی چیزیں ایسی تھیں جن کا اثر مسلمانوں کے عقائد و اعمال پر پڑتا تھا۔ مثلاً اسلام خالص اور بے لاگ توحید کی تعلیم دیتا ہے اور صرف ایک خدائے بزرگ و برتر کو قادر مطلق اور فاعل مختار مانتا ہے کسی دوسری ہستی کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس دور آخر میں مسلمان ایسے اوہام باطلہ اور رسوم ناشائستہ میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ان سے مشرکانہ اعمال سرزد ہوتے تھے اور ان کی ظاہری حالت و اعمال سے یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ وہ مسلمان ہیں یا باطل پرست ان حالات کے لحاظ سے علماء کا یہ فرض تھا کہ وہ مسلمانوں کو عقائد و اعمال کے اعتبار سے مسلمان بنانے کی کوشش کریں، چنانچہ انھوں نے اپنا فرض ادا کیا۔ مسلمانوں کا کم استطاعت اور متوسط طبقہ علماء کی تبلیغ سے زیادہ اثر پذیر ہوا اور اس نے بہت سے رسوم چھوڑ دیئے، لیکن دولتمند طبقہ نے جو ان فضول مراسم پر روپیہ خرچ کرنے کی استطاعت رکھتا تھا، اپنی اصلاح پر زیادہ توجہ نہیں کی۔

یہ دور گزر گیا، اب حالت یہ ہے کہ علاوہ مذہبی وجوہ کے اقتصادی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو اپنی حالت پر توجہ کرنے کی سخت ضرورت ہے ورنہ اس کا انجام خطرناک ہوگا۔ گزشتہ چالیس پچاس سال میں ہندوستان میں ایک زبردست انقلاب ہوا ہے، اُمراء اور دولتمندوں کے بہت سے خاندان تباہ ہو چکے ہیں، مسلمانوں کی بہت سی جائدادیں سود اور قرض کی نذر ہو چکی ہیں اور روزمرہ کی معاشرت کا معیار بڑھ جانے سے متوسط طبقہ کے لئے زندگی بسر کرنا مشکل ہو گیا ہے یہ حالات اس امر کو مقتضی ہیں کہ ان سب فضول چیزوں کو جن پر کافی روپیہ خرچ ہوتا ہے چھوڑ کر سادہ و سپاہیانہ زندگی اختیار کرنے کی کوشش کی جائے صرف یہی ایک طریقہ ہے جس پر عمل کرنے سے مسلمان اُس خطرہ سے محفوظ رہ سکتے ہیں جو عنقریب نہایت مہیب صورت میں نمودار ہونے والا ہے اور جس کے آثار اب ظاہر ہونے لگے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں جب خوراک و لباس اور دوسری ضروریات زندگی کی شدید گرانی نے لوگوں کے ہوش و حواس گم کر دیے ہیں اور اس ملک کے کروڑوں انسانوں کو پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں ہوتا اصلاح معاشرت پر توجہ نہ کرنا اور بے ہودہ کا قلع قمع نہ کرنا سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔

آج حالت یہ ہے کہ ...

صدارتِ مسلم تعلیمی کانفرنس صوبہ متحدہ

از

جناب نواب حاجی حافظ محمد جمشید علی خاں صاحب ایم بی ای، ایم ایل اے، آف باغپت

جو کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بیلی بھیت میں ۲۷ مارچ ۱۹۴۳ء کو پڑھا گیا

حضرات! اپنی ہیچمدانی کے کامل احساس کے باوجود ایسے وقیع تعلیمی جلسہ کی صدارت بلاشبہ بڑی جسارت ہے، خدا کرے آپ کی نظر انتخاب شرمندہ نہ ہو اور آپ کی نگہ لطف مجھے اس گراں قدر فرض کی ادائیگی کے قابل بنا دے ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

بہرحال میں صمیم قلب سے اس عزت افزائی کے لئے شکر گزار ہوں۔

دنیا کے موجودہ پرآشوب حالات اور اصلاحی مسائل

حضرات! یہ کانفرنس جن امن سوز حالات اور جس پرآشوب زمانہ میں منعقد ہو رہی ہے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں، اکناف عالم پر فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کی گھٹائیں طاری ہیں اب سے تقریباً ساڑھے تین سال قبل جرمنی سے جو وحشت اور بربریت کا تباہ کن خونی سیلاب اٹھا تھا وہ طوفان بن کر کرۂ ارض پر محیط ہو چکا ہے اور بنی نوع انسان کے سرمایۂ امن و تہذیب کو بربادی کے سمندر میں غرق کر دینا چاہتا ہے، ایسے پرآشوب زمانہ میں جبکہ خود ہمارا ملک ہی اس عالمگیر جنگ اور اس کے ہمہ گیر اثرات سے محفوظ نہیں ہے، اصلاحی مسائل اور ان کے متعلقہ تجاویز پر سکون کے ساتھ غور کرنا دشوار ہے۔ لیکن ع

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

موجودہ حالات ہی میں ہمیں سب کچھ کرنا ہے اور جنگ کے بعد جو انقلاب عظیم زندگی کے ہر شعبہ میں ہونے والا ہے، اس کے لئے تیار ہونا ہے، اللہ ہماری مدد فرمائے۔

علم سے انسان اشرف المخلوقات ہے

ہر مخلوق اپنے اپنے طریقہ پر زندگی کے عمل میں مصروف ہے اور تکمیل کے ساتھ اپنے مقاصد حیات پورے کر رہی ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ سوائے انسان کے تعلیم و تربیت کی کسی کو ضرورت نہیں، تمام حیوانات اپنی ضرورت کے مطابق تعلیم و تربیت یافتہ پیدا ہوتے ہیں یہ ضرورت اشرف المخلوقات انسان ہی کے لئے ہے کہ مہد سے لحد تک علم حاصل کرتا رہے اور سیکھتا رہے، بیشک وہ آدمی پیدا ہوتا ہے مگر اس مرتبۂ شرف تک پہنچنے کے لئے جو صرف اسی کی نوع کے لئے مخصوص ہے وہ تعلیم و تربیت کا محتاج ہے۔ نیز انسان کے لئے نہ کوئی بلندی ہے نہ پستی، جس کے لئے جو سطح معین ہے اسی پر قائم ہے مگر انسان کی رفعتوں کی کوئی انتہا نہیں، انسان کے تنزل کی بھی کوئی حد نہیں، نورانیت کو فروغ دینے کی طرف متوجہ ہو جائے تو اس خاکی جسم کے مرکز نورانیت بنے، اپنی ضوا ضیا سے تمام عالم کی تاریکیوں کو تاراج کر دے، یا علم و حکمت کی طرف مائل ہو اور عقل و تدبر کو فروغ دے تو تمام کائنات اس کا دار المطالعہ بنے، اور تدبر عالم میں مدبر تکوین کی نیابت کرے، لیکن اگر تنزل کرے اور اس کی پست نظریں اس پر غالب آ جائیں تو اس کی خواریاں اور ذلتیں بھی خوار ترا اور ذلیل تر ہیں اس طرف بھی اس کا کوئی حریف نہیں۔

غالباً انسان کی وجہ شرافت بھی یہ ہے کہ یہ خود اس کے اختیار میں ہے کہ چاہے بلندی کی طرف عروج کرے اور چاہے پستی کی طرف نزول کرے پستی اور ضلالت میں کچھ ایسی دلچسپیاں ہیں جن میں خواہ مخواہ اس کا دل اٹکتا ہے، مرتبۂ شرافت کی طرف بڑھنے میں اس کو خود اپنے میلانات سے ہی سخت جنگ کرنی پڑتی ہے۔

اسلامی تعلیم اور انگریزی حکومت

جب ہم تعلیم و تربیت کے متعلق غور و بحث کرتے ہیں تو بلاشبہ ہمارے سامنے تعمیر انسانیت کا مسئلہ ہوتا ہے، اس کی اہمیت، اللہ اکبر، ہم اسے جتنا سمجھیں اور محسوس کریں اتنا ہی مفید ہے، معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "اہم" اپنے پورے مفہوم کے ساتھ صرف اسی مسئلہ کی صفت بننے کے لئے وضع ہوا ہے۔ مگر کیا واقعی تعلیم و تربیت کے مسئلہ پر ہم اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر غور کرتے ہیں؟ افسوس ہے کہ نہیں؟ جس وقت سے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوئی ہے ہماری توجہ اس مقصد سے ہٹ گئی ہے یا ہٹا دی گئی ہے انگریزی دور کے آغاز کے ساتھ ہندوستان میں مادیت اور روحانیت کے درمیان تصادم واقع ہوا، ساری دنیا میں یہ مادیت کے غلبہ کا دور تھا ہندوستان میں بھی مادیت ہی غالب آ گئی، بجائے تعمیر انسانیت کے تعلیم و تربیت کا مقصد محض معاش اور حصول دولت ہو گیا، مادی حیثیت سے بھی ہندوستان نے کچھ ترقی نہیں کی، مغرب نے اگر مادیت کو مقصد بنایا تو اس میں اتنی ترقی کی کہ آج مغربی انسان آگ پر، بھاپ پر، بجلی پر، ہوا پر، پانی پر اور جملہ اشیا پر اس قدرت کے ساتھ حکومت کر رہا ہے کہ نتائج و اثرات معین صورتیں اختیار کر کے اس کے آلۂ کار بن گئے ہیں، کبھی وہ انہیں دنیا کو روشنی دینے کے لئے استعمال کرتا ہے اور کبھی ویران کرنے کے لئے، ہم نہ یہ مقصد حاصل کر سکے اور نہ وہ جو صرف ہمارے ساتھ مخصوص تھا۔

ہندوستانی مسلمانوں نے ابتداءً اسی وجہ سے انگریزی تعلیم سے انکار کیا کہ وہ ان کے مقاصد اور تعلیم کے حقیقی منشار کے خلاف تھی لیکن حکومت نے مسلمانوں کے عذر و اعتراض کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، بالآخر مسلمانوں نے حالات سے مجبور ہو کر مروجہ تعلیم ہی اختیار کر لی، تعلیم تو مسلمانوں کے نقطۂ نظر کے قریب نہیں آئی، مسلمان اس غلط تعلیم سے متاثر ہو کر اپنے نقطۂ نظر سے روز بروز دور ہوتے چلے جاتے ہیں، یہ صورت حال پیدا کیوں ہوئی؟ یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے؟

تعلیم کے مقاصد

تعلیم کے مقاصد دو ہیں: بچوں کی ذہنی صلاحیتوں کو فروغ دینا اور اخلاق کی اصلاح کرنا تاکہ ان سے بہتر سوسائٹی کی تعمیر ہو، علوم و فنون میں کمالات پیدا کر کے لوگوں میں یہ لیاقت پیدا کرنا کہ وہ ملکی اور قومی وسائل کو سلیقہ کے ساتھ ترقی دیں جس سے لوگوں کی زندگی میں آسانیاں پیدا ہوں اور ان کی آسائشوں میں اضافہ ہو۔

اس کے خلاف ہندوستان میں یہ ہوا کہ انگریزوں کو اپنے تسلط کے بعد ایسے آدمیوں کی ضرورت ہوئی جو ان کی زبان میں اور ان کے مقاصد کے مطابق ہندوستان کی حکومت کے انصرام میں ان کی مدد کریں، اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے ہندوستانیوں کی تعلیم کا پروگرام بنایا، انہیں ہندوستانیوں کے لئے بھی دو لالچ تھے، ایک مالی منفعت اور دوسرے حکومت میں دخل، ابنائے وطن نے بڑے

شوق سے انگریزی تعلیم قبول کی، مسلمانوں نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا، مسلمانوں کے پیش نظر تعلیم کے اصلی مقاصد تھے جن کا سرکاری پروگرام میں کہیں وجود نہ تھا، اگر ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کی ہوتی کہ تعلیم ہندوستانی اقوام کی روایات، ضروریات، اور تصورات کے مطابق ہونا چاہئے تو موجودہ اہلکارانہ تعلیم سے ہندوستان کو نجات مل جاتی مگر وہاں یہ جذبہ کام کر رہا تھا کہ ہمیں حاکموں کی خدمت میں رسوخ حاصل کرنا چاہئے اور حکومت میں دخل پیدا کرنا چاہئے۔

برادران وطن نے مسلمانوں کے پس وپیش سے فائدہ اٹھایا، وہ تعلیم جدید میں ان سے آگے نکل گئے اور سرکاری ملازمتوں پر قابض ہو گئے، حکومت کی ضرورت پوری ہو گئی اس کو مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی طرف توجہ کرنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی، باری تعالیٰ نے مسلمانوں میں سرسید علیہ الرحمۃ جیسا مصلح قوم پیدا کیا جس نے مسلمانوں کو بیدار کیا اور بالآخر انھوں نے بھی وہی تعلیم اختیار کر لی، چونکہ مقصد میں تحقیق و اجتہاد داخل نہ تھا اس لئے یہ نہیں ہوا کہ ہمارے حال و ماحول کے اعتبار سے جو چیزیں مفید تھیں ہم وہی مغربیت سے اخذ کرتے اور ان پر اپنا ٹھپہ لگا دیتے، اس کورانہ تقلید نے ہندوستانی زندگی میں ایک عام خلفشار کی کیفیت پیدا کر دی، معاشرت میں، کلچر میں، اخلاقیات میں حتیٰ کہ عقائد میں، ہم میں، اور برادران وطن میں روز بروز اجنبیت بڑھتی چلی جا رہی ہے، اس کی انتہا کہاں ہوگی کوئی اندازہ نہیں۔

انگریزی تعلیم کا اثر ہندوستان پر یہ یقیناً بہت اچھا ہوا کہ انگریزی تعلیم کے اثر سے ہندوستانیوں میں جمہوریت کا ذوق آزادی کا شوق پیدا ہو گیا، جمہوریت اس اعتبار سے اچھا طرز حکومت ہے کہ ملک کی پوری آبادی اپنی اجتماعی مفاد کی فکر میں مصروف عمل ہو جاتی ہے اور اس حکومت کے ذریعہ جس کے نظام میں اس کو پورا دخل ہوتا ہے قومی اور ملکی مفاد کو ترقی دینے کی جد و جہد کرتی ہے، شخصی اور انفرادی اغراض کو اجتماعی مفاد پر قربان کرنے کی لوگوں کو عادت ہو جاتی ہے، ہر شخص کو ایسے مواقع حاصل ہوتے ہیں کہ جس راہ پر چاہے ترقی کرے اس سے حوصلے بڑھتے ہیں اور آمنگ و فوز ہوتا ہے تمام قوائے انسانی اپنی پوری صلاحیتوں کی حد تک نشوونما پاتے ہیں۔

لیکن بدنصیبی سے حقائق کو نظرانداز کر کے محض نقل کو شعار بنا لینے کی وجہ سے، جس کی بنیاد ہندوستان کی تعلیم کے پروگرام کے غلط مقاصد ہیں، ہندوستان میں یہ عجیب ناگوار صورت پیش آئی کہ جمہوریت کے رواج کے ساتھ ہی ہندوستانی اقوام کے درمیان رقابتیں پیدا ہو گئیں، انفرادی خود غرضیاں دبیں مگر فرقہ وارانہ خود غرضیاں بروئے کار آ گئیں، تجربہ اور واقعات شاہد ہیں کہ موجودہ نام نہاد جمہوری طرز حکومت ہندوستانی حالات کے لحاظ سے ناکامیاب ثابت ہوا، جمہوریت کے پردے میں اپنے ہم وطنوں پر حاکمانہ اقتدار قائم کرنے کی مہم مسلسل جاری ہے اور اس میں روز بروز شدت پیدا ہو رہی ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر آئے دن کے فرقہ وارانہ فساد سے تنگ آ کر حکومت اور ملک کے سامنے مسلمانوں نے پاکستان کی تجویز پیش کی جس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ ہندوستان کو آبادی کے لحاظ سے مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا جائے تو ابنائے وطن اس تجویز کے خلاف کیوں قیامت برپا کر رہے ہیں، اگر اکثریت کسی طرح اقلیت کے حقوق کا تحفظ کرنے اور باہمی مصالحت کے لئے تیار نہیں ہے تو پاکستان کی اسکیم سے بہتر اور کیا صورت امن و عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی ہے ؎

آخر تا بکے فکر جمن ؛ کر جمن ہم دم
قفس ہی میں نہ گنجائش بقدر آشیاں کر لیں

انسانیت سوز تحریک سر اسٹفورڈ کرپس کی تجاویز کو مسترد کر دینے کے بعد جو ہنگامہ ملک کے طول و عرض میں برپا ہوا، اور جو انسانیت سوز واقعات سیاسیات کے پردے میں رونما ہوئے ہیں اس کی تفصیل کرنے کی مجھے چنداں ضرورت نہیں، مجھے مسرت ہے کہ مسلمان من حیث القوم اس جان سوز تحریک سے بالکل علٰحدہ رہے اس سے دو نتیجے نکلتے ہیں۔

(۱) یہ کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور کانگریس سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں،

(۲) یہ کہ مسلمانوں نے اب تک اس اصول پر سختی سے عمل کیا ہے کہ جنگ کے زمانہ میں حکومت کو پریشان کرنا اور جنگ کے علاوہ کسی دوسری طرف حکومت کی توجہ منعطف کرنا انتہائی سیاسی غلطی ہوگی۔

واردھا اسکیم کانگریس نے اقتدار ہونے کے بعد اپنی پہلی فرصت میں ہندوستانی بچوں کی تعلیم کے لئے واردھا اسکیم مرتب کرائی اور مسلمانوں کے سخت احتجاج کے باوجود اس کا نفاذ شروع کرا دیا، مسلمان یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے بچوں کو ایسی تعلیم دی جائے جس سے انکی مذہبی اور قومی روایات بھول میں پڑیں اور ان کی کلچر کی خصوصیات مسخ ہوں، جس وقت ہمارے اقتدار اور اختیار کا زمانہ تھا ہم نے روئے زمین پر ہر ہر جگہ ہر غیر مسلم قوم کو اپنے اپنے طریقہ پر اپنے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے آزاد رکھا، ہندوستان ہی میں ہمارا آفتاب اقبال غروب ہونے تک ہندو بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے پاٹ شالائیں کھلی رہیں اور ان کو حکومت کی امداد حاصل رہی، برطانوی حکومت ہو، ہندو حکومت ہو، مسلم حکومت ہو، ہمیں یہ پسند نہیں ہے کہ بچوں کی تعلیم حکومتوں کے سیاسی مقاصد اور پروگرام کا جزو یا ان کی تکمیل کا ذریعہ بنے، ہم موجودہ حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تعلیمی خود اختیاری دے، اور جب ہندوستان آزاد ہوگا تو خواہ کسی علاقہ میں کسی جماعت یا کسی قوم کی اکثریت ہو یہ کیا جائے گا کہ قلیل التعداد افراد کو تعلیمی اور مذہبی خود اختیاری دی جائے، تعلیم انسان کے ان خلقی محاسن کی تکمیل کے لئے ہونی چاہئے جن پر انسانیت کے شرف کا مدار ہے تاکہ ہم زندگی کے تمام شعبوں میں اس مصلحانہ اور عادلانہ فکر کے ساتھ عمل کریں جو بنی نوع انسان کے لئے امن آشتی اور فلاح کا باعث ہو،

ابتدائی تعلیم میں سب سے پہلے ابتدائی تعلیم کو لیتا ہوں۔ اس مقصد کو ملحوظ رکھ کر ہونی چاہئے کہ بچوں کی آئندہ زندگی کا پس منظر بنے، لہٰذا وہ بنیادی عقائد اور تصورات اسی منزل میں ذہن نشین ہونے چاہئیں جو ان کی قوم کی امتیازی خصوصیات ہیں، تمدن، موافق ماحول اور اچھے مضامین کے انتخاب سے ان کی سیرت کی تعمیر ہونی چاہئے۔ اور وہ سیرت اسلامی انداز کی ہو، گیہوں کیسے پیدا ہوتا ہے اس کی بال کیسی ہوتی ہے، بیل کس کام آتا ہے، ٹڈی کہاں سے آتی ہے، اس سے فصلوں کو بچانے کی کیا تدابیر ہیں، یہ علم زندگی میں کتنا ہی ضروری ہو لیکن انسان بننے سے پہلے ضروری نہیں ہے مسلمان بچہ کو سب سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ خود اس کو اور اس تمام کائنات کو کس نے پیدا کیا اور اس کے پیدا کرنے والے کے درمیان کیا رشتہ ہے۔

کی تعداد معین کر دی جائے، اگر مسلمان طلبا کی تعداد معین کرنے میں حکومت کو پس و پیش ہے تو دوسری صورت یہ ہے کہ صوبہ متحدہ کی حکومت ایک مستقل اور غیر مستقل گرانٹ عنایت کرے تاکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ساتھ مسلمان بچوں کے لئے ایک میڈیکل کالج کا بھی اضافہ کر دیا جائے۔

زبان کا مسئلہ

ہر چند کہ زبان کا مسئلہ ایک پامال مضمون ہو اور ہر موقع پر اس قدر کہا جا چکا ہے کہ کوئی نئی راہ نکالنا اور کوئی انوکھی تجویز پیش کرنا تقریباً ناممکن ہے، لیکن اس مسئلہ کی اہمیت اور حالات کی نزاکت مجبور کرتی ہے کہ اس موقع پر بھی آپ کو اس طرف دعوت فکر دوں۔ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اردو ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے، وہ ہندو، مسلمان اور دیگر منفرق قوموں کے اتحاد سے وجود پذیر ہوئی اور تبادلۂ خیالات کا واحد مشترک ذریعہ بنی، اردو کے وجود سے قبل مسلمانوں کا قومی لٹریچر سب کا سب عربی اور فارسی زبانوں میں تھا، اتحاد و یکجہتی قائم کرنے کے شوق میں ہندوستان کے مسلمانوں نے اس نئی زبان کو اپنا بنا کر اپنا مذہبی، قومی، تمدنی، معاشرتی لٹریچر اس میں منتقل کرنا شروع کیا اور اس حد تک اس زبان سے مانوس ہو گئے کہ اپنی زبانیں بھول گئے، ابتداً تو برادران وطن نے اس نئی زبان کی تدوین اور ترویج میں برابر کا حصہ لیا مگر پھر رفتہ رفتہ اس کو سیاسی میدان میں گھسیٹا جانے لگا، اس موقع پر میں اپنے محترم دوست سر تیج بہادر سپرو کا خاص طور پر تذکرہ کروں گا جن کو علم ادب سے خاص ذوق اور زبان اردو سے خاص تعلق ہے، ڈاکٹر صاحب نے زبان کے مسئلہ کو سیاسی آلۂ کار بنانے سے ہمیشہ اجتناب کیا اور اس موضوع پر محض علمی نقطۂ نگاہ سے اظہار خیال فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے فخر کے ساتھ اردو کو اپنی زبان کہا، اگر ابنائے وطن زبان کے معاملہ میں سر تیج بہادر سپرو اور پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی جیسے بزرگوں کا اتباع کریں تو شاید زبان کی کشمکش ہی ختم ہو جائے۔

تاہم مسلمانوں کو اس زبردست پروپگنڈے سے غافل نہیں ہونا چاہئے جو سینما ہالوں، ریڈیو اسٹیشنوں اور ہندو پریس کے اردو اخبارات کے ذریعہ سے اردو زبان کو مسخ کرنے اور ہندی کو فروغ دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے

عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

میرے خیال میں زبان کا مسئلہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اگر برادران وطن اردو کو اپنانے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اس کو تباہ کرنے پر کمربستہ ہیں تو اس کوشش ناکام میں وقت گزارنے کے بجائے مسلمان زبان کے مسئلہ کو اپنا نصب العین قرار دیں اور زبان اردو کے تحفظ کو اپنا قومی فرض سمجھیں جو ان کے کلچر کی امانت دار ہے۔

حضرات! آخر میں ایک بار پھر آپ کی جشید نوازی کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، یہ امر میرے لئے موجب صد افتخار ہے کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت صرف فرما کر میرے معروضات کو شرف سماعت بخشا۔

اصلاح معاشرت

گزشتہ صدی کا ایک سبق آموز واقعہ

از نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا الحاج ڈاکٹر محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی

۸ مارچ سنہ حال کے کانفرنس گزٹ میں اجلاس شعبۂ اصلاح معاشرت کی کیفیت پڑھی۔ خود اجلاس میں بھی حاضر رہا تھا۔ خطبۂ صدارت پُرمغز تھا۔ دوسرے ہمدرد شرکا کے مقالے اور تقریریں بھی سبق آموز تھیں اسی پر جلسہ ختم ہوا، اور جلسوں کے معیار رائج کے مطابق کامیاب رہا۔ یہ زمانہ روشنی اور علم و ہنر کا ہے اس کے اجلاس شعبۂ معاشرت کی روئداد بس اسی قدر ہے۔

آج سے سو برس اُدھر کا۔ مانہ جو تاریکی و جہالت کا دور مانا جاتا ہے اس میں بھی ایک اجلاس شعبۂ اصلاح معاشرت کا ہوا تھا اسی علی گڑھ کے ضلع میں بھیکن پور کے قلعہ کے صحن میں ایک خیمہ کے نیچے اس کی روئداد خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

محمد خان زماں خاں صاحب مرحوم (میرے جد امجد) شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے مرید تھے۔ ایک بار رسوم شادی و غم کے متعلق خاں صاحب ممدوح نے ایک استفتا مرتب فرمایا جس میں چھتیس سوال شادی و غم کی رسوم مروجہ خاندان شروانی کی بابت درج تھے۔ یہ استفتا جواب کے لئے شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں مولوی سید ابو محمد صاحب جلیسری کی معرفت جو شاہ صاحب کے شاگرد تھے پیش کیا گیا۔ شاہ صاحب نے چالیس سوال کا اضافہ فرما کر جواب تحریر فرمایا۔

اب یہ فتویٰ بھیکن پور آیا۔ دادا صاحب نے اپنے بڑے بھائی حاجی محمد داؤد خاں صاحب مرحوم کو دکھایا جو سردار خاندان تھے۔ بڑے بھائی نے دیکھ فرمایا منجھلے میاں فتویٰ آیا ہے تو اس پر عمل ہونا چاہئے۔ خاندان کے سرگروہ پٹھانوں کو طلب کرو۔ اُن کو دکھاؤ۔ چنانچہ اجلاس طلب ہوا۔ پٹھانوں نے فتوے سے اظہار عقیدت کیا۔ اس پر حاجی محمد داؤد خاں صاحب نے فرمایا کہ عقیدت ہے تو اس پر عمل کرو۔ اس زمانہ میں خاندان شروانی میں مثل دیگر خاندانوں کے رسوم کا شادی و غمی میں ایک طوفان برپا تھا۔ مثلاً شادی میں ناچ رنگ، آتشبازی، آرائش وغیرہ ساری رسمیں جاری تھیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

عمل کا ارشاد سن کر مزید بحث ہوئی۔ قرار یہ پایا کہ اس جلسہ کے بعد جو شادی ہو اس میں فتوے کے مطابق اصلاح جاری ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ اس کے بعد پہلی شادی الہ وردی خاں رئیس چھرہ کے یہاں ہونے والی تھی۔ اُن سے فرمائش ہوئی کہ اصلاح پر پہلا قدم وہ اٹھائیں اور خلاف شرع تمام رسوم ترک کر دیں۔ وہ سن کر گھبرا گئے۔ اور کہا داؤد خاں جی سارا خاندان بگڑ جائے گا اور مجھ کو چھوڑ دے گا۔ فرمایا ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اس سے ہمت ہوئی اور کربستہ ہو گئے۔ چنانچہ شادی سے قبل اعلان کیا کہ میرے یہاں شادی میں کوئی رسم خلاف شرع نہ ہوگی۔ نہ ناچ رنگ نہ آتشبازی اور نہ کوئی اور ایسی رسم۔

اس پر سارا خاندان بگڑا اور اعلان کیا کہ ہم اس شادی میں شریک نہ ہوں گے جو بزم ماتم بنے۔ حاجی محمد داؤد خاں صاحب نے اعلان کیا کہ ہم شریک ہوں گے۔ اس پر خاندان کی جہالت کا جوش کم ہوا۔ شادی ہوئی۔ رسوم بد موقوف، اس کا رواج سارے خاندان میں ہو گیا۔ اس واقعہ کو سو برس سے زائد زمانہ گزر چکا۔ شروانی خاندان کی مردم شماری کم و بیش دو ہزار ہے۔ قریباً دو سو میل مربع کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔

اس تمام خاندان میں سو برس کے عرصۂ دراز میں ایک شادی کا واقعہ بیان نہیں کیا جا سکتا جس میں ناچ ہوا ہو۔ آتشبازی چلی ہو یا اور کوئی خلاف شرع رسم ہوئی ہو۔ آج تک سارے خاندان میں پیدائش سے لیکر وفات تک ساری رسمیں اسی طرح

[illegible] کے بندوں نے

[illegible] کے شعبۂ اصلاح کے ایک [illegible] ہوتا اور اس کے نتائج کیا ہوئے اس [illegible] کے اجلاس کی روئداد۔

اصلاح معاشرت

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

[illegible] بھی جہاں دولت کی فراوانی کی وجہ سے لوگوں [illegible] ڈھنگ بہت بلند تھا اور معمولی تفریحات پر بھی [illegible] روپیہ صرف کیا جاتا تھا عوام سے لیکر امراء تک ہر شخص نے اپنی زندگی یکسر بدل دی ہے، اب خور و نوش اور روزمرہ کی ضروریات میں نہایت احتیاط و کفایت شعاری سے کام لیا جاتا ہے۔ اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اناج کا ایک دانہ یا کاغذ کا ایک پرزہ بھی ضائع نہ کیا جائے، حالات نے لوگوں کو اس کفایت شعاری پر مجبور کیا اور وہ اپنے ملک و قوم کے لئے ہر قربانی پر تیار ہو گئے۔ لیکن ہندوستان ایک غیر منظم ملک ہے اس لئے یہاں ایسی تدابیر پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن پھر بھی حکومت ایک حد تک احتیاطی تدابیر اختیار کر رہی چنانچہ اسی سلسلہ میں بعض صوبوں میں یہ احکام جاری ہوئے ہیں کہ کسی دعوت میں پچاس سے زیادہ اشخاص کھانے پر نہ بلائے جائیں۔ اسی طرح کفایت شعاری کے اور طریقے بھی اختیار کئے گئے ہیں۔

جنگ ایک ہنگامی چیز ہے جو ہمیشہ جاری نہیں رہے گی لیکن "اصلاح معاشرت" کی ضرورت جنگ کے بعد بھی رہے گی، اب ہر ماخیر شخص یہ محسوس کر رہا ہے کہ جنگ کے بعد دنیا میں ایک زبردست انقلاب ہوگا جس سے ہندوستان بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ [illegible] والے زمانہ میں "بے عمل" اور راحت پسند لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ زندگی کی کشمکش بڑھ جائے گی، مقابلہ بہت سخت ہوگا، اس لئے صرف وہی قومیں اپنی ہستی قائم رکھ سکیں گی جو مضبوط و [illegible] اور بدرسم و رواج کی زنجیروں سے آزاد ہیں۔

یہ کون نہیں جانتا کہ دور اول کے مسلمانوں کی زندگی [illegible] وہ سیاہیانہ تھی، اور اسی زندگی کی بدولت [illegible] نے بڑے بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے، اس کے بعد جب دولت کی فراوانی نے انہیں راحت پسند اور آرام طلب بنا دیا اور وہ عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے تو اس کا جو انجام ہوا وہ ہمارے سامنے ہے، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ مسلمان ان واقعات سے عبرت حاصل کر کے اپنے مستقبل کی فکر کریں۔

مراد آباد میں آل انڈیا مشاعرہ

یکم مئی ۱۹۴۳ء کو بروز شنبہ مراد آباد میں ایک "آل انڈیا مشاعرہ" منعقد ہوگا، جو نو بجے شب سے شروع ہوگا۔ اس مشاعرہ کی صدارت کے لئے پنڈت امرناتھ جھا وائس چانسلر الہ آباد یونیورسٹی سے درخواست کی گئی ہے۔ آل انڈیا ریڈیو نے اس مشاعرہ کو دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر (براڈکاسٹ) کرنا منظور کر لیا ہے۔

سر سید رضا علی صاحب ایم ایل اے صدر آل انڈیا مشاعرہ کمیٹی اور محمد ضیاء الاسلام صاحب پی سی ایس ڈپٹی کلکٹر سکرٹری مشاعرہ کمیٹی کی طرف سے جو اعلان موصول ہوا ہے اس میں ان ۲۲ شعراء کے نام بھی درج ہیں جنہیں خصوصیت کے ساتھ مشاعرہ میں مدعو کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند نام حسب ذیل ہیں

۱۔ جوش ملیح آبادی۔ ۲۔ جگر مراد آبادی۔ ۳۔ سیماب اکبر آبادی۔ ۴۔ حفیظ جالندھری۔ ۵۔ اختر شیرانی ۶۔ فراق گورکھپوری۔ ۷۔ ساحر نظامی۔ ۸۔ ثاقب لکھنوی۔ ۹۔ دل شاہجہانپوری۔ ۱۰۔ اختر انصاری وغیرہ

مشاعرہ کے علاوہ دوسری مئی کو بوقت ۱۱ بجے دن ٹاؤن ہال مراد آباد میں ایک ادبی جلسہ بھی ہوگا جس میں تنقیدی مضامین، مقالات پڑھے جائیں گے اس جلسہ کی صدارت ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب یا پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی فرمائیں گے۔ اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰ ممتاز اصحاب کو اس ادبی جلسہ میں مقالے پڑھنے کے لئے دعوت دی گئی ہے جن میں حسب ذیل اصحاب بھی شامل ہیں۔

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ ۲۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی ۳۔ مسٹر بشیر احمد مدیر ہمایوں۔ ۴۔ ڈاکٹر عابد حسین۔ ۵۔ مولوی ضیاء احمد صاحب بدایونی۔ ۶۔ مسٹر آل احمد سرور ۷۔ مسٹر ابو اللیث صدیقی۔ ۸۔ مخمور اکبر آبادی۔ ۹۔ مسٹر احمد ندیم قاسمی۔ ۱۰۔ مسٹر ظفر احمد صدیقی۔

داخلہ پاس یا ٹکٹ کے ذریعہ سے ہوگا جو دریبہ میں جائنٹ سکرٹری مشاعرہ کمیٹی سے مل سکے گا۔

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

مدیر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

نائب مدیر (?) - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۴) | ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۱۸ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۱۶)

منشی محمد احتشام علی صاحب کی رحلت

لکھنؤ کی یہ خبر ہم نے نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ سنی کہ ۲۲ اپریل ۱۹۴۳ء کی صبح کو کاکوری (لکھنؤ) کے مشہور و مامور رئیس منشی محمد احتشام علی صاحب نے دو مہینہ کی مسلسل علالت کے بعد رحلت فرمائی۔

منشی صاحب مرحوم اپنی گوناگوں خصوصیات اور اخلاقی محاسن کی وجہ سے نہایت ہر دلعزیز تھے اور اُمرائے اودھ میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ہر مجلس و ہر صحبت میں آپ کا وقار و احترام کیا جاتا تھا اور آپ کی بات کا اتنا وزن تھا کہ ہر شخص بلا تامل آپ پر پورا اعتماد کرتا تھا گزشتہ چالیس سال میں صوبہ اودھ کے دارالحکومت لکھنؤ میں جو راجوں مہاراجوں اور نوابوں رئیسوں کا گہوارہ ہے بہت انقلاب ہوئے، بہت سے لیڈروں اور رئیسوں کو عروج ہوا، وہ کچھ مدت کے لئے عوام پر حاوی ہو گئے اور لوگ اُن کے اشارۂ چشم و ابرو پر حرکت کرنے لگے، اس کے بعد زوال ہوا، وہ میدان سے غائب ہو گئے اور لوگ انہیں بھول گئے، باہر کے لیڈر بھی یہاں آئے اور اپنے کرتب دکھا کر چلے گئے، کسی کو اُن کا خیال بھی نہ رہا لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ منشی محمد احتشام علی صاحب مرحوم نے اپنی ساری زندگی ایک ہی شان اور بڑی آن بان سے گزار دی، اور ان کا وقار ابتدا سے انتہا تک یکساں قائم رہا اور کبھی کسی دور میں بھی کسی نے اُن پر بے اعتمادی نہیں کی، یہ نتیجہ تھا مرحوم کے ذاتی اوصاف، پختہ سیرت، اور اعلیٰ کردار کا، اس لئے اُن کے وقار کی بنیاد مضبوط و استوار تھی۔

منشی محمد احتشام علی صاحب مرحوم نہایت سیر چشم، فیاض، کنبہ پرور، مہمان نواز، وضعدار رئیس تھے، اور امور خیر پر بہے دریغ روپیہ خرچ کرنے والے تھے، کوئی حاجتمند اُن کے دروازہ سے محروم نہیں جاتا تھا، وہ شہرت یا ناموری کے لئے خرچ نہیں کرتے تھے بلکہ خفیہ طور پر اور ایسی خوش اسلوبی سے کہ احسان نہ سمجھا جائے اپنے بے استطاعت دوستوں اور شریفوں کی مدد کرتے تھے احباب و اقارب کے ساتھ اُن کے تعلقات نہایت مخلصانہ و وفادارانہ تھے، جس سے ایک دفعہ تعلقات قائم ہو گئے تو گویا ہمیشہ کے لئے ہو گئے، اور اس تعلق سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اُن کا انجام دینا اُن کا ایک فرض ہو گیا۔

مرحوم ایک خوش عقیدہ و پابند مذہب بزرگ تھے سفر و حضر میں نماز کا خاص اہتمام رہتا تھا آپ کو شاہ مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ جس پر ہمیشہ بجا طور پر فخر کرتے تھے۔

آپ نواب محسن الملک مرحوم کے زمانہ سے ایم اے او کالج علی گڑھ سے وابستہ تھے مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر تھے اور ہر ضرورت کے موقع پر علی گڑھ تشریف لاتے اور حسب ضرورت ہمیشہ اس کی مالی اخلاقی امداد فرماتے اور اسکے معاملات میں اہم حصہ لیتے رہتے تھے۔ آخری مرتبہ آپ گزشتہ فروری ۱۹۴۳ء میں مسلم یونیورسٹی کورٹ کے اجلاس میں شرکت کیلئے علی گڑھ تشریف لائے تھے۔ نواب صدر یار جنگ بہادر سے نہایت دیرینہ مخلصانہ تعلقات تھے۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر سے بھی آپکا تعلق بہت مستحکم تھا اور اس تعلق کی ذمہ داریوں کا آپ ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے۔

آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ایک نہایت ہمدرد (?) اور عہدہ دار تھے اور کم و بیش چالیس سال تک آپنے ندوہ کی خدمت کی اور بہت نازک موقعوں پر اس کی حمایت میں [illegible] اس مرض الموت کی [illegible]

اور انھوں نے صاف طور پر یہ محسوس کیا کہ اگر ہمیں ترقی کرنا اور اپنی قوم کو آگے بڑھانا ہے تو اُن رکاوٹوں کو دور کرنا پڑے گا جو ترقی کے راستہ میں سنگ راہ ہیں، اس احساس کا یہ اثر ہوا کہ ان لوگوں نے آریہ سماج وغیرہ فرقوں کی اصلاحی جد و جہد کو بنظر استحسان دیکھا۔ اور خود بھی سناتن دھرم میں شامل رہتے ہوئے اصلاح کے لئے جد و جہد شروع کر دی، یہاں تک کہ پنڈت مدن موہن مالویہ جیسے قدامت پرست کو بھی زمانہ کے مطالبہ کے سامنے کچھ نہ کچھ جھکنا پڑا مثلاً اچھوتوں کے معاملہ میں وہ کسی قدر فراخ دلی اختیار کرنے پر مجبور ہوئے، لیکن عوام کی کثیر تعداد چونکہ ابھی پرانے رسوم و اوہام کی پابند ہے، اس لئے سناتن دھرم لیڈر بھی پھونک پھونک کر احتیاط سے قدم اٹھاتے ہیں تاکہ عوام اُن سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔

غرض تعلیم یافتہ ہندو خواہ سناتنی ہوں یا دوسرے فرقے اصلاح معاشرت سب کے پیش نظر تھی، یعنی اُن مذہبی اوہام اور رسوم و قیود کا دور کرنا جو ترقی کے راستہ میں سنگ گراں ثابت ہو رہے ہیں لیکن اس کام میں مذہب کی وجہ سے اُن کو بہت سی دشواریاں پیش آئیں جو کچھ تو مسلسل کوشش سے دور ہو گئیں اور کچھ ابھی موجود ہیں۔ مثلاً پہلے سمندر پار سفر کرنا اور غیر ممالک میں جانا ہندو مذہب میں ممنوع سمجھا جاتا اس لئے کوئی شخص بحر سفر کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ اور اگر اتفاق سے اونچے طبقہ کا کوئی شخص سفر کرتا تو جب واپس آتا تو برہمن چند خاص مذہبی رسوم ادا کر کے اُس کو پاک کرتے تھے، جب اس قابل سمجھا جاتا تھا کہ برادری میں شامل ہو سکے۔

اب ظاہر ہے کہ سمندری سفر کی یہ ممانعت قومی ترقی کے لئے سنگ راہ تھی کیونکہ اس حالت میں کوئی شخص مغربی علوم سیکھنے یا ترقی یافتہ ممالک میں جا کر تجربہ و معلومات حاصل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا اس لئے یہ ممانعت قائم نہ رہ سکی اب سینکڑوں ہزاروں ہندو یورپ، امریکہ اور جاپان وغیرہ کا سفر کرتے ہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو برادری اُن کا خیر مقدم کرتی ہے، اور پراشچت کی کوئی رسم ادا نہیں کی جاتی۔

اسی طرح ہندو مذہب یا معاشرت میں بیوہ عورتوں کا دوسرا بیاہ ناجائز تھا، بلکہ پہلے تو کسی عورت کو خاوند کے مرنے کے بعد زندہ رہنے ہی کا حق نہ تھا، اس لئے وہ خاوند کے ساتھ جل مرنے پر مجبور کی جاتی تھی یہ ستی کی رسم مدت دراز تک جاری رہی یہاں تک کہ اسلامی حکومت میں یہ وحشیانہ رسم ممنوع قرار دی گئی، لیکن پھر بھی پورے طور پر بند نہیں ہوئی اور دیہات وغیرہ میں ستی کے واقعات اکثر پیش آتے رہے۔ یہاں تک کہ انگریزی حکومت میں قانون کے ذریعہ سے اس کی روک ٹوک کی گئی، اور ستی ہونا جرم قرار پایا، لیکن حکومت کسی عورت کو دوسرا بیاہ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی، یہ اُن لوگوں کا فرض تھا جو اپنی قوم کی "اصلاح معاشرت" کے لئے کوشش کر رہے تھے، اس لئے حکومت نے اس معاملہ میں دخل نہیں دیا۔

قدامت پرستوں کو اس معاملہ میں یہاں تک کد تھی کہ وہ کسی صورت اور کسی حالت میں بھی بیوہ عورتوں کا بیاہ جائز نہیں رکھتے تھے۔ نوجوان عورتوں کا تو کیا ذکر ہے اس ملک میں ہزاروں ایسی بیوہ عورتیں موجود تھیں جن کی عمر دو چار سال بلکہ ایک سال سے زیادہ نہ تھی (کیونکہ بچپن کے بیاہ کی رسم عام طور پر جاری تھی) مگر یہ کمسن بچیاں بھی ساری عمر کے لئے ازدواجی زندگی سے محروم کر دی گئی تھیں،

اس ممانعت کی ہمہ گیری اس سے ظاہر ہے کہ خود مسلمان بھی برادران وطن کی صحبت کی وجہ سے اس سے متاثر ہوئے چنانچہ اُن کے یہاں سے بھی نکاح ثانی کی رسم عملاً اُٹھ گئی، اور شرفاء اسے معیوب سمجھنے لگے۔ یہاں تک کہ مذہبی علماء نے اس طرف توجہ کی اور ایک مدت دراز تک اپنے مواعظ اور مذہبی رسائل کے ذریعہ سے مسلمانوں کو یہ بتاتے رہے کہ اسلام نے نکاح بیوگان کی ممانعت نہیں کی ہے بلکہ اس کی ترغیب دی ہے۔

ہم نے یہ بعض چیزیں محض مثالاً پیش کی ہیں ورنہ ہندوؤں میں اور بہت سے رسم و رواج ایسے جاری ہیں جنھیں مذہبی حیثیت حاصل ہے لیکن وہ قومی ترقی کو لئے مضر ہیں اس لئے ہندو ان کے استیصال کے لئے کوشش کر رہے ہیں لیکن مذہبی اوہام عوام کے دلوں میں اس قدر راسخ ہیں کہ ابھی تک اس معاملہ میں کامیابی نہیں ہوئی اور مشکلات موجود ہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ جو رسوم اُن کے یہاں رائج ہیں اُن کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں ہے بلکہ مذہبی نقطۂ نظر سے وہ ناجائز ہیں اس لئے اگر مسلمان ترقی کرنا چاہیں تو اُن کی راہ میں کوئی مذہبی رکاوٹ نہیں ہے مثلاً اسی نکاح بیوگان یا چھوت کے مسئلہ کو لیجئے کہ مسلمانوں کے یہاں نہ تو نکاح بیوگان کی ممانعت ہے نہ چھوت چھات کا کوئی جھگڑا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام بجائے خود **اصلاح معاشرت** ہے، اقرار توحید کے بعد جب عمل کا درجہ آتا ہے تو اسلام سب سے پہلے ترک معاصی و اصلاح معاشرت کی تاکید کرتا ہے، یہ کون نہیں جانتا کہ جب عرب میں اسلام کا ظہور ہوا اور یہ پستی اس حد تک پہنچ گئی تھی جو انسانیت کے لئے باعث ننگ تھی غارت گری، زنا، شراب، قمار بازی، اور لڑکیوں کا پیدا ہوتے ہی مار ڈالنا اور بدکاری و بداعمالی پر فخر کرنا ایسی عام چیزیں تھیں جن میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ مبتلا تھا،

اسلام نے جب اصلاح کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے ان چیزوں کی شدید ممانعت کی اور انھیں جرم لائق تعزیر قرار دیا، غارت گری بند ہوئی سارے ملک میں امن و عافیت کا دور ہوا، قمار بازی کا خاتمہ ہوا، بلکہ ناجائز طریقہ سے دولت کمانے کے سب طریقے حرام قرار دے گئے، لڑکیوں کا قتل نہایت سنگین جرم قرار دیا گیا عورتوں کا معیار عزت بلند کیا گیا اور اُن کا حق وراثت قائم ہوا، اور تاکید کی گئی کہ اُن کے ساتھ نرمی و شفقت کا سلوک کیا جائے، شراب کی قطعی طور پر ممانعت کر دی گئی ہے اور اس کا ایک قطرہ بھی نجس و حرام قرار دیا گیا۔

آج ۱۳ سو برس بعد شراب نوشی کے خوفناک نتائج دیکھ کر یورپ اور امریکہ وغیرہ میں اس کے روکنے کی کوشش ہو رہی ہے بہت سی انجمنیں اس مقصد کے لئے قائم ہیں، ڈاکٹر اسے صحت انسانی کا برباد کرنے والا بتاتے ہیں لیکن کامیابی ابھی بہت دور ہے۔ چند سال ہوئے کہ امریکہ میں قانون کی قوت سے شراب کو بند کرنے کی کوشش کی گئی اور ملک میں اس کا داخلہ روکا گیا لیکن رندان لاابالی کسی طرح نہ رک سکے، انھوں نے خفیہ طور پر شراب تیار کرنے اور رشوتیں دیکر باہر سے اس کے منگوانے کا انتظام کیا۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۷ کالم ۲ پر)

[illegible] عظیم جے پور

[illegible] ۱۹۴۶ء کو مسلم گرلز اسکول جے پور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں فرمائی [illegible] معزز خواتین و برادران اسلام! آج کی مبارک [illegible] مسلم گرلز اسکول جے پور" کی جانب سے جو حال [illegible] ہوا ہے منعقد کی گئی ہے۔ آنحضرت صلعم کے دنیا میں تشریف لانے سے قبل جو حالت عورتوں کی تھی اس سے آپ سب واقف ہیں، مختصر یہ کہ عورت کو اور کوئی حق تو کیا زندہ رہنے کا حق حاصل نہ تھا اور لڑکی پیدا ہوتے ہی قتل یا زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔

آنحضرت نے نہ صرف اس وحشیانہ رواج کو قطعاً بند کر دیا بلکہ عورتوں کو وہ حقوق عطا فرمائے جو اس وقت تو کیا موجودہ زمانہ میں بھی دیگر اقوام کی عورتوں کو شاید ہی حاصل ہوں۔ حضور نے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کیا اور مساوات اس سلوک اور مراعات کی تعلیم فرمائی اس لئے مسلم خواتین کو خصوصیت کے ساتھ اپنے محسن اعظم حضور اکرم صلعم کے ذکر کی محفل منعقد کرنی چاہئے۔ مجھے خوشی ہے کہ مسلم گرلز اسکول جے پور کی لڑکیوں نے اپنا فرض صحیح طور پر محسوس کیا میں ان کو اس فرض شناسی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے تعلیم کی ضرورت پر جس قدر زور دیا ہے اس سے آپ سب بخوبی واقف ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ علم ہی اقوام عالم کا سرمایۂ حیات رہا ہے تحصیل علم میں عورت و مرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم بھی اسی قدر ضروری ہے جس قدر لڑکوں کی۔ عورت کی تعلیم اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایک وقت میں بحیثیت ماں کے قوم کے بچوں کی پرورش و تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ وہ قوم جس کی عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں ہرگز ترقی نہیں کر سکتی اس لئے کہ اولاد کو صحیح تربیت جاہل ماں سے نہیں [illegible] دوسرے خود جاہل عورت قوم کے مردوں کا کسی صورت سے ہاتھ نہیں بٹا سکتی جس قوم کی عورتیں [illegible] تعلیم یافتہ ہوں اس کی مثال اس گاڑی کی سی ہے جس کا ایک پہیہ بیکار رہے اور جو اپنی پوری رفتار سے خاطر خواہ ترقی پر نہ چل سکتی ہو۔

مجھے مسرت ہے کہ یہاں مسلمانان جے پور کی توجہ تعلیم نسواں کی طرف پاتا ہوں۔ جے پور کے مسلم مردوں اور مسلم عورتوں کو یکجہتی کے ساتھ اس مقصد کے حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہئے، اور اپنی لڑکیوں کو مسلم گرلز اسکول و دیگر درسگاہوں میں داخل کر کے ان کو تعلیم دلانا چاہئے۔

ابھی حال میں سرہائینس ہز ہائینس مہارانی جی صاحبہ نے جے پور میں ایک اعلیٰ درجہ کا گرلز ہائی اسکول قائم کرنے کا اعلان کیا ہے اور آپ سب کو یہ سنکر مسرت ہوگی کہ ریاست کی مسلم رعایا کی مخصوص ضرورتوں کا احساس کرتے ہوئے اس اسکول میں اردو کی تعلیم کا خاص انتظام کیا ہے اور اردو مستریس بہت معقول تنخواہ پر ملازم رکھی جاوے گی۔ مجھے امید ہے کہ مسلمانان جے پور اس سے گرلز اسکول سے پورا فائدہ حاصل کریں گے۔

حکومت جے پور نے حال میں جو اعلان رسم الخط کے بارے میں جاری کیا ہے اس کے متعلق مسلمانوں کو بالخصوص باہر کے مسلمانوں کو اب کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اور بعض ناواقف لوگوں کا خیال ہے کہ جے پور گورنمنٹ ملک میں جو ریاست کی عدالتوں اور دفاتر سے اردو کو ہٹانا چاہتی ہوں۔ اردو نہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے بلکہ ہمارے بے شمار ابنائے وطن کی مادری زبان ہے اور اردو نے ہندوستان کی زبانوں میں وہی جگہ حاصل کر لی ہے جو دنیا کی ترقی میں سونے کو حاصل ہے اور کوئی شخص اردو کو نہیں مٹا سکتا اور نہ اس کو اس جگہ سے ہٹا سکتا ہے جو اس نے ہندوستان کی زبانوں میں حاصل کر لی ہے چونکہ ریاست جے پور میں تقریباً نوے فیصدی اشخاص دیوناگری رسم الخط سے واقف ہیں اس لئے جے پور گورنمنٹ نے ان کی سہولت کے خیال سے اعلان کیا ہے کہ جو اشخاص اردو رسم الخط سے ناواقف ہیں وہ دیوناگری استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اردو استعمال نہ کی جائے بلکہ ریاست کے دفاتر و عدالتہا میں آزادی کے ساتھ نہ صرف اردو بلکہ ہندی اور انگریزی مینوں زبانیں استعمال ہوتی ہیں۔ اور ہوتی رہیں گی۔ حکومت جے پور کی دلی خواہش ہے کہ رعایائے جے پور کے تمام بچوں کو صحیح اور بہتر سے بہتر تعلیم دی جائے اس لئے مسلم گرلز اسکول کا افتتاح بھی منشائے حکومت کے موافق ہے اور یہ اسکول ہر امکانی امداد کا مستحق ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میری دعائیں اور کوششیں تعلیم جیسے مقصد عظیم کے حاصل کرنے میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ریاست میں نئے نئے گرلز اسکول قائم ہو رہے ہیں اور کھلیں گے اور ان میں تعلیم یافتہ اور تجربہ کار مسٹریسیز کی ضرورت ہوگی حکومت جے پور کی خواہش ہے کہ تمام مدارس میں جے پور ہی کے باشندے مرد اور عورتیں ملازم ہوں اس لئے آپ سب کو چاہئے کہ آپ اپنے لڑکوں کو اور لڑکیوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلائیں تاکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے ملک اور قوم کی خدمت کر سکیں۔

اب میں اپنی تقریر کو آنحضرت صلعم پر درود اور سلام کے ساتھ ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم آپ سب کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔ آمین

بنو امیہ کے عہد میں نثر کا سرمایہ

(از جناب مسعود حسن صاحب ہاشمی ایم اے)

عربی ادب کی تاریخ سے جن لوگوں کو تعلق رہا ہے وہ جانتے ہیں کہ قدیم عربوں نے نثر نگاری کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب جیسے ملک میں جہاں کے باشندے بالعموم نہ لکھ سکتے تھے اور نہ پڑھ سکتے تھے۔ نثر کے علمی و ادبی اغراض میں استعمال کا موقع ہی نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ریگستان کے غیور باشندے نظم کے سوا کسی اور صنف ادب کو اظہار جذبات کے لئے استعمال کرنا اپنی توہین سمجھتے ہوں اسی بنا پر عربی زبان میں نثر کی پہلی کتاب قرآن مجید قرار دی گئی ہے۔ قرآن مجید سے پہلے نثر نگاری کے منتشر نمونے ہم دریاب ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ قلیل سرمایہ بھی جو ہم تک پہنچا ہے وہ تحریری نہیں بلکہ زبانی

اسلام سے پہلے قصہ گو اور افسانہ خواں عربوں کا تذکرہ سننے میں آتا ہے جو اپنی زبان میں سامر کہا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں نضر بن حارث کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ یمن کے قدیم بادشاہوں کی کہانیاں اور ان کے حالات سنایا کرتا تھا۔ ان حکایتوں اور افسانوں کو وہی حیثیت حاصل تھی جو ہمارے یہاں جنوں، بھوتوں اور پریوں کی کہانیوں کو حاصل ہے نثر کا کچھ سرمایہ راویوں نے ادبیہ بھی جمع ہوا۔ جو قصیدہ سناتے وقت اس کی شان نزول اس کی تلمیحات اور

اس سے متعلق بے شمار کہانیاں بنانا بھی ضروری تصور کرتے تھے۔ یہ چیزیں آج تاریخی، ادبی اور جغرافیائی حیثیت سے ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس زمانہ میں خطابت کا بھی عام رواج تھا۔ اور خطیب کو شاعر کے بعد بڑا اقتدار حاصل تھا۔ زمانہ جاہلیت کے یہ خطبات، اور خصوصاً قس بن ساعدہ اور سحبان بن وائل کے خطبے اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے اب تک محفوظ ہیں۔ اس سلسلہ میں ان بے شمار کہاوتوں اور ضرب الامثال کا تذکرہ کر دینا بھی ضروری ہے۔ جو عہد جاہلیت میں رائج تھے اور جنھیں بہت زمانہ کے بعد ابو ہلال عسکری المتوفی [illegible] نے جمہرۃ الامثال میں، میدانی المتوفی [illegible] نے مجمع الامثال میں اور مفضل ضبی المتوفی [illegible] نے کتاب الامثال میں جمع کیا۔

جب اسلام نے عربوں کی زندگی کے ہر پہلو میں ایک خوشگوار انقلاب پیدا کیا تو یہ توقع ہوئی کہ نثر کی سمت بھی جاگ اٹھے گی خصوصاً قرآن مجید کے نزول نے جو عربی نثر نگاری اور انشا کا بہترین اور فصیح ترین نمونہ ہے یہ امید کہ بلند پایہ نثر نگاروں کی ایک کثیر تعداد پیدا ہو جائے گی، پوری نہ ہوئی۔ مگر بدقسمتی سے خلافت راشدہ کے اختتام سے پہلے کوئی باقاعدہ خدمت انجام پا سکی اس وقت تک نثر کا سرمایہ چند ہزار حدیثوں، کچھ تحریری احکامات اور معاہدات آنحضرت صلعم اور صحابہ کرامؓ کی تقریروں اور آپ کے مختلف خطوط کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی نے جو دوسری صدی ہجری میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ ظاہر ہوئی عربی نثر کو قومی پیمانہ پر نشو و نما پانے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے ان دنوں علماء عام طور پر علم کو سفینوں میں جمع کرنے کے بجائے سینوں میں محفوظ رکھنا پسند کرتے تھے۔ مذہبی اور جنگی مصروفیتوں کے علاوہ عام سیاسی بے چینی بھی بڑی حد تک اس راہ میں حائل رہی۔ اگر ایک طرف حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا عہد حکومت فتنۂ ارتداد اور عظیم ملکی فتوحات سے پرآشوب رہا، تو دوسری طرف حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا زمانہ خانہ جنگی سے پرآشوب رہا۔ اس لئے عربی نثر کی تاریخ صحیح معنوں میں بنو امیہ کے دور حکومت سے شروع ہوتی ہے۔

بنو امیہ کی سلطنت جیسا کہ دنیا جانتی ہے اگر عربی اسلامی نہ تھی تو خالص اسلامی بھی نہ تھی۔ اس لئے مذہبی علوم جن میں سے بعض کی بنیاد آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں پڑ چکی تھی حکومت کی سرپرستی نصیب نہ ہو سکی۔ اس میں شک نہیں کہ اس دور میں چند جلیل القدر علماء مثلاً تفسیر میں مجاہد اور ابن عباس، حدیث میں امام زہری، عاصم بن سلیمان، اور شعبہ بن حجاج، فقہ میں عبدالرحمن عامری وغیرہ پیدا ہوئے۔ مگر ان بزرگوں نے جو کچھ کیا انفرادی طور پر کیا یہی وجہ ہے کہ یہ بزرگ کوئی بڑا تحریری سرمایہ چھوڑ نہ سکے۔ اموی دربار میں تاریخ کو بڑا عروج نصیب ہوا اور یہ آخیر زمانہ تک مقبول ہی رہی۔ مگر تاریخ سے یہ دلچسپی علم و ادب کی خدمت کے جذبہ سے نہ تھی بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ صاحب اقتدار جماعت تخت و تاج کی حفاظت کے لئے ہر طرح کی سیاسی اور ملکی تدبیروں سے واقف رہے، اور یہ صلاحیت صرف تاریخ کی کتابوں اور اگلے فرمانرواؤں کی سیرت کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی تھی۔ مسعودی کی روایت کے مطابق خاندان بنی امیہ کے بانی حضرت امیر معاویہ کا یہ معمول تھا کہ وہ روزانہ رات کا ایک ثلث مورخین کی صحبت میں گزارتے۔ یہ مورخین انھیں عرب و عجم کی بادشاہوں کے حالات۔ ان کی سلطنت، ان کی لڑائیوں، ان کے طریق حکومت اور ان کی سیاسی چالوں کی تفصیل سنایا کرتے، پھر وہ کچھ دیر آرام فرماتے، اور جب ایک ثلث رات باقی رہ جاتی تو علماء کی ایک دوسری جماعت آتی۔ لاطینی اور یونانی کتابیں ان کے ساتھ ہوتیں اور وہ دنیا کے بڑے لوگوں مثلاً جولیس سیزر، ہنیبال، اور سکندر کی سوانح عمریاں عربی زبان میں ترجمہ کر کے سناتے۔

امیر معاویہ کو عرب کے قدیم بادشاہوں کے حالات سے اس قدر دلچسپی تھی کہ انھوں نے یمن کے ایک عرب عبید بن شریہ کو اپنے دربار میں بلایا۔ اس سے جنوبی عرب کی روایتوں اور افسانوں کے متعلق سوالات کئے اور ان کے جوابات کو ایک جگہ جمع کر کے ایک کتاب تیار کرا لی۔ یہ کتاب جس کا نام کتاب الملوک و اخبار الماضیین تھا۔ اور آج دنیا سے ناپید ہے مسعودی کے زمانہ میں بڑی مقبول تھی۔ عرب کی قدیم تاریخ سے متعلق متعدد روایتیں جنھیں مسلمان مورخین عام طور پر اپنی کتابوں کی ابتدا میں درج کرتے ہیں۔ ایک فارسی النسل یمن کے باشندے وہب بن منبہ المتوفی [illegible] سے منقول ہیں، ابن ندیم نے ابو مخنف لوط بن یحیی ازدی کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے مختلف موضوع پر متعدد کتابیں لکھیں وہ حضرت علیؓ کے طرفدار تھے۔ ان کی تصنیف کا ذکر مقتل سیدنا و مولانا الحسن بن علیؓ جسے کئی سال ہوئے [illegible] نے اپنے اہتمام سے شائع کیا "شہادت کربلا" پر معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ عوانۃ بن الحکم الکلبی بھی اسی زمانہ کے مشہور اہل قلم ہیں۔ انھوں نے ابن ندیم کے بیان کے مطابق دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک کا موضوع عام تاریخ، اور دوسرے کا حضرت امیر معاویہؓ کے حالات زندگی۔ اور بنی امیہ کی تاریخ۔ علم الانساب اگرچہ درحقیقت اسی کی شاخ ہے لیکن عربوں نے ہمیشہ اسے ایک علیحدہ اور مستقل فن تصور کیا۔ سب سے پہلا شخص جس نے اس فن پر کتاب لکھی وہ زیاد بن ابیہ ہے۔ جسے امیر معاویہؓ نے اپنا سوتیلا بھائی بنا کر اپنے طرفداروں میں شامل کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے نسب نامہ پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ کیا عجب ہے کہ اس میں اس نے اپنی پیدائش کے متعلق جو خبریں مشہور تھیں۔ ان کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس دور کے اور دوسرے ماہر انساب دغفل حجر بن حارث اور [illegible] ہیں۔ لیکن ان لوگوں کے حالات زندگی اور ان کی تصانیف کا کسی جگہ پتہ نہیں چلتا۔

ان علوم کے علاوہ دوسرے دینی و دنیوی علوم کی طرف ایک قلم عدم توجہی نہیں برتی گئی امیر معاویہؓ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو [illegible] میں تخت نشین ہوا۔ مختلف اسلامی موضوع پر علماء سے کتابیں لکھوائیں سعید بن جبیر نے اسی کی تحریک پر قرآن مجید کی تفسیر لکھی، چنانچہ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر عام طور پر مشہور ہے وہ دراصل ان ہی کی تصنیف ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق ایک عام غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ ان کا زمانہ علم و ادب کے لئے ناخوشگوار رہا۔ صحیح ہے کہ ان کے دربار میں مبتذل شاعری کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انھوں نے تمام ممالک میں حدیث و سنن کے جمع کرنے اور ترتیب دینے کا حکم بھیجا۔ چنانچہ سعد بن ابراہیم نے جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ دفتر لکھ کر تمام ممالک میں بھیجے۔ ابو بکر بن محمد انصاری کو جو بڑے پایہ کے محدث اور امام زہری کے استاد تھے حدیثوں کے جمع کرنے کا خاص شوق تھا۔ حضرت عائشہؓ کی اکثر روایتیں جو عقائد کے اہم مسائل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو خاص طور پر جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ عمرہ بنت عبدالرحمن ایک بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں اور چونکہ حضرت عائشہؓ کی آغوش تربیت میں پلی تھیں۔ اس لئے ان کی مرویات کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ انھوں نے

...رت عائشہ کی تمام ...

... کریں۔

... سے پہلے فن مغازی کی طرف ... توجہ پاکر آں حضرت صلعم کی سوانح حیات ... اختیار کی۔ اس قدر توجہ نہیں کی گئی، جس کا وہ ... تھا۔ اب تک اس سلسلہ میں جو کچھ کیا گیا وہ یہ تھا ... روایات نبوی کے خاص حلقے قائم کئے گئے جس میں ... ان کے علماء طلباء اور عوام کے سامنے تقریریں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عمر بن قتادہ انصاری المتوفی سنہ ۱۲۱ھ کے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ وہ دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیا کرتے تھے۔

سب سے پہلے جس نے مغازی کے فن کو ترقی دی اور اسے عام مقبولیت بخشی وہ عہد بنی امیہ کے مشہور محدث محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہیں وہ امام بخاری کے شیخ الشیوخ تھے۔ فقہ و حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا ان کی تصنیف کتاب المغازی جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے فن مغازی کی پہلی کتاب تھی؛ اور غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایما سے لکھی گئی تھی۔ امام زہری اس حیثیت سے بھی ممتاز ہیں کہ اموی دربار میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور انہوں نے عبدالملک کے زمانہ میں قضاء کا منصب قبول کیا ۱۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ ان کے شاگردوں میں کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے مغازی کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ امام زہری کے معاصر عبدالرحمن عامری نے فقہ میں ایک بڑی اچھی کتاب "موطا" تصنیف کی جس کی شرح امام زرقانی نے شرح الموطا کے نام سے کی۔ اس سلسلہ میں احمد بن موسیٰ المتوفی ۲۴۱ھ کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جنہوں نے زہد و تصوف پر ایک بڑی مفید کتاب "کتاب الزہد" لکھی۔ عہد بنی امیہ کے نثر نگاروں کی فہرست نامکمل رہ جائے گی اگر دو اور اہم شخصیتوں کا تذکرہ نہ کیا جائے یہ ابن سیرین اور ان کے شاگرد ابن بصری ہیں۔ ابن سیرین نے خوابوں کی تعبیر کے متعلق ایک بڑی دلچسپ کتاب لکھی جس کا نام کتاب الجوامع ہے۔ حسن بصری تصوف کے علمبردار ہیں۔ ان کے حمد کے لئے خطبے اور ان کے مذہبی اقوال اس زمانہ کی نثر نگاری کے بہترین نمونے ہیں۔ استاد اور شاگرد دونوں نے ایک ہی سال یعنی ۱۱۰ھ میں وفات پائی جو جریر اور فرزدق کی موت کی وجہ سے عربی ادب کے لئے "عام الحزن" کہے جانے کا مستحق ہے۔

موامیہ کے زمانہ میں علوم عقلیہ کی تحصیل کے لئے جو کوششیں کی گئیں۔ ان پر نظر ڈالئے تو خالد بن یزید المتوفی ۸۵ھ کا نام بہت نمایاں نظر آتا ہے خالد بن یزید کو جب مروان کے مقابلہ میں حکومت کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تو اس نے اپنی توجہ علم و ادب کی طرف مبذول کی۔ اسے ہیئت اور کیمیا سے خاص طور پر دلچسپی تھی اور اسکندریہ ان دونوں علم کیمیا کے لئے بڑا مشہور تھا۔ چنانچہ اس نے ایک رومی پادری کو جس کا نام ماریانوس تھا اور جو وہاں مقیم تھا، بلایا اور اس سے کیمیا کی تعلیم حاصل کی چند دنوں کے بعد اس نے ایک اور عالم کو جس کا نام اسطفن (اسطفان) بتایا جاتا ہے کیمیا پر متعدد کتابیں عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا اس نے نہ صرف قبطی اور یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا بلکہ خود بھی اس موضوع پر چار رسالے لکھے۔ اسی طرح صاحب کہ مصنف الفہرست نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ علم پر بہت سی کتابیں خصوصاً شامی یہودیوں کے قلم سے عربی میں منتقل ہوئیں، مگر افسوس ہے کہ ان میں سوا ایک بھی ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ ایک سا ... طبیب ماسر جویہ یا ماسر جس نے جو بصرہ میں مقیم تھا اور مروان بن حکم کا معاصر تھا، اہرون بن اعبون کی کتاب قانون الکناش، کا جو طب پر لکھی گئی تھی۔ شامی سے عربی میں ترجمہ کیا۔

جب آل عباس برسر اقتدار ہوئے تو ان کے لئے یہ چیز بڑی مفید ثابت ہوئی اور اسی پر انہوں نے ایک شاندار عمارت تیار کی، ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی بدیع الزمان اور حریری کے مقامات طبری کی تاریخ الرسل والملوک اور مسعودی کی مروج الذہب بلاشبہ عربی ادب میں نثر کے بے نظیر شاہکار ہیں لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ بنو امیہ کی کوششوں کے بغیر اس قدر مختصر مدت میں ایسے شہ پارے اور اتنی کثیر تعداد میں شاید وجود میں نہ آسکتے۔ (سلطنت)

اصلاح معاشرت (۲)

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

غرض حکومت شراب کی بندش میں کامیاب نہیں ہوئی اور اس کی درآمد نہ رک سکی۔ اس لئے قانون بندش منسوخ ہوا، ہوٹلوں اور دعوتوں میں پھر وہی چہل پہل نظر آنے لگی۔ جام و سبو گردش میں آئے اور بادہ پیمائی شروع ہوگئی، یہ تھا اس زمانہ کی ایک مہذب و ترقی یافتہ حکومت کا قانون اور اس کا شرمناک انجام۔

اب ایک اسلامی قانون کا اثر دیکھئے ۱۳ سو برس سے پہلے کا واقعہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہیں، دنیا انوار ربانی سے معمور ہے اور اسلام کا پیام گھر گھر پہنچ چکا ہے، اب دفعۃً شراب کی قطعی ممانعت کا حکم نازل ہوتا ہے مدینہ کی گلیوں میں اس کا اعلان کیا جاتا ہے بعض گھروں میں صحبت مینوشی گرم ہے، لوگ منادی کی آواز سنکر باہر نکل آتے ہیں کہ کیا اعلان ہو رہا ہے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب حرام کر دی گئی۔ اب ہر شخص رک جاتا ہے اگر جام شراب منہ تک آگیا ہے تو آگے نہیں بڑھتا۔ مجال نہیں جو یہ اعلان سن کر کوئی ایک جرعہ بھی پی لے۔ ایک سکنڈ میں حالت بدل جاتی ہے، شراب کے برتن توڑ دئے جاتے ہیں اور وہ مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگتی ہے۔

دوسرے روز فضا بالکل بدلی ہوئی نظر آتی ہے اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں شراب کا کبھی رواج ہی نہ تھا، اور لوگ شراب کو اس طرح بھول جاتے ہیں کہ گویا کبھی اس سے آشنا ہی نہ تھے۔ یہ تھا اسلام کا قانون اور یہ تھی اس کی عظمت۔ قوت کہ جو قوم صدیوں سے شراب کی خوگر تھی ایک اعلان میں دفعۃً اس سے دستبردار ہوگئی اسی طرح ایک دوسرے حکم کے ذریعہ سے دفعۃً دختر کشی کا خاتمہ ہوگیا اور لوگ ہمیشہ کے لئے اس کو بھول گئے اور پھر ایک واقعہ بھی پیش نہ آیا۔ اس کے علاوہ جب سود کی ممانعت کے احکام نازل ہوئے تو یہ لین دین قطعاً بند ہوگیا۔ اور قرض خواہوں کا جو روپیہ دوسروں پر قرض تھا اس کا سود انہوں نے بالکل معاف کر دیا۔

اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ سب احکام براہ راست اصلاح معاشرت سے تعلق رکھتے تھے اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اسلام بجائے خود اصلاح معاشرت ہے، لہٰذا اگر اسلام کی صحیح تعلیم پر عمل کیا جائے تو سارے فضول رسم و رواج کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لئے اصلاح معاشرت کا کام کرنے والوں کے لئے صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ وہ اسلام کی خالص تعلیم بار بار اور مختلف طریقوں سے لوگوں کے سامنے پیش کریں، مسلمانوں نے مذہب

مسلم تعلیمی کانفرنس صوبہ متحدہ کا سالانہ اجلاس

یو۔پی پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کا سالانہ اجلاس ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء کو زیر صدارت نواب حاجی حافظ میجر محمد جمشید علی خاں صاحب ایم بی ای، ایم ایل اے رئیس باغپت پیلی بھیت میں منعقد ہوا۔ صوبہ کے مختلف اضلاع کے نمایندے اجلاس میں شریک تھے۔ مسلمانان پیلی بھیت نے شرکائے کانفرنس کے قیام و طعام کا انتظام سیر چشمی کے ساتھ نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کیا تھا۔

نواب محمد جمشید علی خاں صاحب نے بحیثیت صدر اجلاس جو خطبہ اس موقع پر پڑھا۔ وہ اگرچہ مختصر تھا لیکن اس میں بہت سی باتیں نہایت صاف اور سلجھے ہوئے انداز میں بیان کی گئی تھیں۔ اور مسلمانان صوبہ کی تعلیمی ترقی کے سلسلہ میں ایسے مشورے دئے گئے تھے جو قابل توجہ اور لائق عمل ہیں۔

کانفرنس کے شعبۂ اردو کی صدارت مولوی رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے چیرمین شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی نے فرمائی۔ آپ کا خطبہ نہایت دلچسپ ادبی چیز تھا جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔

جملہ جو بیس رزولیوشن کانفرنس میں پاس ہوئے سب سے زیادہ اہم رزولیوشن ۱۹۴۲ء کے چالیس مطالبات کے متعلق تھا جس میں حکومت سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۷ء کی کانفرنسوں کی طرح دیرینہ مطالبات پر غور کرنے کے لئے مسلم نمایندگان کی ایک کانفرنس منعقد کرے۔

ایک تجویز میں موسیقی کا مضمون انگریزی مدارس کے درجات ۳ و ۴ میں لازمی قرار دئے جانے پر احتجاج کیا گیا۔ ایک رزولیوشن تمام اسلامی درسگاہوں میں طلبہ کی عسکری تربیت اور فنون حرب و سپہ گری اور فوجی تربیت کے جدید طریقوں کا حتی الوسع انتظام کرنے کی ضرورت پر مشتمل تھا۔ ایک تجویز اسلامیہ سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ قائم کرنے کے متعلق پاس ہوئی۔ ایک تجویز میں مسلم ہائی اسکول پیلی بھیت کی مستقل اور غیر مستقل گرانٹ کے اضافہ کا مطالبہ کیا گیا۔ ڈرمنڈ گنج ٹرسٹ پیلی بھیت کے بیشتر حصہ کو مسلمانوں کے تعلیمی اغراض پر صرف کرنے کے متعلق ایک رزولیوشن پاس ہوا۔ آل انڈیا ریڈیو کے اس رویہ پر جو اردو زبان کو خراب کرنے کے متعلق ظہور پذیر ہو رہا ہے صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ فقط

نظامی سکریٹری

نظامی صاحب سکریٹری مسلم تعلیمی کانفرنس صوبہ متحدہ نے مندرجہ بالا مضمون میں ایک رزولیوشن کا حوالہ دیا ہے جو مسلمانان صوبہ متحدہ کے "چالیس تعلیمی مطالبات" کے متعلق کانفرنس کے گزشتہ اجلاس منعقدہ پیلی بھیت میں منظور ہوا۔ یہ رزولیوشن ناظرین کی واقفیت کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"گورنمنٹ صوبہ متحدہ کی جانب سے مراسلہ مورخہ ۴ جون ۱۹۴۲ء اس کانفرنس کو موصول ہوا تھا۔ اس کانفرنس کی مجلس عاملہ نے ۳۰ جون ۱۹۴۲ء کو ایک رزولیوشن گورنمنٹ کو بھیجا تھا جس میں گورنمنٹ سے خواہش کی گئی تھی کہ وہ ایک مرتبہ پھر جلد سے جلد مسلم نمایندگان کی ایک کانفرنس اس غرض سے طلب کرے کہ مطالبات مذکور پر مزید غور کیا جائے اور یہ طے کیا جائے کہ ان مطالبات کے منظور کرنے اور نافذ کرنے کا جن کے متعلق گورنمنٹ کے احکام مورخہ ۴ جون ۱۹۴۲ء مسلم نقطۂ نظر سے مبہم اور غیر قابل اطمینان ہیں کیا طریقہ ہونا چاہئے لیکن گورنمنٹ نے اس وقت ایسی کوئی کانفرنس طلب نہیں کی۔

یہ یو۔پی پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبہ متحدہ کا یہ اجلاس عام "مجلس عاملہ" کے رزولیوشن مورخہ ۳۰ جون ۱۹۴۲ء کی توثیق کرتے ہوئے یاد دہانی کرتا ہے کہ وہ جلد سے جلد ان مطالبات پر مزید غور و خوض کے لئے مثل ۱۹۳۴ء و ۱۹۳۷ء ایک نمایندہ کانفرنس منعقد کرے اور اس کانفرنس کے نمایندگان کو موقع دے کہ وہ تجاویز مذکور پر بحث کر کے گورنمنٹ کو یہ امر واضح کریں کہ ان تجاویز کا نافذ ہونا مسلمانوں کے تعلیمی مفاد کے لحاظ سے ناگزیر ہے اور حالات کے جدید تغیر و تبدل کی بنا پر ان کا جلد از جلد نفاذ لازم ہو گیا ہے۔

یہ جلسہ عام صاحب صدر جناب نواب محمد جمشید علی خاں صاحب کو مجاز کرتا ہے کہ ممدوح اس بارہ میں مشیر تعلیمی ہز ایکسیلنسی گورنر صاحب سے اس تجویز کی منظوری کے متعلق گفت و شنید فرمائیں اور یہ کوشش کریں کہ بلا مزید توقف کانفرنس منعقد ہو۔

مندرجہ بالا رزولیوشن کے علاوہ ایک رزولیوشن طلبہ کی عسکری تربیت کے متعلق پاس ہوا جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"یہ کانفرنس مسلمانوں کی عسکری تربیت اور سپاہیانہ زندگی کو ایک اہم شعار اسلامی تصور کرتے ہوئے جملہ اسلامی، انگریزی، عربی اور اردو درسگاہوں کے منتظمین اور ذمہ دار کارکنان سے پر زور اپیل کرتی ہے کہ وہ جلد از جلد اپنی درسگاہوں میں قدیم قومی فنون حرب و سپہ گری با قاعدہ سکھانے کا انتظام کریں" اور اس مقصد کے حصول کے لئے فن بنوٹ وغیرہ کے ماہرین کی خدمات حاصل کریں، نیز طلبہ میں ان فنون کی ترویج اور ذوق کو ترقی دینے کے لئے مرکزی مظاہروں اور انعامی مقابلوں کا انتظام کریں اور جہاں تک حالات اجازت دیں فوجی تربیت کے جدید طریقوں میں بھی مہارت پیدا کرنے کی طرف توجہ مبذول کریں۔

اس کے علاوہ ایک اور تجویز اسلامیہ سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ قائم کرنے کے متعلق منظور ہوئی جو حسب ذیل ہے۔

"اس کانفرنس کی رائے میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ صوبہ متحدہ کے تمام اسلامیہ مڈل اسکولوں، ہائی اسکولوں، اور انٹر کالجوں کو مکمل گورنمنٹ اسکولوں کے یکساں نظام کے ماتحت چلانے ان کے اساتذہ کو اپنے فرائض بہ اطمینان ادا کرنے اور ایک اسکول سے دوسرے اسکول میں تبادلہ کی سہولت بہم پہنچانے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک اسلامیہ سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ جلد از جلد قائم کیا جائے۔

بورڈ مذکور کی اسکیم تیار کرنے کے لئے کانفرنس حسب ذیل اصحاب کی ایک سب کمیٹی (باختیار اضافہ) مقرر کرتی ہے اور اس کو ہدایت کرتی ہے کہ اپنی رپورٹ بعد استصواب رائے جملہ مسلم منیجر صاحبان و ہیڈ ماسٹر صاحبان صوبہ جلد از جلد کانفرنس میں پیش کرے۔

ارکان کمیٹی کے نام حسب ذیل ہیں

۱۔ مولوی ارشاد علی خاں صاحب وائس پرنسپل فیض عام کالج میرٹھ۔

۲۔ مولوی لطافت حسین صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ

۳۔ سید عبد الجلیل حسنی صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول پیلی بھیت

[illegible] اسلامیہ [illegible]

[illegible] صاحب۔

[illegible] ریزولیوشنوں کے علاوہ ایک رزولیوشن [illegible] مدارس کے ابتدائی درجات میں تعلیم موسیقی [illegible] قرار دیئے جانے کے خلاف منظور ہوا جس [illegible] حسب ذیل ہیں۔

صوبہ ہذا کے سررشتہ تعلیم نے اینگلو ورناکیولر مدارس کے ابتدائی درجات کے نصاب میں سال [illegible] سے فنون تعلیم کے مضمون کے تحت میں گانے وغیرہ کو لازمی قرار دیا ہے جس سے مسلمانوں میں عام طور پر اپنے مخصوص مذہبی احکام اور معاشرتی روایات کی بنا پر سخت ناراضی پیدا ہو گئی ہے اور اسلامی ریکگنائزڈ (مجاز) درس گاہوں میں اس مضمون کی تعلیم کا انتظام کرنے سے مسلمانوں کی عام ناراضگی کے علاوہ مالی مشکلات میں اضافہ ہونا یقینی ہے۔

لہذا یہ کانفرنس گورنمنٹ اور سررشتہ تعلیم صوبہ متحدہ سے پرزور درخواست کرتی ہے کہ بوجوہ مذکورہ نصاب میں اس کی صراحت کر دی جائے کہ مسلمان طلبہ بالعموم اس مضمون کی تعلیم سے مستثنی ہوں گے نیز اسلامی اداروں کو اس مضمون کی تعلیم کا انتظام کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

ایک رزولیوشن ادبی و تاریخی درسی کتابوں کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں منظور ہوا۔

"ان شکایات کو مد نظر رکھتے ہوئے جو سررشتہ تعلیم سے منظور شدہ ادبی و تاریخی کتب میں اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض مضامین کے اندراج سے وقتاً فوقتاً پیدا ہوتی رہتی ہیں، یہ کانفرنس ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم سے استدعا کرتی ہے کہ منظور شدہ ادبی اور تاریخی درسی کتاب کو داخل نصاب کرنے اور رواج دینے سے قبل اس کی ایک جلد کانفرنس کو بلا قیمت مہیا کی جائے اور صاحب موصوف کانفرنس کی رائے اور اقتباسات پر غور کرنے کے بعد مناسب احکام صادر فرمائیں۔"

[illegible] افتتاح اسلامیہ کالج آگرہ

[illegible] اب تک کوئی مسلمانوں کا ڈگری کالج [illegible] انجمن اسلامیہ اس کالج کے قیام میں سرگرم سعی ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ اب تک خاصی کامیابی ہو چکی ہے۔ قریب دس ہزار روپیہ جمع ہو چکا ہے۔ اور دس ہزار کے مزید وعدے ہیں۔ ۲۰ بیگہ اراضی اس کالج کی عمارت کے لئے حسب قانون حصول اراضی بذریعہ گورنمنٹ خرید کی گئی ہے۔ یہ کالج صحیح اسلامیہ نظریے کے تحت کھولا جا رہا ہے۔ اور کوشش ہے کہ کم سے کم اخراجات میں مسلم طلبہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں کل انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ جولائی ۱۹۴۳ء سے چند درجے کھولے جا رہے ہیں۔ ضروری عمارت کی تعمیر کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اہل خیر حضرات سے توقع ہے کہ وہ اس کالج کے لئے مالی معاونت فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

نجیب الحسین شہابی
برائے سکرٹری انجمن اسلامیہ آگرہ

ہٹلر کا روزانہ پروگرام

لندن۔ ۱۷۔ اپریل۔ ہٹلر کی روزمرہ کی زندگی کے متعلق جو تازہ ترین حالات ہٹلر کے ہیڈ کوارٹر سے معلوم ہوئے ہیں "لا مارسیلز" نامی ایک آزاد فرانسیسی ہفتہ وار اخبار نے ان کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ ہٹلر کا ہیڈ کوارٹر آج کل بکتر بند ٹرین میں ہے جو بہت محفوظ بنائی گئی ہے۔ اس ٹرین پر بہت سی ہوا مار توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور طوفانی فوج کے دو سو آدمی بندوقیں لئے ہوئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہٹلر صبح کا وقت آرام سے گزارتا ہے وہ اپنے بستر ہی میں لیٹا ہوا مطالعہ میں مصروف رہتا ہے وہ زیادہ تر فوجی و جنگی چالوں کے متعلق تصانیف پڑھنا پسند کرتا ہے۔

ہٹلر کے اخبار نویس کا بیان ہے کہ امن کے دنوں میں ہٹلر "ہوٹل قیصر ہوف" کی بہترین ہیئر ڈریسر سے حجامت بنوایا کرتا تھا لیکن آج کل وہ خود معمولی "سیفٹی" ریزر سے حجامت بنانا پسند کرتا ہے۔ ایک ملازم اس کا لباس لاتا ہے۔ اس کا لباس بالکل سادہ وردی جیسا ہوتا ہے اس میں صرف ایک آہنی صلیب لگی ہوئی ہوتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی تمغہ یا بلّا وغیرہ نہیں ہوتا۔ ہٹلر کا ناشتہ ہمیشہ بہت سادہ ہوتا ہے جو توست (ڈبل روٹی کے ٹکڑوں) مکھن، مربوں اور چائے کے ایک پیالہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ناشتہ کرنے کے بعد ہٹلر صبح کو سیر کیلئے جاتا ہے۔ سیر سے واپس آکر وہ نقشہ پر جنگ کی صورت حالات کا مطالعہ کرتا ہے جو کہ ایک خاص افسر تیار کرتا ہے اور جس میں ایک ایک منٹ کی فوجی کارروائیوں کو دکھایا جاتا ہے اس کے بعد ہٹلر جنرل اسٹاف کے چیف اور دیگر سپہ سالاروں سے ملاقات کرتا ہے۔ بعد ازاں ہٹلر ممتاز غیر ملکی مہمانوں سے ملاقات کرتا ہے اس موقعہ پر ہٹلر کے ہمراہ اس کا ترجمان ڈاکٹر شمٹ ضرور ہوتا ہے۔ ایک بجے تک تمام ملاقاتیں ختم کر دیتا ہے اور اس کے بعد وہ کھانا کھانے کیلئے جاتا ہے۔ ہٹلر کا کھانا کھانے کیلئے چلا جاتا ہے۔ اس کا یہ کھانا ایک سلاد (کچی ترکاری یا ساگ) ایک انڈا اور کچھ پھلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر وہ بلا نشہ کی بیئر بھی استعمال کرتا ہے۔ اس کے بعد ہٹلر اپنے دفتر میں چلا جاتا ہے اور وہاں ان مسائل پر غور و فکر کرتا ہے جن کے بارے میں اسے فیصلہ کرنا ہوتا ہے جب وہ فیصلہ کر لیتا ہے تو اپنے اسٹینوگرافر کو اپنے احکام تحریر کرا دیتا ہے۔

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

نائب ایڈیٹر الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد ([illegible]) | ۸۔ مئی ۱۹۴۳ء مطابق ۳۔ جمادی الاوّل ۱۳۶۲ھ | نمبر (۱۸)

[illegible] زادہ رشید الظفر خان بہادر (علیگ) خلف [illegible] جنرل عبید اللہ خاں بہادر مرحوم ومغفور بعض جنگی مقاصد کے سلسلہ میں علی گڑھ تشریف لائے اور منزل بیس میں قیام فرمایا۔ نوابزادہ ممدوح کا قیام اگرچہ علی گڑھ میں بہت مختصر رہا تاہم آپ کو متعدد ایٹ ہوم دیے گئے، نیز محمد عاذق صاحب ایم اے استاد شعبۂ فارسی نے سابقہ تعلقات کی بنا پر ممدوح کو ایک پُرتکلف ڈنر دیا جس میں مسلم یونیورسٹی اسٹاف کے متعدد ارکان اور پرو وائس چانسلر صاحب جن میں سے اکثر نوابزادہ ممدوح کے استاد تھے یا سابقہ تعلقات رکھتے تھے نیز بعض دوسرے اصحاب شریک تھے، یہ پُرلطف صحبت ۱۱ بجے شب تک جاری رہی۔

۳۰۔ اپریل کو بعد نماز مغرب مولوی حسن عبد اللہ صاحب ایم اے کنٹرولر مسلم یونیورسٹی نے اپنے بچے کے عقیقہ کی تقریب میں مسلم یونیورسٹی کی مسجد میں ایک محفل میلاد شریف منعقد کی جس میں خود موصوف کے علاوہ بعض دوسرے حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارک بیان کئے، آخر میں تبرک تقسیم ہوا۔

اس کے بعد دوسرے روز رات کو موصوف کی طرف سے بہت وسیع پیمانہ پر دعوت طعام دی گئی جس میں مسلم یونیورسٹی اسٹاف اور عملہ دفاتر کے علاوہ دوسرے اصحاب بھی مدعو تھے۔ جناب وائس چانسلر صاحب اور پرو وائس چانسلر صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ کھانے کے بعد موسم کی مناسبت سے لذیذ ونفیس آئس کریم سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔

حسن عبد اللہ صاحب کے والد ماجد مولوی حاجی ابو الحسن صاحب بھی جو مسلم یونیورسٹی اگزکٹو کونسل میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے اس تقریب میں شریک اور مہمانوں کی مدارات میں مصروف تھے۔

مئی ۱۹۴۳ء کی ابتدائی تاریخوں میں لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب بالقابہ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کے صاحبزادہ کی تقریب عقد کی وجہ سے ایک خاص چہل پہل رہی۔ یہ عقد ۳ مئی کو دہلی میں ہوا جس میں جناب ڈاکٹر صاحب کے بہت سے معزز احباب اور دہلی کے سربرآوردہ مسلمان شریک تھے۔ اس سلسلہ میں دہلی میں ایٹ ہوم اور دعوت طعام بھی ہوئی۔

اس کے بعد ۵ مئی ۱۹۴۳ء کی دوپہر کو جناب ڈاکٹر صاحب کی طرف سے ذکا منزل (علی گڑھ) میں نہایت وسیع پیمانہ پر دعوت ولیمہ ہوئی، جس میں کئی سو مہمان شریک تھے۔ ان میں مسلم یونیورسٹی اسٹاف کے ارکان اور دوسرے ملازمین نیز مقامی حکام اور ڈاکٹر صاحب کے بیرونی احباب بھی شامل ہیں [illegible] میں خواتین کی دعوت بھی وسیع پیمانہ پر ہوئی۔

دعوت سے پہلے سہرے پڑھے گئے [illegible] محمد عاذق صاحب ایم اے استاد شعبۂ فارسی [illegible] جو بطرز نو لکھا گیا تھا حاضرین نے بہت پسند کیا اور سخن فہم اصحاب نے اس کی خاص طور پر تعریف کی۔ ہماری دعا ہے کہ یہ تقریب مبارک ثابت ہو۔

گزشتہ ہفتہ میں ہز ایکسیلنسی گورنر صاحب بہادر متحدہ مع لیڈی صاحبہ رامپور تشریف لے گئے، جہاں ہز ہائینس فرمانروائے رامپور دام اقبالہٗ کی طرف سے [illegible] خیر مقدم کیا گیا۔ ہز ایکسیلنسی نے اپنی تقریر میں [illegible] نواب صاحب کی جنگی امداد کا اعتراف [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ مئی ۱۹۴۳ء

مشرقی ممالک پر یورپ کا اثر

ہم نے اپنے پچھلے مضمون میں یہ عرض کیا تھا کہ اس دور آخر کے مسلمانوں میں بیجا رسوم و بدعات کا جو رواج ہو گیا تھا وہ علماء اور بعض اصلاحی و مذہبی جماعتوں کی کوشش سے کم ہو رہا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں مغربی تقلید کا ذوق و شوق بڑھ رہا ہے اس لئے جو روپیہ پہلے فضول رسم و رواج پر خرچ ہوتا تھا اب ان چیزوں پر صرف ہو رہا ہے جو موجودہ تمدن نے خواہ مخواہ ہماری ضروریات میں داخل کر دی ہیں۔

جب ہندوستان میں انگریزی تعلیم و تہذیب اور اسی کے ساتھ مغربی ممالک کی مصنوعات کا رواج ہوا تو کچھ قدرتاً تب ہندوستان کی سب قومیں اس انقلاب سے متاثر ہوئیں اور ان کے خیالات و افکار میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی، اور جو لوگ اس سے پورے طور پر اثر پذیر نہیں ہوئے وہ بھی ایک قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔

یہ انقلاب گزشتہ صدی میں کم و بیش ہر مشرقی ملک میں ہوا ہے، یہاں تک کہ مشرقی حکومتیں بھی اس سے متاثر ہوئی ہیں، کیونکہ آمد و رفت اور سیر و سیاحت کے جدید ذرائع اور مختلف سہولتوں کی وجہ سے مشرق و مغرب ایک دوسرے کے نسبت قریب ہو گئے اس لئے مغربی قوموں کو جن کے عروج و اقبال کا دور شروع ہو چکا تھا، اور اس وجہ سے اُن کے حوصلے و ارادے بہت بلند تھے مشرقی ملکوں میں پہنچنے کا موقع ہاتھ آیا۔ چنانچہ بہت سے سیاح، مشنری، سیاستداں، اور تجارتی ایجنٹ سارے مشرقی ملکوں میں پھیل گئے اور انھوں نے رفتہ رفتہ نہایت منفعت بخش شرائط پر مشرقی حکومتوں سے سیاسی و تجارتی معاہدے کئے، اور تعلقات پیدا کئے۔

ان تعلقات اور معاہدوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مشرقی حکومتیں غیر محسوس طور پر یورپ کے زیر اثر آگئیں، اور تقریباً سارا مشرق یورپ کی تجارتی منڈی بن گیا جہاں ہر قسم کے ساز و سامان اور نظر فریب مصنوعات کی کثرت تھی، مشرقی قومیں یورپ کی یہ چمک و دمک دیکھ کر مسحور ہو گئیں، اور بے اختیاری کی حالت میں اس طرف کھنچنے لگیں، یورپ کی سب سے بڑی کامیابی تھی جو اُسے حاصل ہوئی۔

بہت سے مشرقی حکمراں، اور والیان ریاست بھی یورپ کی اس جادوگری سے متاثر ہوئے، اور اس کی عظمت و شوکت اُن کے دلوں پر اس قدر بیٹھ گئی کہ انھوں نے ان ترقی یافتہ ممالک کی سیر و سفر کا ارادہ کیا اور مشرقی شان و شوکت دکھانے کے لئے اس سفر پر بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ یورپ کے مردم شناس تاجروں نے جو مشرقی حکمرانوں کی کمزوریوں سے واقف تھے اُن کی خوب آؤ بھگت کی اور لاکھوں روپیہ کا مال اُن کے ہاتھ بیچا۔

اس کے علاوہ ان مشرقی حکمرانوں نے یورپ کی مختلف تفریح گاہیں، کلب، رقص خانے، اور تماشا گاہ دیکھے بعض عمارتیں اور جدید ساز و سامان سے اُن کی سجاوٹ دیکھی، انھیں محسوس کرایا گیا کہ ایک مہذب و ترقی یافتہ ملک کے لئے یہ سب چیزیں ضروری ہیں، اس ماحول سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ دوران سفر ہی میں یہ عزم کر لیا کہ اپنے ملک میں جا کر اسے یورپ کے ہمپایہ بنانے کی کوشش کریں گے، اور مغربی تہذیب و تمدن اختیار کر کے اپنے ملک کو مہذب و شائستہ بنائیں گے۔ اس موقع پر مثلاً خدیو اسمٰعیل پاشا کا نام لیا جا سکتا ہے جنھوں نے قاہرہ (دار الحکومت مصر) کو یورپ کے مرکزی شہروں کے ہمپایہ بنانے کی کوشش کی اور اس خبط میں ملک کو مقروض بنا لیا۔

خود ہمارے ہندوستان کے متعدد والیان ملک کو بھی یورپ کی سیاحت اور کورانہ پیروی کا شوق ہے ان میں کچھ ایسے ہیں جو بار بار یورپ جاتے ہیں اور اس سفر پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور لاکھوں کا سامان خرید کر ہندوستان لاتے ہیں، انھیں اس کی کچھ خبر نہیں کہ رعایا پر کیا گزر رہی ہے اور اپنی ریاست و وطن کے متعلق ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔

آپ اگر موجودہ دور کی مشرقی حکومتوں اور ریاستوں کے زوال و انحطاط کے اسباب پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ منجملہ دوسرے اسباب کے ایک بڑا سبب ان حکومتوں کے تنزل کا یہ ہے کہ انھوں نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ضرورت سے زیادہ یورپ کا اثر قبول کیا اور اس سلسلہ میں اُن سے ایسی بے احتیاطیاں اور بے اعتدالیاں ہوئیں کہ وہ بُری طرح ایک خوفناک بھنور میں پھنس گئیں جس سے ابھرنا مشکل بلکہ بظاہر ناممکن ہے۔

یہ ساری خرابیاں اور کمزوریاں "اصلاح" کے نام سے ہوئیں۔ یعنی جو مشرقی فرمانروا یورپ کی سیر و سیاحت کر کے واپس آیا بجائے خود یورپ کی معاشرت و تمدن سے متاثر ہوا اس نے اصلاح کا نام لے کر اپنے ملک میں فوری انقلاب پیدا کرنا چاہا لیکن اصلاح تو نہ ہو سکی البتہ سارے ملک میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا اور حکمراں و رعایا کے درمیان ایک کشمکش شروع ہو گئی۔ اس آخر دور میں شاہ امان اللہ خاں فرمانروائے افغانستان بھی اسی غلطی اور کوتاہ اندیشی کا شکار ہوئے، یورپ کے سفر نے انھیں اس قدر از خود رفتہ کر دیا کہ سفر سے واپس آتے ہی یہ ارادہ کیا کہ اپنے ملک کی کایا پلٹ دیں، ملک ابھی اس کے لئے تیار نہ تھا اس لئے فرمانروا اور رعایا کے درمیان سخت کشمکش شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گمنام و بے حیثیت لیکن حوصلہ مند باغی نے ملک پر قبضہ کر لیا اور شاہ امان اللہ خاں نہ صرف ترک سلطنت بلکہ ترک وطن پر مجبور ہوئے، یہ تھا نتیجہ جلد بازی اور تجدد پسندی کا۔

شاہ امان اللہ خاں میں بہت سی خوبیاں تھیں اگر وہ اپنے ملک کے حالات اور عوام کی ذہنیت پیش نظر رکھ کر احتیاط و حسن تدبیر سے کام لیتے تو افغانستان کی قسمت پلٹ جاتی لیکن غلط کار مشیروں نے انھیں غور و فکر کا موقع نہیں دیا۔

اس بحث و تذکرہ سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ تجدد پسندی ہمیشہ اور ہر حالت میں مُضر اور قدامت پسندی لائق ستائش ہے۔ اسلام اس معاملہ میں تنگدلی کی تعلیم نہیں دیتا اُس نے تو خود بہت سے دیرینہ رسم و رواج کو جو فضول و نامعقول تھے مٹایا ہے۔ اسلام نے تو یہ بتایا ہے کہ حکمت و دانائی کی بات مسلمان کی ایک گمشدہ چیز ہے اس لئے جہاں اُسے پائے اُٹھالے، اس تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کو ہر قلم و ہُنر سیکھنا چاہئے۔ اور ہر اچھی بات کے قبول کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ چنانچہ دورِ اول کے مسلمانوں نے جو ہم سے زیادہ اسلامی تعلیم پر عامل تھے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ دوسری قوموں کے علوم و فنون کو تعصب یا حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ انہیں سیکھتے اور اُن میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ یہ تاریخی حقیقت سب کے سامنے ہے کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم میں اس قدر مجتہدانہ کمال حاصل کیا کہ ان میں بہت سے مسائل کا اضافہ کیا اور جہاں جہاں اُن کے مسائل میں غلطیاں اور خامیاں تھیں وہ دلائل کے ساتھ واضح کیں، خصوصاً خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے دوسری قوموں کی زبانوں کے لئے جو جد و جہد کی وہ ہماری علمی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

مذہبی علوم سے قطع نظر مسلمانوں نے دوسری قوموں سے سب سے ہُنر و عملی فنون سیکھے اور روز مرہ کی معاشرت میں جو چیزیں مفید و کارآمد نظر آئیں انہیں مناسب ترمیم کے بعد اپنا بنا کر اختیار کر لیا۔ البتہ اپنے مذہب کے متعلق بجا طور پر اُن کا نظریہ تھا کہ وہ ایک ربانی مذہب ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے اور دنیا کا کوئی مذہب اپنی محاسن و خصوصیات کے لحاظ سے اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا لہذا وہ اپنے مذہب کو تمام ادیان و ملل کا ناسخ اور اپنے کو ساری دنیا کا مصلح و نجات دہندہ سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے کسی دوسرے مذہب کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ البتہ محض علمی ذوق کی بناء پر دنیا کے مختلف مذاہب کے متعلق تحقیقات کر کے صحیح واقفیت حاصل کی اور حسب ضرورت اُن کے عقائد و تعلیمات پر تبصرہ کیا۔

ان واقعات سے یہ ثابت ہے کہ غیر قوموں کی زبان علوم یا دوسری مفید چیزوں کے سیکھنے اور برتنے کی اسلام میں ممانعت نہیں ہے بحث جو کچھ ہے وہ کورانہ تقلید اور غیر مفید چیزوں کے متعلق ہے۔ یعنی ماتم اس غلامانہ ذہنیت کا ہے کہ ہم یورپ سے اس قدر مرعوب و مسحور ہیں کہ اُس کی ہر ادا اور ہر چیز کو اپنی سب چیزوں سے بہتر و برتر سمجھتے ہیں، اور خود اپنی قوم کو یورپ کی قوموں کے مقابلہ میں حقیر و ناکارہ جانتے ہیں، یہ احساس کمتری جس قوم میں بھی ہو اُس کے لئے پیام موت ہے،

ہمارا ضمیر اس قدر مردہ ہو چکا ہے اور اخلاقی جرأت اس قدر کمزور ہو چکی ہے کہ اول تو ہم کبھی کسی مجلس یا صحبت میں اپنے مذہب کی کوئی خوبی بیان کرنے یا اُس کا تذکرہ کرنے سے جھجکتے ہیں کیونکہ ہمارے خیال میں مذہب ایک پرائیویٹ چیز ہے لہذا اُس کے متعلق کسی سے گفتگو کرنا خلاف تہذیب ہے لیکن اتفاق سے اگر کبھی مذہب کے متعلق کچھ کہنے کی ہمت ہم میں پیدا بھی ہوتی ہے تو وہ بھی اس انداز میں کہ ہم کسی یورپین مصنف یا مورخ کا کوئی قول پیش کر کے کہتے ہیں کہ دیکھو اسلام یا قرآن مجید کے متعلق فلاں مشہور یورپین مصنف مثلاً کارلائل یا گبن نے اپنی فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک یورپین مصنف نے اسلام کے محاسن کے متعلق اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی تو پھر اس کی صداقت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ ناآشنائے حقیقت اور بے بصیرت مصنف خواہ بجائے خود کیسے ہی لائق ہوں لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے اور اسلامی شریعت کے اسرار و محاسن سے تو قطعاً ناآشنا و بیگانہ ہیں، اسی لئے وہ اسلام کے متعلق اپنی تصنیفات میں ایسی مضحکہ انگیز غلطیاں کرتے رہتے ہیں جو کوئی باخبر شخص نہیں کر سکتا

بے شک یورپ میں مستشرقین کی ایک جماعت ہے جو مشرقی زبانوں کے سیکھنے میں (جن میں عربی بھی داخل ہے) مصروف و منہمک رہتی ہے، اور ہمیں اعتراف ہے کہ اس نے السنہ مشرقیہ خصوصاً عربی ادب و تاریخ کی بہت مفید خدمت کی ہے اور تلاش و جستجو کے بعد عربی کی بہت سی قدیم و نادر الوجود کتابیں حاصل کر کے شائع کی ہیں، یہ علمی خدمت [illegible] لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان [illegible] سے بھی پوری واقفیت ہے [illegible] اسلام کے بارہ میں اُن کی رائے کوئی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ان مستشرقین کے علاوہ آج بیروت وغیرہ میں ایسے بہت سے مسیحی فاضل موجود ہیں جو عربی علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں، اور ان کی محنت و قابلیت کا مسلمانوں کو بھی اعتراف ہے لیکن کوئی شخص بھی انہیں اسلامی تعلیم کا ماہر نہیں سمجھتا اور وہ خود بھی اس کے مدعی نہیں ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو ہمیں مستشرقین سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں، ہمارا مذہب یا کوئی علم و فن اس لئے اچھا نہیں ہے کہ کبھی کبھی اغیار بھی اُس کی تعریف کرتے ہیں، یہ ایک لغو و مشکک ذہنیت ہے جس نے ہمیں سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اور ہماری ترقی میں زبردست رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔

یہ تو علمی حیثیت سے ہماری مرعوبیت کا حال تھا دوسری چیزوں میں بھی ہمارے خیالات کی پستی بہت افسوسناک ہے اب حالات کسی قدر بدل گئے ہیں لیکن ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا جب ہم غیر ملکی مصنوعات کے برتنے پر فخر و ناز کرتے تھے اور بسا اوقات اپنے استعمال کی کوئی چیز احباب کو دکھا کر فخر و غرور سے یہ کہتے تھے کہ یہ خاص ولایت کی بنی ہوئی ہے۔ یعنی اس کی ساخت میں ہمارے کسی بدنصیب ہموطن بھائی کا ہاتھ نہیں لگا ہے۔

اسی طرح ہمارے تاجر جو پبلک کی اس فرومایہ ذہنیت سے واقف تھے، اپنے مال کے اشتہارات میں جلی عنوانوں سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ جو مال وہ فروخت کرتے ہیں وہ خدانخواستہ ہندوستان کا بنا ہوا نہیں ہے، بلکہ خاص ولایتی ساخت کا ہے۔ اشتہارات کے عنوان عموماً یہ ہوا کرتے تھے "ولایت کا تازہ مال"، "جرمنی کی کاریگری" وغیرہ غرض خریدار کی ترغیب کے لئے کسی چیز کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بیان کی جاتی تھی کہ وہ دیسی ساخت کی نہیں ہے بلکہ باہر سے آئی ہے، اس ذہنیت کی بدولت ہندوستان کی صنعت و حرفت کو ایسا نقصان پہنچا جس کی تلافی ابھی مدت دراز تک نہ ہو سکے گی۔

ریل ... آنچہ از نظر گزرد
... ای عمرنے کو دیگر گزرد

سودیشی ریل

کون ہے جس نے ریل نہ دیکھی ہو۔ لیکن یہاں کی ریلیں اپنی مثال آپ ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بیس بائیس ہزار مربع میل کے اس وسیع وعریض علاقے میں صرف چھوٹی لائن کا سکہ چلتا ہے۔ بڑی لائن کہیں ہوا کے لئے بھی میسر نہیں آسکتی ــــ اس طرح غائب ہے جیسے عاشق کے دل سے صبر یا مچھلی کے پیٹ سے پانی۔ لیکن اس سے زیادہ مزے کی چیز یہ ہے کہ اس علاقے کی ریل کو انگریزی سرکار سے دور کا واسطہ بھی نہیں ملکیت سے لیکر انتظام و انصرام تک سب کا انحصار ریاستوں پر ہے۔ ہر ریاست اپنے علاقہ میں اپنی ریل چلاتی ہے انجن پر اسی ریاست کا نام کندہ ہوتا ہے۔ ڈبوں پر بھی اسی کے نام کی نمائش ہوتی ہے اور انجن ڈرائیور سے لیکر گیٹ کیپر تک سب ریاست ہی کے نمکخوار ہوتے ہیں آپ کہیں گے کہ یہ چیز تو ریاست حیدرآباد میں بھی ہے جہاں نظام اسٹیٹ ریلوے کا دور دورہ ہے لیکن غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ حیدرآباد اور کاٹھیاواڑ میں بہت فرق ہے ــــ گرچہ ہاشمد نوشتن شیر شیر ــــ جس طرح کاٹھیاواڑ کی سرزمین حیدرآباد کے مقابلہ میں ایک تہائی سے بھی کم ہونے کے باوجود کئی درجن خودمختار حکومتوں کا "پرچم آزادی" لہراتی ہے، اسی طرح "اقلیم ریل رانی" میں بھی یہاں چند در چند ریاستوں کا سکہ چلتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کو یہیں کا سفر کرنا ہے تو کم از کم چار پانچ مختلف حکومتوں کی عملداری سے گزرنا ہوگا۔ ہر قلمرو کی سرحد جب ختم ہوگی تو انجن بدل جائے گا، ڈرائیور صاحب سلام کرکے رخصت ہو جائیں گے گارڈ صاحب حسرت سے کھڑے تکا کریں گے، ریلوے کے دوسرے ملازم بھی الوداع کہیں گے اور اب ایک نیا عملہ نظر آئے گا۔ ریلوے ملازموں کے لباس میں عموماً برٹش انڈیا کی نقل کی گئی ہے لیکن وردی یا بالفاظ صحیح تر "سرپوش" کے باب میں ہر ریاست نے مستقل وجود کے جوہر دکھانا ضروری سمجھا ہے چند گھنٹے کے سفر میں آپ کو نہ جانے کتنی پگڑیاں اور ... نظر آئیں گا۔ کہیں پیلی، کہیں نیلی، کہیں ... کہیں لمبی، کہیں تپلی ــــ معلوم ہوا کہ یہی سرپوش ان ملازموں کی پہچان ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس درگاہ کے نمکخوار ہیں۔

ان ریاستوں میں قدیم زمانہ سے چشمکیں چلی آرہی ہیں اگرچہ سرکار انگریزی کے عمل و دخل کے بعد سے چشمکیں ایک حد پر آکر رک گئی ہیں مگر پھر بھی ہر ریاست کے قدیم نمکخوار جب موقعہ پاتے ہیں اپنی "وفاداری" کے جوہر دکھانے سے نہیں چوکتے۔ چنانچہ پولیٹکل ایجنٹ صاحب بہادر کی "عدالت ناز" میں آئے دن ان ہمسایوں کی باہمی رقابتوں کے مقدمات دائر رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے یہ علاقہ میرا ہے جو فلاں بے ادب نے دبا لیا ہے کسی کا دعویٰ ہے کہ فلاں آمدنی پر میرا تصرف ہونا چاہئے گر "چیز" جو ماں سے چلی جاتی ہے" اور انگریز بحث کا وقت اپنے وطن سے دور رہنے کے باوجود ان دلچسپیوں میں اچھا کٹتا رہتا ہے۔ ان چشمکوں کا نظارہ ریلوے میں بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً اگر حاکم صاحب کا اسٹیشن ہے تو مجال نہیں کہ پوربندر والا انجن وہاں کے پانی کے دو قطرے بھی اپنے ذخیرہ میں بھر سکے چاہے تڑپ تڑپ کے مرجائے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ریلیں صحیح معنی میں سودیشی ہیں ہمارے ادیب ظریف شوکت تھانوی نے سودیشی ریل کا خاکہ اڑانے میں حد کر دی ہے جس سے ہمیں اتفاق نہیں اور اپنی قومی تضحیک سے اتفاق ہو بھی کیسے سکتا ہے!! مگر اس علاقہ کی ریلوں میں بعض دلچسپیاں ایسی دیکھنے میں آئیں کہ بے ساختہ "شوکت کی ریل" یاد آگئی ــــ ایک بار ایک معمولی اسٹیشن پر گاڑی بہت دیر تک کھڑی رہی۔ حالانکہ پروگرام کے لحاظ سے اسے زیادہ نہ ٹھہرنا چاہئے تھا۔ پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ جس ریاست کی ریل ہے اس کے صرف سپرنٹنڈنٹ پولیس صاحب غسل فرما رہے ہیں۔ پھر چائے پئیں گے اور پھر سوار ہوکر روانہ ہونگے اس واسطے گاڑی "ذرا" لیٹ کردی گئی ہے۔ یہ "ذرا" آدھ گھنٹہ سے کچھ زیادہ میں ختم ہوئی۔

قائد اعظم کا لنچ

لیکن گجراتی کے ایک موقر جریدے "وطن" کے ایڈیٹر نظام الدین صاحب نے اس سے بھی زیادہ ایک دلچسپ قصہ سنایا۔ فرمانے لگے کہ چند دن ہوئے جناح صاحب کاٹھیاواڑ کے دورے پر گئے تھے تاکہ گجراتی اخبار "وطن" کے اجراء کے لئے مسلمانوں سے کچھ چندہ جمع کرکے لائیں۔ اس سفر میں یہ نظام الدین صاحب ایک رفیق خصوصی کی حیثیت سے "قائد اعظم" کے ساتھ تھے پروگرام پہلے سے ترتیب دے لیا گیا تھا۔ ایک جگہ کی ریاست نے اس وفد کو لنچ پر مدعو کیا۔ "قائد اعظم" نے منظور کرلیا۔ مگر وہ ہندوستانی ہی کیا جو وقت کی پابندی کرسکے۔ قدرتاً لنچ میں دیر ہوگئی۔ اس دیر کی وجہ سے جناح صاحب کو کچھ زیادہ بے چینی اس وجہ سے ہوئی کہ ریل کا وقت اگر نکل گیا تو پھر گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا تھا اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ یکایک پوسٹ میں وارد ہوا اور مہاراجہ صاحب گونڈل کی طرف سے ایک تار جناح صاحب کو ملا۔ لکھا تھا۔ گھبرائیے نہیں۔ خوب اطمینان سے لنچ کھائیے گپ لگائیے اور قہقہے اڑائیے۔ میں نے محض آپ کی وجہ سے گاڑی ایک گھنٹہ لیٹ کردی ہے۔

سبحان اللہ کتنی دریا دلی ہے۔ چنانچہ جناح صاحب بڑے اطمینان سے اسٹیشن پہنچے۔ اگرچہ مہاراجہ کی اس دریا دلی کا یہ نتیجہ ہوا کہ احمدآباد میں جس جلسہ کا پروگرام رات کے دس بجے تھا، وہ آدھی رات کے بعد کہیں دو تین بجے شروع ہوسکا۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا رہا، نہ رہا

پابندی وقت کی اس "سودیشیت" کے علاوہ ماشاء اللہ ریل کے ڈبوں کی شکل و صورت کے ہر گوشہ سے بھی سودیشیت عیاں ہوتی رہتی ہے۔ صفائی کی صورت یہ ہے کہ جو مسلسل گھنٹے کے مسلسل سفر میں اس خاکسار نے تو کہیں کسی اسٹیشن پر کسی صفائی کرنے والے کو گاڑی میں آنے کی زحمت گوارا کرتے دیکھا نہیں۔ فرسٹ اور سکنڈ کلاس کے درجوں کو دیکھ کر وہی تصور آتا ہے جو لال قلعہ دہلی کے دیوان خاص کے نقش و نگار کو دیکھ کر ہوتا ہے کہ ــــ ہا! جس زمانہ میں یہ بنے ہوں گے کیسے بے نظیر ہوں گے!! اگر اکبر کے زمانہ میں ریل ہوتی تو آثار قدیمہ کے محقق شاید شبہ کرتے کہ اس لائن کے بعض درجے یقیناً اس عہد کی یادگار ہیں۔

زبان

زبان یہاں کی الف سے لیکر یے تک گجراتی ہے جس کا رسم خط بالکل دیوناگری یعنی ہندی جیسا ہوتا ہے اور ہندی ساہتیہ سمیلن کے طفیل اب الفاظ بھی روز بروز سنسکرت المعروف بہ ہندی الخواہ ہندوستانی یا شدھ ہندی کے بڑی کثرت سے داخل ہوتے چلے جارہے

ہیں اور اس کے مقابلہ میں عربی، فارسی کے "بدیسی" الفاظ کا اخراج کیا جا رہا ہے۔ یہی زبان یہاں کی زبان ہے۔ راجہ کی بھی اور پرجا کی بھی یعنی روزمرہ بول چال کی زبان بھی یہی ہے اور سرکاری و عدالتی زبان بھی یہی۔ مسلم ریاستوں میں بھی اور ہندو ریاستوں میں بھی۔ لیکن عام لوگ اردو سمجھ لیتے ہیں اور ہمارے بنگالی بھائیوں سے کہیں زیادہ اچھی بول بھی لیتے ہیں۔ لیکن دیوناگری رسم خط اور ہندی الفاظ کی تقلید کا یہ اثر ہے کہ اردو الفاظ کا تلفظ بگاڑ کر بولیں گے، مثلاً بازو کو باجو۔ ظلم کو جلم۔ زمانے کو جمانا اور خراب کو کھراب۔ لیکن بعض اردو الفاظ ایسے ہیں کہ اُن کو ایک بالکل نرالے معنی کا جامہ پہنا دیا گیا ہے ان میں سے "پرہیز" کا لفظ جو "پردے" کے معنی میں مستعمل ہے مجھے بہت پُرمذاق معلوم ہوا ــــ گھر میں پرہیز ہے مطلب یہ کہ گھر میں پردہ ہے۔

ماشاءاللہ یہ پرہیز کی بھی خوب رہی اسی طرح "مجرم" کے لئے "گنہگار" کا لفظ بھی ہمارے لئے پُرمذاق تھا جبکہ راقم الحروف کی رائے میں سرکار انگریزی کے قوانین و ضوابط کی رو سے جن لوگوں کو "مجرم" قرار دے کر سزا دی جاتی ہے ان میں سے نوّے فی صدی گناہگار تو درکنار "معصوم" سے بھی کچھ زیادہ ہوتے ہیں۔

کیا آج عید ہے؟

اب آیئے کچھ ملت "مرحومہ" کے "فرزندان توحید" کی نسبت بھی ــــ یہاں ان کی تعداد مجموعی طور پر پندرہ سولہ فی صدی کے قریب ہے گویا ہمارے یوپی کے لگ بھگ۔ لیکن حالت یہ ہے کہ ہمارے یوپی کے مسلمان اپنے ان ہم مذہبوں کے مقابلہ میں ترقی و تعلیم کے لحاظ سے گویا "انگریز" ہیں تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی حالت اس دیار کے مسلمانوں کی ایسی ہے کہ اگر مسلمانوں میں کوئی اچھوت فرقہ ہوتا تو وہ نام ان ہی پر صادق آتا الا ماشاءاللہ! چار پانچ لاکھ سے زیادہ مسلمان بستے ہیں۔ مگر تقدیر کی نیرنگی ملاحظہ ہو کہ جہاں سب سے پہلے اسلام پہنچا، مسلمان پہنچے، عرب پہنچے اور عربی پہنچی، وہاں آج عربی، فارسی یا اردو تعلیم کا کوئی قابل مدرسہ آپ کو نہ ملے گا ــــ نہ سرکاری نہ درباری، نہ چندے کا نہ عطیے کا، نہ راجا کا نہ پرجا کا۔

دینی تعلیم کا معیار صرف یہ ہے کہ نماز روزے کے ابتدائی مسائل کسی رسالے سے یاد کرا دیے جائیں اور قرآن مجید کو دیکھ کر ناظرہ پڑھا دیا جائے۔ بس اللہ اللہ خیر صلا!!

قل ہو اللہ شیخ کا وظیفہ ہوئی زاہد کی تمام!!

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مذہب کا تصور ان مسلمانوں کی نگاہ میں ہندوؤں کی اوہام پرستی یا اسرار پرستی سے ملتا جلتا ہے۔ مسجدوں سے زیادہ مقبرے اور مزار آباد ہیں نماز سے زیادہ پیر و مرشد کی نذر و نیاز پیش نظر ہے۔ جمعہ اور عیدین کے مقابلہ میں بزرگوں کے سالانہ عرس شاندار ہیں جس طرح ہندوؤں کے بت جابجا آراستہ و پیراستہ ملیں گے۔ ویسے ہی مسلمانوں کے مقبرے جگہ جگہ سجے سجائے نظر آئیں گے۔ اُدھر پجاری ہوگا، اِدھر مجاور، اُدھر سیند ور ہوگا۔ اِدھر زرق برق چادر اور صندل محرم کے تعزیوں میں رمضان کے روزوں سے زیادہ جوش و خروش دکھلایا جاتا ہے اور تعزیہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا مانگنے کو لیلۃ القدر سے زیادہ قبولیت سے قریب تر سمجھا جاتا ہے ــــ چھوٹے بڑے سب اسی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ گریجویٹ بہت ہیں۔ مگر مذہب کے باب میں ان کی معلومات بھی عرس، مزار اور تعزیے سے آگے نہیں جاتیں ــــ اور کیوں نہ ہو۔ جو علاقہ اردو سے ناواقف ہونے کی وجہ سے، ہندوستان کے مسلمانوں سے بالکل کٹا ہوا ہو اور اس کے بجائے ہندی اور سنسکرت سے قریب تر ہو اس کا یہی حشر ہونا بھی چاہیئے۔ دینیات کی تعلیم کا کوئی باقاعدہ انتظام ہوتا تو یہ حالت نہ ہوتی مگر اب تو نقشہ وہی ہونا چاہیئے جو نظر آتا ہے۔ ایک صاحب نے تو یہ عجیب بات سنائی کہ جو مسلمان گاؤں میں رہتے ہیں وہ نماز پڑھنا اور روزے رکھنا تو درکنار یہ بھی نہیں جانتے کہ عید کسے کہتے ہیں بقرعید کیا ہوتی ہے اور شب برات کس چڑیا کا نام ہے چنانچہ ان صاحب نے خود اپنا یہ مشاہدہ بتلایا کہ ایک بار ٹھیک عید کے دن وہ کسی گاؤں میں پہنچ گئے۔ یہاں دو تین گھر مسلمانوں کے بھی تھے جو اپنے ہندو پڑوسیوں کے ساتھ کسی ہندو تہوار کی تیاریوں میں معروف تھے یہ ان کے پاس گئے اور پوچھا۔ جانتے ہو آج کون دن ہے؟ بولے منگل ہے۔ یہ بتاؤ آج مسلمانوں کا کیا تہوار ہے؟ بولے ہمیں نہیں معلوم۔

العظمۃ للہ!

اس واقعہ کو نقل کر دینے کے بعد مسلمانوں کی حالت کی نسبت کچھ اور کہنے کی ضرورت غالباً باقی نہیں رہتی!

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل!

یوں تو کاٹھیاواڑ میں چار پانچ اسلامی ریاستیں ہیں لیکن ان میں سب سے بڑی اور سب سے اہم ریاست جوناگڈھ ہے۔ مسلمانوں کا ذکر خیر چھڑ گیا ہے تو اس کی نسبت ہم کچھ تفصیل سے لکھ دینا چاہتے ہیں۔

جوناگڈھ

جوناگڈھ ہندوستان کی اسلامی ریاستوں میں حیدرآباد کے بعد اول درجہ کی ریاست ہے۔ رقبہ اور آبادی میں بہاولپور اور بھوپال سے قدرے چھوٹی ہے لیکن آمدنی میں زیادہ ہے۔ مسلمان اگرچہ اقلیت میں ہیں لیکن ہندوستان میں "مسلم اقلیت" کی تمام اسلامی ریاستوں سے یہاں ان کا تناسب زیادہ ہے یعنی پچیس فی صدی کے قریب مسلمان آباد ہیں۔ حالانکہ حیدرآباد میں سولہ سترہ فی صدی سے زیادہ نہیں اور بھوپال و رام پور وغیرہ میں تو اس سے بھی کم ہیں لیکن اس کے باوجود ہندوستان میں یہی ایک ایسی ریاست ہے جو اتنی بڑی اتنی قدیم اور اسلامی تاریخ و روایات سے اتنی قریب ہونے پر بھی ہندوستان کی دنیائے اسلام سے کافی دور ہے۔ یہاں کی زبان گجراتی ہے جو "سنسکرت کی بیٹی" ہونے اور دیوناگری خط کا لباس پہنے رہنے کی وجہ سے ہندو کے آثار و روایات سے جتنی قریب ہے، مسلمانوں سے اتنی ہی دور ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ صدیوں سے مسلمان فرمارواؤں کے زیر اثر ہونے اور ایک تہائی مسلم آبادی رکھنے کے باوجود اس ریاست کا جو طبقہ علم و عقل کے زیور سے آراستہ ہے (اور جسے انگریزی اصطلاح میں [illegible] کہتے ہیں) وہ زیادہ تر غیر مسلموں ہی پر مشتمل ہے حکومت کے نظم و نسق پر بھی غیر مسلم ہی چھائے ہوئے ہیں اور علمی و ادبی قیادت کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھ میں ہے حتیٰ کہ فرمانروا کے مصاحبوں، ندیموں اور درباریوں تک میں غیر مسلم عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے حالانکہ نواب صاحب موصوف بذات خود بہت پابند شریعت ہیں اور عقائد و اعمال کے لحاظ سے ایک راسخ العقیدہ مسلمان سے بھی کچھ آگے ہیں۔ ذاتی گفتگو میں عموماً گجراتی کے بجائے اردو بولتے ہیں اور اردو ادب کا ذوق بھی کافی رکھتے ہیں اور کبھی شعر بھی کہہ لیتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

... راستے کی حفاظت کا مرکز
... ستان تک جو بحری راستہ
... نہایت اہم ... مقامات ہیں جن میں سے
... جبرالٹر، نہر سویز، خلیج عقبہ، باب المندب
... عدن کو بالخصوص بے حد اہمیت حاصل ہے۔
عدن کے قدرتی استحکامات کی حقیقی حیثیت الفاظ
... نہیں ہو سکتی۔ اس کی اہمیت کا اندازہ صرف
... جا سکتا ہے۔ اختصاراً یہ سمجھ لیجئے کہ خشک ...
... ہوئے پہاڑ کا ایک ٹکڑا سمندر کا
سینہ چیر کر آگے نکل آیا ہے۔ اور اس نے جزیرہ نما
کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت
نے خود ایک نہایت مضبوط و مستحکم حصار تعمیر کر کے اسے
سمندر کے کنارے پر رکھ دیا ہے۔ تاکہ بحر قلزم کے
جنوبی دہانے یعنی باب المندب اور بحر عرب پر قاہری
و فرمانروائی کے ایک محفوظ مرکز کا کام دے سکے
اور عرب سے ہندوستان تک کے بحری راستے کی
حفاظت کرے۔

خلیج عدن میں داخل ہوں تو دائیں ہاتھ پر پہاڑ
کا ایک مضبوط اور بہت بڑا ٹیلا نظر آتا ہے جو جزیرہ
نمائے عدن کے بالکل سامنے کے حصے پر مشتمل ہے
بظاہر یہ ہر قسم کی سبزی سے خالی اور سیاہی مائل رنگ
کا پہاڑ ہے لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے نیچے
بہت سے زمین دوز اور پوشیدہ ذخائر حرب و ضرب
ہیں۔ اس کے بالمقابل اسی قسم کا ایک اور پہاڑ ہے
یہ دونوں پہاڑ خلیج عدن کے بیرونی پھاٹک کے
دو بازو ہیں۔ اس پھاٹک کے اندر آجائیں تو کچھ عمارتیں
نظر آتی ہیں لیکن یہ عمارتیں بندرگاہوں سے متعلق
ہیں۔ اصل شہر عدن جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ سے
کم از کم تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

شہر عدن

عدن کے بیرونی استحکامات کی مجمل سی کیفیت
اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اندرونی استحکامات اس
سے کم نہیں ہیں۔ اصلی شہر عدن ایک خاموش آتش
فشاں پہاڑ کے دہانے میں واقع ہے۔ اس کے بعد
... کی ضرورت نہیں رہتی کہ اس کے چاروں
طرف قدرت نے ایک نہایت اونچی اور ناقابل شکست
... دیوار کھڑی کر رکھی ہے جس میں سے آنے جانے
کے صرف تین راستے ہیں۔ یا بالفاظ صحیح تر دو تنگ
دروازے اور ایک سرنگ ہے۔ ساحل کی طرف سے
شہر میں داخل ہونے کا دروازہ بلند جبلی دیوار کو کاٹ
کر بنایا گیا ہے جس میں سے صرف دو موٹر لاریاں گزر
سکتی ہیں۔

دوسرے دروازہ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ تیسرا
راستہ پہاڑوں کے نیچے سے ہو کر باہر گیا ہے۔ اگر
دشمن شہر پر حملہ کرے تو وہ جب تک سارے پہاڑوں کو
توڑ کر فنا نہ کر دے شہر تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلا سا نہ
مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حصار کو ساز و سامان
جنگ کے ساتھ مسخر کرنا تقریباً غیر ممکن ہے۔ انگریزوں نے
حصار میں جا بجا چھوٹے چھوٹے قلعے بنا دیئے ہیں
جن میں ہر وقت سامان جنگ کا ذخیرہ موجود رہتا ہے
شہر کی عمارتیں اچھی ہیں ... ارعمدہ ہیں۔ قہوہ خانوں
کی کثرت ہے۔ البتہ پانی یہاں کمیاب ہے۔ لحج کل
لحج سے پانی لایا جاتا ہے۔

گرد و پیش کا علاقہ

عدن کے ساتھ متصل ساحلی زمین براہ راست
انگریزوں کے ماتحت ہے اس کی حد شیخ عثمان تک
ہے۔ جو عدن اور لحج کے درمیان ایک مشہور مقام
ہے۔ یہاں تک بکثرت پایا جاتا ہے۔ باقی گرد و پیش
کا علاقہ معاہدات کے ذریعہ سے یا تو انگریزوں کا
حکمبردار ہے یا وظیفہ خوار۔ اس علاقہ میں متعدد قبائل
آباد ہیں۔ ہر قبیلہ کی مستقل امارتیں ہیں۔ انگریزوں نے
ان امارتوں کے ساتھ جو معاہدے کر رکھے ہیں
ان کی رو سے ہر امیر قبیلہ کو ماہانہ وظیفہ ملتا ہے۔ غرض
یہ ایک اعلیٰ درجہ کا جنگی مقام ہے جس پر قبضہ انگریزوں
کے لئے باعث صد ہزار فخر و مباہات ہے۔ (دینی زندگی)

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس دہلی

(از سید الطاف علی صاحب بریلوی بی اے، علیگ)

یہ اجلاس ۲۳ تا ۲۶ اپریل ۱۹۴۳ء
نہایت شان و شوکت اور رنگ و احتشام کے ساتھ
منعقد ہوا اور بقول قائد اعظم محمد علی جناح لیگ
کی سی سالہ حیات میں باعتبار تعداد شرکا و خوبی
انتظام اپنی نوعیت کا بہترین اجلاس تھا۔ اس قسم
کے اجتماعات کے لئے دہلی میں سب سے اچھا مقام
جامع مسجد کے مقابل ایڈورڈ پارک ہے لیکن اس
مرتبہ یہ جگہ حاصل نہ ہو سکی اور مسلمانان ہند کا یہ عظیم
الشان قومی جلسہ اجمیری گیٹ کے قریب ایک
وسیع میدان میں ہوا۔

جناح گراؤنڈ اس میدان میں جلسوں کے لئے شاندار
پنڈال بنایا گیا تھا جس میں ایک
لاکھ نشستوں کا انتظام تھا۔ پنڈال پر شامیانے لگے
ہوئے تھے اور تعجب ہوتا تھا کہ اس قدر کثیر تعداد
میں شامیانے کس طرح دستیاب ہو گئے۔ پنڈال
کے گرد خیموں اور عارضی دوکانوں کو قائم کیا تھا
خیموں میں مختلف صوبہ واری مسلم لیگوں مجلس استقبالیہ
اور آل انڈیا مسلم لیگ کے دفاتر تھے۔ ان کے
علاوہ چھوٹی چھوٹی راؤٹیوں میں مختلف مقامات
سے آئے ہوئے نیشنل گارڈ کیمپ ڈالے ہوئے
تھے۔ خیموں اور پنڈال کے وسط میں ایک وسیع
میدان میں مسلم لیگ کا بلند و بالا جھنڈا نصب کیا گیا
تھا۔ جلسہ گاہ اور پنڈال میں اکابرین ملت کے
ناموں سے بہت سے گیٹ بنائے گئے تھے بجلی
کی روشنی کا اعلیٰ درجہ کا انتظام تھا۔ اور شب
کے وقت پوری جلسہ گاہ ایک بقعۂ نور معلوم ہوتی
تھی۔ چھڑکاؤ کے لئے پانی کا وافر انتظام تھا اور
صبح شام پانی کے چھڑکاؤ سے پورے ماحول میں
دلکش تر و تازگی کا سماں رہتا تھا۔ دور دور سے آئی
ہوئی کتابوں کی دکانوں کے علاوہ متعدد ہوٹل
اور اشیائے خوردنی و نوشیدنی کی صاف ستھری
دکانیں تھیں۔ جن میں نشستوں کا ایسا معقول انتظام
تھا کہ ہر پوزیشن کا آدمی وہاں بے تکلف بیٹھ سکتا تھا
جلسہ گاہ کے قریب ہی عربک کالج دہلی میں مہمان
ٹھہرائے گئے تھے یہاں بھی ہر قسم کا انتظام قابل
تعریف تھا جس کی تصدیق قائد اعظم محمد علی جناح
نے اپنی آخری تقریر میں یہ کہہ کر فرمائی کہ یہ پہلا اجلاس
ہے کہ جس میں مہمانوں نے مجھ سے کسی قسم کی شکایت نہیں کی

پنڈال نصف پنڈال میں کرسیوں کا انتظام تھا اور
بقیہ نصف میں فرش تھا۔ ڈائس بہت
لمبا چوڑا بنایا گیا تھا اور اس کے داہنے اور بائیں
جانب کم از کم پانچ ہزار پردہ نشین خواتین کے بیٹھنے
کا انتظام تھا۔ پردہ نشین خواتین کی جگہ ڈائس کے خط
مستقیم میں تھی جس سے وہ سامنے کے مجمع کو تو دیکھ
سکتی تھیں لیکن اس ڈائس کی کارروائی دیکھنے

میں اُن کو دقت پیش آ رہی تھی اور اس وجہ سے زنانہ درجوں میں وقتاً فوقتاً کش مکش کے آثار پیدا ہوتے تھے اگر خواتین کی نشست گاہ ہالی تسل میں واقع ہوتی تو یہ دقت نہ ہوتی۔ ڈائس پر صاحب صدر کی نشست کے پیچھے ارکان ورکنگ کمیٹی کی کرسیوں کی لائن تھی اور اُن کے پیچھے وہ حضرات تھے جنھوں نے کم از کم سو روپیہ کا ٹکٹ خریدا تھا۔ داہنی اور بائیں جانب آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ارکان کی کرسیاں تھیں جو بہت بڑی تعداد میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے آئے تھے۔ ڈائس کے سامنے سب سے پہلے کم از کم سو اخبار نویسوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی اور اُن کے بعد دس روپیہ، پانچ روپیہ، دو روپیہ، ایک روپیہ اور مفت ٹکٹ کے درجے تھے اس اجلاس میں ایک خاص بات یہ تھی کہ چار روز کی کارروائی کے اختتام یعنی ۲۶ر اور ۲۷ر اپریل کی درمیانی شب میں صبح پانچ بجے تک ٹکٹ کا برابر چیکنگ ہوتا رہا اور بلا ٹکٹ داخلہ کی کسی وقت اجازت نہ ہوئی اسی طرح ڈائس پر معزز سے معزز خواتین اور اکابر ملت کو بغیر ٹکٹ والنٹیر صاحبان بیٹھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ پنڈال کے باہر احاطہ کیمپ میں بھی ٹکٹ دکھا کر داخلہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے جلسہ گاہ میں ہڑبونگ اور فضول قسم کی بھیڑ بھاڑ نہ ہوتی تھی اور لوگوں کو سکون و اطمینان کے ساتھ آپس میں ملنے جلنے اور تبادلہ خیال کی سہولت مل جاتی تھی۔ الغرض حیثیت مجموعی آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ منتظمین نہایت سمجھدار سلیقہ شعار اور تجربہ کار تھے انھوں نے گزشتہ قومی اجتماعات کے تجربوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر اس مرتبہ حسن انتظام کی صحیح معنوں میں تکمیل کر دی ایک اور خاص بات یہ تھی کہ مقررہ پابندیوں پر عملدر آمد کرنے وقت کسی شخص کے ساتھ سخت کلامی یا بدمزگی کا اظہار نہ کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کی سیاسی بیداری کا صحیح اندازہ اس کے قومی اجتماعات سے ہوتا ہے اور مسلم لیگ کے اس اجلاس نے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا کہ مسلمانان ہند میں حقیقی سیاسی بیداری پیدا ہو گئی ہے۔

قائد اعظم کا جلوس

۲۳ر اپریل ۱۹۴۳ء کی تاریخ ملت اسلامیہ کے نشاۃ ثانیہ کی ایک یادگار تاریخ ہے اس روز دلی کے لوگوں نے عرصۂ دراز کے بعد وہ سماں اور منظر دیکھا جس کے لیے تحریک خلافت کے بعد آنکھیں ترس گئی تھیں۔ بعد نماز جمعہ قائد اعظم محمد علی جناح کا جلوس عدیم النظیر شان و شوکت کے ساتھ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر دفتر مقام دریا گنج سے اٹھا اور جامع مسجد، چاندنی چوک، فتحپوری، حوض قاضی اور اجمیری گیٹ ہوتا ہوا جلسہ گاہ میں پہنچا۔ اس پورے راستہ کو خوشنما پھاٹکوں سے سجایا گیا تھا اور سڑکوں کے ہر دو جانب بالاخانوں سے قائد اعظم کی سواری پر پھولوں کی بارش ہو رہی تھی زمین پر، دکانوں پر اور دو منزلی سہ منزلی اور چومنزلی عمارات کے چپہ چپہ پر مشتاق دید انسانوں کا سمندر ٹھاٹیں مار رہا تھا۔ عین بعد نماز جمعہ ہندوستان کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے نیشنل گارڈ اپنی رنگ برنگ کی وردی پہنے باقاعدہ مارچ کرتے ہوئے مسلم لیگ کے جھنڈوں اور بینڈ کے ساتھ آنے شروع ہوئے اور جب قریب چار بجے سہ پہر تک ان کا اجتماع دریا گنج میں مکمل ہو گیا تو جلوس روانہ ہوا جس کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے تین ہاتھی اور اس کے بعد اونٹ اس کے بعد گھوڑے پھر سائیکلیں اور اس کے بعد نیشنل گارڈ، والنٹیروں اور طالب علموں کے دستے تھے۔ سب سے آخر میں قائد اعظم کی سواری تھی۔ موصوف کو ایک لاری پر کرسیاں ڈال کر بٹھایا گیا تھا پورا جلوس کم از کم دو میل لمبا تھا عجیب قابل دید سماں تھا۔ فضائے آسمانی مسلم لیگ زندہ باد قائد اعظم زندہ باد اور نعرہ ہائے تکبیر سے گونج رہی تھی۔ خوش نما پھاٹکوں، جھنڈوں، کتبوں، پھولوں کی بارش، بینڈ اور قومی ترانوں کی گھما گھمی تھی۔ ہاتھیوں کے پیچھے اونٹوں کی قطار البتہ آنکھوں کو کھٹکی۔ عرب کو عجم کے پیچھے نہ رکھنا چاہیے تھا اسی طرح جلوس کے پیچھے پولیس کی لاریوں کا اجتماع اگرچہ انتظاماً ہی تھا ہندوستان میں مسلمانوں کی بے بسی کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ جب قائد اعظم کی سواری باد بہاری کی طرح مسجد شاہجہانی کے قریب آئی تو اس وقت عجیب پُرکیف منظر تھا۔ ایک طرف مسجد شاہی اور دوسری جانب لال قلعہ کی بلند و بالا تاریخی عمارات مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یاد تازہ کر رہی تھیں۔ تو بالمقابل حضرت سرمد علیہ الرحمۃ اور ہرے بھرے شگوفے کے مزارات کا منظر تھا دلوں میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر خلق اللہ کا ایسا ہجوم تھا کہ شاید

ضیغم اسلام کی سلامی

قائد اعظم اس مقام پر پہنچے تو تالیوں کی گونج اور اللہ اکبر کے نعروں میں جوش و خروش پہلے سے دو چند ہو گیا عین اس وقت قائد اعظم نے اپنی نشست سے کھڑے ہو کر جانب شرق نہایت عزت و احترام کے انداز میں سلام کیا اور اس سے لوگوں کو یاد آیا کہ کہیں اس تاریخی مقام پر ایک اور بزرگ ہستی محو خواب ہے یعنی ضیغم اسلام مولانا شوکت علی مرحوم یہ سلامی انہی کی ہوئی۔ دس کروڑ مسلمانان ہند کی جانب سے اُن کے قائد اعظم نے مولانا شوکت علی مرحوم کو سلام کیا۔ مولانا شوکت علی مرحوم کی عظیم الشان شخصیت جوش اسلامی۔ اور قربانیوں کو کیا فراموش کر دیا جاتا؟

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

فرزندان توحید کے دلوں کو گرماتا ہوا اور اغیار کے قلب و جگر کو برماتا ہوا جلوس آگے بڑھا۔ پورے چاندنی چوک میں لاکھوں انسانوں کا ہجوم تھا اور قطار در قطار مشتاقان جمال قائد اعظم شوق دید میں ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ دلی اور دلی والوں نے بڑے بڑے جلوس دیکھے ہیں لیکن وہ کہتے تھے کہ گزشتہ بیس سال کے عرصہ میں یہ سب سے بڑا جلوس تھا۔

مس فاطمہ جناح

مسجد فتحپوری کے صدر دروازہ سے بالکل متصل ایک عمارت کی بالائی منزل پر قائد اعظم کی ہمشیرہ محترمہ مس فاطمہ جناح۔ بیگم لیاقت علی خاں اور دوسرے حضرات کے ساتھ تشریف فرما تھیں ایک بہن اپنے بھائی کا جلوس شاہانہ دیکھنے آئی تھی جوں جوں بھائی قریب آتا جاتا تھا فرط انبساط اور جوش مسرت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ تاآنکہ جب تھوڑا فاصلہ رہ گیا تو جوش محبت نے مدہوش کر دیا عجیب دلکش اور پراثر منظر تھا جو لوگ ان بہن بھائی کی ایک دوسرے سے والہانہ محبت سے واقف ہیں وہی متذکرہ بالا کیفیت سے حقیقی معنوں میں لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں مدت العمر ہمہ وقت کے ساتھی اور غمگسار ہیں اور کوئی نہیں جان سکتا کہ قائد اعظم کی شخصیت کے بنانے میں

[illegible] اس غرض کا [illegible] اپنی زندگی کی تمام [illegible] کے آرام پر قربان [illegible] ہیں ان دونوں کا وجود [illegible] کے لئے بعض قدر قیمتی ہے احاطہ [illegible] محبت کی جب یہ منزل آتی ہے کہ من توشدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی [illegible] انسانیت کی تکمیل ہو جاتی ہے اور [illegible] تکمیل انسانیت کا مظہر قائد اعظم محمد علی جناح [illegible] کے فیض کردار سے ملت اسلامیہ آج زندگی کی بلند منزل پر تیزی کے ساتھ چڑھ رہی ہے۔

(باقی آئندہ)

مشرقی ممالک پر یورپ کا اثر

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

آج جبکہ عالمگیر جنگ کی وجہ سے بیرونی مال کی درآمد تقریباً بند ہے اور ہماری ضروریات کے سلسلہ میں اکثر چیزیں جو باہر سے آیا کرتی تھیں کمیاب بلکہ نایاب ہو چکی ہیں ہندوستان سخت تکلیف میں مبتلا ہو گیا ہے اور پورے طور پر یہ محسوس کر رہا ہے کہ اگر یہ سامان ہمارے ملک میں تیار ہوتا اور ہم اس کے لئے دوسروں کے محتاج نہ ہوتے تو یہ مصیبت پیش نہ آتی۔

ایک مدت تک جرمنی کی تجارت کو ہمارے ملک میں غلبہ حاصل رہا لیکن گزشتہ جنگ عظیم کے بعد جاپانی تجارت کو بیحد فروغ ہوا اور اس کا نایاب [illegible] سستا مال ہندوستان کے ایک ایک گوشہ میں پھیل گیا یہاں تک شہروں سے دور دراز فاصلہ پر دیہات کے جھونپڑوں میں جاپانی مصنوعات نظر آنے لگیں۔

جاپانی تجارت کی اس کامیابی کا اصلی راز [illegible] کے مال کی ارزانی تھی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جاپانی کپڑا جو کافی محصول اور مصارف [illegible] اداکرنے کے بعد ہندوستان آتا ہندوستان [illegible] کے مقابلہ میں سستا فروخت ہونے لگا گویا [illegible] بالا نشین کا مصداق تھا اس لئے ہر طبقہ [illegible] حاصل ہوئی۔

[illegible] جاپان نے جو ہمارا بدترین دشمن ہے تجارت کے ذریعہ سے کروڑوں روپیہ ہمارے ملک سے کھینچ لیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ ہماری بہت سی صنعتیں جاپانی مال کی ارزانی کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے برباد ہو گئیں۔ اور اس سے بھی افسوسناک بات یہ ہے کہ جاپان جو ہمارے ملک کا دشمن ہے اس کاروبار کی وجہ سے اس قدر دولتمند اور مضبوط ہو گیا کہ ہمارے وطن کو حریصانہ نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ لہذا بحالت موجودہ ہر ہندوستانی کا یہ فرض ہے کہ ایسی تدابیر سے جاپان کو ایسی شکست دینے کی کوشش کرے جو اس کی حرص و ہوس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دے۔

یہ حالات و واقعات جو اوپر عرض کئے گئے نہایت افسوسناک ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سے سبق حاصل کریں اور جنگ کے بعد صحیح طریقہ سے اپنے مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہو جائیں۔

اس سلسلہ میں جو چیز سب سے زیادہ لائق توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی روزمرہ کی ضروریات میں تخفیف کر کے سادہ زندگی اختیار کریں۔ ہم نے محض دوسروں کی تقلید میں خواہ مخواہ اپنی ضروریات میں اضافہ کر لیا تھا لیکن آج جنگ کی وجہ سے وہ چیزیں دستیاب نہیں ہوتیں اس لئے ہم ان کے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور ان کے بغیر زندگی بسر کر رہے ہیں، بہتر یہ ہوگا کہ ان حالات سے عبرت حاصل کر کے آئندہ ان خود ساختہ ضروریات سے ہمیشہ کے لئے خود ہی دستبردار ہو جائیں تاکہ پھر اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوں۔

دوسری چیز جو خصوصیت سے ہماری توجہ اور کوشش کی محتاج ہے یہ ہے کہ اپنی ضرورت کی چیزیں ہم خود اپنے ملک میں تیار کریں تاکہ اگر کسی موقع پر بیرونی مال کی درآمد بند ہو جائے تو ہمیں مصیبت کا سامنا نہ ہو۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ضرورت کی بعض چیزیں ہمارے ملک میں بالکل تیار نہیں ہوتیں اور عموماً باہر سے آتی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو ناکافی مقدار میں تیار ہوتی ہیں جیسے کہ کپڑا اور کاغذ وغیرہ جو باہر سے بھی کروڑوں روپیہ کا آتا تھا لیکن اب اس کے بند ہو جانے کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ کپڑے کی گرانی کی کوئی حد نہیں رہی، اور کاغذ تو تقریباً نایاب ہو چکا ہے جس کی وجہ سے بہت سے علمی و تعلیمی کام بند ہو گئے ہیں، اور پریس کے کاروبار کو ناقابل برداشت نقصان پہنچا ہے اس لئے شدید ضرورت ہے کہ

نہایت مفید اور پر معلومات کتابیں

عرب و ہند کے تعلقات — از علامہ سید سلیمان ندوی۔ اس کتاب میں بہت سے اہم تاریخی مسائل کے متعلق قدیم اور جدید مورخین کی غلطیاں بے نقاب کی گئی ہیں۔ لاجواب کتاب ہے ضخامت ۴۱۲ صفحات علاوہ ضمیمہ مجلد للعہ

تاریخ ہند کے ازمنہ وسطی میں معاشرتی و اقتصادی حالات — از مسٹر عبداللہ یوسف علی اس میں نو سو برس کے اقتصادی اور معاشرتی حالات ہندوستان کے متعلق جمع کئے گئے ہیں ضخامت اصفحہ

انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ — از مسٹر عبداللہ یوسف علی اس کتاب میں انگریزی عہد کی ترقیوں کا ذکر ہے ضخامت ۴۱۵ صفحات قیمت ... ے

معاشیات: مقصد اور منہاج — از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ایم اے پی ایچ ڈی۔ اس کتاب میں معیشت انسانی پر مختلف نقطہ ہائے نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے ضخامت ۱۱۸ صفحات قیمت عہ

طنزیات و مضحکات — از مسٹر رشید احمد صدیقی طنز کی تاریخ اور اس کے فارسی اور اردو ادب سے نمونے ضخامت ۲۲۹ صفحات قیمت ے

سلطان الہند محمد شاہ بن تغلق — از پروفیسر آغا مہدی حسین اس کتاب میں جدید مذاق کے مطابق مجتہدانہ داد تحقیق دی گئی ہے اور سلطان کی نسبت تمام غلط فہمیاں دور کی گئی ہیں۔ ضخامت ۳۴۵ صفحات سے زائد قیمت .. عہ

تاریخ فلسفۂ سیاسیات — از مسٹر محمد مجیب بی اے (آکسن) یہ سیاسیات کا تاریخی یا بیانی حصہ ہے جس میں اس کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اشتراکیت کی مبسوط قسمیں یعنی ریاستی، اشتمالی اور نواحی کا بھی واضح بیان ہے ضخامت ۴۷۰ صفحات قیمت .. للعہ

علم باغبانی — از مسٹر وصی اللہ خاں ایل اے جی ساس کتاب کے چار حصے ہیں حصہ اول میں علمی اصول مفصل لکھے گئے ہیں بقیہ تین حصوں میں تین سو پھولوں، ترکاریوں اور پھولوں کی کاشت کا بیان ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو تصاویر بھی ہیں ضخامت ۳۹۰ صفحات قیمت .. ے

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام [illegible] صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

نہایت رنج و افسوس ہے کہ ۸ و ۹ مئی کی درمیانی شب میں ڈاکٹر عبدالعزیز پوری ہیڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول نے دفعتاً انتقال کیا بیان کیا جاتا ہے کہ مرحوم نے ۸ مئی کو وقت شب ایک دعوت میں شرکت کی جہاں سے تقریباً نصف شب کو مکان واپس آئے، کچھ دیر بعد طبیعت بگڑی اور گھبراہٹ محسوس ہوئی اسی حالت میں استفراغ ہوا، اور دفعتہً انتقال ہو گیا۔

پوری صاحب مرحوم ایک لائق شخص تھے آپ مسلم یونیورسٹی کی ملازمت کے زمانہ میں تعلیم حاصل کرنے یورپ گئے اور وہاں سے واپسی کے بعد دوبارہ مسلم یونیورسٹی میں اپنے تعلیمی فرائض انجام دیتے رہے، گزشتہ سال مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول کی ہیڈ ماسٹری پر آپ کا تقرر ہوا۔

پوری صاحب مرحوم ایک باخبر شخص تھے تعلیمی مسائل سے انہیں گہری واقفیت تھی، معاملہ فہم و مصلحت اندیش تھے اور ہمیشہ مقتضائے وقت کے مطابق کام کرتے تھے، قومی جلسوں اور تعلیمی کانفرنسوں میں شوق سے شریک ہوتے اور [illegible] مسائل پر [illegible] لیتے تھے، تقریر نہایت بلند آہنگی سے کرتے تھے اور ان کا انداز خطابت حاضرین کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا تھا، ہماری دعا ہے کہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا کرے۔

موجودہ جنگ میں وہی حکومت فتح حاصل کر سکتی ہے جس کے وسائل و ذرائع وسیع ہوں اور مالی حالت ایسی ہو کہ آخر تک جنگ جاری رکھ سکے۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ ہندوستان کے والیان ریاست اور دوسرے دولتمند اصحاب نے یہ نکتہ سمجھ لیا ہے اور وہ باوجود ناسازگار حالات اپنی ضرورتوں کو محدود کر کے جنگ کے سلسلہ میں مالی و فوجی امداد دے رہے ہیں، چنانچہ ہمارے صوبہ میں حکومت رامپور کی خدمات ہر اعتبار سے قابل تحسین و لائق تقلید ہیں۔ رامپور نے مختلف اوقات میں حکومت کو جو امداد دی ہے وہ درحقیقت خود اپنے وطن یعنی ہندوستان کی ایک بہت بڑی خدمت ہے، اس وقت جنگ کے سلسلہ میں جو امداد بھی دی جاتی ہے وہ گویا دشمن کے لئے ایک ضرب کاری [illegible]

گزشتہ اپریل میں [illegible] رامپور تشریف لے گئے [illegible] نواب صاحب [illegible] بالقابہ کے [illegible] کا شکریہ ادا [illegible] [illegible] ہز ایکسیلنسی نے اپنی تقریر [illegible] ہز ہائینس کے درمیان بہت خوشگوار تعلقات قائم ہیں۔ اور اس کے علاوہ میرے اور ریاست کے افسروں کے بھی بہت اچھے مراسم ہیں، ان خوشگوار تعلقات کا نتیجہ ہے کہ ہم مساعی جنگ میں مکمل تعاون کر رہے ہیں [illegible] ہمیشہ برقرار رہے گا۔

اس کے بعد ہز ایکسیلنسی نے رامپور [illegible] کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ رامپور میں جو کچھ [illegible] گزشتہ [illegible] اندر دیکھا ہے اس سے مجھے یقین ہے [illegible] کے بعد سپاہیوں کی رہائش کیلئے جو اسکیم مرتب کی [illegible] اس میں ریاست کے [illegible] تعاون کی کافی [illegible] کیونکہ [illegible] سپاہیوں کی رہائش [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ مئی ۱۹۶۴ء

ترقی یافتہ قوموں کا اثر کمزور قوموں پر

یورپ کی تہذیب و معاشرت اور خیالات و افکار سے مشرقی قومیں جس قدر اثر پذیر ہوئی ہیں پچھلے مضمون میں ہم اس کی تفصیل عرض کر چکے ہیں مغربی تہذیب و خیالات کی یہ مقبولیت اس بنا پر ہے کہ موجودہ زمانہ میں یورپ کو تقریباً ساری دنیا پر ایک زبردست اقتدار حاصل ہے اور مشرقی ممالک کا ایک بڑا حصہ یا تو براہ راست اس کے دائرۂ حکومت میں داخل ہے یا اس حد تک زیر اثر ہے جو عملاً محکومیت کے برابر ہے۔

حکومت کی وجہ سے یورپ کو اپنے مقبوضہ ممالک کے سارے ذرائع و وسائل آمدنی پر اختیار حاصل ہے اور وہ ان ذرائع سے فائدہ اٹھا کر اس قدر دولتمند ہو گیا ہے جو ہمارے اندازہ و قیاس سے بھی زیادہ ہے اس بے پایاں دولت کی وجہ سے یورپ کی قوت و طاقت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ وہ جب چاہے ساری دنیا کے تجارتی کاروبار اور اقتصادی حالت میں زبردست انقلاب پیدا کر کے ہر قوم کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

اس اقتدار کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی ہے اور اس کی برتری کا اعتراف اور تقلید [illegible] اور یہ کوئی عجیب و غیر معمولی بات نہیں، جو قوم بھی حکومت و اقتدار کے اعتبار سے اس درجہ پر پہنچ جائے کمزور قومیں ہر چیز خصوصاً امور معاشرت میں اس کی کورانہ تقلید و پیروی کرنے لگتی ہیں

اس زمانہ میں چونکہ یہ اقتدار یورپ کو حاصل ہے اس لئے مختلف مشرقی قومیں بے اختیارانہ طور پر اس کی طرف کھنچ رہی ہیں، بلکہ اس حد تک مسحور ہو چکی ہیں کہ یورپ کی تہذیب و معاشرت کے مقابلہ میں اپنی تہذیب رسم و رواج اور قومی روایات کی اب ان کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اسی کا نام ذہنی غلامی ہے جو جسمانی غلامی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ یہ قوموں کی مستقل ہستی کو فنا کر دیتی ہے۔

جب مسلمانوں کے عروج و اقبال کا زمانہ تھا اور وہ بحر و بر پر حکومت کرتے تھے تو کمزور اور محکوم قومیں اسی طرح ان کی تقلید و پیروی بھی کرتی تھیں اور حاکمانہ اقتدار کی وجہ سے مسلمانوں کی ہر چیز عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی گئے وہاں خود بخود ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ حالانکہ اسلام نے کسی قوم کو اس پر مجبور نہیں کیا کہ وہ اپنی زبان یا علوم چھوڑ کر مسلمانوں کی زبان اور علوم سیکھیں، یا تہذیب و معاشرت میں ان کی پیروی کریں۔

مشرقی قوموں کو مذہب سب سے زیادہ عزیز ہے اور اپنی قومی روایات اور دیرینہ رسوم و آداب کا احترام ہمیشہ سے ان کے دلوں میں راسخ ہے لیکن اپنے زمانہ آغاز و عروج میں اسلام کی عظمت و جاذبیت کی یہ حالت تھی کہ بہت سی قدامت پسند اور راسخ العقیدہ قوموں کے خیالات میں اس قدر انقلاب واقع ہوا کہ وہ اپنے مذہب اور مخصوص تہذیب و تمدن سے دستبردار ہو کر اس طرح مسلمانوں میں گھل مل گئیں کہ کوئی بھی انہیں اجنبی محسوس نہیں کرتا تھا۔

کچھ قومیں ایسی بھی تھیں جنھوں نے اگرچہ اپنا مذہب ترک نہیں کیا لیکن اپنے حکمران مسلمانوں کی زبان سیکھنے اور ان کا تمدن اختیار کرنے میں انھوں نے بھی کوئی تکلف نہیں کیا بلکہ ہر اعتبار سے مسلمانوں کی ہم رنگی اختیار کرنے کی کوشش کی۔ اور اسلامی حکومت میں رسوخ و اعتماد حاصل کیا۔

مسلمانوں کی محکوم قوموں کے علاوہ دوسری قومیں بھی مسلمانوں کی تہذیب، علوم اور آئین و قوانین سلطنت کی برتری سے متاثر ہو کر اسلامی ممالک میں آئین اور مسلمانوں کی تہذیب و آداب اور طرز حکومت کا مطالعہ کر کے اس کو سمجھنے کی کوشش کی، بلکہ مسلمانوں کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کر کے ان سے مختلف علوم حاصل کئے۔ ان مستفید ہونے والوں میں یورپ کے لوگ بھی شامل تھے جن کے عروج و اقبال کا ابھی آغاز نہیں ہوا تھا ان لوگوں نے مسلمانوں سے بہت کچھ سیکھا اور مسلمانوں نے بھی بے تامل سکھایا کیونکہ علم و ہنر کے معاملہ میں وہ بخیل و تنگدل نہ تھے اس لئے کوئی علم و فن بھی ان کے یہاں راز نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر کس و ناکس مسلم و غیر مسلم ان کے سرچشمۂ علم سے بے دریغ سیراب ہوا،

یہ مسلمان فاتحین و حکمران جن سے غیر مسلم قومیں اثر پذیر ہوئیں دو قسم کے تھے ایک تو وہ عرب جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا اور جنھوں نے براہ راست شمع رسالت سے روشنی حاصل کی، دوسرے وہ عجمی قومیں جو اسلام قبول کرنے کے بعد حکمران ہوئیں اور انھوں نے مذہب اور علم و ہنر کی لائق ستائش خدمات انجام دیں۔

اثر اندازی کے لحاظ سے عرب فاتحین اور حکمرانوں کا درجہ بہت بلند تھا وہ جہاں گئے انھوں نے اسلام کی بلند پایہ اخلاقی تعلیم اور عدل و مساوات کا بہترین نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا، اور لوگ ان کی سیرت کی خوبیوں کو دیکھ کر گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو ملک عرب فاتحین کے قبضہ میں آیا اس کا مذہب، تہذیب، زبان، علوم اور آئین معاشرت و حکومت سب بدل گئے اور تھوڑی سی مدت میں وہ ایک خالص اسلامی ملک بن گیا جیسے مصر و عراق عرب وغیرہ۔

کوئی شخص بھی یہ ثابت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ انقلاب جبریہ طور پر عمل میں آیا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ سارا انقلاب رضاکارانہ طور پر اور غیر محسوس طریقہ سے ہوا۔ اور اسی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک مبارک انقلاب تھا جو خصوصیت سے ان کمزور و نا تربیت قوموں کے لئے مفید ثابت ہوا جو مدت سے پستی کی حالت میں مبتلا تھیں۔

عرب کے بعد جب عجمی فاتحین جو جدید الاسلام

تھے اسلام کے علمبردار ہوئے اور اُن کی فاتحانہ جو صلہ مندی سے ست سے مشرقی ممالک تسخیر ہو گئے بلکہ اُن کا پرچم اقبال مغرب تک پہنچ گیا اور جب بعض مشہور معرکوں میں یورپ کے بڑے بڑے تیرہ آزما اور سورما اُن کے سامنے سرنگوں ہوئے تو تقریباً ساری دنیا مسلمانوں کی اس فاتحانہ اولوالعزمی سے حیرت زدہ رہ گئی۔ اور قدرتی طور پر غیر مسلم قوموں کو مسلمانوں کی زبان، تہذیب اور علوم و فنون سیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔

اس دور اقبالمندی میں مسلمانوں کی وہی حیثیت تھی جو آج یورپ کو حاصل ہے یعنی اُن کی ہر چیز اور ہر ادا عزت و عظمت کی نظر سے دیکھی جاتی اور عوام و خواص ہر معاملہ میں اُن کی تقلید و پیروی کی کوشش کرتے تھے۔ مکانات اسلامی طرز کے بنائے جاتے اور مسلمانوں کی مصنوعات سے سجائے جاتے تھے غرض کہ ہر بات میں مسلمانوں کی پیروی کی جاتی تھی اور اُن کے علم و ادب میں کمال حاصل کرنا باعث افتخار سمجھا جاتا تھا۔

عرض مسلمان بالخصوص حکمران خواہ وہ عرب ہوں یا اہل عجم دنیا کی غیر مسلم قومیں دونوں سے اثر پذیر ہوئیں اور انھوں نے تقریباً ہر شعبہ حیات میں مسلمانوں کی پیروی کی کوشش کی، لیکن امتداد زمانہ اور مختلف وجوہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں دورِ خلافت اور اہل عرب کے اقتدار کے بعد عجمی حکمرانوں میں ایک نمایاں فرق پیدا ہو گیا تھا یعنی عجمی بادشاہوں کے زمانہ میں اسلام کی وہ سادگی باقی نہیں رہی تھی، ظاہری شان و شوکت بڑھ گئی تھی، نیز اُن میں عموماً اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے کوئی خاص جذبہ نہ تھا، تاہم اسلام کے بنیادی قوانین و احکام موجود تھے۔ علم و ہنر کا چرچا تھا اور امراء و سلاطین کی محفلوں اور درباروں میں بلا امتیاز مذہب و قومیت ارباب کمال کی قدر کی جاتی تھی، تاہم یہ سلاطین اسلامی تہذیب کا وہ اثر لوگوں کے دلوں پر قائم نہ کر سکے جو اوائل اسلام کے مسلمانوں نے قائم کیا تھا۔

ان مختصر اشارات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہر دورِ اقتدار میں دوسری قومیں ان سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئیں، یہاں تک کہ بعض قوموں نے اپنا مذہب، تہذیب اور زبان، غرض ہر چیز اسلام پر قربان کر دی اور جو قومیں اس حد تک نہ جا سکیں وہ بھی غیر معمولی طور پر متاثر ہوئیں۔ اگر غیر قوموں کی اس اثر پذیری کے تاریخی واقعات بتفصیل بیان کئے جائیں تو یہ نظر آئے گا کہ ان قوموں کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جہاں اسلام کا اثر نہ پہنچا ہو۔ لیکن یہ داستان اس عہد ماضی کی ہے جب مسلمانوں کا ستارہ اقبال مہر نیمروز کی طرح تاباں و درخشاں تھا۔

اس دورِ کمال کے بعد جب مسلمانوں کا زوال شروع ہوا، اور ان کی حکومت اور دولت و حشمت بظاہر ہمیشہ کے لئے رخصت ہوئی تو آج یہ حالت ہے کہ ہر وہ دنیا جو کل تک مسلمانوں کی غلامی پر فخر کرتا اور اُن کے اشارۂ ابرو پر رقص کرتا تھا بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا ہے اور خود اسلام اور مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز کر رہا ہے اغیار کا تو کیا ذکر ہے خود مسلمانوں کی خودداری اور حمیت اسلامی اس حد تک مُردہ ہو چکی ہے کہ وہ اپنے آپ کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگے ہیں اور جذبۂ ایمانی کی یہ کیفیت ہے کہ اسلام کے کسی پیام پر تو نہیں لیکن اغیار کی ہر صدائے بے ہنگام پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

ان حالات کے تذکرہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دنیا کی کمزور قومیں اگر آج یورپ کی گرویدہ ہیں اور اُس کی تقلید و پیروی پر فخر کرتی ہیں تو یہ کوئی انوکھی اور غیر معمولی بات نہیں، جب مسلمانوں کی اقبالمندی کا دور تھا اور انہیں سطوت و قوت حاصل تھی تو دنیا کی بڑی بڑی قومیں اسی طرح مسلمانوں کی پیروی پر فخر کرتی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اُن کی تقلید و نقالی کی کوشش کرتی تھیں۔ حکومت و اقتدار ایسی چیزیں ہیں کہ جب یہ یاوری بخت سے کسی قوم کو حاصل ہو جاتی ہیں تو کمزور قومیں خواہ مخواہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتی ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خود ان حکمران اور با اقتدار قوموں کا رویّہ ان کمزور و مغلوب قوموں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ تاریخ نے اس کی مختلف مثالیں ہمارے سامنے پیش کی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جو حکمران قومیں یہ سمجھتی ہیں کہ "حکومت" ہمارے ہاتھ ایک امانت الٰہی ہے اور اس لئے دی گئی ہے کہ اس امانت کے ذریعے سے ہم دنیا میں عدل و انصاف کریں اور مظلوموں کی مدد کو ظالموں کے پنجۂ ستم سے بچائیں، ضرورتمندوں کی امداد و دستگیری کریں اور جو پستی میں جا رہے ہیں انہیں ابھاریں، تو یہ حکومت دنیا کے لئے ایک رحمت بن جاتی ہے۔ ملک میں امن و عافیت کا دور ہوتا ہے اور ہر کمزور سے کمزور اور ناتواں انسان کو یہ اطمینان خاطر میسر ہوتا ہے کہ اس کی جان و مال محفوظ ہے اور اس عدل پرور حکومت میں کوئی شخص اس کی حق تلفی نہیں کر سکتا۔ اس لئے امت کے دل میں حکومت کے ساتھ ایک جذبۂ وفاداری پیدا ہو جاتا ہے اور بر وقت ضرورت ہر قربانی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جس ملک کے عوام میں یہ جذبۂ وفاداری ہو وہ حکومت مضبوط و مستحکم ہوتی ہے، کیونکہ حکومت کو ملک کا پورا اعتماد حاصل ہوتا ہے، اور ملک حکومت کی نیک دلی پر اعتماد کرتا ہے، یہ باہمی اعتماد اور اتحاد عمل حکومت کی بنیادیں مضبوط کر دیتا اور اس کی عمر بڑھا دیتا ہے۔ اسلام نے اپنے متبعین کو اسی طرز حکومت کی تعلیم دی تھی، اور یہ حقیقت اُن کے ذہن نشین کر دی تھی کہ یہ حکومت انہیں اس لئے سپرد کی گئی ہے کہ وہ دنیا میں عدل و انصاف کریں اور خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچائیں۔

اس کے خلاف بعض حکومتوں کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ وہ حکومت کے ذریعے سے ہر قسم کی منفعت و اقتدار صرف حکمراں طبقہ کے لئے حاصل کریں اور اس سے اپنی شان و شوکت بڑھائیں اور آرام و آسائش سے زندگی بسر کریں، ایسے ملک میں دولتمندوں اور سرمایہ داروں کو زبردست اقتدار حاصل ہوتا ہے جو عوام کی محنت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اُن کا خون چوس چوس کر دولتمند ہو جاتے ہیں، جب عوام ان ناقابل برداشت مصائب سے تنگ آ جاتے ہیں، اور اُن کا اعتماد حکومت پر سے اٹھ جاتا ہے تو ملک میں انقلاب برپا ہوتا ہے، اور یہ سرمایہ پرست حکومت فنا ہو جاتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کی حکومت اول اول [illegible] کی حکومت تھی جس میں غریب و امیر سب کے لئے یکساں [illegible] تھے اور قوم کے ہر فرد کو اپنی محنت سے براہ راست فائدہ اٹھانے کا حق حاصل تھا، غیر مسلم رعایا کے لئے مذہبی آزادی [illegible] خاص حقوق مقرر کر دئے گئے تھے [illegible] شخص کو بھی تعرض یا دست اندازی کا حق [illegible]

[illegible] ہی"

[illegible] صاحب [illegible] بی اے (علیگ)

[illegible] کیمپ میں پہنچ گیا اور وہاں [illegible] ہلالی جھنڈے کی پرچم کشائی کی رسم [illegible] دس ہزار آدمی قائد اعظم کے [illegible] زمین پر بیٹھ گئے۔ اور اپنے ہنگامی مناسب [illegible] تقریر کو سنا۔ پرچم اسلام جب زمین سے بہت بلند۔ اس قدر بلند جتنی کہ آج کل مسلمانوں کی ہمت بلند ہے فضا میں لہرایا گیا تو دل سے یہ آواز نکلی۔

ہمت بلند دار کہ نزدِ خدا و خلق
باشد بہ قدرِ ہمتِ تو اعتبارِ تو

مسلمانوں کا جوش اسلامی ظاہر کر رہا تھا کہ یہ جھنڈا زمین پر نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر نصب ہو چکا ہے اور وہ اُسے اب کسی قیمت پر سرنگوں نہ ہونے دینگے۔

پہلا اجلاس عام

دوسرے روز ۲۴۔ اپریل ۱۹۴۳ء کو صبح دس بجے پہلا اجلاس عام شروع ہوا۔ کارروائی جلسہ کا آغاز ہونے سے پہلے پہلے قریب قریب تمام نشستیں پُر ہو چکی تھیں ڈائس کے اوپر اور ڈائس کے پیچھے پنڈال میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ارکان سے لیکر دفتر کے کلرکوں اور فیکٹری کے مزدوروں تک کا نمائندہ اجتماع تھا۔ اسی طرح پریس گیلری میں امریکن اور چینی اخبار نویسوں سے لیکر معمولی ہفتہ وار اخباروں تک کے نمائندے موجود تھے قریب گیارہ بجے قائد اعظم تشریف لائے۔ پُرجوش خیر مقدم ہوا۔ ایسا پُرجوش کہ اُس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ تھوڑی دیر میں مسٹر حسین ملک صدر استقبالیہ نے اپنا خطبہ پڑھا۔ افسوس ہے اردو الفاظ کے [illegible] کی بکثرت غلطیوں کی وجہ سے مجمع نے اُسے [illegible] دلچسپی کے ساتھ نہ سنا۔ لیکن ملک صاحب [illegible] انتظامات جلسہ کا چونکہ ہر شخص کو اعتراف [illegible] اُن کی تقریر صبر کے ساتھ سنی گئی۔ [illegible] استقبالیہ کے بعد قائد اعظم کرسی [illegible] پر رونق افروز ہوئے اور [illegible] ارشاد فرمایا جس کی

اس وقت دنیائے سیاست میں دھوم ہے مسلمانوں کے اس بوڑھے اور ضعیف قائد نے مسلسل تین گھنٹے اپنی پُراثر تقریر کو جاری رکھا شروع سے لیکر آخر تک آواز اور خیالات زور کی آمد میں ذرہ برابر کمزوری نہ پیدا ہوئی فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے۔ اور تدبر و دانائی کا دلوں پر ہمیشہ قائم رہنے والا اثر مرتسم کر دیا۔ اپنے مخصوص انداز میں مولوی فضل حق سابق وزیر بنگال کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اپنی موجودہ سیاسی پالیسی پر ایک تاریخی بیان دیا۔ دادا بھائی نیرو جی اور مسٹر گوکھلے آنجہانی سے سند استفادہ کا ذکر کرتے ہوئے ۱۹۱۶ء تک انڈین نیشنل کانگریس سے اپنی وابستگی اور خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی مسٹر گاندھی کے اثر و نفوذ کے باعث کانگریس سے علحدگی کے اسباب بعلل سے بحث کی اور بتایا کہ جب مذہب کو سیاسی نصب العین بنا لیا گیا اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ مسٹر گاندھی ہندوستان میں رام راج قائم کر کے مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے زیر نگیں رکھنا چاہتے ہیں تو مجھکو مجبوراً اپنی راہ عمل بدلنی پڑی۔ نہ صرف مجھکو بلکہ چند سال بعد مولانا محمد علی مرحوم بھی علحدہ ہو گئے۔ میری بابت کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ میں جیل جانا نہیں چاہتا تھا اس لئے کانگریس سے علحدہ ہو گیا لیکن مولانا محمد علی نے تو کانگریس جیل کاٹی اور کسی سے کچھ کم قربانیاں نہیں دیں لیکن وہ بھی آخر میں بددل ہو گئے اور انھوں نے کانگریس اور ہندو قوم کی ذہنیت کے خلاف ایسے ہی خیالات کا اظہار شروع کر دیا جیسے خیالات کا اظہار آج میری جانب سے ہو رہا ہے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک کے ہندو مسلم فسادات نہرو رپورٹ۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور ۱۹۳۵ء کی اصلاحات نیز مابعد کی کانگریسی حکومتوں کی بے راہ روی پر سیر حاصل روشنی ڈالی اور موقع بموقع اہم اقتباسات پڑھ کر سنائے۔ کانگریس کی غلطیوں پر تبصرہ کرنے کے بعد قائد اعظم نے برٹش گورنمنٹ کی آزادی ہند کے مسئلہ میں لاپرواہی اور بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ بے اعتنائی پر بحث کی اور متنبہ کیا کہ ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے اگر جلد از جلد تلافی مافات نہ کی گئی تو مسلم لیگ ایک ایسا قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائے گی جو گورنمنٹ کے لئے باعث تکلیف ہوگا آخر میں قائد اعظم نے مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مؤثر انداز میں

بیان کیا اور ان صوبوں کی وزارتوں نیز سرمایہ دار طبقہ کو آگاہ کیا کہ اگر وہ ملت کے نئے رجحان اور نصب العین سے اپنی روش کو ہم آہنگ نہ کریں گے تو ان کو نقصان پہنچ جائے گا۔ قائد اعظم نے بتایا کہ اپنے موجودہ حالات اور ضعیفی کے زمانہ میں جب کہ مجکو آرام کرنے کی ضرورت ہے میں یہ ساری تکلیف طبقۂ امراء کی فلاح و بہبود کے لئے نہیں اُٹھا رہا ہوں پاکستان میں صحیح قسم کی جمہوریت ہوگی اور اُس کی حکومت عوام اور غریبوں کی حکومت ہوگی۔

خطبہ کی خصوصیات } قائد اعظم کا یہ معرکۃ الآراء خطبہ صدارت جو موصوف نے زبانی بزبان انگریزی ارشاد فرمایا اس کا ضروری خلاصہ ۲۵۔ اپریل ۱۹۴۳ء کے انگریزی اخبارات میں شائع ہو چکا ہے مفصل تین گھنٹے کی تقریر بھی ۳ مئی کے اخبار "ڈان" میں شائع ہو چکی ہے۔ اس تقریر میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ پانچ چیزیں خصوصیت کے ساتھ نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح اور مسلم لیگ پر فرقہ پرستی اور آزادی وطن کی مخالفت کا الزام تھا اس الزام کی تقریر کے اُس حصہ سے پوری پوری تردید ہو گئی جو تاریخی پس منظر پر مشتمل ہے۔

۲۔ مسلم لیگ کی آواز حکومت برطانیہ کے خلاف کمزور نظر آتی تھی اس مرتبہ اُس میں سخت طاقت اور شدت نظر آ رہی ہے

۳۔ ہندو اکثریت کی جانب صاف اور صریح الفاظ میں اور غیر مبہم طریقہ پر مصالحت کا ہاتھ بڑھایا گیا ہے۔

۴۔ مسلم لیگ صرف خطاب یافتوں اور سرمایہ داروں کی جماعت نہیں ہے بلکہ وہ متوسط الحال تعلیم یافتہ مسلمانوں اور غریبوں کی اس وقت سب سے بڑی نمائندہ مسلم جماعت ہے۔

۵۔ قائد اعظم محمد علی جناح اس لئے کہ اُن سے زیادہ معتمر، تجربہ کار اور قابل کوئی دوسرا رہنما مسلمانوں میں موجود نہیں ہے ایک قانون داں، مدبر۔ اور معتدل پالیسی والے لیڈر کی حیثیت سے بہت کافی آگے بڑھ کر ایک دردمند محب وطن کی حیثیت سے اس وقت دنیائے سیاست پر ضوفگن ہیں۔ اُن کی اس آخر الذکر حیثیت میں ابکمل پختگی اور ایثار کا جذبہ

نمایاں ہے۔ اور یہ مسلمانوں کی اس گئے گزرے زمانہ میں جبکہ مخلص بہادر اور قابل رہنماؤں کا قحط الرجال ہے سب سے بڑی خوش نصیبی ہے۔

دوسرا اجلاس

مسلم لیگ کے اجلاسوں میں یہ بات بہت پسندیدہ تھی کہ ایک جلسہ کے بعد دوسرے جلسے میں وقفہ کافی ملتا تھا۔ اور اس فرصت میں لوگوں کو آرام کرنے، مسائل ملی پر غور و فکر کرنے، دلی کی سیر کرنے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے جلسے کرنے کا کافی وقت مل جاتا تھا۔ چنانچہ پہلے اجلاس عام کے بعد دوسرا جلسہ ۲۵۔ اپریل کو رات کے دس بجے منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں بھی کافی رونق اور مجمع تھا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد چند نظمیں ہوئیں۔ انور قریشی صاحب کی نظمیں مسلم لیگ کے اجلاسوں میں خصوصیت کے ساتھ بہت مقبول ہوتی ہیں۔ اس موقع پر قائد اعظم کی شان میں جو نظم پڑھی اس کے چند شعر مندرجہ ذیل ہیں:۔

اثر ہے یہ آتش بیانی کا اس کی
کہ منہ کانگرس کا دھواں ہو رہا ہے
یہ پیری میں چہرہ کی رونق تو دیکھو
مرا پیر پھر نوجوان ہو رہا ہے
سلامت رہے قائد اعظم اپنا
وظیفہ یہ ورد زباں ہو رہا ہے

چندہ } نظموں کے بعد مسلم لیگ کے لئے چندہ کا سلسلہ شروع ہوا سب سے پہلے کاٹھیاواڑ کے ایک نہایت نوعمر نوجوان مسمیٰ داؤد یعقوب نے سو سو روپیہ کے ۱۵ نوٹوں کا ہار قائد اعظم کو پہنایا۔ اسی نوجوان نے سو سو روپیہ کے پانچ اور نوٹوں کا ایک ہار تھوڑی دیر بعد نذر کیا۔ اس کے بعد مسٹر ایم اے منصور احمد شاہ کا تیار کردہ قائد اعظم کا فوٹو پیش ہو کر نیلام ہوا۔ چند بولی بولنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

مسٹر محمد علی منیار بمبئی۔	پانسو روپیہ
لیڈی سر عبداللہ ہارون صاحبہ کراچی	چھ سو روپیہ
نواب صاحب آف ممدوٹ لاہور۔	ایک ہزار
محمد علی شاہ صاحب	گیارہ سو
سید جواد علی شاہ صاحب گورکھپور۔	پندرہ سو
یعقوب اینڈ سنز	سولہ سو
حاجی ممتاز الدین صاحب دہلی	دو ہزار
آخری بولی نواب صاحب ممدوٹ۔	بائیس سو روپیہ

اس تصویر کے فروخت ہونے کے بعد پاکستان کا ایک نقشہ فروخت ہوا جس کو بہت سی بولیوں کے بعد نواب ممتاز علی خاں صاحب دولتانہ پنجاب نے چھبیس سو روپیہ میں خریدا۔ چندے کا یہ سلسلہ اجلاس کے آخر تک جاری رہا۔ اور ستر ہزار روپیہ سے زیادہ اس نشست میں جمع ہوئے۔

رپورٹ سکرٹری } اس کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب جنرل سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنی سالانہ رپورٹ پڑھی۔ جو کرپس مشن کی ناکامی، مسٹر راجگوپال اچاریہ کی تائید پاکستان۔ ۸۔ اگست ۱۹۴۲ء سے کانگرس کی تحریک سول نافرمانی، مسلمانوں کی اس سے بے تعلقی۔ دوران سال میں کانگرس اور گورنمنٹ کی جانب سے تجویز پاکستان کی مخالفت۔ نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب کی قیادت میں مسلم ڈیفنس کمیٹی کا ملک کے طول و عرض میں قریب پندرہ ہزار میل کے دورے۔ پنجاب اور بنگال کے ضمنی انتخابات میں امیدواران مسلم لیگ کی کامیابی۔ اور انگریزی روزنامہ ڈان کے اجراء پر مشتمل تھی۔

تجویز تعزیت } رپورٹ کی منظوری کے بعد حاجی سر عبداللہ ہارون اور سر سکندر حیات خاں کی وفات پر تعزیت کا رزولیوشن پاس ہوا۔ نہ معلوم کس وجہ سے تجویز تعزیت میں مسلم لیگ کے سابق صدر اور دیرینہ کارکن مولوی سر محمد یعقوب مرحوم کا نام شامل ہونے سے رہ گیا۔ غالباً سہواً ایسا ہوا۔

دیگر تجاویز } دوسرا رزولیوشن جنوبی افریقہ کے کالے بل کے متعلق مسٹر ظہیر الحسن لاری ایڈوکیٹ ایم' ایل اے گورکھپور نے پیش کیا۔ مسٹر لاری مسلم یونیورسٹی یونین اور یو۔ پی اسمبلی کے منجھے ہوئے اور ہونہار مقرر ہیں لیکن یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ حضرت صدر مجلس استقبالیہ کی تقریر کی طرح انکی تقریر میں بھی اردو کے بہت سے الفاظ غلط استعمال کئے گئے۔ ایسی صورت میں جب کہ ہم آل انڈیا ریڈیو اور دوسرے لوگوں پر غلط اردو کے استعمال کرنے پر سرگرمی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ مسلم مقررین اور وہ بھی یو۔ پی کے لوگوں سے صحیح اردو بولنے اور لکھنے کا مطالبہ نہ کریں۔ اس انتباہ سے ہمیں اپنے عزیز دوست مسٹر لاری کی قابلیت کا کسی نوع سے تخفیف منظور نہیں ہے۔

رزولیوشن کی تائید سر سید رضا علی صاحب نے کی۔ سید صاحب کی اردو زبان میں تقریر سننے کا پہلا اتفاق تھا اور ہمیں اعتراف ہے کہ موصوف اردو کے نہایت خوش ذوق اور صاحب زبان مقرر ہیں۔ انداز بیان دل آویز اور طرز استدلال معنی خیز ہوتا ہے۔ کیا مجال کہ ایک لفظ غلط بولیں۔ دوران تقریر میں برمحل اور پھڑکتے ہوئے اردو اور فارسی کے اشعار کا استعمال سونے پر سہاگہ کا کام دیتا تھا۔ تقریر کے لئے قلت وقت کا شکوہ ملاحظہ ہو۔

بیں درد و غم کا قصہ پورا نہ کر سکوں گا
اندازہ آپ کرلیں مختصر کہیں سے

تیسرا رزولیوشن لفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کی تحریک اور آنریبل حسین امام صاحب کی تائید سے ضروریات زندگی کی چیزوں کی کمیابی اور گرانی کے متعلق پاس ہوا۔ دونوں تقریریں بہت عمدہ ہوئیں۔

چوتھا رزولیوشن سید ذاکر علی صاحب بار نے کانگریسی سول نافرمانی کے سلسلہ میں تعزیری ٹیکس کے متعلق پیش کیا جس سے مسلمانوں کو اکثر مقامات پر مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ اس رزولیوشن کی تائید باری باری سے ہندوستان کے تمام صوبوں کے نمائندوں نے کی۔ اور اس لئے اس پر کافی وقت صرف ہوا۔ دو ایک اور رزولیوشنوں کے بعد قریب ڈھائی بجے شب جلسہ ختم ہوا۔

مسٹر یوسف عبداللہ ہارون } اس جلسہ میں مسٹر یوسف عبداللہ ہارون سالار اعظم مسلم نیشنل گارڈ کی شخصیت بہت زیادہ جاذب توجہ رہی کیونکہ انھوں نے مسلم لیگ کے لئے حصول چندے میں نمایاں کوشش اور حسن تدبیر سے کام لیا۔

تیسرا اور آخری اجلاس عام

۲۶۔ اپریل کی شب کو منعقد ہوا۔ اور کارروائی کا آغاز حسب معمول اعلانات چندہ سے ہوا۔ مسلم لیگ کیمپ کے مسلمان مزدوروں کی جانب سے تین سو روپیہ کا اعلان چندہ خصوصیت کے ساتھ بہت قیمتی تھا۔ اس اجلاس میں [illegible]

[illegible] سندھ کے پیر پگاڑو کے متعلق [illegible] لیگ کا خاص رزولیوشن مسلمانوں [illegible] پاکستان اور ملک کی موجودہ سیاسی [illegible] کے بارے میں تھا۔ پہلے رزولیوشن [illegible] کی تائید مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب نے فرمائی اور تائید مزید سندھ کے مصطفےٰ شاہ صاحب گیلانی نے کی۔ آخرالذکر تقریر بہت جوشیلی اور رزولیوشن نمبر ۲ کے نازک حالات کے حسب حال تھی۔

کانگریسی مسلمان اس تقریر میں جب مقرر نے ایک موقع پر کانگریسی مسلمانوں پر کچھ سب و شتم کرنی چاہی تو قائداعظم نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ قائداعظم کا یہ اقدام تمام غیر جانبدار لوگوں کو بہت پسند آیا اور اس سے اندازہ ہوا کہ اس خصوص میں لیگ کی پالیسی میں رفتہ رفتہ تبدیلی ہو رہی ہے اور عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ مخالف مسلک و خیال کے مسلمان بھی لیگ کے ہمنوا ہو جائیں گے۔

اس سلسلہ میں یہ تاثر بھی قابل ذکر ہے کہ در اصل کانگریسی مسلمانوں میں بھی بکثرت لوگ اپنے دلوں میں صحیح درد ملی رکھتے ہیں۔ اُن کی جانی و مالی قربانیاں قابل قدر ہیں اور چند مسائل سیاسی میں اصولی اختلاف کے باعث اُن کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔

ایک وقت تھا کہ ملت اسلامیہ کے وہ مسلمہ رہنما تھے اور اُن کی شخصیتوں کو مقبولیت عام حاصل تھی۔ ہر ملک اور قوم کی سیاست کم از کم ہر دسویں سال بدلتی رہتی ہے اور آج کی ہر دلعزیز شخصیتیں کل کی گمنام ہستیاں بن جاتی ہیں۔ شہرت دوام اور مقبولیت عام خدا کا عطیہ ہیں جس کو خدا چاہے سربلند و مفتخر کرے اور جس کو چاہے پست و مقہور کرے۔ ترکی کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ انور پاشا جیسے مجاہد اسلام اور شہرۂ آفاق مدبر کو اپنے آخری ایام حیات جلاوطن ہو کر گوشۂ گمنامی میں گزارنے پڑے اور مصطفےٰ کمال پاشا جو اُن کے ہم پایہ نہ تھے ترکی قوم کے نجات دہندہ اور مصلح اعظم قرار پائے۔

[illegible] ورق الٹتی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس [illegible] قائداعظم محمد علی جناح کا نظریۂ سیاسی اور اُن [illegible] مقبولیت حاصل کر چکی ہے اور دوسرے [illegible] جیسا علمبردار سیاست اسلامیہ پر [illegible]

کے نئے رجحانات اور نصب العین کے سامنے جی چاہے یا نہ چاہے سر تسلیم خم کریں اور یا گوشۂ گمنامی میں پڑے رہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ کانگریسی مسلمانوں میں بہت سے وہ لوگ جو مجسمۂ خلوص ہیں اگر ان کی حسن تدبیر کے ساتھ دل نوازی کی گئی اور اُن کی عزت نفس کو ٹھیس نہ لگائی گئی تو وہ بلا پس و پیش مسلم لیگ میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ اب سے چند سال پہلے ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق کانگریسی وزیر تعلیم بہار و ممبر کانگرس ورکنگ کمیٹی کی مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ میں وہ تقریر ہمیں یاد ہے جس میں موصوف نے فرمایا تھا کہ اگر مسلم لیگ نے یہاں ملک و ملت کی نجات کے لئے وہ آگ روشن کرے جو میرے سینہ میں عرصہ سے لگی ہوئی ہے تو میں اس وزارت کو اس طرح چھوڑ دوں گا جس طرح کہ پیروں میں سے سلیپر اُتار دیئے جاتے ہیں۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں یہ آگ روشن کر دی گئی ہے اور وہ وقت دور نہیں کہ مسلمانوں کا انتہا پسند طبقہ بھی بہت جلد لیگ میں شامل ہو جائیگا۔

مسلم لیگ کے آخری اجلاس میں پاکستان کے رزولیوشن کو چودھری خلیق الزماں صاحب نے پیش کیا اور اس کی تائید آنریبل [illegible] سندھ، ملک سر خضر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب۔ آنریبل عبدالمتین چودھری وزیر آسام۔ سردار اورنگ زیب خاں صوبہ سرحد۔ مولانا اکرم خاں بنگال۔ اور دوسرے حضرات نے کی۔ ایک اور اہم رزولیوشن کے ذریعہ قیادت ملی کے کلی اختیارات قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کو تفویض کئے گئے۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب بھی دوبارہ جنرل سکرٹری مقرر ہوئے۔ اس آخری جلسہ کی کارروائی ۲۷۔ اپریل کو صبح ۴ بجے باضابطہ ختم ہوئی۔ اس کے بعد نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقریر ہوئی۔ نواب صاحب نے اپنی سحر بیانی سے چندے کی رقم کو سوا لاکھ تک پہنچا دیا۔ قریب پانچ بجے صبح اجلاس ختم ہوا۔

سیر و سفر (۳)

اگر بہ دل نہ خلد آنچہ از نظر گزرد
زہے روانیٔ عمرے کہ در سفر گزرد

سومنات گجراتی زبان میں جوناگڑھ کے معنی ہیں "پرانا قلعہ" اس نام ہی سے اس کی قدامت ظاہر ہوتی ہے اس کی تاریخ ہزاروں سال قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے اور رام چندر اور کرشن جیسی ہستیوں سے اسے نسبت دی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی آمد کا زمانہ بھی پہلی صدی ہجری سے شروع ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض مورخوں کا کہنا تو یہ ہے کہ عربوں کے سب سے پہلے جہاز کاٹھیاواڑ کے اسی ساحل پر آکر رُکے تھے۔ اس لحاظ سے جوناگڑھ ہندوستان میں مسلمانوں کا سب سے پہلا گہوارہ ہے لیکن اسلامی حکومت کی مربوط و مسلسل تاریخ محمود بیگڑاہ کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے سندھ کی تاریخ میں جو حیثیت محمد بن قاسم کو حاصل ہے وہی کاٹھیاواڑ میں محمود بیگڑاہ کو ہے۔ سومنات کا وہ معرکۃ الآرا مندر جس نے محمود غزنوی کی کلاہ افتخار پر بت فروش نہیں بت شکن ستم کا طرۂ امتیاز آویزاں کیا تھا اور جو ہمیشہ ہمیشہ تاریخ کے ایک حیرتناک کارنامے کی حیثیت سے یادگار رہے گا۔ جوناگڑھ ہی میں واقع ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مندر کی اصل جگہ وقت سمندر کے نیچے غرقاب ہو گئی ہے۔ لیکن یہ بات مسلمہ ہے [illegible] سمندر کے ساحل سے چند گز کے فاصلہ پر آج بھی سومنات مندر کے نام سے کچھ آثار شکستہ موجود ہیں جن کی حفاظت کے لئے ریاست کی طرف سے باقاعدہ تنخواہ دار ملازم مقرر ہیں۔

ان آثار کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ وہ سومنات جس کے ساتھ محمود غزنوی کی تاریخ وابستہ ہے یہی ہوگا۔ اس کی چھت زمانہ کے ہاتھوں سے تقریباً تمام کی تمام گر چکی ہے۔ دیواریں البتہ باقی ہیں لیکن یہ دیواریں بھی عظمت رفتہ کی شہادت دینے کے لئے کافی ہیں۔ پوری عمارت نہایت مضبوط پتھر کی بنی ہوئی ہے اور کمال یہ ہے کہ ہر پتھر کا ٹکڑا جو اس دیوار میں استعمال ہوا ہے اُسے پہلے ایک ماہر بت تراش کے ماہرانہ ہاتھ نے کسی دیوی یا دیوتا کی مورت میں تبدیل کیا ہے نتیجہ یہ ہے کہ ہر دیوار بجائے خود بتوں کی ایک مسلسل نمائش گاہ ہو کر رہ گئی ہے۔ گویا پورا مندر، مندر ہی نہیں، اصنام زار بھی ہے۔ در و دیوار کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں کوئی بت نہ ہو۔ اسی اصنام زار کے بیچوں بیچ ایک بڑی گنبد نما چھت کے نیچے وہ عظیم الشان و جلیل القدر بت نصب تھا جس کی خالی جگہ آج تک محمود غزنوی کی آمد کی شہادت دے رہی ہے۔ اس بت کا کوئی ادنیٰ سا نشان بھی آج موجود نہیں ہے۔ البتہ جگہ کی گولائی

گرانی اور لمبائی چوڑائی زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس حلقۂ خالی میں کسی وقت کوئی پتلی حرکت کرتی تھی۔ مندر کی پشت اور بازو کی طرف چند گز کے فاصلہ پر بحر عرب کی سی ساحل سے ٹکراتی ہیں جنہیں صرف چکدار ریت کا چھوٹا سا میدان مندر تک پہونچنے سے روکے رکھتا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر دنیا کے انقلابات کی دلگداز تاریخ کا نقشہ چشم عبرت کے آگے کھنچ جاتا ہے۔ اور بے ساختہ زبان سے یہ آیت رواں ہو جاتی ہے۔ کَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ۔ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ۔ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ــــ اور کتنے لوگ ہیں جو چھوڑ کر چل بسے اپنے باغ اور چشمے اور کھیت اور عالیشان مکانات جن میں راحت و آرام کا تمام سامان مہیا رہتا تھا اور جس میں بیٹھے مزے کیا کرتے تھے مگر خدا کا کرنا یوں ہوا کہ یہ سب کچھ ان سے چھین کر دوسروں کو دے دیا گیا اور اس انقلاب پر نہ آسمان رویا نہ زمین۔ اور نہ ان لوگوں کو ملی ڈھیل (دخان)

اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ سومناتھ کا یہ مندر پورے ہندوستان کی زیارت گاہ تھا۔ راس کماری سے لیکر کشمیر تک کے لوگ کھنچ کھنچ کر یہاں آتے تھے وہاں دور کھڑے ہوکر انسانی صنعت گری کے اس کمال کو دیکھتے تھے اس مورتی کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مندر کی ساخت ایسی رکھی گئی ہے کہ مندر کے باہر میلوں دور سے بھی اس بت کا "درشن" ممکن ہو سکے۔ کہا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں نے بلوچستان اور افغانستان کی راہ سے ہندوستان پر حملے شروع کئے اور مندروں کی شان و شوکت تہ و بالا ہونے لگی تو ہندوؤں کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ مندر لٹ رہے ہیں تو بت اس کا بدلہ کیوں نہیں لیتے۔ جب کسی مسلمان فاتح کا گزر کسی بت کے سر پر پڑتا تھا تو سارے ہندو ایک زبردست تباہی کا انتظار کرتے تھے۔ مگر جب دن پر دن گزرتے گئے اور تباہی کے بجائے مسلمانوں کے قدم روز بروز ہندوستان میں جمتے رہے تو انہیں سخت حیرت ہوئی۔ بہت سے ایسے افراد جو خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ کے مشاہدہ کی ذیل میں نہ آتے تھے، یہ نظارہ دیکھ کر مرادھر توحید کے قائل ہونے لگے اور ایک خدا کی پرستش کے سوا ما سوا اللہ کے ہر بت کو چھوڑ بیٹھے مگر جو قست قلوبھم کے مصداق تھے وہ بدستور اپنی جگہ اڑے رہے۔ تاہم ان لوگوں نے بھی پنڈتوں پجاریوں اور پروہتوں سے پوچھا کہ خدا کے بندو یہ تو بتاؤ کہ آخر ہمارے ان بتوں کی طاقت کو کیا ہو گیا ہے کہ مسلمان دھڑا دھڑ ان کی توہین کرتے چلے جا رہے ہیں مگر یہ اُف تک نہیں کرتے؟ سوال بہت ٹیڑھا تھا اور در اصل اس سوال کے حقیقی جواب ہی میں توحید کا راز پنہاں تھا مگر جن پنڈتوں، پجاریوں اور پروہتوں کی معاشی زندگیاں ہی بتوں سے وابستہ تھیں وہ اس راز کو کیسے پا سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے جواب دیا کہ۔ بھائی بات یہ ہے کہ ہندوستان کا وہ سب سے بڑا بت جو در اصل سب بتوں کا سردار ہے سومناتھ کا بت ہے لیکن چونکہ یہ بت مسلمان حملہ آوروں سے بہت دور واقع ہوا ہے اس لئے ابھی آنحضرت سری آپا حسن سوچتے الکیا (؟) ایسا ہوا تو مسلمانوں پر نہ صرف ہندوستان کی بلکہ دنیا بھر کی زمین تنگ ہو جائے گی۔

کسے ہی کرشدہ شدہ۔ آواز محمود غزنوی اور اس کے ساتھیوں کے کان تک بھی پہنچی اور اسی آواز کا اثر تھا کہ افغانستان کی پہاڑی گھاٹیوں اور برفستانی بلندیوں سے اتر کر گرم و سرد میدانوں، وادیوں اور ریگستانوں میں ہوتا ہوا لق و دق بیابانوں اور گھنے جنگلوں سے گزرتا ہوا بڑے بڑے دریاؤں اور پُرشور ندیوں کو پار کرتا ہوا آندھی مینہ کی طرح ہزاروں میل کا سفر گھوڑوں پر طے کر کے وہ کاٹھیاواڑ پہنچا اور لاکھوں ہندو سپاہیوں کے ٹڈی دل کے کشتوں کی تلواروں کا مقابلہ کرتا اپنے لاکھوں ساتھیوں کے خون سے زمین کو لالہ زار بناتا اور بے شمار مسلمان سپاہیوں کی بے گور و کفن لاشوں کی قربانی راستے میں دیتا ہوا سیدھا سومناتھ کے مندر تک جا پہنچا۔ اور اگرچہ ہندو سورماؤں نے مقابلہ کرنے میں ہمت و دلیری کی حد کر دی، مگر آخر کار ان سب کی صفوں کو چیرتا ہوا سومناتھ کے اندر گھس پڑا۔ اور سیدھا بت کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ دیکھا تو زرق برق، چمکتا دمکتا، سونے چاندی کے گنگاجمنی کام سے آراستہ، لعل و جواہر سے پیراستہ، انسانی صنعت کا ایک حیرت ناک مجسمہ پوری زیب و زینت اور کمال شان و تمکنت کے ساتھ سر پُر غرور کو فضا میں بلند کئے کھڑا ہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں پجاریوں نے محمود کو لاکھوں روپیہ دیکر بت کو توڑے بغیر واپس چلے جانے کے لئے ... اور اس کے ساتھیوں سے ... کھٹک رہے تھے کہ ــ سومنات کا بت اگر ... ہو تو مسلمانوں پر دنیا تنگ ہو جائے گی۔ چنانچہ اپنے ایمان کو آزمانے اور دنیا پر توحید کی صداقت کا سکہ جمانے کے لئے یہی ضروری سمجھا گیا کہ لعل و جواہر کی اس مورت کو جس نے کروڑوں بندگان خدا کو اربابٌ من دون اللہ کے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے، توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جائے۔ تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ بتوں کے اس سردار کے پاش پاش ہو جانے کے باوجود بھی دنیا میں کوئی تہلکہ نہ مچا جس کے بعد صرف ایک مختار و مطلق خدا کی پرستش میں کوئی چیز حائل نہ رہے۔

یہ خیال آتے ہی ادھر تو محمود کی زبان سے "بت فروش نیستم، بت شکن ہستم" کا نعرہ فضا میں گونجا اور ادھر ایک گرز گراں کی ایک ضرب کاری نے اس "سرور اصنام" کے ٹکڑے ٹکڑے زمین پر بکھیر کر رکھ دئے۔ اور ادھر اہل بصیرت کے حقیقت نیوش کانوں میں یہ آوازۂ حق ہر طرف سے گونجتا ہوا سنائی دیا کہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد!! (باقی آئندہ)

(مدینہ)

مسلم لیگی اور نیشنل وار فرنٹ

نئی دہلی۔ ۱۸ مئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے آنریری سکریٹری نوابزادہ لیاقت علی خاں نے حسب ذیل بیان شائع کیا ہے "ممبران مسلم لیگ کی جانب سے مجھے برابر ایسے خطوط موصول ہو رہے ہیں جن میں سوال کیا گیا ہے کہ آیا مسلم لیگی نیشنل وار فرنٹ میں شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں اس مسئلہ کے متعلق لیگ کی پالیسی کی وضاحت لیگ کے صدر مسٹر ایم اے جناح نے حسب ذیل چٹھی میں کی تھی جو موصوف نے گزشتہ جون کو بنگال صوبہ مسلم لیگ کے سکریٹری کے نام روانہ کی تھی۔ یہ چٹھی ممبران مسلم لیگ کی رہنمائی کر سکتی ہے۔ چٹھی حسب ذیل ہے۔

"آپ کا خط موصول ہوا ہے۔ میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں مسلم لیگ کی پالیسی یہ ہے کہ جب تک ہم کو مرکز اور صوبجات کی حکومت کے اختیارات میں صحیح حصہ نہ ملے اس وقت تک ہم کسی ایسی کمیٹی یا کسی ایسے ادارہ میں شامل ...

[illegible] کنٹرول

[illegible] کے معنی مسائل جنگ کی مخالفت نہیں [illegible] اور یہ سوال اس وقت پیدا ہی نہیں ہوتا ۔ ہماری پوزیشن یہ ہے کہ ہم اپنے عوام کو ایسی کسی جماعت میں شامل ہونے کے لئے ہدایت کرنے کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لے سکتے جو حکومت نے قائم کی ہو اور ہم کو اس پر کنٹرول کرنے یا اس کے سلسلہ میں ہدایت کرنے کا کوئی حق حاصل نہ ہو ۔"

برطانیہ میں ۲۵ لاکھ مکانوں کی مرمت

لندن ۔ ۷ مئی ۔ معاصر "اسٹیٹسمین" کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ جرمنی کے ہوائی حملوں کی وجہ سے برطانیہ میں جو بے شمار مکانات برباد ہوگئے تھے ان میں چالیس ہزار مکانوں کی مرمت گرمیوں میں کی جائے گی ۔ مرمت پر اسی لاکھ پونڈ کی رقم خرچ ہوگی ۔ ان میں سے کئی ہزار مکانات تو ایسے ہیں جو لندن ہی میں ہیں اور ان کی مرمت ہونا ہے اور خیال ہے کہ نومبر تک وہ رہائش کے قابل ہو جائیں گے ۔ اب تک برطانیہ کے مختلف حصوں میں ... ۲۵ مکانوں کی مرمت ہو چکی ہے جن کو معمولی نقصان پہنچا تھا ۔

نئی اسکیم سے مکانوں کی کمی کی شکایت باقی نہ رہے گی ۔ اس وقت بڑے بڑے شہروں میں مکانوں کی کمی تشویشناک حالت کو پہنچ گئی ہے ۔

مشاہدات دارالمصنفین

(از مولوی حاجی عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق)

دارالمصنفین اعظم گڑھ کے دیکھنے کی نوبت [illegible] مدت دراز کے بعد آئی ۔ غیر انتظامی ہونے کے [illegible] اتفاق وہاں جانے کا کئی کئی سال نہیں آتا [illegible] یہ کوتاہیاں ایک تنہا اسی پر کیا [illegible] زندگی کے ہر شعبہ ہی میں ہیں ! [illegible] مقدار کارکردگی سے متعلق کسی [illegible] نہیں ! [illegible] حان خانہ [illegible] اب بن گئی ہے نام

اور ادارہ مولانا سید سلیمان ندوی اپنے علم و فضل کے لئے اور مولوی مسعود علی صاحب ندوی اپنی قوت عمل کے لئے ہمیشہ سے مشہور ہیں ۔ اب ان خصوصیات میں اضافہ کثرت نوافل اور اذکار و اشغال کا ہو گیا ہے ۔ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ سے بیعت تو کچھ روز ہوئے ہو چکی تھی ، اجازت و خلافت حال میں لی ہے ۔ پرانے لکھنے والے اب زیادہ تر عالم استغراق میں رہتے ہیں ۔ دو اور مصنفین مولوی شاہ معین الدین احمد (سیر الصحابہ والے) اور مولوی سید ریاست علی (تاریخ صقلیہ والے) دستور اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ۔ نمبر سے مصنف مولوی محمد اویس ندوی نگرامی کے کام کی دیکھ بھال کا موقع زیادہ ملا ۔ یہ جوان صالح و سعید معارف کے مضامین کے علاوہ ، خاص طور پر خدمت قرآن میں معروف ہے ۔ اور ایک نہیں تین تین کام مستقل دنبال میں کام اس کے ہاتھوں انجام پا رہے ہیں ۔

(۱) عربی زبان میں جو کتابیں معانی و بلاغت پر ہیں نیز محاضرات کی کتابیں مثلاً امالی سید مرتضیٰ ، طراز المجالس السائر وغیرہ ۔ ان میں جابجا آیات قرآنی اور ان کے مفردات کی تشریح ادبی حیثیت سے جا بجا ملتی ہے ۔ مؤلف نے ان سب کو پڑھ کر ، ہر آیت قرآنی کے تحت میں انہیں نظم و سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیا ہے ۔ کام دو جلدوں میں ہو پایا ہے ۔

(۲) وجوہ اعجاز قرآن یعنی اس کے دلائل و شواہد ہر زمانہ میں مسلمان اہل قلم کا ایک محبوب موضوع رہا ہے البتہ ہر عہد میں نئے نئے نقطۂ نظر سامنے آتے گئے ہیں ۔ یہاں مؤلف نے کیا ہے کہ تفسیر ، کلام ، ادب ، محاضرات وغیرہ کی کتابوں میں ، ہر ہر عہد سے جو کچھ مل سکا ہے بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک جگہ سمیٹ دیا ہے ۔

(۳) علامہ ابن تیمیہ ، حافظ ابن قیم ، شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرآن مجید سے متعلق اپنی مختلف کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے ۔ مؤلف یہ کر رہے ہیں کہ ان حضرات کی متفرق تصانیف میں جہاں جہاں بھی کسی آیت قرآنی سے متعلق کچھ مل سکا ہے ، سب کو یکجا کر رہے ہیں کہ پڑھنے والے کے ہاتھ میں بہ یک وقت یہ اچھے اچھے تفسیری مجموعے آجائیں ۔

اخذ و التقاط ، جمع و تالیف کا بھی کام بجائے خود پوری اہمیت رکھتا ہے ، اور تصنیف کے کام سے کچھ کم قابل قدر نہیں ۔ اللہ ادارہ اور مؤلف سلمہ دونوں کے عمر اور زندگی میں برکت عطا فرمائے ۔

نہایت مفید اور پر معلومات کتابیں

عرب و ہند کے تعلقات (از علامہ سید سلیمان ندوی ۔ اس کتاب میں بہت سے اہم تاریخی مسائل کے متعلق قدیم اور جدید مؤرخین کی غلطیاں بے نقاب کی گئی ہیں ۔ اللغوا کتاب ہے ۔ ضخامت ۳۰۰ صفحات علاوہ ضمیمہ ۔ مجلد قیمت للعہ

تاریخ ہند کے زمانہ وسطی میں معاشرتی اور اقتصادی حالات (از مسٹر عبداللہ یوسف علی) اس میں نو سو برس کے اقتصادی اور معاشرتی حالات ہندوستان کے متعلق جمع کئے گئے ہیں ۔ ضخامت صفوء

انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ (از مسٹر عبداللہ یوسف علی) اس کتاب میں انگریزی عہد کی ترقیوں کا ذکر ہے ۔ ضخامت ۱۵ ۴ صفحات ۔ قیمت ہے

معاشیات : مقصد اور منہاج (از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ایم اے پی ایچ ڈی) اس کتاب میں معیشت انسانی پر مختلف نقطہائے نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔ ضخامت ۱۸۰ صفحات ۔ قیمت ۔ عہ

طنزیات و مضحکات (از مسٹر رشید احمد صدیقی ۔ طنز کی تاریخ اور اس کے فارسی اور اردو ادب سے نمونے ۔ ضخامت ۲۹۰ صفحات قیمت سے

سلطان الہند محمد شاہ بن تغلق (از پروفیسر آغا مہدی حسین) اس کتاب میں جدید مذاق کے مطابق محققانہ داد تحقیق دی گئی ہے اور سلطان کی نسبت تمام غلط فہمیاں دور کی گئی ہیں ۔ ضخامت ۴۴۵ صفحات سے زائد ۔ قیمت عہ

تاریخ فلسفۂ سیاسیات (از مسٹر محمد مجیب بی اے (آکسن) ۔ سیاسیات کا تاریخی یا بیانی حصہ ہے جس میں اس کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اشتراکیت کی تینوں قسمیں یعنی ریاستی ، اشتمالی اور نراجی کا بھی واضح بیان ہے ۔ ضخامت ۴۰۰ صفحات ۔ قیمت ... للعہ

علم باغبانی (از مسٹر جی اللہ خاں ایل ایل جی ۔ اس کتاب کے چار حصے ہیں حصہ اول میں علمی اصول مفصل لکھے گئے ہیں ۔ بقیہ تین حصوں میں ترکاریوں اور پھلوں کی کاشت کا بیان ہے ۔ تقریباً ڈیڑھ سو نقشہ بھی ہیں ۔ ضخامت ۳۹۰ صفحات قیمت ۔ للعہ

ملنے کا پتہ :- کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

[illegible] جو ابن غلام مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام الحق خاں ندوی پبلشر نے دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا ۔

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۸ - جون ۱۹۴۳ء مطابق ۴ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ | نمبر (۲۲)

پروفیسر عشرت حسین صاحب سکرٹری "ڈسٹرکٹ مسلم ایجوکیشن کمیٹی علی گڑھ" مطلع فرماتے ہیں۔

"ڈسٹرکٹ مسلم ایجوکیشن کمیٹی کی ترتیب قواعد کا تیسرا جلسہ برمکان سید الطاف علی صاحب بمقام کانفرنس کمپاؤنڈ منعقد ہوا۔ چھ ارکان نے شرکت فرمائی اور جلسہ کی کارروائی زیر صدارت پروفیسر وحید الحق صدیقی صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج شروع ہوئی۔

اس جلسہ میں ترتیب قواعد کا کام ختم ہو گیا اور قرار پایا کہ قواعد مذکورہ منظوری کے لئے بڑی کمیٹی کے سامنے پیش کئے جائیں۔"

امید ہے کہ قواعد کا یہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد ضلع کے مسلمانوں کو "ایجوکیشن کمیٹی" کا ممبر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ چندہ ممبری صرف ۴ روپے سالانہ ہے اس لئے ہر شخص آسانی سے کمیٹی کا ممبر ہو سکتا ہے صرف اس کی ضرورت ہے کہ ہر خواندہ مسلمان سے براہ راست اس کے لئے درخواست کی جائے اگر کمیٹی کے چند مستعد ممبر سرگرمی سے یہ کام شروع کریں تو بہت کچھ کامیابی ہو سکتی ہے۔

رجسٹرار صاحب مسلم یونیورسٹی کی اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں ۴۴-۱۹۴۳ء کے لئے داخلے ۱۰ جولائی ۱۹۴۳ء سے شروع ہوں گے شرائط داخلہ کے لئے امیدواروں کو پراسپکٹس پڑھنا چاہئے جو رجسٹرار آفس سے قیمت ملتا ہے اور ان فارموں پر درخواست دی جانی چاہئے جو پراسپکٹس کے ساتھ منسلک ہیں۔

بی ٹی کا پراسپکٹس جس کی قیمت چار آنہ ہے پرنسپل ٹیچرز ٹریننگ کالج و اسمعیلیہ بلڈنگ علی گڑھ سے اور انجینیرنگ نیز طبیہ کالج کے پراسپکٹس جس کی قیمت ۸ آنہ ہے ان کے پرنسپلوں سے مل سکتے ہیں۔

بی ٹی کے داخلہ کی درخواست کے لئے آخری تاریخ ۵ ار جون ہے اور انجینیرنگ کے لئے ۲۵ جون ۱۹۴۳ء مقرر کی گئی ہے۔

اسد اللہ خاں صاحب آفریدی آگرہ سے ایک اطلاع بھیجتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ اردو زبان کے ذریعہ سے تعلیمات قرآن مجید کی اشاعت کے لئے ۱۹۲۶ء سے آگرہ میں "دائرہ معارف قرآنیہ" قائم ہے اور مفتی انتظام اللہ شہابی مدیر دائرہ نے گزشتہ ۱۷ سال میں اس سلسلہ میں علوم دینی اور اسلامی تاریخ وسیر پر بہت سی کتابیں تالیف کر کے شائع کی ہیں۔

اب دو سال سے "جامعہ دینیہ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے جس کے "شیخ الجامعہ" مولانا عبد العزیز میمن صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی ہیں۔ جامعہ نے "[illegible] دینیات" کا ایک امتحان جاری کیا ہے اور اس کی تعلیم کے لئے ایک درجہ کھول دیا ہے۔ نیز مسجد بابر کے احاطہ میں "اردو اسکول" قائم کیا گیا ہے جہاں اسلامی ابتدائی درجہ ششم تک تعلیم کا انتظام ہے۔

انقرہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ترکی وزیر اعظم موسیو سراج اوغلو کے روبرو ترکی پارلیمنٹ کے اجلاس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ اب ترکی فوج کا ایک حصہ تخفیف کیا جا سکتا ہے لیکن وزیر اعظم نے یہ تجویز نامنظور کر دی۔ انھوں نے کہا "میں کرنائیٹ زیر اعظم یہ تجویز پیش کرتے ہوئے ایک ایسے آدمی کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں جس کے پاس دونوں فریق کے دروازوں کی کنجی محفوظ ہو۔ اور اسی وجہ سے وہ ہمیں بلا فکر و تشویش اپنے راستہ پر چلتے رہنے کا مشورہ دیتے ہیں لیکن بدقسمتی سے یہ کنجیاں ہمارے پاس نہیں ہیں۔ ہم لوگ جتنے طاقتور ہوں [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ - جون ۱۹۴۳ء

لیڈر یا رہنما

دنیا کی ہر قوم کو خواہ وہ نیم وحشی اور پست ہو یا مہذب و تربیت یافتہ، ایک لیڈر یا رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جس کے پیچھے پیچھے وہ قوم چلتی ہے اور جس کی قیادت میں کام کرتی ہے۔ جس قوم کا کوئی لیڈر نہ ہو، اس کی طاقت پراگندہ رہتی ہے اور وہ متحدہ قوت سے کوئی کام نہیں کر سکتی، بلکہ اپنی بے راہ روی کی وجہ سے کبھی کبھی مشکلات میں پھنس جاتی ہے۔

غرض اسی ضرورت کی بنا پر دنیا کے ابتدائی دور سے آج تک رہبری اور لیڈری کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں تک کہ جنگلی اور وحشی قومیں بھی اس سے بے نیاز نہیں اور ان میں بھی کوئی نہ کوئی شخص جو دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے قبیلہ کا سردار مانا جاتا ہے، حد یہ ہے کہ ڈاکو اور رہزن اور اسی طرح دوسرے جرائم پیشہ بھی ایک قائد و سردار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جس کے احکام بلا چون و چرا تسلیم کئے جاتے ہیں اور جس کا حق سب پر فائق ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ناتربیت یافتہ اور جرائم پیشہ قوموں میں سردار کی پوزیشن اس قدر بلند و مستحکم ہے کہ اس کی وفاداری و اطاعت ناگزیر ہے، اور مذہبی فرقوں میں تو پیشوا یا رہنما کی شخصیت ایسی ہے کہ اس کی ذات ہر قسم کی باز پرس سے بالاتر مانی جاتی ہے۔ اس کی زبان قانون کا حکم رکھتی ہے اور اس کا فیصلہ اٹل سمجھا جاتا ہے۔ بعض قوموں میں یہ آئین یہاں تک مضبوط ہے کہ جو شخص مذہبی پیشوا یا سردار قبیلہ کے فیصلہ سے سرتابی کرے اس کو قتل یا جلا وطنی جیسی سخت سزائیں دی جاتی تھیں، یا جماعت سے خارج کر کے اس سے یکسر قطع تعلق کر لیا جاتا تھا جس کی وجہ سے یہ دنیا باایں ہمہ وسعت و فراخی اس کے لئے تنگ ہو جاتی تھی، اور وہ کس مپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ صحیح معنی میں قوموں اور جماعتوں کا لیڈر کون شخص ہو سکتا ہے اور وہ کون سے اوصاف و خصوصیات ہیں جن کی بنا پر ایک شخص رہنمائی کے منصب جلیل پر فائز ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصلی لیڈر وہ بلند مرتبہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کام کے لئے مامور ہوتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کی خدمت انجام دیں، ان کو مذہب کی زبان و اصطلاح میں پیغمبر یا رسول کہتے ہیں کیونکہ یہ برگزیدہ رہنما خدا کا پیام اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں اور اسی کی طرف سے اصلاح خلق کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔

یہ برگزیدہ انسان زبردست عزم و استقلال کے ساتھ اپنی خدمت انجام دیتے ہیں، دنیا کی کوئی قوت ان کے ارادہ میں تزلزل نہیں پیدا کر سکتی، وہ ابتدائی ناکامیوں سے مایوس و شکستہ خاطر نہیں ہوتے نہ خدا کے سوا دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب ہوتے ہیں، انہیں اپنی صداقت پر وثوق ہوتا ہے، اور اپنی کامیابی کا یقین کامل، ان کا ہر کام ذاتی اغراض سے بالاتر اور نفسانی جذبات سے پاک ہوتا ہے، اس لئے وہ نہایت جرأت و استقامت سے اپنا فرض ادا کرتے ہیں، اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی ترہیب ان کے عزم آہنی کو روک نہیں سکتی۔

پیغمبروں کا فرض اس قدر اہم، اور ان کا مقصد ایسا اعلیٰ و عظیم الشان ہے کہ کوئی دوسرا انسان جس کو یہ بلند منصب اور تائید غیبی حاصل نہیں ہے یہ فرائض ادا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اخلاقی حیثیت سے ان کا معیار زندگی اس قدر ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے کہ لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور غیر معمولی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔

اسی اخلاقی برتری کی بنا پر پیغمبر یا رسول نہایت صحیح طریقہ سے انسانی سیرت کی تعمیر و تکمیل کرتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کو ذلیل غلامانہ زندگی اور پستی سے ابھار کر اس بلند مرتبہ پر پہنچائیں جو اس کا فطری حق ہے اور جسے وہ بھول گیا ہے۔ غرض وہ انسان کو صحیح معنی میں آزاد اور اس کائنات کی سب سے برتر و برگزیدہ ہستی بنانا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ان کی اولین و بنیادی تعلیم یہ ہوتی ہے کہ ہر انسان مخلوق کی پرستش و خوف سے آزاد ہو کر صرف خدائے واحد و یگانہ کا پرستار بن جائے اور کسی دوسری ہستی کے سامنے خواہ وہ کوئی بھی ہو سر عبودیت خم نہ کرے۔

یہ تعلیم کہ انسان صرف خالق کائنات اور معبود حقیقی کی پرستش کرے اور دوسری ہستیوں کی غلامی و بندگی سے آزاد ہو جائے، اس قدر اعلیٰ و ہمت افزا ہے کہ اس پر عمل کرنے کے بعد ایک انسان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ حقیقت میں آزاد ہے اس لئے اس کا دل مسرت و خوشی سے معمور ہو جاتا ہے، اور ہر بڑے سے بڑے کام کے انجام دینے کی ہمت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جو قوم پیغمبر کی تعلیم سے استفادہ کرنے سے پہلے گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوتی ہے یکایک ابھر کر میدان عمل میں آ جاتی ہے اور ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتی ہے کہ دنیا حیرت زدہ ہو جاتی ہے کہ اس درماندہ و خستہ قوم میں یہ جرأت و ہمت کیسے پیدا ہو گئی۔

ع مارا ازیں گیاہ ضعیف ایں گماں نبود

غرض پیغمبر ایک ایسا لیڈر یا رہنما ہے کہ اس کا منصب و مرتبہ سب لیڈروں سے بلند اور اس کا فرض سب سے زیادہ مشکل و اہم ہے۔ وہ لوگوں کو تیر و تفنگ یا شمشیر کی تعلیم دینے یا زر اندوزی کے طریقے سکھانے نہیں آتا، بلکہ گم کردہ راہ انسانوں کو صحیح راستہ بتانے اور بنی نوع انسان کو صحیح معنی میں آزاد کرانے کے لئے آتا ہے، ایسی آزادی جس سے روح کو بے پایاں کیف و سرور حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس نعمت کے حاصل ہونے کے بعد انسان خانہ ساز معبودوں کی اطاعت اور ہر قسم کی قید و بند اور رسوم باطلہ سے بے نیاز ہو کر ایک آزاد ہوا میں سانس لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور اسی

پہلی دفعہ اپنی صحیح پوزیشن اور بلند مرتبہ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

کل تک وہ اس کائنات کی سینکڑوں چیزوں کی پرستش کرتا تھا اور ان کی عظمت اس کے دل میں جاگزیں تھی لیکن آج جب وہ ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے تو اسے یہ محسوس کر کے خوشی ہوتی ہے کہ قدرت کے اس طلسمی کارخانہ میں میرا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ یہ ساری چیزیں میرے ہی لئے پیدا کی گئی ہیں اور میں ان سے جو کام چاہوں لے سکتا ہوں۔

غرض ایک پیغمبر کی تعلیم اور ایک اصطلاحی لیڈر کی تعلیم میں یہ فرق ہے کہ پیغمبر نہ صرف چند افراد بلکہ اس پوری قوم میں جس کی اصلاح و تربیت کے لئے وہ مامور ہوا ہے ایک ایسا زبردست انقلاب پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی کایا پلٹ جاتی ہے وہ نہ صرف انسانوں کے اعمال و کردار کی اصلاح کرتا ہے بلکہ ان کی ذہنیت بدل دیتا ہے، زندگی کا رخ بدل جاتا ہے، یہ انقلاب اتنا نمایاں ہوتا ہے کہ خود وہ قوم بھی محسوس کرنے لگتی ہے کہ اس میں حیرت انگیز تبدیلی ہوئی ہے اور ماضی سے منقطع ہو کر وہ ایک نئی دنیا اور نئے زمانہ میں آگئی ہے۔

انسانوں کے افکار و کردار میں یہ انقلاب کم و بیش ہر پیغمبر کی تعلیم سے واقع ہوتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت سے بنی اسرائیل میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوا اور یہ تاریخی قوم زمانہ دراز کی مظلومانہ و غلامانہ زندگی سے نجات پا کر دنیا کی ایک طاقتور اور سربرآوردہ قوم بن گئی اور اس کو گویا کہ نئی حیات حاصل ہوئی۔ لیکن جو انقلاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے دنیا میں واقع ہوا اور جیسے وسیع و ہمہ گیر پیمانہ پر ہوا اس کی کوئی مثال بنی نوع انسان کی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں پیدا ہوئے اس کی وحشت و جہالت اور اخلاقی پستی و درماندگی مسلم ہے، اور تاریخ میں اس عجیب و غریب قوم اور اس بے آب و گیاہ ملک کے واقعات اب بھی موجود ہیں، دنیا کے کس لیڈر کی یہ طاقت ہے کہ ایسی وحشی، جنگجو اور بد اعمال و سرکش قوم کی اصلاح کر سکے، اور اصلاح بھی ایسی جو اس قوم کی ذہنیت اور اعمال و کردار کو یکسر بدل دے اور وہ بھی ایک محدود و مختصر زمانہ میں؟

لیکن آج دنیا میں کون شخص ہے جو اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنگلاخ ملک میں رہنے والی مغرور و سرکش قوم میں ایسا حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا کہ وہ ہر اعتبار سے بالکل بدل گئی بلکہ اس نے یہ منصب حاصل کیا کہ مصلح و معلم اخلاق کی حیثیت سے دوسری قوموں کی اصلاح و فلاح اور ان کی آزادی کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی، اور جس پیام ربانی نے اس کی زندگی میں ایک مبارک انقلاب پیدا کیا تھا وہ اس نے دنیا کی دوسری قوموں کو بھی پہنچایا اور انہیں بھی اس نعمت عظمیٰ سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحشی قوم کی بنیادی اصلاح فرما کر اس میں ایسا حوصلہ و بلندی فکر پیدا کر دی تھی کہ دنیا کا جاہ و حشم اس کی نظروں میں ہیچ تھا، اور وہ بڑے بڑے سلاطین و صنادید عجم سے مرعوب نہیں ہوتی تھی۔

اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم میں علم کی ایسی تشنگی پیدا کر دی تھی کہ وہ حصول علم کے لئے کسی قربانی میں بھی تامل نہیں کرتی تھی، اور اس کی تلاش میں ہمیشہ بادیہ پیمائی اور صحرا نوردی میں مصروف رہتی تھی۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جو قوم کل تک اپنی ہمسایہ سلطنتوں سے خوفزدہ اور لرزاں تھی اور علم کی ابجد سے بھی ناآشنا، ایک مختصر سی مدت میں اس میں اس قدر غیر معمولی انقلاب ہوا کہ ایک طرف تو میدان جنگ میں فاتحانہ حیثیت سے قیصر و کسریٰ سے نبرد آزما ہوئی، اور حکومت و سلطنت حاصل کی۔ دوسری طرف علوم میں یہ کمال حاصل کیا کہ اپنے مذہب کی حقانیت و صداقت اور احکام شریعت کے اسرار و حکمت پر ایسی معرکۃ الآراء تصانیف دنیا کے سامنے پیش کیں کہ ہر مذہب و ملت کے ارباب کمال اس نادرۂ روزگار قوم کی بلندی فکر اور ارتقائے ذہنی کے معترف ہو گئے، اس کے علاوہ جب اس قوم نے اغیار کے علوم و فنون کی طرف توجہ کی تو اس مرتبہ پر پہنچی کہ افلاطون و ارسطو کے فلسفہ اور دوسرے علوم عقلیہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کر کے استاد کا درجہ حاصل کیا۔

مسلمانوں کا یہ عروج و اقبال اور علم و فضل و کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا کرشمہ تھا جس نے ایک درماندہ و ناقابل توجہ قوم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

مولانا شبلی نعمانی نے حسب ذیل اشعار میں اس انقلاب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

> یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
> کھیلتے جاتے تھے اورنگ کسریٰ پہ شکار
> وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا ورق دم بھر میں
> جن کے ہاتھوں میں تھا کرگہ اونٹوں کی مہار
> اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجاز یکسر
> بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار
> یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
> ناز کرنے لگے جبریل امیں کے سر پر

ان واقعات سے یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ پیغمبر یا رسول قوموں کے حقیقی رہنما اور لیڈر ہیں جن کی تعلیم کا اثر اس قدر زبردست و عمیق ہوتا ہے کہ قوم کی ذہنیت سیرت و خصلت، اعمال و کردار اور زندگی کا مقصد و نصب العین یکسر بدل جاتا ہے اور اب وہ قوم بالکل ایک نئے سانچہ میں ڈھل جاتی ہے، یہاں تک کہ اب اس کو اپنے ایام ماضی اور اس کی روایات سے بھی کوئی تعلق باقی نہیں رہتا بلکہ اس جدید پیغمبری تعلیم کا نشہ اس قدر تیز ہوتا ہے کہ وہ ہر نقش کہنہ کو مٹانے کی کوشش کرتی ہے اور اس میں ایک لطف محسوس کرتی ہے۔

جو پہلے بت پرست تھے اب بت شکن بن جاتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں، جو میگسار تھے وہ پرہیزگار ہو جاتے ہیں، جو ظالم و ستمگر تھے وہ نرم دل و خوش مزاج بن جاتے ہیں اور جو بدبخت اپنی اولاد کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے تھے اب اتنے خوش محبت میں بنتے ہیں، جو رہزن و غارتگر تھے اور لوگوں کا مال ان کی دستبرد سے محفوظ نہ تھا، اب ان میں اس قدر انقلاب ہو جاتا ہے کہ اپنی دولت سے حاجتمندوں کی مالی امداد کرتے ہیں بلکہ یہ جذبہ ان میں اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اپنے نفس پر تکلیف گوارا کر کے اور ایثار و قربانی سے کام لیکر دوسروں کی مدد کرتے ہیں جس سے انہیں خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ اس قدر عالی ظرف و بلند حوصلہ ہیں کہ جو حسن سلوک وہ لوگوں سے کرتے ہیں اس کا اظہار کسی پر نہیں ہوتا۔ (باقی آئندہ)

سیر و سفر

اگر بہ دل نہ خلد آنچہ از نظر گزرد
زہے روانیِ عمرے کہ در سفر گزرد

(۶)

واضح رہے کہ اس گزارش سے میرا یہ مطلب نہیں کہ گجرات کے مسلمان باہم گجراتی بولنا چھوڑ دیں اور اس کے بجائے اردو بولنے لگیں۔ ہرگز نہیں مطلب صرف یہ ہے کہ ثانوی زبان کی حیثیت سے اردو کو تسلیم کیا جائے۔ اور اس کی کم از کم اتنی حوصلہ افزائی تو کی جائے کہ اگر کوئی شخص اس میں مہارت پیدا کرے تو وہ اپنے کو ریاست کے زمین و آسمان میں "دیارِ غیر کا ایک پردیسی انسان" محسوس نہ کرے۔

علاوہ ازیں یہ حقیقت ہے کہ گجرات کو اردو سے جتنا قرب ہے اتنا ریاست حیدرآباد کو بھی نہیں حالانکہ آج حیدرآباد اردو کا سب سے بڑا مرکز ہے لیکن اگر یہاں کے عوام کی بولی کو دیکھا جائے تو وہ یہ ہے کہ اس کے قصبات و دیہات کے جاہل یا جاہل نما عوام اردو کو اتنا نہیں سمجھتے جتنا گجرات کے عوام سمجھ سکتے ہیں بلکہ حیدرآباد میں بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو اردو کو برائے نام ہی سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن گجرات و کاٹھیاواڑ میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اردو کی معمولی بول چال پر قادر نہ ہو۔ یا معمولی طور پر ادائے مطلب نہ کر سکے اس لئے یہ حقیقت ہے کہ ایک معمولی سی تعلیم و تربیت کے بعد گجرات کا باشندہ بڑی اچھی اردو لکھ اور بول سکتا ہے اس کا احساس مجھے یہاں کے تعلیم یافتہ افراد سے ملکر ہوا۔ بعض افراد سے مل کر تو میں یہ سمجھا کہ وہ شمالی ہند کے کسی شہر کے رہنے والے ہیں۔ مثلاً قاضی محمد میاں اختر (صدر بلدیہ جوناگڈھ) جو اردو کے ایک اچھے ادیب ہیں جوناگڈھ ہی کے پروردہ ہیں مگر جن لوگوں نے معارف (اعظم گڈھ) وغیرہ میں ان کے مضامین دیکھے ہیں وہ یقین نہیں کر سکتے کہ ان کے وطن میں اردو ایک ایسی ہی "بدیسی" زبان ہے جیسے یونانی یا عربی۔ اسی طرح فرمانروائے جوناگڈھ کے پرائیویٹ سکریٹری مولوی اسمٰعیل ابراہانی سے گفتگو کرنے کے بعد میں یہ نہ سمجھ سکا کہ وہ شمالی ہند کے کسی اردو بولنے والے علاقہ کے تربیت یافتہ نہیں ہیں "دین" (احمدآباد) کے ایڈیٹر نظام الدین صاحب خاندانی لحاظ سے گجرات کے قدیم ترین باشندے ہیں۔ اور گجراتی زبان کے مالک و مرتب ہونے کی وجہ سے دن رات اسی زبان سے وابستہ رہتے ہیں مگر چونکہ اردو سے بھی شغف رکھتے ہیں اس لئے ان سے گفتگو کرنے کے بعد کوئی شخص ہرگز یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ اردو ان کی مادری زبان نہیں۔

ان حالات میں اگر ہندی اردو کا تعصب پسندانہ جھگڑا پیدا نہ ہو گیا ہوتا تو آج ہندوستان کی مشترک قومی زبان کا مسئلہ کم از کم گجرات اور کاٹھیاواڑ میں کوئی دقت طلب مسئلہ نہ ہوتا۔ لیکن اب بھی جبکہ تباہی پھیلانے والے عناصر اپنا کام کر رہے ہیں ہمیں اصلاحی کوششوں سے ہاتھ روک کر بیٹھ جانا چاہئے البتہ کاٹھیاواڑ کے عصبیت زدہ ماحول میں یہ کام جوناگڈھ ہی کر سکتا ہے کہ ہدایت و اصلاح کی شمع روشن کرے اور زمانہ کے بہاؤ میں ہمت کر کے ایک مصلحانہ قدم اٹھائے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اس اقدام پر ہندو بھائی پریس اور پلیٹ فارم پر ایک رستخیز بپا کر دیں گے لیکن وہ مدبر ہی کیا ہوا جو شورش و ہیجان سے ڈر کر بیٹھ جائے اس بات میں موجودہ وزیر اعظم کی ذات سے بڑی توقعات ہیں اور آپ کی ہمت کے لئے ہم صرف اتنا کہیں گے کہ کشمیر میں سر گوپال سوامی آئنگر نے اپنے چھ سالہ عہد حکومت میں جو کچھ کیا اس پر ایک نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ جب دس فی صدی ہندو یا پنڈتوں کی خاطر کشمیر میں ہندی کو ٹھونسا جا سکتا ہے تو کیا ۲۵ فی صدی مسلمانوں کی خاطر ایک ایسے علاقہ میں جہاں ہندو بھی اردو سمجھ اور بول سکتے ہیں اردو کو گجراتی کے پہلو بہ پہلو سرکاری حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر جوناگڈھ کے ارباب اقتدار مسلم کانفرنس کشمیر (جموں) کے شائع کردہ رسالہ "آئنگر حکومت کے کارنامے" کا مطالعہ کریں تو شاید انہیں درس عبرت و بصیرت کے علاوہ کچھ "روشنی" بھی ملے۔

گانے اور باجے

جوناگڈھ کے بعد کاٹھیاواڑ کی دوسری اسلامی ریاستیں مانا ودر، ظفرآباد، اور مانگرول ہیں۔ مانا ودر اور مانگرول کے فرمانروا جوناگڈھ ہی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور مانگرول تو انتظامی حیثیت سے بھی ایک حد تک جوناگڈھ ہی کے دامن سے وابستہ ہے۔ ظفرآباد کاٹھیاواڑ کی سب سے چھوٹی ریاست ہے شیدی خاندان کے فرمانروا یہاں حکمرانی کرتے ہیں۔ رقبہ صرف ۵۳ مربع میل ہے یعنی برٹش انڈیا کے ایک معمولی سے قصبہ کے برابر۔ مگر پرلطف بات یہ ہے کہ اس کے باوجود اسے حکمرانی کے اختیارات تمام وہی حاصل ہیں جو حیدرآباد یا میسور جیسی اول درجہ کی ریاستوں کو ہیں۔ یہ بھی انگریزی راج کی بوالعجبیوں میں سے ایک ہے۔ افسوس ہے کہ ان ریاستوں کو براہ راست دیکھنے کا موقع نہ مل سکا لیکن سننے میں آیا ہے کہ مانگرول کی حالت بہت اطمینان بخش ہے۔ کاٹھیاواڑ میں بھی ایک ایسی جگہ ہے جہاں اردو کی تعلیم کا کسی حد تک انتظام ہے اور جہاں مسلمانوں کی حالت نسبتاً بہتر ہے۔ فرمانروا کا خاندان اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ علمی و دینی ذوق کا مالک ہے اور علم و ادب کی سرپرستی میں پیش پیش رہتا ہے لیکن چونکہ ریاست بہت چھوٹی ہے اور سالانہ آمدنی کی مقدار کچھ سات لاکھ سے زائد نہیں اس لئے اپنی جولانی طبع دکھانے کے زیادہ مواقع اسے میسر نہیں آتے۔

کریماں را بدست اندر درم نیست
خداوندانِ نعمت را کرم نیست

یہ کاٹھیاواڑ کی مختصر داستان آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ چھوٹی ہے مگر کیسی دلچسپ اور کن چیزوں سے لبریز ہے آب و ہوا کے لحاظ سے بہت خوشگوار ہے۔ قدرتی مناظر کے لحاظ سے بھی بہت دلفریب ہے۔ اور انسانی حسن تو وہ عام ہے کہ ابتدا ہی سے اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دل کو موہ لیا تھا۔

ان تمام وجوہ کی بنا پر ہندوستان کی قدیم تاریخ میں کاٹھیاواڑ کو نمایاں حیثیت حاصل رہا ہے اور رام و کرشن جیسی ہستیوں کے نام اس سرزمین کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے جب مسلمانوں نے اس کا رخ کیا اور سرزمین کو فتح کرنا چاہا تو ہندوؤں نے انتہائی جوش و طاقت کے ساتھ چپے چپے پر ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اس مقابلہ کا نظارہ ان قبرستانوں سے ہوتا ہے جو میلوں کی لمبائی میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور جو مسلمان شہداء کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ بعض جگہ غزوہ بدر کے شہداء کی مثل میں ایسے مزار بھی ملتے ہیں جن میں سب سے شہیدوں کو اکٹھا دفن کر دیا گیا ہے۔ یہ مقامات ایسے ہیں کہ یہاں پہنچ کر آج بھی انقلاب روزگار کی گوناگونیوں کا تصور کر کے دل بھر آتا ہے اور جس طرح اندلس کے قصر حمرا کو دیکھ کر آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ اسی طرح ان شہداء کی سرفروشانہ تاریخ کے مقابلے میں مسلمانوں کی موجودہ بیکسی کا منظر خون کے آنسو رلاتا ہے۔

ان قبرستانوں اور مزاروں کے علاوہ مسلمانوں کے قدیم آثار مسجدوں، خانقاہوں، قلعوں اور شاہی

لوں کی شکل میں بھی جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ مگر جو
یہ نشترِ غم بن کر دل میں تیر کی طرح پیوست ہو جاتی
ہے وہ یہ ہے کہ اینٹ پتھر کی ان بے جان یادگار
توڑنے والے جاں نثار مسلمانوں نے انسانی شکل و
صورت میں جو چلتی پھرتی زندہ یادگاریں چھوڑی ہیں
وہ فخرِ اسلاف ہونے کے بجائے ننگِ اسلاف ثابت
ہو رہی ہیں اور آج دوسری ہمسایہ قومیں طنز و تضحیک
کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہی ہیں — کیا
یہی ہو جن کے اسلاف نے یہ کارنامے کئے تھے — ؟

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

احمد آباد

احمد آباد کا وہ عظیم الشان تاریخی شہر جو آج بھی
[illegible] کاٹھ سرحد ہونے کے علاوہ کاٹھیاواڑ کے
پھاٹک کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے آثار و
نشانات [illegible] مسلم حکومتوں کی نگاکاری
[illegible] ہو کہ آج وہاں کا حصہ کیا
حصہ ہے [illegible] سے لہرانا سب
جبر مسلموں کا حصہ ہے۔ پوری معاشی، تجارتی، سیاسی
طاقت ہندو کے ہاتھ میں ہے اور مسلمان جہل
[illegible] اور افلاس [illegible] میں پھنسا ہوا
بھی [illegible] جانتا اور [illegible] کہ وہ کہاں
ہے اور دوسرے کہاں ہیں۔ وہ فخر کرتا ہے تو صرف
اس پر کہ فلاں مرتبہ جب ہندو مسلم فساد ہوا تھا تو ہم
نے ہندوؤں پر یوں [illegible] تھا۔ ان میں تعلیم، شائستگی،
دولت اور سیاست کے حصول کا جذبہ آپ کو ان میں
شاذ و نادر ہی نظر آئے گا۔ فخر ہو گا تو صرف یہ کہ ۱۹۴۱ء
کے فساد میں مسلمانوں نے اتنے ہندو مارے اتنی عمارتیں
جلائیں اور اتنے گودام تباہ کئے —

جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

لیکن اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ — ہے کہ ہمیں سنایا
سا کہ ۱۹۴۱ء کے پچھلے فساد میں جب مسلمان "مجاہدوں" کا
[illegible] ہندوؤں پر بلغار بولتا ہوا نکلا تو "جوش
جہاد" میں بہت سے مسلمانوں کی جائدادیں بھی جلا دی گئیں
حتیٰ کہ ایک مسجد کے وقف کی چند دکانیں تک اس
جوش کی نذر ہو گئیں۔ کیوں صرف اس لئے کہ انہیں ہندو
دکانداروں نے عرصہ سے کرایہ پر لے رکھا تھا اور
"مجاہدِ اسلام" کو "جوشِ جہاد" میں اتنی فرصت کہاں
تھی کہ یہ تحقیق کرتا پھرتا کہ دکان کا مالک کون ہے۔

چنانچہ ہندوؤں کی جو عمارتیں جلائی گئی تھیں وہ تو پہلے
سے زیادہ شاندار طریقے سے بن کر سر بفلک غرور کو فضا میں
بلند کئے مسلمانوں کو گویا منہ چڑا رہی ہیں لیکن مفلس
مسلمانوں کی جائدادیں خصوصاً مسجد کی جائداد ایک
حسرت زدہ آنکھ کی طرح ویران پڑی "مسلمان مجاہدوں"
کی داستانِ جہاد سنا رہی ہے — اس امید میں کہ
شاید کبھی کوئی قسمت کا ستارہ چمکے اور ان کی شب دیجور
میں امید کی کوئی کرن پھوٹ سکے۔

"آسمان سے فرشتے آتے ہیں"

ایک دلچسپ لطیفہ اور — کہا گیا کہ صاحب مسلمان
یہاں صرف ۲۵ فی صدی ہیں۔ اس لئے ان کی کیا مجال
ہو سکتی تھی کہ اس فساد میں ۷۵ فی صدی دولتمند خوشحال
ہندوؤں پر "غلبہ" پا سکتے۔ یہ "غلبہ" وہ تو ہوا یہ
کہ [illegible] ہندو سمجھتے تھے انہیں یہ نظر آتا تھا کہ ہزاروں
مسلمان تلواریں لئے پرے جمائے سامنے کھڑے
ہیں — اسی قسم کا لطیفہ احمد آباد کے لوگ بھی بیان کرتے
ہیں [illegible] سے خواجہ کی درگاہ پر حملہ کرنا
چاہا تو [illegible] پہاڑی سے اسلحہ بدست پوشوں کا ایک
ہجوم ان کی طرف جھپٹا جس سے ڈر کر وہ بھاگ گئے
[illegible] اس قصبہ کی نسبت بھی ایک صاحب نے
[illegible] کہ ہندو حملہ آور جب مسلمانوں کے مکان
کی طرف بڑھتے تھے تو "ہری نمبر والے" ان کو پیچھے
دھکیل دیتے تھے۔ (مدیر)

"ترکی"

چین سے بین الاقوامی تعلقات میں ترکی کی حیثیت
پیچیدہ سی نظر آتی ہو۔ ۱۹۳۹ء کے عہد نامہ انقرہ کی
رو سے ترکی برطانیہ کا حلیف ہے۔ دوسری طرف ترکی
نے جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا ہے اور غیر جانبدار
رہنے کا مصمم عزم رکھتا ہے۔ اسی کے ساتھ ترکی نے
جرمنی سے بھی دوستی کا معاہدہ کر رکھا ہے۔

اس صورت حال سے طرح طرح کے
شبہات پیدا ہو سکتے ہیں اگر حقیقت پر غائر نظر ڈالی جائے
تو ترکی کی حیثیت بالکل معقول نظر آتی ہے۔ ۱۹۳۹ء
کا عہد نامہ جارحانہ حیثیت نہیں رکھتا بلکہ مدافعانہ
اور دفاعی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عہد نامہ کے
وقت ترکی کے مدبروں اور ترکی کے اخبارات نے
یہ امر واضح کر دیا تھا کہ اس کا مقصد ریاست ہائے
بلقان اور مشرقی بحیرۂ روم میں امن عامہ کا تحفظ
کرنا ہے اسی لئے ترکی نے جرمنی اور اٹلی کے ساتھ
بدستور تعلقات قائم رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

باہمی امداد کا معاہدہ اس معاہدہ میں ترکی اور برطانیہ نے
اس صورت میں ایک دوسرے کی
مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ ان میں کسی پر یورپ کا
کوئی ملک حملہ آور ہو۔ لیکن اس معاہدہ کا یہ مطالبہ
نہیں کہ ترکی کے طرز عمل کو ہمیشہ درست اور مناسب
سمجھا اور ترکی نے بھی جرمنی سے اپنی تجارتی اور
سیاسی گفت و شنید سے اتحادیوں کو ہمیشہ باخبر رکھو
جب یونان پر اٹلی نے حملہ کیا تو اس کی مدد کے لئے
ترکی کو مجبور نہیں کیا گیا۔

ترکی نے یونان سے محض اس قدر وعدہ کیا
تھا کہ اگر اس پر کسی یورپ کے ملک نے تشدد کیا تو
وہ دوستانہ غیر جانبداری کا رویہ قائم رکھے گا۔
لیکن جب اٹلی نے یونان پر واقعی حملہ کیا تو ترکی کے
اخبارات اور رائے عامہ نے کھل کر [illegible] فراخ دلی
کا ثبوت دیا اور اس جنگ کو اپنی جنگ سمجھ کر اپنے
ترک دوستوں کے لئے جو کچھ کر سکتے کرتے رہے۔

آج ترکی کی غیر جانبداری کے معنے ایک حد تک
اس قدر ہیں کہ وہ وقت ابھی تک نہیں آیا جب ترکی
کے لئے جنگ میں شامل ہونا ضروری اور مناسب
ہو گا۔ لیکن غیر جانبداری کے اس نتیجے کے باوجود یہ خیال
کیا جا سکتا ہے کہ ترکی اتحادیوں کے ساتھ جنگ میں
شامل ہو کر زیادہ دریا دلی کا ثبوت دے سکتا تھا
اس جنگ کے علاوہ بعض کو تو یہ بھی شبہ تھا کہ ممکن ہو
ترکی محور کی طرف جھک جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے
کہ ترکی محور کی طرف سے جنگ میں کبھی شامل نہیں ہو سکتا
اور نہ کبھی اپنے علاقہ سے دشمن کی فوجوں کے گزرنے
کی اجازت دے سکتا ہے کیونکہ عہد نامہ میں اس
غداری کی گنجائش نہیں ہے۔

دنیا کی ڈکٹیٹری کا جواب ترکوں نے اس عظیم جنگ
کی غرض و غایت اس کے
چھڑتے ہی سمجھ لی۔ جرمنی یورپ پر اپنی اجارہ داری
قائم کرنا چاہتا ہے اور اس اجارہ داری کے ذریعہ
تمام دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کا آرزومند ہے۔ اگر نازیوں
کو فتح حاصل ہو گئی اور انہیں اپنی ڈکٹیٹری قائم کرنے
کا موقع مل گیا تو ساری دنیا غلام بن جائے گی کیونکہ
وہ اپنے کو دنیا کی بہترین قوم سمجھتے ہیں اور ساری دنیا

کی حکمرانی کے حقدار ہونے کے مدعی ہیں۔ ترکی نے خود کو اور اپنی آزادی و خود مختاری کو اس آنے والے خطرہ سے بچانے کی غرض سے بڑی جمہوری حکومتوں کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ اگر ترکی کو اس خطرہ کا احساس نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ محوروں میں شامل ہونے کی زبردست ترغیبات کا شکار ہو جاتا۔

جرمن اخباروں اور جرمن ریڈیو نے ترکی، شام، فلسطین، موصل، عراق اور قفقاز دینے کا وعدہ کیا لیکن ترکی کے پائے ثبات کو ذرا لغزش نہیں ہوئی۔ ترکی نے سوچا کہ سلطنت عثمانیہ کو دوبارہ زندہ کرنے سے کیا فائدہ۔ اگر سلطنت عثمانیہ پھر سے قائم ہو جائے تو وہ جرمنوں کے بالکل زیر اثر ہو گی۔ بلغاریہ کا حشر ترکی اس سے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ اس لئے ترکی نے ایک وسیع سلطنت حاصل کرنے پر جرمنی نے اپنی چھوٹی لیکن آزاد مختار جمہوریت برقرار رکھنے کو ترجیح دی۔

اتحادیوں کے ساتھ وفاداری

فرانس کے مفتوح ہونے کے دوسرے ہی دن دنیا یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئی کہ ترکی وزیر اعظم نے پارلیمنٹ میں بلا تامل اعلان کر دیا کہ ترکی برطانیہ کے ساتھ معاہدہ اتحاد پر وفاداری سے قائم ہے۔ نازیوں نے اپنا سارا زور صرف کر دیا۔ انھوں نے ترکوں کو حسب معمول دھمکیاں دیں، ان پر دباؤ ڈالا۔ وعدے کئے لیکن ترکی پر ان باتوں کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اور اس کی جنگی تیاریاں برابر جاری رہیں۔

دنیا میں کسی شخص کو ایک ایسی قوم کے خلوص اور وفاداری پر شک کرنے کا ہرگز حق حاصل نہیں ہے۔ جس نے جنگ کی وہ اہمیت جسے ہم اب عام طور پر محسوس کرنے لگے ہیں۔ اس خوبی کے ساتھ پہلے ہی سے محسوس کر لی ہو۔ اس موقع پر کہا جا سکتا ہے کہ جب ترکی کو اس عالمگیر خطرہ کا علم تھا جب اسے یقین تھا کہ اس کی بقا جمہوریتوں کی کامیابی پر منحصر ہے۔ تو محض تماشائی کی حیثیت اختیار کرنے کی بجائے اس نے محوریوں کو شکست دینے کے لئے اس جنگ میں اتحادیوں کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تہذیب و تمدن کی سب سے بڑی خدمت اسی طرح انجام دے سکتا تھا کہ وہ اپنی جگہ (بلیاں مخصوص) بلکہ مشرق قریب میں ایک غیر متزلزل پشتہ کی حیثیت اختیار کرے۔ اتحادیوں کے لئے ترکی مفید ہے۔ بحر روم سے راستے برطانیہ کے لئے جو غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس سے آج کون انکار کر سکتا ہے۔ برطانیہ جب افریقہ میں محوری فوجوں سے دست و گریبان تھا تو اسے اس بات کا یقین تھا کہ اس کا حلیف ترکی دشمن کی فوجوں کو اپنے ملک سے نہ گزرنے دے گا۔

طاقتور ترکی جس نے اپنی آزادی کی مدافعت کا تہیہ کر لیا ہے محوریوں کو روکے ہوئے اور انہیں اس خوبی تجربہ سے باز رکھا ہے کہ ۲۰ لاکھ ترک جوانوں کے منھ نہ آئیں۔ لیکن اب اگر ترکی جنگ میں شریک ہو جاتا ہے تو یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ شکست نہ کھائے اس جنگ میں ترکی کی شرکت کے یہ معنی ہوں گے کہ برطانیہ کو اس کی مدافعت کے لئے حسب ضرورت فوجیں بھیجنی پڑیں گی۔ ایسی صورت میں کیا اتحادیوں کے لئے جو اس وقت بھی کئی محاذوں پر لڑ رہے ہیں۔ یہ کیا اچھی بات ہو گی کہ وہ اپنے سر پر ایک اور بوجھ لیں۔ ہمیں اس کی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ ترکی بھی اس جنگ میں پھاند پڑے کیونکہ ظاہر ہے "جنگ دیرینہ" ہمیں چاہئے کہ ہم اسے اتنا مضبوط و مستحکم بنا دیں کہ وہ ان فوجوں کا مقابلہ کر سکے جو برطانوی فوجوں پر حملہ کرنے کی غرض سے اس کی سرحدوں سے گزرنا چاہیں۔

ترکی کی نیک نیتی پر اور اس سیاستدانی پر اعتماد رکھئے جو بادشاہ بجیر ایک عظیم الشان سلطنت کے مالک ہونے کی بنا پر اسے ورثہ میں ملی ہے۔

(ماخوذ)

جلسۂ تقسیم انعام و جشن سالگرہ

ایم۔ اے۔ او۔ گرلز اسکول (کلکتہ)

ایم۔ اے۔ او۔ گرلز اسکول (کلکتہ) کا سولھواں سالگرہ و جلسۂ تقسیم انعام زیر صدارت جناب ای۔ کے چیٹرجی صاحب۔ آئی۔ سی۔ ای (کلکٹر و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع مرشد آباد) اور ان کی اہلیہ مسز چیٹرجی ۲۲ مئی ۱۹۴۳ء بمقام "بیل ڈانگا" منعقد ہوا۔ کلکٹر اور اُن کی بیوی کی آمد پر اسکول کی دو طالبات نے نہایت خوبصورت گوٹے کے ہار جو لڑکیوں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائے تھے پہنائے۔ جلسہ کا آغاز اسکول کی ایک لڑکی نے نہایت خوش الحانی سے آیت قرآنی سے کیا۔ اس کے بعد لڑکیوں نے مناجات، نظم، مکالمہ، ڈرل وغیرہ پروگرام کھیلا جو اردو، بنگلہ و انگریزی میں نہایت عمدگی سے ادا کیا۔

پروگرام کے اختتام پر مسز ایچ۔ اے حکم صاحبہ (بانی و آنریری سکریٹری) نے سالانہ رپورٹ پڑھی جس میں انھوں نے بتایا کہ اسکول نے خدا کے فضل و کرم سے سولھویں سال کی منزل طے کر کے سترھویں میں قدم رکھا ہے۔ گزشتہ سال اس جنگ عظیم کے باعث اسکول کلکتہ سے منتقل کر کے بیل ڈانگا ضلع مرشد آباد (بنگال) میں عارضی طور پر کھولا گیا۔ حالانکہ یہاں مسلمانوں کی آبادی ۷۵ فی صدی ہے۔ لیکن کوئی اسکول با تعلیم گاہ لڑکیوں کے لئے نہیں کھولی گئی تھی۔ اسے مدنظر رکھتے ہوئے اور چونکہ یہ مقام کلکتہ سے قریب اور پُر امن بھی ہے۔ اسکول کے ممبران کمیٹی نے اسی مقام کو اسکول کے لئے منتخب کیا۔ فی الحال اسکول میں ۹۳ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں جن سے کثیر تعداد بلا اجرت تعلیم پا رہی ہیں۔ اور ان کا بار گراں اسکول کو اٹھانا پڑ رہا ہے۔ موجودہ حالت میں اسکول کے کلکتہ سے منتقل ہو جانے پر آمدنی میں کافی کمی ہو گئی ہے۔ ملیسکرس ایٹ سکول ٹرسٹ کی مہربانی سے اسکول کو گورنمنٹ گرانٹ ابھی تک جاری ہے۔ اعلیٰ حضرت نظام الملک خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ (حیدر آباد) سے بھی ماہواری عطیہ حسب معمول مل رہا ہے۔ لیکن یہ رقم اس کمی کو پورا نہیں کر سکتی۔ اسکول میں اس وقت (۹) استانیاں و ٹیچرز ہیں جن میں (۷) ٹرینڈ و گریجوئیٹ ہیں۔ جو نہایت دلچسپی و کاوش سے کام انجام دے رہی ہیں۔

یہاں کی مستورات میں تعلیمی اشتیاق کو دیکھتے ہوئے ایک شعبہ "تعلیم بالغات" کا اجرا کیا گیا جس میں مستورات کو دینی تعلیم کے علاوہ بنگلہ، حساب، حفظان صحت، امور خانہ داری، بچوں کی دیکھ بھال دستکاری وغیرہ سکھائی جاتی ہے۔ مسز جی۔ اے۔ وہاب صاحبہ (گلشن آرا بیگم) کی زیر نگرانی اس شعبہ نے نمایاں ترقی حاصل کی۔

آنریری سکریٹری نے اسکول کے مددگار و معاون اور اخباروں کا شکریہ ادا کیا۔ جو ہمیشہ اسکول کی درمے، قدمے، سخنے مدد کیا کرتے ہیں۔ اسکول کے چند ممبران کمیٹی کی غیر حاضری کو محسوس کرتے ہوئے معزز صدر نے اسکول کے رپورٹ کے جواب میں فرمایا کہ "مجھے آج اس اسکول اور بچیوں کو دیکھ

نہایت خوشی ہوئی۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ بیل ڈانگا میں لڑکیوں کا ایک ایسا اسکول موجود ہے جو سچے معنوں میں قومی خدمت انجام دے رہا ہے۔ نیز دیکھ کر تعجب ہوا کہ دیہاتی لڑکیوں نے ایک سال کے قلیل عرصہ میں اچھی ترقی حاصل کی۔ اور جو لڑکیاں سکول کے نام سے بھی واقف نہ تھیں انھوں نے آج اس خوبصورتی سے اپنا کام انجام دیا۔

شعبہ "تعلیم بالغات" کے متعلق انھوں نے مسز حکم صاحبہ کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ ضلع "مرشد آباد" میں یہ پہلا شعبہ ہے جو عورتوں کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس وقت ہندوستان کو "تعلیم بالغات" کی سخت ضرورت ہے۔ امید ہے کہ یہ شعبہ روز بروز ترقی کرتا رہے گا۔ اور یہاں کی مستورات میں کافی بیداری پیدا ہو جائے گی۔

دوران تقریر میں صدر موصوف نے کہا کہ "لڑکیوں کا نصاب تعلیم" لڑکوں سے جداگانہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ لڑکیوں کی زندگی لڑکوں سے جدا ہے نیز میں "مخلوط تعلیم" کے بھی خلاف ہوں۔ خصوصاً لڑکیوں کے کالج کی "مخلوط تعلیم" ہندوستان کی روایات کے خلاف ہے۔ اور جس کا اثر انکی آئندہ زندگی پر پڑتا ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ لڑکیوں کے لئے خاص یونیورسٹی قائم کی جائے۔ جہاں وہ آزادی سے علم حاصل کر سکیں۔ اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے صدر نے کہا "جبکہ یہ سکول اس اعلیٰ پیمانہ پر یہاں چل رہا ہے تو میں یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ جنگ کے اختتام پر اسے بند کر دیا جائے۔ لہذا میری دلی خواہش ہے کہ سکول اسی طرح قائم رہے اور یہاں کی بچیاں اس سے مستفیض ہوں۔ اس لئے میں ایک قطعۂ زمین بیل ڈانگا میں جہاں مسز حکم صاحبہ انتخاب کریں دینے کے لئے تیار ہوں۔ اور سکول کی جس قسم کی ضرورت ہو اس کے لئے حاضر ہوں۔

ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب علیگ (جائنٹ آنریری سکرٹری) نے صدر اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے شرکت کر کے جلسے کی رونق کو بڑھایا۔

مسز ای کے چٹرجی صاحبہ نے بکمال مہربانی انعام تقسیم کیا۔ اور نمائشی دستکاری کو دیکھ کر مسرور ہوئیں۔

از ایم اے، او گرلز سکول
بیل ڈانگا ضلع مرشد آباد (بنگال)

معتدل مزاجی

"مرنجان مرنج" کسے کہتے ہیں؟ وہ دوسرے لوگوں سے کن باتوں میں ممتاز ہوتا ہے؟ ایسے شخص کے متعلق آپ ذرا سوچیں تو چند باتیں فوراً ذہن میں آئیں گی، مثلاً ایسا شخص خوش مزاج ہوتا ہے۔ ہنس مکھ ہوتا ہے بات بات پر بگڑتا نہیں۔ اگر آپ اسے کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ بھی دیں تو وہ پی جاتا ہے۔ پھر وہ حتی المقدور کسی سے لڑائی جھگڑا مول نہیں لیتا اور لڑائی جھگڑے سے بچنے کے لئے اسے کوئی نقصان بھی اٹھانا پڑے تو وہ اسے برداشت کر لیتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ زندگی کے دن خوش مزاجی اور خندہ پیشانی سے گزر جائیں۔ اس کی طبیعت کی افتاد مرنجان مرنج کی سی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ کچھ کچھ اقبال کے قلندر سے ملتا ہے جو غم زندگی کو سم زندگی تصور کرتا ہے اور حتی المقدور اس سم غم سے بچتا ہے۔ مگر ہم قلندر نہیں کہہ سکتے کیونکہ "قلندر" کا طرز زندگی اپنے اندر ایک قسم کی جسارت رکھتا ہے۔ اور ہمارا مرنجان مرنج دوست اس جسارت کے قابل ہی نہیں وہ جانتا ہے کہ دنیاوی دھندے ضروری ہیں اور ان کے بغیر چارہ نہیں وہ اپنے کام کاج سے کاروبار سے بیوی بچوں کی نگہداشت سے گریز نہیں کرتا۔ وہ یہ سب کچھ کرتا ہے لیکن اس کے دل میں یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ اس دوڑ دھوپ کو اور کیوں بڑھاؤں، مسافر گاڑی کے ڈبہ میں جہاں دس آدمیوں کی جگہ ہے وہاں پورے ایک سو تن جمع ہیں ہمیں کھڑا ہی رہنا پڑے گا۔ تو کیا یہ حماقت نہ ہو گی کہ ایسی حالت میں ہم پڑوسیوں سے جھگڑا مول لیکر اپنی کلفت کو اور بڑھائیں۔

پھر ہمارا مرنجان مرنج دوست بالعموم لوگوں کی نیکیوں کو دیکھتا ہے، ان کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے وہ دوسروں کے نقائص کی تلاش میں نہیں رہتا، نہ وہ ہر بات پر شک کرتا ہے۔ بعض لوگوں کو دوسروں کی عیب جوئی کا مرض ہوتا ہے۔ ان سے کوئی نیکی کیجئے، وہ یہی سمجھیں گے کہ اس میں بھی کوئی فریب چھپا ہے ہمارا بھلا مانس اس قسم کی عیب جوئی کو برا جانتا ہے۔

مرنجان مرنج انسان کی تین خوبیاں ابھی بیان کی گئی ہیں، وہ خوش مزاج ہے۔ لڑائی جھگڑوں سے بچنے کے لئے نقصان بھی برداشت کر لیتا ہے اور عیب جو اور بدبین نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تین خوبیاں اس نے سیکھی ہیں یا اس کی طبیعت کی افتاد ہی کچھ ایسی ہے کیا اس کی بھلائی اخلاق کا آموختہ ہے یا فطرت کا عطیہ؟ کیا ہم کسی طریقۂ تعلیم و تربیت سے ہر بچے کی طبیعت کو اس طرح ڈھال سکتے ہیں کہ وہ جوان ہو کر مرنجان مرنج ثابت ہو؟ نفسیاتی نقطۂ نظر سے اس سوال کا جواب نفی میں ہو گا۔ تعلیم و تربیت سے بچے کو خوش اخلاق بنایا جا سکتا ہے۔ خوش مزاج نہیں، خوش مزاجی جو مرنجان مرنج شخص کی خاص نشانی ہے۔ فطری چیز ہے، جس کو اچھی تربیت چمکا سکتی ہے لیکن پیدا نہیں کر سکتی۔

مرنجان مرنج بعض انسان کی ایک مستقل نوع ہے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے حیوانات کی ہر نوع میں افراد گروہوں میں بٹ سکتے ہیں بعض فطرتاً اور نسبتاً زیادہ لڑاکے اور پیش پیش رہنے والے ہوتے ہیں، اور بعض شرمیلے ہوتے ہیں نسبتاً حلیم الطبع اور اپنے ساتھیوں کی سرداری کے ناقابل بھلے مانس یا مرنجان مرنج لوگ اس دوسری قسم کے انسان ہیں۔ ان کی طبیعت انھیں آگے بڑھنے نہیں دیتی اور چونکہ آگے بڑھنے کے لئے لڑائی جھگڑے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس سے سخت متنفر ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ایسے موقعوں پر بھی لڑنے سے گریز کرتے ہیں۔ جہاں یہ عمل اخلاق کے عین مطابق ہوتا ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا تھا۔ خوش مزاجی اور خوش اخلاقی میں فرق ہے خوش مزاجی فطری خاصیت اور خوش اخلاقی کسبی صفت ہے۔

اگر مرنجان مرنج کا یہ تجزیہ صحیح ہے تو ایک نتیجہ لازمی آتا ہے ایسے شخص کی خوش مزاجی اولاً خود اس کی اپنی تسکین کے لئے ہوتی ہے نہ کہ دوسروں کی تسکین کے لئے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی خوش مزاجی سے دوسروں کو فائدہ پہونچتا ہے لیکن یہ بھلا مانس اس لئے خوش مزاج نہیں ہوتا کہ اس سے دوسروں کی زندگی کے چند لمحے اچھے گزر جائیں گے۔ اگر اس کے دل میں یہ خیال بھی موجود ہے تو وہ بھلا مانس بھی ہے اور خوش اخلاق بھی، ہر بھلے مانس کے دل میں یہ خیال موجود نہیں ہوتا کہ وہ خوش مزاج ہے کیونکہ اس کی طبیعت کی افتاد ہی کچھ ایسی ہے۔ زندگی کے کاروبار میں مرنجان مرنج انسان کا کیا

...[illegible] ہے؟ کیا اس ...[illegible] کے ...[illegible] ہے؟ وہ ...[illegible] کے دوستوں اور آشناؤں کو کیا نقصان ...ان سوالوں کا جواب آپ آسانی سے ...[illegible] ہیں صرف ایک لمحہ کے لئے دل میں سوچئے ...[illegible] مرنجان مرنج دوست زندہ نہ ہو تو میں کیا کروں گا ...[illegible] جب ...[illegible] پریشان ہوتا ہوں تو اس کے پاس جاتا ہوں اور گھنٹہ دو گھنٹے اس کے کان کھاتا ہوں وہ مسکراتا ہے میری داستان سنتا ہے دلاسا دیتا ہے چائے پانی سے میرا رنج دور کرتا ہے میرا غصہ ٹھنڈا کرتا ہے اپنا کام چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ میں نے کبھی سوچا تک نہیں ہے کہ میں اس کا وقت ضائع کر رہا ہوں۔ وہ خندہ پیشانی سے میری سنتا ہے دوسرے دوستوں کی سنتا ہے، حتی المقدور ہمارے جھگڑے چکاتا ہے اپنی تکلیف کا وہ بہت کم ذکر کرتا ہے۔ اگر شکایت بھی کرتا ہے تو دبی زبان سے اور عذرخواہانہ انداز سے دشمن کو بھی اس سے کبھی تکلیف نہیں پہونچی، وہ مرنجان مرنج ہے ہر کس و ناکس کا خیر خواہ ہے بازار سے گزرتا ہے تو کسی کو سلام کرتا ہے اور کسی کو آداب عرض کسی کی مزاج پرسی کرتا ہے اور کسی سے اس کے گھر بار کی خیر خیریت دریافت کرتا ہے کسی کو دعا دیتا ہے کسی سے دعا لیتا ہے کہیں ہنستا ہے کہیں مسکراتا ہے غرض اس طرح خندہ پیشانی سے یہ بھلا آدمی زندگی کے بازار سے گزر جاتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں موجود نہ ہوں تو زندگی دوبھر ہو جائے اور حریفوں میں مصالحت کرانے والا کوئی نہ ملے۔

لیکن سچ یہ ہے کہ ایسے شخص کی قدر نہیں ہوتی ہر شخص اس سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن اسے نقصان پہونچاتا ہے کوئی اس کے کان کھا کر اور اس کا وقت ضائع کر کے اسے نقصان پہونچاتا ہے۔ کوئی اس کی کم آزاری کو دیکھ کر اس کی تکلیف کے درپے ہے۔ کوئی اسے منافق کہتا ہے۔ محض اس لئے کہ وہ ہر شخص سے مسکرا کر ملتا ہے کوئی اس کے صبر و تحمل کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور کوئی اسے احمق کہتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کے ہاتھوں اپنا نقصان برداشت کر لیتا ہے۔

شاید کارلائل نے تمام انسانوں کو دو گروہوں میں بانٹا تھا، کچھ بدمعاش ہیں اور باقی احمق، بدمعاشوں ...[illegible] پر ہوتی ہے۔ اب ہمارا بھلا مانس دوست ...[illegible] فہرست میں تو شامل ہو نہیں سکتا۔ مجبوراً لوگ اسے احمق تصور کرتے ہیں۔ یہ بے انصافی ہے اگر عقل انسان کو اس لئے دی گئی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے دن چین و سکون سے گزار دے تو ماننا پڑے گا کہ مرنجان مرنج انسان سب سے زیادہ کامیاب حکیم ہے کہ وہ امن و شانتی کا گر پا گیا ہے۔ ہاں اگر زندگی کا مقصد چین و سکون سے زیادہ کچھ حالت ہے تو ہمارے بھلے مانس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی خوش طبعی کو خوش اخلاقی کے اعلیٰ درجہ تک پہونچا دے لیکن ہر حال میں وہ بدمعاش سے بہتر ہے۔ بھلے مانس کی سادگی، بدمعاش کے فریب کے جالوں کو بالآخر کاٹ کھائے گی، اس لئے بھلے مانسوں کو گھبرانا نہ چاہئے حسیت ان کی ہے۔

بھلے مانس کی دو خوبیاں ایسی ہیں کہ جس کسی حد تک سیکھا جا سکتا ہے، خوش طبعی انسان کے اختیار میں نہیں ہے لیکن صبر و تحمل یعنی دوسروں کی خاطر نقصان برداشت کر لینا اور دوسروں کی عیب جوئی سے پرہیز کرنا، یہ دو صفتیں سیکھی جا سکتی ہیں۔ اور ان کا سیکھنا ہر انسان کا فرض ہے۔ ان خوبیوں کے بغیر دنیا کے کام چل نہیں سکتے یہی وجہ ہے کہ انسان کے بہترین پیشواؤں نے ان پر سب زور دیا ہے۔ ہمارا مرنجان مرنج دوست اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کیونکہ اس کی طبیعت پہلے ہی سے اس طرف مائل ہوتی ہے، اور جوں جوں اس کا تجربہ وسیع ہوتا جاتا ہے اُسے اپنی ان خوبیوں کی اہمیت اور قدر کا احساس بھی ہوتا جاتا ہے لیکن یہ احساس اُسے مغرور نہیں بنا دیتا ہے، جانتا ہے کہ یہ فطرت کا عطیہ ہے۔ اور وہ اس عطیہ کے لئے فطرت کا شکر گزار رہتا ہے۔

(سلطنت)

صوبۂ متوسط میں وزارت بنانے کی جد و جہد

ناگپور کی خبر ہے کہ صوبۂ متوسط میں وزارت بنانے کی کوشش جاری ہے۔ چنانچہ مسٹر محمد علی جناح کے پاس ایک وفد بھیجا گیا ہے تاکہ وہ مسلم لیگ ممبروں کو کابینہ وزارت میں شامل ہونے کی اجازت دیدیں۔ صوبہ کی اسمبلی کے ممبروں کے دستخط حاصل کئے جا رہے ہیں۔ اور دیکھا جا رہا ہے کہ کیا مجوزہ کابینہ وزارت کو اکثریت حاصل ہوگی یا نہیں؟

ناظرین کانفرنس گزٹ کو ضروری اطلاع

کانفرنس گزٹ مورخہ یکم جون کے متعدد پرچے ڈاکخانہ ...

کتب متعلق زراعت و باغبانی

علم باغبانی از مسٹر وصی اللہ خاں ایل اے جی۔ اس کتاب کے چار حصے ہیں حصہ اول میں علمی اصول لکھے گئے ہیں بقیہ تین حصوں میں ترکاریوں پھولوں ترکاریوں اور پھلوں کی کاشت کا بیان ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو نقشے دیئے گئے ہیں ضخامت ۴۳۱ صفحات قیمت چھ روپیہ

ترقی زراعت از خانصاحب محمد عبد القیوم صاحب۔ اس میں زمین کی ساخت، کھاد، آبپاشی، جتائی غلے اور ترکاریاں، تارم، مویشی، علاج الامراض مویشی اوزار، ناپ فصلوں میں بیماریاں اور کیڑے وغیرہ کا مفصل بیان ہے ضخامت ۳۲۱ صفحات علاوہ انڈکس قیمت مجلد ...

فن باغبانی مصنفہ کے این گپتا بی ایس سی (اگریکلچر) لیکچرر گورنمنٹ ایگریکلچرل اسکول بلند شہر اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں ہر قسم اور ہر موسم کی ترکاریوں اور دوسرے حصہ میں ہر قسم کی پھلواڑی اور پھلوں کی کاشت کے طریقے نہایت وضاحت اور خوبی کے ساتھ بتائے گئے ہیں۔ نیز زمین کی اقسام کھاد ترکاریوں پھلواڑی اور پھلوں کے امراض اور ان کے علاج کا بھی مفصل بیان ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر اس قدر جامع اور آسان کتاب ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی کتاب میں جابجا تصاویر نقشے اور جدول بھی دئے گئے ہیں۔ قیمت حصہ اول ۱۲؍ حصہ دوم ۱۲؍۔ دونوں حصے علٰحدہ علٰحدہ مجلد ہیں۔

اتالیق پارچہ بافی یہ کتاب بابو مکھن لال صاحب ویونگ اکسپرٹ کی ایک ہندی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے جو ماسٹر امیر الدین صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم ستی ویونگ اسکول نے کیا ہے۔ اس کتاب میں ابتدائی مدارج یعنی ہر قسم کے دھاگے کا بیان تانا و بانا اور بانے کو کلپ دینے اور بننے کے طریقے کلپ کے نسخے اور ہر قسم کے کپڑوں کے ڈیزائن وغیرہ وغیرہ مفصل طریقہ سے بتائے ہیں۔ کپڑوں کے ڈیزائن کو بذریعہ بلاکس سمجھایا گیا ہے۔ یہ بلاکس ۸۵ سے زائد ہیں۔ قیمت صرف .. .. ۱۲؍

ملنے کا پتہ:- کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(... صاحب) چودھری ...خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر ۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر ۔ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) ۱۶ جون سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۱۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۲ھ نمبر (۲۳)

خان بہادر مولوی محمد بشیر الدین صاحب

بانی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ واڈیٹر البشیر تحریر فرماتے ہیں کہ میں نہایت مسرت کے ساتھ آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ کانپور کے نامور سوداگر شیخ حافظ محمد صدیق صاحب نے اسلامیہ ہائی اسکول کو کالج بنانے کی غرض سے مبلغ ۲۵ ہزار نقد مرحمت فرمایا ہے۔ اسلامیہ اسکول کی مینیجنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ماہ اگست میں کالج بنانے کی درخواست باضابطہ پیش کرے۔"

اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ ہمارے صوبہ کا بہت مشہور معروف اور پرانا اسکول ہے۔ اور اگرچہ وہ صوبۂ متحدہ میں واقع ہے لیکن اس کی حیثیت تقریباً ایک آل انڈیا اسکول کی ہے، کیونکہ اس میں ہمیشہ مختلف صوبوں کے مسلمان طلبہ تعلیم حاصل کرتے رہتے ہیں اور اس نے اچھے اچھے طالب علم پیدا کئے ہیں اور شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہمارے ملک کے متعدد مشہور و قابل مسلمان جو آج بڑے بڑے ذمہ داری کے کام انجام دے رہے ہیں وہ اسلامیہ ہائی اسکول کے تعلیم یافتہ ہیں۔ یہاں سے نکلنے کے بعد انھوں نے ایم اے او کالج یا کسی اور مشہور کالج میں تعلیم پائی، اور شہرت حاصل کی لیکن انہیں اب بھی اس کا اعتراف ہے کہ اُن کی تعلیم و تربیت میں اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کا خاص حصہ ہے۔ اسکول کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ متعدد اصحاب جنھوں نے یہاں تعلیم پائی تھی دوسرے اسکولوں کو نظر انداز کرکے اب اپنے بچوں کو بھی تعلیم کے لئے اسی اسکول میں بھیج رہے ہیں۔

اسلامیہ اسکول کو کالج بنانے کی تحریک مدت سے جاری ہے اب اس میں [illegible] مناسب نہ ہوگی۔ ہماری دعا ہے کہ مولوی محمد بشیر الدین صاحب بانی اسکول کی یہ دیرینہ آرزو ان کی زندگی ہی میں پوری ہو جائے، اور وہ اپنی کم و بیش چہل سالہ جد و جہد کے خوشگوار نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

شیخ عطاء اللہ صاحب ایم اے لیکچرر شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی نے ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کے مکاتیب کی فراہمی و ترتیب کا جو کام شروع کیا ہے اُس کی اطلاع کانفرنس گزٹ میں پہلے شائع ہو چکی ہے۔

اب ڈاکٹر صاحب پبلسٹی بیورو مسلم یونیورسٹی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب کو گزشتہ دو تین ماہ کے اندر معقول کامیابی حاصل ہوئی ہے'

جن بزرگوں کے پاس ڈاکٹر اقبال کے خطوط ہوں وہ شیخ صاحب موصوف کو بھیج دیں' مکاتیب حسب خواہش نقل کے بعد بحفاظت بھیج دیئے جائیں گے یا یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ رکھے جائیں گے '' ان لوگوں کے نام اور پتے مہیا کرنا جن سے حصول مکاتیب کے لئے درخواست کرنی چاہیئے مرتب مکاتیب اقبال کے لئے باعث ممنونیت ہوگا۔"

حکومت ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ ۷۰ فیصدی سرکاری کاغذ جو ہندوستان کے کارخانوں کا بنا ہوا ہو، ۷۰ فیصدی کاغذ خود لے گی۔ باقی ۳۰ فیصدی کاغذ پبلک کی ضروریات کے لئے چھوڑ دے گی۔ اس سے پہلے حکومت نے ۹۰ فیصدی کاغذ سرکاری ضروریات کے لئے مخصوص کر لیا تھا' ایسی حالت میں جبکہ کاغذ کی درآمد ملک میں بند ہے یہ ۳۰ فی صدی بھی عام ضروریات کے لئے ناکافی ہے مگر جو کچھ ہوا یہ بھی غنیمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ جون ۱۹۶۳ء

"لیڈر یا رہنما"

(۲)

اپنے پچھلے مضمون میں ہم نے بتایا تھا کہ قوموں کے اصلی رہنما اور لیڈر وہ پیغمبر و رسول ہیں جو بنی نوع انسان کی اصلاح و رہنمائی کے لئے مامور ہوتے ہیں، دوسرے لوگ جو ہماری روزمرہ کی اصطلاح میں لیڈر یا رہنما کہے جاتے ہیں ایک پیغمبر کے منصب جلیل کے مقابلہ میں اُن کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ وہ انسانوں کی رہنمائی کا فرض اس عزم و ہمت اور ہمہ گیری کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے جس عزم و استقامت سے ایک پیغمبر اپنا فرض ادا کرتا ہے۔

پیغمبر کب آتا ہے، اس کے کیا فرائض ہیں اور وہ اپنا فرض کس طریقہ سے ادا کرتا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو تفصیلی جواب کے طالب ہیں لیکن اس موقع پر اختصار کے ساتھ ضروری امور عرض کئے جاتے ہیں۔

انسان کی فطرت ایسی ہے کہ اُس میں نیکی و بدی دونوں کی صلاحیت و استعداد موجود ہے۔ اور جو عقل یا سمجھ بوجھ اس کو عطا کی گئی ہے وہ اُس سے اچھے کام بھی لے سکتا ہے اور بُرے بھی گویا اُس میں ملکوتی قوتیں بھی ہیں اور شیطانی بھی، اب اُسے اختیار ہے کہ جس قوت سے چاہے کام لے۔ چنانچہ انسان خارجی اسباب و ماحول سے متاثر ہو کر کبھی تو اپنے مالک حقیقی اور خالق کائنات کا ایک اطاعت شعار اور نیک کردار بندہ ثابت ہوتا ہے اور ایسے ایسے اچھے کام کرتا ہے کہ شاید فرشتے بھی اس پر رشک کرتے ہوں گے۔ اس کے خلاف کبھی وہ ایک باغی و نافرمان و نابکار بندہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اس کی سرکشی و بدکرداری اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ شیطان بھی اس سے پناہ مانگتا ہے۔

جب کسی زمانہ میں کسی خاص ملک و قوم میں اس قسم کے بدخصلت و شیطان سیرت انسانوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کائنات کے حقیقی مالک کو بھول کر اور بے خوف ہو کر ہر قسم کی بدکرداری میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو رحمت خداوندی اس امر کو مقتضی ہوتی ہے کہ ان گم کردہ راہ انسانوں کو اس ذلت و پستی کی زندگی سے نکالنے کے لئے اپنے کسی خاص بندہ کو مامور کرے جو دوبارہ ان باغی انسانوں کا رشتہ ان کے معبود حقیقی سے جوڑ دے اور انہیں اس بلند مرتبہ پر پہنچا دے جو فطرت نے نہایت فیاضی سے روز ازل ہی اُن کے لئے ودیعت کیا تھا لیکن وہ اپنی اخلاقی پستی کی وجہ سے اُسے حاصل نہ کر سکے۔

غرض جب ایک پیغمبر کسی قوم کی اصلاح کے لئے مامور ہو کر آتا ہے تو اُس کے سامنے انسانوں کا ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جسے ہم بے باک "جرائم پیشہ" کے الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ گروہ کسی اخلاقی قانون و آئین یا کسی خاص نظام حیات کا پابند نہیں ہوتا نہ اُس کے سامنے کوئی خوش نصب العین ہوتا ہے بلکہ ہر شخص صرف ذاتی مفاد اپنے پیش نظر رکھتا ہے اس خودغرضی اور نفس پروری کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ قوم کے جو افراد با اقتدار اور دولتمند ہیں وہ کمزوروں کے حقوق غصب کر لیتے ہیں اور انہیں اپنا غلام و تابع فرمان بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔

اس ظالمانہ طرز عمل کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کے مختلف طبقات میں ایک مستقل منافرت و کشمکش پیدا ہو جاتی ہے جو برابر جاری رہتی ہے اور جو زبردست ہیں وہ کمزوروں پر مشق ستم کرتے رہتے ہیں اور چونکہ قوم کا یہ دولتمند طبقہ کسی مذہبی یا اخلاقی قانون و اصول کا پابند نہیں ہوتا اور ہر قسم کی بازپرس و احتساب سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اس لئے وہ اپنی دولت ذاتی تعیش و نفس پرستی میں خرچ کرتا ہے اور ہر قسم کے شرمناک گناہوں کا علی الاعلان ارتکاب کرتا بلکہ اُن پر فخر کرتا ہے، اس بیباکی و دلیری کا یہ لازمی اثر ہے کہ بدکرداری اور گناہ کی بُرائی لوگوں کے دلوں سے زائل ہو جاتی ہے اور اخلاقی پستی اس حد تک پہنچ جاتی ہے اور احساس اس قدر مُردہ ہو جاتا ہے کہ نیکی و بدی میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔

ان بدکرداریوں کی وجہ سے ملک کی ساری فضا اس قدر گندی و غلیظ ہو جاتی ہے کہ جو شخص بھی اس ماحول میں داخل ہوتا ہے اس کا ذہن ان بُرائیوں سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی نیک کردار و سلیم الفطرت شخص کو بھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ ان بداعمالیوں کے خلاف زبان کھول سکے۔ اور اگر وہ ایسی جرأت کرے بھی تو اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے، ایسی قوم میں اتفاق ہی سے کوئی ایسا خوش نصیب ہوتا ہے جو خدائے واحد و یگانہ کا پرستار اور خوش کردار ہو اور جس کا دامن ان گناہوں سے آلودہ نہ ہو۔

پس ایسی قوم کے کردار و اعمال کا مختصر اور دھندلا سا خاکہ جس میں کوئی پیغمبر مامور ہوتا ہے ایک ایسا فرض انجام دینے کے لئے جو نہایت عظیم الشان و نازک ہے اور جس کا انجام دینا بظاہر طاقت بشری سے باہر ہے۔ وہ فرض کیا ہے؟ ان جاہل، وحشی، ناتراشیدہ اور بدکردار انسانوں کو خدائے واحد کا پرستار بنانا اور روحانی و اخلاقی تربیت دے کر انسانیت کے بلند مرتبہ پر پہنچانا۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ مصلح یا پیغمبر کسی مہذب و ترقی یافتہ ملک سے نہیں آتا بلکہ وہ بھی اسی جاہل و ناتربیت یافتہ قوم میں سے اپنے کسی بندہ کو جس نے اس وحشتناک ماحول میں تربیت پائی ہے پیغمبری کے منصب جلیل سے سرفراز فرما کر اس نازک و عظیم الشان خدمت کے لئے مامور فرماتا ہے اور اُس کو ایسی روحانی و اخلاقی طاقت عطا کرتا ہے کہ اُس کی نظر کیمیا اثر سے بڑے بڑے سرکش و مغرور سرنگوں ہو جاتے ہیں اُس کی جنبش لب سے مردہ دلوں کو تسخیر کر لیتی ہے اور اس کی معجز بیانی سے پتھر دل موم ہو جاتے ہیں۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطانی و طاغوتی طاقتیں مقابلہ پر آتی ہیں اور قدم قدم پر اُس کے کام میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں تاکہ وہ پیام ربانی اور وہ نعمت عظمیٰ جسے پیغمبر دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے نہ پہنچا سکے اور پیغمبر اور اُس کے منکرین و مخالفین کے درمیان ایک

زبردست کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور پیغمبر کے اعوان و انصار جنھوں نے وہ پیام الٰہی قبول کیا اور پیغمبر کی فرمان پذیری کا عہد کیا ہے اس "تعلیم جدید" یا "دین مبین" کی حفاظت کے لئے جانبازی اور سر فروشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اُن کی یہ استقامت و قربانی کبھی ضائع نہیں جاتی یعنی خدا انھیں کامیاب کرتا ہے اور یہ دور ابتلا گزر جاتا ہے۔

خدا کے مامور و فرستادہ سے منکرین و مخالفین کا یہ مقابلہ بظاہر تعجب انگیز ہے، کیونکہ خدائے قادر و توانا کے لئے یہ بالکل ممکن تھا کہ وہ کسی شیطانی طاقت اور منکر و مخالف کو یہ ہمت و حوصلہ نہ دیتا کہ وہ اُس کے پیغمبر سے برسر پیکار ہونے کی جرأت کر سکے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حق و باطل کی یہ کشمکش ناگزیر و مبنی بر مصلحت ہے کیونکہ جو مقصد بغیر کسی سعی و محنت یا مقابلہ و قربانی کے حاصل ہو جاتا ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں مانی جاتی، اس لئے یہ ضروری تھا کہ حق و باطل میں ایک زبردست مقابلہ ہو جس میں حق کو فتح ہو اور باطل کو شکست،

اس کے علاوہ حق و باطل کی اس کشمکش کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جن لوگوں نے خدائے واحد کی پرستش اور اُس کے پیغمبر کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا ہے اُن کے عزم و استقلال اور قوت برداشت کا امتحان لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ مصیبت کے وقت وہ کس حد تک صبر و استقامت کا ثبوت دیتے ہیں، اور توحید کی جو امانت انھیں عطا کی گئی ہے اس کی حفاظت کے لئے کس قدر قربانی کر سکتے ہیں۔

اس امتحان و آزمائش اور قربانی کے متعلق خود قرآن مجید میں جا بجا صراحت کی گئی ہے چنانچہ ایک موقع پر یہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ (بقرہ)

اس ارشاد میں صراحتاً یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو یعنی اُن لوگوں کو جنھوں نے خدا کی وحدانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا ہے سخت امتحان و آزمائش سے گزرنا پڑے گا اور اُن پر بہت سے مصائب نازل ہوں گے مثلاً خوف، فاقہ، مال و دولت کا نقصان، اور جانوں کی ہلاکت وغیرہ۔

اب جو لوگ ان مصائب کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کریں گے اور ان کے قدم میں لغزش نہ ہوگی، نہ اُن کے یقین و اذعان میں کوئی تزلزل ہوگا اور اس مصیبت کی حالت میں بھی وہ اپنے "معبود حقیقی" کو نہ بھولیں گے بلکہ کہیں گے کہ ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں آخر کار اسی کی طرف جانا ہے تو یہ لوگ گوناگوں برکات اور رحمت الٰہی کے مستحق ہوں گے اور حقیقت حال تک اُن کی رسائی ہوگی۔

اسی طرح ایک اور موقع پر یہ ارشاد ہوا ہے۔

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ (عنکبوت)

یعنی کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم ایمان لائے، اور اُن کی جانچ نہیں کی جائے گی، اور ہم نے جانچا ہے اُن لوگوں کو جو اُن سے پہلے تھے سو البتہ معلوم کرے گا اللہ اُن لوگوں کو جو سچے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا اُن کو جو جھوٹے ہیں۔

اس ارشاد خداوندی سے صراحتہً یہ ثابت ہوتا ہے کہ محض زبان سے یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لائے ہرگز کافی نہیں، بلکہ خدا اس بات کی جانچ کرے گا کہ جو کچھ انہوں نے زبان سے کہا وہ اُن کے عمل سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں؟ اب یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ اس جانچ اور امتحان میں پورے اتریں گے وہی "مومن کامل" سمجھے جائیں گے اور جو ناکارہ رہے عمل ہیں اُن کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔

اسی طرح قرآن مجید میں دوسرے متعدد مقامات پر اس کی صراحت موجود ہے کہ خدا تعالیٰ نزول مصائب کے ذریعہ سے ایمان والوں کی آزمائش کرتا ہے۔ اور جو لوگ پوری استقامت سے اس مصیبت کو برداشت کر کے اپنے کھرے اور پختہ ہونے کا ثبوت دیتے ہیں انہیں مراتب عالیہ پر فائز کرتا ہے، یہ سنت الٰہیہ ہمیشہ سے جاری ہے اور اسی طریقہ سے قوموں کی آزمائش ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بھی امتحان و آزمائش کی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑا ہے،

ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قوم کسی عظیم الشان مقصد کے لئے اٹھتی ہے اور کسی بلند مرتبہ پر پہنچنا چاہتی ہے اُسے حصول مقصد کے لئے سخت سے سخت مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور بہت سی مالی و جانی قربانیوں کے بعد وہ منزل مقصود تک پہنچتی ہے، بشرطیکہ یہ جد و جہد کسی صحیح رہنما اور لیڈر کی قیادت میں ہو، اور یہ لیڈر یا تو پیغمبر ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو پیغمبر کی صحیح تعلیمات و ارشادات کا حامل اور کامل طور پر اس کا متبع ہو، اور اس نور رسالت کی روشنی میں عوام کی رہبری کا فرض انجام دے،

پیغمبر کی رہنمائی کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ جب حق و باطل میں کشمکش شروع ہوتی ہے اور شیطانی طاقتیں ہر طرف نہایت بھیانک اور خوفناک صورتوں میں ہنگامہ آرا نظر آتی ہیں تو پیغمبر جو صحیح معنی میں قوم کا لیڈر ہوتا ہے اس موقع پر حیرت انگیز استقلال و استقامت کا ثبوت دیتا ہے، اس کے قدم کو ذرا بھی لغزش نہیں ہوتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر نازک سے نازک اور خطرناک موقع پر وہ قوم کے دوش بدوش بلکہ پیش پیش رہتا ہے اور قوم یہ محسوس کر لیتی ہے کہ اس کا رہنما ایک غیر متزلزل عزم و حوصلہ کا آہنیں انسان ہے جو آخر لمحہ تک اس کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔

مثال کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے سامنے ہے کہ حضور نے ہر پُر خوف و صبر آزما موقع پر کس طرح جرأت و استقامت کا ثبوت دیا۔ اور جس عزیمت کے ساتھ میدان جنگ میں عام لوگوں کے ساتھ کیسے کیسے محنت و مشقت کے کام انجام دیئے۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ صحابہ کرام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور دین الٰہی کے لئے ایک زبردست اور غیر متزلزل جذبۂ وفاداری پیدا ہو گیا تھا۔ اور وہ میدان جنگ میں

امریکہ کے ہولناک جنگی مصارف

نیویارک کی ایک خبر میں یہ بتایا گیا ہے کہ ۱۹۴۲ء میں جنگ کی وجہ سے امریکہ کے خرچ میں ۹ ارب ڈالر (یعنی ۲۴ ارب ۷۰ کروڑ روپیہ) کا اضافہ ہو گیا تھا وزیر خزانہ نے ۱۹۴۳ء کے لئے ۵۴ ارب ڈالر کی اور درخواست کی ہے۔ ادھار اور پٹہ کے محکمہ نے باہر سامان بھیجنے کے لئے ۶ ارب ڈالر کی مزید رقم کی درخواست کی ہے۔

اس قسم کی سب ضرورتوں کو ملا کر ۱۹۴۳ء کے مالی سال میں مصارف کا تخمینہ ایک کھرب دو ارب ڈالر تک پہنچ جائے گا اس کا یہ مطلب ہے کہ ٹیکسوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ ایک کھرب دو ارب ڈالر کی رقم میں سے صرف ۱۵ ارب ڈالر کی رقم غیر فوجی کاموں پر صرف کی جائے گی باقی رقم فوجی کاموں پر خرچ ہوگی۔

موجودہ جنگ میں سلطنت برطانیہ کے جانی نقصانات

گزشتہ ہفتہ میں پارلیمنٹ کے اجلاس میں بیان دیتے ہوئے وزیر اعظم برطانیہ مسٹر اٹلی نے جنگ کے پچھلے ... میں سلطنت برطانیہ کے ۵۱۴۹۹۳ آدمی ہلاک، زخمی گرفتار اور مفقود الخبر ہوئے جن میں سے ۹۲۰۸۹ مارے گئے اور ۲۲۶۷۹۰ لاپتہ اور گرفتار ہوئے ان میں ۷۷۴۳۷ لاپتہ ہیں اور ۱۴۳۰۵ زخمی اور ۱۰۱۸۶۷ جنگی قیدی ہیں، ان میں وہ فوجی بھی شامل ہیں جو سمندر پار ملکوں میں جا کر لڑے اور ہلاک ہو گئے۔

ہندوستان کے ۷۶ ۱۰۲۵ آدمی ہلاک، زخمی لاپتہ اور گرفتار ہوئے ان میں ۳۲۸۳ ہلاک ہوئے ۸۶۲۸۹ لاپتہ ہیں، ۹۱۶۷ زخمی ہوئے اور ۳۸۳۶ جنگی قیدی ہیں۔ آسٹریلیا کے ۵۳۹۵۹۔ نیوزیلینڈ کے ۱۹۳۴۵ اور جنوبی افریقہ کے ۲۲۶۱۵ آدمی ہلاک، زخمی اور گرفتار ہوئے۔

ایک امریکن مصنّف کے مضامین پر پابندی

نئی دہلی سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ حکومت ہند نے زیر دفعہ ۴۱ ڈیفنس آف انڈیا رولز حکم جاری کیا ہے کہ امریکن جرنلسٹ و مصنف مسٹر لوئی فشر کی تمام تحریروں اور تقریروں پر جو ہندوستان کے متعلق ہیں پابندی لگا دی گئی ہے کہ انھیں مکمل طور پر یا اُن کے حصوں کو کتابی صورت، پمفلٹ یا کسی اخبار میں شائع کرنے سے پہلے حکومت ہند کے چیف پریس ایڈوائزر کو جانچ کے لئے پیش کیا جایا کرے۔ اور چیف پریس ایڈوائزر کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی پرنٹر، پبلیشر یا ایڈیٹر ہندوستان کے متعلق، امریکن جرنلسٹ مسٹر لوئی فشر کی تحریر و تقریر شائع نہ کرے۔

عصمت انونو صدر جمہوریہ ترکیہ کی تقریر

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ "انقرہ ریڈیو" پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ عصمت انونو صدر جمہوریہ ترکیہ نے ری پبلکن پیپلز پارٹی کی کانگریس (جماعت خلق) کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

ہمیں امید ہے کہ "گرانڈ نیشنل اسمبلی" میں آئندہ حالات کا پوری تمانت قدمی سے مقابلہ کیا جائے گا اور ضرورت ہوئی تو وہ ملک کی خاطر ہر قسم کی ضروری تدبیریں اختیار کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔

عالمگیر جنگ اور عالمگیر پالیسی کے بار اور بار کی وجہ سے ترکی کے وقار اور اس کی قوت میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے حکومت نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ وہ قوم کی ضرورتوں کو ملک کی خارجی پالیسی اور اس کے تحفظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی ہے۔

سلسلۂ تقریر میں صدر عصمت انونو نے اُن مشکلات کا بھی ذکر کیا جو آج کل حکومت کو پیش آ رہی ہیں اور اعتماد ظاہر کیا کہ حکومت ان سب مشکلات پر غالب آ جائے گی آپ نے فرمایا ہم ایک ہی نصب العین کی طرف بڑھ رہے ہیں اور وہ اپنے وطن کی حفاظت ہے، جب کبھی ضرورت ہوگی تو ہمارا یہ فرض ہوگا کہ ہم اپنے وطن کے لئے سارے بری، بحری اور ہوائی وسائل کو اپنے وطن کی حفاظت کی خاطر استعمال کریں۔

صدر جمہوریہ نے یہ بھی فرمایا کہ جنگ ختم ہونے تک ترکی کو جن مشکلات پر غالب آنا ہوگا وہ جنگ ختم ہونے ہی غائب نہیں ہو جائیں گے۔ بہر صورت ہمیں آزاد قوموں کے شانہ بشانہ چلنے کے قابل بننے کے لئے طویل زمانہ درکار ہوگا۔ جو قومیں ہر امکان پر نظر رکھتی ہیں جن کے ... اور ... جن کی پشت پر طاقت ہے وہ ہر طرح محفوظ ہو جائیں گی اور ہمیں پختہ یقین ہے کہ ترک قوم بھی انھیں میں سے ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ صدر جمہوریہ ترکیہ عصمت انونو اور ترکی مدبرین نے اس عالمگیر جنگ میں غیر معمولی سیاسی فراست، تدبّر اور ماہرانہ قابلیت کا ثبوت دیا ہے اس جنگ میں ایک سے زیادہ موقعے ایسے آئے جبکہ یقین کیا جاتا تھا کہ ترکی کا موجودہ جنگ میں شریک ہونا ناگزیر ہے لیکن ترکوں نے نہایت خوش اسلوبی و دانشمندی سے ان موقعوں کو ٹال دیا۔

جنگ کی اس طویل مدت میں ترکوں کو طمع بھی دلائی گئی اور خوف بھی لیکن عصمت انونو کی یہ استقامت اور عزم کی پختگی لائق ستائش ہے کہ نہ وہ طمع کے جال میں پھنسے نہ خوف زدہ ہوئے۔ اور اس امید و بیم کی کش مکش میں تقریباً چار سال غیر جانبداری کی حالت میں گزار دیے۔

جب یونان پر جرمنی کا خوفناک حملہ ہوا اور آتش جنگ بلغاریہ سے یونان تک پہنچ گئی تو ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ اب ترکی کو لازماً جنگ میں شریک ہونا پڑیگا مگر یہ موقع بھی گزر گیا لیکن یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی غیر جانبداری کے معنیٰ یہ نہ تھے کہ وہ چار سال تک خاموشی سے بیٹھے جنگ کا تماشا دیکھتے رہے بلکہ وہ نہایت سرگرمی سے جنگی ساز و سامان کی تیاری اور فوج کی از سرِ نو تنظیم و تربیت میں مصروف رہے اور یہ پورا زمانہ انھوں نے اپنی قوت و طاقت بڑھانے میں صرف کیا۔

ان کی یہ مستعدی و سرگرمی اس حد تک پہنچ گئی کہ خود ان کے حریفوں نے بھی یہ محسوس کر لیا کہ اگر ترکوں کی غیر جانبداری توڑنے کی کوشش کی گئی تو وہ پوری قوت سے اس کا مقابلہ کریں گے۔ ترکوں کی یہ پالیسی اس قدر کامیاب رہی کہ اتحادیوں نے بھی اس کو پسند کیا اور بنظر استحسان دیکھا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان کی غیر جانبداری سے اتحادیوں کو بہت فائدہ پہنچا، ہماری دعا ہے کہ ترک آئندہ بھی اپنی غیر جانبداری قائم رکھنے میں کامیاب رہیں اور جنگ کے شعلے اُن کے محبوب وطن تک نہ پہنچیں۔

دواؤں کے استعمال میں کفایت

محکمہ تعلیم صحت و اراضی نے اسپتالوں، ڈاکٹروں اور دوا فروشوں کے لئے ایک رسالہ مرتب کیا ہے

جس میں بعض ایسی دواؤں کے صرف میں زیادہ سے زیادہ کفایت کرنے کی ہدایتیں درج ہیں جن کو زمانۂ جنگ میں حاصل کرنے میں دقت ہوتی ہے۔

جنگی حالات کے پیش نظر ڈاکٹروں کے لئے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ نسخے لکھتے میں کفایت کا خیال رکھیں، اگر دوائیں کمیاب و سنیاب ہو سکتی ہوں تو ان کے بنڈل ماندھے اور تقسیم کرے میں جو اکثر مشکل حالات میں انجام دیئے جاتے ہیں سامان، آدمیوں، اور ذرائع نقل و حمل پر اتنا بار پڑتا ہے جو صرف اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے جبکہ دوائیں اہم طبی مقاصد کے لئے ضروری ہوں۔

رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ حسب ذیل دوائیں یا ایسے مرکبات جن میں یہ دوائیں شامل ہیں ان کے استعمال میں خاص طور سے کفایت برتنی چاہئے کونین کے نمک، ایمونین سلفیٹ، سائٹرک ایسڈ اور اس کے مرکبات، کوکین ہائیڈرو کلورائیڈ، ہائیوسین ہائیڈرو برومائیڈ، مینتھول، پارے اور اس کے مرکبات "

رسالہ میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ الکحل کے استعمال میں کفایت کرنے کی ضرورت ہے اور جہاں کہیں ممکن ہو ٹنکچر کے بجائے مناسب رقیق مرکبات استعمال کئے جائیں اور پیرافین اور گلیسرین کی جگہ دوسری ملین ادویہ استعمال کی جائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جنگ کی وجہ سے مال کی درآمد و برآمد پر جو اثر پڑتا ہے اس کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ بیرونی ملکوں خصوصاً جرمنی سے جو دوائیں آتی تھیں اب ان کی آمد بالکل بند ہے اور جو پہلے سے ملک میں موجود تھیں یا تو وہ بتدریج ختم ہو گئی ہیں یا اتنی کم مقدار میں ہیں کہ اب کمیابی کی وجہ سے ان کی قیمت اس قدر گراں ہو گئی ہے کہ ایک اوسط درجہ کی آمدنی والے کے لئے ان کا خریدنا تقریباً ناممکن ہے۔ کونین جو ملیریا کے لئے مسلم طور پر مفید اور غالباً سب سے زیادہ کثیر الاستعمال دوا تھی مفقود ہوتی جاتی ہے اور اب عام طور پر کونین کے نام سے جو چیز ملتی ہے وہ ناقابل اعتماد ہے۔ اسی طرح "اسپرٹ" ایک ارزاں چیز تھی جو روزمرہ کی مختلف ضرورتوں میں استعمال ہوتی تھی اور اس کی بوتل چند آنہ میں مل جاتی تھی مگر اب یہ "چند آنے" روپیوں کی صورت میں تبدیل ہو رہے ہیں غرض بہت سی دوائیں ایسی ہیں جن کی گرانی حیرت انگیز درجہ تک بڑھ گئی ہے اس لئے ایک متوسط الحال شخص کے لئے ان کا استعمال ناممکن ہو گیا ہے۔ ان میں سے کچھ دوائیں اب بھی ہندوستان میں تیار ہونے لگی ہیں لیکن زیادہ ایسی ہیں جن کے لئے ہم دوسرے ملکوں کے محتاج ہیں۔

یہ ایک ایسی مصیبت ہے جو ناقابل علاج ہے یعنی جو دوائیں نایاب ہیں کسی تدبیر سے دستیاب نہیں کی جا سکتیں، البتہ اس مشکل سے عہدہ برآ ہونے کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ ہم اپنا طریقۂ علاج بدل دیں اور یہی طریقۂ علاج اختیار کریں جو صدیوں سے اس ملک میں جاری ہے اور ہمیشہ کامیاب ثابت ہوا ہے، اور جو دوائیں اس طریقہ علاج میں استعمال ہوتی ہیں ان کا بیشتر حصہ خود ہمارے ملک کی پیداوار ہے اور قیمت کے لحاظ سے ارزاں، بلکہ بہت سی دوائیں ایسی ہیں جو اپنے موسم کے موقع پر مفت یا کوڑیوں کے مول حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ہر شخص اس طریقۂ علاج سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ ہمارے ملک میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہر قدیم دیسی چیز سے نفرت کرتے ہیں اس لئے وہ بغیر کسی تحقیقات یا تجربہ کے محض اپنی کوتاہ نظری اور تجدد پرستی کی وجہ سے قدیم طریقۂ علاج اور دیسی ادویات سے بھی بیزاری ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہر صاحب بصیرت جانتا ہے کہ کوئی دوا محض اس لئے بے اثر و ناقابل اعتماد نہیں ہو سکتی کہ بدقسمتی سے وہ ہندوستان میں پیدا ہوئی ہے۔ طب کی بنیاد مختلف و مسلسل تجربات پر ہے اس لئے جو علاج، تدبیر یا دوا ہزاروں تجربوں کے بعد مفید ثابت ہو جائے اس کے اثر و نتیجہ سے انکار کرنا ہٹ دھرمی اور جہالت ہے۔

بے شک دوسرے مختلف علوم و فنون کی طرح فن طب میں بھی جدید تحقیقات و ترقی کی کافی گنجائش ہے اس لئے نہ صرف طب یونانی بلکہ کوئی طریقۂ علاج ہمہ وجوہ مکمل نہیں کہا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیقات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور اسے جاری رہنا چاہئے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو چیز صدہا تجربات کے بعد مفید ثابت ہو چکی ہے ہم بغیر کسی دلیل و تجربہ کے محض اس بنا پر اس کے فائدہ سے انکار کر دیں کہ اس کے متعلق جو تجربات ہوئے ہیں وہ ہمارے ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔

اگر ایسی طب کس مپرسی کی حالت میں نہ چھوڑ دی جاتی اور اہل ملک اس کی ترقی کے لئے کوشش و تجربہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تو آج ملک کے لئے اس کا وجود بیحد مفید ثابت ہوتا لیکن ہماری یہ غلط کاری اور غلامانہ ذہنیت کس قدر افسوسناک ہے کہ ہم اپنی چیزوں کو ہمیشہ ٹھکراتے ہیں اور علی الاعلان ان سے بیزاری ظاہر کرتے رہتے ہیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی کے ساتھ وطن پرستی کے بھی مدعی ہیں۔

بہرحال اب سوال ہماری پسند یا ناپسند کا نہیں ہے بلکہ جنگ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ ہم باہر کی بہت سی چیزوں کے چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے اور اپنی ضرورت کی چیزیں ہمیں ہندوستان ہی میں تلاش کرنی پڑیں گی اور مصنوعی زندگی کا جو جنون ہم پر چڑھا ہوا ہے وہ اتر جائے گا۔ اور ہم سادہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں گے۔ کاش ہم اب بھی عبرت حاصل کریں اور جو واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے پیش آ رہے ہیں ان سے سبق لیں۔

مسٹر ساورکر کی زہر افشانی

گزشتہ ہفتہ میں مسٹر ویر ساورکر صدر ہندو مہاسبھا کی ساٹھویں سالگرہ پر بمبئی میں ہندوؤں کا ایک جلسہ ہوا اور ۱۵ ہزار روپیہ کی ایک تھیلی ان کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اس موقع پر مسٹر ساورکر نے تقریر کرتے ہوئے یہ کہا۔

میں مسلمانوں سے اس وجہ سے نفرت نہیں کرتا کہ وہ مسلمان ہیں، اور نہ میں انگریزوں سے اس وجہ سے نفرت کرتا ہوں کہ وہ انگریز ہیں، ان کو اس وجہ سے پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ دیش کو نقصان پہنچا رہے ہیں

بیشک مسلمان اور انگریز دیش کو نقصان پہنچا رہے ہیں، لیکن خود مسٹر ساورکر جو اپنی زہریلی تقریروں سے ہندوؤں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے اور فرقہ وارانہ مصالحت میں رکاوٹیں پیدا کرتے رہتے ہیں، ملک کو کتنا [illegible] پہنچا رہے ہیں؟

برعکس نہند نام زنگی کافور

ہندوستان میں ہوائی حملوں سے نقصان

حکومت ہند نے ایک پریس نوٹ میں بتایا ہے کہ بندرگاہ پر جاپانیوں کے ہوائی حملہ کے بعد سے اب تک ہندوستان پر جاپانیوں کے جو ہوائی حملے ہوئے

ہیں، اُن میں ہندوستان کے ۱۶۹۴ شخص ہلاک و زخمی ہوئے، ان میں ۸۱۶ آدمی مارے گئے اور ۸۷۸ زخمی ہوئے

جاپانیوں نے اس دوران میں ہندوستان کے تین صوبوں اور دو ریاستوں پر بم گرائے، یہ صوبجات آسام، بنگال اور مدراس تھے۔ اور ریاستیں تری پورہ اور سی پورتھیں، ہندوستان کے علاقہ میں پہلی بار گزشتہ اپریل میں بم گرے تھے۔"

عصمت انونو کی تقریر کا مقصد

صدر جمہوریہ ترکیہ نے ابھی حال میں "مجلس ملی" کے افتتاح کے موقع پر انقرہ میں جو تقریر کی ہے اس کے متعلق "ٹائمز" کے ڈپلومیٹک نامہ نگار نے لکھا ہے کہ اس تقریر کے پڑھنے کے بعد یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عصمت انونو نے ترکی کی خارجی پالیسی میں تو کسی تبدیلی کا اعلان نہیں کیا لیکن انھوں نے اس بات پر ست زور دیا ہے کہ ترکی بستر طاعون سے جنگ کے شعلوں کا نشانہ بن سکتی ہے۔

اس تقریر میں یہ بات خاص طور سے اہم ہے کہ یہ تقریر اس حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود کی گئی کہ "جنگ کا نازک ترین دور" شروع ہو رہا ہے عصمت انونو نے اس سوال سے کہ اگر ضرورت ہوئی تو ہمیں اپنی تمام تر انسانی قوت اور دوسرے وسائل سے کام لینا پڑے گا۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس امر سے بے خبر نہیں ہیں کہ آئندہ ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ترکی جنگ میں شرکت کے لئے مجبور ہو جائے بلکہ اس کا امکان ترکی مدبرین کے ذہن میں عرصہ دراز سے موجود ہے کہ ممکن ہے کہ ترکی کو بھی حالات سے مجبور ہو کر اپنی عزت اور حفاظت کی خاطر میدان جنگ میں آنا پڑے چنانچہ خود عصمت انونو صدر جمہوریہ اس کا اظہار ایک سے زیادہ مرتبہ کر چکے ہیں۔

انھوں نے ۱۹۴۲ء ۳ مارچ ۲۰ اگست اور یکم نومبر اور ۲۴ فروری ۱۹۴۳ء کی تقریروں میں یہ بات کھلے طور پر ظاہر کر دی ہے۔ "اداتہ کانفرنس" کے تین ہفتہ بعد عصمت انونو نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہم لوگوں کا جنگ سے علیحدہ رہنا صرف ہماری ہی مرضی پر منحصر نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کر رہے ہیں۔

لیڈر یا رہنما

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

پروانہ وار حضور پر فدا ہوتے تھے۔

اصل میں صحیح معنی میں قوم کا لیڈر وہی شخص ہو سکتا ہے جو ہمیشہ اور ہر خطرہ کے موقع پر قوم کے ساتھ رہے۔ اور اس کی رہنمائی کرتا رہے۔ برخلاف اس کے خود ساختہ نام نہاد لیڈروں کے جن میں اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو تحریک اخلاص، استقامت کے ساتھ اپنا فرض ادا نہیں کرتے۔ پہلے تو وہ اپنی شعلہ بار دھواں دھار تقریروں سے قوم میں اعتدال سے زیادہ جوش پیدا کر دیتے ہیں، اور جب قوم ان کے پیام اور تقریروں سے متأثر ہو کر آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیتی ہے اور کچھ کام کرنا چاہتی ہے تو یہ نام نہاد لیڈر اگر ذرا بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ قوم جو قدم بڑھا رہی ہے وہ خطرناک ہے تو فوراً اس تحریک سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور قوم کو بیچ منجدھار میں چھوڑ دیتے ہیں کہ اب وہ جو چاہے کرے۔ لیکن خطرہ ٹل جانے پر پھر سے سامنے آ موجود ہوتے ہیں۔

لیڈروں کی اس اخلاقی کمزوری کا رد عمل یہ ہوتا ہے کہ قوم میں مایوسی پھیل جاتی ہے۔ اور اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے، اور اگر اس قسم کے واقعات ایک سے زیادہ دفعہ پیش آئیں تو پھر وہ کسی لیڈر کی بات سننا گوارا نہیں کرتی اور بار بار کے تلخ تجربے کے بعد کسی جدید تحریک میں حصہ لینا نہیں چاہتی۔

بعد جب کوئی نیا پہلوان (لیڈر) میدان میں آتا ہے اور نعرہ "انا ولا غیری" بلند کر کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے تو قوم پچھلے لیڈروں کے کارنامے یاد کر کے کہتی ہے کہ

اے ہمہ بچہ شتر است

اس کے مقابل میں حقیقی رہنما یعنی "پیغمبر" کی یہ حالت ہے کہ لوگ اس کے اشارہ چشم و ابرو پر جان و مال نثار کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور جو لوگ اس سے زیادہ قریب ہیں اور جنہیں اس کی سیرت و خصائل کے مطالعہ کا سب سے زیادہ موقع ملا ہے وہی سب سے زیادہ جان نثار ہوتے ہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ انھوں نے آنحضرت کے لئے سب کچھ چھوڑا، مال و دولت سے ہاتھ اٹھایا، اولاد کو چھوڑا، سخت سے سخت مصائب برداشت کئے لیکن پھر بھی یہ سمجھتے رہے کہ دین کے لئے ابھی جو قربانی کرنی چاہئے تھی وہ نہیں کی، کیا دنیوی و اصطلاحی لیڈروں کی تاریخ میں اس "جذبہ فدائیت" کی کوئی مثال مل سکتی ہے۔

"پیغمبر" کے اس غیر معمولی اثر و اقتدار اور حیرت انگیز جاذبیت کی ایک خاص وجہ اس کی سیرت کی بلندی و پختگی ہے، کیونکہ اس کی سیرت و کردار کی نمایاں خصوصیت قول و عمل کی یکسانیت ہے۔ وہ جو کچھ دوسروں سے کہتا ہے پہلے خود اس پر عمل کر کے اپنی ذات کو بطور مثال دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے، بلکہ اعمال میں اس کا مرتبہ دوسروں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، اور جس پیام ربانی کی وہ تبلیغ کرتا ہے اس کے لئے دوسروں سے زیادہ محنت و مشقت اور روحانی تکالیف برداشت کرتا ہے۔

"پیغمبر" کی پرائیویٹ اور پبلک زندگی یکساں ہوتی ہے، جس طرح وہ گھر کے باہر پیغمبر ہے اسی طرح گھر کے اندر بھی پیغمبر ہی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے اہل و عیال یا جو لوگ اس سے زیادہ قریب ہیں وہی سب سے زیادہ اس کی اعلیٰ سیرت اور بلند شخصیت سے متأثر ہوتے ہیں کیونکہ انہیں بچشم اس کی سیرت کے مطالعہ کا موقع ملتا ہے۔

یہ ایک عجیب لطیفہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اگر کسی لیڈر کے ناز یبا اعمال اور اخلاقی کمزوریوں پر نکتہ چینی کی جائے تو اس کے بیگانہ عقیدت مند نہایت جرأت و بیباکی سے یہ جواب ناصواب دیتے ہیں کہ "پرائیوٹ" اور "پبلک زندگی" دو علٰحدہ چیزیں ہیں ہمیں لیڈر کی خانگی و اندرونی زندگی سے کیا مطلب؟

یہ جواب نہایت لغو و شرمناک ہے جس سے ہماری دماغی پستی، غلامانہ ذہنیت، اور کورانہ مغرب پرستی کا اظہار ہوتا ہے "اسلامی تعلیم" میں اس قسم کی ریاکارانہ ذہنیت کی کوئی گنجائش نہیں، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ تم ایسی بات کسی سے ہرگز نہ کہو جس پر خود عمل نہیں

... لیڈر بداعمال، بددیانت، ریاکار، ... اور عزم و حوصلے سے عاری، وہ نہ ... مذہبی لیڈر ہو سکتے نہ سیاسی، ایسے لوگ ... اخلاص و دردمندی کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے وہ ان اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے امتحان و آزمائش کے موقع پر فیل ہونگے اور اپنے ذاتی مفاد کے مقابلہ میں قومی مفاد کو قربان کر دینگے

(باقی آئندہ)

طلبائے دہلی کے مطالبات

دہلی کے طلبہ کا ایک جلسہ ۱۳ جون ۱۹۴۳ء کی شام کو "دہلی اسٹوڈینٹس فیڈریشن" کے دفتر میں منعقد ہوا، جس میں "مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن" کے نمایندوں نے بھی حصہ لیا، جلسہ کی طرف سے مندرجہ ذیل مطالبات "دہلی یونیورسٹی" کے سامنے پیش کئے گئے،

۱۔ کالجوں کی فیس نہ بڑھائی جائے، سہ سالہ کورس کے نفاذ سے جو خرچ بڑھا ہے اس کا بار مختلف اداروں کے ٹرسٹ اور گورنمنٹ گرانٹ پر پڑنا چاہئے نیز داخلہ کے وقت صرف ایک مہینہ کی فیس لی جائے،

۲۔ ہر ادارہ میں دکانیں کھولی جائیں جس میں کاغذ کنٹرول قیمت پر، اسٹیشنری اور کورس کی کتابیں ارزاں قیمت پر فراہم کی جائیں،

۳۔ جنگ کے زمانہ میں غریب اور مستحق طلبہ کو زیادہ وظیفہ دئے جائیں۔

۴۔ وائس چانسلر کا انتخاب ہوا کرے۔

۵۔ ہر ہوسٹل میں سستی قیمت کے اناج کا معقول انتظام ہو، اور ہر طالب علم کو سستا کپڑا دلانے کا انتظام کرایا جائے۔

۶۔ ضمنی امتحانات کا سلسلہ دہلی یونیورسٹی میں رائج کیا جائے۔

انسپکٹر مدارس اسلامیہ کے فرائض میں اضافہ

(از نظامی صاحب سکریٹری مسلم تعلیمی کانفرنس یو پی)

صوبہ کی مسلم تعلیمی کانفرنس عرصہ سے یہ کوشش کر رہی تھی کہ ممالک متوسط وغیرہ کی طرح اس صوبہ میں بھی ایک مسلم ڈپٹی ڈائرکٹر کے عہدہ کا اضافہ کر دیا جائے

اس مقصد کے لئے ایک رزولیوشن ۱۹۴۱ء کے اجلاس بریلی میں جس کی صدارت نواب صاحب چھتاری نے فرمائی تھی پاس ہوا تھا۔ گورنمنٹ نے اس رزولیوشن کا یہ جواب دیا تھا کہ اس صوبہ میں انسپکٹر اسلامیہ مدارس کا عہدہ موجود ہے جس کے فرائض قریب قریب وہی ہیں۔ جو ممالک متوسط کے ڈپٹی ڈائرکٹر مدارس اسلامیہ کے ہیں۔ جواب کے ساتھ اپنی تائید میں ایجوکیشن کوڈ کے دفعہ ۴۹ کی نقل بھی بھیج دی تھی جس میں انسپکٹر مدارس اسلامیہ کے فرائض کی تفصیل ہے یہ جواب کانفرنس کی مجلس عاملہ منعقدہ ۳۰ جون ۱۹۴۲ء میں پیش ہوا تھا۔

مجلس عاملہ نے اس پر یہ ریزولیوشن پاس کیا تھا کہ کوڈ کی دفعہ ۴۹ میں جو فرائض موجودہ انسپکٹر مدارس اسلامیہ کے درج ہیں۔ وہ اس غرض کو پورا نہیں کرتے جس کے لئے مسلم ڈپٹی ڈائرکٹر کی ضرورت بریلی کے ریزولیوشن میں ظاہر کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ دفعہ ۴۹ میں جو فرائض درج ہیں ان میں توسیع کی ضرورت ہے۔

تقریباً ایک سال کے بعد گورنمنٹ نے اپنی چٹھی مورخہ ۱۱ جون ۱۹۴۳ء نمبری 2522 کے ذریعہ سے دفتر کانفرنس کو اطلاع دی ہے کہ ہز اکسیلنسی گورنر صوبہ متحدہ نے کوڈ کی دفعہ ۴۹ میں کانفرنس کی سفارش پر حسب ذیل ترمیمات منظور کی ہیں۔

(د) ضرورت پڑنے پر وہ (انسپکٹر مدارس اسلامیہ) کسی مسلم درسگاہ کا خواہ وہ انگلو ورنیکولر ثانوی اسکول ہو یا پرائمری اسکول ہو معائنہ کر سکے گا۔

(ہ) وہ جملہ معاملات میں جو صوبہ کی اسلامی تعلیم کے متعلق ہوں ڈائرکٹر صاحب محکمہ تعلیم کو امداد دیگا اور مشورہ دے گا۔

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں اس ترمیم سے کامل طور پر وہ مقصد جو مسلم ڈپٹی ڈائرکٹر کے تقرر سے حاصل ہونا پورا نہ ہوا لیکن موجودہ حالت میں اس کو بھی غنیمت سمجھنا چاہئے۔

ناظرین کانفرنس گزٹ کو ضروری اطلاع۔ کانفرنس گزٹ مورخہ یکم جون کے متعدد پرچے انکا نہ سری پتہ واپس آئے کیونکہ انکے پتہ کی چیٹیں کسی وجہ سے علحدہ ہو گئی تھیں اسی طرح ایک دو پرچے ۲۴ مئی کے بھی واپس آئے لہذا جن صاحبوں کو ۲۴ مئی یا یکم جون کا اخبار نہ پہنچا ہو وہ اطلاع دیں تاکہ انکی ...

کتب متعلق زراعت و باغبانی

علم باغبانی از مسٹر وصی اللہ خاں ایل اے جی، اس کتاب کے چار حصے ہیں حصہ اول میں علمی اصول لکھے گئے ہیں بقیہ تین حصوں میں تین سو پھولوں، ترکاریوں اور پھلوں کی کاشت کا بیان ہے، تقریباً ڈیڑھ سو تصاویر بھی ہیں ضخامت ۴۳۹ صفحات قیمت ... چھ روپیہ

ترقی زراعت از خانصاحب محمد عبد القیوم صاحب ... اس میں زمین کی ساخت، موسم، آبپاشی، غلے اور ترکاریاں، فارم، مویشی، علاج الامراض مویشی، اور ناپ، فصلوں میں بیماریاں اور کیڑے وغیرہ کا مفصل بیان ہے ضخامت ۳۲۱ صفحات علاوہ اشکال قیمت مجلد ...

فن باغبانی مصنفہ کے این گپتا بی ایس سی (ایگریکلچر) لکچرر گورنمنٹ ایگریکلچرل اسکول بلند شہر، اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلے حصہ میں ہر قسم ہر موسم کی ترکاریوں، اور دوسرے حصہ میں ہر قسم کی پھلواری اور پھلوں کی کاشت کے طریقے نہایت وضاحت اور خوبی کے ساتھ بتائے گئے ہیں نیز زمین کی اقسام کھاد ترکاریوں، پھلواری اور پھلوں کے امراض اور انکے علاج کا بھی مفصل بیان ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر اس قدر جامع اور آسان کتاب ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی کتاب میں جا بجا ... نقشے اور جدول بھی دیئے گئے ہیں قیمت حصہ اول ... حصہ دوم ... دونوں حصے علحدہ ...

اتالیق پارچہ بافی یہ کتاب بابو لکھن لال صاحب ویونگ ایکسپرٹ کی ایک ہندی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے۔ جو ماسٹر امیر الدین صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم سٹی ویونگ اسکول نے کیا ہے اس کتاب میں ابتدائی مدارج یعنی ہر قسم کے دھاگے کا بیان تانا و بانا اور بانے کو کلپ دینے اور بننے کے طریقے کلپ کے نسخے اور ہر قسم کے کپڑوں کے ڈیزائن وغیرہ وغیرہ مفصل طریقہ سے بتائے ہیں۔ کپڑوں کے ڈیزائن کو بذریعہ بلاکس سمجھایا گیا ہے۔ یہ بلاکس ۵۰ سے زائد ہیں۔ قیمت صرف ... ۱۲/

ملنے کا پتہ:- کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علیگڑھ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر سید الطاف علی بریلوی بی اے ریلیگ

جلد (۱۴) | ۱۴ جون ۱۹۴۳ء مطابق ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ | نمبر (۲۲)

اسلامیہ ہائی اسکول بریلی اب انٹر کالج ہوگیا ہے، اس لئے جدید اسٹاف کا تقرر اور تبدیلی باضابطہ ضروری تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ۲۰ جون ۱۹۴۳ء کو انتظامیہ کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا جس میں غور و بحث کے بعد جدید اسٹاف کا تقرر کیا گیا ہے۔

سید مسعود الحسن صاحب نقوی ایم اے جو اب تک ہیڈ ماسٹری کی خدمت انجام دیتے تھے کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ موصوف کی سابقہ خدمات کی وجہ سے یہ تقرر بہ نظر استحسان دیکھا گیا۔ اس کے علاوہ تین اسسٹنٹ ماسٹر لکچرار بنائے گئے۔ معلوم ہوا ہے کہ ابھی ریاضی و عربی کے ایک ایک لکچرار کا تقرر باقی ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ خبر بھی دلچسپی سے سنی جائے گی کہ "مسلم اسلامیہ ہائی اسکول" بدایوں کو بھی انٹرمیڈیٹ کالج بنانے کی کوشش جاری ہے۔ اور کانپور کے فیاض تاجر حافظ محمد صدیق صاحب جنہوں نے اٹاوہ اسلامیہ ہائی اسکول کو انٹرمیڈیٹ کالج بنانے کے لئے ۲۵ ہزار روپئے عنایت کئے ہیں (جس کی خبر ہم پہلے شائع کر چکے ہیں) چند شرائط پر اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں کو بھی ۲۵ ہزار کی رقم دینے کو تیار ہیں ہمیں امید ہے کہ یہ شرائط ایسی مناسب ہوں گی جن کے قبول کرنے میں اسکول کی انتظامیہ کمیٹی کو تامل نہ ہوگا۔

صوبہ متحدہ کے اسلامیہ ہائی اسکولوں کے نتائج امتحانات ہائی اسکول ذیل میں شائع کئے جاتے ہیں، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ متعدد اسکولوں کے نتائج نہ صرف قابل اطمینان بلکہ لائق ستائش ہیں۔

۱۔ میاں صاحب اسلامیہ کالج گورکھپور	۸۸ فیصدی
۲۔ اسلامیہ ہائی اسکول بریلی	۸۷ "
۳۔ ہیوٹ مسلم ہائی اسکول مراد آباد	۸۳ "
۴۔ شبلی جارج اسلامیہ کالج اعظم گڑھ	۸۰ "
۵۔ اسلامیہ ہائی اسکول بلند شہر	۷۶ "
۶۔ اسلامیہ ہائی اسکول بجنور	۷۴ "
۷۔ مرکزی اسلامیہ ہائی اسکول سکندرآباد	۷۱ "
۸۔ امیر الدولہ اسلامیہ کالج لکھنو	۶۷ "
۹۔ اسلامیہ ہائی اسکول تھانہ بھون	۶۷ "
۱۰۔ مسلم اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں	۶۶ فیصدی
۱۱۔ شعیب محمدیہ ہائی اسکول آگرہ	۶۱ "
۱۲۔ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ	۶۱ "
۱۳۔ مسلم انٹر کالج میرٹھ	۶۰ "
۱۴۔ اسلامیہ انٹر کالج شاہجہانپور	۶۰ "
۱۵۔ [illegible] انٹر کالج کانپور	۶۰ "
۱۶۔ اسلامیہ ہائی اسکول پیلی بھیت	۵۳ "
۱۷۔ مجیدیہ انٹر کالج الہ آباد	[illegible]
۱۸۔ اسلامیہ ہائی اسکول فتح پور	۴۳ "

روس کے محکمۂ اطلاعات جنگ نے ایک طویل بیان شائع کیا ہے جس میں بتایا ہے کہ گزشتہ دو سال کی جنگ روس و جرمنی میں جرمن فوج کے ۶۴ لاکھ آدمی ہلاک و قید ہوئے اسکے مقابلہ میں روس کے ۴۲ لاکھ ہلاک یا قید ہوئے جرمنی کے ۲۴۰۰۰ ٹینک برباد ہوئے اور روس کے صرف ۱۵۰۰۰ نیز جرمنی کے ۶۳۰۰۰ ہوائی جہاز ضائع ہوئے اور روس کے ۲۳۰۰۰ جرمنی کی ۵۶ ہزار توپیں بیکار ہوئیں اور روس کی صرف ۳۵ ہزار۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ جون ۱۹۶۳ء

"لیڈر یارہ نما"

(۳)

اس سلسلہ کے پچھلے مضمون میں ہم نے "پیغمبر" کی ممتاز خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اپنی اعلیٰ سیرت اور بلند شخصیت کے اعتبار سے اپنے تمام ابنائے جنس پر ممتاز ہوتا ہے اور اس کی ذات دوسروں کے لیے ایک مثال ہوتی ہے جس سے وہ غیر معمولی طور پر متاثر ہوتے ہیں

واقعہ یہ ہے کہ دوسرے انسانوں پر خواہ وہ حکماء و فلاسفہ کیوں نہ ہوں پیغمبروں کی فضیلت پائی تو اس بنا پر ہے کہ ان کی ذات انسانیت کے رتبۂ کمال پر فائز ہے اور وہ اپنی سیرت خصائل کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے دوسرے انسان باوجود علم و دانش محروم رہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا مختلف پیغمبروں کی پاکیزہ سیرت اور ان کی شان عبدیت کا تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "کمال عبدیت" درحقیقت "کمال فضیلت" ہے، اور انسانی شرافت کا بلند ترین معیار یہ ہے کہ وہ خدائے واحد یگانہ کا پرستار اور بندۂ فرمانبردار ہو، لہٰذا پیغمبروں کی نمایاں خصوصیت بارگاہِ احدیت میں ان کی نیازمندی اور احکام کی بے چون و چرا تعمیل ہے ایسی تعمیل کہ احکام کی بجاآوری میں کسی بڑی سے بڑی قربانی میں

ہی تامل نہ ہو، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ارشاد خداوندی کی تعمیل میں اپنی عزیز ترین متاع قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے یعنی اپنے فرمانبردار فرزند "حضرت اسمٰعیل ؑ کی قربانی" یہ اطاعت اور فرماں پذیری کی انتہا اور کمال عبدیت ہے جس نے انسان کا مرتبہ فرشتوں سے بھی اونچا کر دیا ہے اور جس کی وجہ سے وہ اس کائنات میں خلافت الٰہیہ کا مستحق قرار پایا۔

یہ مرتبہ "عبدیت" اس قدر بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اپنے جلیل القدر پیغمبروں کی طرف اس کا انتساب فرمایا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام جن کی شان و شوکت اور جاہ و جلال مشہور و معروف ہے، [illegible] میں ان کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ "عبد" یعنی خدا کے بندے ہیں چنانچہ ان کے متعلق یہ ارشاد ہے وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ یعنی ہم نے داؤد کو سلیمان جو بہت اچھا بندہ ہے اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق بھی "نعم العبد" کا اطلاق فرمایا گیا ہے۔ اور خود حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی "عبد" استعمال کیا گیا ہے

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ

یعنی ہمارے بندہ داؤد کو یاد کرو۔

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا ہے ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا یہ ذکر ہے تیرے پروردگار کی رحمت کا اپنے بندہ زکریا پر۔

نیز حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق یہ فرمایا کہ

إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝

حضرت مسیح علیہ السلام جو ایک ناحقیقت شناس گروہ کے نزدیک (نعوذ باللہ) خدا کے فرزند ہیں قرآن مجید نے انہیں بھی عبد ہی کے خطاب سے سرفراز فرمایا ہے یعنی

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ۔

وہ کیا ہے ایک بندہ جس پر ہم نے اپنا فضل کیا اور بنایا اس کو نمونہ بنی اسرائیل کے لئے۔

پس خدا تعالیٰ نے ان بلند رتبہ انسانوں کے لئے یہ منصب بوسہ پر قرار دے "عبد" کا لفظ استعمال کر کے بتایا ہے کہ ان کا سب سے زیادہ مایۂ افتخار و امتیاز ہے وہ ان کی "عبدیت" یعنی بندگی

ہے۔ یہاں تک کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو افضل البشر بلکہ سرخیل انبیاء ہیں اور جن کی آمد کی بشارت صحف سماوی میں موجود ہے جابجا عبد کہا گیا ہے خصوصاً واقعۂ معراج کے سلسلہ میں جو آنحضرت کے کمال عروج اور تقرب روحانی کا واقعہ ہے حضور کو عبد ہی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا الخ

قرآن مجید کے ان ارشادات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ "عبدیت" ایک ایسا مرتبہ ہے جو معبودوں کے لئے بھی سرمایۂ ناز و افتخار ہے اور جب کوئی انسان حقیقی معنی میں "عبدیت" کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے تو خدا کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا ایک ممتاز وصف ہو جاتا ہے اسی اطاعت و فرمانبرداری کا نام مذہب کی زبان میں "اسلام" ہے اور جو صاحب اسلام ہے وہ "مسلم" ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ ارشاد ہے

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا ط

یعنی ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی (عیسائی) تھے بلکہ وہ سیدھے راستہ پر چلنے والے "مسلم" یعنی صاحب اسلام تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "مسلم" ہونا حضرت ابراہیم کی ایک ممتاز خصوصیت تھی، اسی طرح خدا کے فرمانبردار بندوں اور پیغمبروں کے لئے "مسلم" ہونا ایک ممتاز خصوصیت قرار دی گئی ہے

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ "ہم اس کے مسلم ہیں" یعنی خدا کے حکم بردار بندے ہیں، اس کے ساتھ صراحۃً یہ بھی فرما دیا ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا دین یا مذہب ہے جو بارگاہ ایزدی میں مقبول ہے اس کے علاوہ اگر کوئی شخص دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ لائق قبول نہ ہوگا، چنانچہ اس کے متعلق صراحۃً یہ ارشاد ہوا ہے۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ الخ

یعنی جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔

ان ارشادات ربانی سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا

ہے کہ جو برگزیدہ اصحاب خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی رہنمائی اور لیڈری کے لئے مامور ہوتے ہیں وہ خدا کے سب سے زیادہ فرمانبردار بندے ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہمیشہ خدا کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ وہ اس کے احکام میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کرتے بلکہ ایک امین کی طرح انہیں نہایت صحت و احتیاط سے اس کے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ خدا کی طرف سے کہتے ہیں ان کے ذاتی جذبات یا نفسانی خواہش کو اس میں مطلق دخل نہیں ہوتا، اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے صاف صریح الفاظ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ فرمایا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

اس ارشاد خداوندی میں صراحتہً یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ نہ تو بھٹکے نہ راہ چلے، وہ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ درحقیقت خدا کی وحی ہے جو ان کے پاس پہنچی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

چونکہ پیغمبروں کی تعلیم کی بنیاد وحی الٰہی پر مبنی ہے تو ہر بندہ پر ان کی اطاعت واجب ہے، اسی لئے خدا تعالیٰ نے صریح الفاظ میں پیغمبروں کی یہ حیثیت ظاہر کر دی ہے، اور فرمایا ہے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ

یعنی جس نے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

اسی طرح متعدد مقامات پر صاف و صریح الفاظ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ جو درحقیقت خدا ہی کی طرف سے بندوں کی رہنمائی کے لئے مامور ہے اور انہیں خدا کے احکام پہنچاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول ایک ایسا رہنما یا لیڈر ہے جو ذاتی اغراض کے ماتحت کوئی کام نہیں کرتا۔ اور اس کا مقصد حیات و نصب العین اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا کہ خدا کے احکام امانت و احتیاط کے ساتھ اس کے بندوں تک پہنچا دے۔

ان احکام کا قبول کرنا یا نہ کرنا بندوں کا کام ہے، پیغمبر احکام پہنچا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے، جیسا خدا نے صراحتاً فرما دیا ہے

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلَاغُ

رسول کا فرض صرف تبلیغ ہے یعنی احکام کا پہنچانا،

اسی طرح قرآن مجید میں دوسرے متعدد مقامات پر صراحت کر دی ہے کہ رسول کا فرض احکام کی تبلیغ ہے اور کسی کو یہ توفیق عطا کرنا کہ وہ ان احکام سے ہدایت حاصل کرے یہ خدا کا کام ہے چنانچہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ

یعنی تو جس شخص کو چاہے اسے سیدھے راستے پر نہیں لا سکتا البتہ خدا جسے چاہے راہ پر لا سکتا ہے

دوسرے پیغمبروں نے بھی منکرین سے خطاب کرتے ہوئے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ خدا نے جو احکام دئے ہیں وہ تمہیں پہنچا دیں اب خواہ تم مانو یا نہ مانو،

مندرجہ بالا تفصیل سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ پیغمبر یا رسول خدا کی طرف سے اس خدمت پر مامور ہیں کہ وہ گم گشتہ راہ انسانوں کی رہنمائی کریں

(۲) پیغمبر اپنا فرض نہایت دیانت و احتیاط سے ادا کرتے ہیں اور خدا کا پیام صحیح طور سے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۳) پیغمبر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں خدا کی طرف سے کہتے ہیں اس لئے ان کی تعلیم ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ اور ان کی اطاعت درحقیقت خدا کی اطاعت ہے۔

(۴) پیغمبروں کی تعلیم کا اصلی و بنیادی مقصد یہ ہے کہ جو انسان معبودان باطل کی پرستش میں مبتلا ہیں اور ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں انہیں ہر طرف سے بے نیاز کر کے خدائے واحد کا پرستار بنا دیں۔

(۵) اسی سلسلہ میں ان کا ایک مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں میں ایسا جذبہ اطاعت و فرمانبرداری پیدا کریں کہ وہ خدا کے احکام کی بیچون و چرا تعمیل کر کے وہ بلند مرتبہ حاصل کرے جس کے لئے اس خالق کائنات نے اسے پیدا کیا ہے۔ تاکہ وہ اس کارگاہ میں خلافت الٰہیہ کا مستحق بن سکے۔

پیغمبروں کی مذکورہ بالا خصوصیات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا طریقہ رہنمائی و نصب العین عام لیڈروں سے بہت بلند ہے جو ہر قسم کی غلطی و لغزش سے پاک اور مطابق فطرت انسانی ہے

دوسرے لیڈر جو قوموں کی رہنمائی کے مدعی ہیں خدا کی طرف سے اس عہدہ پر مامور نہیں ہیں، بلکہ قوم کی خدمت یا حسن تدبیر سے انہوں نے لیڈری کا درجہ حاصل کر لیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ اس مرتبہ پر فائز رہیں، ہم روز مرہ دیکھتے ہیں کہ ان لیڈروں کو برابر عروج و زوال ہوتا رہتا ہے، کبھی تو قوم ان کی آمد پر "زندہ باد" کے نعرے بلند کرتی اور پھول برساتی ہے اور کبھی مردہ باد کے نعروں اور کالی جھنڈیوں سے ان کا استقبال کرتی ہے۔ غرض کبھی آسمان پر چڑھاتی اور کبھی اسفل السافلین میں گراتی ہے۔

اسی طرح یہ لیڈر خود بھی اپنا فرض پوری دیانت و استقامت کے ساتھ ادا نہیں کرتے بلکہ عموماً ایسا بھی ہوتا ہے کہ امتحان و آزمائش کے موقع پر ان کی کمزوریاں ظاہر ہوتی ہیں اور وہ قوم کا ساتھ چھوڑ دیتے یا رائے عامہ کو ٹھکرا دیتے ہیں اور ایک مومن اللہ کی طرح آخر ایام حیات تک اپنا فرض استقلال سے ادا نہیں کرتے،

پیغمبر جس تعلیم کی اشاعت کرتا ہے اس پر اسے پورا یقین ہوتا ہے لہذا اس کی رائے میں کبھی تزلزل ہوتا ہے نہ اپنے مقصد کے مفید ہونے میں شبہ کیونکہ تعلیم وحی الٰہی پر مبنی ہوتی ہے جس میں غلطی و شبہ کا امکان نہیں، برخلاف اس کے لیڈر چونکہ صرف اپنے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے اس لئے اس کی رائیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں اور وہ کبھی کبھی گردش کے حالات سے متاثر ہو کر یا کسی طمع و خوف کی وجہ سے اپنی پالیسی اور طریقہ کار بدل دیتا ہے۔ ایسی حالت میں کسی بھی لیڈر کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آخر تک ایک رائے پر قائم رہے گا لیکن کسی پیغمبر کے متعلق ہرگز یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ کسی حالت میں بھی اس کی رائے یا طرز عمل میں تبدیلی کا امکان ہے۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ پیغمبر اگر آج توحید کی تعلیم دے رہا ہے تو کل شرک کی تعلیم دینے لگے۔ اس کے سامنے روز اول ہی سے ایک متعین مقصد ہوتا ہے اور وہ آخر تک اسی کی تکمیل میں مصروف رہتا ہے۔

(باقی آئندہ)

کے لئے دارالمطالعہ ہے جس میں حکومت سے بھی امداد ملتی ہے۔ طلبہ نے ایک انجمن قائم کی ہے تقریر کے جلسے ہر شب جمعہ کو منعقد ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ شاندار بزم مشاعرہ بھی منعقد ہوتی ہے جس میں بہترین شعراء، مضمون نگاروں کو انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ ان نذرانوں کو مشاہیر شعرائے ہندوستان نے بارہا نوازا ہے۔ دوسرے تعلیمی اداروں میں بھی اس قسم کی بزمیں منعقد ہوتی ہیں اور مقابلے ہوتے ہیں۔ یہاں کے طلبہ ان میں شریک ہو کر کافی تعداد میں انعام پاتے ہیں۔

ریاضت جسمانی مشاغل علمی کے ساتھ ساتھ صحت جسمانی کے قائم رکھنے کے لئے کھیل اور ورزش کا سامان بھی ہے۔ طلبہ شام کو مدرسے کے میدان میں کھیلتے ہیں۔ ان کھیلوں کے مقابلے بھی ہوتے ہیں جس میں طلبہ کے علاوہ اساتذہ اور باہر کے اشخاص بھی باستثنائی حیثیت سے شریک ہوتے ہیں۔

تقسیم انعام ہر سال تقسیم انعام کا جلسہ منعقد ہوتا ہے جس کی صدارت نامور حضرات کرتے ہیں۔ جو طلبہ امتحانات میں امتیازی کامیابی حاصل کرتے ہیں انہیں انعام میں کتابیں دی جاتی ہیں اسی موقع پر بانی مدرسہ کا عطا کردہ "مختار الدین طلائی تمغہ" امتحان فاضل کے اولین کامیاب کو دیا جاتا ہے۔ اس جلسہ میں دوسرے اداروں کے اساتذہ اور مشاہیر شہر شریک ہوتے ہیں۔

کتب خانہ کتب خانہ کے لئے حکومت کی جانب سے تین سو روپیہ سالانہ کی رقم مقرر ہے۔ اس وقت مختلف فنون کی ۵۵۰۸ کتابیں موجود ہیں اس میں ایک شعبہ "پورلائبریری" کا ہے جس سے طلبہ کو درسی کتابیں مستعار دی جاتی ہیں۔ یہ ابھی ناکافی ہیں۔

سالانہ خرچ سنہ گذشتہ میں مبلغ ۲۵۰۸ روپیہ حکومت کی جانب سے اور مبلغ ۲۴۲۲ روپیہ بانی مدرسہ کی موقوفہ جائداد سے خرچ ہوئے مؤخر الذکر رقم طلبہ کے کھانے میں صرف ہوئی۔
حکومت بہار کا سالانہ خرچ ۲۵۰۰ اور ۳۰۰۰ کے درمیان رہتا ہے۔

عمارتیں تعلیم گاہ کی دو بڑی عمارتیں ہیں۔ یہ دارالاقامہ، ایک بڑا دارالطعام، پرنسپل کا کوارٹر، اس کے علاوہ دربان کے چھوٹے چھوٹے مکانات ہیں۔ احاطے سے متصل بانی مدرسہ کی قائم کی ہوئی مسجد ہے۔

مدارس بہار کی عام حالت ان پانچ برسوں کے اندر صوبے کے ملحقہ مدارس کی تعداد ۴۲ سے ۵۱ ہو گئی۔ سینیر مدرسوں کی تعداد ۱۰ سے ۱۴ ہو گئی۔ اور جونیر مدرسوں کی ۳۲ سے ۳۷ تک بڑھی۔ طلبہ کی مجموعی تعداد ۳۲۴۴ ہے جن میں ۱۷۰۸ سینیر مدرسوں میں اور ۲۵۰۲ جونیر مدرسوں میں ہیں۔ اس سے پہلے کی تعداد ۲۹۴۴ تھی۔

امتحانات کے نتیجے ۱۹۴۱ و ۴۲ء

	شرکاء	کامیاب
فاضل تفسیر	۲	۲
فاضل حدیث	۴	۴
فاضل فارسی	۶	۵
عالم	۵۳	۴۷
مولوی	۷۰	۵۶
فوقانیہ	۸۹	۵۲
وسطانیہ	۲۲	۱۵۶

۱۹۴۲ء میں ایک پردہ نشین خاتون نے وسطانیہ کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔
امتحانات میں امتیازی کامیابی حاصل کرنے والوں کو وظیفے اور انعامات ملتے ہیں۔ مگر ۱۹۳۲ء سے حکومت نے موقوف کر دیے ہیں۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے علاوہ اور مدارس میں حکومت بہار کی جانب سے مبلغ ۳۱۸۳۰ روپیہ اور دوسرے ذرائع سے مبلغ ۱۱۹۷۷ روپیہ صرف ہوتے ہیں (جن کی میزان ۴۳۸۰۷ روپیہ ہوئی) ان مدارس کی عام حالت کبھی تشفی بخش نہ رہی۔ ان کا سرمایہ ناکافی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مدرسین کی تعداد ناکافی ہے۔ اور تعلیم کا نظم خاطر خواہ نہیں ہے انگریزی کے لازمی مضمون ہونے کی وجہ سے اچھے سند یافتہ ٹیچر کی ضرورت لاحق ہو گئی ہے۔ اور مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے علاوہ صرف مدرسہ عزیزیہ بہار شریف، مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام اور مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں اچھے سند یافتہ انگلش ٹیچر ہیں جب تک حکومت کی امداد میں اضافہ نہ ہوگا ان کی حالت درست نہ ہوگی۔ اور ان میں سے اکثر فنا ہو جائیں گے مگر افسوس! کہ اس وقت حکومت سے مزید اعانت کی کوئی امید نہیں۔ مدارس کی بقا لوگوں کی فیاضی پر منحصر ہے۔ طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ اس لئے آمدنی کے دو ہی ذرائع ہیں۔ حکومت کی اعانت اور پبلک کی امداد۔ موجودہ اقتصادی مشکلات کے زمانہ میں عوام کے چندے روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں اور عنقریب اس ذریعہ سے مدد ملنا بہت دشوار ہو جائیگا ملحقہ مدارس میں صرف مدرسہ عزیزیہ بہار شریف اور مدرسہ کبیریہ سہسرام اپنا آپ کفیل ہے۔ اور حکومت کی اعانت سے بے نیاز رہتے ہیں۔

ملحقہ مدارس کے علاوہ چند اور مدارس گیا، دربھنگہ، مظفرپور وغیرہ میں قائم ہیں، جن میں درس نظامی جاری ہے۔ اور محض قوم کی امداد سے چل رہے ہیں۔ لیکن اقتصادی حال کی خرابی سے ان مدرسوں کا بھی برا حال ہے۔

زندگی کی بے کیفی اور اس کا علاج

ہم میں اکثر طبیعتیں ہنگامہ پسند ہوتی ہیں۔ ایسے طبائع کے لوگ غیر متوقع اور پرخطر حالات کا بڑی خوبی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس احساس سے ان کو مسرت ہوتی ہے کہ ان کی شخصیت اہم اور ضروری ہے اور ان سے بڑے کارناموں کی توقع ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان ایسی ہی جد و جہد کا متمنی ہوتا ہے جس کے نتائج جلد برآمد ہوں، اسی لئے جنگ میں فتح حاصل کرنا مستقل امن و سکون قائم کرنے سے کہیں آسان ہے۔ طبیعت میں جنگ و جدال کا عنصر دشمن سے برسرپیکار ہونے میں مددگار ہوتا ہے۔ اور ہم اپنے مقصود کے حصول میں غیر متزلزل ارادہ کے ساتھ منہمک ہو جاتے ہیں۔ ہم پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر بڑے جوش و ولولہ کے ساتھ چڑھتے ہیں لیکن ہمارا سارا جوش و حوصلہ اس وقت مایوسی سے بدل جاتا ہے جب پہاڑوں کے دوسری طرف بے رونق پہاڑیوں اور چٹیل میدانوں پر نظر پڑتی ہے وہی پرجوش لڑکا جو اپنی خیالی دنیا میں اپنے قلعہ کو خوفناک محاصرہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ آگے چل کر صرف ایک پریشان حال اور درماندہ تاجر بن کر رہ جاتا ہے ناکامی سے ہمارے سارے بلند حوصلے فکر و تردد سے بدل جاتے ہیں۔ مہم سر کرنے کا سارا جوش و ولولہ ہوا کی طرح

بھی معلوم ہوا ہے کہ اخباری کاغذ کے کئی جہاز ہندوستان کو روانہ ہو چکے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ اب جنگ کی حالت تبدیل ہو جانے کی وجہ سے یہ جہاز جلد ہی ہندوستان پہنچ جائیں گے۔ امید ہے کہ اس کاغذ کے آنے پر کاغذ کی قلت کسی حد تک دور ہو جائے گی۔

سی پی میں وزارت کی جدوجہد

ناگپور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ سی پی میں وزارت بنانے کی جو جدوجہد جاری تھی ابھی تک اس میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی، معلوم ہوا ہے کہ مسلم لیگ نے وزارت سازی کی تحریک کے بانیوں سے معلوم کرنا چاہا ہے کہ مسلم لیگ کے کتنے آدمی اس وزارت میں شامل کئے جائیں گے اور اقلیتوں کے متعلق اس وزارت کی پالیسی کیا ہوگی۔

تحریک وزارت سازی کے بانی یہ کہتے ہیں کہ مسلم لیگ پارٹی پہلے وزارت میں شامل ہونے پر آمادگی ظاہر کر دے۔ اس کے بعد دوسرے معاملات طے کرلئے جائیں گے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندو صوبوں میں مسلمانوں کو اتنی ہی نمائندگی اور تحفظ حاصل ہو سکتا ہے جتنا مسلم اکثریت والے صوبوں میں ہندوؤں کو حاصل ہے۔

جنگ میں ترکوں کی ناطرفداری

لندن کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ گزشتہ ہفتہ میں موسیو سراج اوغلو وزیر اعظم ترکی نے پارٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے ترکی کی خارجہ پالیسی کی وضاحت کی، آپ نے فرمایا کہ جنگ چھڑے ہوئے چار سال ہو چکے ہیں، جنگ کا خطرہ ہر وقت ہمارے سر پر رہا ہے لیکن کمال انا ترک کی پالیسی کی وجہ سے ہم جنگ سے بچے رہے۔

روس سے ہمارے تعلقات بہت اچھے ہیں ادھر برطانیہ سے ہم نے دوستانہ سمجھوتہ کر لیا ہے۔ اور ایک طرف جرمنی کے ساتھ بھی ہمارا ایک دوسرے سے جنگ نہ کرنے کا سمجھوتہ ہے، اس سمجھوتہ سے اچھا نتیجہ نکلا ہے ہم جنگ میں ناطرف۔ ار رہنا چاہتے ہیں۔

امریکہ میں سامان جنگ کی ناکافی تیاری

واشنگٹن کی ایک اطلاع میں بتایا گیا ہے محکمہ جنگ کے نائب وزیر مسٹر پیٹرسن نے آج (۲۰ جون) کو پریس کانفرنس میں کہا کہ مئی میں میدانی فوج کے لئے جو سامان جنگ تیار کیا گیا وہ مقررہ پروگرام سے ۵ ½ فی صدی کم تھا۔

اپریل میں ایک ارب ۵۹ کروڑ ۳۰ لاکھ ڈالر کا سامان تیار ہوا پروگرام کے مطابق مئی میں ۱۰ فی صدی کا اضافہ ہونا چاہئے تھا لیکن بجائے اضافہ کے اس مہینہ میں ۳ ½ فی صدی کم سامان تیار ہوا یعنی صرف ایک ارب ۴۹ کروڑ ۴۰ لاکھ تک کا سامان تیار ہوا، البتہ ہوائی جہازوں کی تیاری حوصلہ افزا ہے۔

مسٹر پیٹرسن نے آخر میں یہ بھی کہا کہ یہ شدید کمی اس وجہ سے ہوئی کہ ٹیونیشیا کی فتح سے یورپ پر کامیاب حملہ اور اس قسم کی بے بنیاد خبروں سے بہت زیادہ سامان جمع ہو گیا ہے۔ ہمارے اندر ضرورت سے زیادہ اعتماد پیدا ہو گیا اور اس کی ایک وجہ یہ غلط خیال بھی ہے کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔

مختصر نوٹ اور واقعات

عرب شہزادوں کا ہندوستان میں ورود کراچی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ سلطان ابن سعود کے دو شہزادے یعنی شہزادہ محمد اور منصور سعودی عرب کے وزیر مالیات ہز ایکسلنسی شیخ عبداللہ سلیمان کی معیت میں ہندوستان آئے ہیں اور کراچی پہنچ گئے ہیں معلوم ہوا ہے کہ وہ صحت کے مصالح سے ہندوستان آئے ہیں اور عنقریب بمبئی جانے والے ہیں بمبئی کے ممتاز عربوں کی ایک جماعت ان کے خیر مقدم کے لئے کراچی پہنچ گئی ہے۔

بعد کی خبر میں بتایا گیا ہے کہ ہز رائل ہائینس امیر محمد اور ہز رائل ہائینس امیر منصور آج صبح بمبئی روانہ ہو گئے، شیخ عبداللہ سلیمان بھی ان کے ساتھ ہیں، گزشتہ شب کراچی کے عربوں نے شہزادوں کے اعزاز میں ایک دعوت دی جس میں سندھ کے بعض وزرا حیثیت میں پیر الٰہی بخش بھی اس میں شریک تھے۔

پنجاب یونیورسٹی اور اردو ایک معاصر رقمطراز ہے کہ پنجاب اردو کانفرنس کی مجلس منتظمہ نے کانفرنس کے انعقاد سے پیشتر چند بنیادی مسائل کے متعلق اپنا کام خاموشی سے شروع کر دیا ہے اس سلسلہ میں کام کرنے والوں اور فاضل احباب کی متعدد سب کمیٹیاں بنا کر پیش نظر پروگرام کے مختلف حصے ان میں تقسیم کر دیے گئے ہیں تعلیمات کی سب کمیٹی کی طرف سے عالی جناب وائس چانسلر صاحب پنجاب یونیورسٹی کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کیا گیا ہے کہ پنجاب میں اردو کو ایک قومی زبان کا جو مسلمہ درجہ حاصل ہے وہ اسے یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد سے عملی طور پر تسلیم کرائیں۔

ملک کی متعدد یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم ایک باقاعدہ مضمون کی صورت میں ایم اے کے درجہ تک دی جاتی ہے لیکن ہمارے یہاں میٹرکولیشن کے بعد اس کا کوئی درجہ نہیں۔

حکومت ہند کے ملازمین اور گرانی کا الاؤنس ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا ہے کہ چونکہ پچھلے چھ مہینے میں ضروری اشیاء کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہو گیا ہے اس لئے حکومت ہند نے مرکزی حکومت کے ملازمین کی گرانی کے الاؤنس میں مزید اضافہ کا فیصلہ کیا ہے (اس میں ریلوے کے ملازمین شامل نہیں ہوں گے) موجودہ شرح میں چار روپیہ دو روپیہ اور ایک روپیہ کے حساب سے اس اسکیم کے اے بی اور سی علاقوں میں ان ملازمین کو رعایت دی جا سکے، جو ۱۵۰-۱۲۵ اور ۹۰ روپیہ تک تنخواہ پا رہے ہیں۔

سرحدی جیلخانوں میں قیدیوں کی تعلیم پشاور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ صوبہ سرحد کے تمام جیلخانوں میں قیدیوں کو تعلیم دینے کی اسکیم پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے وزیر انچارج جیلخانہ خان ثمین جان خان نے اس بارہ میں احکام جاری کر دئے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ تعلیم دینے کے لئے قیدیوں ہی میں سے ٹیچر منتخب کئے جائیں گے۔ وزیر موصوف نے بتایا کہ قیدیوں کو کوٹھریوں سے باہر کھلی جگہ میں سونے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

[illegible] ایک بھیرے نے کلکتہ کی ایک دلچسپ اطلاع شائع کی ہے کہ پروفیسر ایڈ [illegible] نامی ایک "کہنہ شناس" نے [illegible] میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جنگ آئندہ سال اپریل میں ختم ہو جائے گی محوری حکومتوں کو زوال ہوگا۔ اور تمام موجودہ ڈکٹیٹر ناپید ہو جائیں گے، اتحادی قوموں کو فتح ہوگی۔ خبر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسٹر راؤ نے یوگ اور جوتش کے انگیز مظاہرے کئے یعنی

"شیشہ کے گلاس کے ٹکڑے چبا گئے اور نائٹرک ایسڈ کے ۳۰ قطرے پی گئے۔"

بیشک اس شیشہ خوری اور قطرہ نوشی کے بعد کون شخص ان کی پیشین گوئی میں شبہ کر سکتا ہے؟

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں صنعتی تعلیم کا انتظام

اس وقت دنیا جس نازک دور سے گزر رہی ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر ذی فہم اس فیصلہ پر مجبور ہوگا کہ قوموں کی ترقی کا راز بڑی حد تک صنعت و حرفت کے کمال ہی میں مضمر ہے۔ مسلمان من حیث القوم جس حد تک اس دور میں پیچھے ہیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ان امر کی بنا پر میں ان تمام بزرگان قوم کی توجہ جو مسلمانوں کی صنعتی تعلیم سے دلچسپی رکھتے اور ان کو اقتصادی و اجتماعی حیثیت سے سربلند دیکھنا چاہتے ہیں ٹیکنیشن کلاس کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

واضح ہو کہ ٹیکنیشن کلاس پچھلے سال ہماری یونیورسٹی میں قائم کیا گیا اور اپریل ۱۹۴۳ء سے اس وقت تک تقریباً ۲۰۰ طلبہ نے اس میں داخلہ لیا جن میں ۱۴۰ طلبہ تعلیم ختم کرنے کے بعد مختلف کارخانوں میں ملازم ہو چکے ہیں۔

اس کلاس میں داخلہ کے لئے کسی قسم کی قابلیت یا سند درکار نہیں بلکہ ہر نوجوان جو کسی وجہ سے ابتدائی درجوں ہی سے لکھنا پڑھنا چھوڑ بیٹھا ہو اور تعلیم پوری نہ کر سکا ہو اس میں داخل ہو سکتا ہے داخلہ کے وقت امیدوار کی عمر سترہ اور زیادہ سے زیادہ چالیس سال کی ہونی چاہئے۔ جو امیدوار اس کلاس میں داخل کئے جائیں گے وہ اپنے مکان سے علی گڑھ تک تیسرے درجہ کا کرایہ پانے کے مستحق ہوں گے۔ تعلیم کی کوئی فیس نہیں لی جاتی اور ہر اس طالب علم کو جو میٹرک پاس نہیں ہے ۲۴ روپیہ اور جو میٹرک پاس کر چکا ہو اس کو ۲۹ روپیہ ماہوار بطور وظیفہ دیا جاتا ہے مدت تعلیم قریب چار ماہ ہے اور اس مدت میں حسب ضرورت طلبہ کو تھوڑی سی ڈرائنگ کچھ حساب و انگریزی اور اردو پڑھائی جاتی ہے اور ہر امیدوار کی تعلیم انفرادی ہوتی ہے۔

اس کلاس کے طلبہ ایک بورڈنگ ہاؤس میں جو ان کے لئے مخصوص ہے رکھے جاتے ہیں بورڈنگ ہاؤس میں یونیورسٹی کی طرف سے نگراں مقرر ہیں جو ان کے کھیل کود، آرام و آسائش اور اخلاق و کردار کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

کرایہ اور اخراجات خورد و نوش منہا کر لینے کے بعد وظیفہ کی رقم میں سے جو کچھ بچتا ہے وہ طلبہ کو دیدیا جاتا ہے۔ ان طلبہ کے لئے ایک نیا ہوسٹل تعمیر کیا جا رہا ہے جو عنقریب تیار ہو جائے گا داخلہ چاہنے والے امیدوار فوراً علی گڑھ پہنچکر مجھ سے ملیں داخلہ کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں البتہ داخلہ سے پہلے ڈاکٹری معائنہ ہوتا ہے جو یونیورسٹی کا میڈیکل افیسر کرتا ہے کم از کم طالب علموں کا معیار صحت نقطۂ نظر سے حسب ذیل ہونا چاہئے۔

قد ۵ فٹ، وزن ۱۰۵ پونڈ، سینہ ۳۲ انچ، بینائی ۶/۹ اور ۶/۱۲ یا چشمہ بالعینک چشمہ کے ہو۔

نوٹ ہر طالب علم کو دو چال چلن کے سرٹیفکٹ ایسے معزز اور ذمہ دار اشخاص کے لانے چاہئیں جو ان کے عزیز نہ ہوں۔

صنعتی تعلیم کے حسب ذیل مختلف شعبے ہیں جن میں سے کسی ایک شعبہ میں طالب علم اپنے رجحان طبیعت کے مطابق داخلہ لے سکتا ہے۔

۱۔ فٹر کا کام، ۲۔ خراد کا کام، ۳۔ مشینوں کا کام، ۴۔ بڑھئی کا کام، ۵۔ بجلی سے ویلڈنگ کا کام، ۶۔ بجلی کا کام، ۷۔ لوہار کا کام، ۸۔ پاور ہاؤس میں مشین چلانے کا کام۔

عنقریب موٹر کے کام کی بھی ایک شاخ کھولی جانے والی ہے جس میں موٹر چلانا، درست کرنا اور ایر و بلیڈ [illegible] انجینیرنگ وغیرہ کا کام سکھایا جائے گا۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد طلبہ جمشید پور، کٹنی اور دوسرے مقامات کو بھیجدئے جاتے ہیں اور وہاں سے وہ مختلف کارخانوں میں چلے جاتے ہیں۔

قوم کے ہر بزرگ سے میری استدعا ہے کہ اگر ان کے اعزہ یا احباب میں سے کسی کا بچہ بیکار ہو تو اس کو ضرور علی گڑھ بھیجدیں بشرطیکہ وہ صنعت و حرفت کا ذوق رکھتا ہو۔

کتب متعلق زراعت و باغبانی

علم باغبانی (از مسٹر وصی اللہ خاں ایل اے جی) اس کتاب کے چار حصے ہیں حصہ اول میں علمی اصول لکھے گئے ہیں۔ بقیہ تین حصوں میں تین سو پودوں، ترکاریوں اور پھلوں کی کاشت کا بیان ہے تقریباً ڈیڑھ سو تصاویر بھی ہیں۔ ضخامت ۵۰۰ صفحات قیمت ۔ ۔ ۔ چھ روپیہ

ترقی زراعت (از خانصاحب محمد عبد القیوم صاحب [illegible]) زمین کی ساخت، موسم، آبپاشی، جتائی، غلے اور ترکاریاں، فارم، مویشی، علاج الامراض مویشی، زرعی [illegible] فصلوں کی بیماریاں اور کیڑے وغیرہ کا مفصل بیان ہے ضخامت ۴۰۰ صفحات علاوہ انڈکس۔ قیمت مجلد ۔ [illegible]

فن باغبانی (مصنفہ کے این گپتا بی ایس سی (اگریکلچر) لیکچرر گورنمنٹ اگریکلچرل اسکول بلند شہر) اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہر قسم ہر موسم کی ترکاریوں اور دوسرے حصہ میں ہر قسم کی پھلواڑی اور پھلوں کی کاشت کے طریقے نہایت وضاحت اور خوبی کے ساتھ بتائے گئے ہیں نیز زمین کی اقسام کھاد ترکاریوں، پھلواڑی اور پھلوں کے امراض اور ان کے علاج کا بھی مفصل بیان ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر اس قدر جامع اور آسان کتاب ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی کتاب میں جابجا تصاویر نقشے اور جدول بھی دئے گئے ہیں قیمت حصہ اول [illegible] و حصہ دوم [illegible]۔ دونوں حصے علیحدہ علیحدہ مجلد ہیں۔

[illegible] بافندگی (تالیف جناب بابو لکھن لال صاحب [illegible] ایک ہندی [illegible] جو ماسٹر امیر الدین صاحب [illegible] مسلم یونیورسٹی [illegible] اسکول نے کیا ہے۔ اس کتاب میں ابتدائی مدارج [illegible] ہر قسم کے دھاگے کا بیان تانا بانا اور [illegible] کو کلف دینے اور بننے کے طریقے کلف کے نسخے اور ہر قسم کے کپڑوں کے ڈیزائن وغیرہ وغیرہ مفصل طریقہ سے بتائے ہیں۔ کپڑوں کے ڈیزائن کو بذریعہ بلاکس سمجھایا گیا ہے۔ یہ بلاکس ۸۵ سے زائد ہیں۔ قیمت صرف ۱۲

ملنے کا پتہ:۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام خانصاحب محمد جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

جلد (۱۴) | یکم جولائی ۱۹۴۳ء مطابق ۷ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ | نمبر (۲۵)

امید ہے کہ ناظرین کانفرنس گزٹ کے حلقہ میں یہ خبر نہایت مسرت سے سنی جائے گی کہ جناب خان بہادر لفٹنٹ کرنل مقبول حسین صاحب قریشی ایم اے (علیگ) ہوم منسٹر ریاست بہاول پور نے تین سو روپیہ کے گرانقدر عطیہ سے کانفرنس گزٹ کی مالی امداد فرمائی ہے،

کرنل صاحب بالقابہ کانفرنس کے دیرینہ حامی بہی خواہ ہیں اور اس سے عمیق تعلق رکھتے ہیں' آپ کانفرنس کے لائف ممبر ہیں' نیز ایک دفعہ کانفرنس کے ایک کامیاب سالانہ اجلاس کی صدارت بھی فرما چکے ہیں۔ اس عطیہ سے پہلے بھی جناب ممدوح نے مفید علمی کتابوں کی اشاعت کے لئے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو ایک گرانقدر عطیہ سے ممنون کیا تھا

کچھ زمانہ ہوا جب جناب ممدوح کو نواب صدر یار جنگ بہادر آنریری سکریٹری کانفرنس کے ایک خط سے یہ معلوم ہوا کہ کانفرنس گزٹ مالی حیثیت سے خسارہ کی حالت میں ہے نوبت متاثر ہوئے اور یہ تحریر فرمایا کہ وہ ذاتی حیثیت سے کانفرنس گزٹ کی مالی امداد فرمائیں گے' چنانچہ اب جناب ممدوح نے تین سو روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیج کر یہ وعدہ پورا فرمایا۔ یہ گرانقدر امداد چونکہ شدید ضرورت کے وقت حاصل ہوئی ہے اس لئے کانفرنس گزٹ کے لئے آبحیات کا حکم رکھتی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ممدوح کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے' اور یہ توفیق بخشے کہ وہ اسی طرح قومی خدمت کی سعادت حاصل کرتے رہیں۔

موجودہ عالمگیر جنگ کی وجہ سے دوسری ضروریات زندگی کی طرح جملہ سامان طباعت خصوصاً کاغذ اس قدر گراں ہوگیا ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں جو کاغذ پہلے دو ڈھائی آنے پونڈ میں مل جاتا تھا اب ڈھائی روپیہ میں بھی بازار میں میسر نہیں آتا۔ کتابوں و اخبارات کی طباعت و اشاعت پر اس گرانی کا خوفناک اثر پڑا ہے۔ لہذا سخت ضرورت ہے کہ عام قومی اخبارات خصوصاً ان اخبارات و رسائل کی جو قومی اداروں کے ترجمان ہیں مالی و اخلاقی امداد کی جائے تاکہ وہ زندہ رہ سکیں اور یہ نازک وقت جو عارضی ہے خیریت سے گزر جائے۔

موجودہ جنگ نے جو حالات [illegible] کرد ئے ہیں اُن سے [illegible] جو ہر یالی مشکلات میں مبتلا ہو گئے [illegible] ذرائع آمدنی [illegible] کہ انہیں اپنا کام جاری رکھنا مشکل ہو گیا ہے [illegible] حالت میں جو اصحاب قومی اداروں کی مالی امداد کر رہے ہیں وہ درحقیقت قوم و ملک کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دیتے ہیں اور [illegible] طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔

اسی بنا پر [illegible] جناب خان بہادر [illegible] دکن کے خاص طور پر شکر گزار ہیں کہ جب جناب ممدوح کو نواب صدر یار جنگ بہادر آنریری سکریٹری کانفرنس کے خط سے یہ معلوم ہوا کہ کانفرنس مالی مشکلات میں مبتلا ہے تو آپ نے [illegible] روپیہ کا ایک چیک نواب صدر یار جنگ بہادر [illegible] خان بہادر صاحب [illegible] [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم جولائی ۱۹۴۳ء

"لیڈر یا رہنما"

(۴)

اس سلسلہ کے پچھلے مضامین میں ہم نے متعدد وجوہ و دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ بحیثیت ایک رہنما کے پیغمبر و رسول کا مرتبہ حکماء و فلاسفہ اور اصلاحی لیڈروں سے بہت زیادہ بلند ہے، نیز بلحاظ سیرت و خصائل و طریقۂ اصلاح بھی ایک پیغمبر کو دوسرے لیڈروں پر بمراتب فوقیت حاصل ہے۔ اب ہم کسی قدر تفصیل سے یہ بتائیں گے کہ ایک پیغمبر کا نصب العین اور مقصد ارشاد و تبلیغ کیا ہے اور وہ جس قوم میں پیدا ہوتا ہے اُسے کس راہ پر لے جانا چاہتا ہے۔

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ بغیر کسی لیڈر اور حقیقی رہنما کے نہ کسی قوم کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ وہ انسانیت کے اعلیٰ و بلند درجہ پر پہنچ سکتی ہے۔ اسی لئے آغاز آفرینش سے پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے جو برابر قوموں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مامور ہوتے رہتے ہیں خصوصاً جب کوئی قوم خانہ ساز معبودوں کی پرستش میں مبتلا ہو جاتی اور اپنے اعمال و کردار کے اعتبار سے درجۂ انسانیت سے گر جاتی ہے یا بے آئین زندگی کی وجہ سے اس کا نظام حیات درہم برہم ہو جاتا ہے تو خدا اپنے برگزیدہ بندوں میں سے کسی کو اس خدمت پر مامور کرتا ہے کہ وہ اس کے گمراہ اور بداعمال بندوں کو [illegible] راہ مستقیم پر لائیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کسی ظالم و جابر حکمران کے جور و ستم میں گرفتار ہو کر شرف انسانیت اور آزادی کی نعمت سے محروم ہو جاتی ہے جس طرح بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں مبتلا ہو گئے تھے تو کوئی پیغمبر اس گرفتار بلا قوم کو نجات دلانے اور آزادی کی نعمت عطا کرنے کے لئے مامور ہوتا ہے۔

ہر پیغمبر خواہ اُس کا دائرہ ارشاد و ہدایت محدود ہو یا وسیع عین ضرورت کے وقت انسانی گروہ وں کی اصلاح کے لئے آتا ہے۔ سلیم الفطرت لوگ اس کا پیام قبول کر کے سر اطاعت خم کر دیتے ہیں لیکن منکر و بدطینت اپنی حماقت یا تکبر و خود بینی کی وجہ سے اس کی دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ اول الذکر گروہ جس نے خوش نصیبی سے دعوت قبول کی ہے ہر قسم کی روحانی و مادی ترقی حاصل کرتا ہے لیکن منکر و سرکش سنت الٰہیہ کے مطابق برباد کر دئے جاتے ہیں اور ان کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ چونکہ بندوں کی اصلاح و فلاح چاہتا ہے اس لئے ہر آبادی میں اپنا ایک پیامبر بھیجتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں صراحتہً ارشاد ہوا ہے

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

یعنی ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہ گزرا ہو۔

اسی طرح ایک اور موقع پر وضاحت سے فرمایا

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

یعنی ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

اسی طرح صراحتہً فرماتا ہے

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)

یعنی ہر قوم میں ایک ہادی و رہبر ہوا ہے۔

ان ارشادات خداوندی سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرورت کے وقت ہر قوم اور ہر ملک میں اپنا ایک پیغمبر گمراہ لوگوں کی اصلاح و رہنمائی کے لئے بھیجا کرتا ہے اور جو لوگ سعید و سلیم الفطرت ہیں وہ اس پیغمبر کی اطاعت قبول کر کے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں اور جو شقی ہیں وہ اس نعمت سے محروم و بے نصیب رہتے ہیں۔

ان پیغمبروں میں سے کچھ جلیل القدر پیغمبر ایسے بھی ہیں جن کا تذکرہ صحف سماوی اور قرآن مجید میں ہماری عبرت و موعظت کے لئے موجود ہے لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے حالات ہمیں نہیں بتائے گئے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی ملک اور قوم کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہو کہ وہاں اللہ تعالیٰ نے کسی کو لوگوں کی رہنمائی کے لئے مامور کر کے بھیجا تھا تو اس سے لازم نہیں آتا کہ درحقیقت اس ملک یا قوم میں کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بہت سے رسول ایسے ہیں جن کے حالات نہیں بتائے گئے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

یعنی ہم نے بھیجے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے ان میں کچھ ایسے ہیں کہ جن کے حالات ہم نے تجھ کو سنا دئے اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تجھے نہیں سنائے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کوئی قصے یا کہانی کی کتاب نہیں ہے، لہٰذا اس میں گزشتہ قوموں اور پیغمبروں کے صرف وہی قصے یا واقعات بیان کئے گئے ہیں جو ان کے بعد کی آنے والی نسلوں کے لئے سبق آموز ہیں تاکہ وہ ان واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ [illegible] کی سرکشی و بغاوت یا نیز ان قوموں کا افسوسناک انجام [illegible] ایسے اعمال سے اجتناب کریں جن سے وہ قومیں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئیں۔ چنانچہ خود قرآن مجید میں بھی لوگوں کو ان واقعات سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ چونکہ اسلام ایک "دین فطرت" ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جابجا قرآن مجید میں لوگوں کو غور و فکر اور تدبر کا حکم دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ اس کائنات کی ہر چیز خصوصاً مظاہر قدرت و مناظر فطرت کا عمیق مطالعہ کر کے اس سے نتائج حاصل کرنے کی کوشش کریں اور یہ ظاہر ہے کہ ان قوموں کا عبرتناک انجام یعنی جو کبھی صاحب قوت و شوکت تھیں مگر اپنی بداعمالی کی وجہ سے برباد کر دی گئیں اور اُن کی بربادی کے باقی ماندہ آثار آج دوسروں کے لئے باعث عبرت ہیں لیکن یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر یہاں مفصل بحث کی گنجائش نہیں۔

اس موقع پر صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر بیحد مہربان ہے اور انہیں گمراہی و بےبسی کی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتا اس لئے وہ ہمیشہ ان کی اصلاح و رہنمائی کے لئے پیغمبروں کو بھیجتا رہتا ہے تاکہ ان بھٹکے ہوئے بندوں کو معلوم ہو جائے کہ اُن کے مالک حقیقی کی مرضی کیا ہے اور وہ ان سے کیا چاہتا ہے؟

پیغمبر لوگوں کو صاف طریقہ سے خدا کی مرضی بتاکر اُن کو ہدایت کرتے ہیں اگر اس پر بھی وہ لوگ خدا کے احکام قبول نہ کریں اور رسول کی اطاعت سے انکار کردیں تو پھر اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو ایک باغی و سرکش کے ساتھ ہونا چاہئے لیکن پیغمبر (نذیر ڈرانے والے) کے بھیجے سے پہلے انہیں کوئی سزا نہیں دی جاتی اور وہ اس بنا پر معذور و قابل معافی سمجھے جاتے ہیں کہ ابھی خدا کا پیغام انہیں نہیں پہنچا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں صراحۃً ارشاد ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

یعنی ہم عذاب نہیں دیتے جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول۔

دنیاوی سلطنتوں اور حکومتوں کا بھی یہ عام دستور ہے کہ وہ پہلے باغیوں و سرکشوں کو تنبیہ و تہدید کرتی اور اطاعت کا حکم دیتی ہیں۔ اگر اس تنبیہ کے بعد بھی یہ باغی اطاعت پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں سخت سزائیں دی جاتی ہیں بہت سے جرائم ایسے ہیں جن کی سزائیں ہلکی ہیں یا جو معاف بھی کئے جا سکتے ہیں لیکن "بغاوت" ایک ایسا سنگین جرم ہے جو کوئی حکومت بھی کبھی معاف نہیں کرتی کیونکہ باغی نہ حکومت کو تسلیم کرتا ہے نہ اس کے قانون کو مانتا ہے اس لئے وہ گویا حکومت کا حریف ہے۔

دنیاوی حکومتوں میں جو پوزیشن ایک باغی کی ہے خدا کی حکومت میں وہی پوزیشن ایک مشرک کی ہے، ایک مشرک خدا کو قادر مطلق اور تنہا با اقتدار حاکم نہیں مانتا بلکہ کبھی تو وہ اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرکے اُن کا اقتدار تسلیم کرتا ہے اور کبھی خدا سے منہ موڑ کر کسی دوسری ہستی کی طرف جھکتا ہے اور اس کے احکام کی اطاعت کرتا ہے اس لئے وہ درحقیقت باغی ہے، اور بغاوت ایک سنگین جرم ہے۔ جب تک اس سے توبہ کرکے اور سرافگندگی ظاہر کرکے اطاعت نہ کی جائے معاف نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ خدا نے صراحۃً قرآن مجید میں ارشاد کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا۔

"اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے، اس کے علاوہ اور جتنے گناہ ہیں اُن میں سے جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے وہ ایک بڑے جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ "شرک" سب سے بڑا گناہ ہے جو ہرگز معاف نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر آئے سب نے بلا استثناء شرک کی سخت مذمت کی اور لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ صرف خدائے واحد کی پرستش کریں جو اس کائنات کا خالق اور قادر مطلق ہے اور اس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔

حکماء و فلاسفہ یا دوسرے لیڈر جو تعلیم لوگوں کو دیتے ہیں وہ چونکہ کسی الہام و ربانی رہنمائی پر مبنی نہیں ہوتی اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہوتا ہے، ایسی حالت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کون سی تعلیم صحیح ہے اور کون سی غلط! لیکن پیغمبروں کی تعلیم میں نہ باہم اختلاف ہو سکتا ہے نہ غلطی کا امکان، کیونکہ یہ تعلیم وحی الٰہی پر مبنی ہے، یہی وجہ ہے کہ خانہ ساز مذاہب کو چھوڑ کر سارے آسمانی مذاہب کی بنیادی تعلیم یکساں ہے اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بےشبہ ہر زمانہ کے مخصوص حالات اور ماحول کے مطابق مذہبی اعمال و عبادات کے مختلف طریقے لوگوں کو بتائے گئے ہیں جو اپنے اپنے زمانہ کے لئے نہایت مناسب و موزوں تھے، لیکن بنیادی عقائد مثلاً خدا کی وحدانیت کا اعتراف، رسول کی اطاعت، اور جزا و سزا کا اعتقاد وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن میں مختلف پیغمبروں کی تعلیم یکساں ہے۔

یہ اسی متحد تعلیم کا نتیجہ ہے کہ ہر پیغمبر دوسرے پیغمبر کی تصدیق اور اس کی تعلیم کی ستائش کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے آنے والے سب پیغمبروں اور صحف آسمانی کی تصدیق فرماتے ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی توریت کی پوری تصدیق فرمائی جس کا ذکر موجودہ انجیل میں حسب ذیل الفاظ میں ملتا ہے۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا" (انجیل متی باب ۵)

زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ورنہ تفصیلاً عرض کیا جا سکتا تھا کہ ایک پیغمبر نے دوسرے پیغمبر کی کس طرح پورے زور کے ساتھ تصدیق کی ہے، اب اس کے مقابلہ میں حکماء و فلاسفہ اور لیڈروں کی یہ حالت ہے کہ وہ ہمیشہ باہم دست و گریبان رہتے ہیں یا کسی ایک مسئلہ یا نظریہ پر کبھی مشکل ہی سے متحد ہو سکتے ہیں خصوصاً لیڈروں کی تو یہ حالت ہے کہ ان میں اکثر ایسے ہیں جو باوجود اتحاد مسلک بھی ایک دوسرے کو اپنا حریف سمجھ کر اسے گرانے کی کوشش کرتے ہیں اس سے ان کی تعلیم کی خامی ظاہر ہوتی ہے، اس کے مقابلہ میں پیغمبروں کی ذہنیت و سیرت اس قدر اعلیٰ ہے کہ وہ اتحاد مسلک کی بنا پر ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں، اور اس کی پیغمبری یا تعلیم کی تصدیق و ستائش اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، اسی طریقہ کار سے لیڈروں اور پیغمبروں کی سیرت و تعلیم کا باہمی فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید چونکہ سب سے آخری آسمانی کتاب ہے لہذا اس نے سب آسمانی کتابوں اور ان پیغمبروں کی جو پہلے گزر چکے ہیں تصدیق کی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی ایک آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا الخ

یعنی اے مسلمانو کہدو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور اس پر جو موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ (سورہ بقرہ آیۃ)

خطبہ شعبۂ اردو مسلم تعلیمی کانفرنس صوبۂ متحدہ

از

مولوی رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے (علیگ)

چیئرمین شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبۂ متحدہ کا سالانہ جلسہ ۲۷-۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء کو بریلی میں منعقد ہوا تھا۔ کانفرنس کے شعبۂ اردو کی صدارت مولوی رشید احمد صاحب صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی نے فرمائی تھی۔ اس موقع پر موصوف نے جو خطبہ پڑھا وہ ناظرین کانفرنس گزٹ کی دلچسپی کے لئے ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔

یہ خطبہ اُن رسمی خطبوں کی طرح نہیں ہے جو محض سیاسی نقطۂ نظر سے لکھے جاتے ہیں یا جن میں محض جذبات اور ہنگامی تاثرات کا اظہار ہوتا ہے یا زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ یہ خطبہ ایک لیڈر کا نہیں بلکہ ایک پروفیسر کا ہے جو ایک طویل مدت سے اردو کی علمی خدمت میں مصروف ہے اور جس نے مسئلۂ زیر بحث کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا ہے، اور اس کے بعد اپنے خیالات و تجربات نہایت مناسب و دلکش انداز میں پیش کر دیے ہیں۔ نیز یہ خطبہ اردو کے ایک ایسے مشہور مصنف کا ہے جس کی تحریروں کو ارباب ذوق کے حلقہ میں عام طور پر حسن قبول حاصل ہے۔

جس موضوع پر یہ خطبہ دیا گیا ہے وہ ایک خشک و پامال موضوع ہے جس پر بہت کچھ کہا گیا اور لکھا گیا ہے، شاید اسی لئے لائق خطیب نے اس مسئلہ کے اُن پہلوؤں پر زیادہ بحث نہیں کی ہے جو بار بار معرض بیان میں آ چکے ہیں۔ جیسے اردو کی تاریخ، اس کی تدریجی ترقی اور سیاسی اہمیت وغیرہ۔ بے شبہ جیسا کہ ہونا چاہئے تھا اس خطبہ میں پورے زور سے اردو کی حمایت کی گئی ہے لیکن یہ حمایت بھی "سیاسی نقطۂ نظر" سے نہیں ہے جو لوگ لائق خطیب سے براہ راست واقف ہیں وہ توقع بھی نہیں کر سکتے تھے کہ صاحب موصوف سیاست کے [illegible] لطافت تحریر کو اس پر قربان کر دیں گے [illegible] اس کے ایک وجہ [illegible]

"سیاسی مصالح برحق سہی لیکن ان میں اور علمی و تعلیمی صداقتوں میں اکثر توافق نہیں ہوتا"

لہٰذا وہ اردو کی حمایت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ

"خود اردو اس کی متقاضی ہے"

انھوں نے ابتدا ہی میں صاف صاف کہدیا ہے کہ "اگر ہندی کی حمایت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ ہندو ہے تو کی جائے، اردو کی حمایت اس بنا پر نہیں کی جاتی کہ وہ مسلمان ہے، اردو کی پوزیشن یہ ہے کہ وہ جماعتی اختلاف نہیں بلکہ جماعتی اتحاد کا نتیجہ بھی ہے اور محرک بھی، اردو کی مخالفت، اردو کی مخالفت نہیں بلکہ جماعتی اتحاد و مفاہمت کی مخالفت ہے۔"

کیسی اچھی اور پختہ بات ہے اور کیسے اچھے انداز میں کہی گئی ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا خطبہ پر کوئی "تبصرہ" نہیں بلکہ محض چند اشارات ہیں جن سے خطیب کا نقطۂ نظر ظاہر کرنا مقصود ہے۔

خطبہ کے انداز بیان کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ناظرین خود محسوس کریں گے کہ خطیب نے اپنے مخصوص انداز تحریر سے ایک خشک و پامال مضمون میں کس قدر کیفیت و دلکشی پیدا کر دی ہے۔ ہمارے خیال میں اس انداز تحریر کا ایک اثر تو ہم پر یہ پڑتا ہے کہ جس زبان میں ایسے لطیف و نفیس خیالات اتنی وسعت و آزادی سے ظاہر کرنے کی صلاحیت موجود ہو کیوں نہ اس کی حمایت کی جائے، ایسی زبان کی مخالفت کرنا صرف بدمذاقی و کوتاہ بینی ہے بلکہ ظلم کے ساتھ بے مہری و بیدردی بھی ہے۔]

اڈیٹر

حضرات۔ میں شکرگزار ہوں کہ آپ نے موجودہ خدمت تفویض فرما کر مجھ پر اظہار اعتماد کیا اور میری توقیر بڑھائی اور مجھے اس بات کی بھی کچھ کم خوشی نہیں ہے کہ صوبۂ متحدہ میں اردو کی تعلیم و ترویج کے مسئلہ پر غور و فکر کرنے کے لئے آپ نے مسلم یونیورسٹی کو شعبۂ اردو کے تعاون کی ضرورت سمجھی ہے۔

حضرات۔ اس جنگ کے زمانہ میں ایک اور جنگ کا تذکرہ کر دوں تو غالباً نامناسب نہ ہوگا۔ کرامول نے چارلس اول کی فوجوں پر فتح پائی اور اس کی افواج کا جلوس پارلیمنٹ کی افتتاح کے لئے فاتحانہ شوکت و سرخوشی میں بڑھ رہا تھا کہ ایک مصاحب نے موقع پا کر کرامول کو مخاطب کیا کہ حضور والا کو یہ حشمت و اقبال مبارک ہو خلق خدا کس طرح صف اندر صف و قطار اندر قطار آپ کی پذیرائی کے لئے چلی آ رہی ہے۔ کرامول نے کہا ٹھیک کہتے ہو لیکن مجھے پھانسی پر لٹکانے کے لئے لے جاتے ہوئے تو بھی یہی سب نظر آتا!

تو حضرات ایسے موقع پر جو اس وقت مجھے درپیش ہے اگر میرے ذہن میں بھی یہ بات آئے تو تعجب نہیں۔ آج کل کے ادب میں صدر ہونا اور تالیوں یا گالیوں سے صدر یا سامعین کا سابقہ پڑنا روزمرہ بھی ہے اور محاورہ بھی۔ لیکن جب تک آپ واقعتاً مجھے پھانسی کے تختہ پر سرفراز کرنے نہ لئے جا رہے ہوں اس کی یاد دلانا بھی کوئی دانشمندی نہیں!

حضرات۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں علی گڑھ کا آوردہ و پروردہ ہوں اور چھوٹی سے چھوٹی جماعت سے اونچی سے اونچی جماعت تک کا اردو کا کام مجھ سے اور میرے رفقائے کار کے سپرد ہے۔ اس لئے جہاں تک اردو کا تعلق ہے میرا نقطۂ نظر علمی و تعلیمی ہے نہ کہ سیاسی یا تبلیغی۔ میں یہ دیکھوں گا کہ اردو کی حمایت اس لئے اور اس بنا پر کرنا چاہئے کہ سیاسی مصالح کو اس سے تقویت پہنچے گی۔ سیاسی مصالح برحق سہی لیکن ان میں اور علمی و تعلیمی صداقتوں میں اکثر توافق نہیں ہوتا۔ میں تو اس پر زور دوں گا کہ ہم کو اردو کی حمایت کرنا چاہئے اس لئے کہ خود اردو اس کی متقاضی ہے۔

میں اردو کو نہ مسلمانوں کی ایجاد سمجھتا ہوں اور نہ مسلمانوں کی میراث۔ اگر ہندی کی حمایت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ ہندو ہے تو کی جائے، اردو کی حمایت اس بنا پر نہیں کی جاتی کہ وہ مسلمان ہے۔ اردو کی پوزیشن یہ ہے کہ وہ جماعتی اختلاف نہیں بلکہ جماعتی اتحاد کا نتیجہ بھی ہے اور محرک بھی۔ اردو کی مخالفت اردو کی مخالفت نہیں بلکہ جماعتی اتحاد و مفاہمت کی مخالفت ہے۔

حضرات۔ یہاں میں اردو کی لسانی و تاریخی ابتدا و ارتقا پر بحث نہ کروں گا۔ اردو کا مسئلہ اب اس قسم کی تشریحات کا محتاج نہیں رہا۔ مسئلہ کی نوعیت اور صورت حال یہ ہے کہ اردو کو نہ صرف بدیسی قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کو مسلمانوں کے تسلط اور غلبہ کی یادگار سمجھا جاتا ہے۔ بدیسی ہونا بجائے خود کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ بہت سی بڑی باتیں کسی نہ کسی بنا پر انگیز کر ہی لی جاتی ہیں۔ اردو کا ناقابل عفو جرم یہ ہے کہ مسلمانوں کا نام یا کام اس سے کیوں وابستہ ہے چنانچہ اس رویہ سے مسلمان برہم یا بددل ہوں تو تعجب

کی بات نہیں۔ البتہ اتنی بات سمجھنے کی ہے کہ زبان کسی خاص قوم یا ملک کی تنہا میراث نہیں ہوتی۔ زبان اسکو بولنے والوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ اردو بولنے والے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سبھی ہیں اس لئے یہ سب کی ملکیت ہے۔

حضرات۔ ملک میں اردو کی جیسی مخالفت کی جارہی ہے وہ ایک پیمانہ ہے جس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں میں باہمی نفرت کس حد تک پہنچ چکی ہے۔ ہندو مسلمانوں میں باہمی یگانگت کے جتنے مشترک عناصر ہو سکتے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم اور مؤثر یہی زبان (اردو) کا عنصر ہے اب اس کو ٹھکرایا جارہا ہے۔ یہ آثار اچھے نہیں اور اس کا جو کچھ انجام ہونے والا ہے وہ رفتہ رفتہ ہمارے سامنے بھی آرہا ہے۔ اس صوبہ میں اردو کا بہت زیادہ عمل دخل ہے اور رہ چکا ہے۔ قطع نظر اس بحث کے کہ اردو کب، کہاں اور کیوں پیدا ہوئی اس میں شک نہیں کہ اردو کو جو فروغ نصیب ہوا اس میں اس صوبہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دراصل یہ صوبہ ہندوستان کا ذہنی مرکز رہ چکا ہے اور بڑی حد تک اب بھی ہے۔ ہندو مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق میں اس صوبہ کے ہندو مسلمانوں کی باہمی محبت و اعتماد کو بڑا دخل ہوگا۔ اس بنا پر اگر میں زبان کے معاملہ میں آپ لوگوں کو ہمدردی اور سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے اور کام کرنے کی دعوت دوں تو بے موقع نہ ہوگا۔

حضرات۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہندوستان ہی میں نہیں جہاں کہیں آپ چلیں اور شور و فتن دیکھیں آپ یقین کریں کہ اکثر و بیشتر وہاں قومیت کا نہایت محدود اور "زہریلا تخیل" کارفرما ہے۔ یہی حال یہاں کا ہے اور اس بات کو ہر شخص جانتا اور مانتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ قوم کو سدھارنے کے بجائے بگاڑنا اور قوم کو بڑا بنانے کے بجائے خود کو بڑا کہلانے اور منوانے کا فن زیادہ آسان بھی ہے اور زیادہ نفع بخش بھی۔ جسے اس کا چسکا پڑ گیا ہو اس سے نپٹنا آسان نہیں ہے۔

حضرات۔ اس وقت اردو اور ہندی دونوں کے بے عقل دوست یہ سمجھتے ہیں کہ اردو میں عربی فارسی یا ہندی میں سنسکرت کی بیت بھر کر آمیزش کی جائے تو زبان کو ترقی ہوگی۔ ان بزرگوں کو کون کیسے سمجھائے کہ زبان کی ترقی الفاظ کی بھرمار سے نہیں ہوتی بولنے والوں کی کثرت سے ہوتی ہے۔ جس زبان کو بولنے والے کم سے بول سکیں اور سمجھنے والے سمجھنے سے قاصر رہیں وہ زبان کس کام کی۔ اگر مسلمان اردو میں عربی، فارسی کی یا ہندو ہندی میں سنسکرت الفاظ کی بھرمار کرتے ہیں تو اس میں شک نہیں کہ ایک طرف اردو عربی فارسی سے اور دوسری طرف ہندی سنسکرت سے قریب تر ہو جائے گی۔ اس سے ممکن ہے عربی فارسی یا سنسکرت کو فخر کرنے کا موقع مل جائے۔ لیکن یہ تو بتائیے اس سے اردو یا ہندی بولنے والوں کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ اردو یا ہندی کو عجائب گھر میں رکھنے کے قابل بنانے سے بہتر یہ ہے کہ وہ ہمارے آپ کے گھروں میں رہے بشرطیکہ ہم آپ خود ان حرکتوں سے کسی عجائب گھر کی زینت نہ بن جائیں!

حضرات، کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یوپی اردو کا قبرستان ہے، اور کچھ دنوں بعد یہاں اردو بولنے والے بھی نظر نہ آئیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ یوپی میں اردو کی کتابوں کی اشاعت روز بروز کم ہو رہی ہے اور شاید وہ دن بھی دور نہ ہو جب یہاں اردو کتابوں کا چھپنا بند ہو جائے۔ ان کے نزدیک آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دار المصنفین اعظم گڑھ، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد، مجلس مصنفین علی گڑھ، رضا اکاڈمی رامپور، ایوان اشاعت گورکھپور، نظامی پریس بدایوں، صدیق بکڈپو لکھنؤ، نگار بکڈپو لکھنؤ، انوار احمدی پریس الہ آباد، کتابستان الہ آباد، جامعہ اردو آگرہ، نولکشور پریس لکھنؤ، قصر ادب آگرہ، دائرہ معارف قرآنیہ آگرہ، اور اس قسم کے اور اداروں کا عدم و وجود یکساں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یوپی کے سوتے خشک ہو گئے، یہاں کے جوہر برباد ہو گئے، یہاں کے خزانے مٹی میں مل گئے، یہاں کی زمین شور ہو گئی، یہاں خدمت کا ولولہ اور کام کرنے کا جذبہ ختم ہو گیا، گویا اب سوا فاتحہ پڑھنے یا نوشتۂ تعزیر بننے کے اور چارہ کار نہیں!

حضرات "ہوم فرنٹ" کی سربراہی اس طور پر کی جارہی ہو تو انجام معلوم ہے۔ میرا خیال ہو کہ قبرستان کی بے حرمتی بھی کوئی ثواب کا کام نہیں، یہی نہیں بلکہ یہ جرم بھی ہے۔ ان کے نزدیک کام اتنا اہم نہیں ہے جتنا ایک خاص طریقہ سے کام اور ایک خاص ادارہ کے ماتحت کام۔ کیا اردو کی موجودہ حالت کی ذمہ داری صرف یوپی کے مسلمانوں پر ہے یا بعض مخصوص سیاسی اور ملکی حالات پر بھی ہے اور کیا اردو کی حمایت کے موجودہ طریقے، جو اخباروں اور تقریروں میں استعمال کئے جاتے ہیں بحیثیت مجموعی اردو کے لیے سودمند ہو سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں اس پر کسی قدر تفصیل سے اپنے بعض خیالات کا اظہار کروں تاکہ آپ کے سامنے ایک صحیح اور واضح تصویر آجائے۔

حضرات، ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے کچھ عرصہ بعد تک یوپی کی عام زبان اردو تسلیم کی جاتی تھی۔ مگر بنارس اور الہ آباد کے بعض حلقوں میں بہار کے حالات سے متاثر ہو کر ہندی کو عام زبان بنانے کی آواز بلند کی گئی۔ سرسید نے اپنی زندگی میں اس کو بہت کچھ روکنا چاہا مگر اہل ملک کی مخصوص ذہنیت اور حکومت کے سہارے سے اس صوبہ میں دو عملی ہو گئی، اور اردو اور ہندی دونوں سرکاری طور پر اس صوبہ کی زبانیں تسلیم کر لی گئیں۔ نواب محسن الملک مرحوم نے اس تحریک کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں بڑی جد و جہد کی۔ دوسری طرف ہندی کی پشت پناہی اس صوبہ کی ۸۵ فی صدی آبادی کر رہی تھی۔ حکومت کے دفاتر تھے۔ افسروں کی سرپرستی تھی۔ پھر اس کا نسبتاً آسان رسم خط اور ٹائپ تھا۔ یہاں ضمناً اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ ہندی مطبوعات کی کثرت اور مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس میں معمولی درجہ کی کتابیں معمولی استعداد کے پڑھنے والوں کے لئے کثرت سے چھپتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہندی مطبوعات معیاری اعتبار سے اردو مطبوعات سے کم درجہ کی ہوتی ہیں اس لئے ان کی اشاعت ان لوگوں میں جو صرف خواندہ ہوتے ہیں زیادہ ہوتی ہے اس کے برخلاف مسلمانوں کی یہ ذہنیت تھی اور اب بھی ہے جو صرف اول درجہ کی پیداوار کی دلدادہ تھی اور دوسرے درجہ کی مطبوعات کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ آج بھی تقریباً یہی حال ہے یعنی اردو پڑھے لکھے لوگ خواہ ان کی استعداد کتنی ہی کم ہو اکثر صرف معیاری درجہ کی کتابیں پڑھنا پسند کرتے ہیں اور دوسرے یا تیسرے درجہ کی کتابوں کی طرف بہت کم التفات کرتے ہیں۔ اس لئے اردو میں کثرت مطبوعات کے امکانات نسبتاً کم ہیں۔ اس کے علاوہ اردو کے ترقی کے راستہ میں اردو کا وہ اسلوب تھا جو اپنے مصنوعی اور دقیق عبارت کی وجہ سے ملک کے بڑے حصہ میں ناقابل فہم تھا اور جس کے خلاف جنگ کے سرسید نے اس کا [illegible] نہ لیا ہوتا تو شاید آج اس کا کوئی پرسان حال بھی نہ ہوتا۔ آپ کا وہ نظام تعلیم تھا جس کی رو سے ہم نے [illegible] کو روز اول سے انگریزی [illegible]

[illegible] پتا تھا دردگما اور جاہلت یوجہ کر غلط اور [illegible] بات سمجھا۔ آپ کے وہ اسکول اور کالج [illegible] پبلک اسکولوں کے نقش قدم پر چلنا اور اپنی پیداوار [illegible] کا نتیجہ لگانا بڑی بات سمجھتے تھے اور جنہوں نے بچوں اور بالغوں کی تعلیم پر غور کرنے تک کی زحمت [illegible] اٹھائی۔ ایک طرف ابنائے وطن اور حکومت کی منظم کوشش، دوسری طرف ہماری آپ کی ناعاقبت اندیشی اور گمراہی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب یہی لوگ اور ہمارے ہی لوگ ہم پر حق لعنت بھیجتے ہیں اتنی اپنے لئے دعائے مغفرت نہیں مانگتے۔

حضرات، اس سے انکار نہیں کہ ہم نے اپنی بنیادی تعلیمی اور ادبی ضروریات کے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کا کوئی صاف اور واضح نقشہ ذہن میں نہ مرتب کیا اور نہ مرتب ہونے دیا۔ غالباً ہم مطمئن تھے کہ ملک کی سیاسی فضا جوں کی توں قائم رہے گی اور ہم کو بدلے ہوئے واقعات اور حالات سے کبھی سابقہ نہ پڑے گا۔ چنانچہ بھولے بسرے ہم نے کبھی ضروریات پر نظر بھی ڈالی تو اس کا اندازہ نہ کیا کہ کون سی ضروریات مقدم ہیں اور کون سی مؤخر۔ ہم نے نیک نیتی سے کچھ یہاں اور کچھ وہاں اصلاح کی کوشش کی ادبی اور تعلیمی ادارے قائم کئے۔ اچھے اور قابل لوگوں کو اپنی طرف مائل بھی کیا۔ کتابیں لکھوائیں، انعامات دیئے، جلسے کئے، اور حکومت کو توجہ دلائی۔ یہ کام بھی ضروری تھا لیکن کافی نہ تھا۔ اس لئے اب ہم کو چاہئے کہ مسلمانوں کی تعلیمی اور ادبی ضروریات کو پھر سے سمجھیں اور اس کا ایک واضح اور مکمل پروگرام مرتب کرلیں۔ ہم عمل کرنے لگے ہیں مگر عمل کو عزم سے تقویت نہ پہنچائی جائے تو عمل نیک ہی کیوں نہ ہو اکثر ضائع ہو جاتا ہے۔

حضرات۔ ہمارے صوبہ میں ذہن کی کمی نہیں۔ یہاں جذبہ بھی ہے اور خلوص بھی۔ یہاں اب بھی زندگی ہے اور زندگی کی جد وجہد لیکن ہمارا مقابلہ ایک بڑی ذہین ترقی یافتہ اور منظم اور سرگرم عمل اکثریت سے ہے جس نے ہم سے بہت کچھ سیکھا اور پایا ہے۔ لیکن آج ہم ایک دوسرے سے بیگانہ و بیزار ہوتے جا رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت ہندو مسلمانوں میں عداوت ہے۔ لیکن میں مسلمانوں کو یہی مشورہ دوں گا کہ اگر جنگ ناگزیر ہے تو پھر جنگ کا جیتنا بھی ناگزیر ہونا چاہئے۔ اور یہ صرف اس طور پر ممکن ہے کہ مسلمان اس لڑائی کو اپنے فضائل سے جیتیں۔ اس سے حسب [illegible] دشمن دوست بن جاتا ہے اور [illegible] فتح [illegible] دوامی ہے۔ رونے پیٹنے، دھمکانے [illegible] کی کوشش [illegible] وقتی سی بھی ممکن ہے نتیجہ حاصل ہو جائے [illegible] اس قسم کی فتح ہر طرح کی [illegible]

حضرات، ہم آپ ایک [illegible] کے ان میں جو اس صوبہ کے سارے [illegible] مراد ہے یعنی وہ زبان جو [illegible] اور ہمارے صوبہ نیز ہمارے ملک کی [illegible] عام [illegible] زبان ہے۔ [illegible] شرمناک حال [illegible] سمجھنے کی ضرورت نہیں [illegible] ضرورت بہت محسوس [illegible] زبان ضرور اچھی ——

مسلم یونیورسٹی ٹریننگ کالج

(از مسٹر احمد [illegible] ڈائرکٹر [illegible])

مسلمانوں نے [illegible] مدرسین کی ضرورت کو [illegible] دی گئی ہو اور خواہ سائنس [illegible] رکھنے کے لئے مستعد ہوں [illegible] کا اس کے شاگردوں کے [illegible] وجہ سے بیدار اور حوصلہ مند [illegible] انتخاب اور ان کی تربیت کی جانب خاص توجہ کی ہے اس قومی ضرورت کے مدنظر مسلم یونیورسٹی نے ۱۹۲۳ء میں ایک تعلیم کا شعبہ کھولا اس شعبہ کی ابتدا ایک بہت ہی مختصر اسٹاف اور محدود ذرائع سے کی گئی تھی لیکن یہ برابر تقویت حاصل کر رہا ہے اور اس کی افادیت ہمیشہ روز افزوں رہی ہے اس وقت اس میں آٹھ اساتذہ ہیں جن میں سے اکثر فن تعلیم میں انگلستان کی ڈگریاں رکھتے ہیں اور سررشتہ تعلیم میں طویل اور مختلف النوع تجربہ حاصل کر چکے ہیں عمارت اور سامان کے لحاظ سے یہ کالج ہندوستان کے دوسرے اداروں کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کا کتب خانہ غالباً دنیا کے بہترین تعلیمی کتب خانوں میں شمار ہوگا۔

یہ کالج بہت کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس مقصد کو پورا کر رہا ہے جس کے لئے یہ قائم کیا گیا تھا اس نے ایک ہزار سے زائد اساتذہ تربیت دے کر بھیجے ہیں جو نیک نامی کے ساتھ ہندوستان کے [illegible] حصہ اور نیز دیگر قریبی ممالک مثلاً جنوبی افریقہ اور برما میں گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس وقت اس کالج میں ہر سال ۸۰ اساتذہ ذکور [illegible] کی تربیت کا انتظام ہے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے [illegible] مناسب انتظام ہے اور ایک [illegible] کی [illegible] کی نگرانی کرتی ہے۔ اس طرح مسلم خواتین کو [illegible] خدمات [illegible] کے لئے آپ کو تیار کرنے [illegible] ہو گئے ہیں اور ایک عرصہ سے مسلم [illegible] محسوس کی جا رہی تھی وہ پوری ہو رہی ہے۔ [illegible] پیدا [illegible] حیثیت سے [illegible] ملک کے [illegible] کی وسعت ایک [illegible] مسلم یونیورسٹی کا ایک جزو ہے جس کی بدولت طلبہ [illegible] کے ان تمام [illegible] سے مستفید ہوتے [illegible] ہے جو علی گڑھ کی تعلیم کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اس کے علاوہ نصاب تعلیم اس قدر وسیع اور جامع ہے اور بہت اس قدر مکمل ہے کہ شاید ہی کوئی دوسرا ادارہ اس کی [illegible] کر سکے کچھ عرصہ سے یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے اس کالج کے کام میں ذاتی دلچسپی لی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے تعلیم کے اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے باقاعدہ لیکچر دیئے اور سیمینار کے مباحثوں میں حصہ لیتے رہے ان کی گہری دلچسپی طلبہ کے ذوق وشوق کے لئے تازیانہ ثابت ہوئی اور انھوں نے ملک کے موجودہ تعلیمی مسائل کا مطالعہ کرنے اور ان کا حل تلاش کرنے کی سعی کی۔

یورپ میں مسلمانوں کی آبادی

یورپ میں روس اور ترکی کے علاوہ مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی یوگوسلاویہ، البانیہ، ہنگری، بلغاریہ، رومانیہ، یونان اور پولینڈ میں ہے۔ یوگوسلاویہ میں ۱۶۷۵ مسلمان آباد ہیں ان کی ایک قومی اور مذہبی جماعت ہے جس کا صدر رئیس العلماء کہلاتا ہے، رئیس العلماء کے ماتحت مذہبی [illegible] کی دو مجلسیں ہیں جن میں ایک [illegible] میں اور دوسری اسکوپلجی میں ہے، ایک محکمۂ وقف [illegible] ہے جس کی جانب سے ۷۷۸ مکاتب قائم ہیں، ان میں مذہبی تعلیم دی جاتی ہے۔ سرکاری صنعتی اسکولوں میں بھی مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام ہے۔ ۱۰ کالج

ہیں۔ ان میں ایک لڑکیوں کا ہے۔ سراجیوو میں گرلز مدرسہ ۴۰۰ برس سے قائم ہے اس کے تعلیم یافتہ اشخاص عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے مقدمے شریعت کے مطابق فیصل ہوتے ہیں اس کے لئے عدالتیں قائم ہیں جو ۱۹۱۸ء سے پہلے صرف مسلمانوں کی آبادی میں محدود تھیں ۱۹۱۸ء کے بعد یوگوسلاویہ کے ہر حصہ میں قائم ہوگئی ہیں۔

البانیہ میں مسلمانوں کی [illegible] آبادی تشیع صوفی گروہ کی مقلد ہے۔ یہاں عورتوں کا رتبہ بلند ہے ملک کے ہر حصہ میں اسلامی عہد کی یادگاریں موجود ہیں۔ مسلمان عام طور سے مذہبی متبع ہوتے ہیں لیکن ان کی تعلیم خصوصاً مذہبی تعلیم بہت اعلیٰ نہیں ہے۔

ہنگری میں [illegible] مسلمان ہیں جن میں ۵۰ صرف بوڈاپسٹ میں ہیں۔ [illegible] سے حکومت نے مذہب اسلام کو سرکاری طور سے تسلیم کر لیا ہے [illegible] سے پہلے یہاں مسلمانوں کی کوئی مسجد یا مدرسہ نہ تھا لیکن اب انھوں نے اپنی عبادت گاہ بنالی ہے۔

یونان کی کل آبادی ستر لاکھ ہے جس میں [illegible] ۱۴۰۰۰۰ میں ان میں زیادہ تر ترکی نسل سے ہیں کچھ بلغاری اور کاکیشین بھی ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر شمالی اور جنوبی تھریس میں آباد ہیں۔ جنگ عظیم سے پہلے سالونیکا میں ۳۴ مسجدیں تھیں لیکن اب ان میں سے بعض گرجا بنالی گئی ہیں۔ حمزہ بے کی مشہور مسجد میں سینما کا تماشا دکھایا جاتا ہے۔

یونان کے مسلمانوں کی معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی حالت بہت ہی خراب ہے۔ ان کی تعلیم پر اتنی قلیل رقم صرف کی جاتی ہے جو ان کی تعلیمی ضروریات کے دسویں حصہ کے لئے بھی کافی نہیں۔

بلغاریہ کی کل آبادی ۵۵ لاکھ ہے جس میں گیارہ فی صدی ترکی النسل ہیں، یہاں [illegible] ۷۵ مسلمان ہیں ان کی اکثریت ترکوں کی ہے۔ خالص بلغاری مسلمان [illegible] ہیں، مسلمان شوملا، رازگراڈ، ودن، روشتک اور صوفیہ کے علاقوں میں آباد ہیں۔ اور زیادہ تر کسان ہیں ان میں تعلیم بہت کم ہے۔ ایک اہم اقلیت ہونے کی وجہ سے مجلس قانون ساز میں ان کی نمائندگی ہوتی ہے لیکن ان کی تعداد [illegible] میں کل دس ہے ان کا مذہبی پیشوا مفتی اعظم صوفیہ میں رہتا ہے۔ تمام مذہبی معاملات

ان کے ذریعہ سے طے پاتے ہیں۔ اور ایک مجلس کے مشورہ سے ہر مسجد میں امام مقرر ہوتا ہے، پورے علاقہ میں ۲ اسلامی مدارس ہیں۔

رومانیہ کی پوری آبادی ایک کروڑ ۸۰ لاکھ ہے جس میں مسلمان ۲ لاکھ ہیں۔ یہ زیادہ تر دوبروجا میں آباد ہیں، کونستنزا، توتچیا، دروستور اور جزیرہ اداکالیہ میں بھی ان کی گھری آبادی ہے۔ معاشرتی اور تمدنی حالات میں بلغاری مسلمانوں سے بہتر ہیں۔ وہ حکومت کے بڑے بڑے ملکی اور فوجی عہدوں پر بھی مامور ہیں ان میں بعض ممتاز ڈاکٹر، وکیل اور انجینیر بھی ہیں۔ سرکاری فوج میں بھی ان کی تعداد خاصی ہے مسلمان فوجی عہدہ داروں اور سپاہیوں کے لئے علیحدہ امام ہے جس کا صدر مقام کونستنزا میں ہے۔

جنگ عظیم سے پہلے پولینڈ میں [illegible] مسلمان آباد تھے لیکن وہ روسی حکومت کے محکوم ہونے کی وجہ سے کریمیا کے مفتی کے ماتحت تھے۔ کریمیا کی دوری کی وجہ سے ان کی مذہبی اور تعلیمی حالت کی طرف کافی توجہ نہ کی جاتی تھی جس سے وہ حکومت سے غیر مطمئن تھے یہاں کے تاتاری مسلمان فوجی اور ملکی عہدوں پر روس کے مختلف حصوں میں منتشر تھے اسی لئے وہ اپنے بچوں کو باضابطہ مذہبی تعلیم نہ دلا سکتے تھے۔ پولینڈ کے مسلمان زیادہ تر روسی جرمن سرحد پر آباد تھے۔ اس لئے جنگ عظیم میں ان کو اپنا گھر چھوڑ دینا پڑا جن میں بہت سے بے خانماں ہو کر ہلاک ہو گئے اور جو واپس آگئے وہ [illegible] کی زندگی بسر کرنے لگے، مگر پھر انھوں نے اپنی حالت سنبھال لی، پولینڈ کی حکومت نے ان کے لئے مفتی، امام اور مذہبی تعلیم کے اساتذہ مقرر کئے، شاہ مصر نے بھی مسجدوں کی مرمت کے لئے ان کے پاس پانچ سو پونڈ بھیجے، امریکہ کے تاتاری مسلم باشندوں نے بھی ان کی مالی امداد کی، جرمنی اور پولینڈ کی جنگ سے پہلے ان کی مذہبی و تعلیمی حالت خاصی تھی۔

(سلطنت)

ہندوستان کے جدید وائسرائے کا پہلا بیان

ہندوستان میں وائسرائے کے عہدہ پر جس خوش نصیب کا تقرر ہوتا ہے وہ اس وسیع ملک میں ملک معظم کا نائب اور سب سے زیادہ با اقتدار حاکم سمجھا جاتا ہے، اس بنا پر ہمیشہ سے اس عہدہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کسی وائسرائے کا زمانہ قریب اختتام کے پہنچتا ہے تو ہونے والے وائسرائے کے متعلق پہلے سے قیاس آرائیاں شروع ہو جاتی ہیں چنانچہ اس دفعہ بھی ایسا ہی ہوا کہ اس سلسلہ میں بہت سے نام لئے گئے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس منصب جلیل پر فائز نہ ہو سکا بلکہ فیلڈ مارشل ویول جن کے متعلق کسی کا خیال بھی نہ تھا اس عہدہ پر مامور ہوئے اور انھوں نے حسب دستور ایک بیان دیا جس میں معمول کے مطابق ہندوستان کے متعلق اپنی محبت اور نیک ارادوں کا اظہار کیا جس کی تفصیل ذیل کی اطلاع سے معلوم ہوگی۔

"انڈیا آفس میں اخبار نویسوں کے ایک جلسہ میں فیلڈ مارشل ویول نے وائسرائے مقرر ہونے کے اعلان کے بعد پہلی مرتبہ ہندوستان کی بابت بیان دیتے ہوئے کہا کہ قدرتی طور پر آپ مجھ سے اس بات کی توقع نہیں کر سکتے کہ میں ہندوستان کے مستقبل کی تجاویز اور پالیسی کے متعلق کوئی تفصیلی بیان دوں۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں ہندوستان کا مخلص دوست ہوں۔ مجھے ہندوستان کی سیاسی خواہشات سے ہمدردی ہے مجھے اس کے مستقبل میں کامل یقین ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے پانچ بہترین سال ہندوستان میں بطور نوجوان افسر گزارے ہیں۔ دو سال کمانڈر انچیف رہا ہوں۔ میں مستقبل میں بھی ہندوستان کی خدمت کر کے یہ قرضہ ادا کرنے کی انتہائی کوشش کروں گا۔ ہندوستان کی آزادی جاپانی خطرے سے دور رہنے پر منحصر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سیاسی ترقی جنگ کے خاتمہ تک ملتوی رہے گی۔ میں نے فوجی ملازمت ترک کر کے سویلین بننا اس لئے منظور کیا ہے کہ اپنے اور ہندوستان کے مقاصد کی خدمت کر سکوں۔ نہ میرا ارادہ وہاں فوجی حکومت قائم کرنے کا ہے۔ نہ ملک معظم کی حکومت کے کسی بھی وعدوں کو واپس لینے کا۔ مارشل ویول سویلین لباس میں ملبوس تھے۔ آپ نے مزید کہا کہ میں ہندوستان کی معاشرتی اور اقتصادی ترقی میں امداد دوں گا آخر میں آپ نے ہندوستانی سپاہیوں کی وفاداری کی تعریف کی اور اخبارات سے پہلے کی طرح تعاون کرنے کی توقع ظاہر کی۔

مارشل ویول نے کہا کہ میرا یقین ہے کہ جتنی جلدی جنگ ختم ہوگی اتنی جلدی ہندوستانی اپنے سیاسی منتہائے مقصود کو حاصل کریں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے

[illegible] انھوں اور جنگ کے [illegible] سیاسی [illegible] ترقی نہیں [illegible] ہوئی [illegible] اندازہ [illegible] سپاہی کے [illegible] فوجی زندگی کو اس [illegible] میں بطور سولجین ہندوستان کی بہتر طور پر [illegible] کرسکوں گا۔ آپ یقین رکھیں کہ اس بات کا کوئی [illegible] نہیں کہ ہندوستان میں فوجی قسم کی حکومت قائم کی جائے یا ان وعدوں کو توڑا جائے۔ جو برطانوی حکومت ہندوستان سے کرچکی ہے۔ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مارشل ویول نے کہا کہ میں اس بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں کہ میرے سامنے مشکل مشکلات ہیں لیکن ہندوستان کے مستقبل میں میرا یقین نہایت گہرا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ باہمی خوش اعتمادی اور دانشمندی سے کام لینے والے اشخاص ہندوستان کو دنیا میں وہ بلند درجہ دلا سکتے ہیں جس کے وہ اپنی تاریخ وسیع آبادی اور [illegible] اور روایات کی وجہ سے مستحق ہیں۔ آگے چل کر [illegible] مارشل نے کہا کہ قدرتی طور پر لوگوں کو خیال ہوسکتا ہے کہ وردی اتار پھینکنے سے سپاہیانہ انداز ختم نہیں [illegible] لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال کرنا غلطی ہے [illegible] ایک سپاہی کا دل قومی معاملات میں ہی الجھا رہتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس وسیع ملک سے میرا تعلق کتنا محدود ہے۔ میں اپنے عہدہ کا چارج لینے سے پہلے کا وقت ہندوستان کے مسئلہ کو سمجھنے کی طرف [illegible] اور مجھے امید ہے کہ میں صاف دل کے ساتھ اس ملک کی خدمت کرسکوں گا۔ آگے چل کر مارشل ویول نے کہا کہ ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کے متعلق کافی توجہ دی جاچکی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جنھیں اس بات کا احساس نہیں کہ ہندوستان کی مجلسی اور اقتصادی ترقی کے لئے کتنا کچھ کیا جاچکا ہے اور کتنا کچھ کرنا ابھی باقی ہے۔ یقیناً یہ کام زیادہ تر ہندوستانیوں کا ہی میرا کام صرف یہ ہوگا کہ اس معاملہ میں ان کی مدد کروں۔ آخر میں مارشل ویول نے اپنی عزت افزائی کے لئے ملک معظم اور برطانوی حکومت کا شکریہ ادا کیا اور کہا مجھے اپنی اس ذمہ داری کا احساس ہے جو ہندوستان کی تاریخ کے اس نازک مرحلہ پر میرے کندھوں پر آپڑی ہے میں اخبارات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ہمیشہ مجھے اچھے لفظوں سے یاد کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آئندہ بھی میری امداد کریں گے۔

ہندوستانی معاملات اور امریکہ

مشہور امریکی مصنفہ مسٹر "انڈگراسو" نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ امریکہ کے باشندے بحیثیت مجموعی ہندوستان کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہتے، اور وہ اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ برطانیہ کو ہندوستان کے معاملات طے کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔

امریکن اب یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ حکومت برطانیہ اور ہندوستان کے باشندوں کا مسئلہ ہے، اور اس میں امریکنوں کو مداخلت کی کوئی گنجائش نہیں ہے' اور ہندوستان کے لوگوں میں آئندہ آئین کے بارہ میں جو اختلافات ہیں ان کی وجہ سے امریکنوں کا رویہ سخت ہوتا جاتا ہے' امریکہ کے باشندوں کے ایک بڑے حصہ کو ہندوستانیوں کی خواہشوں سے گہری ہمدردی تھی لیکن جب سے انھوں نے کرپس اسکیم کو نامنظور کیا ہے جس میں جنگ کے بعد ہندوستان کی آزادی کے لئے گارنٹی موجود تھی اس وقت سے ان امریکنوں کی دلچسپی بھی ختم ہوگئی ہے۔

ہندستانی اکیڈیمی صوبہ متحدہ

ضرورت ہے ایک اردو لٹریری اسسٹنٹ کی۔ اردو یا فارسی یا عربی میں ایم۔ اے ہونا بھی شرط ہے۔ علاوہ اس کے امیدواروں کو علمی اور صحافتی کام کا پورا تجربہ ہونا چاہئے نیز یہ کہ اردو میں مصنف یا مضمون نگار کی حیثیت سے امتیاز حاصل کیا ہو۔ تنخواہ ۷۵۔۵۔۱۰۰ روپیہ درخواستیں جنرل سکریٹری ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد کو ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۴۳ء تک بھیج جانی چاہئیں۔

لکھنؤ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حسب ذیل شہروں میں آٹے کی اسکیم [illegible] عملدرآمد ہوگا۔ لکھنؤ، دہرہ دون، منصوری، سہارنپور، مظفرنگر، میرٹھ، علی گڑھ، آگرہ، متھرا، بریلی، مرادآباد، شاہجہانپور، نینی تال، [illegible] رانی کھیت، [illegible] آباد، فرخ آباد، اٹاوہ، کانپور، الہ آباد، جھانسی

کتب متعلق زراعت و باغبانی

علم باغبانی (از مسٹر رضی اللہ خاں ایل۔ اے جی) اس کتاب کے چار حصے ہیں جن میں پہلے حصہ میں اصول علمی لکھے گئے ہیں۔ بقیہ تین حصوں میں تین سو پھولوں، ترکاریوں اور پھلوں کی کاشت کا بیان ہے۔ نقشے اور ڈیڑھ سو تصاویر بھی ہیں۔ ضخامت ۴۳۹ صفحات قیمت .. چھ روپیہ

ترقی زراعت (از خانصاحب محمد عبدالقیوم خاں صاحب) اس میں زمین کی ساخت، موسم، آبپاشی، جانچ، غلے اور ترکاریاں، فارم، مویشی، علاج الامراض مویشی اور ان کی فصلوں میں بیماریاں اور کیڑے وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔ ضخامت ۱۲۳ صفحات علاوہ انڈکس، قیمت مجلد .. للعہ

فن باغبانی (مصنفہ کے ایس گپتا بی ایس سی، ایگریکلچرل لیکچرر گورنمنٹ ایگریکلچرل اسکول بلند شہر) اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہر قسم اور ہر موسم کی ترکاریوں اور دوسرے حصہ میں ہر قسم کی پھلواڑی اور پھولوں کی کاشت کے طریقے نہایت وضاحت اور خوبی کے ساتھ بتائے گئے ہیں' ہر زمین کی اقسام، کھاد، ترکاریوں، پھلواڑی اور پھلوں کے امراض اور ان کے علاج کا بھی مفصل بیان ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر اس قدر جامع اور آسان کتاب ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی کتاب میں جابجا تصاویر نقشے اور جدول بھی دئے گئے ہیں' قیمت حصہ اول ۱۲ؔ حصہ دوم ۱۲ؔ۔ دونوں حصے علیحدہ علیحدہ مجلد ہیں۔

[illegible] بارچہ بافی (یہ کتاب بابو لچھمن لال صاحب دوبنگ اکسپرٹ کی [illegible] [illegible] کا ترجمہ ہے جو ماسٹر اسرار الحق صاحب [illegible] ویونگ اسکول نے کیا ہے۔ اس کتاب میں [illegible] ہدایات یعنی ہر قسم کے دھاگے کا [illegible] اور [illegible] کو کلپ دینے اور [illegible] کے طریقے کلپ سے [illegible] ہر قسم کے کپڑوں کے ڈیزائن وغیرہ مفصل طریقے سے بتائے ہیں۔ کپڑوں کے ڈیزائن کو بذریعہ بلاکس سمجھایا گیا ہے۔ بلاکس ۸۵ سے زائد ہیں۔ قیمت صرف .. ۱۲ؔ

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(با اہتمام [illegible] صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا و محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ایڈیٹر ۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر ۔ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۱۲ ۔ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۲۷)

اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع کی سالگرہ ہمایوں

اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ کی سالگرہ ہمایوں کی تقریب پر یکم رجب ۱۳۶۲ھ (۵ ۔ جولائی ۱۹۴۳ء) کو ساری مملکت حیدر آباد میں مختلف طریقوں سے اظہار مسرت کیا گیا جس میں اعلیٰ حضرت کی وفادار رعایا کا ہر طبقہ نہایت خوش دلی سے شریک ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ذات شاہانہ اپنی گوناگوں خصوصیات مثلاً فیاضی، علم پروری و رعایا نوازی کے لحاظ سے اُن سلاطین سلف کا نمونہ ہے جن کے عدل و انصاف اور سیاست و تدبر کی داستانیں آج تک افسانہ ہر بزم و انجمن ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے محامد و اوصاف بیان کرنے کے سلسلہ میں اکثر یہ غلطی کی جاتی ہے کہ حضور ممدوح کو صرف ایک فیاض و رعایا نواز فرمانروا کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ اعلیٰحضرت نہ صرف ایک فرمانروا ہیں بلکہ حیدر آباد کے مصلح اور ریفارمر بھی ہیں۔ اور حیدر آباد نے دور عثمانی میں جو حیرت انگیز ترقی و شہرت حاصل کی ہے اور اس کے وقار و اعزاز میں جو اضافہ ہوا ہے وہ اعلیٰ حضرت ہی کی شاہانہ توجہ کا ثمرہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی [illegible] دولت آصفیہ کی تاریخ لکھنے کا قصد کرے گا تو وہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائے گا کہ اعلیٰ حضرت کے عہد ہمایوں میں حیدر آباد کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

اعلیٰ حضرت کے عہد مبارک کی ترقیوں کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اخبار کی تنگ دامانی مفصل حالات پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتی، لہذا اس موقع پر ہم دور عثمانی کی ترقیوں کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔

یکم رجب کو سالگرہ ہمایونی کی تقریب میں دار الحکومت حیدر آباد میں ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس جلسہ میں نواب عزیز احمد خاں صاحب نے بحیثیت صدر استقبالیہ جو خطبہ پڑھا اس میں نہایت اختصار کے ساتھ دور عثمانی کی برکات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ صدر استقبالیہ نے اعلیٰ حضرت کے محاسن و خصوصیات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا۔

"آپ کو یہ سنکر مسرت ہوگی کہ جس وقت اعلیٰ حضرت بندگان عالی سریر آرائے سلطنت ہوئے تو حکومت کی سالانہ آمدنی تقریباً ۸ کروڑ تھی، آج بحمد اللہ سلطنت کی آمدنی دس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ حکومت سرکار عالی نے حضرت حکیم السیاست کی رہنمائی میں ۳۲ کروڑ سے زیادہ کے ذخائر محفوظ جمع کر لئے۔

مسند نشینی کے زمانہ میں قومی تعمیر کی سرگرمیوں میں سالانہ ۷۰ لاکھ روپیہ صرف ہوا کرتے تھے لیکن اس مد پر سالانہ ۵ کروڑ روپیہ صرف ہوتا ہے، سررشتہ تعلیمات کا موازنہ (بجٹ) ایک لاکھ سے بڑھ کر ایک کروڑ ۸۰ لاکھ تک پہنچ گیا ہے۔ مدارس کی تعداد ڈھائی ہزار سے بڑھ کر سات ہزار تک ہوگئی ہے۔ طلبہ کی تعداد تقریباً ایک لاکھ سے پانچ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ یہی حال دیگر شعبہ جات نظم و نسق کا ہے۔

آج ملک کے طول و عرض میں تقریباً ۵۰ دواخانے اور کئی سو یونانی اور ایورویدک شفا خانے رعایا کی طبی امداد میں مصروف ہیں، قحط زدہ علاقوں میں آب نوشیدنی کی قلت رفع کرنے کیلئے تقریباً چار ہزار عدہ باولیات کھدائے گئے۔ تجارت میں سہولت پیدا کرنے اور مسافرین کی آسائش کی خاطر کئی پل اور صدہا سافر خانے تعمیر کرائے

بھی اس کی صراحت حسب ذیل آیت میں کی گئی ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ

یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء اور تارک الدنیا راہبوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب (پروردگار) ٹھہرا لیا ہے۔

یہ حالت تو ان لوگوں کی تھی جو اہل کتاب تھے اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر اعتقاد رکھتے تھے، مشرکین کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، وہ علی الاعلان خود ساختہ معبودوں کی پوجا کرتے تھے اس لئے توحید سے ان کو دور کا واسطہ بھی نہ تھا، ان کی شرک پرستی تو یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ انھوں نے "خانۂ کعبہ" کو جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا اچھا خاصہ "صنم خانہ" بنا رکھا تھا، اور اس پر مزید ستم ظریفی یہ کہ ان بتوں میں جنھیں خانۂ کعبہ میں جگہ دی گئی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مورت بھی تھی کیونکہ یہ مشرکین ان کی پیروی کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ حضرت ابراہیم خدا کے ان برگزیدہ بندوں میں تھے جو اپنی بصیرت اور غیر معمولی فکر و تدبر سے خدا شناسی کے مرتبہ پر پہنچے تھے اسی بنا پر قرآن مجید میں جا بجا اور مختلف طریقوں سے یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم موحد و مسلم تھے مشرک نہ تھے اور انھوں نے اپنی اولاد کو بھی یہ وصیت کی تھی کہ وہ ہمیشہ خدائے واحد کی پرستش و عبادت کریں۔ "اسلام" کو بھی ملت ابراہیمی اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم توحید کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح اسلام بھی لوگوں کو صرف ایک خدا کی اطاعت و عبادت کا حکم دیتا ہے۔ لہذا جو شخص حضرت ابراہیم کی تعلیم سے روگردانی کرتا ہے، وہ موحد یا مسلم نہیں کہا جا سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملت ابراہیمی کی صورت مسخ ہو چکی تھی، بلکہ کوئی آسمانی مذہب جس میں توحید کی تعلیم تھی اپنی اصلی و ابتدائی صورت میں باقی نہیں رہا تھا۔ شرک عام طور پر پھیل گیا تھا اور خالص توحید کا کہیں وجود نہ تھا یہ حالت صرف عرب کی نہ تھی بلکہ ساری دنیا اسی جہالت و تاریکی میں مبتلا تھی، انسان خالق کائنات سے باغی ہو چکا تھا۔ اور اس نے اپنا رشتہ خدا کی ایسی مخلوق سے جوڑ لیا تھا جو مرتبہ میں اس سے کم تھی اور نہ اسے نفع پہنچا سکتی تھی نہ نقصان۔

ان حالات کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ دنیا ایک ایسے رہنما یا لیڈر کی شدید ضرورت محسوس کر رہی تھی جو اپنی روحانی طاقت اور غیر معمولی شخصیت سے انسانوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ اس کے مالک حقیقی سے جوڑ دے۔ اور انسان کی ذہنیت میں ایسا انقلاب پیدا کر دے کہ وہ اپنے فرسودہ عقائد، نا روا اعمال سے یکسر دستبردار ہو کر خدا کا پرستار بن جائے لیکن یہ ایسا عظیم الشان کام ہے جسے دنیا کا کوئی لیڈر یا بادشاہ انجام نہیں دے سکتا۔

اس قسم کا ذہنی و اخلاقی انقلاب دنیا میں جب کبھی ہوا ہے ان برگزیدہ ہستیوں کے ہاتھوں ہوا جو خدا کی طرف سے اس عظیم الشان خدمت کے لئے مامور ہوئی ہیں اور جنھیں مذہب کی زبان میں پیغمبر یا رسول کہتے ہیں۔ خدا کے یہ برگزیدہ بندے اپنی بلند شخصیت اور پاکیزہ سیرت و خصائل کے اعتبار سے انسانیت کی اعلیٰ ترین مثال ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس دور آخر میں بھی اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لئے ایک برگزیدہ ہستی کو دنیا میں بھیجا، نہ صرف عرب یا کسی خاص قوم کی اصلاح کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے، کیونکہ اس تاریک زمانہ میں دنیا کا کوئی حصہ بھی ایسا نہ تھا جہاں خدائے واحد کے پرستار موجود ہوں، اس لئے سخت ضرورت تھی کہ تمام افراد انسانی کو توحید کی دعوت دی جائے۔

اس برگزیدہ ہستی کا ظہور اچانک نہیں ہوا۔ بلکہ بہت سے جلیل القدر پیغمبر جو اپنے زمانہ میں خاص خاص قوموں کے رہنما یا لیڈر تھے صدیوں پہلے سے اس آنے والے مصلح اعظم کی بشارت دیتے چلے آتے تھے۔ اس لئے وہ لوگ جو آسمانی صحائف کے مطالب سے باخبر تھے صدیوں سے اس برگزیدہ ہستی کا انتظار کر رہے تھے آخر کار دنیا کا یہ سب سے آخری اور سب سے زیادہ جلیل القدر رہنما اپنے وقت پر آیا اور اس کی تعلیم نے اس کارگاہ ہستی میں ایسا حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا جس کی کوئی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

یہ صحیح ہے کہ دنیا میں ایسے بے نصیب انسان بھی تھے جنھوں نے اپنی سعادت سے اس پیغمبر اعظم کی دعوت کو قبول نہیں کیا، لیکن ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ جو سعید و سلیم الفطرت ہیں وہ اچھی چیزوں کو خوشدلی سے قبول کرتے ہیں اور شقی ان سے محروم رہتے ہیں۔ اس سے دنیا کو سعادت و شقاوت کے درمیان امتیاز کرنے کا موقع ملتا ہے۔ باران رحمت جب برستا ہے تو اپنے فیض سے زمین کے کسی حصہ کو محروم نہیں رکھتا لیکن زمین کا ہر ٹکڑا اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اس میں ابر رحمت کی خطا یا کوتاہی نہیں بلکہ زمین کا قصور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات بھی ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آئی تھی چنانچہ قرآن مجید میں صراحتہً ارشاد ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی ہم نے تم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر یہ فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ یعنی (اے رسول) کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے بڑے رہنما تھے۔ اور سارے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے تشریف لائے تھے۔

گذشتہ چند ہزار برس میں انسان نے ذہنی و دماغی حیثیت اور تمدن کے اعتبار سے بہت کچھ ترقی کر لی تھی مختلف قومیں جو قطعات عالم میں بستی تھیں ایک دوسرے سے روشناس ہو گئی تھیں اور باہم قریب ہوتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ اب وہ وقت آ رہا تھا جب دنیا کے دور دراز حصوں میں بسنے والی قوموں کے باہمی تعلقات و روابط اس حد تک پہنچ جائیں کہ ان کے باہم کوئی اجنبیت باقی نہ رہے۔ بلکہ باہمی قربت اس حد تک بڑھ جائے کہ یہ قومیں ایک دوسرے کے مذہبی عقائد، روایات، زبان، علوم اور معاشرت سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں اور آپس میں افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری ہو جائے۔

یہ حالات جو مستقبل قریب میں پیش آنے والے تھے اس امر کو مقتضی تھے کہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے ایک ایسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ جولائی ۱۹۶۴ء

"لیڈر یا رہنما"

(۶)

جب یہ حقیقت بخوبی واضح ہو گئی کہ پیغمبر کا مرتبہ ایک "لیڈر" کے مقابلہ میں بہت بلند ہے۔ اس کے فرائض نہایت اعلیٰ اور اہم ہیں تو اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک پیغمبر کا اصل فرض کیا ہے اور وہ اسے کس طریقہ سے ادا کرتا ہے اور یہ کہ اُسے اپنی نازک ذمہ داریوں کا کس قدر زبردست احساس ہوتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سب پیغمبر ایک ہی مقصد کے لئے مامور ہوتے ہیں اس لئے اُن کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی یکساں ہیں لیکن پھر بھی اُن کے مراتب میں امتیاز ہے سب پیغمبروں کو مستقل شریعت یا صحیفۂ آسمانی نہیں دیا گیا ہے۔ نہ سب کا دائرہ عمل یکساں ہے۔ کیونکہ بعض پیغمبر کسی مختصر حصہ ملک کی اصلاح کے لئے آتے ہیں اور بعض کا دائرہ رُشد و ہدایت وسیع ہوتا ہے اور وہ کسی مشہور قبیلہ یا قوم کی رہنمائی کے لئے بھیجے جاتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لئے تشریف لائے تھے لیکن ان سب سے زیادہ بلند رتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے مامور ہوئے تھے لہٰذا جو پیغام آپ لائے وہ کسی خاص ملک یا قوم سے مخصوص نہ تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ پیغمبر کبھی خواہ مخواہ دبے ضرورت نہیں آتا بلکہ جب کوئی قوم خالق کائنات کو بھول کر صراط مستقیم سے بھٹک جاتی ہے اور کسی قانون الٰہی کی پابند نہیں رہتی تو ایک مصلح یا رہنما جس کو پیغمبر کہتے ہیں اس کی اصلاح و رہنمائی کے لئے مامور ہوتا ہے جو ان گمراہ انسانوں کو سب سے پہلے توحید کی تعلیم دیتا ہے یعنی انہیں یہ حکم دیتا ہے کہ خود ساختہ معبودوں سے یکسر قطع تعلق کرکے صرف خدائے واحد کے پرستار بن جائیں اور اس کے احکام کی اطاعت کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جملہ آسمانی مذاہب کی بنیادی تعلیم جو سب میں مشترک ہے وہ توحید ہے اور ہر پیغمبر صرف اسی غرض سے مامور ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو ایک معبود حقیقی کی عبادت و اطاعت کا حکم دے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح توحید کا بنیادی عقیدہ دنیا کے سامنے پیش کیا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے جس توحید کی تعلیم دی وہ "توحید کامل" ہے جو ہر قسم کے شائبہ شرک سے پاک ہے اور جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں بھی نہیں ملتی، اسلام کے عقیدۂ توحید سے متاثر ہو کر آج کئی مذہب اس کے مدعی بن گئے ہیں کہ ہمارے یہاں بھی توحید کی تعلیم موجود ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے توحید کا جو خالص اور بے لاگ تخیل دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ اتنا بلند ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کو اب تک اس کے قریب آنا بھی نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے کوئی مذہب بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اس کے یہاں توحید کا صحیح و حقیقی تصور موجود ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ یہودی جو حضرت موسیٰ کو پیغمبر اور توریت کو صحیفۂ آسمانی تسلیم کرتے ہیں توحید کے مدعی ہیں لیکن اُن کے عقیدۂ توحید کی حقیقت اس سے ظاہر ہے کہ وہ ایک ایسے خدا کو مانتے ہیں جو انسانی شکل و صورت میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ خدا انسانی صورت میں نمودار ہوا اور اُس نے عام انسانی طریقہ کے مطابق اسرائیل سے کشتی لڑی، وہ بمشکل اُن کی گرفت سے باہر نکلا۔ اس کے مقابلہ میں اسلام ایک ایسے بے مثال خدا کی ہستی کا قائل ہے جو ہر قسم کی جسمانیت سے بالاتر ہے یہاں تک کہ ہم کسی شکل و صورت میں بھی اُس کا تصور نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی مذہب میں بھی توحید کی تعلیم دی گئی تھی لیکن کیا آج اس مذہب کے کسی فرقہ میں بھی خالص توحید کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی خدا کے ایک برگزیدہ رسول تھے لوگوں کو توحید کی تعلیم دی تھی چنانچہ قرآن مجید میں یہ ارشاد موجود ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ

یعنی بیشک کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ عین مسیح ابن مریم ہے، حالانکہ مسیح نے خود یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا رب (پروردگار) اور تمہارا بھی رب ہے۔

[illegible] کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسیح کی حیثیت [illegible] الفاظ میں واضح کی ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ

یعنی مسیح ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف ایک رسول (پیغمبر) ہیں جن سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیح کی بھی وہی حیثیت ہے جو دوسرے پیغمبروں کی [illegible] دوسرے پیغمبر جو خدا کے فرستادہ [illegible] اس سے حضرت مسیح [illegible] اللہ نہیں ہیں۔

یہ درست ہے کہ [illegible] دونوں صحائف آسمانی [illegible] چنانچہ قرآن مجید نے ان آسمانی کتابوں توریت اور انجیل کی تصدیق فرمائی ہے لیکن [illegible] مذاہب کے متبعین [illegible] آسمانی کتابوں میں تحریف [illegible] اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں خالص [illegible] [illegible] توحید کی اصلی تعلیم [illegible] خدا کی [illegible] کا مشرکانہ عقیدہ ان کے [illegible] چنانچہ قرآن مجید میں بھی اُن کے [illegible] کا اظہار [illegible] الفاظ میں کیا گیا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ

یعنی یہود نے کہا کہ (حضرت) عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح (حضرت عیسیٰ) خدا کے بیٹے ہیں۔

صرف اسی حد تک نہیں بلکہ اہل کتاب نے اور لوگوں کو بھی مرتبہ الوہیت پر پہنچا دیا تھا، چنانچہ قرآن مجید

بھی اس کی صراحت حسب ذیل آیت میں کی گئی ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ

یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء اور تارک الدنیا راہبوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب (پروردگار) ٹھہرا لیا ہے۔

یہ حالت تو ان لوگوں کی تھی جو اہل کتاب تھے اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ مشرکین کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، وہ علی الاعلان خود ساختہ معبودوں کی پوجا کرتے تھے اس لئے توحید سے ان کو دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ ان کی شرک پرستی تو یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے "خانہ کعبہ" کو جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا اچھا خاصہ "صنم خانہ" بنا رکھا تھا۔ اور اس پر مزید ستم ظریفی یہ کہ ان بتوں میں جنہیں خانہ کعبہ میں جگہ دی گئی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مورت بھی تھی کیونکہ یہ مشرکین ان کی پیروی کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ حضرت ابراہیم خدا کے ان برگزیدہ بندوں میں تھے جو اپنی بصیرت اور غیر معمولی فکر و تدبر سے خداشناسی کے مرتبہ پر پہنچے تھے اسی بنا پر قرآن مجید میں جا بجا اور مختلف طریقوں سے یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم موحد و مسلم تھے مشرک نہ تھے اور انہوں نے اپنی اولاد کو بھی یہ وصیت کی تھی کہ وہ ہمیشہ خدائے واحد کی پرستش و عبادت کریں۔ "اسلام" کو بھی ملت ابراہیمی اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم توحید کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح اسلام بھی لوگوں کو صرف ایک خدا کی اطاعت و عبادت کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا جو شخص حضرت ابراہیم کی تعلیم سے روگردانی کرتا ہے وہ موحد یا مسلم نہیں کہا جا سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملت ابراہیمی کی صورت مسخ ہو چکی تھی، بلکہ کوئی آسمانی مذہب جس میں توحید کی تعلیم تھی اپنی اصلی و ابتدائی صورت میں باقی نہیں رہا تھا۔ شرک عام طور پر پھیل گیا تھا اور خالص توحید کا کہیں وجود نہ تھا یہ حالت صرف عرب کی نہ تھی بلکہ ساری دنیا اسی جہالت و تاریکی میں مبتلا تھی، انسان خالق کائنات سے باغی ہو چکا تھا۔ اور اس نے اپنا رشتہ خدا کی ایسی مخلوق سے جوڑ لیا تھا جو مرتبہ میں

اس سے کم تھی اور نہ اسے نفع پہنچا سکتی تھی نہ نقصان ان حالات کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ دنیا ایک ایسے رہنما یا لیڈر کی شدید ضرورت محسوس کر رہی تھی جو اپنی روحانی طاقت اور غیر معمولی شخصیت سے اس سرتوڑ باغی و طاغی انسان کا رشتہ اس کے مالک حقیقی سے جوڑ دے۔ اور اس کی ذہنیت میں ایسا انقلاب پیدا کر دے کہ وہ اپنے برے عقائد و ناروا اعمال سے یکسر دستبردار ہو کر خدا کا پرستار بن جائے۔ لیکن یہ ایسا عظیم الشان کام ہے جسے دنیا کا کوئی لیڈر یا مادی رہنما انجام نہیں دے سکتا۔

اس قسم کا ذہنی و اخلاقی انقلاب دنیا میں جب کبھی ہوا ہے ان برگزیدہ ہستیوں کے ہاتھوں ہوا جو خدا کی طرف سے اس عظیم الشان خدمت کے لئے مامور ہوئی ہیں۔ اور جنہیں مذہب کی زبان میں **پیغمبر یا رسول** کہتے ہیں۔ خدا کے یہ برگزیدہ بندے اپنی بلند شخصیت اور پاکیزہ سیرت و خصائل کے اعتبار سے انسانیت کی اعلیٰ ترین مثال ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس دور آخر میں بھی اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لئے ایک برگزیدہ ہستی کو دنیا میں بھیجا، نہ صرف عرب یا کسی خاص قوم کی اصلاح کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے، کیونکہ اس تاریک زمانہ میں دنیا کا کوئی حصہ بھی ایسا نہ تھا جہاں خدائے واحد کے پرستار موجود ہوں، اس لئے سخت ضرورت تھی کہ تمام افراد انسانی کو توحید کی دعوت دی جائے۔

اس برگزیدہ ہستی کا ظہور اچانک نہیں ہوا، بلکہ بہت سے جلیل القدر پیغمبر جو اپنے اپنے زمانہ میں خاص خاص قوموں کے رہنما یا لیڈر تھے، یکے بعد دیگرے اس آنیوالے مصلح عظیم کی بشارت دیتے چلے آتے تھے۔ اس لئے وہ لوگ جو آسمانی صحائف کے مطالب سے باخبر تھے صدیوں سے اس برگزیدہ ہستی کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر کار دنیا کا یہ سب سے آخری اور سب سے زیادہ جلیل القدر رہنما اپنے وقت پر آیا اور اس کی تعلیم نے اس کارگاہ ہستی میں ایسا حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا جس کی کوئی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

یہ صحیح ہے کہ دنیا میں ایسے بدنصیب انسان بھی تھے۔ جنہوں نے اپنی شقاوت سے اس پیغمبر اعظم کی دعوت کو قبول نہیں کیا، لیکن یہ حقیقت ہے جو مانتا ہی ہے کہ جو سعید و سلیم الفطرت ہیں وہ اچھی چیزوں کو خوشدلی سے قبول کرتے ہیں اور شقی ان سے محروم رہتے ہیں۔ اس سے دنیا کو سعادت و شقاوت کے درمیان امتیاز کرنے کا موقع ملتا ہے۔ باران رحمت جب برستا ہے تو اپنے فیض سے زمین کے کسی حصہ کو محروم نہیں رکھتا لیکن زمین کا ہر ٹکڑا اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اس میں ابر رحمت کی خطا یا کوتاہی نہیں بلکہ زمین کا قصور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات بھی ساری دنیا کے لئے رحمت بنکر آئی تھی چنانچہ قرآن مجید میں صراحتاً ارشاد ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی ہم نے تم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر یہ فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ یعنی (اے رسول) کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے بڑے رہنما تھے۔ اور سارے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے تشریف لائے تھے۔

گذشتہ چند ہزار برس میں انسان نے ذہنی و دماغی حیثیت اور تمدن کے اعتبار سے بہت کچھ ترقی کر لی تھی مختلف قومیں جو قطعات عالم میں بستی تھیں ایک دوسرے سے روشناس ہو گئی تھیں اور باہم قریب تر ہوتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ اب وہ وقت آ رہا تھا جب دنیا کے دور دراز حصوں میں بسنے والی قوموں کے باہمی تعلقات و روابط اس حد تک پہنچ جائیں کہ ان کے باہم کوئی اجنبیت باقی نہ رہے۔ بلکہ باہمی قربت اس حد تک بڑھ جائے کہ یہ قومیں ایک دوسرے کے مذہبی عقائد روایات، زبان، علوم اور معاشرت سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں اور آپس میں افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری ہو جائے۔

یہ حالات جو مستقبل قریب میں پیش آنیوالے تھے اس امر کو مقتضی تھے کہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کیلئے ایک ایسی

خطبۂ صدارت شعبۂ اردو مسلم تعلیمی کانفرنس صوبہ متحدہ

از
مولوی رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے (علیگ)
چیئرمین شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۳)

حضرات، آپ اردو کے معاملہ میں نہ اپنے آپ سے مایوس ہوں نہ دوسروں سے برہم۔ اردو میں زندہ رہنے کی فطری صلاحیت موجود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ اس کی طرف توجہ نہ کریں گے تو اردو کی یہ صلاحیت پژمردہ ہو جائے گی۔ لیکن توجہ کرنے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ کے ہاتھوں اردو کے موافقین اور مخالفین دونوں کی آبرو ریزی ہو۔ قدیم ہندی ہو خواہ جدید ہندی اردو کے مقابلہ میں رائج کی جا رہی ہے۔ باوجود ہماری آپ کی چیخ پکار کے اور باوجود اس کے کہ اس طرح کی زبان بنانا بڑی حد تک نامعقول بات ہو یا نہ ہو۔ ایسی حالت میں ان لوگوں کے لئے جو اردو کے قائل اور ہمدرد ہوں ایک ہی صاف سیدھا اور صحیح راستہ ہے یعنی حتی الوسع آسان صحیح اور اچھی اردو بولئے اور لکھئے۔ یہ کام آسان نہیں ہے لیکن کام اسی سے بنے گا۔ ایسے مواقع پر ایک نہایت معمولی سی لیکن قطعاً سچی بات یاد رکھنی چاہئے۔ یعنی جو مہم جتنی دشوار ہوگی اتنا ہی اس کو سر کرنے میں دشواری اٹھانی پڑے گی۔ اس کے برخلاف ہمارا یہ حال ہے کہ جو مہم جتنی دشوار ہوتی ہے اتنا ہی ہم خیرہ سری اور ہنگامہ زائی سے کام لیتے ہیں۔ اس طریق کار سے لیڈر بنتے ہیں، قومیں بگڑتی ہیں۔ یہ طریقہ کار عارضی طور پر ممکن ہے مفید ہو لیکن انجام کار اس میں سراسر زیاں ہے۔ اردو کو کامیاب بنانے کے لئے لازمی ہے کہ ہم اردو کے ایسے نمونے پیش کریں جو اس کے بولنے والوں کی ضروریات کو پورا کریں۔ ان کے جذبات اور خیالات کو ظاہر کرنے اور دوسروں تک پہنچانے میں معین ہوں اور ان کی مشکلات کو آسان بنائیں نہ یہ کہ ہم اپنی زبان استعمال کریں جس کا لکھنا بیکار اور سمجھنا محال ہو۔ اردو یا ہندی کو عربی، فارسی یا سنسکرت سے قریب کرنا اور اس کے بولنے سمجھنے والوں سے دور کرنا بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔ عربی، فارسی سے مسلمانوں کو یا سنسکرت سے ہندوؤں کو جو الفت ہے وہ اپنی جگہ پر مسلم ہی نہیں مستحسن بھی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی کب ہوئے کہ جب تک اس الفت کو اردو یا ہندی کے قالب میں ڈھالکر سرسید کے مشہور مضمون "بحث و تکرار" کا چہرہ نہ باندھا جائے الفت کا تقاضا پورا نہیں ہو سکتا۔

اس مسئلہ میں میری قطعی رائے یہ ہے کہ ہم کو اب اس قسم کی علمی یا سیاسی بحثوں میں الجھنا ختم کر دینا چاہئے۔ اردو اور ہندی اس وقت بازار میں جنس کی حیثیت رکھتی ہیں جو مال اور جس کا مال زیادہ سستا اچھا اور کار آمد ہوگا اتنا ہی اس کی مانگ بڑھے گی۔ گاہک بالعموم اپنا فائدہ اور اپنی سہولت دیکھتا ہے۔ سیاسی مصالح کم دیکھتا ہے۔ اردو کو چند در چند مخالفتوں اور موانع کے باوجود جو قبول عام نصیب ہے وہ اس بات پر شاہد ہے کہ ہم آپ کیا کہتے یا کرتے رہتے ہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ اردو عوام اور خواص دونوں کی عام زبان ہے ہم کو آپ کو یہی کوشش کرنا چاہئے کہ اردو کی یہ حیثیت قائم رہے اور اس کا یہ امتیاز باقی رہے۔

حضرات اب میں تھوڑی دیر کے لئے ان دوستوں سے مخاطب ہونا چاہتا ہوں جو اردو شعر و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ ہماری زبان ہمارے ادب اور ہماری روایات کے محافظ ہی نہیں اس کی پرورش کرنے والے اور پروان چڑھانے والے ہیں آئندہ نسلوں کی ذہنی پرداخت میں ان کا بڑا حصہ ہوگا۔ یہ کام بہت بڑا اور بڑی ذمہ داری کا ہے اس لئے کہ شعر و ادب ہمارے جذبات کا آئینہ دار ہی نہیں ہوتا ان کا محرک بھی ہوتا ہے لیکن اردو شاعری اور اردو ادب کا جو رنگ ڈھنگ عام طور پر آج نظر آ رہا ہے وہ پُرمعنی بھی ہے اور دردناک بھی۔ پُرمعنی اس اعتبار سے کہ اس میں زمانہ کا رنگ جھلک رہا ہے اور دردناک یوں کہ

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفان خیز
گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفت است

جو لوگ کبھی خیالی دنیا میں تصورات سے کھیلتے یا اس میں گم رہتے تھے آج واقعات کی دنیا میں "سیل بے پناہ" سے دوچار ہیں "غم روزگار" نے اب "غم عشق" کی جگہ لے لی ہے اور "غم جاناں" اب "آلام روزگار" کو آسان بنانے سے قاصر ہے۔ زندگی کے نت نئے مسائل نے نئی نئی درماندگیاں پیدا کر دی ہیں۔ زندگی کے آشوب سے دوچار ہونے کی ہمت یا صلاحیت باقی نہیں رہتی تو انسان اپنی درماندگی ہی کو حاصل حیات سمجھنے لگتا ہے اسی نوعیت کے آشوب نے ایران کی شاعری میں تصوف کا عنصر داخل کر دیا تھا۔ اس وقت تک مذہب کا عمل دخل کافی تھا اس لئے مذہب اپنے مقام سے اترا تو تصوف پر آ کر ٹھہرا۔ ہندوستان میں خالص اسلام کا عمل دخل برائے نام ہی تھا۔ اور جو کچھ تھا وہ بھی ایک طرح کے مخلوط تصوف کے پیرایہ میں اور یہ تصوف عملاً مذہبی اپاہجوں کی جائے پناہ یا ایک مفلس معذرت بن کر رہ گیا تھا۔ جنگ عظیم کے کچھ عرصہ پہلے سے زندگی کی ہر جہت میں مادیت و عقلیت کی بہت کچھ کارفرمائی نظر آنے لگی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب جو نئی زندگی کا آشوب آیا تو اس نے تصوف، مادیت اور عقلیت سب کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اور اس کی جگہ فسق و فحاشی نے لے لی۔ فسق و فحاشی در اصل افلاس کی غلبہ رانی ہوتی ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے انسان کا اعلیٰ قدروں سے گریز کرنے کا۔

حضرات! ہمارے دوستوں کو "ظلمہ یا بافت" سے کیا بات رہی تو اپنے کو کھو دینا ہی اپنا کارنامہ قرار دینے لگے۔ قیدوں سے آزاد ہونا اچھی بات ہے لیکن ہر چیز کو ہر قید سے آزاد کر لینا آزادی نہیں بداعمالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کل کی بیشتر شاعری اور افسانوں میں زندگی کے جن ڈراؤنے یا گھناؤنے پہلوؤں کو مزے لے لیکر اور وجد میں آ آ کر پیش کیا جا رہا ہے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جن بے باک اور شرمناک اصول اور طریقوں کی تبلیغ کی جا رہی ہے وہ کسی کے لئے باعث فخر نہیں ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ہماری زندگی میں بہت ڈراؤنے اور گھناؤنے واقعات ملتے ہیں۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ شاعر اور ادیب ان چیزوں سے متاثر بھی ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں اس کا بھی قائل ہوں کہ علم الامراض کے ماہر اور معمل اور شاعر و شاعری یا مصور اور اس کی کتاب میں فرق مراتب بھی ہے۔ ہمارے شعرا اور ادیب معائب و مصائب کو نہ معقول طور پر پیش کرتے ہیں۔ نہ ان کی صحیح چارہ سازی کرتے ہیں۔ تپدیدہ اور مزمن امراض کا علاج سستی مسکرات سے صرف عطائی ہی کرے گا اور اپنی کوڑہ اور غلاظت کو اچھالنے والا کوڑھی اور اگھوری کہلائے گا تو کیا اب شاعر ادیب اور آرٹسٹ کوڑھی یا اگھوری ہی ہونے پر اکتفا کریں گے اور اسی پر فخر کریں گے یا شاعر ادیب اور آرٹسٹ کے معاملات کچھ اور بھی ہیں۔ یہاں میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اس شاعر اور آرٹسٹ کے سامنے سر خم کرنے کے لئے تیار ہوں جو کوڑہ یا غلاظت کی صحیح اور مکمل

تصویر کھینچتے میں تو اس شاعر اور آرٹسٹ سے پناہ مانگتا ہوں جو اپنی نہاد اور اپنے عمل کے اعتبار سے کوڑھی یا غلیظ ہو۔ یا کوڑھ اور غلاظت میں لذت محسوس کرے۔

حضرات، کمیونزم یا اشتراکیت کی تقلید یا تبلیغ اب اس درجہ عام اور مقبول ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہنا جہالت، قدامت پرستی اور دولت دوستی کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ بایں ہمہ میں اشتراکیت کا قائل نہیں ہوں قطع نظر اور باتوں کے میں نے اس کا جو کچھ مظاہرہ اردو شعر و ادب میں دیکھا ہے اس سے مجھے زندگی سے زیادہ کمیونزم کھوکھلی معلوم ہونے لگی ہے۔ کمیونزم نے خدا، عورت اور افلاس کی طرف خاص توجہ کی ہے۔ اور ان تینوں کے بارے میں اس کی جو کچھ تعلیم ہے اس سے عام طور پر ہم آپ کم و بیش واقف ہیں۔ بیشتر اسی کی کارفرمائی ہمارے جدید شعر و ادب میں ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اگر خدا کا اس کا تصور مانے جانے کے لائق نہیں ہے تو مذاق اڑانے کے لئے بھی موزوں نہیں ہے۔ اور عورت کو مظلوم و مجبور نہ ہونا چاہئے تو اس کو شاعر، آرٹسٹ یا مزدور کے شہوانی جذبات کی تسکین کا وسیلہ بھی نہ سمجھنا چاہئے اور افلاس کا بھی علاج قتل و غارتگری بھی نہیں ہے۔ یہ بات تو قرین قیاس ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص مذاہب کے بتائے ہوئے خدا کو ماننے سے انکار کر دے لیکن یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ خدا کے تصور سے ہی کوئی شخص انحراف کرے اگر ایسا ہے تو پھر زندگی کی اعلیٰ قدریں کوئی بنیادی حیثیت یا منزلت نہیں رکھتیں۔ عورت کا مصرف اگر صرف تسکین شہوت ہے جیسا کہ میں جدید ادب میں دیکھتا ہوں تو میرے خیال میں عورت سے زیادہ لغو تصور نصف سے زیادہ اشرف المخلوقات کا نہیں ہے۔ دولت اور افلاس دونوں کی فراوانی بری، لیکن قتل و غارتگری کی تبلیغ بھی کوئی مبارک فعل نہیں ہے۔ ان امور کو دیکھتے ہوئے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اشتراکیت کہیں اور ہو تو ہو ہمارے جدید شعر و ادب میں رذائل نفس کو ابھارتی ہے۔ اور اس کا اثر سب سے زیادہ ان لوگوں پر پڑ رہا ہے جو انسانی محاسن سے یا تو سرے سے آشنا نہیں کرائے گئے ہیں یا ان میں کسی نہ کسی سبب سے ان کا فقدان ہے

میں اپنے اہل قلم دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ یہ کہاں کا اور کیسا انقلاب ہے کہ غریب کے پاس روزی نہ ہو تو آپ کی ہدایت کے مطابق وہ ڈاکہ ڈالے آگ لگائے اور جان دیدے اور آپ کے پاس کھانے کو نہ ہو تو مصاحب کی روٹی کھائیے، مفت کی شراب پیجئے۔ انقلاب [illegible] کہئے از کار رفتگی کا ماتم کیجئے۔ اور عورت [illegible] کرئیے۔

حضرات، دراصل ابھی ہمارے شعر و ادب کو وہ اوسط درجہ نصیب نہیں ہوا جو مغربی شعر و ادب کو صدیوں پہلے سے حاصل ہے یہاں لکھنے والوں میں مقابلہ و مسابقت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آج تک بچا لکھنے لگے کل یقیناً مشہور ہو گئے۔ اور آج ہی جلسہ میں بھیجے گئے تو پھر دوڑ علی ... رات گزرنے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ شاعر السموات یا ادیب الدہر اور خدا جانے اور کیا کیا کہلائے جانے لگے۔ جہاں شہرت اتنی سستی اور سہل الحصول ہو وہاں خون پانی ایک کرنے کی ضرورت ہی کیا۔ یہ ہماری بے توجہی اور کم نصیبی ہے کہ مختلف اصناف شعر و ادب کے اعلیٰ درجے کے نمونے نہ لکھنے والوں کے سامنے ہیں نہ پڑھنے والوں کے سامنے۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں لکھنے پڑھنے یا عجیب و غریب خطاب دینے یا اختیار کرنے والوں کا مذاق شعر و ادب کیا ہوگا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جس نے جس سے بڑھ کر "فسق و فواحش" لکھ دیا وہی ہمارا سب سے محبوب اور مقبول شاعر اور ادیب بن گیا۔ فسق و فواحش یوں کہ یہ موضوع سننے اور سنسنی پیدا کرنے والے ہوتے ہیں اور ادنیٰ استعداد یا معمولی فکر و فرزانگی کے لوگوں کے بس کے ہی نہیں بلکہ ان کے لئے اپنے اندر بڑی کشش رکھتے ہیں یہاں ایک نکتہ اور قابل لحاظ ہے۔ ہماری سرزمین میں "تہلکہ انگیز" حادثات کم پیش آئے اور پیش بھی آئے تو طویل وقفوں کے بعد، وسیع زراعتی ملک ہے، لوگ پڑھے لکھے کم تر بہ تقدیر زیادہ، حکومت میں عوام کو بہت کم دخل اور عوام سے حکومت بے نیاز جو کچھ پیدا کیا اس میں پیداوار کم اولاد زیادہ حصہ میں آئی۔ تمام زندگی کا رنگ و آہنگ کچھ اس قسم کا رہا۔

کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے
کہا خیر، بہتر ہے منگوائیے

اور اتفاق سے کوئی ہمارے آپ جیسے نکل آئے تو ان کا تیور یہ رہا،

کپڑے کے عوض بدلتے تھے رنگ

یہ ذوق شعری، عشق طبعی، جیتے تو استغفر اللہ مرے تو الحمد للہ، غرض یہاں مختلف ہمسایہ اقوام کو ایک دوسرے سے چونکنا اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا مسئلہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ زندگی و معاشرت کی وہ نفسیاتی کشمکش اور تفکر انسانی کی وہ نازک اور آزمائشی گھڑیاں جو یورپ والوں کو ہمیشہ و ہر لحظہ پیش آتی رہتی ہیں اور وہ مردانہ وار ان سے عہدہ برآ ہوتے رہتے ہیں ہم ہندوستانیوں کو کبھی پیش نہ آئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا ذہن و دماغ اور ہمارا شعر و ادب نفسیاتی گہرائی اور فنی شعور دونوں سے بے بہرہ ہے۔ جب کبھی ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بات یا انداز ہم میں یا ہمارے شعر و ادب میں مغرب سے آیا ہے تو اس سے صرف اتنا سمجھنا چاہئے کہ یہ چیز ہم میں مغربی کتابوں یا اخباروں سے یا یورپ ہو آئے ہوئے ہمارے ہی لوگوں کے توسط سے پہنچی ہیں۔ ہمارے مصنفین یا شعرا کو کبھی یہ واردات نہیں پیش آئیں۔ یہی سبب ہے کہ یورپ کے شعر و ادب کا جو انداز ہمارے لکھنے والوں کو نصیب ہوتا ہے وہ محض انداز ہوتا ہے روح نہیں۔ روح تو اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ سارے واقعات و حادثات ہمارے سر سے گزرے ہوں۔ نظر براں، انقلابیت، نازیت، یا اشتراکیت وغیرہ کا جو رنگ ڈھنگ ہمارے لکھنے والوں میں بالعموم نظر آتا ہے وہ کلیتہً سطحی اور بے جان ہے! اس رمز کو ہمارے نوجوان دوست نہیں سمجھتے اور جو کچھ دل میں آتا ہے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ نہ اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں اور نہ شعر و ادب کا مقام سمجھتے ہیں: یہ کوئی مبارک فعل نہیں ہے۔ اس وقت تو وہ اس سے جس طرح چاہیں فائدہ اٹھائیں لیکن وہ آئندہ نسل کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ اخلاف اسلاف کے شاکی ہوں گے۔ اور شعر و ادب جو قوموں کا ضمیر ہوتا ہے اور نسلوں کا حافظہ بھی دوسری ترقی یافتہ اور گراں منزلت ادبیات کے مقابل میں فرومایہ نظر آئے گا۔ اس وقت تاریخ لکھنے اور تنقید کرنے والا فیصلہ یہ دے گا کہ اس شعر و ادب کو وجود میں لانے والے اس عہد کے وہ لوگ تھے جو اس طرح کے سرمایہ ذہنی دماغی کو پسند کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، اور یہ فیصلہ کوئی قابل شک فیصلہ نہ ہوگا۔

حضرات، اگر شعر و ادب کے ضمیر میں نہیں اتر سکا ہوں تو اپنے ضمیر میں اس کو جگہ دے سکا ہوں۔ میں

ہے کہ ہندوستان میں گرمی سے بچنے کے لئے پہاڑوں پر آبادی انیسویں صدی کے آغاز سے شروع ہوئی کہ نورا اور اوٹاکمنڈ سب سے پہلے آباد ہوئے۔ ۱۸۱۵ء میں ولیم بنٹنگ نے پٹیالہ کے مہاراجہ سے پہاڑ کا وہ علاقہ خریدا جہاں آج کل شملہ آباد ہے۔ اس کے آباد ہونے ہی انگریزوں نے یہاں بنگلے بنانے شروع کئے۔ لیکن جب تک ریل سے آمد و رفت کی سہولتیں پیدا نہیں ہوئی تھیں پہاڑ گرمی کے موسم میں صرف تفریح گاہیں بن سکے تھے اس جو انگریز پہاڑ پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وہ بڑے بڑے پنکھوں کے نیچے ہی اپنے کو گرمی سے محفوظ پاتے تھے۔ ان کے بنگلے کا فرش کو سے لیا ہوتا تھا تاکہ گرمی اس میں جذب ہوتی رہے اور ان کے مکان کی کھڑکیوں میں سبب لگی ہوتی تھی جس سے کمرے لوسے محفوظ رہتے تھے۔

۱۸۷۸ء تک برف کا کوئی کارخانہ ہندوستان میں قائم نہیں ہوا تھا۔ اور ہندوستان میں انگریز امریکہ سے برف منگایا کرتے تھے۔ امریکن ایجنٹ اکتوبر اور نومبر میں برف کے لئے آرڈر نیویارک اور بوسٹن کی کمپنیوں کو بھیج دیتے تھے جہاں جہاں سے یہ کمپنیاں برف سے لدے ہوئے جہازات ہندوستان ایسے وقت روانہ کرتیں کہ وہ یہاں اپریل اور مئی میں پہنچ جایا کرتے تھے اور بندرگاہوں سے خاص قسم کی ریل گاڑیوں میں برف مختلف مقامات کو بھیجی جاتی تھی۔ تین سو روپیہ میں ایک ٹن برف ملتی تھی۔ ۱۸۷۸ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان کلکتہ اور بمبئی میں برف کے کارخانے قائم ہوئے اس وقت سے برف ہندوستان میں عام ہوگئی۔

تیموریوں کے عہد میں پہاڑ تو آباد نہیں ہوئے، لیکن گرمی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کی تدبیریں کی گئیں، محلوں کے دریاؤں اور جھیلوں کے کنارے محلات بنائے جن میں نہروں کے ذریعہ مختلف حصوں میں پانی پہنچایا کرتے تھے۔ محل کے ارد گرد کشادہ اور گھنے باغ ہوتے تھے، جہاں تو آرے بکثرت لگائے جاتے تھے۔ باغ کی سرسبزی اور شادابی اور فواروں کی پھواروں سے گرمی کی شدت بڑی حد تک کم ہو جاتی تھی۔ محل کے اندر باؤلیاں بھی ہوتی تھیں، اور کمروں کے بیچ میں جابجا حمام ہوتے تھے، اور کھلی ہوئی چھتوں کے فرش سنگ مرمر کے بنائے جاتے تھے تاکہ شام کے وقت جلد ٹھنڈے ہو جائیں۔ کھڑکیوں میں منقش جالیاں بنی ہوتی تھیں، جن سے آفتاب کی شعاعوں کی تمازت کم ہوتی رہتی تھی۔ ان تمام تدابیر کے باوجود گرمی کی زیادتی ہوتی تو شاہی خاندان کشمیر منتقل ہو جاتا۔ کشمیر تو اکبر کے عہد ہی میں فتح ہوگیا تھا، لیکن نورجہاں کے ہاتھوں سے جنت ارضی بن گیا۔ نورجہاں نے اس دور دراز سفر کو خوشگوار بنانے کی غرض سے جابجا کارواں سرائیں بنوائیں اور ان میں خوشنما باغات لگائے چنانچہ دلکشا، حسن ابدال، پنجور، ویری ناگ کے پرفضا باغ اور سرائیں اب بھی اس کی یاد کو تازہ کرتی ہیں۔

بابر اور ہمایوں پانی شورہ سے ٹھنڈا کیا کرتے تھے۔ جہانگیر اسے استعمال کیا کرتا تھا۔ لیکن شاہجہاں کے عہد سے ہمالیہ کے پہاڑوں سے آگرہ اور دہلی میں برابر پہنچا کرتی تھی۔ ہمالیہ کے علاقہ کے باجگزار حکمران خراج میں برف ہی ادا کرتے تھے اور وہ برفی راجہ کہلاتے تھے۔ یہ برف کشتیوں پر راوی کا ہو کر لاہور اور جمنا ہو کر دہلی پہنچتی تھی۔ ...... کا بیان ہے کہ سرمور کے راجہ نے اورنگ زیب کے عہد میں دہلی کے تمام باشندوں کے لئے برف مہیا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا بشرطیکہ اس سے خراج لینا بند کر دیا جائے۔ مگر اورنگ زیب نے اس کو قبول نہیں کیا۔

(سلطنت)

تحت البحر

آج کل تحت البحر یا ڈوبنی کشتی کو بڑی جنگی اہمیت حاصل ہے۔ گو یہ بھی ایک قسم کی کشتی ہی ہے۔ لیکن اس کی ساخت اور شکل و صورت سطح سمندر پر چلنے والے جہازوں سے بالکل مختلف معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ پانی کی سطح کا دباؤ بڑا اور پڑتا ہے۔ اس لئے وہ نہایت ٹھوس اور مضبوط دھات کی بنائی جاتی ہے اور سگار کی طرح بیچ اور اس کے کئی پرت لپٹے ہوتے ہیں، غوطہ زنی کے وقت اس کے تمام منفذ جنھیں اصطلاح میں دہانہ یا کھڑکی کہا جاتا ہے۔ مضبوطی سے ساتھ بند کئے جاتے ہیں۔ نئی طرز کی تحت البحر میں تین دہانے ہوتے ہیں۔ پانی کی سطح کے اوپر لانے وقت آگے پیچھے کے دو دہانے بند کر دئے جاتے ہیں۔ اوپر لانے کے لئے صرف درمیانی دہانہ کھلا رہتا ہے۔ غوطہ لگاتے وقت کشتی کو بھاری کرنے کے لئے اس کی ٹنکی میں ...... سمندر کا پانی بھرا جاتا ہے جس کے بوجھ سے کشتی اندر بیٹھ جاتی ہے۔ نئی طرز کی تحت البحر صرف بجلی کے پنکھوں کے ذریعہ چلائی جاتی ہے۔ اس میں اتنی کثرت سے اور ایسے باریک آلات ہوتے ہیں کہ ساری جگہ گھیر لیتے ہیں اس لئے اس کا اندرونی حصہ بہت تنگ ہوتا ہے کپتان کے چلنے پھرنے کے لئے صرف تنگ راستے ہوتے ہیں، تاہم اس کے سوا کھانے پکانے اور نہانے وغیرہ کی جگہوں کا معقول انتظام ہوتا ہے۔ کپتان کے لئے سطح سمندر کے اوپر کی چیزوں کی نقل و حرکت کی نگرانی ضروری ہوتی ہے صرف کپتان دشمن کے جہازوں کا اندازہ کر سکتا ہے اور جہاز رانوں کو تحت البحر کا رخ ان کی طرف پھیرنے اور ان پر تارپیڈو مارنے کا حکم دیتا ہے۔ ہر تحت البحر میں عموماً اوسط درجہ کے بارہ تارپیڈو ہوتے ہیں۔ اور ایک بڑی مار کی توپ ہوتی ہے جب تحت البحر کو پانی کی سطح کے اوپر لانا منظور ہوتا ہے تو کپتان پانی نکالنے کا آلہ دبانے کا حکم دیتا ہے۔ پانی نکلنے کے بعد تحت البحر ہلکی ہو کر اوپر آجاتی ہے۔

ہندوستان میں پٹرول کا کارخانہ

موٹر، ہوائی جہاز، ٹینک اور دوسرے جنگی آلات کے علاوہ اکثر مشینوں کا مدار بڑی حد تک پٹرول کے اوپر ہے۔ اس لئے موجودہ جنگ میں پٹرول کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس وقت دنیا کے بڑے بڑے مخزن جن سے ۲۷۰ ملین ٹن سالانہ پٹرول نکلتا ہے اتحادیوں کے قبضہ میں ہیں۔ ۱۶۶ ملین ٹن ممالک متحدہ امریکہ سے نکلتا ہے، ۳۰ ملین ٹن سوویٹ روس اب سوویٹ کا مخزن سخت خطرہ میں پڑ گیا ہے، اس کے مقابلہ میں محوری قوتوں کے قبضہ میں صرف رومانیہ کا مخزن ہے جس سے کل ۱۲ ملین ٹن سالانہ پٹرول نکلتا ہے۔ ہالینڈ نے جاوہ کے تمام مخزن برباد کر دئے۔ ہندوستان میں کچھ دنوں پہلے تک پٹرول کے کارخانوں کا کوئی نشان نہ تھا۔ اب آسام اور شمالی ہند کے بعض ضلعوں میں اس کے کنوئیں نکلے ہیں جہاں پٹرول نکالنے کے کارخانے قائم کر دئے گئے ہیں ان میں سے پٹرول خام صورت میں نکلتا ہے جسے پکا کر صاف کیا جاتا ہے اس کے لئے بڑے بڑے مینار نما حوض ہوتے ہیں ان میں نیچے اوپر کئی درجے ہوتے ہیں۔ خام پٹرول پکنے کے دوران میں ان تمام درجوں سے گزرتا ہے۔ اوپر کے آخری درجہ کا صاف شدہ پٹرول سب سے بہتر ہوتا ہے۔ یہی ہوائی جہازوں میں استعمال ہوتا ہے۔ دوسرے درجہ کا موٹروں کے اور تیسرے درجہ کا روشنی کی گیس کے کام میں آتا ہے۔ ہندوستان میں سب

[illegible] کا [illegible] نقصان ہوا۔
[illegible] کو نکالنے اور صاف کرنے کے لئے
[illegible] قائم کیا گیا لیکن ۱۹۳۰ء سے اس کو
[illegible] پر وسیع کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے لئے
[illegible] کے تمام سامان مہیا کئے گئے ہیں۔

آسٹریلیا کا روزانہ جنگی خرچ

آسٹریلیا کے وزیر خزانہ مسٹر جورف چیفلے نے آسٹریلیا کے جنگی مصارف کے متعلق یہ انکشاف کیا ہے کہ سنہ ۱۹۴۲-۴۳ء میں آسٹریلیا کو ۵۶ کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ یعنی تقریباً ارب ۴۸ کروڑ روپیہ خرچ کرنا پڑا ہے۔ آجکل آسٹریلیا ۱۵ لاکھ پونڈ یعنی تقریباً ۲ کروڑ ۱۰ لاکھ روپیہ یومیہ جنگ پر خرچ کر رہا ہے۔

امریکہ کا روزانہ جنگی خرچ

واشنگٹن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ امریکہ کے وزیر خزانہ کو امید ہے کہ یکم جولائی ۱۹۴۳ء کے شروع ہونے والے مالی سال میں امریکہ کا جنگی ... ۶۶۲۳ پونڈ (تقریباً ۹۰ کروڑ روپیہ) روزانہ تک پہنچ جائے گا۔ حالانکہ پچھلے تین سال میں یہ خرچ ۲ کروڑ ۲۵ لاکھ پونڈ (تقریباً ۳۱ کروڑ روپیہ) روزانہ تھا۔

جاپان اور ربڑ کے جہاز

لندن کی ایک اطلاع میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک جاپانی خبر رساں ایجنسی نے خبر دی ہے کہ جاپانیوں نے بالکل ربڑ کے جہاز بنانے کے تجربات مکمل کر لئے ہیں، ان جہازوں پر مال لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا سکتا ہے اور ان کے منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد ان سے مال اتار کر ان جہازوں سے ربڑ کا دوسرا سامان تیار کیا جا سکتا ہے۔

آئندہ مہینہ میں ربڑ کے بہت سے جہاز تیار ہو جائیں گے اور مستقبل میں یہ جہاز جنوبی پیسفک کے مفتوحہ علاقوں سے خام مال جاپان کو لے جانے کے لئے استعمال کئے جائیں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ جہاز کا ڈھانچہ اور تلا بھی ربڑ کا بنایا جا سکتا ہے ان جہازوں میں موٹر نہیں ہوگا بلکہ وہ معمولی بجلی کی [illegible]

عہد آصف جاہ سابع کے کارنامے

اخبار ہذا کے پہلے صفحہ پر اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ کے تعمیری کارناموں کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ پچیس سال میں دولت آصفیہ کے ہر شعبہ مملکت خصوصاً رفاہ عام کے کارناموں میں اس قدر ترقی ہوئی کہ اس سے پہلے گزشتہ ایک صدی میں بھی نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کے دوسرے کارناموں سے قطع نظر جامعہ عثمانیہ کی تاسیس و قیام ہی ایک ایسا کارنامہ ہے جو مملکت آصفیہ کی تاریخ میں نہایت تابناک حروف میں لکھا جائے گا اور صدیوں تک یادگار رہے گا۔

یہ ایک تجربہ تھا جس کی کامیابی مشتبہ سمجھی جاتی تھی لیکن اب ہر ماہر تعلیم یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ ایک ملکی زبان میں علوم جدیدہ کی تعلیم کا یہ تجربہ پورے طور پر کامیاب رہا۔

جامعہ عثمانیہ کے علاوہ اسی سلسلہ میں دارالترجمہ بھی لائق تذکرہ ہے جس نے جامعہ عثمانیہ کے لئے مختلف علوم جدیدہ کی بہت سی کتابیں اردو میں تالیف و ترجمہ کی ہیں، جو جامعہ کے نصاب تعلیم میں داخل اور زیر درس ہیں۔ یہ ایسا عظیم الشان کام ہے جو شخصی سعی و محنت یا کسی انجمن یا ادارہ کی کوشش سے ممکن نہ تھا۔

اس کام کے لئے علاوہ کثیر سرمایہ کے ایسے لائق اصحاب کی ضرورت تھی جو اپنے اپنے فن کے ماہر ہوں اور اپنا فرض پوری قابلیت سے ادا کر سکیں۔ اعلیٰ حضرت کی معارف پروری کی بدولت یہ مشکل آسانی سے حل ہو گئی۔ اس عظیم الشان علمی خدمت کے انجام دینے کے لئے کافی روپیہ مولفین و مترجمین کے معاوضہ اور کتابوں کی طباعت کے لئے منظور کیا گیا۔ اور مختلف علوم جدیدہ کے ماہرین حیدر آباد بلائے گئے جنھوں نے اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ مختلف علوم و فنون کے لئے مناسب و موزوں مصطلحات کا وضع کرنا ایک سخت مشکل کام ہے لیکن دارالترجمہ کی وجہ سے یہ مشکل بھی حل ہو گئی اور اس طرح ہماری زبان میں ہزاروں الفاظ کا اضافہ ہو گیا جس سے زبان کو وسعت و ترقی حاصل ہوئی۔

مسلم یونیورسٹی تعطیل کلاں کے بعد ۱۰ جولائی سے کھل گئی طلبہ کثرت سے داخل ہو رہے ہیں۔

تصانیف الحاج مولانا احمد سعید صاحب دہلوی

جنت کی کنجی — اُن احادیث کا نہایت سلیس اور عام فہم ترجمہ جن میں اچھے عمل کرنے والے مسلمانوں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ یہ احادیث ۱۲۳۵ ہیں۔ ترغیب اعمال حسنہ کے لئے بہترین کتاب ہے۔ قیمت ۱۲ر

دوزخ کا کھٹکا — اُن احادیث کا نہایت صاف اور سلیس ترجمہ جن میں بُرے عمل کرنے والوں کو خدا کے غضب سے ڈرایا گیا ہے ان احادیث کی تعداد ۱۸۸۴ ہے۔ اعمال سیئہ سے روکنے کے لئے لاجواب کتاب ہے۔ . . . ۱۲ر

تبلیغی تقریر سیرت — بہت سی تقریروں کا ایک نادر مجموعہ جس میں سیرت مقدسہ کے نہایت ادق و دشوار نکات نہایت آسان اور عام فہم طریقہ سے پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت . . . . عہ

صلوٰۃ و سلام — قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی اُن تمام ہدایات کا مجموعہ جو درود و سلام کے فضائل پر مشتمل ہیں۔ قیمت . . . ۵ر

پاک زندگی — سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے حالات۔ ایک نہایت اچھوتے اور انوکھے انداز میں بیان کئے ہیں۔ قیمت . . . ۴ر

خدا کی باتیں — احادیث قدسیہ کا نہایت سلیس اور عام فہم ترجمہ۔ قیمت ۶

رسول کی باتیں — ان احادیث کا ترجمہ جن کا تعلق اسلامی عقائد سے ہے۔ قیمت . . ۱۲ر

بلاکشان اسلام — بعض صحابہ کرام کے ان مصائب و آلام کا مختصر تذکرہ جو اُن کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں برداشت کرنا پڑے اور باوجود جملہ تکالیف کے وہ ثابت قدم رہے۔ قیمت . . ۴ر

ہمایوں نامہ۔ ہمایوں بادشاہ کی سوانح عمری۔ قیمت ۱۲ر
صولت شیر شاہی۔ سلطان العادل شیر شاہ سوری کی سوانح عمری ۱۲ر
سلاطین معبر۔ ساحل کارومنڈل کے مسلمانوں کی فراموش شدہ سلطنت کا تاریخی حال قیمت . . ۶ر
ملیبار۔ ساحل ملیبار کے جغرافیائی اور تاریخی حالات قیمت ۱۰ر
تحفۃ المجاہدین۔ ساحل ملیبار کے دوسرے حالات نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات قیمت . . . ۱۲ر

ملنے کا پتہ۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام (خانصاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

مینیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)
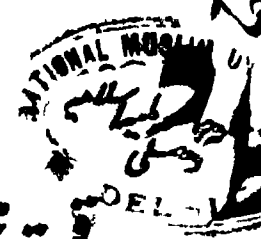
جلد (۱۴) | ۸ - جولائی سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۴ - رجب المرجب سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۲۶)

مولوی مراد علی خاں صاحب سفیر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے گزشتہ سال پنجاب کے متعدد اضلاع کا دورہ کیا تھا تاکہ ان اصحاب کو جو مسلمانوں کی تعلیمی ترقی و قومی معاملات سے دلچسپی رکھتے ہیں کانفرنس کا ممبر یا معاون خصوصی بنائیں۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ سب سے اصحاب نے جن میں علی گڑھ کے اولڈ بوائز بھی شامل ہیں خلاص و خوشدلی کے ساتھ کانفرنس کی مالی امداد فرمائی نیز اپنے مفید مشوروں سے مولوی صاحب موصوف کی رہنمائی کر کے اُن کے کام میں سہولت پیدا کی۔

مولوی مراد علی خاں صاحب نے دفتر کانفرنس کو اپنے دورہ کی جو رپورٹ بھیجی ہے اس میں موصوف نے اُن اصحاب کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے جن سے انہیں مالی یا اخلاقی امداد حاصل ہوئی اور جو موصوف کے ساتھ ہمدردانہ طریقہ سے پیش آئے۔ ہم شکرگزاری کے ساتھ ذیل میں اُن اصحاب کے نام شائع کرتے ہیں:

(۱) ڈاکٹر رستم علی خاں صاحب صدر انجمن اسلامیہ لودھیانہ (۲) خواجہ گل محمد صاحب ایڈوکیٹ فیروزپور (۳) قاضی محمد اسد صاحب جالندھر (۴) مولانا ابو الوفا محمد ثناء اللہ صاحب (۵) سعادت علی خاں صاحب لاہور (۶) شیخ محمد امین صاحب مالک اسلامیہ پریس (۷) خان بہادر منشی امام الدین صاحب رئیس گوجرانوالہ (۸) بابو عطا محمد صاحب بی اے ایل ایل بی رئیس گوجرانوالہ (۹) قاضی افضل حسین صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ سوہدرہ (۱۰) حاجی غلام بھیک صاحب مرگ (۱۱) خان بہادر ملک نور محمد خاں صاحب ایم اے ایل ایل بی علیگ (۱۲) میجر نواب ملک ممتاز محمد خاں صاحب رئیس جہان آباد (۱۳) نوابزادہ حبیب اللہ خاں صاحب (علیگ) (۱۴) عبد الرحمن صاحب چنگیز ایم اے ایل ایل بی علیگ (۱۵) مرزا قطب الدین صاحب مولوی فاضل مری روڈ (۱۶) خان بہادر شیخ نور محمد صاحب ڈپٹی کمشنر لائل پور (۱۷) ملک نصر اللہ خاں صاحب سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ لائل پور (۱۸) نواب مولوی فتح الدین خاں صاحب پرنسپل زراعتی کالج لائل پور (۱۹) ملک محمد انور خاں صاحب ایم اے ایل ایل بی (۲۰) سر شیخ عبد القادر صاحب (۲۱) مولانا عبد التواب صاحب ملتانی (۲۲) مولوی محمد ابراہیم صاحب پرنسپل ایمرسن کالج ملتان۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے گزشتہ سالانہ اجلاس منعقدہ فروری سنہ ۱۹۴۳ء میں کانفرنس کے شعبۂ اصلاح تمدن و معاشرت کی صدارت سیٹھ احمد ابراہیم ہارون جعفر نے فرمائی تھی جو پونا کے ایک نوجوان و ممتاز تاجر ہیں اور قومی کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

سیٹھ صاحب موصوف نے اس موقع پر وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ شعبۂ اصلاح معاشرت کے کام کے لئے ایک سو ایک روپیہ کی رقم عنایت کریں گے۔ اب ہمیں دفتر کانفرنس سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے پچھلے دنوں میں موعودہ عطیہ کانفرنس کو بھیج دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس سے شعبہ کا کام چلانے میں فی الجملہ سہولت ہوگی۔

اگر دوسرے اصحاب بھی سیٹھ صاحب کی مثال سے فائدہ اٹھا کر اپنے اپنے ذوق کے مطابق کانفرنس کے مختلف شعبوں کی مالی امداد فرمائیں تو ہر شعبہ عمدہ طریقہ سے اپنا کام چلا سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہر کام کے لئے بنیادی چیز سرمایہ ہے جس کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ جولائی ۱۹۴۳ء

"لیڈر یا رہنما"

(۵)

اس سلسلہ کے پچھلے مضامین سے یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہوگئی ہے کہ قوموں کے اصلی لیڈر وہ بلند رتبہ انسان ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کی خدمت پر مامور ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو ہماری روز مرہ کی اصطلاح میں لیڈر کہے جاتے ہیں وہ خدا کی طرف سے کسی خدمت پر مامور نہیں ہیں۔ اس لئے جو تحریک یا تعلیم وہ عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ کسی صحیفۂ آسمانی یا وحی ربانی پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لوگ اپنے علم و تجربہ کی بنا پر جس چیز کو مفید سمجھتے ہیں لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، لیکن انسان کا علم و تجربہ محدود ہے اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات اس کی نظر سے پنہاں ہیں لہذا یہ لیڈر جو تعلیم دیتے ہیں اس کی حیثیت محض وقتی و ہنگامی ہے، اس لئے اس میں برابر تبدیلی ہوتی رہتی ہے جس سے بسا اوقات پبلک کو ذہنی انتشار میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔

اس تغیر و تبدیلی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر صورتوں میں خود ان لیڈروں کو بھی اپنی تحریک کی صداقت کا پورا یقین نہیں ہوتا اس لئے وہ خارجی اثرات و اسباب سے متاثر ہو کر فوراً اپنی رائے بدل دیتے ہیں مثلاً ایک لیڈر کبھی تو حکومت سے "تعاون" کرتا ہے اور اسی میں اپنا یا اپنی قوم کا فائدہ سمجھتا ہے لیکن چند روز بعد وہی لیڈر لوگوں کو "عدم تعاون" کی ترغیب دیتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے کہ لوگ حکومت کی ملازمت اور اسمبلیوں وغیرہ سے یکسر بے تعلقی اختیار کریں۔

اسی طرح ایک لیڈر کبھی تو فرقہ وارانہ تحریکات کی سخت مخالفت کرتا ہے اور لوگوں کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ ملک کے مشترکہ مفاد کے لئے مختلف فرقوں کے ساتھ مل کر کام کریں لیکن [illegible] دوسرے موقع پر وہی لیڈر کسی فرقہ وارانہ تحریک میں [illegible] اپنی ساری جد و جہد کسی خاص [illegible] کے مفاد کے لئے مخصوص کر دیتا ہے۔ لیکن ایک پیغمبر کی تعلیم میں اس قسم کے احتمال یا انتشار کا کوئی وجود نہیں ہے وہ جو کچھ پہلے دن کہتا ہے وہی آخر تک کہتا ہے کیونکہ اسے اپنے مقصد اور مشن کی [illegible] پر پورا [illegible] ہے اس لئے اس کی رائے میں کوئی تبدیلی [illegible] اس کے عزم میں کوئی تزلزل [illegible] اس کے علاوہ وہ جو کچھ کہتا ہے صاف اور بے لاگ طریقہ سے کہتا ہے جس کے معنی سمجھنے میں کسی شخص کو کوئی دقت نہیں ہوتی۔ برخلاف موجودہ زمانہ کے اکثر لیڈروں اور سیاست دانوں کے جو عموماً مبہم لفظ آمیز گفتگو کیا کرتے ہیں اور اپنی دو رُخی باتوں سے ہر فریق کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک حقیقی لیڈر یعنی پیغمبر [illegible] اصطلاحی لیڈروں میں عدم استقامت و تزلزل رائے وغیرہ کی جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ لیڈر عوام کو خوش رکھنا چاہتا ہے تاکہ اپنی لیڈری قائم رکھ سکے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اُن کے جذبات و رجحانات کا جائزہ لیتے اور ہوا کا رُخ دیکھنے میں مصروف رہتا ہے۔ اور اُن کی مرضی کے مطابق کام کرنا پسند کرتا ہے۔ ایسی بااثر شخصیت رکھنے والے لیڈر بہت کم ہیں جو عوام کی ذہنیت اور رجحان طبع میں انقلاب پیدا کر دیں اور خود ان سے متاثر نہ ہوں۔

غرض لیڈر یہ سارے جتن اس لئے کرتا ہے کہ وہ خوب جانتا ہے کہ عوام جب چاہیں اُسے لیڈری کے منصب سے معزول کر سکتے ہیں، کالی جھنڈیاں دکھا کر پریشان کر سکتے ہیں، اور قومی جلسوں میں اُس کی تقریروں پر شیم شیم کے نعرے لگا سکتے ہیں لیکن ایک پیغمبر کو اس کا کوئی خطرہ نہیں، عوام اس کو پیغمبری کے منصب سے معزول کر سکیں گے۔ کیونکہ یہ منصب اُس کو خدا نے عطا کیا ہے جس میں عوام کی رائے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس لئے ایک پیغمبر کا مرتبہ اس سے کہیں بالا تر ہے کہ وہ عوام کی مرضی یا اُن کے جذبات و قومی رجحانات کا لحاظ رکھے۔ بلکہ پیغمبر عموماً ایسی باتیں پیش کرتا ہے جو عوام کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ پیغمبر ہمیشہ ایسی قوم میں مامور ہوتا ہے جس کی اخلاقی حالت نہایت ابتر [illegible] لائق [illegible] ہے۔ لہذا وہ لوگوں کو [illegible] رسوم و اوہام سے روکتا ہے جو عوام کو ناگوار [illegible] ہے اور وہ اس کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں [illegible] کہتے ہیں کہ جو طریقے ہمارے باپ دادا [illegible] سے چلے آئے ہیں ہم انہیں کیسے چھوڑ [illegible] پیغمبر [illegible] سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ تمہارے باپ دادا جاہل احمق تھے اس لئے اُن کے طریقے قابل تقلید نہیں ہیں۔

بے شبہ ایک پیغمبر عوام سے ایسی باتیں بھی کہتا ہے جس سے وہ خوش ہوں لیکن اس خوشی کا تعلق پیغمبر کی ذات سے نہیں ہے بلکہ اس کی نوعیت دوسری ہے یعنی پیغمبر انہیں یہ بتاتا ہے کہ اگر تم احکام خداوندی کی اطاعت اور رسول کی پیروی کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انعامات الٰہیہ کے مستحق قرار پاؤ گے [illegible] دنیا میں کامیاب و سرخرو ہو گے۔ لیکن اسی کے ساتھ اُن کے سامنے معاملہ کا دوسرا رُخ بھی پیش کرتا ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے احکام سے سرکشی کرو گے تو اس کی سخت سزا دی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر انہیں خوشخبری بھی سناتا ہے اور خوف بھی دلاتا ہے اسی وجہ سے مذہب کی زبان میں پیغمبر کو بشیر و نذیر بھی کہا گیا ہے یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا کیونکہ وہ خدا کے نیک کردار بندوں کو جنت کی خوشخبری سناتا ہے اور سرکش و بدکردار انسانوں کو دوزخ اور عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے اس لئے وہ بشیر بھی ہے اور نذیر بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ط (فاطر)

اسی طرح ایک اور موقع پر اہل کتاب سے خطاب فرماتے ہوئے یہ ارشاد کیا ہے۔

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ط (مائدہ)

یعنی آچکا تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔

اس آیت سے صراحتہً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر دنیا کے دوسرے لیڈروں کی طرح اپنی قوم کے اعمال سے چشم پوشی یا مداہنت نہیں کرتا بلکہ انہیں صاف طور سے یہ بتا دیتا ہے کہ انہیں کس کام کی کیا سزا یا جزا ملے گی۔ اگر پیغمبر بھی عام لیڈروں کی طرح قوم کی بد اعمالی اور اخلاقی کمزوریوں سے چشم پوشی کرے تو پھر اس کا آنا بے فائدہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں وہ قوم کی اصلاح نہیں کرسکتا۔

یہ ظاہر ہے کہ قوم اسی وجہ سے پیغمبر کی مخالفت کرتی ہے کہ وہ اس کے عقائد و اوہام اور رسوم و اعمال پر نہایت کڑی تنقید کرتا ہے اور صاف طور پر یہ کہہ دیتا ہے کہ جن اعمال و خرافات میں تم مبتلا ہو تمہیں اس کی سخت سزا دی جائے گی۔ قوم اس سے مشتعل ہو جاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ کیا خوب! جو کام ہم اپنے باپ دادا کے زمانہ سے کرتے چلے آئے ہیں تمہارے کہنے سے کیسے چھوڑ دیں۔ قرآن مجید نے مشرکین کی اس احمقانہ [illegible] کا اس طرح اظہار کیا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ٥

یعنی جب ان سے (مشرکین سے) کوئی کہتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے (یعنی جو احکام دئیے ہیں) اُن کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ نہیں، بلکہ ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اگرچہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ ہدایت پر ہوں'

اس طرح دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ط

یعنی جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل کئے ہیں اُن کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

قوم کا دولتمند طبقہ جو عموماً راحت و آسائش اور بے غمی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنی خود غرضی و قدامت پسندی کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ احکام ربانی کی اطاعت سے انکار کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس طبقہ کی حالت حسب ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ٥

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسی طرح جب کبھی بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) کسی قریہ میں تو وہاں کے آسودہ (خوش حال) لوگ یہ کہنے لگے کہ ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر اور ہم اُن ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک پیغمبر جو کسی قوم کی اصلاح کے لئے مامور ہوتا ہے اس کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ قوم کے مروجہ عقائد و اعمال کی [illegible] تعمیری کام شروع کرے۔ اسی وجہ سے پیغمبر کی مخالفت روز اول ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور قوم کے سربر آوردہ اور ذی اثر لوگ اس کی مخالفت میں نمایاں حصہ لیتے ہیں جس کی ایک وجہ علاوہ قدامت پسندی کے یہ بھی ہے کہ انہیں اپنے اثر و اقتدار کے زائل ہو جانے کا خطرہ بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن ایک پیغمبر کے کردار میں اس قسم کی مصلحت اندیشی نہیں پائی جاتی کہ وہ اپنی "اصلاحی تحریک" کو کامیاب بنانے کے لئے قوم کے با اثر و دولتمند طبقہ کو ہموار کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اسے یقین ہے کہ باوجود دشمنوں کی سخت مخالفت اور طرح طرح کی رکاوٹوں کے اس کی تحریک ضرور کامیاب ہوگی۔

اسی یقین کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنا کام ایک آہنی عزم کے ساتھ شروع کرتا ہے اور جب تک اپنا فرض پورے طور پر ادا نہ کرے اطمینان سے نہیں بیٹھتا۔ اس کے مقابلہ میں لیڈروں کی یہ حالت ہے کہ وہ ایک تحریک پورے زور و شور سے جاری کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ فضا ناموافق ہو گئی ہے اور حالات ناسازگار، تو فوراً اس تحریک کو جو کل تک اُن کے خیال میں قوم کے لئے بیحد مفید و ضروری تھی بند کردیتے ہیں۔ جس طرح گاندھی جی نے "چورا چوری" کے واقعہ سے متاثر ہو کر اپنی تحریک دفعتہً اس طرح بند کردی جس سے سارا ملک حیرت زدہ ہو گیا تھا۔ کیا کوئی آسمانی تحریک بھی کسی مصلحت کی وجہ سے کبھی اس طرح بند ہو سکتی ہے۔

اس تاریخی حقیقت سے اسلام کا کوئی بدترین دشمن بھی انکار نہیں کرسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس تحریک ربانی کی اشاعت کر رہے تھے اس کے روکنے کی کیسی زبردست کوشش کی گئی لیکن کیا آنحضرتؐ نے اس مخالفت کا کوئی اثر قبول کیا؟ ہرگز نہیں! بلکہ قرآن مجید نے نہایت بلند آہنگی سے کھلے ہوئے الفاظ میں مخالفین کو متنبہ کردیا کہ

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

یعنی اللہ اپنے نور کو ضرور پورا کرکے رہے گا خواہ کافر یعنی منکر اس کو برا سمجھیں۔

اس کے بعد مزید صراحت کرتے ہوئے فرمایا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ٥

یعنی وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ تاکہ اس کو سب دینوں (مذاہب) پر نمایاں و غالب کرے اور اگرچہ برا مانیں اس کو مشرکین یعنی وہ لوگ جو خدا کے ساتھ دوسرے کو شریک کرتے ہیں۔

پیغمبروں کے اس طرز عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جس چیز کی صداقت و حقانیت پر ہمیں یقین ہے اس کے لئے پورے عزم و ہمت سے کام کرنا چاہئے اور یہ باور کرنا چاہئے کہ ہم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہماری راہ میں حائل ہونے کا حوصلہ نہ کر سکے گی۔

صحابۂ کرامؓ نے اسی پیغمبرانہ عزم و استقلال کو سامنے رکھ کر دور رسالت کے بعد اسلام کی تبلیغ و

سے آشنا کراتا ہے۔ ان میں جمالیاتی احساس، فطرت سے لگاؤ، خدمت کی لگن، انسانیت کے عالمگیر بلند تصور، ہمدردی اور رواداری کا احساس پیدا کراتا ہے۔ [illegible] حسن کی منظر نگاری، انیس کے کردار کی عظمتوں، حالی اور اقبال کے خلوص اور عزم، تدبر، غالب کی دروں نگری اور بصیرت افروزی کو خاص خاص نقطۂ نظر کے ماتحت ذہن نشین کرانا ہوگا۔

حضرات، حال ہی میں ہمارے یہاں ایم اے اردو کے امتحان میں ثانوی مدارس کے کچھ معلم بھی شریک تھے۔ [illegible] ان سے پوچھا گیا کہ ادب کی تدریس کا مقصد کیا ہے تو حیرت ہوئی کہ بعض اچھے پڑھے لکھے اساتذہ کے ذہن میں ادب کی تعلیم کا کوئی واضح اور متعین مقصد [illegible] نہیں۔ [illegible] بے علمی کے نتیجہ کو ان لوگوں سے منسوب [illegible] جو ان کی ذمہ داری، محنت اور عظمت سے بے بہرہ ہوں۔ ہمارا آپ کا قومی اور اخلاقی فرض ہے اور ان لوگوں سے جو اس کی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہیں حالات کو معتدل اور بہتر بنانا اور فضا کو خوشگوار رکھنا ہمارے لئے ناگزیر ہے اور جب تک آپ اپنے فرائض سے پورے طور پر عہدہ برآ نہ ہوں گے آپ کو معلموں پر نکتہ چینی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ معلموں کی حالت دو طرح سے بہتر بنائی جا سکتی ہے یا تو آپ حقیقی طور پر ان کے منصب کا احترام کریں، پھر آپ ان کی تنخواہوں میں اضافہ کریں تاکہ وہ اپنی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے ناجائز طریقے استعمال کرنے پر مجبور نہ ہوں۔ [illegible] شاید آپ کو پسند نہ آئے لیکن آپ [illegible] یہ بات جانتے ہیں کہ ہم بالعموم عزت [illegible] کرتے ہیں اور [illegible] کی لغزشوں کو معاف بھی کرتے ہیں جس کی تنخواہ معقول ہو۔ اس طور پر [illegible] آپ [illegible] نتیجہ نکالنا ہوگا [illegible] سمجھانے کے لئے ہم لیڈروں اور مفکروں کو بھی کچھ [illegible] اور کچھ سختیاں جھیلنی چاہئیں۔

حضرات، اس صورت میں [illegible] اردو کی اشاعت اور اس کی ترقی کا مدار بہت کچھ اچھی ابتدائی اور ثانوی تعلیم پر ہے مگر اس کا وزن و وقار اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب اس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ہر قسم کی سہولتوں کا مناسب انتظام ہو۔ جب اس کے کالجوں [illegible] جائے کتابوں اور کتابوں سے استفادہ کرنے والوں سے معمور ہوں، جب علمی و ادبی مسائل کی تحقیق و ترجمانی کا کام سرگرمی سے ہوتا رہے۔ بعض حلقوں میں یونیورسٹیوں کے کاموں پر برابر نکتہ چینی کی جا رہی ہے۔ مسلم یونیورسٹی اس باب میں خصوصیت کے ساتھ ہدف ملامت بنی رہتی ہے لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ یونیورسٹیوں کا کام علمی تحقیق، ادبی ترجمانی، ذہنی بلندی اور فن کا احترام قائم رکھنا ہے۔ نوجوانوں کے ذہن کو متوازن، بیدار اور شگفتہ کرنا اور رکھنا ہے۔ یونیورسٹیوں کا کام شبینہ مدارس کھولنا، چندے جمع کرنا اور جلسے کرتے پھرنا نہیں ہے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ اس کام میں مدد دے سکتے ہیں، رہنمائی کر سکتے ہیں مگر اس طرح کے کام خود نہیں چلا سکتے۔ ان کا اپنا کام سب سے اہم اور وقیع ہے۔ انھیں طلبا میں ادب کی تحصیل اور اس کی لگن پیدا کرنا ہے، علمی کارناموں اور تحقیقی نتائج سے آشنا کرانا ہے اور خود تحقیق کرنا ہے۔ وہ ہر کام اور سب کے کام میں ہاتھ ڈال کر اس کو گھنگھولنا نہیں چاہتے اور یہ چاہتے ہیں کہ کوئی دوسرا ان کے کاموں میں ہاتھ ڈال کر گھنگھولے۔ جس کا جو کام ہو وہ خلوص و مستعدی سے کرے۔ دوسروں کے لئے عذاب بننے میں کوئی بڑائی نہیں ہے۔

حضرات، ہمارے اس اردو کے گورستان میں پانچ یونیورسٹیاں ہیں۔ چار میں اردو کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہے اور ایم اے تک اردو کی تعلیم ہوتی ہے۔ پنجاب میں ایک ہی یونیورسٹی ہے جس میں اردو کا عدم وجود یکساں ہے۔ وہاں میں جس [illegible] اردو پھلی اور برومند ہوئی وہاں یونیورسٹی میں غریب اردو کا جو حال ہے وہ ظاہر ہے۔ علی گڑھ، الہ آباد، آگرہ اور لکھنؤ سے ہر سال کافی طلبا اردو میں ایم اے کر کے نکلتے ہیں۔ بنارس یونیورسٹی میں بھی بی اے میں اردو کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اسی صوبہ میں اردو کے ڈپلومہ اور مشرقی امتحانات کا بھی حکومت کی طرف سے انتظام ہے۔ حال ہی میں جامعہ اردو آگرہ نے ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل کے امتحانات جاری کر کے اردو کی بڑی خدمت کی ہے۔ ہماری کانفرنس کے پچھلے اجلاس میں حکومت یوپی سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ جامعہ اردو کے امتحانات کو سرکاری طور پر تسلیم کرے۔ امید ہے کہ اس بارہ میں خاطر خواہ کامیابی ہوگی۔

حضرات، اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں ان کی تعداد اس صوبہ میں ہندی کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اسکولوں میں ہندی پڑھنے والے طلبا کی تعداد اردو پڑھنے والے طلبا کے مقابلہ میں بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کا ہرگز یہ سبب نہیں ہے کہ اردو بحیثیت زبان کے ناقص ہے یا اس کو فروغ دینے سے جی چرایا جا رہا ہے۔ اس کا سبب بڑی حد تک سیاسی ہے جس پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔ یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ ۸۵ فی صدی باشندے اس زبان کو چھوڑنے جا رہے ہیں جن میں ان کے اسلاف نے شاعری کی، کتابیں لکھیں، تقریریں کیں، یہی نہیں بلکہ اس زبان میں ماؤں نے ان کو لوریاں دیں، باپ نے شفقت کی، بھائی نے رفاقت کی، بہنوں نے جان چھڑکی، دوستوں نے خوش گپی کی، اہل معاملہ نے لین دین کیا، [illegible] پیار [illegible] کی، رقیبوں نے رپٹ لکھوائی، عدالت نے سزا دی اور انھوں نے وصیت کی۔

حضرات، اس کا ایک دوسرا سبب [illegible] بات نہیں ہے کہ عام طور پر اردو کی طرف سے التفات کم ہوتا جا رہا ہے بلکہ ابتدائی درجوں میں اردو پڑھنے والے ناپید ہیں یا ہیں بھی تو اردو پڑھانے سے گریز کرتے ہیں۔ محکمہ کی طرف سے غالباً یہ پابندی عائد ہے کہ ٹیچر اردو و ہندی دونوں سے واقف ہوں یا جہاں کہیں اردو پڑھنے والے طلبا کی تعداد کافی ہو وہاں اردو کا ٹیچر علیحدہ مقرر ہو لیکن اس کو کیا کیجیے گا کہ جب کوئی طالب علم اردو لینے کی خواہش ظاہر کرتا ہے تو اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اردو کا انتظام نہیں ہے، پڑھنا ہے تو ہندی پڑھو، ورنہ اپنا راستہ لو۔ غریب طالب علم نہ تو اس وقت کوئی کانفرنس منعقد کر سکتا ہے اور نہ زندہ باد قسم کا کوئی نعرہ لگا سکتا ہے اس لئے ہندی پڑھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور یہ وہ قباحت ہے جس کا سد باب نہایت درجہ دشوار ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو اس پلیٹ فارم پر نہیں کی جا سکتی۔ البتہ یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ محض ہندی کو برا بھلا کہنے سے اردو کی خدمت کا فرض نہیں پورا ہوتا۔ ہندوؤں کو اختیار ہے چاہے وہ اردو پڑھیں یا ہندی۔ اسی طرح اگر مسلمان اردو کی حمایت کرتے ہیں تو ان کو فرقہ پرست نہیں قرار دیا جا سکتا۔

حضرات، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو اب بھی ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی مشترک زبان ہے۔ اس میں دونوں کا عمل دخل رہا ہے اور دونوں کا عمل دخل رہنا چاہئے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اردو کو آسان بنائیں یا نہ بنائیں ہندو اردو کے قریب نہ آئیں گے۔ اس موقع پر یہ بات سوچنے کی ہے

...اردو کو سہل یا مشکل بنانے کی اہمیت اس میں نہیں ہے کہ اسے ہندو یا مسلمان سمجھیں یا نہ سمجھیں، مقصد یہ ہے کہ اردو کو زیادہ سے زیادہ لوگ (ہندو یا مسلمان کی تخصیص نہیں) بولیں اور سمجھیں اور اس میں اچھے سے اچھے اور اونچے سے اونچے خیالات آسانی کے ساتھ ادا کر سکیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہندو مسلمان دونوں سے قطع نظر ہم کو محض اردو کی ترقی اور فلاح کے مسئلہ پر غور کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم اردو کو آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش کسی بزدلی یا کمزوری کی بنا پر نہیں کرتے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہماری زبان تنگ اور مخصوص دائرہ سے نکلے۔ عوام اسے سمجھیں اور اسے اپنے خیالات و جذبات کا ترجمان بنائیں۔ اسی آسان اردو کو بعض لوگ ہندوستانی کہتے ہیں۔ یہ بھی اردو ہی کا نام ہے اس لئے اس تحریک کی آنکھ بند کر کے مخالفت نہ کرنی چاہئے۔

حضرات! ایک بڑے اہم مسئلہ کی طرف میں آپ کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں یعنی اردو رسم خط کی اصلاح اور اردو کے لئے موزوں ٹائپ کی تیاری۔ اس سلسلہ میں اب تک جو کچھ کیا یا کیا گیا ہے وہ ناقابل التفات نہیں ہے۔ جو باتیں کبھی اردو رسم خط کی خوبیاں سمجھی جاتی تھیں یعنی اس کا اختصار اور اس کی زیبائی۔ زمانہ کے اقتضا سے وہی خوبیاں اب دقتیں بن کر سامنے آئی ہیں۔ اردو کا اعراب، املا اور تلفظ، بعض حروف کا تقریباً ہم آواز ہونا لیکن الفاظ میں ان کی توضیحی یا معنوی حیثیت کا مسلم ہونا۔ مبتدی کے لئے خواہ وہ بچہ ہو یا بڑا بڑی مشکلات کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہی دقتیں اردو کا موزوں اور کارآمد ٹائپ بنانے کے راستہ میں بھی حائل ہیں۔ لوگوں کا کثرت سے اردو داں ہونا اور کتابوں کا کثرت سے اشاعت پانا زبان کی توسیع و ترقی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ ان کا خاطر خواہ حل دریافت کیا جا سکا تو ہماری زبان کو وہ قبول عام نصیب نہ ہو گا جس کی وہ یقیناً مستحق ہے۔

حضرات! یہ دشواریاں اردو کے مخلصین و ماہرین کے سامنے رہی ہیں۔ اور ان پر ایک عرصہ سے غور ہو رہا ہے لیکن اس میں ابھی وہ کامیابی [illegible] جس کے ہم خواہشمند ہیں۔ اس کا سبب نہیں ہے کہ کام میں ڈھیل ڈالی جا رہی ہے یا اس کے لئے سرمایہ ہم نہیں پہنچتا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم پر اردو رسم خط کے محققین و کشش ہونے کا اثر اس وجہ غالب ہے کہ ہم اس میں کسی تبدیلیاں دیکھنا گوارا نہیں کرتے جن سے اردو رسم خط کے ظاہری و معنوی حسن میں کسی قسم کا خلل واقع ہوتا ہو۔ یہ بات اپنی جگہ وزن رکھتی ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ باوجود سخت کوشش اور زیرباری کے ہم ان خوبیوں کو قائم نہیں رکھ سکتے تو پھر سیدھا اور صاف راستہ یہی ہے کہ ہم دوسرے درجہ کی چیز اختیار کر لیں۔ اس بارہ میں میرے اپنی تجاویز انجمن ترقی اردو کو بھیجی ہیں جس کی ایک کمیٹی (اصلاح رسم خط اردو) اس پر کام کر رہی ہے۔ البتہ بے موقع نہ ہو گا اگر میں یہاں اس امر کا اشارہ کر دوں کہ اصلاحات کو خواہ وہ کتنی ہی معقول اور ضروری کیوں نہ ہوں "انقلابی" نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ انقلابی نوعیت کی اصلاحات کو پورے طور پر بروئے کار لانے کی صورت نہ پیدا ہوگی اور زیادہ سے زیادہ کامیابی میسر آئی بھی تو انتشار پیدا ہو جائے گا اور اس کوشش کا انجام نہایت درجہ مایوس کن ہوگا۔ ترکی نے اس قسم کی جو اصلاحات اپنے ہاں نافذ کیں ان کی کامیابی کا مدار خود اصلاحات میں مضمر نہ تھا بلکہ ان اصلاحات کو بجبر نافذ کرنے کی قوت تھی جس نے ان کو کامیاب بنا دیا۔ یہ عنصر ہمارے ہاں مفقود ہے۔

حضرات! اس سلسلہ میں میں آپ کا تعارف ڈاکٹر پروفیسر سید مرزا صاحب (حیدرآباد دکن) کا شکر ادا کرتا ہوں اور ان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سرمایہ سے اردو کا ایک ٹائپ وضع کیا ہے جس کی انہوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے شعبہ اردو کے اجلاس منعقدہ علی گڑھ میں نمائش کی اور اپنی تقریر میں اس کے متعلق پہلوؤں پر نہایت قابلیت سے بحث کی۔ کاش وہ آج موجود ہوتے آپ ان کی تقریر سنتے اور ان کا وضع کیا ہوا ٹائپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ پروفیسر مرزا اس سلسلہ میں کافی زیر بار ہوئے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان کے ٹائپ کی قبولیت اور کامیابی ان زیرباریوں کی تلافی کر دے گی۔

حضرات! جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں ہمارا سب سے اہم فرض موجودہ حالات کا صحیح جائزہ لینا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی منزلوں میں اردو کی تعلیم کی نگرانی کرنی ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ صحیح قسم کی تعلیم دی جا رہی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد ہمیں اپنی ادبی انجمنوں کی اعانت کرنی ہے جو یوپی میں ادبی فضا قائم رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ ہم کو بالغوں کی تعلیم کا انتظام کرنا ہے اور ان کے لئے اچھا لٹریچر فراہم کرنا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ جہاں جامعہ ملیہ دہلی کا مکتبہ بچوں کے لئے اچھی اچھی کتابیں شائع کر رہا ہے وہاں اسی کا ایک اور شعبہ بالغوں کے لئے بہت اچھے اور سستے پوسٹر، نقشے، کتابچے اور رسالے شائع کر رہا ہے۔ یہ کام اتنا بڑا اور اتنا مبارک ہے کہ اسے یوپی میں بھی [illegible] پر شروع کرنا چاہئے۔ اس [illegible] حاصل [illegible] جامعہ ملیہ سے اشتراک عمل کرنا چاہئے اور [illegible] کو اپنی نگرانی میں یوپی میں چلانا چاہئے۔

حضرات! بعض لوگ نیک نیتی سے اپنے امتحانات کا معیار اس لئے نیچا کر دیتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ طلبا پاس ہو سکیں۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کی تلافی آئندہ کی ساری محنت بھی نہیں کر سکتی۔ اس سے جو نقصانات پہنچتے ہیں ان کا تدارک تمام عمر نہیں ہو سکتا۔ اردو کی حمایت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اردو کے ہر امتحان میں نتیجہ ۹۹ فی صدی رہے۔ اگر حمایت اسی کا نام ہے تو بقیہ ایک فی صدی نے کیا قصور کیا ہے جسے آپ نے نظر انداز کر دیا۔ نہ اس کا یہ کوئی جواز ہے کہ ہندی کا نتیجہ اتنا ہی رہتا ہے۔ اس کے برخلاف میں یہ مشورہ دوں گا کہ ان امتحانات کے معیار کو خاص طور پر اونچا رکھنا چاہئے تاکہ طلبا کی استعداد بہتر ہو سکے اور وہ امتحان میں کامیاب ہو کر واقعی کچھ جانتے بھی ہوں۔ میں ایک مثال سے اس بیان کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ اس صوبہ میں شعبہ [illegible] سے اردو کے جو امتحانات ہوتے ہیں ان میں ایک امتحان اعلیٰ قابلیت کا بھی ہے بظاہر اس کا نصاب نہایت شاندار اور مرعوب کن ہے اور بعض کالجوں کے بی اے ایم اے کے نصاب سے کسی طرح کم نہیں۔ مگر درحقیقت اس میں نہ کوئی اعلیٰ چیز ہے اور نہ کوئی قابلیت کا گزر ہے۔ ابتدائی تعلیم میں اس امتحان کے پاس شدہ معلمین سے طلبہ کا سابقہ رہتا ہے نتیجہ ظاہر ہے!

حضرات! کئی سال سے اس صوبہ میں توسیع تعلیم کا محکمہ قائم ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اردو زبان میں تعلیم دینے والے مدارس بالغان کی تعداد ہندی کے مدارس کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ ضرورت ہے

کہ ان کی صحیح تعداد معلوم کر کے مناسب کارروائی عمل میں لائی جائے۔ نیز بالغوں کی خواندگی کی جو رفتار ہو اُسے نظر میں رکھنا چاہئے۔ یہ کانفرنس اس سلسلہ میں بہت کچھ مدد دے سکتی ہے۔ یہ شعبۂ تعلیم کو توجہ دلا سکتی ہے کہ یہ سالانہ رپورٹ کے ساتھ جملہ مدارس میں ہر درجے کے اردو و ہندی کو بطور زبان اول لینے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد ۳۱ مارچ تک کی درج کر دی جایا کرے جیسا کہ بہار میں ہوتا ہے۔ یہ کانفرنس ہر ضلع کی تعلیمی کمیٹیوں کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے مدد حاصل کر سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ تمام کام جن کی طرف میں نے توجہ دلائی ہے سب اہم بھی ہیں اور مشکل بھی۔ ان کا انصرام محض دفتری کارروائی سے نہیں ہو سکتا۔ اس پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو خاص طور پر توجہ کرنی پڑے گی۔ اسے روپیہ بھی کچھ خرچ اور بہت کچھ دوڑ دھوپ کرنی پڑے گی۔ ایک موزوں عہدہ قائم کرنا پڑے گا جس پر ایسے شخص کا تقرر ہونا چاہئے جو اس قسم کے کام سے دلچسپی رکھتا ہو اس کی اہلیت رکھتا ہو اور اپنے کام اور منصب دونوں اعتبار سے ذی اثر اور ہر دلعزیز ہو۔ (باقی آئندہ)

تقریر جناب خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب ایم اے (علیگ)

امدادِ جنگ کے سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی کی خدمات

۲۰ جون ۱۹۴۳ء کی شام کو لائل لائبریری علی گڑھ میں [illegible] کے سلسلہ میں ایک عام جلسہ زیر صدارت جناب مسٹر جے ڈی شکلا آئی سی ایس قائم مقام صاحب کلکٹر بہادر منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں جناب صدر اور دوسرے اصحاب کے علاوہ خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب ایم اے قائم مقام پرو وائس چانسلر صاحب مسلم یونیورسٹی نے جو تقریر فرمائی وہ ذیل میں شائع کی جاتی ہے۔ اس تقریر سے بخوبی یہ اندازہ ہوگا کہ مسلم یونیورسٹی نے جنگ کے سلسلہ میں اب تک کیا خدمات انجام دی ہیں۔ ایڈیٹر

جناب صدر، معزز خواتین و حضرات! جناب وائس چانسلر [illegible] کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب کے آج کل علی گڑھ میں تشریف نہ رکھنے کے باعث مجھے یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ میں آپ کے سامنے اُن جنگی خدمات کا تذکرہ کروں جو یونیورسٹی نے گذشتہ چار سال میں انجام دی ہیں۔ جناب وائس چانسلر صاحب نے اس میں اتنی گہری دلچسپی لی ہے کہ بہتر ہوتا کہ وہ خود اس کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کرتے۔

قبل اس کے کہ میں یونیورسٹی کی جنگی خدمات کو اجمالاً آپ کے سامنے بیان کروں میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یونیورسٹی نے کیوں جنگ کے کاموں میں حصہ لینا اور طلباء کو اس طرف بھی متوجہ کرنا ضروری سمجھا درانحالیکہ یونیورسٹی کا مقصد اصلی تحقیق اور اشاعت علم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اکثر حاضرین اس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ جو ہولناک جنگ کہ اس وقت تمام عالم میں ہو رہی ہے گذشتہ کل جنگوں سے مختلف ہے جو کہ محض ملک گیری کے لئے لڑی جاتی تھیں۔

یہ جو جنگ معتقدات کی جنگ ہے اور یہ نہ صرف میدان جنگ میں لڑنے والوں بلکہ ہر طبقے کے لوگوں پر اثر ڈالتی ہے۔ یہ جنگ اُن قوموں نے چھیڑی ہے جو اپنی نسل اور اپنے تمدن کی فوقیت پر یقین رکھتی ہیں یہ یقین بجائے خود کافی قابل اعتراض ہے لیکن جب اس عقیدہ کے علمبرداروں کے دماغ میں یہ بات سما گئی ہے کہ وہ تمام انسانیت کو غلام بنا لیں۔ وہ کسی طرح بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوں کہ دوسرے لوگوں کو بھی آزاد انسانوں کی طرح رہنے کا حق حاصل ہے تو زمانۂ ماضی کی تمام بربریت ان کے یقین کے سامنے پھیکی پڑ جاتی ہے، سچائی، انصاف، انسانیت اور آزادی کی تمام وہ خوبیاں جو ہمیں اس قدر عزیز ہیں محوری سیاسی عقائد میں کوئی جگہ نہیں پاتیں۔

ان ہی خوبیوں کے تحفظ کے لئے اتحادی اقوام لڑ رہی ہیں۔ اگر ہم کو یہ تسلیم ہے کہ ان عقائد کا تحفظ ہر صحیح تعلیم یافتہ انسان کا عزیز ترین مقصد ہے اور حق کی تلاش، اشاعت علم اور حمایت یونیورسٹی کا جائز اور ایک ضروری وظیفہ ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اگر ضرورت پڑے تو اس میں مضائقہ نہیں کہ یونیورسٹی اپنا روزمرہ کا کام چھوڑ دے اور ملک کی رہنمائی کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ نیز اہل ملک کو جتا دے کہ مذہب، تمدن، مقتضیات اور گھر بار کو جنگ کی تباہ کاری سے بچانا اُن کا فرض ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ چند اور بھی ایسے وجوہ تھے جنہوں نے یونیورسٹی کو مجبور کیا کہ وہ اپنے فرزندوں کو جنگی خدمات میں حصہ لینے کی ترغیب دے۔

ہمارا پچھلا تجربہ بتاتا ہے کہ ہم جنگ سے کتنی ہی نفرت کیوں نہ کریں۔ جنگ ہوتی رہتی ہے اور ہمیشہ ہوتی رہے گی جب تک کہ تمام امن پسند قومیں کافی طاقتور نہ ہو جائیں اور ظالموں کے لئے یہ ناممکن بنا دیں کہ وہ جنگ کو آلۂ کار بنائیں۔ ہندوستان اس لحاظ سے کمزور ہے اور اس کو طاقتور بنانے کا صرف ایک طریقہ یہ ہے کہ اتحادیوں کی ساتھ جنگ میں حصہ لیا جائے۔ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے لڑائی اور اپنے ملک کے مستقبل کو شاندار بنانے کے بہترین مواقع ہیں۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ کثیر تعداد میں بحری، بری اور ہوائی فوج میں داخل ہوں لیکن صرف یہی کافی نہ ہوگا ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ ان مختلف کارخانوں میں بھی جائیں جو جنگ کی وجہ سے وجود میں آ رہے ہیں۔

اب میں آپ کے سامنے اُن جنگی خدمات کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جو مسلم یونیورسٹی نے اتحادیوں کو حصول فتح میں مدد پہنچانے کے لئے انجام دی ہیں۔

(۱) ہم نے پری کیڈٹ اسکول بمبئی و مدراس کے نمونوں پر ایک باقاعدہ ابتدائی فوجی تربیت کا شعبہ کھولا ہے۔ اس کے نگراں رنگون یونیورسٹی کے سابق پروفیسر مسٹر وی اسی کوئیل ہیں جو اس کام کے لئے خاص مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی مدد بہت سے یونیورسٹی کے پروفیسر بھی کرتے ہیں جنہوں نے اس سلسلہ میں اپنی خدمات بلامعاوضہ پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر قاضی سعید الدین صاحب اس شعبہ کے معتمد اعزازی مقرر ہوئے ہیں۔

ایمرجنسی کمیشن کے لئے ہمارے امیدواروں کی تعداد اور استعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے بحری، بری اور ہوائی فوج میں ایمرجنسی کمیشن کے لئے تقریباً ۲۰۰ امیدوار بھیجے جا چکے ہیں۔

(۲) جنگی کاریگروں کا ایک کلاس یونیورسٹی انجینئرنگ کالج میں کھولا گیا تھا ہر شخص جو اس میں داخلہ لیتا ہے اگر وہ میٹرک پاس ہے تو ۲۹ روپیہ ماہوار اور میٹرک پاس نہ ہو تو ۲۴ روپیہ ماہوار وظیفہ پاتا ہے۔ ہم نے اب تک تقریباً ۴۰۰ کاریگروں کو تربیت دی ہے جنہوں نے ہندوستان کے مختلف سامان جنگ تیار کرنے والے اور دوسرے کارخانوں میں نام پیدا کیا ہے۔

(۳) چند سال ہوئے یونیورسٹی میں ایک ہوائی کلب قائم ہوا تھا۔ ہوائی جہازوں کے اترنے کا میدان تیار کرا لیا گیا ہے اور ہوائی کارگاہ اور تجربہ گاہ کیلئے

...کا انتخاب کر لیا گیا ہے اور اس کی تعمیر کا کام جلد شروع ہونے والا ہے۔ ہمیں یہ امتیاز حاصل ہے کہ ہماری ہی یونیورسٹی پہلی یونیورسٹی ہے جس نے ایک ہندوستانی ہوائی تربیت گاہ قائم کی جو اب تک ۳۶ طلباء کو تربیت دے چکی ہے۔

(۴) اُن لوگوں کے لئے جو بحری فوج کے امیدوار ہوں خاص نصاب تعلیم مرتب کیا گیا ہے اور یہ لوگ فوجی تربیت کے شعبہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ان میں سے کچھ کو بحری فوج میں ملازمت مل بھی گئی ہے۔

(۵) انجینئرنگ کالج کی مجلس انتظامیہ نے اپنے ماہرین کے مشورہ کے مطابق کالج میں مدت تعلیم جنگی ضروریات کے پیش نظر کچھ کم کر دی ہے تاکہ طلباء کو فوجی انجینئری ملازمت کے لئے تیار کیا جا سکے۔ یونیورسٹی نے خاص ہنگامی قوانین منظور کئے ہیں جن کی رو سے طلباء کو اجازت ہے کہ وہ فوجی ملازمت اختیار کریں اور اختتام جنگ پر خاص صورتوں میں اپنی ڈگری لے لیں۔

(۶) انٹرمیڈیٹ بی اے اور بی ایس سی کلاسوں کے طلبہ کو لازمی فوجی ڈرل کرنا پڑتی ہے جس سے ایک خاص فوجی فضا یونیورسٹی میں پیدا ہو گئی ہے۔ ملٹری سائنس کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے انٹرمیڈیٹ اور بی اے، بی ایس سی کے نصاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔

(۷) علی گڑھ میں یو۔ ٹی۔ سی کی تعداد دوگنی کر دی گئی ہے اور متعدد اساتذہ نے خاص فوجی تربیت حاصل کی ہے۔

(۸) ہمارے شعبہ جات سائنس کی خدمات جنگ کے سلسلہ میں ضروری اشیاء کی تیاری کے لئے حکومت ہند کو پیش کر دی گئی ہیں۔ ہم کو اپنی جنگی خدمات کو ترقی دینے کے لئے حسب ذیل عطیے موصول ہوئے ہیں۔

(الف) ہز ایکسی لینسی گورنر یو پی نے ... روپیہ کی ایک ماہانہ امداد فوجی تربیت کے شعبہ کے لئے منظور فرمائی ہے اور ... علی گڑھ کے امیدواروں کے انتخاب کے لئے ... صوبہ کا انتخابی بورڈ علی گڑھ میں قائم کرا دیا ہے۔

(ب) حکومت ہند کے سپلائی ڈپارٹمنٹ نے جنگی کاریگروں کی اقامت گاہ کے لئے جو زیر تعمیر ہے ۲۷ ہزار روپیہ کی ایک خاص امداد منظور کی ہے۔

(ج) حکومت ہند کے ہوائی ہیڈکوارٹر نے پانچ ہزار روپیہ کی ابتدائی امداد بطور ہمت افزائی دی ہے اور تیس روپیہ ماہانہ کے پچاس وظیفے ان امیدواروں کے لئے منظور کئے ہیں جو ہندوستانی ہوائی تربیت گاہ میں داخل ہوں۔

(د) ہز اگزالٹیڈ ہائینس حضور نظام حیدرآباد و برار خلد اللہ ملکہٗ کی حکومت نے ہمیں پندرہ ہزار روپیہ کی ایک غیر مستقل اور دس ہزار روپیہ سالانہ کی مستقل امداد ہماری جنگی کوششوں کی مدد کے لئے منظور فرمائی ہے۔

(ہ) ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال نے ہمارے امیدواروں کے ہوائی فوج میں حصول ملازمت کے لئے ذاتی طور پر دلچسپی اور سہولتیں بہم کیں۔

(و) نواب ظہیر یار جنگ بہادر نے جو حیدرآباد کے ایک ممتاز امیر ہیں یونیورسٹی کے فوجی تربیت کے شعبہ میں داخلہ لینے والے امیدواروں کے لئے پندرہ پندرہ روپیہ ماہانہ کے پندرہ وظیفے منظور فرمائے ہیں

یونیورسٹی ان تمام عطیات کی اس گراں قدر امداد کے لئے شکر گزار ہے جو انھوں نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

"لیڈر یا رہنما"

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۲ کا)

اشاعت کے لئے جد وجہد شروع کی۔ جو ان کی زندگی کا سب سے اہم مقصد تھا۔ تاریخ کے صفحات آج بھی گواہ ہیں کہ ان کے کام میں کس قدر رکاوٹیں کی گئیں اور کیسی کیسی زبردست سلطنتیں ان کے مقابلہ پر آئیں لیکن وہ اپنے بے پایاں عزم و حوصلہ کی مدد سے ہر مشکل پر غالب آئے اور اپنا کام انجام تک پہنچایا۔

(باہتمام (خاں صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۲۴ جولائی سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۲۰ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۲۸)

گزشتہ ہفتہ کا سب سے زیادہ اندوہناک واقعہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی رحلت ہے۔ ہندوستان کے علماء، مشائخ نیز عوام کے حلقہ میں مولانا مرحوم کو اس قدر شہرت و مقبولیت حاصل تھی کہ آپ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

مولانا مرحوم کے علمی فیوض و ارشاد کا سلسلہ نصف صدی سے زیادہ مدت تک مسلسل جاری رہا۔ آپ کی تعلیم اور فیض صحبت سے ہزاروں مسلمان احکام مذہب کے سخت پابند ہو گئے اور لاکھوں نے آپ کی مذہبی تصنیفات اور ترجمہ قرآن مجید سے بیحد فائدہ اُٹھایا۔

مولانا مرحوم کے ترجمہ قرآن مجید اور دوسری مفید مذہبی تصنیفات کو ملک میں حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہوئی۔ بعض کتابیں مجموعی طور پر لاکھوں کی تعداد میں چھپیں اور ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں، ان تالیفات کا مقصد محض مذہب کی خدمت تھی، ورنہ اگر مولانا آجکل کے دستور کے مطابق اپنی ہر کتاب کی رجسٹری کرا لیتے اور خود ہی طبع و اشاعت کا اہتمام فرماتے تو لاکھوں روپیہ کما سکتے تھے لیکن آپ نے کبھی اسے جائز نہیں رکھا، بلکہ جس نے چھاپنا چاہا اُسے بلا تامل اجازت دیدی۔ چنانچہ آپ کی بہت سی کتابیں ہندوستان کے مختلف مطابع میں متعدد مرتبہ چھپیں اور سارے ہندوستان میں پھیل گئیں، لوگوں نے ان کی بدولت مالی منفعت حاصل کی اور مولانا نے اجر آخرت۔

مولانا مرحوم کے ارشاد و تعلیم کی ایک نمایاں خصوصیت، معاملات کی صفائی اور حقوق العباد کا لحاظ تھا، اس بارہ میں آپ کا احتساب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ مشکل ہی سے کچھ لوگ آپ کے معیار پر پورے اُتر سکتے تھے، اس تعلیم کا اثر آپ کے مخلصین و معتقدین کے اخلاق و معاشرت میں نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے مولانا کے ذریعہ سے ہزاروں بندگان الٰہی کو حسن عمل کی توفیق عطا فرمائی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، اور معتقدین و مریدین کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

کانفرنس گزٹ کے اس پرچہ میں ڈاکٹر محمد [illegible] صاحب کی ایک تحریر جو مسلم یونیورسٹی کے [illegible] ہو رہی ہے، اس تحریر میں ایک موقع پر مرزا صاحب نے علی گڑھ اور اس کے قرب و جوار کے ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے "سرسید کو مالی امداد دی"۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں شاید سہواً ممتاز الدولہ نواب فیاض علی خاں مرحوم کا نام نظر انداز ہو گیا، جو علی گڑھ کالج کی ٹرسٹیوں کی جماعت کے پریسیڈنٹ تھے اور جنھوں نے ایک سے زیادہ موقع پر اپنے گرانقدر عطیہ سے علی گڑھ [illegible] امداد فرمائی، مالی امداد کے علاوہ آپ کی اخلاقی امداد اور اثر سے بھی علی گڑھ نے بہت فائدہ اُٹھایا۔ نواب صاحب اُن بزرگوں میں تھے جنھوں نے اس زمانہ میں علی گڑھ کی امداد فرمائی جب کہ اس کے حامی و مددگار بہت تھوڑے تھے، اور اسے مالی امداد کی سخت ضرورت تھی۔

علی گڑھ اور اُس کے قرب و جوار کے امراء کے علاوہ ہمیں ابتدائی زمانہ میں ہز ہائینس نواب صاحب [illegible] نے بھی اپنے گرانقدر عطیہ سے علی گڑھ کی امداد فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ جولائی ۱۹۶۳ء

"لیڈر یارہ نما"

(۷)

اس سلسلۂ مضامین کے پچھلے نمبر میں ہم نے یہ بتایا تھا کہ زمانہ کے جس دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے وہ اس امر کو مقتضی تھا کہ سارے بنی نوع انسان کی اصلاح و ہدایت کے لئے ایک ایسی برگزیدہ ہستی اور بلند ترین شخصیت کا ظہور ہو جو سب قوموں کو ایک مرکز پر جمع کر دے جسے دوسرے الفاظ میں ہم "وحدت انسانیت" سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ ایسا نصب العین ہے جو موجودہ "اصطلاحی وطنیت" کے تخیل سے کہیں بالاتر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مدت دراز سے وطنیت کا یہ تخیل "ساری دنیا میں کارفرما ہے کہ جو قوم زمین کے جس مخصوص حصہ یا رقبہ میں رہتی ہے بس وہی اس کا "وطن" ہے اور اس وطن کی حدود اربعہ کے باہر خدا کی جو دوسری زمین ہے وہ ہمارا وطن نہیں بلکہ ایک غیر ملک ہے اور اس کے رہنے والے ہمارے بھائی نہیں بلکہ بالکل اجنبی ہیں جن سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ وطنیت کے اس تخیل نے ہر ملک کے لوگوں میں ایک خاص تعصب "تنگ نظری" اور بیگانگی پیدا کر دی تھی، اس لئے ہر شخص صرف اپنے مخصوص وطن کا فائدہ چاہتا تھا دوسرے ملک میں رہنے والوں سے اُسے کوئی ہمدردی یا دلچسپی نہ تھی، نہ کسی عام مصیبت کے وقت وہ ان کی مدد کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اس معاملہ میں غالباً ہندوستان سب سے زیادہ تنگ نظر و خود غرض تھا۔ اس ملک کے رہنے والے اپنے جیسے دوسرے انسانوں سے سخت نفرت کرتے تھے یہاں تک کہ اپنے ملک میں کسی اجنبی کا آنا بھی پسند نہیں کرتے تھے، نہ خود کبھی سمندر پار ملکوں میں جاتے تھے کیونکہ وہ دوسرے لوگوں کو ملیچھ یا ناپاک سمجھتے تھے اس لئے اُن کے ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔

اسی طرح عرب بھی اپنے ملک کے سوا دنیا کے دوسرے ملکوں کو "عجم" کہتے تھے اور انہیں اپنے سے کمتر سمجھتے تھے، اس کے مقابلہ میں ایرانی اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں عربوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ اونٹ چرانے والے خانہ بدوش تہذیب انسانیت کے اعتبار سے ہم سے بہت پیچھے ہیں، اسی طرح یونان کو اپنی حکمت و فلسفہ پر ناز تھا، مصری اپنے مختلف علوم پر فخر کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں سب سے پہلے ہم نے علم و تہذیب کی اشاعت کی بلکہ مصر پر ایک زمانہ تو ایسا گزرا کہ فرعون نے محض مصر کی فرمانی کے زور پر الوہیت کا دعویٰ کر دیا، اور اس کی یا زکی جرأت یہاں تک بڑھی کہ حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا۔

اب آگے چلئے تو سرزمین شام نظر آئے گی جس نے دنیا کی تاریخ میں مختلف وجوہ سے غیر فانی شہرت حاصل کی ہے اور جغرافیہ نے بھی بہت فیاضی سے کام لیا ہے، یہ سرزمین علاوہ دوسری چیزوں کے اس "ارض قدس" پر فخر کرتی ہے جو جلیل القدر پیغمبروں کی وجہ سے سراپا خیر و برکت ہے، ان مشہور ممالک کے علاوہ ایک اور وسیع ملک "چین" ہے جو اپنی ہنرمندی اور صناعی پر نازاں تھا، اور اپنی قوم کو دنیا کی سب سے زیادہ بلند رتبہ قوم سمجھتا تھا، اسی سلسلہ میں "تبت" کو بھی پیش نظر رکھئے جو لاماؤں کا ملک ہے، اور جہاں ایسے پُراسرار واقعات پیش آتے ہیں جو ایک اجنبی کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں یہ چند نام مثالاً پیش کئے گئے، اسی طرح ہر ملک اپنی کسی نہ کسی خصوصیت پر نازاں تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اُسے سارے جہان پر فضیلت حاصل ہے، اور قدرت نے اُسے ایک خاص امتیاز عطا کیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایک مخصوص وطن یا خطہ کے رہنے والوں میں عزت و مرتبہ کے لحاظ سے برابر تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جاتا تھا یا ان میں بھی فرق مراتب تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو کسی ملک میں بھی مساوات کا وجود نہ تھا بلکہ تقریباً ہر جگہ نسلی امتیاز کار فرما تھا، یعنی ہر ملک مختلف قبائل اور خاندانوں پر تقسیم تھا، ان میں کچھ خاندانوں نے خود بخود یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ عزت و مرتبہ کے لحاظ سے دوسرے لوگوں سے اونچے ہیں اس نسلی غرور و تکبر کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ خود اپنے وطن کے [illegible] انسانوں کو بھی [illegible] و حقارت کی نظر [illegible] دیکھتے اور اُن کے ساتھ [illegible] بُرا سلوک [illegible]

نسلی افتخار و [illegible] بھی پوری قوت [illegible] تھا بہت سے قبائل محض کسی خاص [illegible] [illegible] حالت "میں شہرت حاصل ہوئی تھی اپنی حسب [illegible] پر فخر کرتے اور اپنی برتری ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ اپنے دوسرے ہم وطنوں کے مقابلہ میں بلند رتبہ ہیں، ان لوگوں کی شاعری [illegible] بھی زیادہ تر یہی فخر و غرور تھا۔ اشعار میں وہ عموماً اپنے خاندان اور قبیلے کے جنگی کارنامے اور فیاضی کی داستانیں بڑے جوش و خروش سے بیان کرتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ دوسرے قبیلوں کے نامور لوگوں کی ہجو کرتے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ شاعر کے قبیلہ و خاندان کے مقابلہ [illegible] ہیچ ہیں۔

حسب و نسب کا یہ غرور ہندوستان میں بھی پورے زور شور سے موجود تھا، یہاں انسانوں کو چار ذاتوں یا درجوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، اس تقسیم میں برہمنوں کو سب سے اونچا درجہ دیا گیا تھا کیونکہ وہ [illegible] کے منہ سے پیدا ہوئے تھے، چوتھے درجہ پر "شودر" تھے جنہیں اب "اچھوت" اور "ہریجن" بھی کہتے ہیں، یہ لوگ نہایت ذلیل و خوار سمجھے جاتے تھے اور ان کے ساتھ ایسا بُرا سلوک کیا جاتا تھا جو جانوروں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔

"شودر" ذلت و خواری کا ایک "ناپاک پیکر" تھا، اس لئے کسی شخص کو شودر کہہ دینے کے یہ معنی تھے کہ وہ دنیا کی ایک ذلیل ترین ہستی ہے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ "شودر" کی یہ ذلت و حقارت ایک ایسا نوشتہ تقدیر تھا جس میں کوئی تبدیلی

ممکن نہ تھی، یعنی شودر خواہ ہزار تدبیریں اور کوشش کرے قسمت کے اس اٹل فیصلہ کو بدل نہیں سکتا تھا۔ شودر کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ ایک شودر گھرانے میں پیدا ہوا اس لئے خواہ وہ کتنا ہی صاف ستھرا اور نیک اعمال ہو اور لوگوں کی بھلائی کے لئے کتنے ہی کام کرتا ہو لیکن ایک کثیف و بدکردار برہمن کے مقابلہ میں ہمیشہ ناپاک سمجھا جائے گا۔ کیونکہ قدرت نے اسے شودر پیدا کیا ہے اب وہ پاک کیسے ہو سکتا ہے۔

یہ تو نسلی و خاندانی غرور کی داستان تھی، اس کے علاوہ امارت و دولت کا غرور بھی ہر ملک میں عام تھا، یعنی دولتمند لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ عام انسانوں کے مقابلہ میں ایک بلند و برتر ہستی ہیں لہذا اُن کے حقوق دوسروں سے زیادہ ہیں اور عوام محض ان کی خدمت و چاکری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

اس ذہنیت کا یہ نتیجہ تھا کہ عوام پر ناقابل برداشت مظالم کئے جاتے تھے اُن سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا تھا، اور اُن کی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، امیروں اور حکمرانوں کی یہ فرعونیت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ مذہبی پیشوا بھی اُن کی مرضی پر چلتے تھے۔ مثلاً یہودی علماء کی جسارت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ وہ بعض اوقات دولتمندوں کی خاطر توریت کے احکام میں تحریف کر دیتے تھے، غرض اس زمانہ میں انسان کی خود بینی اور نفس پرستی اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ وہ کسی مذہبی یا اخلاقی قانون اور آئین شرافت کا پابند نہیں رہا تھا۔

مذہب کا وجود اس زمانہ میں بھی تھا، ایسا نہیں کہ مذہب موجود نہ تھے، خود ساختہ بھی اور آسمانی بھی، لیکن یہ انسان کی روحانی اصلاح اور اخلاقی تربیت میں ناکام ثابت ہو چکے تھے، یہاں تک کہ مذہبی پیشوا بھی اخلاقی حیثیت سے عوام سے کچھ بہتر نہیں بلکہ بدتر تھے، بیشک وہ مذہب کے مسائل و احکام سے ضرور واقف تھے، لیکن ان احکام پر اُن کا عمل نہ تھا، دولت و جاہ کی ہوس نے انہیں نفس پرستی پر مجبور کر دیا تھا ایسی حالت میں وہ دوسروں کی کیا اصلاح کر سکتے تھے۔

مذہبی علماء کے علاوہ امراء و حکام اور قبیلوں کے سردار بھی قوم کے قدرتی لیڈر سمجھے جاتے تھے لیکن وہ خدمت خلق کی وجہ سے اس منصب جلیل پر نہیں پہنچے بلکہ یہ اعزاز انھوں نے اپنے زور بازو اور طاقت سے حاصل کیا تھا، ان لیڈروں اور سرداروں کا یہ خیال تھا کہ وہ پیدائشی طور پر عوام کے فائدہ رہنما ہیں، اور عوام کا یہ فرض ہے کہ بلا چون و چرا اُن کی اطاعت کریں، یہاں تک کہ اُن کے اشارہ ابرو پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔

ان گمراہ لیڈروں میں کچھ لوگ ایسے مغرور و متکبر بھی تھے جو (نعوذ باللہ) اپنا رشتہ خدا سے جوڑتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں، کچھ ایسے تھے جو چاند اور سورج سے اپنا سلسلۂ نسب ملاتے تھے یعنی اپنے کو چاند اور سورج کی اولاد قرار دیتے تھے غرض اس زمانہ کی یہ حالت تھی کہ ہر قوم "انا ولا غیری" کا نعرہ بلند کرتی تھی، اور ہر ملک اس کا مدعی تھا کہ اُسے سارے جہان پر ایک بلندی و برتری حاصل ہے،

قومیت اور وطنیت کے اس محدود تخیل نے عوام میں اس قدر خود بینی اور تنگ نظری پیدا کر دی تھی کہ وہ اپنے ملک والوں کے علاوہ دوسرے انسانوں سے عموماً نفرت کرتے تھے اور خود اپنے ملک میں بھی حسب و نسب اور دولت و امارت کی بنیاد پر لوگوں کی عزت کرتے تھے، محض سیرت یا حسن اعمال کی وجہ سے کوئی شخص لائق عزت نہیں سمجھا جاتا تھا۔

دنیا ان اوہام و خرافات میں مبتلا تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور حضور نے اس وطنی و قومی تعصب و تنگ نظری کے مقابلہ میں ایک بلند نصب العین دنیا کے سامنے پیش کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ بتایا کہ اس ساری کائنات کا مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے کوئی قوم کسی ملک کی مالک نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کسی کو ملک عطا کرتا ہے اور جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے، اس لئے کسی قوم کو اس پر گھمنڈ اور غرور نہیں کرنا چاہئے کہ وہ کسی ملک کی مالک ہے کیونکہ یہ ملکیت محض عارضی و فانی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۤءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۤءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۤءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۤءُ ؕ

یعنی اے (محمدؐ) کہو کہ اے اللہ مالک سارے ملک کے تو عطا کرتا ہے ملک جسے چاہے، اور جس سے چاہے لے لیتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ

یعنی ملک میں کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں ہے

ایک اور موقع پر یہ فرمایا،

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔

یعنی آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔

قرآن مجید کی ان تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ یہ ساری کائنات ایک بالاتر ہستی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس میں کوئی شخص اس کا شریک اور ساجھی نہیں ہے، لہذا ہر شخص کو صرف ایک ہی قادر مطلق ہی کی اطاعت و پرستش کرنا چاہئے، اور اسی کو اپنا معبود ماننا چاہئے، اسی کا نام "توحید" ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیم ہے یہ اسی تعلیم کا اثر ہے کہ اسلام میں "وطنیت" کا وہ تخیل نہیں پایا جاتا جو دوسری قوموں کے لئے سرمایۂ ناز ہے، ایک مسلمان کی نظر اس سے زیادہ وسیع ہے، وہ ساری دنیا کو اپنا وطن سمجھتا ہے اور یہ کہتا ہے۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

اس بلند تخیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیم کس قدر بلند و برتر ہے جس نے ایک مسلمان کو اس قدر فراخ دل بنا دیا ہے کہ وہ سارے بنی نوع انسان کی اصلاح و خدمت اپنا فرض سمجھتا ہے، وہ دنیا کی دوسری قوموں کی طرح اتنا تنگ نظر نہیں ہے کہ زمین کے ایک محدود ٹکڑے کو اپنا وطن قرار دے کر بس اسی کا ہو رہے اور اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دے جو دنیا کے دوسرے حصوں میں رہتی ہے۔

مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے اس معاملہ میں ہمیشہ فراخدلی سے کام لیا ہے اور آج بھی جو مسلمان اپنے مذہب سے واقف ہیں، وہ وطن پرستی کے اس محدود تخیل سے نفرت کرتے ہیں جو یورپ پرستی کا نتیجہ ہے۔

خطبۂ صدارت شعبۂ اردو مسلم تعلیمی کانفرنس منعقدہ

از

مولوی رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے (علیگ)
چیرمین شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۴)

حضرات، میرے نزدیک عریانی اور فحاشی ایسی چیزیں نہیں ہیں جو ادب کی تکمیل میں لازم آتی ہوں۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیا جائے کہ ان کا عمل دخل کہ ان کا عمل دخل ہی حد تک ضروری ہے اور بعض لکھنے یا پڑھنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس کے بغیر ادبی کی کشش لذت نہیں محسوس کر سکتے تو میں یہ کہوں گا کہ اس قسم کے لٹریچر کو اس کا مناسب مقام دیا جائے۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ جہاد یا انقلاب کا اعلان میراثی مراسیوں کے گالی گانے سے کیا جائے۔

اس سلسلہ میں ایک معمولی سی بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اور باتوں کے علاوہ عریانی و فحاشی برتنے کے لئے یا اس کو اعتدال پر رکھنے یا اس کو مناسب اور دلچسپ انداز میں پیش کرنے کے لئے ماہرین شعر و ادب نے صدیوں کے مطالعہ و تجربہ کے بعد ضائع و بدائع احتراز یا بدون کے مناسب کلام کی طرح ڈالی اور اس کے طلیع اور دلنشین نمونے پیش کئے فحاشی اور عریانی بجائے خود نہ کوئی فن ہے اور نہ کمال فن فن کا مقصد اور اس کا کمال۔ یہ ہے کہ وہ خود بھی محسن ہو اور نتائج کے اعتبار سے بھی محسن ہو انسانی جو انسان میں ایسا رجحان پیدا کرے جس سے بحیثیت مجموعی اخلاق انسانیت معصد پورا نہ ہو یا خطرہ میں پڑ جائے فن یقیناً نہیں ہے کچھ اور ہو تو ہو فن برائے فن میرے نزدیک بداعمالی ہیں۔ فن برائے فن جبت ضرور ہے اور میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی حقیقی زندگی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا پہلو ایسا نہیں ہے جو اپنی تکمیل کے لئے کسی ایسے فن کا محتاج ہو جو صرف فن برائے فن کا اطلاق ہوتا ہو فن برائے فن میں وہی گمراہی پوشیدہ ہوتی ہے جو تصوف کے اکثر پیروؤں میں نظر آتی ہے یعنی عشق تو ہوگا تعزیرات ہند کی زد کا اور رشتہ جوڑیں گے پیمان الست سے۔

اگر میرے دوستوں سے کوئی یہ کہے کہ عریاں اور فحش باتیں بھی اس طور رکھ سکتا ہے کہ حسن و شرافت کا دامن نہ چھوٹنے پائے یہی نہیں بلکہ انشاء پردازی کا یہ بھی کمال ہے کہ جو بات بظاہر غیر ثقہ یا معمولی اور سپاٹ نظر آتی ہو اس کو انشاء پرداز چند الفاظ اور فقروں کے پیرایہ میں مابت درجہ دلنشین بلکہ لازوال بنا دے۔ اس لئے اگر میرے دوستوں کو فحاشی اور عریاں نگاری سے شغف ہے اور وہ اس عادت یا خواہش کو ترک نہیں کر سکتے تو میں ان کو یہ مشورہ دوں گا کہ وہ لکھنے کی مشق اور سلیقہ پیدا کریں لیکن بطور تنبیہ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جس سے کا نام سلیقہ ہے وہ صرف مشق سے ہاتھ نہ آئے گا۔ اس کے لئے خلوص اور بس ضروری ہے۔ عدم خلوص زندگی اور معاشرت میں ہی خلل انداز نہیں ہوتا، انشاء پردازی کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے!

حضرات، یہ باتیں میں نے سچائی اور صفائی سے عرض کی ہیں اور یہ بیان واقعہ نہ بھی ہو تو کم سے کم یہ ضرور ہے کہ یہ میرے ذاتی تاثرات ہیں جو میں نے بغیر کسی "ذغل فصل" کے پیش کر دئے۔ لیکن یہ تصویر کا ایک ہی رخ تھا۔ دوسرا ابھی عرض کر دینے کی اجازت ہی نہیں چاہتا بلکہ اس پر اصرار بھی کروں گا میں اقرار کرتا ہوں کہ نوجوان لکھنے والوں میں جو بیداری پیدا ہوئی ہے وہ امید افزا ہے۔ شعور کا بیدار ہونا مبارک ہوتا ہے ابتدا میں جو ناہمواری اور بے راہ روی ہوتی ہے وہ آگے چل کر درست ہو جاتی ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اس بات کا پتہ آسانی سے لگ سکتا ہے کہ اب تک ہمارے شعر و ادب میں مخصوص سانچوں میں ڈھلی ہوئی مخصوص ہی چیزیں راہ پاتی رہی ہیں جن سے ہم اکتانے لگے تھے۔ اسلوب اور موضوع دونوں میں اس درجہ یکسانیت اور "باسی پن" آ گیا تھا کہ ہم میں سے بعض یہ سمجھنے لگے تھے کہ "یہی لکھنا" اور "یونہی لکھنا" مقصود بالذات ہے لیکن "نال کی طرح زندگی ہی" پائندہ ہیں۔ "نئے ادب" نے ہم کو بعض بڑی اچھی چیزیں بھی سمجھائی ہیں جن کو ہم اب نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کچھ اور نہیں تو یہ کیا کم ہے کہ ہمارے ادب میں جو ایک کمی نہایت درجہ نمایاں تھی اس کو یہ پورا کر رہا ہے۔ مثلاً اردو میں پریم چند سے پہلے غریبوں کا ادب مفقود تھا، حسن ہو محبت ہو، بہادری ہو، عصمت ہو، سچائی ہو، قابلیت ہو، غرض ہنسنا بولنا، رونا دھونا، مرنا جینا، آداب تسلیمات تو نوبس یہ سب کے سب طبقۂ اولیٰ یا طبقۂ امرا سے متعین ہوتے تھے، سب کچھ "خان حسین خان" کے لئے تھا غریبوں یا عوام کو اتنا بھی میسر نہ تھا کہ خان صاحب نعرہ سے محفوظ رہیں۔ پریم چند نے سب سے پہلے اردو ادب میں غریبوں کو جگہ دی اور وہ بھی اس طور پر کہ ہم کو غریبوں پر ترس ہی نہیں آیا بلکہ اُن کے ایسے فضائل ہم پر روشن ہوئے کہ ہم نے اُن کے لئے اپنے دل میں محبت اور رفاقت کی معزز جگہ نکالی۔ ہمارے شعرا اور ادیب بھی غریبوں کی طرف مائل ہوئے اور انھیں محسوس ہوا کہ شعر و ادب میں حسن اور جان امیروں ہی سے نہیں ناکسوں سے بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ پریم چند کے بعد ہی نئے ادب والوں کا دور آیا انھوں نے غریبوں کو اپنا لیا۔ لیکن یہ اس درجہ شدت اور عجلت کے ساتھ پیش آیا کہ اس کی "جھوک" یا خود نئے ادب والے بھی نہ سنبھال سکے، میں تو سمجھتا ہوں کہ جب تک نئے ادب میں کوئی پریم چند یا حالی یا دونوں نہ پیدا ہوں گے نئے ادب میں وہ "سنجیدگی" وقار اور وزن نہ آئے گا جس کا وہ یقیناً مستحق ہے اور جس کی اُسے بڑی ضرورت ہے۔

آخر میں نئے ادب کے علمبرداروں اور ہوا خواہوں سے عرض کروں گا اور ان کو مبارکباد بھی دوں گا کہ انھوں نے نہایت ضروری اور مفید کام شروع کیا ہے۔ ناکسوں اور مظلوموں کی حمایت کرنا پیغمبروں کا کام ہے۔ انھوں نے جو تحریک شروع کی ہے وہ اردو شعر و ادب ہی میں نہیں ہندوستان کی قومی بیداری کی تاریخ میں یادگار رہے گا لیکن ان کو بہر لحاظ اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ جب کوئی بڑا کام کامیابی کے قریب ہوتا ہے اس وقت اس میں ناکامی کے امکانات زیادہ بڑھ جاتے ہیں اس لئے کہ اس میں ملے اور خود غرض لوگوں کو اپنے نادر امقاصد پورے کرنے کا موقع مل جاتا ہے مثال کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں ہے خود ہندوستان میں اس طرح کے حادثات پیش آتے رہے ہیں۔ جنگ آزادی کس طرح شور و شغب خود غرضی تنگ نظری اور لوٹ کھسوٹ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور کس طرح طبیعت حریف بن جاتے ہیں اس سے کون واقف نہیں ہے۔ اسی کیفیت کو نئے ادب اور اس کے کھرے اور کھوٹے شعرا و مصنفین پر بھی محمول و منطبق کرنا چاہئے۔ نئے ادب کا آغاز انگارے سے ہوا تھا یہ انگارہ خس و خاشاک کو جلانے کے بجائے اپنی ہی

کونسلوں کو مجلس گیا لیکن بہ اقدام قطع نظر اس کے کہ اس کا محرک کیا تھا، بجائے خود بجا و برمحل تھا اس لئے کچھ ہی عرصہ بعد اس میں زندگی کے نئے آثار پیدا ہونے لگے۔ اچھے اور ہونہار شعرا اور ادیب پیدا ہوئے لیکن اب کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس صنف شعر و ادب سے احتسابی کی استعداد مفقود ہونے لگی ہے اور اس میں صوتی شاخیں بڑے زور شور سے پھوٹ نکلی ہیں۔ لکھنے والوں میں مخلص اور ذی استعداد لوگوں کا عنصر کم اور کسی حد تک تھکا ہوا اور "شکستہ بازوں" کا زیادہ ہو رہا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ شاد وب اپنی ایک اکیڈمی قائم کرے جو اس تحریک کی معقول نگرانی اور مناسب ہمت افزائی کرنے کی اہل ہو۔

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اچھے آثار نہیں ہیں۔

حضرات، میں نے آپ کو بڑی دیر سے گھیر رکھا ہے۔ آپ بھی مجھے کچھ کم دور سے گھیر کر نہیں لائے ہیں قاعدہ سے ہم آپ "برابر سرابر" رہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے تیور بدلنے لگے ہیں، ظاہر ہے مجھے بھی بیتر ابدلنا چاہئے لیکن میں چاہتا نہیں کہ اس "ارحق الناس" میں سورہ والناس پڑھنے کی نوبت آئے بہ حال چلتے چلاتے اس شہر آشوب کا آخری بند اور سن لیجئے۔

ضابطہ سے تو یہ جلسہ پرانشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا ہے اور یہ جلسہ جس میں ہم آپ اس وقت اکٹھا ہیں شعبہ اردو کا ہے لیکن قومی زندگی جن مختلف سرگرمیوں پر مشتمل ہوتی ہے اس کو من حیث الکل پرکھنا اور جزیہ کو کل کی روشنی میں دیکھنا بہت ضروری ہے۔ تعلیم ہو، سیاست ہو، زبان ہو، مذہب و اخلاق ہو، معاشرت و اقتصادیات کے مسائل ہوں ان میں سے ہر ایک اور سب کے سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جن کو یکساں طور پر اور پورے طور پر مضبوط و مربوط ہونا چاہئے۔ آپ کو ہر سمت بڑھنا اور ہر سمت کا خیال رکھنا پڑے گا۔ آپ کو لڑنا بھی پڑے گا اور صلح کے لئے بھی تیار رہنا پڑے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ ہی میں لڑائی کی بھی قوت ہو اور آپ ہی میں صلح کرنے کا بھی حوصلہ ہو، ہم آپ ایک مدت سے حکومت کے دست نگر رہے ہیں ممکن ہے اسی کا سبب ہو کہ حکومت ہمارا دست نگر کبھی نہیں رہی۔

حکومت کا یہ حال ہے کہ جو جماعت اس کی دست نگر ہوتی ہے حکومت نہ اس سے ڈرتی ہے اور نہ اس کی عزت کرتی ہے۔ حکومت کبھی دھوکا نہیں کھاتی۔ دیتی اکثر ہے۔ حکومتیں بالعموم یا تو بے پروا ہوتی ہیں یا ڈرپوک ہیں اس لئے میری رائے ہے کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے گورنمنٹ کو آزمانے کے بجائے اپنے آپ کو آزمائیں۔ گورنمنٹ ڈرانے سے نہیں ڈرتی تاوقتیکہ ڈرانے والا ڈراونے ہونے کے بجائے کام کرنے والا نہ ہو۔ یہ بات بھی اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ ڈرانے کے جتنے آلات مسلمانوں کے پاس تھے وہ ختم بھی ہو چکے، اور ناکامیاب بھی۔ ایسا کیوں ہوا شاید اس لئے کہ "تلوار بے زنہار" کے لئے جس "دست نادر" کی ضرورت تھی اس کی ساری قوت اب ہماری "زبان بے لگام" میں آگئی ہے اور زبان سے زیادہ خطرناک اور بیکار کوئی اور چیز نہیں اگر اس کے پیچھے قوت اور خلوص کی کارفرمائی نہ ہو۔ یہ باتیں میں نے اس لئے لکھ دیں کہ آپ صرف جلسہ کر کے اور رزولیوشن پاس کر کے بیٹھ نہ جائیں اور آخر میں یہ کہہ دیں کہ گورنمنٹ نے ہماری بات نہ مانی ہم کیا کرتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ہم جیسی یا در ہوا باتیں کہنے یا کرنے رہتے ہیں اس کو گورنمنٹ مان لیا کرے تو میں گورنمنٹ سے زیادہ بے وقوف کسی اور کو نہ سمجھوں اگر گورنمنٹ کبھی کبھی بے سروپا باتوں پر دھیان دھرتی ہے تو آپ یقین مانیں اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ آپ کو اس سے فائدہ پہنچے بلکہ اس کا فائدہ وہ خود اٹھانا چاہتی ہے۔

بزرگو، عزیزو، دوستو، میری یہ ساری باتیں آپ کو یوں ہی سی معلوم ہوتی ہوں تو یونہی سہی، کیا آپ میری ایک دعا میں بھی شریک نہ ہوں گے۔

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیٔ پرخار میں آئے

والسلام

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا مطمح نظر

از
ڈاکٹر محمد بابر مرزا صدر شعبۂ حیوانیات
و پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی

ملقریر حیدرآباد دکن سے ۲۱ جون ۱۹۶۲ء کو نشر کی گئی تھی۔ ہم منعم صاحب نشرگاہ اسٹیشن سرکار عالی کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اس کو شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ سرسید احمد خاں مرحوم نے علی گڑھ جیسے چھوٹے، خشک، ویران قصبہ میں مسلمانوں کا مرکزی تعلیم گاہ کیوں قائم کیا۔ سرسید دہلی کے باشندے تھے۔ علی گڑھ کن وجوہ سے آئے اور یہاں کیوں رہائش اختیار کی؟

ہر قوم کو عروج پر پہونچنے کے بعد زوال آتا ہے غدر کے بعد مسلمانوں کی حالت بہت خستہ ہوگئی تھی۔ ان کے پاس نہ تعلیم ہی تھی اور نہ دولت و قوت۔ دولت اور قوت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ قوم میں تعلیم ہو دہلی میں اچھے اچھے خاندان تباہ ہو چکے تھے اور نہ سرسید میں خود اتنی سکت تھی کہ وہ زمین حاصل کرتے عمارتیں تعمیر کراتے اور مدرسے کی بنا ڈالتے۔ خاص کر دہلی کے اکثر مسلمان غدر کے بعد انگریزوں سے اس درجہ پرہیز کرتے تھے کہ وہ انگریزی زبان سیکھنا کفر سمجھتے تھے۔ یا تو مسلمانوں کا وہ زمانہ تھا کہ انھوں نے دنیا کو اپنے علم سے روشن کیا یا اب وہ زمانہ آیا کہ وہ علم سے بے بہرہ رہنا پسند کرنے لگے۔ جدید علم کو حاصل کرنا کفر سمجھنے لگے۔ ان حالات میں دہلی میں تعلیمی ادارہ قائم کرنا بہت مشکل تھا۔ مدرسہ قائم کرنے سے پہلے سرسید نے انگلستان کا سفر کیا وہاں ان کو اعلیٰ خاندان دیگر انگریزوں سے دوستی کرنے کا موقعہ ملا۔ ان کے دل میں ڈوبتی ہوئی قوم کو بچانے کا ولولہ تھا۔ انھوں نے ایک تعلیمی اسکیم تیار کی اور واپس ہوئے۔ علی گڑھ کی تحصیل جو مدرسے کے لئے انتخاب کی گئی کول کہلاتی تھی۔ یہاں پر غدر سے قبل کینٹونمنٹ تھا جب انگریزوں کا قبضہ پورے طور پر دہلی پر ہو گیا تو انھوں نے اپنی فوجوں کو علی گڑھ سے قلعہ دہلی میں منتقل کر دیا۔ علی گڑھ کے اس حصہ میں زمین کافی تھی اور کچھ مکانات بھی بیکار پڑے تھے۔ سرسید نے گورنمنٹ سے زمین مفت میں حاصل کی اور پرانی وضع کے بنگلے کے مکانات کم قیمت پر خرید لئے خوش قسمتی سے علی گڑھ کے قرب و جوار میں چند خوشحال خوش مزاج تعلیم یافتہ نواب بھی تھے اور میں جنھوں نے سرسید کو مالی امداد دی۔ دیتے رہے اور اب بھی دے رہے ہیں۔ ان میں تین خاندان قابل ذکر ہیں۔ ایک نواب سر احمد سعید خاں نواب چھتاری۔ دوسرے سر محمد مزمل اللہ خاں مرحوم نواب بھیکم پور اور تیسرے مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نواب صدر یار جنگ بہادر، نواب حبیب گنج۔

جیسے لندن دارالسلطنت برطانیہ کے قریب مشہور کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیاں ہیں اسی طریقہ پر سرسید نے ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی کے

[illegible] ان کی یہ خواہش تھی کہ مدرسۃ [illegible] آکسفورڈ کا نمونہ ہو جائے۔ علی گڑھ [illegible] کو اعلیٰ علم و فنون کا مرکز بنانے میں سرسید کو نواب محسن الملک مرحوم۔ نواب وقار الملک نے بڑی [illegible] مولانا حالی اور ان کے دوسرے ہمعصر ہیں نے بھی بہت کچھ مدد دی۔

ریاست حیدرآباد نے سرسید کی ہمت افزائی کی، اُن کو قوم کی ناؤ کی ناخدائی کرنے میں ایسی مدد دی کہ جس کی مثال ہندوستان میں نہیں پائی جاتی۔ آصف نظام الملک خسرو دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کی مالی امداد اور نواب سالار جنگ کی کوششوں نے علی گڑھ میں روح پھونک دی اور ڈوبتی ہوئی کشتی ساحل پر آلگی۔

سرسید نے اس مدرسے کو رفتہ رفتہ بڑھا کر کالج کر دیا اور اس کو صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہ کیا بلکہ ہر قوم و ملت کے طلباء کا بلا تامل داخلہ کیا۔ مسلمان و ہندو و سکھ و عیسائی کو ایک گھاٹ علم کا پانی پلایا۔ تعلیم و تربیت اس اعلیٰ پیمانہ پر دی جانے لگی کہ ہندوستان میں علی گڑھ سے تعلیم یافتہ کی خاص مانگ ہو گئی۔ ہندوستان میں شمال تا جنوب، مشرق تا مغرب علیگ پھیل گئے۔ شرق ہو گئے۔ اسلامی ممالک سے طلباء علم کی جستجو میں علی گڑھ آنے لگے۔ صرف افغانستان، ایران، عربستان ہی نے اپنے نوجوانوں کو علی گڑھ تعلیم حاصل کرنے کے لئے نہ بھیجا بلکہ فریقہ، جاوا، ملایا، برما و لنکا سے بھی طلباء آنے لگے۔ علی گڑھ مشرق میں ایسا روشن ہوا جیسے مغرب میں کیمبرج و اکسفورڈ۔ مسلمانانِ ہند اپنی غفلت کی نیند سے ہوشیار ہو گئے اور اگر علی گڑھ اُن کو ہوشیار نہ کرتا تو آج ان کا نام و نشان اس ملک میں مشکل سے پایا جاتا۔ مسلمانوں میں جتنے بھی قابل مقرر پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ علی گڑھ کی بدولت۔ جتنے مسلمان اعلیٰ عہدوں پر پہنچے وہ علی گڑھ کی تعلیم کی وجہ سے۔ جامعہ علی گڑھ نے منتشر مسلمانوں کو ایک جا جمع کیا، اتحاد و اتفاق پیدا کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے آئے دن کے جھگڑے علی گڑھ نے رفع کرنے شروع کر دئے۔ قصہ مختصر علی گڑھ نے قوم کو جگا دیا۔

مسلمانوں میں تحریک ہوئی کہ کالج کو یونیورسٹی بنا دیا جائے۔ یونیورسٹی چارٹر حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ کو کم سے کم تیس لاکھ رقم مطلوب تھی۔ مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم نے ہندوستان کے کچھ ممالک میں کاسہ لیکر سفر کرنا شروع کیا۔ کسی مسلمان پر چندہ دینے کے لئے جبر نہ کیا اور جس نے جو کچھ دیا وہ قبول کر لیا۔ مسلمانوں کے جوش نے کاسہ کو بھر بھر کر اُبال دیا اور ایک سال کے اندر بارہ لاکھ روپیہ وصول ہوا۔ خیال تھا کہ ایک کروڑ روپیہ وصول ہونے کے بعد کالج کو یونیورسٹی میں منتقل کیا جائے۔ اگر اس سے کم رقم پر یونیورسٹی کھولی جائے تو مسلمان پھر ٹھنڈے پڑ جائیں گے اور بعد میں چندہ نہیں دیں گے۔ اس عرصہ میں چارٹر کی منظوری کی کوشش کی گئی۔ مولوی عزیز مرزا کا یہ خیال تھا کہ اس کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کہا جائے تاکہ تمام ہندوستان کے اسلامی ادارے جامعہ علی گڑھ سے ملحق کئے جائیں۔ سرکار انگریزی اس پر رضامند نہ تھی وہ چاہتی تھی کہ اس کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے موسوم کیا جائے، تاکہ جامعہ صرف شہر علی گڑھ کے لئے مخصوص ہو۔ اس عرصہ میں ہندوؤں نے بنارس ہندو یونیورسٹی کا چارٹر منظور کرا لیا اور کاشی میں اپنی تعلیم گاہ قائم کر لی۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب نے یہ دیکھ کر کہ گورنمنٹ اڑی ہوئی ہے اور تاخیر سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قانون انہیں شرائط پر نافذ کرا لیا جس کی سرکار انگریزی نے بنارس ہندو یونیورسٹی کو منظوری دی تھی۔ یونیورسٹی قائم ہونے سے پہلے مسٹر گاندھی ۱۹۲۰ء میں عدم تعاون کی تحریک تعلیم گاہوں میں پھیلانے سب سے پہلے علی گڑھ تشریف لائے۔ وہاں طلباء میں ایک جوش پھیلا لیکن ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے جو اُس وقت کالج کے پرنسپل تھے اپنی دور اندیشی اور دانشمندی سے کالج کو اس طوفان سے بچایا اور اس کا طرۂ سرف ڈاکٹر صاحب کے سر ہے۔

یونیورسٹی کی افتتاح کے بعد طلباء کی تعداد روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ مختلف شعبہ جات کھلتے گئے روپیہ کی کمی محسوس ہونے لگی۔ قوم سے فکر ہو چکی تھی رقم کی قلت نے تعلیم پر بُرا اثر دکھایا تو آنریبل سر راس مسعود نواب مسعود جنگ بہادر مرحوم نے نائب امیر جامعہ ہو کر تین سال کے اندر ۳۳ لاکھ روپیہ جمع کر دیا۔ پھر اعلیٰحضرت بندگانِ عالی خسرو دکن نے سرسید کے پوتے کی گود دس لاکھ روپیہ سے بھر دی اور سالانہ مالی امداد میں اضافہ کا حکم صادر فرمایا۔ سر سید راس مسعود مرحوم نے سائنس کی تعلیم پر زور دیا۔ نیا سائنس کالج تعمیر کرایا اور سائنس میں ریسرچ کرانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں علی گڑھ نے یورپ اور امریکہ میں بھی اپنا سکہ بٹھا لیا۔ علیگ کی دنیا بھر میں آؤ بھگت ہونے لگی۔

علی گڑھ نے صرف تعلیمی پر ہی بس نہیں کیا بلکہ تربیت پر بھی۔ گو لحاظ مشتہر تحریری جامعہ عثمانیہ اقامتی یونیورسٹی ہے لیکن صحیح معنوں میں سوائے علی گڑھ کے ہندوستان کی کوئی یونیورسٹی بالکل اقامتی یونیورسٹی نہیں کہلائی جا سکتی۔ اقامتی یونیورسٹی کا اثر اسی پہ ہے جیال پر پورے طریقہ سے زیب پڑ دیا جا سکتا ہے۔ تکمیر قوم میں علم و فن کے ماہر اور انامت جانوں میں تہذیب و تمدن کے ماہر قوم کے نوجوانوں کا رجحان کرتے ہیں۔ اساتذہ اور شاگردوں میں دوستانہ تعلقات ہوتے ہیں۔ ایسے تعلقات بجز علی گڑھ کہیں نہیں پائے جاتے۔ اساتذہ طلبہ کے لئے اپنا خون پسینہ کی طرح بہاتے ہیں جس سے ان میں اپنی مادرِ درسگاہ کی ایسی محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ عمر بھر اُس کی پرستش کرتے رہتے ہیں۔ علی گڑھ کے تعلیم یافتگان میں ایک حقیقی کشش پیدا ہو جاتی ہے خواہ انھوں نے ایک ہی زمانہ میں تعلیم پائی ہو یا مختلف اوقات پر۔ علیگ ہمیشہ ایک دوسرے کا گرویدہ ہوتا ہے۔ غم اور خوشی میں اُس کا شریک رہتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر علیگ علی گڑھ سے اپنے ساتھ خاکِ سرسید لے جاتا ہے اور علی گڑھ کا شیدائی اور بہی خواہ بنا رہتا ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر وہ جنھوں نے علی گڑھ میں تعلیم نہیں پائی پچھتاتے ہیں اور کچھ تو علیگ سے رشک بھی کرتے ہیں۔

سرسید علیہ الرحمہ ہی نے علی گڑھ میں مسلمان قوم کی سربراہی شروع کی۔ علی گڑھ کے طلباء کا پولس سے جھگڑا ہو کر پہلا اسٹرائک سرسید ہی کے زمانہ میں ہوا۔ یہ ہندوستان میں طلباء کا پہلا اسٹرائک تھا۔ اس سلسلہ میں طلباء سے معافی منگوائی گئی۔ کسی ایک نے انکار کیا۔ سرسید اُن سے ناراض ہو گئے۔ میرے والد مولوی عزیز مرزا مرحوم بھی ایک طالب علم تھے۔ ان کا اخیر سال تھا امتحان بھی قریب تھا بی اے کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد مولوی صاحب ریاست حیدرآباد میں ملازم ہو گئے اور اپنی کمائی کی پہلی رقم ایک ہزار روپیہ معہ معافی نامہ سرسید کی خدمت میں پیش کیا جس کو سرسید نے قبول فرمایا اور ان کی سیرت کی داد دی۔

مسلم یونیورسٹی بلا امتیاز قوم و ملت اور رنگ ہر ایک سے محبت کرتی ہے۔ بہ خانۂ محبت تحمل برداشت ہے۔ سر سید راس مسعود مرحوم کے الفاظ میں مسلم یونیورسٹی ایک جامعہ ہے کہ جہاں بڑی باقاعدہ تعلیم یافتہ متحدہ فوج تیار کی جاتی ہے جو ہر وقت ان برائیوں کے رفع کرنے کے لئے مستعد ہے جنہوں نے ہندوستان کو تمام دنیا کی نگاہ میں ذلیل و خوار کر رکھا ہے۔ اس جامعہ مسلم کی کوشش یہی رہے گی کہ بہترین طالب علم۔ بہترین کھلاڑی اور بہترین تہذیب و اخلاق والے پیدا کرے"

جب سر سید راس مسعود مرحوم علی گڑھ کے ممتاز عہدہ سے سبکدوش ہوئے کسی ایک اخبار کے نمائندے ان کے پاس گئے اور علی گڑھ کے نقائص کی درخواست طلب کی تاکہ اس کی اشاعت کی جائے۔ مرحوم نے نہایت خاموشی سے فرمایا کہ "علی گڑھ میں کوئی نقص نہیں۔ نقائص مجھ میں ہیں اس وجہ سے میں علی گڑھ کو خیرباد کہہ رہا ہوں"

ہم سب کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کی تقریر چشتیہ ہائی اسکول امرتسر میں

(مرسلہ پبلسٹی بیورو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

امرتسر ۲۴۔ جون۔ لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے پروگرام دورہ کے ماتحت امرتسر تشریف لائے آپ کے ساتھ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحق بھی تھے، دن بھر شہر کے رؤسا، اکابر ملت، اور علم دوست حضرات سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ صاحبزادہ سید شریف احمد چشتی پرنسپل و ناظم اعلیٰ چشتیہ ہائی اسکول سے ملاقات کے وقت آپ نے چشتیہ ہائی اسکول دیکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

آپ ٹھیک ۱۲½ بجے سکول میں ورود فرما ہوئے۔ سکول کے شاندار بینڈ نے معزز مہمانوں کی سلامی اتاری۔ تمام اساتذہ نے پرنسپل صاحب کی معیت میں ممدوح کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ایک جلسہ کا انتظام کیا گیا۔ جلسہ سے قبل شاف کے ساتھ محترم مہمان کی فوٹو لی گئی۔

جلسہ میں طلبائے سکول، شاف کے علاوہ شہر کے معززین نے بھی شرکت کی۔ پرنسپل صاحب نے تعارف کراتے ہوئے اس فخر ملت ہستی کی خدمات جلیلہ پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد آپ "ڈاکٹر سر ضیاء الدین زندہ باد" "مسلم یونیورسٹی پائندہ باد" کے فلک شگاف نعروں کے درمیان کھڑے ہوئے۔ اور ایک مختصر مگر جامع و مانع تقریر ارشاد کی۔ فرمایا۔

میں چشتیہ ہائی اسکول کے طلباء، ناظم اعلیٰ اور شاف سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں، بالخصوص سکول کا حسن انتظام قابل داد ہے کسی درسگاہ کا معیار تعلیم شاف اور منتظمین کی قابلیت اور ان کے جذبۂ خدمت ملی پر ہوتا ہے جس کی بے نظیر مثال سکول ہذا ہے سید شریف احمد چشتی بانی سکول ہذا نے اپنا فرض کماحقہٗ ادا کر دیا ہے رشد و ارادہ سالہا سال کی محنت شاقہ اور صرف زر کثیر سے امرتسر کی ایک بڑی کمی کو پورا کر دیا ہے۔ اب اس کا آخری کام قوم کے طالب علموں پر ہے سکول کے اندر محنت کر کے شاندار نتائج سے بہتر خدمت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اور سکول کے باہر یعنی فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہر قسم کی قربانی طلباء کا عین فرض ہے۔ جیسا کہ سر سید مرحوم نے علی گڑھ میں کالج کی بنیاد ڈالی۔ مگر فارغ التحصیل طلباء نے اسے یونیورسٹی کے درجے تک پہنچا دیا۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو طالب علم حصول تعلیم کے لئے علی گڑھ آنا چاہتے ہیں چشتی صاحب کی سفارش پر یونیورسٹی اسے وظائف و دیگر ہر قسم کی رعایت دینے کے لئے تیار ہے۔ بالآخر آپ نے یونیورسٹی کی جنگی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے اس پر مغز تقریر کو ختم کیا۔ بالآخر سید محمد کاظم صاحب بی، اے (آنرز) ایل، ایل، بی، بی ٹی ہیڈ ماسٹر سکول ہذا نے طلباء، شاف اور سکول کی طرف سے محترم مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور اس خوشی میں سکول میں ایک دن کی چھٹی کر دی گئی۔

منقول از روزنامہ زمیندار ۲۸ جولائی ۱۹۴۳ء"

اعلیٰحضرت نظام کے عہد حکومت کے ۳۲ سال

دور عثمانی کی گوناگوں برکات

تعلیم و تمدن

۱۹۲۰ء میں ممالک محروسہ میں ابتدائی تعلیم مفت کر دی گئی۔

۱۹۳۲ء میں حکومت نے تحتانی تعلیم کی وسعت و ترقی کے لئے ایک [illegible] لائحہ عمل منظور کیا۔

۱۹۳۹ء میں مجلس تعلیم ثانوی کا قیام عمل میں آیا۔

۱۹۳۰ء میں تعلیم کی تنظیم جدید کے لائحہ عمل کے تحت صنعتی اور پیشہ وارانہ تعلیم کا شعبہ قائم کیا گیا۔

۱۹۲۱ء میں تعلیمات پر (۶۹،۹۹ لاکھ روپیہ) صرف ہوئے تھے۔ ۱۹۴۳ء میں یہ مصارف اضافہ ہو کر (۱۲۷،۷۵) لاکھ روپیے ہو گئے۔

۱۹۱۱ء میں مدارس کی تعداد (۱۱۳۴۲) تھی جو ۱۹۴۳ء میں (۷۰۰۰) ہو گئی۔

۱۹۱۱ء میں طلباء کی تعداد (۹۳۵۷۹) تھی جو ۱۹۴۳ء میں اضافہ ہو کر ۵ لاکھ ہو گئی۔

۱۹۱۱ء میں مدارس نسواں کی تعداد ۹۰ تھی جو ۱۹۴۳ء میں ۸۰۰ ہو گئی۔

طب، انجینیری، صنعت و حرفت، فنون، زراعت، دستکاری تعلیم نسواں اور تعلیم معلمین کے لئے کالج قائم کئے گئے۔ پست اقوام کے طلباء کی تعلیم کے لئے خصوصی سہولتیں فراہم کی گئیں اور ایک لاکھ روپیہ کی رقم بھی اس غرض کے لئے مختص کر دی گئی

یورپ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے (۱۳۵) طلباء کو وظیفہ اور ۲۲۵ کو تعلیمی قرضہ دیا گیا۔

تاریخی یادگاروں اور تمدنی آثار کی حفاظت کی غرض سے ۱۹۱۴ء میں سررشتہ آثار قدیمہ قائم کیا گیا حکومت کی راست نگرانی کے تحت دفتر [illegible] کا قیام عمل میں آیا۔

زراعت

۱۹۱۳ء میں سررشتہ زراعت قائم کیا گیا۔ آلیر، کاماریڈی، سنگاریڈی، محبوب نگر، پربھنی، رائچور، ورنگل، حمایت ساگر، رودرورم، [illegible] میں تجرباتی مزرعوں کا قیام عمل میں آیا اور ان کے ساتھ متعدد مظاہراتی شعبے بھی قائم کئے گئے۔ زرعی تحقیقات کی غرض سے شعبہ کیمیا، شعبہ حیاتیات، شعبہ باغبانی، شعبہ [illegible] اور شعبہ نگہداشت، شعبہ حیوانات کا قیام عمل میں آیا۔

۱۹۱۳ء میں سررشتہ زراعت کے مصارف [illegible] ہزار روپیے تھے جو ۱۹۴۳ء میں اضافہ ہو کر [illegible]

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) یکم اگست سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۲۹ - رجب المرجب سنہ ۱۳۶۲ھ نمبر (۲۹)

مسٹر محمد علی جناح پر گزشتہ ہفتہ میں جو جارحانہ حملہ ہوا اس سے سارے ملک میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑا دی ہے اور ہر شخص حملہ آور کی اس شرمناک حرکت پر اظہار نفرت کر رہا ہے ابھی تک ماہر دملزم کا کوئی بیان ملک کے سامنے نہیں آیا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ناشائستہ حرکت انفرادی حیثیت رکھتی ہے یا اس کے پس پردہ کسی منظم جماعت کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔

بہر حال خواہ کوئی صورت بھی ہو یہ نہایت ضروری ہے کہ اس واقعہ کی بے لاگ تحقیقات کی جائے۔ اور اگر واقعۃً یہ حملہ کسی سازش کا نتیجہ ہے تو مجرموں کو عبرتناک سزا دی جائے ورنہ اگر خدانخواستہ یہ طریقہ ملک میں جاری ہوگیا تو اس کے نتائج نہایت دوررس اور خوفناک ہوں گے۔ یعنی کوئی لیڈر بھی اس قسم کے سفیہانہ حملوں سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ اور اس سے ملک کے مختلف جماعتوں میں مزید نفرت اور تلخی پیدا ہوگی جو ملک کے لئے سخت مضر ہے۔

امید ہے کہ اس موقع پر حکومت ایسی تدابیر اختیار کرے گی کہ آئندہ کوئی شخص ایسی شرمناک جرأت نہ کرسکے۔

مسٹر ایس اے ٹی نقوی او بی ای ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و کلکٹر علی گڑھ کے تبادلہ کی خبر ہم پہلے شائع کرچکے ہیں جب سے علی گڑھ میں یہ خبر مشتہر ہوئی سرکاری اور غیر سرکاری اصحاب کی طرف سے جناب نقوی صاحب کی رخصتی دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو بلاناغہ ۳۱ جولائی کی شام تک جاری رہا۔

کارکنان مسلم یونیورسٹی سے جناب ممدوح کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اس لئے ۳۱ جولائی کو یونیورسٹی کی طرف سے بھی آپ کو ایک لنچ وسیع پیمانہ پر دیا گیا جس میں حکام ضلع اور شہر کے سربرآوردہ اصحاب کے علاوہ مسلم یونیورسٹی کے عہدہ دار و ارکان نیز ممبران اسٹاف بھی شریک تھے جناب وائس چانسلر نے اس موقع پر ایک برمحل تقریر فرمائی اور جناب نقوی صاحب نے جوابی تقریر میں شکریہ ادا فرمایا۔ مسلم یونیورسٹی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک مجسٹریٹ و کلکٹر ضلع کو رخصتی دعوت دی گئی، یکم اگست کو جناب نقوی صاحب علی گڑھ سے رخصت ہوئے۔ صبح سے آپ کی قیام گاہ پر لوگوں کا ہجوم تھا، اس موقع پر آپ کو بار بار پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ اور ایک شاندار جلوس نے نہایت اعزاز کے ساتھ آپ کو رخصت کیا۔

---

۲۴ جولائی کے کانفرنس گزٹ میں ڈاکٹر محمد بابر مرزا صاحب صدر شعبۂ حیوانیات و پرووسٹ آفتاب ہال مسلم یونیورسٹی کی ایک تقریر مسلم یونیورسٹی کے متعلق شائع ہوئی ہے جو نشرگاہ لاسلکی حیدرآباد سے براڈکاسٹ کی گئی تھی اس تقریر کے متعلق ہم نے ایک مختصر نوٹ بھی لکھا تھا۔ لیکن اب یہ تقریر شائع ہونے کے بعد متعدد ذمہ دار اصحاب نے جو مسلم یونیورسٹی سے نہایت عمیق و دیرینہ تعلق رکھتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اس کی خدمت کرچکے ہیں ہمیں یہ بتایا کہ اس تقریر میں کچھ اور ضروری چیزیں بھی سہو اتفاق سے نظرانداز ہوگئیں جن کا اظہار پبلک کی واقفیت کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے ہم آئندہ انشاء اللہ ان ضروری امور کی وضاحت کریں گے۔ جن سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلم یونیورسٹی کس طرح وجود میں آئی اس کی تحریک میں کن کن بزرگوں نے عملی حصہ لیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم اگست ۱۹۶۳

"لیڈر یا رہ نما"

(۸)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ "وطنیت" کے متعلق مسلمانوں کا نقطۂ نظر دوسری قوموں سے مختلف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو پیام ربانی لیکر تشریف لائے تھے اس کی تبلیغ و اشاعت ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے، اور یہ پیام چونکہ کسی ایک ملک یا قوم کے ساتھ مخصوص نہ تھا اس لئے دنیا کے سب ملک اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے دائرہ میں آجاتے ہیں اور اس طرح ایک مسلمان کا تعلق ساری دنیا سے پیدا ہو جاتا ہے اور یہ ہونا بھی چاہیئے تاکہ سب انسان اپنے معبود حقیقی کے احکام پر عمل کر کے عبدیت و انسانیت کے درجہ کمال پر پہنچیں اور سعادت دارین حاصل کریں۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ مرتبہ احکام الٰہی بیان کرنے کے بعد صحابۂ کرام سے یہ فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ یہ احکام اُن لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

اس ارشاد کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خود مسلمانوں کا بھی یہ فرض ہے کہ جو احکام الٰہی رسول اللہؐ کی معرفت انہیں پہنچے ہیں وہ اُن پر خود بھی عمل کریں اور دوسرے لوگوں تک بھی پہنچائیں۔ اسی کا نام تبلیغ و اشاعت دین ہے اس لحاظ سے گویا ہر مسلمان کو رہنمائی کا منصب حاصل ہے، لہذا اُس کا فرض ہے کہ گم گشتہ راہ لوگوں کو "صراط مستقیم" کی طرف رہنمائی کرے، خصوصاً جو مسلمان احکام الٰہی سے بخوبی واقف ہیں اُن کے لئے تو یہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ ہر قوم کو ان احکام خداوندی سے باخبر بنانے کی کوشش کریں۔

مسلمانوں کا یہ نظریہ کوئی زمانۂ مابعد کی چیز نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بلا استثنا ہر مسلمان کو اس حقیقت پر یقین تھا کہ رسول اللہ، خدا کا جو پیام لیکر تشریف لائے ہیں وہ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے ہے، اسی بنا پر حضورؐ نے اپنے زمانہ کے اُن سلاطین کو دعوت اسلام دی تھی جو عرب سے باہر تھے اور جن کے پیرو کسی مذہب کے پیرو تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے یہ فرض ادا کیا۔ چنانچہ اُن کے زمانہ میں مسلمانوں کے قدم روم و ایران تک پہنچ گئے اور مختلف مذہب و ملت کے لاکھوں سعید الفطرت انسان اسلام کی اس وسیع برادری میں داخل ہو گئے جو وطنیت و قومیت کے مذموم اثرات سے بالاتر تھی اور جس میں داخل ہونے کے بعد سب کو مساوات کا درجہ حاصل ہو جاتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مشیت الٰہی یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر نہ بھیجا جائے اس لئے انسانوں کی اصلاح و رہنمائی کا فرض حضورؐ کے بعد امت کے متعلق کیا گیا تاکہ دین کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے اور ہر دور کے مسلمان اس مکمل و محفوظ کتاب آسمانی کی بنا پر جو قرآن مجید کے نام سے مشہور ہے اپنا فرض صحیح طریقہ سے ادا کرتے رہیں۔ مسلمانوں نے یہ فرض خود اپنے ذمہ نہیں لیا بلکہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی موجود ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

یعنی چاہیے کہ تم میں ایک جماعت بلائے وہ نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھی بات کا اور منع کرتی رہے (بری) بات سے اور وہی لوگ فلاح یافتہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف یعنی اچھی بات کا حکم دینا اور نہی عن المنکر یعنی بری باتوں سے روکنا اور منع کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مسلمانوں کا بھی فرض ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں مسلمانوں سے خطاب فرماتے ہوئے انکی اس خصوصیت پر اظہار پسندیدگی فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

یعنی (اے مسلمانو) تم بہترین امت ہو جو لوگوں میں پیدا ہوئی ہو۔ حکم دیتے ہو نیکی کا اور منع کرتے ہوئے برائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔

اس ارشاد سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف مسلمانوں کی وہ صفت ہے جس کی وجہ سے انہیں دوسری امتوں پر فضیلت حاصل ہوئی ہے لہذا ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دوسری قوموں کو خواہ وہ دنیا کے کسی ملک میں رہتی ہوں خدا کا وہ پیام پہنچاتے رہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سارے ہی نوع انسان کے لئے آیا ہے اور اب تک کروڑوں انسانوں کی اصلاح اور اخلاقی و روحانی ترقی کا ذریعہ ثابت ہوا ہے۔

اس پیام کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی "وحدت" کا اعتراف کیا جائے اور صرف اُسی کی پرستش کی جائے۔ اسی عقیدہ توحید کا اثر تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مختلف قومیں جو پہلے ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ تھیں ایک مرکز پر جمع ہو گئیں یعنی اور اُن کے باہم ایسے خوشگوار اور برادرانہ تعلقات پیدا ہو گئے تھے جس کی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔

یہ عقیدہ توحید دنیا کے لئے کوئی نئی چیز نہ تھا کیونکہ یہ ہمیشہ سے ہر آسمانی مذہب کا بنیادی عقیدہ ہے۔ یہاں تک کہ مسیحی مذہب میں بھی (جسے تثلیث پر اصرار ہے) توحید موجود تھی اسی بنا پر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو قرآن مجید میں اس طرح مخاطب کیا گیا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے

تم کہدو کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسے کلمہ (بات) کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم سوا اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دیں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے علاوہ رب قرار دے،

اس آیت سے صراحتہً یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ کو مسلمانوں کے ساتھ ایک ایسے عقیدہ پر متحد کرنا چاہتے تھے جو درحقیقت اُن کی آسمانی کتابوں میں موجود تھا لیکن زمانہ مابعد میں کسی نہ کسی حد تک ان کتابوں میں تحریف واقع ہوئی، اس وجہ سے توحید کی تعلیم جو ان کتابوں میں موجود تھی دوسرے مشرکانہ عقائد و رسوم کے ساتھ مخلوط ہوگئی، اسلام صرف یہ چاہتا تھا کہ اہل کتاب پھر اپنے اصلی دین پر واپس آجائیں۔ اور اُن کے پیغمبروں نے توحید کی جو تعلیم انھیں دی تھی اس پر قائم رہ کر خدا کے آخری پیغمبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف کریں۔

اہل کتاب کے علاوہ دوسرے کفار و مشرکین کو بھی اسلام نے توحید کی دعوت دی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے توحید کو ایک ایسا مرکز قرار دیا جس پر جمع ہونے کے بعد دنیا کی مختلف قوموں میں اتحاد ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے اور ان کے سارے اختلافات مٹ سکتے ہیں اور یہ ظاہر کہ دنیا کی مختلف قوموں کا اس طرح متحد ہوجانا اور ان کے باہم خوشگوار تعلقات کا پیدا ہونا، عالم انسانیت کے لئے موجب خیر و برکت ہے۔ اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے دوسرے لیڈروں اور خود ساختہ مذاہب کے بانیوں کی طرح مختلف فرقوں اور قوموں میں اختلاف پیدا کرانے کے لئے نہیں بلکہ انہیں متحد کرنے اور دنیا میں امن و صلح قائم رکھنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اسی بنا پر اللہ تعالےٰ نے آنحضرت سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت کی ذات بابرکات کو سارے جہاں کے لئے رحمت قرار دیا ہے،

یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے کہ وہ ہر "صداقت" کو خواہ وہ کہیں بھی ہو تسلیم کرتا ہے وہ یہود کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی کتاب توریت کو مانتا ہے، اسی طرح وہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی کتاب انجیل کا اعتراف کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جابجا سب پیغمبروں اور اُن کی کتابوں کی حقانیت و صداقت کا اعتراف کیا گیا ہے اور ان کی عظمت بیان کی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مختلف قوموں کے باہمی اختلافات کو مٹا کر انھیں متحد کرنا چاہتا ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں انجیل کی تعلیم ملاحظہ کیجئے، حضرت مسیح فرماتے ہیں،

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا، صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کردوں۔ اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے، (انجیل متی باب ۱۰۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶)

ایک اور موقع پر حضرت مسیح اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

"میں زمین پر آگ ڈالنے آیا ہوں، اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا۔ لیکن مجھے ایک اصطباغ لینا ہے اور جب تک وہ ہو نہ لے، میں کیا ہی تنگ رہونگا؟ کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے، کیونکہ اب سے ایک گھر کے پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں گے۔ دو سے تین، اور تین سے دو۔ باپ بیٹے سے مخالفت رکھے گا اور بیٹا باپ سے ماں بیٹی سے اور بیٹی ماں سے، ساس بہو سے اور بہو ساس سے"

(انجیل لوقا باب ۱۲۔ ۴۹ تا ۵۳)

مسلمان چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک جلیل القدر پیغمبر مانتے ہیں اس لئے وہ یقین نہیں کرسکتے کہ انھوں نے ایسا فرمایا ہو، بہرصورت اس سے مسیحی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسلامی ذہنیت اس سے یکسر مختلف ہے کیونکہ اسلام نہ صرف ایک گھر یا ایک خاندان کے افراد کو بلکہ مختلف خاندانوں اور قوموں کو بھی متحد کرنا اور اُن کے خیالات و اعمال میں ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس میں اسلام کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

عرب کے "ایام جاہلیت" یعنی زمانہ قبل اسلام کی حالت کون نہیں جانتا۔ اسلام کے ظہور تک وہاں یہ حالت تھی کہ مختلف قبائل میں ہمیشہ میدان جنگ و پیکار گرم رہتا تھا، غارت گری معیوب نہ تھی اس لئے جو صاحب قوت تھا وہ اپنے کمزور بھائی کا مال بزور چھین لیتا تھا، لیکن اسلام جو امن و صلح کا پیام لیکر آیا تھا اور سب لوگوں میں خوشگوار و برادرانہ تعلقات پیدا کرنا چاہتا تھا اس خطرناک حالت کو روا نہیں رکھ سکتا تھا، اس لئے سب سے پہلے اس فتنہ و فساد کے دور کرنے کی کوشش کی گئی اور وہ اس طرح کہ مختلف الخیال لوگوں کو ایک مرکزی عقیدہ توحید پر جمع کردیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اُن کے خیالات و اعمال میں ایسی ہم آہنگی و موافقت پیدا ہوئی کہ وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے، اور یہ اسی اتحاد فکر و عمل کا نتیجہ تھا کہ عرب کی پراگندہ قوم کو جس کا اپنے ملک کے باہر کوئی اثر و اقتدار نہ تھا غیر معمولی عظمت و شوکت حاصل ہوئی۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی عربوں کے اس انقلاب ذہنیت کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط

یعنی اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب کہ تم آپس میں دشمن، پھر اس نے الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہوگئے تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی، اور تم تھے آگ کے گڑھے کے کنارہ پھر تم کو نجات دی اُس سے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو پہلی ہدایت یہ کی گئی ہے کہ آپس میں ملکر رہو اور افتراق نہ پیدا کرو، لیکن نقطہ اتحاد کیا ہے؟ صرف ایک قادر مطلق کا اعتراف اور اس کے احکام کی اطاعت، جب یہ چیز حاصل ہوجائے گی تو اس کا لازمی نتیجہ اتحاد ہوگا۔ اور کوئی طاقت اُن میں پھوٹ نہ ڈال سکے گی، اور ظاہر ہے جب وہ متحد ہوجائیں گے تو مضبوط ہوجائیں گے اور اُن کی طاقت بڑھ جائے گی۔

صرف ۴۰۰۰ روپیہ سالانہ دیتی تھی۔ گزشتہ پانچ سال میں یہ رقم بڑھا کر ۹۵۰۰۰ کر دی گئی۔ مگر مسلم یونیورسٹی کی امداد ۴۸۶۰۰ روپیہ سے گھٹا کر ۴۴۶۰۰ روپیہ کر دی گئی کیا یونیورسٹی کی جنگی، اور معاشرتی خدمات کے صلہ میں حکومت صوبۂ متحدہ مسلم یونیورسٹی کو بھی وہ ہی مدد دینا منظور کرے گی جو بنارس یونیورسٹی کو مل رہی ہے کیا وجہ ہے کہ جب حکومت ہند دونوں یونیورسٹیوں کو برابر کی امداد دیتی ہے صوبۂ متحدہ ایک یونیورسٹی کو دوسری پر مرجح کر رہا ہے۔

صوبۂ متحدہ کا ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کا تعلیمی بورڈ۔ یو، پی بورڈ اس صوبہ کا سب سے بڑا اور اہم تعلیمی ادارہ ہے۔ یو، پی انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن ایکٹ ۱۹۴۱ء کی رو سے اب اس بورڈ کو یہ اختیار نہیں رہا کہ اسکولوں کا نصاب آٹھویں درجہ تک کے لئے مقرر کرے۔ اب یہ اختیار محکمۂ تعلیم کو تفویض ہو گیا ہے۔ آٹھویں درجہ تک کے اسکولوں کو رکگنیشن دینے کا اختیار حلقہ انسپکٹروں کے ہاتھ میں رکھا گیا ہے۔

گزشتہ پانچ سال میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان میں سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ ہائی اسکول کے طلباء کو انگریزی کے علاوہ تمام مضامین کے پرچوں کا جواب اردو یا ہندی میں دینا پڑے گا۔ مگر یو، پی بورڈ کا چیرمین کسی طالب علم کو اس قاعدوں سے مستثنیٰ بھی کر سکتا ہے انٹرمیڈیٹ کے طلباء کو صرف اجازت دی گئی ہے کہ وہ انگریزی، یونانی لاطینی اور عبرانی زبانوں کو چھوڑ کر اور تمام مضامین کے پرچوں کا جواب اردو یا ہندی میں دے سکتے ہیں۔

یو، پی بورڈ کے زیر اہتمام جتنے تعلیمی شعبے ہیں قریب قریب سب ترقی کر رہے ہیں۔ مگر انٹرمیڈیٹ میں زراعت کا شعبہ روبہ تنزل ہے۔

ہائی اسکول میں ۱۹۳۶ء میں ۵۸ فیصدی طلباء کامیاب ہوئے ۱۹۴۲ء میں ۶۳ فی صدی کامیاب ہوئے۔ انٹرمیڈیٹ میں ۱۹۳۶ء میں ۶۰ فی صدی طلباء کامیاب ہوئے اور ۱۹۴۲ء میں ۶۴ فی صدی کامیاب ہوئے۔ مگر انٹرمیڈیٹ میں زراعت کے امتحان میں ۱۹۳۶ء کے مقابلہ میں ۱۹۴۲ء میں کامیاب ہونے والے طلباء کی تعداد ۹۱ فی صدی سے ۸۰ فیصدی رہ گئی یعنی ۱۱ فیصدی گر گئی۔ ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے اور یہاں زراعت کی تعلیم میں بد انتظامی بہت تشویشناک ہے۔ محکمۂ تعلیم کو اس طرف توجہ دینا چاہئے تاکہ طلباء کی زیادہ سے زیادہ تعداد ہر سال زراعتی کاموں کے لئے تیار ہو سکے۔

اس صوبہ میں ہائی اسکولوں کی ضرورت بہت بڑھتی جا رہی ہے ۱۹۳۶ء میں ۴۸۳۶ طلباء ہائی اسکول کے امتحان میں شریک ہوئے مگر ۱۹۴۲ء میں یہ تعداد ۲۰۵۳۳ تک پہونچ گئی۔ سررشتۂ تعلیم کو چاہئے کہ جلد سے جلد غیر سرکاری ہائی اسکولوں کو امداد دے کر امتحان کا مرکز قرار دے تاکہ عوام کی ضروریات بآسانی پوری ہو سکیں۔

اس صوبہ میں امدادی اسکولوں کی حالت بہت خراب ہے محکمۂ تعلیم کے اعلیٰ افسران ان اسکولوں کے منتظمین کی غیر ذمہ داری اور استادوں کی خراب حالت کی ہمیشہ شکایت کرتے رہے ہیں مگر ان افسران کے مشوروں کے مطابق کبھی عمل نہیں کیا گیا حکومت صوبۂ متحدہ نے ۱۹۳۹ء میں امدادی اسکولوں کی حالت کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ اس کمیٹی نے حکومت کو پانچ مفید مشورے دیئے۔

(۱) استادوں کی کم سے کم تنخواہ مقرر کر دی جائے تاکہ ان کی اقتصادی حالت خراب نہ ہونے پائے اور ان کی تنخواہ میں سالانہ ترقی بھی لازمی کر دی جائے۔

(۲) اسکولوں کی انتظامی مجلسوں میں استادوں سرکاری افسروں اور طلباء کے والدین کے نمائندوں کے لئے نشستیں مقرر کر دی جائیں۔

(۳) طلباء کی فیس میں کچھ اضافہ کر دیا جائے۔

(۴) مختلف جماعتوں میں داخلہ کے لئے عمر کی میعاد کم کر دی جائے۔

(۵) اسکولوں کے منتظمین اور ہیڈ ماسٹروں کے رشتہ داروں کو استاد مقرر ہونے سے روکا جائے

مندرجہ بالا مشوروں میں سے صرف آخری دو پر عمل کیا گیا ہے۔ ان مشوروں کے متعلق رائے عامہ حکومت نے طلب کی تھی لیکن ضرورت ہے کہ ان کی روشنی میں احکام صادر کئے جائیں۔ فی الحال یو، پی بورڈ کے قوانین میں ایک ترمیم بہت ضروری ہے کمپارٹمنٹل کے طلباء کو صرف ایک مضمون میں امتحان دینے کے لئے سال بھر تک انتظار کرنا پڑتا ہے جس میں بیکار وقت ضائع ہوتا ہے اگر اس قسم کے امتحانات ستمبر کے مہینے میں لے لئے جایا کریں تو وقت، روپیہ اور محنت سب چیزوں کی بچت ہو۔ جب تمام مضامین کے لئے سال بھر مقرر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک مضمون چار مہینے میں تیار نہ ہو سکے ہمیں امید ہے یو، پی بورڈ کے ممبران اس مشورہ پر غور کریں گے۔ (ذو القرنین)

ملایا کی اسلامی ریاستوں کا انجام

مشرق بعید میں اسلام کے خود ساختہ محافظ جاپان نے اسلام پر ایک اور وار کیا ہے۔ اس کے وزیر اعظم جنرل توجو کے اعلان کے مطابق ملایا کی چار اسلامی ریاستیں کیدہ، پرلیس، کیلانتن اور ترنگانو سیام کو دے دی گئی ہیں۔

جنوبی سیام کے بیس لاکھ مسلمانوں کے ساتھ حکومت سیام کا اب تک جو سلوک رہا ہے۔ اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ قیاس کرنا مشکل نہیں کہ ان خالص اسلامی ریاستوں کا انجام کیا ہونے والا ہے جنوبی سیام دراصل ملایا کی اسلامی ریاستوں کا جزو تھا جسے سیامی حکومت بتدریج زبردستی اپنے قبضہ میں لاتی رہی ہے۔ ۱۹۳۴ء سے سیامی گورنمنٹ کی پالیسی یہ رہی ہے کہ ان ملائی مسلمانوں کی اسلامی معاشرت بالکل ختم کر دی جائے۔ اور انھیں بحیثیت مسلمان بالکل فنا کر دیا جائے۔ چنانچہ سیام کے مسلمانوں کو حکماً سیامی لباس پہننا پڑتا ہے اور وہ اسلامی لباس نہیں پہن سکتے۔ عربی زبان میں تعلیم حاصل نہیں کر سکتے سیامی رسم و رواج کے پابند ہیں۔ اسلامی دستور پر نہیں چل سکتے۔ صرف چودہ برس کی عمر تک بچوں کو مذہبی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد نہ اس کا کوئی انتظام ہے اور نہ اجازت ہے۔

اسکولوں میں مسلمان بچوں کو بودھ مت کی تاریخ لازماً پڑھنی پڑتی ہے۔ تاریخ اسلام کی اجازت نہیں۔ مسلمانوں کو جمعہ کے دن چھٹی کر لینے کی اجازت نہیں۔ وہ اپنے مدرسے اور مکتب جاری کر سکتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ انھیں اسلامی نام رکھنے کی اجازت نہیں۔ اس کے لئے کڑی سزا دی جاتی ہے اور وہ بودھ مت کے نام رکھنے پر مجبور ہیں۔ مسلمانوں کو ایسے علاقوں میں الگ رکھا گیا ہے۔ جہاں حکومت سیام طویل سزا کے مجرموں کو قید رکھتی ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے موجودہ جنوبی سیام دراصل شمالی ملایا کا حصہ تھا۔ اس میں چھوٹی چھوٹی آزاد اسلامی ریاستیں تھیں۔ جن کے حکمران سلطان کہلاتے

... وفات کے بعد ان کے شہزادوں کو سیامی حکومت نے تخت نشین نہیں ہونے دیا۔ اور ان کی ریاستوں کو اپنا جزو بنالیا۔ ان واقعات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ کیدہ، پرلیس، کیلانتن اور ترنگانو کا بھی اسی طرح خاتمہ ہو جائے گا۔ ان ریاستوں کی آبادی ۱۱ لاکھ ۳۳ ہزار ۴ سو چالیس ہے۔ اس میں ۸۰ فی صدی ملائی مسلمان تھیں ۱۰ فی صدی چینی، ۴ فی صدی ہندوستانی اور ۲ فیصدی باقی۔

ملایا پر جاپانیوں کا قبضہ ہونے تک یہ ریاستیں برطانیہ کی حفاظت میں تھیں اور اپنے معاملات میں بالکل آزاد تھیں۔ اسلام ان کا سرکاری مذہب تھا۔ ان کی زبان ملائی۔ دستور، رسم و رواج، معاشرت، تہذیب اور روایات تمام اسلامی تھیں۔ (نئی زندگی)

حفاظتِ چشم کے طریقے

جس طرح جسمانی مشنری کے اوزار کثرت استعمال اور حفاظت و تقویت کی تدابیر اختیار نہ کرنے سے خراب و ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر چشم بینائی کی طرف سے لاپروائی برتی جائے اور ان کی حفاظت و تقویت کی طرف دھیان نہ دیا جائے تو یہ بھی خراب و کمزور ہو کر اپنے فعل کو چھوڑ دیتی ہے۔ چنانچہ اسی لاپروائی اور تحفظ چشم کی تدابیر سے عدم واقفیت کے طریقوں سے عوام کم و بیش چھ لاکھ نابینا موجود ہیں۔ اگر بینائی کی حفاظت و تقویت کے طریقوں سے عوام واقف ہوں اور ان پر عمل کریں۔ تو اندھوں کی تعداد میں بہت کمی ہو سکتی ہے۔ اور اگر واقف کار اشخاص دوسروں کو تحفظ چشم کے طریقے اور تدبیریں بتلاتے رہیں۔ تو وہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت انجام دیں۔ اسی جذبے کے ماتحت تحفظ چشم کی چند تدابیر و طرائق درج کئے جاتے ہیں۔

طالب علموں کے لئے مفید طریقے

نظر کو تقویت دینے اور ان کی حفاظت کے لئے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ پڑھتے وقت گردن زیادہ نہ جھکے۔ پڑھنے کی کتاب یا لکھنے کی چیز اور آنکھوں کے درمیان کم از کم ایک فٹ کا فاصلہ ضرور ہونا چاہئے۔ ناکافی روشنی میں نہ پڑھنا چاہئے۔ عمر کے لحاظ سے گھنٹہ دو گھنٹہ پڑھ کر چھوڑ دینا چاہئے۔ آنکھ دکھنے کی حالت میں پڑھنے لکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ گرد و غبار، دھوئیں اور آگ وغیرہ میں کام نہ کریں۔

آنکھوں کی حفاظت کی مفید عام باتیں

آنکھ کو دن میں دو ایک دفعہ سرد پانی سے دھونا اور صاف رکھنا نظر کو تقویت دیتا ہے۔ روشنی کو بالکل آنکھوں کے سامنے نہ رکھنا چاہئے بلکہ روشنی کو قدرے بائیں جانب جھکا ہوا ہونا چاہئے۔ روشنی میں کام کرنے والے اشخاص کو کچھ دیر کے بعد اپنے کام کی نوعیت کو بدل دینا چاہئے۔ مثلاً ایک دو گھنٹے پڑھ کر لکھنے اور اسی طرح ایک دو گھنٹے لکھ کر پڑھنے میں مشغول ہو جانا چاہئے۔ اور اس قسم کا کوئی کام مسلسل نہ جاری رکھیں۔ صبح کو صاف اور تازہ ہوا میں سیر کرنا سرسبز گھاس، پھول خوشنما اور دلفریب مناظر کی طرف دیکھنا نظر کی تقویت و حفاظت کے لئے مفید ہے۔ جس وقت پڑھتے پڑھتے آنکھیں تھک جائیں تو کسی خوبصورت چیز کی طرف دیکھنا چاہئے۔ جسم کو صاف اور ستھرا رکھنا بھی آنکھ پر مفید اثر رکھتا ہے۔ گندے میلے ہاتھوں سے آنکھوں کو نہ ملنا چاہئے۔ ریگ، کنکر اور دھوئیں وغیرہ سے آنکھوں کو محفوظ رکھیں۔ عینک کا استعمال کسی سند یافتہ ماہر کے مشورے سے کرنا چاہئے۔ اور اگر آنکھوں میں کوئی دوا ڈالنے کی ضرورت ہو تو کسی قابل طبیب وید یا ڈاکٹر سے [illegible] ڈالنا چاہئے۔ عمدہ صحت، صاف خون، طاقتور اعصاب اور عمدہ آنکھ کی صحت و حفاظت کے ضامن ہیں۔ جن کی آنکھیں کمزور ہوں ان کو کھانے کے بعد ہی نہ سونا چاہئے۔

نظر کو کمزور کرنے والی عادتیں

چمکدار روشنی اور سورج گرہن کے وقت دیکھنا آنکھ کے پٹھوں کو کمزور کرتا ہے۔ آئینے کو دھوپ میں رکھ کر اس میں دیر تک دیکھنا بھی نقصان دہ ہے۔ کشیدہ کاری کا کام اور باریک حروف پڑھنا۔ رونے کی زیادتی۔ دن کو زیادہ سونا۔ سیدھے لیٹ کر کتاب پڑھنا وغیرہ عادات بھی بینائی کو ضرر پہنچاتی ہیں۔ دھواں، گرد و غبار، گرم اور زیادہ سرد ہوا بھی نظر کو نقصان دیتی ہے۔ شراب، چرس، افیون، تمباکو، سنکھیا، دھتورا، بھلانواں وغیرہ زہریلے اور نشیلے اجزا کی عادت یا ان چیزوں کا دھواں آنکھوں کے لئے مضر ہے۔ بدہضمی، قبض، ذیابیطس، جوڑوں میں درد وغیرہ بیماریاں بھی نظر کو کمزور کرتی ہیں۔ کثرت جماع، شراب نوشی، کھانے میں بے احتیاطی، کھانا کھاتے ہی فوراً سونا [illegible] نقصان پہنچاتا ہے۔ نیند اور بیداری دونوں [illegible] آنکھوں کے لئے مضر ہے۔ ناکافی روشنی [illegible] چاندنی میں لکھنے پڑھنے سے بھی نظر پر [illegible] اثر پڑتا ہے۔ چلتی گاڑی یا تانگہ یا ریل وغیرہ [illegible] اخبار یا کتاب پڑھنا بھی نظر کو ضرر پہنچاتا ہے۔ [illegible] دھوپ میں چلنا بھی بینائی کو نقصان دیتا ہے۔

نظر کی تقویت و حفاظت کی مفید اشیاء

شلجم کچا کھانا کمزوری نظر کو دور کرتا ہے۔ اسی طرح [illegible] کا استعمال بھی نظر کی تقویت کا موجب ہے۔ [illegible] سے بصارت کی افزائش و حفاظت کے واسطے گاجر بہترین چیز ثابت ہوئی ہے۔ جس میں ایک جزو ہوتا ہے جو شکوری (رتوندہ) کے دفعیہ اور انسداد کے واسطے مخصوص ہے۔ پس گاجر بھی ضرور کھانی چاہئے۔

سونف اور مصری ملا کر رات کو سوتے وقت ایک تولہ کھانا [illegible] نظر کو قوی اور تیز کرتا ہے۔ درحقیقت سونف کا اس طریقہ پر مسلسل استعمال کچھ دنوں میں عینک کی عادت بھی چھڑا دیتا ہے۔

سرمے کو ہری سونف کے پانی میں کھرل کر کے لگانا نظر کی تقویت و حفاظت کے واسطے بہت ہی مفید ہے۔ جب آنکھ میں درد ہو تو کچھ دیر کے لئے آنکھ کو بند کر دو۔ آنکھ میں جلن ہو تو صاف پانی سے دھونا مفید ہے۔ اگر زیادہ رونے کا اتفاق ہو تو عرق گلاب میں کپڑا تر کر کے آنکھ پر رکھنا اور آنکھ کو عرق گلاب سے دھونا چاہئے۔

آنکھ دکھنے کی مفید دوا

افیون ۴ رتی، پھٹکری سفید ۲ ماشہ دونوں کو باریک کر کے عرق گلاب ۵ تولہ میں حل کریں اور حفاظت سے شیشی میں رکھیں۔ بوقت ضرورت ۲ قطرے صبح و شام آنکھ میں ڈالیں۔ (ملخص از تعلیم)

"لیڈر پارہ نما"

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان کا ذکر کیا ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے اور برباد ہی

کے قریب پہنچ گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت والفت پیدا کردی اور تباہی وہلاکت سے بچالیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ باہم جدال وقتال میں مصروف تھے اُن کا آپس میں دوست اور ایک دوسرے کا مددگار وغمگسار بن جانا کوئی معمولی بات نہیں، کوئی لیڈر کسی جنگجو قوم کی ذہنیت اس طرح نہیں بدل سکتا چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت اپنے کلام پاک میں اس طرح ظاہر فرمائی ہے۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ ط اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

یعنی اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ کہ سارے ملک میں ہے سب کا سب، نہ الفت دے سکتا اُن کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈال دی اُن کے دلوں میں اور وہ غالب ہے حکمت والا۔

اس آیت میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہ ہر شبہ سے بالاتر ہے، ہندوستان کی حالت ہمارے پیش نظر ہے کہ یہاں ایک زمانہ دراز سے ہندو مسلمان میں سخت اختلاف ہے اور خود مسلمان بھی باہم لڑ رہے ہیں، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی مخالفت کے انجام بد سے ناواقف نہیں ہے، بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ لڑائی اور جھگڑا ملک کے امن وامان کے لئے سخت مضر اور ہندوستان کی ترقی وآزادی میں ایک سخت رکاوٹ ہے لیکن یہ جانتے ہوئے بھی سب آپس میں لڑ رہے ہیں۔

ہندوستان کے ہر فرقہ میں کچھ ایسے اتحاد پسند و امن پسند لیڈر اور مذہبی رہنما بھی موجود ہیں جو برابر یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ان اختلافات کو مٹاکر لوگوں میں اتحاد و یگانگت پیدا کریں لیکن ابھی تک اس میں مطلق کامیابی نہیں ہوئی، وہی ہنگامہ آرائی ہے اور وہی فتنہ وفساد اور یہ سب کچھ ایسے زمانہ میں ہو رہا ہے جب دنیا بہت ترقی کر چکی ہے اور لوگ اپنے نفع ونقصان کو سمجھتے ہیں۔

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مختلف قوموں یا ایک ہی قوم کی مختلف جماعتوں میں اتحاد پیدا کرنا کتنا مشکل و نازک کام ہے لیکن یہ تاریخی حقیقت سب کے سامنے ہے کہ بہت جلد اسلام نے سرکی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت قلیل مدت میں عرب جیسی جنگجو قوم کو اس قدر مہذب وشائستہ بنا دیا کہ دنیا کی دوسری قوموں نے اس سے حسن معاشرت کے آئین وآداب سیکھے۔ اور اس کی اخلاقی منزلت اور بہترین خصائل کا دشمنوں تک نے اعتراف کیا۔ یہ اسلام کا اتنا عظیم الشان معجزہ ہے جس کی مثال کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

بےشک دنیا کی چند اور قوموں نے بھی معمولی حالت سے ترقی کرکے دولت وعزت، یا حکومت وسلطنت حاصل کی ہے لیکن جس حیرت انگیز سرعت اور ہمہ گیری کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں نے ترقی کی اور اپنی قوم کو ہر پہلو سے انسانیت کے مرتبہ اعلیٰ پر پہنچایا وہ آپ اپنی مثال ہے۔

یہ تو پہلے بھی ہوا ہے کہ کسی دلیر وجفاکش قوم نے اپنے زور بازو سے دوسری قوموں کو زیر کرکے حکومت حاصل کی، لیکن اس کے ساتھ وہ علمی یا اخلاقی حیثیت سے کوئی اونچا درجہ حاصل نہ کرسکی۔ اسی طرح بعض قوموں نے علم وہنر میں ترقی لیکن اُن میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ کوئی عظیم الشان سلطنت قائم کرکے غیر معمولی اقتدار حاصل کرتیں۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ انھوں نے کسی ایک شاہ راہ پر نہیں بلکہ ہر شاہراہ پر ایک شاہانہ انداز سے قدم رکھا اور زندگی کے ہر شعبہ میں نہایت سرعت وقوت اور پوری ہم آہنگی سے بیک وقت ترقی کی۔

آپ اسلام کے ابتدائی دور یعنی صحابہ کرام کی زندگی کا عمیق مطالعہ کیجئے اور اُس کے مختلف گوشوں پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام کی اس جماعت میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسے تھے جو بیک وقت عابد شب بیدار بھی تھے اور ماہر جنگ وپیکار بھی، مسجدیں ان کی تلاوت قرآن سے گونجتی تھیں اور میدان جنگ اُن کے نعرہ ہائے تکبیر سے، جنگ وپیکار کے وقت وہ مرد نبرد آزما تھے، اور خانگی زندگی میں فقیر بے نوا، رات کے وقت جب دنیا خواب راحت میں مست ہوتی تھی اُن کے سر بارگاہ خداوندی میں عبادت کے لئے جھکے رہتے تھے اور دن کو جب مہمات ملکی کے سرانجام دینے میں مصروف ہوتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے انہیں صرف حکمرانی اور فرمانروائی کے لئے پیدا کیا ہے، غرض واقعہ یہ ہے کہ علم وہنر زہد و عبادت، جہانگیری وجہانبانی، اور حسن معاشرت میں انھوں نے بیک وقت وہ امتیاز حاصل کیا جس پر دوسری قومیں رشک کرتی تھیں۔

مسلمانوں کی ترقی کے سلسلہ میں یہ بات خصوصیت سے لائق توجہ ہے کہ یہی نسل جو سخت وحشی وجاہل تھی اور ہمیشہ بد اعمالی وغارتگری میں مصروف رہتی تھی تعلیم نبوی سے مہذب وشائستہ ترین گئی، اور اپنی دولت، ملک وملت کی خدمت پر نثار کرنے لگی۔ اور اس میں اکثر کی وہ سب خوبیاں پیدا ہوگئیں جو ایک ترقی یافتہ قوم میں ہوتی ہیں۔

اس کے برخلاف دوسری قوموں نے بتدریج کئی نسلوں میں ترقی کی ہے، پہلی نسل اگر اپنے زور بازو اور سازگار حالات کی وجہ سے حکومت حاصل کرتی ہے تو اس کی حکومت اسی طرح کی ہوتی ہے جیسی نیم وحشی قبائل میں اُن کے سرداروں کی حکومت جو کسی آئین پر مبنی نہیں ہوتی، اس کے بعد دوسری نسل آتی ہے جو علم وہنر حاصل کرنے اور دوسری ہمسایہ قوموں سے تہذیب سیکھنے کی کوشش کرتی ہے، اور ایک باقاعدہ آئینی حکومت کی بنیاد ڈالتی ہے۔ لیکن اب بھی کچھ وحشیانہ رسمیں جو ایام جاہلیت کی یادگار ہیں اس میں موجود ہوتی ہیں، اس کے بعد جب تیسری نسل آتی ہے تو وہ تقریباً ایک نئے سانچہ میں ڈھل جاتی ہے لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تعلیم نبوی کی بےمثال قوت سے مسلمانوں نے یہ تینوں منزلیں تقریباً ایک ہی نسل میں طے کرلیں اور وہی لوگ جو کل تک اونٹ چراتے تھے، اب حکومت کرنے لگے اور انھوں نے ہر کام میں ایسی نکتہ سنجی، بصیرت، اور باریک بینی کا اظہار کیا کہ گویا وہ صدیوں سے ان کاموں میں منجھے ہوئے ہیں اور انصاف ومعدلت کے ایسے آئین بنائے کہ آج اس دور ترقی میں بھی اس پر کچھ اضافہ نہ ہوسکا،

اب غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ عظیم الشان انقلاب جس نے ایک وحشی وجاہل قوم کے افکار و اعمال بالکل بدل دئے، محض اس قرآنی تعلیم کا نتیجہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس دور اول میں قرآن مجید کے علاوہ مسلمانوں کے گرد وپیش اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جو ترقی کی محرک ہوسکتی۔

مسٹر محمد علی جناح پر جارحانہ حملہ

علی گڑھ میں اظہار رنج و ملال

جب علی گڑھ میں بمبئی سے یہ وحشتناک خبر موصول ہوئی کہ مسٹر محمد علی جناح پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو علی گڑھ شہر اور مسلم یونیورسٹی کے حلقہ میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ اور عام طور پر ہر شخص نے اس خبر کو نہایت رنج و غصہ کے ساتھ سنا۔

۲۷۔ جولائی کی شام کو ۶½ بجے حامد ہال میں مسلم یونیورسٹی یونین کا ایک غیر معمولی جلسہ زیر صدارت مسٹر محمد مختار آزاد (وائس پریسیڈنٹ یونین) اور اس کے بعد اسی ہال میں مسلم یونیورسٹی وارڈنگ کا ایک جلسہ زیر صدارت مسٹر شاکر حسین خاں منعقد ہوا۔ دونوں جلسوں کے صدر، اور ڈاکٹر محمد محمود احمد صاحب نیز بعض ممبروں نے پرجوش تقریریں کیں، اس کے بعد حسب ذیل رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوا۔

"(الف) مسلم یونیورسٹی مسلم لیگ کا یہ جلسہ اس کمینہ و بزدلانہ حملہ پر جو قائد اعظم محمد علی جناح پر کیا گیا انتہائی نفرت اور غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس جلسہ کے لئے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ قائد اعظم زیادہ مجروح نہیں ہوئے اور جو حملہ کیا گیا وہ ناکام رہا۔ اور اس کے لئے رب العزت کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

یہ جلسہ مسلمانان ہند سے اپیل کرتا ہے کہ وہ صبر و سکون سے کام لیں اور اس حادثہ سے متاثر نہ ہوں، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ حرکت مسلمان قوم کے اتحاد و یکجہتی میں رخنہ اندازی کی غرض سے کرائی گئی ہو۔

(ب) مزید براں یہ جلسہ مسٹر جناح کی صحت عاجلہ اور اُن کی درازی عمر کے لئے دست بدعا ہے تاکہ وہ اپنی عدیم المثال جرأت، استقلال اور تدبر سے مسلمانان ہند کے ملی مقاصد کی رہنمائی کر سکیں۔

مسلم یونیورسٹی یونین کا رزولیوشن بھی تقریباً اسی مضمون کا تھا۔ مسلم لیگ کے جلسہ میں خاکسار محمد افضل خاں سالار ناظم طلبائے ہند کا حسب ذیل بیان پڑھا گیا۔

"یہ وقت بات کو سمجھنے کا ہے۔ اتحاد کو توڑنا آسان ہے مگر پیدا کرنا مشکل ہے، اتحاد ضروری ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ شخص کسی کا ایجنٹ تھا جس نے مسلم لیگ اور خاکساروں کو الگ کرنے اور ان کی قوتوں کو برسرپیکار لانے کے لئے یہ کھیل کھیلا، ہم مسلمان اس فریب کو سمجھ کر اپنی دونوں کو ایک دوسرے کے سر پھوڑنے اور دشمن بن جانے میں ضائع نہ کریں،

ہم خاکسار اس ... کے دشمن ہیں جس نے مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے کی یہ کوشش کی، خدا ہم کو دشمنوں کی چالوں کو سمجھنے کی توفیق دے،

ہم جناح صاحب کی ہر تکلیف اور مصیبت میں اُن کے ساتھ ہیں"

مسلم یونیورسٹی کے علاوہ اسی تاریخ کو ضلع مسلم لیگ کی طرف سے دس بجے رات کو جامع مسجد میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جس میں اس حادثہ پر اظہار غم و غصہ کیا گیا۔

علی گڑھ میں ایک "بچہ مسلم لیگ" بھی ہے اس کے وائس پریسیڈنٹ مسیح الدین صاحب نے اطلاع دی ہے کہ اس لیگ نے بھی ۲۸ جولائی کو اپنا جلسہ منعقد کر کے اس "جاہلانہ و بزدلانہ حملہ" پر "غم و غصہ" کا اظہار کیا، اور مسٹر جناح کی درازی عمر کے لئے دعا مانگی تاکہ مسلمانان ہند اُن کی سرپرستی اور رہنمائی میں اپنا مقصد اعظم پاکستان حاصل کر سکیں،

جنگی قیدیوں کی تعداد

مرکزی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں سر فیروز خان نون ڈیفنس ممبر نے یہ بتایا کہ ۱۳۱ مئی ۱۹۴۳ء تک ہندوستانی جنگی قیدیوں کی تعداد ۷۷۰۰۰ تھی، ۱۳۳ ہندوستانی جنگی قیدی اٹلی سے واپس لائے گئے ہیں۔ جرمنی یا جاپان سے کوئی بیمار یا جنگی قیدی واپس نہیں لایا گیا۔

جنگی قیدیوں کا کوئی تبادلہ نہیں ہوا ہے۔ اب تک جو قیدی لائے گئے ہیں وہ بیمار تھے یا ایسے تھے جن کے بعض اعضاء بیکار ہو گئے تھے ان کے تبادلہ میں قومی امتیاز نہیں کیا گیا۔

غالباً یہ خبر دلچسپی سے سُنی جائے گی کہ حکومت بمبئی نے آئس کریم بنانے کے لئے دودھ اور کریم استعمال کرنے کی ممانعت کر دی ہے اس کارروائی کا مقصد یہ ہے کہ دودھ کا خرچ کم کیا جائے۔ بمبئی شہر اور اس کے مضافات میں خوراک کے راشن میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

(باہتمام (خانصاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

مینیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)　　ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۴)　　۲۶ اگست ۱۹۴۳ء مطابق ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ　　نمبر (۳۱)

ہمہ رواں میں "کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی" کے تین جلسے علی گڑھ میں منعقد ہوئے جس میں علاوہ مقامی ممبروں کے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ (دہلی) اور سجاد مرزا صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج (حیدرآباد) بھی شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ نیز ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی جو مرکزی اسمبلی کے اجلاس کی وجہ سے دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ جلسہ سے کچھ پہلے دہلی سے تشریف لے آئے۔

کمیٹی کا پہلا جلسہ دفتر کا [illegible] جہاں منزل میں اور باقی جلسے جناب وائس چانسلر صاحب کی کوٹھی پر منعقد ہوئے جس میں کافی غور و بحث کے بعد چند بنیادی امور طے ہوئے۔ اب امروز فردا میں کمیٹی کا ایک جلسہ دہلی میں ہوگا۔

رامپور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ہز ہائنس فرمانروائے رامپور خلد اللہ ملکہٗ نے حال میں مزید تین لاکھ روپیہ "گورنمنٹ آف انڈیا ڈیفنس بانڈ" میں لگائے جانے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اس رقم کو شامل کرنے کے بعد ریاست اور مقامی کارخانوں کا مجموعی حیثیت سے تقریباً ۰ الاکھ روپیہ گورنمنٹ آف انڈیا ڈیفنس بانڈ میں لگایا ہوا ہے۔

ہز ہائنس آغاز جنگ ہی سے مختلف طریقوں سے حکومت کی مالی و اخلاقی امداد فرما رہے ہیں اور ریاست کی پبلک بھی امداد جنگ میں کافی حصہ لے رہی ہے۔

رامپور کی ایک دوسری اطلاع سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ روز افزوں گرانی کی بنا پر ہز ہائنس دام اقبالہٗ نے ۵ روپے سے ۱۴ روپیہ تک تنخواہ پانے والے ملازمین کے لئے پانچ روپیہ ماہوار الاؤنس گرانی منظور فرمایا ہے پہلے یہ ملازمین تین روپیہ الاؤنس گرانی پاتے تھے۔

اس کے علاوہ ریاست کے ملازمین کو ارزاں نرخ پر گیہوں اور اسٹینڈرڈ کلاتھ بھی دیا جاتا ہے، جس سے ان کے مشکلات میں بہت کچھ کمی ہو گئی ہے۔

سر اسٹیفورڈ کرپس نے جو آج کل برطانیہ کے ہوائی جہازوں کی تیاری کے محکمہ کے وزیر ہیں برسٹل میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا کہ جن علاقوں کے لئے برطانیہ کی پارلیمنٹ ذمہ دار ہے وہاں جتنی زیادہ ضرورت اشاعت تعلیم کی ہے اتنی اور کسی چیز کی نہیں ہے۔ ہندوستان میں تعلیم کی ضرورت ہے اور ہندوستان کو جنگ کے بعد حکومت خود اختیاری دینے کا وعدہ کیا گیا ہے جس کے لئے اُسے تیار کرنے کے سلسلہ میں سخت بھاری کام انجام دینا ہوگا۔

انقرہ کی ایک اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ ترکی جو کپڑا پہلے برطانیہ سے خریدا کرتا تھا وہ اب ہندوستان سے خریدنے لگا ہے۔ چھ ہزار ٹن جوٹ جو ترکی نے ہندوستان سے خرید کیا ہے اب یہاں سے روانہ ہونے والا ہے۔ ترکی کو بوروں کے لئے جوٹ کی سخت ضرورت ہے۔ ۰۰ ۵ ٹن کپڑا ہندوستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶۔ اگست ۱۹۴۳ء

"لیڈر یا رہنما"

(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس مقصد کے لئے مامور ہوئے تھے اس میں آپ کو جیسی حیرت انگیز کامیابی ہوئی اور آپ کی تعلیم نے دنیا میں جو بے مثال انقلاب پیدا کیا اس کی تفصیل ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

مخالفین ومعاندین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور آپ کی تعلیم پر شدید نکتہ چینیاں کی ہیں اور ہر ممکن تدبیر سے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ حضور جس دین کی تبلیغ واشاعت فرماتے تھے وہ کسی وحی ربانی پر مبنی نہ تھا بلکہ (نعوذ باللہ) آپ کا خود ساختہ تھا، لیکن باوجود اس عداوت کے آج تک کسی بدترین مخالف اور دشمن اسلام کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ حضور اپنے مقدس مقصد یا مشن میں ناکامیاب رہے، اور اپنے کام کی تکمیل نہ فرما سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیام لوگوں کو ایسی حالت میں پہنچایا جب کہ وہ اس کے سننے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ ہر ممکن طریقہ سے یہ کوشش کرتے تھے کہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس نہ جائیں اور خدا کا کلام نہ سنیں،

قرآن مجید کا اثر اس قدر حیرت انگیز تھا کہ سلیم الفطرت لوگ جب اسے سنتے تھے تو ان کے دل پگھل جاتے تھے اور وہ بے اختیار اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے تھے اس لئے مشرکین نے بچوں اور عورتوں کو خصوصیت سے قرآن مجید سننے کی ممانعت کر دی تھی، اور اس کی خاص طور پر روک ٹوک کی جاتی تھی کہ صحابہ کرام کسی ایسے موقع پر قرآن مجید کی تلاوت نہ کریں کہ اس کی آواز دوسروں تک پہنچے

کفار کے اس معاندانہ رویہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ٥

اور کہا کافروں نے کہ کان لگاؤ اس قرآن کے سننے کو اور شور وغل کرو اس کے پڑھنے میں شاید تم غالب آجاؤ،

یہ شور وغل اس لئے برپا کیا جاتا تھا کہ قرآن مجید کی آواز لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچے، اس لئے یہ لوگ خانہ کعبہ کے پاس تالیاں پیٹتے اور سیٹیاں بجاتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبرانہ عزم واستقامت کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا۔ اور یہ اسی غیر متزلزل عزم واستقلال کا نتیجہ ہے کہ آخرکار قرآن مجید کی آواز دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچ گئی اور بے شمار انسانوں نے اس پیام خداوندی کو سنا، اور اس سے فائدہ اٹھایا۔

بے شبہ دنیا میں چند اور بھی ایسے رہنما یا بانیان مذہب گزرے ہیں جن کے لاکھوں (کروڑوں) پیرو آج موجود ہیں، اور جن کا نام اب بھی مختلف مذہبی رسوم ادا کرنے کے سلسلہ میں لیا جاتا ہے، لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان کا نام باقی ہے، پیرو موجود ہیں لیکن ان کی تعلیم "غائب" ناپید ہے، اور جو تعلیم یا عقائد مذہبی ان کی طرف منسوب ہیں ان کے متعلق یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ وہ تحریف وتبدیلی سے محفوظ ہیں،

اس کے علاوہ ان بانیان مذہب کی زندگی بھی اس قدر تاریکی میں ہے کہ ہم ان کا کوئی صحیح تصور نہیں کر سکتے، کچھ یوں ہی سی دھندلی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے لیکن وہ ایسی نہیں جس سے ہم انہیں پہچان سکیں، اور یہ سمجھ سکیں کہ وہ کون تھے، اور کیسے تھے،

ہمیں صحیح طور پر یہ بھی نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا کہا اور لوگوں کو کیا سکھایا، البتہ ان کے پیرو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا اور وہ کہا، لیکن اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کیا کہا اور کچھ کہا بھی یا نہیں! معتقدین نے بہت سی خلاف قیاس وانا اور متضاد باتیں ان کی طرف منسوب کر رکھی ہیں، اس لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان میں کون سی صحیح ہیں اور کون سی غلط! اس کے علاوہ ان مشہور ہستیوں میں کچھ ایسی بھی ہیں کہ خود ان کا وجود تاریخی حیثیت سے مشتبہ ہے۔

غرض اگر ان بانیان مذہب کے لاکھوں یا کروڑوں معتقدین اور پیرو دنیا میں موجود بھی ہوں جب بھی ایسی صورت میں کہ ان کی اصلی تعلیم مفقود ہو چکی ہے اور خود ان کے حالات پردہ خفا میں ہیں، اس کثرت تعداد کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور نہ یہ کثرت اس مذہب کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں اسلام کی یہ حالت ہے کہ اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشن وکامیاب زندگی کے پورے حالات ولادت سے وفات تک محفوظ ہیں۔ اور حضور کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو پردہ خفا میں ہو، اور دنیا اس سے ناواقف ہو گیا۔ آغاز آفرینش سے آج تک کوئی بانی مذہب یا مذہبی پیشوا ایسا گزرا ہے جس کی شبانہ روز کی زندگی کے سارے جزئیات ایسی تفصیل ووضاحت، اور ایسی احتیاط سے اس کے معتقدین نے قلمبند کئے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات

طیبہ کا ایسی مکمل صورت میں ہمارے سامنے موجود ہونا آپ کی صداقت کی ایک زبردست دلیل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کر کے آنحضرتؐ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار کیا ان کے دلوں میں آپ کی کس قدر عظمت ومحبت تھی ان کا منتہائے نصب العین یہ تھا کہ اپنی زندگی کے سارے کاروبار میں حضور کی پیروی کریں اور دینی احکام پر عمل کرنے کے علاوہ دنیوی زندگی میں بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں، لیکن یہ کوشش اسی وقت کامیاب ہو سکتی تھی جب آنحضرتؐ کی ساری زندگی ایک آئینہ کی طرح ہمارے سامنے موجود ہوتا کہ

ہم بھی اپنی زندگی اسی سانچہ میں ڈھال سکیں اسی بنا پر صحابۂ کرام نے آپ کی زندگی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی تاکہ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں بھی آپ کی پاکیزہ سیرت سے واقف ہو کر پیروی کی سعادت حاصل کر سکیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سب سے آخری پیغمبر اور دنیا کے سب سے بڑے ہادی و رہبر تھے اس لئے یہ ضروری تھا کہ اخلاقی حیثیت سے بھی آپ کا مرتبہ سارے انسانوں سے بلند و برتر ہو' تاکہ دوسرے لوگ آپ کی پیروی کر کے انسانیت کا حقیقی درجہ حاصل کر سکیں' اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا ہے' اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے آپ کا مرتبہ کس قدر بلند تھا' چنانچہ رسول اللہ سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے'

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

یعنی تم پیدا ہوئے ہو بڑے خلق پر'

دوسری جگہ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ الخ

اس کے علاوہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صراحتہً یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت پر مامور فرما کر خدا تعالیٰ نے ایمان والوں پر کتنا بڑا احسان کیا ہے' چنانچہ ارشاد ہوتا ہے'

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت کی بات' اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔

مذکورۂ بالا آیت سے صراحتہً یہ بات ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر لوگوں کو کتاب و حکمت سکھائی اور ان کا تزکیۂ نفس کر کے محاسن اخلاق کی تعلیم دی جس کا یہ اثر ہوا کہ جو لوگ صحیح راستہ سے بھٹکے ہوئے تھے صراط مستقیم پر آگئے اور انہوں نے دین و دنیا میں فلاح حاصل کی' بس یہی تھا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا جو پورا ہو گیا' اس لئے ہم بے تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور آپ نے ایک مختصر سی مدت میں اپنا فرض رسالت شاندار طریقہ سے ادا کر کے دین کی بنیادیں مستحکم و استوار کر دیں۔ یہ ایسی حیرت انگیز کامیابی ہے جو آغاز آفرینش سے آج تک دنیا کے کسی مذہبی رہنما یا لیڈر کو نصیب نہیں ہوئی۔

خود قرآن مجید سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر عہد رسالت میں دین الٰہی بہمہ وجوہ مکمل ہو گیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے دسویں سال حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ حضورؐ کا آخری حج تھا' اسی لئے "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے یہ مسلمانوں کا سب سے آخری اور سب سے زیادہ شاندار اجتماع تھا جو عہد رسالت کے آخری دور میں ہوا' جس نے کفر و شرک اور اوہام جاہلیت کا پورے طور پر قلع قمع کر کے دین کی بنیادیں مضبوط و مستحکم کر دیں' اور آفتاب اسلام پوری آب و تاب سے درخشاں ہو گیا۔

مسلمانوں کے اس شاندار اجتماع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بہت سے احکام کی تعلیم دی' اور یہ فرمایا کہ جو لوگ یہاں حاضر ہیں یہ احکام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں' اس موقع پر آپ نے اپنی وفات کی طرف بھی اشارہ فرمایا' اور حاضرین کو گواہ ٹھہرایا کہ میں نے احکام الٰہی کی تبلیغ کر دی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی' (جس کے تین مہینہ بعد آنحضرت نے رحلت فرمائی)

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ

یعنی آج ناامید (مایوس) ہو گئے کافر تمہارے دین سے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو' آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان (انعام) اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین'

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب سب احکام دین نازل ہو چکے تھے' کفر و شرک کا استیصال ہو چکا تھا' خود ساختہ معبودوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا' اور جزیرۃ العرب کے دشت و جبل صدائے اللہ اکبر سے گونج رہے تھے' نیز آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت سے ایک ایسی جانثار اور فدا کار جماعت تیار ہو چکی تھی جو دین کی خاطر موت کو زندگی پر ترجیح دیتی تھی' اور جسے کسی قسم کی قربانی و ایثار میں تامل نہ تھا' اس عہد آخر میں اسلام کو اس قدر سربلندی حاصل ہو چکی تھی کہ کفار و مشرکین اس سے بالکل مایوس ہو چکے تھے کہ اب جزیرۃ العرب میں خدائے واحد و قہار کے سوا کسی دوسرے معبود کی پرستش ہو سکے گی' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو جھوٹے معبود خانۂ کعبہ اور سرزمین عرب سے ذلت و خواری کے ساتھ نکال دئے گئے تھے انہیں پھر آج تک وہاں جانا نصیب نہیں ہوا۔

یہ سارا انقلاب محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے اتنی مختصر مدت میں ہو گیا کہ دنیا آج تک حیرت زدہ ہے کیونکہ تاریخ عالم میں ایسے عجیب دوررس انقلاب کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ جو تعلیم دیتے تھے اس میں کس قدر جاذبیت تھی کہ جو شخص ایک دفعہ اس سے متاثر ہو جاتا اسکو دین مبین کی صداقت و حقانیت پر اس قدر یقین ہو جاتا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے عقائد و خیالات میں تزلزل نہیں پیدا کر سکتی تھی۔

مسلمانوں کی یہ خوش نصیبی دوسری قوموں کے لئے لائق صد رشک ہے کہ ان کے پیغمبر نے انہیں جو تعلیم دی تھی وہ آج بھی موجود و محفوظ ہے۔

غرض اس ساری دنیا میں مسلمان ہی واحد قوم ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کے سوانح حیات' تعلیمات اور اپنی آسمانی کتاب کو بتمام و کمال محفوظ رکھا' نہ صرف

تقے اور اسہال کے انسداد کے لئے مقیئات اور مسہلات استعمال کرائے جاتے ہیں۔ یورپ میں ۲۲ سال بعد اٹھارویں صدی میں اس نظریہ پر توجہ کی گئی اور جرمنی کے مشہور ڈاکٹر ھانیمان نے سنہ ۱۷۹۰ء میں اس پر غایت توجہ کے ساتھ عمل کیا۔ اس طریقہ کے مفصل دلائل اور متعلقہ بحث انشاء اللہ العزیز دوسرے طب کے ذیل میں پیش کروں گا۔

علاج کا ایک یہ طریقہ جو بقراط نے ایجاد کیا وہ "طب مائی" یا "علاج بالماء" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ گو بقراط اس کا موجد ہے لیکن جالینوس اور شیخ الرئیس نے اس کو بہت زیادہ وسعت دی ہے۔ "ہیڈرو پاتھی" (HYDROPATHY) یا "ہیڈرو تھراپیوٹک" (HYDROTHERAPPUTIC) ہر دو یونانی الفاظ ہیں جن کا مفہوم "پانی سے علاج کرنا" ہے۔ اس طریق کے ماتحت جملہ امراض کا علاج پانی سے کیا جاتا ہے۔ بقراط کا یہ آزمودہ معالجہ ہے۔ اور ہر قسم کے مایوس مریضوں کو اس سے شفا ہوئی ہے۔ اٹھارویں صدی میں یورپ میں اس کا رواج ہوا اور کافی ترقی ہوئی۔ متذکرہ صدر ہر دو معالجات اگرچہ یونانیوں کی تخلیق ہیں اور اسی تعلق سے ان کا تذکرہ یونان کے تحت میں کر دیا ہے۔ (طبی دنیا)

محمڈن کالج مدراس کی سلور جوبلی

محمڈن کالج مدراس کی سلور جوبلی کی رسم نہایت شاندار طریقہ پر ۲۵ تا ۳۱ اگست سنہ ۱۹۴۲ء منائی جائے گی۔ اس سلسلہ میں نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ جو آٹھ شعبوں پر تقسیم ہوگی۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

شعبہ اول۔ اعداد و شمار کے گوشوارے۔ تناسب کو ظاہر کرنے والے ترسیمے اور نقشے ظہور اسلام قرون اولیٰ میں اسلام کی اشاعت۔ مسلمانوں کے فتوحات اور قرون وسطیٰ میں اسلامی سلطنتیں اور اسلام کے اثرات اور عصر حاضر میں اسلامی ممالک۔ ہندوستان اور مسلمانوں کی حالت۔

شعبہ دوم۔ تاریخ اور تاریخی خرائط (۱) خلفاء اسلام۔ اموی عباسی فاطمی اور عثمانی خلفاء۔ اور اندلس کے اموی فرمانروا (۲) سلاطین اسلام۔ سلاجقہ ممالیک۔ ایوبیہ۔ ایران اور وہاں کے سلاطین سلاطین دہلی۔ سلاطین دکن۔ میسور اور کرناٹک کے رؤسا (۳) وزرائے اسلام (۴) دوازدہ امام (۵) مشاہیر اسلام۔ مورخین۔ جغرافئین۔ سیاحین۔ مہندسین۔ حکماء منجمین۔ اطباء۔ جراحین۔ صوفیہ۔ فلاسفہ۔ فقہاء۔ رواۃ۔ مفتی۔ مصور وغیرہ وغیرہ۔

شعبہ سوم۔ دنیا کے تمدن میں مسلمانوں کا حصہ۔ (خریطوں اور نقشوں کے ذریعہ) کتب خانے۔ دواخانے۔ رصدگاہیں۔ مکتب و مدرسے۔ بیت الحکمۃ۔ بیمارستان (شفاخانے وغیرہ) آثار و ابنیہ۔ عمارتوں و مسجدوں کی تصویریں یا نقشے اور چوبی نمونے۔ مسلمانوں کی مشہور عمارتوں کے نقشے۔ مختلف طرز کی مصوری اور نقاشی۔ مصور مخطوطات خطاطی کے مرقعے۔ فرامین اور طغرے۔ بلاد اسلام دمشق۔ بغداد۔ قرطبہ۔ دہلی اور استنبول کے تخطیطی خریطے مختلف شہروں کے مناظر۔ مکے اور مدینے کے چوبی نمونے دستکاری۔ چینی اور فلزی برتنوں پر اسلامی نقش و نگار۔ چوبی اور عاج کی صنعتیں۔ قالین سازی اور ایرانی قالین۔

شعبہ چہارم۔ اسلامی سوسائٹی۔ ایک اسلامی مکان کا اندرونی منظر۔ اسلامی لباس اور زیور۔ سامان زیب و زینت۔ رسم و رواج کو ظاہر کرنے والی تصاویر اعیاد اور مذہبی مراسم کی تصاویر۔ سلاطین اسلام کے دربار۔ دربار کے لوازم۔ سامان حرب۔ تلوار۔ خنجر نیزے وغیرہ۔ وہ اشیاء جو مشاہیر اسلام کے استعمال میں رہی ہیں۔

شعبہ پنجم۔ سلاطین اسلام کے سکے۔ مختلف دور کے مختلف نمونے۔

شعبہ ششم۔ اسلامی ادبیات۔ اردو زبان۔ ہندو مسلم تمدن کی مشترکہ میراث۔ مدارس اور اسلامی زبانوں کی خدمت۔ گزشتہ صدی کے مطبوعات۔ مدرسہ اعظم کے مطبوعات۔ عربی فارسی کتابیں جو فورٹ سینٹ جارج کے مطبع میں چھپی ہیں۔

شعبہ ہفتم۔ مستشرقین اور تاریخ و تمدن اسلام کی نسبت ان کی اہم تصنیفات۔

شعبہ ہشتم۔ محمڈن کالج کی تدریجی ترقیوں کے ترسیمات۔

توقع ہے کہ یہ نمائش اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت اہم۔ اسلامی تمدن و تہذیب سے عوام و خواص کو واقفیت کرانے کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔

ہندوستان کے بڑے شہروں میں راشن مقرر کرنے کا فیصلہ

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں کھانے کی چیزوں کا راشن مقرر کرنے کے لئے ابتدائی تدبیریں شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ بہت جلد ہی بمبئی میں راشننگ کے سلسلہ میں ایک ترتیبی نصاب جاری کیا جائے گا جہاں راشن کی اسکیم پر بہت تسلی بخش طریقہ پر عملدرآمد کیا جائے گا۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند نے یہ فیصلہ انگریز ماہر مسٹر کرلی کی رپورٹ پر کیا ہے جو سنہ ۱۹۴۰-۴۲ء میں حکومت برطانیہ کے محکمہ خوراک کے مشیر رہے تھے۔ حکومت نے جو فیصلے کئے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ

(۱) ہندوستان کے تمام بڑے شہروں میں کارڈوں کے ذریعہ راشن تقسیم کرنے کی ایک جامع اور باقاعدہ اسکیم پر عملدرآمد شروع کیا جائے۔

(۲) اس حقیقت کی وجہ سے کہ بعض علاقوں میں غلہ کی سپلائی کی حالت تسلی بخش نہیں ہے۔ راشن کے تعین کا التوا کسی حالت میں بھی مناسب نہ ہوگا، بلکہ سپلائی کے حالات کا غیر یقینی ہونے کی وجہ سے یہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ راشن کی ایک اسکیم پر سختی کے ساتھ عملدرآمد کیا جائے۔ حالات بہتر ہونے پر ابتدائی راشن میں اضافہ کیا جا سکے گا۔

(۳) صوبجات اور ریاستوں کو ایک یکساں نمونہ کی اسکیم پر عمل کرنا چاہئے۔ اور صرف مقامی حالات کے مطابق اس کے معمولی تفصیلات میں ترمیم و تنسیخ کر لی چاہئے۔ اس امر کا اطمینان کرنے کے لئے سب کو حصہ رسدی راشن ملتا رہے گا۔ نیز صرف ان اشیاء کا ہی نہیں جو آج کل قلیل مقدار میں ملتی ہیں بلکہ تمام اشیاء خوردنی کا راشن مقرر کرنے کے لئے پوری احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

(۴) یہ مناسب ہے کہ خوراک کے متعلق مشاورتی یا خوراک کے کنٹرول کی کمیٹیاں تمام ملک میں مقرر کی جائیں، کیونکہ راشننگ کی کسی بھی اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ جہاں کہیں ممکن ہو غلہ کے تجربہ کار تھوک فروش بیوپاریوں کا تعاون حاصل کیا جائے جنھیں غلہ کی تجارت کے متعلق وسیع معلومات اور تجربات ہوتے ہیں۔

ریاست جے پور میں اردو کی حیثیت

سر مرزا محمد اسمٰعیل صاحب وزیر اعظم ریاست جے پور نے حال میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلسہ میں تقریر فرماتے ہوئے اردو کا ذکر بھی چھیڑا اور بتایا کہ اس وقت جے پور میں اردو کے مسئلہ کی کیا نوعیت ہے، اس سلسلہ میں آپ نے جو خیالات ظاہر کئے وہ حسب ذیل ہیں۔ اڈیٹر

"حکومت جے پور نے حال میں جو اعلان رسم الخط کے بارے میں جاری کیا ہے۔ اس کے متعلق مسلمانوں کو بالخصوص پایہ کے مسلمانوں کو اب بھی کچھ غلط فہمی باقی ہے اور بعض ناواقف لوگوں کا خیال ہے کہ جے پور گورنمنٹ، یا میں خود ریاست کی عدالتوں و دفاتر سے اردو مٹانا چاہتا ہوں، اردو نہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے بلکہ ہمارے بے شمار ابنائے وطن کی مادری زبان ہے، اور اردو نے ہندوستان کی زبانوں میں وہی جگہ حاصل کرلی ہے۔ جو دنیا کی کرنسی میں سونے کو حاصل ہے۔ اور کوئی شخص اردو کو نہیں مٹا سکتا اور نہ اس کو اس جگہ سے ہٹا سکتا ہے جو اس نے ہندوستان کی زبانوں میں حاصل کرلی ہے۔

چونکہ ریاست جے پور میں قریباً ۹۰ فی صدی اشخاص دیوناگری رسم الخط سے واقف ہیں، اس لئے جے پور گورنمنٹ نے ان کی سہولت کے خیال سے اعلان کیا ہے کہ جو اشخاص اردو رسم الخط سے ناواقف ہیں وہ دیوناگری استعمال کرسکتے ہیں لیکن اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ اردو استعمال نہ کی جائے، بلکہ ریاست کے دفاتر و عدالتہائے میں آزادی کے ساتھ نہ صرف اردو بلکہ ہندی اور انگریزی تینوں زبانیں استعمال ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔"

حج کے متعلق حکومت کا فیصلہ

نئی دہلی۔ ۱۴، اگست۔ کل مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں نواب صدیق علی خاں نے ایک رزولیشن کے ذریعہ پرزور مطالبہ کیا کہ حکومت ہند اس سال حج کی اجازت نہ دینے کے متعلق اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے اور زائرین کے جہاز لے جانے کا کسی واحد کمپنی کو اجارہ نہ دیا جائے۔

نواب صدیق علی خاں نے کہا کہ جنگ کے پہلے تین سالوں میں حج کے لئے جہاز دیئے گئے اگرچہ اس تمام عرصہ میں اتحادیوں کے مقاصد پر آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی رہیں۔ اب اتحادیوں کو جو شاندار فتوحات ہو رہی ہیں ان کے پیش نظر اس سال حج کے لئے جہاز نہ بھیجنے کا فیصلہ مایوس کن، افسوسناک اور عاجلانہ ہے جب تک لڑائی جاری ہے خطرات بھی موجود رہیں گے لیکن اب فتوحات کے باعث خطرہ کم ہے۔ ادھار اور پٹہ کے قانون کے ماتحت جو جہاز اور موٹریں حاصل کی جارہی ہیں ان میں سے کچھ جہاز اور موٹریں سمندر اور خشکی کے راستوں سے جانے والے زائرین حج کے لئے بھی آسانی سے دی جاسکتی ہیں اس رزولیشن پر بحث سے ایک دن قبل حکومت نے اس بارے میں اپنے فیصلہ کا اعلان کرکے اس ہاؤس کی تحقیر کی ہے۔

سید غلام بھیک نیرنگ، خان بہادر پراچہ، مسٹر عبدالحلیم غزنوی، مولانا ظفر علی خاں، مسٹر کاظمی، سید مرتضیٰ بہادر اور مسٹر کیلاش بہاری لال، سردار سنگل سنگھ اور نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اس تحریک کی حمایت میں تقریریں کیں۔

سمندر پار ملکوں کے ہندوستانیوں کے محکمہ کے ممبر ڈاکٹر این، بی کھرے نے حکومت کی جانب سے کہا کہ میں ہندو ہوں اور میرا دھرم مجھے تمام مذاہب کا احترام سکھاتا ہے اگر میں امسال حج کے لئے انتظام کرسکتا تو مجھے انتہائی مسرت ہوتی۔

ڈاکٹر کھرے نے رائے عامہ کی تضحیک کے الزام کی تردید کی اور فرمایا کہ جاپان ۱۹۴۲ء میں جنگ میں شامل ہوا اور اس وقت سے اس راستہ کی حالت جو کہ زائرین حج کے جہاز اختیار کرتے ہیں بہت خطرناک ہوگئی ہے اور مجھے محکمہ متعلقہ سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ پچھلے سال کے مقابلہ میں اس سال صورت حالات اور بھی زیادہ خطرناک ہوگئی ہے۔ جہازی قافلے روانہ کرنے کی تجویز کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر کھرے نے فرمایا کہ تجربہ سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ زائرین اس سخت ڈسپلن کی پابندی نہیں کرسکتے جو کہ ایسی صورت میں ضروری ہوتا ہے۔

سر رضا علی نے بھی اس رزولیوشن کی حمایت کی۔ سر فیروز خاں نون نے اس کی مخالفت میں تقریر کی یہ رزولیوشن ۲۸ ووٹ کے مقابلہ میں ۳۲ ووٹ سے۔

"لیڈر یا رہنما"

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۴ کا)

سفینوں میں بلکہ سینوں میں، اگر آج خدانخواستہ قرآن مجید کی ساری جلدیں صفحۂ ہستی سے غائب کردی جائیں جب بھی قرآن مجید لاکھوں مسلمانوں کے سینوں محفوظ رہے گا۔

اسلام ابتدا ہی سے ایسے بدترین دشمنوں کے نرغہ میں رہا جن کا مقصد زندگی ہی یہ تھا کہ اس دین متین کو دنیا سے فنا کردیں لیکن مسلمانوں نے قرآن مجید کی اس طرح حفاظت کی کہ آج تک کسی بدباطن حریف کو یہ موقع نہ ملا کہ وہ قرآن مجید کا ایک نقطہ یا زیر و زبر بھی تبدیل کرسکے، قرآن مجید کا یہ ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور دنیا پر اسلام کی برتری و فوقیت ثابت کرتا رہے گا۔

دنیا کے دوسرے مذاہب بھی اپنی الہامی یا آسمانی کتابیں ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں لیکن وہ کسی طرح بھی ہمیں یقین نہیں دلا سکتے کہ یہ کتابیں بعینہ وہی ہیں جو ابتدا میں تھیں۔ کیونکہ خود ان مذاہب کے معتقدین اور دوسرے محققین میں ان کتابوں کے متعلق سخت اختلاف ہے کہ ان کے کون سے حصے یا باب اصلی ہیں اور کون سے الحاقی، اور یہ کہ کون سا حصہ کس زمانہ میں لکھا گیا، چنانچہ انجیل کے متعلق بھی اس قسم کے بہت سے مباحث کتابوں میں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد انجیلیں ایسی ہیں جو ایک مسیحی فرقہ کے نزدیک صحیح و معتبر ہیں اور دوسرے کے نزدیک محض فرضی و غلط، اسی طرح دوسری مقدس کتابوں کی اصلیت کے متعلق سخت اختلافات ہیں جن کی تفصیل پیش کرنے کا یہ موقع نہیں۔

اس کے علاوہ یہ کیسی عجیب و افسوسناک بات ہے کہ مختلف مذاہب کی جو مقدس کتابیں آج جس حالت میں بھی موجود ہیں وہ بھی ان کے ماننے والوں کے سینوں میں محفوظ نہیں نہ وہ ان کے سارے معانی و مطالب پر حاوی ہیں۔ عوام کا ذکر نہیں بلکہ مذہب کے بڑے بڑے حامی یا پیشوا بھی ان کتابوں کے حافظ و ماہر نہیں ہیں، اس کے برخلاف قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ ایک دس بارہ سال کی عمر کا مسلمان بچہ پورا

قرآن مجید فرفر سنا دیتا ہے اور سننے والے بھی ایسے ہیں کہ اگر کہیں لغزش زبان سے ایک زیر و زبر کی غلطی بھی ہو جائے تو فوراً ٹوک دیتے ہیں۔

بعض دفعہ رمضان شریف میں شبینہ کے سلسلہ میں یہ نوعمر بچے ایک رات میں قرآن مجید سنا دیتے ہیں، اور یہ کوئی غیرمعمولی بات نہیں بلکہ ایسے لاکھوں بچے ہمارے ملک میں موجود ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ حیرت انگیز حفاظت کس طرح ہوئی؟ واقعہ یہ ہے کہ آج تقریباً ۱۴ سو برس پہلے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ قرآن مجید کی حفاظت کرے گا۔ اس اعلان کے یہ الفاظ ہیں۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ٥

اس آیت میں نہایت مضبوط و مستحکم طریقہ سے خدا نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہم قرآن مجید کے نگہبان ہیں، اب یہ ظاہر ہے کہ جس کا خود اللہ نگہبان ہو، اس میں کون تصرف کر سکتا ہے؟

شمشیر چکر

قندھار کے علاقہ میں ایک غار ہے۔ جسے "شمشیر غار" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کے مرکز میں ایک گول چکر ہے۔ جو لوہے سے بنایا گیا ہے اس کے چاروں طرف تلواریں لگی ہوئی ہیں۔ چکر بڑی تیزی سے حرکت میں رہتا ہے۔ اور ذرا بھی نہیں تھمتا۔ صدیاں گذر گئیں وہ برابر گھوم رہا ہے۔ بڑے بڑے سائنسداں معلوم نہیں کر سکے کہ یہ کس طرح حرکت کر رہا ہے۔

اس علاقہ میں ایک پہاڑی ہے۔ جس کو شیو تلان کہا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں اس کا نام شیو بھولے تھا۔ اس پہاڑی میں ایک گپھا ہے جس سے ہندو انجینیری کا کمال ٹپکتا ہے۔ آپ تمام دن چکر لگائیں۔ لیکن گپھا ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔ جب آپ باہر آنے کا خیال کریں تو دروازہ آپ کے نزدیک آجائے گا۔

یہ گپھا افغانستان کے ہندوؤں کا سب سے بڑا تیرتھ ہے۔ وہاں ہر سال میلہ بھی لگتا ہے۔ گپھا کی چھت سے سبزی مائل پانی ٹپکتا ہے، اور گپھا کی تہ میں غائب ہو جاتا ہے۔ اس میں ایک چلو پینے سے بھنگ کا نشہ ہو جاتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے ہندوؤں نے پہاڑی کا نام شیو بھولے رکھا تھا۔

اسی غار کے اندر ایک تالاب ہے۔ اس کی تہ میں قدرتی چشمے ہیں۔ اور ان میں سے تالاب میں پانی آتا رہتا ہے۔ تالاب میں ہندو اشنان کرتے ہیں۔ غار کے ایک حصے میں قدیم زمانے سے لوہے کی چادریں لگی ہوئی ہیں، جو آگ سے ہر وقت گرم و سرخ رہتی ہیں۔ ان کے نزدیک جانے کی مجال نہیں۔ اس کی دوسری طرف قدرتی طور پر آگ ہر وقت روشن رہتی ہے۔ مگر یہ راز کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ کہ یہ آگ کیوں اور کس وجہ سے روشن رہتی ہے۔ جسے لوہے کی چادروں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ یہاں گنگا کی ایک مورتی پتھر سے بنی ہوئی موجود ہے جس کے یاتری درشن کرتے ہیں۔ غار میں پتھروں سے بنی ہوئی دکانیں ہیں دکاندار بھی پتھر کے ہیں۔ پتھر کے تھال پتھر کی بنی ہوئی مٹھائیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہر قسم کی مٹھائی موجود ہے۔ اسی شکل میں جیسی کہ ہندوستان میں بنائی جاتی ہیں۔ غرضکہ سائنسداں بھی اس شمشیر چکر اور غار کے دیگر عجائبات سے دنگ ہیں۔ (شمع زندگی)

دہلی یونیورسٹی اور مسلمان

ہمعصر منشور رقمطراز ہے کہ مرکزی اسمبلی میں سلسلہ مسودہ قانون دہلی یونیورسٹی مسلم لیگ پارٹی کی طرف سے ایک تجویز پیش کی گئی کہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر منتخب کرنے والی کمیٹی میں جو تین ممبر رکھے جا رہے ہیں ان میں ایک مسلمان بھی لیا جائے۔

مسٹر جمنا داس مہتا جو اس قرار داد تہنیت میں جو مسٹر جناح کی سلامتی پر اسمبلی میں پاس ہوئی اپنی وسعت قلب و نظر کا ثبوت دے چکے ہیں، اس تجویز پر بہت برافروختہ ہوئے اور مسلم لیگ کا یہ مطالبہ ان کو حسب معمول فرقہ وارانہ تعصب پر مبنی اور تعلیمی مندر کی توہین معلوم ہوا اور انھوں نے فریاد کی کہ مذہب اور تعلیم کی اہانت نہ کی جائے۔

بہر حال گذشتہ نصف صدی سے ان تدبیروں کے ذریعہ سے اپنے مقاصد پورے کئے جا رہے ہیں اس کے معنیٰ صرف یہ ہیں کہ تعلیم کا شعبہ ہندوؤں کے حوالہ کر دیا جائے، مسلمان کبھی اس میں کوئی دخل نہ پائیں۔ اس وقت تک مسلمانوں کی نشستوں کا تعین نہ ہونے کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ دہلی یونیورسٹی کے ۴۲ ممبروں میں سے صرف تین مسلمان ہیں، اور دہلی یونیورسٹی میں مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تجویز منظور نہیں ہوئی۔

گرانیٔ اجناس اور حکومت ہند

دہلی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ مرکزی حکومت اور صوبہ کی حکومتوں میں غلہ اندوزی اور منافع بازی کے خلاف آرڈیننس جاری کرنے کے سوال پر نامہ و پیام ہو رہا ہے چونکہ اس بارہ میں ڈیفنس آف انڈیا رولز کے مجوزہ آرڈیننس پر عملدرآمد صوبوں کی حکومتوں کو کرنا ہے اس لئے حکومت ہند چاہتی ہے کہ ان کو اپنے مجوزہ اقدام کے بارے میں اعتماد میں لے لے۔

صوبوں کی حکومتوں کو لکھا گیا ہے کہ ملک میں خوراک کی صورت حالات روز بروز بگڑتی جاتی ہے اس لئے وہ اپنی رائے سے جلد آگاہ کریں۔

غیر سرکاری ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بمبئی میں راشن سسٹم اس لئے ناکامیاب رہا کہ ابھی تک راشن کارڈ کیش نہیں ہو سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے غلہ کی بڑی مقدار دبا رکھی ہے۔

یہ بھی اطلاع پہنچی ہے کہ کلکتہ اور اس کے اطراف کے رقبے سے ۳ لاکھ من غلہ اور چاول برآمد کیا گیا ہے اور بنگال کے نیم سرکاری حلقوں کی رائے ہے کہ بنگال میں چاول کی اتنی مقدار چھپی ہوئی ہے کہ نومبر تک بنگال والوں کا گذارہ ہو سکتا ہے، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اڑیسہ میں فالتو چاول پڑا ہے، لیکن اس صوبہ کی گورنمنٹ یہ چاول بنگال کو دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

چاند گرہن اور توہمات

۱۵۔ اگست کو جو چاند گرہن ہوا اس کے متعلق گرہن سے پہلے کسی جوتشی صاحب نے ایک طویل پیشین گوئی شائع کی تھی جس میں علاوہ اور باتوں کے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ یہ گرہن حسب ذیل مقامات پر نظر آئے گا۔

جرمنی، جاپان، پولینڈ، امریکہ، انگلینڈ، اٹلی، بلجیم، مصر، افغانستان، ٹرکی، بلغاریہ، یونان اور ہندوستان، خصوصاً بنگال، بہار، آسام، برما، الہ آباد، دہلی، اور وسط ہندوستان میں اس گرہن کا اثر زیادہ ہوگا۔ اور اس کے اثرات چھ مہینے کے اندر ظاہر ہوں گے۔

یہ بھی لکھا ہے کہ اس گرہن کا سنسار میں جو پربھاؤ پڑے گا اس کے نتیجے کے طور پر جگہ جگہ کال پڑے گا۔ چوروں اور لٹیروں کی تعداد بڑھیگی، زلزلے، آندھیاں، طوفان اور سیلاب آئیں گے۔ لڑائی زور پکڑے گی۔ بیماریاں پھیلیں گی، اور جاڑوں میں پیدا ہونے والے اناج کا ناش ہوگا۔

صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی کامیابی

صوبہ سرحد کے متعلق یہ پروپگنڈہ کیا جاتا تھا کہ وہ ایک کانگریسی صوبہ ہے اور پٹھانوں کی اکثریت کانگریس کے زیر اثر ہے لیکن اب ایک موقع آنے پر یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہوگئی کہ یہ پروپگنڈہ بے بنیاد تھا،

حال میں بیک وقت چار ضمنی الیکشن ہوئے ان میں سے ہر جگہ کے لئے کانگریس اور مسلم لیگ نے اپنے امیدوار کھڑے کئے، اور مسلم لیگ نے پاکستان کی بنیاد پر اپنے نامزد کردہ اصحاب کی تائید کے لئے ووٹروں سے درخواست کی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ کے چاروں امیدوار غیر معمولی اکثریت سے کامیاب ہوگئے۔

شہر پشاور کے حلقہ سے مسلم لیگی امیدوار کو ۴۷۰۰ رائیں حاصل ہوئیں اور کانگریسی ممبر کو ۱۵۰۲۔

ایک دوسرے حلقہ سے مسلم لیگ کے امیدوار کو ۲۱۵۰ رائیں ملیں اور کانگریس کو صرف ۸۸۳۔ اسی طرح تیسرے حلقہ میں بھی مسلم لیگ کے امیدوار کو غیر معمولی اکثریت حاصل ہوئی،

ان اعداد سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صوبہ سرحد کانگریسی صوبہ ہے۔

مہابھارت کا روسی ترجمہ

روس کے ماہرین سنسکرت نے اعلان کیا ہے کہ ہندوؤں کی زبردست رزمیہ نظم مہابھارت کی پہلی جلد کا ترجمہ مکمل ہوگیا ہے۔ دیگر جلدوں کا ترجمہ کیا جا رہا ہے اور آئندہ چند برسوں میں نظم کا مکمل ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

روس میں سنسکرت کے ممتاز عالم پروفیسر کالینے ناف نے اخبار والوں سے کہا کہ انہوں نے بہت سے نوجوان ادیبوں کو بھی تعلیم دی ہے تاکہ وہ اس کام میں ان کی مدد کریں۔ انہوں نے کہا کہ "روسی صاحبان ذوق کے حلقوں میں مہابھارت کو بہت بڑی ہردلعزیزی حاصل رہی ہے اور اب اس کی ہردلعزیزی میں اس لئے اور بھی زیادہ اضافہ ہوگیا ہے کہ متحدہ اقوام تہذیب کی حفاظت کے لئے جنگ کر رہی ہیں۔ یہ زبردست نظم جو وطن اور انسانیت کی محبت کے جذبہ سے مملو ہے آجکل کے عام موضوع سے بے حد ہم آہنگ ہے" پہلی جلد کی طباعت بہت جلد شروع ہو جائیگی

جاپان میں جنگی قیدی

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ برطانیہ کے دفتر امور خارجہ کے نمائندہ نے بتایا کہ جاپانیوں نے اتحادیوں کے صرف ۶۵ فیصدی جنگی قیدیوں کے نام بتائے ہیں جو جاپانیوں کے ہاتھوں میں قید ہیں، اندازہ کیا جاتا ہے کہ جاپانیوں کے پاس ایک لاکھ انگریز، ۷۵ ہزار ہندوستانی، ۲۰ ہزار آسٹریلین، ایک لاکھ ۲۵ ہزار ڈچ، ۲۵ ہزار امریکی اور ۲ ہزار کنیڈین قید ہیں، اب تک ہندوستانی جنگی قیدیوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔

(باہتمام رضا خان صاحب، جوہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

جے پور میں اسلامی تہذیب اور عربی فارسی اردو کے اثرات

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ فروری ۱۹۴۳ء کے لئے بعض ارباب علم نے مختلف عنوانوں پر مقالات لکھے تھے۔ جو افسوس ہے کہ وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے، جلاس میں نہیں پڑھے جا سکے، منجملہ ان مقالات کے ایک مقالہ مولوی محمد عبد المغنی صاحب ایم اے صدر شعبہ اردو فارسی مہاراجہ کالج جے پور (راجپوتانہ) نے تحریر فرمایا تھا جو بہت سے مفید و دلچسپ معلومات پر مشتمل ہے یہ مقالہ ناظرین کانفرنس گزٹ کی دلچسپی اور اضافہ معلومات کے لئے ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

جناب صدر محترم خواتین اور حضرات کرام!

نیاز مند جے پور میں عربی فارسی کے اثر اور اردو کے تدریجی ارتقا کا مختصر حال عرض کرتا ہے امید ہے کہ اس حقیر نذرانہ کو شرف قبولیت سے مشرف فرمائیں گے۔

۱۔ صوفیائے کبار اور ان کا اثر تاریخ کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب تمدن اور ثقافت کا رواج ہندوستان میں عام طور پہلے بے لوث مخلص اور ایثار پسند مبلغوں عالموں اور صوفیوں کی ذات سے ہوا ہے۔ جنھوں نے اپنے اعلیٰ کردار اور عمدہ اخلاق سے عوام کو متاثر کرکے دلوں میں گھر کر لیا اور دلوں کا انقلاب جو تلوار سے انجام پانا محال ہے۔ ان کی زبانوں سے درجہ تکمیل کو پہنچا۔ اسلامی تہذیب اور ثقافت کے علمبردار حضور خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سنجری چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اجمیر تشریف آوری کے بعد دہلی میں غلام خاندان کی بنیاد پڑی اور اجمیر سے خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اس طرح راجپوتانہ کے ریگزار کو ان کی ذات بابرکات نے مرکز تبلیغ بنا دیا۔ ان کی آمد کے بعد خود سلطان علاؤ الدین خلجی قلعہ رنتھمبور کے فتح کرنے کے سلسلہ میں عرصہ تک راجپوتانہ میں مقیم رہا۔ مگر سوائے اس کے کہ کچھ قندھاری پٹھان ایک قصبہ کھنڈار آباد کرکے راجپوتانہ میں رہ پڑے یا کھلچی پور کے نام سے ایک موضع آباد ہو گیا اس حملہ کا اور کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا۔

۲۔ شیخاوت خاندان اور اس کی روایات امیر تیمور کے حملہ سے کچھ پہلے جبکہ دہلی کے تخت پر تغلق خاندان متمکن تھا، راجپوتانہ کی تاریخ سے دو اہم واقعوں کا حال معلوم ہوتا ہے، جس سے ریاست جے پور میں اسلامی تہذیب اور ثقافت کے رائج ہونے کی ابتدا کا پتہ چلتا ہے۔

اول واقعہ کرنل ٹاڈ اپنی تصنیف تاریخ راجستان میں بیان کرتے ہیں، شیخاوت سردار راجہ اودے کرن آمیری کے تیسرے لڑکے بالوجی کی اولاد میں سے ہیں راجہ اودے کرن کی تخت نشینی آمیر کی گدی پر ۱۳۸۱ء میں واقع ہوئی۔ موکل جی پسر بالوجی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، ان ایام میں شیخ برہان الدین عرف بابا برہان جن کا مزار اجرول سے چھ میل کے فاصلہ پر موضع تالہ میں واقع ہے بغرض تبلیغ اس علاقہ میں جو اب شیخاواٹی کہلاتا ہے۔ دورہ فرما رہے تھے شیخ برہان نے موکل جی سے کچھ دودھ مانگا اتفاق سے اس کی بھینس کے تھنوں میں بالکل دودھ نہ تھا۔ شیخ کی کرامت سے اس بھینس کے خشک مرجھائے ہوئے تھنوں سے دودھ کی دھاریں جاری ہو گئیں یہ دیکھ کر موکل جی شیخ کا نہایت مخلص معتقد بن گیا اور ان سے درخواست کی کہ اس کے لئے صدق سے اولاد کی دعا فرمائیں بابا برہان رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے اس کے کئی لڑکے ہوئے سب سے بڑے لڑکے کا نام شیخ جی رکھا گیا اس کی اولاد شیخاوت کہلائی اور اس خطہ کا نام شیخاواٹی ہو گیا۔ اس واقعہ کو تقریباً پانچ سو سال کا عرصہ ہو گیا۔ مگر اب بھی یہ کیفیت ہے۔ کہ شیخاوت خاندان کے جو لوگ مسلمان نہیں ہیں وہ بھی اس واقعہ کی یادگار کو اس طرح زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ وہ سور حرام حلال کرتے ہیں اور کوئی اس کا شکار تک نہیں کرتا اور جب تک کسی جانور میں سے خون نہیں نکل جاتا اس وقت تک اس کو نہیں کھاتے۔ جب ان کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کو بدھی پہنائی جاتی ہے اور اکثر وہ شیخ کے مزار ہی پر اتاری جاتی ہے بچہ کو شیخ کی ہدایت کے مطابق نیلا کرتہ اور ٹوپی پہناتے ہیں اور اسلامی طریقہ پر کلمہ پڑھ کر بکرا ذبح کرتے اور اس کا خون بچے پر چھڑکتے ہیں۔ شیخاواٹی کے دس ہزار مربع میل کے وسیع رقبہ میں اس نسل کے افراد اس رسم کو پوری پابندی کے ساتھ ادا کرتے اور فرو گذاشت کو سخت منحوس تصور کرتے ہیں شیخاوتوں کے قومی جھنڈے پر اب بھی نیلا رنگ شیخ ہی کی یادگار رہ گیا ہے۔ یہ لوگ شراب کو بھی حرام خیال کرتے ہیں جس کا ذکر کرنل ٹاڈ سے رہ گیا ہے۔

۳۔ قائم خانی خاندان اور اسلامی نوابیاں دوسرا واقعہ مولوی عطا محمد خاں د.م خانی اپنی تصنیف "واقعات قوم قائم خانی" میں لکھتے ہیں کہ موٹا راؤ چوہان حاکم دودریرہ یا دو دیواہ کے تین بیٹے جے چند، جبر سنگھ اور کرم سنگھ جب جوان ہوئے تو برضا و رغبت مسلمان ہو گئے اور ان کے اسلامی نام بالترتیب زین الدین خاں، جبر الدین خاں اور قائم خاں ہوئے یہ فیروز شاہ تغلق کا زمانہ تھا کرم سنگھ نے ۱۳۸۶ء میں اسلام قبول کیا اور اس کا اسلامی نام قائم خاں رکھا گیا، یہ سید ناصر وزیر اعظم کے زیر تربیت رہا اور حضرت قطب الاقطاب شیخ نور الدین خلیفہ اعظم حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صاحب منصب اور مالک حصار ہونے کی دعا دی۔ سید ناصر کی وفات کے بعد یہ وزیر اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ اس قائم خاں کا ذکر تاریخ فرشتہ میں بھی ہے۔ قائم خاں کے پوتے نواب فتح خاں ابن تاج خاں نے ۱۴۴۹ء میں شہر فتح پور کی جو سیکر میں آج کل ایک موضع ہے بنیاد رکھی۔ یہ ریاست فتح پور براہ راست مغلیہ سلطنت سے تعلق رکھتی تھی اس کے علاوہ مسلمان نوابوں کی اور ریاستیں قائم قائم ہوئیں جن کی راجدھانیاں جھنجھنوں۔ نرہڑ۔ نرواسی۔ جھاڑ وپی اور کیڈ تھیں۔ آئین اکبری جلد دوم میں لکھا ہے "عمده بو عالم درجہل کرده ہے وسی کروہے، دار الخلافہ آگرہ عشرت ترکار فزود ے خاصہ باری سیادی و آلاپور حصار و سنام و بشندہ و بھٹیرہ و پٹن و پنجاب و فتح پور و جھنجھنوں و ناگور و میرٹھ و جودھپور و آمیر و سرنابن و دیگر جاہائے دور دست ایں صید گاہ اساس یافتہ بود" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح پور اور جھنجھنوں جودھپور اور آمیر کے

ہم پہنچتیں۔ فتح پور کا قلعہ آج بھی موجود ہے اور اس کے کچھ محلات بھی باقی ہیں زنانہ محلات کے صدر دروازہ کے مشرقی کونے میں۔ کتبہ کندہ ہے۔

اللہ کافی

عجب عمارتے بار و نقے ولمعانی
بنائے محکم باد و بستاد ناں باقی
بحکم دولت خاں شیر بے الف خانی
شدست ظاہر تاریخ جنت ثانی

سم خاں کے بیٹے جلال خاں نے جلال سر آباد کیا اور جو بیس میل کے گرداگرد رفاہ عام کی نیت سے ایک بیڑ جھڑوا دیا جو اب تک وقف چلا آتا ہے اور اس زمانہ سے اس علاقہ کی تمام رعایا اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ شہر جے پور اور ریاست کے علاقہ میں مقبروں، باولیوں، مسجدوں نیز ہندو عمارتوں میں بھی فارسی کتبے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

۴۔ **جے پور کا فارسی دفتر** جے پور کا سلطنت مغلیہ کے ساتھ جو خلوص اور وفاداری کا سلوک رہا ہے۔ وہ عام تاریخوں سے ظاہر ہے۔ اس کا ذکر تحصیل حاصل ہوگا البتہ اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ یہاں کے قدیم دفتر میں تمام شاہی ریکارڈ فارسی میں ہے۔ مہاراجہ مان سنگھ کے وقت تک کا ریکارڈ تو بدقسمتی سے گل کر کھاد ہو گیا مگر بعد کے کاغذات سب محفوظ ہیں۔ مرکزی حکومت سے مراسلت فارسی میں ہوتی تھی، ریاست کی طرف سے دربار شاہی میں خفیہ نویس اور وقائع نویس رہا کرتے جو دربار شاہی کی خبریں "اخبار معلی" کے نام سے پرچوں میں لکھ کر بھیجتے تھے۔ اور اس طرح دربار شاہی کی یومیہ خبریں مرتب کی جاتی تھیں۔ یہ پرچے غیر مرتب طور پر سرکاری پوتھی خانہ میں موجود تھے۔ حال ہی میں ان کو تاریخ وار مرتب کیا گیا ہے اور عالمگیر کے عہد کے پرچوں سے سر جادو ناتھ سرکار نے استفادہ کیا ہے۔ ۱۹۲۲ء تک جے پور ہر حیثیت سے آئین اکبری میں لکھے ہوئے طرز حکومت کا نہایت مکمل نمونہ پیش کرتا تھا۔ اس ریاست کا قدیم ریکارڈ ہندوستان کی تاریخ پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک بے مثل ذخیرہ رکھتا ہے۔

۵۔ **ہندوؤں کے کارنامے** مرکزی حکومت سے خصوصی تعلق کی وجہ سے تہذیب، تمدن اور علم میں یہ ریاست ہمیشہ راجپوتانہ میں ممتاز رہی ہے۔ یہاں کے راجہ نہایت روشن خیال تعلیم یافتہ اور مردم شناس تھے، اس لئے ہندو خاندانوں میں فارسی کا علم خوب رائج تھا، میر منشی کا عہدہ زیادہ تر کایستھوں کے پاس رہا کچھ عرصے قبل تک کایستھ خاندانوں میں خانگی خط و کتابت فارسی میں ہوا کرتی تھی اور شادی بیاہ کے رقعے تو اب بھی کہیں کہیں فارسی میں لکھے جاتے ہیں۔ جے پور میں فارسی اور اردو زبانوں کی خدمت میں کایستھوں اور دیگر ہندو اقوام کے افراد کی مساعی کا کافی حصہ ہے۔ موہن سنگھ بانی قصبہ منوہر پور فارسی زبان کا اچھا شاعر تھا۔ سلطنت مغلیہ کے عمال میں سے اکثر کایستھ جے پور آئے منشی تلسی رام نے **دیوان حافظ** کا ترجمہ بھاشا میں کیا۔ جو اب بھی ان کے خاندان میں قلمی کتاب کی صورت میں موجود ہے۔ منشی کنول نین ماتھر محافظ دفتر نیز مصاحب جے پور نے **رامائن، مہابھارت** اور **سنیچر جی کی کتھا** کا نقلی ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے جو ان کے خاندان میں **منشی موہن لال** ہیڈ ماسٹر کے پاس محفوظ ہے۔ منشی رام جی داس مشہور میر منشی فارسی کی اچھی قابلیت رکھتے تھے اور ان کی اولاد میں منشی چاند **بہاری لال صبا** اب بھی **میرزا محمد تقی بیگ مائل** دہلوی کے جانشین ہیں اور اپنی شاعری سے اردو ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ منشی راجبیداس مذکور اور راول بیریسال کا **میرزا غالب** سے سلسلہ خط و کتابت بھی تھا۔ منشی ہردیو پرشاد سری واستو سابق سب جج نے ایک مثنوی فارسی زبان میں علم تصوف پر لکھی ہے۔ منشی رنگی لال سپرنٹنڈنٹ محکمہ مردم شماری نے کریا کا ترجمہ ہندی میں نظم کیا ہے منشی راجیون بہاری نے نادر الحساب اردو زبان میں تالیف کی ہے۔

۶۔ **فارسی، اردو اور مقامی بولیوں کا میل جول** جے پور کی خاص خاص بولیوں میں برج بھاشا، مارواڑی، جھاڑ شاہی یا ڈھونڈاری شامل ہیں ان تینوں بولیوں میں فارسی کے الفاظ کثرت سے داخل ہوگئے ہیں "حال تا ہیں" "ابھی تک" کے معنوں میں اردو میں تو رائج نہیں مگر ان بولیوں میں عام طور پر بولا جاتا ہے۔ **مارواڑی بولی** جنسی جذبات کے اظہار میں خاص قدرت رکھتی ہے اگرچہ شاعری کی اور خوبیاں اس میں کم ہیں حسن مارواڑ اس بولی کی اس خصوصیت پہ سونے پہ سہاگے کا کام کرتا ہے اور مقامی خوش گلوئی کی وجہ سے کیف و سرور کے لئے یہ شراب سہ آتشہ سے بھی زیادہ بیخودی پیدا کر دیتی ہے۔ غالباً اسی کیفیت سے متاثر ہو کر منشی امیر الدین خاں توقع سکرٹری اسلامی پنچایت فرماتے ہیں، شعر

رنگینیوں میں ڈوبی جوانی کو دیکھنا
وہ حسن مارواڑ کو جے پور آکے دیکھ

جے پور کی مخصوص بولی جھاڑ شاہی کے الفاظ اور فارسی ملا کر اکثر شاعری کی گئی ہے۔ مثلاً

ہندو زن زرگرے عجب دیسری چھے
بروقت سخن گفتن او پھول جھڑے چھے
گفتم کہ یک بوسہ لب لعل تو کریم
گفتا کہ ارے رام ترک کاٹھ کری چھے

منشی متھرا پرشاد سابق سر رشتہ دار اپیل اور منشی شیو نرائن سابق سب جج شہر جے پور نے اردو اور دیسی بولیوں کی مخلوط نظمیں کثرت سے لکھی ہیں۔

۷۔ **جے پور کے اہل قلم کی تحریری خدمات** اہل تصنیف علما اور شعرا کی جنہوں نے جے پور میں اردو اور فارسی کی خدمت کی ہے اتنی کثیر تعداد ہے کہ ان کو پوری طرح اہل ذوق سے روشناس کرانے کے لئے ایک ضخیم کتاب کئی جلدوں میں لکھی جا سکتی ہے ایک مختصر سے مضمون میں بجز چند نام گنا دینے کے اور کیا ہو سکتا ہے، سینکڑوں فارسی اور اردو کی قلمی تصنیفات اور دواوین مصنفین کے دوستوں اور ورثا کے پاس موجود ہیں جن کی زیارت سے علمی دنیا محروم ہے۔ اور موجودہ بے توجہی سے ان کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس کثیر ذخیرہ میں سے چند ناموں کا ذکر گلے از گلزارے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لئے صرف ایک نہایت مختصر سی فہرست یہاں کے اہل قلم کی پیش کی جاتی ہے، جس سے ممکن ہے جے پور کی علمی خدمات کا ایک دھندلا سا خاکہ شائقین اردو کے سامنے آ سکے۔

۸۔ **مہاراجہ اورینٹل کالج جے پور** سرکاری دفاتر میں اردو کی سب سے قدیم تحریر ۱۸۲۵ء کی ملتی ہے۔ ۱۸۶۰ء کے بعد سے ریاست کے دفاتر باقاعدہ اردو میں ہو گئے۔ ۱۸۴۴ء میں ایک سرکاری مدرسہ اردو، فارسی، عربی، انگریزی کی تعلیم کے لئے قائم ہوا۔ اور اسی مدرسے نے رفتہ رفتہ

[illegible] جامعہ کے جدید نظریہ میں اسلامی ثقافت و تاریخ کا شعبہ

اس مختصر سے خاکہ سے جو میں اردو پر روشنی ڈالنی مقصود تھی اردو دوست حضرات متفق فرمائیں مگر قلت وقت کی وجہ سے ان کی تسکین نہ ہوسکی ہو۔ موجودہ حکومت جدید یونیورسٹی قائم کررہی ہے چنانچہ میں کوشش کررہا ہوں کہ اگر جدید یونیورسٹی قائم ہو تو اس میں اسلامی ثقافت اور تاریخ کا ایک مستقل شعبہ قائم ہوجائے تاکہ ریاست کی قدیم روایات رواداری اور ادب نوازی کا ایک اور ثبوت تاریخ میں ثبت ہوجائے

نیاز مند محمد عبد المغنی ایم اے ریڈر
صدر شعبہ اردو و فارسی مہاراجہ کالج جے پور راجپوتانہ

"لیڈر یا رہنما"

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۴ کا)

اس آیت کے سلسلہ میں یہ بھی فرما دیا ہے۔

"اور یہ بات ظاہر ہے اسی کو جس کی بڑی قسمت ہو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے ثابت ہے کہ حضور نے ہمیشہ اس ارشاد ربانی پر عمل کیا، لوگوں کے ساتھ برائی کے بدلے میں حسن سلوک اختیار کیا اور نہایت شفقت و مہربانی سے انہیں اسلام کی دعوت دی اور توحید کی طرف بلایا جس کی تصدیق قرآن مجید نے بھی کی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔

سو کچھ اللہ کی رحمت ہے جو تو نرم دل ملا ان کو اور اگر ہوتا تو تند خو اور سخت دل تو منتشر ہوجاتے (لوگ) تیرے پاس سے پس تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں

اس ارشاد ربانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی قوم کا لیڈر اور رہنما ہو اور کسی خاص تحریک یا عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت کرتا ہو اسے نرم خو، مہربان اور بنی نوع انسان کا ہمدرد ہونا چاہئے اور لوگوں کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آنا چاہئے اگر لیڈر بدمزاج اور تند خو ہوگا تو لوگ تنگ آکر اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے، اور آخرکار وہ اپنی تحریک میں ناکامیاب ہوگا۔

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" کا ارشاد بھی مصلحت پر مبنی ہے۔ اس میں یہ ہدایت ہے کہ لیڈر یا رہنما کو خود بین اور مطلق العنان نہ ہونا چاہئے کہ محض اپنی رائے سے قوم کی قسمت کا فیصلہ کرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ ہمیشہ اپنے رفقائے کار سے مشورہ لے اس سے وہ لوگ بھی اپنی ذمہ داری محسوس کریں گے اور لیڈر کی محبت اور اخلاقی عظمت ان کے دلوں میں پیدا ہوگی جو خود اصل تحریک کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صائب الرائے اور کون ہوسکتا تھا کیونکہ آپ جو کچھ فرماتے تھے "وحی الٰہی" کی روشنی میں فرماتے تھے اور خدا آپ کو رائے کی غلطی سے محفوظ رکھتا تھا لیکن جب باوجود اس کے حضور کو مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا تو دوسرے لوگوں کے لئے تو اور زیادہ اس کی ضرورت ہے لیکن ہمارے زمانہ میں بہت سے لیڈروں کی یہ حالت ہے کہ جب وہ محض عوام کی طاقت سے لیڈری کے منصب پر پہنچ جاتے ہیں تو ان میں اس قدر خود پسندی اور تکبر پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ کسی کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اسی کوتاہ اندیشی کا نتیجہ ہے کہ عموماً آخر تک ان کی لیڈری قائم نہیں رہتی، عوام ان سے برگشتہ ہوجاتے ہیں اور لیڈری کا یہ کھیل بہت جلد ختم ہوجاتا ہے لیکن ایک پیغمبر کی لیڈری کی یہ شان ہے کہ وہ آج ۱۳ سو برس گزرنے کے بعد بھی قائم ہے۔

ہندوستان میں خوراک کا مسئلہ

مرکزی اسمبلی میں مسئلۂ خوراک پر بحث کے سلسلہ میں سر عزیز الحق نے بیان کیا کہ جنوری ۱۹۴۲ء سے اب تک ہندوستان سے ۸ دہزار ٹن گیہوں اور چاول باہر بھیجا گیا۔ اس مقدار میں وہ گیہوں اور چاول بھی شامل ہیں جو یہاں سے لنکا کو بھیجا گیا۔ [illegible]

(باہتمام (خان صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۴) | یکم ستمبر ۱۹۴۳ء مطابق ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ | نمبر (۳۲)

یہ خبر سن کر ہمیں نہایت اطمینان حاصل ہوا کہ ہمارے صوبہ کے ایک علم دوست اور فیاض بزرگ خان بہادر حافظ محمد صدیق صاحب رئیس اعظم کا بھور نے مولانا محمد سورتی صاحب مرحوم مغفور کے بچوں کے لئے چھ اسکالرشپ (وظائف) جن کی مجموعی رقم مبلغ پانچسو روپیہ ہوتی ہے بصورت چک عنایت فرمائے ہیں تاکہ اس امداد کے سہارے سے مولانا سورتی مرحوم کے بچے مسلم یونیورسٹی میں اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔

حافظ محمد صدیق صاحب کی ذات محتاج تعارف نہیں ابھی حال میں موصوف نے اناوہ اور بدایوں کے اسلامیہ اسکولوں کو پچیس پچیس ہزار روپیہ کی گرانقدر رقوم عنایت فرما کر اپنی علم دوستی کا عملی ثبوت دیا ہے جو لائق تحسین و ستائش ہے۔

مولانا محمد سورتی صاحب مرحوم جن کے بچوں کے لئے یہ وظائف دئے گئے ہیں ایک مشہور عالم اور عربی کے بلند پایہ و یگانہ عصر ادیب تھے' مرحوم کی ساری عمر درس و تدریس' تالیف و تصنیف اور نادر و نایاب کتابوں کے دریافت کرنے اور بڑی محنت سے نقل کرنے میں گزری' باخبر علمار کے حلقہ میں مولانا سورتی مرحوم کی علمی قابلیت اور ادبی فضیلت مسلم تھی'

آپ کی زندگی کا اخیر دور علیگڑھ میں گزرا جہاں آپ بچوں کی تعلیم اور علاج کے لئے مقیم تھے لیکن یہ علالت آخر کار مرض الموت ثابت ہوئی' اور گزشتہ سال مولانا سورتی کا انتقال ہوگیا اور ان کے اہل و عیال علیگڑھ میں ایک ایسی حالت میں رہ گئے کہ یہاں ان کا کوئی عزیز قریب اور معین و مددگار نہ تھا۔ ہمارے نقطۂ نظر کے مطابق حافظ محمد صدیق صاحب پر یہ بھی اللہ تعالی کا ایک فضل ہے کہ اس نے ایک مشہور عالم کے بچوں کی تعلیم میں مدد دینے کی توفیق انہیں عطا کی۔ یہ ایک ایسی سعادت و نیکی ہے جس کی توفیق بارگاہ ایزدی سے ہر شخص کو عطا نہیں کی جاتی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

ہمیں یقین ہے کہ حافظ صاحب ممدوح مولانا سورتی کے بچوں کی تعلیم کے مسئلہ کو اسوقت تک پیش نظر رکھیں گے جب تک اسکی ضرورت ہو۔

علی گڑھ میں اگرچہ رمضان المبارک کا چاند پہلی ستمبر کو نہیں دیکھا گیا لیکن بہت سے لوگوں نے باہر کی کچھ اطلاعوں کو صحیح مان کر دوسری ستمبر کو روزہ رکھ لیا۔

حسب معمول امسال بھی مسلم یونیورسٹی کی مسجد اور بیشتر ہوسٹلوں میں جماعت تراویح اور قرآن مجید سننے کا پورا اہتمام ہے جس کی وجہ سے رات کو ہر جگہ ایک خاص چہل پہل نظر آتی ہے۔ مسلم یونیورسٹی کی مسجد میں طلبہ کے علاوہ متعدد ممبران اسٹاف اور دوسرے اصحاب بھی تراویح پڑھتے ہیں اس لئے جماعت وسیع پیمانہ پر ہوتی ہے۔ مسجد اور ہوسٹلوں میں تراویح کا یہ اہتمام ناظم صاحب شعبہ دینیات کے زیر نگرانی ہو رہا ہے۔

مسلم یونیورسٹی کے رقبہ میں سب ہوٹلوں اور چائے وغیرہ کی دوکانوں کو دن کے وقت بند رکھنے کی ہدایت کر دی گئی' اور کہیں کوئی شخص کھاتا پیتا نظر نہیں آتا' غرض آجکل رمضان پوری قوت سے مسلم یونیورسٹی میں کارفرما ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم ستمبر ۱۹۴۳ء

"لیڈر یا رہنما"

(۱۲)

اب تک جو کچھ ہم نے لکھا ہے اُس سے حقیقت اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ ایک پیغمبر اور مامور من اللہ کا مرتبہ نہ صرف اخلاقی حیثیت سے بلکہ ہر لحاظ سے دنیا کی ہر بڑی سے بڑی ہستی مثلاً ایک لیڈر یا حکیم و فلسفی سے بہت زیادہ بلند ہے کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ اپنی رائے و فہم کے مطابق کام کرتے ہیں بارگاہ خداوندی سے ان کی رہنمائی نہیں ہوتی اس لئے اکثر اُن سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اور اس وجہ سے وہ بعض اوقات اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے اور تجربہ کے بعد اپنی رائے تبدیل کرنے اور ایک نیا نظام کار بنانے پر مجبور ہوتے ہیں۔

برخلاف اس کے ایک پیغمبر چونکہ ہمیشہ وحی الٰہی کے مطابق کام کرتا ہے اور وحی میں غلطی کا امکان نہیں ہے اس لئے پیغمبر کو کبھی اپنی رائے یا بنیادی تعلیم میں تغیر و تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی چنانچہ پیغمبروں کی "سیرت" کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی پیغمبر اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کرتا ہے تو پہلے ہی دن وہ لوگوں کو توحید کی دعوت اور اعمال صالحہ کی ترغیب دیتا ہے اور جب اس دنیا میں اُس کی زندگی کا آخری دن آتا ہے تو اُس وقت بھی وہ عقیدہ توحید پر قائم رہنے اور نیک اعمال انجام دینے کی وصیت کرتا ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ پیغمبر کی پوری زندگی ایک ہی مقصد اور ایک ہی تعلیم کی تکمیل و حمایت میں گزر جاتی ہے اور آخر ایام حیات تک اُس کے خیالات و اعمال میں مطلق کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ یہ پیغمبری ایسی خصوصیت ہے جو کسی لیڈر یا حکیم میں نہیں پائی جاتی۔

دنیا کے عام انسان جب کسی شخص کے بڑے سے بڑے مرتبہ کا تصور کرتے ہیں تو یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ ایک بادشاہ یا شہنشاہ ہے جو بہت سے انسانوں پر مطلق العنانی سے حکومت کرتا ہے چونکہ ان لوگوں کے نزدیک بادشاہ سے اونچا کوئی اور مرتبہ نہیں ہے اس لئے وہ ایک پیغمبر کی عظمت کا اندازہ بھی اسی معیار سے کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بھی ایک بادشاہ یا فرمانروا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ایک پیغمبر کی شخصیت بادشاہ سے بالکل مختلف اور اُس سے بہت بلند ہے بادشاہ عموماً حسب ذیل طریقوں سے فرمانروائی کا منصب حاصل کرتا ہے۔

(۱) وراثت کے ذریعہ سے جیسے باپ کے بعد اُس کا بیٹا یا کوئی اور عزیز ملکی قانون کے مطابق جانشین ہوتا ہے۔

(۲) انتخاب کے ذریعہ سے یعنی قوم کسی شخص کو اس کی غیر معمولی قابلیت یا ملک و وطن کی کسی خاص خدمت کی وجہ سے حکمرانی کے لئے منتخب کرے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی شاہی خاندان میں اپنی عشرت پسندی اور اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے حکومت کی صلاحیت نہیں رہتی اور ملک کسی سخت مخمصہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو کسی ایسے شخص کو جسے اپنی سیاسی بصیرت و قابلیت اور حسن خدمات کی وجہ سے ملک میں ہر دلعزیزی حاصل ہے بادشاہ بنا دیا جاتا ہے یعنی عوام کے سربرآوردہ نمائندے اُس کے پاس آکر التجا کرتے ہیں کہ اس نازک وقت میں وہ ملک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیلے یہ طریقہ بھی درحقیقت انتخاب کی ایک صورت ہے۔

(۳) کبھی قوت کے ذریعہ سے حکومت و بادشاہت حاصل کی جاتی ہے یعنی کوئی اولوالعزم و بلند حوصلہ شخص کسی قوم کی کمزوری یا کسی ملک کی بدنظمی اور خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر اپنے زور بازو سے حکومت حاصل کرکے سارے ملک پر حاوی ہوجاتا ہے چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں ہر ملک میں موجود ہیں کہ بعض منچلے لوگوں نے جو نہ کسی شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے نہ انھیں کوئی دنیوی وجاہت حاصل تھی محض اپنی تدبر و دلیری سے تخت و تاج حاصل کرلیا۔

حکومت و بادشاہت کے یہ سب طریقے اب تک دنیا میں رائج ہیں اور مختلف ممالک کے بادشاہ یا ڈکٹیٹر اور صدر جمہوریہ عموماً انھیں مختلف طریقوں سے اپنے موجودہ مرتبہ پر پہنچے ہیں لیکن پیغمبری کا مرتبہ ان میں سے کسی طریقہ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ پیغمبری نہ وراثت کے ذریعہ سے ملتی ہے نہ انتخاب سے نہ زور بازو اور جنگی طاقت سے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے فرزند کو بھی جلیل القدر منصب عطا کرے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل ؑ یا حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند حضرت یوسف ؑ کو منصب نبوت عطا کیا گیا لیکن چونکہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کرتا اس لئے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ایک پیغمبر کے بعد اُس کا بیٹا بھی وراثتاً پیغمبر ہوتا ہے۔

غرض وراثت، انتخاب، قوت یا کسی اور ذریعہ سے یہ منصب جلیل حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو وہ اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو عطا کرتا ہے۔ دوسرے انسانوں کی رائے یا مشورہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

اس موقع پر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ باوجود اپنی جلالتِ شان کے ایک بادشاہ اپنے منصب سے معزول کیا جاسکتا ہے۔ اور خود اس کی قوم یا کوئی دوسرا حریف اُسے تخت و تاج سے محروم کرسکتا ہے لیکن ایک پیغمبر کو دنیا کی کوئی طاقت اُس کے بلند منصب سے معزول نہیں کرسکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسالت و بادشاہت دو مختلف چیزیں ہیں اور اُن کے فرائض بھی مختلف ہیں لیکن بعض اوقات دین کی بقا اور تعلیم الٰہی کی حفاظت و حمایت کے لئے پیغمبر کو بھی طاقت سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے پاس ایسے وسائل موجود ہوں جن کے ذریعہ سے وہ دین کی حفاظت اور احکام الٰہی کی حفاظت کرسکے اور جو لوگ احکام الٰہی کے جاری ہونے میں مزاحمت کریں انھیں اپنے

راستہ سے ہٹا دے تاکہ یہ احکام دین ملک میں بے دریغ جاری ہو سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات پیغمبروں کو سرکش و مغرور بادشاہوں کا مقابلہ کرنا پڑا جو خود مدعی الوہیت تھے یا معبودان باطل کے پرستار تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے بھی فتوحات و ملک گیری کے لئے نہیں بلکہ محض توحید کی تبلیغ اور احکام الٰہی کی اشاعت کے لئے ان ملوک و سلاطین کا مقابلہ کیا جو توحید کے منکر اور مشرک یا تثلیث پرست تھے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ساری دنیا کے لئے تھی اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھی خالص توحید باقی نہیں رہی تھی بلکہ یا تو اس کا وجود ہی نہ تھا یا اس میں کم و بیش شرک کی آمیزش ہو چکی تھی۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ "جزیرۃ العرب" کے باہر دنیا کے دوسرے انسانوں کو بھی اسلام کی دعوت دیکر توحید کی طرف لایا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشینوں نے مختلف والیان ملک اور بادشاہوں اور متعدد قوموں کو اسلام کی دعوت دی۔ اور یہ چاہا کہ وہ توحید کا اقرار کر کے کفر و شرک سے باز آئیں ان میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور اسلام کی عداوت پر کمربستہ ہو کر میدان میں آ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حفاظت کے لئے ان کا مقابلہ کیا۔ جس میں حق کو فتح ہوئی۔ اور باطل کو شکست

اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات دین کی محافظت اور دشمن کی مدافعت کے لئے قوت و طاقت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمان دین متین کی حفاظت اور دشمنان اسلام کی مدافعت کیلئے ہر قسم کی ممکن قوت جمع کریں، تاکہ وہ خلافت الٰہیہ کا فرض ہمت و دلیری سے انجام دے سکیں چنانچہ عہد اول کے مسلمانوں نے جو آشنائے حقیقت تھے اور ملک و ملت کی حفاظت کا زبردست جذبہ رکھتے تھے کبھی اس فرض سے غفلت نہیں کی، اور اس سلسلہ میں انھوں نے دو کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دئے۔

(۱) آپس کے اختلافات اور تنازعات دور کر کے بالکل متحد ہو جانا اور ایک ایسی اسلامی برادری قائم کرنا جسکے سب افراد کو مساوی حقوق حاصل ہوں اور جس کا ہر فرد اپنی برادری کی حمایت و حفاظت کے واسطے جانبازی کے لئے آمادہ ہو،

(۲) اپنے حریفوں اور دشمنوں کے ارادوں سے باخبر رہنا اور ان کی مدافعت یا مقابلہ کے لئے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق ہر قسم کا جنگی ساز و سامان اور اسلحہ تیار رکھنا۔

دونوں کام مسلمانوں نے احکام الٰہی کے ماتحت انجام دیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا یہ تنبیہ کی تھی کہ وہ آپس میں اختلاف و جھگڑے پیدا کریں ورنہ وہ بزدل و نامرد ہو جائیں گے اور ان کی ہوا اکھڑ جائے گی یعنی وقار اور بھرم جاتا رہے گا۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلہ کے لئے طاقت و قوت جمع کرنے اور تیار رہنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔

مندرجہ بالا آیت سے صراحۃً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو ہر ممکن قوت و طاقت فراہم کرنے کا حکم دیا ہے جس میں گھوڑوں کے علاوہ ہر قسم کا سامان جنگ بھی داخل ہے تاکہ دشمنوں پر مسلمانوں کا رعب و خوف طاری ہو جائے اور وہ ان سے مقابلہ کی جرأت نہ کریں، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کی طاقت و قوت دیکھ کر فتنہ پردازی اور ہنگامہ آرائی سے باز آئیں اور ان سے مصالحت کر لیں، اور چونکہ مسلمانوں کا مقصد بھی خواہ مخواہ جنگ و جدال نہیں ہے اس لئے وہ بھی دشمنوں کا مصالحانہ رویہ دیکھ کر ان سے صلح کر لیں، چنانچہ اس آیت کے بعد دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت بھی کر دی ہے اور فرمایا کہ "اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی

مسلم یونیورسٹی پر ایک بیجا الزام اور اس کی حقیقت

اخبار وحدت دہلی مورخہ ۲۳ جولائی کے صفحہ ۴ پر ایک خبر شائع ہوئی ہے جس میں خواجہ معین الدین قادری صاحب کو داخل نہ کرنے پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو مختلف پہلوؤں سے ہدف ملامت بنایا گیا ہے۔ اس خبر کی بنا پر اخبار وحدت مورخہ ۲۴ جولائی اور ۲۷ جولائی میں ایڈیٹوریل نوٹ بھی شائع ہوئے ہیں تعجب ہے کہ ایک بہت معمولی واقعہ کو اس قدر مشتہر کیا گیا ہے کیا اچھا ہوتا کہ ایڈیٹر صاحب اس مسئلہ کے متعلق ایڈیٹوریل لکھنے سے قبل منتظمین یونیورسٹی یا دفتر پبلسٹی سے صحیح حالات دریافت فرما لیتے ہیں افسوس ہے کہ اس قدر غیر ذمہ دارانہ طریقہ سے ایک ایسے جامعہ کے خلاف پروپگنڈا کیا گیا ہے جس کی خدمات مسلمانان ہند کسی حالت میں فراموش نہیں کر سکتے۔

یہ مسلمہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی مسلمانان ہند کی ایک ایسی درسگاہ ہے جس پر ہندوستان کے مسلمانوں کی فلاح و ترقی کا بہت کچھ انحصار ہے۔ مسلم یونیورسٹی کی بدنامی مسلم قوم کی بدنامی کے مترادف سمجھی جاتی ہے غلط اور بے بنیاد واقعات کو مثال بنا کر کسی مسلمان اخبار کا خود اپنی درسگاہ کو بدنام کرنے کی سعی کرنا مستحسن فعل نہیں کہا جا سکتا پھر وحدت جیسے مسلم دوست اور بلند پایہ اردو روزنامے کے لئے تو یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ہم نے مفصل حالات معلوم کئے تو واقعہ صرف یہ معلوم ہوا کہ جناب معین الدین قادری صاحب انجنیرنگ کالج میں داخلہ کے لئے امیدوار تھے۔

دنیا کے ہر انجنیرنگ کالج میں ہر سال طلبہ کی طلباء کی صرف ایک مقررہ تعداد داخل کی جاتی ہے مسلم یونیورسٹی میں انجنیرنگ کالج ابھی حال میں ہی قائم ہوا ہے اور اس میں کثیر طلباء کی تعلیم کا انتظام فی الحال نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ منتظمین نے ۲۷ طلباء کو کالج میں اس سال داخل کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن پانچ سو سے زیادہ طلباء نے داخلے کے لئے درخواستیں ارسال کیں۔ ایسی شکل میں یونیورسٹیوں اور کالجوں میں یہی دستور ہے کہ مقابلہ کے امتحان اور انٹرویو کے ذریعہ بہترین طلباء کا انتخاب کیا جائے۔ ہندوستان کی کوئی یونیورسٹی ایسی نہیں ہے کہ جس کے طلباء کو اس مقابلہ کے امتحان سے مستثنیٰ کیا گیا ہو حتیٰ کہ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے بھی

مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی حالت

تعلیم کا سب سے پہلا اور سب سے آخری مقصد

(از مولوی سید عبداللہ الاکرم الجلالی مدرس مدرسۂ عالیہ [illegible])

یہ "مقالہ" جو ذیل میں شائع کیا جاتا ہے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے گزشتہ سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ کے لیے لکھا گیا تھا لیکن قلت وقت کی وجہ سے اس کے پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔ — ایڈیٹر

کچھ آدمی علم کا مقصد صرف حصول علم کو قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ علم کی غایت علم ہے، علم کو کسی پیمانہ سے نہیں ناپا جا سکتا، انسانیت کبریٰ کا طرۂ امتیاز صرف علم ہے، اور انسانی دنیا میں عالم کو فضیلت محض اس سبب سے حاصل ہے کہ وہ عالم ہے، نظام کائنات کی تعمیر میں عالم کو دخل ہو یا نہ ہو وہ بہرحال اس کرہ کی دوری حرکت کا قطب ہے، ہمارے چند نفوس کی ہے اور اس کو تسلیم کرنے کے بعد علم کی کسی شاخ کو غرض و غایت کے لحاظ سے کسی دوسری شاخ پر ترجیح نہیں دی جا سکتی، اور تعلیم سے کسی تعمیری پروگرام کے مرتب ہونے کی امید وابستہ نہیں کیا جا سکتا لیکن بکثرت سمجھدار آدمی اس رہبانیت نواز، جمود آفریں رائے سے [illegible] نہیں، یہ گروہ کہتا ہے علم نام ہے انکشاف کا، روشنی کا، [illegible] کا اور روشنی تاریکی کی [illegible] محض اس بات ہی میں نہیں ہے کہ روشنی ہے بلکہ اس لئے بھی ہے کہ اس سے اچھی بری چیزوں کا امتیاز ہو جاتا ہے، سودمند اور ضرررساں حقائق کی نقاب کشائی ہو جاتی ہے۔ دوست دشمن کی تصویریں سامنے آجاتی ہیں، مرغوب و مکروہ کی شناخت ہو جاتی ہے، تخریبی اور تعمیری چیزوں کے چہرے سے پردہ اٹھ جاتا ہے مفسد اور مصلح امور کی تہ تک انسانی دماغ پہونچ جاتا ہے، پس تعلیم کی کوئی غرض و غایت مقصد قطعیہ، ثمرہ اور مطمح نظر ہونا ضروری ہے۔

اب حل طلب یہ امر ہے کہ تعلیم کی غرض کیا ہے اور اس کی قسمیں کتنی ہیں اور تمام اقسام میں بالاترین کیا چیز ہے، ہمارے واسطے بڑا ضروری سوال یہ ہے کہ زندگی کیونکر بسر کرنی چاہیے، زندگی بسر کرنے سے میری مراد صرف جسمانی ضروریات کو پورا کرنا نہیں ہے بلکہ یہ لفظ اپنے وسیع ترین معنی میں استعمال کیا گیا ہے، عام سوال جو ہر ایک تمدنی سوال پر حاوی ہوتا ہے یہ ہے کہ ہر ایک حالت اور ہر ایک معاملہ میں اپنی روش اور طرز عمل کو درست رکھا جائے مثلاً اپنے جسم کے ساتھ کس طرح سلوک کرنا چاہیے، نفس کے ساتھ کس طرح سلوک کرنا چاہیے، اپنے معاملات کا کس طرح انتظام کرنا چاہیے، قرابت داروں، بال بچوں اور دوستوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہیے، قدرت کے دیے ہوئے اسباب راحت سے کس طرح فائدہ اٹھایا جائے، سماج اور رعیت کے فرائض کو کیونکر ادا کیا جائے، خلاصہ یہ کہ اپنی تمام قوتوں کو خود اپنے اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچانے کے لئے کس طرح استعمال کرنا چاہیے یعنی کامل طور پر کیونکر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ پس

بڑی بات جو تعلیم سے حاصل ہوتی ہے یہی ہے کہ تعلیم کو جو فرض ادا کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم کو پوری طرح صحیح طور پر زندگی بسر کرنی سکھا دے یہی تعلیم کا اصل مقصد ہے، جو تعلیم ہم کو اس مقصد سے ہمکنار کر دے وہی صحیح تعلیم ہے اور جس تعلیم سے ہم کو یہ مقصد حاصل نہ ہو وہ نقصان نصاب میں اتنی ہی کامل ہے جتنی عطائے مقاصد میں ناقص ہے۔ تفصیل میں جانے سے پہلے ایک اور بات ذہن نشین کے لائق ہے۔

جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی ہے ان کے تین درجات ہیں، اول ان علوم کی تعلیم ہے جن کی قیمت اصلی اور ذاتی ہے۔ دوسرے درجہ کی قیمت ان چیزوں کی ہے جن کی قیمت کسی قدر اصلی اور ذاتی ہے۔ تیسرا نمبر ان چیزوں کا ہے جن کی وقعت محض رسمی اور اعتباری ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ فلسفہ طبعیات و ریاضیات کے مسلمہ حقائق، حقیقی، ذاتی اور اصلی قیمت رکھتے ہیں۔ یہ واقعات انسان کے چال چلن اور اس کی زندگی پر اب سے دس ہزار برس بعد وہی اثر کریں گے جو اب کرتے ہیں، ایسے حقائق کی تعلیم انسانی زندگی کی تعمیر، اصلاح اور تکمیل کے لئے ابتدائی بھی ہے اور انتہائی بھی، زندگی کا آغاز بھی اس کے بغیر نہیں ہو سکتا اور درمیانی دور سے لیکر انجام تک بھی خوش عیشی اس کے علاوہ ممکن نہیں۔

ان علوم کی مثال جن کی قدر کسی قدر ذاتی اور اصلی ہے اپنی مادری زبان اور ان زبانوں کو جاننے جو ہماری مادری زبان کا سرچشمہ ہیں مثلاً اردو، فارسی، عربی، انگریزی وغیرہ کی قیمت فی الجملہ اصلی ہے ان زبانوں کا علم ہمارے واسطے اور ان نسلوں کے لیے جن کی زبانیں ان سرچشموں کی بہت کچھ احسان مند ہیں ضرور باقی رہنا چاہیے لیکن یہ علم صرف اس وقت تک مفید رہے گا جب تک ہماری زبانیں قائم ہیں۔ ان چیزوں کی مثال میں جن کی قیمت محض رسمی اور اعتباری ہے ہم اس کو پیش کر سکتے ہیں جس کی تعلیم تاریخ کے نام سے ہماری درسگاہوں میں دی جاتی ہے یعنی محض ناموں تاریخوں اور مردہ واقعات کا سلسلہ صرف رسمی قدر و قیمت رکھتا ہے، اس علم کو ہمارے کسی عمل سے قریب ترین یا دور کا تعلق نہیں، یہ علم محض عوام الناس کی اس ناگوار خوردہ گیری سے بچنے کے لئے کارآمد ہے جو اس قسم کے معلومات نہ ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ ان واقعات کو جو زمانہ میں نوع انسان کے تمام افراد سے خاص علاقہ رکھتے ہیں بہ نسبت ان واقعات کے جن کا تعلق ایک محدود زمانہ تک نوع انسان کے صرف ایک حصہ سے ہے زیادہ وقعت دینی چاہیے مگر بہ نسبت ان واقعات کے جن کا تعلق نوع انسان کے صرف ایک حصہ کے ساتھ اتنی ہی مدت تک ہے جب تک کہ ایک خاص رواج قائم ہے، ان عام واقعات کو اور بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھنا لازم ہے پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اصلی اور ذاتی قیمت والے علم کو اس علم پر مقدم سمجھنا لازم ہے جو فی الجملہ اصلی قیمت یا محض رسمی قیمت رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں تمہیدوں سے یہ بات روشنی میں آگئی کہ تعلیم کی غرض حفاظت نفسی اور حفاظت قومی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ وسیع الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم ہم کو اپنی اور دوسروں کی زندگی درست کرنا خود سکھ پانا اور دوسروں کو سکھ پہونچانا سکھاتی ہے، اصلاح اور افادہ کا حصہ جس تعلیم میں زیادہ ہوگا وہی سب سے پہلے واجب القبول ہے اور جس تعلیم میں افادی حصہ کم ہوگا اسی درجہ مؤخر ہے۔

تعلیم کے دو حصے ہیں ہم کو بلکہ ہر اس شخص کو جس سے

دماغ میں روشنی کی کوئی جھلک ہے، نمایاں نظر آتے ہیں، ایک حصہ محض قدرتی اور فطری ہے، یہ تعلیم اس قدر اہم اور عظیم الشان ہے کہ اس کو ہمارے بھروسہ پہ نہیں چھوڑا جا سکتا تھا، ورنہ ہمارے دماغی نقصان اور ضعف کے سبب ہمارا نظام نوعی تباہ ہو جاتا اس لئے قدرت نے اس کو اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے، جذبات نفرت و رغبت فطری ہیں جو شیرخوار بچے میں بھی پائے جاتے ہیں، اور اس کے پرورش کے کفیل رہتے ہیں، قدرتی نشوونما بدن کو سنبھالنا، چڑھنا، اترنا، رونا، ہنسنا، سونا، کھانا، پینا، فضلات کو خارج کرنا، غرض ان تمام امور کو سرانجام دینا جو تخلیقی طور پر حفاظت شخصی کے لئے ضروری ہیں تمام انسانوں میں قدرتی طور پر موجود ہیں اور خود قدرت ہی ان چیزوں کی معلم ہے، انسان کی دماغی تراش خراش اور کسب اکتساب کو اس میں دخل نہیں ہے۔

تعلیم کا دوسرا حصہ وہ ہے جو پڑھنے پڑھانے سیکھنے سکھلانے اور عمل کرنے کرانے کا محتاج ہے، جس میں آدمی کے اختیار اور انتخاب کو دخل ہے جس کا مدار انسانی محنت اور کاوش پر ہے، یہ حصہ وہ ہے جس کی تکمیل و تحصیل کی کوشش تمام آدمی زچہ خانوں اور تربیت گاہوں سے لیکر بڑی بڑی درسگاہوں تک برابر کر رہے ہیں، اس جگہ ہماری بحث بے اختیاری یعنی فطری تعلیم سے نہیں ہے نہ اس میں دخل دینے کا ہمیں کوئی حق ہے، ہمارے پیش نظر صرف اختیاری تعلیم ہے، اختیاری تعلیم ہی کے وہ تین درجات ہیں جن کی ترتیب افادیت کا لحاظ کرتے ہوئے اوپر قائم کی گئی ہے، افادی اور حفظانی مقاصد کا لحاظ کرتے ہوئے جن علوم کی تعلیم دینی چاہئے اس وقت تک اس کی متعدد صورتیں دنیا کے سمجھدار انسانوں کے دماغوں میں آئی ہیں۔

علم تربیت اولاد — علم الاخلاق — علم المعاشرت
علم تمدن — علم الحسن والعباد — علم اللسان والادب
علم منطق — علم نفسیات، تاریخ، طب، ریاضی

اور علم طبعیات کی مختلف شاخیں۔ مشرق سے مغرب تک تمام ان علوم کی تعلیم جو حفاظت شخصی کے لئے مفید ہیں اختلاف درجات کا لحاظ کرتے ہوئے باختلاف اصول دی جاتی رہی ہے اور دی جا رہی ہے، ہم کو اس جگہ تمام دنیا کی تعلیمی حالت کی تصویر کشی کوئی مقصود نہیں ہے اور نہ یہ ممکن ہے، ہمارا مقصد صرف مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی حالت کا اظہار ہے۔

گزشتہ بیان سے تعلیم کا اصل مقصد اور تعلیمی درجات کی ترتیب کا مختصر انکشاف ہو چکا ہے۔ اس لئے اصل مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اپنی تعلیمی حالت کو دیکھنا ہے، ہماری چھوٹی بڑی درسگاہوں میں جن علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اُن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، دینی اور دنیوی، حقیقت میں اسلامی نقطۂ نظر سے دین و دنیا دو مختلف چیزیں نہیں ہیں اس لئے دینی اور دنیوی تعلیمیں بھی جدا جدا حیثیت نہیں رکھتیں، لیکن اصطلاح اور عرف عام میں ہر ایک کی جدا شخصیت اور ممتاز ہستی تسلیم کی گئی ہے اس لئے ہم بھی تنوع بیان کا لحاظ کرتے ہوئے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ بحث کرنی چاہتے ہیں مذہبی تعلیم کے نام سے عربی مدارس میں مندرجۂ ذیل فنون کی تعلیم دی جاتی ہے۔

عربی زبان کے مبادی اور قواعد بلاغت کے متون، منطق قدیم، وہی فلسفۂ طبعیات و الٰہیات جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شیخ الرئیس غزنوی کی پشت اس کی نسل کشی کا مصدر ہے، میراث، فن ہیئت کے چند رسائل جس میں زمین کو ساکن اور آسمان کو متحرک مانا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فلک الافلاک کی نسبت زمین سے وہی ہے جو دنیا کے سب سے بڑے پہاڑ کو ایک جو کے عرض کے ستر ہویں حصہ سے ہے، پھر وہ پندرہ سو برس پہلے کے عربی ادب کے چند اشعار اور پانچویں چھٹی صدی ہجری کی مرصع مسجع نثر کی چند سطریں، فقہ حنفی، اصول فقہ، علم العقائد، کلام مجید کی تفسیر، احادیث پاک، یہ ہے ہماری عربی درسگاہوں کا سرمایۂ حیات اور اسی کو مذہبی تعلیم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ نصاب مفید ہے یا بے سود اس بحث کو طویل فرصت کے لئے چھوڑتے ہوئے ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ یہ تعلیم جامد تعلیم ہے، آزادی رائے اور وسعت ذہنی اس میں یکسر مفقود ہے، اس سے جو دماغی جولانگاہ پیدا ہوتی ہے وہ بہت تنگ ہے، قرآن پاک اور احادیث مقدسہ، اسلامی اخلاق، معاشرت، تمدن، سیاست اور تعامل کا سرچشمہ ہیں لیکن حقیقت میں قرآن کی تعلیم آزادی اور علم کی روشنی میں نہیں دی جاتی یہی وجہ ہے کہ مادۂ استنباط پیدا نہیں ہوتا قرآن تو پکار پکار کر ہم کو مطالعۂ کائنات کی طرف بلا رہا ہے دیکھو سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸۷ اور سورۂ نحل کی آیت ۱۰ و ۱۲۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی، نفسی و آفاقی مطالعہ کرکے اپنے ذہنوں کی تربیت کرو اور فکر کا میدان وسیع بناؤ مگر ہماری موجودہ مذہبی تعلیم ہمارے سوچنے کی طاقتوں کو اور زیادہ بے حس اور پژمردہ و افسردہ بلکہ مردہ بنا رہی ہے، ہمارے نصاب میں مطالعۂ کائنات کے سبق کا کوئی باب نہیں سائنس یا قدرتی حقائق کو سمجھنے کا نام نہیں یہی وجہ ہے کہ اب نہ کوئی رازی پیدا ہوتا ہے نہ غزالی نہ ابوحنیفہ نہ شافعی نہ ابن عربی نہ ابن قیم نہ ابن خلدون نہ ابن رشد۔

بعض اچھی خاصی سمجھ رکھنے والے کہتے ہیں کہ سائنس میں لامذہبی کی روح غالب ہے مگر یاد رکھئے کہ سچی سائنس کو لامذہبیت سے ... کا کوئی تعلق [illegible] صدی کے مشہور عالم ہکسلے نے کہا تھا کہ سائنس میں جس قدر مذہبی روح ہوگی اتنی ہی وہ ترقی کرے گی اور جہاں تک سائنس کی گہرائی اور مضبوطی پہ مذہب کی بنیاد قائم ہوگی اسی مناسبت سے مذہب ترقی کرے گا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، ابو محمد غزالی، فخر الدین رازی، راس الصوفیہ شیخ عبدالقادر گیلانی اور ان سے اوپر والے طبقہ کے عالموں سے ہوتے کام کئے یہاں تک کہ قرن اول کے صحابیوں نے اسلام کی جو بنیاد قائم کی وہ محض ان کی عقل اور جسمانی کاوشوں کا نتیجہ نہیں بلکہ زیادہ تر اس بات کا ثمرہ ہے کہ مذہبی جوش نے جو ان کے دلوں میں نمایاں طور پر پایا جاتا تھا ان کی عقل کو سیدھے راستہ پر ڈال دیا تھا ان بندوں کو اپنے علم کا علم ہو یا نہ ہو اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ وہ عالم اور فطرت کے حقیقت شناس تھے سچ تو یہ ہے کہ سائنس سے غفلت کرنی بے دینی ہے، سائنس کی محبت خاموش عبادت ہے، سائنس صرف زبانی بندگی نہیں بلکہ ایسی بندگی ہے جو افعال سے ظاہر ہوتی ہے یہ ایسی طاعت نہیں جس میں صرف زبانی اقرار ہو۔ بلکہ ایسی طاعت قلبی ہے جس میں علمی تصدیق اور جسمانی اعمال بھی شامل ہیں اور اس کا

صرف وقت، دماغ اور محنت کو قربان کرنے سے ملتا ہے، حضور گرامی علیہ التحیات نے اسی لئے فرمایا تھا کہ العلماء ورثة الانبیاء الخ یعنی عالمان حقیقت انبیا کے جانشین ہیں اور انبیا کا ترکہ روپیہ پیسہ نہیں بلکہ علم ہے ایک اور جگہ فرمایا تھا "عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر" ایک فرمان اور بھی تھا کہ "عالم کے لئے دعاء مغفرت تمام کائنات کرتی ہے"

قدرت کی تمام چیزوں کے افعال کی یک رنگی اور یکسانی دیکھکر اللہ کی عظمت ہمارے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے ہربرٹ اسپنسر نے کہا تھا کہ ہم کو سائنس کے سبب سے مظاہر قدرت کے غیر متغیر تعلقات اور علت و معلول کی لازوال وابستگی اور نیک و بد نتائج کے لزوم کا کامل یقین ہو جاتا ہے، جزا و سزا کا اعتقاد سننے کی بجائے آنکھوں سے دیکھنے لگتا ہے سائنس ان تمام باتوں کو بتاتا ہے جن کا جاننا ممکن ہے اور ساتھ ہی اس حد کو بتاتا ہے جس سے آگے کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکتا، سائنس بتاتا ہے کہ علت العلل کی ماہیت کو سمجھنا محال ہے اس کے چہرہ پر نور کے تہرا حجاب ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔

سائنس کا سچا عالم ہی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ قادر مطلق کی قدرت جو چیزوں پر حاوی ہے نہ صرف انسانی علم بلکہ انسانی خیال سے بھی برتر ہے، اور کائنات، حیات اور ادراک اسی کے کرشمے ہیں، سبحانک ما خلقت ہذا باطلا پس معلوم ہو گیا کہ سائنس سے عقائد بے دینی ہے۔

رہا تعلیم کا دوسرا حصہ یعنی دنیوی تعلیم جو ہمارے مدرسوں میں رائج ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائی اسکول سے لیکر انتہائی تعلیمگاہ تک طلبہ کو مختلف فنون پڑھائے جاتے ہیں۔ کسی قدر مادری زبان کے علاوہ مختلف اجنبی زبانیں خصوصاً انگریزی زبان کا ادب، تاریخ عالم، جغرافیہ، ریاضی کی بعض شاخیں منطق، علم النفس، علم منافع الاعضا، علم سیاست، علم الاخلاق، صحافی وغیرہ، ان علوم کی تعلیمی ترتیب کیا ہے اور افادی مدارج کیا ہیں، کون علم کس قدر سود مند ہے، ہماری زندگی سے ان کا تعلق قریب ہے یا بعید یہ مباحث بہت طویل ہیں اور بیسیوں مقالات کی تصنیف بھی ان کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

ہم مانے لیتے ہیں کہ ہماری زندگی کے یہ تمام ضروری اجزا ہیں اور ہر فن کی تعلیم بجائے خود مفید ہے اور یہ بھی فرض کئے لیتے ہیں کہ موجودہ نصاب اور طرز تعلیم اور امتحان ناقابل اصلاح ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں اس حقیقت کو ظاہر کرنے کی اجازت دیجئے کہ تعلیم کا اصلی مقصد یعنی اصلاح زندگی انہیں فنون کی تعلیم سے وابستہ نہیں ہے بلکہ ہمارا سماج اور ہمارا انفراد دونوں اس سے بالاتر حقیقت سے وابستہ ہیں، جماعت ہو یا فرد، سماج کے سلسلے میں درست ہو یا اکیلے آدمی کی دماغی اصلاح کی، ہر حال سب سے اول اساس کے نقطۂ نظر سے، بحیثیت مسلمان ہونے کے لحاظ سے ... ہم مذکورہ فنون کی تعلیم کو جانچتے ہیں تو ان سب کے اندر اگر سائنس کی روح کار فرما نظر نہیں آتی تو ان کی تعلیم کا کوئی ثمرہ ہم کو اس زندگی میں نہیں ملتا، درخت کی قیمت اور افادیت اس کے پھلوں سے معلوم ہوتی ہے، پھول کی قدر اس کی خوشبو سے ہوتی ہے، حسن فطرت کا ظہور ساتھ سے ہوتا ہے، جب مذکورہ فنون کے تکمیلی درجہ کو ہم سائنس سے بے نیاز نہیں پاتے اور بصورت استعمال ان میں سے کسی کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی تو کہنا پڑتا ہے کہ سائنس اور صرف سائنس کی قیمت اصلی اور ذاتی ہے اور باقی فنون یا تو ہیچ ہیں یا ثانوی یا ثالثی درجہ رکھتے ہیں۔ سوچئے کہ ہمارا کاشتکار اچھا کاشتکار اور مالدار کاشتکار کیوں نہیں، کیا وہ زمین کا لگان زیادہ ادا کرتا ہے یا فضول خرچ کرتا ہے یا محنت کم کرتا ہے یا قدرت کو اس سے پرخاش ہے، ان باتوں میں سے تو کوئی بات نہیں پھر ایسا کیوں ہے ہوشوں کا فارم قائم کرنے والا کیوں ترقی کی بجائے تنزل کے غار میں گرتا ہے اور نفع کی جگہ نقصان اٹھاتا ہے، ہمارا بیوپاری کیوں تجارت کو فروغ نہیں دے سکا اور حسرت و یاس کے ساتھ اپنی پونجی کو کھو بیٹھتا ہے، ہمارا مزدور، کارخانوں کا مزدور کیوں ذلیل درجہ میں پڑا رہتا ہے، مضبوط و توانا ہے، بارکش اور محنتی ہے، دماغی صلاحیتوں کا بھی حامل ہے پھر کیوں نادار و خوار ہے، ان تمام باتوں کا اصلی سبب سائنس سے جہالت ہے، فنی حقیقت سے بے مائیگی ہے ۱۸۶۰ء سے آپ نے بھی علم کی بنیاد رکھی اور جاپان نے بھی لیکن سوچئے کہ آپ کہاں پڑے ہیں اور جاپان کہاں جا پہونچا، آپ اس کے بہت سے اسباب بتائیں گے، جغرافی محل وقوع، آزادی، جفاکشی، حب وطنی، وحدت قومی ولسانی، معاشرت و رسوم کی یک رنگی وغیرہ وغیرہ، سب ہی وجوہ آپ کی ترقی کے قائم کر دیں گے لیکن آپ کو بھی وطن سے عداوت نہیں، آپ بھی جفاکش ہیں، آپ کی بھی ایک قوم ایک زبان، ایک معاشرت، ایک مذہب اور ایک زندگی ہے، سوچنے سمجھنے کی آزادی آپ کو بھی حاصل ہے، اپنی زندگی کے ضروریات سے آپ بھی واقف ہیں، بلکہ شاید میرا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلامی معاشرت اور مذہبیت کا اتحادی جوہر آپ کے پاس پہلے سے موجود ہے مگر اس کے باوجود آپ نے کیا کیا، آپ کی درسگاہوں کے لیے طالبعلم ہیں جو صحیح طور پر مذہب کے فروع نہیں بلکہ اصول اور اصول ہی نہیں بلکہ روح کو سمجھتے ہوں، خدا آپ سے ان کو سمجھا یا ہو، لیکن شاید وہ ان علم ہیں جن کو آپ نے مطالعۂ کائنات کا درس دیا ہو، نباتات کی تین لاکھ بیس ہزار اقسام اور حیوانات کی دس لاکھ انواع ہیں سے صرف چند سو پر سوچنے کی تعلیم دی ہو، نباتات کے مختلف خواص اور زندگی میں ان کی ضرورت کا آپ کو انکار ہے، یا حیوانات کے منافع اور ان سے تمتع کو آپ تسلیم نہیں کرتے، معادن کے اقسام کی شناخت اور ان سے فائدہ اٹھانے کے طریقے آپ کی نظر میں ہیچ ہیں، صنعتی سرگرمیاں آپ کے لئے بے وقعت ہیں، یا کیمیاوی طور پر چیزوں کی تحلیل اور ترکیب ناقابل افادہ اور استفادہ ہے۔ کیا حقائق کے علم سے بڑھکر اعتباریات کا درجہ ہو سکتا ہے۔ یا عمرانی زندگی کا تعلق ان فنون سے قریب ترین اور گہرا ہے جو آپ کی درسگاہوں میں مروج ہیں، یا کائنات کی حقیقت شناسی سے ؟

یقین کر لیجئے کہ قدرت اسی قوم کو زندہ رکھتی ہے جو قدرت کی قدر شناس ہوتی ہے اور عملی زندگی سے پہلے جس کی دماغی لہریں قدرتی موجوں کے موافق ہوتی ہیں۔

ادارۂ اشاعت اردو

حیدرآباد میں حال ہی میں "ادارۂ اشاعت اردو" کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس ادارہ کو

سید عبداللہ کا اینڈ سنز گورنمنٹ ایجوکیشنل پبلشرز حیدرآباد کے وسیع مالی ذرائع، شہرت اور تجربہ کے ساتھ ساتھ ایک اہل بصیرت و فراست اور صاحب عزم و ہمت گروہ کی قابلیت اور سرگرمی بھی حاصل ہے اس طرح سرمایۂ علم اور کاروباری لیاقت و شہرت کا یہ نادر اجتماع ادارہ کی کامیابی کا ضامن ہے اپنے قیام کی قلیل مدت کے اندر اندر ادارۂ اشاعت اردو نے جو بلند پایہ مطبوعات پیش کی ہیں وہ اس کی علم دوستی، جوہر شناسی اور کاروباری سلیقہ کا نہایت واضح ثبوت ہیں۔ ادارہ نے حسب ذیل مطبوعات اردو میگزین پر ریویو کے لئے ارسال کی ہیں۔

(۱) مُردوں کی مسیحائی (۲) محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند اوراق (۳) مضامین عبدالماجد یہ تینوں کتابیں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی تصنیفات ہیں۔ جن کا اسم گرامی تصنیفات کی بلند پایگی اور مضامین کی اسلامی و ملی نوعیت کا ضامن ہے (۴) نغمات ماہر اور (۵) محسوسات ماہر (۶) جمہوریت اور (۷) والی کونٹ سیموئیل کی ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ بعنوان یقین و عمل، ان کتابوں کے علاوہ بھی اس ادارہ نے چند اور کتابیں شائع کی ہیں۔ مولانا عبدالماجد کے ایمان افروز خطبات اور ماہر کے روح پرور نغمات کی اشاعت ہندوستان کے ہر ادارۂ اشاعت کے لئے باعث افتخار ہے۔ اس اطلاع سے مقصود کتابوں پر ریویو نہیں۔ کاغذ کی گرانی بلکہ نایابی کے زمانہ میں جس ادارہ نے ظاہری و معنوی اعتبارات سے اس قدر بلند پایہ مطبوعات پیش کی ہیں حلقہ مسلم یونیورسٹی میں اس کا تعارف منظور ہے اس کی ضرورت یوں بھی پیش آئی کہ اس ادارہ کے ناظم جناب چودھری محمد اقبال سلیم صاحب گاہندری نے ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد اور ارباب مذہ مسلم یونیورسٹی کے درمیان اتحاد عمل کی دعوت دیتے ہوئے علی گڑھ میں زیر ترتیب تصنیفات کی اشاعت پر آمادگی ظاہر فرمائی ہے جن احباب کے پاس مسودات برائے اشاعت موجود ہوں یا جو حضرات کسی تصنیف و تالیف کے آغاز سے پیشتر اشاعت کے متعلق اطمینان چاہتے ہوں چودھری صاحب موصوف سے براہ راست خط و کتابت کریں۔ اس زمانہ میں جبکہ کاغذ نایاب ہو رہا ہے ادارہ اردو کی یہ پیش کش مستحق ستائش و تعاون ہے۔ مجھے امید ہے کہ نہ صرف علی گڑھ بلکہ شمالی ہندوستان کا حلقۂ مصنفین اس تجویز کا پُرجوش خیر مقدم اور عملی اعتراف کرے گا۔

(شیخ، عطاء اللہ (ایم۔ اے)
شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

رمضان شریف کا استقبال

صوم یا صیام کسی چیز کے ترک کرنے کو کہتے ہیں وہ کھانا پینا ہو، بولنا چالنا ہو، یا خواہشات نفسانی ہوں مسلمانوں کو ایک ماہ کے لئے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور خواہشات نفسانی کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی غرض یہ بتائی لعلکم تتقون (تاکہ تم متقی بنو) اتقا کا لفظ قرآن کریم میں بڑی کثرت سے استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ ہر قسم کے حقوق کی نگہداشت پر حاوی ہے۔ روزہ کے حکم کی غرض بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کے دن تک کھانا پینا اور خواہشات نفسانی کے ترک کر دینے سے مسلمانوں کے اندر ایک ایسی طاقت پیدا ہو جائے کہ وہ حقوق اللہ کی حفاظت کر سکیں۔ بلند خیالات رکھنے کے باوجود انسان عملی زندگی میں خواہ اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہو یا انسان کے ساتھ۔ بسا اوقات کمزور رہتا ہے اسی لئے کھانے پینے اور خواہشات نفسانی کے ترک کرنے کا یہ مجاہدہ مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ تم میں وہ طاقت پیدا ہو کہ تم ہر قسم کے حقوق کی نگہداشت کر سکو۔

روزہ اور جسمانی طاقت

روزہ جسمانی صحت کے لئے بھی سودمند ہے لیکن آج کل مسلمانوں کے گھروں میں یہ ہوتا ہے کہ ماہ رمضان کے آتے ہی خورد و نوش کی فکر دامنگیر ہو جاتی ہے۔ حساب ہونے لگتا ہے کہ اس قدر گھی اور کھانڈ چاہئے اس قدر دودھ اور گوشت درکار ہوگا۔ افطاری کا انتظام یہ ہو اور سحری کا انتظام یہ ہو۔

آپ اچھی طرح یاد رکھیں کہ روزہ اور بسیار خوری ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے روزہ کے مجاہدہ کا ایک بڑا مقصد انسان میں بھوک اور پیاس کی برداشت کرنا ہے۔ بسیار خوری اس مقصد کے خلاف ہے۔ یہ ایک بالکل غلط خیال ہے کہ اگر انسان کو بہت کھانے پینے کو نہ ملے، تو وہ کام نہیں کر سکتا۔ اب تو ڈاکٹر بھی اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ معدہ کو آرام دینا صحت کے لئے بہت مفید ہے۔ کوئی چیز مسلسل کام نہیں کر سکتی چنانچہ یہی حال معدہ کا ہے۔ معدہ کا آرام یہی ہے کہ اس کو کچھ وقت کے لئے خالی چھوڑ دیا جائے اگر اسے زیادہ بھر دو گے تو کھانے پینے سے الٹا نقصان ہوگا اس لئے سحری کے وقت معمولی کھانا کھاؤ، اور اس قدر کھاؤ، جس قدر معدہ آسانی سے برداشت کر سکے بہت چیزیں یا ثقیل چیزیں نہ کھاؤ اس کا اثر جسمانی رنگ پر بھی برا ہوگا اور روزہ کی غرض و غایت بھی مفقود ہو جائے گی۔

روزہ اور مساوات

روزہ کے مقاصد میں ایک اہم چیز مساوات ہے۔ اسلام امیر و غریب کو ایک سطح پر لانا چاہتا ہے مسجد میں وہ سب کو لا کر ایک صف پر کھڑا کر دیتا ہے روزے کے ذریعہ سے بھی وہ ایسی ہی مساوات پیدا کرتا ہے۔ روزہ ایک شخص کو جس کے دسترخوان پر قسم قسم کے کھانے چنے ہیں ایک ایسے غریب کے برابر کر دیتا ہے جس کو سوکھی روٹی بھی میسر نہیں ہوتی۔ دن بھر دونوں کا حال یکساں ہوتا ہے غروب آفتاب سے پہلے دونوں روٹی کا ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک گھونٹ بھی حلق سے نیچے نہیں اتار سکتے۔ راست بار انسانوں نے اسی روزے کے ذریعے سے بڑی بڑی ترقیات اور درجات حاصل کئے ہیں،

بچوں کو روزہ کی عادت ڈالنی چاہئے۔ تاکہ سن بلوغ سے پہلے ہی برداشت کی قوت پیدا ہو جائے مسلمانوں کو آجکل خاص طور پر رمضان مبارک سے ایک سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دکھوں اور تکلیفوں کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی گزشتہ جنگ یورپ میں ترک سپاہی تین تین روز تک بھوکے پیاسے لڑے اور تمام دنیا کے سپاہیوں سے بڑھ گئے اور کامیاب ہوئے۔ یہ تھا رمضان کا معجزہ

(ملخص از ایمان)

مسلم یونیورسٹی پر ایک بیجا الزام اور اسکی حقیقت

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

اس امتحان میں شریک ہونا لازمی ہے۔ اس لازمی

وجہ سے خود مسلم یونیورسٹی کے سند یافتہ متعدد طلباء انجینیرنگ کالج میں داخل نہیں ہو سکے۔

مسلم یونیورسٹی انجینیرنگ کالج میں داخلہ کرنے کیلئے ماہرین فن کی ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے پانچ سو درخواستوں میں صرف دو سو طلباء کو علمی صلاحیت معیار قابلیت اور دیگر امتیازات کی بنا پر انٹرویو اور مقابلہ کے امتحان کے لئے طلب کیا تھا۔ خواجہ صاحب موصوف ان طلبہ و امیدواروں میں شامل نہ تھے لیکن موصوف اپنے والد محترم کے ہمراہ علی گڑھ آ گئے اور خواہش کی کہ ان کو بھی امتحان مقابلہ میں شرکت اور انٹرویو کمیٹی کے سامنے حاضر ہونے کا موقع دیدیا جائے۔ اول تو طالب علم مذکور نے ایف ایس سی تھرڈ ڈویژن میں پاس کیا تھا پھر بغیر طلب کئے ہوئے علی گڑھ آ گئے تھے لیکن صرف اس خیال سے کہ موصوف عثمانیہ یونیورسٹی کے طالب علم ہیں اور بہت دور دراز کا سفر کر کے تشریف لے آئے ہیں ان کو مقابلہ کے امتحان میں شرکت کی اجازت دے دی گئی۔

اس امتحان کے نتیجہ میں خواجہ صاحب کا شمار ان طلباء میں تھا جنھوں نے بہت کم نمبر حاصل کئے تھے سائنس اور حساب دونوں میں خواجہ صاحب فیل ہو گئے تھے لہذا جب خواجہ صاحب انٹرویو کمیٹی کے سامنے تشریف لائے تو ایک ممبر نے ان سے سوال کیا کہ آپ کے نمبر اتنے کم کیوں ہیں تو موصوف نے فرمایا کہ حیدرآباد میں ذریعۂ تعلیم اردو ہے اور یہاں انگریزی میں جوابات لکھنا ہوتے ہیں جو میرے لئے بیحد دشوار تھا۔ ہمارے پرو وائس چانسلر صاحب ایک بہت خلیق اور مہربان اُستاد ہیں جو انتہائی مصروفیت کے باوجود طلبہ سے خندہ پیشانی پیش آتے ہیں اور ان کے مسائل کے سلجھانے میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔ اپنی تنخواہ کا بیشتر حصہ ہونہار غریب طلباء کی مالی امداد میں صرف کرتے ہیں۔ یہ انتہائی لغو اور بے بنیاد اتہام ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کو داخلہ سے محض اس وجہ سے محروم رکھا جاتا ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی ایک اردو یونیورسٹی ہے۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ہر سال مملکت حیدرآباد اور جامعۂ عثمانیہ سند یافتہ طلباء کثیر تعداد میں یہاں داخل کئے جاتے ہیں۔ ہم مدیر وحدت کو صرف علی گڑھ تک آنے کی زحمت دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ یونیورسٹی کی جماعتوں اور اقامت خانوں میں گھوم کر اس حقیقت کا مشاہدہ فرمائیں۔

مسلم یونیورسٹی کیلئے اپنے امیر جامعہ جلالتہ الملک

اعلیٰ حضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہٗ و حشمتہٗ کے بیشبہا

احسانات اور شاہانہ سرپرستی کا پورا پورا لحاظ ہے اور مسلم یونیورسٹی کے لئے یہ امر باعث صد افتخار ہے کہ حضور سلطان العلوم خسرو دکن اس کے چانسلر ہیں اور یقیناً مسلم یونیورسٹی کو حیدرآباد سے جو تعلق اور گہری وابستگی ہے اس کا مظاہرہ یونیورسٹی کی ہر منزل میں صاف نمایاں ہے خواجہ معین الدین قادری صاحب نے دراصل اپنی نااہلیت کی پردہ پوشی کی غرض سے مسلم یونیورسٹی کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اعلیٰحضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہٗ کے اسم گرامی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا ہے۔

ہندو طلباء کے داخلے کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ ہماری درسگاہ میں ہندو مسلم امتیازات نہ ہونے کے برابر ہیں اور قابل ہندو طلباء کو ضرور داخلہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ انجینیرنگ کالج میں بھی ستر ہندو طلباء داخلہ کے خواہشمند تھے جن میں سے دو ایسے طلباء کو جنھوں نے مقابلہ کے امتحان اور انٹرویو میں بہت اعلیٰ نمبر حاصل کئے تھے داخل کیا گیا ہے۔

ہم کو امید ہے کہ اخبار وحدت دہلی اور دیگر رسائل اور جرائد و روزنامے ایسے معاملات میں آئندہ پوری احتیاط اور ذمہ داری سے کام لیں گے اور مراسلات شائع کرنے یا اڈیٹوریل لکھنے سے قبل منتظمین یونیورسٹی سے صحیح حالات دریافت کرنے کی زحمت گوارا فرمالیا کریں گے۔

احمد وہاب خیری پبلسٹی افسر
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ریڈر شعبہ سنی دینیات کی اسامی کے لئے بمشاہرہ ۳۰۰-۲۰-۵-۲۵/۵-۵۵۰ درخواستیں مطلوب ہیں۔ امیدواروں کیلئے ضروری ہے کہ وہ مشرقی علوم کے مستند عالم اور عربی و دینیات کے فاضل ہوں اور کسی مشہور مشرقی ادارہ کے سند یافتہ بھی ہوں۔ کسی

(باہتمام خانصاحب جواہر خان مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر- محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر- سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۱۶ ستمبر ۱۹۴۳ء مطابق ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ | نمبر (۳۵)

ہمعصر البرہان اکولہ (صوبہ متوسط) کی ۱ ستمبر کی اشاعت میں "تعلیمی کانفرنس" کے عنوان سے حسب ذیل اعلان شائع ہوا ہے۔

انجمن اسلامیہ جبلپور کی دعوت پر مجلس منتظمہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے یہ طے کیا ہے کہ ماہ اپریل ۱۹۴۴ء کی تعطیلات ایسٹر میں کانفرنس کا انعقاد کیا جائے" کانفرنس کی ابتدا سر سید احمد خاں صاحب کے ہاتھوں ۱۸۸۶ء میں ہوئی تھی۔ نصف صدی کے عرصہ میں کانفرنس مذکور نے مسلمانوں کی قومی پراگندگی کو اجتماع اور سکون سے بدل دیا۔ یہ کانفرنس ہندوستان کے ہر صوبہ میں مسلمانوں کی تعلیم، معاشی تعلیم و مذہبی تعلیم کے لئے پوری جد و جہد کرتی رہتی ہے، اس کا نصب العین ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کا اساس اسلامیات پر ہو اور ہر شعبہ تعلیم میں مسلمانوں کے لئے آسانیاں فراہم کی جاویں۔ اس کے اصول کے لئے کانفرنس نے جا بجا اسلامی اسکول و کالج کے قیام میں مدد دی ہے۔ علمی و فنی تعلیم کے لئے وظائف مقرر کئے ہیں اور عربی و دینی تعلیم کی اصلاح کے لئے ایک مخصوص پروگرام مرتب کیا ہے۔ مسلمانان سی پی کی خوش قسمتی ہے کہ کانفرنس کا انعقاد اس صوبہ میں ہو رہا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ کانفرنس کو کامیاب بنانے میں پوری جد و جہد سے کام لیں اور ہر مدد کے لئے تیار رہیں۔ استقبالیہ کمیٹی کا قیام ہو چکا ہے اور خانصاحب عبد الستار صاحب صدر اور سید عبد الہادی صاحب سکریٹری منتخب ہوئے ہیں۔

یہ خبر عام طور پر نہایت مسرت و ابتہاج سے سنی گئی کہ ۶ ستمبر ۱۹۴۳ء کو شہزادہ ولیعہد بہادر ریاست رامپور کے عقد نکاح کی تقریب سعید لکھنؤ میں بحسن و خوبی عمل میں آئی"

اس مبارک تقریب میں شرکت کے لئے جو مہمان لکھنؤ تشریف لے گئے تھے وہ "جہانگیر آباد پیلس" میں مقیم تھے، یہاں سے ۶ بجے شام کو ایک شاندار شاہانہ جلوس جس میں ہز ایکسلنسی گورنر صوبہ متحدہ بھی شریک تھے حضرت گنج ہوتا ہوا "پیر پور پیلس" پہنچا یہاں شام کو بعد مغرب راجہ سید محمد مہدی صاحب تعلقہ دار پیر پور کی دختر بلند اختر سے شہزادہ ولیعہد بہادر کا عقد نکاح عمل میں آیا"

عقد کے بعد جناب راجہ صاحب پیر پور نے ایک شاندار ڈنر دیا جس میں لکھنؤ وغیرہ کے معزز مہمانوں کے علاوہ الٰہ آباد ہائیکورٹ اور چیف کورٹ (لکھنؤ) کے جج بھی شریک تھے ہز ایکسلنسی گورنر صاحب مع لیڈی صاحبہ تشریف رکھتے تھے۔

۱۰ کو مختلف اوقات میں مہمان رامپور واپس آ گئے جہاں اس مبارک تقریب پر جشن مسرت منایا گیا۔ ہم ہز ہائینس فرمانروائے رامپور کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یہ تقریب باعث خیر و برکت ہو۔

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یہ امر طے شدہ ہے کہ مرکزی حکومت ان بدعنوانیوں کی تحقیقات کرائے گی جو اناج کے بارہ میں سرزد ہوئی ہیں خیال ہے کہ تحقیقاتی کمیٹی کے صدر چیف جسٹس مبئی ہوں گے۔

بنارس کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ مقامی خفیہ پولیس نے کئی کمروں کی تلاشی لی اور چار طلبہ کو ڈیفنس آف انڈیا رولز کی دفعہ ۱۲۱ کے ماتحت گرفتار کر لیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ ستمبر ۱۹۴۳ء

قوموں کی ناعاقبت اندیشی کا انجام

جب کسی قوم کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تنزل کر رہی ہے یا زوال و انحطاط کی حالت میں ہے تو اس کا مطلب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ تنزل سے پہلے اس کی حالت بہتر تھی یعنی وہ ایک ترقی یافتہ قوم تھی اور اسے کم و بیش وہ سب چیزیں حاصل تھیں جو ترقی کا معیار سمجھی جاتی ہیں مثلاً علم و ہنر، تہذیب و شائستگی، ہمت و شجاعت، صنعت و تجارت، دولت و امارت، حکومت و سلطنت وغیرہ لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ لوازم ترقی اس کے پاس سے رخصت ہونے لگے یعنی علم و ہنر کو زوال ہوا اخلاق بگڑنے لگے حصول دولت کے وسائل میں کمی آئی اور قومی دولت ناشائستہ اور بیجا مصارف میں ضائع ہونے لگی اور انتظام حکومت میں ابتری یا ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔

جب کسی قوم میں اس قسم کے واقعات کا سلسلہ شروع ہوا تو یقین کر لیا جاتا ہے کہ اس کا دور ترقی ختم ہو گیا اور اب زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے انحطاط ہو رہا ہے۔ بس اسی "دور انحطاط" کا نام تنزل ہے۔ جو ہر قوم کی تاریخ کا سب سے زیادہ عبرتناک و سبق آموز باب ہوتا ہے، اور دوسری قومیں اس سے بصیرت حاصل کر کے اپنے مستقبل کو "ہولناک واقعات" اور "عبرتناک حوادث" سے محفوظ رکھ سکتی ہیں، لیکن انسان اس قدر ناعاقبت اندیش ہے کہ اطمینان اور فارغ البالی کے زمانہ میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ جو کچھ دوسروں کو پیش آیا ہے وہ اُسے بھی پیش آسکتا ہے۔

دنیا میں موت سے زیادہ یقینی کوئی چیز نہیں ہے لیکن کتنے انسان ایسے ہیں جن کے روزمرہ کے اعمال سے یہ اندازہ ہوتا ہو کہ انھیں موت کا یقین ہے حالانکہ وہ روزمرہ دیکھتے ہیں کہ موت کا بے پناہ ہاتھ اُن کے گرد و پیش بڑی سرعت سے اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ اُن کے اقارب و احباب اور دوست آشنا ایک ایک کر کے اُن سے رخصت ہو رہے ہیں لیکن پھر بھی وہ چند لمحہ سے زیادہ اس حادثہ سے متأثر نہیں ہوتے اور ان کے انداز [illegible] سے محسوس ہوتا ہے کہ گویا انھیں یقین نہیں [illegible] ایک دن موت اُن کی شمع حیات کو بھی گل کر دے گی اور اُن کی ساری زندگی ایک "افسانہ" بن جائے گی اور افسانہ بھی ایسا جسے لوگ جلد بھول جائیں گے یعنیہ اس طرح کہ گویا ایک سراب تھا جو کبھی اس "سفر حیات" میں نظر آیا، یا ایک خواب تھا جو کبھی دیکھا جس کا اب کوئی ظاہری وجود باقی نہیں ہے [illegible] خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

بس جو حالت افراد کی ہے وہی قوموں کی ہے یعنی ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی قوم دوسری قوم کے انجام یا اپنے اعمال سے عبرت حاصل کرے اپنے اعمال و کردار کا محاسبہ کرے اور یہ دیکھے کہ وہ تو ایسے حالات میں مبتلا نہیں ہے جو پچھلی قوموں کی بربادی اور زوال کا باعث ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ یکے بعد دیگرے [illegible] قوم کو عروج کے بعد زوال اور ترقی کے بعد تنزل کا سامنا ہوتا ہے اگر قومیں دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کر کے اپنی اصلاح کر لیا کریں تو انھیں یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا مگر انسان کی فطرت پیدائشی "ظلوم و جہول" واقع ہوئی ہے کہ وہ حال کے مقابلہ میں مستقبل کی پروا نہیں کرتا اور بسا اوقات اپنی غلط کاری اور کوتاہ بینی سے آنے والی نسلوں کے لئے سامان مصیبت جمع کر دیتا ہے، جو اپنے اسلاف کے اعمال کی بدولت مدت تک طرح طرح کی تکلیفیں جھیلتی رہتی ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مصیبت کے اس بھنور سے نکل کر تلافی مافات کر سکیں، لیکن سنت الٰہیہ یہ نہیں ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آئے کہ دنیا کی سب قومیں پستی و ذلت کی حالت میں مبتلا ہو جائیں اور انسان جو اس "کارخانہ فطرت" میں خدا کا نائب ہے بالکل معطل کر دیا جائے اور قدرت کا یہ سارا کاروبار ابتر ہو جائے، اس لئے ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جب ایک قوم اپنے ناشائستہ اعمال و کردار کی وجہ سے اس لائق نہیں رہتی کہ دنیا کے کارخانہ کو خالق کائنات کی مرضی کے مطابق چلا سکے [illegible] تو خدا تعالیٰ [illegible] ناشناس اور ناکارہ قوم سے اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے [illegible] لوگوں کے [illegible]

اس [illegible] دوسری قوم کو انھی نعمتوں سے سرفراز کیا جاتا ہے اور اسے مخلوق کی خدمت اور ملک میں امن و انصاف قائم کرنے کے لئے چن لیا جاتا ہے اور [illegible] اپنے حسن عمل سے اس کائنات کے مالک حقیقی کو خوش کر کے یہ ثابت کرے کہ جو نعمتیں اُس کو عطا کی گئی ہیں وہ اُن کی مستحق ہے تاکہ یہ نعمتیں اُس سے واپس نہ لی جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا صاف و صریح ارشاد موجود ہے۔

ذٰلک بان اللّٰہ [illegible] (الانفال آیت ۵۴)

اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو اُس نے کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدلتے۔

اس کے علاوہ بھی جا بجا قرآن مجید نے بتایا ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جو قومیں خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری ہیں اُس کے احکام پر عمل کرتی ہیں ظلم سے باز آتی ہیں اور دنیا میں فتنہ و فساد برپا نہیں کرتیں خدا انھیں ہر قسم کے انعامات سے سرفراز فرماتا ہے اور دوسری قوموں پر فضیلت و برتری عطا کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جو قومیں خدا کی نافرمانی کرتی ہیں، دنیا میں فتنہ و فساد پھیلاتی اور ظلم و ستم کرتی ہیں اور بار بار کی تنبیہ کے بعد بھی اپنی اصلاح پر توجہ نہیں کرتیں وہ یا تو خوفناک طریقہ سے ہلاک کر دی جاتی ہیں یا ایسی ذلت و خواری کی حالت میں مبتلا کر دی جاتی ہیں جو اُن کے لئے ایک مستقل مصیبت و عذاب ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کی بہت سی مثالیں دنیا کی تاریخ میں موجود ہیں جو بنی اسرائیل کی مثال کس قدر عبرت ناک و سبق آموز ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ نے انھیں اپنی گوناگوں نعمتوں اور انعامات سے سرفراز فرمایا، اور دنیا کی بہت سی قوموں پر فضیلت و برتری عطا کی، اور ایک خاص اعزاز و مرتبہ عطا کیا، اور وہ زمانہ دراز تک اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے مستفید ہوتے رہے اس کے بعد اُن کی حالت میں تغیر پیدا ہوا، اور انھوں نے عداوت و سرکشی شروع کی، خدا کے پیغمبروں کو ستایا، جھٹلایا اور بار بار کی تنبیہ و تاکید کے بعد بھی شرارت سے باز نہیں آئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سب نعمتیں اُن سے چھین لیں اور بجائے حکومت و سلطنت کے ذلت و مسکنت اُن کے نصیب میں آئی، اور اس کے بعد کبھی انھیں کسی ایسی سرزمین پر رہنا نصیب نہیں ہوا جسے وہ سچا طور اپنی کہہ سکیں یا جہاں وہ ایک آزاد و خود مختار قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔

صدیاں گزر گئی ہیں کہ یہ آوارہ و خانہ بدوش قوم (یہودی) یورپ اور ایشیا کے مختلف ملکوں میں مارے مارے پھرتی ہے لیکن کہیں بھی انھیں حقیقی چین و آرام نصیب نہیں ہوتا۔ یورپ میں سب سے آخری ضرب ان جہاں پناہ یہودیوں پر ہٹلر نے لگائی، جس نے نہایت بیدردی سے ان کی دولت چھینی، آزادی چھینی، ستایا، قتل کیا اور آخر کار جلا وطنی پر مجبور کر دیا، جرمنی سے نکل کر بہت سے تو عالم غربت میں ناقابل برداشت تکلیف کی وجہ سے موت کا شکار ہو گئے اور کچھ اب تک خستگی اور درماندگی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

یہ تو محض ایک قوم کا حال تھا جو اپنی سخت حالی کی وجہ سے آنے والوں کی عبرت کے لئے اب تک زندہ ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس عجوزہ کہن سال (دنیا) نے بہت سی قوموں کا عروج و زوال دیکھا ہے جو یکے بعد دیگرے اس سرائے فانی میں آئیں اور اپنی سعی و محنت اور عزم راسخ کی وجہ سے آگے بڑھیں اور درجہ کمال پر پہنچیں، اس کے بعد جب اُن میں اخلاقی پستی پیدا ہوئی تو جیسا کہ قانون فطرت ہے زوال شروع ہوا اور اُن کا نام زندہ قوموں کی فہرست سے خارج ہو گیا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تنزل کی رفتار عموماً بہت سست ہوتی ہے اور جو قومیں مدت دراز کی سعی و کوشش کے بعد ترقی کے کسی درجہ تک پہنچتی ہیں ان کے تنزل میں اتنا زمانہ نہیں صرف ہوتا۔ بلکہ جب بدقسمتی سے یہ دور شروع ہوتا ہے تو پھر زوال پذیر قوم کے قدم کہیں نہیں رکتے اور وہ برابر پستی میں اترتی چلی جاتی ہے، بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زبردست طاقت اُسے برابر پیچھے ہٹا رہی ہے اور قدرت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ کسی جگہ بھی اس کے قدم نہیں جمنے دیگی۔

زوال کے ابتدائی دور میں کسی قوم کی حالت میں کوئی ایسی نمایاں تبدیلی نہیں ہوتی کہ ہر شخص یہ محسوس کرے کہ اب یہ قوم زوال کی طرف جا رہی ہے۔ کیونکہ اس دور میں بھی حکومت کا ڈھانچہ بدستور موجود ہوتا ہے، قوم کی تہذیب و معاشرت اور رفتار تمدن میں بھی کوئی [illegible] تبدیلی نظر نہیں آتی۔ [illegible] علما، شعرا، مصنفین، طبیب [illegible] پائے جاتے ہیں، حفاظت [illegible] سامان اور جنگی قوت بھی بظاہر اطمینان بخش [illegible] ہے، نیز امرا کا گروہ بھی مع اپنے [illegible] کے موجود ہوتا ہے،

مگر تنزل شروع ہونے کے بعد ایک خاصی مدت تک ظاہری ٹھاٹھ میں کوئی کمی نہیں محسوس ہوتی اور خود اس زوال پذیر قوم کے عام افراد بھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ اب وہ تنزل کر رہے ہیں۔ لیکن دقیقہ رس نگاہیں ابتدا ہی میں یہ اندازہ کر لیتی ہیں کہ قوم میں تنزل کے آثار پیدا ہو چکے ہیں اور اب وہ پستی کی طرف جا رہی ہے۔ کسی قوم کی ظاہری شان و شوکت یا کثرت تعداد اور مال و دولت ترقی کی دلیل نہیں ہیں، بلکہ اصلی چیز قوم کا عزم و حوصلہ، قوائے عملیہ کی بیداری اور اخلاقی برتری ہے، جب یہ اوصاف کسی قوم میں جمع ہو جاتے ہیں تو وہ خود بخود آگے بڑھتی ہے۔ اور جب یہ خوبیاں جاتی رہتی ہیں یعنی قوم میں کم حوصلگی، اخلاقی پستی، اور بے عملی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر کوئی قوت اس کے تنزل کو نہیں روک سکتی لیکن یہ تنزل چونکہ دفعتہً نہیں واقع ہوتا اس لئے قوم کی ظاہری شوکت و حشمت ایک خاصی مدت تک باقی رہتی ہے جس سے لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قوم اپنی اسی آن بان اور طنطنہ و وجاہت کے ساتھ موجود ہے، حالانکہ ترقی کی "اصلی روح" جس نے قوم کو موجودہ درجہ تک پہنچایا تھا فنا ہو چکی ہوتی ہے۔ اور اب قوم کی حالت ایک نیم جان مریض کے مشابہ ہوتی ہے۔ دقیقہ رس نگاہیں اس حالت کو بھانپ لیتی ہیں،

ہندوستان کے مسلمان اس وقت مسلمہ طور پر انتہائی پستی و تنزل کی حالت میں ہیں اور عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُن کا یہ تنزل نتیجہ ہے "زوال حکومت" کا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا تنزل حکومت جانے سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا اُن میں طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں اور جن اوصاف کی بدولت اُن کے اسلاف نے حکومت حاصل کی تھی وہ اُن کی آنے والی نسلوں میں باقی نہیں رہے تھے۔ اس لئے انہیں خواہ مخواہ حکومت سے دستبردار ہونا پڑا جو اُن کی اخلاقی کمزوریوں کا لازمی نتیجہ تھا۔ اور جو ایک دن ضرور ہونا تھا، لہذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حکومت جانے کے بعد مسلمانوں کا زوال شروع ہوا۔

جن اہل نظر نے زوال حکومت سے پہلے مسلمانان ہند کی دور آخر کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ اس زمانہ میں اگرچہ حکومت کی ظاہری شان و شوکت اور شاہی درباروں کا رکھ رکھاؤ بہت کچھ موجود تھا لیکن اس کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اور پیشین گوئی کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ اب وہ ہندوستان میں چند روز کی مہمان ہے۔

اس دور میں مسلمانوں کا تنزل اس حد پر پہنچ گیا تھا کہ اب اس کا روکنا کسی طرح ممکن نہ تھا اس لئے انقلاب ناگزیر تھا جو آخر کار ہو کر رہا، اگر یہ انقلاب نہ ہوتا تو ابھی کچھ مدت تک اور مسلمان خواب غفلت میں رہتے لیکن انقلاب نے اُن کی آنکھیں کھول دیں اور انھیں یہ بتا دیا کہ وہ اب تک اپنی طاقت یا اہمیت کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا تھے، اور یہی ٹھوکر یا انقلاب کا نتیجہ ہے کہ اب ان میں فی الجملہ بیداری کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس لئے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ شاید وہ کسی قدر تلافی ما فات کر سکیں۔

تاریخ الفی

از حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب [illegible]

عالم اسلام کی ہزار سالہ تاریخ جو شہنشاہ اکبر کے حکم سے مرتب ہوئی ہے۔ شہنشاہ کے حکم سے اس کا نام "تاریخ الفی" رکھا گیا اور ابوالفضل علامی نے اس کا دیباچہ لکھا (آئین اکبری جلد اول صفحہ ۱۳۲)

ملا عبدالقادر بدایونی نے بیان کیا ہے کہ ۹۹۱ھ میں شہنشاہ نے حکم دیا کہ ایک تاریخ ایسی تالیف کی جائے جس میں خلفاء اور سلاطین اسلام کے ہزار سالہ واقعات درج ہوں۔ اس کا نام "الفی" رکھا جائے۔ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے ابتدا ہو، سال ہجرت کے بجائے رحلت سے سنین کا شمار کیا جائے۔ اس کی تالیف پر ابتداءً سات آدمی مامور ہوئے۔ ہر ایک کو ایک ایک سال کا حال تفویض ہوا۔ نقیب خاں، شاہ فتح اللہ، حکیم ہمام، حکیم علی گیلانی، ابراہیم سرہندی، مرزا نظام الدین احمد، ملا عبدالقادر بدایونی نے سات سال کے واقعات قلم بند کئے۔ اسی ترتیب سے پینتیس سال کا حال دو ہفتہ میں مرتب ہوا۔ اس کے بعد چھتیسویں سال سے اس کی تالیف کے لئے ملا احمد ٹھٹھوی نامزد ہوئے۔ انہوں نے چنگیز خاں کے خروج تک واقعات لکھے۔ ۹۹۶ھ میں مرزا فولاد نے ملا کو مار ڈالا تو شہنشاہ نے آصف خاں کو اس کام کے لئے نامزد کیا۔ انہوں نے ۹۹۷ھ تک چار سو سال کے واقعات تحریر کئے۔ اس طرح یہ عظیم الشان تاریخ اختتام کو پہنچی۔ ۱۰۰۰ھ میں شہنشاہ نے ملا عبدالقادر بدایونی کو حکم دیا کہ اس کے واقعات کو مصادر سے از سر نو مقابلہ کرے، سنین کی تقدیم و تاخیر کو ترتیب دے۔ ملا صاحب نے ایک سال میں پہلی دو جلدوں کی تصحیح کی۔ تیسری جلد کو آصف خاں کے حوالہ کیا (منتخب التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۱۸ و صفحہ ۳۱۹)

الفی کے مصنفوں میں قابل ذکر ملا احمد بن نصر اللہ ٹھٹھوی ہیں۔ وہ خلیفۂ ثانی امیر المومنین عمر ابن الخطاب کی اولاد سے تھے۔ سندھ کے شہر دیبل میں پیدا ہوئے، ٹھٹھہ میں نشو و نما پایا۔ ان کے والد ملا نصر اللہ ٹھٹھہ کے قاضی، سندھ کے رئیس اور مذہب کے حنفی تھے۔ ملا احمد نے عنفوان شباب میں مذہب امامیہ کو اختیار کر لیا۔ بائیس سال کی عمر میں مشہد مقدس میں جا کر مولانا افضل قائینی سے مذہب امامیہ کے علوم دینیہ حاصل کئے۔ وہاں سے یزد اور تبریز میں آکر طبیب کمال الدین حسین یزدی اور مرزا جان شیرازی سے کلیات قانون اور شرح تجرید پڑھی۔ قزوین میں شاہ طہماسپ صفوی کی ملازمت سے بہرہ ور ہوئے۔ ۹۸۴ھ میں شاہ طہماسپ کا انتقال ہو گیا اور اس کے جانشین شاہ اسمٰعیل ثانی نے مذہب تسنن میں شہرت حاصل کی تو ملا احمد حرمین شریفین میں چلے آئے۔ وہاں سے براہ سمندر دکن میں ابراہیم قطب شاہ والی گولکنڈہ کے دربار میں تھوڑی مدت بسر کی۔ ۹۸۹ھ میں فتح پور سیکری میں آکر شہنشاہ اکبر کے اہل دربار میں داخل ہو گئے۔ مذہب امامیہ میں ان کو غایت درجہ غلو تھا۔ اہل تسنن کو برا کہا کرتے تھے۔ اس لئے مرزا فولاد نے ان کو ۹۹۶ھ میں لاہور میں مار ڈالا۔ اس کی پاداش میں شہنشاہ نے مرزا فولاد کو قتل کروا دیا۔ باوجود اس کے اہل شہر نے ایک روز موقع پا کر ان کے جسد کو قبر سے نکالا اور جلا کر راکھ کر دیا (مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۲۶۰ تا صفحہ ۲۶۴) ملا احمد نے حکیم ابوالفتح گیلانی کی [illegible] سے ایک کتاب "خلاصۃ الحیات" تصنیف کی اور شہنشاہ اکبر کے حکم سے عربی زبان کی [illegible] تصنیف "معجم البلدان" کو قاسم بیگ [illegible] کی شرکت میں ترجمہ کیا ہے۔ (آئین اکبری [illegible] صفحہ ۱۳۲)

الفی کے سلسلہ تالیف کو جاری رکھنے والے آصف خاں کا اصلی نام قوام الدین [illegible] ہے۔ ان کے والد مرزا بدیع الزماں قزوینی شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ میں کاشان کی وزارت پر مامور تھے۔ مرزا جعفر ۹۸۵ھ میں وارد ہندوستان ہوئے۔ اپنے چچا مرزا غیاث الدین علی آصف خاں کے توسط سے اکبر کے دربار میں رسائی پیدا کی۔ شہنشاہ نے ان کو ابتداً میر بخشی کا عہدہ عطا کیا۔ ۱۰۰۵ھ میں کشمیر کی حکومت عنایت ہوئی۔ ۱۰۱۳ھ میں بہار کا صوبہ تفویض ہوا۔ شہنشاہ جہانگیر نے ۱۰۱۵ھ میں پنجہزاری منصب اور وکالت کا عہدہ سرفراز فرمایا۔ ملک عنبر کی شورش فرو کرنے کے لئے شاہزادہ پرویز نامزد ہوا تو آصف خاں اس کے اتالیق قرار پائے۔ اسی دوران میں جلوس کے ساتویں سال ۱۰۲۱ھ میں بمقام برہان پور ان کا انتقال ہو گیا۔ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ شعر بھی خوب کہا کرتے تھے۔ انہوں نے شہنشاہ جہانگیر کے لئے ایک مثنوی نظم کی ہے جس میں خسرو شیریں کا فسانہ مذکور ہے۔ "نورنامہ" اس کا نام ہے۔ نقادان سخن کہتے ہیں کہ نظامی گنجوی کے بعد اس عمدگی سے کسی نے بھی یہ داستان نظم نہیں کی ہے۔ یہ مثنوی ۱۸۷۳ء میں لکھنؤ میں چھپ گئی ہے (منتخب التواریخ صفحہ ۲۴۴، مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۱۰۷، تزک جہانگیری صفحہ ۵۱ و صفحہ ۱۰۹، اقبال نامہ جہانگیری جلد سوم صفحہ ۵۱، صفحہ ۵۳۳)

اس کتاب میں سنین کے تحت سال بسال واقعات مرقوم ہیں۔ شہنشاہ کے حکم کے مطابق سید المرسلین کی رحلت سے اس کی ابتدا ہوئی ہے، اس اعتبار سے پہلا سال رحلت گیارہویں سال ہجرت کے مطابق ہوتا ہے۔

اکبرنامہ

اکبر کے عہد حکومت کی مبسوط و مفصل تاریخ ہے۔ ابوالفضل ۶ محرم ۹۵۸ھ کو آگرہ میں پیدا ہوا اور ۹۸۱ھ میں دربار میں باریاب ہوا۔ بادشاہ نے ابتدا میں دفتر انشاء اس کو تفویض کیا۔ رفتہ رفتہ ترقی کر کے عہدہ وزارت پر فائز ہو گیا۔ ۴ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ کو شہزادہ سلیم کے ایما سے راجہ نرسنگ نے نواح اجین میں مار ڈالا۔

ابوالفضل نے اکبرنامہ کو جلوس اکبری کے اکتالیسویں سال ۱۰۰۴ھ میں تمام کیا، اس کے بعد ۱۰۱۰ھ تک اس میں واقعات اضافہ کئے اور مضامین کے لحاظ سے دو جلدوں پر منقسم کیا۔

جلد اول:
- دفتر اول۔ اس میں امیر تیمور کے زمانہ سے ہمایوں کی وفات تک اکبر کے آبا و اجداد کا تذکرہ ہے۔
- دفتر دوم۔ اس میں اکبر کی تخت نشینی سے سترہویں سال جلوس تک واقعات ہیں۔

جلد دوم:
- دفتر اول۔ اس میں جلوس کے اٹھارویں سال سے چھیالیسویں سال تک واقعات ہیں۔

منشی محمد صالح نے شاہجہاں کے عہد میں بطور تکملہ جلد دوم کا دفتر دوم مرتب کیا ہے جس میں چھیالیسویں سال جلوس سے وفات تک واقعات ہیں لیکن یہ تکملہ مشہور و مقبول نہیں ہوا۔

اکبرنامہ سلسلہ کتب ہندیہ میں ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۷ء تک کلکتہ میں اور [illegible] میں لکھنؤ میں چھپا ہے۔ انگریزی میں بیورج نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۹۷ء سے ۱۹۲۱ء تک کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔ (ایلیٹ جلد پنجم صفحہ ۱۰۲، [illegible])

اسکندریہ کا روشنی کا مینار

ایشیائے کوچک کی فتح کے چند سال بعد سکندر اعظم نے ملک ہندوستان کی تسخیر کا فیصلہ کیا، اور سخت جنگ و جدل کے بعد بیاس تک کے علاقہ پر وہ قابض ہوگیا۔ لیکن یہاں سے اس نے واپس چلے جانے کا ارادہ کرلیا۔ اور ایک بہت بڑی کشتی بنانے کا حکم دیا۔ جس میں بیٹھ کر اس نے دریائے نیل کے دہانے کی طرف سفر کرنا شروع کیا۔ جب بڑی مشکل کے بعد وہ وہاں پہنچا۔ تو اس نے دیکھا کہ وہاں صرف مٹی کی بنی ہوئی چند جھونپڑیاں ہیں، اس نے تاڑلیا۔ کہ یہ جگہ بندرگاہ کے لئے نہایت موزوں ہے، جس کے باعث اس کے نئے ملک کی تجارت کو بہت فروغ ہوگا۔ چنانچہ اس نے اس مقام پر اپنے نام کا ایک شہر آباد کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ آیندہ اقوام کو معلوم ہوسکے کہ یہ شہر مصر کے فاتح نے بسوایا تھا۔

سکندر نے ایک ماہر فن تعمیر کو حکم بھیجا۔ کہ وہ جلد مصر پہنچے اور نہایت عالیشان شہر کی تعمیر کی عنان اپنے ہاتھ میں لے جس کا نام سکندریہ رکھا جانا تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سکندریہ کی سعی و کوشش سے وہاں ایک عظیم الشان شہر بن گیا۔ جس کے محلات اور باغات اور سمندر تک پہنچے ہوئے زینوں کی وجہ سے اس شہر کی عظمت و شوکت دور و نزدیک پھیل گئی۔ اور یہ شہر تعلیم کا مرکز بھی بن گیا۔ کیونکہ کئی کالج اور اسکول وہاں کھلے گئے اور ہزارہا عالموں فاضلوں کو اس جگہ بلایا گیا۔ ان میں یونان کا مشہور فلاسفر ارسطو بھی تھا۔ جو کہ سکندر کا اتالیق تھا۔ اگرچہ سکندر نے اس شہر کو اپنے نام پر آباد کیا۔ لیکن افسوس اسے مکمل کے بعد نہ دیکھ سکا۔ جیسا کہ نیولین بونا پاٹ نے کہا ہے،

"سکندر نے اپنی تمام فتوحات کی نسبت شہر اسکندریہ کو آباد کرکے زیادہ نام پیدا کیا ہے۔"

اگرچہ پھر اپنی زندگی میں سکندر اس شہر میں نہ آیا لیکن وفات کے بعد اس کی لاش کو دفن کرنے کے لئے یہیں لایا گیا۔ اور اس جری شہنشاہ کو ایک شاندار قبر میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ دفن کیا گیا، یہ قبر اب بہت خستہ حالت میں ہے اور شہر کے ایک معمولی اور قدیم کوچے میں واقع ہے۔

سکندر کی وفات کے بعد اس کے تمام مفتوحہ ممالک اس کے مشہور جرنیلوں میں تقسیم ہوگئے چنانچہ ملک مصر اور یہ بندرگاہ مشہور سپہ سالار ٹالمی کے حصہ میں آئے۔ اس کے عہد میں تجارت کو نہایت فروغ حاصل ہوا اور باشندگان شہر بہت خوش حال اور فارغ البال ہوگئے۔ اسباب سے لدے ہوئے جہاز بحیرہ روم کی بندرگاہوں سے آتے اور مصر کی پیداوار لاد کر لے جاتے۔ اس زمانہ کے جہاز زمانۂ جدید کے جہازوں سے بالکل مختلف تھے۔ وہ محض بڑی کشتیاں تھے یا ہلکے بادبانی جہاز۔ چنانچہ اگر کافی روشنی کا انتظام نہ ہوتا۔ تو یہ بڑی بڑی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے۔ لاتعداد چٹانوں کی وجہ سے اسکندریہ کی بندرگاہ بھی نہایت خطرناک تھی۔ کئی جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ بیش بہا سامان تجارت کے علاوہ کئی جانیں تلف ہوگئیں۔ آخرکار ایک شب کو دو جہاز آندھی اور اندھیرے کی وجہ سے چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہوئے اور تمام ملاح غرق ہوگئے تو ایک آدمی کو خیال آیا کہ یہاں روشنی کا ایک بہت اونچا مینار بنانا چاہئے۔ جس کی روشنی دس میل تک پہنچے، اور بندرگاہ میں جہاز بحفاظت داخل ہوسکیں۔

یہ ایک بالکل اچھوتا خیال تھا۔ اس سے پہلے کہیں بھی روشنی کا کوئی مینار موجود نہ تھا۔ لوگوں نے اس عجیب و غریب درخواست کو بسر و چشم قبول کیا اور فیصلہ ہوا کہ تعمیر کا کام فوراً شروع کر دیا جائے اور اس کو مضبوط بنانے کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کیا جائے۔ تاکہ مینار آندھی اور طوفان کا مقابلہ کرسکے، پھر محل وقوع کا سوال پیدا ہوا، آخرکار طے ہوا کہ یہ جزیرہ فارس میں جو کہ اسکندریہ سے [illegible] کے ذریعے ملا ہوا تھا بنایا جائے۔

مینار کا نقشہ یونان کے ایک مشہور ماہر فن تعمیر نے تیار کیا۔ اور اسی نقشہ کے مطابق اس کو تعمیر کیا گیا یہ مینار صنعت اور کاریگری کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا۔ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کا بنا ہوا تھا جن کو پگھلائے ہوئے سیسے میں جوڑا گیا تھا۔ چھ سو فٹ اونچا تھا۔ اور آٹھ منزلہ تھا۔ اس میں آٹھ سو کمرے تھے۔ سمندر کی طرف کھڑکیوں میں بڑی بھاری آگ ہر رات جلائی جاتی تھی۔ اس مینار پر پالش شدہ دھات کی تہ جڑی ہوئی تھی۔ یہ اتنی صاف تھی کہ جہازوں کا عکس اس میں نظر آتا تھا۔ اور اس وجہ سے روشنی اور بھی تیز نظر آتی تھی۔ چونکہ یہ مینار بہت بلند تھا۔ اس لئے اس کی روشنی تقریباً سو میل تک دکھائی دیتی تھی۔

کہتے ہیں کہ لڑائی کے دنوں میں مصری لوگ اس پر بڑے بڑے شیشے رکھ دیتے تھے۔ جن کا عکس دشمنوں کے جہازوں پر پڑتا۔ اور ان کو تپش کی تیزی سے آگ لگ جایا کرتی۔

جب مینار مکمل ہوچکا تو شاہ ٹالمی نے اس پر اپنا نام کندہ کرایا۔ یہ مینار دنیا میں سب سے پہلا روشنی کا مینار تھا۔

صدیوں کے بعد جب اہل عرب نے اسکندریہ کو فتح کیا۔ تو کسی نجومی نے کہا۔ کہ اس مینار کی تہ میں بیشمار دولت دبی پڑی ہے جب مینار کو گرایا گیا تو معلوم ہوا کہ نجومی نے جھوٹ کہا تھا۔ اور جو باقی ماندہ تھا۔ وہ چودھویں صدی کے زلزلہ سے تباہ ہوگیا۔ (نئی زندگی)

جغرافیہ اسلامی عہد میں

دنیا مسلمانوں کا وطن اکبر ہے، مسلمان اس دنیا کے باشندے ہیں، اور اس کی ہر اقلیم، ہر ملک اور ہر بر اعظم کو اپنی چیز سمجھتے ہیں، اللہ کی زمین اور اللہ کے بندے، خدا کی مخلوق اور ساری خدائی۔

"ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست"

ہر ملک ہمارا ملک ہے کیوں؟ اس لئے کہ ہر ملک ہمارے خدا ہی کا تو ملک ہے، جس قوم کے بچے یہ خیال لے کر پیدا ہوں اور جس قوم کے جوان اجنبی ملکوں کے ساحلوں پر کھڑے ہوکر اس قسم کے عقیدہ کا اظہار کریں وہ پہاڑی سرحدوں میں قلعہ بند ہوکر نہیں رہ سکتے،

حضرت عیسیٰ کے میلاد پر چھ سو سال گزر چکے تھے کہ مسلمان چشمے کی طرح ابھرے۔ آبشار کی طرح زمین پر نازل ہوئے، اور بہتے ہوئے دریاؤں اور نہروں کی طرح چاروں طرف بڑھتے چلے گئے عرب سے چلے، فرانس کے پہاڑوں تک پہنچے، سائبیریا کے جنگلوں میں بسے۔ بحر شمالی کے قریبی شہروں پر سایہ فگن ہوئے، چین میں آباد ہوئے، مصر، شام، عراق، فارس، اٹلی، سسلی، اسپین، افغانستان، ہندوستان، بحر روم، بحر الکاہل، بحر عرب، بحر ہند کے حکمران بنے انھوں نے بحر روم کو فتح کیا، ہوا کا رخ بدلا، چاند سورج پر علم و تحقیق کی کمند ڈالی۔ اور ستاروں کو اپنی رفتار کے ساتھ لے کر آگے بڑھے، انھوں نے عرب کے

نخلستانوں میں قوت حاصل کی۔ شام کے سنگتروں کا رس پیا۔ ایران کے محلات میں آکر دھاڑی آریانا۔ وافغانستان، پہنچ کر پھل کھائے۔ ہندوستان آکر پھول سونگھے۔ اسپین میں داخل ہو کر یونیورسٹیاں بنائیں سمرقند میں رسدگاہیں قائم کیں، ملکوں کے راستے ناپے، اقلیموں کے حالات پر دسترس حاصل کی، براعظموں کے نقشے بنائے، زمینوں کا بندوبست کیا اور پیداواروں کی تنظیم کی۔ وہ شش جہات حج بیت اللہ کا عشق، حج کی محبت، فتح کا شوق، علم کا ذوق، یہ چار چیزیں تھیں، جنھوں نے فاتح مسلمانوں کو سیر و سیاحت پر آمادہ کیا؟ اور یہ سیر و سیاحت کی قدر و قیمت تھی کہ مسلمانوں کے علمی دماغ اور تعلیمی مزاج جغرافیہ کی ایجاد و تجدید کی طرف متوجہ ہوئے۔

۱۹ء میں ارسستین پہلا یونانی عالم تھا جس نے فینیقی سوداگروں وسکندر کے سیاحوں سے دنیا کے ملکوں کے حالات سُنے اور ان کو قلم بند کیا، یہی جغرافیہ کی ابتدا؛ اس کے بعد اسٹرابون سیاح اور بلینوس اور بطلیموس نے کتابیں لکھیں جن میں جغرافیہ بطلیموس کو خاص شہرت حاصل ہوئی، بطلیموس نے چار سو پہاڑوں۔ سنت سے شہروں اور پیداواروں کا ذکر کیا۔ اس حد پر جغرافیہ تھم گیا۔ پانچ سو برس بعد مسلمان علوم و فنون کا تاج سر پر رکھ کر نمودار ہوئے، اور انھوں نے [illegible] میں علم جغرافیہ کو ایک مستقل علم کی حیثیت سے آباد کیا، اصمعی، ہمدانی، ابو الاشعث نے کتابیں تحریر کیں جغرافیہ کی تخلیق کے لئے سیاحت بڑی ضروری چیز تھی، مسلمان اس کام میں نمبر اول نکلے، انھوں نے دنیا کو اپنے قدموں سے روند ڈالا۔ ہر طرف گئے، ہر سمت میں بڑھے، ہر ملک میں پہنچے اور سمندروں، دریاؤں، سرِوں، ساحلوں، شہروں، جنگلوں، صحراؤں، پہاڑوں، وادیوں، انسانوں اور حیوانوں سے اس کا نام پوچھ کر چھوڑا۔ انھوں نے خود زحمت اٹھائی، معلومات جمع کیں اور ان کو ہمارے سامنے بطور ارمغان پیش کر دیا۔

شیخ ابو زید بلخی جغرافیہ کا پہلا مسلمان موجد ہے جس نے "صور الاقالیم" لکھ کر اس فن کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں فنی ضرورت کے مطابق سمندروں، دریاؤں، ساحلوں، پہاڑوں، شہروں، شہری باشندوں اور ان کے تمام طبعی حالات کا ذکر کیا گیا ہے،

ابو اسحاق الاصطخری دوسرا جغرافیہ داں تھا جس نے بلخی کا زمانہ پایا اور اپنی یادگار زمانہ کتاب "مسالک الممالک" لکھ کر ساری دنیا پر احسان کیا، اصطخری نے دنیائے معلومہ کا خود دورہ کیا۔ اس کی مہم تیسری صدی ہجری کے بعد پوری ہوئی، اور اس سے زبردست نتائج برآمد ہوئے۔

عصر حاضر کے سیاح بلخی اور اصطخری ہی کے نقش قدم پر قدم بہ قدم اُٹھا کر چلتے ہیں، اور دنیا کی سیاحت کرتے ہیں۔ ابن حوقل نے [illegible] میں سیاحت کی اور "المسالک و الممالک" کے نام سے ایک جغرافیہ لکھا اس نے ایک [illegible] ایجاد کی [illegible] صورت الاقالیم کے نقشے [illegible] درج کئے جو تیرہ رنگین اور مرتب تھے۔ یورپ نے ابن حوقل کی اس اٹلس سے بہت فائدہ حاصل کیا۔ اور اس تصنیف کو زبردست اہمیت دی۔ اس کے بعد ہمدانی، مسعودی اور مقدسی نے سیاحت کی اور فن جغرافیہ کو وسیع [illegible]۔

ابو عبداللہ محمد [illegible] ادریسی [illegible]

سیاحت کے علم [illegible]

کے براعظم کو بھی [illegible]

کا معرکۃ الآرا [illegible]

کے متعلق [illegible] علم ہندسہ [illegible]

تک یورپ کے [illegible]

یہی وجہ ہے [illegible] براعظم یورپ میں ادریسی کی "نزہۃ المشتاق" کا بہت [illegible] ہے ۱۲۵۲ء میں فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ ہو کر علما ئے یورپ کے سامنے آچکا ہے۔

مسلمان علماء نے پانچویں چھٹی صدی ہجری میں فن جغرافیہ کے بارے میں تازہ اصول ایجاد کیا انھوں نے جغرافیہ کو قاموس (انسائیکلوپیڈیا) کے طرز پر ترتیب دینا شروع کیا۔

ابو عبداللہ شہاب الدین رومی یاقوت الحموی نے اس ایجاد کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کی، یاقوت نے قاموسی اصول پر حروف ہجا کے اعتبار سے شہروں کا جغرافیہ لکھا۔ اور اس کا نام معجم البلدان تجویز کیا۔ اگرچہ مصنف ۶۲۶ھ میں وفات پا گیا مگر اس کا کارنامہ کارناموں کی دنیا میں آج بھی زندہ ہے۔

تیسرا فن جو فن جغرافیہ کے لئے دوسرے درجہ پر لازمی ہے سیاحت ہے، مسلمانوں نے سیاحت کو بھی ایک فن بنا کر اس سے خوب خوب کام لیا، ابن فضلان جلبی، ابن بطوطہ نے سفر نامے لکھے جن میں جغرافی معلومات کے صدہا سربستہ خزانے ملتے ہیں۔

ایک عیسائی یادری نے کسی جگہ لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جغرافیہ کی توسیع و ترقی حج کی برکت تھی، دنیا کے مسلمان حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے اور صدہا وہاں [illegible] کی سمتوں کی پیمائش کر کے نکلتے [illegible] کا داعیہ یہاں سے پیدا ہوا [illegible] پیدا کیا اور خدا کے [illegible] ذوق طلبہ ایک فن تھا [illegible] مسلمانوں نے ہر فتح کے [illegible]

[illegible] کیا فن تھا جس پر ہاتھ ڈالے تھے

تو خدا کے حکم [illegible] تھا، در اصل ان کا اعتقاد [illegible] ان کی تھی، علم حق تھا [illegible] زمانہ تھا، یا [illegible] خدا کو اب بھی یاد [illegible] دل سے دور اور دماغ [illegible]

[illegible] فرعون کا مصر [illegible]

[illegible] کا مصر محمد علی پاشا

[illegible] جس کا قبضہ [illegible] مسلمانوں سے کون [illegible] سکا،

ہندوستان مصر کو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیاحت گاہ، فرعونوں کا پرانا دار الحکومت بنی اسرائیل کا قید خانہ، دنیا اس کو نیل کی وادی کے نام سے جانتی ہے، اور سب ہر کے نام سے پہچانتی ہے سکندر کا اسکندریہ بھی اسی کے ساحل پر آباد ہے۔

مصر کبھی سلطنت عثمانیہ کا جز تھا۔ اب آزاد ہے آج شاہ فاروق اول کی حکومت ہے کل فواد الاول کی حکومت تھی۔

مرحوم شاہ فواد زندہ تھے زمانہ خوب تھا۔ [illegible] بہت ہی خوب تھے۔ صورت شیر سے زیادہ بارعب، دل عرب، دماغ مسلمان، خون اسلامی بھی اور عربی بھی۔ مصر کی سیاست نیم آزاد تھی، مگر فواد کا قصر آزاد شہنشاہوں کے محلات کو مات کرتا تھا، شان و شوکت جاہ و جلال ہر چیز موجود مگر شاہی میں اسلامیت کا

جو ہر ہر سمت جھلکتا ہوا۔

ایک مرتبہ شاہ فواد کا عربی احساس زندہ ہو فرمانے لگے "میں ترکی نہیں ہوں۔ میں بچہ تھا مصر آیا۔ مصر کے سورج نے مجھے مصری بنا دیا۔ میرے خون کا رنگ بدل دیا اور اسے عربی خون بنا دیا۔

شاہ فواد کی والدہ امیرہ فریال بڑی پارسا اور بہت نیک مسلمہ خاتون تھیں۔ اسلامی شعائر کی پابند اور ان پر عمل کرانے کی حریص فواد نے ان کی پیروی کی اور ان کی ہدایت سے اسلامی شعائر اور علامات کی پاسداری پر ہمیشہ فخر کیا۔ انھوں نے عرب اسلامی تمدن کو زندہ کیا۔ اسلامی علوم کو زندہ رکھا، ترقی دی اور زمانہ حال کی ضرورت کے مطابق ترویج تک پہنچایا۔

فواد اول کو مصر کا شاہی تخت ملا اس وقت مصر عابدین قاہرہ میں اور قصر راس التین اسکندریہ میں دو شاہ نشین ایوان تھے اور دونوں فرنگی نمونہ کے تھے تو فواد نے حکم دیا، دو نئے شاہ نشین ایوان تیار کئے جائیں جو عربی طرز تعمیر کے جمال و کمال کا نمونہ ہوں۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ ہر ایوان ۲۱۶ میٹر مربع تھا۔ بنیاد سے لے کر دیواروں تک حتی کہ چھت تک تمام حصہ عربی طرز کے نقوش بدیعہ سے گلزار نظر آنے لگا۔

ان ایوانوں کی تقدیس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کی دیواریں قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور عربی جواہر پاروں سے آراستہ ہیں۔

تخت شاہی کے دائیں طرف دیوار پر یہ لکھا ہے "رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی" دائیں طرف یہ رقم ہے "رب اجعل ھذا البلد آمنا"

تخت کے پیچھے تاریخ تعمیر ثبت ہے "انشئ فی عہد فواد الاول ۱۳۵۰ھ" یہاں عیسوی سن کا کہیں ذکر نہیں۔ دیوار کے ایک حصہ پر لکھا ہے۔ "وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا" "وان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی"

یہی نہیں بلکہ شاہ فواد کے عہد کے محلات اور ایوانوں کی علامت ہی یہ ہے کہ وہاں شاہی حکم سے قرآن کی آیات ثبت نظر آتی ہیں

مصر کے شاہی محل کو اسلام سے مسلمانوں سے عرب سے عربوں سے عربی زبان اور اسلامی علوم سے جو ربط شاہ فواد کے زمانہ میں پیدا ہوا وہ حیرت انگیز ہے، شاہ مرحوم نے جامع ازہر کی اصلاح کی اور اس کو سب سے بڑی اسلامی اور مذہبی یونیورسٹی بنا دیا۔ انہوں نے جامع ازہر کے ماتحت نئے دارالعلوم قائم کئے۔ اسیوط میں "المعہد الدینی الکبیر" قائم کیا اور اس کا افتتاح امیر فاروق سے کرایا، عربی زبان کی جدید ضرورتوں کے لئے "مجمع فواد الاول" نامی اکاڈمی کی بنیاد رکھی اور علمائے شرق، علماء عرب اور یورپ کے بڑے بڑے مستشرقوں کو اس کا رکن بنایا۔ عربی حروف کی اصلاح کا کام شروع کیا جس کی بنا پر "حروف التاج" وجود میں آئے اور عربی کتابت دنیا کی ترقی یافتہ ٹائپ کی برابری کرنے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوئس نوٹن نے مصر کے متعلق اپنی کتاب طبع کی تو اسے یہ لکھنا پڑا "جب سے شاہ فواد تخت نشین ہوئے ہیں مصر اسلامی تمدن اور عربی قومیت کا رہنما بن گیا ہے۔"

مصر کے قصر شاہی میں اسلام کو جو قدر و منزلت حاصل ہوئی یہ اس کا حصہ تھی ہندوستان کے مسلمان امراء، رؤسا حتی کہ عام غریب بیا اسلام کے متعلق اپنے گھروں میں اتنا اہتمام کرنے کے لئے تیار ہیں ؟ (باقی آئندہ) مدیر

پنجاب یونیورسٹی کے ضوابط میں تبدیلی

پنجاب یونیورسٹی کے ضوابط میں بعض تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہیں جن کی رو سے (۱) السنہ شرقیہ اور جدید ہندوستانی زبانوں کے امتحانات کے تمام پرائیویٹ امیدواروں (طالبات کے سوا) کے لئے لازم ہے کہ وہ داخلے کے فارم پر دستخط کرائیں (۲) کسی منظور شدہ سکول یا ملحقہ کالج کے ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل اسسٹنٹ کمشنر کو اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ یونیورسٹی کے امتحانات میں پرائیویٹ امیدواروں کے طور پر بیٹھ سکیں (۳) طالب علم اور طالبات اب عربی، فارسی اور سنسکرت کے آنرز کے امتحانات میں بھی کمپارٹمنٹ سسٹم سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اور اس سے آئندہ سالانہ امتحانات میں امیدواروں کو دو موقعے دئے جائیں گے (۴) سائنس کے امیدوار کے لئے لازم ہوگا کہ وہ اس امر کا ثبوت مہیا کریں کہ وہ سائنس کے مضمون میں پریکٹیکل ٹریننگ حاصل کر چکے ہیں۔ یہ ٹریننگ سنڈیکیٹ کی کسی بھی منظور شدہ لیبارٹری میں حاصل کی جا سکتی ہے (۵) آرمی، ائیر فورس اور نیوی کی تعلیمی سروس کے ٹیچروں کو اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ ایم اے کے امتحان میں بطور پرائیویٹ امیدوار شامل ہو سکیں (۶) ہائر سیکنڈری کے امیدواروں کے داخلہ کے فارموں پر دستخط کرنے کا اختیار ڈپٹی کمشنر کے بجائے اس ضلع کے درجہ اول یا دوم کے مجسٹریٹوں کو دے دیا گیا ہے جہاں امیدوار سکونت پذیر ہو۔

قدیم مرہٹی مخطوطات میں اردو

پروفیسر سی۔ این جوشی کو عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد) نے ریاست کے مرہٹواڑی ضلعوں میں قدیم مرہٹی اور سنسکرت مخطوطات کی تلاش میں بھیجا۔ وہ بہت سے بیش بہا مرہٹی اور سنسکرت کتابیں وغیرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بانوے قلمی کتابیں ان کے ہاتھ آئیں جو انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کی نذر کر دیں۔ ان میں جو بہتر مرہٹی کی ستر سنسکرت کی کتابیں ہیں اور ایک فارسی۔

بہت سے مرہٹی کی کتابیں خاص اہمیت کی ہیں۔ ان میں مثلاً ایک ضخیم کتاب ہے جس کا نام کرشن مرہونتہ ہے۔ یہ کتاب پربھنی کے قریب موضع مان پتری میں کوڑے کے ایک ڈھیر میں سے ملی۔ اس کے مصنف کا نام پتا چلتا ہے جو ایک ناتھ کے نامی پیتھ کا تھا۔ کتاب سویاراجی مالو کے ہاتھ کی اور ۱۷۱۵ء کی مورخہ ہے۔ اس میں اٹھائیس ہزار بیتیں ہیں۔ اور یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ سری کرشن جی کے واقعات اور بھگتی اس کا موضوع ہے۔

زبان سہل اور سلیس ہے۔ ساری کتاب میں اردو کا اثر غالب ہے اردو لفظ اور محاورے کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ کتاب مرہٹی ادب میں قابل قدر اضافہ ہے۔

مرہٹی زبان میں اور خاص کر مملکتہ نظام کے مرہٹواڑی علاقے کی زبان میں اردو الفاظ اور اردو کا اثر پایا جانا تعجب کی بات نہیں، لوگ بھول جاتے ہیں کہ مرہٹہ حکومت کے مرکزی دفتر کا اہم حصہ فارسی زبان استعمال کیا کرتا تھا۔ مرہٹہ بیچ میں اردو

مدرسہ رفعت القرآن ... کا نتیجہ

نتیجہ امتحان سالانہ ۱۳۶۲ھ

بتاریخ ۲۴ و ۲۵ ماہ مبارک رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۸ و ۲۹ جولائی ۱۹۴۳ء روز چہارشنبہ و پنجشنبہ ہم لوگوں نے حسب طلب جناب محترم صابری صاحب ناظم مدرسہ عالیہ رفعت القرآن حاضر ہو کر سالانہ امتحان کلام اللہ شریف کا لیا۔ الحمد للہ امسال مدرسہ میں ایک مزید درجہ کا اضافہ ہو کر تعداد طلباء میں بھی زیادتی دیکھی جو ناظم صاحب موصوف کی توجہ و کافی دلچسپی کا ثبوت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالے مکرمی جناب شاہ فضل حسن میاں صاحب صابری کو حسب خواہش ان کی مزید خدمت فیض رسانی کا موقع بخشے۔ اور مدرسہ رفعت القرآن اپنی نظیر آپ ہی ہو۔ آمین۔ مدرسین کی محنت و توجہ قابل ستائش ہے۔ نتیجہ بحیثیت مجموعی قابل تعریف ہے جس کی مفصل کیفیت نقشہ منسلکہ سے واضح ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

تعداد طلبہ مندرجہ نقشہ امتحان (۷۱) تعداد طلبہ شریک امتحان (۴۰)
تعداد حفاظ (۹) تعداد ناظرہ خواں (۳۱) تعداد کامیاب (۳۹)
نوشت و خواند (۱) سکینڈ (۲۴) تھرڈ (۴) مجموعہ (۳۹) تعداد ناکام (۱)
کمترین خلق۔ ابن الفضل محمد افضال الحق کان اللہ لہ
بقلم مدرس سوم مدرسہ عالیہ

دستخط حافظ وحید الرحمن مدرس مدرسہ عوثیہ۔
دستخط فقیر محمد اسمٰعیل مجددی عفی عنہ مدرس تجوید مدرسہ عالیہ۔ دستخط وجیہ الدین احمد عفی عنہ مدرس ادب مدرسہ عالیہ۔ دستخط خادم المحدثین احقر العباد سید احمد شاہ نقوی عفی عنہ قاضی شہر۔ دستخط سید جمیل حسن قادری امام جامع مسجد۔ دستخط حافظ محمد شاہ خاں

خوشخبری

ہمعصر الفاروق کامٹی (صوبہ متوسط) نے ۱۰ ستمبر ۱۹۴۳ء کے پرچہ میں مندرجہ بالا عنوان سے کانفرنس کے آئندہ سالانہ اجلاس کے متعلق ایک نوٹ لکھا ہے جو ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر

ہمیں یہ سنکر دلی مسرت حاصل ہوئی کہ انجمن اسلامیہ جبلپور کی دعوت پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلس منتظمہ نے یہ طے کیا ہے کہ ماہ اپریل ۱۹۴۴ء میں کانفرنس کا اجلاس بمقام جبلپور منعقد کیا جائے سر سید علیہ الرحمہ کو خدا غریق رحمت کرے۔ اور ان کی قبر کو تا قیام قیامت پر نور رکھے جن کے مبارک ہاتھوں سے اس کانفرنس کی ابتدا ہوئی تھی۔ اس کانفرنس نے مسلمانوں میں جو تعلیمی احساس پچھلے پچاس برس میں پیدا کیا ہے۔ اس کے نتائج ہم جابجا مسلم مدارس اور کالج کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ ورنہ کیا عجب تھا کہ مسلمان اب تک حکومت رفتہ کے نشہ میں چور رہتے۔ اور دوسرے لوگ زمانہ سازی کر کے ان کو اس قدر پیچھے چھوڑ جاتے کہ مسلمان ایک صدی کی تگ و دو کے بعد بھی اپنے حریفوں کی گرد کو نہ پہنچ سکتے۔ اس کانفرنس کی جد و جہد کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے تعلیمی نصب العین کو ایک حد تک پامال نہ ہونے دیا۔ کانفرنس نے مسلم طلبا کے لئے وظائف مقرر کر کے انہیں فنی تعلیم دلائی۔ ان کے مذہبی پروگرام کی برقراری کے لئے سعی کی۔

ہم کسی آئندہ اشاعت میں کانفرنس کی خدمات کا مفصل ذکر کریں گے۔ یہاں صرف ہم یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ ہم نے اس خبر کو دلی مسرت کے ساتھ سنا اور ہم اس کو مسلمانان صوبہ کی خوش قسمتی سمجھتے ہیں کہ اس مفید کانفرنس کا اجلاس ہمارے صوبہ میں ہونا طے پایا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس صوبہ کا تعلیم یافتہ طبقہ اس کانفرنس کو کامیاب کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا معلوم ہوا ہے کہ مسلمانان جبلپور نے مجلس استقبالیہ کی بنیاد ڈال دی ہے جس کے صدر جناب حاجی سیٹھ عبد الستار صاحب۔ اور جنرل سکرٹری محترم حبیب الساوی صاحب منتخب ہوئے۔

اخبار سلطنت

اپنے مضمون نگاروں کو معاوضہ دیگا

اردو اخبار نویسی میں ایک مثال قائم کرنے نیز پر مغز، نفع بخش، اور معلومات آفرین ادب کی نشر و ترویج کے لئے اس طرح قدم اٹھایا گیا ہے کہ اخبار سلطنت میں ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء سے جو مضامین مقررہ عنوانات کے تحت شائع ہونگے مضمون نگاروں کو ان کا معاوضہ پیش کیا جائے گا۔

اہل قلم حضرات سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں خط و کتابت فرما کر اپنے مرغوب طبع موضوعات سے ہمیں آگاہ فرمائینگے۔ ایڈیٹر اخبار سلطنت کاچیگوڑہ حیدرآباد دکن

"مطبوعات جدیدہ"

اسلام میں غلامی کی حقیقت } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ مدیر برہان۔ غلامی پر اسلامی نقطہ نظر سے ایک محققانہ بحث قیمت ۳

تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام } از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ مغربی تہذیب و تمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص صوفیانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت ۲

اسلام کا اقتصادی نظام } از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی۔ دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے مقابلہ۔ قیمت ۳

نبی عربی صلعم } از مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ متوسط استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲

فہم قرآن } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم و جدید نظریوں پر نہایت مبسوط و مدلل بحث۔ قیمت ۱۲

غلامان اسلام } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ پچھتر سے زیادہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء و محدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت ۳

تاریخ انقلاب روس } از ایم ایم جوہر صاحب۔ انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات۔ قیمت ۳

اخلاق و فلسفہ اخلاق } از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی۔ علم اخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق فلسفہ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۵

وحی الٰہی } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ مسئلہ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ دل پذیر اور دلکش انداز میں بحث۔ قیمت ۱۲

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(با اہتمام خانصاحب جناب ... خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۴) || یکم اکتوبر ۱۹۴۳ء مطابق ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ || نمبر (۳۷)

علی گڑھ کی موسمی حالت ابھی تک ناقابل اطمینان ہے۔ ملیریا کا زور شور ہے، شہر کے علاوہ دیہات میں بھی گھر کے گھر پڑے ہیں، پرانے مریضوں کے علاوہ اور لوگ بھی مبتلا ہو رہے ہیں، کونین جو ملیریا کی خاص دوا ہے کمیاب بلکہ نایاب ہے۔

مسٹر تنکھد یو بہاری مسر جنرل سکرٹری ہندوستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ اطلاع دیتے ہیں کہ ہندوستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ کی طرف سے اردو اور ہندی کی مطبوعہ کتابوں پر چار چار انعام دینے کے متعلق جو اعلان گذشتہ اپریل میں شائع کیا گیا تھا اب اکیڈمی کی مجلس انتظامی نے مزید سہولت کی خاطر سے اس میں حسب ذیل ترمیم کر دی ہے۔

(۱) سوانح حیات یا تاریخ پر وہ کتابیں پیش ہو سکتی ہیں جو یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۴۳ء تک کسی وقت شائع ہوئی ہوں۔

(۲) شعری وہ ادبی کتابیں پیش ہو سکتی ہیں، جو یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۴۳ء تک کسی وقت شائع ہوئی ہوں۔

(۳) نظم کی وہ کتابیں پیش ہو سکتی ہیں جو یکم جنوری ۱۹۳۲ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۴۳ء تک کسی وقت شائع ہوئی ہوں،

(۴) سائنس پر وہ کتابیں پیش ہو سکتی ہیں جو یکم جنوری ۱۹۳۰ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۴۳ء تک کسی وقت شائع ہوئی ہوں۔

جو اصحاب کتابیں بھیجیں انھیں حسب ذیل امور کی پابندی کرنی ہوگی:۔

(الف) ہر کتاب کے آٹھ نسخے ہندوستانی اکیڈمی کے دفتر واقع الہ آباد میں ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء تک پہنچ جانے چاہئیں۔ یہ نسخے واپس نہ کئے جائیں گے۔

(ب) ہر انعام پانچ سو روپیہ کا ہوگا۔

(ج) اکیڈمی کو اختیار ہوگا کہ کسی ایسی کتاب کو بھی اس انعامی مقابلے میں شامل کر لے جسے کسی مصنف یا ناشر نے نہ بھیجا ہو، بہ شرطے کہ وہ کتاب معینہ مدت میں شائع ہوئی ہو۔

(د) اگر کوئی کتاب اکیڈمی کی انعامی کمیٹی قرار دیئے ہوئے معیار کے مطابق نہ ہوگی تو وہ انعام کی مستحق نہ ہوگی۔

(ہ) انعاموں کے بارے میں مجلس انتظامی کا فیصلہ ناطق ہوگا اور اس امر میں کسی قسم کی خط و کتابت روا نہ رکھی جائے گی۔ جن کتابوں پر انعام تجویز ہوگا، اُن کے نام اکیڈمی کی طرف سے شائع کر دئے جائیں گے۔ جو صاحب اپنی بھیجی ہوئی کتابوں کی رسید چاہیں وہ جوابی رجسٹری کے ذریعہ سے بھیں ارسال فرمائیں۔

کلکتہ اور بنگال کے دوسرے اضلاع شدید قحط میں مبتلا ہیں، جو خبریں متواتر شائع ہو رہی ہیں، وہ نہایت اندوہناک ہیں، خوراک میسر نہ آنے کی وجہ سے بہت سے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ بلا تخصیص مذہب و ملت ہندو مسلمان وغیرہ سب اس ناقابل برداشت مصیبت میں مبتلا ہیں، ہر صوبہ کے رہنے والوں کا اخلاقی و انسانی فرض ہے کہ وہ اس سخت مصیبت کے موقع پر اپنے بنگالی فاقہ کش بھائیوں کی زیادہ سے زیادہ امداد کر کے اُن کی جان بچانے کی کوشش کریں مختلف فرقوں کی ذمہ دار جماعتوں کو خصوصیت کے ساتھ اس [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم اکتوبر ۱۹۴۳ء

قومی ترقی اور دولت

حقیقی معنی میں کوئی قوم اُسی وقت ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہے جب اس نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کر کے اس قدر اعتبار و اقتدار حاصل کر لیا ہو کہ دوسری قومیں بھی اس کی فوقیت و برتری تسلیم کرتی ہوں۔

لیکن آج کل عوام کی ذہنیت یہ ہے کہ وہ عموماً دولت کو ترقی کا معیار قرار دیتے ہیں اس لئے جو شخص جس قدر زیادہ دولتمند یا اپنے کاروبار میں کامیاب ہو اُسی قدر زیادہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی بناء پر وہ قومیں جو سودی کاروبار یا تجارت کے ذریعہ سے دولت حاصل کر رہی ہیں اور جن میں بڑے بڑے سرمایہ دار موجود ہیں "ترقی یافتہ" مانی جاتی ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ محض دولتمند ہونے کی وجہ سے کوئی قوم ترقی یافتہ نہیں کہی جا سکتی جب تک اس میں دوسرے اوصاف بھی موجود نہ ہوں۔

ایک شخص سود یا کاروبار سے دولت کما کر زیادہ سے زیادہ ایک "بنیا" یا "مارواڑی" بن سکتا ہے لیکن ایک "ترقی یافتہ شخص" نہیں بن سکتا کیونکہ ایک ترقی یافتہ انسان ایک مارواڑی یا بنیے سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بلند نظر، صحیح الخیال اور شریف آدمی "ترقی یافتہ انسان" بننا تو ضرور چاہتا ہے لیکن ایک سودخور مارواڑی کے نامبارک پیکر میں دنیا کے سامنے نمایاں ہونا نہیں چاہتا۔

کسی شخص یا قوم کا دولتمند ہونا فی الجملہ ترقی کی نشانی ہے لیکن محض دولتمندی جبکہ دوسرے اوصاف حمیدہ موجود نہ ہوں ایک حد تک خطرناک ہے کیونکہ اس قسم کی دولتمندی سے جبکہ اس کے ساتھ علم اور صحیح تربیت نہ ہو غیر معمولی اخلاقی پستی اور عیب پیدا ہوتی ہے جو انسانیت کے لئے باعث عار ہے لہذا آدمی کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ وہ صرف دولتمند ہونے کی وجہ سے ایک ترقی یافتہ انسان سمجھا جائے گا۔ اور دوسرے انسانی اوصاف دولت کے مقابل میں نظرانداز کر دیے جائیں گے یا اُن کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

[illegible] یہ بات صحیح ہے کہ اگر دولت ترقی یافتہ اور روشن خیال لوگوں کے ہاتھ میں ہو تو وہ اُن کے لئے اور اُن کے دوسرے ابنائے جنس کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے اور اس کا صحیح استعمال ہی ترقی [illegible] کی مدد و بہبود اور ملک کی ترقی کا ذریعہ [illegible]۔

[illegible] اگر یہی دولت بداعمال و بےتربیت یافتہ انسانوں کے قبضہ میں ہو تو اس کا وجود ملک کے لئے ایک مصیبت ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کو استعمال مناسب طریقہ سے نہیں کیا جاتا اور اس کے غلط استعمال، بیجا مصرف سے ملک [illegible] نظام میں ابتری پیدا ہوتی [illegible] اخلاقی بداعمالی بہت دین و مذہب کا [illegible] جاتا ہے اور ملک کے مختلف فرقوں [illegible] کے تعلقات ناخوشگوار ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ دولت ملک میں فتنہ و فساد کا باعث ہوتی اور لوگوں کو مختلف جرائم پر آمادہ کرتی ہے [illegible] لوگ جو مذہبی و اخلاقی تعلیم سے بالکل بیگانہ [illegible] کی حرص و ہوس انہیں اس قدر مستعد بنا دیتی ہے کہ وہ اس کے حاصل کرنے کے لئے جبر و ظلم میں بھی تامل نہیں کرتے، ہر شخص اپنے گرد و پیش نظر ڈال کر دیکھ سکتا ہے کہ دولت کی کثرت اور اس کی حرص و ہوس نے انسانوں کو کیسی کیسی بے کاریوں پر آمادہ کیا ہے ایسی حالت میں کس طرح ممکن ہے کہ جس دولت کے نتائج اس قدر خوفناک ہوں اس کی بنیاد پر کوئی قوم ترقی یافتہ سمجھی جائے۔

جو مال و دولت کی کثرت کے لحاظ سے اپنی ہمعصر قوموں پر فوقیت رکھتی تھیں لیکن کسی زمانہ میں بھی محض دولت کی وجہ سے انہیں ترقی یافتہ قوم نہیں سمجھا گیا کیونکہ انہیں نہ حکومت حاصل تھی نہ کسی قسم کا سیاسی اقتدار اس کے علاوہ اخلاقی حیثیت اور انسانی اوصاف کے لحاظ سے بھی وہ کوئی امتیاز نہیں رکھتی تھیں، پھر اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ انھیں ترقی یافتہ قوموں کی صف میں جگہ دی جاتی۔

[illegible] زمانہ میں اس کی بہترین مثال یہودی ہیں جو [illegible] ایک نہایت دولتمند قوم ہیں اور [illegible] اپنے تجارتی کاروبار اور سودخوری کے [illegible] دولت حاصل کی ہے [illegible] سالانہ آمدنی سے بھی زیادہ ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ [illegible] یورپ یا امریکہ کے کسی [illegible] قوم کوئی سیاسی [illegible] اعلیٰ حیثیت [illegible] حاصل نہیں ہے، اس کے علاوہ اخلاقی حیثیت سے وہ دنیا کی [illegible] قوم ہیں اور ان کی دنائت، شقاوت اور [illegible] فطرت ضرب المثل ہے۔

[illegible] عجیب بات ہے کہ دنیا کی ہر معمولی سے معمولی قوم کا بھی کوئی وطن ہے لیکن یہودی جیسی دولتمند قوم کا کوئی وطن نہیں ہے۔ یعنی اس آسمان کے نیچے زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جسے وہ [illegible] معنوں میں اپنا وطن کہہ سکیں۔ پچھلی جنگ عظیم کے بعد فلسطین کو "وطن الیہود" بنانے کی کوشش کی گئی لیکن عربوں کی شدید مخالفت کی وجہ سے وہ اسکیم بھی پورے طور پر کامیاب نہیں ہو سکی، اور نہیں کہا جا سکتا کہ موجودہ جنگ کا اس اسکیم پر کیا اثر پڑے گا۔

بے شبہ دوسرے اوصاف و کمالات کے ساتھ

زمانہ کے ہر دور میں ایسی قومیں موجود رہی ہیں

موجودہ جنگ بھی اس دولتمند قوم کے لئے "منحوس" ثابت ہوئی، خصوصاً جرمنی اور اس کے زیر اثر ممالک میں یہودیوں کے ساتھ ایسا بُرا سلوک کیا گیا ہے کہ [illegible] تاریخ میں مشکل سے ملے گی، قتل، غارتگری، جلاوطنی، آبروریزی، غرض سب ہی سزائیں انہیں دی گئیں ظلم و ستم کی خوفناک داستانیں اب ساری دنیا میں مشہور ہو چکی ہیں اور لوگ انہیں پڑھ کر انگشت بدنداں ہیں۔

ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر

یہودیوں کو کسی قسم کی قوت یا سیاسی اقتدار حاصل ہوتا تو کسی حکومت کو بھی اُن کے ساتھ اس قسم کا شرمناک سلوک کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ آج بھی دنیا کے مختلف حصوں میں ایسی غیور و نبرد آزما قومیں موجود ہیں۔ جو ہر قسم کی دُنیوی دولت و حشمت سے محروم ہیں لیکن باوجود اس کے اپنی آزادی کے لئے کٹ مرنے اور اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ اس لئے وہ آج تک زندہ ہیں اور اپنے ملک کے پہاڑوں اور جنگلوں میں خودداری کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں لیکن یہودی باوجود بے پایاں دولت کے اپنی عزت و آزادی کی حفاظت کرنے سے قاصر ہیں۔

اس سے صاف طور پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کوئی قوم محض دولت کے ذریعہ سے اپنی قومی ہستی کا تحفظ نہیں کر سکتی بلکہ اس کے لئے چند دوسرے اوصاف کی بھی ضرورت ہے۔ جو عموماً اولوالعزم ترقی پذیر قوموں میں پائے جاتے ہیں اور جب اُن سے صحیح طریقہ سے کام لیا جاتا ہے تو قوم ترقی کے اعلیٰ منازل پر پہنچ جاتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جب کوئی قوم ترقی کرتی ہے تو اس کو دنیوی دولت و حشمت بھی ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ دولت درحقیقت ترقی کا نتیجہ و ثمرہ ہے، ذریعہ نہیں ہے۔

اگر مسلمانوں کی تدریجی ترقی کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہوگا کہ جب ابتدائی دور میں اُنھوں نے شاہراہ ترقی پر قدم رکھا تو دنیا کی دولت و حشمت میں سے اُن کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اور اس بیابانی کی وجہ سے اُن کی معاشرت اس قدر سادہ تھی کہ عموماً اونٹنی کے دودھ اور کھجور پر زندگی بسر کرتے تھے۔

دنیا کی اور نعمتوں کا تو کیا ذکر ہے اکثر لوگوں کو رہنے کا مکان اور پینے کا پانی بھی حسب ضرورت میسر نہ تھا۔ بہت سے قبائل بے آب و گیاہ صحراؤں میں زندگی بسر کرتے تھے جہاں وہ اپنے قیام کیلئے کھجور کی شاخوں کے جھونپڑے یا اونٹ کے اُون سے خیمے بنا لیتے تھے۔ جب ایک جگہ پانی ختم ہو جاتا تو اپنا مختصر سا خانگی سامان اونٹوں پر لاد کر چل کھڑے ہوتے اور پانی کی تلاش میں صحرا نوردی شروع کر دیتے جہاں پانی مل جاتا اتر پڑتے بس اسی طرح عسرت و بادیہ پیمائی میں اُن کی زندگی ختم ہو جاتی، اُن کی سب سے بڑی کائنات یا دولت چند اونٹ تھے جو سفر و حضر میں اُن کی سادہ زندگی کا سہارا تھے۔

یہی ابتدائی حالت اُس قوم کی جس نے کچھ زمانہ کے بعد اس قدر عروج و اقتدار حاصل کیا کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے موروثی خزانے اور بیش قیمت زر و جواہر جو بادشاہوں کے تخت و تاج کی زینت اور دربار کی رونق بڑھاتے تھے اُس کے قدموں پر نثار ہو رہے تھے اور یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ ایران کے شاہی خاندان کی ساری دولت اور زر و رو رنگارنگ لعل و جواہر مدینہ منورہ بھیج گئے تھے جو نہایت شان استغنا سے مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دئے گئے تھے۔ اور کوئی شخص بھی انہیں حرص و طمع کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔

ایک طرف دولت کی یہ فراوانی تھی دوسری طرف اس قوم کے استغنا و بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ وہ اس دولت کو بے پروائی سے ٹھکرا رہی تھی۔ لیکن وہ دوڑ دوڑ کر پھر اُن کے پاس آ رہی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم اپنے مخصوص اوصاف کی وجہ سے ترقی کرتی ہے تو دنیا کی دولت خود بخود اس کی طرف کھنچتی چلی آتی ہے اور زمین اپنے خزانے اس کے لئے اگلنے لگتی ہے۔

اس زمانہ اقبال مندی میں ترقی یافتہ قوم کا نصب العین اتنا ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں دولت کو محبوب نہیں رکھتی۔ نہ آتے پاؤں جمنے دیتی ہے۔ نہ سینت سینت کر رکھتی ہے بلکہ بے دریغ خرچ کرتی اور اپنے اعلیٰ مقاصد پر اسے قربان کر دیتی ہے کیونکہ اسے یہ اعتماد ہوتا ہے کہ دولت ہر وقت حاصل کی جا سکتی ہے۔

اب اس اولوالعزم قوم کا مقابلہ کسی ایسی قوم سے کیجئے جس کا مطمح نظر و مقصد صرف دولت کا پیدا کرنا اور جمع کرنا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ دولت کا جمع کرنا کرنا بجائے خود کوئی بلند و اعلیٰ نصب العین نہیں ہے۔ بلکہ ”دولت“ اُن عظیم الشان مقاصد کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے جو عموماً ایک اولوالعزم قوم کے پیش نظر ہوتے ہیں، لہذا جس قوم کا مقصد صرف دولت کمانے اور جمع کرنے سے پورا ہو جاتا ہے وہ لائق ستائش یا قابل عزت نہیں ہو سکتی۔

ہر انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی پوری توجہ اور کوشش اپنے مقصد و نصب العین کے حاصل کرنے کے لئے صرف کر دیتا ہے اور اپنے مقصد کو سب چیزوں سے زیادہ اہم و ضروری سمجھتا ہے لہذا جن قوموں کا مقصد صرف دولت کمانا اور جمع کرنا ہے وہ فطرتاً اس پر مجبور ہیں کہ اپنی ساری جد و جہد حصول دولت کے لئے مخصوص کر دیں جو اُن کا محبوب ترین مقصد ہے۔

اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جس قوم کی یہ ذہنیت ہو۔ اور جس کی زندگی کا سب سے اہم مقصد کسب دولت ہو وہ دوسرے انسانی اوصاف و کمالات حاصل کرنے کے لئے کس طرح کوشش کر سکتی ہے۔ اور اُن قوموں کا کس طرح مقابلہ کر سکتی ہے جو ایسے عظیم الشان مقاصد پیش نظر رکھتی ہیں جن کے حاصل کرنے کے لئے جان و مال کی قربانی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دولت پرست قوموں میں عموماً قربانی کا کوئی جذبہ و حوصلہ نہیں ہوتا اور حب مال و دولت اُن کی زندگی کا سب سے زیادہ اہم و محبوب مقصد ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی محبوب چیز کو کسی دوسرے مقصد کے لئے قربان کر دیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ وہ دولت جیسی محبوب چیز کے لئے دوسرے قومی و ملکی مقاصد کو خواہ وہ بجائے خود کتنے ہی اہم ہوں قربان کر کے اپنی دولت کی حفاظت کریں۔

جو کچھ ہم نے اوپر عرض کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ دولت پیدا کرنا بکسر مذموم ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی اخلاقی ذمہ داری کے ہر طریقہ سے دولت حاصل کرنا اور اسے جمع کر کے رکھنا کسی اولوالعزم و ترقی پذیر قوم کا نصب العین و مقصد حیات نہ ہونا چاہئے۔ اگر قوم میں چند سرمایہ دار پیدا ہو جائیں اور دوسرے لاکھوں افراد وسائل معاش سے محروم اور عسرت کی زندگی بسر کرتے ہوں تو وہ قوم خوش حال یا ترقی یافتہ نہیں کہی جا سکتی۔ اسلام نے اس قسم کے دولتمندوں اور سرمایہ داروں کی سخت مذمت کی ہے۔

بے شبہ اسلام نے روپیہ کمانے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کسب زر کے وہ سب طریقے ممنوع قرار دے دیئے ہیں جن میں اخلاقی پستی، بے مہری اور شقاوت کا ذرا بھی شائبہ ہے، اس کے علاوہ ہر شخص کی دولت میں دوسروں کے حقوق بھی رکھے ہیں جن کا ادا کرنا اس کے ذمہ لازم اور فرض قرار دیا گیا ہے۔

فلسفۂ روزہ

(از جناب مولانا احمد علی صاحب لاہور)

یہ مہینہ رمضان کا ہے۔ جس میں نازل ہوا قرآن جو ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن ہے راہ پانے کے لئے اور حق کو باطل سے جدا کرنے کے لئے۔ سو جو کوئی پاوے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے۔ اور جو کوئی بیمار ہو یا مسافر تو اس کو قضا روزوں کی گنتی بعد میں پوری کرنی چاہئے اللہ تم پر آسانی کرنی چاہتا ہے۔ سختی کرنا نہیں چاہتا۔ پس پوری کرو گنتی رمضان کے روزوں کی اور بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور احسان مانو۔

(قرآن)

لوح محفوظ سے قرآن حکیم کا نزول رمضان المبارک میں ہوا ہے۔ سارا قرآن حکیم ایک ہی مرتبہ آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا اتارا ہوتا رہا۔ ہر قوم میں ایک قاعدہ ہے کہ جس دن اس پر کوئی نعمت نازل ہو۔ اس کی یاد تازہ کرنے کے لئے سالگرہ مناتے ہیں۔ مثلاً یہود میں عاشورا کا روزہ عیسائیوں میں نزول مائدہ آسمانی کا دن۔ مسلمانوں کے لئے قرآن حکیم ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ اس لئے اس کی سالگرہ رمضان المبارک میں منائی جاتی ہے۔ چنانچہ سارے رمضان المبارک میں مسلمان رات کو قرآن حکیم سنتے ہیں۔ علاوہ اس کے اس نعمت عظمیٰ کے شکریہ میں دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ شکر نعمت میں روزہ رکھنا بھی سابقہ امتوں میں رائج تھا جس طرح یہود میں عاشورا کا روزہ اسی لئے رائج تھا کہ اس روز فرعون غرق ہوا اور بنی اسرائیل نے نجات پائی تھی۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ سورۃ البقرۃ رکوع ۲۳

ترجمہ۔ تم پر روزہ ایسا ہی فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں بھی روزہ اسی طرح رکھا جاتا تھا کہ روزہ کے دن کھانا پینا اور عورتوں سے صحبت کرنا حرام تھا۔ روزہ کا یہ طریقہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت تک یوں ہی رہا۔ چنانچہ ابتدا میں جب مسلمانوں پر روزہ فرض ہوا اور اس کی شرائط کا انہیں علم نہیں تھا تو اہل کتاب کی طرح روزہ رکھنا شروع کیا کہ افطار کے بعد سونے سے پہلے پہلے کھانے وغیرہ سے فراغت پا لیتے۔ سونے کے بعد پھر دوسرا روزہ شروع ہو جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ والی آیت نے اس طرز کو منسوخ کر دیا۔

الغرض علم تاریخ کی ورق گردانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کے اوقات ہر امت میں علیحدہ علیحدہ تھے، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام پر ہر مہینہ کی ۱۳۔۱۴۔۱۵ تاریخ کو روزہ فرض تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے اور یہود پر عاشورا اور ہفتہ کے علاوہ چند دن اور بھی فرض تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور دو دن افطار کرتے تھے۔ نصاریٰ پر دراصل رمضان کے روزے فرض تھے لیکن جب انہیں سخت گرمی اور سردی کے روزہ میں دقت محسوس ہوئی تو فیصلہ کیا کہ موسم ربیع میں بجائے تیس کے پچاس رکھا کریں گے۔

ہر عقلمند کا قاعدہ ہے جب کوئی کام کرتا ہے اس کا فائدہ پہلے سوچ لیتا ہے۔ وہ فائدہ اس کی روح اور جان ہے لہذا روزہ کی بھی ایک صورت ہے اور دوسری اس کی روح صورت تو یہ ہے کہ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانا پینا ترک کر دیا جائے۔ عورت مرد آپس میں نہ ملنے پائیں لیکن اگر مقصد روزہ اس صورت کے اندر نہ پایا جائے تو وہ بیکار ہے چنانچہ سرور نبوت سے ارشاد ہوتا ہے مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔ ترجمہ۔ جس شخص نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی پروا نہیں (یعنی روزہ سے خشیت الٰہی اور حصول رضا مولیٰ کا جو نتیجہ مرتب ہونا چاہئے وہ نہیں ہوگا)

اور دوسری روایت میں مروی ہے اَلْغِیْبَةُ تُفَطِّرُ الصَّائِمَ ترجمہ: گلہ کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ انتہیٰ

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں جس طرح مذکورہ بالا افعال ناجائز ہیں۔ اسی طرح دوسرے کی غیبت جو زبان کا حرم ہے وہ بھی ممنوع ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ روزہ کا مقصد فقط کھانے پینے سے روکنا ہی نہیں بلکہ اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

تعلیم مذہب کا یہ خاصہ ہے کہ انسان کے اندر اخلاق حسنہ پیدا ہوں صفات حمیدہ سے آراستہ ہو بد اخلاقی سے اُسے نفرت ہو۔ خواہشات نفسانی پر قابو پائے ضبط نفس اور تحمل کا خوگر ہو۔ فتنہ انگیزی سے باز آئے۔ شرارت نہ کرنے پائے ان تمام خوبیوں کے پیدا کرنے کے لئے بہترین علاج یہی ہے کہ انسان کے حیوانی زہر کو نکال دیا جائے اس زہر کے نکالنے کا بہترین تریاق روزہ ہے۔ قوت حیوانی کی شدت سے تمام خرابیاں انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں اگر قوت حیوانی کو کمزور کر دیا جائے تو بہت سی برائیوں سے طبعاً انسان رُک جائے گا چنانچہ اسی قاعدہ سے اسلامی شریعت میں جو اس روزہ کو دیکھا جائے تو نص ہو جاتا ہے۔ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روزہ کے ذریعہ سے اپنی امت کو اخلاق کے اعلیٰ معیار پر پہنچانے کی سعی فرمائی ہے۔

حدیث قدسی میں وارد ہے۔

"روزہ دار نہ عورتوں سے میل جول کی باتیں کرے اور نہ شور و غل مچائے اگر اسے کوئی گالی بھی دے یا لڑائی کرے (تو خود اس کے مقابلے میں کچھ نہ کرے) اتنا کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔"

روزہ دار پر جب کسی بیہودہ گو، ظالم اور جاہل کی طرف سے حملہ ہو تو اتنا کہہ دے (بشرطیکہ اس کہنے سے اس کی طبیعت میں ریا نہ آ جائے) کہ میرا روزہ ہے اس لئے میں تمہارا مقابلہ کرنے سے معذور ہوں۔

بعض شارحین حدیث کا خیال ہے کہ زبان سے کہنا بھی ضروری نہیں بلکہ دل میں روزہ کا خیال کر کے مقابلہ سے باز رہے۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے:۔ روزہ ڈھال ہے۔

اسی ڈھال کے ذریعہ انسان دشمن کے وار سے بچتا ہے۔ پہلی حدیث شریف میں جو بیان ہوا ہے۔ کہ روزہ دار اقوال و افعال شہوانی اور درندگی سے اپنے آپ کو بچائے۔ فتنہ و فساد کی آگ کو بجھائے (کیونکہ اگر گالی اور لڑائی کا جواب اسی طرح دیا تو فتنہ بپا ہوتا) بس روزہ کے سبب سے وہ آگ بجھ گئی، حاصل یہ نکلا۔ کہ اس نے گویا روزے کی ڈھال سے شیطان اور نفس کے وار کو روکا۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ دار کے اخلاق کا معیار اعلیٰ ہونا چاہئے۔ ضبط نفس اور تحمل اس میں آئیگا۔ شرارت اور فتنہ سے اپنے آپ کو بچا سکیگا۔ دنیا میں اعلیٰ درجہ کا امن پسند اور مرنجاں مرنج شریف نظر آئیگا۔

ساتھ ہی اس کے معاشرتی اصلاح بھی ہو جائیگی جب ہر ایک مسلمان ان اوصاف حمیدہ سے مزین ہوگا۔ تو معاشرتی تعلقات میں کبھی بگاڑ پیدا ہی نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر سال ماہ رمضان میں روزہ رکھانے کی غرض یہ ہی ہے۔ کہ سال بھر کے بعد پھر اس نصاب کی یاد تازہ ہو جائے۔

دنیا میں ہمیشہ وہی قوم عزت سے زندہ رہ سکتی ہے۔ جس کے پاس حیات قومی کے اعلیٰ اصول ہوں اور وہ ان کی پابندی کے لئے ہر مصیبت کو جھیلے۔ اور ہر مشقت کے سامنے سینہ سپر ہو روزے میں اس بات کی مشق کرائی جاتی ہے۔ کہ بارہ یا چودہ بلکہ بیس اور بائیس گھنٹے بے آب و دانہ رہے۔ خواہ شدید گرمی کا موسم ہی کیوں نہ ہو۔ سحر کو آنکھ نہیں کھلی اور روزہ چھوڑ نہیں سکے۔ دن کے کاروبار کا حرج بھی نہیں کر سکے۔ لیکن کاشتکار، مزدور، محنت کش اور غرضیکہ ہر کام والا بغیر سحری کھائے کے اپنے اپنے کام میں مصروف ہے اور یہ ہی نہیں بلکہ دن کو محنت اور رات کو بیدار رہنا اور کافی دیر کھڑا ہو کر نماز تراویح ادا کرتا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ مسلمان ایک فوجی سپاہی ہے۔ بسکٹ، اور کیک، سوڈا اور لیمونیڈ کھائے پئے بغیر بلکہ پانی پئے اور کھانا کھائے بغیر اگر ضرورت پیش آجائے تو دن اور رات کے چوبیس گھنٹے مسلسل کام کر سکتا ہے۔ اور اس بات کا بھی عادی ہے کہ ان مصیبتوں میں وہ کسی پر احسان نہیں کر رہا۔ بلکہ اسے محض اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے۔ چنانچہ فتوحات اسلامی میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ کہ مسلسل چوبیس گھنٹے لڑائی جاری رہی۔ دشمنان اسلام کے لشکر یکے بعد دیگرے آتے رہے اور مسلمان اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹے جب تک میدان جیت نہیں لیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے روزہ رکھا درآنحالیکہ اس کے دل میں ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کے خیال سے رکھا اس کے سارے پہلے گناہ بخشے جائیں گے اور جو شخص رمضان کی راتوں میں عبادت کرے درآنحالیکہ ایماندار ہو۔ اور ثواب پانے کا ارادہ رکھے۔ اسکے بھی پہلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس شخص نے لیلۃ القدر کی رات کو قیام کیا درآنحالیکہ ایماندار ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر پانیکا ارادہ رکھتا ہو۔ اسکے بھی سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

روزے کے باعث سابقہ سارے گناہ معاف ہونے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ گویا روزہ دار زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ میں نے کھانے پینے اور خواہشات نفسانی وغیرہ کے پورا کرنے میں جو تیری مرضی کے خلاف قدم اٹھایا ہے اس سے باز آتا ہوں۔ اور تیری رضا حاصل کرنے کے لئے سب کو چھوڑتا ہوں۔ اور مسلسل روزہ رکھنے سے یہ ثبوت دیتا ہوں کہ تیری رضا کی پابندی مسلسل کرونگا۔ تیری مرضی کے خلاف خواہشات نفسانی کو ہمیشہ چھوڑ دوں گا۔ اور رمضان شریف کے علاوہ شوال کے چھ روزے رکھکر اس امر کا مزید ثبوت دیتا ہے کہ اے اللہ تو نے اپنی شفقت و رحمت سے اعلان کیا ہے کہ میں ہر نیکی کا دس گنا کم از کم اجر دوں گا۔ لہذا رمضان المبارک کے علاوہ چھ روزے شوال کے اس حساب سے کم از کم ۳۶۰ روزوں کا اجر پائیں گے اور سال کے ۳۶۰ دن ہوتے ہیں تو گویا میں تیری رضا حاصل کرنے کیلئے سارا سال ہی روزہ دار رہا۔ ربنا تقبل منا واعف عنا۔ علی ہذا القیاس رمضان المبارک کی راتوں کے قیام کی بھی یہی غرض ہے کہ اے اللہ میں نے تیرے قرآن حکیم سے جو اعراض کیا ہے۔ اس سے تائب ہو کر تمسک بالقرآن کرنے کا عملی ثبوت دیتا ہوں۔ (گویا کہ نمازی اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہا ہے) اور مسلسل قیام کرنے سے عملاً یہ ثابت کر رہا ہے کہ میرا تمسک بالقرآن آئندہ ہمیشہ کے لئے رہے گا۔

اسی قسم کی ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے انسان کے ہر نیک عمل کا کئی گنا زیادہ اجر ملتا ہے۔ ہر نیکی کم از کم دس درجہ پاتی ہے۔ اور سات سو درجہ تک بھی اللہ تعالیٰ عمل کا اجر بڑھا کر دیتے ہیں۔ (غرضیکہ ہر عمل کا اخلاص و قلبیت اور اس کے منافع اور نتائج کے لحاظ سے اجر ملتا ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوائے روزہ کے کیونکہ وہ میرا ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ بروایت دیگر میں ہی اس کا بدلہ ہوں) روزہ دار اپنی خواہشات نفسانی اور کھانا میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک روزہ افطار کرتے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری اپنے رب کی ملاقات کے وقت حاصل ہوگی اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک سے بھی بہتر ہے۔ اور روزہ (شیطان کا وار روکنے کے لئے) ڈھال جس دن کسی کا روزہ ہو تو عورتوں سے میل جول کی باتیں نہ کرے اور بیہودہ شور و غل نہ مچائے۔ اگر اسے کوئی گالی دے یا لڑائی کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں (لیکن لڑائی نہ کرے)

ہر عمل صالح کی ایک جزائے خیر ہے اور روزہ کی جزا ذات حق جل و علیٰ خود دیتا ہے (یا بنتا ہے) کیونکہ جب روزہ دار نے ان چیزوں کو رضائے الٰہی کے لئے چھوڑ دیا۔ جن پر اس کی زندگی کا دارومدار تھا۔ گویا کہ اس نے زندگی کو خیرباد کہہ کر خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کا جمال پسند فرمایا بارگاہ الٰہی میں ہر عمل کی جزا اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے۔ ایسے متوکل علی اللہ محب خدا کی جزا یہی ہو سکتی ہے۔ کہ خدائے قدوس اسے تسلی دیں۔ کہ جب تو میرا ہے تو میں تیرا ہوں۔

ایک حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ اور قرآن انسان کے لئے (قیامت کے دن) شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے میرے رب میں نے اسے دن کو کھانے اور خواہشات نفسانی کو روکا تھا۔ لہذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمایئے اور قرآن کہے گا میں نے اسے رات کو سونے سے روکا تھا۔ لہذا میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرمایئے۔ پھر دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

جس جہان میں ہم بود و باش رکھتے ہیں اسے عالم ناسوت کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تین جہان اور بھی ہیں۔ عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم لاہوت۔ عالم ملکوت کو عالم مثال بھی کہتے ہیں عالم مثال میں یہاں کی ہر ایک چیز کا وجود ہے بلکہ وہاں ان چیزوں کا بھی وجود ہے۔ جن کا وجود اس جہان میں نہیں ہے مثلاً انسان کے اعمال یا روزہ قرآن وغیرہ۔

لہذا قیامت کے دن روزہ اپنے اس مثالی وجود سے مجسم ہو کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوگا۔ اور روزہ دار کے حق میں سفارش کرے گا۔ انسان نے اپنے وطن میں روزے کی حمایت و ہمدردی کا حق ادا کیا تھا۔ اس کے بدلہ میں روزہ اپنے وطن میں

بخارا کے عرب

از جناب ابو القاسم صاحب بخاری

اسلام کے ترقی کے میدان میں گامزن ہوتے ہی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ فتوحات کا سلسلہ اتنا بڑھا کہ ایک دنیائے اسلام بن گئی اور عرب فتح و نصرت کا ڈنکا بجاتے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ ان فاتح عربوں نے پھر مادر وطن کی طرف رخ نہ کیا بلکہ مفتوحہ ملکوں ہی میں بس گئے۔ کچھ عرصہ تک تو وہ اپنی زبان اور قومی خصوصیات کو محفوظ کئے رہے۔ پھر رفتہ رفتہ مقامی باشندوں میں گھل مل گئے۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ عربوں نے شمالی نصف الارض کے منطقہ حارہ کے نچلے حصہ ہی میں بود و باش اختیار کی۔ اگرچہ قدیم عرب جہاز ران دور دور پہونچے تھے۔ (مثلاً ایک طرف وہ فج ایسٹ انڈیز کے جزیروں تک گئے تو دوسری طرف بحر الکاہل کے ساحلوں تک کی خبر لائے) لیکن انھوں نے نہ تو شمال میں کبھی آگے بڑھنے کی کوئی خاص کوشش کی نہ جنوب ہی میں جنوبی افریقہ تک پہنچنے کی سعی۔ آسٹریلیا کا تو خیر ذکر ہی کیا۔

سنہ ۷۱۱ء میں ہندوستان میں عرب پہلے پہلے وارد ہوئے۔ اس کے بعد سے تو باہر کے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ اور سب کے سب ہندوستان ہی میں بستے چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ غیر ملکی باشندے یہیں کے لوگوں میں شیر و شکر ہو گئے۔ آج بھی لاکھوں کی تعداد میں ایسے ہندوستانی موجود ہیں جو اپنے آپ کو سید، قریشی، انصاری، صدیقی وغیرہ کہتے ہیں، حالانکہ قومی یا لسانی اعتبار سے انہیں عرب سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے بھی ہزاروں عرب ملیں گے جو عرب یا عربی ممالک سے براہ راست ہندوستان آئے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر خلیج فارس یا عدن سے تجارت کے سلسلہ میں یہیں بس بھی گئے ہیں صرف بمبئی میں کوئی دس ہزار عرب ہوں گے۔ ان میں سے بیشتر خلیج فارس یا عمان کے رہنے والے ہیں۔ کراچی اور کالی کٹ میں بھی ان کی نو آبادیات ہیں۔ اندرون ملک میں بھی ان کی چھوٹی چھوٹی نو آبادیات شہروں میں ملتی ہیں۔ حیدرآباد جائیے تو وہاں بھی آپ کو بہت سے عرب نظر آئیں گے۔ یہاں وہ تجارتی اغراض سے نہیں آئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر ہز اگزالٹڈ ہائی نس نظام دکن کی فوج میں ملازم ہیں۔

عرب کے مشرق میں جو ملک ہیں ان میں سے ایران میں ۲½ لاکھ عرب بستے ہیں جو زستان اور جنوبی عراق کے ملحقہ اضلاع کے عرب بالکل ایک جیسے ہیں ایک ہی قسم کی عربی بولتے اور زیادہ تر گلہ بانی کرتے ہیں۔ خلیج فارس کے ساحلوں پر [illegible] لوگ [illegible] میں سے ہیں جو مچھلیاں پکڑ[illegible] تجارت کرتے یا جہاز چلاتے۔ لارستان [illegible] آباد ہیں وہ بہت ہی خراب قسم کی [illegible] فارسی دونوں زبانوں [illegible] ہیں۔ ان کی نسلی خصوصیات [illegible] پتہ چلنا دشوار ہے کہ آیا وہ عربی آمیز [illegible] عربی بولتے ہیں۔ عرب خانہ بدوشوں [illegible] فارس سے لیکر افغانستان کی [illegible] عام طور سے مفلس و نادار ہیں [illegible] اور قبیلے کے لوگ جو نسبتاً طاقتور اور [illegible] ان خانہ بدوش عربوں کو اچھی چراگاہوں [illegible] نکال باہر کئے ہیں۔ مجبوراً انہیں بہت ہی خراب چراگاہوں میں جا کر رہنا پڑا ہے۔ بہت سے [illegible] تنہائی [illegible] علاقوں [illegible] ہیں۔ مثلاً [illegible] جوکیان اور سمنان کے درمیان واقع ہے۔ سرحد سے کچھ فاصلہ پر جو افغانی سرحد سے کوئی پچاس میل پر واقع ہے۔ ایک ضلع ہے عرب خانہ نام کا۔ یہ سارا ضلع عرب خانہ بدوشوں سے بھرا ہوا ہے یہ مویشی رکھتے ہیں اور ادنیٰ درجہ کی قالینیں بنتے ہیں انہیں چیزوں پر ان کا گذارہ ہے۔ عربی بہت ہی خراب قسم کی بولتے ہیں۔ ہر دو تین لفظوں کے بعد ایک فارسی کا لفظ ضرور ہوتا ہے سنہ ۱۹۱۲ء تک تو ان کی زبان اسی قسم کا معجون مرکب تھی۔ ان سے پوچھا گیا کہ تمھاری زبان میں گیت یا شاعری بھی پائی جاتی ہے۔ اس کا جواب بالکل نفی میں ملا۔ ان کے نزدیک فارسی میں تو شعر کہے جا سکتے ہیں لیکن عربی جیسی بھدی اور جنتیانہ زبان میں بھی شعر و شاعری کی گنجائش کا امکان ان کے لئے ایک مضحکہ خیز سا خیال تھا۔ ان کے آگے تاریخ عربی شاعری اور ادب کا ذکر بیکار تھا۔ ان چیزوں کے متعلق انھوں نے کبھی کچھ سنا ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ تو ان کے وجود کو بھی تسلیم نہ کر سکتے۔

غالباً اسی قسم کے خانہ بدوش عرب افغانستان میں بھی ہیں کم از کم اندخوی کے متعلق تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس کے قرب و جوار میں کچھ عرب آباد ہیں۔ اندخوی ترکستان کی سرحد کے قریب ایک شہر ہے۔

تاریخی ریکارڈ سے صرف ترکستان کے اصل فاتحین کے بسنے ہی کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد وہ کہاں کہاں منتقل ہوتے رہے۔ اس صدی میں [illegible] ظاہر [illegible] سامنے [illegible] عام طور سے معلوم ہو گیا ہے کہ ترکستان کے بہت سے اضلاع میں [illegible] ہوتے ہیں۔ لیکن خاص طور سے تحقیق کئے بغیر معلوم کرنا دشوار تھا کہ وہ واقعی عرب ہیں یا صرف معمولی [illegible] کسان اور [illegible] جو اب اپنے آپکو ان عربوں کی نسل سے بتاتے ہیں جو قدیم زمانے میں آ کر یہاں بس گئے تھے۔ [illegible] بھی کچھ دن ہوئے پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی ہے۔ اور شاید ہمارے قارئین جو اصل [illegible] تصنیفات سے استفادہ نہیں کر سکتے ہیں اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔ اعداد و شمار سنہ ۱۹۲۶ء کی مردم شماری کے مطابق ہیں چنانچہ اس بنا پر ہم اپنی معلومات کو تازہ ترین کہہ سکتے ہیں۔

مردم شماری کی رو سے عربوں کی تعداد تیس ہزار ہے جن میں سے ۲۰ ہزار سے کچھ زیادہ دیہات اور ۱۵۰ سے کم شہروں میں [illegible] زیادہ تر یہ نیم وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں یعنی مویشی بھی پالتے ہیں۔ اور زراعت بھی کرتے ہیں۔ [illegible] لوگوں کے قول کے مطابق یہ پہلے بہت سے قبیلوں میں تقسیم تھے۔ (جنھیں ازبکی زبان میں اورو کہتے ہیں) لیکن اب معدودے چند ہی اس تقسیم کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔ یہ سب کے سب تاجک یا ازبک زبان [illegible] روانی سے بولتے ہیں۔ یہ ان کی زبانیں ہیں جن کے ساتھ یہ رہتے سہتے ہیں۔ بعض خاندان ایسے بھی ہیں جو اب تک اپنی مادری زبان کو محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس کی صورت بہت کچھ بگڑ گئی ہے۔ یوں تو یہ لوگ بہت سے اضلاع میں آباد ہیں۔ لیکن عربی بولنے والے صرف بخارا ضلع غجدوان اور ضلع قشقہ [illegible] ہی میں ملتے ہیں۔ بخارا میں وہ موضع جغارتی اور موضع شاہ باغ میں رہتے ہیں۔ ۱۴۵ خاندان یا ۵۰۰ نفوس ان مقاموں پر بستے ہیں۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ مجموعی طور پر ان عربوں نے زبان سے زیادہ نسل کی حفاظت کی ہے۔ بعض گاؤں اور خاندانوں میں شادی کے معاملات میں بڑی احتیاط برتی جاتی ہے۔ وہ صرف اپنے ہی لوگوں میں شادی بیاہ کرتے ہیں۔ دوسری قوموں کے لوگوں سے

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

مینجر - سلطان علی گیلانی بی اے علیگ

جلد (۱۴) | ۸ اکتوبر ۱۹۴۳ء مطابق ۷ - شوال ۱۳۶۲ھ | نمبر (۳۸)

تعطیل کے بعد ۵ اکتوبر کو مسلم یونیورسٹی کھل گئی طلبا اپنے اپنے گھروں سے واپس آ گئے اور تعلیم شروع ہو گئی لیکن موسم ابھی تک بجو ہی صاف [illegible] لیا کاروکسی قدر کم تو ضرور ہو گیا ہے مگر ابھی اس سے نجات نہیں ملی ہے۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب بالقابہ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی جو سفر جوناگڈھ میں سخت علیل ہو گئے تھے صحت یاب ہو کر ۶ اکتوبر کو علی گڑھ تشریف لے آئے - جناب ممدوح کا یہ سفر بہت کامیاب رہا -

اس سفر میں آپ نے ہز ہائنس نواب صاحب جوناگڈھ بالقابہ سے بھی ملاقات کی اور دوران گفتگو میں مسلم یونیورسٹی میں ایک میڈیکل کالج کے قیام کی اہمیت اور ضرورت بیان کی جسے سن کر ہز ہائینس نواب صاحب جوناگڈھ نے [illegible] ایک لاکھ روپیہ مرحمت فرمانے کا اعلان فر[illegible] [illegible] وائس چانسلر صاحب کی درخواست [illegible] کہ دیوان صاحب جوناگڈھ علی [illegible] جاکر میڈیکل کالج کا سنگ بنیاد نصب [illegible] کے لئے ۱۷ - اکتوبر کی تاریخ مقرر کی گئی۔

میڈیکل کالج کی ضرورت سے کسے انکار ہو سکتا ہے لیکن اس تحریک کو سرسبز و کامیاب بنانے کے لئے بہت روپیہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں تعمیری سامان کی گرانی انتہائی حد تک پہنچ گئی ہے اس کے علاوہ وہ سب ساز و سامان اور آلات بھی جن کی ایک مکمل "میڈیکل کالج" کے لئے ضرورت ہے بیحد گراں ہیں - نیز لائق اشخاص کے مہیا کرنے کے لئے بھی کافی روپیہ درکار ہے - لہذا یہ ضروری ہے کہ ہز ہائینس نواب صاحب جوناگڈھ کے علاوہ دوسرے ارباب کرم بھی فیاضی سے کام لیکر اس مفید کام کو درجہ تکمیل تک پہنچانے میں امداد فرمائیں اور جس کام کا آغاز کر دیا ہے اُسے نامکمل نہ چھوڑیں کیونکہ اس سے قومی بدنامی متصور ہے۔

مسلم یونیورسٹی ایک اعلیٰ پایہ کی یونیورسٹی اُسی وقت بن سکتی ہے جب اُس میں مختلف علوم و فنون جدیدہ کی تعلیم کا انتظام ہو اس نقطۂ نظر سے بھی یہ ضروری ہے کہ اس تحریک کو جب وہ شروع ہو چکی ہے کامیاب بنانے کی پوری کوشش کی جائے۔

دہلی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ جمعیتہ علماء ہند دہلی کی مجلس عاملہ کا ایک ضروری اجلاس ۲۵ و ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۳ء جمعیتہ کے دفتر دہلی میں منعقد ہوگا جس کے دعوت نامے اور ایجنڈا مجلس عاملہ کے ارکان کی خدمت میں بھیج دیا گیا ہے - اس اجلاس میں موجودہ ملکی حالت پر غور و فکر کیا جائیگا۔

ہز ایکسیلنسی وائسرائے نے ایوان والیان ریاست کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ایک ہندوستانی ریاست کے ساحل پر دشمن کی ایک آبدوز کشتی سے دشمن کے ایجنٹوں کا ایک گروہ اترا تھا لیکن ان کو اُترنے کے بعد فوراً ہی گرفتار کر لیا گیا۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دشمن ہندوستان کی طرف سے غافل نہیں ہے - اس وقت ہمارا قریب ترین دشمن جاپان ہے جو باوجود ایک مشرقی قوم ہونے کے ہندوستان کا بدترین دشمن ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء

دولت اور اسلام کا نظریہ

کانفرنس گزٹ کے پچھلے نمبر میں "قومی ترقی اور دولت" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ محض دولت کا جمع کرنا کسی بلند نظر اور ترقی پذیر قوم کا مقصد حیات یا نصب العین نہیں ہو سکتا، البتہ جب کوئی قوم ترقی کرتی ہے تو دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ دنیا کی دولت و حشمت بھی اسے حاصل ہو جاتی ہے۔

اب اسی سلسلہ میں یہ بتایا جاتا ہے کہ روپیہ کمانے اور خرچ کرنے کے متعلق اسلام نے کیا تعلیم دی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اس بارہ میں "اسلامی تعلیم" پر صحیح طریقہ سے عمل کیا جائے تو دولت کی کثرت سے جو مفاسد اور اخلاقی برائیاں پیدا ہوتی ہیں اُن کا انسداد ہو سکتا ہے۔

"اسلامی تعلیم" کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس "دین فطرت" نے اگرچہ دولت کو انسانی زندگی کا کوئی اہم یا اعلیٰ مقصد نہیں قرار دیا ہے لیکن اُس نے کسی شخص کو دولت حاصل کرنے کی ممانعت بھی نہیں کی ہے بلکہ ایک حد تک اس کی ترغیب دی ہے اور ہر شخص کو زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کا حق حاصل ہے۔ البتہ اسلام نے کچھ حدود ضرور مقرر کر دیے ہیں یعنی ایسے طریقوں سے دولت حاصل کرنے کی سخت ممانعت کر دی ہے جو اسلام کے نقطۂ نظر سے ناجائز ہیں یا جن سے دوسرے لوگوں کی حق تلفی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں اخلاق انسانی اور عدل و انصاف کا معیار بہت بلند ہے اس لئے وہ کسی ایسے طریقہ سے دولت کمانے کی اجازت نہیں دیتا جس سے اخلاقی پستی یا دنائت ظاہر ہوتی ہو یا جو شرف انسانیت کے منافی ہو اور اُس سے دوسرے لوگوں کی حق تلفی کا امکان ہو۔

یوں تو تقریباً ہر مذہب نے دولت کمانے کے لئے کچھ حدود مقرر کر دیے ہیں اور اُن سے تجاوز کرنا لائق تعزیر قرار دیا ہے۔ مثلاً کوئی مذہب چوری، غارتگری یا فریب و چالاکی اور دغابازی سے دولت کمانے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن اسلام کا اخلاقی معیار چونکہ بہت بلند ہے اس لئے کسب دولت کے معاملہ میں اُس نے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے۔

مثلاً اسلام نے چونکہ شراب کا استعمال حرام قرار دیا ہے، اس لئے شراب کے ذریعہ سے روپیہ کمانے یعنی اُس کی "تجارت" کرنے کی بھی سخت ممانعت کر دی ہے کیونکہ اس سے بالواسطہ گناہ و بد اخلاقی کی تائید و حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اسی طرح خرید و فروخت اور کسب زر کے اور بہت سے ایسے طریقے ہیں جن پر دوسرے مذاہب نے کوئی زیادہ توجہ نہیں کی ہے اور کاروبار کی حیثیت سے انھیں جائز رکھا ہے۔ لیکن اسلام چونکہ ہر قسم کی مشتبہ چیزوں سے جن میں کسی فریق کے ضرر یا حق تلفی کا امکان ہو اجتناب کرتا ہے لہذا اُس نے کسب دولت کے اُن سب طریقوں سے منع کر دیا ہے جن میں ضرر یا بد معاملگی کا کوئی شائبہ ہو، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کے باہمی معاملات اور کاروبار میں اسلام کا اخلاقی معیار کس قدر بلند، بے لاگ اور سلجھا ہوا ہے، اور اگر اس پر احتیاط سے عمل کیا جائے تو کسی فریق کو کوئی شکایت نہیں پیدا ہو سکتی۔

قرآن مجید میں صراحتاً ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (نساء)

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق (ناجائز) طور پر نہ کھاؤ لیکن یہ کہ کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے،

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ ﴿ع﴾

ایک اور موقع پر یتیموں کا مال کھانے کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں وعید شدید فرمائی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا

یعنی جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ [illegible] داخل ہوں گے دوزخ میں۔

اسی سلسلہ میں یتیموں کے مال کی حفاظت کے متعلق اور بہت سی ہدایتیں دی گئی ہیں جن میں نہایت احتیاط کی شدید تاکید کی ہے۔

چونکہ اسلام نے ایسے نامور ذرائع سے روپیہ حاصل کرنے کی ممانعت کر دی ہے جو دوسرے انسانوں کو ضرر پہنچا کر حاصل کیا جائے، "سود" کی حرمت بھی اسی بنا پر ہے کہ سود کے جو طریقے عام طور پر رائج تھے اُن کا انجام عموماً یہ ہوتا تھا کہ سود دینے والا برباد ہو جاتا تھا اور سود لینے والا نہایت سنگدلی اور بیدردی کے ساتھ اپنے ایک ہم جنس کی تباہی و بربادی سے فائدہ اُٹھاتا تھا۔ اس لئے اسلام جو بنی نوع انسان کے ساتھ "حسن معاشرت" اور نیک سلوک کی تعلیم دیتا ہے اس شقاوت و بے رحمی کو گوارا نہیں کر سکتا تھا لہذا اُس نے سود کی ممانعت کر دی، اور اس کے متعلق سخت وعید کا اعلان کر دیا۔

سود خوروں کا حیلہ یا یہ عذر تھا کہ جب "تجارت" کی ممانعت نہیں یعنی مال فروخت کر کے روپیہ حاصل کرنا جائز ہے تو سود میں کیا مضائقہ ہے کیونکہ وہ بھی ایک طرح کا کاروبار ہے جس میں مال یا روپیہ کے ذریعہ سے روپیہ حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عذاب آخرت کی خبر دینے کے بعد اس ناپاک حیلہ کو غلط قرار دیا اور صاف صاف فرما دیا

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ﴿ط﴾

یعنی یہ حالت (سزائے آخرت) اُن کی اس واسطے ہوگی کہ اُنھوں نے کہا بیع (سوداگری) بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے بیع کو اور حرام کیا ہے سود کو۔

بہت سے لوگ ناپ تول میں کمی کر کے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے چونکہ اس میں خریدار کی حق تلفی ہے اس لئے قرآن مجید میں صراحتہً اس کی ممانعت کی گئی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ٥

اس آیت میں ناپنے کے پیمانے کو پورا بھرنے اور سیدھی ترازو سے تولنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ تاکید بتدریج محض اس بنا پر ہے کہ اسلام یہ جائز نہیں رکھتا کہ کسی شخص یا قوم سے عدل و انصاف کے خلاف نا روا سلوک کیا جائے یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی بدسلوکی و بدمعاملگی کی اجازت نہیں دی گئی چنانچہ اس کے متعلق صراحتہً ارشاد ہوا ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ٥

یعنی کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی بات زیادہ نزدیک تقویٰ سے ہے، اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

جب کسی بھی معاملہ میں عدل و انصاف کے [illegible] کام کرنے کی اجازت نہ دی گیا ہو اور ہر شخص کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید کرتا ہو وہ لوگوں کے حقوق تلف کر کے دولت حاصل کرنے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جب دولت ایسے جائز و مناسب طریقہ سے حاصل کی جائے گی جس سے دوسروں کی حق تلفی نہ ہو تو کسی شخص کو بھی شکایت نہ پیدا ہوگی۔ کیونکہ مال و دولت کی بنا پر جو نزاع و کشمکش باہم پیدا ہوتی ہے وہ صرف اس لئے کہ لوگ جائز طریقوں سے تجاوز کر کے دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کرتے ہیں۔

کسب دولت کے جائز وسائل دنیا میں اس کثرت سے موجود ہیں کہ کسی شریف و دانشمند انسان کو ناجائز طریقے اختیار کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے، اسلام صرف اسی صورت میں دولت کی مذمت کرتا ہے جب وہ ناجائز و غیر شریفانہ طریقہ سے حاصل کی جائے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اسلام نے دولت ہی کو "سب کچھ" نہیں سمجھا ہے بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ہیں جنہیں اسلام نے تکمیل انسانیت کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور اسلام کے نزدیک ان کی اہمیت و ضرورت، مال و دولت سے بھی زیادہ ہے۔

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ محنت و دیانت سے دولت حاصل کی جائے اور علاوہ اپنی ذات کے دوسرے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے بھی صرف کی جائے اسی لئے اسلام نے دولت کو جمع کر کے روک رکھنے کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی موجود ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ٥

یعنی اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوشخبری سنا دے عذاب دردناک کی۔

اس سے معلوم ہوا ہے کہ سیم و زر صرف اس لئے نہیں ہے کہ اسے زمین میں گاڑ کر یا آہنی الماریوں میں بند کر کے محفوظ کر دیا جائے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جن موقعوں پر خدا نے اس کے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں خرچ کیا جائے، یعنی ہر شخص کے مال میں خود اس کی ذات کے علاوہ اس کے قرابت داروں اور دوسرے حاجتمندوں کا بھی حصہ ہے، جن کی تفصیل قرآن مجید اور احادیث میں بیان کر دی گئی ہے۔

مثلاً قرابت داروں وغیرہ کے حقوق کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ٥

اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا بیجا۔ بیشک فضول خرچ کرنے والے بھائی ہیں شیطان کے۔

جو مال سال بھر تک محفوظ رہے اور خرچ نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کی ہے جس کی مقدار معین ہے۔ یہ زکوٰۃ جن لوگوں کو دی جاتی ہے ان کی تفصیل بھی قرآن مجید میں حسب ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ٥

ان آیات سے صراحتہً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی دولت کے ساتھ دوسرے بہت سے حقوق بھی وابستہ ہیں مثلاً اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے لہذا اس کا فرض ہے کہ اپنے مال کا ایک حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرے، اس کے علاوہ اپنے قرابت داروں اور اہل خاندان کے حقوق ادا کرے، اور ان حاجتمند اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرے جن کی تفصیل مذہب نے بیان کر دی ہے۔

اسلام نے زکوٰۃ و صدقات کا جو نظام قائم کیا ہے اگر اس پر باقاعدگی سے عمل کیا جائے تو ملک میں کوئی شخص تکلیف و مصیبت کی حالت میں نہیں رہ سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود پر مبنی ہے یہی وجہ ہے کہ جو "دولت" دنیا میں فتنہ و فساد پیدا کرتی ہے وہ اسلامی ماحول میں آ کر مخلوق کے لئے رحمت و برکت کا باعث بن جاتی ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بہت سے دولتمند بھی تھے جو تجارت و کاروبار کے ذریعہ سے خوب دولت پیدا کرتے تھے، لیکن دولت کو عزیز نہیں رکھتے تھے بلکہ جب اسلام کی کوئی ضرورت داعی ہوتی تھی تو وہ بیدریغ اس دولت کو قربان کر دیتے تھے۔ بلکہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ صحابہ نے اپنا "سب کچھ" دین کے لئے قربان کر دیا اور اپنی ضرورتوں کے لئے کچھ بھی نہ رکھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں دین کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

یہ حقیقت کا دستور ہے کہ کسی بڑے اور اہم مقصد کے لئے معمولی معمولی چیزیں قربان کر دی جاتی ہیں چونکہ صحابہ کے نزدیک سب سے اہم مقصد دین تھا اس لئے جب دین کی امداد کے لئے مال و زر کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ متاع دنیا کو دین پر قربان کر دیا کرتے تھے۔

یہ اسی ایثار و قربانی کا نتیجہ تھا کہ یہ مقدس جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی اور اسلام دنیا میں سب سے زیادہ سربلند ہوا۔

ہماری عید

از مولوی رشید احمد صاحب صدیقی علیگ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

(یہ تقریر ۲۔ اکتوبر کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر کی گئی)

عید مبارک ہو اُن تمام لوگوں کو جن کو پیغام تہنیت پہنچانے کیلئے اس وقت مجھے منتخب اور مامور کیا گیا ہے۔ یہ خوش رہنے اور خوش رکھنے کا دن ہے۔ میں چاہتا ہوں اور میری دعا ہے کہ یہ دن ہر شخص کے لئے خواہ وہ کہیں ہو، کوئی ہو اور کسی حال میں ہو خوشی اور برکت کا دن ہو۔ رنج و راحت میں شریک ہونا شریفوں کا شیوہ ہے اس میں مسلمان اور غیر مسلمان کی تفریق کرنا اچھا نہیں۔ کوئی قوم ہو، کوئی مذہب ہو، کوئی خطۂ ارض ہو اگر اس کے افراد ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک نہیں ہو سکتے تو وہ قوم وہ مذہب اور وہ ملک، انسانوں کی برگزیدہ برادری میں جگہ پانے کی مستحق نہیں۔ اس لئے میری دعا ہے کہ اس تقریب میں ہر شخص کو اس کی توفیق ہو کہ وہ ایک دوسرے سے ملکر خوش ہو اور ایک دوسرے کو خوش رکھے۔

عید روزہ کا انجام ہی نہیں اُس کا انعام بھی ہے روزہ کے معنی مقررہ وقت تک کھانے پینے سے پرہیز کرنا ہی نہیں ہیں۔ اس کا مقصد جسم کی لذتوں سے بلند ہونا ہے اور اُن باتوں سے پرہیز کرنا ہے جو انسان کی فطرت میں تو داخل ہیں لیکن انسان کی فطرت کو بلندی کے بجائے پستی کی طرف لے جاتی ہیں۔ شہوت، غضب، غرور، خوف، لالچ جن کا غلبہ اکثر انسانوں کو جانور سے بھی زیادہ قابل رحم یا قابل نفرت بنا دیتا ہے، ان سب پر قابو رکھنا روزہ کا اصلی مقصد ہے۔

روزہ مسلمانوں کے بڑے اہم و محترم مذہبی فرائض میں سے ہے۔ اور اس کو نماز کے بعد دوسرا درجہ دیا گیا ہے۔ روزہ ایک طرح کی لازمی فوجی تربیت و ریاضت ہے جسے اسلام نے اپنے پیرؤں پر تا وقتیکہ وہ معذور نہ ہوں عائد کیا ہے۔ بعض اقوام و ملکوں میں کچھ مدت کیلئے ہر شہری پر فوجی تربیت عائد ہوتی ہے تاکہ برے دن آئیں اور دشمنوں کا اچانک حملہ ہو جائے تو قوم غافل نہ پکڑی جائے۔ اسی طرح مسلمانو پر روزہ عائد کیا گیا ہے تاکہ اس پر نفسانی قوتوں کا غلبہ ہو تو وہ مردانہ وار مقابلہ کر سکے۔ بیرونی دشمن کی روک تھام کی کیسی کیسی تدابیر آج دیکھنے میں آتی ہیں۔ روزہ اندرونی دشمنوں کا سد باب کرتا ہے اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے کہیں زیادہ قوی اور مہلک ہوتا ہے۔ جس قوم نے اندرونی دشمن کو زیر رکھا بیرونی دشمن کبھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اندرونی دشمنوں کو قابو میں رکھنے کے لئے ہر قوم اور ہر شخص کو روزہ یا روزہ کی مانند اپنے اوپر کوئی نہ کوئی فوجی مشقت عائد کر لینی چاہئے۔ اگر ایسا ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ ہم کو بہت سی ان مصیبتوں سے نجات مل جائے گی جن سے بچنے کی آج کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ صحیح ریاضتِ نفس صالح مزاج پیدا کرتی ہے جس کی اقوام عالم کو بڑی ضرورت ہے۔ بالخصوص آئندہ جب ان کے ٹکرا جانے کے امکانات اور زیادہ بڑھ جائیں گے۔

مجھے امید ہے آپ نے روزہ کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھا ہوگا۔ اور آپ کو اس کی خوشی ہے اور اس پر فخر بھی کہ آپ روزے کی کسوٹی پر پورے اور سچے اترے میں آپ کی خوشی میں شریک ہوں اور عید کی تہنیت آپ تک پہنچانے میں فخر محسوس کرتا ہوں اور آپ ہی کو نہیں بلکہ غیر مسلمانوں کو بھی خوشی کا یہ پیام سناتا ہوں کہ مسلمانوں نے ایک بڑے ہی اہم فریضہ کو نیکی اور بہادری کے ساتھ پورا کیا ہے۔ ان پر بھروسہ کرنا چاہئے اس لئے اور کہ وہ خدا پر بھروسہ کرنا جانتے ہیں۔ اور انھوں نے خدا پر بھروسہ کرکے کارساز خدا کے احکام کی بجا آوری میں انہماک کیا ہے۔ اس لئے نیکی اور بہادری کے ہر کام میں انپر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

عید مسلمانوں میں عام خوشی کا دن ہے۔ جس کو ہر چھوٹا بڑا اپنی بساط اور اپنے مذاق کے مطابق مناتا ہے ایک فارسی شاعر نے اس موقع اور اس حالت کو بڑی خوبی سے ایک مصرعہ میں ادا کر دیا ہے۔

گدا کلاہ نمد کج نہاد و شہ دیہیم!

یعنی اس تقریب کی خوشی اور اعزاز میں بے نوا نے، اپنی اُون کی سیدھی سادی پرانی ٹوپی کو سر پر ترچھا کر لیا ہے۔ اور بادشاہ نے تاج زریں کو۔ گویا ہر حال میں ایک آن پیدا کر لینا خوشی اور فخر کا اظہار ہے، امیر اپنے مال میں مست اور فقیر اپنی کھال میں مست، یہی سب کچھ ہے۔ عید میں اسی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ امیر خدم و حشم کے ساتھ نماز ادا کرنے عید گاہ پہنچتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ صف اول میں پہنچایا جاتا ہے غریب اپنے بچوں کے ساتھ دھکے کھاتا اور دھکے دیتا پہنچتا ہے۔ اور جہاں جگہ ملتی ہے بیٹھ جاتا ہے۔ امیر یہ سوچتا ہے کہ ہر چہار طرف سے نظریں اس کے جاہ و حشم پر پڑ رہی ہیں اور یہ اللہ کی دین ہو یا نہ ہو اس کے آباؤ اجداد یا خود اس کی دین ہے۔ غریب کو اس کی پروا نہیں کہ اسے کون دیکھتا ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ اس کے بچے ہجوم میں کھوئے نہ جائیں، شور نہ مچائیں تنگ نہ کریں۔ اور وہ دوگانۂ عید سے فارغ ہو کر بچوں کے لئے مٹی یا کاغذ کے کھلونے اور ایک دو پیسے کی پکی پھلکی یا مٹھائی لیکر بچوں کو سنبھالتا جھڑکتا سمجھاتا چمکارتا گھر پہنچے۔ تیس دن تک اس نے جو ریاضت کی ہے اس کا ثمرہ اس کے بیوی بچے دیں گے بچے دھوم مچا کر اور بیوی اس خاموشی سے اسا مسرت سے اور اس پیہم مصروفیت سے جس میں وہ اس وقت بسر ہوگی اور جیسے شوق بے پایاں اور اس احساس نے تیز تر اور تند تر کر دیا ہوگا کہ وہ سارے گھر کی معتمد اور محرم ہے، وہ بیک وقت بچوں سے مخاطب ہوگی اُن کی خریداری کی داد دیگی، ان کے کپڑوں کو ٹھیک، ان کے بالوں کو درست، ان کے ہاتھ منہ کو صاف، ان کی دوڑ دھوپ میں ان کی نگراں، ایک ہی سانس میں گھڑکنا اور چمکارنا کوئی بیوی آگئیں تو لپک کر بڑھ کر بدیرائی انکے بچوں کے کپڑوں کی تعریف اور سب کی آؤ بھگت باہر کوئی شوہر کا ملنے والا آیا تو اس کے لئے سویاں، مٹھائی، عطر پان بھیجنے کا انتظام، شوہر سے کچھ کھا لینے اور تھوڑا سا آرام کرنے کی درخواست اس لطف، خلوص اور انداز سے کرنا جو صرف ایک اچھی بیوی ہی کر سکتی ہے۔ اور عید کا یہ وہ انعام ہے جو دینے والے اور لینے والے دونوں کو آپ نہ جانتے ہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے!

عید کی دراصل خوشی بچوں کو ہوتی ہے۔ اور انہیں کی خوشی سارے گھر کی خوشی کا موجب بنتی ہے، چاند دیکھنے کا بھی کیسا پُر لطف ہنگامہ ہوتا ہے۔ ہر چھوٹا بڑا چاند کیلئے سراپا اشتیاق و انتظار ہوتا ہے۔ اسی شوق اور ہنگامہ نے عید اور عید کے چاند کو ہمارے شعر و ادب میں لازوال جگہ دی ہے۔ نظر کام دے یا نہیں چاند ہر شخص دیکھ ہی لیتا ہے۔ ہر بچہ چاند دیکھنے ہی کو عید سمجھتا ہے۔ ماں سے ضد کرتا ہے کہ عید کے سارے کپڑے ابھی پہنا دو۔ وہ سمجھاتی ہے چمکارتی ہے۔ اور کبھی کبھی ایک آدھ دھپ بھی لگا دیتی ہے، لیکن صلح اس پر ہوتی ہے کہ کپڑے حوالہ کر دئے جائیں اسے بچہ سنبھال کر عجب اور ارمان کے ساتھ اسی طرح

اپنی چارپائی پر رکھ کر سو جاتا ہے۔ جیسے ماں خود اس بچے کو اپنے پاس سلاتی ہے بچہ کو رات بھر نیند نہیں آتی وہ نیند میں بھی عید مناتا رہتا ہے۔ اور ماں کو تمام رات یہ بتانا یا گھڑکنا پڑتا ہے کہ ابھی صبح ہونے میں دیر ہے صبح کی آہٹ پاتے ہی وہ اپنے پرانے کپڑے اتار کر برہنہ ہو جاتا ہے اور عید کے کپڑوں کو ہاتھ میں لیکر جکڑ دیتا ہے یا اس کے گرد رقص کرتا ہے۔ غسل کرنے یا منہ دھلانے میں وہ ہمیشہ فوجداری پر آمادہ ہوتا تھا لیکن آج یہ عالم ہے کہ کبھی وہ گھڑے میں ہاتھ ڈالکر آدھے یا تہائی چہرہ کو تر کر لیتا ہے۔ اور قہقہہ لگاتا ہے یا پورا لوٹا بھرے گھڑے اپنے پاؤں پر انڈیل لیتا ہے اور نعرہ لگاتا ہے کہ اس نے ضرورت سے زیادہ مکمل غسل کر لیا ہے۔ ماں چیختی چلاتی رہتی ہے اس کو برا بھلا کہتی ہے کہ پرائے گھر کا کوڑا ایسی نکمی ہے کہ بھائی کو کپڑے بھی نہیں پہنا دیتی۔ پرائے گھر جا کر خاندان کی ناک کٹوائے گی۔ بہن جو کسی گوشہ میں بیٹھی ہوئی چپکے چپکے اپنی گڑیے کو سب سے پہلے عید کا کپڑا پہنا چاہتی تھی۔ بھاگی ہوئی آتی ہے اور کہتی ہے بھیا ایسا نالائق ہے کہ کرتہ پہننے سے پہلے پاجامہ پہننے لگتا ہے اور پاجامہ پہنا ختم نہیں ہوتا کہ شیروانی لٹکانے لگتا ہے، ٹوپی ٹھیک نہیں ہو پاتی کہ جوتا ہاتھ میں اٹھا لیتا ہے۔ اور بال ٹھیک کرنا چاہتی ہوں کہ کود کر بھاگ جاتا ہے۔

ایک عید بے فکروں کی ہوتی ہے، محنت مزدوری سے آج نجات ہے۔ جلدی جلدی میلے کپڑے علیحدہ کئے گئے۔ محلے کے نل پر غسل کیا۔ گھر آ کر جسم خشک کیا۔ ایک نہایت شوخ رنگ کی بنیائن پہنی اوپر سے نہایت باریک ململ یا وائل کا کرتہ جس پر بوسی مانڑ کی بے بھڑ کیلے رنگ کے کشیدے کاڑھ دیئے ہیں۔ لٹھے کا بغیر دھلا پاجامہ جس کی مہری پر چکن ٹکی ہوئی۔ سر پر بنیر مہکتا ہوا تیل، جس میں چکن کی کڑھی ہوئی ٹوپی کے حاشیے تر، بال کڑھے ہوئے، کانوں میں عطر کا پھایا، گلے میں ہار، سب سے چھوٹی انگلی کی ایک پور پر مہندی کا رنگ، ایک مرصع تانگہ یا یکہ پر سوار جس کا گھوڑا عید کا دولہا بنا ہوا، ہوا سے باتیں کرے۔ تلا مہ میں گلوری، بیڑی کا دھواں اڑاتے، اردو کا کوئی سستا چٹ پٹا شعر گاتے چلے جا رہے ہیں راستہ میں کوئی شناسا ملا تو بآواز بلند گالی دیکر اور گالی سن کر اظہار انبساط!

بوڑھوں کی بھی عید ہوتی ہے۔ خضاب سے لیس، آنکھوں میں سرمہ، لب مسی آلودہ، چھڑی حنا مالیدہ، تیل سے چکنی رنگین اچکن اس سے زیادہ باغ و بہار پگڑی، عطر میں بسے، جیب میں بٹوا اور رومال۔ ایک کی گھنڈیاں دوسرے کے گوشے باہر نکلے ہوئے۔ خلال ڈلے، کمر جھکائے۔ نئے جوتے میں لنگڑاتے، ناتی پوتوں کے جھرمٹ میں یہ دعا مانگتے چلے جا رہے ہیں کہ پسماندہ دانتوں میں سے کسی میں کم سے کم آج نہ تو درد ہو، اور نہ کوئی مفارقت کر جائے۔

بعض عورتوں کی عید بھی نظرانداز نہیں کی جا سکتی عید ہی نہیں کوئی تقریب ہو وہ ابتدا ہو گی بدمزگی کی اٹوائی کھٹوائی لیکر پڑ گئیں۔ ماتم اس کا کہ ہمارے پاس کیا دھرا ہے۔ کہ بہنوں، بھک منگے سی، برس کے برس دن اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ اس گھر میں میرے لئے کیا دھرا ہے۔ وہی دو چار چیتھڑے جسے ہر جگہ لگائے پھرتی ہوں۔ کتنی گھر منتیاں ہیں کہ راج رچ رہی ہیں ایک میں ہوں کہ بھنگن سے بھی بے وقر۔ میں تو اپنے گھر چلی جاؤنگی اور اس گھر میں آگ لگا دوں گی۔ کتنے کوتے آ کر بس گئے۔ اسی حالت میں کوئی بچہ یا شوہر ٹوک گیا تو سرنگ پھٹ گئی، مار دھاڑ، گالی کوسنے کپڑے پھاڑنا، چیزیں پھینکنا توڑنا، رونا پیٹنا، غرض کہ وہ سب کچھ ہو جائیگا۔ جو صرف اسی موقع پر نہ ہونا چاہئے تھا اور یہ سب باوجود اس کے کہ گھر میں آسائش کا تمام سامان مہیا اچھے سے اچھے کپڑے موجود اور گھر کا ہر فرد جان چھڑکنے پر تیار۔

یہ امر مسلم ہے کہ اب تیج تیوہار کی وہ خوشی نہیں ہوتی جو آج سے ۳۰۔ ۴ سال پہلے ہوا کرتی تھی اس کا سبب یہ ہے کہ اب ذہنوں پر مذہب کی پہلی سی عام گرفت نہ رہی دوسرے یہ کہ خوشی منانے کے اور بہت سے ذرائع نکل آئے، پارٹی جلسے کلب، سینما، تھیٹر، سرکس، سفر کی سہولتیں، نمائشیں یہ یوم وہ یوم، جہاں اچھے کپڑے پہننے، اچھا کھانا کھانے اور لطف اٹھانے کے جلد جلد مواقع بآسانی ملتے رہتے ہیں۔

اس کا اثر ہماری زندگی پر کچھ اچھا نہیں پڑے تیوہاروں کے مقاصد بنیادی طور پر بڑے اچھے ہوتے تھے۔ ان کی خوشی اور ان کا احترام عالمگیر ہوتا تھا اس سے ایک طرح کی یکجہتی قائم تھی۔ اب متفرق طور پر دل بہلانے کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے لگاؤ نہ رہا، بقول شخصے تم اپنے گھر خوش، میں اپنے گھر خوش، اور یہ کوئی امید افزا بات نہیں ہے۔

آخر میں آپ سب کو خواہ آپ غریب ہوں، امیر ہوں، چھوٹے ہوں، بڑے ہوں، مسلمان ہوں، غیرمسلمان ہوں، جاہل ہوں، عالم ہوں، مریض ہوں، مسافر ہوں، آوارۂ وطن ہوں، ملول و مایوس ہوں، اسیر ہوں، آزاد ہوں، سب کو علٰحدہ علٰحدہ اور ایک ساتھ بھی، آپ کے رنج و راحت کا شریک بن کر آپ کو عید کی تہنیت پہنچاتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آپ زندگی کی لاانتہا، کبھی نہ مٹنے والی کبھی نہ گھٹنے والی اور کبھی نہ ساتھ چھوڑنے والی فیض بخشیوں پر بھروسہ کریں۔ اور اس کا نام لیکر جس کے جود و عطا کے سرچشمے ازلی اور ابدی ہیں، اپنی زندگی کو از سر نو تازگی اور تابندگی بخشیں عید کا یہی پیغام ہے اور یہی تہنیت ہے جو میں نہایت ادب امید اور فخر کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

خدمت اردو کے طریقے

ہم ذیل کے طریقوں پر عمل کر کے اردو زبان کی خدمت کر سکتے ہیں۔

۱۔ اردو اخبارات کی زیادہ سے زیادہ توسیع اشاعت کریں۔

۲۔ سرکاری مدارس میں اردو تعلیم کی حالت بہتر بنائیں۔

۳۔ زیادہ سے زیادہ افراد کو اردو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

۴۔ ہر صوبہ میں اردو مطبعوں اور کتابوں کی فروخت کا بہتر انتظام کریں۔

۵۔ اردو ادیبوں اور مصنفوں کی حوصلہ افزائی کریں۔

۶۔ فلموں اور ریڈیو اسٹیشنوں میں اردو زبان کی ترویج و حفاظت۔

۷۔ جن مقامات پر اردو سکول قائم ہیں وہاں ان کی حفاظت اور جہاں قائم نہیں ہیں وہاں انہیں قائم کرانے کی کوشش۔

۸۔ اردو مشاعروں اور کانفرنسوں میں دلچسپی لیں۔

۹۔ ہر مقام پر ترقی اردو کی انجمنیں بنائیں اور انہیں انجمن ترقی اردو دہلی کے ساتھ ملحق کر کے انجمن

مذکورہ کے پروگرام کو کامیاب بنائیں۔

۱۰۔ زیادہ سے زیادہ کسان اردو کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔

۱۱۔ ہر صوبہ، ریاست، یونیورسٹی اور کالج میں اردو زبان کو اس کی صحیح جگہ دلائیں اور کم از کم یہ کہ جہاں اس وقت اردو کو جو جگہ حاصل ہے، وہاں سے اس کا قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اس کے لئے بوقت ضرورت سیاسی خطوط کیطرح زبان کی حفاظت کی جائے۔

۱۲۔ ہندی صوبوں میں اور ہندو قوم میں ترویج اردو کی زیادہ سے زیادہ کوشش اور ہندو شعرا اور ادیبوں کی حوصلہ افزائی اور ان کی تصانیف کی قدردانی۔

۱۳۔ دنیا کے مشہور مصنفوں کی کتابیں جنہیں عالمگیر شہرت حاصل ہے، اردو میں سب سے پہلے ترجمہ کی جائیں۔

۱۴۔ ہندو تاریخ، مذہب، گرنتھوں، قدیم ہندو فلسفہ کی کتابیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اردو میں شائع کی جائیں تاکہ جس طرح مسلمانوں میں مذہبی حیثیت سے اردو زبان قبول عام کا درجہ حاصل کر چکی ہے اسی [illegible] ہندوؤں میں بھی سنسکرت کی جگہ لے لے۔

۱۵۔ [illegible] صوبوں [illegible] نوجوان ایسے نکلیں جو [illegible] کی طرح خدمت اردو کے لئے اپنی زندگیاں [illegible]۔

۱۶۔ مسیحی [illegible] نے جس طرح ہر ایک ملک میں انگریزی سکول قائم کئے ہیں اسی طرح ہر ایک ملک اور ہر ایک یونیورسٹی میں تعلیم اردو کی کوشش کی جائے۔ اور اس کے لئے اردو کے فاضل ہر ملک میں پہنچیں اور وہاں [illegible] سکول جاری کریں۔

(ایمان)

اردو کانفرنس ناگپور

انجمن اشاعت اردو ناگپور ۲۷-۲۸-۲۹ اکتوبر کو خاص اہتمام کے ساتھ اردو کانفرنس منعقد کر رہی ہے۔ دس ہزار افراد کی نشست کے لئے پنڈال تیار کیا جا رہا ہے۔ کانفرنس کے مختلف اور متعدد شعبے ہوں گے۔ لسانیات، ادبیات، تاریخ، تذکرہ، سیاست، تصنیف و تالیف وغیرہ ہر شعبہ میں موضوع کے مطابق مقالات پڑھے جائیں گے۔ بہت ہی وسیع پیمانہ پر بزم مشاعرہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ خواتین کے اجتماع کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

مدنظر یہ ہے کہ اس ہنگامی اجتماع کو ایک مستقل تعمیر کی صورت دی جائے۔ سی پی میں ایک اردو اکیڈمی کی بنیاد ڈالی جائے جو علمی، ادبی، دینی اور قومی کتابوں کی تصنیف و تدوین اور اشاعت کی خدمت انجام دے۔ مختلف شعبوں کے ماہرین اور ادباء میں سے تقریباً سو حضرات کی شرکت کی توقع کی جا رہی ہے۔ [illegible] اولوالعزم حضرات جو اس کانفرنس کا اہتمام کر رہے ہیں اور بالآخر اکیڈمی کے قیام کا اس کے مستحق ہیں کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ سی پی اور برار میں زبان کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ ہندوؤں کی طرف سے مسلسل تحریک جاری ہے کہ اردو کو مٹا دیا جائے اور مسلمانوں کو ہندی زبان بولنے پڑھنے اور لکھنے پر مجبور کیا جائے۔

یوں تو تمام ہندوستان ہی میں زبان کا مسئلہ سیاسی مسئلہ بن گیا ہے لیکن بالخصوص جنوبی ہند میں جہاں مسلمانوں کی تعداد کم ہے خالص سیاسی مقاصد سے اردو پر ہندی کی یورش ہے۔ اردو کو ہر جگہ [illegible] کی ضرورت ہے لیکن [illegible] جنوبی ہند میں زیادہ توجہ کے ساتھ اردو کی [illegible] اس حصہ ملک کے مسلمانوں کی تہذیبی، تمدنی [illegible] زندگی کا مدار ہے۔ تمام مسلمان ہندوستان [illegible] اس حوصلہ مند بھائیوں کے ساتھ [illegible] کریں۔

(ماخوذ)

اب ہندوستان سے اناج باہر نہیں جائیگا

بمبئی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حکومت ہند کے محکمہ [illegible] کے ممبر سر جوالا پرشاد سریواستو نے آج [illegible] مرچنٹس چیمبر کی کمیٹی سے ملاقات کی تو انہوں نے کہا کہ حکومت ہند اس ملک میں غیر ملکوں سے بہت بڑی مقدار میں اناج منگانے کی بڑی سخت کوشش کر رہی ہے اور طویل عرصہ کی پالیسی وضع کرنے والی کمیٹی نے جو سفارشات کی ہیں ان کو حکومت ہند سرسری طریقہ سے عملی جامہ پہنانے کی خواہاں ہے۔ حکومت ہند ان سفارشات کے مطابق اناج کا مرکزی ذخیرہ بھی قائم کرے گی۔

سیٹھ ہری داس مادھو داس صدر انڈین مرچنٹس چیمبر نے سر جوالا پرشاد کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ یہ کمیٹی یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ ہندوستان میں اناج کی کتنی کمی ہے۔ سیٹھ ہری داس نے ان بیانات کا ذکر کیا جو غذا کے مسئلہ کے متعلق انڈین مرچنٹس چیمبر نے جاری کئے ہیں اور فرمایا کہ حکومت کو تجارت میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی جاری نہ رکھنی چاہئے تھی جو کہ فالتو اناج والے صوبوں میں اختیار کی جا رہی ہے جنہوں نے یا تو ان صوبوں کو جہاں ضرورت سے کم اناج پیدا ہوتا ہے اناج دینے سے قطعی انکار کر دیا ہے اور یا وہ بہت گراں نرخوں پر ان صوبوں کو اناج فروخت کر رہے ہیں۔ سیٹھ ہری داس نے اس امر کی مذمت کی کہ محکمہ خوراک کے بہت سے شعبوں کا عملہ بعض غیر ملکیوں کے ماتحت ہے اور محکمہ خوراک سے اپیل کی کہ وہ اشیائے خوردنی کے ماہرین کو غیر ممالک سے بلانے کا طریقہ ترک کر دیں اور ہندوستانیوں سے جو مشورہ ملے اسی پر بھروسہ رکھیں۔

سیٹھ ہری داس کے ایک سوال کے جواب میں سر جوالا پرشاد نے کہا کہ میری رائے میں [illegible] بہت ہی زیادہ پیچیدہ ہے جن اسباب کی بنا پر اناج حاصل کرنے کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے [illegible] حسب ذیل اسباب [illegible]

[illegible] اپنا مال [illegible] اناج منڈیوں میں نہیں لا رہا ہے۔ کسان اپنی پیداوار کے خرچوں میں اضافہ اور [illegible] دوسرے مال کی کمی کے باعث [illegible] اپنا روپیہ خرچ کرے اتنی بڑی مقدار میں غلہ روک کر اور مزید گرانی کا انتظار کرنے کا عادی ہو گیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی ہے (۲) کرنسی کی تعداد میں اضافہ کے باعث کسان کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی ہے اور وہ پہلے اپنی پیداوار کا جتنا حصہ صرف کرتا تھا اس سے زیادہ خود ہی صرف کر لیتا ہے (۳) ہر طبقہ کے لوگوں میں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کے وسائل بہت تنگ ہیں اپنی ضروریات کی کئی ماہ پیشتر خرید کر جمع کرنے کا رجحان پیدا ہو گیا ہے اور اس طرح ان اشیاء کی مقدار میں کمی ہو جاتی ہے۔ اگر ہندوستان کی آبادی ساڑھے ۳۹ کروڑ انسان اور اوسطاً ڈیڑھ من فی کس اناج پر گزارہ کریں تو ڈھائی کروڑ ٹن کی کمی ہوتی ہے اس کمی کی مقدار اس کمی کی مقدار کے مساوی ہے جس کا اعلان صوبجات اور ریاستوں نے بحیثیت مجموعی کیا ہے (ایک ٹن = ۲۸ من)

اناج کی برآمد کے بارے میں سر جوالا پرشاد نے کہا کہ حکومت اس معاملہ کی کڑی نگرانی کر رہی ہے انہوں نے حکومت ہند کے اس کمیونک کا ذکر کیا جو

حکومت ہند نے حال ہی میں شائع کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اناج کی برآمد قطعی ممنوع قرار دے دی گئی ہے اور عوام کو اس معاملہ میں کوئی شکایت کرنے کا موقعہ نہیں ملے گا۔

بنگال کو ۲ ½ لاکھ ٹن اناج کی ضرورت

گورنر بنگال نے آل انڈیا ریڈیو کے کلکتہ اسٹیشن سے براڈکاسٹ کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں ایک ہفتہ سے آپ لوگوں کے درمیان ہوں اور حقیقت حال سے پورے طور پر آگاہ ہوتے اور ان مصائب و ہولناک واقعات کے کچھ مناظر بچشم خود مشاہدہ کرنے کے بعد جو اناج کی کمی کے باعث پیدا ہو رہے ہیں مجھے امید ہے کہ اس سے ہمیں یہ معلوم کرنے میں بہت مدد ملے گی کہ بنگال میں اس وقت کیا حالت ہے، اور اس طرح مشترکہ مصائب کو دور کرنے کے لئے سب لوگ مل کر کام کر سکیں گے۔

اگر میں صوبہ کے گورنر کی حیثیت سے درخواست پیش کروں اور سیاسی لیڈروں سے جماعتی اختلافات دور کرنے اور تاجروں سے اسٹاک منڈیوں میں لانے اور دیہاتیوں سے جن کے پاس ضرورت سے زیادہ اناج موجود ہے اس فالتو اناج کو فروخت کر دینے کی اپیل کروں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے صورت حالات کے متعلق صحیح نظریہ قائم کیا جائے گا۔

بنگال میں روزانہ ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ سیر یعنی ۶۰ لاکھ ٹن چاول خرچ ہوتا ہے، بالفاظ دیگر ہر مہینہ میں ۶ لاکھ ۱۵ ہزار ٹن چاول کا خرچ ہے۔ صوبہ میں عام ضرورت کے اعتبار سے کم از کم ۷ ہفتہ کی خوراک کی کمی تھی ہمارا اندازہ ہے کہ اگر کسی نہ کسی قسم کا ڈھائی لاکھ ٹن اناج آئندہ تین مہینہ میں باہر سے مل جائے اور اس میں ۷۰ ہزار ٹن چاول ہو تو ہمیں پھر کوئی دقت نہ ہوگی۔

حکومت بنگال کو ایک ایسے مسئلہ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو اس کے قابو سے باہر ہے، اور اسے دیہات اور شہروں میں بہت بڑی تعداد میں لوگوں کے ساتھ جد و جہد کرنی پڑی ہے جو اس صوبہ کے اناج کو نامناسب نرخوں پر فروخت کرنے کے متعلق حکومت کی کوشش کو ناکام بنانے پر تلے ہوئے تھے، ہو سکتا ہے کہ حکومت نے غلطیاں کی ہوں لیکن اخبارات میں اور جلسوں میں حکومت پر جو حملے کئے جا رہے ہیں اُن کی بدولت عوام کا اعتماد حکومت سے ضرور اٹھ گیا ہوگا اور اس کا کام اور بھی دشوار ہو گیا ہوگا۔

گورنر بنگال کی جد و جہد

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ گورنر بنگال نئی دہلی میں پہنچ گئے ہیں، انھوں نے وائسرائے اِن کی گزیکٹو کونسل اور دوسرے افسروں سے بنگال میں خوراک کی صورت حالات کے بارے میں مشورے کئے۔

گورنر نے بنگال کی موجودہ صورت حالات بیان کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ڈھائی لاکھ ٹن چاول منڈیوں میں آنے تک کے لئے ضروری ہے۔

رسل و رسائل کے مسئلہ پر بھی تبادلۂ خیالات کیا گیا، گورنر نے بتایا کہ سب سے اہم مشکلات میں سے ایک یہ ہے کہ کلکتہ سے دیہات کو کس طرح سامان پہنچایا جائے۔ ریلوے بہت زیادہ ٹریفک ہے۔ سڑکیں بہت کم ہیں اور بنگال کے بڑے حصہ میں دریاؤں کے راستہ سے آمد و رفت اور سامان کی نقل و حرکت ہوتی ہے اس معاملہ پر بھی کامل احتیاط سے غور کیا گیا۔

حکام اس پر بھی غور کر رہے ہیں کہ بنگال کے باشندوں کو جن کی عادت صرف چاول کھانے کی ہے دوسرا اناج کھانے کی عادت کس طرح ڈالی جائے کیونکہ وہ لوگ باجرہ اور مکہ وغیرہ کی روٹی پکانا بھی نہیں جانتے۔ نہ اُن کے پاس روٹی پکانے کا ضروری سامان ہوتا ہے

مسلم چیمبر آف کامرس کی تجاویز

کلکتہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ مسلم چیمبر آف کامرس کی کمیٹی نے امدادی تدبیروں کے سلسلہ میں چند تجویزیں پیش کی ہیں، ان میں سے ایک تجویز یہ بھی ہے کہ امدادی مرکزوں میں بلا لحاظ مذہب و ملت اور ذوات پات سب فرقوں اور ذاتوں کے لوگوں کی مدد کی جائے۔

اس کمیٹی نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو اطلاع دی ہے کہ وہ ہمیں اتنا اناج دے سکتی ہے جس سے دو ہزار آدمیوں کو دن میں ایک مرتبہ گیارہ ہفتے تک متواتر کھانا دیا جا سکتا ہے۔ یہ لنگر خانے نواکھلی، ساندیپ اور رائے پورہ وغیرہ میں کھولنے کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ اس کمیٹی کی یہ تجویز ہے کہ تین سو بچوں کو روزانہ دودھ مہیا کرنے کا بھی انتظام کیا جائے اور نواکھلی میں تین مہینہ کے لئے ایک یتیم خانہ بھی کھولا جائے مؤخر الذکر دونوں اسکیموں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے کمیٹی کو ۱۵ ہزار روپیہ موصول ہوا ہے۔

فوڈ کانفرنس اور اناج کا معاملہ

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ فوڈ کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے فوڈ ممبر سر جے پی سریواستو نے پالیسی کے متعلق تین اہم اعلان کئے جو گریگوری کمیٹی کی رپورٹ سے پیدا شدہ سفارشات پر مبنی ہیں۔

پہلا اعلان آپ نے یہ کیا کہ حکومت نے یہ سفارش منظور کی ہے کہ ہندوستان سے اناج کی برآمد بند ہو جائے، آپ نے بتایا کہ ہندوستان سے اناج کا باہر جانا بند ہو گیا ہے صرف ایک ہزار ٹن اناج ہر مہینہ باہر جاتا ہے جو کہ جہازوں میں کام کرنے والے لوگوں اور ضروری کاموں میں صرف ہوتا ہے۔

دوسرے حکومت اس امر کی ضرورت محسوس کرتی ہے کہ باہر سے اناج منگایا جائے اور اس کے لئے جو جہاز اب تک متعین کئے جا چکے ہیں اُن کے علاوہ حکومت اور جہاز منگانے کی کوشش کرے گی۔

تیسرے حکومت ایک مرکزی مشاورتی کمیٹی مقرر کرے گی جس میں غیر سرکاری اصحاب بھی لئے جائیں گے فوڈ ممبر نے صوبوں اور ریاستوں سے تعاون کی پُر زور اپیل کی اور کہا کہ کانفرنس میں راشن وغیرہ دوسری تدبیروں پر بھی غور کیا جائے گا۔

حکومت جو تدبیریں کر رہی ہے اگر ان پر جلد سے جلد عمل کیا جائے تو بے شبہ ملک کی حالت سنبھل سکتی ہے جو حالات پیش آ رہے ہیں وہ مزید تاخیر کی اجازت نہیں دیتے، خصوصیت کے ساتھ صوبۂ بنگال کی حالت بہت نازک ہے، لوگ فاقہ کشی سے مر رہے ہیں

کیا، خوراک ... ان کی امداد کی جائے اور ... ان کے لئے بہم پہنچایا جائے، ... اور موت سے محفوظ رہ سکیں۔

۲ ½ لاکھ ٹن اناج باہر سے آنے والا ہے

پارلیمنٹ میں مسٹر چرچل کے اس اعلان کا کہ ہندوستان کی غذائی صورت حالات پر بحث کرنے کے لئے وہ ایک روز مقرر کریں گے۔ ٹوری کانفرنس کے حلقوں میں خیر مقدم کیا گیا ہے۔ ان حلقوں کا یہ کہنا ہے کہ ہندوستان کے کمانڈر انچیف جنرل آکن لیک نے مطالبہ کیا ہے کہ ہندوستان چونکہ اتحادیوں کے حملہ کا اڈہ بننے والا ہے اس لئے ہندوستان کی غذائی صورت حالات کے لئے اتحادی ذمہ دار ہونے چاہئیں۔ کہا جاتا ہے کہ انڈیا آفس نے اپنا نظریہ تبدیل کر لیا ہے۔ سلطنت کے مختلف ذرائع سے ۲ ½ لاکھ ٹن اناج ہندوستان بھیجنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ باہر سے اس قدر اناج آنے سے ... سے فالتو اناج حاصل کرنے کے بعد فوج اور ملک کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔

پنجاب کے بنکوں پر پابندی

یونائیٹڈ پریس کو معتبر غیر سرکاری ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند نے پنجاب کے بنکوں پر ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت ایک حکم نافذ کیا ہے جس کے ذریعہ وہ تمام اناج روک لیا گیا ہے جو بنکوں کے گوداموں اور کھتوں میں جمع ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آل انڈیا غذائی کانفرنس کے قریبی گوشوں کو ایک میمورنڈم دیا گیا ہے جس میں اناج کے متعلق تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے بارے میں حکومت پنجاب کی رائے درج ہے اور بنکوں پر مندرجہ پابندی کے حکم کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے۔

چار اتحادی طاقتوں میں اتحاد کی ضرورت

مسٹر اسٹینوس ... نے جو آج کل ہوائی جہاز تیار کرنے والے محکمہ کے وزیر ہیں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ برطانیہ، امریکہ، روس اور چین کے درمیان ایک ایسی مستقل مفاہمت کی ضرورت ہے جس میں یہ وعدہ کیا جائے کہ دنیا کا امن برقرار رکھنے کے لئے وہ عملی تدابیر اختیار کریں گے۔ اور جنگ کے اسباب کو مٹا دیں گے۔

آپ نے یہ بھی کہا کہ اگر ان چاروں ملکوں کے درمیان کسی قسم کی پھوٹ پڑ گئی تو یہ آئندہ جنگ کی جانب پہلا قدم ہوگا۔ دنیا کے امن کا دار و مدار ان چاروں بڑی طاقتوں پر ہے۔ اگر ان کے باہم کوئی حقیقی مفاہمت ہو جائے تو دنیا آئندہ جنگ سے بچ جائے گی البتہ اگر ایسا نہ ہوا تو جنگ کا خطرہ بدستور قائم رہے گا۔ آپ نے کہا کہ ہم بین الاقوامی ڈیموکریسی چاہتے ہیں اور یہ مطالبہ کیا کہ برطانیہ کو اپنے گھریلو معاملات میں حقیقی ڈیموکریسی پر عمل کرنا چاہئے، ہم دنیا کے لئے جس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں ہمیں اپنے ملک اور سلطنت پر بھی اس کا اطلاق کرنا چاہئے۔

مقناطیسی تارپیڈو

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ اٹلانٹک میں جرمنی آبدوز کشتیاں اتحادی جہازوں کے قافلوں پر حملے کر رہی ہیں، ان میں ایک نیا ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے، یہ ہتھیار زبردست آواز سے پھٹنے والا مقناطیسی تارپیڈو ہے۔

اب تک اس خفیہ ہتھیار کے بارے میں بہت کم حالات معلوم ہو سکے ہیں لیکن جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جہاز کے ڈھانچہ کے فولاد میں جو بجلی ہوتی ہے وہ اس تارپیڈو کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور یہ جہاز پہنچنے کی آواز سے پھٹ جاتا ہے۔

برطانیہ کے کان کنوں کی اسٹرائک

برمنگھم کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ الاباما میں ۲۰ ہزار کان کنوں نے ہڑتال کر دی ہے جس کی وجہ سے کوئلہ کی قلت ہو گئی ہے اور اس سبب سے یہاں فولاد اور لوہا تیار کرنے میں بہت کمی کرنی پڑی ہے۔ ٹینیسی کی کوئلہ، لوہا، فولاد اور ریل کی پٹریاں بنانے والی کمپنی نے اعلان کیا ہے کہ اس نے اپنی چار بھٹیاں بند کر دی ہیں جن میں روزانہ ۳ ہزار ٹن سے زیادہ لوہا تیار ہوتا تھا، اور یہ کمپنی فولاد کی تیاری کے پروگرام میں بھی اسی ...

"مطبوعات جدیدہ"

اسلام میں غلامی کی حقیقت } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ مدیر برہان۔ غلامی پر اسلامی نقطۂ نظر سے ایک محققانہ بحث۔ قیمت ...

تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام } از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ مغربی تہذیب و تمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص منصفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت ... ۲

اسلام کا اقتصادی نظام } از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی۔ دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے مقابلہ۔ قیمت ... ۲

نبی عربی صلعم } از مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ متوسط استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحسین جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ...

فہم قرآن } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم و جدید نظریوں پر نہایت مبسوط و مدلل بحث۔ قیمت ۱۲

غلامان اسلام } از مولانا سعید احمد صاحب، ایم اے۔ پچھتر سے زیادہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء و محدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت ... ۵

تاریخ انقلاب روس } از ایم ایم جوہر صاحب، انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات، قیمت ... ۲

اخلاق و فلسفۂ اخلاق } از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی علم اخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق، فلسفۂ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۔ ۵

وحی الٰہی } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ مسئلہ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ دلپذیر اور دلکش انداز میں بحث۔ قیمت ... ۱

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(... رضا صاحب) جواہر خان مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خان ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی۔اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۱۶ - اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۱۵ - شوال سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۳۹)

۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء کو خان بہادر [illegible] القادر صاحب دیوان ریاست جوناگڑھ [illegible] سنگ بنیاد رکھنے کے لیے علی گڑھ تشریف لائے [illegible] اسٹیشن پر مسلم یونیورسٹی کے ارکان اور [illegible] نے آپ کا پرجوش طریقے سے خیر مقدم کیا۔

۱۱½ بجے طبیہ کالج کے ہال میں جلسہ منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب پرو وائس چانسلر نواب صدر یار جنگ بہادر اور یونیورسٹی کے متعدد ممبران کورٹ اور دوسرے سربرآوردہ اصحاب تشریف رکھتے تھے۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب نے ممبران کورٹ کی طرف سے معزز مہمان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ ہز ہائینس فرمانروائے جوناگڑھ خلد اللہ ملکہ کی علم پرور و فیاضی کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ دیوان صاحب بالقابہ نے جواب میں ایک دلنشین تقریر فرمائی اور محمد حاذق صاحب استاد شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی نے دیوان صاحب ممدوح کے خیر مقدم میں ایک دلچسپ نظم خوش آیند طریقے سے پڑھی جو عام طور پر پسند کی گئی۔

اس کے بعد مجوزہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ (مفصل آیندہ)

بریلی اسلامیہ کالج کی یہ کوشش لائق تحسین ہے کہ اس نے اپنی لائبریری میں اردو کتابوں کے ذخیرہ میں اضافہ کی طرف خاص توجہ کی ہے۔ اور کالج میں "انجمن ترقی اردو" بھی قائم ہو گئی ہے جس میں اونچے درجوں کے طلبہ شریک ہیں۔

ابھی حال میں رائے بہادر رام بابو سکسینہ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع بریلی نے اس انجمن کی "اردو لائبریری" کی افتتاحی رسم ادا کی۔ جلسہ کا آغاز تلاوت کلام مجید سے ہوا۔ اس کے بعد نظمیں پڑھی گئیں۔ اور صاحب کلکٹر بہادر کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ جس میں موصوف کی علمی و ادبی خدمات کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا تھا۔

رائے بہادر صاحب نے اپنے جواب میں اس کالج کے ساتھ اپنے تعلقات کا تذکرہ کیا۔ اور اردو کی ترقی کے لئے جو کوشش ہو رہی ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو ہندو اور مسلم کی مشترکہ میراث نہیں بلکہ ہندو، مسلم، عیسائی اور انگریزوں نے بھی اس کی ترقی میں حصہ لیا ہے۔

سلسلہ تقریر میں صاحب موصوف نے اپنی تازہ تصنیف کا بھی ذکر کیا جس میں اردو زبان میں کہنے والے ایک سو انگریز شاعروں کے حالات اور کلام کے نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ اور جو عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ آخر میں [illegible] توقع ظاہر کی کہ بریلی کے صاحب استطاعت اصحاب اس مفید کام میں کارکنان کالج کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ اس کے بعد مولوی نظامی صاحب بدایونی نے شکریہ کی تقریر کی۔ تقریروں کے بعد صاحب کلکٹر بہادر نے لائبریری کا افتتاح کیا اور مختلف الماریوں کو کھول کر کتابیں ملاحظہ کیں اور لائبریری کی رکنیت قبول فرمائی۔

اردو کے متعلق رائے بہادر صاحب کی یہ فراخ دلی لائق تحسین و ستائش ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آیندہ بھی لائبریری کے ساتھ ان کی دلچسپی قائم رہے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ اکتوبر ۱۹۶۳ء

مال و دولت کے متعلق اسلام کا اخلاقی معیار

دولت حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے متعلق اسلام نے جو تعلیم دی ہے وہ ہم اپنے پچھلے مضمون میں بیان کر چکے ہیں، اس تعلیم کا ماحصل یہ ہے کہ روپیہ جائز طریقہ سے کمایا جائے اور جائز و مناسب موقع پر خرچ کیا جائے، لیکن جائز و ناجائز یا مناسب و نامناسب کے متعلق ہر مذہب یا جماعت کا نقطۂ نظر مختلف ہے، اس لئے یہ ہو سکتا ہے کہ کسب زر کے جو طریقے اور جو "اعمال" اسلام کے بلند اخلاقی معیار کے لحاظ سے مرتبۂ انسانیت سے فروتر ہیں، وہ کسی دوسرے انسانی گروہ کی نظر میں بالکل جائز و مناسب ہوں اور وہ ان میں اخلاقی حیثیت سے کوئی پستی و قباحت نہ محسوس کرتا ہوں۔

کسی زمانہ میں بھی انسانوں کے مختلف طبقات یا مختلف انسانی حکومتوں کا معیار اخلاق و شرافت یکساں نہیں رہا ہے۔ سبب ظاہر ہے گو تمام خصوصیات اور مقصد تخلیق کے اعتبار سے انسان اس کائنات کی سب سے زیادہ بلند رتبہ ہستی ہے لیکن مختلف قسم کے ماحول و خارجی اثرات، نیز دیرینہ رسم و رواج اور کورانہ تقلید یا مخصوص ملکی و خاندانی روایات نے مختلف انسانی طبقات کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ وہ اپنی ذہنیت، اعمال و کردار اور اخلاقی بلندی و پستی کے اعتبار سے مختلف گروہ بن گئے ہیں اور ان کا اخلاقی معیار بلند اور ان کی روزمرہ کی معاشرت باقاعدہ و منظم ہے۔ لیکن بے گروہ ایسے بھی ہیں جو کسی مذہبی و اخلاقی آئین و اصول کے پابند نہیں ہیں۔ اور اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے وہ کسی جائز یا ناجائز تدبیر کے اختیار کرنے میں کوئی تکلف و تامل نہیں کرتے گویا دیانت و امانت اُن کے نقطۂ نظر سے ایک بے معنی چیز ہے اس لئے وہ اپنے مفاد کے لئے سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔

جب کبھی دنیا کے کسی حصہ میں اس قسم کے نفس پرست و بے اصول انسانوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ دولت یا حکومت کے بل پر غیر معمولی قوت و اقتدار حاصل کر لیتے ہیں تو اُن کا وجود ملک کے لئے ایک مصیبت ثابت ہوتا ہے اور جب اُن کی حرص و ہوس اور دراز دستیاں حد سے گزر جاتی ہیں تو ملک میں اُن کے خلاف ایک عام نفرت و بیزاری پھیل جاتی ہے جس کا انجام ہمیشہ ناخوشگوار ہوتا ہے۔

یہ افسوسناک حالات کیوں پیش آتے ہیں؟ محض اس وجہ سے کہ کچھ انسان مذہب و اخلاق کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کر کے دوسرے لوگوں کے مال و متاع میں ناجائز طریقہ سے تصرف کرنا چاہتے ہیں، اس ظلم و شقاوت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ظالم و مظلوم کے درمیان کشمکش شروع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ملک مستقل طور پر مصیبت و تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آخرکار اس کا رد عمل ہوتا ہے اور کوئی ایسا انقلاب ملک میں برپا ہوتا ہے جو بے رحم و ستم پیشہ سرمایہ پرستوں کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب با دین و آئین ہے جو سارے ہی نوع انسان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے اور سب انسانوں کو خاص آئین و اصول کا پابند بنا کر حدِ اعتدال کے اندر رکھنا چاہتا ہے اس لئے بے اصول سرمایہ پرستوں اور بے آئین حکمرانوں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی ہے کیونکہ انہیں کسی آئین کا پابند ہو کر رہنا گوارا نہیں ہے اور وہ مذہب کی یہ دراندازی پسند نہیں کرتے کہ وہ ان کی زندگی میں اس طرح دخیل ہو جائے کہ ہر کام میں روک ٹوک شروع کر دے، یہاں تک روپیہ کمانے کے متعلق بھی اُن پر پابندیاں عائد کرے کہ اس طریقہ سے کماؤ اور اس طرح خرچ کرو۔

سرمایہ پرستوں کی اس برہمی کی وجہ مذہب کے متعلق اُن کا یہ "تصور" ہے کہ وہ محض چند آداب و رسوم" کا نام ہے جن کے انجام دینے کے بعد ایک انسان مذہبی فرائض سے بالکل سبکدوش ہو جاتا ہے: وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب کو ہماری روزمرہ کی زندگی اور کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہم جس طرح چاہیں کمائیں اور جس طرح چاہیں خرچ کریں۔

مذہب کے اس غلط تصور کا نتیجہ ہے کہ مطلق العنان حکمران اور خون آشام سرمایہ پرست ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ اسلام اُن کی ترقی و آزادی میں سنگ راہ ہے بے شبہ "ترقی و آزادی" ایک اچھی چیز ہے لیکن جو ترقی و آزادی دوسرے بنی نوع انسان کو غلام بنا کر اور شرمناک تدبیروں سے اُن کا مال و متاع چھین کر غارت گرانہ طریقہ سے حاصل کی جائے وہ انسانیت کے لئے باعث ننگ و عار ہے۔ اس لئے ہر ہمدرد بنی نوع کا یہ فرض ہے کہ وہ اُن لوگوں کی قوت و اقتدار کے استیصال کے لئے کوشش کرے جنہوں نے دوسرے انسانوں کی جہالت یا کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ناجائز طریقہ سے دولت و قوت حاصل کی ہے اور اپنے خزانے زر و جواہر سے بھر کر اُن پر "مہر شقاوت" لگا دی ہے تاکہ اُن کے دوسرے ضرورتمند بھائی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

اسلام ترقی و آزادی کا مانع نہیں بلکہ حامی ہے اور وہ دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے انسان کو اُس کے اصلی و حقیقی مرتبہ سے آگاہ کر کے صحیح معنوں میں آزادی بخشی ہے اور مساوات کا درجہ عطا کیا ہے۔ اسلام نے آزادی کا یہ اعلان اُس وقت کیا جب انسانی آبادی کا نصف سے زیادہ حصہ مطلق العنان حکمرانوں اور خود ساختہ مذہبی رہنماؤں کے جبر و استبداد کی بدولت غلامانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ جنہوں نے ان بدنصیب انسانوں کی دنیا و آخرت دونوں برباد کر دی تھیں۔

آج ہر طرف آزادی کا غلغلہ ہے اور مختلف قومیں اس کی مدعی ہیں کہ وہ آزادی، مساوات و انصاف کی علمبردار ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ

یہ مدعیانِ آزادی صرف اپنی قوم اور اپنے وطن کے لئے تو بے شبہ آزادی چاہتے ہیں مگر عام بنی انسان کی آزادی و مفاد سے انھیں کوئی حقیقی دلچسپی نہیں ہے۔ ان مدعیانِ آزادی میں وطنیت و قومیت کا جذبہ اس قدر راسخ ہے کہ وہ اس تنگ دائرہ سے باہر نکل کر دوسری قوموں سے آزادی و مساوات کا سلوک کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہو سکتے۔

آج یورپ سب سے زیادہ آزادی کا مدعی ہے۔ لیکن **مشرقی دنیا** کے ساتھ صدیوں سے اس کا جو سلوک و طرزِ عمل ہے وہ کون نہیں جانتا یورپ کی دولت، تجارت، قوت اور عروج و اقبال سب کچھ مشرق ہی کی بدولت ہے۔ لیکن جو مشرق ایک مدت دراز سے جس کرب و اضطراب میں مبتلا اور اپنے قدرتی وسائل سے محروم ہے وہ بھی ظاہر ہے یہ **داستان** اتنی طویل و اندوہناک ہے کہ اس کا نہ چھیڑنا ہی اچھا ہے۔

اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بلاقید وطنیت و قومیت سارے بنی نوع انسان کیلئے آزادی چاہتا ہے اور سب کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ کسی خاص ملک یا قوم کی آزادی اور مالی امداد کیلئے جد و جہد کی جائے یا کسی شخص یا جماعت سے محض اس بنا پر روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ اپنی وطنیت و قومیت کے لحاظ سے ہم سے مختلف ہے۔

جیسا ہم نے پچھلے مضمون میں عرض کیا ہے اسلام نے ہر ایسے طریقہ سے مال و دولت حاصل کرنے کی سخت ممانعت کر دی ہے جو "باطل" یعنی ناحق ہے یہ ایسا ہمہ گیر لفظ ہے کہ اس میں مال حاصل کرنے کے وہ سب طریقے آجاتے ہیں جن کے لئے کوئی وجہ جواز موجود نہیں ہے۔

ہم نے اوپر بتایا ہے کہ بہت سے لوگ جو مذہبی و اخلاقی احکام و آئین کے پابند نہیں ہیں وہ روپیہ حاصل کرنے کے معاملہ میں مذہب کی مداخلت پسند نہیں کرتے، چنانچہ دورِ استبداد میں ملوک و سلاطین اور مذہبی پیشوا عموماً ایسے طریقوں سے مال و دولت حاصل کرتے تھے۔ جو مذہبی و اخلاقی نقطۂ نظر سے باطل و ناحق ہیں۔

بادشاہوں کی ذہنیت یہ تھی کہ وہ ملک کی ساری آمدنی کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے لہذا انھیں یہ حق حاصل تھا کہ اسے جس طرح چاہیں اپنی ذاتی راحت و آسائش اور شان و شوکت کے لوازم پر صرف کریں۔ اسی طرح مذہبی پیشوا بھی یہ سمجھتے تھے کہ دوسرے انسان محنت و مشقت سے جو کچھ کماتے ہیں اس میں بغیر کسی محنت کے ان کا بھی حق ہے لہذا عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کا حصہ ادا کریں انھوں نے اپنے معتقدین کو یہ باور کرا رکھا تھا کہ "نجات" اور "فلاحِ آخرت" کی کنجی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے یہ فریب خوردہ عوام [illegible] مجبور تھے کہ وہ اپنی محنت و مشقت کی کمائی کا معقول حصہ ان لوگوں کے حوالہ کریں اور یہ مذہبی پیشوا اس دولت کو [illegible] "باطل" طریقہ سے (یعنی ناواجب طریقہ [illegible]) جس طرح چاہیں بے دریغ خرچ [illegible]

قرآن مجید میں ان لوگوں کی ناجائز کمائی کا تذکرہ حسب ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے۔

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنَّ كَثِیرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّونَ عَنْ سَبِیلِ اللَّهِ

یعنی اے ایمان والو بہت سے احبار (علماء) و راہب (درویش) اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے

(توبہ)

واقعہ یہ ہے کہ یہودی و مسیحی علماء نے اپنی سیادت و اقتدار قائم رکھنے کے لئے عوام النّاس کو مبتلائے فریب کر رکھا تھا اور وہ ان پر پوری طرح حاوی ہو گئے تھے اس لئے ہر مذہبی رسم یا تقریب کے موقع پر اپنا نذرانہ عوام سے وصول کرتے تھے بلکہ ان کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ روپیہ کی خاطر مذہبی احکام بھی بدل دیتے تھے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ و اشارہ ہے کہ وہ اس باطل و ناجائز کمائی سے احتراز کریں۔

یہ تو ان لوگوں کی حالت تھی جو مذہبی جامہ میں اور مذہب کے نام پر لوگوں سے روپیہ وصول کرتے تھے۔ اس کے بعد آیت کے دوسرے حصہ میں ان سرمایہ داروں پر عتاب ظاہر کیا گیا ہے جو مختلف طریقوں سے دولت حاصل کر کے سیم و زر کی صورت میں جمع کر لیتے تھے اور اسے خدا کی راہ میں یعنی امورِ خیر اور رفاہِ خلق کے کاموں میں جو خدا نے بتائے ہیں خرچ نہیں کرتے تھے۔

قرآن مجید میں پہلے مذہبی گروہ یعنی روپیہ و نذرانہ حاصل کرنے والے احبار و رہبان کا خاص جرم یہ بتایا گیا ہے کہ

یَصُدُّونَ عَنْ سَبِیلِ اللَّهِ

یعنی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

اس جرم کا ارتکاب وہ اس لئے کرتے تھے کہ اگر لوگ سیدھے راستہ پر آجائیں گے تو ان علماء کی خود ساختہ و مفروضہ عظمت باقی نہیں رہے گی اور انہیں عوام کی دولت سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملیگا۔

دوسرے گروہ یعنی سرمایہ داروں کا یہ جرم بتایا گیا ہے کہ

لَا یُنْفِقُونَهَا فِی سَبِیلِ اللَّهِ

یہ لوگ مال و دولت کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یعنی اس دولت سے دوسرے بنی نوع انسان کے جو حقوق وابستہ ہیں انہیں ادا نہیں کرتے بلکہ سب کچھ اپنی ذات خاص کے مفاد کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔

چنانچہ اس آیت میں ان سرمایہ داروں کو دردناک عذاب کی جو دھمکی دی گئی ہے اس میں صراحتہً یہ فرما دیا ہے۔

هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝

یہ ہے جو جمع کر رکھا تم نے اپنے واسطے اب چکھو مزا اپنے گاڑنے و جمع کرنے کا۔

اس آیت سے صراحتہً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دولت کمانے اور خرچ کرنے کے متعلق اسلام کا اخلاقی معیار بہت بلند اور شرفِ انسانیت کے مطابق ہے کیونکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ فریب و چالاکی یا کسی مبتذل و شرمناک طریقہ سے کسب زر نہ کیا جائے اور اس کے حاصل کرنے میں کوئی ایسا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے جو کسی دوسرے انسان کیلئے باعث ضرر

(بقیہ مضمون [illegible] پر)

"بات میں بات"

(بہ تقریب ۱۳ ستمبر ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی)

از مولوی رشید احمد صاحب صدیقی علیگ صدر شعبۂ اردو
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

رمضان شریف کا زمانہ، برسات کا موسم، توبہ کرنے کا موقع اور توبہ نہ کرنے کا عذر! بے اختیار جی چاہتا ہے کہ شعر پڑھوں اور جان دیدوں، لیکن سوچتا ہوں تو نہ کوئی معقول شعر یاد آتا ہے اور نہ کوئی معقول وجہ جان دینے کی نظر آتی ہے۔ ذرا اور دل لگا کر غور کرتا ہوں تو یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ جان لینے کی تو معقول وجہ ہو سکتی ہے۔ جان دینے میں کیا رکھا ہے۔ پھر جان لینے میں یہ دقت نظر آتی ہے کہ اس پر ریڈیو والے آمادہ نہ ہوں گے کیونکہ یہ حق وہ محفوظ رکھتے ہیں۔ خواہ جان دینے کا حق ہو خواہ جان لینے کا۔ خواہ میری جان ہو خواہ ان کی خواہ کالے چور کی۔ گو میں سمجھتا ہوں کہ کالا چور میری جان لے لے گا تو یہ لوگ تعزیت کے رزولیشن کی نقل پسماندگان کے ہاں تو شاید بھیج دیں اخبارات میں ہرگز نہ بھیجیں گے!

اسی طرح کی بات بڑھ کر بتنگڑ بن جاتی ہے۔ اتنی بات تو آپ بھی جانتے ہونگے کہ بات سے بتنگڑ برآمد ہو سکتا ہے بتنگڑ سے بات نہیں بنتی جان پر البتہ بن آسکتی ہے۔ پھر بتنگڑ وہ لفظ ہے جو بول چال میں بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بات سے مل کر البتہ بتنگڑ بن جاتا ہے۔ جیسے صلح بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتی صرف شرائط کے ساتھ مل کر جنگ بن جاتی ہے!

ریڈیو کہتا ہے بات کرو لیکن منہ سنبھال کر، مذہب کہتا ہے روزہ رکھو لیکن منہ سنبھال کر گاڑی میں دیکھ ہے تو کوسٹ اس سے بیاری پہیلی ہے یہ بھی منہ سنبھالنے ہی کی تلقین ہوئی۔ دلی کے تانگے والے بھی ہم کو منہ سنبھالے رکھنے کی دعوت دیتے ہیں اور خود چابک سنبھالے رہتے ہیں۔ میں اس کا برا نہیں مانتا ملال صرف اتنا ہے کہ منہ سنبھالے رکھنے کی دعوت چابک سنبھال کر کیوں دیتے ہیں۔ پھر اس سے بھی کچھ کم خاطر شکنی نہیں ہوتی کہ منہ تو میں اپنا سنبھالوں اور پہیلی میری یہ سنبھالیں۔

لیکن میں طبعاً "فیلسوف" واقع ہوا ہوں اور احتیاطاً لیڈر۔ اس لئے ہر ہزیمت میں تسکین اشک شوئی کا سامان پیدا کر لیتا ہوں اور ہر ناگفتنی میں گفتنی کا پہلو نکال لیتا ہوں۔ فلسفہ پھر فلسفہ ہے خواہ مانگے والوں کا ہو خواہ بقول اقبال گوسپندان قدیم کا۔ چابک اور پکٹ ہاتھ میں نہ ہوں تو منہ سنبھالے رکھنے کا رفعہ دعوت تقسیم کرنا ایسا ہی ہے جیسے روضۃ الکبریٰ کا خواب دیکھنا اور قیامت صغریٰ سے گریز کرنا۔ اسی کو بات کرنے اور لات کھانے کا فلسفہ یہی نہیں منطق بھی کہتے ہیں!

ذاتی نقطۂ نظر سے میں بات کرنا برا نہیں سمجھتا لیکن اور بہت سارے نقطہائے نظر سے اس کو غیر مستحسن بھی سمجھتا ہوں اور غیر جمہوری بھی تا وقتیکہ بات جمہوری ہی کی نہ ہو۔ اس میں اعضائے جسمانی کے لف و نشر غیر مرتب ہو جانے کا امکان ہے یا بقول غالب "کہ ہو گئے ہیں سے دیوار و در، در و دیوار"! بات میں بات پیدا کرنا تو آسان ہے لیکن خرابی اس وقت ہوتی ہے جب اس میں خوبی پیدا ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ میں بات صرف ایسے موقع پر اور ایسے لوگوں میں کرنا پسند کرتا ہوں جو بات سننے کی اہلیت رکھتے ہیں اور دولتے یا کاٹ کھانے کی تفریح سے باز رہ سکتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ ایسے ہی ہیں کہ آپ سے بات کی جائے لیکن آپ ایسے نہ بھی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر یہ کیوں فرض کر لیا جائے کہ روئے سخن آپ کی طرف ہے۔ خود غالب نے فرمایا ہے "روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ"! گو غالب نے یہ کہیں نہیں فرمایا ہے کہ کوئی روسیاہ ہو تو وہ روئے سخن کسی طرف کرنے کا مجاز نہیں اور نہ کہیں یہ بتایا ہے کہ مخاطب روسیاہ ہو تو اس کی طرف روئے سخن نہیں ہو سکتا۔ بہرحال میں روسیاہ نہ آپ سیاہ رو۔ اور یہ میں بیان واقعہ کے طور پر نہیں بلکہ ریاست کی خاطر کہہ رہا ہوں۔ چنانچہ اب آپ ریڈیو کی طرف کان لگائے اور دعا و دوا دل کو سمجھائے رہئے۔ دل کو سمجھانے کی مشق ہو گئی تو آپ دل کی بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہیں گے اور اس طرح بہت سے شریف آدمی آپ سے محفوظ رہیں گے۔ بغیر صلح کے لڑائی ختم ہو جائے گی۔ نہ عاشقی ہو گی نہ عزت سادات جائے گی۔ قحط کی ارزانی نہ ہو گی، غلہ سستا ہو گا، کپڑا سستا ہو گا دوائیں سستی ہوں گی، افیون کے بارہ میں آپ کے دوست بہتر بتا سکتے ہیں سستی ہو گی یا مہنگی۔ بڑی بچے سستے پڑیں گے۔ آپ سستے چھوٹیں گے۔ آخرت کا سفر اور یونیورسٹی کی تعلیم بھی سستی پڑے گی۔

باتوں بات میں یا بات کی بات میں ہم آپ ساتھ ساتھ آگے پیچھے یا بہ پشت دگرے گوش بدست دگرے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ یوں تو بات میں بات اور زینت میں فتور پیدا ہوتا ہی رہتا ہے لیکن غالب جو آمد میں سے شبیر برآمد ہونے کو بہت برا مانتے تھے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہئے لیکن لیڈروں کے ہوتے غالب کو کون خاطر میں لاتا ہے۔ غالب تو فرماتے ہیں کہ تمدن کے کی بات خاموشی ہی سے نکلے ہے جیسے چشم جاناں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے لیکن لیڈروں کی تقریر خاموشی سے نہیں اغراض سے برآمد ہوتی ہے۔ بات تو کرتے ہیں حاضرین سے لیکن مخاطب ہوتے ہیں غائبین! تقریر کرتے میں وہ حاضر کو غائب اور غائب کو موجود سمجھتا ہے۔ یہی صاحب ان کی اصطلاح میں ہو الموجود اور ہو المقصود دونوں ہے۔ وہ ہمہ اوست اور ہمہ از وست کے قصے میں کبھی نہیں پڑتا وہ صرف ہمہ برائے ماست کی فکر میں رہتا ہے۔ یہاں تحت زمان و مکان کی آجاتی ہے جس کو بہ تصوف سمجھنا یا بھلانا آسان نہیں۔ اس وصرف اسے پر اکتفا کیجئے کہ زمان مکان سے خالی نہیں اور مکان کو زمان سے مفر نہیں اور دونوں کو تصوف سے چھٹکارا نہیں۔ پھر ہم آپ کس شمار قطار میں بقول اقبال بادک تصرف نے جن شمار آتم نے تو نقطار آئی!

لیڈر زندگی کے ہر شعبہ میں پایا جاتا ہے۔ وہ ہر درجہ حرارت میں زندہ رہتا ہے، اس کا انجکشن آج تک دریافت نہ ہو سکا اس لئے کہ وہ لیڈریکل مزاج اور قوام ابھی تک آج تک نہیں پائے گئے جو اسی کے مادہ سے اس کا انجکشن (آتو ویکسین) تیار نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ بعض امراض کی طرح لیڈری کے جراثیم بھی بیداری میں خون کے ساتھ گردش نہیں کرتے بلکہ کسی گوشہ میں دبکے رہتے ہیں ایسے امراض میں مریض کا خون سونے کی حالت میں لیا جاتا ہے جب اس کے جراثیم خون میں لعب کرتے ہوئے گرفتار ہو جاتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ لیڈر

داخل نہیں ہوتا بعض افسانوی عجائب المخلوقات کی مانند لیڈر بھاری ایک آنکھ سے سوتا اور دوسری سے بیدار رہتا ہے!

جس طرح یورپ کے کارخانوں اور شہبوں کا عالم ہے کہ وہ مصنوعات کی تیاری میں ادنیٰ سے ادنیٰ فضلہ کو بھی رائگاں جانے نہیں دیتے لیڈر بھی اپنے مطلب کو کسی حال میں فوت نہیں ہونے دیتا۔ وہ صرف تقریر کے ریزولیشن پاس کر کے یا ووٹ دے کے ایسا کام بنا لے گا خواہ اس سلسلہ میں یا اس سے زندگی کی اعلیٰ ترین قدر بھی کیوں نہ لیا میٹ ہو جائے۔ وہ بنائے گا کہ ہر چیز خطرہ میں ہے اور ظاہر ہے جب ہر چیز خطرہ میں ہو گی تو سب سے بڑا خطرہ (یعنی وہ خود) قائد میں رہے گا وہ لڑائی شروع کرے گا کون مکان کی حمایت میں اور سمجھوتہ کرے گا انجمن تحفظ بالسان کی ممبری پر!

اچھا ذرا آن صاحب کی طرف دیکھئے جو آپ سے ذرا فاصلہ پر ہمہ تن گوش سے بیٹھے ہیں یہ بس حال میں زندہ ہیں اور دوسروں کو زندہ نہیں رہنے دیتے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ غلط فہمی کی بنا پر ہے یعنی غلطی دوسروں کی ' فہمی ' ان کی۔ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے یا عقبیٰ میں جو کچھ ہوگا۔ وہ محض اس لئے کہ انہوں نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ ورنہ ان کے پاس ایسی تحریریں موجود ہیں جن کو یہ شائع کر دیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ علم و حکمت اخلاق و مذہب دنیا و عقبیٰ کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس کو وہ اپنی مملوکہ مصنفہ یا مسروقہ تحریروں سے کلیتہً غلط یا کسی سازش کا نتیجہ ثابت کر دیں لیکن وہ اس کار خیر کو ہاتھ میں اسی وقت لیں گے جب ان کو معاوضہ دیا جائے۔ حکومتیں ریکارڈی کے لئے سونے چاندی کا ذخیرہ محفوظ رکھتی ہیں۔ یہ ریکارڈی اور سونا چاندی دونوں کے لئے تحریریں اور تراشے مہیا رکھتے ہیں یہ ان لوگوں میں ہے جو اپنے نفس کی ادنیٰ تسکین کے لئے انسانیت کے برگزیدہ مقاصد یا مونوں کو ختم کر دینے میں تامل نہ کریں گے۔

اور ذرا آپ کو ملاحظہ فرمائیے سر کھلا لباس میلا خط بڑھا آنکھوں میں سوکھ یا دھوپ چشمہ جیب میں فاؤنٹن پن، رفتار بھٹکی بھٹکی، گفتار بہکی بہکی

ادبیات کچھ بھی! یہ تو زندگی ادب حسن، آرٹ، عورت انقلاب وغیرہ کے مفاد ہیں! انہیں ساری خرابی دوب میں اور ساری خوبی عورت میں نظر آتی ہے بشرطیکہ وہ دوسرے کی ہوں۔ یہ اُن اطبا کی مانند ہیں جو مخصوص امراض کے ماہر ہوتے ہیں۔ یہ ہر تندرستی میں انہیں امراض کی تلاش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تندرستی نام ہے مخصوص امراض کے امکانات کا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی شاعری ادب یا سوسائٹی میں فلاں فلاں امراض انتفصیل یا آہنگ میں نہیں تو وہ شاعری ادب یا سوسائٹی ناقص اور فاسد ہے۔ ظاہر ہے شعر و ادب کا یہ تصور کسی قسم کا آرٹ اخلاق یا انسان پیدا کرے گا۔

اور وہ جو ایک معمر خاتون رنڈیو کے پہلو میں تشریف فرما' اپنے بٹوے سے کھیل اور میری تقریر سے برہم ہو رہی ہیں اور سینما جانے کے لئے بے دار ہیں ان سے آپ واقف ہیں۔ اگر ہماری زندگی' ادب اور آرٹ کے یہ علاوہ تھے تو یہ تنفیبیں ہیں۔ ہماری لڑکیاں اور عورتیں اس دور جن ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں اس کا مجھے بڑا قلق ہے۔ اپنی تندروی میں انھوں نے جو غبار اٹھایا ہے اس میں یہ خود اسیر ہو گئی ہیں۔ اور حلق ریت و غبار میں سورج کی کرنیں دھوپ چھاؤں کی جو رنگین گرہیں یا نیرنگیاں' دم بدم دامن و یہ لپٹ کر رہی ہیں ان کو' بہتی آدھی بنی رہی ہیں ان میں سحر و دسوسنہ ہیں۔ ادنیٰ قلم اردو کے سستے ناولوں اور پوچ افسانوں اور نظموں نے ان کو کہیں کا نہ رکھا۔ وہ سمجھنے لگی ہیں کہ زندگی وہی ہے اور صرف وہی جو سینما افسانوں اور نظموں میں نظر آتی ہے۔ ان کو کون سمجھائے اور کیسے سمجھائے کہ یہ زندگی نہیں ہے مسخرا اور شہدہ پن ہے۔ بے بھاگنا' بھگائے جانا شعر پڑھنا' رقص کرنا اور زہر کھا لینا زندگی نہیں اوباشی ہے۔ زندگی اول آزمائش ہے آخر آزمائش ہے اور صرف آزمائش ہے۔ اسی میں خوشیاں بھی ہیں بے پایاں خوشیاں گرامایہ خوشیاں اور ابدی خوشیاں آزمائش سے عہدہ برآ ہونے اور ہوتے رہنے کی خوشیاں!

بعض عورتیں اپنی اس گمراہی یا واماندگی کو اپنا بڑا کارنامہ سمجھتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اس طرح انہوں نے مردوں کو بڑی زک پہنچائی ہے جنھوں نے ازل سے ان کو محکوم و مقہور رکھا تھا! ان کو نہیں معلوم

کہ ان کی یہ آزادی یا بغاوت بھی مردوں ہی کا کہا ہوا ایک لطیفہ ہے۔ مجھے اکثر تعجب ہوتا ہے کیا یہ جدید خیال عورتیں۔ جدید الخیال مردوں کی شعر و شاعری پر نظر نہیں رکھتیں جن کا عورت کا تصور ہرگز وہ نہیں ہے جس پر کوئی عورت فخر کر سکے۔ آرٹ ہو' حسن ہو ادب ہو' عورت ہو' اگر ان کی تعبیر جسم کی لذتوں سے کی جائے تو میں اسے تری بدکرداری سمجھتا ہوں۔ اگر یہ زندگی کی ستو وہ قدروں کی محرک اور مفسر ہوں تو یہ سب کچھ ہیں —

لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ اس طرح کی باتیں سن کر ریڈیو پر بیٹھے بٹھائے ادھم جائیں اور آپ کو خفت ہو' اور گریبان پھاڑ کر کسی طرف نکل جائیں تو پسماندگان کو زحمت ہو۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو ایسے واقعات یا شخصیتوں سے روشناس کراؤں کہ آپ کا یہ وقت لطف سے گزرے اور اس لطف سے گزرے کہ آپ آزمائش کی گھڑیاں بھی ہنس ہنس کر اور ہنسا ہنسا کر گزار دیں۔ اچھا تو پھر لگے ہاتھوں ذرا میرے ساتھ نکلے اور ایک دوست سے ملتے چلئے۔ وہ جو ایک صاحب کی گردن پر سوار ہیں اور وہیں سے براہ راست دوسرے صاحب کے کندھے پر جست کرنے والے ہیں۔ ان کی عمر غالباً چار سال کی ہو گی۔ ناشتے چیخ کرتے ہیں اور کام دوڑ کر کرتے ہیں۔ لباس کا مصرف پہننا نہیں بلکہ اتارنا سمجھتے ہیں۔ بڑی مشکلوں سے سمجھوتہ اس پر ہوا ہے کہ نصف بستر یا بڑا ایتہ دیگر نصف ابتر حصہ جسم کو ضرور ڈھکا رہنے دیں لیکن ابھی ستر اور لباس ایک دوسرے سے پورے طور پر سازگار نہیں ہوئے ہیں اس لئے ڈرتے میں دونوں ہاتھوں سے بے قابو پاجامہ کو پکڑے رہتے ہیں۔ اب ان کو کون سمجھائے کہ پاجامہ پکڑے رہنے سے کیا ہوتا ہے جب اس کا مصرف یا مقصد پس و پیش سے مستقلاً فوت ہوتا رہتا ہے ایک دن میں ان کے گھر گیا۔ اطلاع ہوئی تو پیچھے قہقہہ لگاتے' بھاگتے' برآمد ہوئے وہ بھی غالب کے مصرعہ میں یعنی ہمارے جسم پہ اک تار بھی نہیں' میں نے کہا کہ آپ کا پردہ وہ کیا ہوا تو پھر قہقہہ لگایا حسب وار دیا نے کی اپیل بھی شامل تھی' اور فرمایا " دھو یا جا رہا ہے" میں ابھی جواب مختتم نہ کر پایا تھا کہ ایک قہقہہ

لگایا اور بولے "نمک پارہ"!

اس نمک پارہ میں تلمیح ہے۔ ہمارے محلہ بھر میں دوستی کے لئے انہوں نے میرا انتخاب کیا ہے گھر میں کوئی مزیدار چیز پکے یا کہیں سے آئے تو یہ میرا حصہ محفوظ کر دیتے ہیں۔ میرے آنے کی اطلاع کی جائے گی تو میرا نام اور جو مزیدار چیز گھر میں ہوئی اس کا نام چیختے ہوئے برآمد ہوں گے۔ میرے ساتھ کوئی ہوا تو اس سے کہیں گے کہ فی الفور مکان سے چلے جاؤ رشید صاحب کو فلاں چیز کھلانی ہے اس کے بعد نو وارد کو اس طور پر دھکیلیں گے جیسے قلی مال گاڑی کا ڈبہ دھکیلے۔ یہ ناممکن ہے کہ گھر میں کوئی غیر معمولی چیز پکے یا آئے اور یہ مجھے ایک ایک کا پتہ حلیہ اور مقدار وغیرہ نہ بتا دیں اور میرے لیے نہ لائیں۔ میرا کام یہ ہے کہ ان کو گودی میں بٹھا کر نقل کرا جاؤں اور اپنی تو سدہ کتاب سے پھل پھول مٹھائی جانور وغیرہ کے نام پوچھتے جائیں اور میں بتاتا جاؤں، جیسے کوئی امتحان لیتا ہو۔ میں پڑھ دیتا ہوں تو خوش ہو جاتے ہیں۔ اس پر نہیں کہ مجھے پڑھنا آتا ہے بلکہ جو انہوں نے پڑھا تھا وہی میں نے بھی پڑھ دیا۔ اپنا ایک ہاتھ کتاب پر رکھتے ہیں اور دوسرا احتیاطاً میرے گال پر تاکہ میں کسی دوسری طرف مخاطب نہ ہونے پاؤں۔ کتاب نہیں ہوتی صرف بات کرتے ہیں تو اپنے دونوں ہاتھ میرے دونوں گالوں پر جمائے رکھتے ہیں تاکہ کسی دوسری طرف روئے سخن کا امکان باقی نہ رہے!

سفینہ کنارے پر آ لگا اور بات ختم ہونے کو نہیں آتی۔ جب سے دنیا میں بات کرنے کا فن ایجاد ہوا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کیسی کیسی باتیں کی گئی ہوں گی کس کس نے کی ہوں گی، کیا کی ہوں گی کیا کی ہوں گی۔ اور افسانوں کا یہ بے پایاں سیلاب مسلسل مد و جزر اور بے پناہ ہجوم کس کس قسم کی باتیں کرتا کہتا، سنتا سناتا، رواں دواں ہے۔ کہنے والا کیا کہتا ہے کیوں کہتا ہے اور کیسے کہتا ہے، سننے والے کیا سنتے ہیں کیوں سنتے ہیں اور کیا سنتے ہیں کتنی اچھی باتوں کو فروغ ہوتا ہے اور کتنی بے ہودگیاں راہ پاتی ہیں۔ انسانیت کا کیا تقاضا ہے اور شیطنت کا کیا فسوں ہے۔ تصورات کا تصادم اور حماقتوں کی ناہمواری کیسے کیسے گل کھلاتی ہے اور زندگی کس پراسرار اور پر پیچ آشوب میں مبتلا ہے انسانی فکر کی رسائی یا نارسائی نے سارے عالم کو ایک مستقل لاینحل سوالیہ نشان میں منتقل کر دیا ہے۔ چنانچہ بات میں کلام کی بات اتنی ہی نکلی۔ باقی رہ جو نا ملم شد کتا۔

ایلورا کے غار

پہاڑوں کی چٹانوں کے نیچے جو بڑے بڑے کمرے کھدے ہوئے ہیں۔ ان کو غار کہتے ہیں۔ قدرتی بھی ہوتے ہیں۔ اور مصنوعی بھی۔ اندرونی حصہ کے خلا اور پتھر کی چھت سے خاص مکان کی سی نوعیت پیدا ہوتی ہے۔ [illegible] جو نہایت [illegible] بنائے ہوئے ہیں۔ انسانی زندگی کی ابتدائی [illegible] تھا جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے انہیں غاروں میں ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا [illegible] آیا۔ جب اس نے اپنی حکومت کے لئے [illegible] کا ہیں بنائیں تو ظاہر ہے کہ ان پہاڑوں [illegible] اور [illegible] کے لئے مناسب ہونا ناممکن تھا۔ اس لئے غاروں میں عبادت خانے بنائے گئے۔ جن کی دنیا میں متعدد مثالیں موجود ہیں لیکن ہمارے ملک ہند نے جس قسم کے مناظر کی مثال پیش کی۔ وہ ایسے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی نظیر دنیا کے کسی گوشہ میں ملنا ناممکن ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف دنیا کے بڑے سے بڑے ماہرین فن معماری اور [illegible] کر چکے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ اہل علم کی تحقیقات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ساری دنیا میں سب سے پہلی زمین جو پانی کی سطح پر زمین کی شکل میں ظاہر ہوئی وہ دکن کی سرزمین ہے۔ اس لئے سب سے پہلے بسنے والے انسان اسی زمین پر آباد ہوئے ان بیشمار عمارتوں میں اگر حساب لگایا جائے تو تقریباً تین چوتھائی [illegible] مذہب کے ہیں۔ اور ان میں سے بعض [illegible] تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی قبل کے ہیں جن کی بہترین مثال ایلورا اور اجنٹا کے غار ہیں۔

اورنگ آباد ریاست حیدرآباد کا ایک صوبہ ہے جس کی شمالی اور مغربی سمت میں ایلورا ایک قدیم تاریخی مقام تیرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے [illegible] میں اس شہر کو راشٹر کوٹ خاندان کے والیان تخت تاج کے پایۂ تخت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ لیکن انقلاب زمانہ کے پوشیدہ خزاں پرور ہاتھوں نے اس گلشن کو اجاڑ دیا۔ اور اب وہ ایک قصبہ کی شکل میں باقی ہے۔ اورنگ آباد، دولت آباد، خلد آباد، ایلورا، یہ سب مقامات قریب قریب واقع ہیں۔ قرب و جوار کے رہنے والے ایلورا کو بر ویلا کہتے ہیں۔ یہ [illegible] پہاڑی ہے۔

[illegible] ایلورا کو تراش کر جو عالیشان اور خوبصورت [illegible] عمارتیں [illegible] تقریباً [illegible] میل تک پھیلی ہوئی [illegible] بیان کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی [illegible] صدی تک کی ہیں جن کی تفصیل درج [illegible]

[illegible] مذہب کی — بارہ
[illegible] کی — پندرہ
[illegible] کی — پانچ

[illegible] کی عمارتوں کی دیواروں پر جا بجا [illegible] مختلف حالات کی تصویریں ایسے انداز سے [illegible] ہیں کہ قدیم زمانہ کی تاریخ اور [illegible] طرز معاشرت کا پورا نقشہ نظروں میں [illegible]

ان [illegible] کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی [illegible] صناعی سے پہاڑوں کو تراش کر ان [illegible] نکالی گئی ہیں کیسی کیسی مورتیں اور تصویریں [illegible] کی گئی ہیں اور کیسے کیسے نقش و نگار [illegible] گیا ہے۔ سنگتراشی کے عجیب و غریب کمالات ظاہر کئے گئے ہیں جن میں کروڑوں روپے صرف ہوئے ہوں گے۔ مکانوں کی وضع ساخت اور تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بنانے والوں کو انجنیری کے فن میں کافی دسترس حاصل تھی۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ایسے زبردست منصوبہ کے لئے اس کا انتخاب کیا گیا اور کس طرح اس کا قطعی فیصلہ کر لیا گیا کہ یہی پہاڑ مضبوطی کے لحاظ سے ہماری بے مثال اور نادر روزگار صنعت گری کے لئے موزوں ہیں۔

موجودہ دور ترقی میں ہر چیز کی بہم رسانی کی سہولت سے زمانۂ ماضی کی دشواریوں کا مقابلہ کیا جائے۔ تو بے تب ہر منصف مزاج انسان یہ کہنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ کہ بیشک ان عمارتوں کی ساخت میں صنعت کے انتہائی کمالات کے وہ جوہر دکھائے گئے ہیں

کو جن کو دیکھ کر ہر آدمی دریائے تحیر میں غوطہ زن ہو جاتا ہے طرہ یہ کہ ہر عمارت کا اس کے مقابل جواب بھی موجود ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہاڑ کے اندرونی پتھروں میں اگر ایک جانب کے پتھر نقش و نگار کی قابلیت رکھتے ہیں تو دوسری جانب کے پتھروں میں صلاحیت نہیں ہوتی جس سے عمارت کی آرائش میں نہ صرف نقص بلکہ درحقیقت اس کے حسین چہرہ پر ایک بدنما دھبہ لگ جاتا ہے۔ یہ عمارتیں اس عیوب و نقائص سے قطعاً منزہ ہیں۔ اگر کہیں اتفاق سے ایسا موقع پیش بھی آیا تو نہایت خوبی سے اس کا طرز او رخ بدل دیا گیا ہے۔ بعض غاروں میں دو منزلہ سہ منزلہ تراشے گئے ہیں جن میں کئی کئی دالان اور حجرے بھی بنے ہوئے ہیں اور ایسی بے نظیر صناعی کا اظہار کیا گیا ہے کہ درمیانی یا نیچے کے ستونوں کی شکستگی کے باوجود بالائی ستونوں کو کوئی ضرر اور صدمہ نہیں پہنچا۔ تمام عمارتوں میں دو طرفہ زینے تراشے گئے ہیں اور ان کو اتنی وسعت دی گئی ہے کہ چار یا پانچ آدمی پہلو بہ پہلو اوپر چڑھ سکتے ہیں۔

دالان بھی بہت شاندار ہیں۔ نہایت التزام سے ہر دالان کے اندرونی حصہ میں ایک حجرہ بنایا گیا ہے جس میں بڑے سے بڑے مجسمے تراشے گئے ہیں روشنی کا ایسا عجیب و غریب انتظام کیا گیا ہے کہ آفتاب کی پہلی شعاعیں انھیں بتوں پر پڑتی ہیں۔ دالان کے تمام کمروں میں بھی کافی روشنی رہتی ہے بجز چند مخصوص کمروں کے جن میں بےشک تاریکی کا وجود ہے۔ صبح سے شام تک غار کے اندرونی حصے بھی آفتاب کی ضیا پاشیوں سے برابر منور رہتے ہیں۔ تمام غاروں میں بےشمار بت اور تصویریں ہیں۔ بتوں کی ساخت میں نہایت اہتمام اور کاوش سے قدرتی اعضا کے تناسب کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ سب سے زیادہ بت مہاوبرجی اور ان کی بیوی پاربتی جی کے بنائے گئے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی شریک و محرم راز پاربتی جی کے ساتھ انھیں پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اجنٹا کے غاروں میں دوسری خاص بات یہ ہے کہ چونے کی استرکاری پر تصویریں بنائی گئی ہیں۔

مختصر یہ کہ ان غاروں کی تعریف لفظوں میں نہیں ہو سکتی یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ ایلورا کے غار دنیا کے عجائبات سے ہیں اور یہ فخر ہمارے ہی ملک کو حاصل ہے کہ اس میں ایلورا کے غار اور روضۂ تاج محل جیسی عمارتیں موجود ہیں جن کا جواب تمام دنیا میں نہیں۔ (نئی زندگی)

وفاق عرب

عرب زعما کی جد و جہد { مشرق وسطیٰ کے عوام و خواص کی نگاہیں اس وقت سب سے اہم مسئلہ وفاق عرب یا اتحاد عرب ہے۔ یعنی اس زمانہ میں شاذ و نادر ہی ایسی تقریریں ملیں گی جس میں ماہرین سیاست نے کسی نہ کسی طور پر اتحاد عرب کا ذکر نہ کیا ہو اور صائب الرائے عربوں میں شاید ہی کوئی ہو جو اس معاملہ میں اپنی کوئی قطعی رائے نہ رکھتا ہو۔

اس سلسلہ کی سب سے پہلی باضابطہ گفتگو جولائی کے آخر میں ہوئی۔ جب نوری سعید پاشا وزیر اعظم عراق نحاس پاشا سے مصر میں ملاقی ہوئے تھے نوری السعید پاشا نے عراق سے مصر جاتے وقت شام اور فلسطین وغیرہ کے زعماء کے خیالات اور آرا سے بھی واقفیت حاصل کر لی۔

چند ملاقاتیں { مصر اور عراق کے ہر دونوں وزیر اعظم اسکندریہ میں ایک دوسرے سے چھ بار ملے اور ان ملاقاتوں میں طے پایا کہ اس امر خاص میں سلطان ابن سعود کا عندیہ ضرور معلوم کیا جائے مصری سفیر عراق و حجاز جو ان دنوں بسلسلۂ رخصت مصر آئے ہوئے تھے مدعو کئے گئے۔ اور سفیر عراق و حجاز کے سابق مصری سفیر سے بھی تبادلۂ خیال ہوا۔

ان ابتدائی مراحل کے بعد نوری السعید پاشا کی رائے ہوئی کہ نحاس پاشا اس معاملہ میں حکومتوں سے خط و کتابت کریں اور اس کے بعد ان تمام حکومتوں کے نمائندوں کو قاہرہ میں جمع ہونے کی دعوت دی جائے۔ یہ بھی طے پایا کہ اس وقت ساری توجہ اصولی اور بنیادی باتوں کی طرف مرکوز رہے۔ وفاق کی تفصیلات اور فروع کا مسئلہ نہ چھیڑا جائے۔ اول تو نام کی ابھی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر اس کے بغیر کام نہ چلے تو اس وقت اس کا نام تعاون مشارکت رکھ لیں۔ جب کانفرنس منعقد ہو اور معاملات طے پا جائیں تب کوئی موزوں نام تلاش ہو جائے گا۔

تمدنی اشتراک { اس کے بعد گفتگو وفاق کے معاشی اور تمدنی پہلوؤں پر ہوئی اور مفصل تبادلۂ خیال کے بعد ایک بیان شائع کر دیا گیا کہ نحاس پاشا اس معاملہ میں دوسرے عرب زعما سے گفتگو کریں گے اور بالآخر ایک موتمر منعقد ہوگی جس میں تمام ممالک ایک دوسرے کی خواہشات و معاملات پر غور کریں گے۔

گفت و شنید کے بعد نوری السعید جب عراق واپس ہوئے تو انھوں نے بیت المقدس میں بیان دیا کہ اگرچہ ابھی کام بہت باقی ہے۔ مگر امید ہے کہ عرب ممالک کی یہ مجوزہ موتمر اس سال منعقد ضرور ہو جائے گی۔

اس عرصہ میں "عراقی مصری تمدنی تعاون" کے ادارہ نے بہت کچھ کام کیا۔ مصری گفت و شنید کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ضمن کے کئی مسئلے طے ہو گئے مثلاً اساتذہ اور طلبا کا آپس میں تبادلہ اور مدارس کے نصاب کا معیار کا تعین جس کا لازماً وفاق کے مسئلہ پر اثر پڑے گا۔

نحاس پاشا نے اپنے ایک تازہ بیان میں یہ بتایا ہے کہ انھوں نے نوری السعید پاشا سے گفتگو کرنے کے فوراً ہی بعد سلطان ابن سعود ملک الحجاز والنجد سے اپنا نمایندہ مصر بھیجنے کی درخواست کی تھی تاکہ وہ ان کے نقطۂ نظر کو فیڈریشن میں واضح کر سکے۔ سلطان نے جواب میں لکھا کہ وہ فی الحال اس غرض کے لئے اپنے اس تفصیلی خط کو کافی سمجھتے ہیں جو وہ نحاس پاشا کے نام بھیج چکے ہیں۔

مخلصانہ جذبات { نحاس پاشا نے امام یحییٰ والئی یمن کو بھی لکھا مگر وہاں سے ابھی جواب نہیں ملا۔ امیر عبداللہ والئی شرق اردن نے خط کے جواب میں اپنے وزیر اعلیٰ توفیق ابو الہدیٰ پاشا کو نمائندہ بنا کر مصر بھیج دیا تاکہ نحاس پاشا وزیر اعظم مصر سے اس معاملہ میں گفتگو کریں۔

شام میں اتحاد عرب کی تحریک سے بڑی دلچسپی لی جا رہی ہے۔ شامی اخبارات کی رائے یہ ہے کہ ملک کی آئین کی طرف مراجعت اس کی علامت ہے کہ وہ وفاق کی گفتگو میں شرکت کرے گا۔

نحاس پاشا اور وزیر اعظم شرق اردن کے مابین پہلی گفتگو ہو چکی ہے۔ اور اس کے بعد ہی ایک بیان شائع ہوا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ گفتگو بڑے مخلصانہ ماحول میں ہوئی اور اس طلب و تمنا کے ساتھ کہ اتحاد عرب عملی صورت اختیار کرے

وفاق عرب کے مسئلہ میں عظمیٰ [illegible] اردن کی امیدیں

بر عرب زعماء کی گفتگو نے جو امید افزا صورت حال پیدا کی ہے اس کی جھلک وزیر اعظم شرق اردن توفیق ابو الہدیٰ کے بیان میں موجود ہے۔

ابو الہدیٰ مصر میں مصطفےٰ نحاس پاشا سے اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے اپنے بیان میں بتایا کہ شرق اردن کو نحاس پاشا کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا کہ مسئلہ وفاق پر اطمینان اور مسرت کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے وہ اپنا کوئی نمایندہ بھیجے۔

ہمارا ملک (جو درحقیقت بزرگ تر شام کا ایک حصہ ہے۔ میری مراد موجودہ شام سے ہے جس میں لبنان فلسطین اور شرق اردن تینوں شامل ہیں) بڑی مسرت کے ساتھ نحاس پاشا کی تجویز کا خیر مقدم کرتا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ مصر اور دوسری آزاد دولتیں اپنے اثر کو پوری طرح کام میں لائیں گی تاکہ شام کے ممالک حقیقی آزادی پائیں اور اس بات کی بھی کوشش کریں گی کہ یہ ممالک اپنا ایک وفاق بنانے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس لئے کہ اس اندرونی اتحاد کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ شام کے یہ ممالک عرب اتحاد کے لئے دوسری عرب حکومتوں کے ساتھ کوئی حصہ لے سکیں۔

یہ شرط نہیں ہے کیونکہ نحاس پاشا نے عراق اور شرق اردن سے اس معاملہ میں مشورہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس کے بعد حکومت شام کو دعوت دیں گے جہاں دستوری زندگی کا آغاز پہلے ہی ہو چکا ہے اور یقین ہے کہ نحاس پاشا اس معاملہ میں حکومت شام کو پوری پوری مدد دیں گے تاکہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکے۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ "کیا شامی ممالک کا اتحاد ان کے عام وفاق عرب میں شریک ہونے کی شرط ہے"؟ ابو الہدیٰ پاشا نے فرمایا کہ "نہیں میں اسے لازمی نہیں سمجھتا" یہ ایک امید ہے جس کا حصول ان چاروں کے اتحاد پر موقوف ہے۔ اور اگر اس وقت ان چاروں ملکوں کا اتفاق دشوار ہو تو یہ شرق اردن کو وفاق عام میں شریک ہونے سے روک نہیں سکتا۔

(منشور)

مال و دولت کے متعلق اسلام کا اخلاقی معیار

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

اس کے بعد یہ بتایا کہ یہ روپیہ جو جائز طریقہ سے حاصل کیا گیا ہے صرف اپنے ذاتی مفاد کے لئے محفوظ نہ رکھا جائے کیونکہ اس میں قرابتداروں اور دوسرے ضرورت مند انسانوں کا بھی حصہ ہے جن کی صراحت خدا تعالےٰ نے فرمائی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے دولت کمانے اور خرچ کرنے کے متعلق جو نظام عمل بنایا ہے اگر وہ مستحکم طریقہ سے قائم ہو جائے تو کسی ملک میں بھی یہ "خوفناک مصیبت" نظر نہیں آسکتی کہ ایک طبقہ تو اس قدر دولتمند ہے کہ شاہانہ طریقہ سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اور بینکوں میں اس کا لاکھوں کروڑوں روپیہ محفوظ ہے۔ اور دوسرا اس قدر خستہ اور شکستہ حال ہے کہ روح و جسم کا تعلق قائم رکھنے کیلئے اسے ایک وقت کی غذا اور ستر پوشی کے لئے دو چار گز کپڑا بھی میسر نہیں۔

صوبہ متحدہ میں اناج کے نرخ پر کنٹرول

لکھنؤ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ دہلی میں جو فوڈ کانفرنس ہوئی تھی یوپی میں اس کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت صوبہ اپنی موجودہ غذائی اسکیم پر عملدرآمد جاری رکھے گی بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں۔ ۴۰ فی صدی غریب آبادی کو مقررہ قیمت پر اناج ملیگا۔

فی الحال تمام شہروں میں مکمل طور پر راشن نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر ضرورت پڑی تو حکومت اس کے لئے تیار رہے گی۔

اناج اور دوسری چیزوں کی قیمت پر کنٹرول قانونی طور پر کیا جائے گا۔ اناج کا نرخ اطمینان بخش حد تک نہ پہنچ جائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب بنگال میں اناج کافی مقدار میں پہنچ جائیگا تو یوپی اناج کے نرخ میں پھر پنجاب سے مقابلہ کرنے لگا۔ اس وقت پنجاب میں یوپی سے سستا اناج مل رہا ہے۔

مطبوعات جدیدہ

اسلام میں غلامی کی حقیقت — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ غلامی پر اسلامی نقطہ نظر سے ایک محققانہ بحث ہے ۳؍

تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام — از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ مغربی تہذیب و تمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص مجتہدانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت ۲؍

اسلام کا اقتصادی نظام — از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی۔ دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے مقابلہ، قیمت ... ... ۳؍

نبی عربی صلعم — از مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی متوسط استعداد کے بچوں کیلئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، قیمت ... ... ۱۲؍

فہم قرآن — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم و جدید نظریوں پر نہایت مبسوط و مدلل بحث قیمت ۲؍

غلامان اسلام — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ پچہتر سے زیادہ صحابہ تابعین و تبع تابعین فقہاء و محدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں، قیمت ... ... ۳؍

تاریخ انقلاب روس — از ایم ایم جوہر صاحب انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات، قیمت ... ... ۱۲؍

اخلاق و فلسفہ اخلاق — از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی علم اخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق فلسفہ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے قیمت ۵؍

وحی الٰہی — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان مسئلہ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ دلپذیر اور دلکش انداز میں بحث قیمت ۱؍

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علیگڑھ

باہتمام (... صاحب) خواجہ ... مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس
ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی
منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)
جلد (۱۴) | ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۳ء مطابق ۲۳ شوال ۱۳۶۲ھ | نمبر (۴۰)

ہمارا میڈیکل کالج

ہز ہائی نس نواب صاحب جوناگڈھ کا شاہانہ عطیہ

ڈائرکٹر صاحب پبلسٹی مسلم یونیورسٹی رقمطراز ہیں کہ ریاست جوناگڈھ کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے جناب خان بہادر دیوان عبدالقادر صاحب ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو صبح ۱۱ بجے ڈاک گاڑی سے علی گڑھ تشریف لائے۔ لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب، پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب، نواب صدر یار جنگ بہادر صاحب، جناب عظمت الٰہی زبیری صاحب اور جامعہ کے دیگر عہدہ داروں نے علی گڑھ اسٹیشن پر اپنے برگزیدہ مہمان کا استقبال کیا۔ باب جامعہ کے سامنے پروودسٹ صاحبان نے معزز مہمان کا خیر مقدم کیا۔ اور موصوف کو جامعہ کی مسجد۔ مختلف عمارتیں۔ کتب خانے اور علوم طبیعیات کے دارالتجربے معائنہ کرائے گئے۔ ساڑھے بارہ بجے طبیہ کالج ہال میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب امیر جامعہ نے ممبران کورٹ کی جانب سے معزز مہمان کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں ریاست جوناگڈھ کے نظم و نسق کی خوبیوں پر روشنی ڈالی گئی۔ اور یہ بتایا گیا تھا کہ اس گرانی کے دور میں ریاست کے عوام کو کتنے سستے داموں میں اشیاء خوردنی دستیاب ہوتی ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کی کیسی آسانیاں ہیں۔ اور ریاست کی مساعی جنگ کس قدر قابل ستائش ہیں۔

امیر جامعہ نے یہ بھی فرمایا کہ جیسا کہ اور ان پر عیاں ہے اور علوم طبیعیات کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جامعہ علی گڑھ کس قدر کوشاں ہے۔ لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے یہ کوششیں ہنوز تشنۂ تکمیل ہیں۔ موصوف نے اس حسن اتفاق کو بھی بیان فرمایا کہ جب جامعہ کو انجینیرنگ کالج کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوئی اس وقت بھی جناب دیوان عبدالقادر صاحب عطیہ دہندگان کی فہرست میں سب سے اول تھے۔ اور آج بھی جب میڈیکل کالج قائم کرنے کا سوال سامنے ہے۔ دیوان صاحب پیش پیش ہیں۔ پیشہ ڈاکٹری میں مسلمانوں کی تعداد کو بے حد ناقابل اطمینان ظاہر فرماتے ہوئے امیر جامعہ نے بتایا کہ موجودہ میڈیکل کالجوں میں مسلمان طلبہ کا داخلہ تقریباً محال ہے۔ لیکن ہز ہائی نس نواب سر مہابت خانجی صاحب خلد اللہ ملکہٗ و حشمتہٗ فرمانروائے جوناگڈھ کے شاہانہ کرم سے یہ موقعہ ملا ہے کہ جامعہ کے طبیہ کالج کو ایک مکمل میڈیکل کالج بنانے کے لئے پہلا قدم اٹھایا جائے۔

سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے جناب خان بہادر عبدالقادر صاحب دیوان ریاست جوناگڈھ نے امیر جامعہ۔ اساتذہ اور طلباء کے پُرجوش خیر مقدم کا شکریہ ادا فرمایا۔ اور یہ امید ظاہر فرمائی کہ انشاء اللہ تعالےٰ جامعہ میں میڈیکل کالج بہت جلد قائم ہو جائے گا اور اس کے سند یافتہ ڈاکٹر خدمت خلق کا بہترین نمونہ پیش کریں گے۔ دیوان صاحب نے امیر جامعہ کی اُن قابل قدر خدمات کو بیان فرمایا جو موصوف میڈیکل کالج کے قائم کرنے کے لئے فرما رہے ہیں۔ اور حضور نواب صاحب جوناگڈھ خلد اللہ ملکہٗ کی جانب سے میڈیکل کالج کے لئے لاکھ روپیہ کے گراں قدر یک مشت عطیہ اور دو ہزار روپیہ سالانہ امداد کا شاہانہ اعلان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴-اکتوبر ۱۹۴۳ء

مشرقی قوموں کا جمود اور اُس کا انجام

"زمانہ" تغیر پذیر ہے، ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور زمانہ کے ساتھ ساتھ کام کرنے کے انداز اور طریقے بھی بدلتے رہتے ہیں اس لئے ایک بیدار و زمانہ شناس قوم کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ زمانہ کی رفتار اور ہوا کے رُخ کو پہچانے اور ہمیشہ مقتضائے وقت کے مطابق کام کرے۔ جو قومیں ہوا کا رُخ نہیں پہچانتیں اور اپنے زمانہ کی ضرورت و حالات کے مطابق کام نہیں کرتیں وہ پیچھے رہ جاتی ہیں اور دوسری زمانہ شناس قومیں جنہوں نے مقتضائے وقت کے مطابق اپنی جد و جہد شروع کی ہے آگے بڑھ جاتی ہیں بلکہ کچھ اس طرح راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہیں کہ پھر پسماندہ قوموں کے لئے آگے بڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آپ دنیا کی ساری قوموں کی پرانی تاریخ پڑھ ڈالئے ہمیشہ یہ نظر آئے گا کہ جن قوموں یا گروہوں نے مقتضائے وقت کے مطابق کام کیا اور موقع سے فائدہ اٹھایا وہ کامیاب ہوئے اور جو لکیر کے فقیر بنے رہے اور یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ وقت کا کیا مطالبہ ہے وہ اپنی جگہ سے ذرا بھی آگے نہ بڑھ سکے بلکہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ آخر کار وہ اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے، پھر اگر زندہ رہے تو ذلیل و خوار حالت میں یا بالکل صفحۂ ہستی سے مٹ گئے اور صرف تاریخی کتابوں کے صفحوں پر اُن کا نام رہ گیا۔

"عہد ماضی" کی یہ تاریخ ہمارے سامنے ہے یہ ایسا مرقع ہے کہ جس میں اگلی قوموں کے مٹنے اور اُبھرنے کے مناظر صاف صاف نظر آتے ہیں لیکن قدر حیرت و افسوس کی بات ہے کہ اُن کے اخلاف یعنی پچھلی نسلیں زمانۂ گزشتہ کی قوموں کے عبرتناک انجام سے کوئی بصیرت و سبق نہیں حاصل کرتیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ بار بار ان واقعات کا اعادہ کرتی ہے یعنی جن اعمال و کردار کی وجہ سے اگلی قومیں برباد ہوئیں آنے والی نسلیں بھی انہیں اعمال میں مبتلا ہو کر برباد ہوتی رہتی ہیں یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ان برباد ہونے والی قوموں کی آنکھیں عموماً اُس وقت کھلتی ہیں جب عمل و کوشش کا وقت گزر جاتا ہے اور قدرت (جو کبھی اعمال کی جزا یا سزا دینے میں غلطی نہیں کرتی) اُن کی قسمت کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اس لئے اُن کی بیداری (جو بعد از وقت ہے) بالکل بے سود ثابت ہوتی ہے جب کوئی قوم اپنی ناعاقبت اندیشی یا بے عملی و غلط کاری کی وجہ سے اس طرح گرداب مصیبت میں پھنس جائے تو اُسے کون بچا سکتا ہے۔ آج تک کوئی قوم دوسروں کے سہارے سے زندہ نہیں رہی۔ یہ ہر قوم کا اپنا فرض ہے کہ اپنی قوت بازو، ہمت مردانہ اور فکر صائب سے زندہ رہنے کی کوشش کرے۔

ہمارے زمانہ میں بھی تاریخ پچھلے واقعات کا اعادہ کر رہی ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کے مختلف مناظر بیک وقت ہمارے سامنے موجود ہیں یعنی کچھ قومیں اپنی سعی و ہمت، موقع شناسی اور حسن تدبیر کی بدولت ترقی کے بلند منازل پر پہنچ چکی ہیں اور انہیں ہر قسم کی قوت و شوکت حاصل ہے۔ کچھ ایسی ہیں جو اُبھرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں، اور کچھ ابھی تک جمود کی حالت میں ہیں جنہیں اپنی عبرتناک حالت اور بدنصیبی کا ذرا بھی احساس نہیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بحالت موجودہ مسلمانوں کا شمار اُن قوموں میں نہیں ہے جو ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہیں، بلکہ آج دنیا میں سب سے زیادہ اقتدار مغربی قوموں کو حاصل ہے جن کے پاس حکومت ہے، دولت ہے، تجارت ہے، علم و ہنر ہے، غرض وہ سب چیزیں انہیں میسر ہیں جو ترقی و برتری کا معیار سمجھی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان قوموں کو ساری دنیا پر ایک زبردست غلبہ و اقتدار حاصل ہے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کسی آئندہ زمانہ میں یورپ کا یہ اقتدار باقی نہ رہے، اور اُسے بھی وہ دور دیکھنا پڑے جو ایام ماضی میں بہت سی عظیم الشان و با اقتدار قوموں کو دیکھنا پڑا، لیکن یہاں ہمیں مغرب کی موجودہ حالت سے بحث ہے، لہٰذا یہ ظاہر ہے کہ بالفعل مشرقی قوموں کے مقابلہ میں مغربی اقوام کو زبردست اقتدار حاصل ہے، جو روز روشن کی طرح ظاہر ہے اور اس کے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

بے شبہ مغربی قومیں اس وقت امن و اطمینان کی حالت میں نہیں ہیں بلکہ ایک شدید جنگ میں مبتلا ہیں جس میں ہزاروں آبادیاں برباد اور کروڑوں جانیں ضائع ہو چکی ہیں، میدان انسانی خون سے لالہ زار ہیں اور سمندروں میں بھی خوفناک جنگ جاری ہے بڑے بڑے کوہ پیکر جنگی جہاز جو لاکھوں کروڑوں روپیہ کی لاگت اور سالہا سال کی محنت سے تیار ہوتے ہیں چند لمحوں کی معرکہ آرائی میں بہت سے انسانوں کو لے کر سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں، فضا میں بھی بمبار طیاروں نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے جن کے بے پناہ حملوں سے انسان نہ زمین میں محفوظ ہے نہ سمندر میں۔ غرض سارا یورپ ایک آتشکدہ بنا ہوا ہے، اور اس آتشکدہ سے جو چنگاریاں اڑتی ہیں وہ دنیا کے دور دراز حصوں میں بھی آگ لگا رہی ہیں یہ حالات بہت خوفناک ہیں، اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہولناک جنگ آخر کار یورپ کے زوال کا باعث ہوگی۔ اور اُس کی ترقی و اقتدار کا دور ختم ہو جائے گا، لیکن یہ ضروری نہیں،

حقیقت یہ ہے کہ جب تک یورپ کو دماغی حیثیت سے یعنی علم و ہنر کے اعتبار سے برتری حاصل ہے اور اس میں وہ قوت عمل اور جذبۂ قربانی موجود ہے جو زندہ قوموں کی خصوصیت ہے، کوئی شخص بھی نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ جنگ یورپ کے زوال کا باعث ہوگی اور اس کو جو اقتدار اس وقت حاصل ہے اُس کا کلیتہً خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کے مصائب

اپنے دور ترقی میں عموماً ہر قوم کو پیش آتے ہیں لیکن یہ قومیں نہایت استقامت و استقلال سے ہر قسم کی مصیبت و تکلیف کو برداشت کر کے اس پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں، چنانچہ مسلمانوں کو بھی اپنے دور عروج و ترقی میں بارہا شدید مصائب و خطرات کا مقابلہ کرنا پڑا لیکن وہ اپنے عزم و استقلال اور قوت برداشت کرنے کی بدولت ہر مصیبت پر غالب آئے، اور یہ ثابت کر دیا کہ ان میں زندہ رہنے کی طاقت موجود ہے۔

تاتاریوں کے خوفناک حملوں نے خلافت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا تھا یہ ایسی بربادی تھی جو مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی لیکن اس کے بعد بھی مسلمانوں کا دور عروج و اقتدار صدیوں تک قائم رہا، چنانچہ ترکوں نے ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کی جس سے یورپ مدت دراز تک لرزہ براندام رہا، دوسری طرف ہندوستان پر مسلمانوں کو زبردست اقتدار حاصل ہوا اور انھوں نے یہاں ایسے جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں موجود نہ تھی۔

ان واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک کسی قوم میں مصائب کو برداشت کرنے کی قوت اور عزم و حوصلہ موجود ہے وہ برباد نہیں ہو سکتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مصائب جھیلنے کے بعد اس کی قوت و طاقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، ایسی حالت میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ جنگ مغربی قوموں کے زوال کا باعث ہوگی، اور اس کے بعد مشرق کا دور ترقی شروع ہوگا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مغرب کی موجودہ حکومتوں میں سے کسی حکومت کا وہ سیاسی و تجارتی اقتدار باقی نہ رہے جو اسے جنگ سے پہلے حاصل تھا، اور اس کے مقابلہ میں مغرب کی کسی دوسری حکومت کا اقتدار بڑھ جائے، چنانچہ یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے کہ یورپ کی مختلف قومیں سرزمین مشرق میں قسمت آزمائی کر رہی ہیں جس میں کبھی ایک قوم کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی دوسری کو، لیکن خود غریب مشرق کی یہ حالت ہے کہ وہ مدت سے ان قسمت آزما قوموں کی جولانگاہ بنا ہوا ہے، ایسی صورت میں اس کی کیا توقع ہو سکتی ہے کہ مستقبل قریب میں مشرق کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھے گی، اور وہ اپنا از دست رفتہ اقتدار حاصل کر کے از سر نو عروج و ترقی حاصل کرے گا۔

مشرق کی اس بدنصیبی و پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس نے مقتضائے وقت کو نہ پہچانا اور جمود و بے عملی کی زندگی بسر کرتا رہا تھا، حالات بدل رہے تھے مغربی قومیں بیدار ہو رہی تھیں، اور انھوں نے آگے بڑھنے کے لئے ہم آہنگی کی کوشش شروع کر دی تھی لیکن سارے مشرق خصوصاً مسلمانوں نے مغربی قوموں کی اس جد و جہد کو نظر انداز کر دیا یا کم سے کم یہ کہ اسے کوئی اہمیت نہ دی اور اپنی قوت کا غلط اندازہ کرتے ہوئے یہ سمجھتے رہے کہ مغرب کی یہ جد و جہد محض بے حقیقت ہے جس سے اس کی قوت و اقتدار کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اس غلط اندیشی اور کوتاہ بینی کا یہ انجام ہوا کہ مشرقی قوموں خصوصاً اسلامی حکومتوں نے اپنی اصلاح و ترقی یا قوت و طاقت بڑھانے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی، اس لئے مغرب کو آگے بڑھنے کا پورا موقع مل گیا۔ یہاں تک کہ اس نے بتدریج اتنی قوت حاصل کر لی کہ ساری مشرقی قومیں کسی نہ کسی صورت میں اس کے زیر اثر آ گئیں اور کسی میں بھی تاب مقاومت باقی نہیں رہی، ان میں سے کچھ قومیں براہ راست کسی مغربی قوم کے دائرہ حکومت میں آ گئیں، اور کچھ جو نسبتاً سخت جان تھیں وہ بھی یورپ کے حلقۂ اثر سے باہر نہ رہ سکیں اور ایسے معاہدے کرنے پر مجبور ہوئیں جو یکسر یورپ کے مفاد پر مبنی تھے اور جن سے ان پر طرح طرح کی پابندیاں عائد ہو گئی تھیں،

غرض یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ نے نہ صرف حربی طاقت اور عسکری اقتدار حاصل کیا بلکہ اپنی مفید ایجادات و مصنوعات اور تجارتی کاروبار کو مشرق کے ایک ایک گوشہ میں پھیلا دیا۔ یہاں تک کہ اس کی مصنوعات دور افتادہ دیہات کے گھروں میں بھی پہنچ گئی۔ اور یورپ نے اس کاروبار کے ذریعہ سے اس قدر دولت بے پایاں حاصل کی جس کا ہم صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

یورپ کی اس حیرت انگیز ترقی سے جو زندگی کے ہر شعبہ میں بروئے کار آئی مشرقی قومیں اس قدر مرعوب و متاثر ہوئیں کہ ان میں ایک زبردست "احساس کمتری" پیدا ہو گیا اور اپنی ہر چیز انھیں خود اپنی نظر میں حقیر و قابل نفرت معلوم ہونے لگی اس کو زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یورپ نے مشرقی قوموں کی ذہنیت بدل دی اور ان کے افکار و خیالات میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا، سب سے بڑی فتح تھی جو مغرب کو مشرق کے مقابلہ میں حاصل ہوئی۔

غرض واقعہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں مغربی قومیں تیزگامی سے آگے بڑھ رہی تھیں تقریباً ساری مشرقی دنیا پر ایک جمود طاری تھا، اور مشرقی حکومتیں تیزی سے تنزل کر رہی تھیں ان کے مقبوضہ ممالک یکے بعد دیگرے ان کے ہاتھ سے نکل رہے تھے، ان کی تہذیب فنا ہو رہی تھی اور مذہبی عقائد میں تزلزل پیدا ہو گیا تھا، ان قوموں کا نہ کوئی قومی نصب العین تھا نہ مقصد حیات، جمود و بے عملی کا یہ دور مدت تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ یہ سب قومیں کم و بیش مغرب کے زیر اثر آ گئیں۔ اب اگر ان میں سے کچھ زندہ ہیں تو اپنی قوت یا حسن تدبیر کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض یورپ کی مختلف حکومتوں کی باہمی رقابت کی وجہ سے کیونکہ یورپ میں مختلف طاقتوں کے توازن کا مسئلہ ہمیشہ پیش نظر رہا ہے اس لئے یورپ کی کوئی حکومت بھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ کسی دوسری حکومت کو اس قدر قوت و سیاسی اقتدار حاصل ہو جائے کہ مختلف مغربی طاقتوں کا باہمی توازن باقی نہ رہے۔ ترکی و ایران جو آج کسی نہ کسی صورت میں زندہ ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ کوئی مغربی طاقت ان دونوں ایشیائی حکومتوں پر کسی دوسری طاقت کا قبضہ یا سیاسی اقتدار گوارا نہیں کر سکتی۔

باایں ہمہ متعدد مشرقی ریاستیں اور حکومتیں ایسی بھی ہیں جو مستقل طور پر یورپ کے زیر اثر آ گئیں یہ انقلاب درحقیقت دول یورپ کے باہمی مفاہمت سے ہوا۔ یعنی ایک حکومت کسی مشرقی ملک پر قبضہ کرنا یا اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنا چاہتی تھی دوسری حکومتیں یہ گوارا نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لئے آپس کے سمجھوتہ سے انہیں دوسرے مشرقی ممالک میں جن سے ان کا سیاسی یا تجارتی مفاد وابستہ تھا من مانی کارروائی کرنے کی اجازت دی گئی اور وعدہ کیا گیا کہ وہ جو کچھ بھی کریں گی اس سے چشم پوشی کی جائے گی، اس مفاہمت کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے مشرقی ملک بغیر اپنی مرضی کے دول یورپ کے زیر اثر آ گئے اور ان کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا۔ (باقی آئندہ)

اردو میں مغربی طب کی کامیاب تعلیم

۴۲ معیاری کتابوں اور ۳۵ ہزار اصطلاحوں کا ترجمہ

عثمانیہ کلیہ طبیہ ۱۹۲۶ء میں قائم ہوا تھا اور اب تک ۱۰۳۳ ڈاکٹروں کو اسناد دے چکا ہے۔ فی الوقت اس کالج میں ۸۰۶ طلباء زیر تعلیم ہیں جن میں ۱۳۱ لڑکیاں بھی شامل ہیں۔ اردو کا ذریعۂ تعلیم ہونا اس پیشہ میں مہارت حاصل کرنے میں مطلق رکاوٹ نہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کالج کے جو طلباء اعلیٰ تر تعلیم حاصل کرنے کے لئے مغربی ممالک کو گئے انہوں نے وہاں بھی امتیازات و اعزاز حاصل کئے۔

طب سے متعلق ۴۲ معیاری کتابوں اور ۳۵ ہزار اصطلاحوں کا اردو میں ترجمہ کیا جا چکا ہے کلیہ طبیہ کے موجودہ صدر ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو۔ ہارڈیکر ہیں۔

۱۸۴۵ء میں فرمانروائے وقت ہز ہائینس نواب ناصر الدولہ بہادر علیل ہوئے اور حیدرآباد میں متعین برطانوی رزیڈنٹ مسٹر فریزر نے رزیڈنسی کے سرجن ڈاکٹر میک لین کا علاج کرنے کا مشورہ دیا۔ ہز ہائینس نے یہ مشورہ اس شرط پر قبول فرمایا کہ صرف یونانی استعمال کی دواؤں سے کام لیا جائے۔ ڈاکٹر میک لین کے علاج سے ہز ہائینس کو صحت حاصل ہوئی اور مغربی طب کی تعلیم دینے کے لئے ایک مدرسہ قائم کرنے کے متعلق فرمان صادر ہوا۔

طبی مدرسہ کا قیام ۱۸۴۶ء میں حیدرآباد میں طبی مدرسہ قائم ہوا جس میں پہلے اردو میں تعلیم دی جاتی تھی لیکن ۱۸۵۳ء سے انگریزی میں تعلیم دی جانے لگی۔ کیونکہ انگریزی جاننے والے طلباء اس مدرسہ میں شریک ہونے لگے تھے۔ امتحانوں کے پرچے بمبئی میں ممتحنین کی ایک مجلس مرتب کرتی تھی جو گرانٹ میڈیکل کالج کے پروفیسروں پر مشتمل تھی اور سکندرآباد کے برطانوی طبی عہدہ دار طلباء کا زبانی امتحان لیتے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں شفاخانہ عثمانیہ کے قیام سے پہلے دایہ گری کی کلینکی تعلیم کے۔ ای۔ ایم ہاسپٹل سکندرآباد میں دی جاتی تھی۔ اس مدرسہ کا معیار تعلیم مبنی تھے ایل۔ ایم۔ اینڈ ایس۔ کے مساوی تھا۔

مدرسہ کلیہ بنا دیا گیا ۱۹۲۶ء میں اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی منظوری سے اس مدرسہ کو کلیے کا مرتبہ دیا گیا اور اس کا نام عثمانیہ کلیہ طبیہ رکھا گیا۔ ۱۹۲۶ء میں انگریزی جماعتوں (ایل۔ ایم۔ اینڈ ایس اور ایل۔ ایم۔ پی) میں طلبہ کا داخلہ بند کر دیا گیا لیکن جو طلباء پہلے شریک ہو چکے تھے ان کے لئے ۱۹۳۳ء تک امتحان منعقد کیا جاتا رہا۔ ۱۹۲۷ء میں کلیہ طبیہ کو جامعہ عثمانیہ سے ملحق کر دیا گیا اور ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی جماعتیں کھولی گئیں جن میں ذریعہ تعلیم اردو کو قرار دیا گیا۔

بیرون ملک اسناد کو تسلیم کر لیا گیا طیلسانین جامعہ (ایم۔ بی۔ بی۔ ایس عثمانیہ) کی پہلی جماعت ۱۹۳۱ء میں کامیاب ہوئی اور مئی ۱۹۵۴ء تک ۱۰۳۳ طلباء نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی سند حاصل کی۔ حکومت ہند نے جامعہ عثمانیہ کی سند ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کو بدوران جنگ انڈین میڈیکل سروس میں داخلہ کے لئے تسلیم کر لیا ہے اور مساویانہ اساس پر برطانوی ہند کی جامعات کے مماثل اسناد کو مستقل طور پر تسلیم کرنے کا مسئلہ ہندوستانی مجلس طبی کے زیر غور ہے۔

۱۳۱ طالبات کلیہ طبیہ میں زیر تعلیم افراد کی تعداد ۸۰۶ ہے جس میں ۶۷۵ طلباء ہیں اور ۱۳۱ طالبات ہیں۔ بہ اعتبار قابلیت طلباء کو سترہ سترہ روپیہ کے پانچ [illegible] اور دس وظیفے دئے جاتے ہیں۔ اور دس طلباء کی اجرت تعلیم بھی معاف کی جاتی ہے۔ طالبات کو کل چار وظیفے دئے جاتے ہیں جن میں دو وظیفے چالیس چالیس روپیہ ماہانہ کے اور دو وظیفے تیس تیس روپیہ ماہانہ کے ہیں۔

عملہ اور تجربہ خانے اس کلیے کے سالانہ مصارف تقریباً ۲۲۵۰۰۰ روپیہ ہیں۔ اساتذہ اہل اور قابل ہیں جن میں سے بعض خود اس کلیے کے سابق طلباء ہیں اور انہوں نے برطانیہ میں بھی اعلیٰ تعلیم پا کر سندیں حاصل کی ہیں۔
کلیہ طبیہ کا عملہ حسب ذیل اشخاص پر مشتمل ہے۔

پروفیسر	۸
ریڈر	۴
لکچرار	۱۹
کیمسٹ	۱
ڈیمانسٹریٹر	۹

تعلیمی اور تحقیقاتی ضروریات کے لئے تجربہ خانوں میں تمام ضروری سامان موجود ہے۔ طلباء کو کلینکی تعلیم شفاخانہ عثمانیہ کے وارڈوں اور شفاخانہ امراض متعدی میں دی جاتی ہے۔ شفاخانہ عثمانیہ میں کرایہ والے کمروں کے علاوہ ۷۰۰ مریضوں کے لئے اور شفاخانہ امراض متعدی میں ۱۰۰ مریضوں کے لئے بیڈز موجود ہیں۔ اول الذکر میں مختلف قسم کے بیڈز کی تقسیم درج ذیل ہے۔

طبی	۲۴۴
جراحی	۲۹۲
زچگی	۷۳
نسوانی امراض	۴۰
بچگانے	۵۱

مرض جذام سے متعلق خصوصی تعلیم ڈچپلی کے شفاخانہ جذام میں دی جاتی ہے جہاں ۱۵۰ مریضوں کے لئے گنجائش ہے اور دماغی امراض سے متعلق تعلیم جالنہ کے سرکاری شفاخانہ امراض دماغی میں دی جاتی ہے جہاں ۴۰۰ سے زیادہ مقیم مریضوں کے لئے گنجائش ہے۔

۳۵ ہزار اصطلاحوں اور ۴۲ کتابوں کا ترجمہ طب سے متعلق جو کتابیں اردو میں ترجمہ کرکے شائع کی گئی ہیں ان کی تعداد ۴۲ ہے اور جن طبی اصطلاحوں کا ترجمہ کیا گیا ہے ان کی تعداد ۳۵ ہزار ہے۔ (معلومات حیدرآباد بحوالہ ہماری زبان)

اجنٹہ کے غار

ہمارے ملک میں بہت سی یادگاریں ایسی ہیں جو دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ان ہی میں اجنٹہ اور ایلورا کے غار بھی ہیں۔ یہ غار نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں اور ان کو دیکھنے کے لئے دنیا کے ہر حصہ سے لوگ آیا کرتے ہیں۔ یہ بہت قدیم یادگاریں ہیں اور خاص کر اجنٹہ کے غار حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بہت پہلے اب سے کوئی دو ہزار سال قبل وجود میں آ چکے تھے یہ قدیم زمانہ کی تہذیب و معاشرت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ ان کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ڈھائی ہزار برس پہلے لوگ کس طرح زندگی بسر کرتے تھے ان کے یہاں عبادات کا اس زمانہ میں کیا طریقہ تھا لباس کس قسم کا پہنتے تھے۔ غرضکہ زندگی کی تمام چیزوں کو اس میں تصویروں کے ذریعہ دکھایا گیا ہے اور

یہ تصویریں ایک پہاڑی کو کاٹ کر بنائی گئی ہیں اور پہاڑوں کا اس طرح کاٹنا بڑا مشکل ہے مگر پرانے لوگوں کی مستقل مزاجی اور ہمت پر آفریں ہے کہ انھوں نے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنی ہنرمندی سے موم بنا دیا اور ہزاروں برس گزرنے کے بعد بھی ان کی یادگاریں ابھی تک باقی ہیں اور دنیا ان کے کارناموں پر اب تک عش عش کرتی ہے۔

ایجنٹہ کے غار مملکت حیدرآباد کے صوبہ اورنگ آباد سے کوئی (۵۰) میل دور واقع ہیں، ان کی درستی پر حکومت سرکار عالی نے لاکھوں روپیہ خرچ کر دئے ہیں محض اس لئے کہ یہ دیر تک دنیا میں باقی رہیں تاکہ ہزاروں سال کے گزرے ہوئے زمانہ کی یاد تازہ ہوتی رہے کیونکہ وہ زمانہ جس کا تاریخ میں سرسری تذکرہ آیا ہے اور دنیا اس سے واقف نہیں ہے اس زمانہ کے لوگوں نے مشینیں اور کلیں نہ رکھنے کے باوجود وہ کام کیا ہے جو ہزاروں سہولتیں رکھنے کے بعد بھی آج کل کے انسان ان کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے۔ ایجنٹہ اور ایلورہ کے غار صناعی اور سنگ تراشی کے اعتبار سے دنیا میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ ان کی نسبت "پیام تعلیم" میں ایک مختصر سا مضمون بچوں کے لئے شائع ہوا ہے جس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایجنٹہ کے غار ایک پہاڑی کو کاٹ کاٹ کر بنائے گئے ہیں جو کوئی دو سو فیٹ اونچی ہوگی اور غار کوئی پانسو فیٹ کے گھیر میں ہیں۔ یہ کل ۲۹ غار ہیں اور ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عجیب بات ہے ایک غار کی چھت میں ہاتھی گھوڑوں پرندوں اور پھل پھلاری کی تصویریں ہیں، مہاتما بدھ اور ان کے چیلوں کی بہتیری تصویریں بہت ہی عجیب عجیب ہیں۔ ایک غار میں کسی جلوس اور جنگ کے نقشے کھینچے گئے ہیں اور دوسری عجیب عجیب تصویریں ہیں۔ ایک غار میں ایک شہزادی کی تصویر ہے جو غریب دنیا سے رخصت ہو رہی ہے بعض سیاحوں اور استادوں نے اس کی تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک غار میں مہاتما بدھ کی ایک ہیئت کی مورتی ہے۔ ایک اور غار میں دو ہاتھیوں کی لڑائی دکھائی گئی ہے۔ اس کے سوا کچھ اور بھی تصویریں بہت اچھی ہیں۔ نقاشی اور مصوری کے لحاظ سے یہ غار خاص الخاص ہے۔ ایک غار میں بدھ جی مہاراج کے لڑکپن کی کچھ تصویریں ہیں اور کچھ ایرانی انداز کی ہیں۔

(سلطنت)

کلکتہ میں خواتین کی نماز عید

حسب سابق زیر اہتمام آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس (بنگال پراونشل برانچ) نماز عید الفطر خواتین کلکتہ نے مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال میں ادا کی۔

سواری کی قلت اور گرانی کی اس وقت کلکتہ میں کوئی انتہا نہیں باینہمہ خواتین کثیر تعداد میں شریک جماعت ہوئیں۔

اہل بنگال کی یہ عید خصوصیت کے ساتھ زمانہ کے لئے درس عبرت ہے۔ ایک طرف تو تباہی و بربادی کا یہ عالم کہ سڑکوں گلی و کوچوں میں بھوکوں اور ننگوں کا بیکسی و بےبسی کی حالت میں مارے مارے پھرنا۔ دوسری طرف مسرت و شادمانی کا اظہار۔ چنانچہ کارکنان کانفرنس نے اس اجتماع کے موقع پر اپنے اہل وطن کو فراموش نہیں کیا۔ خواتین سے استدعا کی گئی کہ وہ دیگر ریلیف کارکنوں کے ساتھ اس نہایت ہی اہم اور نیک کام میں عملی حصہ لیں۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ زیر اہتمام مندرجہ بالا کانفرنس ریلیف کا کام شروع ہو گیا ہے۔ اور ایک نہایت ہی باثر سب کمیٹی اس کام کو انجام دینے کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ قوی امید ہے کہ اس موقع پر بھی کانفرنس کے زیر اہتمام اک گراں بہا قومی خدمت انجام پائے۔

میں تہ دل سے ممبران کانفرنس اور اس کے معاون مددگاروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور اگر اسی طرح ممبروں نے گرم جوشی و سرگرمی سے کام کیا تو انشاءاللہ یہ ایک دن ہندوستان میں خواتین اسلام کی واحد باثر اور کارآمد انجمن بن جائے گی۔ کانفرنس کے ہر ایک جلسہ کی روئداد اور موجودہ سب کمیٹی کی روئداد متعلق ریلیف کمیٹی وقتاً فوقتاً اخبار میں شائع ہوتی رہتی ہے (اس عنایت کی میں اخباروں کی بیحد ممنون ہوں) باینہمہ دیگر امور معلومات سکریٹری و صدر فضل الرحمن صاحب سے حاصل کئے جا سکتے ہیں

نماز کے اختتام پر مصیبت زدگان بنگال کے لئے نماز نفل کے ساتھ دعا کی گئی اور جو راہی ملک عدم ہو چکے ان کے لئے فاتحہ پڑھی گئی۔ تاریخ میں یہ عید بنگال کی یادگار رہے گی۔

خادمہ اسلام حسن آرا بیگم (مسز ایچ۔ اے۔ حکیم)
آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس
(بنگال پراونشل برانچ)

جلسۂ عام خواتین کلکتہ

زیر اہتمام آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس (بنگال پراونشل برانچ) خواتین کلکتہ کا ایک عام جلسہ زیر صدارت لیڈی صاحبہ فضل الرحمن صاحب (اہلیہ شریف آف کلکتہ) برائے امداد مصیبت زدگان بنگال مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال میں بتاریخ ۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء منعقد ہوا جلسہ کا افتتاح قرآن پاک کی تلاوت سے ہوا۔ راحت (دختر پروفیسر عبدالرحیم صاحب) کی نظم "عید عبرت بن کے آئی ہے زمانہ کے لئے" ان کی بہن نے پڑھی جس سے حاضرین پر بیحد اثر ہوا۔ اور چشم پرنم ہو گئے۔ سیدہ اکرم النساء بیگم (مسز پی رحمان) نے بنگلہ میں تقریر کرتے ہوئے بنگال کی مصیبت اور کلکتہ میں لوگوں کی تباہی کے اندوہناک حالات حاضرین کو سنائے۔ بعد ازاں مسز ایم اے حکیم (آنریری سکرٹری) نے کانفرنس بالا کی سب کمیٹی (جو لاوارث و خانماں برباد بچیوں کے لئے قائم کی گئی ہے) کے متعلق رپورٹ پیش کی اور عہدہ داران ممبران کا اعلان کیا۔ دوران تقریر انھوں نے بتایا کہ "جب سے مسلمان بچوں کے مرتد ہونے کا خیال میرے دل میں سمایا میں بےچین و بیقرار ہو کر باوجود گھر کی افکار و دیگر مصروفیت کے میں سکول کا کام بھی گلشن آرا بیگم (مسز کے اے وہاب) کے سپرد کر کے کلکتہ پہنچ گئی۔ رمضان کے مہینہ سے میں اسی سوچ و فکر پر عمل کر رہی ہوں اور آج اس کاوش و کوشش کی پہلی کامیابی ہے کہ ایک عام جلسہ خواتین زیر اہتمام ایک باثر کمیٹی منعقد ہو رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ خواتین کلکتہ کے ذریعہ ایک گراں بہا قومی خدمت انجام پائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ میری التجا پر بہنوں نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے جس سے میرے ارادہ میں اور پختگی پیدا ہو گئی ہے۔ میں اپنی مسلم بہنوں کی تہ دل سے ممنون ہوں کہ انھوں نے میری پکار پر لبیک کہہ کر میری ہمت افزائی کی ہے۔ اور آج کا جلسہ

[illegible] ہمدردی و محبت کا بین ثبوت ہے۔

جناب صدر صاحبہ نے حاضرین جلسہ سے استدعا کی کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے حسن حکم کا ہاتھ بٹانے میں کوشاں رہیں۔ اور حتی المقدور اس کار خیر میں عملی حصہ لیکر اور مدد دیکر اپنی قوم کی بچیوں کو شدھی ہونے کی تباہی و بربادی سے بچانے کے علاوہ ان کی زندگی کو سدھار کر سچے معنوں میں مسلمان بنائیں۔ نیز صدر صاحبہ نے [illegible] روپیہ کے عطیہ کا وعدہ کیا۔ حاضرین جلسہ نے اپنی اپنی عطیات پیش کیں۔ چنانچہ اس کار خیر کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ صرف اس کی تکمیل پر نظر ہے۔ امید ہے کہ قلیل رقم جلد ہزار میں منتقل ہو جائے گی۔

جلسہ کے اختتام کے پہلے ایک ہمدرد قوم (محمد نصیر الرحمن صاحب) نے پس پردہ تقریر کرتے ہوئے خواتین کو جنگ یرموک کا واقعہ یاد دلایا۔ اور خواتین اسلام کے وہ کارہائے نمایاں دوبارہ یاد دلا کر یہ استدعا کی کہ اس وقت بھی آپ ہماری ڈیفنس لائن (مدافعت کی آخری صف) ہیں۔ اور جنگ یرموک یرموک کی مثال قائم کریں۔ انہوں نے بتایا کہ اغیار کو خوب اچھا موقع ہاتھ آگیا ہے اور غیر مسلم سرمایہ دار خصوصاً وہ لوگ جو "ہندو راج" کا خواب دیکھا کرتے ہیں۔ آج فراخ دلی سے خانماں برباد عورتوں [illegible] بچوں کو اپنے جائے پناہ میں جگہ دے رہے ہیں ان کی بڑی بڑی انجمنیں نہایت شد و مد سے تبلیغ کا کام کر رہی ہیں۔ آخر میں پرجوش مقرر نے حاضرین سے استدعا کی کہ خواتین کم سے کم اپنے سیر و تفریح کے کچھ حصہ کو پس انداز کرکے وقت اور رقم اس کار خیر اور قومی معماری میں صرف کریں۔ اور خواتین کو یہ یاد دلایا کہ یہ حق آپ ہی لوگوں کا ہے۔ اور اسے ادا کرنا پڑے گا کیونکہ قدرت نے ازل ہی سے آپ کو معماری کی امتیازی شان بخشی ہے۔ خواتین اسلام ہند سے عموماً اور خواتین کلکتہ سے خصوصاً نہایت عاجزانہ التجا کی کہ اس قومی کشمکش کے بقا و زیست کے واسطے دام، درم، قلم، سخن سے ضروری حصہ لیں۔ کیونکہ آپ کی ذرا سی غفلت اس وقت قوم کو کافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اور جس کی ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوگی۔

حالات حاضرہ کے مقابل کے واسطے مندرجہ ذیل تجویز بالاتفاق طے پائی۔

تجویز (الف) آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس (بنگال پراونشل برانچ) کا یہ عام جلسہ خواتین صوبہ بنگال کے موجودہ تباہی و بربادی خصوصاً کلکتہ میں لاوارث مسلمان بچیوں کی بیکسی و بےبسی کا منظر دیکھتے ہوئے یہ ضروری خیال کرتا ہے کہ ایک جائے پناہ کھولا جائے۔

(ب) اور اس ضروری کام کو انجام دینے کے لئے عوام سے امداد کے لئے درخواست کی جائے۔

(ج) اور جائے پناہ کے متعلق ایک ایسی سکیم مرتب ہو جہاں اس وقت دوشیزہ لڑکیوں کی خورد و پوشی کا انتظام کیا جائے۔

(د) اور تجویز بالا کی نقل ایچ [illegible] آف بنگال، وزیر اعظم بنگال، سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ، بیگم اعزاز رسول صاحبہ سکرٹری خواتین سب کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ، سکرٹری بنگال پراونشل مسلم لیگ، سکرٹری کلکتہ ضلع مسلم لیگ، و صدر مسلم چیمبر آف کومرس کو بھیج دی جائے

خادمہ اسلام حسن آرا بیگم (مسز ایچ اے حکیم)
آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس
(بنگال پراونشل برانچ) نمبر ۱۰ حلاردہ
سرکس کلکتہ

پنجاب میں اناج کی حالت

لاہور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حکومت پنجاب نے ایک بیان میں کہا ہے کہ پنجاب میں کبھی کبھی یہ اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ملک کے دوسرے حصوں میں اناج کی قلت کی وجہ سے پنجاب سے جو بیدریغ اناج جا رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے صوبہ کے اندر اناج کی کمی پڑ جائے، اس قسم کے اندیشہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے حکومت نے اس سلسلہ میں پورا انتظام کر لیا ہے کہ صوبہ کے اندر کسی وقت میں اناج کی کمی نہ پڑے،

جو اناج صوبہ سے باہر جائے گا صوبہ کی تمام ضروریات کو پیش نظر رکھ کر اس کا تخمینہ لگایا گیا ہے لہذا جو اناج باہر جا رہا ہے وہ اس تخمینہ کے مطابق جا رہا ہے اس کے علاوہ حکومت نے اناج کا ایک بہت بڑا ذخیرہ محفوظ کر لیا ہے۔

لاہور کی ایک اور خبر سے معلوم ہوا کہ سر [illegible] نے جو پنجاب کی طرف سے فوڈ کانفرنس میں شریک ہوئے تھے کانفرنس کے فیصلوں پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ پنجاب میں گیہوں یا دوسری اناج کی قیمت پر کوئی قانونی کنٹرول نہیں کیا جائے گا۔ آپ نے بتایا کہ جب اس سلسلہ میں بحث ہوئی تو یہ طے پایا کہ [illegible] جہاں کسان اناج فروخت کرنے آتے ہیں قیمت پر کوئی کنٹرول نہیں ہوگا [illegible] ابھی تک قائم ہے

صوبہ متحدہ [illegible] کی [illegible]

لکھنؤ کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ حکومت صوبہ متحدہ [illegible] اکتوبر ۱۹۴۶ء تک بنگال اور دوسرے علاقوں میں (جہاں اناج کی قلت ہے) [illegible] ٹن گیہوں بھیج چکی ہے، یہ برآمد پروگرام سے بھی بڑھ گئی ہے۔ فوڈ کانفرنس کے خاتمہ پر حکومت یوپی نے حکومت ہند کو بنگال اور دوسرے کمی والے علاقوں کے لئے ۴ ہزار ٹن [illegible] اناج بھیجنے کی پیشکش کی ہے۔ جونہی ٹرانسپورٹ کا انتظام ہونے [illegible] بھیج دیا جائے گا۔

ایک [illegible] کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ حکومت یوپی نے مزید ۲۰ ہزار ٹن گیہوں دینا منظور کیا ہے اس میں سے ۱۵ ہزار ٹن بنگال کو اور باقی ۵ ہزار ٹن دوسرے علاقوں کو بھیجا جائے گا۔

کپڑا ختم کرنے کی میعاد میں توسیع

نئی دہلی سے ایک سرکاری بیان شائع ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ۷ اکتوبر کو ایک سرکاری بیان میں یہ بتایا گیا تھا کہ یکم اگست سے پہلے تیار شدہ سوتی کپڑے کا اسٹاک ۲ ارب ۷۰ کروڑ گز ہے اور سوت کا اسٹاک ۱۲½ کروڑ پونڈ ہے، اب خوب غور کرنے کے بعد حکومت ہند اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اس قدر بڑے ذخیرہ کو جسے ملیں آٹھ ماہ کے اندر تیار کر سکتی ہیں ۳۱ اکتوبر تک بالکل ختم کرنے کے حکم سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ اور عوام کی تکلیفوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ کپڑے کی پیداوار بڑھانے کے لئے موزوں تدبیریں اختیار

انڈین ہسٹری کانگریس

ہمعصر "سلطنت" حیدرآباد رقمطراز ہے کہ "انڈین ہسٹری کانگریس" کا آئندہ اجلاس کرسمس کے زمانہ میں علی گڑھ میں منعقد ہونے والا ہے جس کے حسب ذیل چھ شعبے ہوں گے۔

(۱) ہند قدیم دور اول از ابتدا تا ۳۰۰ئ
(۲) ہند قدیم دور ثانی از ۳۰۰ئ تا ۱۲۰۶ئ
(۳) قرون وسطیٰ مقدم از ۱۲۰۶ئ تا ۱۵۲۶ئ
(۴) قرون وسطیٰ متاخر از ۱۵۲۶ئ تا ۱۷۶۳ئ
(۵) ہند جدید از ۱۷۶۳ئ تا زمانہ حال
(۶) مقامی تاریخ

شعبۂ سوم کے صدر پروفیسر محمد ہارون خاں شروانی صدر شعبۂ تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی مقرر ہوئے ہیں اس شعبہ کا دور جو ۱۲۰۶ئ سے شروع ہو کر ۱۵۲۶ئ پر ختم ہوتا ہے دو عظیم الشان تمدنوں کے ارتقاء و اتصال کا نتیجہ ہے، وہ معقول جانشین ہونے کی حیثیت سے اس کے علمبردار ہیں۔ خود مختار اور آزاد ریاستوں نے بھی اس دور میں جنم لیا ہے، اس کے اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی انقلابات ہر مفکر کے لئے غور و فکر کی وسیع گنجائش رکھتے ہیں۔

مدراس پر بمباری

ہمعصر "دلچسپ" (مدراس) رقمطراز ہے کہ جاپانیوں کے دیکھ بھال کرنے والے ایک جہاز کے مدراس پر بمباری کرنے سے جس کی وجہ سے کسی قسم کا جنگی نقصان نہیں ہوا لیکن کچھ شہری ہلاک ہو گئے۔ اس تکلیف دہ خیال کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کہ جنگ کی حالت تبدیل ہونے کے باوجود ہندوستان کے ان شہروں پر ضرور بمباری ہوگی جو جاپانیوں کی زد میں ہیں۔

۲۲ - اپریل ۱۹۴۲ئ کو فیلڈ مارشل لارڈ ویول نے جو اس وقت ہندوستان کے کمانڈر انچیف تھے فرمایا تھا:

"ممکن ہے کہ جاپانی ہندوستان پر حملے کریں اور عارضی طور پر کچھ علاقہ پر قبضہ کرنے کی بھی کوشش کریں، لیکن جب تک ہندوستان کو اپنے مفاد کا پورا خیال ہے۔ اس کو کبھی فتح نہیں کیا جا سکتا۔"

اب تک ہندوستان کو ان تکالیف سے نجات حاصل رہی ہے جو اس کے سپوت نوجوان میدان جنگ میں اٹھاتے رہے ہیں۔ لیکن جب وقت آئے گا تو مادر ہند کے فرزند جاپانی خطرہ کو ہندوستان کی سرحد سے دور ہٹاتے چلے جائیں گے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے شہریوں کو "ہیڈ مرچیانگ کائی شیک" کے ان صداقت آمیز الفاظ سے آشنا ہونا چاہئے کہ

"جاپانی تم سے کہیں گے کہ وہ تم کو آزادی دلانے آرہے ہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔"

امریکہ کا جنگی نقصان

امریکہ میں سرکاری طور پر بتایا گیا ہے کہ اب تک امریکہ کی فوجوں کے ۱۱۵۸۸۳ آدمی ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں، یعنی میدانی فوج کے ۱۱۸۰ آدمی ہلاک ۱۸۲۳ زخمی اور ۳۵۵ مفقود الخبر ہیں، نیز ۲۲۹۴ قید ہوئے۔ اسکے علاوہ

صوبۂ متحدہ میں نرخ اجناس میں تخفیف

لکھنؤ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یوپی گورنمنٹ نے گیہوں کی قیمت خرید کی زیادہ سے زیادہ شرح ۲۰۔ اکتوبر سے ۱۲½ روپیہ فی من مقرر کی ہے اس سے پہلے ۵۔ اکتوبر سے یہ شرح ۱۳ روپیہ تھی اور اس سے پہلے ۱۳½ روپیہ فی من۔

دوسرے اناجوں کی قیمت میں بھی اسی تناسب سے کمی کر دی گئی ہے، ۲۵ر اکتوبر سے خوردہ فروشی کی دکانوں پر گیہوں ایک روپیہ کا ۳¼ سیر ملا کرے گا ۲۳ر ستمبر سے ۳ سیر مل رہا ہے اور اس سے پہلے ۲¾ سیر ملتا تھا۔ چنے کا بھاؤ بھی ۴ سیر ہو گیا ہے اور جو ۴¼ سیر سے ۴½ سیر، چاول ۲½ سیر سے ۲¾ سیر، باجرہ ۵ سیر سے ۶ سیر، آٹا ۳½ سیر سے ۳ سیر ۱۰ چھٹانک ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ جلد ہی اس شرح میں اور کمی کر دی جائے گی اور یہ شرح تمام خرید و فروخت پر سختی سے نافذ ہوگی۔

دہلی میں فوجی افسروں کیلئے جگہ کی ضرورت

اسٹیٹسمین کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ نئی دہلی اور دہلی میں جنوبی مشرقی ایشیائی کمان کے ہیڈکوارٹر کے دفاتر اور ان کے عملہ کی رہائش کے لئے مکانات فراہم کرنے کا انتظام نہایت تیزی سے کیا جا رہا ہے اور یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس اسکیم پر ڈیڑھ کروڑ روپیہ صرف ہوگا۔ یہ خرچ حکومت برطانیہ برداشت کرے گی۔

اس سلسلہ میں تین مسائل کو حل کرنا ہوگا۔ اول یہ کہ یہ جگہ ایسی ہونی چاہئے جہاں سے ہندوستانی حکام کے ساتھ ربط ضبط قائم رکھا جا سکے۔ دویم یہ کہ یہ مکانات ایسے ہونے چاہئیں جو اس کمان کے تمام اتحادی افسران کے لئے خصوصاً سمندری بیڑہ کی افسر عورتوں کے لئے اور خشکی کی فوج کی عورتوں کے لئے موزوں ہوں۔ سوم یہ کہ اس کمان کے کلرکوں اور دوسرے عہدیداروں کی بڑی تعداد کے لئے بھی کافی جگہ درکار ہوگی۔

تاہم نظریہ یہ ہے کہ نئی دہلی میں اس کمان کے ہوائی اور سمندری بیڑوں کے افسر رکھے جائیں گے اور پرانی دہلی میں اس کمان کی فوج کے آدمی رکھے جائیں گے۔ اس کمان کے دفاتر کے لئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ سپریم کمانڈر جنرل لارڈ ماونٹ بیٹن کو سکریٹریٹ کے انری بلاک کا ایک حصہ دے دیا جائے گا جو ہندوستان کے کمانڈر انچیف جنرل اکن لیک کے دفاتر واقع دکھنی بلاک سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے سمندری بیڑہ کے بقیہ عملہ کے دفاتر عارضی طور پر کرزن روڈ کے ان مکانات میں جو سول افسران نے خالی کر دئے ہیں رکھے جائیں گے اور مستقل طور سے لکڑی کے ان مکانات میں قائم کئے جائیں گے جو چرچ روڈ پر زیر تعمیر ہیں۔ اس کمان کی ہوائی فوج کے افسران کو ہیسٹنگز روڈ کے سامنے دو منزلہ عمارتوں میں جگہ دی جا رہی ہے۔ اس کمان کے فوج کے دفاتر پرانی سکریٹریٹ واقع سول لائنز دہلی میں قائم کئے گئے ہیں اور ان کے لئے پرانی سکریٹریٹ کے میدان میں ایک نئی عمارت بھی زیر تعمیر ہے۔ نئی عمارتیں تعمیر ہونے تک نئی اور پرانی دہلی میں ان عملوں کے لئے خیمے نصب کئے جا رہے ہیں۔

[illegible] ساعی جنگ کے [illegible] کے لئے ڈاکٹر ضیاالدین احمد صاحب امیر جامعہ کی قابل ستائش خدمات پر روشنی ڈالی۔ دیوان صاحب کے خطبہ کے دوران میں طبیہ کالج ہال اساتذہ اور طلبہ کی پُرزور تالیوں سے برابر گونجتا رہا۔

اس کے بعد شاعر جامعہ جناب محمد فاروق صاحب نے ہز ہائی نس نواب صاحب جوناگڈھ خلد اللہ ملکہ کے نمائندۂ خصوصی کے ورود مسعود کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک عالمانہ اور سامعہ نواز نظم سنائی۔ بعد ازاں جناب پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب نائب امیر جامعہ نے معزز مہمان کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میڈیکل کالج کا قیام ایک ایسا مستحسن اقدام ہے جو فی زمانہ مساعی جنگ کے لئے مفید ہوگا۔ اور جنگ کے بعد مساعی امن کے لئے کار آمد رہے گا۔ چونکہ جنگ ایک بہت جلد ختم ہو جانے والا دور ہے اور زمانہ امن نسبتاً زیادہ پائدار ہوتا ہے۔ اس لئے امن کے زمانہ میں میڈیکل کالج ایسی خدمات انجام دے سکے گا جس سے تمام انسانوں کو تندرستی پر بہرہ اندوز ہونے کے مواقع حاصل رہیں گے۔ نائب امیر جامعہ کی تقریر کے بعد جناب دیوان صاحب نے طبیہ کالج کے احاطہ میں "سر شاہ سلیمان جی ہسپتال" کا سنگ بنیاد نصب فرمایا۔ امیر جامعہ نے اپنے معزز مہمان کے اعزاز میں لنچ کا انتظام فرمایا تھا جس میں جامعہ اور شہر کے حکام و معززین کا انتظام کیا گیا تھا۔ جناب دیوان صاحب نے سہ پہر کو ایئر ٹریننگ کور، ایجیٹیشن سینٹر، یونی ورسٹی اور پریکیڈنٹ اسکول کا معائنہ فرمایا۔ اور اس کے بعد کرکٹ لان پر ضیافت چاء میں شرکت فرمائی یہاں کاٹھیاواڑی اور سندھی طلبا کی جانب سے ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

میر محفوظ علی صاحب کی رحلت

ہمعصر ذوالقرنین (بدایوں) سے یہ خبر معلوم کرکے نہایت رنج و افسوس ہوا کہ میر محفوظ علی صاحب بی اے (علیگ) بدایونی مرض فالج میں مبتلا ہو کر رحلت فرمائی۔

علی گڑھ کا علقہ بلکہ شمالی ہند کے علمی و ادبی حلقوں میں مرحوم کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، لطافت و ظرافت آپ کی تحریر کی نمایاں خصوصیات تھیں، جب کبھی لکھتے تھے خوب لکھتے تھے،

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندوں کو صبر کی توفیق عطا کرے،

مولوی عقیل الرحمٰن صاحب ندوی کی رحلت

نہایت افسوس ہے کہ گزشتہ ہفتہ میں مولوی عقیل الرحمٰن صاحب ندوی نے جو مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول کے ایک لائق و ہر دلعزیز استاد تھے چند روز ملیریا میں مبتلا ہو کر رحلت فرمائی۔

مولوی صاحب مرحوم ہندوستان کے ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے دادا حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری تھے جو اپنے علمی فضائل، درس و تدریس، اور صحیح بخاری کے تصحیح و تحشیہ کی بے نظیر خدمت کی وجہ سے طبقہ علماء میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے، مرحوم نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں جو زیر تعلیم ہیں۔

کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس

آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اور کونسل کے اجلاس ۱۳، ۱۴ نومبر ۱۹۴۳ء کو دہلی میں منعقد ہوں گے۔ کونسل کے اجلاس میں ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کی توثیق کے علاوہ حسب ذیل امور کا فیصلہ ہوگا۔

(۱) آئندہ میعاد کے لئے صدر کا انتخاب (۲) مسلم لیگ کورگ کی درخواست الحاق (۳) بنگال کی موجودہ تباہ حالی پر حکومت ہند سے مطالبات (۴) بعد جنگ شمالی افریقہ کے اسلامی ممالک کو مکمل حق خود اختیاری دینے کے لئے اتحادی حکومتوں سے واضح اعلان، اور تحریک اتحاد عرب کے سلسلہ میں سہولتیں فراہم کرنے کا مطالبہ (۵) اس کے نتیجہ سے نکلے ہوئے علاقوں کو حق خود اختیاری دینے کا فلسطین، شام اور لبنان سے بیرونی اقتدار ہٹا کر

مطبوعات جدیدہ

اسلام میں غلامی کی حقیقت — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ غلامی پر اسلامی نقطہ نظر سے ایک محققانہ بحث ہے۔ قیمت عہ

تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام — از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مغربی تہذیب و تمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص متصوفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت ۔۔ ؏

اسلام کا اقتصادی نظام — از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے مقابلہ، قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ للعہ

نبی عربی صلعم — از مولانا زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ متوسط استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۔۔ ۔ عہ

فہم قرآن — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم و جدید نظریوں پر نہایت مبسوط و مکمل بحث ؏

غلامان اسلام — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ پچھتر سے زیادہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء و محدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات فضائل بڑی تحقیق و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ عہ

تاریخ انقلاب روس — از ایم ایم جوہر صاحب انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات، قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ عہ

اخلاق و فلسفہ اخلاق — از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی [illegible] یہ ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق، فلسفہ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قیمت ؏

وحی الٰہی — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان مسئلہ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ دلپذیر اور دلکش انداز میں بحث۔ قیمت ؏

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علیگڑھ

(باہتمام رضا خاں صاحب، جواہر خاں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی سے شائع کیا)

R.N.A.520

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۰

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار تعلیمی و اصلاحی اخبار

کانفرنس گزٹ علی گڑھ

تاریخ ہائے اشاعت
ہر ماہ عیسوی کی
یکم - ۸ - ۱۶ - ۲۴

قیمت فی پرچہ
ایک آنہ

قیمت اخبار
سالانہ - تین روپیے
ششماہی - دو روپیے
سہ ماہی - ایک روپیہ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر - میاں جلال الدین علی گیلانی بی اے (علیگ)

جلد (۱۴) | ۸ - نومبر سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۹ - ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۴۳)

نئی دہلی کا ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ حکومت کنیڈا نے یہ کہا ہے کہ اگر جہاز میسر آگئے تو ہندوستان کے موجودہ قحط کے ازالہ کے لئے کنیڈا ایک لاکھ ٹن گیہوں حکومت ہند کو دینے کے لئے تیار ہے۔

لارڈ ویول وائسرائے ہند نے وزیر اعظم کنیڈا کو ایک شکریہ کا پیام بھیجا ہے جس میں کہا ہے کہ آپ کی حکومت نے جس فیاضی و فراخدلی سے ایک لاکھ ٹن گیہوں دینے کی پیش کش کی ہے میں اس کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتا ہوں، اس ہمدردی کا ہندوستان پر بڑا اثر پڑے گا، کنیڈا کا یہ قدم اس خواہش کی علامت ہے کہ وہ ہر طرح ہندوستان کی مدد کرنا چاہتا ہے اور اسے ہندوستان کی فلاح و بہبود سے بڑی دلچسپی ہے۔

مسٹر ایمرے وزیر ہند نے پارلیمنٹ کے ایک تازہ اجلاس میں ایک طویل تقریر کے سلسلہ میں یہ کہا کہ آج کل جہازوں کے فراہم کرنے میں بڑی دقت پیش آرہی ہے، صورت حال یہ ہے کہ آسٹریلیا سے نصف مدت کے اندر ہندوستان میں گیہوں پہنچایا جا سکتا ہے لہذا اس کے لئے بہت کم جہاز درکار ہوں گے۔ کنیڈا سے جو پیش کش کی گئی ہے سردست اس کے بڑے حصہ کو ہندوستان پہنچانا ناممکن ہوگا، آسٹریلیا سے کافی مقدار میں گیہوں ہندوستان پہنچایا جا رہا ہے اور مزید جہازوں کا انتظام کر دیا ہے۔

حکومت ہند کا ایک اعلان مظہر ہے کہ نفع خوری اور ذخیرہ اندوزی کے انسداد کے آرڈیننس کا اطلاق ہوائی جہازوں اور موٹروں میں استعمال ہونے والے تیلوں اور دوسری قسم کے ایسے تیلوں پر نہ ہوگا جو زمین سے نکلتے ہیں۔

البتہ موم، موم بتیوں، بدیشی بوٹ پالش، چینی کے برتنوں، چھریوں اور کانٹوں پر آرڈیننس عائد ہوگا۔ اور ان چیزوں کی خوردہ تجارت کرنے والوں اور تھوک فروشوں اور ان کے درآمد کرنے والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اب بجائے ۱۵ نومبر کے یکم دسمبر تک اپنے اسٹاک کے اعداد و شمار پیش کریں۔

ہندوستان کے کمانڈر انچیف جنرل سر اکن لیک نے ایک پریس کانفرنس میں یہ بتایا کہ بنگال کے قحط کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج سے جو مدد لی جا رہی ہے اسی سلسلہ میں یہ انکشاف کیا کہ ایک انفنٹری جس میں سوار دستے بھی ہیں بنگال بھیج دی گئی ہے اور اس نے وہاں کام شروع کر دیا ہے۔

آپ نے بتایا کہ کلکتہ سے .. ویگن اناج روزانہ دیہات جا رہا ہے اور یہ امید ہے کہ جلد ہی دو ہزار ٹن روزانہ دیہات جایا کرے گا، فوج اناج کے انبار تقسیم کرنے میں مدد کر رہی ہے، فوج کو اس کام میں تین مہینہ تک مصروف رہنا پڑے گا، وہ اناج کو مہیا کرنے یا پالیسی کی ذمہ دار نہ ہوگی، البتہ اس کام میں حکومت بنگال کی امداد کرے گی۔

کمانڈر انچیف نے یہ بھی کہا کہ ہم آسام اور مشرقی بنگال کی سرحدوں پر جاپانیوں سے لڑ رہے ہیں فوجوں کی نقل و حرکت جاری ہے اور جاری رہنا چاہئے آپ نے یہ بھی بتایا کہ ہر علاقہ میں ہر سول افسر کے ساتھ ایک فوجی افسر رکھا جائیگا، فوج نہ صرف اناج کو لوٹنے سے روکے گی بلکہ اس کو آمد نے اور تقسیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ - نومبر ۱۹۴۳ء

مادری زبان اور غیر ملکی زبانیں

ایک ترقی یافتہ اور زندہ قوم کی جہاں اور بہت سی خصوصیتیں ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی مادری اور ملکی زبان اور لٹریچر کو عزیز رکھتی ہے اور ہمیشہ اُسے محفوظ رکھنے اور ترقی دینے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اُس کی مادری زبان میں کچھ خامیاں اور نقائص ہیں تو وہ اُن کی اصلاح کے لئے کوشش کرتی ہے لیکن یہ ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ ان نقائص کی وجہ سے وہ اپنی زبان کو نظر انداز کر کے کسی دوسری اصلاح یافتہ زبان کو اختیار کرلے اور اُسے اپنی ملکی زبان بنانے کی کوشش کرے کیونکہ ایسا کرنا درحقیقت اپنی مادری و ملکی زبان کی توہین ہے اور کوئی خوددار قوم جس میں ذرا بھی احساس و عصبیت ہے اس ننگ و عار کو گوارا نہیں کرسکتی۔

بے شبہ دوسری قوموں کی زبان و علوم سیکھنے کا رواج ہمیشہ سے ہے اس لئے ہر قوم جس میں علم و ہنر کا چرچا ہے دوسری قوموں کی زبان سیکھ کر اُن کے ادب و علوم سے فائدہ حاصل کرتی ہے لیکن اس کے یہ معنیٰ ہرگز نہیں ہیں کہ وہ غیر ملکی زبانوں کو اپنی مادری زبان پر ترجیح دیتی ہے یا انھیں اپنی زبان سے زیادہ محبوب و عزیز رکھتی ہے

اپنی مادری زبان کے علاوہ غیر ملکی زبانیں عموماً حسب ذیل وجوہ سے سیکھی جاتی ہیں،

(۱) علمی ذوق کی بنا پر یعنی اس مقصد سے کہ دوسری قوموں کی زبان میں جو علوم فنون ہیں وہ حاصل کئے جائیں اور اُن سے اپنی قوم کو باخبر کیا جائے چنانچہ مسلمانوں نے بھی اپنے دورِ ترقی کے آغاز میں مختلف زبانیں اسی مقصد سے سیکھیں اور اس میں کمال پیدا کیا تاکہ اُن کے ذریعہ سے دوسری قوموں کے علوم حاصل کئے جائیں اور اس کے بعد انھیں اپنی زبان میں منتقل کیا جائے، مسلمانوں کی یہ کوشش کامیاب ہوئی اور مختلف زبانوں کی کتابیں جن میں مشاہیر حکمائے یونان کی تصنیفات بھی داخل ہیں نہایت صحت و احتیاط کے ساتھ عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، اس طریقہ سے عربی کے علمی ذخیرہ میں منطق، فلسفہ، ہیئت، طب، تاریخ اور دوسرے مختلف علوم کا گراں قدر اضافہ ہوگیا اور اس زبان نے بہت وسعت و ترقی حاصل کی۔

اس دور کے بعد بھی دوسری قوموں کی زبانیں سیکھنے اور اُن کے علوم حاصل کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہا، جسکی بکثرت مثالیں موجود ہیں، مثلاً ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے بھی (جن کی مادری زبان عربی نہ تھی اور جن میں علم کی وہ طلب و تشنگی بھی نہ تھی جو اوائل عہد کے مسلمانوں میں تھی) اس طرف اچھی خاصی توجہ کی اور یہ اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ بہت سے علماء و فضلا نے ہندوستان کی مختلف زبانوں کے علاوہ سنسکرت جیسی مشکل زبان بھی سیکھی اور اس میں یہاں تک کمال پیدا کیا کہ بہت سی مشہور و معروف کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور مصر و ٹرکی وغیرہ کے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں یورپ کے مختلف ممالک میں جاکر وہاں کی زبانیں سیکھتے اور علوم جدیدہ حاصل کرتے ہیں، ان میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنی اپنی حکومتوں کی ترغیب و مالی امداد سے اس مقصد کے لئے جاتے ہیں کہ عہد جدید کے مفید و کارآمد علوم و فنون میں سے کوئی خاص فن مثلاً انجینیری، معدنیات یا صناعت وغیرہ کے متعلق تعلیم حاصل کر کے اپنے ملک کو ان معلومات سے عملی فائدہ پہنچائیں اور اس کے قدرتی وسائل کو کام میں لاکر دولت و ذرائع آمدنی کو ترقی دیں، چنانچہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے واپس آنے پر حکومت ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاتی ہے اور اُن کو حسب قابلیت مختلف کاموں پر مامور کردیتی ہے۔

ان لوگوں کے علاوہ بہت سے بہ صد شوق و صاحب استطاعت نوجوان ایسے بھی ہیں جو غیر ملکی زبانوں کے سیکھنے کے لئے یا کسی خاص علم و فن کے ذوق کی بنا پر اُس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے بطور خود یورپ کے مختلف ملکوں میں جاتے ہیں اور پھر وہاں سے واپس آکر ترجمہ یا مستقل تصانیف کے ذریعہ سے جدید معلومات و خیالات کو اپنی مادری زبان میں منتقل کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک مفید خدمت ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے اُن کی مادری زبان کے علمی و ادبی ذخیرہ میں اضافہ ہوتا ہے اور عوام کے لئے خود اُن کی زبان میں ایک مفید و پُراثر معلومات لٹریچر مہیا ہو جاتا ہے اور وہ اُس کے ذریعہ سے یورپ کی زبانوں سے ناآشنا ہونے پر بھی بہت سے جدید خیالات و تحقیقات سے ایک حد تک واقف ہو جاتے ہیں۔

ان واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری قوموں کی زبان و علوم سیکھنے کا سلسلہ زمانہ دراز سے چلا آرہا ہے اور زمانہ حال میں چونکہ آمد و رفت کے وسائل بہت ترقی کر گئے ہیں اور سفر کے متعلق دشواریاں بہت کم ہو گئی ہیں اس لئے دوسرے ممالک میں جاکر علم و فن حاصل کرنے کا شوق اب بہت بڑھ گیا ہے چنانچہ آج مشرقی دنیا کے ہزاروں طلبہ یورپ کے مختلف ممالک اور امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں جو وہاں کی تعلیم گاہوں میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق مختلف زبانیں سیکھنے یا علوم حاصل کرنے میں مصروف ہیں،

اسی طرح یورپ کے بہت سے علماء و سیاح مشرقی ممالک میں جاکر مختلف زبانیں سیکھتے اور علمی تحقیقات کرتے ہیں بلکہ بعض ارباب علم اس کام میں اپنی ساری عمر صرف کر دیتے ہیں، یہ اسی علمی شوق کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ میں مستشرقین کی ایک مستقل جماعت پیدا ہوگئی ہے جو ہمیشہ مشرقی زبانوں اور مشرقی علوم کی تحقیقات میں مصروف رہتی ہے۔

اس جماعت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے

اپنی عمر کا بڑا حصہ عربی زبان کے سیکھنے اور اس کے لٹریچر کی خدمت میں صرف کر دیا ہے کچھ ایسے ہیں جو فارسی زبان کے ماہر مانے جاتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے سنسکرت جیسی مشکل زبان کے سیکھنے میں اپنی عمر صرف کر دی ہے جو اب دنیا کے کسی حصہ میں بھی بطور ایک بول چال کی زبان کے رائج نہیں ہے۔

ان مستشرقین نے مختلف زبانوں کے سیکھنے پر ہی قناعت نہیں کی ہے بلکہ زبان سیکھنے کے بعد اس سلسلہ میں بہت سی مفید علمی خدمات بھی انجام دی ہیں، چنانچہ یہ اسی جماعت کی ہمت و محنت کا نتیجہ ہے کہ عربی و فارسی کی بہت سی قدیم و نادرالوجود کتابیں جو دنیا کے صرف چند مخصوص کتب خانوں میں محفوظ اور ارباب علم کی نگاہوں سے مخفی تھیں تلاش و جستجو کی بدولت منظر عام پر آئیں اور لاکھوں روپیہ خرچ کر کے نہایت صحت و اہتمام کے ساتھ شائع کی گئیں اور ہمارے علماء کو پہلی دفعہ یورپ کے ذریعہ سے اُن کی زیارت نصیب ہوئی۔

یورپ کی اس سعی و محنت اور تلاش و جستجو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے مشرقی علوم کی بہت کچھ خدمت کی ہے، اور اس مقصد کے لئے اپنا وقت بھی صرف کیا ہے اور دولت بھی لیکن اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ یورپ کی یہ خدمت صرف ایک علمی حیثیت رکھتی ہے، دنیا کی ہر ترقی یافتہ قوم میں غیر قوموں کے علوم و فنون حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے آج یورپ کے عروج و ترقی کا زمانہ ہے اس لئے یورپ کو بھی یہ شوق ہے کہ وہ اپنا علمی معیار بلند کرے اس لئے ہر شخص جس کو یہ موقع حاصل ہوتا ہے کسی نہ کسی علمی خدمت میں مصروف رہتا ہے لیکن اس وجہ سے ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ جو قومیں نہایت شوق و محنت شاقہ سے غیر ملکی زبانوں کے سیکھنے میں مصروف ہیں انھیں یہ زبانیں اپنی زبان سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کا یہ ذوق محض "علمی تحقیقات" کی غرض سے ہے ورنہ وہ اپنی زبان کو ساری دنیا کی زبانوں سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں اور اس کے مقابلہ میں کسی دوسری زبان کا رسوخ وہ اپنے ملک میں قطعاً جائز نہیں رکھتیں، چنانچہ آج یورپ کی وہ قومیں بھی جن کا رقبہ حکومت بہت مختصر اور مردم شماری بھی چند لاکھ نفوس سے زیادہ نہیں، اپنی زبان کی حفاظت و ترقی کا زبردست جذبہ رکھتی ہیں حالانکہ ان زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہیں ہے روس کی وسیع سلطنت کے مختلف حصوں میں متعدد زبانیں رائج ہیں، وہاں بھی اس کا اہتمام ہے کہ جو زبان ملک کے جس علاقہ میں رائج ہے وہ اس علاقہ کی مستقل زبان تسلیم کر کے ذریعۂ تعلیم قرار دی گئی ہے۔

آج ٹرکی اور مصر میں یورپ کی تقلید کا جذبہ کس قدر زبردست ہے، یہاں تک کہ روزمرہ کی معاشرت بھی مغربی سانچہ میں ڈھل گئی ہے لیکن باایں ہمہ جہاں تک زبان کا تعلق ہے ان میں سے کوئی قوم بھی یورپ کی کسی زبان کو اپنے ملک میں رائج کرنا یا اُس کے مقابلہ میں اپنی زبان کو ثانوی درجہ دینا جائز نہیں رکھتی، بلکہ ترکوں کی عصبیت تو اس معاملہ میں یہاں تک ترقی کر گئی ہے کہ وہ اپنے ملک کے در و دیوار پر غیر ملکی زبانوں کے سائن بورڈ دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے، غرض جہاں تک زبان کا تعلق ہے ہر ملک کی یہ حیثیت ہے کہ وہ صرف اپنی وطنی زبان کو عزیز رکھتا ہے اور ہمیشہ اسی کی ترقی و اشاعت کے لئے کوشش کرتا ہے اور خواہ اُس کی زبان میں کتنی ہی خامیاں ہوں اور اُس کا سرمایۂ علمی کتنا ہی محدود و مختصر ہو وہ غیر ملکی زبان کے مقابلہ میں اپنی زبان کو ترجیح دیتا ہے۔ البتہ ہندوستان کی حالت اس معاملہ میں دوسرے ممالک سے مختلف ہے جو ہم آئندہ چل کر عرض کریں گے۔

---

(۲) علمی مقاصد کے علاوہ کاروباری ضرورت سے بھی غیر ملکی زبانیں سیکھی جاتی ہیں، موجودہ زمانہ میں دنیا کی حالت بدل بدل گئی ہے نقل و حمل کے کثیر وسائل نے تجارت میں بہت سی سہولتیں پیدا کر دی ہیں، اس لئے جو چیز دنیا کے ایک ملک میں پیدا ہوتی یا تیار کی جاتی ہے وہ صرف اسی ملک تک محدود نہیں رہتی بلکہ ساری دنیا میں پھیل جاتی اور گھر گھر پہنچ جاتی ہے، اس کے علاوہ آمد و رفت کے غیر معمولی ذرائع نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دئے ہیں اور سیر و سفر کی ایسی سہولتیں پیدا کر دی ہیں جو پہلے کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں، ان حالات کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ لوگ تجارتی کاروبار اور سیر و سفر میں سہولت پیدا کرنے کے لئے دوسرے ملکوں کی زبان سیکھتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ پرانے زمانہ میں اس کی زیادہ ضرورت نہ تھی کیونکہ ہر قوم میں صرف ایک مختصر تعداد ایسے جوان ہمت و صبر آزما لوگوں کی ہوتی تھی جو تجارت یا سیاحت کی غرض سے دوسرے ملکوں میں جاتے تھے اس لئے قوم کے عام افراد کو جو سیاح یا تجارت پیشہ نہیں ہیں غیر ملکی زبانوں کے سیکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن موجودہ زمانہ میں اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ہر ملک میں خصوصاً یورپ میں ایسے ہزاروں لوگ موجود ہیں جو اپنی مادری زبان کے علاوہ ایک دو غیر ملکی زبانیں بھی جانتے ہیں جو حسب ضرورت کام چلانے کے لئے سیکھی جاتی ہیں، اور جن لوگوں کا تجارتی کاروبار جس ملک سے ہوتا ہے وہ عموماً اُس ملک کی زبان سیکھتے ہیں۔

(۳) کاروباری ضرورتوں کے علاوہ تبلیغی مقاصد کے لئے بھی غیر ملکی زبانیں سیکھی جاتی ہیں، چنانچہ موجودہ زمانہ میں مسیحی مشنریوں کی ایک بڑی جماعت جس کی تعداد اب لاکھوں تک پہنچ گئی ہے دنیا کی مختلف زبانوں میں مسیحی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کر رہی ہے اور اس جماعت کی کوشش سے دنیا کی سینکڑوں زبانوں میں انجیل کے تراجم شائع ہو چکے ہیں خود ہندوستان کی ہر زبان میں انجیل کا ترجمہ موجود ہے اور جو زبانیں کچھ بھی وسعت یا اہمیت رکھتی ہیں اُن میں پوری بائبل کا ترجمہ اور مسیحی مذہب کی تائید و حمایت میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں چنانچہ اردو زبان میں مسیحی مذہب کی حمایت میں مذہبی تالیفات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک دوسری زبانوں کے سیکھنے کا تعلق ہے مسیحی مشنریوں نے مذہبی جذبات کے تحت میں تبلیغ و اشاعت کا غیر معمولی کام انجام دیا ہے۔ انھوں نے بڑی محنت و کوشش سے دنیا کی سینکڑوں زبانیں سیکھیں اور پھر ان زبانوں میں مختلف اناجیل کا ترجمہ کیا، اور یہ ترجمے کروڑوں کی تعداد میں سارے مشرقی ملکوں میں پھیلا دئے۔ (باقی آئندہ)

کتب خانہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس
کی
چند نادر الوجود مخطوطات

(از مولوی عبدالحمید خاں صاحب مدیر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ)

(۲)

(۱۳) دیوان حافظ

سورت میں ایک مشہور امیر نواب غلام بابا خاں گزرے ہیں، جن کے نام میرزا غالب کے متعدد خطوط اردوئے معلیٰ اور عود ہندی میں موجود ہیں۔ یہ بے نظیر نسخہ انھیں کے کتاب خانہ کا ہے جو ۱۹۱۹ء میں مولوی انوار احمد زبیری مرحوم سفیر کانفرنس کو اُن کے زمانۂ قیام سورت میں نواب ممدوح کے پوتے نواب میر حفیظ الدین احمد خاں نے عطا کیا تھا۔ سرورق پر نواب میر غلام بابا خاں مرحوم سی' آئی' ای کی مہر ثبت ہے اور اُس سے اگلے صفحہ پر انوار احمد صاحب مرحوم کا لکھا ہوا یہ نوٹ ہے:

ایں نسخۂ نادر دیوان حافظ از کتاب خانہ نواب میر غلام بابا خاں مرحوم سی' آئی' ای' بہ اجازت نواب زادہ میر حفیظ الدین خاں صاحب گرفتم و داخل کتب خانہ سلطان جہاں منزل کردم
خاکسار انوار احمد زبیری مارہروی مقام سورت
۲۔ جنوری ۱۹۱۹ء

اس کے نیچے نواب میر حفیظ الدین احمد خاں نے یہ فقرہ لکھ دیا ہے:

"بپاس خاطر محبّی انوار احمد صاحب بخشیدم
عاصی سید حفیظ الدین احمد خاں"

دیوان کے آغاز میں وہی دیباچہ ہے جو اکثر مطبوعہ نسخوں میں پایا جاتا ہے۔ آخری صفحہ پر ایک جگہ عبارت بے جوڑ ہوگئی ہے، غالباً کاتب نے کچھ حصہ سہواً چھوڑ دیا۔

تقطیع متوسط، کاغذ سرخی مائل بادامی بہت دبیز، ہر صفحہ پر طلائی افشاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شائق امیر کے لئے لکھا گیا ہے۔ تمام جدولیں رنگین اور طلائی ہیں۔ خط نہایت نستعلیق ہے۔ ابتدا کے ۲ صفحوں پر کہیں کہیں روشنائی اُڑ گئی ہے بعض صفحات پر آب رسیدگی کے نشانات بھی ہیں، کہاں اور کب لکھا گیا اور کس نے لکھا، یہ کچھ پتہ نہ چلا۔ بہر حال نسخہ بہت قدیم اور نادر ہے۔

(۱۴) شرح قرآن السعدین

یہ حضرت امیر خسروؒ کی مشہور مثنوی قرآن السعدین کی نہایت بہترین شرح ہے۔ جو بعض احباب کی فرمائش سے حضرت شیخ نور الحق محدث دہلوی نے لکھی۔ یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے فرزند اکبر تھے۔ تیسیر القاری شرح صحیح بخاری کے سوا آپ کی اور تصانیف بھی ہیں جن میں سے ایک تحقیق الرویا عربی میں ہے، غیر مطبوعہ اور کمیاب ہے، اس کا ایک نسخہ خانقاہ مجددیہ سرہند شریف میں موجود ہے۔ حضرت شیخ نور الحق حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔ اور خرقۂ خلافت حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ سے لیا۔ مکتوبات امام ربانی (جلد سوم) میں "مکتوب صدم" انھیں کے نام ہے۔

اس شرح کو اول سے آخر تک حضرت شیخ عبدالحقؒ نے ملاحظہ فرما کر جا بجا جو کمی رہ گئی ہوگی اُسے پورا کرایا ہے، خود فرماتے ہیں:

"القصہ نا بر پور قبول . آں ادب آموز نکتہ سنج مزین نگردید، بہ نظر اهتماد نہ سنجیدم و بہ لحتہ اعتبار ندانستم، و بر بسیارے از لطائف کہ از کوتہی اندیشہ بداں نرسیدہ بودم آں نوزداں کل آگہی سواد"

اس کی تکمیل کی تاریخ حضرت نے خود تحریر فرمائی ہے:

شکر شد کہ بانجام رسید ۔ شرح ابیات قرآن السعدین
مشرقی از پئے تاریخ تمام ۔ برۂ لعبید فنی ۔ بہ عین
چشم عیب از زماں بردار ۔ ہیشود شرح قرآن السعدین

شرح قرآن السعدین کے اعداد ۱۰۹۴ ہوتے ہیں، ان میں سے ع کے ۷۰ نکال دینے کے بعد ۱۰۲۴ رہتے ہیں۔

کاتب کے نام اور سنہ کتابت کا کہیں ذکر نہیں۔ تقطیع درمیانی ہے، کاغذ حنائی، خط صاف اور پختہ، کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔ بڑا نادر اور قیمتی نسخہ ہے۔

(۱۵) یوسف زلیخائے جامیؒ

ولایتی کاغذ پر ایرانی خط میں لکھا ہوا نہایت خوشخط اور صاف ستھرا نسخہ ہے۔ اول اور آخر کے کچھ ورق غائب ہیں۔ بہت قدیم لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

(۱۶) منطق الطیر

اس مجموعہ کے متن میں تو حضرت شیخ فریدالدین عطار کی مشہور مثنوی منطق الطیر ہے، اور حاشیہ پر پند نامہ، کاغذ و کتابت معمولی ہے۔

(۱۷) نمبر ۴۵ (مندرجہ فہرست)

یہ مدائن قصص و مباحث کا مختصر سا رسالہ ہے مصنف، کاتب، نام، سنہ کا۔ اندراج نہیں ہے، نہ اجزا ہیں۔

(۱۸) نمبر ۱۲ (مندرجہ فہرست)

اس رسالہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ نہ یہ کہ کس نے کب لکھا، زیادہ تر انبیا علیہم السّلام کے حالات اور عجائبات خلق مذکور ہیں۔

(۱۹) تفسیر حسینی

اس کی دونوں جلدیں خط نسخ ہیں، آیات سرخی سے لکھی گئی ہیں، اور ترجمہ سیاہی سے، پہلی جلد سولھویں پارہ تک ہے، دوسری قل اعوذ برب الناس تک، سب سے اخیر کا ایک صفحہ غائب ہے، اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا، تقطیع بڑی ہے، کاغذ حنائی چکنا اور مضبوط،

(۲۰) المعتمد فی المعتقد

یہ کتاب ابوبکر سعد زنگی والی شیراز (۶۲۸ تا ۶۲۳) کے دربار کی تصنیف ہے۔ مصنف نے اُس دور کے مسلمانوں کی ضعیف الایمانی اور اسلامیات کی طرف سے غفلت ولاپروائی کا شکوہ کرتے ہوئے ایسی کتابوں کی ضرورت پر زور دیا ہے جن میں تمام ضروری اعتقادی مسائل صاف اور آسان زبان میں لکھے گئے ہوں۔

ابوبکر سعد زنگی کے نام پر معنون کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے:

"تا وقع آں در دلہائے عوام افزوں تر باشد، و خطر آں در دیدہ ہا، بحکم تقلید، بزرگ تر، ازیں وجہ آں را بہ ذکر بندۂ برگزیدۂ خدا بہ پادشاہی نصیبہ صالحہ ملوک و سلاطین اسلام، بادشاہ نباز متدین،

ترحم دل، درویش نواز، سلطان سلطان اتابک ابوبکر سعد زنگی کہ ہموارہ بہ نظر وکنف خدائے ماد معنون گردانید''

سرورق پر مصنف کا نام امام نورشتی یا نورشتی لکھا ہوا ہے۔ کتاب میں تین باب ہیں، اور ہر باب میں دس فصلیں۔

باب اوّل۔ در ایمان بخدائے عزوجل،

باب دوم۔ در ایمان بہ فرشتگان و کتابہا و پیغمبران

باب سوم۔ در مسائل اعتقادی بر موجب کتاب و سنت و اجماع امت۔

مسائل آسان اور مدلل عبارتوں میں لکھے ہیں، اس نوعیت کی کتابیں بہت کم دیکھنے میں آئیں کس سنہ میں لکھی گئی اس کا پتہ نہیں چلا۔ خط صاف اور عمدہ ہے۔ صفحات کی تعداد ۲۴۴ ہے۔

(۲۱) مظہر الحق فی اباحۃ السماع

یہ رسالہ کمال حسینی خزینی کی تصنیف ہے جو سید السادات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے معتقدین میں سے تھے۔ ناواقف لوگوں کو روایات اور اصطلاحات فقرا کے رد و انکار سے بچانے کے لئے لکھا گیا ہے۔ خط پختہ و نستعلیق ہے آخری چند صفحے ضائع ہو گئے ہیں، اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا۔

(۲۲) کلیات حزیں

اس مجموعہ میں پہلے قصائد ہیں پھر بہ ترتیب اسید غزلیات، غزلوں کے بعد رباعیات و قطعات ہیں۔ سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چل سکا۔ بظاہر بہت زمانہ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ شروع کے صفحوں پر خود شیخ حزیں کا مولفہ دیباچہ ہے۔ کاغذ ولایتی ہے۔ کھرا سفید، خط نستعلیق۔

(۲۳) نزہتہ الارواح

مصنفہ رکن الدین حسین ابن عالم بن ابو الحسن حسینی، تصوف و سلوک میں ہے۔ ۲۸ فصلیں ہیں جن میں مبدا سلوک، معرفت سلوک، مقامات سلوک، نصیحت سالک، ہدایت خلقت، وحدت اور نفس وغیرہ کے مباحث ہیں۔

عبارتیں مغلق اور موٹے موٹے لغات سے بھری ہوئی ہیں۔ آخری صفحہ کی تھوڑی عبارت ملاحظہ ہو "مصنف این بدایع لطایف، و مولف این غرائب و ظرایف، فقیر حقیر حسین بن عالم بن ابی الحسن الحسینی ۔ ۔ ۔ کہ این غرائب ابکار یعنی نفائس افکار ۔ ۔ ۔ این ضعیف اند، بعد از آن کہ از مستہ مستقر فطرت مستو دع خلقت نزول کردہ اند، از کمال طراوت و نہایت لطافت بغایتے رسید کہ صباحت در شہور سنہ احد عشر و سبعمائۃ (۷۱۱) بساط نشاط فکر بر بساط ابن بساط گوش و گردن ہر یک را بر یور فصاحت و بلاغت مفرط موشح ساخت"

عبارت مذکورہ میں سنہ تصنیف ۷۱۱ بتایا گیا ہے۔ کتاب دبیز بادامی کاغذ پر ہے۔ تقطیع متوسط اور خط معمولی ہے۔ آخر سے چند صفحات غائب ہیں۔

(۲۴) الجمعات الشاہیتہ جلد ششم

اس کتاب میں نویں صدی کے ایک برہانی رفاعی بزرگ سید محمد بن عبداللہ مخاطب بہ شاہ عالم کے ہفتہ وار صحبتوں کے حالات اور افادات کو کسی معتقد نے جو اپنے آپ کو "جامع کنوز محمدیہ" "جامع ملفوظ مبارک" اور "جامع ملفوظات محمدیہ" کے لقب سے یاد کرتا ہے، جمع کیا ہے۔ زیر نظر حصہ یکم محرم ۸۸۶ھ روز جمعہ کے مذاکرہ سے شروع ہو کر ۲۰ ذی الحجہ سنہ مذکور کے جمعہ پر ختم ہوا ہے۔

ہر جمعہ کی صحبت میں شیخ برہان الدین ملقب بہ میاں مخدوم، قاری حاجی اور جامع کنوز محمدیہ کا ذکر ضرور آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بالالتزام حاضر مجلس رہا کرتے تھے۔ کہیں کہیں خواجہ کریم الدین اور شیخ فرید بن دولت شاہ کا بھی ذکر ہے۔ ایک جمعہ کی مجلس میں باشندگان احمد آباد کے ہجوم کا ذکر بھی ہے۔ اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ یہ صحبتیں احمد آباد میں ہوا کرتی تھیں۔

اس حصہ میں برہانی (غالباً منسوب بہ قطب عالم سید برہان الدین) کے خاندان کے مختلف شاخوں کے ۴۴ شجرے درج ہیں۔ اور چند رسالے جبا وغیرہ کے متعلق ہیں۔

حضرت قطب عالم کے متعلق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اخبار الاخیار (مجتبائی) کے صفحہ ۱۶۸ پر لکھتے ہیں حضرت قطب عالم نبیرہ مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری ست، از وطن اصلی خود بہ گجرات رفتہ توطن اختیار کردہ، نام او سید برہان الدین ست و مشہور در زبان خلائق آں دیار بہ قطب عالم ست، روضہ او سہ کروہی از احمد آباد ست، وفات او ہشتم ذی حجہ سنہ سبع و خمسین و ثمان مائۃ است"

وقت کی تنگی کے باعث کتاب کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقعہ نہ ملا۔ جستہ جستہ جن عنوانوں پر نظر پڑی ان میں سے چند یہ ہیں:۔

حقیقت فکر، اثبات رویتہ ملائکہ، قلب سلیم، روز قیامت، مناقب صحابہ کرام، صبر، شکر، مراقبہ، عبودیت، استقامت، فراست، فتیت، حقوق والدین۔

ان میں سے ہر ایک پر حضرت شاہ عالم کے ارشادات بڑے عالمانہ اور محققانہ ہیں۔ جامع کتاب ہر موقع پر جن القاب اور جس ادب و احترام سے ان کا نام لیتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موصوف بڑے بلند پایہ عالم اور بڑے عالی مرتبہ صوفی تھے۔ اور خواص و عوام سب ان کا انتہائی ادب کرتے تھے۔

فرصت سے بغور مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب میں ایسے مسائل ملیں گے جن کو زوائد سے الگ کر کے اگر یک جا کر دیا جائے تو تصوف سے ذوق رکھنے والوں کے لئے بہت مفید اور دلچسپ ثابت ہوں گے۔

کتاب میں نہ کہیں جامع کا نام ملا نہ کاتب کا، نہ سنہ کتابت، البتہ سرورق پر ان اصحاب کے نام مع سنین۔ کے درج ہیں جن کے قبضہ میں نسخہ رہ چکا ہے۔

۱۔ من نعم اللہ علی عبدہ ابن شیخ بہاء الدین۔

۲۔ مالک لملوک اہل بیت النبوی ابو الحسن الحسینی نقشبندی مہر میں ہے۔ خادم درگاہ ابو الحسن دیوان ۱۱۷۲ھ خادم ابو الحسن درگاہ دیوان

۳۔ رسالہ ہائے حضرت شاہیتہ از کتاب خانہ نواب نیک عالم خاں، خواجہ عباد اللہ ہدیہ گرفتہ در ہراج تاریخ غرہ جمادی الاول ۱۱۸۵ھ،

۴۔ این رسالہ جمعات شاہیہ جلد ششم از خواجہ عباد اللہ، تا بیا الحال فقیر حقیر حسین الدین حسینی تاریخ غرہ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ ... فقیر حسین ...

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

کا سالانہ

ترپنواں اجلاس بمقام جبل پور سی پی

انجمن اسلامیہ جبل پور کی دعوت پر مجلس عاملہ "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" نے یہ طے کیا ہے کہ ماہ اپریل ۱۹۸۰ء کی تعطیلات ایسٹر میں کانفرنس کا انعقاد جبل پور میں کیا جائے۔

کانفرنس کے اغراض و مقاصد

سر سید احمد خاں نے علی گڑھ تحریک اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھنے کے بعد ۱۸۸۶ء میں کانفرنس مذکور کا پہلا اجلاس منعقد کیا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد مسلمانان ہند کی قومی پراگندگی تباہی و بربادی کا یہ عالم تھا کہ بقول سر سید "عمر تو میں بھی آنسو بہانی تھیں"۔ قوت اسلامیہ کے تمام رشتے ٹوٹ چکے تھے۔ قومی یگانگت و ہمدردی کے احساسات عام تباہی کے سیلاب میں بہہ چکے تھے۔ جغرافیائی اور ذہنی اجتماعی و اخلاقی ہر اعتبار سے شیرازہ ملت بکھر چکا تھا انتشار اور پراگندگی کی اس قیامت خیز پریشانی میں کوئی کسی کا پوچھنے والا نہ تھا نفسی نفسی کا عالم تھا۔ قومیت اسلامیہ ہند کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور مسلمانوں کی ملت ہلاکت میں پڑی دم توڑ رہی تھی۔ ان مایوس کن حالات میں سر سید نے اس کانفرنس کے نام سے پہلی اجتماعی تنظیم و تحریک جاری کی۔ یہی زبردست اصلاحی تحریک تھی جس نے مسلمانوں کو زمانہ کے انقلابی خطرات اور نشیب و فراز سے بچاتے ہوئے تعلیم و ترقی اور تعمیر قومیت کی راہ جدید پر لگایا۔ ملت اسلامیہ کے تن افسردہ میں جان ڈال دی اور مسلمانوں کے اندر ذہنی اور جماعتی حیثیت سے ایک نئی روح پھونک دی۔

تعلیم کی اہمیت

تعلیم کی اہمیت و ضرورت پر تفصیلی بحث کرنا ضروری نہیں اس کے فوائد اظہر من الشمس ہیں۔ رفتار زمانہ نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ کوئی قوم صفحۂ ہستی پر علم سے تہی دست ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ دنیا میں باعزت اور خوددارانہ زندگی بسر کرنے کا حق صرف اسی قوم کو حاصل ہے جو دولت علم و عمل سے مالا مال ہو۔

مسلمانان سی پی کی تعلیمی ضروریات

مسلمانان سی پی پر عام تعلیمی پستی مسلط ہے ہم کو ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جس کی بنیاد اسلامیات پر ہو۔ ایسے نظام کی تشکیل میں ہماری معاشی ضروریات کا لحاظ رکھنا بھی لازمی ہے۔ یہ نظام ایسا ہو کہ ہندوستانی قومیت سے برسر پیکار رہ کر مسلمانوں کی تہذیب و شریعت زبان اور رسم الخط و امات اور تمدن کی کامل گارنٹی ہو سکے جس سے روحی کلچر کی آزادی اسلامی قومیت کی آزادی ہے۔ اس اصولی مطمح نظر کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے مسائل ہیں جو زمانۂ جدید کی تحریکات یعنی جمہوریت اشتراکیت مادیت سوراج گاندھیت اور آزادی کے تذکرے ہمارے لئے پر از انقلابی حالات پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے مدارس عربیہ کی اصلاح و ترقی کا مسئلہ ہے انگریزی مدارس میں دینیات کی تعلیم کا فقدان مسلمانوں کی ساری زندگی اس کی تمام سیاسیات ان کی معاشیات ان کی اخلاقیات اور سارے معاملات کو بے رونق بنا رہا ہے ان کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کے لئے ذرائع مفقود ہیں اس کے علاوہ مختلف شعبہ جات تعلیم فنون حرفت صحافت اور پریس میڈیکل طب یونانی تجارتی ٹریننگ زراعت انجنیری قانون صنعت حرفت زراعت اور تجارت کے لئے مسلمانوں کو صحیح ذرائع کی فراہمی کی اشد ضرورت ہے۔

کانفرنس کے بنیادی مقاصد

۱۔ مسلمانوں میں یورپین علوم و فنون اور اعلیٰ جدید تعلیم کی اشاعت کرنا۔

۲۔ انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور کلچرل ضروریات و روایات کو پورا کرنے کی تدابیر اختیار کرنا۔

۳۔ علوم مشرقی و اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم کی حفاظت و ترقی کی کوشش کرنا۔

۴۔ قدیم مکتب سسٹم کی اصلاح ترقی و حفاظت کی کوشش کرنا اور ان کے ذریعہ عام ابتدائی تعلیم کی ترویج کرنا

۵۔ قرآنی اسکولوں کی حفاظت و ترقی اور قرآن پاک کے حفظ کرنے کے طریقے جس میں تنزل ہو گیا ہے تجدید کرنا

کانفرنس کی تعمیری خدمات

کانفرنس مذکور نے یوپی میں مسٹن اسکیم اور بنگال میں جو مدرسہ اسکیم کو ترقی دی ہے۔ اس کانفرنس نے اجلاسوں کے ذریعہ ہر صوبہ کے مسلمانوں میں عام بیداری پیدا کر دی ہے چنانچہ کانفرنس کی تحریک سے جا بجا مکاتب اور اسکول قائم ہو گئے ہیں۔ تعلیمی انجمنیں اور لوکل کمیٹیاں وجود میں آگئی ہیں اور ہر صوبہ کے مسلمانوں کی تعلیمی مشکلات کے مطابق ماہرین فن کے مشورہ سے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے بہت سے مطالبات حکومت سے کئے گئے ہیں اور اس ضمن میں اطمینان بخش کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ پھر کانفرنس نے اپنے مفید لٹریچر مضامین مقالات رسائل و اخبارات کے ذریعہ سے لوگوں کو تعلیم کی ترغیب دی ہے۔ کانفرنس کا مقصد ضرورت مند تعلیمی اداروں کو مالی امداد بہم پہنچانا بھی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے طول و عرض میں کثیر التعداد اسکول اور مدارس مالی امداد حاصل کر رہے ہیں اس کے علاوہ غریب طالب علموں اور طالبات کی تعلیم میں صنعتی، طبی و معاشی تعلیم حاصل کرنے کے لئے امداد دی جا رہی ہے۔

اپیل

ہم مسلمانان صوبہ سی پی کی خوش قسمتی ہے کہ ایسے نازک دور میں جبکہ اقوام کی قسمتوں کے فیصلے جولی قلم سے لکھے جا رہے ہیں "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" ہماری مشکلات حل کرنے کے لئے تیار ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مسلمانان سی پی اپنی خدمات پیش کرنے میں دریغ نہ کریں گے اور کانفرنس کو کامیاب بنانے میں ہماری پوری پوری مدد کریں گے۔ کانفرنس مذکور ۱۹۱۶ء میں ناگپور میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس صوبہ میں اور خصوصاً جبل پور میں یہ پہلا موقع ہے کہ کانفرنس کا انعقاد ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس شہر میں آج تک کسی آل انڈیا جماعت کا جلسہ نہیں ہوا۔ اس کی اہمیت کو کسی صورت سے بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اس کی کامیابی کے ساتھ ہماری تعلیمی فلاح منسلک ہے۔ ظاہر ہے کہ انعقاد کانفرنس کے سلسلہ میں مصارف کثیر کا مسئلہ درپیش ہونا لازمی ہے۔ اس لئے ہماری گزارش ہے کہ مسلمانان صوبہ ہماری پوری مدد کریں گے

(خان صاحب) محمد عبدالستار بی اے، ایل ایل بی
ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر (ریٹائرڈ) صدر مجلس استقبالیہ

سید حمید الہادی جنرل سکریٹری
مجلس استقبالیہ

ترکی اور شرکت جنگ

انقرہ سے ترکی کی نیوز ایجنسی نے مندرجہ ذیل سرکاری بیان شائع کیا ہے۔

قاہرہ میں ترکی کے وزیر خارجہ موسیوم اوغلو اور برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر ایڈن کے درمیان ملاقات ہوئی جس میں ماسکو کانفرنس کے نتیجوں کی روشنی میں عام صورت حالات پر تبادلۂ خیالات کیا گیا۔ دونوں وزیروں کے درمیان باہمی دوستی اور اتحاد کی اسپرٹ میں ہوئی جو دونوں ملکوں کے درمیان قائم ہے۔

ترکی کا سرکاری ترجمان ابن صادق اخبار "الاہتمام" میں لکھتا ہے کہ قاہرہ میں مسٹر ایڈن اور موسیو اوغلو کے درمیان ملاقات کی صرف ایک ہی وجہ تھی اور وہ یہ کہ برطانیہ ترکی کو ماسکو کانفرنس کے فیصلوں سے مطلع کرنا چاہتا تھا۔ موسیو صادق اکثر ترکی کے دفتر خارجہ کی رائے کا اظہار کیا کرتے ہیں۔

قاہرہ کی کانفرنس اور اس قسم کی خبروں کے بارہ میں کہ ترکی کو لڑائی میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی ہے استنبول کے سب اخباروں نے بالاتفاق یہ رائے دی ہے کہ ترکی کو جلد بازی کے ساتھ کوئی فیصلہ کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اخبار "وطن" لکھتا ہے کہ ہم اپنی قسمت کے آپ مالک ہیں اور ہم اپنی اس ملکیت کو دوسرے کے سپرد نہیں کر سکتے۔ جو بھی فیصلہ کیا جائے وہ ہماری مرضی اور تجربہ پر مبنی ہوگا۔ "زمانہ" "تصویر افکار" اس خیال کی تردید کرتا ہے کہ ترکی کی رائے عامہ جنگ میں شامل ہونے کے حق میں نہیں ہے۔ ہم بارہا یہ بات کہہ چکے ہیں کہ تہذیب و انسانیت کی فتح چاہتے ہیں بلا وجہ جنگ میں شامل ہونے کا مطلب تباہی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

صوبہ متحدہ میں اناج کے راشن کی مخالفت

لکھنؤ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ گورنر صاحب صوبہ متحدہ کے مشیر مسٹر اے ڈبلیو آئین نے کونسل ہاؤس میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ حکومت یو پی کے نمائندوں نے فوڈ کانفرنس میں یہ مطالبہ کیوں کیا تھا کہ یو پی کے بڑے بڑے شہروں کی ۱۰ فی صدی غریب آبادی کو سستا اناج مہیا کرنے کی موجودہ اسکیم پر عملدرآمد جاری رکھنے کی اجازت دیدی جائے۔

آپ نے کہا کہ بمبئی جیسے جزیرہ نما شہر میں اناج کا راشن کرنا آسان ہے لیکن یو پی میں پوزیشن اس سے مختلف ہے۔ یو پی میں راشن کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ شہروں میں دیہات سے اناج کی جو گاڑیاں آئیں گی ان کو پکڑ لیا جائے گا اور حکام ان کا اناج اپنے قبضہ میں کر لیں گے اور پھر اس کو شہر میں تقسیم کریں گے جس کا نتیجہ نکلے گا کہ دیہات سے شہروں میں اناج آنا بند ہو جائے گا اور صوبہ کی تجارت اور اقتصادی پوزیشن کو بھاری نقصان پہنچے گا۔ اگر ہم نے شہروں میں ایک پونڈ فی کس راشن مقرر کیا تو شہروں میں اس سے زیادہ کھپت ہوگی جتنی کہ اس وقت ہو رہی ہے۔ یو پی کے متوسط الحال طبقہ کے لوگوں کی بود و باش شہروں میں بھی ہے اور دیہات میں بھی اور انہیں اس سے کوئی روک نہیں سکتا کہ وہ اپنی شکم پُری شہر سے باہر کریں اور وہاں سے اناج شہر میں لائیں۔ سخت کنٹرول کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ پھر چھپا کر اناج رکھنے لگیں گے۔

حکومت یو پی کی یہ پالیسی ہے کہ وہ ایک معقول حد تک اناج کو سستا کر دے کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اناج اس وقت بہت گراں ہے۔

پنجاب میں اناج پر کنٹرول کی مخالفت

لاہور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ پنجاب اسمبلی میں ایک غیر سرکاری رزولیوشن کے ذریعے اس امر کا اظہار کیا گیا کہ پنجاب گیہوں کی قیمت پر کنٹرول کا قطعی مخالف ہے۔ اس کے متعلق سردار لال سنگھ نے ایک رزولیوشن پیش کیا جس میں حکومت پنجاب سے یہ سفارش کی گئی کہ وہ حکومت ہند کو مطلع کر دے کہ اگر گیہوں کی قیمت پر کنٹرول کرنے کی کوشش کی گئی تو سارے پنجاب کے زراعت پیشہ طبقوں میں سخت ناراضامندی و ناخوشی پھیل جائے گی۔

وزیر اعظم ملک خضر حیات خاں ٹوانہ نے اپنی تقریر میں اس الزام کی پرزور تردید کی کہ حکومت پنجاب زمینداروں کو اناج جمع کرنے کا مشورہ دے رہی ہے، آپ نے اعداد و شمار پیش کر کے بتایا کہ پنجاب مقررہ کوٹہ سے کہیں زیادہ اناج دیگر صوبوں خصوصاً بنگال کو سپلائی کر رہا ہے۔ وزیر اعظم نے ان تقریروں پر بھی سخت اعتراض کیا جو "ہاؤس آف لارڈز" میں کی گئی تھیں اور یہ کہا کہ اس قسم کی تقریریں غلط اطلاعات پر مبنی ہیں۔

قیمت پر کنٹرول کا ذکر کرتے ہوئے ملک خضر حیات خاں نے یہ فرمایا کہ جب تک دوسری چیزوں کی قیمتیں کم نہ کی جائیں، اس وقت تک اناج کی قیمت پر کنٹرول کرنا حق بجانب نہیں ہے نہ قابل عمل ہے۔

سردار سنتوکھ سنگھ لیڈر مخالف پارٹی نے جو تجارتی اور غیر زرعی طبقہ کی نمائندگی کر رہے تھے رزولیوشن کی پرزور حمایت کی اور کہا کہ اناج کی قیمت پر کنٹرول ضروری نہیں ہے، مسٹر لیم ابرٹش (پریسیڈنٹ یوروپین ایسوسی ایشن) نے کہا کہ پنجاب میں اس معاملہ میں زبردست جذبہ پایا جاتا ہے کہ مرکزی حکومت کا رویہ کسانوں کے خلاف ہے۔

مسٹر بھاسنگھ اور سردار سوہن سنگھ جوش (کمیونسٹ) صرف دو ممبر ایسے تھے جنہوں نے کنٹرول کی حمایت و تائید کی۔

ابتدائی تعلیم

ہمعصر مدینہ مندرجہ بالا عنوان سے رقمطراز ہے کہ ہندوستان کی میونسپلٹیوں اور کارپوریشنوں کے فرائض میں پرائمری یا ابتدائی تعلیم شامل ہے۔ ابتدائی تعلیم کیا ہے؟ ابتدائی تعلیم کچھ ہی ہو لیکن بحقیقت ہے کہ کسی میونسپلٹی یا کارپوریشن کے نزدیک مذہبی تعلیم سے ابتدائی تعلیم کا کوئی تعلق نہیں حتیٰ کہ وہ تعلیمی ادارے جن کے یہاں جزوی طور پر بھی مذہبی تعلیم شامل ہو میونسپل فنڈ سے کسی امداد کی توقع نہیں کر سکتے۔ یہ صحیح ہے کہ میونسپل فنڈ ابتدائی یا پرائمری تعلیم کے علاوہ کسی اور تعلیم پر صرف نہیں کیا جا سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کا دائرہ اسی نصاب تک کیوں محدود سمجھ لیا جائے جو صرف حکومت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو؟ اب تک میونسپل فنڈ اسی طرح صرف ہو رہا ہے اور میونسپل بورڈ منشائے قانون یہی سمجھتے ہیں مگر حال ہی میں معاصر ہلال بمبئی نے اس مسئلہ کو ایک اور نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے۔ معاصر موصوف رقمطراز ہے:-

[illegible] "[illegible]" سے نکلا ہے جس [illegible] ابتدا۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے [illegible] سے "پرائمر" بنایا گیا ہے اور "پرائمری" درجہ وہ کہلاتا ہے جس میں "پرائمر" پڑھائی جاتی ہے۔ آجکل "پرائمری" ابتدائی کتاب کو کہتے ہیں جیسا روس میں پہلی کتاب یا قاعدہ کہا جاتا ہے "پرائمری ایجوکیشن" یعنی ابتدائی تعلیم وہ ہوتی ہے جس میں بالکل ابتدائی کتابیں بالخصوص پرائمر پڑھائی جاتی ہیں۔

"اب اگر تعلیم کی گزشتہ تاریخ پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ پرائمر کا تصور ہی مذہبی تعلیم سے پیدا ہوا ہے جس کتاب کو سب سے پہلے پرائمر کا نام دیا گیا وہ رومن کیتھولک مذہب کی چند دعاؤں کا مجموعہ تھا جو بچوں کے لئے عیسائیت کے روحانی پیشواؤں نے تیار کرایا تھا۔ اس پرائمر پر رومن کیتھولک چرچ کی مہر تصدیق ثبت ہوئی اور اس کتاب کا نام پرائمر بھی رومن کیتھولک چرچ کے ارباب حل وعقد نے ہی رکھا۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ پرائمر کے معنی اول کے تھے اور عیسائی پادری اس چھوٹی سی کتاب کو اہمیت کے اعتبار سے درجہ اول کی کتاب سمجھتے تھے۔ دوسرے معنی پرائمر کے ابتدائی کتاب کے ہیں۔ پادریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ تعلیم کی ابتدا میں ہی یہ دعائیہ کتاب پڑھائی جائے۔ غرض کہ کئی صدیوں تک یہ پرائمر ایک خالص مذہبی کتاب رہی جو بچوں کے لئے مخصوص تھی اور تعلیم کی ابتدا اسی سے کی جاتی تھی۔

"اس کے بعد اس میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں شروع ہوئیں اور پہلے تو غیر مستند دعائیں شامل ہوئیں اور پھر بعض ایسے حصے بھی شامل ہونے لگے جو خالص مذہبی کتب سے ماخوذ نہیں تھے مثلاً حروف تہجی اور ان کے جوڑ توڑ وغیرہ۔

"یہ پرائمر یعنی ابتدائی تعلیم کی کتاب کئی صدیوں کے بعد آہستہ آہستہ تبدیل ہونی شروع ہوئی۔ ابتدا میں غیر مذہبی حصے برائے نام داخل کئے گئے پھر زیادہ حصے ایسے شامل ہوئے یہاں تک کہ مذہبی حصے کم ہوتے ہوتے اب بالکل نکل گئے۔ اس طرح نام تو وہی رہ گیا جو پادریوں نے دیا تھا مگر اس میں سے مذہبی دعائیں بالکل خارج ہوگئیں۔ یہ تبدیلی صدیوں میں ہوئی ہے۔ ہنری ہشتم اور ملکہ ایلزبتھ نے اپنے عہد میں پرائمر کے مذہبی رنگ کو قائم رکھا تھا۔ دراصل اس کتاب کی تکمیل انیسویں صدی میں ہوئی ہے تقریباً چودہ سو برس تک پرائمر ایک مذہبی کتاب تھی اور پرائمری تعلیم کے لئے جزو لاینفک سمجھی جاتی تھی۔"

معاصر ہلال کے پیش کردہ وجوہ کے پیش نظر کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میونسپلٹیاں اور کارپوریشن ان تعلیمی اداروں کو مدد دینا شروع کردیں جو ابتدائی تعلیم مذہبی ابتدائی کتابوں کی مدد سے دیتے ہیں۔ اگر حکومت اعتراض کرے تو پھر اس کو مذکورہ بالا وجوہ کے پیش نظر جواب دیا جا سکتا ہے اور دیکھا جائے کہ وہ کن معقول وجوہ کی بنا پر مذہبی ابتدائی تعلیم کی امداد کو ممنوع قرار دیتی ہے۔ یہ ہم نے صرف اس لئے عرض کیا ہے کہ اس طریقہ کو اختیار کرکے ہم اس وقت تک کے لئے جب تک کہ تعلیمی نصاب از سر نو مقرر ہو یا تعلیمی پالیسی میں تبدیلیاں عمل میں آئیں موجودہ قانون ہی کی مدد سے مذہبی تعلیم کی اشاعت کی کوشش کرسکتے ہیں۔

مسلم ینگ کلب

مسلم ینگ کلب کا ایک غیر معمولی جلسہ زیر صدارت جناب سید احمد علی صاحب نائب صدر بتاریخ ۹ر نومبر ۱۹۴۳ء منعقد ہوا۔ جلسہ کی ابتدا تلاوت کلام پاک سے ہوئی۔ راؤ عبد الرشید خاں صاحب نے جلسہ تقسیم انعامات واسناد کی تحریک کی۔ موصوف نے فرمایا کہ موجودہ گرانی نے ممبران کلب کی پریشانیوں میں ضرور اضافہ کردیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنی بہترین روایات کو بھی ترک کردیا جائے۔ اراکین میں سے کسی شخص نے بھی مخالفت نہیں کی۔ اس کے بعد سید احمد علی صاحب صدر جلسہ نے مختلف خدمات کے لئے منتخبہ اراکین کو محسور کیا۔ اظہار الدین قریشی صاحب نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ صدر جلسہ نے اپنی مصروفیات کے باوجود جس تندہی سے کام کیا ہے وہ قابل تحسین وتقلید ہے اور فرمایا کہ ہر رکن کو موصوف کی مثال کو سامنے رکھ کر کلب کے مشاغل میں حصہ لینا چاہئے۔ جلسہ بخیر وخوبی ۹½ بجے شب کو برخاست ہوا۔

محمد مشتاق معتمد اعزازی

"مطبوعات جدیدہ"

اسلام میں غلامی کی حقیقت } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ مدیر برہان، غلامی پر اسلامی نقطۂ نظر سے ایک محققانہ بحث قیمت ...

تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام } از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ مغربی تہذیب وتمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص مفکرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت ...

اسلام کا اقتصادی نظام } از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے مقابلہ۔ قیمت ...

نبی عربی صلعم } از مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ متوسط استعداد کے بچوں کے لئے سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ...

فہم قرآن } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم وجدید نظریوں پر نہایت مبسوط ومدلل بحث۔ قیمت ...

غلامان اسلام } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ پچھتر سے زیادہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء ومحدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات وفضائل بڑی تحقیق وکاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت ...

تاریخ انقلاب روس } از ایم ایم جوہر صاحب، انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات۔ قیمت ...

اخلاق وفلسفۂ اخلاق } از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی علم اخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم وجدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق فلسفۂ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قیمت ...

وحی الٰہی } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ مسئلۂ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ دل پذیر اور دلکش انداز میں بحث۔ قیمت ...

ملنے کا پتہ:۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام (خانصاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

رجسٹر نمبر اے ۵۲۰

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار تعلیمی و اصلاحی اخبار

کانفرنس گزٹ علی گڑھ

تاریخ ہائے اشاعت
ہر ماہ عیسوی کی
یکم - ۸ - ۱۶ - ۲۴

قیمت فی پرچہ
ایک آنہ

قیمت اخبار
سالانہ - تین روپیے
ششماہی - دو روپیے
سہ ماہی - ایک روپیہ

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر - سلطان علی نقوی بی اے علیگ

جلد (۱۴) | ۲۴ نومبر سنہ ۱۹۴۳ء مطابق ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۲ھ | نمبر (۴۴)

مسٹر احمد وہاب خیری ڈائرکٹر پبلسٹی بیورو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اطلاع دیتے ہیں کہ ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال کے دورۂ مسعود علی گڑھ کی تاریخوں میں تبدیلی ہو گئی ہے۔ اور اب ہز ہائینس ۷ دسمبر ۱۹۴۳ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تشریف لا رہے ہیں جو قدیم طلبہ ہز ہائینس سے شرف ملاقات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ تاریخ کی تبدیلی کو نوٹ فرمالیں جو پروگرام ہز ہائینس کی تشریف آوری کے سلسلہ میں نیا رہوا ہے اس کے اعتبار سے ہز ہائینس والی بھوپال ہوائی جہاز سے ۱۰½ بجے صبح علی گڑھ پہنچ جائیں گے۔ ایروناٹک ورکشاپ کا سنگ بنیاد رکھنے کے بعد ہز ہائینس یونیورسٹی جنگی کوششوں کا معائنہ فرمائیں گے۔ لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد معین امیر جامعہ اراکین کورٹ کی جانب سے ہز ہائینس کی خدمت گرامی میں سپاس نامہ پیش کرنے کی عزت حاصل کریں گے۔ جواب سپاس نامہ کے بعد رفعت مآب نواب صاحب بھوپال ایر ٹریننگ کور کے ارکان کو انعامات اور اسناد تقسیم فرمائیں گے۔ اراکین کورٹ رفعت مآب کے اعزاز میں ایک ظہرانہ ترتیب دے رہے ہیں۔ دوپہر میں نواب صاحب بھوپال قدیم طلبہ کو شرف ملاقات بخشیں گے اور اس کے بعد اولمپک گیمس کا معائنہ فرمانے کے بعد عصرانہ میں شرکت فرمائیں گے اور انعامات تقسیم فرمائیں گے ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال شام میں دوبارہ قدیم طلبہ کو شرف ملاقات بخشیں گے۔

مسلم یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد بتاریخ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۳ء منعقد ہوگا۔ ہز ہائینس نواب صاحب رامپور نے ازراہ نوازش صدارت منظور فرمائی ہے اور آنریبل سر عزیز الحق رکن تجارت حکومت ہند نے خطبہ تقسیم اسناد پڑھنا منظور کیا ہے ۱۹۴۳ء کے کامیاب شدہ گریجویٹ جو اس جلسہ میں سند لینا چاہتے ہوں وہ اپنے نام اور پوری تفصیل معہ فیس کے ۱۹ دسمبر ۱۹۴۳ء سے قبل رجسٹرار کے پاس روانہ کر دیں۔

---

۱۷ - نومبر ۱۹۴۳ء کو ہز ہائینس نواب صاحب رامپور خلد اللہ ملکہ کی سالگرہ ہمایوں کی تقریب نہایت مسرت سے رامپور میں منائی گئی۔ چار بجے سہ پہر کو حامد منزل پیلس میں دربار منعقد ہوا جس میں جملہ درباری اصحاب شریک ہوئے اور نذریں پیش کیں۔ رات کو میونسپل بورڈ کی طرف سے ٹاؤن ہال میں چراغاں ہوا۔ روشنی قابل دید تھی اس موقع پر میونسپلٹی کی طرف سے ایک ہزار روپیہ کی رقم بطور نذرانہ ہز ہائینس کے حضور میں پیش کی گئی جو ہز ہائینس نے مع اس رقم نذرانہ کے جو تنخواہ میں ترقی پانے والے عہدہ داروں نے پیش کی تھی مصیبت زدگان بنگال کے چندہ میں عطا فرما دی۔

دوسرے روز ۱۸ نومبر کو بوقت ۵ بجے شام حامد منزل کے لان پر ایک شاندار ایٹ ہوم ہوا جس میں ہز ہائینس نے شرکت فرمائی، اور رضا کار دستے کے سالاروں کو خلعت ہائے فاخرہ عطا فرمائے۔

سالگرہ مبارک کا سب سے زیادہ مسرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس موقع پر ہز ہائینس نے بہت سے عہدہ داروں کی تنخواہوں میں مستقل اضافہ فرمایا۔ اور قلیل تنخواہ پانے والوں کے لیے گرانی کا معقول ماہانہ الاؤنس مقرر کرنا منظور فرمایا اس الاؤنس میں پولس اور فوج کے ملازمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ - نومبر ۱۹۴۳ء

وطن اور وطنی زبان کی اہمیت

مادری زبان کے علاوہ غیر ملکی زبانیں جن وجوہ و اسباب سے سیکھی جاتی ہیں اُن کی تفصیل ہم پچھلے دو مضامین میں عرض کر چکے ہیں اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی بتایا تھا کہ دوسری زبانیں خواہ کسی ضرورت سے بھی سیکھی جائیں لیکن وہ مادری زبان کے مقابلہ میں "ثانوی" حیثیت رکھتی ہیں، اور جو درجہ و مرتبہ مادری زبان کو حاصل ہے وہ انھیں نہیں دیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک میں جو قومیں آباد ہیں وہ جس طرح اپنے عقائد، رسم و رواج اور معاشرت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح اُن کی زبانیں بھی جدا جدا ہیں، بلکہ یہ اختلاف بعض صورتوں میں خود ایک ملک کے اندر بھی موجود ہے۔ مثلاً ہندوستان ایک ملک سمجھا جاتا ہے لیکن اس کا رقبہ چونکہ غیر معمولی طور پر وسیع ہے اس وجہ سے اس کے مختلف صوبے اپنے موسم، آب و ہوا، پیداوار اور قدرتی مناظر کے اعتبار سے ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں کہ اُن کے باہم کوئی مناسبت ہی نہیں۔

اسی ملک کے بعض علاقے خشک اور بے آب و گیاہ ہیں، اور بعض سرسبز و شاداب، کہیں سینکڑوں میل تک کوہستان کا ہیبت ناک سلسلہ ہے، اور کہیں منزلوں تک مسطح میدان نظر آتے ہیں، ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں مختلف موسم موجود ہیں کہیں برف باری ہو رہی ہے اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں اور کہیں گرمی کی شدت اور تیز و تند لو کے جھونکے جسم کو جھلس رہے ہیں، اسی طرح ہر علاقہ کے رہنے والوں کی غذائیں رسم و رواج اور زبان بھی مختلف ہے۔

اس اختلاف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک یا ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں کا موسم اُس ملک کے رہنے والوں کے لئے یکساں طور پر راحت بخش نہیں ہے بلکہ کسی جگہ کا موسم اس قدر خوشگوار و فرحت افزا ہے اور قدرتی مناظر اس قدر نظر فریب کہ دوسرے ملکوں کے لوگ سفر کر کے وہاں کی معتدل آب و ہوا، صحت بخش موسم سے لطف حاصل کرنے یا وہاں کے لذیذ و نفیس پھلوں اور غذاؤں سے لذت اندوز ہونے کے لئے آتے ہیں، اور صحیح و تندرست ہو کر واپس جاتے ہیں، اس کے برخلاف ایسے ملک بھی ہیں جو اپنے غیر معتدل و ناخوشگوار موسم، ناقص آب و ہوا، پیداوار کی قلت، اور مختلف امراض و بود و باش کی زحمتوں کی وجہ سے نہایت تکلیف دہ ہیں اور لوگوں کو اُن کے نام سے ہی وحشت ہوتی ہے۔ اس لئے جب تک کوئی سخت مجبوری یا علمی تحقیق و تلاش کا ذوق نہ ہو کوئی شخص وہاں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتا لیکن سخت جان انسان ان ملکوں میں بھی آباد ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ ایسے ممالک میں رہتے ہیں جن کا موسم سخت ناخوشگوار ہے، پانی کمیاب ہے، اچھی غذاؤں اور پھلوں کا قحط ہے، اور وہاں کے رہنے والے پُرمشقت زندگی پر مجبور ہیں، یہاں تک کہ بغیر سخت محنت و توجہ کے نہ انھیں خوراک میسر آتی ہے نہ موسم کی شدائد سے محفوظ رہ سکتے ہیں تو کیا وہ ان تکلیفوں سے گھبرا کر اپنا وطن چھوڑ دیتے ہیں؟ اور کسی ایسے ملک کو اپنا وطن بنانے کے لئے منتخب کرتے ہیں جو موسم یا پیداوار کے اعتبار سے اُن کے وطن سے بہتر ہو؟ سب جانتے ہیں کہ کسی جگہ کے رہنے والے ان مشکلات سے گھبرا کر اپنا وطن نہیں چھوڑتے، بہت سے ملک ایسے بھی ہیں جہاں ہمیشہ سیلاب آتے رہتے ہیں، طوفانی ہوائیں چلتی ہیں یا کوہ آتش فشاں شعلہ باری کرتا ہے، یہاں تک کہ بعض دفعہ ان مصائب سے آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں، لیکن جوں ہی یہ مصائب رفع ہوتے ہیں انسان پھر وہاں پہنچ جاتا ہے اور ویرانہ پھر آباد ہو جاتا ہے، غرض جب تک وطن کے حالات ناقابل برداشت نہ ہوں یا خاص اسباب ترک وطن پر مجبور نہ کریں کوئی قوم اپنا وطن نہیں چھوڑتی۔

بے شبہ ہر قوم کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اپنا وطن چھوڑ کر سیاست یا تجارت یا کسی دوسرے مقصد سے باہر جاتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنی عمر کا بڑا حصہ وطن سے باہر گزار دیتے ہیں یا دوسری جگہ آباد ہو جاتے ہیں لیکن یہ درحقیقت ترک وطن نہیں ہے بلکہ ایک گونہ وطن کی خدمت ہے۔

آغاز اسلام میں جب مسلمانوں کی فتوحات ملکی کا سلسلہ روز افزوں تھا اور یکے بعد دیگرے بہت سے ملک اُن کے دائرہ حکومت میں داخل ہو رہے تھے، عرب کے بہت سے خاندان افریقہ و ایشیا کے مفتوحہ ممالک میں جا کر آباد ہو گئے، لیکن کیا وہ وطن سے مایوس یا تکلیف سے تنگ آ کر بھاگ آئے تھے؟ نہیں! ہرگز نہیں، وہ بھی اپنے وطن و مذہب کی ایک خدمت تھی جس نے دوسرے ممالک میں پہنچ کر عرب و اسلام کا نام سربلند کیا، اپنے محاسن اخلاق سے لوگوں کو گرویدہ کیا اور اپنی مخصوص تہذیب، زبان اور علوم اسلامیہ کی اشاعت کی اور اپنی شائستہ اپنی سیرت و شخصیت کا لوگوں پر اس قدر اثر ڈالا کہ جس ملک میں جا کر آباد ہوئے، وہاں کی تہذیب بدل دی، مذہب بدل دیا، زبان بدل دی اور عرب کی عظمت و شوکت کا لوگوں کے دلوں پر سکہ بٹھا دیا، اس سے زیادہ وطن اور مادری زبان کی خدمت اور کیا ہو سکتی ہے؟

کچھ مدت سے مسلمانوں کے خلاف بہت زور شور سے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ وہ وطن پرست نہیں ہیں، اس کا جواب بارہا عرض کیا جا چکا ہے بے شبہ صحیح ہے کہ مسلمان اپنے برادران کے انداز پر اپنے وطن کی پوجا نہیں کرتے اور نہ یورپ کی ذہنیت کے مطابق اُن میں یہ عصبیت و تنگ نظری ہے کہ دوسری قوموں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور سب کچھ اپنے لئے چاہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ خصوصیت کے ساتھ اپنے عہد عروج و ترقی میں اپنے وطن کی آزادی و حفاظت کے لئے زبردست و بے مثال قربانیاں کی ہیں، اور خود ہندوستان کے لئے بھی باوجود ناسازگار حالات اُنھوں نے بہت کچھ

قربانی کی ہے، البتہ جن لوگوں نے پُرامن طریقہ سے اُن کے ملک میں آنا اور آباد ہونا چاہا مسلمانوں نے فراخ دلی سے اُن کا خیر مقدم کیا اور انہیں وہی حقوق عطا کئے جو دوسرے اہلِ وطن کو پہلے سے حاصل تھے۔

غرض مسلمانوں کی "محبت وطن" ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے وہ یقیناً محب وطن ہیں اور انھوں نے ہمیشہ حب وطن کا ثبوت دیا ہے البتہ یہ صحیح ہے کہ وہ زمانہ حال کے نام نہاد وطن پرستوں کی طرح ایسے تنگ نظر و جو شخص وطن پرست نہیں ہیں جو ہندوستان سے باہر رہنے والی قوموں سے نفرت کرتے ہوں۔

ہندوستان میں آج کل وطن پرستی کا جو جذبہ کارفرما ہے یہ صرف یورپ کی وطن پرستی کی تقلید نہیں ہے بلکہ یہ جذبہ ایک دوسرے رنگ میں یہاں پہلے سے موجود تھا جو اب وطن پرستی کی صورت میں نمودار ہوا۔ الفاظ کا طلسم بھی ایک عجیب چیز ہے مثلاً اگر لوگوں سے کھلے ہوئے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ غیر ملک والوں سے نفرت کرو، اُن سے بیزار رہو، اُن کے مفاد کو اپنے مفاد پر قربان کر دو، اُن کے ملک کی چیزوں کا بائیکاٹ کرو تو یہ باتیں مکروہ و بدنما سمجھی جائیں گی اس کے برخلاف اگر یہ کہا جائے کہ مادر وطن سے محبت کرو، اپنی قوم کا مفاد پیش نظر رکھو، وطنی مصنوعات و ملکی کاریگروں کی حوصلہ افزائی کرو تو کسی کو اس پر اعتراض نہ ہوگا

یہی وجہ ہے کہ آج "وطن پرستی" کے نام پر ہر ناشائستہ حرکت جائز سمجھی جاتی ہے کیونکہ بطور "اصول موضوعہ" یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ وطن پرستی ہر انسان کا اولین نصب العین ہے، لیکن آج جو حرکتیں وطن پرستی کے نام پر کی جاتی اور قابلِ ستائش سمجھی جاتی ہیں وہ پہلے مذہب کے نام پر کی جاتی تھیں اور جائز خیال کی جاتی تھیں مثلاً دوسری قوموں سے بے تعلقی کا جذبہ ہمارے برادران وطن میں پہلے سے موجود تھا جس کا مظاہرہ مذہبی رنگ میں ہوتا تھا، اس لئے بلا استثنا ہر ایسے شخص سے جو پیدائشی ہندو نہیں ہو چھوت کی جاتی تھی اور اُسے ملیچھ سمجھا جاتا تھا۔

دوسری قوموں سے بیزاری و بیگانگی کا یہ جذبہ اب بھی موجود ہے لیکن اب اس کا نام وطن پرستی ہے، اور مسلمان اس لئے معتوب ہیں کہ وہ بدیسی یعنی غیر ملکی ہیں، اس پیدائشی جرم کے علاوہ اُن کا دوسرا جرم یہ ہے کہ فی الجملہ بیرونی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً حج کے لئے حجاز مقدس جاتے ہیں، ہندوستان سے باہر رہنے والے مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے ہیں یعنی اُن کی ترقی سے خوش اور تکلیف و مصیبت سے رنجیدہ ہوتے ہیں، لیکن برادران وطن کو یہ بات ناپسند ہے کہ ہندوستان میں رہ کر باہر والے انسانوں سے ہمدردی ظاہر کی جائے، اسی ذہنیت کی بنا پر عموماً یہ نکتہ چینی کی جاتی ہے کہ مسلمان تو ہمیشہ مکہ مدینہ کا خواب دیکھتے رہتے ہیں انھیں ہندوستان سے کچھ محبت نہیں ہے گویا غیر ملکی انسانوں سے ہمدردی رکھنا ایک ایسا سنگین جرم ہے جو ناقابل معافی ہے۔

اس ذہنیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان خاندان خواہ اُسے ہندوستان میں رہتے بستے صدیاں گزر چکی، پھر بھی بدیسی سمجھا جائے گا اور اگر شامت اعمال سے حدود ہندوستان سے باہر رہنے والوں سے بھی اُس کا کچھ تعلق ہے یا وہ اُن سے ہمدردی رکھتا ہے تو یہ ایک مزید جرم ہوگا حاصل کلام یہ ہے کہ پہلے نام نہاد مذہبی احکام کی بنا پر دوسری قوموں سے بیزاری ظاہر کی جاتی تھی لیکن جب جدید تعلیم نے مذہب کے نظام کہنہ کی بنیادیں ہلا دیں اور مذہبی اوہام کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہی تو وہی جذبہ اب سیاسی رنگ میں نمایاں ہوا ہے، بات وہی ہے صرف الفاظ کے طلسم نے اس پر دوسرا رنگ چڑھا دیا ہے "تاکہ وہ گناہ مسلمان پہلے اس لئے معتوب تھے کہ مسلمان ہیں، اور اب اس لئے کہ بدیسی ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ باوجود کبھی بدیسی ہونے کے انھوں نے اس دیس کو بیحد فائدہ پہنچایا ہے اور وہ اس کو اپنا دیس سمجھتے ہیں۔

غرض مسلمان بے شبہ محب وطن ہیں، اور انہیں اپنا وطن ایسا ہی عزیز ہے جیسا دوسروں کو، لیکن اسی کے ساتھ وہ کبھی کسی شخص سے صرف اس لئے نفرت نہیں کرتے کہ وہ بدیسی ہے یعنی حدود ہندوستان سے باہر رہتا ہے کیونکہ یہ بجائے خود کوئی جرم نہیں ہے، البتہ جو بدیسی انہیں تکلیف پہنچائے اور اُن کی عزت، مذہب یا جان و مال پر حملہ کرے، اس سے بیشک وہ نفرت کرتے ہیں جو عین مطابق فطرت ہے، دنیا میں وہ کون شخص ہے جو اپنے دشمنوں کو محبوب رکھتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ زمانہ ماضی میں ہمارے برادران وطن نے ایسے ماحول میں زندگی بسر کی جہاں دوسری قوموں کا وجود نہ تھا، نہ وہ خود سیر و سیاحت کے لئے غیر ملکوں میں جاتے تھے کیسے جاتے؟ جبکہ مذہب سمندر پار جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا اس گوشہ گیری کا نتیجہ یہ تھا کہ انہیں دوسری قوموں سے ہمیشہ وحشت رہی اور وہ کبھی اُن سے مانوس نہ ہو سکے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ذات پات کے قضیہ کی وجہ سے وہ خود اپنے ملک کے لاکھوں انسانوں سے نفرت کرتے اور اُن سے "شودر" ہونے کی وجہ سے الگ تھلگ رہتے تھے، اس کے برخلاف مسلمانوں کے تعلقات دوسری قوموں سے ابتدا ہی میں پیدا ہو گئے تھے اس لئے انھیں کسی غیر ملکی سے نفرت یا وحشت نہ تھی۔

مسلمانوں کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول تو فتوحات ملکی کے سلسلہ سے وہ افریقہ و ایشیا کے بہت سے ممالک میں پہنچ گئے تھے اس کے علاوہ سیر سیاحت، تجارت، اور دوسرے طریقوں سے قسمت آزمائی کے لئے دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل گئے تھے، اسی طرح دوسری قومیں بھی اسلامی ممالک میں تجارتی کاروبار یا تحصیل علم کے لئے آتی تھیں کسی کے لئے روک ٹوک نہ تھی، چونکہ اسلام نے ہر مذہب و ملت کے ساتھ حسن معاشرت کی تعلیم دی ہے اس لئے مسلمان ان سب قوموں کے ساتھ جن کے ملک میں وہ جاتے تھے یا جو ان کے ملک میں آتی تھیں نہایت عمدہ تعلقات رکھتے تھے، اور کسی بھی قوم سے انہیں نفرت نہ تھی، اور چھوت چھات کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا، البتہ جو قوم مسلمانوں کے خلاف معاندانہ طرز عمل اختیار کرتی تھی، یا اُن کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کرتی تھی، تو وہ اپنی عزت و آزادی کے تحفظ کے لئے ضرور اُس کا مقابلہ کرتے تھے۔

مندرجہ توضیحات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ وطنیت کے متعلق اُن کا نظریہ دوسری قوموں سے کسی قدر مختلف ہے، وہ بلاشبہ اپنے وطن سے محبت رکھتے ہیں، لیکن یہ محبت جذبۂ نفرت و بیزاری سے آلودہ نہیں ہے۔

(بقیہ [illegible])

سمرقند کے اسلامی آثار

جرمنی کے ساتھ جنگ اس وقت شروع ہوئی جب ممتاز شاعر و مفکر علی شیر نوائی کی پانسو ویں برسی منائی جانے والی تھی۔ اس برسی کے سلسلہ میں پندرہویں صدی کے وسط ایشیا کے تمدن کے متعلق وسیع پیمانہ پر تحقیقاتیں کی گئی تھیں۔ اس زمانہ کے بہت سے حیرت انگیز عمارتی آثار ابھی تک قائم ہیں۔

حکومت روس کے ایما پر فضلا و ماہرین تعمیر کی ایک جماعت کو روسی اقوام کے تمدنی آثار کے مطالعہ و حفاظت کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ ہم نے سمرقند کی طرف خاص توجہ کی جو وسط ایشیا کے نہایت خوشنما اور قدیم شہروں میں سے ہے۔ نوائی نے سمرقند میں ڈھائی سال رہ کر شاعری کی ہم نے اس جگہ کا پتہ لگایا جہاں ابولیث کا مدرسہ تھا جس میں نوائی کا قیام تھا اور جہاں اس نے تعلیم حاصل کی تھی۔

اس حیرت انگیز قدیم عمارت کے متعلق جو "عشرت خانہ" کے نام سے مشہور ہے اور جو ۱۵۰۰ء میں تعمیر کی گئی تھی مکمل تحقیقات کی گئی۔ اس عمارت کے مختلف حصوں کی تفصیلی پیمائش اور اس کی زیب و زینت کے مطالعہ کے سلسلہ میں وسط ایشیا کی ایک نفیس ترین عمارت کے بیرونی حصوں اور تزئین کی مکمل تعمیر جدید ہو سکی ہے۔ فضلاء کی ایک جماعت نے "عشرت خانہ" پر ایک مضمون لکھا ہے۔

۱۹۴۱ء میں مہم آثار قدیمہ سمرقند کے "نوائی عجائب گھر" کی طرف سے وسیع پیمانہ پر تحقیقات کی گئی تھی۔ تحقیقات کرنے والوں کی ایک جماعت نے سمرقند کے شمال مغربی نواحی حصہ کے متعلق تحقیق کی اور ایک دوسری جماعت نے تیمور کی بڑی بیگم کے بارے میں تحقیقات کی۔

اس مزار کے محرابی چھت والے تہ خانہ میں فرش پر سنگین تابوت میں نعشیں رکھی ہیں۔ ان میں ایک نوجوان عورت کی مسالہ لگی ہوئی نعش بھی ہے جس پر قدیم کپڑوں اور زیورات کے آثار باقی ہیں۔ سمرقند نے "روح آبا" (لڈریوں کے مربی) کے مزار کی بھی تحقیقات کی گئی۔ جیسا کہ ہمیں اب معلوم ہوا ہے۔ یہ عمارت تیمور کے پوتے الغ بیگ اور پندرہویں صدی کے ایک ممتاز رقاص و ماہر فن کے زیر اہتمام جو "قرون وسطیٰ کے بطلیموس" کے لقب سے مشہور ہے تیار ہوئی تھی۔

الغ بیگ کی رصدگاہ کے متعلق جو مزید کھدائیاں ہوئی ہیں ان سے ان کی اصل شکل کی بحالی کے سلسلہ میں مزید باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ یہ ایک بڑی عمارت ہے۔ جس میں اونچی تعمیروں کی چار قطاریں ہیں جو ایک دوسرے سے بلند ہوتی چلی گئی ہیں۔ ایک چوڑی اور گول دیوار کے اندر "ربع دائرہ کا ایک حصہ" ہے جس کا نصف قطر ۴۰ میٹر ہے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ دیوار کے باہر نشیبی زمین میں متعدد دوسری عمارتیں بنی ہوئی تھیں اس دیوار میں سے ۱۴۲۳ء کے سکے برآمد ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رصدگاہ کی تعمیر اس سنہ سے پہلے شروع نہیں ہوئی تھی یعنی ظاہر طور پر ۱۴۲۴ء میں شروع ہوئی تھی

"نقش جہاں" یا باغ تیمور اور "نگی میدان" یا باغ الغ بیگ کی صحیح جگہ بھی معلوم کر لی گئی اس میں ایک دو منزلے محل کے آثار بھی موجود ہیں ایک اور نواحی باغ کے (جو اس مقام کے قریب ہی برآمد ہوا ہے۔ جہاں کھدائیاں ہوئی ہیں، بیلوں محل کی دوسری عمارتیں بنائی گئی تھیں جن میں مشہور "چینی کی شہ نشین" بھی شامل تھی۔ یہ عمارتیں پہاڑیوں کے دامن میں کئی قطاروں میں بنائی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک کے نیچے خوش نما فرش پایا گیا جس میں اقلیدسی شکلوں میں مختلف پتھروں سفید اور بھورے سنگ مرمر پیلے اور سبز نیم شفاف سنگ سلیمان کے ٹکڑے جڑے گئے تھے۔ اندرونی حصے غیر معمولی طور پر آراستہ و پیراستہ تھے۔ ان میں سے ایک حصہ میں بیچ کے پتھر لگائے گئے تھے۔

ایک دوسری عمارت میں فرش کے ٹائلوں کی سطح چمکیلی تھی اور ان پر سبزہ کا کام تھا۔ بہت سے عمدہ طریقہ سے کٹے ہوئے پکائی ہوئی مٹی کے ٹائل بھی پائے گئے۔ کھدائی کے ذریعہ ایسے چینی کے ٹائلوں کے ٹکڑے برآمد ہوئے جو چین سے لائے گئے تھے اور ایسے ٹائل بھی نکلے جو نیلگوں رنگ کے تھے اور مقامی طور پر بنائے گئے تھے۔ بہت رنگے شیشوں کے ٹکڑوں کی ایک کثیر مقدار بھی برآمد ہوئی۔ یہ شیشے ایک زمانہ میں سیل کھڑکی کی چوکھٹ اور نقشین کھڑکیوں کے پردے کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ یہ شیشے سرخ، بنفشی، زرد اور سبز رنگ کے تھے۔

ممتاز ماہرین کے ایک کمیشن نے گور امیر کے محرابی چھت والے تہ خانہ میں تحقیق کا کام شروع کیا ہے۔ اس تہ خانہ میں خاندان تیمور کے بانی اور کئی تیموریوں کے آثار ہیں اس سلسلہ میں جو کچھ مواد فراہم ہوا ہے۔ اس کا جمہوریہ شوراۓ روس کی سائنسی اکیڈمی کی شاخ ازبکستان مطالعہ کر رہی ہے۔ اس مواد کی وجہ سے عام تاریخ کے متعلق خصوصاً پندرہویں صدی کے وسط ایشیا کے تمدن کی تاریخ کے متعلق کثیر معلومات مہیا ہو گئی ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں روسی محققین نے پندرہویں صدی کے سمرقند کا از سر نو خاکہ مرتب کر لیا۔

۱۹۴۳ء میں بھی سمرقند میں آثار قدیمہ کی تحقیق کا کام سرگرمی کے ساتھ جاری ہے۔ اب "مزار گور امیر" کی طرف خاص توجہ کی جا رہی ہے۔ پندرہویں صدی میں محمد سمرقندی نے ایک کتاب لکھی تھی جو چند سال ہوئے دستیاب ہوئی ہے تجویز ہے کہ اس کتاب کی مدد سے مدرسہ اور تیمور کے پوتے محمد سلطان کے "حاجیوں کے مہمان خانہ" کی صحیح جگہ اور حدود کا پتہ لگایا جائے۔ اس شہزادے کے محلوں کی کھدائی کا کام "گور امیر" اور "مقبرہ روح آباد" کے درمیان شروع کیا جائے گا۔ کھدائیوں کے ذریعہ جو معلومات حاصل ہوں گی ان سے گور امیر کی درستی میں مدد لی جائے گی جہاں تیمور مدفون ہے اور جہاں ایسے بیش بہا آثار موجود ہیں جو زبردست تاریخی تمدنی اور فنی اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۹۴۴ء کے آثار قدیمہ کے کام کے سلسلہ میں مقبرہ اور الغ بیگ کی رصدگاہ کی ابتدائی تحقیق کی جائے گی۔

سلطنت

بحر الکاہل اور اسلام

بحر الکاہل میں اسلامی اثر و نفوذ کی تاریخ سے مسلمان عموماً ناواقف ہیں اور اس بات کو نسبتاً بہت ہی کم لوگ جانتے ہوں گے کہ اس سمندر کے جزائر میں اسلام کب اور کس طرح پہنچا اور اس نے وہاں کس تمدن کی بنیاد ڈالی۔ سطور ذیل میں ہم کوشش کریں گے کہ بحر الکاہل کے جزائر میں اسلام کی اشاعت کا حال روشنی میں آ جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس سمندر کے جزیروں میں رہنے والے انسانوں کو اسلام اور اسلامی پیغام سے روشناس ہونے کا موقع کب ملا۔

بحر الکاہل کے جزائر میں عربوں کی وساطت و کوشش سے اسلام داخل ہوا۔ یہ لوگ تجارت و زراعت کے سہارے وہاں تک پہنچے۔ انھوں نے سب سے پہلے ساحلی علاقہ کو اپنا مستقر بنایا اور پھر آہستہ آہستہ اندرونی مقامات میں داخل ہوئے، عرب تجارت کے دھنی تھے اس لئے ان کا ارادہ نہ تھا کہ ان جزائر پر حکومت کریں اور زرخیز علاقوں کو کام میں لائیں۔ لیکن مالبزی قوم نے انھیں تنگ کیا اور تمام راستے

ان پسندیدہ کردوں نے تو عرب مراعین نے اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے طاقت کا استعمال کیا، اور سب سے پہلے جاوا کے ایک مقام دیباک (Demak) میں اپنی حکومت قائم کی، جس زمانہ میں ان جزائر پر پرتگال کا تسلط ہوا تھا، مسلمان ان سے پوری طرح آگاہ تھے، انھیں راستوں کا علم تھا۔ پیداوار سے واقفیت تھی، یہاں تک کہ آتش فشاں پہاڑوں کی تعداد تک انھیں معلوم تھی۔

دان ڈر برگ نے لکھا ہے کہ "چونکہ عربوں کا تمدن اعلیٰ تھا اس لئے ان جزائر میں انھیں فروغ حاصل ہوا، اور مقامی قبائل ان کا احترام کرنے لگے، یہ لوگ ایک طرف تجارت کرتے تھے، دوسری طرف اشاعت اسلام میں بھی مصروف رہتے تھے۔"

بحر الکاہل میں عربی تمدن — ان جزائر میں عربی تہذیب و تمدن کو کس طرح فروغ حاصل ہوا، اس سلسلہ میں موسیو پیر گوبو (Pierre Gouineau) اپنی کتاب "الاستعمار الهولندی" میں لکھتا ہے۔

"مسلمانوں کے مذہبی عقائد نہایت سادہ اور سہل تھے اس لئے جاوا کے سب جزیروں میں ان کی خوب اشاعت ہوئی، اور مسلمانوں کو دیگر اقوام سے میل جول کے مواقع خوب حاصل ہوئے، مسلمان جہاں جاتے ان کی بغل میں قرآن کا ایک نسخہ بھی ہوتا اور وہ اس کے ذریعہ نوع بشر کی اصلاح کرتے۔ علاوہ بریں اہل جاوا کی نسبت عربوں کا تمدن اعلیٰ و ارفع تھا، وہ جاوا کے سواحل پر نئی نئی معلومات اور نئی تحقیقات لے کر آئے اور ان علوم سے اہل جاوا کو بہرہ ور کیا جن سے وہ قطعاً ناآشنا تھے، مثلاً انھوں نے اہل جاوا کو سب سے پہلے علم ہیئت، علم تقویم، علم جغرافیہ، علم عروض سے آشنا کیا اور انھیں علم ملاحی (دریائی علوم) کی تعلیم دی، عرب مختلف اقوام کے حالات سے بھی خوب واقف تھے، انھیں مقناطیس کا استعمال بھی آتا تھا اور بحری سفر اور بحری راستوں کا تجربہ بھی رکھتے تھے، نیز سمندروں کی گہرائیوں سے بھی پوری طرح باخبر تھے، حتیٰ کہ یورپ کے جن سیاحوں نے سب سے پہلے ایشیا میں قدم رکھا تو عربوں ہی نے ان کی رہنمائی کی، مثلاً ابن ماجد نے پرتگال کے سیاحوں کی رہنمائی کی، مورخین کا اندازہ ہے کہ جاوا میں اسلام پانچ سو سال پیشتر داخل ہوا تھا جس کی ابتدا بارھویں صدی عیسوی سے ہوتی ہے۔ مورخ وش (Veth) کا بیان ہے کہ عربوں نے ادبی اور معنوی فتوحات کو صرف جاوا تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اس کا سلسلہ مجمع الجزائر کے انتہائی گوشوں تک وسیع کر دیا۔ اور ہر جگہ انھوں نے سلطنت اسلامیہ کے بجائے اسلام کی متحدہ اجتماعی صورت کو مضبوط بنایا۔"

موسیو گوبو کے اس بیان سے واضح ہے کہ بحر الکاہل میں مسلمان تلوار لے کر نہیں گئے، بلکہ وہاں اسلام کی اشاعت اس وجہ سے ہوئی کہ (۱) اس کے مذہبی عقائد سادہ اور عام فہم تھے (۲) اُن کا تمدن بہت اعلیٰ تھا (۳) وہ مختلف علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

بورنیو میں اسلام — بحر الکاہل کا دوسرا عظیم الشان جزیرہ بورنیو ہے۔ یہ جزیرہ نیوگنی کے بعد سب سے بڑا جزیرہ ہے، اس میں اسلام سولھویں صدی عیسوی میں داخل ہوا، اور بالمبانگ سے سوکاوانہ اور ماتان تک پھیل گیا۔ سنہ ۱۵۹۰ء میں سوکاوانہ میں سب سے پہلا مسلمان فرماں روا گیری کو نو ما تخت نشین ہوا۔ یون تبانک ایک عرب عبدالرحمٰن بن شریف حسین کی سلطنت قائم تھی۔ جس کی قبر آج تک شہر مناوا میں موجود ہے اس کے ساتھ سلطنت مانباس بھی قائم ہوئی۔ یہاں اسلام کی اشاعت ساحلی علاقوں تک محدود رہی، اسلام کی ابتدائی اشاعت سولھویں صدی میں بنجر ماسین (Banjermasin) کے اندر ہوئی، یہ سلطنت بورنیو کے جنوبی ساحل پر قائم تھی۔ سنہ ۱۵۲۱ء میں جس وقت اہل اسپین شہر برونی میں پہنچے جو بورنیو کے شمال مغربی ساحل پر واقع تھا تو معلوم ہوا کہ اس کا بادشاہ ایک مسلمان ہے۔

۱۵۵۰ء میں بورنیو کے مغربی ساحل پر سکدانا (Sakadana) کے شہر میں عربوں نے اسلام کی اشاعت کی۔ یہاں کے بادشاہ نے اپنا آبائی مذہب چھوڑنے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، مگر اس کا جانشین بااختیار ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ سکدانہ میں سولھویں صدی میں فرانس کا ایک سیاح آیا اس نے لکھا ہے کہ "ساحل پر بالعموم مسلمانوں کا مذہب رائج ہے اور جزیرہ کے وسط میں لوگوں کا مذہب بت پرستی ہے" سکدانا میں جب اسلام کو ترقی ہوئی تو مکہ معظمہ سے ایک عرب شیخ شمس الدین یہاں آئے اور اپنے ہمراہ کلام مجید کی ایک جلد، ایک انگوٹھی، اور بادشاہ سکدانا کے نام کا ایک خط لائے۔ اس خط میں بادشاہ کو جو دین کا بڑا حامی تھا صفی الدین کا خطاب دیا گیا تھا۔

جزیرہ سلیبیز — بحر الکاہل کا تیسرا بڑا جزیرہ سلیبیز (Celebes) ہے جس میں آتش فشاں پہاڑ بھی ہیں۔ شاہ تنجالو کے زمانہ میں جس نے اس جزیرہ میں سنہ ۱۵۹۰ء تک حکومت کی ہے، ترنات کے مسلمان فرمانروا نے جس کا نام باب اللہ تھا مملکت گوا تک رسائی حاصل کی اور اس کے فرمانروا کو مسلمان کرنا چاہا۔ لیکن حالات نے مساعدت نہ کی جب اس کا بیٹا تخت نشین ہوا تو اس نے سماترا کے ایک مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اور سلطان علاء الدین کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے ساتھ اس کا وزیر بھی مسلمان ہوا، اور پھر تمام باشندوں نے جو ماکاسار اور عنیز کے قبائل سے تھے، اسلام قبول کر لیا۔ اس جزیرہ کے مختلف حصوں میں مثلاً ماکاسار منادو، گورنتالو، سینجہ، بوتان وغیرہ میں بکثرت مسلمان آباد ہیں، سماترا میں مسلمانوں کی کثرت ہے۔

بوگی قوم نے مسلمان ہو کر اپنے وطن سیلے بیز میں تجارت کے ساتھ اسلام کی اشاعت میں بھی کوشش کی اور بولانگ ماگندو کی ریاست میں جو سیلے بیز کے شمالی جزیرہ نما میں ہے بوگی قوم کے مسلمانوں نے اُن دیسی عیسائیوں کو بھی مسلمان کر لیا جنھوں نے سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔

سمباوا اور لمبوک — جزیرہ سمباوا میں جو جزیرہ سیلے بیز کے قریب واقع ہے مکاسر کے واعظین کی تلقین سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اس جزیرہ کے جس قدر مہذب باشندے ہیں اُن کا مذہب اسلام ہے، یہ لوگ بمقابلہ اور مسلمانوں کے زیادہ مہذب، متقی اور متشرع ہیں۔

بوگی قوم کے واعظوں نے جزیرہ لمبوک کے باشندوں کو بھی مسلمان کیا۔ یہ جزیرہ سمباوا کے قریب ہی واقع ہے۔ اور بوگی قوم کے مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے۔ یہ لوگ یا تو اپنے سمباوا کو عبور کر کے لمبوک میں آباد ہوئے، یا جزیرہ سیلے بیز سے براہ راست یہاں پہنچے۔

فلپائن — منڈانو جزائر فلپائن کا بڑا جزیرہ ہے۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ ان جزائر میں اسلام کی ابتدا کب ہوئی، لیکن ۱۵۲۱ء میں جب اہل اسپین ان جزائر میں پہنچے تو وہاں مسلمان موجود تھے۔ منڈانو میں اور جزائر زولو میں مہذب مسلمانوں کے گروہ آباد تھے۔ البتہ شمالی جزائر فلپائن کے لوگ وحشی اور بت پرست

تھے، ان جزائر میں اسلام کی اشاعت اور ترقی کے سلسلہ میں پروفیسر آرنلڈ "پریچنگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں۔

"جزائر زولو کے باشندوں کے لئے عیسائی مذہب قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ وہ ملکی اور قومی آزادی سے محروم ہو جائیں، وہاں عیسائی مذہب کو قبول کرنا غلامی کا تمغہ سمجھا جاتا تھا، مسلمانوں کا قاعدہ یہ تھا کہ ملک والوں کی زبان سیکھتے، اُن کی باتیں اختیار کرتے، اُن کی عورتوں سے شادیاں کر کے اتحاد کی فضا پیدا کرتے تھے، اسپین کے عیسائیوں کی شراب نوشی، لالچ اور ظلم نے عیسائی مذہب کو بدنام کر دیا تھا، اور صرف اپنی ملکی قوت کو بڑھانے کے لئے یہ لوگ عیسائی مذہب کی اشاعت کرتے تھے، عیسائی مذہب صرف اُن لوگوں میں پھیل سکا جو کمزور تھے، منڈا نو کی خود مختار اسلامی سلطنت اس وقت تک ایسے لوگوں کے حق میں پناہ گاہ تصور کی جاتی تھی جو عیسائی حکومتوں سے بیزار ہو کر ترک وطن پر مجبور ہوتے تھے۔"

غرض بحر الکاہل میں اشاعت اسلام کی مختصر تاریخ ہے تفصیل کے لئے موسیو شاطی [illegible] کا وہ مضمون ہمارے روشن خیال و باخبر طبقہ کے سامنے ضرور رہنا چاہئے جو "اسلامی سیاست" کے عنوان سے فرانسیسی مجلہ "عالم اسلامی" میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں موسیو شاطی نے اعتراف کیا ہے کہ ہالینڈ کی نو آبادیات بورنیو اور اُن جزائر میں جو فلپائن تک واقع ہیں مسلمانوں کی مجموعی تعداد چار کروڑ سے کم نہیں ہے۔"

(نوائے حرم)

مسلم یونیورسٹی کا خصوصی کنووکیشن

(از ڈائرکٹر صاحب پبلسٹی بیورو مسلم یونیورسٹی)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے خصوصی کنووکیشن میں جو بصدارت ہز ہائینس نواب صاحب رامپور بتاریخ ۱۳ نومبر [illegible] منعقد ہوا۔ ہز ایکسیلنسی سر مارس ہیلٹ کو ال ال ڈی کی ڈگری عطا کی گئی۔ ہز ہائینس نواب صاحب رامپور، وائس چانسلر صاحب، پرو وائس چانسلر صاحب اور یونیورسٹی کے دیگر عہدیداروں نے "ہمفرے پاکیٹ" پر ہز ایکسیلنسی اور لیڈی ہیلٹ کا خیر مقدم کیا اور معزز مہمانوں کو "سبک منزل" لایا گیا جہاں ممبران کورٹ اور اساتذہ سے ان کا تعارف کرایا گیا۔ ہز ایکسیلنسی کے "اسٹریچی ہال" میں داخل ہونے کا نظارہ بہت دلکش تھا۔ اس وقت حضور گورنر صاحب بہادر سرخ ٹوپی اور بیش قیمتی حاشیہ دار ال ال ڈی کی گاؤن پہنے ہوئے تھے۔ ڈائس پر اعلیٰ حضرت حضور پرو چانسلر صاحب اور حضور گورنر صاحب بہادر کے علاوہ راجہ اعجاز رسول خاں صاحب، راجہ جہانگیر آباد، نواب سر محمد یوسف صاحب، نواب جمشید علی خاں صاحب نواب باغپت، وائس چانسلر اور پرو وائس چانسلر صاحب، وائی اور وزراء تھے۔ جناب وائس چانسلر صاحب نے گورنر صاحب بہادر کو ڈگری حاصل کرنے کے لئے پیش کیا اور حضور پرو چانسلر صاحب نے ال ال ڈی کی اعزازی ڈگری عطا فرمائی۔

کنووکیشن کے بعد جناب نواب سر محمد یوسف صاحب نے ہز ایکسیلنسی سے سپاس نامہ پڑھنے کی اجازت چاہی اور جناب وائس چانسلر صاحب نے بجانب ممبران کورٹ سپاس نامہ پیش فرمایا۔ اس میں حضور گورنر صاحب بہادر کے تیسری بار علی گڑھ یونیورسٹی میں تشریف لانے پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا اور موصوف کی دور اندیشی اور انتظامی قابلیت کی تعریف کی گئی تھی پھر یہ بتایا گیا تھا کہ یونیورسٹی کے طلباء پر اس بدامنی کا کوئی اثر نہیں ہوا جس سے ہندوستان گزشتہ سال دوچار ہوا تھا۔ اس پر بھی بہت خوشی ظاہر کی گئی تھی کہ حضور گورنر صاحب بہادر کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف جی، سی، آئی، ای کے خطاب سے کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ہز ایکسیلنسی کے ان مفید کاموں پر روشنی ڈالی گئی تھی جو موصوف نے ڈاکٹری کی تعلیم، صحت عامہ، پیداوار اشیائے خوردنی، مساعی جنگ اور صوبہ کے معاشی وسائل کی ترقی کے لئے کئے تھے۔

اسی سلسلہ میں یونیورسٹی کی مساعی جنگ پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ اب تک سو طلبہ ریگولر کمیشن میں اور سولہ سو وائسرائے کمیشن میں یہاں سے بھیجے جا چکے ہیں اور جنگ میں انجینیروں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک انجینیرنگ کو قائم ہو چکا ہے لیکن علی گڑھ میں ایک میڈیکل کالج کے قیام کرنے کی اشد ضرورت ہے جس کے لئے ہز ہائینس نواب صاحب جونا گڈھ، نواب صاحب منگرول اور نواب صاحب چھتاری نے گرانبہا عطیات عنایت فرمائے ہیں۔ بعد از جنگ تعمیری اسکیموں کے ذیل میں "کالج آف ٹیکنالوجی" اور اسلامی ہیئت کے اسکول کا حوالہ دیتے ہوئے وائس چانسلر صاحب نے یہ کہہ کر سپاس نامہ ختم کیا کہ حضور گورنر صاحب بہادر نے ال ال ڈی کی سند قبول فرما کر ان تعلقات میں ایک اور اضافہ فرمایا ہے جو پہلے سے قائم تھے۔ اس کے بعد ہز ایکسیلنسی اور لیڈی ہیلٹ کو ممبران کورٹ نے ہار پہنائے اور ایک خوبصورت کاسکٹ میں راجہ صاحب جہانگیر آباد نے سپاس نامہ پیش فرمایا۔

سپاس نامہ کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے حضور گورنر صاحب بہادر نے فرمایا کہ اس اعلیٰ اعزاز کا شکریہ ادا کرنا بہت دشوار ہے جو سند دے کر انھیں بخشی گئی ہے۔ حضور قیصر ہند نے انھیں جی، سی، آئی، ای کے خطاب سے سرفراز فرما کر محض ان کی ذاتی کوششوں کا ہی نہیں بلکہ ساتھ ہی صوبہ کی رعایا کے تمام طبقوں کی خدمات کا اعتراف فرمایا ہے۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ دو باتیں رہی ہیں۔ اول مکمل فتح کا حاصل کرنا اور دوسرے عوام کی فلاح کی سعی کرنا قطعی اور آخری فتح اب نظر آنے لگی ہے اور صوبہ متحدہ نے جنگی کوششوں کے سلسلہ میں اپنے فرائض کو پورے طور سے ادا کیا ہے اور اس میں مسلم یونیورسٹی نے جو حصہ لیا ہے وہ بہت قابل عزت ہے۔

ہز ایکسیلنسی نے یونیورسٹی کے اس عزم کی بہت ستائش فرمائی جس کا مظاہرہ گزشتہ سال کی اندرونی بدامنی کے باوجود مسلسل مساعی جنگ کے کاموں سے ہوا ہے۔ موصوف نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنگی کوششوں کے معاملہ میں مسلم یونیورسٹی کو تمام دوسری یونیورسٹیوں پر سبقت اور فوقیت حاصل ہے "ایر ٹریننگ کور" قائم کر کے مسلم یونیورسٹی نے مثال قائم کی ہے ہز ایکسیلنسی نے یونیورسٹی کی قابل قدر جنگی کوششوں کا بہت شکریہ ادا کیا اور مبارکباد پیش فرمائی۔ اپنے جواب کو جاری رکھتے ہوئے ہز ایکسیلنسی نے اس امر پر زور دیا کہ جنگی کوششیں حالانکہ اس وقت بہت بڑی قربانیاں چاہتی ہیں لیکن بعد از جنگ تعمیر کا کام اور زیادہ دشوار ہوگا۔ ہندوستانی خوش قسمت ہیں کہ اُن کو مکمل تباہی سے دوچار نہیں ہونا پڑا ہے اس لئے جہاں تک ہندوستانیوں کا تعلق ہے بعد از جنگ تعمیرات کے معنی دور جنگ کی تنظیم سے زمانہ امن کی

تنظیم پر آجانے کے ہیں لیکن اس مسئلہ کی بین الاقوامی نوعیت بہت مختلف ہوگی اور اس میں وہ کوششیں بھی شامل ہوں گی جو عالمگیر جنگ کے اعادہ کو روک سکیں۔ ہندوستان کو بھی بلاشبہ سیاسی الجھنوں کو سلجھانا پڑے گا علاوہ ازیں سرحد سے واپس آنے والے فوجیوں اور کارکنوں کو برسرکار رکھنا ضروری ہوگا مثلاً صنعت و حرفت کو ان کی ضروریات کے کاموں کے لئے منتقل کرنا ہوگا تاکہ افلاس نہ پھیلنے پائے۔ ہندوستان کے صنعتی نظام میں صرف کارخانہ داروں اور حصہ داروں کا فائدہ نہیں بلکہ تمام انسانیت کا معیار زندگی بڑھانا ہمارا مقصد ہونا چاہئے۔ ہم کو تمام دنیا کو غربت سے آزاد کرنے کی کوشش کرکے اٹلانٹک چارٹر کا مدعا پورا کرنا بھی ہمارا فرض ہوگا ہمارے سامنے بہت سی اسکیمیں ہیں مثلاً ترقی تعلیم، دیہی حفاظت وغیرہ۔

اسی سلسلہ میں ہز ایکسلنسی نے یوپی کی ہائیڈرو الیکٹرک اسکیم کی ترقی پر زور دیا اور کہا کہ ہمیں عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد تک بجلی پہنچانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ زراعت اور صنعت و حرفت کو دوش بدوش ترقی کرنا چاہئے اور ان کی مثال ہوائی جہاز کے ان دو طاقتور انجنوں کی سی ہونا چاہئے جو ہندوستان کو آسمان خوشحالی تک اٹھا کر لے جاسکیں۔ ہندوستان کو صرف زراعت پر قناعت نہ کرنا چاہئے بلکہ اپنی صنعت و حرفت کے لحاظ سے بھی خود مکتفی ہونا چاہئے البتہ صنعت کو بڑھانے کی کوششوں میں ایسے عوام کے ان رہنماؤں کی مدد کی ضرورت ہوگی جن کا مقصد منافع حاصل کرنا نہیں بلکہ خدمت خلق ہونا چاہئے۔

اپنے جواب کو ختم کرتے ہوئے ہز ایکسلنسی نے فرمایا کہ یونیورسٹی نے اپنے نصب العین کو ہمیشہ سامنے رکھ کر اپنی ملکی ترقی کو بڑھایا ہے (تالیاں) موجودہ دور میں مذہب و فلسفہ کو اکثر نظر انداز کردیا جاتا ہے لیکن مسلم یونیورسٹی نے مذہب کی پوری پابندی کے ساتھ سائنس اور جدید ایجادات سے بھی پورا فائدہ اٹھایا ہے اور علی گڑھ یونیورسٹی علم، روشنی اور آزادی کی علمبردار نظر آتی ہے اور امید ہے کہ اسے مزید کامیابی اور ترقی حاصل ہوگی (مسلسل تالیاں) اعلیٰ حضرت ہز ہائینس نواب صاحب رامپور پرو وچانسلر مسلم یونیورسٹی نے ہز ایکسلنسی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے موصوف کی انتظامی قابلیت، پختگی عقل، اور صفات رہنمائی کی ستائش فرمائی اور فرمایا کہ اس امر کے پیش نظر کہ آج سے ہز ایکسلنسی ہماری یونیورسٹی کے ایک معزز رکن ہوگئے ہیں اس کی ترقی کی کوشش میں موصوف کی پوری امداد کا فائدہ اور زیادہ حاصل ہوسکے گا۔ حضور پرو وچانسلر صاحب نے اس کے بعد یہ اعلان فرمایا کہ ان کے عم بزرگوار جناب راجہ صاحب جہانگیر آباد نے یونیورسٹی میں ہیلتھ ہاسپٹل کی تعمیر کے لئے مبلغ تیس ہزار روپیہ کا عطیہ عنایت فرمایا ہے۔ (زبردست تالیاں) اس کے بعد یہ عظیم الشان اجلاس برخاست ہوا۔

کنٹرول کیلئے اناج جمع کرنیکا ارادہ

کونسل آف اسٹیٹ کے اجلاس میں ۱۹- نومبر ۱۹۴۳ء کو ہندوستان کے غذائی مسئلہ پر جب بحث شروع ہوئی تو مسٹر بی آر سین نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے بنگال کی ابتر صورت حالات پر اظہار خیال کیا اور بتایا کہ اس پر قابو پانے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی گئی ہیں۔

اناج فراہم کرنے کے سوال پر مسٹر سین نے کہا کہ حکومت ہند اناج کے متعلق مرکزی اجارہ داری قائم کرنے کے امکانات پر غور کر رہی ہے کیونکہ یہی طریقہ مکمل طور پر اطمینان بخش سمجھا جارہا ہے، اس دوران میں گھریلو مصرف کے لئے اناج کی فراہمی و برآمد لوکل حکومتوں کی اختیار میں مرکز کی نگرانی میں جاری رکھیں گی۔ نرخ کے آئینی کنٹرول کے بارہ میں حکومت ہند کا یہ خیال ہے کہ سردست سارے ہندوستان میں قانونی طور پر نرخ مقرر کرنا ناممکن ہے لیکن جب تک حکومت کے پاس اس قدر ذخیرہ نہ ہوجائے جو منڈیوں پر اثر ڈالنے کے لئے کافی ہو اس وقت تک شروع میں صوبجات کی حکومتوں کے ذریعہ سے اور بعد کو ریجنل اصول کی بنا پر اناج کے نرخ مقرر کرائے جائیں۔

اس دوران میں صوبجات کی حکومتوں کو مقامی حالات کے پیش نظر لیکن مرکزی حکومت کی منظوری سے نرخ مقرر کرنے کا اختیار دے دیا جائے، حکومت ہند یہ بھی سمجھتی ہے کہ خوراک کی چیزوں کے متعلق کسی اسکیم پر سارے ہندوستان میں عملدرآمد کے لئے یہ ضروری ہے کہ شہروں میں پوری آبادی کے لئے راشن مقرر کیا جائے۔

وطن اور وطنی زبان کی اہمیت

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۲ کا)

وطن کے معاملہ میں جو حیثیت دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی ہے وہی ہندوستان کے مسلمانوں کی ہے، وہ اس معاملہ میں آج بھی اپنے مذہب و قومی روایات کے پابند ہیں، وہ نہ کسی قوم سے چھوت کرتے ہیں نہ کسی کو ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں لیکن اس رواداری پر بھی اگر محض مسلمان ہونے کی وجہ سے وہ لائق عتاب ہیں تو اس کا کوئی علاج نہیں کہ اس ملک میں اکثریت کا جو مذہب ہے وہ بھی اختیار کرلیا جائے۔ "وطنیت" مذہب سے ایک علیحدہ چیز ہے، لبنان کی تازہ مثال ہمارے سامنے ہے وہاں آج وطن کی آزادی کے لئے جو جد و جہد ہو رہی ہے اس میں مسلمان، مسیحی وغیرہ سب شریک ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وطن کی حفاظت اور آزادی کی جد و جہد میں ہر قوم بلا امتیاز مذہب و ملت شریک ہوسکتی ہے۔ اور ایک ملک میں جو مختلف العقائد انسان رہتے ہیں وہ سب کے سب باوجود اختلاف مذہب یکساں طور پر محب وطن ہوسکتے ہیں۔

مذہب کی طرح زبان کا معاملہ بھی ہے، ایک ملک میں جو مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں وہ سب کی سب وطنی و ملکی زبان کی حیثیت رکھتی ہیں، اس نقطۂ نظر سے اردو، ہندی، بنگالی، گجراتی سب ملکی زبانیں ہیں، اردو اس لئے ملکی زبان ہے کہ وہ اسی ملک میں پیدا ہوئی اور اس کی ترقی و نشو نما میں ہندو مسلمان دونوں نے حصہ لیا، لہذا وہ کسی مخصوص مذہبی فرقہ کی زبان نہیں ہے، جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ جن صوبوں میں رائج ہے وہاں کے ہندو اور مسلمان دونوں اسے بولتے ہیں، جب صورت واقعہ یہ ہے تو اگر مسلمان اردو کی ترقی کے لئے جد و جہد کریں (جو بے شبہ ایک ملکی زبان ہے) تو کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا، اس پر اعتراض کرنا تعصب و تنگ نظری ہے، البتہ اگر مسلمان ہندی کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کریں اور اس کی مخالفت کریں تو بے شبہ اس پر اعتراض ہوسکتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے کبھی ہندی کی ترقی کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کی۔ (باقی آئندہ)

جامعہ دینیہ عربیہ

دائرہ معارف قرآنیہ کا تعلیمی سلسلہ میں یہ مبارک اقدام ہے کہ جس نے علوم دینی کی ترویج اور اشاعت کے لئے ماہر دینیات کا امتحان جاری کیا بفضلہ تعالیٰ ایک سال میں اصحاب ذیل نے نصاب جامعہ دینیہ کی تکمیل بہ حسن وجوہ کی اور امتحان میں جو اشوال میں ہوا کامیاب ہوئے۔ اور ماہر دینیات کی سند حاصل کی گئی۔ قاضی سید احتشام علی صاحب (منشی) سید عبدالحمید صاحب تاج محلی۔ قاری مرزا صدر الدین بیگ صاحب سید غلام محی الدین صاحب ناظر (گوالیار) حکیم مرزا نور الدین بیگ صاحب، حافظ ... صاحب (منشی) بابو چھوٹے میاں صاحب بی، اے، بی، ٹی، حاجی عطاء اللہ صاحب آفندی، مولوی محمد صدیق صاحب (عینا بیج) منشی شہاب الدین صاحب منشی نجیب الحسن صاحب شہابی، سید اخلاق علی صاحب، آفتاب احمد خاں صاحب (منشی)

دفتر پیام تنظیم حریت یار تولہ آگرہ میں چھ ماہ سے دائرہ نے ایک مدرسہ شبینہ قائم کر دیا ہے۔ جہاں ترجمہ کلام مجید، ترجمہ مشکوٰۃ شریف۔ ترجمہ تنزیل الرقائق وغیرہ نصاب جامعہ دینیہ کا مفتی اسلام اللہ صاحب شہابی مدیر دائرہ معارف قرآنیہ۔ مولوی امین صاحب تعلیم دیتے ہیں۔ طلبا رزیادہ تر نو عمر انگریزی وال میٹرک پاس شدہ طبقہ اور ایف اے ہے جو نہایت دلچسپی سے نصاب کو حاصل کر رہا ہے۔

گزشتہ ہفتہ میں دائرہ معارف مجلس خصوصی نے یہ طے کیا ہے کہ ایک عربی کلاس اور بنا دی جائے جس میں زبان عربی کی تحصیل، منشی، منشی کامل نیز مولوی کے طلبا کے لئے انتظام ہو چنانچہ ایک عالم کی خدمت اس سلسلہ میں بھی لے لی گئی ہے

تجربہ نے یہ سبق دیا ہے کہ اب تک کالجوں اور مدرسوں کے تعلیم یافتہ طلبا دین سے عموماً بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اس لئے دائرہ نے ابتدا میں مذہبی تعلیم مادری زبان میں دینی شروع کر دی ہے۔ اس کے بعد مشرقی علوم سے لگاؤ پیدا کر دیا۔ اس میں یہ سہولت پیدا ہو گئی کہ منشی کا سند یافتہ صرف زبان انگریزی کا ایک پرچہ امتحان دے کر میٹرک کی سند حاصل کر سکتا ہے جس سے مالی بچت کے ساتھ وقت بھی کم صرف ہوگا۔ اس طرح صرف کامل کی سند حاصل کرنے کے بعد ایف، اے اور بی، اے کا امتحان صرف ایک زبان انگریزی میں دے کر سند حاصل کر کے گریجوایٹ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

اس کی تفصیل مولانا مولوی سید محمد علی شاہ صاحب قادری شیخ الجامعہ صدر دفتر دائرہ معارف قرآنیہ میوہ کٹرہ آگرہ سے معلوم کیجئے۔ اور جلد از جلد مسلمان طلبہ کو اس طرف رجوع کیجئے تاکہ دین اور دنیا دونوں کی اصلاح ایک وقت میں ہو کر علمی اعتبار سے کالج کے تعلیم یافتہ کے مقابل فائق نظر آئیں اور دار السلطنت آگرہ اپنی روایات کے اعتبار سے سرخ روئی حاصل کرے

خادم المسلمین۔ سید عبدالحمید تاج محلی ماہر دینیات
سکرٹری دائرہ معارف قرآنیہ

ملک معظم کی تقریر میں ہندوستان کا تذکرہ

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ملک معظم جارج ششم نے پارلیمنٹ کے اجلاس کے اختتام پر اپنے اعلان میں ہندوستان کا ذکر بھی کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ برطانیہ میں میری رعایا کے صبر استقلال، اور جانفشانی کی تقلید میری نو آبادیات، درممالک محروسہ وہندوستان میں بھی کی جا رہی ہے، جنگ کی وجہ سے میری ہندوستان کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو جن خاص مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے مجھے بھروسہ ہے کہ اس سے انھیں نجات مل جائے گی، اور میری حکومت نے جو تدبیریں اختیار کی ہیں ان سے حکومت ہند کو اناج کا شدید قحط دور کرنے میں مدد ملے گی جو ہندوستان کے بعض علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔

اے آر پی کے مصارف

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ اب تک ہندوستان میں اے آر پی کے کام پر تیس کروڑ روپیہ صرف ہو چکا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حکومت نے یہ دیکھ کر کہ اس قدر بڑی رقم خرچ ہو گئی، اور اس کا مصرف کچھ بھی نہیں ہوا، ملک بھر اے آر پی آرگنائزیشن توڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس وقت بنگال، آسام اور مدراس میں جہاں خطرہ ہے اے آر پی آرگنائزیشن موجود ہے۔

"مطبوعات جدیدہ"

اسلام میں غلامی کی حقیقت } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ مدیر برہان۔ غلامی پر اسلامی نقطہ نظر سے ایک محققانہ بحث۔ ... ۲ر

تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام } از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، مغربی تہذیب و تمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص متصوفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت ۶ر

اسلام کا اقتصادی نظام } از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے مقابلہ۔ قیمت ۲ر

نبی عربی صلعم } از مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ متوسط استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو بحسن جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قیمت .. .. .. عہ

فہم قرآن } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان، فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم جدید نظریوں پر نہایت بسیط و مدلل بحث۔ قیمت۔ ۶ر

غلامان اسلام } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے پچہتر سے زیادہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء و محدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

تاریخ انقلاب روس } از ایم ایم جوہر صاحب انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات۔ قیمت .. .. .. عہ

اخلاق و فلسفہ اخلاق } از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق فلسفہ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے قیمت ۵ر

وحی الٰہی } مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان، مسئلہ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ دلپذیر اور دلکش انداز میں بحث۔ قیمت .. ۶ر

ملنے کا پتہ:۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام (خانصاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر۔ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۵) | ۸ جنوری ۱۹۴۴ء مطابق ۱۱ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ | نمبر (۲)

مسلم لیگ اور کانگرس

تصویر کے دو رُخ

(از جناب کیفی چریاکوٹی)

پہلا رُخ:۔

لیگ کہتے ہیں جسے نقطۂ اسلام تو ہے
ہے عَلَمِ ہند میں، اسلام کا ہم نام تو ہے

ساغرِ ساقیٔ کوثر سے ہے نسبت جس کو
وہی میخانہ تو ہے اور وہی جام تو ہے

اپنے آغاز پہ نازاں ہیں عدو کیوں اتنا
صبح آئی ہے اگر اس کی کوئی شام تو ہے

بندۂ صبر کو آلام کی پروا کیا ہے
دلِ مسلم میں ابھی ہمت آلام تو ہے

ہمیں ملتی ہے اگر شوکتِ دنیا نہ سہی
اہلِ اسلام کو اللہ کا انعام تو ہے

ہم مسلمان ہیں امید ہمارا حق ہے
شبِ حرماں کے لئے صبح کا انجام تو ہے

عَلَمِ لشکرِ اسلام ہے اور دستِ "جناح"
ہر طرف فتح کا اب ہند میں اقدام تو ہے

چاک کر ڈالیں گے ہم زعم عدو کا سینہ
بازوے دل کے لئے خنجرِ اسلام تو ہے

ہم کو بہلا نہیں سکتا ہے نظر کا دھوکا
حق پرستی کا نقیب [illegible]

سامنے [illegible] کے ہے [illegible]
[illegible] اپنے لئے [illegible]

دل میں ایمان [illegible] ایمان کی [illegible]
اپنی مستی کے لئے ساغرِ گلفام تو ہے

ہم نے مانا کہ ہے دولت کا عدو کو سودا
سر کچلنے کے لئے گردشِ ایام تو ہے

کہہ دے کثرت سے کوئی جا کے یہ قلت کا پیام
ایک ہی شمع سہی چاکِ دلِ شام تو ہے

طلبِ حق ہو جسے راہِ خدا پر آئے
لیگ کے خوان کا یعنی کرم عام تو ہے

دوسرا رُخ:۔

ہے یہی بات مجھے کانگرسی سے کہنی
کانگرس جلوہ گہ راحت و آرام تو ہے

نورِ اسلام کی آنکھوں کو نہیں ہے پروا
کانگرس جلوۂ خورشیدِ لب بام تو ہے

کفر ایماں کو کبھی دے نہیں سکتا ہے فریب
پختہ مغزی جنوں ہوسِ خام تو ہے

مل کے ہو جائیں مسلمان بھی بالکل ہندو
کانگرس دائرۂ مرکزِ ادغام تو ہے

مولوی کفر کے فتووں پر اُتر آئے ہیں
مرغِ ناداں کے پھنسانے کے لئے دام تو ہے

قولِ قرآں ہیں تاویلِ احادیث میں ہو
اس میں کچھ فائدۂ صورتِ ابہام تو ہے

فکرِ اسلام نہیں دین سے کچھ کام نہیں
بُت خود دار اسی شغل سے اب رام تو ہے

شیخ جی بیٹھ کے مندر میں دعائیں مانگیں
صلح کو اس بُتِ سفاک کا پیغام تو ہے

شور و ہنگامۂ اسے قوم نہیں جز نغمہ
بوالہوس کے لئے ہاں عیش کا ہنگام تو ہے

شیخ میخانے میں آیا تو تردد کیا ہے
مے کے چھننے کیلئے جامۂ احرام تو ہے

کیا حقیقت ہے حکومت کی طرفداری کی
دل بہلنے کے لئے مفت کا الزام تو ہے

(بقیہ صفحہ ۸ کالم ایک پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ جنوری ۱۹۴۴ء

فرقہ وارانہ اختلافات کے اسباب

دنیا میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک نہیں ہے جہاں مختلف العقائد قومیں آباد ہیں اور مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں بلکہ ہندوستان کے علاوہ اور بھی کئی ملک ایسے ہیں جہاں مختلف قومیں موجود ہیں اور متعدد زبانیں رائج ہیں چنانچہ مثال کے طور پر روس کا نام پیش کیا جا سکتا ہے جہاں ملک کے مختلف حصوں میں ایسی قومیں بستی ہیں جو نہ صرف مذہبی اعمال و رسم و رواج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ اُن کی زبان و رسم خط بھی جداگانہ ہے۔ لیکن باوجود اس اختلاف کے کبھی ان قوموں میں تصادم نہیں ہوتا اور مذہبی عقائد یا زبان و رسم خط کے اختلاف کی وجہ سے وہ کبھی باہم دست و گریبان نہیں ہوتیں۔

جب روس موجودہ جنگ میں شریک ہوا تو بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ روس کی مختلف قوموں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کی وجہ سے روس کے لیے جنگ جاری رکھنا مشکل ہو گا۔ لیکن اب جنگ پر اچھی خاصی مدت گزر چکی ہے اور یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ روس کی سب قوموں نے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہوں اور کوئی زبان بولتی ہوں پوری ہم آہنگی سے اُس خوفناک دشمن کا مقابلہ کیا جو اُن کے ملک پر حملہ آور ہوا تھا۔ اگر روس کی مختلف قوموں میں باہم کچھ بھی کشمکش ہوتی تو جرمنی ساری دنیا میں اس کا پروپگنڈا کرتا اور اس موقع سے فائدہ اُٹھاتا۔

روس کی طرح چین میں بھی دو مختلف مذہب رکھنے والی قوموں میں کوئی کشمکش نہیں ہے۔ موجودہ جنگ میں چینی مسلمان اور بودھ کے پیرو یکساں طور پر وطن کی حفاظت اور دشمن کی مدافعت میں حصہ لے رہے ہیں اور یہ اسی اتحاد عمل کا نتیجہ ہے کہ جاپان جیسا زبردست حریف جو جدید ترین آلات جنگ سے مسلح ہے اب تک چین کی طاقت کو کچلتا ہوا نہیں بڑھ سکا حالانکہ جب یہ جنگ شروع ہوئی تو عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ چین زیادہ دنوں تک اپنے زبردست حریف کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب، رسم و رواج، زبان و رسم خط کا اختلاف مصالحت اور رواداری میں حائل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بالکل ممکن ہے کہ دو قومیں مذہب، زبان کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں اور باوجود اس اختلاف کے آپس میں رواداری و مصالحت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ لیکن ہندوستان کس قدر بدنصیب ملک ہے کہ یہاں محض معمولی اختلافات کی وجہ سے جن کی بجائے خود کوئی اہمیت نہیں ہے مختلف قومیں تقریباً ہر وقت برسر جنگ رہتی ہیں اور یہ ناخوشگوار شرمناک کشمکش آج تک جاری ہے۔ کبھی چند روز کے لئے کچھ سکون ہو جاتا ہے لیکن چونکہ دلوں میں بے اعتمادی و بدگمانی موجود رہتی ہے اس لئے کسی معمولی سے واقعہ کے پیش آ جانے پر یہ دبی ہوئی چنگاری پھر بھڑک اُٹھتی ہے اور ملک میں ایک سرے سے دوسرے تک آگ لگ جاتی ہے، اور ایک معمولی سا حیلہ ہنگامہ آرائی کا سبب بن جاتا ہے۔

اس ہنگامہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ہلاک ہوتے ہیں کچھ مجروح، اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا گھر بار لٹ جاتا ہے، اس کے بعد گرفتاریاں ہوتی ہیں مقدمات چلتے ہیں سزائیں ہوتی ہیں کچھ پھانسی پاتے ہیں کچھ جیل جاتے، فتنہ انگیز لیڈر جن کی آتش افروزی سے یہ خانہ بربادی ہوئی عموماً محفوظ رہتے ہیں اور سر پھرے عوام سزا پاتے ہیں۔ کچھ دنوں کے لئے جوش جنوں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس کے بعد لیڈروں کی فتنہ پردازی سے پھر وہی ہنگامہ آرائی شروع ہو جاتی ہے، غرض یہ فرقہ وارانہ دنگہ ایک مستقل مصیبت ہے جس میں ہندوستان زمانہ دراز سے مبتلا ہے۔ بارہا ہندو مسلمان اس غرض سے جمع ہوئے کہ مصالحت کی کوئی راہ نکالیں لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

نشستند و گفتند و برخاستند!

اب سوال یہ ہے کہ اس کشمکش کے کیا اسباب ہیں؟ اور ملک میں ہمیشہ یہ فتنہ و فساد کیوں برپا رہتا ہے؟ اس سوال کا جواب کسی قدر مشکل ہے تاہم اختلاف کے بعض بنیادی اسباب عرض کیے جاتے ہیں۔

پہلی چیز جو اس کشمکش کی خاص وجہ ہے "بے اعتمادی و بدگمانی" ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت کی حالت میں ہیں اور ہندوؤں کی اکثریت ہے اس کے علاوہ دولت و تعلیم میں بھی ہندوؤں کو مسلمانوں پر فوقیت ہے ان سب وجوہ سے برادران وطن کو ایک خاص قوت و رسوخ حاصل ہو گیا ہے، اور ان میں ایک قسم کی بے باکی پیدا ہو گئی جس کا اثر اکثر موقعوں پر ظاہر ہوتا رہتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ خوف پیدا ہو گیا ہے کہ اگر اکثریت کی قوت اسی طرح بڑھتی رہی تو وہ بحیثیت ایک مستقل قوم کے ہندوستان میں اپنی ہستی محفوظ نہ رکھ سکیں گے۔ اور ان کے بنیادی و شہری حقوق اکثریت کے اقتدار پر قربان ہو جائیں گے، اس خوف نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک زبردست بے اعتمادی پیدا کر دی ہے، اور وہ نہیں چاہتے کہ اپنے قومی مفاد کی حفاظت و نگہداشت غیر مشروط طور پر کسی دوسری قوم یا ایسی "سیاسی جماعت" کے حوالہ کر دیں جس میں برادران وطن کی اکثریت ہو، بلکہ ہمیں صاف صاف اور بے تکلف یہ بھی ظاہر کر دینا چاہیے کہ یہی خطرہ ہے جس کی بنا پر مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی ہے جو اپنی مدافعانہ قوت کی کمزوری اور قلت وسائل کی وجہ سے حکومت سے تعاون کی ضرورت محسوس کرتی ہے، جس کی وجہ سے ہندوستان کی سیاست میں گوناگوں پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں جو ناظرین سے مخفی نہیں۔

مسلمانوں کی یہ بے اعتمادی صرف اکثریت کے "طرزِ عمل" سے رفتہ رفتہ دور ہو سکتی تھی لیکن یہ بھی ہندوستان کی بدنصیبی ہے کہ اکثریت کا طرزِ عمل ہمیشہ ناقابلِ اطمینان بلکہ حریفانہ رہا جس سے مسلمانوں کو بہت مایوسی ہوئی، اکثریت کو اپنی فراخدلی اور وطن پروری کے ثبوت دینے کا ایک موقع ملا تھا جو اس نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ضائع کر دیا یعنی جدید آئینی اصلاحات کے نافذ ہونے کے بعد جب ملک کے نظامِ حکومت میں تبدیلی ہوئی اور مختلف صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں تو اکثریت کے لئے بہترین موقع تھا کہ جو دعوے وہ اب تک کرتی رہی تھی حکومت کا اقتدار حاصل کرنے کے وہ اپنے طرزِ عمل سے ان کا ثبوت دیتی لیکن ملک کی بدنصیبی سے حکومت ہاتھ میں آنے کے بعد اکثریت کی بے نیازی طغیانی اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور اس نے عملاً ان صوبوں میں خصوصاً صوبۂ متوسط و بہار میں ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جس سے مسلمانوں میں عام طور پر بے اعتمادی و بددلی پیدا ہو گئی اور انھیں اپنا مستقبل تاریک و پُرخطر نظر آنے لگا۔ یہاں تک کہ بہت سے وطن پرور مسلمانوں کے قدم بھی ڈگمگا گئے اور وہ کانگریس سے اپنی عقیدت قائم نہ رکھ سکے یہی وجہ ہے کہ جب جنگ شروع ہونے پر کانگریسی حکومتیں مستعفی ہوئیں تو مسلمانوں نے تقریباً سارے ہندوستان میں نہایت جوش و خروش سے یومِ نجات" منایا" اور یہ محسوس کیا کہ اب انھیں کسی قدر آزادی سے سانس لینے کا موقع ملا ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ کانگریس کو خوش نصیبی سے جو بہترین موقع حاصل ہوا تھا اس نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا اور حریت و حبِ وطن کے جو دعوے وہ نہایت بلند آہنگی سے کرتی تھی اس کا عملی ثبوت دینے سے قاصر رہی، اور اس نازک امتحان میں ناکامیاب ہوئی، اس واقعہ نے حالات کو بد سے بدتر بنا دیا۔

اب ان واقعات کے بعد یہ توقع رکھنا کہ مسلمان بغیر کسی اطمینان بخش ضمانت یا معاہدہ کے غیر مشروط طور پر اپنا مفاد کسی دوسری قوم کے حوالے کر دیں گے سادہ لوحی کی دلیل ہے جو قطعاً لائق توجہ نہیں، بے شبہ ہم مانتے ہیں کہ اکثریت یا بالفاظِ دیگر کانگریس نے ایک سے زیادہ دفعہ یہ اعلان کیا ہے کہ ملک میں قومی حکومت قائم ہونے پر اقلیت کے حقوق محفوظ رہیں گے، لیکن مسلمان قول و عمل کی مطابقت چاہتے ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کانگریس کیا کہتی ہے بلکہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا کرتی ہے۔

مسلمانوں کو اس سلسلہ میں بہت سے تلخ تجربے ہو چکے ہیں، انھوں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جہاں کہیں مخلوط انتخاب کی صورت درپیش تھی وہاں انھیں اپنا حق حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ نیز اردو کے معاملہ میں کانگریس اور اس کے سب سے بڑے رہنما نے جو عجیب و غریب طرزِ عمل اختیار کیا۔ وہ بھی مسلمانوں کے پیشِ نظر ہے جس کی تفصیلی کیفیت ڈاکٹر عبد الحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو کے ان مضامین سے معلوم ہو سکتی ہے جو موصوف نے اس مسئلہ پر مختلف اوقات میں شائع کئے ہیں۔ اس کے علاوہ ریاست کشمیر، گوالیار اور جے پور وغیرہ میں اردو کے اخراج کے لئے جو جد و جہد ہو رہی ہے وہ بھی مسلمانوں کو معلوم ہے۔

یہ چند واقعات محض بطور مثال پیش کئے گئے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے افسوس ناک واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہمارے سامنے موجود ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مستقبل کو برباد کرنے کے لئے ایک منظم کوشش سارے ملک میں جاری ہے، ان واقعات نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں اور ان کے اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کانگریس حکومتیں اپنے دورِ عروج و اقتدار میں تنگ نظری اور تنگ ظرفی کا مظاہرہ نہ کرتیں تو آج ملک میں کوئی بھی سیاسی جماعت کانگریس سے زیادہ با اثر، ہردلعزیز اور قابلِ اعتماد نہ ہوتی لیکن نہایت افسوس ہے کہ اس کے علمبرداروں نے اپنی فرقہ پروری، کوتاہ بینی اور ناحق شناسی کی وجہ سے اس طلائی فرصت کو یکسر ضائع کر دیا جو نصف صدی کی مسلسل جد و جہد اور عوام کی لائق ستائش قربانیوں کے بعد اسے میسر آئی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب ملک میں کانگریس کو حکومتی اقتدار حاصل ہوا تو ہندوستان سے انگلستان تک سب کی نظریں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں یہ دیکھیں کہ وہ کس طرح اپنا فرض انجام دیتی ہے یہ بڑا نازک امتحان تھا اگر کانگریس اس میں کامیاب ہو جاتی تو لاکھوں انسانوں نے قید و بند کے جو مصائب برداشت کئے تھے اور جو مالی و جانی قربانیاں کی تھیں وہ اس بری طرح ضائع نہ ہوتیں اور آزادی کی وہ منزل بہت قریب آ جاتی جس پر پہنچنے کی آرزو ہر خوددار و محبِ وطن ہندوستانی کے دل میں موجود ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان آئندہ بھی اسی ذلت و مصیبت اور غلامانہ ذہنیت میں مبتلا رہے گا یا کبھی دنیا کی آزاد و خود مختار قوموں کی صف میں جگہ حاصل کر سکے گا؟

اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ ہندوستان کے مستقبل کو روشن و تابناک بنانا خود ہماری سعی و ہمت اور فہم و فراست پر منحصر ہے، قومیں خود اپنے اچھے یا برے اعمال کی وجہ سے بنتی یا بگڑتی ہیں، کوئی دوسرا نہ بناتا ہے نہ بگاڑتا ہے۔ خدا بھی انھیں کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں، آج دنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں ہے جو بغیر سعی و کوشش کے کسی بلند مرتبہ پر پہنچی ہو، یا بے وجہ و بے سبب قعرِ مذلت میں گر گئی ہو جب یہ حقیقت ظاہر ہو گئی تو اب ہمارا کام ہے کہ خواہ وہ راستہ اختیار کریں جس پر چل کر دنیا کی بہت سی قومیں بلند مرتبہ پر پہنچیں یا وہ راستہ جس پر چل کر بہت سی قومیں تباہ و برباد ہو کر بے نام و نشان ہو گئیں دوسری مشرقی قوموں کا انجام ہمارے لئے درسِ عبرت ہے اور کس طرح اندرونی اختلافات کی وجہ سے ان کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا، اگر ہم بھی مذہب، رسم و رواج یا زبان و رسم خط کے اختلاف کی وجہ سے اسی طرح لڑتے رہے تو ہندوستان کی فلاح و خوش نصیبی کے دن کبھی نہیں آئیں گے، اور وہ کبھی دنیا کی صاحبِ قوت و ترقی یافتہ قوموں کی صف میں جگہ نہ حاصل کر سکے گا۔

ہم زبان سے آزادی آزادی کا غلغلہ بلند کرتے ہیں لیکن عملاً یہ حالت ہے کہ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے رہتے ہیں، ہماری ناقابلیت کا یہ حال ہے کہ خود آپس میں کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے بلکہ حکومت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور اس سے التجا کرتے ہیں کہ ہمارے جھگڑے چکا دے جس قوم کی نالائقی اس حد تک پہنچ چکی ہو وہ کس طرح آزادی حاصل کر سکتی ہے؟ (باقی آئندہ)

[illegible] بہت طاقت

دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو ہر چیز کے روشن پہلو پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ ہر کام کو اس یقین کے ساتھ شروع کرتے ہیں کہ ہم اس میں ضرور کامیاب ہوں گے، وہ پیش آمدہ مشکلات اور عارضی رکاوٹوں کے ساتھ بہادرانہ جنگ کرتے ہیں۔ اور آخرکار کامیاب ہو جاتے ہیں۔ قانون قدرت ہمیشہ سے ایسے لوگوں کی تائید کرتا چلا آیا ہے۔

دوسری قسم اُن بودے اور کمزور دل لوگوں کی ہے، جو ہمیشہ زندگی کے تاریک پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ کسی کام کے متعلق ہمیشہ یہی سوچتے رہتے ہیں کیا ہم اس میں کامیاب ہو جائیں گے؟ تذبذب و تزلزل، دودلی، پس و پیش اور کم و بیش کی فکر انھیں ہر وقت دامنگیر رہتی ہے۔ ناکامی کا خطرہ کبھی ان کے دل سے نہیں نکلتا۔ خیالی مشکلات کے بھوت ہر وقت ان کے سر پر سوار رہتے ہیں۔ ایک دفعہ کی ناکامی کا تجربہ ان کا تکیہ کلام بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ قانون قدرت کبھی رعایت نہیں برتتا۔

وہم میں موت

کسی دیہاتی ملازم سے کہا جائے کہ اس میز کو ہر روز صاف کرنا، لیکن خیال رکھنا کہ چینی کے گلدان نہ ٹوٹ جائیں تو یقین جانیے کہ وہ ضرور ٹوٹ جائیں گے اس لئے کہ آپ کی تنبیہ کی وجہ سے ایک وہم اس کے دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ اسی وہم کے باعث گلدان اٹھاتے وقت اس کے ہاتھ کانپنے لگیں گے اور گلدان گر جائیں گے۔

اسی طرح ایک شخص کسی دیوار کی منڈیر پر چلتا ہوا اگر اس خوف میں مبتلا ہو جائے کہ میں گر جاؤں گا تو وہ گر جائے گا۔ حالانکہ دیوار پر چلنے کی حالت میں بھی اس کے پاؤں کے نیچے اتنی ہی زمین تھی جتنی کہ زمین پر چلنے کی حالت میں ہوتی ہے۔

ایک شخص معمولی مرض میں مبتلا تھا، لیکن ڈاکٹر نے اُسے ایک مہلک بیماری کے وہم میں مبتلا کر دیا، اُسے یقین ہو گیا کہ میری موت یقینی ہے۔ چنانچہ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ ختم ہو گیا۔

سوا سو سال کے ایک بوڑھے سے اس کی طاقت کا راز دریافت کیا گیا۔ اس نے ہنس کر کہا کہ میں نے کبھی اس خیال کو اپنے نزدیک بھی بھٹکنے نہیں دیا کہ میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔ میں نے ہمیشہ یہی سمجھا ہے کہ میں جوان ہوں اور میں جوان ہی رہوں گا، چنانچہ اسی لئے میں اب تک جوان اور طاقتور ہوں۔

ایک عجیب مثال

امریکہ میں یہ قاعدہ ہے کہ کوئی نوجوان جس کو کسی جرم میں پھانسی کی سزا دی جائے اور ڈاکٹروں کا بورڈ عدالت سے درخواست کرے کہ اس کی [illegible] طبی تجربات کے لئے ہمارے حوالے کر دی جائے تو عدالت ایسی درخواست کو منظور کر سکتی ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق ایک نوجوان کو ایک ڈاکٹر کے حوالے کیا گیا، ڈاکٹر نے نوجوان سے کہا، میں تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ کر پھر تمہارے جسم پر نشتر سے چرکے لگا کر خون نکالوں گا مجھے دیکھنا یہ ہے کہ انسانی جسم سے [illegible] خون نکالا جائے تو آدمی مر جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے نوجوان کی آنکھوں پر مضبوط پٹی باندھ دی اور اس کے بالائی جسم کو ننگا کر کے اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا اور اس کی ٹانگوں کے درمیان ایک بالٹی رکھ دی تاکہ اس میں خون کے قطرے گریں، پھر ڈاکٹر نے نوجوان کے جسم پر چند خراشیں دیں اور اس کے ساتھ ہی خفیہ طریقہ پر ایک تپائی کھڑی کر کے اس پر پانی کا ایک ٹب رکھ دیا۔ اس اوپر والے ٹب میں سے پانی ایک ایک قطرہ کر کے گرتا تھا اور اس بالٹی میں جو نوجوان کی ٹانگوں کے درمیان خون جمع کرنے کے لئے رکھی گئی تھی، گرتا تھا۔ اوپر کے ٹب سے نیچے کی بالٹی میں پانی کے قطرے گرنے لگے اور نوجوان یہ سمجھا کہ میرے جسم کا خون قطرہ قطرہ کر کے بالٹی میں گر رہا ہے، حالانکہ ڈاکٹر نے اس کے جسم پر اس طرح خراشیں دی تھیں کہ ان میں سے ایک قطرہ خون بھی نہیں نکلا۔ نوجوان جس کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، اس وہم میں غرق ہو گیا۔ میرا خون بالٹی میں گر رہا ہے جوں جوں پانی کے قطرے گرتے تھے، نوجوان زرد پڑتا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر میں اُسے محسوس ہوا کہ آدھی بالٹی میرے خون سے بھر گئی ہے، تھوڑی دیر میں ڈاکٹر نے کہا کہ بالٹی بھر گئی ہے، دوسری بالٹی رکھو۔ اب نوجوان کی جان تلملانے لگی۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹر نے آواز دی اب دوسری بالٹی بھی بھر گئی ہے۔ اب نوجوان کے جسم سے پسینہ بہنے لگا۔ اس کی نبضیں چھوٹ گئیں اس کا دل تڑپا اور وہ اسی وقت مر گیا۔

نتیجہ بحث

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خیال میں عمل ہی کے برابر طاقت موجود ہے۔ اور ہر شخص ایسا ہی بن جاتا ہے جیسا کہ اس کا خیال ہو۔ یہی حال ان قوموں کا ہے، اگر قوموں کی ذہنیت میں کمتری کا جذبہ پیدا ہو جائے تو وہ کمتر ہو جاتی ہیں اور اگر انھیں اپنی برتری پر وثوق حاصل ہو جائے تو وہ برتر ہو جاتی ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ جب بھی کوئی قومی یا ذاتی کام شروع کیا جائے تو کمزور اور بودے خیالات کو دل سے نکال کر آہنی عزم، سنگین استقلال اور روشن امید [illegible] کے ساتھ شروع کیا جائے۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ آپ پوری سرگرمی، دلی انہماک اور کامل امید و وثوق سے ایسے کام کو سر انجام دیں گے اور اس لئے اس میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

[illegible] کامیابی

امریکہ کے ایک عالی ہمت اخبار نے وہاں کے [illegible] آدمیوں کی خدمت میں اپنے خاص نمائندے بھیج کر یہ سوال دریافت کیا تھا کہ کاروبار میں کامیابی کے لیے جو شرائط ان کے ذاتی خیال اور تجربہ کے موافق نہایت ضروری ہوں، وہ انھیں نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں بیان کر دیں، چنانچہ اس طریقہ سے جو آراء جمع ہوئیں اُن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ [illegible] اور [illegible] (مارک کنز)

۲۔ کامل یکسوئی یعنی ایک ہی مقصد پر تمام قوتوں کو مرکوز کر دینا (ڈگلس کارٹر)

۳۔ سادہ زندگی اور لوگوں سے حسن سلوک (جوزف میڈل)

۴۔ اَن تھک محنت اور عزم محکم جوش و خروش (جنرل کلارک)

۵۔ کام کے ہر پہلو پر پوری توجہ اور خود کو قابل اعتبار ثابت کرنا (جان وانا)

۶۔ ایمانداری اور مسلسل پیش قدمی۔ (صدر روز ویلٹ)

۷۔ محنت، استقلال اور خدا پر بھروسہ (راک فیلر)

۸۔ تمام دنیا سے ایک دن آگے (ہنری فورڈ)

۹۔ الفاظ کم اور کام زیادہ (جنرل میل ڈائن)

۱۰۔ اپنی تمام طاقتوں کو جمع کر کے ایک مرکز پر لگاؤ۔ یک در گیر و محکم گیر۔

۱۱۔ دنیا ان لوگوں کو انعام میں ملے گی جو مستعد

محنتی اور سرگرم رہنا۔

۱۲۔ تہذیب اور ادب سے محرومی اور مضبوط بنیادیں۔

۱۳۔ (۱) خطرات اور مشکلات کا اطمینان کے ساتھ مقابلہ (۲) اور امداد وغیرہ کو بے عزتی سمجھنا

۱۴۔ (۱) جو معاملہ اختیار سے باہر ہو جائے اُسے جیسے بن پڑے نپٹانا چاہئے (۲) آدمی صرف اُس وقت مغلوب ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو مغلوب سمجھ لے۔

۱۵۔ (۱) اتفاقات سے پورا فائدہ اُٹھانا۔
(۲) اور دیانت دار رہنا۔

۱۶۔ صحت، قابلیت، دیانت اور محنت و استقلال۔

۱۷۔ (۱) جفاکشی کے سمندر کی تہ کامیابی کے موتیوں سے بھری پڑی ہے (۲) محنتی کے سامنے پہاڑ کنکر ہیں اور سست کے سامنے کنکر پہاڑ۔

۱۸۔ دولت کے پَر ہوتے ہیں مگر افلاس دروازہ کے قریب ہی رینگتا رہتا ہے اور اگر ایک دفعہ گھر میں داخل ہو جائے تو نکلنے کا نام نہیں لیتا۔

۱۹۔ (۱) دوست بُرائی نہیں، ہاں اس سے بُرائی حاصل کی جا سکتی ہے (۲) نیک کو بُرا بننے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ نیکی خود اس کو بُرا بنا دیتی ہے۔ (ماخوذ)

آل انڈیا مسلم لیگ سیشن کی تجاویز

ہرگاہ کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے سالانہ سیشن منعقدہ دہلی بماہ اپریل ۱۹۴۳ء میں یہ طے کر لیا تھا کہ چونکہ مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کی طرف برطانوی گورنمنٹ کا رویہ ایک طرف بالکل ہی غیر مبہم اور مشکوک ہے، اور دوسری طرف ہندوؤں کا رویہ متعصبانہ تنگ نظرانہ اور غیر مصالحانہ ہے۔ اس لئے عام طور پر مسلمانان ہند اور خاص طور پر پاکستانی علاقوں کے مسلمانوں کی انتھک کوششوں مکمل عزم اور قربانیوں پر بھروسہ کر کے مقصود حاصل کرنے کا آغاز کیا جائے۔ لہٰذا آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ سیشن طے کرتا ہے کہ ایک مجلس عمل قائم کرے جو سات سے زیادہ اور پانچ سے ممبروں پر مشتمل نہ ہو۔ اس کمیٹی کے اراکین صدر کی جانب سے نامزد کئے جائیں گے۔ اس کا کام یہ ہوگا کہ وہ ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کو منظم کرے اور عام ہندوستانی ضرورتوں کی تکمیل سے کام لے۔

آل انڈیا فیڈریشن یا واحد یونائیٹڈ انڈیا کے کسی دیگر آئین و دستور کی مزاحمت کرے اور آئندہ جدوجہد کے لئے مسلمانوں کو تیار کرے۔

قرارداد نمبر ۲۔ ہرگاہ کہ پاکستانی علاقوں کے مسلمانوں کی قوتوں کا استحکام اور انہیں آزاد و خودمختار ریاستوں کے حصول میں جن میں اہم ذمہ داریوں سے سابقہ پڑے گا ان کے لئے انہیں تیار کرنے کی طرف پہلا قدم اٹھانے کے طور پر آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانوں کی اعانت اور ان کی تائید سے کل پاکستانی صوبوں میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اور جس نے ایوانوں میں مسلمان نمائندوں کے لئے قدرتی طور پر بہت سے مواقع فراہم کر دئے ہیں تاکہ وہ صوبائی سرگرمیوں کے شعبوں مثلاً تعلیم، زراعت، ساکنی مزدوروں کے لئے سہولت پہونچانے میں اپنی قوم کی خدمت کرے۔ اور ہرگاہ کہ فی الواقع یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ نہ اقوام اور نہ صوبائی حکومتیں جنھیں مدت مدید سے تاریکی سیاسی اور بعض حالات میں فرقہ وارانہ طرفداری کی بنا پر قدرتی اور مناسب ترقیات سے محروم کر دیا گیا ہے اس قابل ہو سکے گا۔

قرارداد نمبر ۳۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ سیشن ملک کے طول و عرض میں اجناس خوردنی و دیگر ضروریات زندگی کی قلت اور ان کی قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے بے حد تشویش و فکر محسوس کر رہی ہے اور اس رائے کے حصول سے کہ موجودہ خرابی حالات کی ذمہ داری خالصۃً مرکزی گورنمنٹ کی اس غلط اور غیر مؤثر پالیسی پر ہے جو وہ گزشتہ ۴ سال سے اختیار کئے ہوئے ہے۔ یہ سیشن اپنی یہ غور کردہ رائے پیش کرتی ہے کہ اب سے ضروریات زندگی کی ہر چیز کی قیمتوں پر مناسب کنٹرول کیا جائے۔ راشننگ غلہ کا حصول اور اس طرح کی دیگر باتیں حد درجہ ضروری اور لازمی ہیں لہٰذا مرکزی گورنمنٹ اور صوبائی گورنمنٹوں سے استدعا کرتی ہے کہ وہ اپنے یہاں اس طریق کو جاری کریں۔

قرارداد نمبر ۴۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ سیشن مرکزی گورنمنٹ اور صوبائی حکومتوں کی توجہ سوامی دیانند کی اس آخری کتاب کے بعض ابواب کی جانب مبذول کراتا ہے کہ جو ستیارتھ پرکاش کے نام سے طبع ہوئی ہے ان ابواب میں مسلمانوں کے مقدس اور برگزیدہ پیغمبر کی ذات پر بعض نہایت ہی ناروا قابل اعتراض اور اشتعال انگیز حملے کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ بانیان مذہب پر بھی اسی طرح کے رکیک حملے کئے گئے ہیں لہٰذا یہ سیشن مطالبہ کرتا ہے کہ ان ابواب کو ضبط کر لیا جائے۔ نیز ان ابواب کے طابع و ناشر کو تعزیرات ہند کے ماتحت ماخوذ کرے۔ تاکہ پھر اس قسم کے لٹریچر کی اشاعت کا انسداد ہو جائے۔

قرارداد نمبر ۵۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ سیشن اپنی پوری قوت سے جو اس کے قبضہ میں ہے۔ ملک معظم کی خدمت میں بالخصوص اور دیگر اتحادی حکومتوں سے بالعموم مطالبہ کرتا ہے کہ وہ علاقے جنھیں حال ہی میں اطالیہ کے تصرف سے چھڑایا گیا ہے، یعنی اریٹیریا، لیبیا اور ٹریپولی انھیں دوبارہ اطالوی حکومت کے سپرد نہ کیا جائے بلکہ انھیں مختار ریاستوں کی حیثیت دیدی جائے۔

یہ سیشن مزید اس رائے کا حامل ہے کہ انتداب کا مذموم طریقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم اور ترک کر دیا جائے اور جن ملکوں پر برطانیہ عظمیٰ اور فرانس کا انتداب رہا ہے مثلاً فلسطین، شام، عراق، لبنان ان کو ان ملک کے باشندوں کے سپرد کر دئے جائیں تاکہ وہ اپنے اپنے ملکوں میں اپنی پسند کی حکومتیں قائم کریں۔

اس لحاظ کے مدنظر کہ اتحادی ہر بار اعلان کرتے رہے ہیں کہ قوموں کو آزاد کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یہ سیشن مطالبہ کرتا ہے کہ دول متحدہ فرانس سے مراکش، الجزائر اور ٹیونس کو آزاد کر دینے کا مطالبہ کرے۔

مہاراشٹر یونیورسٹی کے خلاف شدید احتجاج

انجمن طلبائے قدیم اینگلو اردو ہائی اسکول مالیگاؤں کے زیر اہتمام مسلمانان مالیگاؤں کا ایک جلسہ عام بروز سہ شنبہ بتاریخ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۳ء بوقت شب دس بجے "مجوزہ مہاراشٹر یونیورسٹی" کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے میونسپل ہال میں انعقاد پذیر ہوا۔ جناب مولانا مولوی عبدالحمید نعمانی صاحب نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔ جلسہ کی غرض و غایت بیان کرنے کے بعد ایک تجویز پیش ہوئی۔ چند مقررین نے تجویز کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش فرمائی۔ اور مراٹھی ذریعہ تعلیم کے نتائج بد سے آگاہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے یہ بھی بتایا

[illegible] زبان اور کلچر کے تحفظ کی
[illegible] ہے۔ کہ مسلمانوں کے لئے ذریعۂ تعلیم
اردو رکھی جائے۔ جناب صدر صاحب نے اپنے
خطبۂ صدارت میں مالیگاؤں کے نوجوانوں کو عموماً
اور اراکین انجمن مذکورہ کو خصوصاً عمل کی ترغیب
دی۔ اور تجویز کے متعلق واضح طور پر اپنے خیالات
کا اظہار کیا۔ یہ انتہائی مسرت کی بات ہے۔ کہ یہ
تجویز باتفاق رائے منظور ہوئی۔ حاضرین کے
شکریہ کے بعد جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

یہ تجویز حسب ذیل ہے

مسلمانان مالیگاؤں کا یہ جلسۂ عام ہمارا شٹر
یونیورسٹی کی اسکیم سے متعلقہ رپورٹ سے خان
بہادر پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز صاحب
کے اختلافی نوٹ سے اتفاق کا اظہار کرتا ہے۔
اور اعلان کرتا ہے کہ شیخ صاحب نے اپنے نوٹ
میں انتہائی اعتدال سے کام لیا ہے۔ اور انگریزی
زبان میں اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب نیز عربی
و فارسی اور اردو کے سیکھنے کی گنجائش کا مطالبہ
کیا۔ ورنہ مسلمانوں کے جذبات کا تو صرف یہ تقاضا
ہے۔ کہ ان کی تعلیم کا ذریعہ اردو زبان کو قرار
دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ حکومت شیخ صاحب
کے اختلافی بیان کو مسلمانان مہاراشٹر کی صحیح
اور بروقت ترجمانی کا درجہ دیگی۔

محرک:۔ محمد صدیق صاحب۔ نیوز ایجنٹ
مؤید:۔ جناب حکیم محمد ایوب صاحب انصاری
محمد ایوب انصاری سکریٹری انجمن
طلبائے قدیم اینگلو اردو اسکول
مالیگاؤں

ہندوستانی تاریخی دستاویزات کمیشن کا بیسواں اجلاس

آخر دسمبر میں علی گڑھ میں تین دن تک ہندوستان
کے مشاہیر مؤرخین تاریخ ہند نے غیر معروف واقعات
کی چھان بین اور ماضی کے اوراق پارینہ کی از سر نو
مرتب کرنے کی کوشش کی قوی امید ہے کہ تاریخ کا
یہ طلسماتی آئینہ مستقبل کی رہنمائی میں کام آئیگا۔
موقع یہ ہے کہ ہندوستانی تاریخی دستاویزات
کے کمیشن کا بیسواں اجلاس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے
اسٹریچی ہال میں منعقد ہو رہا ہے اس کے لئے ۳۲
مقالے بھیجے گئے ہیں مقالوں کا تنوع اس سے ظاہر
ہے کہ ان میں اوائل انیسویں صدی اور اس کے
قیدخانوں کے انتظام اور انگریزوں اور مرہٹوں کی
پہلی جنگ سے لیکر مالابار کے راجاؤں کے علاقہ جاتی
مطالبات اور زنان بازاری پر ایک ٹیکس کی تحصیل وصول
سے متعلق کلایو کے کلکتہ کے کلکٹر جنرل کے مراسلے
تک کے موضوعات موجود ہیں۔

بہار کی دستاویزات میں کچھ تحریریں [illegible] جس
سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی [illegible]
اقتصادی ذرائع کو بڑھانے کے امکانات [illegible]
اور مویشیوں کی نسل کی ترقی کے سلسلہ میں بیاقدامات
کئے تھے۔ ایک ممبر نے جو آزاد فرانس کے ہندوستانی
علاقہ (زی پانڈیچری) کا رہنے والا ہے جو مقالہ
بھیجا ہے اس میں ڈوپلے کی حمایت کی گئی ہے۔ مقالہ
نگار کی رائے میں ڈوپلے کو نہ صرف اس کی [illegible] میں
غلط سمجھا گیا بلکہ بعد کی نسلوں نے بھی اس کے ساتھ
ناانصافی برتی۔

کمیشن کے صدر سر جوگندر سنگھ نے [illegible]
صاحب [illegible] سے اجلاس کے افتتاح کی درخواست
کرتے ہوئے کہا کہ کمیشن گزشتہ واقعات کو صحیح زاویہ کو
پیش کرکے ایک حقیقی خدمت انجام دیتا ہے تاکہ وہ
لوگ جنہیں خدا کی طرف سے مخلوق کی رہنمائی کی خدمت
تفویض ہوئی ہے ان واقعات کو اپنی مشعل راہ
بنائیں۔ حاضرین کے گرد و پیش جو تاریخی دستاویزات
ہیں وہ گویا ماضی کی صدا بندی ہیں ان سے بہت سے
سبق حاصل کئے جا سکتے ہیں اور انہیں چاہئے کہ
ماضی کی کامرانیوں اور ناکامیوں سے مستقبل کی
کامیابیوں اور ناکامیوں سے بچنے کے طریقے سیکھیں
علم کی بڑھتی ہوئی روشنی میں ان کو اپنے اہل ملک
کی زندگی جنگ کے بعد بہتر بنانے کا عہد کرنا چاہئے
اور خاص کر زراعت اور صنعت کو منظم کرنے اور
تعلیم کو ترقی دے کر مرفہ اقوام میں اپنی حیثیت مساویانہ
حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھنا چاہئے۔

ہز ہائی نس نواب صاحب رامپور نے اجلاس
کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ آپ حضرات کو چاہئے
کہ عوام کے دلوں میں تاریخی دستاویزات کی محبت
تازہ کریں۔ اور ہر ایسی تحریر کے لئے جس میں تاریخ
ہند کا کچھ بھی مواد ہو ان میں احترام پیدا کر دیں۔
ہز ہائی نس نے نئی دہلی کے سنٹرل ریکارڈ آفس کا
ذکر کرتے ہوئے جس کی کتابوں کی الماریوں سے
۹ میل لمبی قطار بنائی جا سکتی ہے کہ گزشتہ چار سال
میں اس آفس سے ریسرچ کرنے والے طلبا کے
استفادہ کے لئے ۵۰،۰۰۰ صفحات کے اقتباسات
فراہم کئے گئے ہیں کمیشن کے مطالبات پر حکومت ہند
نے دستاویزات محفوظ رکھنے کے مسئلہ پر تحقیق و تفتیش
کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی تجربہ خانہ کھول دیا ہے اور
جنگ کی دشواریوں کے باوجود اس کے لئے باہر سے
نئی مشنری آئی ہے۔

کمیشن نے ہر سال اشاعت کی ایک خاص [illegible]
اسکیم تیار کی تھی، اور حکومت ہند اس کے بروقت پورا
ہو جانے کے لئے تمام آسانیاں فراہم کر رہی ہے
اس پروگرام کی تکمیل کے بعد فورٹ ولیم اور ایسٹ
انڈیا کمپنی کی مجلس نظما کے درمیان ۱۷۴۸ء سے
۱۸۰۰ء تک جو مراسلت ہوئی وہ نیز ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء
تک کی ہندوستانی زبانوں کی تمام دستاویزات
سامنے آ جائیں گی کمیشن اپنی بھی سرگرمیوں کے سلسلہ میں
تحقیق و اشاعت کی اس کمیٹی پر اعتماد کر سکتا ہے جو
حکومت ہند کے کمشنر تعلیمات مسٹر جان سارجنٹ کی
زیر صدارت بہت عمدہ کام کر رہی ہے۔

ہز ہائی نس نے کہا کہ کمیشن کے پیش نظر عمدہ
اسکیمیں ہیں خاص کر ان دستاویزات کی دریافت کے
لئے جو مختلف لوگوں کے پاس ہیں، ایک علاقہ داری
سروے کی اسکیم کمیشن کا مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ وہ یہ
دیکھے کہ بعد جنگ کی تعمیر جدید کے زمانہ میں یہ اسکیمیں پایۂ
تکمیل کو پہنچ جائیں۔

ہمارا سالانہ کانووکیشن

(از [illegible] مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا سالانہ کانووکیشن بصدارت
اعلیٰ حضرت حضور پرو چانسلر نواب صاحب رامپور خلد اللہ
ملکہ و حشمتہ بتاریخ ۲۲ دسمبر منعقد ہوا۔ ساڑھے دس بجے
اسٹریچی ہال میں طلبا، اساتذہ اور مہمانوں کا اتنا مجمع
ہو گیا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی گیارہ بجے کانووکیشن
کا جلوس مرتب ہوا اور جوں ہی حضور پرو چانسلر،
سر عزیز الحق وائس چانسلر، پرو وائس چانسلر اور رجسٹرار
صاحبان، اراکان یونیورسٹی کورٹ اور رجسٹرڈ گریجویٹ
حضرات اسٹریچی ہال میں داخل ہوئے حاضرین کی قرد [illegible]

خوش تالیاں فلک بوس ہونے لگیں۔ آنریبل سر جوگندر سنگھ، پروفیسر اے جی ہل، سید بشیر حسین زیدی، سر عزیز الحق، بیگم وسیم صاحبہ اور متعدد دیگر زعمائے ملک و معززین شریک جلسہ تھے۔

وائس چانسلر صاحب نے کانووکیشن کے افتتاح کا اعلان فرمایا اور صدر شعبۂ دینیات نے تلاوت کلام پاک فرمائی۔ پرو وائس چانسلر صاحب نے سالانہ رپورٹ پیش کی۔ اس میں یہ بتایا گیا کہ مسلم یونیورسٹی میں چین سے آنے والے طلباء کے داخلے کی غرض سے حکومت ہند نے چین کی فودان یونیورسٹی کی بی اے اور بی ایس سی کی اسناد کو تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ اب مسلم یونیورسٹی کی اعلیٰ جماعتوں میں چینی طلباء کا داخلہ آسانی سے ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں حکومت ہند نے مسلم گرلس ہائی اسکول علی گڑھ اور مسلم ویمنس کالج علی گڑھ کو فی الحال دو سال کے لئے یونیورسٹی کی تمام برکات سے بہرہ اندوز ہونے کی اجازت عطا کی ہے۔

لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد قابل مبارکباد ہیں کہ موصوف کی سعی جمیلہ سے امسال یونیورسٹی کے طلباء کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ یہ تعداد ۲۳۸۴ سے بڑھ کر ۲۶۴۱ ہو گئی ہے۔ (اس تعداد میں ملحق ادارے شامل نہیں ہیں) شعبۂ طبعیات میں احسان الحق صاحب اور احمد عطا صاحب لکچرر مقرر ہوئے۔ شعبۂ کیمیا میں سید حامد علی جعفری کو مقرر کیا گیا۔ شعبۂ حیوانیات میں ڈاکٹر محمد بابر مرزا صاحب کو پروفیسر کا درجہ عنایت ہوا۔ ان شعبہ جات میں متعدد طلباء علمی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ شعبۂ نباتیات، طبعیات کے [illegible] کے گرد و پیش پھلواری اور پودے لگانے کا کام کر رہا ہے۔ سنہ ۱۹۴۴ء سے انٹرمیڈیٹ کے طلباء کو طبعیات کے بجائے زراعت میں امتحان دینے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ نیز یہ سعی جاری ہے کہ زراعت کی تعلیم کے لئے جدید نصاب ترتیب دیا جائے اور ہمیں قوی امید ہے کہ یونیورسٹی میں زراعتی کالج جلد قائم ہو جائے گا۔ شعبۂ جغرافیہ اپنی سرگرمیوں اور نام آوری میں برابر اضافہ کر رہا ہے اور اس کے سند یافتہ طلباء ہندوستان کی اکثر یونیورسٹیوں میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس شعبہ میں مضمون ارضیات کے اضافہ کا مسئلہ عرصہ سے زیر غور ہے لیکن آمدنی کے وسائل محدود ہونے کی وجہ سے یہ ناممکن رہا۔ شعبۂ ریاضیات میں عبد الغنی صاحب اور طالب حسن صاحب جدید لکچرر مقرر ہوئے۔ نیز ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد اپنی بے شمار انتظامی مصروفیتوں کے باوجود اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے تمام جماعتوں کو درس دیتے رہے۔ موصوف کی یہ دلچسپی اور علمی خدمت جملہ اساتذہ کے لئے قابل تقلید ہے۔ شعبۂ انگریزی روبہ ترقی ہے۔ حسن الدین صاحب اور رشید اللہ صاحب اس شعبہ کے نئے لکچرر مقرر ہوئے ہیں۔ فلسفہ اور تاریخ کے شعبوں میں بھی نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ شعبۂ عربی میں مولوی عبد العزیز میمن صاحب کو پروفیسر، ڈاکٹر عابد احمد علی صاحب کو ریڈر اور مولانا بدر الدین صاحب کو سینیر لکچرر بنا دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ہادی حسن صاحب صدر شعبۂ فارسی نے لاہور، دہلی، مدراس وغیرہ میں اسلامی تہذیب و تمدن پر توسیعی لکچر دئے۔

شعبۂ اردو کے دو طلباء تحقیقی مقالے تیار کر چکے ہیں۔ شعبۂ سنسکرت میں پنڈت رام سروپ شاستری صاحب کی خدمات لائق ستائش ہیں۔ شعبۂ دینیات کی کامیابیاں باعث صد نازش و افتخار ہیں۔ تفسیر و قرأت کے درس بہت کامیاب رہے۔ اور ماہ صیام میں مساجد کے علاوہ بورڈنگ ہاؤس کے کشادہ کمروں میں تراویح اور پنجگانہ باجماعت نماز کا انتظام کیا گیا۔ طلباء اور اساتذہ مذہب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ شعبۂ فنون میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ بی ٹی کالج کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔ انجینیرنگ کالج میں طلباء کی تعداد ۱۰۱ سے بڑھ کر ۱۶۶ ہو گئی ہے۔ جنگ کے باعث ضروری سامان اور قابل اساتذہ نہ مل سکنے کی وجہ سے بہت سی دشواریاں درپیش ہیں۔ بہت سے اساتذہ زیادہ تنخواہ کی سرکاری ملازمتوں پر چلے گئے۔ پھر سرمایہ کی کمی کی وجہ سے نئی عمارتوں اور کارخانوں کی تعمیر بھی حسب دلخواہ نہیں ہو سکی۔ چنانچہ انجینیرنگ کالج آج بھی دشوار حالات سے دوچار ہے۔ لٹن لائبریری میں ۱۳۷۰۰ روپیہ جدید کتابوں پر صرف ہوا۔ مسلم یونیورسٹی یونین، مجلس اسلامیات، تاریخی سوسائٹی، رائڈنگ اسکول، یو او ٹی سی اور کھیلوں میں طلباء نے زیادہ دلچسپی لی۔ ۱۹۴۳ء میں یونیورسٹی کے اساتذہ نے جو مضامین لکھے ان کی تفصیل انگریزی کاغذ پر درج ہے۔ رپورٹ کے اختتام پر پرو وائس چانسلر صاحب نے اعلیٰ حضرت حضور نظام خسرو دکن، اعلیٰ حضرت حضور نواب صاحب بھوپال، اعلیٰ حضرت حضور نواب صاحب جوناگڑھ، اعلیٰ حضرت نواب صاحب مناودر، اعلیٰ حضرت حضور شیخ صاحب منگرول اور عالیجناب راجہ صاحب جہانگیر آباد کے فیاضانہ عطیات کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ بعد ازاں پرووسٹ صاحبان نے سند پانے والوں کو پیش کیا۔ ان میں نقاب ڈالے ہوئے برقع پوش طالبات بھی تھیں۔ اس کے بعد حضور پرو چانسلر صاحب نے انعامات تقسیم فرمائے۔

بعد تقسیم انعامات و اسناد آنریبل سر محمد عزیز الحق صاحب ممبر ایگزیکیٹو کونسل نے ایڈریس دیا۔ لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور پروفیسر اے جی ہل صاحب سکریٹری رائل سوسائٹی اور مشیر محکمۂ تعلیمات حکومت ہند کا تعارف کرایا اور موصوف سے تقریر کی استدعا کی۔ پروفیسر ہل نے فرمایا "ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب ٹرنٹی کالج کیمبرج کے بہت ممتاز رکن رہے ہیں اور مجھے بھی اس کے رکن ہونے کا فخر حاصل ہے" فاضل مقرر نے یہ بھی کہا کہ ہندوستانیوں کو علوم طبعیات سے اتنا ہی شغف ہے جتنا دیگر ممالک کے افراد کو۔ اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستانیوں کو اس شوق اور دلچسپی کو بڑھانے کا موقع دیا جائے۔ کانووکیشن کے بعد ممبران کورٹ کی جانب سے آسمان منزل میں اعلیٰ حضرت حضور پرو چانسلر صاحب اور دیگر مہمانوں کی دعوت کی گئی۔

سر عزیز الحق کا خطبہ

سر عزیز الحق وزیر تجارت حکومت ہند نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے ہندوستان کی عملی سیاست کے متعلق مسلمانوں کے عام رویہ کی وضاحت فرمائی۔ آپ نے کہا گزشتہ واقعات اور حالات نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے معاملات کو خود سنبھالنے کا حق حاصل کریں۔ سنہ

[illegible] آگئی۔ اس وقت سے [illegible] پاکستان کا عام اعلان ہو رہا [illegible] پر اس مجوزہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں [illegible] ہوا اور جس سے ان کی قومیت اور ان [illegible] محفوظ رہ سکے۔ مگر ان کے اس جائز مطالبہ کو فرقہ وارانہ ذہنیت سیاسی نظریوں اور فلسفہ کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں تحفظات پر کوئی اعتماد نہیں رہا اور انھوں نے پاکستان اسکیم بنائی۔

سر عزیز الحق نے احتجاج کیا کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں اسلامی تاریخ اور اسلامی کلچر کی تعلیم کا طریقہ بے حد خراب بلکہ مذموم ہے۔ اسلامی تاریخ کا درس اس شان سے ہونا چاہیے کہ کسی قسم کی کوئی غلط فہمی اور ناواقفیت باقی نہ رہے۔

آپ نے فرمایا کہ مسلم یونیورسٹی میں سائنس انجینیرنگ اور صنعتوں کی تعلیم کا کافی انتظام ہونا چاہیے۔ یہ ضروری ہے کہ اس کمی کو فی الفور پورا کیا جائے۔

امریکہ کا ایک کھرب ڈالر کا جنگی بجٹ

واشنگٹن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ پریسیڈنٹ ولسن نے کانگرس کے سامنے "ایک کھرب ڈالر" کا دوسرا جنگی بجٹ پیش کیا ہے۔ یہ بجٹ اس اندازہ کی بنا پر تیار کیا گیا ہے کہ موجودہ جنگ ۳۰ جون ۴۶ء تک جاری رہے گی۔ پریسیڈنٹ نے اندازہ لگایا ہے کہ یکم جولائی سے شروع ہونے والے مالی سال میں ۹۹ ارب ۷۰ کروڑ ۹۰ لاکھ ڈالر کی رقم خرچ ہوگی اور آمدنی گھٹا کر ۵۹ ارب ۹۰ کروڑ ڈالر کا خسارہ رہے گا۔ پریسیڈنٹ کا خیال ہے کہ ایک بڑے مورچہ پر پہلے ہی فتح حاصل ہو جائے گی۔

پریسیڈنٹ نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا کہ ہم دشمن پر خشکی، ہوا اور سمندر میں فیصلہ کن وار کرنے کے لئے اسلحہ کا پورا استعمال کریں گے، آپ نے اس امر کا بھی انکشاف کیا ہے کہ بہت سے حفاظتی جہازوں کے احکام منسوخ کر کے فوجیں اتارنے والے بہت سے جہاز تیار کئے جا رہے ہیں۔

شیخ کے منہ کی ہے یہ بات کیا افلاطون | منفرد نام کو سہیں نہیں بادام تو ہو
[illegible] | مسلم ہند میں اس بات پہ کہرام تو ہو

ریل کے کرایہ میں اضافہ کی تجویز

دہلی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت ریل کا کرایہ ۲۵ فی صدی سے ۴۰ فی صدی بڑھانے کی تجویز پر بڑی شد و مد سے غور کر رہی ہے۔ اس اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ مسافروں کی آمد و رفت کم ہو جائے یعنی لوگ بلا ضرورت شد بد سفر نہ کریں۔

سی پی میں مویشیوں کے ذبح پر پابندی

ناگپور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت حکومت سی پی نے مویشیوں کے ذبح کرنے کا کنٹرول آرڈر نافذ کر دیا ہے جس کے ذریعہ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ کوئی شخص ایسے کسی مویشی کو جس کی عمر دس سال سے کم ہے اور جو لادنے یا جوتنے بونے کے کام آتا ہے یا دودھ دینے والی گائے اور بھینس کو ذبح نہ کرے نیز دو سال سے کم بھیڑ اور بکری کے ذبح کرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔

دہلی میں دعوتوں پر پابندی

چیف کمشنر دہلی نے ایک حکم جاری کیا ہے کہ کوئی شخص مہمان کی حیثیت سے ایک وقت میں پچاس سے زیادہ مہمانوں کو کھانا نہیں کھلائے گا نہ کھلوائے گا۔ سرکاری یا نیم سرکاری دعوتوں میں یا اس قسم کی دعوتوں میں جو کہ فرقہ وارانہ تعلقات کو بڑھانے کے لئے کی جائیں اس سے زیادہ آدمیوں کو شریک کرنے کے لئے ڈپٹی کمشنر دہلی کے ہوم سکرٹری سے تحریری اجازت حاصل کرنا ہوگی۔

خیرات کے طور پر غریبوں کو جو کھانا تقسیم کیا جائے گا یا فوجوں کے لئے جو دعوت دی جائے گی، اس پر یہ حکم نافذ نہ ہوگا۔ یہ حکم ۲ جنوری سے تمام صوبہ دہلی میں نافذ ہو جائے گا اس میں دہلی کا اسٹیٹ ایریا شامل نہیں ہے جہاں تیر ملکی حکومتوں کے سفیر اور وزیر رہتے ہیں۔

شیخ کو چاہئے اونٹ سی شہرت کا سبق | نام ہو بیکے ڈکشنر میں بدنام تو ہو
شیخ کو مذہب کسی بات پہ کیا ہو تیقی | ماتھیر اسکے لیو اسکے گھر دام تو ہو

"مطبوعات جدیدہ"

اسلام میں غلامی کی حقیقت } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ مدیر برہان، غلامی پر اسلامی نقطۂ نظر سے ایک محققانہ بحث ۳ روپئے

تعلیمات اسلام و مسیحی اقوام } از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ مغربی تہذیب و تمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص معصومانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت ۱؍

اسلام کا اقتصادی نظام } از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی۔ دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے مقابلہ۔ قیمت ۲ روپئے

نبی عربی صلعم } از مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ متوسط استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ... ۱۲؍

فہم قرآن } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان، فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم و جدید نظریوں پر نہایت مبسوط و مدلل بحث۔ قیمت ۔ ۲؍

غلامان اسلام } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ پچھتر سے زیادہ صحابہ تابعین تبع تابعین فقہاء و محدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت ... ۳؍

تاریخ انقلاب روس } از ایم جوہر صاحب۔ انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات۔ قیمت ... ۱؍

اخلاق و فلسفۂ اخلاق } از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی۔ علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق، فلسفۂ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قیمت ... ۵؍

وحی الٰہی } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ مسئلہ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ دلپذیر اور دلکش انداز میں بحث۔ قیمت ... ۱؍

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام (خانصاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدیار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر - سید الطاف علی بریلوی بی اے

جلد (۱۵) | ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۱۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۳)

اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے ہیڈ ماسٹر خانصاحب سید الطاف حسین صاحب کی ذات تعلیمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، سید صاحب موصوف مسلسل چالیس برس تک اسلامیہ ہائی اسکول کی خدمات انجام دیتے [illegible] جنوری ۱۹۴۴ء کو اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوگئے، آپ اس قدر ہر دلعزیز تھے کہ منیجنگ کمیٹی اب بھی آپ کا اسکول سے جدا ہونا پسند نہیں کرتی لیکن عمر کا سوال درپیش تھا اس لئے سررشتہ تعلیمات کے قواعد کے مطابق آپ کو علیحدہ ہونا پڑا۔

سید صاحب موصوف نے اسکول کی جو مخلصانہ خدمات انجام دی ہیں منیجنگ کمیٹی اُن سے اس درجہ متاثر تھی کہ اس نے خلاف دستور یہ طے کیا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کو چھ مہینے تک سو روپیہ ماہوار اور اس کے بعد تاحیات ۷۵ روپیہ ماہوار پنشن دی جائے۔

اسکول کے طلبہ و اساتذہ نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو ایک شاندار پارٹی دی جس میں علاوہ طلبہ کے شہر کے سربرآوردہ ہندو مسلمان اور سرکاری عہدہ دار بھی موجود تھے، اس موقع پر آپ کی خدمت میں طلبہ و اساتذہ کی طرف سے سپاس نامہ پیش کیا گیا اس کے علاوہ شہر اور باہر کے طلبائے قدیم کی طرف سے ۳ ہزار روپیہ کی [illegible] پیش کی گئی۔ اور یہ اعلان کیا گیا [illegible] رقم پوری نہیں ہوئی اس لئے باقی [illegible] رقم ابھی پیش کی جائے گی۔

الہ آباد کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی نظربندی کے ابتدائی چھ مہینہ میں کم و بیش سو کتابیں پڑھی ہیں۔ وہ ہندوستان کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتے ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ ہندوستان اب اس قدر بدل گیا ہے کہ اب تک انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ زمانہ ماضی کی بات ہو کر رہ گئی ہے، اس لئے تاوقتیکہ ان کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہندوستان کی سیاسی حالت کیا ہے اُن کے لئے مشکل ہے کہ وہ اس کے بارے میں کچھ لکھیں۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس وقت وہ اپنی اردو زبان درست کر رہے ہیں اور اردو ادب میں ترقی کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ خوش قسمتی سے انھیں استاد بھی ایسا ملا ہے جو اردو کا مشہور ادیب انشا پرداز ہے یعنی مولانا ابوالکلام آزاد، اس لئے امید ہے کہ وہ اردو میں جلد ترقی کریں گے، اور اس حقیقت کو محسوس کریں گے کہ سب ملکی زبانوں میں صرف اردو ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ تھوڑی سی کوشش سے سارے ہندوستان کی زبان بن سکتی ہے۔ جو سیاسی نقطۂ نظر سے بھی یقیناً ضروری ہے۔

سردار آتما سنگھ نامدھاری سکھ لیڈر نے ہری پور کے فساد کے متعلق ایک بیان شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہری پور کے واقعہ نے ہمارے سامنے کئی حقیقتیں رکھ دی ہیں، اور ان میں سب سے اہم حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہندو مسلمانوں میں صحیح پیمانہ پر سمجھوتہ نہیں ہوگا، اس قسم کے واقعات ہوتے رہیں گے۔

ہم سب کو دوسروں کی مذہبی کتابوں اور پیغمبروں کا احترام کرنا چاہئے۔ یہ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ چند جاہل مسلمانوں نے اپنے ہمسایوں پر تلوار اُٹھائی، حالانکہ یہ اس بزرگ محترم پیغمبر کے ماننے والے ہیں جس نے ساری دنیا کو اپنی محبت و فضل سے جیت لیا، سکھ اور مسلمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

جلد ۱۵ || ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۴۴ء || نمبر ۳

فرقہ وارانہ اختلاف کے اسباب (۲)

کانفرنس کے پچھلے پرچہ میں ہم نے ہندوستان کی فرقہ وارانہ کشمکش کے وجوہ بیان کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا کہ منجملہ دوسرے اسباب کے ایک سبب وہ بے اعتمادی ہے جو ہندوستان کی دو کثیر التعداد قوموں میں ایک دوسرے کے خلاف موجود ہے، اسی سلسلہ میں ہم نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس بے اعتمادی و بدگمانی کے کیا اسباب ہیں اور مسلمانوں کو براوران وطن سے کس قسم کی شکایتیں ہیں؟

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسی طرح برادران وطن کے دلوں میں بھی بے اعتمادی موجود ہے اور وہ بعض معاملات میں جو ملکی مفاد سے تعلق رکھتے ہیں مسلمانوں سے بہت کچھ بدگمان ہیں لہٰذا ہر سچے ہندوستانی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بے اعتمادی و بدگمانی کو دور کرنے کی کوشش کرے جو فریقین کے دلوں میں موجود ہے، اگر کسی تدبیر و کوشش سے اس معاملہ میں کامیابی حاصل ہو گئی تو فرقہ وارانہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا اور پھر کوئی طاقت ہندوستان کو آگے بڑھنے سے نہ روک سکیگی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کی سب سے بڑی اور حقیقی مصیبت یہی ہے کہ اس ملک کی دو سب سے بڑی قومیں جن کی اہمیت و قوت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ایک دوسرے سے اس قدر بدگمان ہیں کہ آپس میں مل کر نہیں رہ سکتیں، حالانکہ یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے جو ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر یہ دونوں قومیں ہندوستان کی ترقی و آزادی کے لئے کوشش کریں تو ان کی کامیابی میں کوئی [illegible] نہیں ہو سکتا۔ اگر ان دو اہم قوموں میں سے کوئی [illegible] اپنی کوتاہ اندیشی سے یہ سمجھتی ہے کہ وہ بغیر دوسری قوم کی امداد و تعاون کے ہندوستان کو موجودہ مصائب سے نجات دلا کر دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی طرح آزاد و خود مختار بنا سکے گی تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔

ہندوؤں کو مسلمانوں کی طرف سے [illegible] بے اعتمادی و بدگمانی ہے کہ مسلمان اپنے وطن اپنے ہندوستان سے محبت نہیں رکھتے بلکہ اس کے مقابلہ میں بیرون ہند اسلامی ممالک کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں، اس بنا پر وہ اس "سیاسی جد و جہد" میں پورا حصہ نہیں لیتے جو برادران وطن نے کانگریس کے ذریعہ سے شروع کی ہے۔ یہ بدگمانی برادران وطن کے دلوں میں اس قدر راسخ ہو چکی ہے کہ وہ مسلمانوں کو جو صدیوں سے اس ملک میں رہتے ہیں اجنبی و غیر ملکی سمجھتے ہیں اور اکثر ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرتے ہیں جو ایک نامانوس اجنبی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ برادران وطن کی یہ بدگمانی کہاں تک صحیح ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانان ہند کو نہ صرف مذہبی اشتراک کی بنا پر بلکہ ایک مشرقی قوم کی حیثیت سے بھی اسلامی ممالک کے معاملات سے عمیق دلچسپی ہے اور [illegible] ممالک پر [illegible] کا تصرف و اقتدار ہرگز پسند نہیں [illegible] لیکن [illegible] یہ کب لازم آتا ہے کہ انہیں اپنے وطن [illegible] نہیں ہے اور وہ اس کی فلاح و ترقی [illegible] ہمارا خیال تو یہ ہے [illegible] کے لئے بھی صحیح طریقہ کار یہی ہے کہ وہ [illegible] ممالک کی ترقی و آزادی کو اپنا نصب العین بنائیں کیونکہ ہندوستان کی فلاح کا راز بھی اسی میں پنہاں ہے جو ارباب بصیرت سے مخفی نہیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ برادران وطن مسلمانوں پر تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ دوسرے ممالک کے معاملات سے دلچسپی رکھتے ہیں، لیکن خود ان کا طرز عمل یہ ہے کہ کانگریسی اور مہاسبھائی سب کے سب نہایت جوش و خروش سے چین کی حمایت کر رہے ہیں یہاں تک کہ پنڈت جواہر لال نہرو خود چین جا کر چینی لیڈروں اور ارکان حکومت کی ہمت افزائی کرتے ہیں اور کانگریس کے سب سے بڑے رہنما گاندھی جی بھی اس معاملہ میں پنڈت جی سے پیچھے نہیں ہیں لیکن مسلمانوں نے کبھی برادران وطن پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ وہ کیوں چین سے ہمدردی ظاہر کرتے ہیں کیونکہ چین مظلوم ہے اور مظلوم کی امداد کرنا عین مقتضائے شرافت ہے، یہی وجہ ہے کہ خود مسلمانوں کو جاپان جیسے غارت گر کے مقابلہ میں چین سے ہمدردی ہے جس کا قصور اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کی حفاظت و آزادی کے لئے جنگ کر رہا ہے۔

اسی سلسلہ میں ہمیں اس حقیقت کے ظاہر کرنے میں بھی کوئی [illegible] نہیں ہے کہ ہندوستان سے باہر کچھ [illegible] ایسے بھی ہیں جنہیں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ایک خاص مذہبی عظمت و تاریخی اہمیت حاصل ہے اسی وجہ سے مسلمان انہیں مقامات مقدسہ یا [illegible] سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ ان مقدس مقامات سے مسلمانوں کی بہت سی مذہبی و قومی روایات وابستہ ہیں لہٰذا ان مقامات سے تعلق رکھنا ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے اور یہ تعلق یقیناً حب وطن کے خلاف نہیں ہے۔

ان مقامات متبرکہ میں سب سے زیادہ مذہبی عظمت [illegible] حجاز کے [illegible] مکہ معظمہ [illegible] مدینہ منورہ [illegible] رسالت حج و [illegible] مسلمان [illegible] کہ [illegible] عمر میں ایک دفعہ حج [illegible] مکہ معظمہ و مدینہ منورہ [illegible] کے نقطۂ نظر سے مکہ معظمہ اس وجہ سے ایک مقدس و بابرکت مقام ہے کہ یہاں بناے ابراہیمی یعنی کعبہ مکرمہ کی عمارت ہے جو سراپا خیر و برکت ہے۔ اس کے علاوہ مکہ ہی وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں نے سب سے پہلے توحید کا جانفزا پیام سنا اور انہیں یہاں وہ نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی جس سے بڑی نعمت اس کائنات میں کبھی کسی قوم کو نہیں ملی۔

یہی نعمت خداوندی کا کرشمہ تھا کہ دنیا کی بہت سی قوموں نے جو ہزاروں برس سے غلامی کی قید و بند میں مبتلا تھیں صحیح معنوں میں آزادی حاصل کی اور انسانیت کے اس شرف و مرتبہ پر پہنچیں ج

روز ازل سے اُن کے لئے ودیعت کیا گیا تھا جس ارض مقدس میں مسلمانوں کو یہ نعمت و سربلندی حاصل ہوئی۔ اس کا احترام کرنا اور اپنی پوری عمر میں کم از کم ایک دفعہ وہاں حاضر ہو کر اپنی عبدیت اور صانع کائنات کی وحدانیت و معبودیت کا اعتراف کرنا نہ صرف ایک مذہبی فرض ہے بلکہ انسانی شرافت و جذبۂ احسان مندی بھی اس کو مقتضی ہے کہ اپنی ساری عمر میں کم سے کم ایک دفعہ یہ فرض ضرور ادا کیا جائے یہاں تک مسلمان اسی فرض کے ادا کرنے کے لئے وہاں حاضر ہوتے ہیں۔

اس حاضری سے انھیں ایک خاص روحانی راحت حاصل ہوتی ہے جس سے اُن کا ایمان تازہ اور یقین مستحکم ہوتا ہے اور وہ اس حالت کیف و سرور میں یہ محسوس کرتے ہیں کہ خدائے واحد و معبود حقیقی کا حیات بخش پیام اس سے تقریباً چودہ سو برس پہلے اس ارض مقدس کی وادیوں میں سنایا گیا تھا وہ آج بھی تک کی بازگشت فضا میں ان کی سامعہ نوازی کر رہا اور روح میں تازگی پیدا کر رہا ہے، اس احساس سے پُرکیف ہو کر وہ لبیک اللّٰھم لبیک کی صدائیں بلند کرتے ہیں یعنی اے خدائے یگانہ دیکھ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تیری وحدانیت کا اعتراف کرتا ہوں۔

مکہ معظمہ کے علاوہ مدینہ منورہ کی عظمت اس وجہ سے ہے کہ یہاں وہ بانیٔ اسلام بزرگ ترین و بےمثال ہستی کا مرقد مبارک ہے جس نے مکہ میں توحید کا روح پرور پیغام گم گشتہ راہ انسانوں کو پہنچایا، وہ انقلاب آفریں پیام جس نے اس کائنات کو یکسر بدل دیا اور انسان کو خاک مذلت سے اٹھا کر اس قدر بلند کیا کہ وہ خلافت الٰہیہ کے جلیل القدر منصب پر پہنچ گیا۔ یہ تعلق ہے ارض حجاز سے مسلمانوں کا، لیکن کیا یہ تعلق کسی مسلمان کو اپنے وطن سے محبت کرنے سے روکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

ہندوستان کی خصوصیت نہیں بلکہ ساری دنیا کے مسلمان خواہ وہ مصر و شام کے رہنے والے ہوں یا ایران و افغانستان اور چین و جاوہ کے اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں حاضر ہوتے ہیں اور ان مقامات متبرکہ کا احترام کرتے ہیں، تو اب اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا کا کوئی مسلمان بھی جو اپنے مقدس مقامات کی عزت کرتا ہے محب وطن نہیں ہے، بلکہ دشمن وطن واجب التعزیر ہے، یہ کس قدر مضحکہ انگیز بات ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں نے اپنے وطن کی حفاظت کے لئے ایسی ایسی قربانیاں کی ہیں جو تاریخ عالم میں ہمیشہ یادگار رہیں گی، نیز ہندوستان کے مسلمانوں نے باوجود ناسازگار حالات جو قربانیاں کی ہیں اس کا اعتراف برادران وطن کے بڑے بڑے سیاسی لیڈروں نے بھی کیا ہے۔

معترضین کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کے علاوہ دنیا کی تقریباً تمام قوموں میں بعض مقامات کو مقدس سمجھتی ہیں مثلاً کروڑوں مسیحی اور لاکھوں یہودی "ارض فلسطین" کو مقدس سمجھتے ہیں اور اس کی غیر معمولی عظمت ان کے دلوں میں جاگزیں ہے، مسیحی دنیا میں بیت المقدس کی وہی عظمت ہے جو مسلمانوں میں مکہ معظمہ کی ہے۔ مشہور و معروف صلیبی لڑائیاں جن سے مغرب و مشرق تک کم و بیش دو سو برس تک جنگ کا بازار گرم رکھا اسی بیت المقدس کے لئے تھیں اور یورپ کے بڑے بڑے سورما اور بادشاہ صرف اسی مقدس مقام کے حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں سے نبرد آزما تھے۔

یہ ایک حیرت انگیز و ہولناک جنگ تھی جس نے دنیا کے ایک بڑے حصہ کو تہ و بالا کر رکھا تھا لاکھوں مسلمان اور مسیحی ایک مجنونانہ جوش کے ساتھ اس میں شریک ہونے کے لئے آتے اور بے دریغ جان و مال کی قربانیاں کرتے تھے، اب سوال یہ ہے کہ یورپ کی یہ قومیں جو ایک چھوٹے سے مشرقی علاقہ کے لئے جان و مال کی قربانیاں کر رہی تھیں کیا اپنے وطن کی دشمن تھیں اور اس سے محبت نہیں کرتی تھیں حالانکہ یورپ کی وطن پرستی میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا آج بھی جبکہ یورپ کو مذہب سے بہت کچھ بیگانگی ہے اور وطن پرستی کا زور ہے مسیحی و یہودی اس ارض مقدس کو عظمت و محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اسے ایک مقدس مقام کی حیثیت حاصل ہے۔

ان قوموں کے علاوہ خود برادران وطن بھی بہت سے مقامات کو مذہبی حیثیت سے مقدس سمجھتے ہیں جہاں وہ ہمیشہ لاکھوں کی تعداد میں حاضر ہوتے رہتے ہیں اور یہ سفر یا تیرتھ یاترا بڑے ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے، اب یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ یہ تیرتھ ہندوستان ہی میں واقع ہیں اس لئے ہندوؤں کو اُن کی زیارت کے لئے ہندوستان سے باہر نہیں جانا پڑتا، لیکن وہ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ہیں اس لئے بعض اوقات یاتریوں کو وہاں حاضر ہونے کے لئے اپنے وطن سے باہر سینکڑوں میل کا سفر کرنا پڑتا ہے، اکثر اوقات یہ سفر نہایت تکلیف و مشقت کا باعث ہوتا ہے اور بہت سے لوگ بغیر کسی سواری کے پیدل سفر کرتے ہیں، لیکن وہ نہایت خوشی سے اپنا خاص وطن چھوڑ کر یہ تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ جذبۂ حب وطن کے ایک اور زبردست جذبہ بھی جو انسانوں کے دلوں میں نہایت قوت سے کارفرما ہے مذہب کا جذبہ ہے کم و بیش دنیا کی ہر قوم میں موجود ہے، کسی کو اس پر نکتہ چینی کرنے کا حق نہیں ہے، مسلمانوں کا بھی اس سے زیادہ اور کوئی قصور نہیں ہے کہ دنیا کی دوسری بڑی بڑی قوموں کی طرح وہ بھی بعض مقامات کو مقدس سمجھتے ہیں، لیکن یہ روحانی تعلق کسی صورت میں بھی حب وطن سے مانع نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وطنیت کا تخیل مسلمانوں کے یہاں دوسری قوموں کے تخیل سے کسی قدر مختلف ہے یعنی وہ دوسروں کی طرح اس قدر تنگ نظر و متعصب نہیں ہیں کہ سب کچھ اپنے وطن والوں کے لئے چاہیں اور دوسروں کے مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیں، وطنیت کا یہ محدود تخیل انسانوں میں جذبۂ نفرت پیدا کرتا ہے جس کے نتائج بہت خوفناک ہوتے ہیں، موجودہ جنگ کی بنا بھی درحقیقت یہی جذبۂ نفرت ہے جو وطنیت کے محدود تخیل نے پیدا کیا ہے۔

ہندوستان میں وطن پرستی کا جو غلغلہ برپا ہے وہ بھی فراخدلی پر مبنی نہیں کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ نام نہاد وطن پرست شودروں یا اچھوتوں کے ساتھ ایسا ذلیل برتاؤ کرتے ہیں جو نہایت شرمناک ہے، حالانکہ یہ لوگ بدیسی نہیں بلکہ اس ملک کے اصلی باشندے ہیں، کیا اسی شرمناک وطن پرستی کی طرف مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے۔

مسلم لیگ کے اکتیسویں سالانہ اجلاس میں

مسٹر جناح کا خطبۂ صدارت

آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مسٹر محمد علی جناح نے حسبِ ذیل خطبۂ صدارت انگریزی میں ارشاد فرمایا۔

میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں ایک طویل اور سخت کشمکش درپیش ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے خاص صبر و ضبط کی ضرورت ہے۔ میں خصوصیت کے ساتھ نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ صبر و ضبط اور محنتِ شاقہ سے اس بڑی قوم کی تعمیر کے لئے کام کئے جائیں جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔ قدم اُٹھانے سے پہلے اس کے نتائج و عواقب پر ہر ایک نقطۂ نگاہ سے غور کر لیا جائے ہمارے اتحاد و یگانگت کو مٹانے کے لئے اب تک جو تحریک، اسکیم یا سازش بروئے کار آئی ہم نے نہایت کامیابی سے اس کا مقابلہ کیا۔ جب مسلم لیگ کی از سرِ نو تنظیم شروع کی گئی تو پہلی مخالفت حکومت اور دفتری اقتدار کی طرف سے ہوئی۔ جب کانگرس نے ایک سخت حملہ کیا تو حکومت کی یہ مخالفت نرم ہو گئی۔ کانگرس کا یہ حملہ رابطۂ عوام کی تحریک کی صورت میں تھا۔ جب کانگرسی وزارتیں قائم ہو گئیں تو مسلم لیگ کی وزارتوں سے کہا گیا کہ علیحدہ ہو جائیں انتخابات میں کانگرس جمعیت علماء، احرار، آزاد کانفرنس اور مومن کانفرنس کے ذریعہ مسلم لیگ کو تباہ کرنے اور اس کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی ہر کوشش کی گئی لیکن آج مسلم لیگ ایک حقیقی طاقت ہے۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے کہا کہ ملک کی ترقی کو روکنے کے ذمہ دار ہندو ہیں۔ کیا مسلمان اکھنڈ ہندوستان تسلیم کر سکتے ہیں۔ کیا وہ ہندو راج کے قیام پر رضامند ہو سکتے ہیں؟ (آوازیں ہیں، نہیں)

ہندوؤں کا منصوبہ یہی ہے اور انہوں نے ابھی یہ خیال ترک نہیں کیا ہے مگر اسی کے ساتھ ہندو آزادی کی باتیں کرتے ہیں۔ کس کی آزادی۔ کیسی آزادی۔ میں بار بار آپ سے کہہ چکا ہوں کہ ہندو جب "آزادی" کا ذکر کرتے ہیں۔ تو اس سے ان کا مطلب ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کی غلامی ہوتا ہے (شرم شرم) لیکن جب ہم پاکستان کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے صرف اپنی بلکہ ہندوؤں کی بھی آزادی مراد ہوتی ہے۔ (چیئرز) اگر ہندو اپنی چال بازی کے باعث دونوں کی آزادی میں مزاحم ہوتے اور ایک کی آزادی اور دوسرے کی غلامی پر اصرار کرتے ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ ملک کی ترقی میں سدِّ راہ کون ہے؟

ہم برطانوی حکومت یا ہندوؤں سے باعزت مفاہمت کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں کوئی خوددار جماعت تعاون کے لئے تیار نہیں ہو سکتی اگر اس سے سائیسوں کی حیثیت میں کام کرنے کے لئے کہا جائے اور اسے حکومت میں کوئی حقیقی اختیار اور حصہ نہ دیا جائے۔ لفظ تعاون کو صریحاً بے محل استعمال کیا جا رہا ہے مسلم لیگ اور کانگرس کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ ملک کی ترقی کو روکنے کے ذمہ دار ہندو ہیں۔ اور یہ پروپیگنڈا شرارت آمیز ہے کہ مسلم لیگ کو آزادی کے نصب العین کی کچھ پروا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مسلم لیگ کی سرگرمیوں کی تنظیم نشو و نما اور انہیں ہر جگہ یکساں شکل دینے کے لئے ایک مجلس عمل قائم کی جائے گی جو پانچ یا سات ارکان پر مشتمل ہو گی اس کمیٹی کو مناسب عملہ دیا جائے گا کمیٹی کا فرض ہو گا کہ وہ مسلمانوں کی ترقی کے متعلق مناسب تجاویز پر غور کرے۔ اسی طرح اسمبلی وغیرہ کے انتخابات کے سلسلہ میں تمام مسائل اور تنازعات کے طے کرنے کے لئے ایک آل انڈیا پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا جائے گا۔

وائسرائے کی تازہ تقریر کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا۔ وائسرائے نے اقتصادی ملکی محاذ صلح کی تیاری ہندوستان کے تمام وسائل کو حصولِ فتح کے کام میں لانے کے لئے کہا ہے لیکن اگر ہر ایک پارٹی کو الگ تھلگ اور غیر مطمئن رکھا گیا تو یہ مقصد کس طرح حاصل کیا جائے گا۔

وائسرائے نے کہا ہے کہ میں ہر ایک شخص اور جماعت کو جو آمادۂ "تعاون" ہو خوش آمدید کہوں گا لیکن یہ انگریزی زبان کے لفظ کو آپریشن (تعاون) کا صریحاً بیجا استعمال ہے۔ کیا صاف الفاظ میں اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکومت میں حقیقی اختیار اور حصہ دیئے بغیر ہم سے سائیسوں کی طرح کام کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ کیا کوئی خوددار جماعت اس کو منظور کر سکتی ہے۔ اگر ہم اتنے احمق ہوں کہ اس دورازکار تجویز کو منظور کر لیں تو کیا کوئی ذی فہم شخص یقین کر سکتا ہے کہ ہم لوگوں میں مخلصانہ امداد و تعاون کا جوش پیدا کر سکیں۔ گذشتہ چند مہینے سے ہمارے متعلق اس قسم کے اعلانات کئے جا رہے ہیں وہ عجیب خبر ہے۔ برطانوی حکومت ایک خاص پالیسی پر عمل کر رہی ہے وہ کسی پارٹی کا بھی تعاون نہیں چاہتی۔ کانگرس نے فیصلہ کیا کہ اگر اس کے مطالبات منظور نہ کئے جائیں تو سول نافرمانی شروع کر دی جائے کانگرس نے یہ بھی دی تھی لیکن باقی ہندوستان نے کہا اگر یہ کہا ہے کہ حکومت اس زمانے میں پاس کر لی ہے۔ لارڈ ویول جو کام کرنا چاہتے ہیں ہم نے اس کے لئے تعاون کا ہاتھ بڑھایا اس شرط سے کہ ہماری پیشکش دوستانہ طور سے منظور کر لی جائے اور اس امر کے لئے صاف اور صریح وعدہ کیا جائے کہ فتح کے ثمرات میں حصہ دیا جائے گا۔ لیکن اس پیشکش کو مسترد کر دیا گیا حکومت نے کانگرس کو خلافِ قانون قرار دے دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا پسند کرے گی۔ ہم اس کے واسطے تیار ہیں لیکن کانگرس اور مسلم لیگ کو ایک لاٹھی سے کیوں ہانکا جا رہا ہے۔ یہ بات واضح نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ برطانوی حکومت کی یہ پالیسی ناکام ثابت ہو گی۔

مسٹر چرچل کے اس جملہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہ "میں سلطنت کے دیوالہ کی صدارت نہیں کروں گا" آپ نے کہا کہ میں چرچل کو بتانا چاہتا ہوں کہ رضاکارانہ دیوالہ جبری دیوالہ کی نسبت زیادہ باعزت ہے رضاکارانہ دیوالہ برطانوی قوم کی عزت میں اضافہ کا موجب ہو گا اور ہم اس کو دوستانہ طور سے تعبیر کریں گے جو مستقبل میں مفید ہو گا لیکن جبری دیوالہ میں کوئی فائدہ نہیں اور برطانوی سلطنت ایک دن ختم ہو کر رہے گی۔ خواہ آپ یہ بات کو پسند کریں یا نہ کریں۔

جان برائٹ نے ۱۸۵۸ء میں انڈیا بل پر جو تقریر کی تھی اس کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے کہا ہم اس بڑے برطانوی مدبر کے خیالات پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ برطانیہ کے لئے واحد دیانتدارانہ طریقہ یہ ہے کہ تقسیم کرے اور دستبردار ہو جائے۔ اتحاد صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ دونوں اقوام کے درمیان جائداد تقسیم کر دی جائے یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جہاں تک دوسری اقلیتوں کا مسئلہ ہے یہ پاکستان اور ہندوستان کا فرض ہو گا کہ اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور اچھا سلوک کریں۔

مسلم لیگ نے گزشتہ سات سال میں جو طاقت حاصل کی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں نہایت ادب سے اپنے حریفوں کانگرسی ہندو لیڈروں اور برطانی حکومت کو مشورہ دوں گا کہ وہ ہمارے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں اور ہمارے معاملات میں دخل نہ دیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ مفاہمت چاہتے ہیں تو ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ ہمارا جھنڈا اور پلیٹ فارم الگ ہے اور پاکستان ایک واضح اور متعین نصب العین ہے۔ ہم نے خیال اور نصب العین میں کامل اتحاد پیدا کر دیا ہے۔ اب ہم ایک تنظیمی مشین پیدا کر رہے ہیں جو عمل کے لئے قائدانہ اور موثر حیثیت رکھتی ہو۔

سمجھوتہ کی بات چیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ نہیں بتایا گیا کہ ہم نے کون سا ناممکن مطالبہ پیش کیا ہے کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہندو اس سے فائدہ اٹھائیں گے کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہندو برطانی رائے کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اگر مسلم لیگ آزادی کی تحریک سے بے تعلق رہی تو مسلمان نوجوان اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں گے۔ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلم نوجوانوں کو لیگ کے خلاف بھڑکانے کے لئے نہایت شرارت آمیز پروپیگنڈا ہے ان افواہوں میں کوئی صداقت نہیں کہ مسلمان برطانی راج قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں اس کے برعکس مسٹر راجگوپال اچاریہ کے پمفلٹ بعنوان "سمل نجات" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی نسبت برطانی راج کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ ہم حصول مقصد کے لئے کسی پر بھروسہ کرنا نہیں چاہتے پاکستان صرف قربانی اور طاقت سے قائم ہوگا۔ ہندو آپ کو پاکستان نہیں دیں گے۔

مسئلہ خوراک

مسئلہ خوراک کے متعلق آپ نے مسلم وزرائے اعظم کی اس کانفرنس کا ذکر کیا جو دہلی میں منعقد ہوئی تھی اس کانفرنس میں جو گزشتہ نومبر میں ہوئی مسلم وزراء میں کامل اتفاق رائے تھا۔ یہ بیان غلط ہے کہ وائسرائے نے مسلم وزراء کو طلب کر کے مسلم لیگ کی سکیم کو ناکام بنا دیا حقیقت یہ ہے کہ وائسرائے سے وزراء کی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں نے اور مسلم وزراء نے اس مسئلہ کے متعلق گفت و شنید کر لی تھی اور وائسرائے سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ہم نے کوئی منصوبہ نہیں باندھا تھا جس کو وائسرائے نے ناکام کر دیا۔ مسلم لیگ نے واضح کر دیا تھا کہ وہ قحط کو دور اور اس کے اعادہ کا انسداد کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گی۔ کیا مسئلہ خوراک کو حل کرنے میں کارخانہ داروں کو فربہ کرنے کے لئے کاشتکاروں کو لاغر کر دینا جائز ہے کیا ایک طبقہ کے واسطے انصاف کا تقاضا کچھ اور دوسرے کے واسطے کچھ اور ہے۔ میں اس امر کا حامی ہوں کہ صرف اجناس خوردنی ہی نہیں بلکہ ان تمام اشیاء پر کنٹرول کیا جائے جو کاشتکاروں کیلئے ناگزیر ہیں۔

آخر میں کہا کہ آپ میں سے ہر ایک مرد و عورت بچے نوجوان اور بوڑھے کا فرض ہے کہ حصول مقصد کے لئے کامل استقلال و استقامت سے سرگرم عمل رہے۔

نوروز کا جشن

مختلف ملکوں میں نئے سال کا پہلا دن کس طرح منایا جاتا ہے

سال نو منانے کا رواج قدیم زمانہ سے ہی ہر ملک اور ہر قوم وابستہ رہا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مختلف قومیں مختلف تاریخوں کو سال نو مناتی تھیں۔ قدیم مصریوں کا نوروز ۲۱ ستمبر، یونانیوں کا پانچویں صدی تک ۲۱ دسمبر اور یہودیوں کا ۲۱ مارچ کو شروع ہوتا تھا۔ قدیم عیسائی ۲۵ مارچ کو سال نو مناتے تھے لیکن اینگلو سیکسن کے وقت سے ۲۵ دسمبر کو منایا جانے لگا۔ ولیم فاتح نے حکم دیا کہ سال نو کا پہلا دن یکم جنوری کو ہونا چاہئے۔ اس کے حکم کی تائید تمام کیتھولک نے بھی کی۔

قدیم ترین یادگاروں سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ سال نو کے موقع پر ضیافت اور تحفہ تحائف کا دستور رسم کے درجہ تک پہنچ گیا تھا۔ انگلستان میں بھی اس قسم کی مثالیں چارلس دوم کے عہد تک ملتی ہیں۔ ایلزبتھ الاول کے کل محققین کی تصنیفات اس بیان کی حامل ہیں کہ تحفہ تحائف کے تبادلہ کی رسم ہر قوم میں موجود تھی۔ انگلستان، اسکاٹ لینڈ فرانس، جرمنی اور اٹلی وغیرہ میں اس رسم کی جگہ دوسری رسموں نے لے لی تھی۔ مگر پھر بھی سال نو کا جشن ان ملکوں کے گوشہ گوشہ میں منایا جاتا رہا۔

یہودیوں کے یہاں سال نو کی تاریخ سال بسال بدلتی رہتی ہے۔ ان کے یہاں عموماً یہ دن موسم خزاں میں منایا جاتا ہے۔ شاید اس لئے کہ موسم خزاں سے کاشتکاری کا آغاز ہوتا ہے پرانی رسم کے مطابق یہودی سال نو کے دن روٹی، انگور اور شہد کھاتے ہیں۔ اس طرح کہ روٹی شہد میں ڈبوتے ہیں اور یہ دعائیہ الفاظ کہتے ہیں:۔

"اے وہ خدا جو ہم لوگوں کے والدین کا معبود ہے۔ اپنی خوشی اور رضامندی سے ہم لوگوں کو سعادت مند سال نو مرحمت فرما۔"

جن لوگوں کو اس رسم پر اعتقاد ہے وہ سپید لباس زیب تن کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل کر یہ دعا دیتے ہیں:۔ "زندگی کے دفتر میں مبارک سال تیری قسمت میں ہو۔"

زمانہ قدیم میں یہ رسم دو روزہ تقریب تصور کی جاتی تھی لیکن موجودہ پر آشوب اور ہنگامہ خیز دور میں شاید ہی کوئی ایک روز سے زیادہ اس رسم میں صرف کرتا ہو۔ یہ بات مد نظر رکھنی چاہئے کہ دن اور رات کی طرح سال نو کی ابتدا اور انتہا بھی فطری نہیں ہے۔ بلکہ خود ساختہ ہے۔ دوسرے موسم اور تقریب انسانی تخمینہ، شمار اور دیدہ و دانستہ تدبیروں کا نتیجہ ہے۔ خیالات، روایات اور معتقدات کی مدتوں کے خلط ملط کے اجتماعی اثر نے سال نو کو ایک متبرک دن بنا دیا۔ اور اس نے قومی زندگی میں ایک خاص اہمیت پیدا کر لی۔ رفتہ رفتہ ہر قوم کے لئے سال نو ایک منبع اور سرچشمہ ہو گیا۔ نئے سال کی خوشیوں کا۔ نشاط کی نئی لہروں کا اور زندگی کی خواہشوں کے لئے تموج و تلاطم کا۔

خاص لندن کے رہنے والوں کے علاوہ اس رسم کی طرف انگلستان کے عوام کی توجہ بہت کم ہے۔ البتہ بعض پرانی رسمیں ان میں ضرور مروج ہیں لیکن ان رسموں کے بانی اہل مذہب نہیں تھے کیونکہ کلیسا میں ان کا وجود نہیں ہے۔ کلیسا سینٹ پال کے گرد جو جماعت سال نو مناتی ہے۔ اس میں اہل سکاٹ لینڈ کی کثرت ہوتی ہے۔ کیونکہ پہلے یہ رسم سکاٹ لینڈ والے ہی مناتے تھے۔ اب انگلستان کے بہت سے باشندے بھی اس جماعت

کے ساتھ ناچنے وغیرہ میں حصہ لیتے ہیں۔ سکاٹ لینڈ میں سال نو کی تقریب کرسمس سے بھی اہم سمجھی جاتی ہے۔ یہاں کے باشندے سال نو کی شام کو ہوگمانی کہتے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال یورپ کے دیگر حصوں میں بھی ہوتا ہے۔ اس شام کو لڑکے تمام شہر میں گشت لگاتے ہیں اور یوں نغمہ زن ہوتے ہیں:-

"اے خوش اخلاق بی بی اٹھو
اپنے جوتوں اور تعطل کو دور کرو
اور پھر سوچو بھی تو کہ ہم لوگ گدا ہیں
کھیلنے کے لئے آئے ہیں
اٹھو اور ہم کو ہوگمانی دو"

سکاٹ لینڈ میں سال نو کے روز "پہلے قدم" کے متعلق عجیب و غریب خیال پایا جاتا ہے۔ اس قسم کا خیال انگلستان اور یورپ کے کچھ حصوں میں بھی پایا جاتا ہے یعنی سال نو کے روز مکان میں جو کوئی پہلے داخل ہوتا ہے اہل مکان اس سے شگون لیتے ہیں۔ بعض جگہوں میں حسین آدمی کی آمد سعادت مندی کا باعث سمجھی جاتی ہے اور بعض جگہوں میں اس کے برعکس شگون نکالتے ہیں۔

فرانس میں سال نو کو ملاقاتوں کا خاص دن سمجھا جاتا ہے۔ اہل فرانس اس روز بہترین لباس زیب تن کرتے ہیں۔ کرسمس سے بھی زیادہ اس دن تحفہ تحائف کا دستور جاری رہتا ہے۔

جرمنی میں بھی سال نو کا جشن دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ ان کے یہاں کرسمس سے بھی زیادہ اس موقعہ پر ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہاں کے بعض طبقوں میں پگھلا ہوا لوہا پانی سے بھرے ہوئے برتن میں ڈالتے ہیں۔ اور اس کی شکل کی تبدیلی سے فال نکالتے ہیں۔

ڈنمارک میں سال نو کی شام رقص و سرود اور آتشبازی میں صرف ہوتی ہے۔

روس میں سال نو کے روز کسان ایک میز پر گیہوں کا چھوٹا سا گٹھا باندھ کر رکھ دیتا ہے اور بعد کو اس گٹھے کی آڑ میں خود کو چھپا دیتا ہے۔ اور اپنے خاندان والوں سے دریافت کرتا ہے۔ کہ "کیا تم لوگ مجھے دیکھ سکتے ہو؟" وہ لوگ نفی میں جواب دیتے ہیں۔ اس رسم سے وہ لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ امسال گیہوں کی پیداوار بہت ہوگی۔
(نئی زندگی)

زلزلے کے متعلق سائنس کی تحقیقات

دنیا میں زلزلہ آنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس طرح کی تباہ کاریاں کرۂ زمین کے مختلف حصوں میں آغاز آفرینش سے ہوتی چلی آئی ہیں۔ سنہ ١٩١٥ء میں ایک زلزلہ وسطی یورپ اور امریکہ میں آیا تھا۔ اور اس سے شدید نقصان ہوا تھا۔ جاپان کو زلزلے نے چند بار تباہ کیا اطالیہ میں بھی کثرت سے زلزلے آتے رہے۔ سائنس کی دنیا مدت سے اس کوشش میں ہے کہ فطرت کے اس خطرناک چیلنج کا مقابلہ کرے۔ آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے سیلاب سے بھی لوگ بھاگ نکلتے ہیں لیکن زلزلہ فطرت کی قہرمانیوں کا ایک زبردست حملہ ہے جس سے گریز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ سائنس۔ تو یہ نہیں کر سکتا کہ اس آنے والی آفت کو روک دے یا اس کے راستے مسدود کر دے۔ لیکن اس نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے۔ کہ زلزلہ کی آمد سے قبل از وقت لوگوں کو آگاہ کر دے تاکہ اس سے جو تباہیاں ہوتی ہیں ان سے لوگ بچ جائیں۔ جس طرح ایک طبیب حرارت کا نبض شناس بن جاتا ہے زمین کی اندرونی حرارت، سرد و گرم اور لہجات سے اس کا مزاج پہچان لیتا ہے اس لئے اس نے چند آلات ایجاد کئے ہیں جن سے آنے والے زلزلہ کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اور یہ بتایا جا سکتا ہے کہ زلزلہ کب آئے گا۔ اور اس کے حملہ کا مقامی مرکز کیا ہوگا۔ سائنس نے اس کے متعلق جو دریافت کی ہے وہ بہتر ہے۔ کہ ایک واقعہ کی صورت میں بیان کیا جائے۔ جون ١٩٢٥ء کے زلزلہ کے بعد ایک انگریزی رسالہ میں شائع ہوا تھا۔

تین شخص ایک کمرہ کے وسط میں ایک میز کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرہ سائنس کا تجربہ گاہ یعنی معمل تھا۔ میز پر سیکڑوں نقشے پھیلے ہوئے تھے اور ان پر طرح طرح کے نشانات بنے ہوئے تھے تینوں یہ آدمی کاغذات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص اٹھا۔ اور ایک بہت بڑے گلوب کے پاس جا کر سامنے پرکار سے اس پر ایک نشان بنایا۔ اور کہا:-

"میرا خیال ہے کہ یہ زلزلہ ارکٹک گرد کے پورب اور دکن کی طرف ۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر آئے گا۔"

دوسرے شخص نے پوچھا۔ "کیا آپ نے اپنا تمام حساب درست کر لیا ہے؟"

"ہاں" اس نے جواب دیا۔

"ہمارا خیال ہے اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے"۔

اس کے بعد اس نے ایک ٹیلیفون اٹھایا اور کہا:-

"ہیلو۔ تم سے ہو؟ لکھ لو۔ یہ زلزلہ ارکٹک گرد کے پورب اور دکن کی طرف ۵ کیلومیٹر کے دائرہ میں سائبیریا اور منچوریا کی سرحد کے قریب ۲ گھنٹہ کے اندر محسوس ہوگا۔ لکھ لیا؟ ٹھیک یاد رکھو۔ تمام اخبارات میں شائع کر دو۔ اور تمام یورپین ممالک کو خبر دے دو"

دوسری صبح کو تمام اخبارات میں مندرجۂ ذیل خبر شائع ہو گئی۔

"امید کی جاتی ہے کہ جنوبی سائبیریا میں ۲۴ گھنٹے کے اندر زلزلہ آئے گا۔ اور اس کا مرکز ارکٹک گرد سے پورب اور دکن میں پانچ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہوگا۔ یہ شہر سائبیریا ریلوے پر واقع ہے۔ اور اس کی آبادی ہے ۴۳۰۰۰۔ ماسکو کی ہدایت کے مطابق حکام نے شہر کو عارضی طور پر خالی کرانے کے ذرائع اختیار کر لئے ہیں۔ اور زلزلے کے وقت بھی ہر طرح کی فوری امداد بہم پہنچائی جائیگی"

صرف دو ہی دن بعد سائبیریا کے زلزلے کے متعلق تار کی خبریں آئیں۔ اس سے شہر کے تمام مکانات گر کر زمین کے برابر ہو گئے تھے لیکن ایک جان بھی ضائع نہیں ہوئی کیونکہ تمام شہریوں کو ارکٹک سے ١٠ کیلومیٹر کے فاصلہ پر لے جا کر خیموں میں رکھ دیا گیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ سائنس کے ماہروں نے اس آنے والے زلزلے کا پتہ کس طرح لگایا؟ یہ یورپ والوں کی محنت اور تحقیقات کی ایک داستان ہے سالہا سال کی عرق ریزی، جانفشانی، تجربے حالات کے مطالعے آلات کی ایجاد اور سائنٹیفک اصول کی گرفت کے باعث سائنسدان زلزلے کی آمد کا پتہ پہلے سے لگا لیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں علم طبقات الارض اور سائنس کے ماہرین کو مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ اس دریافت کے لئے جو آلہ ایجاد کیا گیا ہے اسے "سیسموگراف" کہتے ہیں۔

دنیا میں "سیسموگراف" کے جتنے اسٹیشن ہیں۔ وہاں دو طرح کے آلے ضرور ہوتے ہیں۔ ایک آلہ

زمین کی حرارت کا پیمانہ ہوتا ہے۔ اور دوسرے کو اسٹرکٹومیٹر کہتے ہیں۔ اول الذکر کا کام یہ ہے کہ زمین کے اندر مختلف طبقات کی مختلف گہرائیوں میں ٹمپریچر معلوم کرے۔ عام طور پر زلزلہ اس طرح آتا ہے کہ زمین کی سطح سخت سرد ہو کر سکڑنے اور دھنسنے لگتی ہے۔ اور اس کے باعث اندرونی تہہ والے طبقے پر دباؤ بہت زیادہ پڑتا ہے۔ آخر کار اس دباؤ اور کشش ثقل کا مجموعی اثر یہ ہوتا ہے کہ زمین کے طبقے ٹوٹنے لگتے ہیں۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تو ایک خطرناک حرکت پیدا ہوتی ہے۔ جسے زلزلہ کہتے ہیں۔

آلہ اسٹرکٹومیٹر کی مدد سے سائنس داں یہ جانتے ہیں کہ زمین کے طبقہ پر کتنا دباؤ پڑ رہا ہے اور سال بہ سال کے جمع کردہ اعداد و شمار سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اب یہ دباؤ کس طبقے کے لئے قابل برداشت ہے یا نہیں بعض سیسموگراف اور سیسمومیٹر اتنے سریع الحس ہوتے ہیں کہ ان سے زمین کی خفیف سے خفیف حرکت کا بھی پتہ چل سکتا ہے۔ اس لئے انہیں آلات کے ریکارڈ اور زمین کی بعض سطحی حالتوں کو ملا کر یہ پتہ چلا لیا جاتا ہے کہ موجودہ دباؤ اور حرکت کا کیا حال ہے۔ انہیں نتیجوں کو نقشوں پر درج کر لیا جاتا ہے۔ گویا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سائنس داں لوگ زمین کی حرکت قلب کو ہر وقت محسوس کرتے رہتے ہیں۔

[illegible] بھی [illegible] زلزلے کے متعلق یہی [illegible] لوگ [illegible] بہت [illegible] کچھ [illegible] آتش فشاں [illegible] پہاڑوں کی [illegible] ہے [illegible] لکھا گیا ہے کہ جس خطہ میں [illegible] زلزلے آیا کرتے ہیں [illegible] میں چھپے [illegible] بھی مشہور کوہ آتش فشاں دو بار دہیٹ پڑا تھا۔ اور وہیں کی تاریخ دہرائی گئی تھی۔ [illegible] جب پہلے پھٹا تھا تو دنیا کے دو بہترین اور خوبصورت شہر ہرکولینم اور پمپائی تباہ ہو گئے تھے۔ لیکن سائنس دانوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا ہے کہ جوالا مکھی پہاڑ اور زلزلے سے کوئی براہ راست تعلق ہے۔ اگر آتش فشاں خطوں میں زلزلے بکثرت آتے ہیں تو اس کا سبب یہی ہے کہ وہاں زمین کے اندر کی حرارت اور برودت تیزی سے تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اور سطح زمین کا دباؤ کوئی مستقل صورت اختیار نہیں کر سکتا یہاں تک تسلیم کر لیا گیا ہے کہ آتش فشاں خطوں میں جب کوئی شدید زلزلہ آتا ہے تو جوالا مکھی پہاڑ جلد پھٹ جاتا ہے۔

زلزلوں کے ایک ماہر پروفیسر ملنے کا بیان ہے کہ ہر سال دنیا کے مختلف حصوں میں کم از کم تین ہزار زلزلے آتے ہیں یہ بھی قدرت کا ایک چیلنج ہے جس کا سائنس کوئی جواب نہیں دے سکا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن کوئی آلہ فطرت کے پاس نہیں ہے۔

دیوبند میں وزیر تعلیم بنگال کی آمد

مولوی تمیز الدین خاں صاحب وزیر تعلیم بنگال یکم جنوری ۱۹۴۳ء کو دیوبند تشریف لائے خان بہادر بدیع الرحمٰن صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات آپ کے ساتھ تھے، مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، خان بہادر شیخ ضیاء الحق صاحب رکن مجلس شوریٰ و انتظامیہ نے دارالعلوم کے اعلیٰ انتظامی کارکنوں کے ساتھ اسٹیشن پر استقبال کیا۔

آنریبل وزیر تعلیم بنگال کی یہ آمد خالص تعلیمی مقاصد کے لئے تھی، اس لئے دارالعلوم میں پہنچے پر فوراً ہی تعلیمی مسائل پر گفتگو شروع ہو گئی، وزیر ممدوح کی یہ آرزو تھی کہ وہ مسلمانوں کی اس مذہبی تعلیم گاہ کا معائنہ کریں، اور اس کی خصوصیات سے باخبر ہوں، تاکہ ان تجربات سے بنگال کے تعلیمی اداروں کو فائدہ پہنچایا جا سکے۔

عصر کے بعد آپ نے علماء کے ساتھ چائے پی اور بعد عشاء تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رکھا ۲ جنوری ۱۹۴۳ء کو ۹ بجے مہتمم صاحب نے تمام شعبوں کا معائنہ کرایا۔ اور مختلف دفاتر ملاحظہ کئے۔

یورپ کے مشاہیر کی نصیحتیں

لارڈ برلے کی نصیحت جب تم جوان ہو اپنی شادی کرنے میں نہایت احتیاط اور دور اندیشی سے کام لو۔ کیونکہ اس وقت سے تمہاری آئندہ زندگی کی کل برائی یا بھلائی کی بنیاد پڑتی ہے جس طرح معرکہ جنگ میں فوج کا جرنیل اگر کسی جگہ چوک جائے تو اس کی غلطی کا اثر تمام فوج پر پڑتا ہے اور پھر اس کا رفع کرنا ایک امر محال ہوتا ہے۔ اسی طرح شادی کے وقت جو چوک انسان سے ہو جاتی ہے وہ عمر بھر سنوارے نہیں سنورتی۔

شیکسپیر کی نصیحت مشکل کاموں سے نہ گھبراؤ۔ جوں جوں تم مشکل میں پڑو گے۔ تمہاری عظمت بڑھے گی۔ ملاحوں کی شہرت و عظمت طوفان سے بڑھتی ہے۔

کپلنگ کی نصیحت تم اس وقت بھی اپنے ہوش و حواس قائم رکھو۔ جب کوئی بھی تمہیں صادق نہ مانتا ہو۔ اُن کے شبہات میں اُن کی کمزوری کا خیال رکھو

لانگ فیلو کی نصیحت گزشتہ باتوں پر افسوس نہ کرو۔ وہ واپس نہیں آ سکتیں۔ موجودہ وقت سے عقلمندی [illegible] فائدہ حاصل کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے اختیار میں ہے۔

ڈزرائیلی کی نصیحت اگر تو چاہتا ہے کہ پشیمانی سے بچا رہے۔ تو ہوس کا غلام نہ ہو۔ اگر تو بے غم رہنا چاہتا ہے۔ تو حسد نہ کر۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا بھید دشمن کو معلوم نہ ہو۔ تو اُسے دوست پر ظاہر نہ کر۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری عدم موجودگی میں لوگ تجھ پر نہ ہنسیں تو نیک طریق عمل اختیار کر۔

بنجمن فرانکلن کی نصیحت محنت کے بغیر کمائی نہیں ہو سکتی اگر تم کو کوئی بڑا دفینہ نہیں ملا اور رشتہ داروں سے بڑا ترکہ نہیں پہنچا۔ تو کچھ مضائقہ کی بات نہیں۔ کیونکہ محنت دولت کی ماں ہے، اور خدا محنت پر برکتیں نازل کرتا ہے۔

سینیکا کی نصیحت کسی بڑے کام پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین باتوں کا خیال کر لو۔ اول یہ کہ مجھ میں یہ کام کرنے کی طاقت ہے یا نہیں دوم یہ کہ اس میں کیا کیا دقتیں پیش آئیں گی۔ سوم یہ کہ اس کام کے ضمن میں مجھ کو کس کس سے پالا پڑے گا اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اپنی طاقت کو جانچو۔

لارڈ بیکن کی نصیحت تمہاری تمام چیزوں کے واسطے مقررہ جگہ اور ہر ایک کام کے واسطے وقت معین ہونا چاہئے۔

کارنیگی کی نصیحت بڑا بننا چاہتے ہو تو پہلے چھوٹا بنو۔ کوئی بلند وسیع اور مضبوط مکان بنیاد کے بغیر نہیں بنتا۔ سب چھوٹی چھوٹی اینٹیں جوڑ کر بڑے مکان بنتے ہیں۔

[illegible] کی نصیحت — چاہے مال کتنا ہی سستا ہو اگر تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے تو مت خریدو۔ کیونکہ سینکڑوں آدمی ایسا کرنے سے تباہ ہو چکے ہیں،

ہنری فورڈ کی نصیحت — اگر تم امیر بننا چاہتے ہو۔ تو اپنی فرصت کو بیکار نہ جانے دو۔

ایڈیسن کی نصیحت:۔ اپنا فرض نیک نیتی سے ادا کرو۔

(نئی زندگی)

اردو ذریعہ تعلیم

ہمعصر ہماری زبان رقمطراز ہے کہ حال میں انٹر یونیورسٹی کانفرنس کا اجلاس حیدر آباد میں ہوا اس کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے سر را دھا کرشنن نے جو بنارس ہندو یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں فرمایا:۔

"ہمیں اس انتہائی کامیابی پر تعریف کا موقع ملا جو جامعہ عثمانیہ نے غیر لسانی مضامین کا ذریعہ تعلیم اردو کو بنا کر جو مملکت کی عام زبان ہے حاصل کی ہے۔ ہندستانی کو ہندوستان کی عام زبان بنانے کی ملک کے گوشہ گوشہ میں مختلف کوششیں کی جا رہی ہیں۔ لیکن ہندستان کے مختلف حصوں میں ہمارے لئے یہ حقیقت باعث دلچسپی ہوگی کہ جامعہ عثمانیہ اور متعلقہ اداروں میں مادری زبان ہندستانی جو ملک کی عام زبان ہے کے حصول کے تشفی بخش مواقع موجود ہیں۔ ساتھ ہی بین الاقوامی ربط کے لئے انگریزی کی درس تدریس بھی جاری ہے۔ ہمارے لئے یہ حقیقت خاص کر باعث دلچسپی ہوگی اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ طب انجینرنگ اور دوسرے ٹکنیکل مضامین کی درس و تدریس اردو میں تشفی بخش ہے۔ اردو کو ذریعہ تعلیم اور ذریعہ امتحان بنانے کی وجہ سے اس جامعہ کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ جامعی علوم کے زبان انگریزی سے زبان اردو میں منتقل ہو جانے کی وجہ سے وہ خلیج جو تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ عوام میں حائل تھی، پاٹ دی گئی۔ جامعہ کے ان گرانقدر تجربات سے ہندستان کے مختلف حصوں میں بھی مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔"

یہ ایک ذمہ دار تجربہ کار ماہر کی رائے ہے [illegible] کے غور اور قبول کرنے کے قابل ہے وہ ہندستانی یعنی اردو کو ملک کی عام زبان تسلیم کرتے ہوئے اس کو ذریعہ تعلیم بنانے کا مشورہ دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جامعہ عثمانیہ کے ان گرانقدر تجربوں سے ہندستان کے دوسرے حصوں کو مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔

مسلم یوتھ کلب

"مسلم یوتھ کلب" کا ایک جلسہ زیر صدارت سید احمد علی صاحب منعقد ہوا۔ کلب کے چند قدیم ارکان بھی تشریف رکھتے تھے جلسہ کی ابتدا تلاوت کلام مجید سے ہوئی، اس کے بعد اظہار الدین صاحب قریشی نے ڈاکٹر مظفر علی صاحب کی تقریب عقد پر تحریک مبارکباد پیش کی، جو حاضرین نے مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ منظور کی۔ بعد ازاں صدر جلسہ نے قائد اعظم محمد علی جناح کی رسم سالگرہ منانے کی تجویز پیش کی، اور یہ بتایا کہ قوم کو ایسے مخلص رہنما کی شدید ضرورت ہے۔ جو اراد وہ دل کی سچائی کو ہمیشہ پیش نظر رکھے، حاضرین نے تجویز منظور کرتے ہوئے قائد اعظم زندہ باد اور مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے بلند کئے اور جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔ شام کو تقریب عقد و قائد اعظم کی سالگرہ کی خوشی میں کلب کی عمارت میں چراغاں کیا گیا۔

محمد مشتاق معتمد اعزازی مسلم یوتھ کلب

یوپی پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس

کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ منعقد ہوا [illegible] منظور کیا گیا کہ کانفرنس کا اجلاس [illegible] مارچ [illegible] بمقام [illegible] منعقد ہو صدارت کے لئے [illegible] فضل [illegible] کا انعقاد [illegible] ہوا [illegible] اردو کا اجلاس بھی اسی سلسلہ میں [illegible] کی صدارت کیلئے مولوی سید اسد اللہ کاظمی انسپکٹر مدارس [illegible] کا نام تجویز ہوا ان کو منظوری چاہی گئی [illegible] آنے والے اصحاب جو [illegible] اور [illegible] ادا کرینگے ان کے قیام و طعام کا انتظام مجلس استقبالیہ بلا کسی مزید صرفہ کے کریگی امید کی جاتی ہے کہ کانفرنس کے [illegible] چالیس تعلیمی مطالبات پر گورنمنٹ نے [illegible] کام ۱۵ [illegible] ڈیپوٹیشن کے میموریل کے جواب میں اس وقت تک صادر [illegible]۔۔

"مطبوعات جدیدہ"

اسلام میں غلامی کی حقیقت — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان، غلامی پر اسلامی نقطۂ نظر کا ایک محققانہ بحث۔ قیمت [illegible]

تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام — از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، مغربی تہذیب تمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص صوفیانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت [illegible]

اسلام کا اقتصادی نظام — از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی، دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے مقابلہ۔ قیمت [illegible]

نبی عربی صلعم — از مولانا زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی متوسط استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو بخیل جامعیت اور اختصار کے بیان کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible]

فہم قرآن — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان، فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم و جدید نظریوں پر نہایت مبسوط و مدلل بحث۔ [illegible]

غلامان اسلام — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ پچھتر سے زیادہ صحابہ، تابعین مع تابعین، فقہاء و محدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں قیمت [illegible]

تاریخ انقلاب روس — از ایم ایم جوہر صاحب انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات۔ قیمت [illegible]

اخلاق و فلسفۂ اخلاق — از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی علم اخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق فلسفۂ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قیمت [illegible]

وحی الٰہی — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان مسئلہ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ و دلپذیر اور دلکش انداز میں بحث۔ قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ:۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

[illegible] مسلم [illegible] علی گڑھ میں چھپا۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس [illegible] گڑھ سے شائع کیا۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار علمی و ملی اخبار

کانفرنس گزٹ

علی گڑھ

قیمت فی پرچہ ایک آنہ

تاریخ ہائے اشاعت ہر ماہ عیسوی کی یکم۔ ۸۔ ۱۶۔ ۲۴

قیمت اخبار: سالانہ۔ تین روپے، ششماہی۔ دو روپے، سہ ماہی۔ ایک روپیہ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

(سید سلطان علی رضوی بی اے علیگ)

جلد (۱۵) | ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۲۷ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۴)

نواب کمال یار جنگ بہادر کی رحلت

نہایت رنج و افسوس ہے کہ آخر جنوری میں حیدر آباد دکن کے سربرآوردہ جاگیردار نواب کمال یار جنگ بہادر نے رحلت فرمائی، جب بیگم صاحبہ نواب صاحب مرحوم کے تار موسومہ نواب صدر یار جنگ بہادر سے علی گڑھ میں یہ خبر مشتہر ہوئی تو کانفرنس اور مسلم یونیورسٹی کے حلقہ میں ہر شخص نے اسے نہایت رنج و ملال کے ساتھ سنا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر نے فوراً کانفرنس کے ممبروں کا ایک جلسہ طلب کیا، جو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر و قدیم رکن زیر صدارت جناب ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی منعقد ہوا، ڈاکٹر صاحب نے ایک مختصر تقریر میں اس اندوہناک حادثہ پر اظہار رنج و افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ جب نواب کمال یار جنگ بہادر علی گڑھ میں پڑھتے تھے اس وقت بھی وہ ممتاز و نمایاں تھے اور علی گڑھ سے تشریف لے جانے کے بعد انھوں نے اپنی جاگیر کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے کیا وہ امرائے حیدر آباد میں بہت ممتاز تھے و اعلیٰحضرت نظام حیدر اللہ ملکہ کا اعتماد انھیں حاصل تھا، تعلیمی معاملات سے انھیں غیر معمولی دلچسپی تھی، "کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی" نواب صاحب مرحوم ہی کی فیاضی سے وجود میں آئی۔

تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب کی تحریک پر نواب صاحب مرحوم کے لئے دعائے مغفرت مانگی گئی اور حسب ذیل رزولیوشن منظور کیا گیا۔

"آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ممبروں کا یہ غیر معمولی جلسہ حیدر آباد کے جلیل القدر و فیاض امیر نواب کمال یار جنگ بہادر (علیگ) سابق صدر اجلاس کانفرنس و صدر کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی کی اندوہناک وفات پر اپنے دلی رنج و الم کا اظہار کرتے ہوئے یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور بیگم کمال یار جنگ اور دوسرے اعزا و اقارب کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔"

کانفرنس کے علاوہ مسلم یونیورسٹی کے ارکان اساتذہ اور طلبہ کا بھی ایک جلسہ اسٹریچی ہال میں زیر صدارت جناب وائس چانسلر صاحب [illegible] جس میں تعزیت کا مندرجہ ذیل رزولیوشن منظور کیا گیا۔

"مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا یہ جلسہ نواب کمال یار جنگ بہادر ممبر یونیورسٹی کورٹ کی وفات حسرت آیات پر اپنے انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے نواب صاحب مرحوم اس ادارہ کے ایک ممتاز اولڈ بوائے تھے اور ریاست حیدر آباد کے سربرآوردہ رؤسا اور اکابر میں سے تھے۔ مرحوم کو مسلمانوں کی تعلیمی ترقی سے گہری دلچسپی تھی اور آپ نے ہمیشہ بڑی اولوالعزمی اور فیاضی کے ساتھ اس کا عملی ثبوت دیا، مرحوم کی وفات سے قوم کا ایک مخیر رئیس اور مادر علمی کا ایک نامور فرزند رخصت ہو گیا۔

یہ جلسہ باری تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور بیگم صاحبہ و صاحبزادگان اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

نواب کمال یار جنگ بہادر مرحوم حیدر آباد کے مشہور جاگیردار نواب خانخاناں مرحوم کے خلف اصغر تھے، مرحوم کی عمر کم و بیش ۵۵ سال [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ جنوری ۱۹۴۶ء

کل ہند اردو کانفرنس

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی نے اب اتنی شہرت حاصل کر لی ہے کہ اس کا نام اور کام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ہر شخص جس کو اردو سے کچھ بھی تعلق یا دلچسپی ہے وہ انجمن کی خدمات سے کم و بیش واقف ہے۔ اب سے کچھ مدت پہلے تک انجمن نے جو کام انجام دیا وہ خالص علمی و ادبی تھا اور زیادہ تر تالیف و تصنیف سے تعلق رکھتا تھا، یعنی انجمن کی حیثیت ایک دارالاشاعت کی تھی جو مختلف علوم و فنون کی تحقیقی علمی و ادبی تصنیفات یا دوسری زبانوں کی بہترین کتابوں کا ترجمہ شائع کرتا تھا۔

انجمن کی رودادوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پچھلے چالیس سال میں بہت سی لائق مطالعہ کتابیں شائع کیں جو ملک میں مقبول ہوئیں ان میں سے متعدد کتابیں ایک سے زیادہ مرتبہ شائع ہوئیں جو اُن کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ تالیف و تصنیف کے سلسلہ میں انجمن کا ایک مفید و قابل قدر کارنامہ انگریزی و اردو کی ایک مکمل ڈکشنری ہے جو بڑی محنت و کاوش سے تیار کی گئی ہے اور جس کی اشاعت نے ملک کی اہم ضرورت کو خوش اسلوبی سے پورا کر دیا ہے۔

انجمن اب بھی اس مفید خدمت میں مصروف ہے اور ہر سال ایسی علمی و ادبی کتابیں شائع کرتی رہتی ہے جو یا تو کسی صاحب فن نے براہ راست اردو میں لکھی ہیں یا کسی مغربی و مشرقی زبان سے ترجمہ ہو کر اردو زبان میں آئی ہیں لیکن اب کچھ مدت سے انجمن نے اپنے حلقۂ عمل کو وسیع کر دیا ہے اور علاوہ کتابوں کی اشاعت کے خود اردو زبان کی توسیع و اشاعت اور مخالفین کے حملوں سے اس کی حفاظت کرنے کی عملی تدابیر بھی شروع کر دی ہیں، انجمن نے عین ضرورت کے وقت اس مفید خدمت کا آغاز کیا ہے۔ اور اس میں وہ سرگرمی کے ساتھ مصروف ہے۔

اردو کی مخالفت یوں تو کم و بیش نصف صدی سے ملک میں جاری ہے لیکن اب اس میں بہت اضافہ ہو گیا ہے اور وہ ایک منظم صورت اختیار کرتی جاتی ہے۔ اور زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ بعض ذمہ دار سیاسی لیڈر بھی فرقہ وارانہ جذبات سے مغلوب ہو کر اس مخالفانہ تحریک میں شریک ہو گئے ہیں اس لیے شدید ضرورت ہے کہ پوری طاقت سے ان حملوں کی مدافعت کی جائے جو ہر طرف سے اور مختلف طریقوں سے اردو پر ہو رہے ہیں اور اب یہ فتنہ برطانوی ہند سے گزر کر ریاستوں تک بھی پہنچ گیا ہے جس کی وجہ سے ہندو مسلمانوں کے تعلقات روز بروز ناخوشگوار ہوتے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو نے یہ محسوس کر کے کہ اب اردو کے سلسلہ میں مزید کام کرنے اور انجمن کے حلقۂ عمل کو وسعت دینے کی ضرورت ہے ۱۹۳۶ء میں ایک آل انڈیا اردو کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں ایک مفصل خط ملک کے نمایاں اکابر اور حامیان اردو کی خدمت میں بھیجا جس میں اردو کی موجودہ حالت پر بحث کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی گئی تھی،

"موجودہ حالات پر نظر کر کے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ انجمن ترقی اردو کے اغراض و مقاصد کو زیادہ وسعت دی جائے تاکہ وہ تمام ملک میں اردو کے تحفظ اور مزید اشاعت کے کام کو اعلیٰ پیمانہ پر انجام دے سکے۔"

اس کے بعد خط میں تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا تھا کہ اردو کی ترقی و اشاعت کے لیے کیا ذرائع اختیار کیے جائیں۔

ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی تجویز پر توجہ سے پڑھی گئی، اور اکتوبر ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی اردو کی ایک آل انڈیا اردو کانفرنس کا اجلاس علی گڑھ میں قرار پایا، چنانچہ یہ اجلاس ۲۴ و ۲۵ اکتوبر کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر دفتر کی عمارت سلطان جہاں منزل میں منعقد ہوا۔

کانفرنس کے دو عام اجلاس منعقد ہوئے پہلے اجلاس کے صدر جناب راجہ صاحب محمود آباد تھے، دوسرے کی صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر وزیر سیاسیات و تعلیمات حیدرآباد دکن نے فرمائی۔ اس اجلاس میں ملک کے بہت سے مشہور کارکنان علم شریک تھے، علی گڑھ میں سید راس مسعود و نواب مسعود جنگ (مرحوم) نواب صدر یار جنگ بہادر اور مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ و اراکین نے خصوصیت کے ساتھ انجمن کی کارروائیوں میں حصہ لیا اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب ایم ایل اے بھی باوجود علالت اجلاس میں شریک ہوئے۔

انجمن ترقی اردو کی یہ پہلی کانفرنس بہت کامیاب ثابت ہوئی، اس میں کافی غور و بحث کے بعد انجمن کے لیے ایک جدید نظام عمل کا خاکہ مرتب ہوا اور عملی خدمت کے لیے بہت سی مفید تجاویز منظور ہوئیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ انجمن کا مرکزی دفتر اورنگ آباد (دکن) سے دہلی منتقل کر دیا جائے جو اردو کی جنم بھومی ہونے کے علاوہ حکومت ہند کا مرکز اور دارالحکومت بھی ہے چنانچہ اس قرارداد کے مطابق اجلاس کے کچھ مدت بعد نومبر ۱۹۳۸ء میں انجمن کا مرکزی دفتر اورنگ آباد سے دہلی منتقل کر دیا گیا۔

دہلی میں انجمن کا مرکز منتقل ہونے کے بعد معتمد انجمن نے دوبارہ ایک آل انڈیا اردو کانفرنس کے انعقاد کا انتظام کیا جو نومبر ۱۹۳۹ء میں بمقام دہلی منعقد ہوئی۔ اس دوسری "کل ہند اردو کانفرنس" کی صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر نے فرمائی۔ کانفرنس کا یہ اجلاس بھی کامیاب رہا اور اس میں مختلف صوبوں کے مشاہیر اور تعلیم یافتہ اصحاب نے شرکت فرمائی، کانفرنس کے سلسلہ میں ایک مشاعرہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا جس میں دہلی اور لکھنؤ کے شعراء کے علاوہ دوسرے صوبوں کے خوشگو شعراء نے بھی شرکت کی۔

"کل ہند اردو کانفرنس" کے اس اجلاس کے بعد جو ۱۹۳۶ء میں منعقد ہوا آخر ۱۹۴۱ء تک انجمن ترقی اردو نے کوئی اردو کانفرنس منعقد نہیں کی۔ غالباً اس کا ایک بڑا سبب وہ صورت حالات بھی جو موجودہ عالمگیر جنگ کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔

۱۹۴۱ء کے آخر میں از سر نو ایک آل انڈیا اردو کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی تحریک شروع ہوئی، جس نے ابتدائی مراحل سے گزر کے عملی صورت اختیار کی تھی۔ طے پایا کہ انجمن ترقی اردو کی سرپرستی میں کل ہند اردو کانفرنس کا سالانہ اجلاس صوبہ متوسط و برار کے دارالحکومت ناگپور میں منعقد کیا جائے۔

اجلاس طے پا جانے کے بعد ناگپور میں اجلاس کے ابتدائی انتظامات شروع ہو گئے چنانچہ ایک مجلس استقبالیہ کی تشکیل عمل میں آئی جس کے صدر نواب حاجی محی الدین خاں صاحب ایم ایل اے رئیس ناگپور اور سکریٹری محمد ابراہیم خاں صاحب قرار پائے۔ سالانہ اجلاس کی تاریخیں ۱۹-۲۰-۲۱ جنوری ۱۹۴۳ء تجویز کی گئیں، مجلس استقبالیہ نے جملہ انتظامات خصوصاً نشر و اشاعت کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دئے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا معقول انتظام کیا اور مہمانوں کی قیام گاہ کے قریب اجلاس کے لئے ایک خوبصورت اور وسیع پنڈال تیار کیا، جس میں دس بارہ ہزار سامعین اطمینان سے بیٹھ سکتے تھے۔

کل ہند اردو کانفرنس کے منتخب صدر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا الحاج ڈاکٹر محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی ۱۸ جنوری کی شام کو ناگپور پہنچ گئے اور جناب نواب مرزا یار جنگ بہادر ایجنٹ اعلیٰ حضرت نظام (متعینہ برار) کی کوٹھی پر قیام فرمایا۔ ۱۹ جنوری کو ... مقامی اصحاب اور انجمن کے کارکنوں نے جناب صدر سے ملاقات کی۔ مہمانوں کی آمد دن بھر جاری رہی، صوبہ متوسط و برار کے علاوہ حیدرآباد، مدراس، بمبئی اور صوبجات متحدہ وغیرہ کے مہمان بھی خاصی تعداد میں تھے چونکہ اجلاس کے ساتھ ایک "آل انڈیا مشاعرہ" کا انتظام بھی کیا گیا تھا اس لئے مختلف صوبوں کے شعراء بھی ناگپور پہنچ گئے تھے

جن کی میزبانی کے فرائض مجلس استقبالیہ نے انجام دئے، غرض اردو کانفرنس کی بدولت ناگپور میں مشاہیر ملک اور ارباب علم کا ایک اچھا خاصا اجتماع ہو گیا تھا۔

اردو کانفرنس کا پہلا اجلاس

۱۹ جنوری ۱۹۴۳ء کو بوقت ۱۰ بجے شب تلاوت کلام مجید سے کانفرنس کے پہلے اجلاس کا آغاز ہوا، اس وقت سارا پنڈال سامعین سے معمور اور برقی قمقموں سے پر نور تھا، وسیع و عریض پنڈال کا فرش تھا جس پر حاضرین کے بیٹھنے کے لئے ... ہوئے تھے جہاں انجمن ترقی اردو و کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے کارپرداز و عہدہ دار اور بعض معزز مہمان جن میں ہندو صاحبان بھی شامل تھے تشریف رکھتے تھے۔ ڈائس کا منظر نہایت نظر فریب اور ایک قدیم طرز کی مجلس کا سا نقشہ تھا، جناب صدر کے لئے ڈائس پر ایک مسند تھی جو قالین اور گاؤ تکیہ سے مزین تھا، تخت کے سامنے لاؤڈ اسپیکر تھا۔

تلاوت کلام مجید کے بعد جناب نواب مرزا یار جنگ بہادر ایجنٹ گورنمنٹ نظام نے اپنی مختصر تقریر سے اجلاس کا افتتاح کیا، آپ نے تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا،

حضرات! میرے احباب کی یہ خواہش ہے کہ میں اس انجمن کا افتتاح کروں، جب روشنی نمودار ہوتی ہے تو خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ آفتاب طلوع ہوا، اس کے لئے کسی اعلان کی ضرورت نہیں تاہم میں احباب کی تعمیل ارشاد کرتا ہوں،

سب سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ

۱۔ اس کانفرنس کا مقصد کیا ہے اور

۲۔ کیوں اس کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی،

پہلی بات یہ ہے کہ انسان کے جتنے کارنامے ہیں ان میں سب سے بڑا کارنامہ زبان ہے۔ منہ سے ایک آواز نکلتی ہے جس سے انسان اپنا مافی الضمیر ظاہر کر دیتا ہے، انسان کی عقل و فطرت اور فراست کے کارنامے اس گنج گراں بہا یا خزانہ میں محفوظ ہیں زبان بنانے والوں کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ ان کی قیمتی خیالات کا یہ خزانہ ہمیشہ بڑھتا جائے گویا یہ ایک تجوری ہے جس میں الفاظ کا خزانہ محفوظ

ہے۔ غرض ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو زبان اس ملک میں ایجاد کی گئی یا ایجاد ہو گئی ہے وہ محفوظ ہو جائے انجمن کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ دوسری زبانوں پر حملہ کیا جائے، خواہ وہ زبان ہندی ہو یا سنسکرت کیونکہ دوسری زبانیں بھی ترقی کی مستحق ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ سر سید کے آخری زمانہ میں سوء اتفاق سے ایسا ماحول پیدا ہو گیا تھا کہ انھوں نے ضرورت محسوس کی کہ اردو زبان کی حفاظت کے لئے کام کیا جائے چنانچہ انھوں نے اردو کو ہر قسم کے خطرہ و ضرر سے بچانے کے لئے بہت سے طریقے اختیار کئے

سر سید کی وفات کے بعد سنہ ۱۹۰۰ء میں ہمارے صوبہ (صوبجات متحدہ) کے لفٹنٹ گورنر نے ایک ایسی گشتی یا حکم نافذ کیا جس سے صوبہ کے لوگوں میں سخت بے اطمینانی پیدا ہو گئی، اس زمانہ میں نواب محسن الملک سر سید کے جانشین اور مسلمانوں کے لیڈر تھے، لفٹنٹ گورنر کے اس حکم کی مخالفت میں قیصر باغ (لکھنو) کی بارہ دری میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا اس موقع پر نواب محسن الملک نے جو اس جلسہ کے صدر تھے ایک پرزور اور معرکۃ الآرا تقریر کی جس میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کبھی خدانخواستہ وہ وقت آیا کہ ہم اپنی زبان کو زندہ نہ رکھ سکے تو اس کا جنازہ دھوم سے نکالیں گے۔ م

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

نواب محسن الملک نے یہ مصرع کچھ اس انداز اور اس جوش سے پڑھا کہ لوگ بیتاب ہو کر رونے لگے۔ اتفاق سے اسی جوش کی چند لہریں سرزمین دکن سے بھی ٹکرائیں جس سے مفید نتیجے برآمد ہوئے۔

سنہ ۱۹۱۰ء کا واقعہ ہے کہ آپ کے صدر نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور تھے وہی سال ہے کہ اعلیٰ حضرت نے مجھکو بھی جیب خرچی کے عہدہ پر طلب فرمایا اسی طرح کچھ لوگ جمع ہو گئے۔ باہمی مشورہ سے یہ قرار پایا کہ اردو یونیورسٹی قائم کی جائے، یہ تجویز آخر کار تکمیل کے درجہ تک پہنچی، اس وقت ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ اردو کو کسی دوسری زبان سے ٹکرایا جائے۔ بلکہ یہ خیال تھا کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جس کو عمومیت حاصل ہے کیونکہ تلنگو صرف تلنگانہ میں بولی جاتی ہے۔ مرہٹی صرف

خطبۂ صدارت نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا الحاج ڈاکٹر محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی

جو

انجمن ترقی اردو (ہند) کی تیسری کل ہند اردو کانفرنس کے عظیم الشان سالانہ اجلاس میں ۱۹ جنوری ۱۹۴۲ء کو بمقام ناگپور پڑھا گیا

حضرات! آپ نے مجھے اس ادبی و علمی مجلس کی صدارت کا جو اعزاز عطا فرمایا ہے، اس کے لئے میں دل سے آپ کا سپاس گزار ہوں، مجھ کو آغاز کار سے اب تک انجمن ترقی اردو سے دلچسپی رہی ہے۔ اور میں نے اس کی خدمات انجام دینے کی کوشش کی ہے۔

انجمن ترقی اردو کس طرح وجود میں آئی؟ اس موقع پر اس کا مختصر تذکرہ غالباً بے موقع نہ ہوگا۔ چالیس برس سے بھی زیادہ زمانہ گزرا کہ ۱۹۰۲ء میں ملک معظم کی تاجپوشی کے سلسلہ میں ایک شاندار تاریخی دربار دہلی میں منعقد ہوا، علی گڑھ کے ارباب حل و عقد خصوصاً صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے جو کانفرنس کے آنریری جائنٹ سکریٹری تھے، یہ مناسب سمجھا کہ اس تاریخی موقع پر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس بھی دہلی میں منعقد کیا جائے، چنانچہ کانفرنس کا سولھواں اجلاس زیر صدارت ہز ہائینس سر آغا خاں بالقابہ نہایت شان و شوکت سے دہلی میں منعقد ہوا جس میں ہندوستان اور انگلستان کے بہت سے مشہور و نامور اصحاب اور بعض والیان ملک و ارکان حکومت نے شرکت فرمائی، اسی تاریخی اجلاس میں ایک رزولیوشن کی بنا پر کانفرنس کا ایک لٹریری سکشن یا شعبۂ ترقی اردو قائم ہوا، اور اس شعبہ کے معتمد اعزازی (آنریری سکریٹری) شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مقرر ہوئے، یہ تھا آپ کی انجمن کا مبارک آغاز۔

یہ بھی ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ شعبۂ ترقی اردو کا سنگ بنیاد دہلی میں رکھا گیا، جو اردو کا مولد و مرکز مانا گیا ہے، دوسرا حسن اتفاق یہ ہے کہ انجمن کم و بیش ایک تہائی صدی کے بعد اپنے دور عروج و شباب میں بہت سے کارنامے انجام دینے اور خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کے الطاف شاہانہ سے بہرہ اندوز ہونے کے بعد پھر اسی دہلی میں آگئی جہاں اس صدی کے آغاز میں اسے حیات اولین حاصل ہوئی تھی۔

حضرات! شعبۂ ترقی اردو نے وجود میں آنے کے بعد ناسازگار حالات میں کچھ نہ کچھ کام شروع کر دیا تھا اور ایجوکیشنل کانفرنس بقدر گنجائش اس شعبہ کی مالی امداد کرتی تھی۔ شعبہ کے معتمد اعزازی مولانا شبلی نعمانی نے ۱۹۰۵ء تک کام کرنے کے بعد کثرت مشاغل کی وجہ سے اپنے عہدہ سے استعفا دے دیا اور یہ خدمت کانفرنس کی طرف سے میرے سپرد کی گئی، اس کے بعد مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم نے اس کام کو سنبھالا۔ مگر ان کی افسوسناک وفات نے ساری امیدوں کا جو ان کی ذات کے ساتھ وابستہ تھیں خاتمہ کر دیا۔ آخر کار ۱۹۱۲ء میں قرعہ فال مولوی عبدالحق صاحب کے نام نکلا جو آپ کی انجمن کے چوتھے معتمد اعزازی ہیں، انھوں نے اس شعبہ کو ہاتھ میں لیکر بتدریج اتنے مرتبہ پر پہنچا دیا کہ آج سارے ہندوستان میں اسے شہرت حاصل ہو گئی اور وہ ایجوکیشنل کانفرنس کی مالی سرپرستی سے بے نیاز ہو کر ہندوستان کا ایک مشہور مستقل علمی ادارہ بن گیا۔

حضرات! ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی محنت و کوشش سے انجمن ترقی اردو کو جس درجہ تک پہنچایا اس کا مجھے ابتدا ہی سے اعتراف ہے، دسمبر ۱۹۲۵ء میں ایم اے او کالج کی پچاس سالہ جوبلی کے موقع پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جو اجلاس علی گڑھ میں منعقد ہوا، میں نے بحیثیت آنریری سکریٹری ایجوکیشنل کانفرنس اس اجلاس میں جو رپورٹ پڑھی اس میں یہ عرض کیا تھا:۔

"انجمن کی موجودہ ترقی و کامیابی نتیجہ ہے مولوی عبدالحق صاحب بی اے کی سعی و ہمت کا جو بڑے مستقل مزاج، پختہ کار اور مسلسل کام کرنے والے محقق ہیں اور عملاً انھوں نے اپنی زندگی اردو کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہے جس میں وہ خاموشی کے ساتھ سالہا سال سے مصروف ہیں۔"

اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی پنجاہ سالہ جوبلی کے موقع پر بھی میں نے اپنی رپورٹ میں کانفرنس کی تاریخ ماضی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ کس طرح کانفرنس کے شعبۂ ترقی اردو نے ترقی کر کے موجودہ "انجمن ترقی اردو" کی صورت اختیار کی جو آج ایک مستقل انجمن کی حیثیت سے اپنے مستعد و فاضل سکریٹری مولوی عبدالحق صاحب کی زیر نگرانی علم و ادب کی ترقی میں مصروف ہے۔"

حضرات! یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ باوجود ملک میں جدید تعلیم پھیل جانے کے ہمیں ایسے لائق و بلند ہمت کارکن میسر نہیں آئے جو ہمارے قومی اداروں کو صحیح طریقہ پر خوش اسلوبی سے چلا کر ملک و قوم کے لئے مفید و سودمند ثابت کریں، ان حالات میں یہ انجمن کی خوش نصیبی ہے کہ اسے ایک ایسا معتمد (سکریٹری) میسر آگیا جو بغیر کسی معاوضہ یا صلہ کی توقع کے محض اپنے ذاتی ذوق و شوق سے ہماری زبان کی خدمت میں مصروف ہے، ایسی کار پرداز ہستی کی خدمات کا اعتراف ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

حضرات! آج اردو کانفرنس کے اجلاس ناگپور میں زندگی کے جو آثار مجھے نظر آرہے ہیں میں اس پر اظہار مسرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کیا بعید ہے کہ یہ اجلاس آگے کے لئے ایک جدید دور ترقی کے آغاز کا باعث ہو، یہ حسن ظن اس لئے ہے کہ اب سے پہلے بھی ناگپور کا ایک قومی اجتماع مسلمانان ہند کی تعلیمی زندگی میں ایک جدید دور اور مبارک انقلاب کا باعث ہوا تھا۔ اجتماع جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس تھا جو ۱۹۱۰ء میں ناگپور میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں مسلم یونیورسٹی کے قیام کے متعلق ایک رزولیوشن منظور ہوا اور اجلاس کے بعد فوراً اس تحریک کے متعلق عملی جد و جہد شروع ہو گئی جو آخر کار کامیاب ہو کر مسلم یونیورسٹی کی صورت میں نمایاں ہوئی۔

مسلم یونیورسٹی کے قیام کی تحریک سرسید کی رحلت کے بعد ہی ملک کے سامنے آگئی تھی، اور کانفرنس کے اجلاس میں سال بسال اس کے متعلق رزولیوشن پاس ہوتا اور پُر زور تقریریں کی جاتی تھیں لیکن یہ سعادت ناگپور ہی کے لئے مقدر تھی کہ یہاں جو رزولیوشن دسمبر ۱۹۱۰ء میں منظور ہوا جنوری ۱۹۱۱ء سے نہایت سرگرمی سے اس کی تعمیل شروع ہو گئی، اس اجلاس میں ہز ہائینس سر آغا خاں خاص اسی مقصد سے تشریف

لائے تھے کہ مسلم یونیورسٹی کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کریں،

یہ واقعہ جو بظاہر کسی قدر غیر متعلق ہے اس لئے عرض کیا گیا کہ ناگپور کا یہ کارنامہ ہمارے دلوں میں تازہ ہو جائے کہ اب سے پہلے بھی یہاں کا ایک اجتماع ہماری مہمات قومی کے لئے منتج خیز بار آور ثابت ہو چکا ہے، یہ امر باعث صد مسرت ہے کہ اگرچہ سی پی میں مسلمانوں کی آبادی بہت قلیل ہے اور ان کی اقتصادی حالت بھی ناقابل اطمینان ہے لیکن اس پر بھی وہ اپنی مستقل ہستی قائم رکھنے کے لئے بڑے بڑے کاموں کو اولو العزمی سے انجام دے رہے ہیں جس کا ایک زبردست ثبوت یہ اردو کانفرنس ہے جو نہایت شان و شوکت سے منعقد ہو رہی ہے، اس کے علاوہ وہ ایسے ہی مستقل کاموں میں بھی مصروف ہیں چنانچہ انھوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو بھی امسال یہاں سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی دعوت دی ہے۔ [illegible]ء میں آج سے پچیس برس پہلے ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس اسی شہر میں منعقد ہوا تھا جس میں مجھ کو بھی حاضری کی عزت حاصل تھی۔

حضرات! صوبۂ متوسط و برار کے ارباب ادب نے ناگپور میں اردو کانفرنس کو دعوت دے کر درحقیقت اپنی علمی و ادبی خدمت کا تازہ ثبوت دیا ہے۔ ملکی و مادری زبان کی حفاظت اور ترقی کے لئے کوشش کرنا ہر محب وطن اور بلند نظر ہندوستانی کا اولین فرض ہے، اس لئے کوئی شخص بھی اردو ادب کی خدمت کرنے والوں کو اس پر ملامت نہیں کر سکتا کہ وہ اردو زبان کے تحفظ و ترقی کے لئے کوشش کر رہے ہیں، اردو کو کسی قسم کی مذہبی عظمت حاصل نہیں ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمان اردو کی جو حمایت کر رہے ہیں اس میں کوئی مذہبی جذبہ کارفرما ہے البتہ اردو کو ایک خاص تاریخی عظمت ضرور حاصل ہے، یعنی وہ اس عہد زریں کی یادگار ہے جب اس ملک کی پرامن فضا میں ہندو مسلمان برادرانہ محبت کے ساتھ علم و ادب کی خدمت میں مصروف تھے، اور اردو و ہندی کا مسئلہ جو زمانہ حاضرہ کی رہبری سیاست کی پیداوار ہے ملک میں موجود نہ تھا، یہی زبان جسے اب ہم اردو کہتے ہیں "ہندی" کے نام سے موسوم تھی یعنی وہ "اہل ہند" کی مشترک ملکی زبان سمجھی جاتی تھی، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان،

مغربی تعلیم کے اثرات نے ہماری تمام ملکی و قومی خصوصیتوں کو ایک ایک کر کے فنا کر دیا ہے یہاں تک کہ ہم اپنی ہستی کو بھی بھول گئے۔ اب اگر اس دور ماضی کی کوئی زندہ یادگار اس ملک میں باقی رہ گئی ہے تو وہ یہی زبان ہے جسے ہندو مسلمان دونوں بولتے ہیں اور کسی زمانہ میں انگریز بھی اس کے سیکھنے اور سمجھنے بلکہ ترقی دینے کی کوشش کرتے تھے۔

حضرات! اردو کی ابتدائی تاریخ نیز اس کی ترقی اور نشو و نما کے متعلق کافی بحث ہو چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں لیکن اس قدر عرض کرنا بے موقع نہ ہوگا کہ جس شخص نے بھی اردو زبان کی تاریخ ماضی کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتا کہ اردو کسی زمانہ میں بھی کسی کی مخصوص زبان نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ہماری ادبی صحبتوں اور مشاعروں میں ہندو مسلمان یکساں ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جن اسباب نے ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو نہ صرف خوشگوار بلکہ مستحکم و استوار بنا دیا تھا ان میں اردو ادب بھی تھا ان ادبی صحبتوں میں شریک ہو کر ہندو مسلمان دونوں بھول جاتے تھے کہ وہ کون ہیں، مشترک ذوق نے دونوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا تھا، جس کا اخلاقی اثر ہماری ساری زندگی پر پڑتا تھا، اگر ہندو مسلمان رواداری سے کام لیں تو آج بھی وہ زمانہ واپس آسکتا ہے۔

حضرات! جب ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی اردو کی ایک کانفرنس کا اجلاس علی گڑھ میں منعقد ہوا تو میں نے اس موقع پر بھی اردو زبان کی اس حیثیت کو واضح کیا تھا کہ وہ ہندو مسلمانوں کا ایک مشترک سرمایہ ہے مناسب ہوگا اگر ان خیالات کا اس موقع پر اعادہ کیا جائے۔

میں نے یہ عرض کیا تھا کہ ہندوستان میں مشترک قومی زبان کی اہمیت یوں اور مسلم ہے کہ ہماری تمدنی زندگی میں دوسرے مشترک عناصر کی کمی ہے، خوش قسمتی سے زبان کے معاملہ میں ہماری قوم کے دونوں اہم حصوں یعنی ہندو مسلمانوں نے صدیوں کے تعاون سے ایک زبان اور ایک ادب کی پرورش کی ہے جو ہر چند ابھی نوخیز ہے تاہم اپنے امکانات ترقی کے اعتبار سے کسی سے پیچھے نہیں ہے، اور یہ بات اس لئے اور زیادہ اہم ہے کہ اس کے صالح اثرات سے دوسری کمیوں کی تلافی کی امید کی جا سکتی ہے۔ زبان کے الفاظ کا سرمایہ قوم کی ذہنی کیفیات اور تصورات کا خزانہ ہوتا ہے، اس خزانہ کے مشترک ہونے سے قوم کے رجحانات اور ان کے عزائم میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس مشترک تمدنی قوت کو ترقی دینا ہر سچے ہندوستانی کا فرض ہونا چاہئے، اور ہر وہ کوشش جو اس مشترک قومی سرمایہ کو منتشر کرنا یا غیر مؤثر بنانا چاہے اس کا سدباب قومی فرض ہے۔

ہماری بدنصیبی ہے کہ لوگ اس مشترک قومی سرمایہ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات جو ملک کے نمائندے ہیں باہمی سمجھوتہ سے ایسی تدابیر اختیار کریں گے جس سے تنگ نظری اور فرقہ پروری کا سدباب ہو جائے گا، اور ہمارا یہ سرمایہ قومی بربادی سے محفوظ رہ جائے گا یہی نہیں بلکہ ہمارا یہ مقصد بھی ہونا چاہئے کہ اس کے مفید اثرات کو تعلیم یافتہ لوگوں کے محدود حلقہ سے نکال کر ہر چھوٹے بڑے کو فیضیاب کرنے کا موقع دیں"

حضرات! مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر ملک میں ایک ایسی انجمن یا مستقل ادارہ کا قیام ناگزیر تھا جو نہ صرف ہماری ملکی و مادری زبان اردو کے تحفظ کی خدمت انجام دے بلکہ اس کی ترقی، اور حلقۂ اثر کو وسعت دینے کے لئے بھی زبردست وسائل اختیار کرے، اسی کے ساتھ یہ کوشش بھی کرے کہ اردو کو ہندوستان میں وہ درجہ حاصل ہو جائے جس کی وہ بجا طور پر مستحق ہے، یہ امر باعث مسرت ہے کہ انجمن ترقی اردو اس خدمت کو انجام دینے کی کوشش میں سرگرم ہے اس لئے ہم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنی مالی و اخلاقی امداد سے اس ادارہ کی بنیادیں اس قدر مستحکم و استوار کر دیں کہ وہ اور زیادہ جرأت و حوصلہ مندی سے ہماری زبان کی خدمت انجام دے سکے، اگرچہ اب تک مختلف طریقوں سے انجمن نے اردو کی بہت کچھ خدمت کی ہے، اور علمی و ادبی تالیفات

تراجم کے ذریعہ سے ہماری زبان کے ذخیرہ میں بیش بہا اضافہ کیا ہے، لیکن ابھی بہت کچھ کام کرنے کے لئے باقی ہے جو بہر صورت ہمیں انجام دینا ہے، اردو پر اب بھی زبردست حملے ہو رہے ہیں اور وہ گوناگوں خطرات میں گھری ہوئی ہے اس لئے ہماری ذرا سی بھی غفلت یا بے خبری اردو کے لئے مہلک ہو گی۔

گزشتہ بیس برس میں ملک میں نئی نئی تحریکیں نیز مختلف سیاسی نظریات و افکار نے جو بے چینی پیدا کر دی ہے اس کے تیز و تند جھونکوں نے علمی زاویوں اور ادبی گوشوں میں بھی ہنگامہ پیدا کر دیا ہے، اسی مقام پر جہاں آج ہم اردو زبان کے ساتھ اپنی شیفتگی اور وابستگی کا مظاہرہ کرنے اور اس کی آئندہ ترقی و فلاح کے مسائل پر غور و بحث کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں چند ہی سال پہلے اس کی مخالفت بلکہ ہلاکت کی وہ تجویز مرتب کی گئی تھی جس کی ہمہ گیری و فتنہ آوری کے مقابلہ میں سر انٹونی میکڈانلڈ (سابق لفٹنٹ گورنر یوپی) کی ساری اردو دشمنی بازیچہ معلوم ہوتی تھی۔

عملی زندگی میں ہر ملک میں زبان کا معاملہ زیادہ تر تعلیم و عدالت کے محکموں سے تعلق رکھتا ہے، جدید سیاسی دستور میں یہ محکمے تمام تر صوبوں کی حکومت کے سپرد کر دئے گئے تھے، اور پنجاب و بنگال کے علاوہ باقی صوبوں کی حکومتیں نیشنل کانگریس کے زیر اقتدار تھیں، اور کانگریس کا سب سے بڑا رہنما ایک نئی مفروضہ زبان کو ملک میں رائج کرنے کا خواہاں تھا، دن حریفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے اردو یا ہندوستانی کی ترقی تو ایک طرف خود اس کی زندگی معرض خطر میں پڑ گئی تھی۔ یہ حالات تھے جنھوں نے مولوی عبد الحق صاحب جیسے زاویہ نشین کو میدان میں آ کر مدافعانہ جد و جہد پر مجبور کیا اور ان کی سعی و تدبیر سے جو کام انجام پایا وہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔

حضرات! صوبہ متوسط اور اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ اس شہر ناگپور نے مولوی صاحب موصوف کی مدافعانہ جنگ میں جو حصہ لیا وہ زبان اردو کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولوی صاحب نے اردو کی حمایت میں جو کوشش کی وہ بحیثیت معتمد انجمن ترقی اردو ان کا فرض تھا لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری قوم میں ایسے کتنے آدمی ہیں جنھیں اپنے فرض کا احساس ہے اور وہ اسے انجام دینا چاہتے ہیں، حالانکہ وقت کا شدید مطالبہ ہے کہ ہم سب اپنا فرض انجام دیں،

لیے شبہ یہ امر باعث مسرت ہے کہ انجمن ترقی اردو جو پہلے ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک شعبہ کی حیثیت رکھتی تھی اب ترقی کر کے ایک وسیع الاثر علمی و ادبی انجمن کے درجہ پر پہنچ گئی [illegible] ترقی [illegible] ملکہ صیانیں نے [illegible] ہے [illegible] سا کام ہمارے کرنے کے لئے [illegible] اردو کی مخالفت ملک [illegible] جاری [illegible] [illegible] [illegible] اصحاب کی جا رہی ہیں [illegible] زیادہ [illegible] لیکن ظاہر ہے کہ [illegible] اداروں کے [illegible] کی شدید ضرورت ہے [illegible] دی جائے اور ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ انجمن کی بنیاد مضبوط و مستحکم ہو جائے، واقعہ یہ ہے کہ اب تک بھی حامیان اردو نے انجمن کی کوئی قابل ذکر مالی امداد نہیں کی، بلکہ جیسا کہ باخبر اصحاب کو معلوم ہے اس وقت تک انجمن کے سب کام دولت آصفیہ کی مالی فیاضی یا مولوی عبد الحق صاحب اور ان کے مخصوص احباب کی اعانت سے ہوتے رہے ہیں قومی حیثیت سے ابھی تک انجمن کے لئے کوئی سرمایہ نہیں فراہم کیا گیا، دولت آصفیہ کی بر وقت اور گراں قدر امداد و شکریہ سے بالاتر ہے، ہی خواہان اردو اس کا جس قدر احسان [illegible] کم ہے لیکن ظاہر ہے کہ [illegible] اعانت کے [illegible] میں [illegible] پیدا ہونا چاہئے [illegible] سے اپنے قومی اداروں کو چلانا چاہئے اگر آپ اردو کو دنیا کی بڑی اور ترقی یافتہ زبانوں کی مانند ایک علمی و تعلیمی زبان بنانے کے آرزومند ہیں اس غرض سے انجمن ترقی اردو کے علمی مساعی کا دائرہ وسیع کرنا چاہتے ہیں تو لازمی طور پر آپ کو اس کے مصارف کا بار برداشت کرنا چاہئے۔ یہ ممکن ہے کہ آئندہ انجمن کی مطبوعات کا تجارتی کاروبار اس حد تک ترقی کر جائے کہ اسے بیرونی امداد و عطایا سے بے نیاز کر دے لیکن بالفعل اسے آپ کی مالی امداد کی سخت ضرورت ہے۔

حضرات! اس وقت انجمن کی سب سے بڑی ضرورت جو فوری توجہ کی محتاج ہے یہ ہے کہ اس کے لئے ایک مستقل مکان و مستقر حسب ضرورت تعمیر کیا جائے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ نئی دہلی میں ایک وسیع قطعہ زمین کا ملنا بھی طے ہو گیا ہے اور انجمن کی مجوزہ عمارت کے لئے تین سال سے کچھ سرمایہ بھی جمع کیا جا رہا ہے لیکن اس مالی امداد کی رفتار سست ہے۔ اس کے علاوہ یہ اندیشہ [illegible] گیا ہے کہ اگر جنگ ختم ہونے کے بعد [illegible] سامان کی یہی گرانی رہی تو تعمیر کا [illegible] سرسری تخمینہ جو [illegible] روپیہ کا کیا تھا [illegible] ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ آنریری سکریٹری صاحب اس بارہ میں آپ کو مفصل حالات بتائیں گے، میرا مقصد صرف یاد دلانا تھا کہ ایک مستقل و موزوں عمارت کی تعمیر انجمن کی سب سے مقدم و ناگزیر ضرورت ہے جس کے لئے ابھی سے سرمایہ جمع ہونا چاہئے تاکہ مناسب وقت آنے اور حالات سازگار ہونے پر بلا تاخیر تعمیری کام شروع کر دیا جائے۔

حضرات! اب میں ایک اور مسئلہ پر آپ کی توجہ مبذول کرتا ہوں، جس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، وہ اردو کے تحفظ حقوق کا مسئلہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں کوئی مسئلہ خواہ وہ خالص تعلیمی معاملات سے تعلق رکھتا ہو یا زبان اور مذہب سے۔ ملکی سیاست سے جدا نہیں ہو سکتا مثال کے طور پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو لیجئے جیسا کہ اس کے نام اور اساسی مقاصد سے ظاہر ہے وہ ایک خالص تعلیمی انجمن ہے، اس لئے اس کے سالانہ اجلاس میں ہمیشہ مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات اور مشکلات پر بحث کی جاتی ہے لیکن ان میں سے اکثر مسائل خصوصاً وہ جو حکومت کے تعلیمی احکام یا سررشتہ تعلیمات سے تعلق رکھتے ہیں کسی نہ کسی طرح سیاست کے دائرہ میں آ جاتے ہیں کانفرنس کے ہر سالانہ اجلاس میں مسلمانوں کے تعلیمی معاملات پر جو رزولیوشن پاس ہوتے ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہر شخص یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے اکثر رزولیوشن ایسے ہیں

آل انڈیا اردو کانفرنس

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

مہاراشٹر، اور گجراتی علاقہ گجرات ہیں، لیکن اگر کسی زبان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ سب جگہ بولی یا سمجھی جاتی ہے تو وہ یہی اردو زبان ہے اب بھی یہی خیال ہے کہ اس کے بولنے والے سب زبانوں سے زیادہ ہیں۔ لہذا یہ طے کیا گیا کہ ذریعۂ تعلیم اردو کو قرار دے کر "عثمانیہ یونیورسٹی" قائم کی جائے لیکن اس کے ساتھ انگریزی بھی لازم ہو، چنانچہ اسی تجویز پر عملدرآمد ہے، بلکہ جامعۂ عثمانیہ میں سنسکرت بھی پڑھائی جاتی ہے، عثمانیہ یونیورسٹی برابر ترقی کر رہی اور وہ اردو کا گہوارہ ہے۔

ابتدائی دور میں اس یونیورسٹی کے متعلق لوگوں کے مختلف خیالات تھے اور اس میں بہت کچھ شبہ تھا کہ وہ کامیاب ہوگی یا نہیں؟ لیکن گزشتہ ۲۵ برس میں تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ تجویز پورے طور پر کامیاب ہوئی، یورپ اور امریکہ کے جو ماہرین فن تعلیم ہندوستان آئے اور انھوں نے جامعۂ عثمانیہ کو دیکھا تو کسی نے بھی ان اصول تعلیم سے اختلاف نہیں کیا جو جامعہ نے اختیار کئے ہیں، ابھی گزشتہ سینہ میں سر رادھا کرشنن جیسے تجربہ کار اور علم دوست شخص نے بھی اپنی حیدرآبادی تقریر میں یہ اعتراف کیا ہے کہ جن اصول پر عثمانیہ یونیورسٹی میں تعلیم دی جاتی ہے وہ دوسری یونیورسٹیوں کے لئے لائق تقلید ہیں۔

حضرات! ان واقعات سے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اردو کی ترقی کے لئے انجمن ترقی اردو جو کوشش کر رہی ہے اس سے کسی دوسری زبان کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں ہے۔ ہمارے مولوی عبدالحق صاحب جنہوں نے اپنی مالی جسمانی اور دماغی قوتیں اردو کے لئے وقف کر دی ہیں ان کی جد و جہد نے اس تحریک میں ایک خاص قوت پیدا کر دی ہے۔ ان چند الفاظ کے ساتھ میں خداتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کی کوشش کامیاب ہو، اب میں اس جلسہ کا افتتاح کرتا ہوں،

(باقی آئندہ)

مسلم یونیورسٹی کورٹ کا اجلاس

۲۰ جنوری ۱۹۴۳ء کو مسلم یونیورسٹی کورٹ کا جو اجلاس منعقد ہوا اس کے بعض اہم فیصلے ذیل میں شائع کئے جاتے ہیں:-

۱۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کا جلسہ نظمی احتشام علی صاحب کے انتقال پُرملال پر اپنے دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہے مرحوم کا اس ادارہ سے قدیم تعلق تھا اور ہمیشہ تعلیمی معاملات میں دلچسپی لیا کرتے تھے اور ہر طرح کی امداد کے لئے تیار رہتے تھے یہ جلسہ دست بدعا ہے کہ خداوندتعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

۲۔ (الف) کورٹ کا یہ جلسہ قرار دیتا ہے کہ کمیٹی مقررکردہ کورٹ حسب قرارداد نمبر ۸ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۲ء کی سفارش کہ پرو وائس چانسلر کا عہدہ حذف کیا جائے منظور کیا جائے۔

(ب) کورٹ کا جلسہ وائس چانسلر صاحب کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ یونیورسٹی ایکٹ میں پرو وائس چانسلر کے عہدہ کو حذف کرانے کے لئے ضروری کارروائی جلد از جلد کریں۔

(ج) اسٹیچوٹس میں جو ترمیمات بربنائے حذف عہدہ پرو وائس چانسلر صاحب ایگزیکٹیو کونسل نے تجویز کی ہیں منظور کی جائیں اور ان کو بذریعہ ورکنگ بورڈ گورنر جنرل ان کونسل کی خدمت میں برائے منظوری حسب دفعہ نمبر ۲۸ (۲) (سی) مسلم یونیورسٹی ایکٹ (۱۹۲۰ء) پیش کیا جائے۔

(د) ایگزیکٹیو آرڈیننسز میں جو ترمیمات بربنائے عہدہ حذف پرو وائس چانسلر ایگزیکٹیو کونسل نے تجویز کی ہیں منظور کی جائیں اور ان کو بذریعہ ورکنگ بورڈ گورنر جنرل ان کونسل کی خدمت میں برائے منظوری حسب دفعہ نمبر ۳۰ (۲) مسلم یونیورسٹی ایکٹ (۱۹۲۰ء) پیش کیا جائے۔

(ہ) کورٹ کا یہ جلسہ قرار دیتا ہے کہ پرو وائس چانسلر کے عہدہ پر کسی کا تقرر نہ کیا جائے اور یہ کہ پرو وائس چانسلر کے فرائض اختیارات و مناسب عہدہ کو اب سے اس وقت تک وائس چانسلر انجام دیں گے جب تک کہ یہ فرائض اختیارات و مناسب عہدہ یونیورسٹی کے دیگر افسران اور باختیار جماعتوں میں از روئے ترمیمات قانون یونیورسٹی تقسیم کئے جائیں۔

۳۔ کورٹ کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ پروفیسر ابوبکر عبدالحلیم صاحب کی قابل قدر خدمات جو آنجناب نے تقریباً نو سال تک بعہدہ پرو وائس چانسلر یونیورسٹی انجام دی ہیں تحسین و تشکر کے ساتھ تسلیم کی جائیں اور یہ امر ضبط

مطبوعات جدیدہ

اسلام میں غلامی کی حقیقت } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان۔ غلامی پر اسلامی نقطۂ نظر سے ایک محققانہ بحث۔ قیمت ۱۲ آنے

تعلیمات اسلام و مسیحی اقوام } از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ مغربی تہذیب و تمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص مصوفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت ۲ روپے

اسلام کا اقتصادی نظام } از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظاموں سے مقابلہ۔ قیمت . . . . ۲ روپے

نبی عربی صلعم } از مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ متوسط استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲ آنے

فہم قرآن } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان، فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم و جدید نظریوں پر نہایت مبسوط و مدلل بحث۔ قیمت ۲ روپے

غلامان اسلام } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے پچھتر سے زیادہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء و محدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت . . . . . ۲ روپے ۸ آنے

تاریخ انقلاب روس } از ایم ایم جوہر صاحب انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات۔ قیمت . . . . ۱ روپیہ

اخلاق و فلسفۂ اخلاق } از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی علم اخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق فلسفۂ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے قیمت ۵ روپے

وحی الٰہی } از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان مسئلۂ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ دلپذیر و دلکش انداز میں بحث۔ قیمت ۱ روپیہ

ملنے کا پتہ: کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام [illegible] صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۰۰

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار

کانفرنس گزٹ

علی گڑھ

قیمت فی پرچہ ایک آنہ

تاریخ ہائے اشاعت ہر ماہ عیسوی کی یکم۔ ۸۔ ۱۶۔ ۲۴

قیمت ... سالانہ ... ششماہی ... سہ ماہی ...

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر۔ سید الطاف ... بی اے علیگ

جلد (۱۵) ۸ فروری سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۱۲ صفر المظفر سنہ ۱۳۶۳ھ نمبر (۶)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جو سالانہ اجلاس جبل پور (سی پی) میں منعقد ہونے والا ہے اس کے لئے ۱۶-۱۷-۱۸ اپریل ۱۹۴۴ء کی تاریخیں تجویز کی گئی ہیں، مجلس استقبالیہ نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

انجمن ترقی اردو کی کل ہند اردو کانفرنس کا جو اجلاس گزشتہ جنوری میں بمقام ناگپور منعقد ہوا تھا اُس کے حالات کانفرنس گزٹ کے پچھلے دو پرچوں میں شائع ہو چکے ہیں لیکن یہ خبر شائع ہونے سے رہ گئی تھی کہ ایام اجلاس میں الحاج نواب محی الدین خاں صاحب ایم ایل اے صدر مجلس استقبالیہ نے ایک پُرتکلف ڈنر بھی دیا جس میں صدر اردو کانفرنس کے علاوہ کانفرنس کے جملہ عہدہ داران اور بیرونی مہمان و مقامی اصحاب موجود تھے۔ انواع و اقسام کے کھانے مہمانوں کے سامنے پیش کئے گئے، حسن انتظام و سلیقہ لائق ستائش تھا۔

مسٹر راجگوپال اچاریہ نے بلگام میں ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں "پاکستان" سے نہیں ڈرتا، اگر ہمیں آزادی مل جائے تو [illegible] بات کی پروا نہیں کرنی چاہئے کہ ہندوستان کو [illegible] دس حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔

مسٹر اچاریہ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ کس طرح اس ملک میں ہندو مسلمان مل کر رہتے تھے۔ مذہبی اختلافات کے باوجود ان سب کا تمدن ایک رہا ہے۔ اگر ہم برطانوی راج سے حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں "مسلم لیگ" کو تسلیم کر کے ہندو مسلم اختلافات ختم کرنے پڑیں گے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کے جذبات و احساسات کی نمائندگی کرتی ہے اور اس کا اہم ترین مطالبہ "پاکستان" ہے۔ پاکستان منظور کرنے سے صوبجات کی تمدنی، تعلیمی اور تجارتی تعلقات ختم نہیں ہو جائیں گے۔ روس نے بھی اپنے صوبجات کو آزاد ہونے کی اجازت دے دی ہے ان ہی لائنوں پر مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان بھی منظور کیا جا سکتا ہے۔ آخر میں آپ نے کہا کہ ہمیں جنگ کے خاتمہ سے پہلے سمجھوتہ کر لینا چاہئے اور ایسا سمجھوتہ کسی معجزہ سے نہیں بلکہ انسانی کوششوں سے ہوگا۔

کلکتہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حکومت بنگال [illegible] اوقات میں جو اعداد شائع کئے ہیں اُن کے مطابق حکومت بنگال کم سے کم ساڑھے گیارہ [illegible] روپیہ اب تک خرچ کر چکی ہے۔ ان میں پانچ کروڑ [illegible] روپیہ کی رقم امدادی کاموں پر خرچ کی گئی مثلاً اناج اور کپڑے وغیرہ کی تقسیم پر"

لیکن بنگال کی مصیبت اس قدر ہولناک ہے کہ باوجود اس قدر کثیر رقم خرچ کرنے کے ابھی تک دور نہیں ہوئی۔

مسٹر دیش مکھ نے مرکزی اسمبلی میں دریافت کیا کہ کیا بنارس ہندو یونیورسٹی کو ہندوستان کے لئے ہوا باز تیار کرنے کی اسکیم میں شامل نہیں کیا گیا۔

مسٹر ترویدی نے جواب دیا کہ حکومت کے پاس ہوائی تعلیم دینے کے لئے کافی اسٹاف نہیں ہے اس لئے اس کو اسکیم میں شامل نہیں کیا گیا۔

کل ہند اردو کانفرنس کے گزشتہ اجلاس میں [illegible] منظور ہوئی تھیں وہ انشاء اللہ آئندہ پرچہ میں [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ فروری ۱۹۴۲ء

اُردو کا مستقبل

ملکی زبانوں میں اردو کی جو حیثیت و اہمیت ہے وہ بارہا معرض بیان میں آچکی ہے لہٰذا اب اس سلسلہ میں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں [illegible] سوال یہ ہے کہ کیا اردو کی یہ "حیثیت" اس کی حفاظت وترقی کے لئے کافی ہے یا اس کے لئے ابھی مزید عملی کوشش کی ضرورت ہے؟

بے شبہ ہندوستان کی سب زبانوں میں یہ خصوصیت و ہمہ گیری صرف اردو زبان کو حاصل ہے کہ وہ قریباً سارے ہندوستان میں بولی یا سمجھی جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو کی مخالفت بھی ملک میں وسیع پیمانہ پر جاری ہے اردو کے علاوہ ہندوستان کے بعض صوبوں میں اور [illegible] بھی بولی جاتی ہیں لیکن کوئی [illegible] [illegible] ان کی مخالفت نہیں کرتا نہ ان کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ ان زبانوں سے بالکل ناواقف و بیگانہ ہیں وہ بھی مخالفت نہیں کرتے۔

یہ بدنصیبی صرف اردو کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو لوگ اُسے روزمرہ بولتے یا اچھی طرح سمجھتے ہیں وہ بھی اس کے مخالف ہیں، اگر [illegible] کے رہنے والے جہاں اردو بطور مادری زبان رائج نہیں ہے اردو کی مخالفت کریں تو یہ بات ایک حد تک سمجھ میں آسکتی ہے لیکن تماشہ تو یہ ہے کہ اردو کی سب سے زیادہ مخالفت اُن صوبوں میں کی جاتی ہے جہاں وہ بطور مادری زبان رائج ہے اور سب لوگ بلا امتیاز مذہب وملت اُسے روز مرہ بولتے ہیں۔

جب صورت واقعہ یہ ہے تو یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ اردو محض اپنی گوناگوں خصوصیتوں کی وجہ سے خودبخود ترقی کرے گی۔ لہٰذا اُس کی حفاظت یا ترقی کے لیے کسی خاص کوشش کی ضرورت نہیں، یہ اسی قسم کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ اردو کی حفاظت وترقی کے لئے اب تک کوئی غیر معمولی کوشش نہیں کی گئی اس لئے وہ اس درجہ پر نہیں پہنچ سکی جس پر اُسے اپنی خوبیوں کے لحاظ سے پہنچنا چاہئے تھا۔

دہلی اور صوبجات متحدہ جو اردو کا گہوارہ ہیں وہاں زمانہ ماضی میں سب سے زیادہ کتابیں اردو میں تالیف وتصنیف کی جاتی تھیں اور یہاں اردو کے حامی اس سے اردو کی عام مقبولیت ثابت کرتے تھے لیکن اب برسوں سے یہ حالت ہے کہ ان صوبوں کی سرکاری رپورٹوں سے [illegible] ہوتا ہے کہ [illegible] زبان کی کتابیں بمقابلہ اردو زیادہ چھپتی ہیں یہ کیسی بہت خطرناک حالت ہے۔

اس موقع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ [illegible] کی [illegible] کتابیں جو ہر سال چھپتی ہیں اُن میں سے اکثر بہت معمولی اور ادنیٰ قسم کی ہوتی ہیں [illegible] کے مقابلہ میں اردو زبان کی جو کتابیں [illegible] ان میں ایک خاصی تعداد [illegible] معیار علمی وادبی حیثیت سے [illegible] دوسری زبانوں کی بہتر [illegible] میں جگہ مل سکتی ہے۔

بے شبہ یہ صحیح ہے کہ اردو زبان میں تقریباً ہر سال چند ایسی کتابیں بھی تالیف وتصنیف کی جاتی ہیں جن کا معیار بلند ہوتا ہے لیکن بزم میں اہل نظر کم ہیں اور تماشائی زیادہ۔ اس لئے جدید المطبع کتابوں کے موضوع بحث یا اُن کی علمی وادبی حیثیت پر کوئی بھی غور نہیں کرتا بلکہ عام طور پر صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ ملک میں جو کتابیں شائع ہوئیں اُن میں اکثریت کس زبان کی کتابوں کی ہے، خواہ وہ قصے کہانی کی مبتذل کتابیں ہوں یا اشتہاری حکیموں کی تجارتی تالیفات، اس سے کچھ مطلب نہیں کہ کتاب کی ضخامت پانسو صفحہ ہے یا دس صفحے ایک پروپگنڈا کرنے والے کے لئے توبس اس قدر معلوم کرلینا کافی ہے کہ فلاں سنہ مثلاً ۱۹۴۰ء میں ہندی زبان میں جو کتابیں تالیف کی گئیں اُن کی تعداد اردو کتابوں سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد اس کثرت تعداد سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ صوبہ کی عام زبان ہندی ہے، اسی لئے ہندی لٹریچر ملک میں زیادہ شائع ہوتا ہے۔ موجودہ زمانہ کی ذہنیت یہ ہے کہ "اعداد وشمار" کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اس لئے حکومت بھی اس استدلال سے متاثر ہوتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ مسلمان جو اردو کے لئے شور وغوغا کررہے ہیں وہ کسی مضبوط صداقت پر مبنی نہیں ہے۔

[illegible] کی بنا پر جو غلط فہمی اردو کی حیثیت کے [illegible] پیدا ہوگئی ہے اُس کے دور کرنے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ اردو زبان میں ہر علم وفن کے متعلق [illegible] کتابیں تالیف اور ترجمہ کرکے شائع کی جائیں اور اس طریقہ سے یہ ثابت کیا جائے کہ بمقابلہ دوسری زبانوں کے ملک میں اردو کو زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔

بحالات موجودہ ہمارے ملک میں ایسے تعلیم یافتہ اصحاب کی خاصی تعداد موجود ہے جو تالیف وتصنیف کی قابلیت کے علاوہ دوسری زبانوں سے اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی بھی صلاحیت واستعداد رکھتے ہیں، اگر ان میں سے ہر شخص یہ عزم کرے کہ وہ اپنے ذوق ومناسبت کے مطابق ساری عمر میں کم ازکم ایک کتاب تصنیف کرے گا یا کسی مفید کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں کرے گا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری زبان میں ہزاروں اچھی کتابوں کا اضافہ ہوسکتا ہے جس سے اُس کی حیثیت لوگوں کی نگاہ میں بڑھ جائے گی اور کسی حریف کو یہ موقع نہ ملے گا کہ وہ لوگوں کو اعداد وشمار کے جال میں پھانس کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ اردو ملک میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔

ہندوستان میں انگریزی تعلیم کے ابتدائی دور میں جن لوگوں نے کم وبیش انگریزی پڑھی اُن میں ایک حد تک تالیف وترجمہ کا شوق بھی پیدا ہوا، چنانچہ اس دور کے تعلیم یافتہ اصحاب نے (جن میں ہندو بھی شامل ہیں) انگریزی کی مفید ودلچسپ کتابوں کے ترجمے اردو میں کئے، اس زمانہ میں ملک کا عام رجحان افسانہ خوانی کی طرف تھا، اس لئے فسانۂ عجائب،

قصہ چہار درویش، داستان امیر حمزہؓ، بوستان خیال، الف لیلہ، طلسم ہوشربا جیسی کتابیں تقریباً ہر گھر میں پڑھی جاتی تھیں اس لئے اکثر مصنفین و مترجمین نے لوگوں کی عام دلچسپی کا لحاظ کرکے سب سے پہلے افسانہ نگاری پر توجہ کی، اور انگریزی افسانوں کے طرز و انداز پر خود بھی افسانے لکھے اور انگریزی کے مقبول عام افسانوں اور ناولوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا، چنانچہ مشہور افسانہ نویس رینالڈ کے تقریباً سب افسانے جن میں بعض بہت ضخیم ہیں ترجمہ کے ذریعہ سے اردو میں منتقل ہوئے اور انھوں نے اردو خواں طبقہ میں عام طور پر حسن قبول حاصل کیا۔

اس ۔۔۔ کے بعد کچھ لوگوں نے دوسرے علوم و فنون کی طرف بھی توجہ کی، چنانچہ تاریخ، ریاضی، زراعت، حفظان صحت اور سائنس وغیرہ کے ابتدائی مسائل کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئیں یا ترجمہ کی گئیں۔ اس زمانہ میں سرسید احمد خاں مرحوم نے بھی جو بیک وقت مسلمانوں کے تعلیمی و سیاسی لیڈر بھی تھے اور ایک مشہور و لائق مصنف بھی، اس طرف توجہ کی، اور علی گڑھ میں ”سائنٹفک سوسائٹی“ قائم کرکے علوم جدیدہ کی مفید کتابوں کے ترجمے کا کام شروع کیا، اس سوسائٹی کی کوشش سے متعدد کتابیں اچھی شائع ہوئیں لیکن اس کے بعد جب سرسید نے کالج قائم کیا تو یہ کام بند ہو گیا، لیکن سرسید کے زمانہ میں چند طلبہ میں جو ادبی ذوق پیدا ہو گیا تھا وہ باقی رہا اور یہ لوگ جب عملی دنیا میں آئے تو باوجود دوسری مصروفیتوں کے کچھ نہ کچھ ادبی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ سرسید خود بھی یہ چاہتے تھے کہ انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان تالیف و ترجمہ کے ذریعہ سے اردو لٹریچر کا معیار بلند کریں، چنانچہ سرسید کے زمانہ میں ایجوکیشنل کانفرنس کا جو اجلاس ۱۸۹۵ء میں بمقام شاہجہانپور منعقد ہوا اس میں آنریبل سید محمود (مرحوم) نے ایک رزولیوشن حسب ذیل الفاظ میں پیش کیا جو بالاتفاق منظور ہوا،

”اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ بہ نظر اس امر کے کہ انگریزی تعلیم کی کتنی ہی اشاعت ہو جائے تاہم سب سے بڑا حصہ مسلمانوں کا اس زبان سے لازمی طور پر ناآشنا رہے گا اس لئے ہر انگریزی داں مسلمان کا جو کافی قابلیت رکھتا ہو، یہ فرض اخلاقی و قومی ہے کہ کم سے کم ایک کتاب اپنے مذاق کے موافق انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرکے شائع کرے یا ایسی کتاب تالیف کرے کہ جس میں وہ مفید علمی مضامین ہوں جو انگریزی کتابوں سے ماخوذ کئے گئے ہوں اور مسلمانوں میں یورپین علوم کی آگاہی پھیلانے کے لئے مفید ہوں“

اس رزولیوشن پر ۴۰ برس کا زمانہ گزرا، اگر انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب میں سے ۲۵ فی صدی بھی اس ”تحریک“ پر عمل کرتے تو اردو لٹریچر مفید و دلچسپ کتابوں سے مالا مال ہو جاتا اور اس میں عوام و خواص سب کے مطالعہ کے لئے کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود ہوتا لیکن افسوس ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے اس طرف ۔۔۔ توجہ نہیں کی، یہ صحیح ہے کہ ہماری قوم میں تعلیم کا اوسط فی صدی بہت کم ہے، لیکن پھر بھی ہندوستان کے ان صوبوں میں جہاں اردو ملک کی مادری زبان رائج ہے ہزاروں تعلیم یافتہ لوگ ان صوبوں میں جو تھوڑی سی کوشش سے یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے ہیں۔

”تالیف و تصنیف“ کے علاوہ دوسرا میدان ”صحافت“ اور ”علمی و ادبی رسائل“ کا ہے، یہ مسلّم ہے کہ ملک کی جس زبان میں سب سے زیادہ اخبار و رسالے شائع ہوتے ہیں وہی زبان سب سے زیادہ اہمیت حاصل کر لیتی ہے، افسوس ہے کہ ہماری غفلت و بے حسی کی وجہ سے اردو زبان اس میدان میں بھی پیچھے ہے۔ یہ سچ ہے کہ اردو میں چند اچھے اخبارات و رسائل بھی شائع ہوتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور اشاعت بھی محدود، ان کے مقابلہ میں انگریزی، ہندی اور گجراتی وغیرہ کے اخبار اور رسالے زیادہ مقبول اور کثیر الاشاعت ہیں، اس لئے بہت ضرورت ہے کہ اس غفلت و کوتاہی کی تلافی کی جائے

جب ہندوستان میں اخباروں اور رسالوں کا دور شروع ہوا تو پرانے طریقہ کے تعلیم پائے ہوئے ہندو مسلمانوں نے اس سلسلہ میں خوب کام کیا، ان کی کوشش و توجہ سے ملک میں اچھے اچھے اخبار اور رسالے شائع ہونے لگے جو اپنے زمانہ میں بہت مقبول تھے اور بڑے شوق و دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے چنانچہ ہمارے صوبہ میں ۔۔۔ اخبار، اودھ پنچ، تہذیب الاخلاق، وغیرہ اپنے زمانہ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے، ان میں سے اودھ اخبار، ہندوؤں کا اخبار تھا لیکن مسلمان بھی اسے کثرت سے پڑھتے تھے،

اگرچہ وہ وقت اسی طرح ترقی کرتا رہتا تو آج اردو صحافت کا مرتبہ بہت بلند ہوتا لیکن انیسویں صدی کے اخیر میں بعض نامہربان برادران وطن نے ”ہندی“ کا جو فتنہ اٹھایا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو جس کا پہلے کوئی مذہب نہیں تھا، مسلمانوں کی زبان قرار دی گئی، اس لئے ہندوؤں کی اکثریت کو اس کی ترقی سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی، اور مسلمان ناسازگار حالات کی وجہ سے اردو کی ترقی و اشاعت کی خدمت انجام دینے سے قاصر رہے، نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا، لیکن اب بھی وقت ہے کہ وہ اس طرف توجہ کریں، جب دوسرے لوگ اردو کو نظرانداز کر رہے ہیں اور اسے اپنی زبان نہیں سمجھتے تو خود مسلمانوں کو جس حد تک ممکن ہو یہ فرض انجام دینا چاہئے، اور یہ کوشش جاری رکھنا چاہئے کہ دوسرے بھی اس کام میں ان کے ساتھ تعاون کریں۔

بہرحال اردو کی ترقی و اشاعت کے سلسلہ میں سب سے اہم و ضروری کام یہ ہے کہ تالیف و تصنیف اور تراجم کے ذریعہ سے اس کے ذخیرۂ علم و ادب میں بیش بہا اضافہ کیا جائے، اور بلند پایہ و کثیر الاشاعت اخبارات کی توسیع سے ملک میں اس کی اہمیت بڑھائی جائے، اگر یہ مقصد حاصل ہو جائے تو پھر کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ اردو ملک کی عام زبان نہیں ہے۔ اور آبادی کی اکثریت ہندی زبان بولتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ اگر ملک میں ہندی کتابیں زیادہ شائع ہوتی ہیں تو اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ملک کی عام زبان ہندی ہے۔ بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں خواندہ لوگوں کی تعداد کم ہے، اس لئے ان میں پڑھنے والوں کی تعداد بھی خواہ مخواہ کم ہے۔ لیکن یہ ناخواندہ لوگ جو اردو اخبار اور کتابیں نہیں پڑھتے، ہندی نہیں بولتے بلکہ اردو بولتے ہیں، لہٰذا محض کتابوں کی قلت یا اشاعت کثرت اشاعت کی بنا پر یہ کہنا کہ فلاں زبان کم بولی جاتی اور فلاں زیادہ بولی جاتی ہے، محض ابلہ فریبی ہے۔

علاوہ مسلمانوں کی ناخواندگی کے اردو کتابوں کی قلت اشاعت کے اور بھی بہت سے اسباب ہیں مثلاً افلاس، فکر معاش، اور وہ عام جمود و بے حسی جس میں ساری قوم مبتلا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی وجہ سے... اردو کتاب یا اخبار نہیں پڑھتا تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ ہندی بولتا ہے اور یہاں بحث جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ملک میں کونسی زبان زیادہ بولی جاتی ہے یہ ایک جداگانہ بحث ہے کہ اس زبان کے بولنے والے زیادہ کتابیں کیوں نہیں پڑھتے۔

جامعۂ عثمانیہ کا جلسہ تقسیم اسناد

چند سال سے جامعۂ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے سالانہ کنووکیشن میں خطبہ پڑھنے کے لئے ملک کی مشہور و معروف ہستی کو دعوت دیتی ہے چنانچہ سنہ رواں میں مشہور سیاسی لیڈر اور سابق وزیر اعظم مدراس مسٹر سی راجگوپال اچاری کو اس علمی مقصد کے لئے مدعو کیا گیا۔ موصوف نے اس موقع پر جو خطبہ پڑھا وہ قابل مطالعہ اور لائق بحث و تبصرہ ہے ہم پہلے یہ خطبہ ذیل میں شائع کرتے ہیں اس کے بعد حسب ضرورت اس پر تبصرہ کیا جائے گا۔ ایڈیٹر

جناب امیر جامعہ، معین امیر جامعہ، و نائب امیر جامعہ، رفقاء، طیلسانین، خواتین و حضرات!

ارباب جامعہ نے اس جلسہ عطائے اسناد کا خطبہ پڑھنے کی دعوت دے کر میری بہت عزت افزائی فرمائی ہے میں اس کے لئے اعلیٰ حضرت بندگان عالی خلد اللہ ملکہ اور جامعہ کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ جامعہ اپنی زندگی کے پچیس سال پورے کر چکی ہے اور اسے سلور جوبلی منانے کا حق حاصل ہو چکا ہے۔ میں جناب امیر جامعہ اور حکومت سرکار عالی کو ان کی کامیابیوں پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس سے پہلے جب مجھے آپ کی جامعہ میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تھا تو مرحوم امیر جامعہ زندہ تھے آج مجھے یہ دیکھ کر بے حد رنج ہوتا ہے کہ میں اس تقریب میں اس حالت میں شرکت کر رہا ہوں جبکہ وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکے ہیں۔ مرحوم امیر جامعہ میرے حال پر بہت شفقت فرماتے تھے اور مجھے اس پر فخر ہے۔ مگر یہ شخصی دوستی کے اظہار کا موقع نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی یاد کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو، مرحوم سر اکبر حیدری نے حیدرآباد کی بہت گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ خدا ان کی اور ان کی رفیقۂ حیات کی روحوں کو سکون عطا کرے جن کی قبریں سر اکبر کے حیدرآباد کے تعلقات کی ایک مقدس یادگار رہیں۔

جن طیلسانین نے ابھی اسناد حاصل کی ہیں میں ان کو مبارکباد دیتا ہوں۔ خصوصاً ان طیلسانین کو جنھوں نے اپنی اسناد امتیاز کے ساتھ حاصل کی ہیں۔ اب آپ اس ہیئت اجتماعیہ کا ایک جزو بن گئے ہیں۔ ہماری قوم کی زندہ ثقافت کی آبیاری اور اس کی تقویت و بقا کا موجب ہونا چاہئے۔ آپ ایسی جامعہ کے طیلسانین ہیں جو نسبتاً نوعمر ہے اور اس لحاظ سے قدیم تر جامعات کے طیلسانین کے مقابلہ میں آپ کا ایک خاص فریضہ ہے۔ آپ کو اپنے علمی شغف اور مسلسل انہماک سے اور اس سے بھی زیادہ اپنے روشن کردار سے اپنی جامعہ کے وقار کو بڑھانا چاہئے۔ آپ کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آپ ایک اہم تجربہ کا حاصل ہیں اور یہ تجربہ ایک ہندوستانی زبان کے ذریعہ سے علوم جدیدہ کی اعلیٰ تعلیم دینے کا ہے۔ آپ پر ایسے نقاد سختی سے معترض ہوں گے جن کی تعلیم و تربیت ایک ایسی زبان کے غیر فطری واسطہ سے ہوئی ہے جو ممکن ہے کہ فی الحال ادائے مطالب کا بہتر ذریعہ ہو۔ آپ کے لئے ان کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمتر محسوس کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ آپ کو اپنے اوپر بجا طور پر فخر اور اعتماد ہونا چاہئے۔ اگر آپ اپنے مطالعہ کی عادت کو برقرار رکھیں اور ہمیشہ صداقت سے کام لیتے رہیں اور صحیح رائے قائم کرنے کی قابلیت کو روزانہ محنت اور تحقیق سے تقویت پہنچاتے رہیں اگر آپ ہوشیار اور محتاط رہیں اور اپنے احساس قدر و قیمت کو ناکارہ نہ ہونے دیں تو آپ ان کے ساتھ مقابلہ کی دوستانہ جنگ میں کوئی دقت محسوس نہ کریں گے خواہ ان کی تعلیم و تربیت اجنبی زبان کے ذریعہ سے کتنی ہی محنت و شفقت کے ساتھ کیوں نہ ہوئی ہو آپ اس کام کو کامل اعتماد کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں۔

میں نے ابھی ثقافت کا ذکر کیا ہے اور یہ کہا کہ آپ ایسی جماعت کا ایک جزو ہیں جو ہندوستان کی ثقافت کی محافظ ہو۔ میں جس چیز کو ہندوستانی ثقافت کے نام سے موسوم کرتا ہوں وہ ایک ہی ہے اور ناقابل تقسیم ہے میرے نزدیک اس جامعہ کا یہی مسلک ہو۔

مباحث میں جن مختلف ثقافتوں کا ذکر آتا ہے وہ ذہنی تصورات ہیں جنھیں دوران تحقیق و استدلال میں ایک درجہ کی حیثیت سے قائم کر لیا جاتا ہے ہمیں مذہب یا مذہبی اعمال کو ثقافت کے ساتھ خلط ملط نہ کرنا چاہئے ہندوستان کی ثقافت اپنے انواع و اقسام کے باوجود درحقیقت ایک ہے اور یہ اسی طرح ایک اور ناقابل تقسیم ہے جس طرح ہندوستان کی آب و ہوا اپنے اختلافات کے باوجود ایک ہے۔ یہ ترکیب بذات خود ایک وحدت ہے جو اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انگریزی ثقافت۔ آپ مور یا چیتل کے رنگ یا شیر کی جلد کی دلکش دھاریوں کے رنگ کا تجزیہ نہیں کرتے بلکہ اس کو مجموعی حیثیت سے دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ آپ اسے علحدہ علحدہ رنگوں کا مجموعہ خیال نہیں کرتے ہیں۔ یہی کیفیت اس ثقافت کی ہے جسے میں ہندوستان کی ثقافت کے نام سے موسوم کرتا ہوں اور آپ اسی کے محافظ ہیں۔

میں اس جلسہ کے تمام شرکا کی طرف سے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور آپ کے لئے نیک دعا کرتا ہوں آج آپ اپنی پندرہ سال کی برہمچاری زندگی کو ختم کر رہے ہیں اور اس مدت میں جو خاص توجہ ریاست اور ارباب علم نے جو اسی مقصد کے لئے متعین ہیں آپ پر مبذول کی ہے اس کے معاوضہ میں مجھے امید ہے کہ آپ اپنے فرائض کو دیانتداری و [illegible] کے ساتھ انجام دیں گے۔

جامعہ عثمانیہ تمام ہندوستان میں اس لحاظ سے عدیم المثال ہے کہ اس میں سائنس اور علوم ادبیہ کی اعلیٰ تعلیم ایک ہندوستانی زبان کے ذریعہ سے دی جاتی ہے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی ارتباط کا منتہائی نتیجہ ہے اور جس میں الفاظ کا وافر ذخیرہ موجود ہے اس لئے بھی عدیم المثال ہے کہ تمام ہندوستان میں دیگر جامعات میں ذریعۂ تعلیم انگریزی زبان ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان جامعات میں مستقبل میں کسی مدت معینہ کے اندر کسی دوسرے ذریعۂ تعلیم کے اختیار کرنے کا کسی کا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے۔ ان جامعات کے اساتذہ اور ان کے مروجہ نصاب قدامت پسندی کا ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ ہیں۔ حکومت ہند کے انتظامی محکمہ جات میں اور تقریباً ہر ریاست اور ہندوستان کے ہر صوبہ میں بھی انگریزی زبان کو جو رتبہ حاصل ہے اس سے یہ قلعہ بظاہر اور بھی ناقابل تسخیر معلوم ہوتا ہے آپ کا کارنامہ ایسا ہے کہ اس پر نہ صرف آپ کو بلکہ تمام ہندوستان کو فخر کرنا چاہئے۔ ہندوستان میں صرف ایک ہی زبان ہے جس کے کل ہند زبان ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور یہی زبان اس جامعہ میں ذریعۂ تعلیم ہے پس حقیقی "ودیا پیٹھ" آپ ہی کی جامعہ ہے۔

ہمیں امید ہے کہ جس طرح یہاں تمام مشکلات رفع کر دی گئی ہیں اسی طرح اور مقامات پر بھی ان کو رفع کر دیا جائے گا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں

تمام ہندوستان میں ایسی مختلف جامعات قائم ہو جائیں گی جن میں مختلف اعلیٰ علوم کی تعلیم ہندوستان کی دس بڑی زبانوں میں سے کسی نہ کسی ایک میں ہوگی ان زبانوں میں سے چھوٹی سے چھوٹی زبان بھی جس آبادی میں بولی جاتی ہے وہ پرتگال کی یا اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ دونوں کی مجموعی آبادی سے بڑی ہے اور ان میں سے اکثر اتنی آبادی میں بولی جاتی ہیں جو اسپین کی آبادی سے بھی زیادہ ہے ان زبانوں میں سے ہر ایک میں نظم، نثر، گیت، ناٹک اور افسانہ کا وسیع ادب موجود ہے۔ بدقسمتی سے ابھی تک اُن جامعات میں بھی جو جدید احساسات کے زیر اثر ہندوستان کی اس حیات ثانیہ کے دور میں قائم ہوئیں یعنی آندھرا یونیورسٹی، میسور یونیورسٹی اناملی یونیورسٹی، اعلیٰ جامعاتی تعلیم تلنگی، کنڑی، یا ٹامل زبانوں میں دینے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا، اور نہ کسی منظورہ جامعہ میں مرہٹی یا بنگالی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا، اور نہ اس قسم کی کوئی کوشش اس وقت جاری ہے۔ جامعہ بنارس نے بھی ابھی تک اعلیٰ جامعاتی نصاب کے لئے کل ہند زبان کے ذریعہ تعلیم اختیار کرنے کے متعلق کسی اقدام کا ارادہ نہیں کیا۔ میں نے ان خیالات کا اظہار صرف نکتہ چینی ہی کی غرض سے نہیں کیا بلکہ مجھے دشواریوں کا بھی پورا پورا احساس ہے۔ چونکہ میں ان دشواریوں سے بخوبی آگاہ ہوں۔ اس لئے میں جامعہ عثمانیہ کی جرأت وہمت، اس کے صبر و استقلال اور اس کی اس کامیابی کی داد دیتا ہوں جو تمام ہندوستان کے لئے ایک درخشاں مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے اس کامیاب تجربہ کی بدولت ہم تمام ہندوستان میں اپنی مشکلات کو دور کر سکیں گے اور اس وہم سے بھی نجات حاصل کریں گے جو درحقیقت سب سے بڑی مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی بڑی زبانوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ سے اعلیٰ تعلیم دینے میں کوئی ایسی دقت موجود ہے جس کا رفع کرنا ممکن نہیں۔ خواہ یہ زبان ہندوستانی ہو یا تلنگی یا ٹامل ہو یا کنڑی یا مرہٹی یا بنگالی ہو یا گجراتی۔

سر اکبر حیدری کی عرضداشت کی بنا پر اعلیٰ حضرت خسرو دکن نے ۱۹۱۷ء میں فرمان مبارک صادر فرمایا اور جامعہ عثمانیہ کی بنا رکھی، جس عزم و ہمت سے انھوں نے اپنی تجاویز پیش کیں اور جس جرأت سے انھوں نے مجوزہ لائحہ عمل کی تکمیل کی اس کی بدولت تمام ہندوستان اور ہندوستان کی سب بانیں ان کی مرہون منت ہیں۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ جس کا قیام جامعہ عثمانیہ کے ساتھ ہی عمل میں آیا قدرتی طور پر اس کام کی ایک اہم خصوصیت بن گیا جس کا آغاز (۲۰) سال پہلے ہوا تھا۔ ہندوستانی زبان جامعہ میں تمام تعلیم کا ذریعہ قرار دی گئی اور انگریزی کو بحیثیت لازمی مضمون قرار دے کر اسے اس کی مناسب جگہ دی گئی ہندوستان کے موقع مسٹر ونسنٹ اسمتھ سے اختلاف کرتے ہوئے سر اکبر حیدری نے ہندوستانی زبان کے متعلق اپنی یادداشت میں یہ بتایا تھا کہ اس کی نحوی ترکیب اتنی ہی سادہ اور لچکدار ہے جتنی کہ انگریزی کی، اور اس میں الفاظ کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے جو مغربی ہندی، سنسکرت، فارسی، عربی اور انگریزی اور دوسرے ماخذ سے لئے گئے ہیں اور اس میں ہر ادبی فلسفیانہ اور علمی موضوع پر اظہار خیالات کی قابلیت ہے۔

میں نے اس جامعہ کے ذریعۂ تعلیم کو ہندوستانی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حالانکہ اس کا سرکاری نام اردو ہے۔ یہ ایک معمہ ہے مگر اس کی صداقت میں کلام نہیں کہ جس دنیا میں تعصبات کو غلبہ ہوتا ہے وہاں بڑے اسلوب کے مقابلہ میں چھوٹے چھوٹے اختلافات ہی سے وسیع ترخلیجیں پیدا ہو جاتی ہیں جو وسیع [illegible] ہندوستانی زبان اور انگریزی میں پایا جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اردو اور ہندی کا فرق بالکل معمولی اور تقریباً ناقابل اعتنا ہے۔ لیکن ہم اعلیٰ تعلیم تو کجا بلکہ ادنیٰ تعلیم تک بھی انگریزی زبان میں حاصل کرنے پر آسانی سے رضامندی کا اظہار کر دیتے ہیں مگر ہندی اور اردو کے خلاف جو تعصب ہے اُسے دور نہیں کر سکتے۔ حالانکہ جو کچھ ان دونوں ناموں سے بولا یا سمجھا جاتا ہے اگر اُسے ایک ہی رسم الخط میں لکھا جائے تو فرق اس سے زیادہ نہ ہوگا جتنا کہ جانسن کی راسیلاس اور گولڈ اسمتھ کے وکار آف ویکفیلڈ یا چارلس لیمب کے مضامین میں پایا جاتا ہے۔ ہم ان میں سے ایک کتاب کو انگریزی اور دوسری کو کسی دوسری زبان سے منسوب نہیں کرتے۔ ہم انگریزی کا ادنیٰ تو نگل سکتے ہیں یعنی زبان و رسم الخط، محاورے، اور فقرے وغیرہ ہیں سب گوارا ہیں۔ مگر ہم ہندی یا اردو کے مجھر پر منہ بناتے ہیں۔ کیونکہ ان کے الفاظ میں کسی حد تک فرق پایا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک تیسرے رسم الخط یعنی رومن کو اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس سے زبان کی اصلی وضع میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ سیول اور ملٹری خدمات کے اکثر اشخاص اس زمانہ میں رومن رسم الخط کے ذریعہ سے ایسی زبان کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جسے ہم سب ہندوستان کی مشترکہ زبان کہتے ہیں۔ ایک طرف سنسکرت اور دوسری طرف عربی اور فارسی کے ماخوذ الفاظ کی تعداد کے تناسب کا قضیہ بھی حقیقت میں کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جب زبان میں ساخت محاورہ، قواعد صرف و نحو، اور اصل ذخیرۂ الفاظ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے تو اس جھگڑے کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ اگر ہمارا منتہائے نظر یہ ہو کہ ہندوستانی زبان کے ذخیرۂ الفاظ کو ترقی دی جائے اور ہر قسم کی اعلیٰ تعلیم دینے کے لئے اسے واسطے کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس اختلاف کا بہت جلد مٹ جانا لازمی ہے جو اردو اور ہندی کے درمیان موجودہ الفاظ کی بناء پر پایا جاتا ہے۔ جدید علوم کی تعلیم دینے سے زبان کی لغت میں آئندہ جو کثیر اضافہ ہونے والا ہے۔ اس سے الفاظ کے متعلق موجودہ اختلافات قصۂ ماضی بن کر رہ جائیں گے۔ الفاظ کی کثرت تعداد اور اُن کا تنوع زبان کے محاسن میں سے ہیں اور یہ موجب نزاع نہیں ہو سکتے۔ ہندوستانی کا مشترکہ زبان کے طور پر موزوں ہونے کا راز یہی ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں اس زبان کو اپنی ضروریات کے لئے استعمال کرتے اور اس میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔ اور عرصۂ دراز سے اس کو اردو اور ناگری رسم خط میں لکھتے رہے ہیں۔ ہندو نیز اسلامی ماخذوں سے اس کا ذخیرۂ الفاظ بڑھا ہے اور یہ واقعہ بجائے شکل پیدا کرنے یا نزاع کا باعث ہونے کے اس زبان کے مشترکہ استعمال کے قابل ہونے کا ثبوت ہے الفاظ کے انتخاب میں نہ تو کوئی جبر ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔

ایسی کوئی جامعہ نہیں ہے جس نے اس طرح ہندی ذریعۂ تعلیم اختیار کی ہو اور وہ سائنس اور علوم ادبیہ میں اسناد عطا کرتی ہو۔ جیدرآباد نے اردو میں اپنے اس کامیاب تجربہ سے جو عزم اور ہمت کا ایک کارنامہ

"مابعد جنگ کی تعلیمی اسکیم"

نئی دہلی کی ایک اطلاع مُظہر ہے کہ "مرکزی بورڈ آف ایجوکیشن" نے جنگ کے بعد ہندوستان میں تعلیمی ترقی کے متعلق ایک جامع اسکیم تیار کی ہے جسے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی از سر نو تعمیر کے متعلق کمیٹی کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

جب اس مجوزہ اسکیم کو مکمل طور پر عملی جامہ پہنایا جائے گا تو ہندوستان میں تعلیم پر سالانہ دو ارب ۷۷ کروڑ روپیہ خرچ ہوگا۔ اگر تمام فنڈ مہیا ہو جائے تو چالیس سال سے کم مدت میں تمام اسکیم پر عملدرآمد ناممکن ہے۔

بورڈ کی رائے ہے کہ جونیر پرائمری اسکولوں میں کسی حالت میں بھی انگریزی نہ پڑھائی جائے جہاں تک مڈل اسکولوں میں انگریزی پڑھانے کا تعلق ہے اس کا فیصلہ صوبجاتی محکمہ تعلیم پر چھوڑ دیا جائے۔ پرائمری اور مڈل اسکولوں میں تعلیم پر تقریباً دو ارب سالانہ خرچ آئے گا۔ ہائی اسکولوں پر پچاس کروڑ سالانہ کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

جہاں تک یونیورسٹی کی تعلیم کا تعلق ہے بورڈ نے سفارش کی ہے کہ انٹرمیڈیٹ کورس اڑا دیا جائے۔ بورڈ کی رائے ہے کہ اگرچہ ہندوستان کی یونیورسٹی ایجوکیشن میں کئی خوبیاں ہیں مگر وہ تعلیم کے قومی سسٹم کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتیں۔ اس نئی اسکیم کی رو سے یونیورسٹی کی تعلیم میں ۱۶ کروڑ ۷۲ لاکھ روپیہ خرچ ہونے کا اندازہ کیا گیا ہے جہاں تک بالغوں کی تعلیم کا تعلق ہے بورڈ کا اندازہ ہے کہ ہندوستان میں ۱۹ کروڑ اشخاص ناخواندہ ہیں اور ناخواندگی کے خلاف مہم ۲۰ سال سے زیادہ مدت تک جاری رہے گی۔ اس پر خرچ کا اندازہ ۳ کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔

مسلم لیگ کی "مجلس عمل" کا طریقہ کار

اورینٹ پریس آف انڈیا کا بیان ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مقرر کردہ "مجلس عمل" کا جو جلسہ اسی ہفتہ میں لاہور میں ہو رہا ہے اس کے ایجنڈا میں منجملہ دیگر امور کے یہ چیز بھی شامل ہے کہ دہلی میں مجلس کا ایک دفتر مستقل طور پر قائم کیا جائے۔ اس دفتر کے چھ محکمے ہوں گے جو مسلمانوں کی تعلیمی، اقتصادی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی حالت کو درست کرنے کی کوشش کریں گے۔

پہلے محکمہ کی پانچ شاخیں ہوں گی جو پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گی نیز سرمایہ فراہم کریں گی۔ یہ شاخیں صوبائی مسلم لیگوں کی سرگرمیوں کی بھی نگران ہیں۔

دوسرے محکمہ کا نام محکمہ اطلاعات ہوگا یہ تحریر و تقریر کے ذریعہ سے ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کی اشاعت کا کام کرے گا۔ اس سلسلہ میں مصنفین کی ایک کمیٹی بھی قائم کی جائے گی، اس کے علاوہ مسلمانوں میں ترقی اور تعلیمی کام کے لئے ایک ٹریننگ سنٹر بھی کھولا جائیگا۔

تیسرے محکمہ کا نام محکمہ دفاع ہوگا۔ یہ محکمہ تمام ہندوستان میں "مسلم نیشنل گارڈ" کی تنظیم کا کام کرے گا اور مسلمانوں کی سلامتی و حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔

چوتھا محکمہ مسلمانوں کی صنعتی، تجارتی ترقی کے لئے کام کرے گا بھاری صنعتیں، کوآپریٹو سوسائٹیاں، گھریلو صنعتیں اور ساہوکارہ وغیرہ اس محکمہ کے ذمہ ہوں گے۔

پانچواں محکمہ "محکمہ ارتباط" ہوگا اس کا کام یہ ہوگا کہ مسلم وزارتوں کے حق میں عوام کی حمایت حاصل کرے اور ان کو عوام کے ساتھ لگا کر رکھ کر تقویت پہنچائے۔

چھٹا محکمہ پاکستانی علاقوں کی [illegible] کا کام کرے گا وہ خطبۂ جمعہ [illegible] اور [illegible] کی آمدنیوں کی تنظیم کی کوشش کرے گا۔ اس کے علاوہ خدمت خلق کے لئے "سرونٹس آف اسلام" کی سی ایک سوسائٹی بھی قائم کی جائے گی۔

بعد کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی "مجلس عمل" کا اجلاس لاہور میں دو روز تک جاری رہا۔ کمیٹی کے داعی (کنوینر) نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب نے کمیٹی کے فیصلوں کے متعلق ایک بیان دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ کمیٹی نے مسلم لیگ کے نظام کو مضبوط بنانے کے لئے کئی اسکیموں پر غور کیا۔

یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ صوبجاتی لیگوں کے صدر اور سکرٹری صاحبان کے جلسے اکثر و بیشتر طلب کئے جائیں، اور ایسے نگران کار بھی مقرر کئے جائیں گے جو دورہ کرکے ہر جگہ کے کام کے متعلق اپنی رپورٹیں پیش کیا کریں گے۔ مرکزی دفتر کی توسیع کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔ جسے کمیٹی کے فیصلے تیزی سے عمل میں لانے کے اختیارات دئے جائیں گے۔ یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ آئندہ ہفتہ میں "مجلس عمل" کے جلسہ میں جو دہلی میں منعقد ہوگا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی ویمن سب کمیٹی (خواتین مسلم لیگ) کی مجلس عاملہ کو دعوت دی جائے اور وہاں مسلم خواتین کے لئے عملی خاکہ تیار کیا جائے۔

مسلمانوں کی شامت اعمال

اسلام کی اصلی روح توحید و خدا پرستی اور شرک سے نفرت و بیزاری تھی لیکن اب یہی روح جو ان کے امتیاز و عروج کا باعث تھی فنا ہو رہی ہے جس کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں چنانچہ حال میں صوبہ بہار کے ایک اخبار میں ایک باخبر نامہ نگار نے اپنے صوبہ کے ایک پسماندہ ضلع کے جو حالات لکھے ہیں وہ نہایت حیرت انگیز و افسوسناک ہیں یہاں صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ نامہ نگار صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ راقم کا چشم دید واقعہ ہے کہ موضع۔۔۔ میں ایک انسان نما ابلیس یعنی پیر صاحب کا انتقال ہو گیا عقیدت مند دلوں نے بیچ مسجد میں ممبر کے سامنے اُن کو دفن کیا اور خلیفہ رشید نے ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا کہ جس کے دل میں حضرت پیر کی محبت ہے اس کے لئے نماز روزہ فضول چیز ہے، نماز روزہ تو ظاہر پرستوں کے لئے ہے نہ کہ عاشقان پیر کے لئے اور تمام مسلمان اپنے گھروں میں اس طرح سوئیں کہ اس مقدس مزار کی طرف پیٹھ اور پاؤں نہ ہو پچھم کی طرف پاؤں ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہم عاشقان پیر کا قبلہ تو یہی مزار مقدس ہے۔"

ریلوے کی آمدنی میں غیر معمولی اضافہ

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ مرکزی اسمبلی کے موجودہ اجلاس میں ۱۵ فروری کو ریلوے بجٹ پیش ہوگا اور ۲۹ فروری کو فنانس ممبر جنرل بجٹ پیش کریں گے جہاں تک ریلوے بجٹ کا تعلق ہے یہ تجویز پیش کی جائے گی کہ ریلوے کے

[illegible] ...ر ابچ لیا جائے سال سے [illegible] روپیہ کی آمدنی کی توقع ہے۔ اس سلسلہ میں یہ تجویز بھی پیش کی جائے گی کہ جنگ کے بعد تیسرے درجہ کے مسافروں کو سہولتیں بہم پہنچائی جائیں مثلاً گرمی میں بجلی کے پنکھے اور ڈبوں میں نشستوں وغیرہ کا اچھا انتظام، توقع کی جاتی ہے کہ ریلوے کے بجٹ میں تقریباً ۴۴ کروڑ روپیہ کی بچت ہوگی۔ اس میں سے ۳۳ کروڑ کے قریب جنرل ریونیو میں دیا جائے گا، محکمہ ڈاک و تار جنرل ریونیو میں تقریباً ۱۰ کروڑ روپیہ دے گا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سال رواں میں آمدنی کا اندازہ، ۲ ارب ۱۹ کروڑ روپیہ ہے۔

ایک کتاب کے خلاف دہلی میں احتجاجی جلسہ

مسلمانان دہلی کا ایک جلسہ زیر اہتمام جمعیتہ علمائے ہند ۴ فروری ۱۹۴۴ء کو جامع مسجد دہلی میں منعقد ہوا جس میں مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیتہ علمائے ہند نے ایک تقریر فرمائی آپ نے اس تقریر میں ایک انگریزی کتاب "پینٹنگ آف اسلام" کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصویر شائع کی گئی ہے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ایک ریزولیوشن پڑھ کر سنایا جس میں اس کتاب کی اشاعت پر اظہار رنج و غم کیا گیا اور حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس کتاب کو فوراً ضبط قرار دے کر اس کی اشاعت ممنوع کر دے اور مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ نہ ہونے دے۔ دعا کے بعد جلسہ ختم ہوا۔

مجلس عمل کا اجلاس

ہمعصر منشور سے معلوم ہوا کہ ۲ و ۳ فروری ۱۹۴۴ء کو لاہور میں "مجلس عمل" کے اجلاس ہوئے جن میں کمیٹی کے تمام ارکان نے شرکت کی، مسلم لیگ کے تنظیمی کام کی تقویت نیشنل گارڈ کی تنظیم، اشاعت و تبلیغ، شہری تحفظ و دفاع، تجارت، صنعت و حرفت، مزدوروں اور پیشہ وروں کی یونین، مسلمانوں میں اسلامی سنت کی روح پیدا کرنے اور غیر اسلامی مراسم کو روکنے کے مسائل پر کمیٹی نے عام گفتگو کی،

مجلس عمل نے مسٹر جی، ایم سید کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ ایک آئین مرتب کریں جو تمام صوبجات کے لئے نمونہ ہو، اور حاجی ستار حاجی اسحٰق سیٹھ کو اس خدمت پر کہ وہ صنعت و تجارت اور مزدوروں اور پیشہ وروں کی یونینوں کے متعلق عملی سوال نامہ مرتب کریں، نیشنل گارڈ کی تنظیم اور اس تحریک کو تقویت و ترقی دینے کی اسکیم مرتب کرنے کے لئے "مجلس عمل" نے ایک سب کمیٹی قائم کی جس کے رکن قاضی محمد عیسیٰ صاحب (کنوینر) نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب ایم ایل اے (مرکزی)

ایک دوسری سب کمیٹی اس غرض کے لئے قائم کی کہ اس مسئلہ پر غور کر کے رپورٹ پیش کرے کہ مسلمانوں میں سچی اسلامی روح پیدا کرنے اور غیر اسلامی مراسم کو دور کرنے کے لئے کیا تدابیر مناسب ہوں گی۔ متعدد اصحاب اس کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے۔

ان کمیٹیوں سے درخواست کی گئی ہے کہ مجلس عمل کے آئندہ اجلاس میں جو مارچ کے اخیر ہفتہ میں منعقد ہوگا اپنی اپنی رپورٹ پیش کریں۔

جامعہ اردو آگرہ

نتیجہ امتحان ادیب درجہ سوم

(بقیہ مضمون ہفتہ گزشتہ)

ساجدہ بیگم، اقبال نرائن سریواستوا، محمد مرتضیٰ خاں، شاہرخ سلطانہ چغتائی، محمد یوسف، رضیہ بانو، سید منظور الحسن رضوی، سید سمیع احمد، عبدالکفیل، انصار عالم، سجادہ بیگم حیدری، مجیدہ خاتون عثمان، سلطان محمد خاں، وحید الزمان بیگم، محمد سلیمان بادشاہ، بابو لال، بخشش احمد خاں، مقبول احمد انصاری، ممتاز احمد، عبدالرشید انصاری، مصلح احمد انصاری، شرف الدین فاروقی، نجمس پرشاد، شمیم فاطمہ، نبی فاطمہ، نور جہاں احسان، سید انیس الحسن، صالحہ بیگم، اختر الحق، سید شفیق حسین، عصمت فاطمہ، ولایت علی خاں،

(نوٹ) ہر امتحان میں پہلے چھ نام کامیاب طلبہ کے نمبروں کے اعتبار سے درج کئے گئے ہیں۔

محمد طاہر فاروقی رجسٹرار
جامعہ اردو آگرہ

مطبوعات جدیدہ

اسلام میں غلامی کی حقیقت — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان، غلامی پر اسلامی نقطہ نظر سے ایک محققانہ بحث ہے۔ قیمت ... ۲؍

تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام — از مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مغربی تہذیب و تمدن کے مقابلہ میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو ایک خاص محققانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ قیمت ... ۱؍۸

اسلام کا اقتصادی نظام — از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے مقابلہ۔ قیمت ... ۳؍

نبی عربی صلعم — از مولانا زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ متوسط استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ... ۱۲؍

فہم قرآن — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان، فہم قرآن سے متعلق تمام قدیم جدید نظریوں پر نہایت مبسوط و مدلل بحث۔ قیمت ... ۲؍

غلامان اسلام — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے۔ پچھتر سے زیادہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء و محدثین وغیرہ کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت ... ۵؍

تاریخ انقلاب روس — از ایم ایم جوہر صاحب، انقلاب روس کے صحیح اور واقعی حالات۔ قیمت ... ۴؍

اخلاق و فلسفہ اخلاق — از مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، علم اخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق، فلسفہ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قیمت ... ۵؍

وحی الٰہی — از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے مدیر برہان، مسئلہ وحی کے تمام گوشوں پر نہایت سنجیدہ دلپذیر اور دلکش انداز میں بحث۔ قیمت ... ۱؍

(با اہتمام رضا صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

مینجر - سید الطاف علی آنہ قاضی لے رجسٹرڈ

جلد (۱۵) | ۱۶ فروری سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۲۰ صفر المظفر سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۷)

نواب صدر یار جنگ بہادر صدر کل ہند کانفرنس نے کانفرنس مذکور کے سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور میں جو خطبہ پڑھا اس کے متعلق انجمن ترقی اردو کے ترجمان اخبار "ہماری زبان" نے حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں۔

"تحریک پاکستان کی رسم کے بعد نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی نے خطبۂ صدارت پڑھا جیسی کہ توقع کی جا رہی تھی خطبہ نہایت ہی شاندار اور عالمانہ تھا۔ زبان و ادب کی چاشنی کے ساتھ ہی حقائق و معارف کو بھی پہلو بہ پہلو رکھا گیا تھا، یہ بے جا نہ تھا۔ آپ نے انجمن ترقی اردو کی ساری تاریخ اسی مختصر سے خطبہ میں سمو دی تھی، پھر ماضی کی داستان کے ساتھ حال کے آئینہ میں مستقبل کی جھلک بھی صاف نظر آ رہی تھی، حاضرین ہمہ تن گوش ہو کر مصروف سماعت تھے۔"

الحاج نواب محی الدین خاں صاحب ایم ایل اے صدر مجلس استقبالیہ کے متعلق معاصر مذکور نے لکھا ہے:-

"[illegible] خطبہ اپنے مضمون اور عنوان کے لحاظ سے اپنا محل پر مضمون اور ساتھ ہی سنجیدہ، ہدایت آموز بھی تھا کہ سب کی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سنا گیا"

نئی دہلی کی ایک خبر مظہر ہے کہ جب سے فوج میں ابتدائی [illegible] سے [illegible] سلسلہ شروع کیا گیا ہے اب تک سولہ [illegible] برطانوی افسروں نے یہ امتحان پاس کیا ہے۔ فوج کی طرف سے بہت سے مقامات پر اردو کی جماعتیں قائم ہیں، افسر عام طور پر اپنے لئے خود منشی رکھ لیتے [illegible] جوانوں کے لئے ٹیوٹر کا کام دیتے ہیں اور [illegible] اپنے ساتھ [illegible] اور دوسرے دلچسپ مقامات پر لے جاتے ہیں اور اس طرح سے ان افسروں کو اردو سے روشناس کرتے ہیں، یہ امتحان ہر مہینہ ہوتا ہے جس میں ۶۰ اوسط افسر بیٹھتے ہیں۔

کونسل آف اسٹیٹ میں جب ہندوستان کی حفاظت کے مصارف کے متعلق سوالات کئے گئے تو ایک سوال کے جواب میں مسٹر [illegible] سکریٹری محکمہ مالیات نے کہا کہ ہندوستان نے ڈیفنس اور سپلائی کے سلسلہ میں جو کل رقم پچھلے پانچ سال میں یعنی سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء سے سنہ ۴۴-۱۹۴۳ء تک خرچ ہوئی ہے اس میں آٹھ ارب روپیہ کی رقم ہندوستانی خزانہ سے لی گئی ہے، اور باقی ۹ ارب ۴۰ کروڑ کی رقم حکومت برطانیہ کی جانب واجب ہے گویا ہندوستان کی حفاظت پر جو روپیہ جنگ کے سلسلہ میں خرچ ہوا اس کی مجموعی تعداد ۱۷ ارب ۴۰ کروڑ روپیہ ہے۔

---

۱۱ فروری سنہ ۱۹۴۴ء کو صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم کی سالانہ فاتحہ تھی جس معمول مرحوم کے فرزند صاحبزادہ شہزادہ احمد خاں صاحب نے جو علی گڑھ میں مستقل طور پر مقیم ہیں اس کا اہتمام کیا تھا۔

صاحبزادہ صاحب مرحوم کے بہت سے احباب اور عزیز و اقارب بعد نماز عصر مرحوم کے خوش منظر مزار کے احاطہ میں جمع ہوئے جہاں بعد نماز مغرب تک قرآن خوانی کا سلسلہ جاری رہا۔ متعدد قرآن مجید ختم ہوئے۔ اس کے بعد مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور حاضرین و مساکین کو تبرک تقسیم کیا گیا۔ مجلس بہت پر سکون و باوقار تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱-۱۶ فروری ۱۹۶۴ء

اردو کا مستقبل (۲)

اردو کا مستقبل اردو بولنے والوں کے ہاتھ میں ہے اگر وہ اردو کی ترقی، اشاعت کے لئے کوشش کریں تو اس کا مستقبل نہایت شاندار ہو سکتا ہے، کیونکہ خوش نصیبی سے اردو میں ترقی کرنے کی کافی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے، برخلاف اس کے اگر اس ملکی زبان کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا جائے تو اس کی موجودہ حیثیت بھی باقی نہیں رہے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ملک میں کوئی جماعت اردو کی مخالفت نہ ہوتی تو اس کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا اور وہ بغیر کسی غیر معمولی کوشش کے زندہ رہ سکتی تھی اور تھوڑی سی کوشش سے بہت کچھ ترقی کر سکتی تھی، کیونکہ اس صورت میں ہندو مسلمان دونوں اردو کو اپنی زبان سمجھ کر اس کی حفاظت و ترقی کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش کرتے رہتے اور کوئی چیز اس کی ترقی میں سنگ راہ نہ ہوتی، لیکن موجودہ حالت میں جبکہ مستقل طور پر ملک میں اردو کی مخالفت جاری ہے وہ بغیر زبردست و مسلسل کوشش کے ترقی نہیں کر سکتی، ترقی کرنا تو بڑی بات ہے اس کے انحطاط کا خطرہ ہمارے سامنے موجود ہے، لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ جو لوگ اردو کو اپنی زبان سمجھتے ہیں خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان اس کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لائیں ورنہ موجودہ ناسازگار حالات میں اردو کی ترقی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

جیسا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس سلسلہ میں پہلی کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ تالیف و تصنیف اور مفید تراجم کے ذریعہ سے اردو کے علمی و ادبی ذخیرہ میں اضافہ کیا جائے، اور اچھے اچھے اخبارات و رسائل کثرت سے شائع کئے جائیں، لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں، اس کے بعد ہمارا دوسرا کام یہ ہے کہ اردو کو "ذریعہ تعلیم" بنانے کی کوشش کریں، یعنی ہندوستان کے جن صوبوں میں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے وہاں یونیورسٹیوں میں جملہ علوم و فنون کی تعلیم صرف اردو زبان کے ذریعہ سے دی جائے، کیونکہ کوئی ملکی زبان جب تک کہ وہ [illegible] قرار پائی [illegible] حیثیت حاصل ہونے [illegible] اور عدالتوں میں رائج ہوئے [illegible] استحکام حاصل ہو جاتا ہے [illegible] اردو زبان کے مخالف ہیں [illegible] عدالتوں اور سرکاری دفتروں [illegible] کی مسلسل کوشش میں مصروف ہیں [illegible] پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ اردو زبان میں ابھی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ مختلف علوم و فنون کی تعلیم کا ذریعہ قرار دی جا سکے، کیونکہ اس کے الفاظ و مصطلحات کا خزانہ محدود ہے [illegible] سے مختلف علوم کے مسائل، مطالب [illegible] کے ذریعہ سے ادا نہیں کئے جا سکتے [illegible] کہنے کی باتیں ہیں، اصلی مقصد [illegible] عدالتوں، دفتروں اور تعلیم گاہوں [illegible] اس کی اہمیت گھٹ جائے گی [illegible] حیثیت حاصل ہو جائے گی [illegible] مشکل ہو جائیگا

نواب صدر یار جنگ بہادر نے اپنے خطبۂ صدارت میں جو "آل انڈیا اردو کانفرنس" کے پچھلے اجلاس منعقدہ ناگپور میں پڑھا اس مسئلہ کی طرف بھی مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

"عملی زندگی میں زبان کا معاملہ زیادہ تر تعلیم و عدالت کے محکموں سے تعلق رکھتا ہے جدید سیاسی دستور میں یہ محکمے تمام تر صوبوں کی حکومت کے سپرد کر دیئے گئے تھے، اور پنجاب و بنگال کے علاوہ باقی صوبوں کی حکومتیں نیشنل کانگریس کے زیر اقتدار تھیں اور کانگریس کا سب سے بڑا رہنما ایک نئی مفروضہ زبان کو ملک میں رائج کرنے کا خواہاں تھا۔"

اس بیان میں بھی اجمالاً اسی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ جب محکمۂ تعلیم اور عدالت و دفاتر سرکاری میں کوئی زبان رائج ہو جاتی ہے تو پھر "عملی زندگی" میں خود بخود اس کی ایک حیثیت قائم ہو جاتی ہے اور لوگ اس کے سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، انگریزی زبان کو آج اسی وجہ سے سارے ملک میں رسوخ و اقتدار حاصل ہے کہ وہ حکومت کی زبان اور ذریعۂ تعلیم ہے۔

مسلمانوں کے عہد حکومت میں [illegible] فارسی زبان کو حاصل [illegible] سرکاری [illegible] دفتروں کی [illegible] زبان [illegible] تعلیم [illegible] کا سلسلہ بھی عام طور پر جاری تھا اس لئے [illegible]

[illegible]

[illegible] مصیبت اس لئے [illegible] انگریزی حکومت کی زبان [illegible]

[illegible] ملکی [illegible]

[illegible] کرنے کی کوشش کی لیکن اردو [illegible] نہیں [illegible] پیدا ہوئی [illegible] دونوں کی مشترکہ کوشش [illegible] ملک [illegible] اس کو اب [illegible] سے نکالنے کی کوشش کی جاتی [illegible] گاندھی جی جو متحدہ قومیت کے [illegible] علمبردار ہیں، فرماتے ہیں کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے جو قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے [illegible] سوال یہ ہے کہ کیا فارسی اور انگریزی [illegible] زبانیں ہیں جو دیو ناگری (سنسکرت) کے حروف میں لکھی جاتی ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

حقیقت یہ کہ یہ ساری کرشمہ سازیاں موجودہ سیاست کی ہیں کہ جو لوگ دن رات [illegible] میں گھر کے اندر اور باہر اردو بولتے ہیں وہ بھی دہ سالہ مردم شماری کے وقت نہایت معصومیت سے مردم شماری لینے والے عہدہ داروں کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ زبان کے خانہ میں ہماری زبان "ہندی" لکھی جائے [illegible] لطف یہ ہے کہ یہ ہدایت یا ارشاد بھی اردو [illegible] زبان [illegible] ہے

[illegible] آمد و [illegible] نہیں کس

[illegible] سوال یہ ہے کہ کیا یہ [illegible] اسی طرح جاری رہے گا [illegible] ہندوستان [illegible] کے [illegible] ہندی کی [illegible] [illegible] ایک [illegible] ہندو مسلمان [illegible] جاتا ہے کہ ہمیں اردو سے کیا تعلق [illegible] وہ ہماری زبان نہیں ہے [illegible] "متحدہ قومیت" [illegible] اور کیا اسی راستہ سے ہندوستان آزادی کی طرف گامزن ہوگا

ایک [illegible] لائے کے [illegible] ہو سکتی [illegible] انکار کر سکتا ہے؟ [illegible]

[illegible] ہو سکتی [illegible] ہے کہ اس [illegible] ملکی زبانوں کے الفاظ کے علاوہ عربی و فارسی کے الفاظ بھی موجود ہیں (اگرچہ وہ الفاظ ایسے ہیں جنھیں سب ہندو مسلمان روزمرہ بولتے اور سمجھتے ہیں) اگر یہ وجہ اردو کے بدیسی ہونے کے لئے کافی ہے تو پھر دنیا کی ساری زبانیں بدیسی ہیں کیونکہ کوئی زبان خالص بے میل نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو زبان کسی ملک میں بطور بول چال کی زبان کے رائج ہے اور اُس کا مستقل لٹریچر بھی موجود ہے اور سلسلۂ تالیف و تصنیف جاری ہے وہ دوسری زبانوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، چنانچہ مغربی زبانیں (مثلاً انگریزی وغیرہ) بھی [illegible] ان میں بھی دوسری زبانوں حتیٰ کہ مشرقی زبانوں کے الفاظ موجود ہیں لیکن اس کے [illegible] تو یقیناً نہیں ہیں کہ دوسری زبانوں کے الفاظ کی وجہ سے انگریزی زبان بدیسی ہو گئی [illegible] انگلستان کی [illegible] نہیں رہی، [illegible] جو قوم بھی دوسری قوموں سے میل جول [illegible] گی وہ [illegible] پیدا [illegible] گی [illegible] مختلف [illegible] [illegible] زبان [illegible] کے [illegible] کی طرح [illegible] [illegible] علم جو کسی خاص قوم کی میراث نہیں ہے، کبھی [illegible] طرح ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔

اس موقع پر یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ "سنسکرت" دنیا کی ایک قدیم زبان ہے اور مذہبی حیثیت سے بھی اہمیت رکھتی ہے [illegible] دوسری زبانوں کے اختلاط سے محفوظ ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سنسکرت دنیا کے کسی چھوٹے سے چھوٹے [illegible] میں بھی بطور بول چال کی زبان کے رائج نہیں ہے، نیز اُس میں تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی [illegible] بند ہے، اگر وہ دنیا کے کسی حصہ میں رائج [illegible] علوم جدیدہ کی تعلیم کا ذریعہ ہوتی تو لوگ اس زبان میں مختلف علوم کی کتابیں تالیف [illegible] ترجمہ کرتے اور [illegible] علوم [illegible] کے متعلق مغربی زبانوں کے بہت سے الفاظ سنسکرت میں داخل کرنے پر مجبور ہوتے اور اگر اسلامی علوم و فنون کے متعلق کچھ لکھتے تو عربی و فارسی الفاظ سے مفر نہ تھا لیکن جب صورت واقعہ یہ ہے کہ سنسکرت کو ہمیشہ سے محفوظ و معطل رکھنے کی کوشش کی گئی اور برہمنوں نے حتی الامکان اُسے اپنے لئے مخصوص رکھا اور اُس میں دوسری قوموں کے علوم منتقل کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس میں غیر زبانوں کے الفاظ کا اختلاط ہوتا لہٰذا سنسکرت جہاں تھی آج بھی وہیں قدم جمائے کھڑی ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں ایک دوسری قدیم مشرقی زبان عربی کو لیجئے، جو مشرقی دنیا کے ایک بڑے حصہ یعنی مصر، شام، عرب اور عراق وغیرہ میں بطور مادری زبان رائج ہے اور اس کے بولنے والے مسلمانوں کے علاوہ مسیحی و یہودی وغیرہ بھی ہیں جو برابر تالیف و تصنیف کے ذریعہ سے اُس کے علمی و ادبی خزانہ میں اضافہ کی کوشش کرتے رہتے ہیں اس کے علاوہ عربی میں بہت سے بلند پایہ اور کثیر الاشاعت اخبارات بھی شائع ہوتے رہتے ہیں جو جدید معلومات سے لبریز ہوتے ہیں، اس [illegible] جد و جہد کا نتیجہ یہ ہے کہ عربی زبان میں جو ایک زندہ زبان ہے مغربی و مشرقی زبانوں کے ہزاروں الفاظ داخل ہو گئے جو روزمرہ بولے اور لکھے جاتے ہیں، ان جدید الفاظ میں سے جو جدید عربی میں آ گئے ہیں انھیں اصطلاح میں دخیل کہتے ہیں، اور جن الفاظ میں اہل زبان نے تصرف کیا ہے اور عربی سانچہ میں ڈھال لیا ہے انھیں مُعرَّب کہتے ہیں، عربی زبان میں معرب و دخیل کا یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے، چنانچہ اس موضوع پر بہت سی مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ یہ الفاظ جمع کر دئے گئے ہیں اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ کون سا لفظ کس زبان سے آیا اور اس میں کیا تبدیلی ہوئی،

جب عربی جیسی زبان جس کے خزانہ میں الفاظ کا بے پایاں ذخیرہ موجود ہے دوسری زبانوں سے حسب ضرورت الفاظ لینے پر مجبور ہے تو دوسری زبانیں کس طرح اس سے بے نیاز ہو سکتی ہیں، خود فارسی کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں عربی کے علاوہ مغربی زبانوں کے بکثرت الفاظ داخل ہو گئے ہیں، ان میں بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں جن میں اہل زبان نے تصرف کیا ہے، انھیں مُفرَّس کہتے ہیں، یہی حال دوسری زبانوں کا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الفاظ مستعار لیتی ہیں لیکن اس کی وجہ سے کسی زبان میں کوئی بنیادی انقلاب نہیں واقع ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ عربی و فارسی زبان میں

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

از معصر الفاروق کامٹی (سی پی)

ہمیں اس اطلاع سے دلی مسرت ہوئی کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی زندہ دلان جبلپور بڑی سرگرمی سے تیاریاں کر رہے ہیں معلوم ہوا ہے کہ ان اجلاس کی زنانہ اور مردانہ دونوں نشستیں ہوں گی علاوہ ازیں کل ہند مشاعرہ بھی ہوگا۔ یہ یکنامہ اور خوش انجام ادارہ اپنی ابتدا سے جن بلند مقاصد کے حصول میں کوشاں رہا ہے ان سے ہندوستان کا ہر تعلیم یافتہ مسلمان غالباً ناواقف نہ ہوگا۔

عام طور سے تمام ہندستانیوں میں اور خاص طور سے مسلمانوں میں تعلیم کی کمی کے سبب جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان کے دور کرنے کے لئے بعض شناسان قوم کا سالانہ اجتماع آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی صورت میں ہوا کرتا ہے اور آج جبکہ ہندستان ایک عالمگیر انقلابی دور سے گزر رہا ہے۔ اس اجتماع کی اہمیت وضرورت پر کچھ لکھنا آفتاب پر روشنی ڈالنے کے مصداق ہے۔ جس طرح آفتاب کو سمجھانے کے لئے خود اس کا وجود کافی ہے۔ اسی طرح ہم سمجھتے ہیں کہ کانفرنس کا وجود اپنی ضرورت کا خود داعی و مقتضی ہے زمانہ کی رفتار پر نظر رکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں اگر ایک طرف مغربی تمدن کی ٹکر سے مشرقی تمدن کی بنیادیں ہل رہی ہیں۔ تو دوسری طرف دور حاضر سیاسی اور اقتصادی نظریات سے متاثر ہو کر عمومی زندگی میں ایک طوفان برپا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس طوفان کا کامیابی کے ساتھ وہی قوم مقابلہ کر سکتی ہے جو پہلے سے اس کے لئے تیار ہو ورنہ اس ذہنی سیلاب کا دھارا غافل قوم کو اس اتھاہ سمندر میں یقیناً پھینک دے گا۔ جہاں اس سے پہلے بہت سی قومیں بہہ کر پہنچ چکی ہیں اور آج جن کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔

یہ اللہ کی سنت ہے۔ قدرت کا دستور ہے اس سے نہ مسلمان بچ سکتا ہے۔ ہندو نہ عیسائی خدارا سوچو اور ان متمدن قوموں سے سبق حاصل کرو جنھوں نے اس کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ ایسے انقلابی دور سے علم اور تعلیم کے ذریعہ ہی قوموں نے نجات حاصل کی ہو علم کا کام یہ ہے کہ زندگی کے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھائے۔ اور معاشرت کے پیچ در پیچ راستوں میں سیدھی راہ کا انتخاب کرے۔ اور تعلیم کا کام یہ ہے کہ نئی نسلوں کو ذہنی اور اخلاقی تربیت سے اس راہ پر چلنے کے قابل بنا دے۔

اس وقت مسلمانوں کے آگے زندگی کے ہر شعبہ میں دوراہہ نظر آتا ہے۔ [illegible] اور دنیا مشرق اور مغرب مذہب اور [illegible] [illegible] انفرادیت مسلمان [illegible] حیرت زدہ ٹھٹک کر [illegible] کبھی دو قدم دین کی طرف بڑھاتا ہے [illegible] ہٹنے لگتی ہے۔ مغرب کی طرف بڑھتا ہے تو مشرق سے نفرین کی صدائیں آنے لگتی ہیں۔ ایسے اس خلجان اور کشمکش سے صحیح سلامت نکالنے والی اور اس نازک وقت پر اس کی رہبری کرنے والا [illegible] اس وقت ہندستان میں اگر ہے تو وہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہی ہے۔ اس کانفرنس کی برکت سے وسیع معلومات رکھنے والے اور گہرے غور و خوض کرنے والے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور مستند مسلمانوں کے لئے راہ عمل تجویز کرتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اس اجتماع کے لئے سخنے درمے قدمے اعانت کرتی ہیں۔

ہم زندہ دلان جبل پور کو ان کے اس نیک اقدام پر صرف قابل مبارکباد سمجھتے ہیں بلکہ انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہماری خواہشات اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ سی پی و برار کے مسلمان اپنی [illegible] فیاضی سے کام لے کر مسلمانان جبل پور کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔

جامعہ عثمانیہ کا جلسہ تقسیم اسناد (۲)

(بقیہ حصہ خطبہ صدارت مسٹر سی اجگوپال اچاریہ)

ابھی تک میں ہندوستان کی مشترکہ زبان کے سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ کی کامیابی کا ذکر کر رہا تھا لیکن میں اس مسئلہ سے بھی ناواقف نہیں ہوں جس کے ذکر کو اس موقع پر اگر بے وقت کی راگنی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا، ورنہ ثانوی تعلیم کے ذریعہ کا مسئلہ ہے اس دعوت کے اعلان کے ساتھ ہی جو مجھے عطائے اسناد کے موقع پر خطبہ پڑھنے کے لئے دی گئی تھی بہت سے قومی کارکنوں کی طرف سے مجھے ایسے خطوط وصول ہوئے جن میں ثانوی تعلیم کے ذریعہ کی نسبت ریاست کی پالیسی کا ذکر تھا۔ ان خطوط کے جواب میں ان کے بھیجنے والوں پر میں نے یہ بات واضح کر دی کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں حیدرآباد کی پالیسی کو معرض بحث میں نہیں لانا چاہتا مجھے ان انتظامی دشواریوں کا بخوبی احساس ہے۔ جو اتنے وسیع رقبہ کی تعلیمی پالیسی کی تدوین و تعلیم میں پیش آتی ہیں۔ جتنا وسیع کہ حیدرآباد ہے جس کے باشندے چار بڑی زبانیں بولتے ہیں جن میں سے ہر ایک زبان کو اپنے خارجی تعلقات اور ادبی ذخائر پر کا فخر حاصل ہے۔ اگر سہل انکاری یا جلد بازی سے کسی قسم کی کوئی تنقید کی جائے یا کوئی مشورہ دیا جائے تو اس سے بیجا فائدہ اٹھا کر موجودہ دشواریوں میں اضافہ کرنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں تنقیح طلب امر کو گھٹانا بھی نہیں چاہتا۔ تعلیم کے متعلق بنیادی اساسی مسلک میں پہلے ہی واضح الفاظ میں بیان کر چکا ہوں یعنی یہ کہ تعلیم مادری زبان ہی کے ذریعہ سے ہونی چاہئے۔ اور اس پر میں قائم بھی ہوں اعلیٰ حضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کے زبان مبارک اور سر اکبر حیدری کی یادداشتوں سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ طالب علم کی مادری زبان ہی اکتساب علم کا موثر ذریعہ بن سکتی ہے۔ اور انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے اسے اسی ذریعہ سے اپنی ذات کے ایک حصہ میں مکمل طور پر منتقل کر سکتا ہے لیکن کسی مسلک سے وابستگی کا یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہم جذبات ہی کی رو میں بہہ جائیں۔ یا حقائق پر نظر کرنے سے انکار کر دیں۔ بخلاف اس کے اصول و ضابطہ کی یکسانی نئی طرز کی ہر متحدہ حکومت کا طبعی منشا اور ماحصل ہوتی ہے۔ اس امر کو نظر انداز کرنا یا اس کی اہمیت کو کم کرنا غیر ممکن ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ مادری زبان سے بے اعتنائی تعلیم کے لئے بے حد مضر ہے۔ جس سے انجام کار خود ریاست کو نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن یہ بھی اسی قدر صحیح ہے کہ جب ایک سے زیادہ زبانیں مادری زبان کے فطری اور لازمی حقوق کی مدعی ہوں تو مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے حل کرنے کے لیے تمام اطراف سے صبر و تحمل اور باہمی مصالحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس مسئلہ پر اعلیٰ حضرت خسرو دکن کی حکومت فراخدلی سے مسلسل غور کر رہی ہے۔ فرمانروا کی مسرت اپنی رعایا کی آسودگی

حالی اور ترقی سے وابستہ ہوتی ہے اور حقیقی اور موثر تعلیم کے راستے سے ہٹ کر ترقی کی کوئی قریب تر راہ نہیں ہے۔ بہرحال تعلیم جدید کی صورت حالات بہت پیچیدہ ہے اور ریاست کی پالیسی کو بہت سے امور پر حاوی ہونا لازمی ہے۔ امن اور رواداری سے بھی اسی ہی بڑی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں جتنی کہ بھی منصا وحالیوں سے۔ امن اور رواداری کا ایک ہی ریاست میں مختلف قوموں میں روابط پیدا ہو جاتے ہیں۔ مختلف مذاہب کے لوگ ساتھ ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور مختلف زبانیں پہلو بہ پہلو ترقی کرتی ہیں۔ ریاست کے لئے اس قسم کی مرکب آبادی کو جو اس کے زیر نگیں ہو کوئی قطعی ضرر نہ پہنچانے کا مسئلہ بہت پیچیدہ اور دشوار ہو جاتا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ جدید تعلیمی ترقیات کی پیچیدگی سے اور بھی مشکلات پیدا ہوتی ہیں، تعلیم کا بار تقریباً کل یا سرکاری مدارس پر پڑتا ہے۔ اور بچہ کی ابتدائی تعلیم میں اس کے خاندان کی طرف سے بہت ہی کم مدد ملتی ہے۔ تعلیم کے مختلف مدارج یعنی تحتانیہ ادنیٰ، ثانوی اعلیٰ ثانوی اور جامعاتی نصابات میں آپس میں تعلق پایا جاتا ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ یہ ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہوں۔ ہر ایک درجہ کی تعلیم و تربیت اس سے اگلے درجہ کی ضروریات سے اس قدر آزاد نہیں ہے جتنی کہ متعلقہ ارباب اقتدار کو خواہش ہو سکتی ہے۔ ہر درجہ سب سے زیادہ مستحق اور ہونہار طلبہ کی زیادہ سے زیادہ تعداد کے لئے اگلے درجہ کے لئے تیاری کی حیثیت بھی رکھتا ہے اور دوسرے طلباء کے لئے مستقل نصاب کی حیثیت بھی۔ جو طلباء اگلے درجہ میں اپنا سلسلہ تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں اور جن کو جاری رکھنا چاہئے۔ ان میں اور ان طلباء میں جو ایسا نہیں کر سکتے تمیز کرنا آسان نہیں ہے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک درجہ کے لئے جن تعلیمی شرائط کی ضرورت ہوتی ہے وہ اگلے درجہ کی ضروریات سے پیچیدہ ہو جاتی ہیں۔ اس سے صرف تعلیم ہی کا نصاب متاثر نہیں ہوتا بلکہ ذریعۂ تعلیم کے مسئلہ پر بھی اثر پڑتا ہے جن حکام پر ثانوی تعلیم کی تنظیم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مدارس فوقانیہ کے بہترین طلباء اور ان کے علاوہ دیگر طلباء کی ایک بڑی تعداد جائز طور پر جامعہ کی تعلیم سے مستفید ہونے کی توقع رکھتی ہے اور قبل از قبل اس امر کا تصفیہ نہیں کیا جا سکتا کہ کن طلباء کو جامعہ کی تعلیم سے بہرہ مند ہونے کی اجازت دی جائے اور کن کو نہیں۔ یہیں یہ امر بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس بنا پر کہ ثانوی یا مڈل جماعتی کو حیدرآباد میں ہندوستانی جامعاتی تعلیم کا ذریعہ نہیں بنایا گیا ہے۔ تمام جامعات میں انگریزی ہی ذریعۂ تعلیم ہے۔ اور اس لئے ثانوی تعلیم میں کسی قسم کی اصلاح بہت دشوار ہے۔

حقیقت کہ جامعہ عثمانیہ میں ہندوستانی زبان میں اعلیٰ نصابات کی تعلیم دی جاتی ہے ثانوی تعلیم کے ذریعہ کو براہ راست متاثر کرتی ہے۔ اگر ثانوی مدارس میں آخر تک اردو کے علاوہ کسی اور مادری زبان کے ذریعہ سے تعلیم دی جائے تو اس کا اندیشہ ہے کہ طلباء کی ایک بڑی تعداد جامعہ میں تعلیم پانے کے لئے جس کی وہ جائز طور پر تمنا کر سکتے ہیں بخوبی تیار نہ ہو سکے گی اگر حکومت سرکار عالی اس اصول پر جو بظاہر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے عمل پیرا ہو کہ ثانوی تعلیم انہیں زبانوں کے ذریعہ دی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہوگا اس سے متعلق بہتیرے لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین کیا کہیں گے اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ ایسے مدارس سے فارغ شدہ طلباء جامعہ عثمانیہ کی اعلیٰ تعلیم اور اُن مواقع زندگی سے محروم ہو جائیں گے جو جامعہ عثمانیہ کے لئے ممکن الحصول ہیں۔ یہ مسئلہ ہر جگہ پیچیدہ ہے مگر حیدرآباد میں اس کی پیچیدگی اور بھی زیادہ ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم معیاری حل تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن فی الحال ہمیں مصالحت اور تجربات پر قناعت کرنی چاہئے۔ ثانوی تعلیم کے متعلق مصالحت کی ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ اردو کو لازمی زبان قرار دیا جائے اور تمام مضامین کی تعلیم مقامی زبانوں کے ذریعہ سے دی جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کی ان اصطلاحات کو بکثرت استعمال کیا جائے جو جامعہ عثمانیہ میں ان ہی مضامین کے اعلیٰ نصابوں میں مستعمل ہیں۔ میں اس مسئلہ میں اس سے زیادہ مداخلت بیجا کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے امید ہے کہ انگریزی سے ہندوستانی زبانوں کی طرف آنے کی راہ کو جذبہ اور تعصب سے کام لے کر اور انتظامی نقطۂ نظر سے غیر ممکن العمل صورتیں پیش کر کے بلا ضرورت دشوار بنانے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔

میں نے ابھی تک سیاسیات کے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا اور نہ میں اس جگہ اس کا کوئی ارادہ رکھتا ہوں کیونکہ میں نے موجودہ صورت حالات پر اپنے خیالات کو بہت واضح الفاظ میں ایک سال کا ہوا ظاہر کر دیا ہے جس میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں لیکن میں باشندگان حیدرآباد کے سب سے زیادہ روشن خیال طبقے کے اس مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ایک بات کہہ دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میری رائے میں یہ خیال غلط ہے اور اسے بہت لاپرواہی سے پھیلا دیا گیا ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کے باشندے برطانوی ہند کے صوبوں کے مقابلہ میں سیاسی طور پر کمتر ہیں یا پیچھے ہیں۔ قومی شعور تمام ہندوستان میں ہر جگہ ایک ہی رفتار سے پھیلا ہے ہندوستانی ریاستوں کے باشندے جمہوریت کے لئے اتنے ہی موزوں اور مستعد یا اتنے ہی ناموزوں اور غیر مستعد ہیں جتنے کہ برطانوی صوبجات کے باشندے ہمارے رؤسا انتظام مملکت میں فرق آنے کے بغیر پارلیمانی جمہوریت کے اساس پر نمائندہ ادارے اور جمہوری حکومتوں کے قیام کی اجازت عطا فرما سکتے ہیں جیسا کہ برطانوی صوبہ جات میں کیا گیا تھا اور اپنے لئے وہی اعلیٰ رتبہ اور شاہانہ حقوق محفوظ رکھ سکتے ہیں جو صوبجات میں گورنروں کو حاصل ہیں۔ اس سے ان کی رعایا کے دلوں میں ان کے لئے جو شخصی عقیدت موجود ہے اس میں بھی ہمیشہ کے لئے ایک اہم اور عظیم اضافہ ہو جائے گا۔ اگر رؤسا جمہوریت کے لئے اپنی رعایا کی صلاحیت پر بھروسہ کریں تو یہ مادر وطن کے حصول آزادی کے لئے بہ حیثیت مجموعی بہت بڑی اخلاقی خدمت ہوگی۔ اب میں آپ کو اور زیادہ روکنا نہیں چاہتا۔

آپ نے میری تقریر کو بہت سکون کے ساتھ سنا ہے اور اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

صوبۂ مسلم تعلیمی کانفرنس کا انیسواں اجلاس

بمقام لکھیم پور کھیری (اودھ)

بتاریخ ۱۰ و ۱۱ مارچ ۱۹۳۸ء

بصدارت جناب خان بہادر فضل الرحمٰن خاں صاحب ایم ایل اے۔ رئیس شاہجہانپور

جناب والا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تمدنی و سیاسی پوزیشن نہایت پیچیدہ اور

دشوار ہے اور یہ امر بھی محتاج ثبوت نہیں ہے کہ اس دشوار گزار مرحلہ میں معقول و معتدبہ ترقی نہیں ہو سکتی جب تک کہ مسلمانوں میں تعلیم عام نہ ہو۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ مسلمانوں میں تعلیم کا خطرناک فقدان ہے اور تمدنی و سیاسی دشواریوں سے زیادہ دشواریاں ان کی تعلیم کے راستہ میں حائل ہیں بعد جنگ امور لازمیہ میں سے یہ بھی ایک بدیہی مسئلہ ہوگا کہ اس ملک میں تعلیم کس طرح کی ہونا چاہیے اور اس میں ہر قوم کے لئے کیونکر آسانی و گنجائش ان کی ضروریات کے مطابق بہم پہونچائی جائے چنانچہ حکومت کے سامنے اس وقت بھی یہ مسئلہ تعلیم اپنی مخصوص اہمیت کے ساتھ درپیش و زیر غور ہے اگر اس موقعہ پر مسلمانوں نے ویسی ہی غفلت برتی جیسی کہ سیاسیات میں برت چکے ہیں تو ظاہر ہے کہ پھر اصلاح کا موقعہ آسان نہ ہوگا۔ کیونکہ موقعے روز روز نہیں ملتے۔

یہ کانفرنس ۱۹۱۴ء سے تمام صوبے میں تعلیمی تحریک و اجراء کی کوشش ملیح کر رہی ہے لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس وقت تک صوبۂ اودھ میں اس کانفرنس کا کوئی اجلاس کسی ضلع میں نہیں ہوا ہے۔ لکھیم پور کے مسلمانوں نے اس طرف توجہ کی اور نہایت خوشی کا مقام ہے کہ ان کی درخواست پر صوبہ کانفرنس نے اپنا سالانہ اجلاس اس ضلع میں منعقد کرنا منظور کر لیا۔ چنانچہ ۱۰ و ۱۱ مارچ ۱۹۴۲ء کو انشاء اللہ کانفرنس کا سالانہ اجلاس لکھیم پور میں بصدارت خان بہادر فضل الرحمٰن خاں صاحب ایم' ایل' اے رئیس شاہجہانپور منعقد ہوگا۔ اس کانفرنس کے ساتھ شعبہ اردو و شعبہ زنانہ تعلیم و ٹیچرس کانفرنس بھی ہوگی۔ اور شعبۂ اردو کی صدارت مولوی سید اسد اللہ صاحب کاظمی ایم اے انسپکٹر مدارس الہ آباد فرمائیں گے اسی طرح زنانہ کانفرنس کی صدارت محترمہ بیگم شیخ حبیب اللہ صاحب ایم ایل اے۔ اور ٹیچرس کانفرنس کی صدارت خان بہادر ڈاکٹر عبا و الرحمٰن خاں صاحب پرنسپل جوبلی ٹریننگ کالج الہ آباد فرمائیں گے۔ امید قوی ہے کہ صوبہ کے مشہور ماہرین تعلیم اس کانفرنس میں تشریف لائینگے۔

اسلامیہ ہائی اسکولوں اور اسلامیہ کالجوں کے طلبہ کا ایک جلسۂ مباحثہ بھی ہوگا جس میں اس مضمون پر موافق و مخالف تقریریں ہوں گی کہ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی منحصر ہے ان کے جداگانہ مدارس و کالجوں کے قیام پر"۔ اس مقابلہ کے لئے سید اسد علی صاحب انوری صدر کمیٹی استقبالیہ نے اپنے والد مرحوم کی یادگار میں ایک کپ پیش فرمایا ہے جو انھیں درسگاہ کو دیا جائے گا جس کے طلبا مقابلہ میں بہترین ثابت ہوں اس کے علاوہ مقررین میں سے اول و دوم کو تمغے دیے جائیں گے۔

باہر سے آنے والے مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام جو صوبہ کانفرنس کی مرضی کے مطابق ہوگا کمیٹی استقبالیہ مقرر فرمائیں گے۔ بقیہ کی مزید تفصیل کے متعلق جانب سے کمیٹی ہوگا۔ دیگر حضرات کے لئے کھانے وغیرہ کی دکانیں موجود ہوں گی جہاں مناسب قیمت پر کل چیزیں حسب خواہش مل سکیں گی۔

جناب والا سے استدعا ہے کہ اس موقعہ پر جلسہ کانفرنس میں شرکت فرمائیں۔ صرف ممبران استقبالیہ کمیٹی کو ملک جمیع اسما ان ضلع معبر کی تشکر کے اور اپنی آمد کی تاریخ و وقت سے بھی اطلاع دیجئے۔

فیس ممبری کمیٹی استقبالیہ [illegible] روپیہ
فیس ممبری صوبہ کانفرنس [illegible] روپیہ

المکلّف

اسد علی انوری فارسٹ افسر صدر استقبالیہ کمیٹی
رؤف احمد ایڈوکیٹ آنریری سکریٹری استقبالیہ کمیٹی
لکھیم پور کھیری

اردو کا مستقبل (۲)

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

ہزاروں الفاظ غیر ملکی زبانوں کے داخل ہو گئے ہیں لیکن اس سے ان زبانوں کی غربت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لہذا اردو [illegible] ہندوستان میں پیدا ہوئی محض [illegible] ملکی و اجنبی یا مسلمانوں کی مخصوص [illegible] جا سکتی کہ اس میں عربی و فارسی الفاظ [illegible] اور اب تو ماحول کے اثر سے اردو میں سینکڑوں انگریزی الفاظ بھی داخل ہو کر اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ عوام و خواص انھیں روز مرہ بولتے ہیں اور کسی شخص کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ یہ ہماری زبان کے اصلی الفاظ نہیں ہیں

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اردو کے مخالفین کو یہ تو خوب یاد رہتا ہے کہ اردو میں عربی و فارسی کے بہت سے الفاظ داخل ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ اسی طرح ہندی اور سنسکرت کے بھی ہزاروں الفاظ اس ملکی زبان میں موجود ہیں' البتہ یہ ضرور ہے کہ اہل زبان نے ان سنسکرت الفاظ میں حسب ضرورت تصرف کر کے انھیں ہلکا پھلکا بنا لیا ہے اس لئے ان کا تلفظ آسان ہو گیا ہے۔

مذکورہ الفاظ اور اسما کے علاوہ اردو کے مصادر و افعال پر غور کیا جائے تو عربی فارسی یا کسی دوسری غیر ملکی زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسی حالت میں اردو کو ایک غیر ملکی یا اسلامی زبان قرار دینا اور اس کے مفادات پر اس کو برابری قرار نہ دینا اس قدر ہٹ دھرمی اور بے انصافی ہے اور اس سے مختلف قوموں کے باہمی تعلقات کس قدر ناخوشگوار ہو گئے ہیں جس کا انجام یقیناً افسوسناک ہوگا۔

اُردو و ہندی کا قضیہ

پنڈت مدن موہن مالویہ اور مسز سروجنی نائیڈو کے متضاد خیالات' اور اردو کی ہمہ گیری کا اعتراف

(مترجمہ سید الطاف علی بریلوی)

ناگری پرچارنی سبھا بنارس کے جلسے کی دوسرے دن کی نشست میں پنڈت مدن موہن مالویہ نے گزشتہ صدی میں ہندی زبان کی پرورش پر بحث کرتے ہوئے اردو کی بابت فرمایا کہ وہ بھی ہندی کا ایک حصہ ہے اور ہندی کے ساتھ اردو کی ترقی کی بھی خواہش ظاہر کی۔ اردو کی ابتدا کی بابت انھوں نے فرمایا کہ وہ مغربی ہندوستان کی زبان ہندی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اور یہ مغربی ہندی شورسینی پراکرت سے نکلی ہے۔ جو بیسیوں برس دہلی اور میرٹھ کے قریب بولی جاتی رہی ہے۔

موجودہ اردو فارسی زبان و ادب کے زیر بار احسان ہونے کے باوجود اپنی قدیم خصوصیات کی بھی باعتبار قواعد مصطلحات' تراکیب و ہندی الفاظ کی ہمسا کی حامل ہے۔ لیکن جدید فصیح ہندی بالکل مختلف چیز ہے۔ اور اس زمانہ کی پیداوار ہے فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جنم لیا اور اردو سے

مختلف راہ اس طور پر اختیار کی کہ اس میں عربی اور فارسی الفاظ کے بجائے جو اس زبان کا لازمی جزو تھے سنسکرت کے الفاظ داخل کئے گئے۔

اس وقت اس فصیح ہندی کو ترقی دینے کی پُرجوش اپیلیں ملک کے طول و عرض میں کی جارہی ہیں اور ہندو مصنفین کو ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ اسی ہندی کو علمی اور ادبی اظہار خیال کا ذریعہ بنائیں۔ یہ جدید ہندی اُس شریفانہ اور سیدھی پُرانی ہندی زبان سے بےحد مغائر ہے جو اردو کی ایک جدی زبان ہے۔ جدید فصیح ہندی خود بہت سے ہندوؤں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اس کو زیادہ عام فہم اور قابل قبول بنانے کے لئے "ناگری پرچارنی سبھا" کے حال میں ہندی لکھنے والوں پر اپیل کے ذریعہ زور دیا گیا ہے کہ وہ غیر ضروری اور نامانوس الفاظ کو اپنی تحریروں میں نظر انداز کریں تاکہ ہندی بگڑنے نہ پائے۔

بدقسمتی سے اس حقیقت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اردو ہندو اور مسلمانوں کی اپنی ہمہ گیری اور بین الملکی خصوصیت کی وجہ سے مشترک میراث ہے اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو کسی جگہ یا کسی صورت میں ہندوستان کی عام زبان بننے کی اہلیت رکھتی ہے۔ ناگری پرچارنی سبھا کے نام ایک پیغام بھیجتے ہوئے مسز سروجنی نائیڈو فرماتی ہیں:-

"چونکہ میرا یقین ہے کہ ہندوستان کی ہر ایک موجودہ صوبہ واری زبان کو ترقی دی جائے اور اُس کی قدرتی نشو و نما کو زیادہ سے زیادہ وسیع میدان ملنا چاہئے میری رائے میں یہ بھی ضروری ہے کہ کسی صوبہ کی زبان کی نسبت کسی قسم کا تعصب برتے بغیر ہندوستان کی ایک مشترک قومی زبان ہونی چاہئے۔ ہندوستان کی تمام دوسری زبانیں صوبائی حیثیت رکھتی ہیں صرف اردو ہی بین الصوبائی خصوصیت کی مالک ہے کیونکہ اگر وہ کسی جگہ بولی نہیں جاتی ہے تو کم از کم سمجھی ضرور جاتی ہے۔"

مسز نائیڈو کی تجویز ہے کہ وہ آسان ہندوستانی زبان جو یوپی میں بولی جاتی ہے سارے ہندوستان کے لئے بہترین مشترک زبان قرار دئے جانے کے لائق ہے۔ عرصہ سے ہندوستانی کا لفظ اردو کا ہم معنی سمجھا جاتا رہا لیکن ابھی کچھ عرصہ سے اُس کی اصلی منشاء کی تخریب کی جارہی ہے۔ اور اُس کو سنسکرت آمیز ہندی کی جگہ استعمال کیا جارہا ہے۔ اس سنسکرت آمیز ہندی کے بعض اوقات یہ معنی لئے جاتے ہیں کہ وہ نہ اردو ہے نہ ہندی بلکہ ایک ایسی زبان ہے جس کو از سرنو معرض وجود میں لایا جائے گا لیکن عملاً اردو اور ہندوستانی دراصل اس قدر ملی جلی ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں اُن کا مطلب ایک ہی زبان سمجھا جاتا رہا ہے۔

(از اخبار ڈان ۷ فروری ۱۹۴۱ء)

حکومت ترکی اور اتحادیوں کے باہمی تعلقات

قاہرہ کی ایک خبر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انقرہ کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی اپنے ان فوجی معاہدوں کی میعادیں جو اُس نے اتحادیوں کے ساتھ کئے ہیں، مزید توسیع کرنے پر تیار نہیں ہے، یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ جنگ میں ترکی کے رویہ کے بارہ میں اتحادیوں اور ترکی میں جو گفتگو ہورہی تھی وہ بھی ملتوی ہوگئی اور برطانوی مشن کے چیف انقرہ سے روانہ ہوگئے۔

اس اطلاع سے اس خیال کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ اوانا اور قاہرہ کی کانفرنس کسی اعتبار سے کامیاب کانفرنسیں کہی جاسکتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کانفرنسوں کے نتیجہ میں اتحادیوں کی یہ دیرینہ خواہش کہ ترکی انہیں شرائط پر جن پر حکومت پرتگال سے معاہدہ ہوا ہے اپنے ہوائی مستقر استعمال کرنے دے پوری نہیں ہوگی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حسب ذیل چار اسباب کی بنا پر آپس میں کوئی معاہدہ نہ ہوسکا۔

(۱) ترکی پر جرمنی کے حملہ کے امکانات کا خطرہ۔

(۲) ترکی شہروں اور خصوصیت کے ساتھ استنبول کی حفاظت کے لئے طاقتور فضائی دستوں اور طیارہ شکن توپوں کی ضرورت ہوگی۔

(۳) ترکی کی جنگی پالیسی میں کسی قسم کی تبدیلی کی وجہ سے بہت زیادہ سامان حرب و ضرب کی ضرورت ہوگی۔

(۴) تھریس کی ترکی دفاعی لائن کو خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ترکوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس لائن پر آسانی کے ساتھ جرمنی کم سے کم بارہ ڈویزن پہنچا سکتا ہے۔

اسی سلسلہ میں وزیر اعظم ترکی سراج اوغلو کا بیان بھی غور سے پڑھنے کے قابل ہے، موصوف نے ایک گفتگو کے سلسلہ میں یہ ظاہر کیا کہ ترکی نہ صرف اتحادیوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیار تھا بلکہ جب اُس نے انگلستان اور امریکہ سے سامان جنگ بہم پہنچانے کی درخواست کی تو جنگ میں شامل ہو جانے کا بھی وعدہ کرلیا تھا کیونکہ ترکی کے پاس ہزاروں ہوا باز اور ٹینکوں میں کام کرنے والے تربیت یافتہ نوجوان موجود تھے اس لئے جب انگلستان اور امریکہ کی طرف سے یہ تجویز کیا گیا کہ ہمارے جہازوں پر ہمارے ہوا باز بھی ہوں گے تو اس تجویز پر کچھ بہت گرمجوشی ظاہر نہیں کی گئی۔

ترکی روس سے ایسے تعلقات متحدہ دوستانہ رکھنا چاہتا ہے لیکن اس بارے میں ابھی کوئی خاص سلسلہ جنبانی شروع نہیں ہوئی اور اس کے متعلق جو خبریں ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔

وزیر اعظم ترکی کے مندرجہ بالا بیان سے پہلے اخبار ٹائمز اور نیوز کرانیکل کے نامہ نگاروں نے بھی جو القرہ میں مقیم ہیں ترکی اور اتحادیوں کی بات چیت کے متعلق کسی قدر کھل کر بحث کی ہے چنانچہ اخبار نیوز کرانیکل کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ بیرونی آثار سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ ترکی اور اتحادیوں کے درمیان عرصہ سے بات چیت کا جو سلسلہ جاری تھا، وہ منقطع ہوگیا۔

نامہ نگار کا بیان ہے کہ اگرچہ بات چیت کا سلسلہ دوستانہ فضا میں جاری رہا لیکن اب یہ بات مخفی رکھنا مناسب نہیں ہے کہ ہماری اور ترکی کی رائے میں زبردست اختلاف موجود ہے۔ یہ اختلاف ۱۹۳۹ء کے معاہدوں کی شرطوں کے مطلب کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس بارے میں ہے کہ ان کو کس طرح پورا کیا جائے۔

اتحادی ماہروں کا خیال ہے کہ لڑائی کے اس مرحلہ پر وہ ترکی کو اتنا سامان سپلائی نہیں کرسکتے جتنی اس کو ضرورت ہے، اخبار ٹائمز کا نامہ نگار لکھتا

ہے کہ ترکی حکام کی یہ رائے ہے کہ چونکہ لڑائی کا بہت نازک وقت آرہا ہے، ترکی کے لڑائی میں شامل ہونے کے امکانات بڑھتے جارہے ہیں لیکن عوام لڑائی کے خلاف ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت

منگلی کی ایک خبر مظہر ہے کہ مسٹر راجگوپال اچاریہ نے مقامی میڈیکل اسکول میں تقریر کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جلد سے جلد مفاہمت نہ ہوئی تو ہندوستان کی سیاسی ترقی کی سب امیدیں نقش بر آب ہوجائیں گی۔ یہ مفاہمت خاتمہ جنگ سے پہلے ہوجانی چاہئے۔ جس طرح برطانیہ نے مشترک دشمن کے مقابلہ کے لئے تمام طاقتوں کو جمع کردیا اسی طرح ہمیں اپنے حریف یعنی ہندوستان پر برطانوی اقتدار کے مقابلہ میں تمام طاقتیں ایک مرکز پر جمع کرلی چاہئیں، ہندو مسلم اتحاد ہندوستان کی اشد ترین ضرورت ہے اور یہ ہر قیمت پر قائم کرنا چاہئے، ہندو اور مسلمان معاشرتی اور تمدنی طور سے باہم دوست ہیں اور انہیں ہندوستان میں عام جمہوریت کے لئے متحد ہونا چاہئے۔

سر عبد الرحمٰن کے تقرر پر شکوہ و شکایت

ہمعصر پیسہ اخبار رقمطراز ہے کہ بعض ہندو اخبارات کو شکایت ہے کہ میاں افضل حسین کے بعد پھر ایک مسلمان کو کیوں وائس چانسلر مقرر کیا گیا ہے۔ اس تقرر سے حکومت پنجاب اور گورنر پنجاب نے ہندوؤں کی حق تلفی کی ہے۔ لیکن ہندو اخبارات ایسا اعتراض کرتے وقت اُن تمام حقائق کو فراموش کردیتے ہیں جن کے لئے پنجاب کے ۵۰ فی صدی مسلمان ہمیشہ چیختے چلاتے رہتے ہیں۔

یونیورسٹی کی سینٹ اور سنڈیکیٹ میں ۳۰ فی صدی بھی مسلمان نہیں ہیں اور اکیڈیمک کونسل کی حالت اس سے بھی زیادہ پُرافسوس ہے پنجاب یونیورسٹی کے تمام کالجوں میں ایک بھی مسلمان پرنسپل نہیں ہے۔ گورنمنٹ کالج، میڈیکل کالج، انجینئرنگ کالج، ٹریننگ کالج، لیڈی میکلیگن کالج، لاہور زنانہ کالج، ویٹرنری کالج، اورنٹیل کالج، لا کالج، ایچی کالج غرض کسی کالج میں بھی کوئی مسلمان پرنسپل نہیں ہے۔

یونیورسٹی کا رجسٹرار غیر مسلم، دفتر کا سپرنٹنڈنٹ اور تمام سینیر کلرک وغیرہ ہندو ہیں اور یونیورسٹی کے سب پبلیشر ہندو اور کل عملہ ۹۰ فی صد ہندو ہیں۔ میاں افضل حسین اپنے زمانہ قیام میں ان تمام عہدوں پر کسی ایک مسلمان کو بھی نہیں لا سکے۔

دیکھنا تو یہ ہے کہ سر عبد الرحمٰن حض مسلمان ہونے کی وجہ سے وائس چانسلر مقرر ہوئے ہیں اس افسوسناک حالت کو درست کرنے کے لئے کیا کرسکتے ہیں واقعات کو اصل حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہئے کہ گو تو پنجاب میں مسلمانوں کی حکومت ہے مگر تعلیم پر تمام و کمال قبضہ ہندوؤں کا ہے۔

برطانیہ اور امریکہ کا ہوائی نقصان

پارلیمنٹ میں ایک سوال کے جواب میں ہوائی وزیر سر آرچیبالڈ سنکلیر نے انکشاف کیا کہ پچھلے جرمنی اور شمالی یورپ پر حملوں میں برطانیہ کے ۲۳۶۱ اور امریکہ کے ۷۹۶ ہوائی جہاز برباد ہوگئے اور اس سال جنوری میں برطانیہ کے ۳۱۹ اور امریکہ کے ۱۷۸ ہوائی جہاز برباد ہوئے۔

امریکہ کی ۸۰ لاکھ فوج

واشنگٹن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ امریکہ کے وزیر جنگ نے یہ بتایا کہ ستر لاکھ ۷۷ ہزار فوج تیار کرنے کے متعلق امریکہ نے جو اسکیم تیار کی تھی وہ تقریباً مکمل ہوگئی ہے۔

ضرورت معلم

ایک معلم اتالیق کی ضرورت ہے جو ہندی بچوں کو جدید طریقہ پر انگریزی اور عربی فارسی کی تعلیم دے سکے اور بچوں کے پاس قیام رکھے۔ ساتھ کا انٹرنس کا امتحان پاس ہونا حتی المقدور ضروری ہے قیام و طعام کا انتظام علاوہ مشاہرہ کے اُستاد کے لئے کیا جائے گا۔

متاہل کیلئے علیحدہ مکان دیا جائیگا۔ درخواست جلد از جلد حسب ذیل پتہ پر روانہ کیجائے۔ مشاہرہ خط و کتابت پر تجربہ کے لحاظ سے طے کیا جائیگا۔ اہل صنعت صاحب کو ترجیح دیجائیگی لیکن اس کے لئے لازمی قید نہیں ہے۔

پتہ۔ خان بہادر حاجی محمد موسیٰ خان صاحب شروانی آنریری..

بیروزگاروں کو بارروزگار بنانیوالی کتابیں

اتالیق پارچہ بافی - پارچہ بافی کے متعلق تمام ضروری معلومات - ۱۲/
مصنوعی دانت اور دانت لگانا جرمن سلور اور دیگر ہر قسم کی مصنوعی دھاتیں اور ٹانکے تیار کرنے کے ۳۰ سو نسخے۔ قیمت ۸/
مصنوعی گھی - مصنوعی گھی بنانے کی ترکیب۔ قیمت ۸/
گھڑی سازی - ہر قسم کی گھڑیوں کی مرمت کرنیکے طریقے۔ ۸/
نیلاری یا رنگریز - ہر قسم کے سوتی ریشمی کپڑوں کو کیمیائی ترکیب کے ساتھ رنگنے کے طریقے۔ قیمت
دندان سازی - مصنوعی دانت لگانے دانتوں پر پالش کرنے سونا چڑھانے ربڑ کا جبڑا وغیرہ بنانیکے مفصل حالات ۸/
ذخیرہ صنعت و حرفت آٹھ حصے
حصہ اول - روشنائیوں سیاہیوں سمنٹ روغن سازی پالش الیکٹرک ملمع کے حالات۔ قیمت ۱۲/
حصہ دوم - لکڑی پیتل لوہا سیمنٹ وغیرہ کے مکمل مصنوعات تیار کرنے کا ذکر۔ قیمت ۱۲/
حصہ سوم - کمہارگری، چرمی بوتوں کے خوشنما و ایدہ وغیرہ ۱۲/
حصہ چہارم - بیرہ کو خشک کرکے مربے بنانے انگریزی مٹھائیاں، جلدسازی اور مختلف رنگوں کی ترکیب، ۱۲/
حصہ پنجم - کپڑے رنگنے لکڑی پر نقش و نگار، صابون وغیرہ بنانے کے مفصل حالات قیمت ۱۲/
حصہ ششم - مصنوعی موتی، سیپ، جواہرات، کلپ، ایلومینیم کافور وغیرہ کے مصنوعات کا ذکر۔ قیمت ۱۲/
حصہ ہفتم - سٹی کاتنا، مچھلی، الکوہل، چکنائی، ہفت دھات کے مرکبات۔ قیمت ۱۲/
حصہ ہشتم - سہاگہ، مصنوعی موتی، پھٹکری، نیلا تھوتھا، ریکپور وغیرہ کا بیان، قیمت ۸/

کم سرمایہ تجارتیں - ایسی تجارتوں کا ذکر جو کم سرمایہ سے شروع کی جاسکتی ہیں۔ قیمت ۸/
مشیر معاش - معاش پیدا کرنے کے متعلق متعدد مفید رائیں۔ ۸/
سبیل دولت - تجارتی کامیابی کے مکمل طریقے۔ قیمت ۸/
روزگار - حصول معاش کی صدہا راہیں اور تدابیر۔ ۸/
دوکانداری - کم سرمایہ سے دوکان کو کامیاب بنانے کے طریقے۔ قیمت ۱۲/
فن اشتہار - تجارتی اشتہارات کے لئے مؤثر مضمون اور اشتہار دلکش بنانے کے طریقے۔ قیمت ۸/

ملنے کا پتہ: - کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

(باہتمام رضا صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا۔

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر - ... | ایڈیٹر - محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۵) | یکم مارچ سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۵ - ربیع الاول سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۹)

۵ ربیع الاول مطابق یکم مارچ کو مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد میں بعد نماز عصر ایک جلسہ قرآن خوانی منعقد ہوا جس میں مولانا الحاج سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم (سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی) کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا۔

مولانا مرحوم نے ماہ ربیع الاول میں رحلت فرمائی تھی اُس وقت سے یہ معمول ہے کہ مولانا کے تلامذہ و احباب ہر سال اس ماہ مبارک میں ایک "مجلس قرآن خوانی" منعقد کر کے ایصال ثواب کرتے ہیں چنانچہ امسال بھی متعدد قرآن مجید ختم ہوئے، اس کے بعد شیرینی تقسیم کی گئی۔

مولانا مرحوم سے علاوہ اپنے فرائض منصبی کے محض اپنے ذاتی ذوق و شوق کی بنا پر اس مسجد میں ۲۵ برس سے زیادہ مدت تک قرآن مجید کا درس دیا ہے، جن اصحاب کو اس درس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے اُن میں سے جو علی گڑھ میں موجود ہیں وہ اس مجلس قرآن خوانی کے اہتمام میں پیش پیش تھے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جو سالانہ اجلاس جبل پور میں منعقد ہونے والا ہے اُس کی مجلس استقبالیہ کے ارکان اجلاس کو سود مند و کامیاب بنانے کے لئے ہر قسم کی سعی و کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ متعدد اصحاب نے گزشتہ فروری کے آخر میں صوبہ کے بعض اضلاع میں دورہ بھی کیا۔ اور اجلاس کے مصارف کے لئے مالی اعانت حاصل کی۔

جبل پور کی ایک اطلاع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجلاس کے ساتھ وسیع پیمانہ پر ایک "مشاعرہ" کا اہتمام بھی ہو رہا ہے جس میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مشہور و معروف شعراء کو دعوت دی گئی ہے۔ صوبہ سی پی میں شاعروں کا شوق بڑھتا جاتا ہے چنانچہ گزشتہ جنوری میں ناگپور میں بھی ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہو چکا ہے۔

لاہور کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ "انجمن حمایت اسلام لاہور" کا سالانہ اجلاس ۷-۸-۹ اپریل کو بروز جمعہ، شنبہ و یکشنبہ اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع میدان میں منعقد ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ یہ اجلاس "زندہ دلان پنجاب" کی سعی و کوشش سے حسب معمول کامیاب ہوگا۔

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ۲۶ مارچ کو سارے ہندوستان میں "یوم اجمل" منانے کی تحریک شروع کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں رائے صاحب لالہ سری رام نے ایک اپیل شائع کی ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ ہندوؤں سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ وہ "یوم اجمل" کو کامیاب بنانے میں خاص حصہ لیں کیونکہ حکیم صاحب مرحوم نے "آیورویدک" کو فنا ہونے سے بچا کر ہندو قوم پر ناقابل فراموش احسان کیا ہے۔ ہندوؤں کو یہ کہنے کا موقع نہ دیں کہ ہم محسن کے احسانات بھول سکتے ہیں یا بھول جاتے ہیں۔

اپیل کے آخر میں لالہ سری رام صاحب لکھتے ہیں کہ "یوم اجمل" کی کامیابی اُن اصول کی کامیابی ہے جن کے لئے حکیم اجمل خاں جئے اور جنہیں سینے سے لگائے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے پوری کوشش کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم مارچ ۱۹۴۳ء

اسلامی توحید کی برتری اور خصوصیت

ہر سچے مذہب کی تعلیم کا اصلی مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ بنی نوع انسان کو خدائے واحد کا پرستار بنا کر اُن کے اعمال و اخلاق کی اصلاح کی جائے، چنانچہ یہی مقصد اسلام کا بھی تھا، جب اسلام کا دنیا میں ظہور ہوا تو کوئی ربانی مذہب اور الہامی صحیفہ اپنی اصلی و صحیح صورت میں باقی نہیں رہا تھا، توحید خالص کی تعلیم تقریباً فنا ہو چکی تھی خود ساختہ معبودوں کا ہر طرف غلبہ تھا، شیطان سیرت مذہبی پیشوا اور نفس پرست فرمانروا لوگوں پر قاہرانہ طریقہ سے حکمرانی کر رہے تھے، اور انسان جو فطرتاً آزاد پیدا ہوا تھا غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

ان حالات کے لحاظ سے مشیت الٰہی اس کو مقتضی ہوئی کہ بنی نوع انسان کو خانہ ساز معبودوں کی پرستش اور مذہبی لیڈروں اور حکمرانوں کی غلامی سے آزاد کرا کر خدائے واحد کا پرستار بنا دیں۔ سب سے بڑا احسان تھا جو بنی انسان پر کیا جا سکتا تھا کیونکہ آزادی انسان کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے اور خدائے واحد کا پرستار بن کر وہ اس نعمت عظمیٰ کو از سر نو حاصل کر سکتا تھا جو فطرتاً اسے بخشی گئی تھی، اس لئے جب صحیفۂ ربانی یعنی قرآن مجید نے توحید کی دعوت دنیا کو دی تو وہ اُن کے لئے ایک نئی چیز تھی، یہی وجہ ہے کہ دعوت حق کی شدید مخالفت کی گئی۔

یہ عقیدہ ایک خالق کائنات کا "تعدد" یا عقیدہ دنیا کی مختلف قوموں میں موجود تھا لیکن وہ شرک کی آمیزش سے پاک نہ تھا، یہودی اور مسیحی دونوں "اہل کتاب" تھے، ایک تورات کو آسمانی کتاب مانتا تھا اور شریعت موسوی کا پیرو تھا، دوسرا انجیل کو صحیفۂ ربانی سمجھتا تھا اور حضرت مسیح کی پیروی کا مدعی تھا اس لئے ہونا یہ چاہئے تھا کہ ان دونوں مذہبوں میں خالص توحید موجود ہوتی کیونکہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام نے اپنی امتوں کو توحید کی تعلیم دی تھی، لیکن یہ دونوں مذہب اس تعلیم کو بھول گئے تھے۔

بیشک یہودی و مسیحی دونوں خدا کو مانتے تھے لیکن توحید کا صحیح تصور اُن کے دماغوں میں نہ تھا بلکہ مسیحی تو علی الاعلان "تثلیث" کے قائل تھے یعنی اُن کے تین خدا تھے، باپ، بیٹا، روح القدس، یہ ایسا گورکھ دھندا ہے جو آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ ایک خدا کے وجود کا اقرار کرتے تھے لیکن اسی کے ساتھ تثلیث کے بھی قائل تھے، اور اُسے مسیحی مذہب کا بنیادی عقیدہ سمجھتے تھے اب ظاہر ہے کہ جو مذہب حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ سمجھتا ہو وہ موحد یعنی خدائے واحد کا پرستار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام نے کھلے الفاظ میں یہ تعلیم دی ہے کہ خدائے واحد نہ کسی کا بیٹا ہے نہ باپ یعنی لم یلد ولم یولد، اس کے ساتھ نہایت صراحت کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ خدا کی ذات اس قدر اعلیٰ و ارفع ہے کہ کوئی دوسری ہستی اس کی مقابل و ہمسر نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت مسیح بھی الوہیت کے مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتے تھے، اس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہو کہ جو عقیدہ مسیحی مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے اعتبار سے کفر و شرک تھا جو ایک بہت بڑی معصیت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں صراحتاً ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ (المائدہ)

بیشک کافر ہیں وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے (حالانکہ) مسیح نے کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو پروردگار ہے میرا اور تمہارا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے سب پیغمبروں کی طرح خود حضرت مسیح نے بھی توحید ہی کی تعلیم دی تھی، لہٰذا مروجہ انجیل میں "تثلیث" یا "ابنیت" کی جو تعلیم دی گئی ہے۔ وہ یقیناً حضرت مسیح کی تعلیم نہیں ہو سکتی، بلکہ اصلی تعلیم میں تحریف کی گئی ہے۔ "تثلیث" کے متعلق قرآن مجید میں صراحتہً یہ فرمایا گیا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ

بیشک کافر ہو گئے وہ لوگ جنھوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک۔ حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے،

اب سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح اگر خدا یا خدا کے فرزند نہیں تھے تو پھر کیا تھے؟

اس کے متعلق قرآن مجید میں یہ بتایا گیا ہے کہ

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ

یعنی نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر رسول (پیغمبر) گزر چکے ہیں اس سے پہلے بہت سے رسول، اُن کی ماں صدیقہ ہیں دونوں کھانا کھاتے تھے۔

اس آیت میں نہایت صراحت سے یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیح کی حیثیت محض "ایک پیغمبر" کی تھی، جس طرح اُن سے پہلے بہت سے پیغمبر آئے اسی طرح وہ بھی آئے تھے، اُن میں ابنیت یا الوہیت کی کوئی شان نہ تھی۔

اس کے بعد نہایت لطیف پیرایہ میں یہ فرما کر کہ "دونوں کھانا کھاتے تھے" یہ حقیقت واضح کر دی کہ ہر انسان کی طرح انہیں بھی کھانے پینے کی احتیاج اور غذا کی ضرورت تھی، قرآن مجید کے اس صاف و صحیح بیان نے "تثلیث" کے عقیدہ کا بیخ و بن سے استیصال کر دیا، اور صاف طور پر بتا دیا کہ ابتدائے آفرینش سے حضرت مسیح تک جتنے پیغمبر آئے وہ صرف انسان کی حیثیت رکھتے تھے، جن میں سے ایک حضرت مسیح بھی تھے۔ لیکن زمانہ مابعد میں لوگوں نے انہیں (نعوذ باللہ) خدا

مسلمان رعایا سے ریاست گوالیار کا سلوک

مجھے انجمن اسلام ریاست گوالیار کے سالانہ اجلاس کی شرکت کے لئے مدعو کیا گیا تھا اور ۲۹ فروری کی سہ پہر کو وہاں پہنچا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انجمن کی مجلس عاملہ کے ارکان کو حکم ہوا ہے کہ ان سے اس غرض کے لئے ضمانتیں یا مچلکے مبلغ داخل کرائے جائیں کہ وہ انجمن کے جلسہ اور اس کے متعلقہ امور سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھیں گے۔

انجمن کو سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی اور اس کے باوجود اس کے ارکان عاملہ سے حکومت گوالیار مذکورہ بالا ضمانتیں اور مچلکے طلب کر رہی تھی۔ زخم پر نمک پاشی کے سڑکوں کے چوراہوں پر کثیر تعداد میں پولیس بالخصوص تعینات مسلح پولیس اور ریگولر افواج لشکر گوالیار درتراز کے تینوں قصبوں میں مامور اور ہر آن ضرورت کے لئے تیار تھی اور آٹھ توپیں، حفاظتی سوار دستوں کی نگرانی میں شہر کی سڑکوں پر مضحکہ خیز انداز میں گشت کر رہی تھیں۔ پورے شہر میں دفعہ ۱۴۴ اور کرفیو آرڈر نافذ کر دیا گیا تھا۔

اس حالت میں بھی جبکہ دلدادۂ امن رعایا کو اپنا سالانہ اجلاس اپنے قابل اعتماد اور محبوب لیڈر مسٹر منظر عالم کی صدارت میں، جن کے داخلے کو گرفتاری کی دھمکی سے ممنوع کر کے، منعقد کرنے سے روکا جا رہا تھا، انجمن کے کارکنوں نے ایک فرد کی طرح طاقت کا جواب طاقت سے دینے کے مقابلے میں جلسے کے التواء کو اس لئے قابل ترجیح قرار دیا کہ ریاست میں خطرناک بدامنی نہ پھیل جائے۔

انجمن کے مجوزہ پروگرام سے جو اورینٹ پریس کی طرف سے ہندوستان کے متعدد قوم پرور اردو اور انگریزی اخبارات میں شائع ہو چکا تھا مسلمانان گوالیار کی نیک نیتی کا ثبوت مل چکا تھا اور اس میں فرمانروائے گوالیار کی وفاداری، مسلمانوں میں باہمی اور دیگر اقوام کے درمیان اتحاد اور خوشگوار تعلقات کے قیام و ترقی اور ریاست کو سامی جنگ میں غیر مشروط امداد دینے کی تجویزیں شامل تھیں۔ کوئی سمجھدار شخص، خواہ وہ مخالف گروہ کا کیوں نہ ہو، یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان حالات میں دلدادۂ امن مسلم رعایا اور اس کے لیڈروں کے خلاف ایسی مضحکہ خیز اور انسدادی تدابیر کیوں اختیار کی گئیں۔

میں اس موقع پر انجمن اسلام ریاست گوالیار کے ارکان عاملہ اور مسٹر منظر عالم کو قابل مبارکباد سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ان تمام مسلمانوں کو قابو میں رکھا جو اپنے مخلص اور بے غرض رہنماؤں پر پورا اعتماد رکھتے ہیں۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں مسٹر منظر عالم اور ان کے رفقاء کی اس دور اندیشی کی تعریف کر سکوں جس کی بناء پر انھوں نے ریاست کی کوتاہ نظر پالیسی کے خلاف احتجاجاً جلسہ کو ملتوی کرا دینا مناسب سمجھا لیکن ان المناک ڈراموں کی اجازت نہیں دی جو جے پور، الور، کشمیر اور دیگر ہندو ریاستوں میں کھیلے جا چکے ہیں۔ اگر ریاست گوالیار کے نظم و نسق کی آنکھ معقولیت کی طرف سے بالکل بند نہیں ہے تو یہ توقع بیجا نہیں کہ انجمن کے رہنماؤں کی انصاف پسندی اور وسعت نظری اور عوام کا اپنے زعماء کی بے چون و چرا تعمیل کرنا حکومت گوالیار کے لئے سبق آموز ہوگی اور یہی اعلیٰ حضرت فرمانروائے گوالیار کو اپنی مسلم رعایا کے ساتھ انصاف کرنے پر مائل کرنے پر آمادہ کرے گی۔

ریاست گوالیار اور مظلوم مسلمانوں کے درمیان مفاہمت کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ ان پابندیوں کو فوراً اٹھا لیا جائے جو مسٹر منظر عالم کے ریاست میں داخلہ پر بہت غیر منصفانہ طور پر عائد کی گئی ہیں۔

قائد اعظم محمد علی جناح صاحب سے بھی میں اپیل کرتا ہوں کہ وہ ریاست گوالیار کے مظلوم مسلمانوں کے مسائل کو اپنے ہاتھ میں لیں اور مرکزی حکومت کو یہ ذہن نشین کرائیں کہ مذکورہ بالا قسم کی اشتعال انگیزیوں کی وجہ سے کوئی سخت المناک شکل جیسی کہ متعدد ہندو ریاستوں میں پیش آ چکی ہیں، ریاست گوالیار میں رونما ہونے سے قبل ریاست گوالیار کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کرنا مرکزی حکومت کا فرض ہے۔

آخر میں میں مسلمانان گوالیار سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ منظم اور متحد رہیں اور سخت ترین آزمائش کے موقع پر بھی ثابت قدم رہیں اور انجمن کے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور مسٹر منظر عالم اور ان کے رفقاء پر پورا اعتماد رکھیں اور یہی ان کی کامیابی کی ضمانت ہوگی۔

حسن عبداللہ ایم اے ال ال بی۔ ایڈووکیٹ چیئرمین مسلم لیگ
سول ڈیفنس کمیٹی فانپور۔ ممبر یوپی پراونشل آل انڈیا مسلم لیگ کونسل

ایڈیٹر۔ مندرجہ بالا مضمون میں "ریاست گوالیار" کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں وہ نہایت افسوسناک اور ریاست کی دیرینہ روایات اور پالیسی کے خلاف ہیں، ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا جب مہاراجہ آنجہانی کے زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف فراخدلی کا برتاؤ کیا جاتا تھا بلکہ ان کے مذہب اور رسوم و روایات کا بھی احترام کیا جاتا تھا، اور فراخدلی کا یہ حال تھا کہ ہندو مسلمان رعایا میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے۔

اس کے مقابلہ میں موجودہ حالت یہ ہے کہ حکام کے ناروا سلوک کی وجہ سے مسلمان رعایا میں ایک عام بے چینی پھیل گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ریاست کے حق میں وہ حالت مفید و بہتر تھی جبکہ مسلمان رعایا مطمئن اور مہاراجہ کی دعاگو تھی یا یہ حالت بہتر ہے کہ رعایا پریشان و مضطرب ہے اور شکوہ شکایت کر رہی ہے۔

ریاست گوالیار کے ناعاقبت اندیش حکام کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب دنیا بدل گئی ہے اور فرعونی طرز حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے چنانچہ وہ زبردست حکومتیں جن کی بنیاد جبر و استبداد پر قائم تھی، ایک ایک کر کے ختم ہو رہی ہیں، جب ساری دنیا اس دور انقلاب سے گزر رہی ہے تو ریاست گوالیار کے حکام کب تک اس خوفناک سیلاب کو روک سکیں گے جس نے اپنی قہرمانی طاقت سے بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا ہے، اور جو برابر بڑھتا چلا آتا ہے۔ اب کوئی حکومت جو عوام کی مرضی کے خلاف ہو زیادہ دنوں تک نہیں چل سکتی۔ اور کوئی انسانی جماعت اپنے معمولی "حقوق شہریت" سے محروم نہیں کی جا سکتی، اگر کسی انسانی جماعت کو یہ حقوق حاصل نہیں ہیں تو وہ حاصل کئے جائیں گے، اور زمانہ متکبر اور مغرور ہستیوں کو عوام کی مرضی کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کرے گا۔ ریاست گوالیار کے حکام کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ آج ریاست کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے، بیرونی دنیا خصوصاً مسلمان اس سے بے خبر نہیں ہیں۔

آخر میں ہم ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب گوالیار کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کے جو کارپرداز اپنے طریقۂ کار سے مسلمان رعایا کے دلوں میں نفرت و بیزاری کا بیج بو رہے ہیں وہ نہ آپ کے وفادار ہیں نہ راج کے۔ لہذا آپ کا فرض ہے کہ جلد سے جلد ان افسوسناک حالات کا خاتمہ کر دیں اور اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کر کے اُس عہد کو واپس لائیں جبکہ مسلمان رعایا خوش تھی۔

ہمارا خیال ہے کہ ہز ہائی نس اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ رعایا کے دل صرف محبت اور انصاف سے تسخیر کئے جا سکتے ہیں، گوالیار کی مسلمان رعایا نہ باغی ہے نہ سرکش، نہ جنگجو ہے نہ فتنہ پرداز۔ ایسی امن پسند رعایا کے مقابلہ میں فوج اور پولیس کی نمائش کرنا کوئی مردانگی ہے نہ دانشمندی بلکہ سفاہت و تنگ ظرفی ہے۔ مہاراجہ کا فرض ہے کہ وہ اس اشتعال انگیز طرز عمل کو سختی سے روکیں اور معاملات کو سمجھنے اور بہ طریق شائستہ سلجھانے کی کوشش کریں۔ یہی ایک طریقہ ہے جو مہاراجہ کے لئے شایاں اور اُن کے راج کے حق میں بہتر ہے۔ مہاراج کو چاہئے کہ وہ ان ناعاقبت اندیش حکام کو اتنی ڈھیل نہ دیں کہ وہ معاملات کو اس حد تک بگاڑ دیں کہ اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور انجام افسوسناک ہو۔

شعبۂ نسواں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

جناب ایڈیٹر صاحب۔ میں انتہائی ممنون و مشکور ہوں گی اگر میرا مندرجہ ذیل پیغام آپ اپنے اخبار میں شائع فرمائیں گے۔ گزشتہ دسمبر ۱۹۴۳ء میں جبکہ جبل پور میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد ہونا طے ہو گیا تھا میں نے جبل پور اور ناگپور کی قریب ۴۰ خواتین کو خطوط تحریر کئے اور اُن سے درخواست کی کہ اپنی بیداری کا ثبوت دیں۔ مجھے اس امر سے انتہائی مسرت ہے کہ سی پی کی خواتین نے مجھ ناچیز کی صدا پر لبیک کہا اور نہایت سرگرمی انہماک جوش و خلوص سے کام شروع کر دیا۔ اب تک جو اطلاعات مجھ تک پہنچی ہیں وہ انتہائی تسلی بخش ہیں ہمارے ملک کے دیگر صوبوں کا سی پی کی تعلیمی حالت پر اچھا اعتقاد نہیں ہے جس کی وجہ غالباً دیگر اقوام کی اکثریت اور مسلمانوں کی قلت ہے لیکن میں عام خیال کی تردید کرنے کی جرأت کرتی ہوں اور یہ بتلانا چاہتی ہوں کہ کس طرح پر خواتین سی پی اسلامی شعار کے زیر اثر تندہی اور خلوص سے قومی کاموں میں جد و جہد فرما رہی ہیں اور مجھے قوی امید ہے کہ وہ اس کام میں کسی دوسرے صوبہ سے پیچھے نہیں رہیں گی۔

میں کانفرنس کی طرف سے تمام مسلم خواتین سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں شرکت کریں جو جبل پور میں ۱۶ تا ۱۸ اپریل ۱۹۴۴ء منعقد ہوگا۔ اور اس امر کا عملی ثبوت دیں کہ مسلم خواتین تعلیمی کاموں میں کسی سے پیچھے نہیں رہ سکتی ہیں۔ اس وقت ہماری قوم کو سب سے زیادہ سچی اور صحیح اسلامی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اسلام نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مرد عورت ہر دو طبقہ کو مساوی ہدایت کی ہیں اور علم حاصل کرنے کے لئے چین تک جانے کی تلقین کی ہے۔ حضرت سعدی نے کیا اچھا فرمایا ہے۔

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

لہذا ہمارا فرض ہے کہ اس تعلیمی کانفرنس میں شرکت کریں اپنے تجربہ سے دوسروں کو مستفیض اور دوسروں کے علم سے خود مستفید ہوں۔

اس موقع پر میں یہ بھی عرض کرنا چاہتی ہوں کہ اس تعلیمی کانفرنس میں ان چند اصولوں پر بحث و مباحثہ کریں جن دشواریوں سے ہمیں روزانہ دوچار ہونا پڑتا ہے وہ چند عنوان یہ ہیں۔

۱۔ تعلیم نسواں کا مقصد عورتوں کی اقتصادی آزادی۔
۲۔ مشرقی اور مغربی تہذیب کا تصادم اور اس کے لئے راہ عمل۔
۳۔ لڑکیوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت۔
۴۔ (۱) ابتدائی (۲) ثانوی۔ (۳) اعلیٰ۔
۵۔ لڑکیوں کی تعلیم میں خانہ داری کا جزو۔
۶۔ جنگ کے بعد کی تعلیم کے انتظام کا خاکہ۔
۷۔ مسلمان بچیوں کی مذہبی تعلیم۔

لہذا میں نہ صرف اپنی بہنوں سے بلکہ اپنے بھائیوں قوم کے رہنماؤں سے درخواست کرتی ہوں کہ خصوصیت سے ان اصولوں کو مدنظر رکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کریں تاکہ بحث و مباحثہ کے بعد ہم ملک کی رہنمائی کے لئے چند بنیادی اصول قائم کر سکیں۔

مجھے امید ہے کہ میری اس درخواست پر میری عزیز بہنیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کے لئے جبل پور تشریف لائیں گی اور ہماری سی پی کی بہنوں کی ہمت افزائی کریں گی جنہوں نے نہایت فراخدلی و خلوص سے میزبانی کے فرائض ادا کرنے کی تیاری شروع کر دی ہے اور نہایت تندہی سے ملک کے مختلف حصوں میں دورہ کر کے بیداری پیدا کر دی ہے جس میں محترمہ مسز احمد علی صاحبہ و محترمہ مسز افتخار علی صاحبہ سب سے پیش پیش ہیں۔

قمر جہاں جعفر علی
سکریٹری شعبۂ تعلیم نسواں
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ

یوم پاکستان

آل انڈیا مسلم لیگ کے آنریری سکریٹری نوابزادہ لیاقت علی خاں نے تمام صوبوں کی مسلم لیگوں کے نام ایک سرکلر جاری کیا ہے جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کے فیصلہ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۴۴ء کو یوم پاکستان منانے کے لئے مناسب اور ضروری انتظامات کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

سرکلر میں کہا گیا ہے کہ اسی روز ملک بھر میں پبلک جلسے ہوں گے جن میں پاکستان کا مطلب اُس کے مطابق بتایا جائے گا جیسا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دستور العمل میں اغراض و مقاصد کے سلسلہ میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

ہندوستانی فوج کی تنخواہ میں اضافہ

کونسل آف اسٹیٹ میں کمانڈر انچیف نے اعلان کیا کہ حکومت نے ہندوستانی سپاہیوں کی متعدد کلاسوں کی تنخواہوں میں مزید اضافہ کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ جب جنگ شروع ہوئی ہے ہندوستانی سپاہیوں کی تنخواہ میں یہ تیسرا اضافہ ہے جس پر تقریباً ۳۵ کروڑ سالانہ کی رقم خرچ ہوگی۔

روداد مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

(از دفتر کانفرنس)

تاریخ ۲۶ فروری ۱۹۴۵ء وقت ۵ بجے شام آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا جلسہ صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں منعقد ہوا۔ حسب ذیل اصحاب نے شرکت فرمائی:-

۱۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب

۲۔ خان بہادر عبدالمجید قریشی صاحب

۳۔ خانصاحب میر ولایت حسین صاحب

۴۔ مولوی نظام الدین حسین صاحب بدایونی

۵۔ شیخ عطاء اللہ صاحب

۶۔ خان بہادر سید آل علی معوی صاحب

۷۔ مس قمر جہاں جعفر علی صاحبہ

۸۔ شفاء الملک حکیم عبداللطیف صاحب

جلسہ کی کارروائی زیر صدارت مولانا سید طفیل احمد صاحب وائس پریسیڈنٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس شروع ہوئی سب سے پہلے گزشتہ جلسہ کی روداد پڑھی گئی جس کی توثیق ہوئی۔ بعد ازاں خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب آنریری جائنٹ سکریٹری کانفرنس نے سالانہ بجٹ بابت ۱۹۴۵-۴۶ء پیش کیا اور اس کے متعلق کیفیت کے کچھ نوٹ پڑھ کر سنائے اور حاضرین جلسہ سے فرمایا کہ چونکہ بجٹ کی کاپیاں پہلے سے ممبران کمیٹی کی خدمت میں بھیج دی گئی تھیں اس لئے جن صاحب کو کوئی اعتراض ہو وہ بیان فرمائیں چونکہ بجٹ میں کوئی خاص نئی بات نہیں تھی اور اس میں خسارہ بھی نہیں تھا اس لئے مختصر گفتگو کے بعد باتفاق آرا پاس ہوا۔ بجٹ پاس ہونے کے بعد نواب کمال یار جنگ بہادر مرحوم مغفور کے انتقال پرملال پر اظہار رنج و ایصال ثواب کیا گیا اس کے بعد دیگر امور ضروری کے تحت قرار پایا کہ

(الف) چونکہ شعبوں کے جلسوں میں کورم پورا ہونے میں دقت ہوتی ہے اس لئے جس طرح حسب دفعہ ۱۰ قواعد کانفرنس شعبہ تعلیمی کو یہ اختیار ہے کہ وہ حسب ضرورت ایسے لوگوں کو جو تعلیم میں ماہرین کی حیثیت رکھتے ہیں اپنی رکنیت میں شامل کرے۔ اسی طرح کانفرنس کے شعبہ نسواں، شعبہ تصنیف و تالیف اور شعبہ اصلاح معاشرت و اقتصاد کو بھی اپنی اپنی کمیٹیوں میں تین تین ممبروں کے اضافہ کا اختیار دیا جائے اور اس کے لئے سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی سے قانون میں ترمیم کرائی جائے۔

(ب) قرار پایا کہ کانفرنس کے سالانہ اجلاس جبل پور میں شعبوں کی صدارت کے لئے آنریری سکریٹری صاحب کانفرنس بمشورہ سکریٹریان شعبہ جات مناسب اصحاب کا انتخاب کریں۔

اس قدر کارروائی کے بعد صاحب صدر کے شکریہ کے ساتھ جلسہ برخاست ہوا۔

روداد جلسہ اصلاح معاشرت و اقتصاد

(از دفتر کانفرنس)

بتاریخ ۲۷ فروری ۱۹۴۵ء وقت ۴ بجے شام شعبہ اصلاح معاشرت و اقتصاد کا ایک جلسہ سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں منعقد ہوا۔

حسب ذیل اصحاب شریک ہوئے:-

۱۔ شیخ عطاء اللہ صاحب ایم اے

۲۔ خانصاحب میر ولایت حسین صاحب

۳۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب

۴۔ پروفیسر سید بشیر علی صاحب

۵۔ پروفیسر آل احمد صاحب سرور ایم اے۔

جلسہ کی کارروائی زیر صدارت مولانا سید طفیل احمد صاحب شروع ہوئی:-

حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں:-

۱۔ کانفرنس کے سالانہ اجلاس جبل پور میں صدارت کے لئے جناب سید نور الرحمن صاحب سکریٹری مسلم چیمبر آف کامرس دہلی سے درخواست کی جائے۔

۲۔ سکریٹری صاحب استقبالیہ کمیٹی جبل پور کو لکھا جائے کہ وہ جلسہ کے لئے لوکل سکریٹری کا انتخاب کریں اور جبل پور میں سی پی کے دوسرے مقامات سے ایسے اصحاب کا انتخاب کریں جو شعبہ کے جلسہ میں مقالے پڑھ سکیں۔

۳۔ چونکہ سیٹھ احمد ابراہیم ہارون جعفر صاحب سابق صدر شعبہ کا عطیہ مبلغ ایک سو ایک روپیہ مسلمانوں کے معاشی جائزہ کے لئے موصول ہو گیا ہے۔ لہذا اس کام کا جلد از جلد آغاز کیا جائے۔ اور اس کے لئے قرار پایا کہ ۲۹ فروری ۱۹۴۶ء کو ۵ بجے شام شیخ عطاء اللہ صاحب سکریٹری شعبہ اور سید الطاف علی صاحب بریلوی خان بہادر حافظ محمد حسن صاحب چیرمین میونسپل بورڈ سے ملاقات کریں گے اور خان بہادر صاحب کی مدد سے مسلمانان علی گڑھ کے سربرآوردہ اصحاب کا ایک مختصر جلسہ مسلم مسافر خانہ میں منعقد کر کے علی گڑھ کے معاشی جائزہ کا کام شروع کریں گے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی طے ہوا کہ مولوی سراج الحق صاحب قریشی بی اے ساکن محلہ بالائے قلعہ و شبیر احمد صاحب سکنہ ماسٹر مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول اور عبدالجبار صاحب سائنس ماسٹر مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول نیز پروفیسر سید بشیر علی صاحب سے بھی اس کام میں معاونت حاصل کی جائے جائزہ کے کام کا آغاز ہونے پر سکریٹری شعبہ ایک سوال نامہ بھی تیار کریں گے جو [illegible] شائع ہوگا۔

اس قدر کارروائی کے بعد ۸ بجے شام شعبہ کا جلسہ ختم ہوا۔

روداد جلسہ شعبہ نسواں

(از دفتر کانفرنس)

بتاریخ ۲۷ فروری ۱۹۴۵ء وقت ۷ بجے شام دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں شعبہ نسواں کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ حسب ذیل اصحاب شریک ہوئے:-

۱۔ مس قمر جہاں جعفر علی صاحبہ

۲۔ خان بہادر سید آل علی نقوی صاحب

۳۔ خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب

۴۔ چودھری عبدالغفور صاحب

سب سے پہلے حسب قرارداد ورکنگ کمیٹی منعقدہ یکم ستمبر ۱۹۴۴ء حسب ذیل تین نام شعبہ کی رکنیت کے لئے کوآپٹ کئے گئے:-

۱۔ چودھری عبدالغفور صاحب لکچرر ٹریننگ کالج

۲۔ بیگم نیاز احمد صدیقی بی اے، بی ٹی لکچرر مسلم گرلز کالج علی گڑھ

۳۔ مسز حمید خاں پرنسپل مسلم گرلز کالج علی گڑھ

کانفرنس کے سالانہ اجلاس جبل پور میں شعبہ نسواں کی صدارت کے لئے تین نام [illegible] ہوئے:-

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر۔ محمد اکرام اللہ خاں

منیجر۔ [illegible]

جلد (۱۵) | ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۱۱)

گزشتہ ہفتہ میں مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کی تشریف آوری کی وجہ سے علی گڑھ میں خاص چہل پہل رہی۔ جناب ممدوح ۸۔ مارچ کو علی گڑھ تشریف لائے۔ مسلم یونیورسٹی کے متعدد ارکان و عہدہ دار، کثیر التعداد طلبہ نیز شہری مسلم لیگ کے ارکان و کاربرداز آپ کے استقبال کے لئے علی گڑھ کے اسٹیشن پر موجود تھے جنہوں نے آپ کی تشریف آوری پر نہایت جوش و خروش سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ جناب ممدوح نے حسب معمول نواب صدر یار جنگ بہادر کی کوٹھی (حبیب منزل) پر قیام فرمایا۔

دوسرے روز ۹۔ مارچ کو آپ مسلم یونیورسٹی یونین کے ارکان اور عام طلبہ سے خطاب کرنے کے لئے اسٹریچی ہال تشریف لائے جہاں جناب وائس چانسلر صاحب مسلم یونیورسٹی کے دوسرے ارکان، عمائد نیز طلبہ کا کثیر مجمع آپ کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ آپ کے تشریف لانے پر زندہ باد کے پرجوش نعروں سے مسرت کر سارا ہال گونج اٹھا۔

[illegible] میں مسلم یونیورسٹی یونین کی طرف سے جناب ممدوح کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے ایک معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جس میں موجودہ ملکی سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے پرزور الفاظ میں پاکستان کی اہمیت بھی واضح کی۔ ساری تقریر غیر معمولی توجہ سے سنی گئی اور جملہ حاضرین اس سے بیحد متاثر ہوئے۔

اسٹریچی ہال کی تقریر کے علاوہ آپ نے اور بھی متعدد تقریریں فرمائیں چنانچہ ایک تقریر بعد نماز جمعہ شہری جامع مسجد میں ہوئی۔ آپ کی خدمت میں متعدد سپاس نامے بھی پیش کئے گئے۔ ۱۱۔ مارچ کو جناب ممدوح علی گڑھ سے تشریف لیگئے۔

ایرانی وفد جو ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کر رہا ہے۔ ۱۳ مارچ کو مسلم یونیورسٹی کے دیکھنے کے لئے علی گڑھ آیا۔ اسٹریچی ہال میں ایک جلسہ ہوا جہاں وفد کا خیر مقدم کیا گیا۔ جناب وائس چانسلر صاحب، پروفیسر ڈاکٹر ہادی حسن صاحب اور ارکان وفد نے تقریریں کیں اور محمد عاذق صاحب ایم اے استاد شعبۂ فارسی نے وفد کے خیر مقدم میں ایک نظم پڑھی جو حاضرین جلسہ نے بڑی دلچسپی سے سنی اور بہت پسند کی گئی۔ ۱۴ مارچ کو جناب وائس چانسلر صاحب نے ارکان وفد کو کھانے پر مدعو کیا۔ اس دعوت میں علاوہ اساتذہ شعبۂ فارسی کے دوسرے معزز اصحاب بھی شریک تھے۔

۱۰ و ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۴۴ء کو پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبۂ متحدہ کا سالانہ اجلاس لکھیم پور کھیری میں کامیابی سے منعقد ہوا۔ صوبہ کے مختلف اضلاع سے متعدد اصحاب نے اجلاس میں شرکت کی خصوصاً محکمۂ تعلیم کے عہدہ دار خاصی تعداد میں سرکاری اجازت سے شریک ہوئے۔ اجلاس میں بہت سی مفید تجاویز بھی بالاتفاق منظور ہوئیں امید ہے کہ ان تجاویز پر عمل کرنے اور حکومت کو متوجہ کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ مارچ ۱۹۴۴ء

انگریزی عہد حکومت اور برادران وطن

انگریزی حکومت اور جدید تعلیم نے ہندستان کی مختلف قوموں میں جو جذبۂ عمل اور ذہنیت میں جو انقلاب پیدا کیا ہے۔ اس کی مختصر کیفیت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، اسی سلسلہ میں اشارۃً ہم نے یہ بھی بتایا تھا کہ موجودہ دور حکومت میں سب سے زیادہ برادران وطن نے فائدہ اٹھایا کیونکہ انھوں نے انقلاب حکومت کے بعد ہی اپنی قوم کی اصلاح و ترقی کے لئے ایک زبردست کوشش شروع کر دی جو آج تک جاری ہے اور اس کے نتائج روزمرہ ہمارے مشاہدہ میں آ رہے ہیں۔

برادران وطن نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی قومی ترقی کے لئے جو محنت و کوشش کی اس کی مفصل داستان بیان کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے تاہم ایک حد تک جد وجہد کی تفصیل پیش کی جاتی ہے لیکن اس سے پہلے ہم برادران وطن کی چند قومی خصوصیات کی وضاحت مناسب سمجھتے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوگا کہ شخصی و قومی معاملات میں ان کا طریقۂ کار کیا ہے اور وہ مسلمانوں کے طریقہ و انداز سے کس قدر مختلف ہے۔

برادران وطن کی ایک قومی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بے سود بحث گفتگو میں زیادہ وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ خاموشی سے اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ تخیل کی دنیا میں بلند پروازی نہیں کرتے، نہ ان میں مسلمانوں کی طرح یہ خطرناک بلند نظری ہے کہ جو کام کریں ہمیشہ بڑے پیمانہ پر اور ہنگامہ آرائی انداز میں کریں ورنہ اس سے دست بردار ہو جائیں۔ ان خصوصیات کی مزید وضاحت حسب ذیل تصریحات سے ہو سکتی ہے۔

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک تعلیم یافتہ مسلمان جب تک وہ بالکل مجبور نہ ہو معمولی تنخواہ کی ملازمت قبول کرنے سے تامل کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ ایسی ملازمت کی تلاش و جستجو میں رہتا ہے جس کی تنخواہ معقول ہو، اور ملازمت کی نوعیت ایسی ہو کہ جس میں لوگوں پر حکومت کرنے کا موقع ملے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسی ذہنیت کے لوگ چھوٹی ملازمت کے مقابلہ میں بیکاری و جمود کی زندگی زیادہ پسند کرتے ہیں اور اگر کبھی ایسی ملازمت اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں تو ہمیشہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ یہ جگہ ہمارے مرتبہ سے فروتر ہے۔

اس کے مقابلہ میں ایک ہندو بروقت ضرورت چھوٹی سے چھوٹی ملازمت بے تامل قبول کر لیتا ہے البتہ وہ ہمیشہ کے لئے اس پر قناعت نہیں کرتا بلکہ یہ کوشش کرتا رہتا ہے کہ اپنی محنت، کارگزاری اور حسن تدبیر سے افسروں کی خوشنودی حاصل کر کے مزید ترقی کرے چنانچہ بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ جس دفتر یا محکمہ میں وہ بطور ایک کلرک یا معمولی عہدہ دار کے داخل ہوا تھا اس کا ایک ذمہ دار افسر بن جاتا ہے۔

ملازمت کی طرح تجارتی کاروبار میں بھی ایک مسلمان و ہندو کی ذہنیت کا اختلاف صاف طور پر نظر آتا ہے، مسلمان جب کسی تجارت یا کاروبار کا ارادہ کرتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ معقول سرمایہ سے بڑے پیمانہ پر اپنا کام شروع کرے، برخلاف اس کے ایک ہندو اس کی پروا نہیں کرتا، وہ چھوٹے سے چھوٹے سرمایہ سے مختصر پیمانہ پر اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ سر پر خوانچہ رکھ کر دن بھر شہر کی گلیوں، اور محلّوں میں گھومتا رہتا ہے اور پھیری لگا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے۔ اس محنت و کوشش کی بدولت وہ شام تک چند آنے کما لیتا ہے جس میں سے تھوڑا تھوڑا پس انداز کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بتدریج اس کے پاس اتنا سرمایہ ہو جاتا ہے کہ بڑے پیمانہ پر اپنا کام شروع کر سکے، ہر شہر میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ ایک شخص نے اسی طرح نہایت معمولی پیمانہ پر اپنا کام شروع کیا لیکن کچھ مدت بعد وہ اپنی لگاتار محنت و کوشش سے ایک بڑا تاجر یا ٹھیکہ دار بن گیا اور اس کی ترقی کی بدولت اس کے ہم قوم بھی کام سے لگ گئے اور روزی کمانے لگے۔

قومی خدمت کے طریقوں میں بھی ہندو مسلمانوں کی ذہنیت میں یہی اختلاف پایا جاتا ہے، مسلمان عموماً ابتدا ہی سے ہر کام کو وسیع پیمانہ پر کرنا چاہتے ہیں، لیکن بسا اوقات ایسے وسائل مہیا نہیں ہوتے کہ وہ کام مطلوبہ پیمانہ پر ہو سکے۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ چند روز میں ان کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور کام رہ جاتا ہے۔

بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی تعلیم گاہ یا انجمن کا آغاز بڑی شان و شوکت سے ہوتا ہے اور ایک شاندار مجمع میں اس کا افتتاح عمل میں آتا ہے جس سے متاثر ہو کر لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ ادارہ جس کا آغاز اس زور شور سے ہوا ہے قوم کی حالت میں انقلاب پیدا کر دے گا لیکن کام کرنے والوں کی عملی قوت آغاز کار ہی میں ختم ہو جاتی ہے اور ادارہ کو پروان چڑھنا نصیب نہیں ہوتا۔

برادران وطن کا طریقہ ان معاملات میں یہ ہے کہ اگر انھیں بڑے پیمانہ پر کام کرنے کے وسائل و اسباب میسر نہیں ہیں تو وہ معمولی طریقہ پر اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور اسی دھن میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ بتدریج گرد و پیش کے لوگوں کی توجہ اس کام کی طرف منعطف ہوتی ہے وہ اسے دیکھنے آتے ہیں جانچتے ہیں اس کے بعد اگر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام ان کی قوم کے لئے حقیقت میں مفید ہے تو اس کی مالی و اخلاقی مدد کرتے ہیں، اور کام کرنے والوں کی ہمت بڑھاتے ہیں، نیز نہایت فراخدلی سے اس کی خدمات کا اعتراف کر کے قوم سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کی مدد کرے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ قوم کے دوسرے افراد میں بھی قومی خدمت کا جذبہ و ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برادران وطن میں قومی خدمت کرنے والوں

کی تعداد بہت زیادہ ہے جو انہماک و یکسوئی سے اپنے کام میں مصروف ہیں اور انھیں اس کا یقین ہے کہ اگر ہمارا کام اچھا ہے تو قوم ضرور ہماری مدد کرے گی۔

اس کے مقابلہ میں ہمارے یہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی محنت و کوشش سے کوئی مفید کام انجام دیتا یا کسی قومی ادارہ کو خوش اسلوبی سے چلا کر دکھاتا ہے اور اس کی وجہ سے اُسے کچھ شہرت یا نیک نامی حاصل ہوتی ہے تو بہت سے مخالف و حاسد پیدا ہو جاتے ہیں جو اُس کے کام پر نکتہ چینی کرتے ہیں، عیب نکالتے ہیں، ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کوشش کرتے ہیں کہ یہ کام اُس کے ہاتھ سے نکال کر ان معترضین کے حوالے کر دیا جائے، تاکہ وہ اُسے اپنے خیال کے مطابق زیادہ بہتر طریقہ سے چلا سکیں، یعنی جب ایک شخص کام کے ابتدائی زمانہ میں ہر قسم کی تکلیف و مشقت برداشت کر کے اس کی بنیاد مضبوط کر دے اور کام چالو ہو جائے تو اب دوسرے لوگ بے محنت و بے مشقت اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے ذریعہ سے قوم میں شہرت و امتیاز حاصل کریں،

اس میں شک نہیں کہ برادران وطن میں بھی اس قسم کے چالاک لوگ اور عیار لیڈر موجود ہیں جو دوسروں کو راستہ سے ہٹا کر اور گرا کر خود آگے بڑھنا چاہتے ہیں مگر اول تو ایسے لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں دوسرے اُن کے عوام میں اب اس قدر بیداری اور معاملہ فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ اپنی قوم کے اچھے بُرے کام کرنے والوں کو خوب سمجھتے اور ہر کام کو کاروباری نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے چالاک لوگ زیادہ مدت تک قومی کاروبار میں دخیل نہیں رہ سکتے، کیونکہ قوم انھیں نظر انداز کر دیتی ہے۔ اور جب ایک دفعہ وہ قومی کام کرنے والوں کی جانی بوجھی ٹولی سے علٰحدہ ہو جاتے ہیں تو دوبارہ انھیں قوم میں نمودار ہونے کا موقع نہیں ملتا لیکن ہماری قوم اپنی شرافت اور نیک نفسی و سادہ دلی سے ایسے غلط کار لیڈروں اور کارکنوں کو دوبارہ قومی کاروبار میں داخل ہونے کی اجازت دیدیتی ہے اور وہ پھر ویسے ہی ثابت ہوتے ہیں۔

برادران وطن کی مذکورۂ بالا خصوصیات بیان کرنے کے بعد اب ہم حتی الامکان اختصار کے ساتھ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ موجودہ دور حکومت میں برادران وطن نے اپنی قوم کی اصلاح و فلاح اور زندگی کے ہر شعبہ میں قومی ترقی کے لئے کس قدر کام کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزی حکومت ملک پر اچھی طرح مسلط ہو گئی اور برادران وطن نے یہ اندازہ کر لیا کہ اب پُرانی حکومت افسانۂ ماضی بن گئی اور جدید حکومت کے پاس ایسے وسائل موجود ہیں کہ ملک پر اُس کا مستقبل قائم رہے گا اور کوئی اندرونی یا بیرونی طاقت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی، تو انھوں نے لامحالہ یہ کوشش شروع کر دی کہ حکومت سے تعاون کر کے اپنی قوم کے لئے بیش از بیش فائدہ حاصل کریں جیسے کہ پہلے مسلمانوں کی حکومت میں انھوں نے گوناگوں فائدے اُٹھائے تھے اور فارسی زبان سیکھ کر حکومت کے مختلف دفتروں اور محکموں میں دخیل ہو گئے تھے۔

(۱) چونکہ جدید حکومت کو سب سے پہلے ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو حکمراں قوم کی زبان سے آشنا ہوں اور سرکاری دفتروں میں کام کر سکیں اس لئے برادران وطن نے بھی سب سے پہلے انگریزی تعلیم حاصل کرنے پر توجہ کی، حکومت کی طرف سے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی گئی اور جو لوگ تعلیم پا کر باہر نکلے انھیں حسب لیاقت ملازمتیں دی گئیں، تعلیم کا یہ منفعت بخش نتیجہ دیکھ کر لوگوں میں اور زیادہ [illegible] انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، [illegible] جدید تعلیم کا ابتدائی دور تھا اور حکومت کو اپنے دفتروں کے لئے ہزاروں انگریزی داں لوگوں کی ضرورت تھی کیونکہ معمولی تنخواہوں پر کام کرنے والے کلرک باشندگی انگلستان سے نہیں آ سکتے تھے، اور اگر آتے بھی تو دیسی زبانوں کی ناواقفیت کی وجہ سے اپنا کام ٹھیک طریقہ سے انجام نہیں دے سکتے تھے، اس لئے ضروری تھا کہ انگریزی داں کلرک ہندوستان ہی میں مہیا کئے جائیں۔

غرض برادران وطن نے حکومت کی اس ضرورت کا احساس کر کے فائدہ اٹھایا۔ اور جدید تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے، ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کے علاوہ اُن کے لئے کوئی چارۂ کار بھی نہ تھا کیونکہ اُن کا کوئی خاص نظام تعلیم ملک میں موجود نہ تھا، اگر تھوڑی بہت مذہبی تعلیم رائج تھی تو وہ برہمنوں کے ایک مختصر حلقہ میں محدود تھی لہٰذا اگر وہ انگریزی نہ پڑھتے تو کیا کرتے،

اس موقع پر یہ مسئلہ ہمارے موضوع بحث سے الگ ہے کہ مسلمانوں نے اس ابتدائی دور میں انگریزی پڑھنے پر کیوں توجہ نہیں کی؛ اس کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے، مثلاً ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مذہبی تعصب و غفلت کی وجہ سے انگریزی تعلیم پر توجہ نہیں کی، اس کے برخلاف دوسری جماعت حکومت اور برادران وطن کو اس کا ذمہ دار قرار دیتی ہے اور اس کے وجوہ و اسباب بیان کرتی ہے، غرض جو وجہ بھی ہو، واقعہ بجائے خود یہ ہے کہ برادران وطن نے مسلمانوں سے بہت پہلے انگریزی تعلیم شروع کر دی اور اس پہل کا فائدہ وہ آج تک اٹھا رہے ہیں، یعنی آج بھی وہ تعلیم میں آگے ہیں اور مسلمان پیچھے، یعنی جو فاصلہ اُن کے اور مسلمانوں کے درمیان قائم ہو گیا تھا وہ اب بھی موجود ہے،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اب مسلمان بھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کر رہے ہیں اور بحالت موجودہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تعلیم کی طرف سے غافل ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ اُن کے موجودہ حالات سازگار نہیں ہیں اس لئے باوجود کوشش وہ برادران وطن کے دوش بدوش تعلیمی ترقی نہیں کر سکتے، اس مسئلہ پر تفصیلی بحث بالفعل ہمارے موضوع سخن سے خارج ہے، اس موقع پر صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ انگریزی عہد حکومت میں سب سے زیادہ برادران وطن نے تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی اور یہ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ وہ تعلیم کے ہر شعبہ خصوصاً اعلیٰ تعلیم میں مسلمانوں سے پیش پیش ہیں، اور ان کی یہ تعلیمی ترقی کسی صوبہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ ہر صوبہ میں یہاں تک کہ اُن صوبوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے تعلیم میں بڑھے ہوئے ہیں۔

جبل پور [illegible]

تقریب { آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں ملک کے ہر گوشہ سے اکابرین، رؤسا اور وزرا و مندوبین اور متعلقین کی شرکت کی توقع ہے۔ لہذا اُن کی سہولت و رہنمائی کی غرض سے شہر جبل پور کے مخصوص قدرتی مناظر یعنی بھیڑا گھاٹ (ماربل رکس) دھنواں دھار آبشار اور صنعت و حرفت کے کارخانے جات مثلاً کھمریا ایمونیشن فیکٹری، آرڈیننس گن کیرج فیکٹری اور آئی اے، او اسی ٹریننگ سنٹر شہر اول وغیرہ کا مختصر ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

وقوع { جغرافیائی حیثیت سے جبل پور ہندوستان کے وسط میں واقع ہے۔ بمبئی سے آنے والی گریٹ انڈین پیننسولا ریلوے کی خاص لائن پر انارسی سے ۵۳ اور الہ آباد سے ۲۲۹ میل کے فاصلہ پر جبل پور جنکشن ہے۔ دکن کی جانب سے ناگپور اور گونڈیا ہو کر بنگال ناگپور ریلوے آتی ہے۔

شہر { اسٹیشن پلیٹ فارم سے ملحق ہر میڈن کا رستوران اعلیٰ اور اوسط درجہ کے مسافرو کے لئے ہے۔ اسٹیشن پر تانگہ اور سواری کا معقول انتظام ہے۔ اسٹیشن سے سو گز کے فاصلہ پر رجہ گوکل داس کا عظیم الشان دھرم شالہ ہے۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر نو تعمیر لیڈی ایلگن زنانہ ہسپتال ہے جس کی عمارت موجودہ انجنیری کا اعلیٰ نمونہ ہے اس سے ملحقہ ضلع کچہری اور سیشن جج کی عدالت ہے۔ تھوڑے ہی دور اسپشل آرمڈ کانسٹیبلری کا نیا ادارہ اسپیشل ٹریننگ کالج کی بلڈنگ میں قائم ہے یہاں پولس کو اچھوتے طریقہ پر تعلیم دی جاتی ہے۔ اور فوجی جنگ کے کرتب سکھائے جاتے ہیں۔ اس کالج کی عمارت کے ساتھ [illegible] پبلک کا تیار کردہ نیا تالاب ہے جو صوبہ کے لئے اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کے بالمقابل قیدیوں کا فارسٹری اسکول اور حرفتی ورکشاپ ہے۔ جبل پور زمانہ قدیم میں ٹھگوں کی قیام گاہ تھا۔ چنانچہ اُن ٹھگوں کی رہبری وغیرہ کے طریقوں کے نمونے جات اب تک [illegible] اسکول میں محفوظ ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر منارہ ساعت یا گھنٹہ گھر ہے۔ اس جگہ ہم شہر میں داخل ہوتے ہیں اور سرِراہ ہماری مجلس استقبالیہ کا دفتر ہے۔ یہاں سے نصف میل کے فاصلہ پر قلب شہر میں انجمن اسلامیہ ہائی اسکول کی رفیع الشان عمارت کے وسیع و کشادہ میدان میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا عظیم الشان پنڈال ہے۔ جس میں سرسید گیٹ کے علاوہ متعدد گیٹ ہیں۔ پنڈال میں قریباً ۷۵ ہزار نفر کی گنجائش ہے۔ اسکول کی عمارت کل صوبہ کے اسکولوں میں سب سے زیادہ خوشنما اور عالیشان ہے۔ اس مدرسہ کی افتتاح میں سرسید مرحوم نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ ضلع کچہری کی پشت پر گورنمنٹ ہائی اسکول اور مدرسین کا ٹریننگ کالج و ٹیلیگراف آفس ہے۔ یہاں سطح زمین پر ہندوستان کا ایک بڑا نقشہ بنا ہوا ہے جس میں بذریعہ تجربہ بتایا گیا ہے کہ شہر جبل پور وسط ہند ہے۔ شہر کے طول و عرض میں [illegible] کا انتظام ہے۔

مدن محل { مغرب کی جانب شہر سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں تک جزء و نیم آبادی ہے۔ اس پُرفضا مقام پر ہلکے پانی کا ایک چشمہ ہے جس کا پانی مساوی الحجم معمولی پانی کے وزن سے نصف ہوتا ہے اور متعدد امراض کے مریضوں کے لئے مفید ہے۔ مدن محل قدیم بھارت کے گونڈ راجاؤں کی یادگار ہے۔ نیز گوتم بدھ، اشوک اور گپت خاندان کے زمانہ کی یاد دلاتا ہے۔ رانی درگاوتی کے محل کی بنیاد سطح زمین سے ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر محض ایک پتھر پر کھڑی ہے۔ جو فی ذاتہ محیر العقل ہے اور دیکھنے والا اس کو یوں دیکھتا رہ جاتا ہے۔ محل کے قریب نقارہ کی صورت کا ایک پتھر کھڑا ہے جس کے متعلق روایتی طور پر مشہور ہے کہ رانی درگاوتی کی نیابت گاہ تھی۔ خشک سوکھے ہوئے سبزہ کے پچیس گز کے میدان کی داہنی طرف دو پتھر اس طرح کھڑے ہیں جیسے دو عاشق آپس میں معانقہ کر رہے ہوں۔ ان کے ڈیڑھ انچ کی سانس ہے اور ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "نولا کھ کی مایہ گڑھی دو ٹھونوں کے بیچ" سیس اکثر دفینے مل جایا کرتے ہیں۔ سرکار گورنمنٹ کی تلاش پر قدیم اشرفیوں کے بدرے اور سونے کی اینٹیں پائی گئی ہیں۔ محل کی پشت پر رانی کا "آم خاص" ہے۔ یہ ایک بڑے تالاب کے وسط میں دس گز کے تاج پر سرو قد قائم ہے۔ یہاں کشتی پر سوار وہ پر عظمت ملکہ اپنی سہیلیوں کے ہمراہ سترہ سنگھار کے ساتھ غسل کے لئے آتی تھی۔ اس جگہ کھڑے ہو کر آواز دو تو صدائے بازگشت کبھی کرخت کبھی شیریں اور کبھی ایسی کہ کوئی پہاڑی پر کھڑا صدا لگانے والے پر پھبتی کس رہا ہے، معلوم ہوتی ہے محل کے قریب رانی کا اصطبل، فیل خانہ، عدالت دیوانی اور دیگر امرا کی عمارتیں محض نقوش پا رفتہ کی طرح باقی ہیں۔ یہ جگہ رانی درگاوتی اور دلپت شاہ کی تاریخ تعفیہ و قصہ معاشقہ کی یاد دلاتی ہے۔

شہر کی خاص پختہ سڑک یہاں تک بڑھتی ہوئی ماربل راکس کو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیر شاہ سوری اسی راستہ سے یہاں آیا تھا اور اورنگ زیب نے یہاں دکن جانے کے لئے سب سے پہلے سلسلہ وندھیاچل عبور کیا تھا۔ مدن محل سے دو میل کے فاصلہ پر رانی کی پسن ہاری کی مڑھیا ہے جو اب مذہبی شوالہ میں تبدیل ہو گیا ہے۔ یہ پہاڑ پر دو سو گز کی اونچائی پر ہے اور تقریباً پانچ سو ستر زینہ ہیں۔ یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر گوارا گھاٹ دریائے نربدا پر ہے جہاں تری پوری کانگریس کا جلسہ ہوا تھا، یہ مقام اپنی گود میں بے شمار فریب نظر قدرتی مناظر لئے ہوئے ہے۔

بھیڑا گھاٹ (ماربل راکس) { کانفرنس کے پنڈال سے بارہ میل مغرب کی جانب بھیڑا گھاٹ دریائے نربدا کے کنارہ سے ہے۔ ایک پختہ پل کے ذریعہ دریا کو عبور کیا جاتا ہے جس کی دوسری جانب ڈاک بنگلے اور ایک سرائے ہے۔ انگریز اور یورپ کے سیاح بغرض سیر وہاں آکر ان ڈاک بنگلوں میں قیام پذیر ہوتے ہیں۔ سنگ مرمر اور قلعی کے پتھر پر اپنی بچی کاری کے نمونے بنا کے ہیں اور روزانہ استعمال، سنگھار اور آرسا کے ڈرائنگ روم کی آرائش کی اشیاء اور قلمدان وغیرہ پر محض اپنی یادداشت سے پرانے سورما اور ہند و دیوتاؤں کے نادر مجسمے بناتے ہیں۔ ماربل راکس میں قیمتی رنگ برنگ کا سنگ مرمر ملتا ہے جو عماد الدولہ عارف جنگ فتح پور کی عمارتوں میں اور شاہ جہاں کے مقبرے پر دیکھنے میں آتا ہے۔ ڈاک بنگلہ کی پشت پر ندی کی عمق و نمائی سو فٹ ہے اور پانی سیاہ نظر آتا ہے

دریا کی روانی ہموار ہو رہی ہے درخت خوش نظر ہیں قریب ہی ملاح کشتی لئے مسافروں کا انتظار کرتے ہیں کشتی کھلی فضا سے گذر کر دورویہ سنگ مرمر کے تنگ راستے سے گزرتی ہے ؎

نربدا کی خوش نما موجیں ہیں بل کھائی ہوئی
ماکسی بدمست کی نظریں ہیں لہرائی ہوئی
سبزۂ دورویہ ہم کو دعوتِ نظارہ ہے
دونوں جانب خلد کی رنگینیاں چھائی ہوئی

دورویہ سنگ مرمر کی چٹانیں خط مستقیم سو دو سو فٹ کی بلندی تک اوپر اٹھتی گئی ہیں۔ نربدا کا عرض سنگ مرمر کی دیواروں کے درمیان صرف بیس فٹ ہو گیا ہے۔ ہندی دیومالا کے مطابق سنگ مرمر کی اس پہاڑی پر وشنو، شنکر اور نربدا مائی آپس میں ملے تھے۔ اور ہنومان جی نے اسی سنگ مرمر کی چٹان پر لنکا جاتے وقت آرام کیا تھا۔ کشتی کے مسافروں کو یہ برف سے زیادہ سفید سربفلک پہاڑیاں آپس میں ملتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور نگاہ بلندی پر پہنچتے پہنچتے ٹھہرا جاتی ہے مرمریں دیواریں اس قدر قریب ہو جاتی ہیں کہ بندر اس جانب سے اس جانب چھلانگ مار کر آ جا سکتا ہے۔ اس مقام کو عرف عام میں "بندر کودنی" کہتے ہیں۔ یہ ہوش ربا مقام چودھویں کی چاندنی میں اور بھی نکھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور مرمریں دیواریں مثل دیویوں کے نظر آتی ہیں۔ جیسے جیسے چاند آگے بڑھتا ہے ایک طرف کی دیوار مرمریں پر دھندلکا سا چھا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عروس نو اپنے دولہا کے پہلو میں لجائی کھڑی ہے ؎

دونوں جانب دستا بستہ سنگ مرمر کے پہاڑ
دیویاں جنگل کی ہوں جس طرح شرمائی ہوئی
ہائے بھیڑا گھاٹ میں دریا کا سیمیں آبشار
چاندنی میں موج موج اسکی ہے نہلائی ہوئی

آبشار دھنواں دھار اس جگہ سے آگے بڑھ کر دریا نہایت جوش وخروش و غیظ و غضب سے بپھر کر نکلتا اسی فٹ کی بلندی سے شور و مد کے ساتھ پتھریلی چٹانوں پر گرتا ہے جس کی وجہ سے پانی کی باریک پھوار ڈیڑھ سو فٹ اونچی اٹھتی ہے اور دودھیا دھنواں اطراف تک پھیلتا ہے اور اسے "آبشار دھنواں دھار" کہتے ہیں۔ ؎

پتھروں کو ساتھ لے جاتا بہا کر اپنے ساتھ
جس طرح دستِ اجل میں زندگی آئی ہوئی
ہر طرف چاندی کے ننھے ننھے تو ار رواں
خلد سامانی سے کیا کیا زینت آرائی ہوئی

ایسے دلکش نظر فریب دور دس ور آغوش قدرتی مناظر بقول قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح فیلز اور یورپ کے دیگر ممالک نیز بابل اور نینوا میں بھی دیکھنے میں نہیں آتے۔

چونسٹھ جوگنی دھنواں دھار سے سو گز کی دوری پر آثار قدیمہ کی یادگار چونسٹھ جوگنی کا مندر ہے۔ اس میں سینکڑوں سنگین عریاں و نیم عریاں دیویوں کے مجسمے ٹوٹے پھوٹے ہوئے ایک حلقہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ کسی کی ناک کسی کا پستان اور مختلف اعضا اس طرح کٹے ہوئے ہیں جیسے کسی بے رحم نے تلوار سے کاٹا ہے۔ اس کے متعلق لوگوں نے اپنی اپنی قیاس آرائی کے مطابق بیشمار عجیب و غریب قصے گڑھ لئے ہیں۔

فوجی اور جنگی اسلحہ جات کے کارخانے شہر سے پورب کی طرف تین میل کے فاصلہ پر گن کیرج فیکٹری ہے۔ جو ہندوستان کا دوسرے نمبر کا کارخانہ ہے۔ جس میں توپ گاڑیاں اور مختلف النوع اسلحہ جات تیار کئے جاتے ہیں۔ اس قلعہ میں تقریباً پچیس ہزار اشخاص شبانہ روز کام کرتے ہیں۔ یہاں سے آگے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی کے دامن میں فوجی آرسنل ہے جس میں میگزینیں ہیں۔ اور قریباً سات ہزار نفر کام کرتے ہیں۔ یہ ہندوستان کا سب سے بڑا آرسنل ہے اس کے بالمقابل فوجی ڈپو ہے۔ جہاں بارود اور جنگی ضروریات کے دیگر اسلحہ جات جمع ہوتے ہیں۔ ڈپو کی دوسری جانب گورنمنٹ کا سو سالہ رابرٹسن کالج ہے جس کی عمارت سیاہ پتھر کی چھوٹے قلعہ کی شکل کی ہے۔ کالج کی پشت پر ایک خوشنما چھوٹا تالاب ہے جس میں طلبہ کشتی رانی سیکھتے ہیں۔

آرسنل سے چار میل کے فاصلہ پر آرڈننس کھمریا ایمونیشن فیکٹری ہے۔ جس میں گولہ بارود اور چھوٹے اسلحات تیار کئے جاتے ہیں۔ فیکٹری کوارٹرز سات آٹھ تین میل کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جس وجہ سے یہ خطہ ایک چھوٹا خوشنما شہر معلوم ہوتا ہے۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ کھمریا فیکٹری ایشیا کے برِ اعظم کی اوّل درجہ کی بڑی فیکٹری ہے۔

جبل پور جنگی ضروریات کے پیش نظر فوجی مرکز بن گیا ہے اور یہاں بریگیڈ کے علاوہ آئی اے او سی کا ہندوستان میں پہلے نمبر کا ٹریننگ سنٹر ہے ان فوجی اور صنعت و حرفت کے کارخانوں کے باعث ملک کے گوشہ گوشہ سے لوگ بغرض ملازمت اکٹھا ہو گئے ہیں۔ تین سال کے عرصہ میں تقریباً سہ چند یعنی چھ لاکھ آبادی ہو گئی ہے۔

طعام و قیام کانفرنس کی جانب سے عمائدین ملک، مندوبین و شرکا کانفرنس کے لئے ہر قیام گاہ پر نہایت آرام و آسائش کا ہوٹلوں کا انتظام ہے لیکن جو حضرات بالخصوص علٰحدہ قیام کرنا پسند فرمائیں تو وہ دیگر ہوٹلوں سے براہ راست خط و کتابت کر سکتے ہیں یا مجلس استقبالیہ کو ۵ اپریل تک مطلع فرما دیں تاکہ حسب منشا اُن ہوٹلوں میں انتظام کرایا جا سکے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ متعدد ہوٹلیں انگریزی طرز کی شہر میں موجود ہیں جو قابل اعتماد ہیں مثلاً رائل ہوٹل، جیکسن ہاسپس، کنگز لے اور پیکو ڈا کی ہوٹلیں سول لائن میں اور پنجابی ہوٹل، ماڈرن اور گرینڈ ایرانی ہوٹلیں شہر میں ہیں۔

سید عبدالہادی عفی عنہ، میونسپل کمشنر
جنرل سکریٹری مجلس استقبالیہ آل انڈیا مسلم
ایجوکیشنل کانفرنس جبل پور، سی، پی،

تجاویز پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں جو ۱۰ و ۱۱ مارچ ۱۹۴۷ء کو زیر صدارت خان بہادر مولوی فضل الرحمٰن صاحب ایڈوکیٹ رئیس شاہجہانپور لکھیم پور کھیری میں منعقد ہوا بحث و گفتگو کے بعد بہت سی مفید تجاویز منظور ہوئیں۔ ان میں سے اکثر تجاویز جو اہم و ضروری ہیں ذیل میں شائع کی جاتی ہیں،

ایڈیٹر

۱۔ مطالبات کے وفد کی باریابی پر ہز ایکسیلنسی گورنر صاحب کا شکریہ۔

چالیس مطالبات کو کامیاب بنانے کے سلسلہ میں دسمبر گزشتہ میں جو وفد ہز ایکسیلنسی گورنر صاحب صوبہ کے سامنے حاضر ہوا تھا اور جس نے مطالبات

عرصہ سے گورنمنٹ کے زیر غور چلے آئے تھے پیش کئے گئے۔ ہز ایکسیلینسی موصوف نے جس غور و توجہ سے وفد کی گزارشات کو سنا یہ کانفرنس اس کے لئے موصوف کا شکریہ ادا کرتی ہے معلوم ہوا ہے کہ ان مطالبات میں سے صرف چار مطالبات منظور ہو گئے ہیں اور بقیہ مطالبات کی بابت امید دلائی گئی ہے کہ وہ زیر غور ہیں یہ کانفرنس امید کرتی ہے کہ ان کی بابت جلد از جلد احکام منظوری صادر فرمائے جائیں گے۔

۲۔ سکریٹری تعلیم ریاست کو اجلاس کانفرنس شرکت کی اجازت عطا فرمانے پر فرمانروائے رامپور کا شکریہ

یہ کانفرنس ہز ہائینس اعلیٰ حضرت فرمانروائے رامپور کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ حضور موصوف نے اپنی ریاست کے سکریٹری تعلیم مولوی ظفرالدین احمد صاحب کو شرکت اجلاس کانفرنس کی اجازت فرما کر صوبہ کی مسلم تعلیمی کانفرنس کو اس بات کا موقعہ عطا فرمایا کہ وہ رامپور کی تعلیمی حالت اور روز افزوں ترقی کے حالات سے باخبر ہو کر اس صوبہ کی مسلم تعلیم کی ترقی کے مسئلہ میں رہنمائی حاصل کرے۔

۳۔ مسلم یونیورسٹی سے السنہ مشرقی کے امتحانات کا مطالبہ

یہ کانفرنس مسلم یونیورسٹی سے درخواست کرتی ہے کہ وہ السنہ مشرقی کے امتحانات کا جلد از جلد انتظام کرے۔ اور مسلمانوں کی اس قومی ضرورت کو پورا کرنے میں تساہل سے کام نہ لے۔

۴۔ مسلم یونیورسٹی سے جرنلزم کی تعلیم کی درخواست

موجودہ دور سیاست میں پریس کی قوت اور اہمیت سب سے زیادہ ہے اور بعد جنگ اس کی قوت میں یقیناً بہت زبردست اضافہ ہو جائے گا اور یہی ایک ذریعہ حکومت اور پبلک پر اثر ڈالنے کا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کے پاس پریس ہے اور نہ وہ جرنلزم سے واقف ہیں اس لئے یہ کانفرنس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ ایک چیئر یونیورسٹی میں جرنلزم کی قائم کرے

۵۔ ڈائرکٹریٹ سررشتہ تعلیم کے افسران اعلیٰ میں ایک مسلمان افسر کے تقرر کا مطالبہ۔

یہ کانفرنس گورنمنٹ صوبہ متحدہ کی خاص توجہ اپنے اس مطالبہ کی طرف مبذول کرتی ہے [illegible] سے سررشتہ تعلیم صوبہ ہذا کے افسران اعلیٰ متعینہ ہیڈ کوارٹرس میں سے کوئی افسر مسلمان یعنی ڈائرکٹر ڈپٹی ڈائرکٹر اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر نہیں رہا ہے اور پرزور درخواست کرتی ہے کہ دفتر مذکور کے ان افسران اعلیٰ میں سے کم از کم ایک افسر ضرور مسلمان رکھا جاوے۔

۶۔ مدرسین مکاتب کیلئے ٹریننگ اسکول کی ضرورت

یہ کانفرنس اس تجویز کے ذریعہ یوپی حکومت کی توجہ مکاتب کے مدرسوں کے لئے ٹریننگ درسگاہ کی اہم ضرورت کی طرف مبذول کراتی ہے۔ اور اس معاملہ میں جس دلچسپی کا اظہار جناب ڈائرکٹر صاحب نے فرمایا ہے اس کا اعتراف اور شکریہ ادا کرتی ہے

۷۔ انگریزی امدادی اسکولوں کی ملازمت کے استحکام کا معاملہ

صوبہ کے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ بورڈ کے ایک جلسہ میں جو گزشتہ فروری میں الہ آباد میں ڈائرکٹر صاحب تعلیمات کی صدارت میں منعقد ہوا تھا ایک کمیٹی اس غرض سے مرتب ہوئی ہے کہ امدادی انگریزی اسکولوں کے اساتذہ کی ملازمت کو استحکام دیا جائے۔ یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے کہ کمیٹی مذکور اپنی سفارشات کو پہلے رائے عامہ حاصل کرنے کے لئے شائع کرے تاکہ اس کانفرنس کو موقع مل سکے کہ وہ ان سفارشات پر غور کر سکے اور اس بارے میں اپنی رائے دے سکے۔

۸۔ او۔ ٹی۔ آر کے ٹکٹوں پر اردو کا فقدان

روہیلکھنڈ کمایوں ریلوے جب زیر اہتمام کمپنی تھی تو مسافروں کی سہولت کے لئے۔ جہاں ہندی، انگریزی میں اسٹیشنوں کے نام لکھے جاتے تھے وہاں اس صوبہ کی خاص زبان اردو کو بھی جگہ دی گئی تھی لیکن ۱۹۴۳ء سے جب سے کہ یہ لائن حکومت کے اہتمام میں آگئی ہے اور او۔ ٹی۔ آر نام رکھا گیا ہے حیرت ہے کہ انگریزی اور ہندی کو باقی رکھا گیا ہے لیکن اردو کو اس سے اس سے غائب کر دیا گیا اس لئے یہ کانفرنس حکومت کی اس پالیسی کے خلاف پرزور احتجاج کرتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ اردو بھی ہندی اور انگریزی کے ساتھ قائم رکھی جائے۔

۹۔ اوقاف کی آمدنیاں اور تعلیم

یہ کانفرنس سنی اور شیعہ اوقاف بورڈ کی توجہ اس طرف منعطف کرتی ہے کہ وہ ہر ضلع کے متعلق ایک اسکیم تیار کرے کہ تمام اوقاف کی وہ آمدنیاں کہ جو تعلیم کے لئے وقف ہیں کس طرح بہ طریقہ احسن مسلمانوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کی ترقی میں ایک خاص نظام کے ماتحت صرف کی جا سکتی ہیں۔ اور وقف بورڈ یہ بھی تجویز کرے کہ اوقاف کی ایسی کون کون سی آمدنیاں ہیں کہ جو بوجہ اس کے کہ وہ خاص مصرف جس کے لئے وہ وقف کی گئی تھیں اب موجود نہ ہونے کی وجہ سے بمد تعلیم منتقل کی جا سکتی ہیں ان دونوں تجاویز پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ضلع کے لئے یہ تعین کیا جا سکے کہ اوقاف سے کس قدر رقم مسلمانوں کی تعلیم کے لئے حاصل کی جا سکتی ہے۔

۱۰۔ ہر ضلع میں نسواں ہائی اسکول کی ضرورت

چونکہ مسلمانوں میں تعلیم نسواں کی ضرورت کا احساس روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اس لئے یہ کانفرنس گورنمنٹ سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہر ضلع میں ایک نسواں ہائی اسکول کھولنے کا انتظام کیا جائے کہ جس میں پردہ کا خاص انتظام ہو۔ اور لڑکیوں کو اسکول تک آنے جانے کے لئے سواری کا انتظام بھی گورنمنٹ کی طرف سے کیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کے خاندان جو پردہ کے پابند ہیں اپنی لڑکیوں کو ان مدارس میں بھیج سکیں۔

۱۱۔ مسلمان انسپکٹریس کے تقرر کا مطالبہ

چونکہ اس صوبہ کے مسلمانوں کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ وہ بغیر امداد کے تعلیمی ترقی کر سکیں اس لئے گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مسلمان لڑکیوں کی کمی تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی تعلیمی امداد میں اضافہ کرے تاکہ مسلمان اپنی لڑکیوں کے تعلیمی تناسب کو دوسری قوم کی لڑکیوں کے تعلیمی تناسب کے برابر لا سکیں۔

(ب) یہ کانفرنس حکومت یوپی سے مطالبہ کرتی ہے کہ جس طرح اسلامیہ اسکولوں کی نگرانی کے لئے ایک ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہے اسی طرح نسواں مدارس کی نگرانی کے لئے ایک مسلمان انسپکٹرس کا تقرر کیا جائے تاکہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کی خاطر خواہ ترقی ہو سکے۔

۱۲۔ تعلیم بالغان کا انتظام

یہ کانفرنس حکومت صوبہ متحدہ کو توجہ دلاتی ہے کہ جس طرح تعلیم بالغان کو ترقی دینے کے لئے

عملی تدابیر بذریعہ محکمہ توسیع تعلیم کوشش کی جا رہی بالغہ عورتوں کی تعلیم کی اسکیم بھی منظور کر کے اس کے اجراء کے لئے کافی فنڈ عطا کرے اور تعلیم بالغات کے واسطے مناسب احکام صادر کرے۔

۱۳۔ خواتین سے زنانہ مکاتب کیلئے اپیل

یہ کانفرنس مسلمان بچیوں کی ابتدائی تعلیم کو ترقی دینے کے لئے اس امر کی سفارش کرتی ہے کہ ان بستیوں میں جہاں مسلمانوں کی کافی آبادی ہو لڑکیوں کے زنانہ مکاتب کھولے جائیں اور متعلقہ میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں سے امداد ملنی چاہئے۔ اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے ہر ضلع کی سربرآوردہ اور تعلیم یافتہ خواتین سے اپیل کی جائے کہ وہ اپنے اپنے مقام پر ایسے مکاتب اپنی نگرانی اور اہتمام میں جاری کرائیں اور قواعد تعلیمی ڈسٹرکٹ بورڈ کے قاعدہ ۱۰ کے مطابق جو بموجب احکام گورنمنٹ میونسپلٹیوں میں بھی قابل نفاذ ہیں امداد حاصل کریں۔

۱۴۔ جامعہ آگرہ کے امتحانات

یہ کانفرنس گورنمنٹ اور سررشتۂ تعلیم سے درخواست کرتی ہے کہ جامعہ آگرہ کے امتحانات کو جلد از جلد ریگنائز کر کے مسلمانوں کو اس بات کا موقع دے کہ وہ اردو زبان کی ترقی اور ترویج میں خاطر خواہ کام کر سکیں۔

۱۵۔ شعبۂ اردو کے اغراض کا تعین۔

اردو کانفرنس کا یہ اجلاس حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی مقرر کرتا ہے کہ اندر دو ماہ شعبۂ اردو کے اغراض و مقاصد کا تعین کرے۔ اور اردو کی ترقی و ترویج کے ذرائع تجویز کرے۔

جناب اسد اللہ صاحب کاظمی الہ آباد، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی علی گڑھ، پروفیسر حامد اللہ صاحب افسر لکھنؤ، سید اسد علی صاحب انوری، عبد الشکور صاحب پرنسپل حلیم مسلم انٹر کالج کانپور،

نیز تجویز ہوا کہ جناب اسد اللہ صاحب کاظمی اس کمیٹی کے کنوینر ہوں گے۔

۱۶۔ اردو کے مدرسین کے لئے ریفریشر کورس

اردو کانفرنس کا یہ اجلاس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پرزور سفارش کرتا ہے کہ اردو کے مدرسین کے لئے ایک ریفریشر کورس کی بنیاد ڈالے جو ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کالج کے اردو ٹیچرس کو ہر سال تین تین مہینہ کا ٹریننگ کورس دیا کرے۔

۱۷۔ فن خوشنویسی کی تعلیم

اردو کانفرنس کا یہ اجلاس یو پی گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ خوشنویسی کی تعلیم مثل موسیقی کے بطور مضمون اختیاری کے اینگلو ورنا کیولر مدارس میں رائج کی جاوے۔ (از اخبار روداد کانفرنس بدایوں)

انگریزی عہد حکومت اور برادران وطن

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

(۲) تعلیم کے بعد دوسری چیز جس پر برادران وطن نے توجہ کی وہ "کسب معاش کے وسائل" ہیں تعلیم پا جانے کی وجہ سے ایک ذریعۂ معاش یعنی ملازمت خود بخود ان کے ہاتھ آ گیا تھا چنانچہ آج بھی حکومت کے چھوٹے بڑے محکمہ میں ان کی اکثریت ہے، خصوصاً اعلیٰ ملکی عہدے زیادہ تر انھیں کے ہاتھ میں ہیں، لیکن اس کے علاوہ تجارتی کاروبار پر بھی ان کی پوری توجہ ہے، ان کے تعلیم یافتہ اصحاب ملک کے مالی مسائل اور اقتصادی معاملات سے دلچسپی رکھتے ہیں، اور ان کے سرمایہ دار ہمیشہ دولت بڑھانے کی تدبیروں میں مصروف رہتے ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی قوم کے سب افراد میں روپیہ کمانے اور بچانے کا ایک خاص جذبہ کارفرما ہے۔

اسلامی عہد حکومت میں بھی تجارتی کاروبار زیادہ تر ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں تھا اور دولت کمانے میں وہ سب سے پیش پیش تھے اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ دولت کمانے کا فن ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں انھوں نے تجارتی کاروبار کے متعلق علمی و عملی واقفیت و تجربہ حاصل کر کے اور زیادہ ترقی کی ہے ان کے بہت سے نوجوان یورپ اور امریکہ جا کر موجودہ طریقۂ تجارت اور صنعت و حرفت کے متعلق کافی معلومات اور بصیرت حاصل کی اور اس کے بعد واپس آ کر ان معلومات سے اپنی قوم کو فائدہ پہنچایا۔ چنانچہ آج برادران وطن کی بہت سی تجارتی کمپنیاں، بینک اور کارخانے موجود ہیں جو کروڑوں روپیہ کا کاروبار کر رہے ہیں اور ان کے لاکھوں افراد یعنی حصہ دار کاروبار پرداز اور مزدور اس کاروبار سے بے اندازہ دولت پیدا کر رہے ہیں،

آج ہندوستان کا کوئی صوبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں زرکشی کے لئے کاروبار کا یہ جال پھیلا ہوا نہ ہو، خصوصاً آج کل برادران وطن کے سرمایہ داروں نے ملوں اور کارخانوں کے ذریعہ سے اس قدر کثیر دولت پیدا کی ہے جو اندازہ و قیاس سے باہر ہے، یہ کارخانے اس زمانہ میں شبانہ روز کام کر کے کروڑوں روپیہ کا مال تیار کر رہے ہیں جو تیار ہوتے ہی کارخانوں سے باہر چلا جاتا ہے۔

ضرورت کی سینکڑوں چیزیں جو پہلے یورپ امریکہ یا جاپان سے آتی تھیں اب ان کارخانوں میں تیار ہو رہی ہیں اور اچھی بری جیسی بھی ہیں بوجہ ضرورت ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں، اس وقت لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ چیز کیسی ہے؟ بلکہ اس کا مل جانا غنیمت سمجھتے ہیں۔ ہمارے صوبہ میں "دیال باغ آگرہ" ضرورت کی بہت سی چیزیں تیار کرتا ہے جو عموماً مضبوط نفیس ہوتی ہیں اس لئے بازار میں ان کی اچھی خاصی مانگ ہے اور ہر صوبہ میں فروخت ہو رہی ہیں،

ملوں اور کارخانوں کے علاوہ شخصی انفرادی حیثیت سے بھی برادران وطن نے انگریزی عہد حکومت بہت ترقی کی ہے لاکھوں سرمایہ دار اور ٹھیکہ دار ہندوستان کے ہر گوشہ میں موجود ہیں جو مختلف قسم کا کاروبار کر رہے ہیں اور جو تجارتیں پہلے مسلمانوں کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھیں اب وہ سرعت کے ساتھ ان کی طرف منتقل ہو رہی ہیں، غرض برادران وطن ہندوستان کے سارے کاروبار پر اس طرح حاوی ہو گئے ہیں کہ اب حکومت کے لئے بھی ان سے بے نیازی ممکن نہیں ہے۔

یہ ایسا زمانہ تھا کہ اگر مسلمانوں کے پاس "سرمایہ" اور "کاروباری تجربہ" ہوتا تو وہ تجارتی ادلٹ پھیر اور کاروبار کے ذریعہ سے مسلمان خاندانوں کو جو نان شبینہ کے محتاج ہیں اور فاقہ کشی یا دریوزہ گری کر رہے ہیں خوش حال و فارغ البال بنا سکتے تھے لیکن افسوس ہے کہ ان کے پاس ان دونوں میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔

بیشک مسلمانوں میں لاکھوں کاریگر [illegible] موجود ہیں جو طرح طرح کی نفیس چیزیں تیار [illegible]

...حالت ہے معمولی مزدوری کے علاوہ اور ... غیر مسلم سرمایہ دار جوان کے ... ہیں اُن کی کاریگری و محنت شاقہ ... کروڑوں روپیہ کما رہے ہیں۔ اور مسلمان کاریگر ... سمجھنے کے بعد بھی اُن کے پنجہ ستم سے آزاد نہیں ہو سکتے، کیونکہ نہ اُن کے پاس سرمایہ ہے نہ تعلیمی قابلیت، اس لئے وہ اس گرداب میں جس میں وہ پھنس گئے ہیں کسی طرح نہیں نکل سکتے، اور اب جو زمانہ آرہا ہے وہ اور زیادہ خوفناک ثابت ہوگا۔

یہ داستان نہایت طویل بھی ہے اور دردناک بھی۔ ہم نے اجمالاً چند چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انگریزی عہد حکومت میں برادران وطن نے تعلیمی و مالی حیثیت سے کس قدر ترقی کی ہے اور اس کے مقابلہ میں مسلمان کیسی ناگفتہ بہ پستی کی حالت میں ہیں، اگر کہیں کہیں چند مسلمان خوش حال یا کسی کاروبار میں مصروف نظر آتے ہیں تو اس سے ہمیں ذرا بھی مطمئن نہیں ہونا چاہئے کیونکہ برادران وطن تجارتی کاروبار کی حیثیت سے اب جس درجہ پر پہنچ چکے ہیں اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی یہ کاروباری حالت محض ہیچ ہے۔ بالفعل ہم نے صرف یہ بتایا ہے کہ برادران وطن نے تعلیمی و مالی حیثیت سے موجودہ دور حکومت میں کیا ترقی کی؟ لیکن ابھی اس سلسلہ میں دو چیزیں لائق تذکرہ ہیں اور یہ بتانا ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اپنی قوم کی اصلاح و ترقی اور سیاسی بیداری کے لئے انہوں نے کس قدر سرگرمی ظاہر کی ہے۔ انشاء اللہ کسی دوسری فرصت میں ان امور پر بھی بحث کی جائے گی۔

طلبہ کو مسٹر محمد علی جناح کی نصیحت

۸ مارچ ۱۹۴۳ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے میدان میں مسٹر حسین امام لیڈر مسلم لیگ پارٹی کونسل آف سٹیٹ کے زیر صدارت پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا چوتھا اجلاس منعقد ہوا جس میں قائد اعظم محمد علی جناح نے ایک حیات افروز تقریر کے دوران میں طلبہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:۔

میرے نوجوان دوستو! تم تین مشکلات سے دوچار ہو (۱) تمہیں کسی کام کا بھی تجربہ نہیں، میں تمہیں نصیحت کروں گا کہ نظریات کی دنیا سے نکل کر عمل کی دنیا میں آؤ۔ تاکہ تمہیں آئندہ زندگی میں جن مسائل سے دوچار ہونا ہے۔ وہ تمہارے لئے آسان بن جائیں (۲) تم طالب علم ہو تمہیں اپنا سارا وقت حصول تعلیم پر صرف کرنا چاہئے۔ اگر تم نے طالب علمی کا زمانہ ضائع کر دیا۔ تو یہ وقت لوٹ کر نہ آئے گا (۳) خود بینی اور خود پرستی کو ترک کر دو۔ کسی عام جلسہ میں ایک آدھ کامیاب تقریر کر کے یہ نہ سمجھو کہ تم لیڈر بن گئے ہو۔ اور اس بھول میں پھنس کر ہمہ دانی کا دعویٰ کرنے لگو۔ یہ غلط فہمی تمہارے زوال کا باعث ہوگی۔ یاد رکھو عظیم الشان کام ہمیشہ آہستہ آہستہ پایۂ تکمیل کو پہنچا کرتے ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ سیکھو سمجھو اور پھر میدان عمل میں آ اترو۔"

طالب علم کیلئے سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ وہ وقت کی قدر کرتے ہوئے جو بلاشبہ ایک بے بہا دولت ہے حصول تعلیم میں کوشاں رہے! اور اس مرحلہ کو کامیابی سے طے کرنے کے بعد عمل کے میدان میں کامزن ہو۔ اس طرح وہ یقیناً ٹھوکر نہیں کھائیگا اور قدم قدم پر فتح و کامرانی اس کے قدم چومے گی طلبہ کو چاہئے کہ قائد اعظم کی یہ زریں نصیحتیں لوح دل پر نقش کر کے انہیں کی روشنی میں زندگی کی شاہراہ پر قدم بڑھائیں۔ اس طرح وہ نہایت آسانی سے ہنستے کھیلتے منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔

پاکستان کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ اب برادران ہنود میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو پاکستان کی تعریف میں تقریریں کر رہے ہیں۔ اور وہ روز بروز مسلمانان ہند کے نظریۂ پاکستان کو قبول کرنے پر آمادہ دکھائی دیتے ہیں۔"

آخر میں قائد اعظم نے تعلیم اور صنعت و حرفت کے باب میں فرمایا: "مسلم نوجوانوں کی طرف سے سب سے بڑا اور دوسری ہر چیز سے زیادہ اہم مطالبہ یہ ہے کہ موجودہ تعلیم پر نظر ثانی کی جائے۔ ہم مسلم طلبہ سب کے لئے آزاد و لازمی تعلیم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مگر ہمارا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ یہ تعلیم اسلامی روح اور روایات کے عین مطابق ہونا چاہئے۔ ہم اپنے حق کے پیش نظر مطالبہ کرتے ہیں کہ ہماری لیگی وزارت جو کافی عرصہ سے ہندوؤں کو ان کے تناسب سے کہیں زیادہ تعلیمی سہولتوں سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیتی ہے۔ اب خود اپنی قوم کے لئے بھی کچھ کرے اور مسلمانوں کے فائدہ کیلئے کثیر تعداد میں صنعتی اور...

تصانیف مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی

نظام سلطنت } مذہب و تمدن اخلاق و معاشرت اور قوانین سلطنت پر محققانہ بحث۔ قیمت .. .. ۱۲؍

مقدمہ تاریخ ہند قدیم } ساری دنیا کی اقوام ممالک و مذاہب علوم کا خلاصہ۔ قیمت .. .. ۱۲؍

عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں } عالمگیرؒ پر ہونیوالے تمام اعتراضات کو صرف ہندو مصنفین کی کتابوں سے غلط ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت .. .. ۱۲؍

حجۃ الاسلام } اسلام کی حقیقت اور تبلیغ اسلام کے بہترین طریقے۔ قیمت .. .. .. ۸؍

فصل الخطاب } تحریک خاکساران کے متعلق عالمانہ و محققانہ بحث۔ قیمت .. .. ۱۲؍

حج بیت اللہ } حج کی حقیقت ذہن نشین کرنے اور ترغیب حج کیلئے خاص چیز۔ قیمت .. .. ۳؍

نواب امیر خاں } نواب امیر خاں کی مستند و سبق آموز سوانح عمری۔ قیمت .. .. .. ۵؍

جنگ انگورہ } تیموریہ اور بایزید یلدرم کی سب سے بڑی لڑائی کا مفصل حال۔ قیمت .. .. ۴؍

باطل شکن } اسلام کے خلاف عیسائیوں کی کتاب تاویل القرآن کا مدلل جواب۔ قیمت .. .. ۴؍

تصانیف مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی

روح القرآن } کلام مجید کی بہترین کلید عین ضروریات زمانہ کے مطابق۔ قیمت .. .. .. ۲؍

سنگھار خانہ } مستورات کیلئے ایک تجربہ کار مشیر۔ قیمت۔ ۲؍

ماں بچہ کی نگہداشت } زچاؤں اور بچوں کے متعلق مفید اور کارآمد معلومات۔ قیمت .. .. ۶؍

رفیق زمیندار } تعلیم، صحت، زراعت، سرمایہ اندوزی اور مویشیوں کی پرورش وغیرہ پر کارآمد مضامین۔ قیمت ۸؍

روحوں کے کرشمے } روحوں کے سچے اور سنسنی خیز حالات۔ ۸؍

تصانیف مولوی قمر علی صاحب ایم اے ایل ایل بی

نصاب عرب } جدید طرز پر قلیل عرصہ میں عربی علم و ادب سکھا دینے والی کتاب۔ قیمت مکمل۔ ۸؍

المعلم } مذکورہ بالا کتاب کا ترجمہ و تشریح۔ قیمت مکمل ۱۲؍

دروس منظوم } عربی زبان کی خالق باری۔ قیمت ۱۰؍

درخت خسرو } ایک باکمال درویش کے حالات اور مقولے۔ قیمت ۱۰؍

ملنے کا پتہ: منیجر کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر۔ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر۔ محمد اکرام [illegible]

جلد (۱۵) | ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۲۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۱۲)

مسلم یونیورسٹی اسٹاف ایسوسی ایشن کی یہ علمی دلچسپی لائق تحسین ہے کہ اس نے امسال علمی مسائل پر بحث و گفتگو کرنے کے لئے جلسے منعقد کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی تشریف آوری پر ۱۱ مارچ کی شام کو ایک جلسہ اسٹاف کلب میں منعقد ہوا، جس میں سید صاحب ممدوح نے توحید و رسالت کی حقیقت و ضرورت اور اسلامی تعلیم کے محاسن پر ایک پُر مغز، فاضلانہ اور دلنشین تقریر فرمائی جو غیر معمولی توجہ سے سنی گئی، اور حاضرین بہت متاثر ہوئے، آخر میں صدر جلسہ جناب میاں محمد شریف صاحب نے تقریر کی ستائش کرتے ہوئے اس قسم کے جلسوں کی اہمیت و ضرورت پر زور دیا۔ تقریر کے بعد چائے اور اس کے پُر تکلف لوازم سے حاضرین مجلس کی دعوت کی گئی۔ اس علمی صحبت و دعوت میں ممبران اسٹاف کے علاوہ دوسرے متعدد ارباب علم بھی شریک تھے۔

یہ خبر ہم نے نہایت مسرت سے سنی کہ مسلم یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل نے حال ہی اپنے ایک جلسہ میں مسٹر نور الحسن ہاشمی ایم اے (علیگ) کو اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی ہے۔ ہاشمی صاحب کے مقالہ کا عنوان "دہلی کا دبستان شاعری" تھا جس میں دہلی کی شاعری کی خصوصیات اور اس کی ارتقائی منازل اور عہد بعہد کی اصلاحات [illegible] وضاحت سے بحث کی گئی تھی، امید ہے کہ یہ مقالہ اردو ادب میں ایک مفید اضافہ ثابت ہوگا۔ یہ مقالہ مسٹر آل احمد سرور استاد شعبۂ اردو کے زیر نگرانی تیار کیا گیا تھا، مولانا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر عبد الستار صدیقی نے بحیثیت ممتحن اس مقالہ کے متعلق ستائشی کلمات تحریر فرمائے ہیں۔ شعبۂ اردو کی یہ خدمت لائق تحسین ہے۔ ابھی حال ہی ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی صاحب نے بھی اردو میں ۔ ۔ ۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی، امید ہے کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جو سالانہ اجلاس ۱۶ تا ۱۸ اپریل ۱۹۴۴ء جبل پور میں منعقد ہونے والا ہے اس کی صدارت کے لئے آنریبل سر محمد عزیز الحق صاحب ایم اے ڈی لٹ سی آئی ای کا ممبر گورنمنٹ آف انڈیا کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ سر ممدوح کو تعلیمی مسائل سے جو عمیق واقفیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور بنگال لیجسلیٹو اسمبلی کے اسپیکر رہ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ "کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی" کے سلسلہ میں مسلمانان ہند کی تعلیمی حالت کی تحقیقات کے لئے آپ نے تقریباً تمام ہندوستان کا دورہ کیا ہے۔

سر موصوف ایک قابل مصنف بھی ہیں۔ [illegible] یونیورسٹیوں میں آپ نے ایسے کنووکیشن ایڈریس پڑھے ہیں جو ماہرین تعلیم کے حلقہ میں غیر معمولی توجہ کے مستحق سمجھے گئے۔ آپ کے [illegible] تعلیم کے مسائل سے خاص دلچسپی اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے عمیق تعلق ہے اس لئے امید ہے کہ موجودہ حالات میں جبکہ ملک میں ایک تعلیمی انقلاب [illegible] سر ممدوح کا خطبۂ صدارت تعلیمی معاملات [illegible] اور مسلمانوں کی صحیح طریقہ سے رہنمائی کرے [illegible] تعلیمی انقلاب ملک میں [illegible] مسلمانوں کو اس قسم کی رہنمائی کی [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ مارچ سنہ ۱۹۴۴

جنگ کے زمانہ میں تعمیری کام کی ضرورت

آج دنیا میں چاروں طرف جنگ کا غلغلہ برپا ہے جو قومیں براہ راست اس ہولناک جنگ میں شریک ہیں ان کی مصیبت و تکلیف کی کوئی حد نہیں ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ جس ملک پر فضائے آسمانی سے نہایت تباہ کن اور آتش افروز بم پھینکے جا رہے ہوں، سمندر سے کوہ پیکر جنگی جہاز گولہ باری کر رہے ہوں اور زمین پر بھی دشمن کی فوجوں نے ہنگامہ کار زار برپا کر رکھا ہو۔ اس ملک میں رہنے والے انسانوں کی کیا حالت ہوگی۔

اس کے علاوہ جو ملک براہ راست جنگ میں مبتلا نہیں ہیں وہ بھی اس کے مصائب سے محفوظ نہیں۔ خود ہندوستان کی اس جنگ کی وجہ سے جو حالت ہے، اور یہاں لوگوں پر جو کچھ گزر رہی ہے کون شخص اس سے ناواقف ہے۔ بنگال میں جو ہولناک مصیبت آئی اور لاکھوں انسان جس طرح موت کا شکار ہوئے وہ ابھی کل کی بات ہے، اور آج بھی بنگال اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں یہ حالت ہے کہ لاکھوں انسانوں کو رشتہ جان و تن کا باہمی تعلق قائم رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ گویا جنگ کے مصائب اتنے دور رس اور عالمگیر ہیں کہ جن ممالک کی سرزمین پر جنگ نہیں ہو رہی ہے وہ بھی گوناگوں مصائب و مشکلات سے محفوظ نہیں یعنی ساری دنیا ایک شدید کرب و اضطراب کی حالت میں ہے۔

اب دوسرا رخ دیکھئے کہ باوجود ان سخت مصائب اور ناسازگار حالات کے دنیا کا کاروبار بدستور ہو رہا ہے، مال کی آمد و رفت اور تجارتی کاروبار جاری ہے، سمندروں میں جہاز اور زمین پر ریل گاڑیاں اور ہر قسم کی سواریاں چل رہی ہیں، کارخانے پوری سرگرمی سے اپنا کام کر رہے ہیں اور کسان نہایت محنت و عرق ریزی سے اپنا فرض ادا کرنے میں مشغول ہے، شراب خانے، قہوہ خانے اور ہوٹل کھلے ہوئے ہیں جہاں قہقہوں کا ایک شور برپا ہے، جام و صراحی گردش میں ہے اور لوگ فکر فردا سے غافل کیف و سرور کی حالت میں مگن بیٹھے ہیں۔

حد یہ ہے کہ عین خطرہ کی حالت میں محفل رقص و سرود گرم ہے، اور حاضرین کی بیخودی کا یہ عالم ہے کہ کسی کو بھی وقت کی نزاکت کا احساس نہیں۔ اسی حالت لطف و سرور میں دفعتہ ہوائی جہاز رقص خانہ پر نمودار ہوتے ہیں اور ایسی شدید گولہ باری کرتے ہیں کہ چند منٹ میں یہ شاندار رقص خانہ ایک وحشتناک کھنڈر بن جاتا ہے۔ اور رقص کرنے والیوں کے بدن کے ٹکڑے دور دور جا گرا کرتے ہیں۔ یہ کوئی فرضی قصہ نہیں بلکہ انگلستان کا ایک واقعہ ہے جو پچھلے سال اخباروں میں چھپ چکا ہے۔

ان حالات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کے روزمرہ کے کام امن ہو یا جنگ ہر حالت میں جاری رہتے ہیں، یہاں تک کہ تفریحی مشاغل بھی بند نہیں ہوتے خصوصاً زندہ و ترقی یافتہ قومیں تو کسی حالت میں بھی تعطل و جمود کی زندگی گوارا نہیں کرتیں اُن کی عملی سرگرمیاں ہمیشہ جاری رہتی ہیں۔ لیکن ہندوستان کی عجیب ذہنیت ہے یہاں بہت سے کاموں کو جو ملک و ملت کے مفاد سے تعلق رکھتے ہیں یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ "یہ جنگ کا زمانہ ہے" جنگ کے بعد دیکھا جائے گا۔ خود حکومت بھی بہت سے کاموں کو زمانہ مابعد جنگ کے لئے ملتوی کر رہی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بحالت موجودہ جبکہ بدقسمتی سے ہمارا ملک جنگ میں پھنس گیا ہے، ہم سب اہل وطن کا پہلا فرض یہ ہے کہ پوری قوت اور باہمی تعاون سے اپنے وطن کی حفاظت اور دشمن کی مدافعت کے لئے کوشش کریں اور ہر قسم کے تفریحی مشاغل اور غیر ضروری کاموں کو نظر انداز کر دیں' لیکن جو تعمیری کام ملک و ملت کے مفاد سے تعلق رکھتے ہیں وہ جنگ کے زمانہ میں بھی نظر انداز نہیں کئے جا سکتے، دنیا میں ہمیشہ سے "تخریب و تعمیر" کا عمل جاری رہا ہے۔ جنگ ایک تخریبی عمل ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ تعمیری کام بھی جاری رہے تاکہ ہم میں اس قدر صلاحیت و استعداد باقی رہے کہ اس خونریزی و ہنگامہ آرائی سے ہمارے کاموں میں جو پراگندگی، ابتری اور تخریب واقع ہو، دنیا میں امن قائم ہونے پر ہم اس کی اصلاح کر سکیں'

جنگ ایک ایسی چیز ہے جو کم و بیش ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مائل کر لیتی ہے' اور لوگ بہت سے ضروری کاموں سے غافل ہو جاتے ہیں' لیکن یہ ذہنیت قومی مفاد کے لئے سخت مضر ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ جنگ کی شدت کے زمانہ میں بھی اپنے مفاد اور تعمیری کام سے غافل نہ رہیں ورنہ جنگ کے بعد ہمیں اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

ہمارا صرف یہی فرض نہیں ہے کہ جنگ کے زمانہ میں تعمیری کام جاری رکھیں بلکہ آنے والے زمانہ کے لئے بھی تیاری کریں کیونکہ دانشمند و عاقبت اندیش قومیں شدائد جنگ کی حالت میں بھی مستقبل پر اپنی نظر رکھتی ہیں چنانچہ آج کل بھی یورپ و امریکہ کے بہت سے مدبر "مسائل بعد از جنگ" پر غور و بحث کرنے میں مصروف ہیں'

کوئی شخص یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ اس لڑائی کا انجام کیا ہوگا لیکن یہ خطرہ ہر شخص محسوس کر رہا ہے کہ جنگ کے بعد بیروزگاری اور کساد بازاری کا ایک زبردست دور شروع ہوگا۔ اس لئے ہمیں بھی دور اندیش و ترقی یافتہ قوموں کی طرح تمام آنے والے مصائب کے لئے پہلے سے تیار رہنا چاہیے تاکہ مستقبل میں ناسازگار حالات پیش آنے کی وجہ سے ہم مضطرب و بدحواس نہ ہوں۔ کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اگر اسے دفعتہ کسی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے تو قدم ڈگمگاتے ہیں اور صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر پہلے سے خطرہ کا احساس ہو تو ہمت و حوصلہ سے مصائب کا مقابلہ کرتا اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتا ہے' غرض عین

زمانۂ جنگ میں اور جنگ کے بعد بھی ہمیں اپنے قومی مفاد سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

قومی مفاد کے تحفظ کے لئے جن تعمیری کاموں کی ضرورت ہے اُن میں سے ایک چیز تعلیم بھی ہے، اس کے علاوہ قوم میں کسب معاش کی صلاحیت پیدا کرنا اور مختلف ذرائع معاش بہم پہنچانا بھی ایک اہم خدمت ہے۔ تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی ترقی کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح قوم کو افلاس و فاقہ کشی سے بچانا بھی ضروری ہے کیونکہ جس قوم کی مالی و اقتصادی حالت ابتر ہو وہ نہ کوئی کام دینی ہو یا دنیوی انجام نہیں دے سکتی، لہذا جنگ کے زمانہ میں ان اہم بنیادی چیزوں کی طرف سے اعراض نہیں کیا جا سکتا البتہ غیر اہم یا تفریحی چیزیں نظر انداز کی جا سکتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جنگ نے ہمارے ہر کام میں ابتری و پراگندگی اور رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں اس لئے ہمارے بہت سے شخصی و قومی کام یا تو تعطل و جمود کی حالت میں ہیں یا بہت آہستگی سے چل رہے ہیں لیکن اس دور تخریب کے گزرنے کے بعد جب امن و سکون کا زمانہ آئے گا تو حسب استطاعت و قابلیت ہم میں سے ہر شخص کو لازمی طور پر تعمیری کام میں مصروف ہونا پڑے گا تاکہ اُن شدید نقصانات کی تلافی ہو سکے جو جنگ کی وجہ سے کم و بیش ہر ملک کو پہنچے ہیں اور جن کے آثار زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہیں۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی حادثہ مثلاً سیلاب، زلزلہ یا آتش زدگی کی وجہ سے کسی آبادی کو شدید نقصانات پہنچتے ہیں تو ان حادثوں کے ختم ہو جانے کے بعد جب لوگوں کے ہوش و حواس ٹھکانے پر آتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ ان آفات و حوادث سے کس چیز کو کیا نقصان پہنچا۔ اس کے بعد تلافی مافات کی کوشش کی جاتی ہے اور تعمیری کام شروع ہوتا ہے ٹوٹے پھوٹے مکانوں کی مرمت ہوتی ہے یا از سر نو تعمیر کئے جاتے ہیں اور حتی الامکان یہ کوشش کی جاتی ہے کہ آفت رسیدہ مکانات پہلے سے زیادہ مضبوط بنائے جائیں تاکہ آئندہ وہ اس قسم کے حادثوں کا اچھی طرح مقابلہ کر سکیں۔ اسی طرح جن سڑکوں میں طوفان نے نشیب و فراز پیدا کر دئے ہیں وہ از سر نو درست کی جاتی ہیں، غرض ہر شخص حادثہ کے اثرات کو دور کرنے اور از سر نو اپنا کام شروع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح جنگ بھی ایک زبردست ہلاکت آفریں طوفان ہے جو انسانوں کے نظام حیات کو یکسر درہم و برہم کر دیتا ہے اور اس کے اثرات اتنے دور رس ہوتے ہیں کہ ہر شخص کم و بیش ان سے متأثر ہوتا ہے غرض جب جنگ ختم ہو جاتی ہے تو وہ اپنے پیچھے بہت سے تکلیف دہ آثار چھوڑ جاتی ہے۔ اب جو لوگ اس جنگ کے بعد زندہ رہ گئے ہیں اُن کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ جنگ کے ہولناک اثرات و نقوش کو مٹا کر ایک ایسی فضا پیدا کریں جو مختلف قوموں کو سکون و اطمینان سے کاروبار کرنے اور کام کرنے کا موقع دے۔

جنگ کی وجہ سے ہندوستان پر جو مصیبت آئی خدا کا شکر ہے کہ وہ اُس مصیبت کے مقابلہ میں بہت کم ہے جس میں یورپ کے مختلف ملکوں کو مبتلا ہونا پڑا۔ وہاں یہ حالت ہے کہ بمباری نے ہزاروں بلکہ لاکھوں عمارتوں یعنی مکانوں، کارخانوں، تعلیم گاہوں، گرجوں اور ہسپتالوں وغیرہ کو توڑ پھوڑ کر کھنڈر بنا دیا ہے، انگلستان کے مختلف شہروں خصوصاً لندن پر مہینوں فضائی حملے ہوتے رہے، اور اب جرمنی پر ہو رہے ہیں لیکن غالباً روس کی تباہی سب سے زیادہ خوفناک ہے کیونکہ جنگ کے ابتدائی دور میں روس نے پیچھے ہٹتے وقت اپنی ہر کار آمد چیز کو خود اپنے ہاتھوں سے جلایا اور بُری طرح برباد کیا، پل، سڑکیں، اجناس خوردنی اور جنگی سامان کے ذخیرے غرض ہر چیز مکمل طور پر برباد کر دی گئی۔ اور اب شکست خوردہ جرمنی پیچھے ہٹتے وقت یہی کارروائی کر رہا ہے۔ اسی طرح یورپ کے دوسرے چھوٹے چھوٹے ملک جرمنی کے ہاتھوں بُری طرح برباد ہوئے۔ جن کے حالات اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں،

اب یہ ظاہر ہے کہ جنگ کے بعد اُن ممالک میں جہاں یہ تباہی و بربادی ہوئی ہے ایک زبردست تعمیری دور شروع ہوگا۔ اور ہر ملک کی حکومت اور عام آبادی سب سے پہلے اس کوشش میں معروف ہوگی کہ جنگ کی وجہ سے جو تباہی ملک پر آئی ہے اور جو بربادی ہوئی ہے اس کی تلافی و اصلاح کی جائے یعنی پہلے شکستہ و برباد شدہ مکانوں، کارخانوں، سرکاری دفتروں، پلوں اور سڑکوں وغیرہ کی مرمت یا از سر نو تعمیر کی جائے یا اسی طرح کے جو دوسرے مختلف نقصانات جنگ کی وجہ سے پہنچے ہیں اُن کی تلافی کر کے سابقہ حالت بحال کی جائے۔ چنانچہ اخباروں میں یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ انگلستان میں ماہرین کی ایک کمیٹی قائم ہوئی ہے۔ جس نے جنگ کے بعد لندن کی از سر نو تعمیر و تشکیل کے متعلق ایک اسکیم مرتب کی جس پر عملدرآمد ہونے کی صورت میں کروڑوں پونڈ اور ایک طویل مدت جو غالباً پچاس سال ہے خرچ ہوگی

اسی طرح ہر جنگ زدہ ملک میں کروڑوں روپیہ اور طویل زمانہ اصلاحی و تعمیری کاموں میں صرف ہوگا۔ غالباً اس سلسلہ میں روس کو سب سے زیادہ کام کرنا ہوگا۔ اور بڑے بڑے شہر، قلعے، کارخانے از سر نو تعمیر کرنے پڑیں گے غرض جنگ کے بعد ایسا دور شروع ہوگا جو یکسر تعمیری اور شدید مصروفیت کا ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان ابھی تک اس قسم کی بربادی سے محفوظ ہے۔ البتہ اُسے جنگ کے بعد اقتصادی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ تعلیم کے سلسلہ میں بھی شدید جدو جہد کی ضرورت پیش آئے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر طویل و غیر معمولی جنگ کے بعد ملک کے نظام حکومت میں ایک زبردست سیاسی انقلاب واقع ہوتا ہے۔ بعض دفعہ یہ انقلاب اتنا غیر معمولی ہوتا ہے کہ نظام حکومت کلیتہً بدل جاتا ہے، جیسے پچھلی "جنگ عظیم" کے بعد روس، جرمنی اور ٹرکی وغیرہ میں اتنا زبردست انقلاب ہوا کہ شخصی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور جو شاہی خاندان صدیوں سے تخت حکومت پر جلوہ افروز تھے، وہ ہمیشہ کے لئے گمنام و بے نشان ہو گئے۔ ان ممالک کے علاوہ کم و بیش ہر ملک میں انقلاب ہوا۔ یہاں تک کہ ہندوستان جیسے ملک میں بھی اصلاحات نافذ

خطبۂ صدارت کانفرنس متحدہ

پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبۂ متحدہ کا جو اجلاس ۱۰ مارچ ۱۹۴۲ء کو لکھیم پور کھیری میں منعقد ہوا۔ اُس کی صدارت خان بہادر مولوی فضل الرحمٰن صاحب ایم ایل اے ایڈوکیٹ شاہجہانپور نے فرمائی۔ آپ نے اس موقع پر جو خطبۂ صدارت دیا اُس کے اہم و ضروری حصے ذیل میں شائع کئے جاتے ہیں۔ ایڈیٹر

خطبہ کے شروع میں مسلمانانِ ہند کے تعلیمی انحطاط اور سرسید اور اُن کے جانشینوں کی خدمات کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد آپ نے فرمایا:

اپنے بچّوں کو تعلیم یافتہ بنانے کی ضرورت کسی دلیل یا توضیح و تشریح کے ساتھ ظاہر کرنے کا موقع نہیں۔ کیونکہ اب شہروں اور قصبات کے مسلمانوں میں خدا کے فضل و کرم سے تعلیم کافی مقبول اور ہر دلعزیز ہو گئی ہے لیکن ہماری کم مایہ قوم کو اُن ذرائع کی بڑی احتیاج ہے جو ہمارے بچّوں کو حصولِ تعلیم کے قابل بنائیں۔ صوبجاتِ آگرہ و اودھ میں اسلامیہ اسکول اور کالج صرف معدودے چند ہیں جن کا شمار انگلیوں پر کیا جا سکتا ہے۔

محض ہائی اسکول پاس یا ڈگری یافتہ افراد کی تعداد میں اضافہ تعلیم کا مقصد نہیں۔ تربیت یافتہ اور سچے مسلمان تیار کرنا ہمارا نصب العین ہونا چاہئے جو معارفِ علم کا اسلامی تصور پیشِ نظر رکھ کر پورا ہو سکتا ہے۔ وہ تصور اُن مقصد و بنیادی اصول و مقاصد سے اختلاف رکھتا ہے جو موجودہ زمانہ کی تعلیم کا حاصل ہیں۔ آج کل اسکول عموماً اسبابِ معیشت کی فراہمی اور سرکاری ملازمت کے معیار کی تربیت گاہ خیال کیا جاتا ہے۔ اور وہ ایسے کارآمد پرزوں کی تیاری و ساخت میں لگا رہتا ہے جنہیں صرف وہ باتیں سکھائی جاتی ہیں جو اُن کی مادی فلاح و بہبود کی ترقی کے لئے مفید ثابت ہو سکیں۔

اس سے یہ مراد نہیں کہ موجودہ زمانہ کے مدارس میں اخلاقی تعلیم کا وجود نہیں لیکن یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ دورِ قدیم میں غالب مطمحِ نظر روحانی تھا اور اخلاقی و دینی تہذیب و تربیت مقدم تھی [illegible] ذہنی و عقلی تربیت پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اسلامی عہد میں انسان کی محمود خصائل پر عقیدۂ کامل اور اس عقیدہ کے ساتھ موزوں و مناسب روش و طریقۂ کارِ تعلیم کے لئے نمایاں عناصر تھے۔ اور طالبِ علم کو حقوق المعبود و حقوق العباد کی بجا آوری سکھانا حقیقی منشائے تعلیم تھا۔ موجودہ نظامِ تعلیم طلبا کو محض کشمکشِ زیست کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرتا ہے۔ ہمارے موجودہ ضابطہ میں مادی ترقی مقدم چیز ہے اس لئے مروّجہ نظام بطور مطمحِ نظر کے ہماری ضروریات کے لئے اطمینان بخش قرار نہیں دیا جا سکتا۔ غیر مذہبی تعلیم اعلیٰ ترین اوصاف انسانی سے متصف ہستیاں پیش کرنے میں مطلق غیر مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ آدمی بلند سے بلند تعلیم پا کر بھی ایک ایسی کس مپسی ہو سکتا ہے تہذیب اخلاق سے عاری جیسے ایک وحشی حیوان سے بمشکل ممیز کیا جا سکے۔ اگر کوئی طالبِ علم اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہے تو وہ یونیورسٹی کے امتحان میں امتیازی مقام و حیثیت حاصل کرنے کے قابل ہوتے ہوئے بھی عمدہ شہری نہیں بن سکتا۔

نہ محقق شدی نہ دانشمند
چارپائے بر و کتابے چند

اسلامی تعلیم گاہوں کی ضرورت

میری رائے میں دنیوی تعلیم کے پہلو بہ پہلو دینی تدریس بھی لازمی ہے۔ ہمارے صوبہ میں عام مشترک اسکولوں اور کالجوں کی تعداد نہایت قلیل و ناکافی ہے۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان درسگاہوں کی تعداد میں بہ نظر اصلاحِ معاملات توسیعِ تعلیم اضافہ سے کوئی قابلِ ذکر فائدہ نہیں ہوگا۔ ہم اپنے بچّوں کی تعلیم کے لئے کلیتاً مشترک اسکولوں اور کالجوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ میں قبل ازیں بیان کر چکا ہوں کہ نظامِ تعلیم جس کے ماتحت یہ درسگاہیں چلائی جا رہی ہیں ناقص و نامکمل ہے۔ مزید برآں ہمارے بچے مشترک مدارس میں عام طور پر اس حوصلہ افزائی اور ہمدردی سے محروم رہتے ہیں جو اُن کے لئے نہایت ضروری شے ہے۔ وجہ ظاہر ہے مشترک مدارس میں مسلمان معلمین و صدر مدرسین کی تعداد برائے نام ہے۔ غیر مسلم اُستاد باستثنائے بعض عام طور پر ہمارے بچّوں کے ساتھ مربیانہ ہمدردی کا اظہار نہیں کرتے۔ ہمارے طلبا کو داخل کرنے سے مختلف غیر منطقی وجوہ کی بنا پر انکار کر دیا جاتا ہے۔ اگر اتفاق سے وہاں کوئی اسلامیہ اسکول یا کالج موجود نہیں تو ایسے طلبا میں سے جن کا داخلہ مشترک درسگاہوں میں منظور نہیں کیا گیا، اکثر طالبِ علم ترکِ تعلیم پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے والدین یا سرپرستوں کی مالی حالت انہیں بغرضِ حصولِ تعلیم کسی دوسرے شہر کو بھیجنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اساتذہ کا یہ غیر ہمدردانہ برتاؤ مسلمانوں کی تحصیلِ علم میں ایک بڑی رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ ہم اپنے بچّوں کے مفاد صرف اسلامیہ اسکول اور کالج کھول کر ہی محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

ہمارے صوبہ کے بہت سے قصبات اور شہروں میں اب تک مسلم درسگاہیں قائم نہیں ہو سکی ہیں جو لازمی اور نہایت ضروری ہیں۔ ہر شہر اور قصبہ میں کم از کم ایک اسلامیہ ہائی اسکول کھولنے کی انتہائی جدوجہد کرنی چاہئے۔ مسلمان بڑی فراخدلی سے غیر ضروری مصارف برداشت کر لیتے ہیں لیکن اس اسراف میں بیشتر اخراجات شادی غمی اور اسی نوع کی دیگر تقریبات و رسومِ جاہلیت سے متعلق ہوتے ہیں۔ زندگی کی کشمکش اب آخری درجہ تک پہنچ چکی ہے اور مسلمان کامل تباہی سے اگر درحقیقت بچنا چاہتے ہیں تو انہیں آج ہی سے مستقل عہد کر لینا چاہئے کہ غیر ضروری مصارف کی تمام مدیں کلیتاً خارج کر کے پس انداز کو ایک مقامی مسلم اسکول کے قیام پر صرف کرنے کے لئے محفوظ کر لیا کریں گے۔

تجربہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ ایک معقول تجویز خواہ وہ کتنی ہی اہم اور پیچیدہ ہو، اگر کافی و واقعی جوش و سرگرمی اور قوتِ ارادی کے ساتھ مدِنظر رکھی جاتی ہے تو نہایت آسانی سے بروئے کار آ جاتی اور مقصد جلد از جلد حاصل ہو جاتا ہے۔ میں اس سلسلہ میں شاہجہانپور کا نام بطورِ مثال پیش کرتا ہوں۔ ۱۹۳۳ء سے قبل وہاں کوئی مسلم اینگلو ویرنیکولر اسکول نہیں تھا۔ اس کی غیر موجودگی شدت کے ساتھ محسوس کی گئی، اور متعدد مواقع پر لوگوں سے اس مسئلہ کو طے کرنے کے لئے طویل گفتگوئیں کی گئیں لیکن ان مجلسوں سے بجز "نشستند و گفتند و برخاستند" کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اسکول قائم نہ ہو سکنے کی وجہ سے لوگ ذاتی اعتماد کھو بیٹھے اور دل شکستہ ہو گئے لیکن ۱۹۳۳ء میں تقریباً نصف درجن شہریوں نے خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر ایک مڈل اسکول فوراً جاری کر دینے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ اسکول کرایہ کی

عمارت میں قائم کر دیا گیا جس نے اگلے ہی برس میں ایک انٹرمیڈیٹ کالج کی حیثیت اختیار کرلی۔ شاہجہانپور کوئی تجارتی مرکز نہیں، وہاں کے باشندے عام طور پر نادار ہیں، لیکن آپ یہ معلوم کرکے خوش ہوں گے کہ ہمارے کالج کی مالی حالت نہایت مضبوط و محکم ہے۔ حالانکہ آج تک اپنے شہر سے باہر کی کوئی امداد حاصل نہیں کی گئی۔ اگر دوسرے مقامات پر اسی قسم کی کوششیں کی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسے ہی اچھے نتائج رونما نہ ہوں۔ مجالس اوقاف سے خاصی مدد مل سکتی ہے۔ اگر بعض حالات میں وقف بورڈ اس مقصد کے لئے اخراجات کی منظوری کا اختیار خود نہ دے سکے تو بھی وہ متولی حضرات سے معقول عطیات اور مستقل امداد اپنا اثر استعمال کرکے ضرور بہ آسانی حاصل کرسکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ معتد بہ و قابل اطمینان سرمایہ مہیا ہوسکتا ہے بشرطیکہ تجویز کی پشت پر حقیقی جدوجہد موجود ہو۔

اسلامی تعلیم کے دشمن دینی یا فرقہ وارانہ درس گاہوں کے قیام کی سختی کے ساتھ مخالفت و مزاحمت کرتے ہیں۔ ان مدارس کے خلاف اُن کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ جو طلبا دینی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اُن میں فرقہ وارانہ جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ تنگ النظر ہیں۔ بظاہر کچھ وزنی معلوم ہوتی ہے لیکن جب غور وفکر کے ساتھ اسے دیکھا جاتا ہے تو اس کی ذاتی کمزوری اور نامعقولیت اتنی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی تشریح کی محتاج نہیں رہتی۔ تجربہ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ مشترک مدارس کے طالب علم فرقہ وارانہ جذبات سے بہت متاثر ہوتا اور بہ نسبت اُن طلبا کے زیادہ متعصب ہوتے ہیں جو مذہبی درس گاہوں میں تعلیم پاتے ہیں، سبب صاف ظاہر ہے۔ مشترک اسکولوں کے اکثر طلبا سے نا منصفانہ برتاؤ کیا جاتا ہے، وہ اپنے بچپن ہی میں تلخ ترین تجربات حاصل کرلیتے ہیں جن کا ناگوار اور دیرپا اثر اُن کی ذہنیت میں ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ فرقہ وار مدارس کے طلبا بالکل مختلف ماحول میں تعلیم پاتے ہیں۔ اُن کے کردار اسلامی اصول و عقائد کی ہم آہنگی و عقیدت کے سانچے میں ڈھلتے ہیں اور اسلام رواداری، روشن خیالی اور بے تعصبی و رواداری کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے۔

ہندوستان میں متعدد و مختلف اللسان و مختلف العقیدہ اقوام آباد ہیں۔ یہاں کے ساکن عرصہ دراز سے ساتھ ساتھ رہتے بستے آئے ہیں، فرقہ وارانہ درس گاہیں حال میں قائم ہوئی ہیں جب اُن کا وجود بھی نہیں تھا اس وقت بڑی بڑی خانہ جنگیاں اور مذہبی لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ اس افسوس ناک باہمی ناموافقت کی بنیادی اسباب کو تفصیل سے بیان کرنے اور اُن پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ فرقہ وار مدارس ملک کی دو اہم اقوام کے باہمی نفاق کا موجب نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ بقول بعض سیاست دانوں دونوں کے فساد کی اصل بنیاد اقتصادی حالات ہیں۔ اگرچہ اس ہی جیسی دیگر عظیم ہستیوں کی رائے میں اکثریت کے کوتاہ اندیشانہ رویہ نے معاملات کو اس ناقابل اطمینان درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ بہر حال فرقہ وار درس گاہیں اس خلیج کشیدگی کو وسعت دینے سے قطعاً مبرا ہیں۔ اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو صاف طور سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستان کی اقوام زمانہ سلف میں بمقابلہ دیگر ممالک کے لوگوں کے آپس میں کم لڑتی تھیں۔

ہمیں اپنے اسلاف کے طریق کار کا جائزہ انہیں کے عہد کی روشنی میں لینا چاہئے، ہمیں اُن کا موازنہ آج کل کے برطانویوں سے نہیں بلکہ تاریک عہد کے یوروپ والوں سے کرنا چاہئے۔ اگر آپ مذہبی و صلیبی جنگوں، رومن کیتھولک پروٹسٹنٹ فرقوں کی لڑائیوں اور سینٹ بارتھولومیو کے قتل عام کے متعلق غور سے مطالعہ کریں گے تو بلا تامل پکار اٹھیں گے کہ اُن کے مقابلہ میں اس تاریک عہد کے ہندوستانی آپس میں بڑی محبت کے ساتھ بسر کرتے تھے۔

اگرچہ اخوت و ہمدردی ہر مذہب میں محمود و مستحسن سمجھی گئی ہے لیکن اسلامی مساوات و آزاد خیالی کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی۔ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے لبریز ہے جو بلا کسی شائبہ ریب و شک کے ظاہر کرتے ہیں کہ پیروان اسلام انصرام حکومت و فرمانروائی کے معاملات میں ہمیشہ انتہائی کشادہ دل اور وسیع النظر ثابت ہوئے ہیں، تلوار کے زور سے اشاعت اسلام کا نظریہ غیر مسلم محققین و مورخین نے بھی رد کر دیا ہے، قرآن کریم میں نہایت صراحت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لئے استعمال زور کی مخالفت موجود ہے۔ لہٰذا مذہبی مدارس خلیج افتراق و انفراق کا موجب وسعت کسی طرح خیال نہیں کئے جا سکتے، بلکہ صحیح مذہبی تعلیم، انصاف اور رواداری کے جذبات کو مستحکم کرنے کے لئے لازمی ہیں۔

بدیں وجوہ میری قطعی رائے ہے کہ فرقہ وارانہ درس گاہیں نہ صرف مسلمان قوم کی ترقی کے لئے بلکہ مجموعی طور پر پورے ہندوستان کی رفاہ عامہ کے لئے بھی نہایت ضروری ہیں۔"

فرقہ وارانہ تعلیم گاہوں کی موزونیت یا ناموزونیت کا مسئلہ زمانہ دراز سے زیر بحث ہے اور اس کے متعلق لوگوں کا نقطۂ نظر مختلف ہے، جناب صدر نے اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے جس صاف بیانی سے کام لیا ہے وہ لائق ستائش ہے، یہ سب مسائل ایسے ہیں کہ ہمیں ان پر صفائی سے اظہار خیال کرنا چاہئے"

اس کے بعد جناب صدر نے تعلیم نسواں کے متعلق حسب ذیل خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔

تعلیم نسواں

"اب میں اس صوبہ کی تعلیم نسواں کے متعلق چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں، ہماری مستورات تعلیم میں بہت پیچھے ہیں، وہ مشترک مدارس سے پردے کی مشکلات کی وجہ سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرسکتیں۔ بعض جدید الفکر اور آزاد خیال اصحاب پردہ کے مخالف ہیں۔ لیکن میرا خیال ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ پردہ کے مصالح و منافع بے حد و بے شمار ہیں، مستورات کی موجودہ حالت میں انہیں غیر محدود مطلق العنان آزادی دے دینا صریح نادانی ہے، اگرچہ میں ایسے سخت پردہ کا حامی ہرگز نہیں ہوں جو اُن کی ترقی میں سد راہ ہو۔ آزادی مطلق العنان سے میری مراد یہ ہے کہ ہماری خواتین کو رقص گاہوں، تھیٹروں اور اسی طرح کے دوسرے غیر پاکیزہ تفریحی مقامات کے قریب نہیں جانا چاہئے۔ پردہ اس ملک میں قرنہا قرن سے رائج ہے اور ہماری قوم کے موجودہ معاشرتی و تمدنی حالات کسی طرح پردہ ترک کرنے کی اجازت نہیں دیتے چونکہ ابھی ابتدائی و ثانوی تعلیم نسواں ہی محتاج توجہ ہے اس لئے میری رائے میں فی الحال اعلیٰ تعلیم کے مکمل اہتمام کی زیادہ ضرورت نہیں ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ مستورات کو اعلیٰ

تعلیم دی جائے، جیسا کہ اعلیٰ تعلیم ہے، اور ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے مکمل طور پر جاری ہو جانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کی طرف کافی جد و جہد کے ساتھ توجہ کرنی چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ تعلیم نسواں کی راہ دشوار گزار ہے جس میں سنگین مشکلات حائل ہیں، لیکن "دختے نیست کہ آسان نشود"۔ کچھ مدت کے بعد موجودہ موانع میں بھی کمی ہو جائے گی اور انشاء اللہ اس وقت ہماری خواتین پورے طور پر فائدہ حاصل کر سکیں گی۔ سر دست موجودہ مدارس نسواں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہونا چاہیئے۔ اگر طالبات کے لئے فرقہ وار اسکول کھولے جائیں گے تو مجھے یقین ہے کہ ان درس گاہوں میں والدین اپنی لڑکیوں کو بھیجنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کریں گے۔ اس کا فوری آغاز معزز و معتبر اصحاب کے مکانات میں زنانہ خانگی مکاتب کے افتتاح سے ہونا چاہیئے۔ زنانہ ٹریننگ اسکول بھی انتہائی ضروریات وقت سے ہیں اس لئے کہ مسلم تربیت یافتہ معلمات کی تعداد "الشاذ کالمعدوم" ہے۔

اردو کے ذریعہ تعلیم ہونے کا مسئلہ

تعلیم نسواں کے مسئلہ پر اظہار خیال کرنے کے بعد جناب صدر نے اردو کی موجودہ حیثیت اور اس کے ذریعہ تعلیم قرار دیئے جانے پر بھی بحث کی ہے جو ذیل میں ملاحظہ کیجیے۔

"سائنس یا علوم طبعیات کی تعلیم سہل الحصول بنانے کے لئے ایک معین درجہ تک مادری زبان میں ہونی چاہیئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ذریعۂ تدریس انگریزی زبان رکھی جائے، طالب علم جب اعلیٰ جماعت میں پہونچے اور انگریزی کی معقول استعداد پیدا کر لے اس وقت ذریعۂ تعلیم انگریزی زبان سے تبدیل کر دینا چاہیئے۔ یہ منہاج یا ضابطۂ تدریس نہایت مفید ثابت ہوگا کیونکہ جس وقت تک طالب علم انگریزی زبان بہ آسانی سمجھ لینے کے قابل نہ ہو سکے گا وہ تمام سائنس و منضبط علوم کی تحصیل اپنی ذاتی زبان میں کر سکے گا۔ اعلیٰ جماعتوں میں اس کی انگریزی معلومات اس کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائیں گی اور وہ انگریزی زبان کے ذریعہ سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرے گا۔ اس طرح بچے علوم و فنون بسہولت حاصل کر لیں گے اور انگریزی زبان پر بھی اچھی طرح قادر ہو جائیں گے۔

اردو ہندوستان کی بین الاقوامی زبان ہے اور یہی وہ تنہا زبان ہے جسے ہندوستانیوں کی غالب ترین اکثریت بولتی اور سمجھتی ہے۔ تمام شمالی ہند خصوصاً صوبجات آگرہ و اودھ میں کوئی زبان اتنی آسانی سے نہیں سمجھی جاتی جتنی کہ اردو۔ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے۔ ابتداً تو ہندوستانی مسلمانوں کی زبان فارسی تھی لیکن ہندوستان کے مسلم و غیر مسلم باشندگان کے مدتہائے مدید تک مسلسل ربط و ضبط سے ایک نئی بولی عالم وجود میں آئی اور اردو کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ زبان فارسی، عربی، سنسکرت، انگریزی اور دیگر زبانوں کے الفاظ سے لبریز ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کے سرمایہ میں برابر ترقی ہوتی گئی اور اب یہ ایک مکمل زبان ہے، اس میں فارسی کی شیرینی اور عربی و سنسکرت کی وسعت پائی جاتی ہے۔

اردو زبان حد درجہ سہل الحصول ہے اور بہت آسانی سے سیکھی جا سکتی ہے اس لئے کہ اس کے قواعد بالکل سادہ ہیں، عربی و سنسکرت کے صرف و نحو کی طرح ادق و پیچیدہ نہیں۔ [illegible] اور جدید الفاظ کی آزادانہ نگر موروں و مناسب درآمد نے اس کی ترقی کو بہت تیز رفتار کر دیا ہے۔ سنسکرت اور بھاشا کے عسیر الفہم و تلفظ لغات کو فارسی و عربی کے مانوس و مشہور عام اور روز مرہ الفاظ کا قائم مقام بنا کر اردو کے ساتھ انتہائی نامنصفانہ برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ اردو کو ہند بدر کرنے کے لئے یہ نہایت ہی نامنصفانہ کوششیں ہیں۔ ان رکیک مساعی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک غیر فصیح جدید زبان مسٹر گاندھی اور اُن کے رفقاء کو خوش کرنے کی غرض سے جاری کی گئی ہے جس کو "ہندوستانی" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ "ہندوستانی" فی الاصل کوئی زبان نہیں، یہ کہیں نہیں بولی جاتی اس کی عمر ابھی صرف چند سال کی ہے، یہ نو زائیدہ غیر صحیح النسب زبان نہایت ہی سامع خراش اور اردو سے در جہا زیادہ مشکل ہے۔ ذریعہ تعلیم "اردو" ہونی چاہیئے نہ کہ "ہندوستانی"۔"

واردھا اسکیم

اس کے بعد جناب صدر نے واردھا اسکیم پر بحث کی ہے۔ جب یہ اسکیم وجود میں آئی تھی تو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے مسلمانان ہند کی ایک نمائندہ تعلیمی جماعت کی حیثیت سے اس کے متعلق وضاحت سے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اور کانفرنس گزٹ میں بھی اس مسئلہ پر متعدد معرکۃ الآراء مضامین لکھے گئے تھے جس میں بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں کا تعلیمی نصب العین کیا ہے۔ اب جناب صدر کی رائے ملاحظہ کیجیے۔

"میرا خیال ہے کہ میں اپنے فرائض کی ادائیگی سے قاصر رہوں گا اگر "واردھا اسکیم" کے متعلق اپنے محسوسات کا اظہار نہ کروں۔ میں اس کی تفصیلات میں پڑنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ کافی معارف ہو چکی ہیں اور محتاج بیان نہیں۔ میں اس کے بعض اصولوں کو قابل اعتراض نہیں سمجھتا اگرچہ پورے نصاب کے مفید ہونے کا مجھے یقین نہیں ہے۔ اس اسکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دے گی اور مسائل زندگی نباہ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے افراد تیار کرے گی۔ جب یہ اسکیم مرتب ہوئی تھی تو اس سے امید رکھنے والوں کا خیال تھا کہ یہ مسئلہ بیکاری کو اگر تمام کمال نہیں تو کم از کم کسی قابل ذکر حد تک ضرور حل کر دے گی۔ اس میں مذہبی تعلیمات کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ واضعین اسکیم نے اسے اس انداز پر تشکیل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے قابل تسلیم ہو۔ یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے کہ کسی مذہب کی تعلیم سے تنگ خیالی و کوتاہ نظری پیدا ہوتی ہے۔ اپنے مذہب کا غائر مطالعہ کئے بغیر آپ معدلت، دیانت، صداقت اور حقیقت کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ محض غیر مذہبی تعلیم حاصل کرنے والے سے اتقا و ورع کی ایسی توقع نہیں کی جا سکتی جیسی کہ ہستی واجب الوجود پر ایمان لانے اور اس حقیقت پر ایمان رکھنے والے سے کہ عاقبت میں گنہگاروں کو شدید عقوبت کا سامنا ہوگا، مذہب کا مطالعہ فضائے خیال میں حسن اور زاویہ نگاہ میں وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ ہمارے بچے اوائل عمر ہی سے پبلک مدارس میں داخل کر دیئے جائیں گے، ہماری قوم تہی دست ہے اور ہم میں سے اکثر بھی استاد یا پرائیویٹ ٹیوٹر کی معاونت حاصل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اگر یہ اسکیم بلا ترمیم مجنسہ نافذ کر دی گئی تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری آئندہ نسلیں مذہبی معلومات سے مطلق بے بہرہ رہیں گی اور نئی "ہندوستانی" زبان کی طرح ایک جدید "ہندوستانی" مذہب بھی وجود میں آ جائیگا

ہندو مسلم اتحاد ہمارا منتہائے مقصود ضرور ہے لیکن اس کے حصول کی مساعی بار آور کرنے کے لئے ہم اپنے مذہب کو خیرباد کہہ دینے کا اعلان کرنے پر تیار نہیں ہو سکتے۔ اور نہ دراصل اس کی ضرورت ہے۔

اس اسکیم کا دوسرا نمایاں نقص یہ ہے کہ طلباء کو سات سال تک کئی کام سکھائے جاتے ہیں اور آخر میں طالب علم مختلف دستکاریوں میں برائے نام دخل حاصل کر لیتا ہے لیکن کمال تک کسی صنعت میں نہیں پہنچتا۔ ان مدارس کی تیار شدہ اشیاء بازار میں ملنے والی چیزوں کے مقابلہ میں عام طور پر بہت ہی بھدی، بے سلیقہ اور گراں تر ہوتی ہیں۔ مدرسہ اسکول کے فارغ التحصیل افراد جب دنیا کے وسیع میدان میں قدم رکھیں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ جو تعلیم انہیں دی گئی ہے کسی طرح ذریعہ معاش نہیں بن سکتی۔ وہ چند اشیاء کی ساخت کی ابتدائی معلومات سے بیشک واقف ہوں گے مگر ان کی بنائی چیزیں بازار میں لائق ترجیح اور کامیاب ثابت نہیں ہوں گی۔ حقیقت ہے کہ وہ زمانہ کی موجودہ کشمکش کے مقابلہ میں کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے۔

واردھا اسکیم پر تیسرا اعتراض "ہندوستانی" زبان کی تعلیم کے متعلق وارد ہوتا ہے جس پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں کہ اس قابل اعتراض زبان کو جو کہیں بھی نہیں بولی جاتی مسلمان من حیث القوم ناپسند کرتے ہیں۔ یہ صرف اس لئے ایجاد کی گئی ہے کہ نقش اردو صفحۂ ہند سے محو و معدوم کر دیا جائے۔ اگر اس اسکیم کو ہماری درسگاہوں میں استوار و پائدار گرفت و اختیار حاصل کرنے کی اجازت دے دی گئی تو مسلمان زمانہ کی دوڑ میں نہ صرف اردو زبان اور اسلامی تہذیب و تمدن کو فراموش کر دیں گے بلکہ اپنے دین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

مجھے امید ہے کہ وہ حضرات جو اس اسکیم کو چلانے اور عملی صورت میں لانے کے ذمہ دار ہیں مسائل مذکورہ پر ہمدردی کے ساتھ غور فرمائیں گے۔ جب تک یہ خامیاں اور نقائص قطعاً دور نہ کر دئے جائیں بیسک مدارس فائدہ مندی اور نفع بخشی کا دعوی نہیں کر سکتے۔ میں ماہر تعلیم نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ بیسک کے طلباء کی حیثیت آج کی دنیا میں پرخطر بھی ہے اور افسوسناک بھی۔

حامیان اسکیم میری نظریات کو خلاف قیاس اور منحرفات ظاہر کریں گے لیکن میں بصد ادب اور ساتھ ہی نہایت پرزور طریقہ پر انہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ بہت ہی مخلصانہ مستحق توجہ اور قابل غور خیالات ہیں۔

واردھا اسکیم پر بحث کرنے کے بعد جناب صدر نے بتایا ہے کہ جنگ ختم ہونے پر ہندوستان کے نظام تعلیم میں ایک زبردست تبدیلی و انقلاب واقع ہوگا چنانچہ وائسرائے کی مجلس عاملہ نے ایک اصلاحی کمیٹی کا تقرر کر دیا ہے اور اس کمیٹی نے "جنرل ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن" سے ایسی تجاویز طلب کی ہیں جو زمانہ مابعد جنگ میں تعلیمی ارتقا سے تعلق رکھتی ہیں۔

اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ جو اسکیم مرتب ہوئی ہے اس میں تعلیم کا ڈھانچہ تین منزلوں پر مشتمل ہوگا اول منزل بنیادی یا ابتدائی تعلیم جو ۵ سے ۱۴ سال تک کے لئے ہوگی، دوسری منزل ثانوی تعلیم ۱۴ سے ۱۷ سال تک، اس کے بعد یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم جو مخصوص افراد کے لئے ہوگی۔

موجودہ نصاب تعلیم

اس کے بعد نصاب تعلیم کی نوعیت و حیثیت کے متعلق آپ نے حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں۔

موجودہ نصاب اکثر غیر ضروری مضامین سے زیربار و ناقابل برداشت ہو چکا ہے اور چند اہم مضامین نظر انداز کر دئے گئے ہیں ہماری جامعات میں اخبار نویسی یا جرنلزم نہیں سکھائی جاتی ہم پروپیگنڈا تبلیغ اور نشر و اشاعت کی دنیا میں سانس لے رہے ہیں۔ ماضی میں نشر و اشاعت کی بدولت قومیں بنتی اور بگڑتی رہی ہیں۔ معاشرتی اصلاحات بروئے کار لانے میں اخبارات اہم حصہ لے رہے ہیں۔ ہندوستان میں روزناموں کی تعداد بہت قلیل ہے اختتام جنگ پر اس میں کثیر اضافہ ہوگا۔ لوگوں کو جرنلزم کی تعلیم کے لئے امریکہ اور انگلستان جانا پڑتا ہے۔ انگریزی اخبارات کے لئے اکثر ایڈیٹر بیرونی ممالک سے بلائے جاتے ہیں۔ ہمارے نصاب میں جرنلزم کو ممتاز و نمایاں جگہ ملنا چاہئے۔

فن موسیقی اتنا اہم نہیں، اگر وہ نصاب تعلیم میں داخل نہ کیا جائے تو بھی کوئی نقصان نہیں ہوگا کسی قوم اور ملک کی ترقی کے لئے ماہرین موسیقی لازمی یا ضروری نہیں۔ رقص و موسیقی لمحات فرصت میں کام آنے والے فنون ہیں۔ کوئی قوم ان کی دستگاہ یا عدم دستگاہ سے کامیاب یا ناکام نہیں ہوئی ہے اور اگر بعض معمولی یہ بھی مفید مضامین منظور کئے جائیں تو پوری ہندوستان میں درجن یا نصف درجن ادارے اس مقصد کے لئے کافی ہوں گے۔ ان غیر اہم اور بعض دیگر قابل اعتراض مضامین کو بیکار اہمیت دیدی گئی ہے۔

خطبہ کے آخر میں جناب صدر نے پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی کارگزاری پر تبصرہ کرتے ہوئے آئندہ کام کے متعلق مفید مشورے دئے اور شکریہ پر خطبہ کو ختم کیا ہے۔

جناب وائس چانسلر صاحب کا طلبہ سے خطاب

مکرمی تسلیم۔ میں نہایت ہی ممنون ہوں گا اگر آپ اطلاعات ذیل اپنے مؤقر جریدہ کی قریبی اشاعت میں درج فرمائیں۔

نیازمند ڈاکٹر احمد وہاب خیری

انتخابوں کے انعقاد سے قبل طلباء اور اساتذہ کے مشترکہ اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر نے حاضرین کو مسلم یونیورسٹی کی شاندار روایات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بتایا کہ یونیورسٹی کے طلباء کے ڈسپلن کا انحصار وقتاً فوقتاً نافذ ہونے والے احکامات اور پراکٹر صاحب کے استعمال اختیارات پر نہیں بلکہ خود طلباء کے احساس فرائض پر ہے۔ طلباء کی باہمی رواداری، اور تعاون، اور مشکلات میں حاضر دماغی سے کام کرنے کی صلاحیتیں ایسے عمدہ اوصاف ہیں جنہوں نے علی گڑھ کے نام کو چار چاند لگا دئے۔

اساتذہ سے مخاطب ہو کر وائس چانسلر صاحب نے فرمایا کہ مسلم یونیورسٹی میں عمدہ ڈسپلن قائم کرنے کی ذمہ داری تنہا یونیورسٹی کے منتظمین پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اساتذہ بھی اس کے قیام کے لئے برابر کے ذمہ دار ہیں۔ طلباء کے آئندہ فلاح و ترقی کے مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وائس چانسلر صاحب نے کہا کہ مسلم نوجوانوں کی فلاح و ترقی کے معاملات میں ان کو گہری دلچسپی رہی ہے۔ اور وہ ان کی امداد سے کبھی گریز نہیں کریں گے۔ لیکن طلباء کو بھی صنعتی اور تجارتی پیشوں کی طرف توجہ کرنا چاہئے اور موصوف نے یہ امید ظاہر کی کہ مسلم صنعت و حرفت

[illegible] اعلیٰ حضرت حضور نظام کی جانب سے جو عطا فرمائی گئی ہیں ان کی بھی اہمیت ہے اور ان [illegible] مسلمانوں کی ترقی کی نئی شاہراہیں کھل جائیں گی اور مسلم نوجوانوں کو مواقع مل سکیں گے۔ یونیورسٹی کے بجٹ پر روشنی ڈالتے ہوئے وائس چانسلر صاحب نے فرمایا کہ اس سال اخراجات بمقابلہ آمدنی بہت زیادہ ہوئے ہیں لیکن اس کمی کو موصوف اضافہ فیس یا تخفیف تنخواہ ملازمین سے پورا نہیں کریں گے بلکہ اس کے لئے یونیورسٹی کی آمدنی میں اضافہ کرنے کی سعی کریں گے۔ اس سلسلہ میں موصوف نے ایک یادداشت حضور وائسرائے کی خدمت میں پیش کی ہے توقع ہے کہ اس پر ہمدردی سے غور کیا جائے گا۔

جنگ کے زمانہ میں تعمیری کام کی ضرورت

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

ہونے کے بعد بہت سی تبدیلیاں ہوئیں، اگرچہ یہ تبدیلیاں زیادہ اہم نہیں سمجھی جاتیں، تاہم اس حقیقت کا ہر شخص اعتراف کرے گا کہ جنگ عظیم کے بعد جو ہندوستان وجود میں آیا وہ ہندوستان قبل از جنگ سے بہت کچھ مختلف ہے۔

موجودہ جنگ اپنی ہمہ گیری و ہلاکت آفرینی کے اعتبار سے گزشتہ جنگ عظیم سے کہیں زیادہ ہولناک ہے لہٰذا اس جنگ کے بعد جو انقلاب دنیا میں ہوگا وہ بھی اپنی وسعت و نوعیت کے لحاظ سے غیر معمولی ہوگا۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس آنے والے انقلاب کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہیں، اس وقت ہمیں سب سے زیادہ تعلیمی ترقی اور اقتصادی اصلاح کی ضرورت ہے "ہندوستان بعد از جنگ" میں وہی قوم زیادہ قوت و عروج حاصل کرے گی، جس کا معیار تعلیم بلند ہوگا۔ غیر تعلیم یافتہ اور ذہنی حیثیت سے نا تربیت یافتہ قوموں کے لئے آنے والے ہندوستان میں عزت کی کوئی جگہ نہیں ہوگی۔

ڈاکٹر حامد علی صاحب کی شاندار فیاضی

حیدرآباد کی ایک خبر مظہر ہے کہ ڈاکٹر حامد علی صاحب سابق کمشنر صفائی حیدرآباد نے حال میں نو لاکھ روپیہ کی گرانقدر رقم طلبہ و طالبات کے لئے وقف کی ہے۔ اس کو ایک مجلس امانت نصف حیدرآباد اور نصف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں پر خرچ کرے گی، ابھی اس سلسلہ میں تفصیلات کی اطلاع ہمیں نہیں ملی۔

"نو لاکھ روپیہ" کوئی معمولی رقم نہیں ہے، یہ ایسا شاندار عطیہ ہے کہ جلیل القدر فرمانروایان ملک کے علاوہ اور کوئی شخص اس کے دینے کی جرأت نہیں کرسکتا، مسلمانان ہند میں اول تو ایسے دولتمند شاذ و نادر ہیں جو لاکھوں روپیہ کے مالک ہوں اور جو ہیں اُن میں یہ اولوالعزمی و حوصلہ مندی نہیں ہے کہ اپنی قوم کے بچوں کی تعلیم کے لئے اتنی گرانقدر رقم دینے کی جرأت کریں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ فیاضی ایسی نادر المثال ہے کہ مسلمانان ہند کی تعلیمی تاریخ میں اُن کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اور مسلمانوں کے سینکڑوں خاندانوں کے نوجوان اس عطیہ کی بدولت تعلیم حاصل کرکے عزت کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کے دوسرے دولتمندوں کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی طرح ملک و ملت کی خدمت کریں، اور ڈاکٹر صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ مدت دراز تک زندہ رکھے تاکہ وہ اپنے عطیہ کو بارآور ہوتے دیکھ کر خوشی و مسرت حاصل کریں۔

چند سال ہوئے ڈاکٹر صاحب نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو بھی ایک گراں قدر رقم چند شرائط کے ماتحت عطا کی تھی، جس سے "حامد علی بلڈنگ" کے نام سے ایک سلسلۂ عمارت تعمیر ہوا ایک معین زمانہ کے بعد اس کے کرایہ سے جو آمدنی ہوگی وہ طلبہ کے وظائف میں صرف کی جائے گی اور ڈاکٹر صاحب کا یہ کار خیر بہت سے طلبہ کی زندگی کو کامیاب بنانے کا باعث ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کا شعبۂ تعلیمی

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس عام کے ساتھ اُس کے شعبوں کے اجلاس بھی علیحدہ علیحدہ صدر کے ماتحت منعقد ہوتے ہیں، امسال شعبہ تعلیمی کی صدارت جناب پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب فرمائیں گے۔

(باہتمام رضا خاں صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی آنریری سکریٹری کانفرنس
ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خاں ندوی
منیجر سید لطف علی بریلوی بی اے (علیگ)۔

جلد (۱۵)	اپریل سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۳ھ	نمبر (۱۵)

انجمن حمایت اسلام لاہور کا جو بلین سالانہ اجلاس ۷-۸-۹ اپریل سنہ ۴۴ء کو اسلامیہ کالج کے میدان میں منعقد ہوا۔ حسب ذیل اصحاب نے یکے بعد دیگرے مختلف اجلاس کی صدارت فرمائی:

(۱) خان بہادر مولوی غلام محی الدین صاحب ایم ایل اے (۲) میاں بشیر احمد صاحب مالک و مدیر ہمایوں (۳) نواب زادہ محمد علی خاں صاحب قزلباش (۴) سردار اورنگ زیب خاں صاحب وزیر اعظم صوبہ سرحد (۵) نواب سعادت علی خاں صاحب رئیس اعظم (۶) خان بہادر نواب محمد مظفر خاں سی آئی ای

انجمن کا یہ سالانہ اجلاس کامیاب رہا اور ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ چندہ جمع ہوا۔

ریاست پٹیالہ کی عدالت عالیہ نے ابھی حال میں ایک سرکلر جاری کیا تھا جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ۱۳ اپریل سنہ ۱۹۴۴ء سے ریاست کی عدالتوں میں اردو کی بجائے "گورمکھی" زبان بطور دفتری استعمال ہوا کرے گی، اب ہمعصر ہماری زبان سے معلوم ہوا کہ یہ حکم بالفعل ملتوی کر دیا گیا ہے ہمیں امید ہے کہ ریاست عاقبت اندیشی اور معاملہ فہمی سے کام لے کر ہمیشہ کے لئے اس حکم کو منسوخ کرے گی۔ اس قسم کے احکام عموماً بے اطمینانی و بدگمانی پیدا کرتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں جنگ کے مصارف

اس قدر ہولناک و حیرت انگیز ہیں کہ ایک انسان بمشکل ان کا تصور کر سکتا ہے چنانچہ لندن کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ موجودہ جنگ میں ایک جرمن سپاہی کے ہلاک کرنے پر سوا لاکھ پونڈ کی رقم خرچ ہوتی ہے۔ اور ایک جرمن ہوائی جہاز کے گرانے میں دس ہزار پونڈ صرف ہوتے ہیں۔ یہ اعداد "ڈیلی میل" کے رپورٹر کو ایک امریکی ماہر اعداد نے بتائے ہیں۔

یہ ماہر اس وقت برطانیہ میں امریکہ کی ہوائی فوج کے ساتھ ہے اور اعداد و شمار میں سب سے ہوشیار بتایا جاتا ہے۔ پچھلے زمانہ کی مختلف لڑائیوں کے متعلق یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ قیصر روم کے زمانہ میں ۳ ½ شلنگ، نپولین کے زمانہ میں ۷۵۰ پونڈ امریکی سول جنگ میں ۱۲۵۰ پونڈ اور پچھلی جنگ عظیم میں ۵۲۵۰ کی رقم ایک سپاہی کے ہلاک کرنے میں خرچ ہوتی تھی، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موجودہ جنگ میں ایک جرمن سپاہی کو ہلاک کرنے میں اتنی رقم خرچ ہوتی ہے جتنی قیصر روم کے زمانہ میں ۶۶۰ سپاہیوں کے ہلاک کرنے پر خرچ ہوتی تھی۔

روس میں "مخلوط تعلیم" کا دستور تھا یعنی لڑکے اور لڑکیاں ساتھ ساتھ تعلیم پاتی تھیں، مگر اب لندن کی ایک خبر مظہر ہے کہ حال میں روس نے یہ طریقہ ترک کر دیا ہے۔ روس کے ماہر تعلیم پروفیسر شوزمر نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے یہ کہا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی کچھ خصوصیات ہیں جو معاشرتی لحاظ سے بڑی قیمت رکھتی ہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ ساتھ تعلیم پانے میں ایک دوسرے پر حاوی ہو جاتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶-اپریل ۱۹۴۴ء

قلت وکثرت کا مسئلہ

کسی قوم کی ترقی و عروج کا مدار اس کے افراد کی قلت وکثرت پر نہیں ہے، اس لئے یہ ہوسکتا ہے کہ ایک قوم کے افراد کی تعداد لاکھوں کروڑوں ہو، لیکن اُن میں سے اکثر جاہل، نا تربیت یافتہ ہوں اور باوجود کثرت تعداد محکومیت وغلامی کی حالت میں زندگی بسر کررہے ہوں اور کسی قسم کی طاقت اور دنیوی اقتدار انہیں حاصل نہ ہو۔

اس کی مثالیں عہد ماضی کے ہر دور میں ملتی ہیں اور آج بھی مشرقی ممالک میں پائی جاتی ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں چین وہندوستان کا نام لیا جاسکتا ہے جو دنیا کے دو عظیم الشان ملک ہیں اور جہاں کروڑوں انسان آباد ہیں لیکن باوجود کثرت تعداد چینی اور ہندوستانی قوموں کی جو حالت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

چین پر ایک مدت دراز تک یورپ کی مختلف حکومتوں کا زبردست اقتدار رہا اور وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے یورپ کی قوموں سے ایسے معاہدے کرنے اور پابندیاں قبول کرنے پر مجبور ہوا جو ایک خود دار اور آزاد قوم کبھی گوارا نہیں کرسکتی تھی، ابھی چین یورپ کے اقتدار سے آزاد نہیں ہوا تھا کہ اس کی چھوٹی سی ہمسایہ حکومت جاپان کا عروج شروع ہوا، اور اس نے آہستہ آہستہ اس قدر طاقت حاصل کرلی کہ روس جیسی زبردست حکومت کو شکست دی، اس کے بعد یہ کوشش شروع کردی کہ چین پر سے یورپ کا اقتدار زائل کرکے اپنا اثر بڑھائے، اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اس نے علاوہ پُر فریب سیاسی تدبیروں کے جارحانہ طریقہ سے بھی کام لیا نتیجہ یہ ہوا کہ چین کا ایک عظیم الشان علاقہ (جس میں بہت سے مقامات خاص اہمیت رکھتے ہیں) جاپان کے قبضہ میں چلا گیا حالانکہ چین کے مقابلہ میں آبادی کی تعداد اور رقبہ کے لحاظ سے جاپان کی کوئی حیثیت نہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ چین کے ساتھ جاپان نے جو سلوک کیا وہ نہایت غیر شریفانہ وظالمانہ تھا لیکن چین باوجود کثرت تعداد چونکہ کمزور ہے اس لئے یہ سب مظالم اسے برداشت کرنے پڑے۔

چین کی طرح ہندوستان بھی ایک وسیع ملک ہے جس میں کروڑوں انسان آباد ہیں لیکن باوجود کثرت تعداد انہیں کوئی قوت واقتدار حاصل نہیں نہ دنیا کی آزاد وترقی یافتہ قوموں میں اُن کے لئے کوئی جگہ ہے۔ اگر محض کثرت تعداد سے کوئی قوم قوت واقتدار حاصل کرسکتی تو آج چین وہندوستان دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہوتے اور ان کا مرتبہ بہت بلند ہوتا۔

جس طرح ایک کثیر الافراد قوم کا پستی وذلت اور محکومیت کی حالت میں زندگی بسر کرنا ممکن ہے تو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک قوم کے افراد کی تعداد بہت کم ہو لیکن اپنی دماغی واخلاقی برتری جسمانی صلاحیت، اور تنظیمی قابلیت جس میں سے اس نے اس قدر قوت وترقی حاصل کرلی ہو کہ اپنے سے زیادہ تعداد والی قوموں پر پورے اقتدار سے حکومت کررہی ہو اور اُسے دنیا کی مہذب وترقی یافتہ قوموں کی صف اول میں جگہ حاصل ہو، دنیا کی تاریخ ماضی کے علاوہ زمانہ حاضر میں بھی اس کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

آج یورپ میں ایسی متعدد حکومتیں ہیں جن کی آبادی اور رقبہ ہندوستان کے ایک صوبہ یا درجہ دوم کی ریاست سے زیادہ نہیں، بلکہ کچھ حکومتیں ایسی ہیں جو آبادی ورقبہ کے اعتبار سے ہندوستان کے ایک بڑے یا اوسط درجہ کے ضلع کے برابر ہیں لیکن باوجود اس کے وہ آزاد وخود مختار ہیں اور اُن کی تعلیمی واقتصادی حالت ہندوستان سے کہیں زیادہ بہتر ہے اُن کے یہاں ہر قسم کے صنعتی کارخانے ہیں اور اُن کی مصنوعات دوسرے ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں، اس کے علاوہ ملک کی قدرتی پیداوار بھی باہر جاتی ہے جس سے اُن کی قومی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

یورپ کی اُن سلطنتوں کا ذکر ہے جن کا اپنے وطن سے باہر مشرقی ممالک پر کوئی اقتدار نہیں ہے لیکن ان کے علاوہ یورپ میں متعدد سلطنتیں ایسی بھی ہیں جن کی اولوالعزمی وحوصلہ مندی انھیں یورپ سے باہر لے گئی، اور اُن کی فتوحات کا سیلاب بڑھتے بڑھتے مشرقی ممالک تک پہنچ گیا جس نے بہت سی پرانی حکومتوں کو تہ وبالا کردیا۔ چنانچہ آج یورپ کی بلند حوصلہ اور اولوالعزم قومیں ایشیا وافریقہ کے مختلف ملکوں پر حکمرانی کررہی ہیں یا انہیں وہاں زبردست رسوخ حاصل ہے اور اُن کا تجارتی کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ یورپ کے باہر ان مغربی حکومتوں کی نوآبادیاں ہیں جو اُن کی قوت وشوکت کا ایک غیر معمولی ذریعہ اور تجارت کی منڈی ہیں۔

ان حکومتوں میں مثلاً انگلینڈ، ہالینڈ اور فرانس وغیرہ کا نام پیش کیا جاسکتا ہے جو خود یورپ میں تو ایک محدود رقبہ پر حکمراں ہیں لیکن یورپ کے باہر بڑے بڑے وسیع ملک جن میں کروڑوں انسان بستے ہیں اُن کے قبضہ میں ہیں، اور وہ ان پر پوری طاقت سے حکومت کررہی ہیں، اس کے علاوہ ان حکومتوں نے اپنی مصنوعات اور تجارتی مال مقبوضہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا ہے۔

اگر آپ یورپ کی ان با اقتدار حکومتوں کی گزشتہ تاریخ کا مطالعہ کرکے ان کی تدریجی ترقی وہمہ گیری کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کریں تو یہ ظاہر ہوگا کہ ان حکومتوں نے یہ فتوحات کثرت تعداد کی وجہ سے حاصل نہیں کی ہیں، کیونکہ جن مشرقی ملکوں پر انھوں نے قبضہ کیا اُن کی "مردم شماری" ان فاتحین سے بہت زیادہ تھی، اس کے علاوہ جسمانی حیثیت سے بھی اکثر مشرقی قومیں کمزور وناتواں نہ تھیں اور ایک حد تک اُن میں جنگی اسپرٹ بھی باقی تھی، اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھئے کہ یورپ کی جن حکومتوں نے ایشیا یا افریقہ کے مختلف ممالک پر قبضہ کیا وہ یورپ سے اپنے ساتھ لاکھوں

سپاہی (جو تعداد میں مفبوضہ ملکوں کی فوج سے زیادہ ہوں) نہیں لائی تھیں، بلکہ انھوں نے مشرقی حکومتوں کی اندرونی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر محض حسن تدبیر، عسکری تنظیم [illegible] و نو ایجاد آلات و اسلحۂ جنگ کی وجہ سے فتوحات حاصل کیں۔

ان قوموں کی موقع شناسی حسن تدبیر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی کوشش سے [illegible] صورت پیش آئی کہ جس ملک [illegible] انھوں نے قبضہ کیا اسی ملک [illegible] اس قبضہ [illegible] لئے سپاہی بھی حاصل کئے، یعنی [illegible] ملک نے اپنے ملک پر قبضہ دلانے کے [illegible] حکومتوں کی مدد کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ [illegible] تدبیروں نے خلقت تدبیروں [illegible] ذہنیت میں اس قدر انقلاب پیدا [illegible] سے بہت سے لوگوں نے [illegible] غیر ملکی قوموں کا مسلط ہونا [illegible] بلکہ اس مقصد کے لئے اپنا [illegible] کریں، اس ناعاقبت اندیشی و خود فراموشی کا انجام یہ ہوا کہ مشرقی قوموں کی آزادی سلب ہو گئی اور وہ باوجود کثرت تعداد یا تو بیرونی قوموں کی محکوم بن گئیں یا اُن کے زیر اقتدار آگئیں، غرض گزشتہ صدی میں جو یورپ کے عروج و اقبالمندی کا زمانہ ہے ان قوموں کو ایشیاء و افریقہ میں جہاں کہیں عروج و اقتدار حاصل ہوا یا حکومت ہاتھ آئی اگر آپ اس کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو صاف نظر آئے گا کہ یہ کامیابی محض سیاسی جوڑ توڑ اور گوناگوں تدبیروں کے ذریعہ سے حاصل کی گئی۔ [illegible] محض دماغی برتری [illegible] باوجود قلت تعداد، کثیر التعداد قوموں پر فتح حاصل ہوئی۔

موجودہ زمانہ سے قطع نظر خود مسلمانوں کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، کہ انھوں نے باوجود قلت تعداد بارہا ایسی قوموں پر فتح حاصل کی جن کی تعداد اُن سے بہت زیادہ تھی، خود ہندوستان کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ مسلمان فاتحین سفر کی دشوار گزار منزلیں

طے کر کے یہاں تھوڑی تعداد میں آئے، اور انھوں نے ایسی قوموں سے مقابلہ کیا جو نہ صرف تعداد میں زیادہ تھیں بلکہ جنگجو و نبرد آزما بھی تھیں لیکن پھر بھی مسلمانوں نے ایسی فتوحات حاصل کیں کہ اُن کے قدم اس ملک میں جم گئے۔ اور صدیوں تک انھیں کوئی جنبش نہ دے سکا۔ یہاں تک کہ آخر کار جب اُن میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہوئیں اور ذاتی اغراض کی بنا پر خانہ جنگی شروع ہو گئی، تو سنت الٰہیہ کے مطابق انھیں زوال و انحطاط ہوا جو درحقیقت ان کے اعمال کا نتیجہ تھا، حالانکہ اب ان کی تعداد اس زمانہ سے کہیں زیادہ تھی جب وہ فاتحانہ حیثیت سے لیکن بے سروسامانی کی حالت میں اس ملک میں داخل ہوئے تھے، [illegible] کے علاوہ صدیوں تک اس ملک پر پورے [illegible] و جلال سے حکومت کر چکے تھے اور یہاں کے [illegible] سے واقف تھے لیکن یہ کثرت تعداد [illegible] زوال و انحطاط کو نہ روک سکی اور قانون فطرت کے مطابق انھیں اپنی جگہ سے ہٹنا پڑا، [illegible] اُن کی تعداد زیادہ تھی لیکن اب وہ ایک [illegible] سے رنج تھے جن اُن میں وہ روح کار فرما نہ تھی جس کے زور پر اُن کے اسلاف نے اس ملک میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔

اس سلسلہ میں مسلمانوں کے لئے آغاز اسلام کی تاریخ سب سے زیادہ سبق آموز ہے، تاریخ اسلام میں جو سب سے پہلا جنگی معرکہ پیش آیا وہ غزوۂ بدر کے نام سے مشہور ہے معتبر تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے کہ مسلمان نہایت بے سروسامانی کی حالت میں تھے اور اُن میں سے بہتوں کے پاس ضروری اسلحہ تک نہ تھے، اور مقابلہ اُن لوگوں سے تھا جو نہ صرف اُن سے تعداد میں سہ گنے تھے بلکہ جنگ و پیکار کے خوگر اور مشہور نبرد آزما تھے ان میں قریش کے ایسے سردار بھی تھے جن کی عظمت و ہیبت لوگوں کے دلوں میں راسخ تھی مگر بے سروسامان مسلمانوں نے باوجود قلت تعداد ان سرداران قریش کو ایسی شکست دی جس سے اُن کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی، مسلمانوں کو اس جنگ میں خلاف توقع جو فتح حاصل ہوئی اُس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ خود قرآن

مجید میں اس کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

اس ارشاد خداوندی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو باوجود کمزور و بے حیثیت ہونے کے یہ فتح حاصل ہوئی، یعنی جیسا کہ اس جنگ کے واقعات سے ثابت ہے۔ تو مسلمانوں کے پاس کافی ساز و سامان تھا، نہ اُن کی تعداد زیادہ تھی، اس وجہ سے یہ جنگ لائق تذکرہ سمجھی گئی، اگر مسلمانوں کی قوت و تعداد کفار سے زیادہ ہوتی تو اُن کی فتح کوئی غیر معمولی بات نہ تھی جس کا ذکر کیا جاتا۔

اس واقعہ کے سلسلہ میں قرآن مجید میں یہ ارشاد بھی موجود ہے۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتح و نصرت صرف امداد ربانی سے ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو مظفر و منصور کرنا چاہتا ہے تو اُس میں الوالعزم و حوصلہ پیدا کر دیتا ہے کہ وہ ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کر کے اپنے سے زیادہ تعداد والے حریف پر غالب آتی ہے، چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں خود اسلام کی تاریخ میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف کرام نے کبھی قلت تعداد کے معاملہ کو اہمیت نہ دی اور جب کبھی اپنی آزادی یا اسلام کو خطرہ کی حالت میں دیکھا اپنے سے زیادہ تعداد والے حریف کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور عموماً فتح حاصل کی،

قرآن مجید میں ایک اور موقع پر یہ ارشاد ہے۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں، اور اللہ صابرین (استقلال والوں) کے ساتھ ہے۔

اس میں غلبہ کی وجہ بھی اشارۃً بیان کر دی ہے، وہ کیا؟ صبر! یعنی جو لوگ صبر و استقامت کے ساتھ میدان جنگ میں مضبوطی سے قدم جمائے کھڑے رہتے ہیں، خدا اُن کا ساتھ دیتا ہے اور

اردو کے متعلق چند مفید خیالات (۲)

(از جناب اسداللہ صاحب کاظمی)

حضرات! یہ ہے وہ مہتم بالشان مستقبل دوست اور انقلاب آشنا زبان جس کی حفاظت کے لیے آپ صرف چند تجاویز پاس کر کے اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں۔ یہ فرض کی سہل شناسی، آپ مجھے معاف کریں اگر یہ عرض کرنے کی جرأت کروں نہ آپ کے شایان شان ہے اور نہ اردو کے۔ اردو کو اس باب میں آپ کے فرض کی کم نظری اور مقصد کی تنگ دامانی دونوں سے بجا اور درست گلہ ہے۔ اردو کے تحفظ ہی کا نہیں بلکہ اس کی ترقی اور ترویج کا فرض بھی آپ پر عائد ہوتا ہے اور اس فرض کو انجام دینے کے لئے آپ کو ایسے مقاصد کو متعین کرنا ہے جو اس فرض کی تمامیت کے ضامن ہوں اور ایسی تجاویز اختیار کرنی ہیں جو اس فرض کی تکمیل بطرز احسن کر سکیں۔ ان مقاصد کا تعین کرنا اور ان تجاویز کی تشکیل کرنا اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ اس جرأت رندانہ کے باوجود بھی جو اپنے حفظ ما تقدم کے لئے مجھے یہاں اختیار کرنی پڑی ہے۔ اس معاملہ میں آپ کو صلاح دینے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا۔ میں نے اس خطبہ میں نبض شناسی کی کوشش (جس کی کامیابی کا اندازہ میں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں) ضرور کی ہے لیکن معالجہ کے ارادہ سے نسخہ تجویز کرنے کے لئے قلم اٹھانا ایک ایسا اقدام ہوگا جس کی متحمل میری جرأت رندانہ بھی نہ ہو سکے گی اغلب ہے کہ اس سے پیر ڈگمگا جائیں اور اس کی لغزش یا مجھے اپنے حدود سے باہر پھینک دے۔ تاہم ازرہ امتثال امر و تقاضائے ارباب صدر نشینی چند مشورے میری تلخ نوائی کو معاف کرتے ہوئے سن لیجئے۔

اردو کا تعلق اس دو آبہ سے جس کو عرف عام میں یو پی کہتے ہیں قلبی ہے اس معاملہ میں دلی کو بھی یو پی کا ہی ایک جزو گردانتا ہوں یہ اور بات ہے کہ ملک کی سیاسی اور مالی تقسیم میں دلی یو پی سے باہر ہے لیکن اصل میں ایک دلی کیا سارے ملک کی تہذیب و تمدن مذاہب و ملل کا گہوارہ اور ارباب علم کا ملجا و ماوی بھی ایک بڑی حد تک یہی دو آبہ ہی رہا ہے۔ اردو ادب کے تاجداروں نے دلی سے نکل کر اسی خطہ میں جائے عافیت پائی ہے۔ دلی کے انقلابات ادب بھی یو پی کی ادب نوازی کے رہین منت رہے ہیں۔ اردو کی نشر و اشاعت، ترقی و ترویج میں بھی یو پی کسی سے کم نہیں رہا ہے۔ اس زبان کی آئندہ ترقی میں بھی انشاء اللہ اس کا حصہ نمایاں رہے گا۔ یو پی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی اس معاملہ میں فرض شناسی قابل صد آفرین ہے کہ اس نے اپنی آغوش میں اردو کانفرنس کو جگہ دی ہے اور اپنی روایات کی کوشش سے اس نونہال کی پرورش کا ذمہ لیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس صوبہ میں شاید ہی ایک ایسا منظم ادارہ ہے جو کاروباری نفع اور مصالح سے بالاتر ہو کر اردو کی ترقی کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے۔ اس لئے میرا پہلا مشورہ تو یہ ہے کہ یہ کانفرنس ایک مختصر لیکن جامع کمیٹی منتخب کرے جس کے رکن اردو کے چند مستند اور ماہر ادیب اور تعلیم کے چند تجربہ کار مفکر ہوں۔ اس کمیٹی کا کام یہ ہوگا کہ وہ اس اردو کانفرنس کے مقاصد کا تعین اور ان تجاویز کی تشکیل کرے جو کانفرنس کو اردو کی ترقی اور ترویج کے لئے اختیار کرنی ہیں۔

میرا دوسرا مشورہ یہ ہے کہ صوبہ کے مختلف ادارہ ہائے نشر و اشاعت، ایک مرکزی جماعت میں منسلک ہو کر اردو کی خدمت، یک جہتی اور یک قلبی سے کریں اس الحاق کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ادارے اپنی انفرادیت اور خصوصیت کو ضائع کر دیں اور نہ یہ ہے کہ وہ اپنے ذاتی اغراض اور مقاصد کو فراموش کر دیں بلکہ ان سب سے ماورا ایک منزل اور بھی ہے جہاں پہنچ کر اردو کی خدمت کا ذوق، اس کی ترقی اور ترویج کا شوق، ان سب اداروں کو (باوجود ان کے مقاصد اور اغراض کی عدم ہم آہنگی کے) اس مبارک کام میں دوش بدوش لا کھڑا کر سکتا ہے۔ ایسی مرکزی جماعت کا منظم ہو جانا، جو اس صوبہ کے ہر اس ادارہ کی دیکھ بھال کر سکے جو کسی حیثیت سے بھی اردو کی خدمت کر رہا ہے، اردو دوست ارباب ہمت کے لئے مشکل نہ ہونا چاہئے۔ یہ مرکزی جماعت، دور افتادہ اور پسماندہ اداروں کو ابھار سکتی ہے۔ ترقی یافتہ اداروں کو اور زیادہ آگے کر سکتی ہے۔ نشر و اشاعت کے اور راستے نکال سکتی ہے اور ان مقاصد اور تجاویز کو عملی جامہ پہنانے میں بہت کچھ مدد کر سکتی ہے جو متذکرہ بالا کمیٹی پیش کرے گی۔

تیسرا مشورہ پیش کرتے ہوئے میں خائف بھی ہوں اور سراسیمہ بھی۔ خائف تو اس لئے کہ اس مشورہ کا تعلق میرے تدریسی پیشہ سے ہے اور سراسیمہ اس واسطے کہ بہت بزرگوں کے اس جلسہ میں پیشہ ورانہ بات ذرا سخن گسترانہ بات ہوگی۔ لیکن مجھے لب کشائی پر مجبور کرتی ہے ہمارے تعلیمی اداروں سے نکلے ہوئے ان فرزندان اردو کی محرومی قسمت جو اردو ادب سے "آتش جذبات کے اس نوارن مرکب اور مہذب سے عاری" جو ادب اور اس کا صحیح وجدان ہی پیدا کر سکتا ہے۔ مساعیات کے ان سوتوں سے بے خبر جو سرزمین ادب ہی سے پھوٹ پھوٹ کر بہتے ہیں اور زندگی کی بے مزگی کی کلفتی، افسردگی اور شوق کی وارفتگی سے کنارہ زندگی کے وہ اقدار حاصل کرتے ہیں جس سے نہ عداوت ملتا ہے نہ صحر، خسارۂ دنیا و دین کا یہ مظاہرہ بھی کس درجہ بصیرت افروز ہے۔ مجھے یہاں اپنی تعلیم اور اس کے نظام کی محرومیوں سے سروکار نہیں یہ تو (خدا خوش رکھے ہمارے نکتہ چینیوں کو) اس زمانہ زد عام ہیں۔ ہندوستان کا کون سا جلسہ کون سا اجتماع ہے۔ چاہے وہ سیاسی ہو چاہے مذہبی۔ تجارتی ہو یا حرفتی۔ جہاں تعلیم پر صف ماتم نہیں بچھائی جاتی اور جہاں اس کا جنازہ نہیں اٹھایا جاتا۔ میری دانست میں تو ہمارے پیشہ کی سب سے بڑی محرومی یہی ہے کہ ہر کس و ناکس اپنے کو اس پر اعتراض کرنے کا مستحق اور اس پر طائرانہ نظر ڈالنے کا اہل سمجھتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ صریح تو یہ ہوتا ہے کہ تنقید تعلیم کی اصلی محرومیوں سے عموماً ناواقف رہتی ہے اور تعلیم کی اصلاح ہمیشہ کم نگہی، تنگ حوصلگی اور بے بہا نوازی کی نذر ہو جاتی ہے۔

حضرات! اس ہرزہ سرائی کی معافی چاہتا ہوں لیکن بعض اوقات حال کا نقشہ بھی آمد کی یاد دلا دیتا ہے۔ بہرحال ہمارے تعلیمی اداروں میں مادری زبان کی حیثیت کو اجاگر کرنا، اس کی تعلیم اور انداز درس و تدریس کو درست کرنا، جدید یا افادہ طریقوں سے ثمرات ولانا، اس کے پڑھانے والوں کی توقیر میں معتدبہ اضافہ کرنا۔ اور ان کے مفاد کی راہیں نکالنا، یہ سب بھی آپ کی کانفرنس کے فرائض میں سے ہے۔ آپ کو یہ سن کر یقینی مسرت ہوگی کہ محکمۂ تعلیم نے مادری زبان اور اس کے پڑھانے والوں کی اصلاح اور فلاح پر گزشتہ دو تین سال میں کافی دھیان دیا ہے اور انشاء اللہ وہ وقت قریب ہے جب مادری زبان

پڑھانے والوں کی حیثیت ہمارے تعلیمی اداروں میں دوسرے مضامین کے پڑھانے والوں سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔ یہ ایک بڑی حد تک نتیجہ ہے۔ جناب ٹھاکر نہپال سنگھ صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات یوپی کی مادری زبان نواری کا۔ اور ان کی ساعی جمیلہ کا۔ جو وہ برابر اس کی ترقی کے لئے کرتے رہتے ہیں لیکن یہ توقع اسی وقت مشکور ہوسکتی ہے جب مادری زبان کے موجودہ اساتذہ کی رہنمائی اور ٹریننگ کا کوئی معقول بندوبست ہو۔ اور ان کے استفادہ اور ہدایت کے لئے کتابیں ہوں۔ افسوس اور شرم کے ساتھ اس کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ مادری زبان کے پڑھانے پر جو کتاب آج کل اس صوبہ میں رائج ہے وہ انگریزی زبان میں ہے اور اس کو لکھا ہے ایک انگریز نے۔ میں اس کانفرنس کے ذریعہ مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے شعبۂ اردو اور ٹیچرس ٹریننگ کالج کی معرفت ایک ایسے رفریشر کورس کی طرح ڈالیں جس میں ہمارے اسکول اور کالجوں کے اردو پڑھانے والوں کو کم از کم تین یا چار ماہ کے لئے ٹریننگ دی جاسکے۔ اس قسم کے کورس سال میں کم از کم ایک بار ضرور منعقد کئے جائیں اور مسلم یونیورسٹی کی اردو نوازی سے یہ درخواست نامناسب نہ ہوگی کہ اس کا شعبۂ اردو اور اس کے ٹیچرس ٹریننگ کالج کی معاونت سے زیادہ نہیں تو کم از کم ایک ایسی کتاب کی تصنیف یا تدوین کا بندوبست کرے جو صحیح معنوں میں اردو پڑھانے والوں کی ہدایت اور رہنمائی کرسکے۔ مجھے امید ہے کہ میری درخواست شرف قبولیت حاصل کرے گی۔

اس سلسلہ میں یہ بھی سن لیجئے کہ ان باتوں سے ۔۔ [illegible] کی تدبیریں "تو شاید بدل جائیں لیکن [illegible] اردو کی تقدیر بدلتی نظر نہیں آتی۔ اس کا نسخہ تو وہی ہے جو [illegible] ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے تجویز کیا ہے۔ وقت کی نبض شناسی اور اردو کی جامعیت کا اظہار واحساس اس تجویز سے زیادہ بہتر نہیں ہوسکتا جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے شمالی ہند میں ایک اردو یونیورسٹی کے قیام کے تخیل کی صورت میں پیش کی ہے اور یہ بھی سن لیجئے کہ اس یونیورسٹی کا قیام محض اردو ہی کی ترقی کا باعث نہیں ہوگا بلکہ ہمارے ملک کے ذہن کو ان قیود سے نجات دینے والا ہوگا جو اس پر اس وجہ سے مسلط ہوکر رہ گئی ہیں کہ ہم نے اب تک اور مختلف علوم محض انگریزی زبان ہی میں پڑھے اور سیکھے ہیں۔ شاید اس وقت ہم لوگ اس تجارت کے نتائج کا اور اس کے ان اثرات کا جو ہماری آیندہ نسلوں کی ذہنی بالیدگی پر پڑے گا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے لیکن یقین کیجئے کہ ایسی قومی سیرت کی تشکیل۔ جو اپنے اسلاف اور ان خوابہائے گراں کی تعبیروں سے شرمندہ ہونے پر مجبور نہیں ہے۔ اسی قسم کی درسگاہیں ہی کرسکتی ہیں میں امید کرتا ہوں کہ جس سب کمیٹی کا ذکر میں اوپر کرآیا ہوں وہ اس تجویز کی اہمیت کا قرار واقعی احساس کرے گی اور اس مقصد کی تائید اور تکمیل کی ایسی تجاویز پیش کرے گی جن سے بابائے اردو کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکے۔

حضرات! منزل آخر اور خطبۂ صدارت "تمام ہونے کو ہے شمع محفل بھی افسردہ ہوچلی ہے اور مجلس کی وہ ہما ہمی بھی۔ اس چل چلاؤ میں ایک آخری مشورہ سن کر میری مغفرت کی دعا کیجئے۔ اس مشورہ کا ماحصل یہ اردو ادب کی تنقید وتبصرہ نشر واشاعت کے صحیح پیمانہ کی تشکیل کی شدید ضرورت کی طرف آپ حضرات کی توجہ منعطف کرانا اور ایک ایسے معیار سازی کی درخواست کرنا جو اردو کی ہمہ گیری اس کی انقلاب پسندی اور جدت طرازی کی حامل ہو۔ اب وہ وقت نکل گیا کہ اردو محض شہروں کے ایوانوں کی زیب وزینت اور مشاعروں کی شمع محفل ہوکر رہے اور آسودہ حال حضرات کی تفریح تفنن طبع کا آلہ کار بنی رہے۔ اس کو زندگی کی پستیوں اور بلندیوں کا حامل ہونا ہے اور یقین کیجئے کہ اس میں اس کی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ہمارے معترض کہتے ہیں کہ اردو شہر کی پیداوار ہے اور شہر کے رہنے سہنے والوں کی حیات کی مترجم۔ گاؤں کے بسنے والوں تک نہ اس کی پہنچ ہے اور نہ پہنچنے کی اہلیت وصلاحیت۔ یہ اعتراض ہم صداقت کی [illegible] پھبریاں اور نیم نظری کے سارے نیزوں سے اس نیم صداقت کو مجروح کرنا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اردو کی سحرآفرینیاں ایک بڑی حد تک اس حلقہ تک محدود رہی ہیں جس کو عرف عام میں مہذب اور تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جاسکتا ہے کہ اردو میں یہ اہلیت اور صلاحیت مفقود ہے کہ وہ ملک کے اور حلقوں تک پہنچ سکے۔ مثال کے طور پر یہ بتایا جاسکتا ہے کہ ترقی پسند مصنفین کا ایک گروہ آج اسی اردو کے ذریعہ ہمارے ملک کے دیہاتی بھائیوں کی ادبی پیاس بجھا رہا ہے اور اردو ادب میں ایسی چیزوں کا اضافہ کررہا ہے جو ایک طرف فنی لحاظ سے مستحسن ہیں تو دوسری طرف علم ودولت سے محروم طبقہ کے دل کی تڑپ، ان کے نفس گرم کی شعلہ باریوں ان کے قریب رنگ وبو سے ناواقف ذہن کی تصور آرائیوں کی عکاسی اور آئینہ داری ہی نہیں بلکہ اس حیات کی تشکیل کی حامل ہیں جس کے دھندلے دھندلے نقوش آج بھی صاحب نظر دیکھ سکتے ہیں اور جو کل نہیں تو برسوں مرد پردۂ غیب سے عالم شہود میں آکر رہے گی۔

اس لئے اس کانفرنس کو نقد ونظر کے ایک ایسے پیمانہ کی ساخت کرنی ہے جو اردو ادب جدید کی اس مے سرآتشہ کو اس طرح مدبر کرسکے کہ اس میں ایمان وایقان، عقیدہ اور عرفان کا کیف وسرور پیدا ہوجائے۔ اور یقین کیجئے یہ کام نوجوانوں کے جوش عمل اور ان کی ترکیب اور حسین خواب دیکھنے کی صلاحیت اور قوت ہی محض سرانجام نہیں دے سکتی۔ اس کے ساتھ ضرورت ہے عمل کی اس پختہ کاری کی عقیدہ کی اس صلابت کی اور عزم کے اس ثبات کی جو عمر کی پختگی ہی سے حاصل ہوسکتی ہے اس لئے میری یہ درخواست ناموزوں نہ ہوگی کہ آپ اس کانفرنس کی طرف سے ایک ایسے رسالہ کی اشاعت کا بندوبست کریں جو سال میں کم از کم دو بار اردو ادب کی میراث اور جدید رجحانات کا جائزہ لے، اس کی نئی پیداوار کا تجزیہ کرے اور نقد ونظر کے ایسے اصول مرتب کرے جو تعصب اغماض تنگ دلی اور تنگ نظری سے پاک وصاف ہوکر ہمارے ادیبوں کی رہنمائی کرسکے۔

حضرات! الحمدللہ میری بادیہ پیمائی اور آپ کے صبر کی آزمائش ختم ہوئی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ شروع میں میں نے خدشہ کا اظہار کردیا تھا کہ جادۂ منزل سے بے خبری مجھے کہیں گمراہ نہ کردے لیکن آپ کی کرم کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ اس رہ نوردی میں مجھے اپنی گمراہی کا احساس کہیں بھی نہیں ہوا۔ لیکن کسی شے کے عدم احساس سے خود اس کا عدم تو ثابت نہیں اس لئے آپ کے نوازش وکرم کے شکریہ وسپاس کے ساتھ ساتھ اپنی ان لغزشوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں جن کو آپ کی مہمان نوازی نے [illegible]

محسوس نہیں ہونے دیا۔ میں نے جو کچھ کہا وہ اپنی بساط کے موافق تھا۔ آپ نے جس طور اور انداز سے اس کو سنا وہ آپ کے الطاف کے مناسب ہے۔ جو کچھ کام کی بات میرے منہ سے نکلی اس کو میں آپ کی ذات کی برکت اور بیکار باتوں کو اپنی ہرزہ سرائی پر محمول کرتا ہوا رخصت ہوتا ہوں۔

قلعۂ کالنجر

قلعۂ کالنجر کی جغرافیائی کیفیت قلعۂ کالنجر ضلع باندہ میں جانب جنوب و مشرق صدر ضلع سے ۳۵ میل دور جبل پور والی سڑک پر واقع ہے۔ شوقین سیاح کے واسطے یہ مناسب ہے کہ وہ جھانسی، مانک پور لائن کے اسٹیشن اتارا پر اتر جائیں۔ جہاں سے یہ مقام ۴۲ میل ہے۔ قصبہ نارائنی تک دس میل تو سڑک پختہ ہے اس سے آگے چودہ میل کچا راستہ ہے۔ یہاں ساتھ میں چلنا دشوار ہوتا ہے۔ مگر سردی کے موسم میں گھوڑے کی سواری میں کسی قسم کی تکلیف کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ کالنجر کا قلعہ ایک پہاڑی پر ہے۔ جو بندھیاچل کے سلسلے سے بالکل علیحدہ اور پون میل دور ہوگی۔ اس کے اردگرد چاروں طرف میدان ہے۔ اسی وجہ سے قلعۂ کالنجر میلوں سے دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ یہ پہاڑی ۱۲۳۰ فٹ سطح بحر سے اونچی ہے۔ اور میدان سے سات آٹھ سو فٹ بلند ہے۔ موجودہ شہر پہاڑی کے دامن میں ہے یہ اُجڑی بستی ہے۔ ترہٹی اور کٹرہ ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ کچھ مدت پہلے وہاں پر دولتمند مہاجن اور بنیے رہتے تھے۔ جو میلے کے واسطے سامان مہیا کرنے اور مالا مال ہو رہے تھے۔ کیونکہ یہ تیرتھ کا مقام ہے۔ مگر وہ کچھ عرصہ سے اسے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اسی وقت سے یہ سنسان اور بے رونق ہو گیا ہے۔ اب وہاں پر کاچھی اور غریب مسلمان رہتے ہیں۔

کالنجر کا طبعی استحکام کالنجر کا پہاڑی سلسلہ بندھیاچل کا ایک نہایت ضروری حصہ ہے اس سے ذرا مشرق کی طرف ہٹ کر ایک اور چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ جسے اگر کوہ کالنجر کی بہن قرار دیا جائے تو غیر موزوں نہ ہوگا۔ کوہ کالنجر کی دیواریں اردگرد کے میدان سے ایسی سیدھی اوپر اٹھتی معلوم ہوتی ہیں۔ گویا وہ زمین پھاڑ کر ایک دم اوپر چڑھ گئی ہیں۔ پہاڑی کی سطح کا گھیر چار پانچ میل کے درمیان بیان کیا جاتا ہے۔ فصیل اس کے بیرونی کناروں پر بنی ہوئی ہے۔ پہاڑی کے نچلے حصے پر چڑھنا چنداں مشکل نہیں ہے مگر اس سے اوپر ڈیڑھ سو فٹ بلند پہاڑ کی قدرتی دیواریں ایسی سیدھی اور صاف بنی ہوئی ہیں کہ چڑھنا محال ہے۔ غالباً اسی قسم کی قدرتی مضبوطی اور ناقابل تسخیر ہونے کے باعث پرانے زمانہ کے ہندو حکمرانوں نے اپنی راجدھانی کے واسطے منتخب کیا تھا۔ جہاں چٹان کی سیدھی صاف دیوار ختم ہو جاتی ہے اس کے [illegible] تعمیر کے فنیم کی [illegible] ہے۔ یہ دیوار پچیس فٹ چوڑی اور [illegible] پانچ [illegible] تعمیر ہوگی۔ لیکن اب کس میرسی اور [illegible] پڑی ہوئی ہے [illegible] کی عمارت کروں [illegible] سمجھنے کی کسے پروا یا ضرورت ہے؟ صرف محکمۂ آثار [illegible] عمارتوں [illegible] کا پرسان حال ہے۔ مشہور مسلمان مورخ نظام الدین احمد کالنجر کے قلعہ کے قدرتی استحکام کی نسبت یوں لکھتا ہے۔

"اپنی پختگی اور مضبوطی کے واسطے یہ قلعہ ملک ہند میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔" اور اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ اپنے قدرتی استحکام کے باعث کالنجر، گوالیار، دولت آباد، چتوڑ اور دیگر مشہور اور مستحکم قلعوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے اندر جانے کے دو راستے ہیں۔ سب سے بڑا جانب شمال ترہٹی کی طرف ہے، دوسرا جنوب مشرق کے کنارے پر ہے۔ جہاں سے پنا کو سڑک جاتی ہے۔

عرصہ سے یہ راستہ بند پڑا ہے۔ کیونکہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرا راستہ بہت محفوظ کیا گیا ہے۔ پے در پے سات دروازے گزر کر قلعہ کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ دو سو فٹ چڑھنے کے بعد سب سے پہلا گنیش دروازہ پڑتا ہے جو بہت مضبوط گڑھ جیسا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد سیڑھیوں کی سیدھی چڑھائی پڑتی ہے تیسرے دروازہ پر چار برج ہیں اور یہ دوہرا دروازہ ہے اس کے پاس ہنومان کنڈ ہے۔ جہاں پرانے زمانہ میں سپاہی پانی پیا کرتے تھے۔ وہاں پر بہت سی مورتیاں بھی ہیں اور پتھر کے کام کے عمدہ نمونے بکھرے نظر آتے ہیں۔ چٹان کاٹ کر کالی۔ چنڈی کی مورتیں بنائی گئی ہیں۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ اگلے وقتوں میں ان دیویوں کی وہاں پوجا ہوتی تھی لال دروازہ (نمبر ۲) کے مغرب میں بھیروں کنڈ کے اوپر کال بھیروں کا بہت بلند بند ہے جس کی بلندی ۲۴ فٹ بیان کی جاتی ہے۔ اور یہ چٹان کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ سترہ فٹ چوڑا پہاڑ چھیل کر یہ مورتی تیار کی گئی ہے۔ اس کے اٹھارہ بازو ہیں۔ سب سے آخری بلند دروازہ ہے جس سے گزر کر قلعہ کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ گو یہ مغلیہ طرز کا ہے۔ مگر ذرا غور سے دیکھنے سے فوراً ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگلے زمانہ کا تھا جس کی مرمت کسی مسلمان حکمران نے کرائی تھی۔

کالنجر کے کنڈ کالنجر اپنے کنڈوں (حوضوں) کے واسطے دور و نزدیک بڑی شہرت رکھتا ہے جو شروع میں پینے کے پانی کی بہم رسانی کے واسطے بنائے گئے تھے مگر بعد از اں [illegible] بن گیا اور [illegible] کی [illegible] کے [illegible] پاتال گنگا، پانڈو کنڈ [illegible] سب سے زیادہ مشہور اور بڑے ہیں۔ پاتال گنگا تو ایک لمبا چوڑا اور گہرا کنواں ہے جو پتھر کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ اس کا طول ۴۰ فٹ، عرض ۲۰ - ۲۵ فٹ اور عمق ۵۰ فٹ ہے۔ یہ پانی سے ہمیشہ بھرا رہتا ہے۔ کیونکہ اس کی چھت اور پہلوؤں سے لگاتار پانی جھرنا رہتا ہے پانڈو کنڈ ایک قسم کا گہرا اور مدور حوض ہے۔ جس کا قطر بارہ فٹ ہوگا۔ اس میں پتھر کی متوازی درزوں سے متواتر پانی نکل نکل کر بھرتا رہتا ہے۔ اس پر جو کتبہ گپتا کے زمانہ کے حرفوں میں کندہ ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ پانڈو کنڈ سب سے پرانا ہے۔ اس کے مشرقی پہلو کے وسط میں ایک قدرتی گڑھا ہے جس کے پیندے میں کاٹ کر ایک چھوٹا چہ بچہ بنایا گیا ہے اس کے اردگرد سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ روایت کرتے ہیں کہ اس کے پانی میں عجیب اعجازی قوت ہے۔ راجہ کرتی ورمن نے جو جذام کے لاعلاج مرض میں مبتلا تھا۔ اس کے پانی میں غسل کر کے شفائے کلی حاصل کی تھی۔ لیکن جاتریوں کے نزدیک کوٹ تیرتھ نام کا حوض بہت اہمیت رکھتا ہے۔ میلے کے موقع پر قرب و جوار کے رہنے والے لوگ اسی میں

نہاتے ہیں۔ جو سب سے بڑا ہے۔ اس کی لمبائی سو فٹ ہے۔ چاروں طرف سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ گو اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے حوض ہیں۔ مگر پانی پھر بھی کافی نہیں۔ کئی مرتبہ محاصرے میں موقع پر پانی ختم ہو گیا کیونکہ اس کا انحصار بارش پر ہے۔ یہ قلعہ گوالیار سے بلندی اور وسعت میں بڑا ہے۔ اور جانب جنوب واقعہ ہونے کے باعث اس کا حریف اور ہمسایہ سمجھا جاتا ہے۔ قلعہ کالنجر مستطیل اور شرقاً غرباً واقع ہے جس کا رقبہ پانچ میل مربع بتایا جاتا ہے۔

کالنجر کی تاریخ

کالنجر بہت پرانا مقام ہے۔ اور اس سے مذہبی تقدس نہایت پرانے زمانہ سے وابستہ چلا آتا ہے۔ پروفیسر ولسن کا بیان ہے کہ ویدوں میں کالنجر کی بہت تعریف ملتی ہے۔ لکھا ہے کہ تپسیا کے واسطے کالنجر بہت عمدہ جگہ ہے۔ چونکہ یہ پہاڑ کے بڑے سلسلے سے بالکل الگ ہے۔ اس لئے تارکان دنیا کے واسطے موزوں اور گوشہ نشینوں کے لئے بہت اچھی جگہ قرار دی گئی ہے۔ ایک انگریز محقق کا بیان ہے کہ مہابھارت میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی کالنجر کے تالاب میں جو دیوتاؤں کا ہے اشنان کرے تو اسے ایک ہزار گایوں کے دان کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ پدم پران کے بیان کے رو سے کالنجر ان نو تیرتھوں میں شمار ہوتا ہے جو شمالی ہند میں پائے جاتے ہیں۔ ان حوالوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پرانے زمانہ کے برہمنوں کے نزدیک یہ مقام بہت مقدس تھا۔ جہاں آدمی بے کھٹکے باواتعی میں اپنی باقی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

کالنجر کا قلعہ کس نے تعمیر کیا تھا

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کالنجر کا قلعہ کس نے تعمیر کرایا تھا؟ روایت کے رو سے یہ ثابت ہے کہ چاندیلہ خاندان راجپوت کے بانی راجہ چندر ورما نے اسے تعمیر کرایا تھا جس نے ۹۲۵ء میں موہوبہ ضلع ہمیر پور فتح کرنے کے بعد کالنجر کو تسخیر کر کے اپنا اقتدار قائم کیا تھا مگر آرکیالوجی کے ممتاز ماہر جنرل کننگھم نے بہت تحقیقات کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ کالنجر کا قلعہ چندر ورما کے زمانے سے بہت پہلے بنایا گیا تھا۔ اس کی بنیاد اس کے آٹھ نو سو برس پہلے پڑی تھی لیکن جدید تحقیقات سے کالنجر کی ابتدائی تاریخ پر جو روایات اور حکایات کی تاریکی میں مضمر ہے۔ روشنی نہیں پڑتی۔ اس لئے اس کی تاریخ کا پہلا باب محمود غزنوی کے حملہ سے شروع ہوتا ہے۔ جو گوالیار کے فتح کرنے کے بعد اس طرف مائل ہوا۔ یہ ۱۰۱۹ء کا واقعہ تھا۔ اس وقت چاندیلہ راجپوت خاندان کا راجہ گنڈ مند یو تھا۔ اس نے حملہ آور اور لشکریوں کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر سپاہ اور سامان جنگ مہیا کیا۔ اول الذکر میں چھتیس ہزار رسالے اور ایک لاکھ پیدل اور ساڑھے چھ سو ہاتھی بیان کئے گئے ہیں۔ محمود نے کالنجر کے قریب آ کر اپنا ایلچی راجہ کے پاس بھیج کر یہ مطالبہ کیا کہ ہماری اطاعت قبول کرو۔ ورنہ قلعہ ہم سطح زمین کر دیا جائیگا لیکن ہندو فرمانروائے کالنجر کی ہمت نے گوارا نہ کیا۔ کہ ایسے ذلیل اور بزدلانہ مطالبہ کو تسلیم کر لے اس لئے صاف انکار کر دیا۔ اور قلعہ کی حفاظت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر محمود کو بھی قلعہ سر کئے بغیر جانا پڑا۔ مگر وہ ۱۰۲۲ء میں پھر آیا۔ اور گوالیار زیر کرنے کے بعد کالنجر کی طرف بڑھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ حکمران کالنجر نے ایک مدحیہ قصیدہ لکھ کر محمود کے پاس بھیجا جسے پڑھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ اور اس سے دوستی پیدا کر لی۔ اور کالنجر کی حکومت بدستور راجہ کے حوالہ کر کے چلا گیا۔ اس کے بعد کالنجر کئی قسم کے انقلابات سے روشناس ہوا۔

۱۵۴۵ء میں شیر شاہ سوری نے کالنجر پر چڑھائی کی۔ گر زک اٹھائی لیکن جب ایک گولہ پھٹنے سے محاصرین کا سپہ سالار سخت مجروح ہو گیا تو ان کا غصہ اور جوش بڑھ گیا۔ اس لئے خوب جان توڑ کر لڑے اور فتحیاب ہوئے۔ ۱۸۱۲ء میں ایک دستہ نے کرنیل مارٹنڈل کے زیر کمان کالنجر پر حملہ کیا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی لیکن اس کے بعد تنگ آ کر راجہ نے اپنی خوشی سے اطاعت قبول کر لی۔ یہ ہے اس قلعہ کی مختصر داستان جو ڈیڑھ ہزار سال کے زمانہ کی یورشوں کا مقابلہ کرتا چلا آتا ہے۔

(ماخوذ بحوالہ اخبار تعلیم لاہور)

قلت و کثرت کا مسئلہ

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

وہ کامیاب ہوتے ہیں۔ صبر کیا ہے؟ مصائب و تکالیف کو پورے استقلال سے برداشت کرنا اور پریشان و خوفزدہ نہ ہونا۔ یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے جو ہر شخص جانتا ہے کہ آج بھی میدان جنگ میں عموماً وہی قوم کامیاب و فتحمند ہوتی ہے جس میں قوت برداشت و استقامت زیادہ ہوتی یعنی جو جنگ کی تکلیف و مصیبت کو استقلال و پامردی سے جھیل لیتی ہے اور مصائب کے وقت اس کے قدم کو لغزش نہیں ہوتی۔ اب بھی جنگ میں عموماً ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک چھوٹی سی فوج زیادہ تعداد والی فوج کے حملہ کو نہایت استقلال سے برداشت کر لیتی ہے اور جنگ کی کسی ہولناک حالت اور شدت میں بھی میدان جنگ سے بھاگنے یا ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہوتی فتح کا راز اسی اسپرٹ میں مضمر ہے۔ محض کثرت تعداد فتح کی ضامن نہیں ہے۔

یہ قوت برداشت اور ہمت مقابلہ اس فوج میں پیدا ہوتی ہے جس کو اپنے مقصد جنگ کی صداقت و حقانیت کا پورا یقین ہوتا ہے۔ یہ یقین دلوں میں قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے یہاں تک کہ ہر شخص بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

قربانی کبھی اپنی آزادی اور وطن کے تحفظ کے لئے ہوتی ہے اور کبھی مذہب اور تہذیب و تمدن کی حفاظت کے لئے۔ یہ مقصد سب سے اہم و شریفانہ ہیں کہ شریف و خوددار انسان ان کے لئے جان و مال کی قربانی میں تامل نہیں کرتا۔

ان بلند مقاصد کے علاوہ کبھی ایسے فروتر مقاصد کے لئے بھی جنگ برپا ہو جاتی ہے جس سے ملک و ملت کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے ایسی حالت میں قربانی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا اور انسان مقابلہ کے لئے جی چراتا ہے۔

اوائل اسلام خصوصاً عہد خلافت راشدہ میں ساری لڑائیاں حفاظت ملک و ملت کے لئے تھیں لہذا ہر مسلمان ان اہم مقاصد کے لئے ہر قسم کی قربانی و جاں نثاری پر آمادہ ہو جاتا تھا اور یہی چیز اسے کامیابی سے ہمکنار کرتی تھی۔

اوائل اسلام میں اور اس کے بعد مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ

...[illegible] کثیر تعداد انہیں ہزیمت ہوئی‘ [illegible] جنگ حنین کا واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے جس میں باوجود کثرت ایک لغزش سے مسلمانوں کو شکست ہوئی‘ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝

البتہ مدد کی اللہ نے تمہاری بہت سے میدانوں میں اور حنین کے دن‘ جب اترائے تم اپنی کثرت پر‘ پس وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے‘ پھر پیچھے ہٹے تم پیٹھ دے کر۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ پھر کس طرح اس نے اس ہزیمت کو فتح ونصرت سے بدل دیا۔ اور مسلمانوں کو اطمینان قلب حاصل ہوا‘

جنگ حنین فتح مکہ کے بعد ہوئی تھی اور اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی‘ اس لئے بعض صحابہ کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا کہ آج ہماری تعداد بہت ہے اس لئے ہم مغلوب نہیں ہوں گے‘ فتح پر یہ اعتماد جو محض کثرت تعداد کی بنا پر کیا گیا تھا بارگاہ خداوندی میں ناپسند ہوا‘ چنانچہ مسلمانوں کو شکست ہوئی‘ جس سے انہیں یہ سبق ملا کہ فتح کا مدار کثرت تعداد پر نہیں ہے۔ بلکہ فتح ونصرت خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ عموماً ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو کسی نیک مقصد کے لئے جنگ کر رہے ہوں اور میدان جنگ میں ثابت قدم ہوں۔

”سورۂ انفال“ میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے صراحتہً یہ فرمایا ہے۔

فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

یعنی اگر ہوں تم میں سو شخص صابر (ثابت قدم) تو [illegible] غالب ہوں دو سو پر‘ اور اگر ہوں تم میں ہزار شخص غالب ہوں دو ہزار پر‘ اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں (یعنی ثابت قدم رہنے والوں) کے۔

اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ فتح وغلبہ کے لئے کثرت تعداد اس قدر ضروری نہیں‘ جس قدر ثبات استقامت یعنی جو قوم بحالت جنگ ثابت قدم رہتی ہے وہ نصرت الٰہی کی مستحق سمجھی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی ان تصریحات اور خود ہمارے اسلاف کے طریقہ کار سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اگر کسی ملک میں مسلمانوں کی تعداد دوسری قوموں کے مقابلہ میں کم ہے تو انہیں ہرگز افسردہ وخوفزدہ نہ ہونا چاہئے‘ بلکہ اپنے مفاد وحقوق کی حفاظت کے لئے ثابت قدم رہنا چاہئے‘ اور حصول مقصد کے سلسلہ میں جو بھی مصیبت وتکلیف پیش آئے اسکو ہمت مردانہ کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے۔

اگر مسلمان تعلیم ربانی پر عمل کرکے خداتعالیٰ کے علاوہ اور کسی فانی ہستی سے خوفزدہ نہ ہوں اور ہر مصیبت وتکلیف کے وقت باوجود قلت تعداد ثابت قدم رہیں تو دنیا کی کوئی قوت انہیں مغلوب نہیں کرسکتی۔ برخلاف اس کے اگر ان کے دلوں میں یہ خوف پیدا ہوا کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے اور حریفوں کی زیادہ‘ تو یہ احساس کمتری ان کے دلوں میں مایوسی وبزدلی پیدا کردے گا اور وہ زندگی کے ہر معرکہ میں مغلوب ہوتے چلے جائیں گے اور ان کے قدم میدان کے کسی گوشہ میں بھی نہ جم سکیں گے۔

جامعہ دینیہ آگرہ } ۱۹۵۰ء سے جناب مفتی [illegible] انتظام اللہ شہابی مدیر دائرہ معارف قرآنیہ ودیگر ارکان

دائرہ نے مشہور علماء وفضلاء ہند کے مشورہ سے جامعہ دینیہ کے نام سے دینی علوم کی اشاعت کیلئے ایک دارہ قائم کیا‘ گزشتہ سال پورے جامعہ ماہر دینیات کا امتحان جاری کیا اور دو انگریزی تعلیم یافتہ شریک امتحان ہوئے کامیابی پر سند ماہر دینیات حاصل کی امسال کثیر تعداد ہماچہ جیسی کالج اور اسکول کے طلبہ بھی یہ امتحان کی شرکت کیلئے تیاری کررہے ہیں صدر دفتر دائرہ معارف قرآنیہ موکٹرہ میں نصاب جامعہ کا درس بلامعاوضہ دیا جاتا ہے۔ نصاب جامعہ ترجمہ کلام پاک مع موضح القرآن ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح وترجمہ کنز الدقائق وغیرہ

تصانیف مولانا اکبر خانصاحب نجیب آبادی

نظام سلطنت } مذہب‘ تمدن اخلاق ومعاشرت اور قوانین سلطنت پر محققانہ بحث قیمت ۶/

مقدمہ تاریخ ہند قدیم } ساری دنیا کی اقوام ممالک ومذہب علوم کا خلاصہ‘ قیمت ۴/

عالمگیر ہندو اُنکی نظر میں } عالمگیر پر ہونیوالے تمام اعتراضات کو صرف ہندو مصنفین کی کتابوں سے غلط ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲/

تحفۃ الاسلام } اسلام کی حقیقت اور تبلیغ اسلام کے بہترین طریقے۔ قیمت ۱۴/

فصل الخطاب } تحریک خاکساران کے متعلق عالمانہ ومحققانہ بحث۔ قیمت ۱۲/

حج بیت اللہ } حج کی حقیقت ذہن نشین کرنے اور ترغیب حج کے لئے خاص چیز۔ قیمت ۱۳/

نواب امیر خاں } نواب امیر خاں کی مستند ودلچسپ سوانحعمری ۵/

جنگ انگورہ } تیمور اور بایزید یلدرم کی سب سے بڑی لڑائی کا مفصل حال قیمت ۱۴/

باطل شکن } اسلام کے خلاف عیسائیوں کی کتاب تاویل القرآن کا مدلل جواب۔ قیمت ۱۴/

تصانیف مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی

روح القرآن } کلام مجید کی بہترین کلید عین ضروریات زمانہ کے مطابق۔ قیمت ۶/

سنگھار خانہ } مستورات کیلئے ایک تجربہ کار رہبر قیمت ۶/

ماں بچہ کی نگہداشت } زچاؤں اور بچوں کے متعلق مفید اور کارآمد معلومات۔ قیمت ۶/

رفیق زمیندار } تعلیم‘ صحت‘ زراعت‘ باغبانی اندوزی اور مویشیوں کی پرورش وغیرہ پر کارآمد مضامین قیمت ۱۲/

روحوں کے کرشمے } روحوں کے سچے اور سنسنی خیز حالات ۱۲/

تصانیف مولوی قمر علی صاحب ایم اے ایل ایل بی

نصاب مرغوب } جدید طرز پر قلیل عرصہ میں عربی علم وادب سکھانے والی کتاب قیمت مکمل ۱۲/

المعلم } مذکورہ بالا کتاب کا ترجمہ وتشریح قیمت مکمل ۱۲/

دروس منظوم } عربی زبان کی خالق باری قیمت ۱۲/

درخت خرد } ایک باکمال درویش کے حالات زندگی کے لئے قیمت ۱۲/

ملنے کا پتہ مکتبہ کانفرنس کمپنی سلطان جہاں منزل علیگڑھ

([illegible] صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علیگڑھ سے شائع کیا)

جلد (۱۵) | ۲۴ اپریل ۱۹۴۴ء مطابق ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ | نمبر (۱۶)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس حسب قرار داد ۱۶-۱۷-۱۸-اپریل ۱۹۴۴ء کو جبل پور میں منعقد ہوا جس میں ہزاروں مسلمان شریک ہوئے۔ خاکسار ایڈیٹر کانفرنس گزٹ بوجہ بعض وجوہ سے شریک نہ ہو سکا۔ اس لئے اجلاس کی مفصل کیفیت روداد اور تقریریں جس طرح ہمیشہ کانفرنس گزٹ میں شائع ہوتی تھیں اس دفعہ شائع نہ ہو سکیں گی۔ تاہم اجلاس کے مختصر و ضروری حالات جو معاصر الفاروق کامٹی میں چھپے ہیں اس پرچہ میں نقل کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ "خطبۂ صدارت مجلس استقبالیہ" بھی اسی پرچہ میں شائع ہو رہا ہے۔

جو تجاویز حسب معمول کانفرنس کے اجلاس عام اور اس کے مختلف شعبوں میں منظور ہوئی ہیں وہ انشاء اللہ کانفرنس گزٹ کے آئندہ پرچہ میں شائع کی جائیں گی۔

مسلم یونیورسٹی کورٹ کا سالانہ اجلاس ۲۳ اپریل ۱۹۴۴ء کو "رامپور حامد ہال" میں منعقد ہوا جس میں بہت سے اہم معاملات طے ہوئے نیز اعلیٰ عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں آیا، چنانچہ ہز ہائنس نواب صاحب رامپور از سر نو مسلم یونیورسٹی کے پرو چانسلر منتخب ہوئے، ہز لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کا وائس چانسلر کے عہدہ پر مکرر انتخاب ہوا۔ خان بہادر مولوی عبید الرحمن خاں صاحب شروانی بھی از سر نو ٹرژرر مقرر ہوئے۔

عہدہ داروں کے علاوہ حسب ذیل اصحاب مسلم یونیورسٹی کی اگزکٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے: (۱) نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب (۲) نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب (۳) آنریبل حسن امام صاحب (۴) سر محمد یامین خاں صاحب (۵) نواب سر محمد یوسف صاحب۔

مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ایک سابق اجلاس میں ایک سب کمیٹی کا تقرر اس مقصد سے ہوا تھا کہ وہ مسلم یونیورسٹی میں اسلامی ماحول کو مزید ترقی دینے کے وسائل پر غور کرے، اب معلوم ہوا ہے کہ ۲۴ اپریل ۱۹۴۴ء کو اس سب کمیٹی کا ایک جلسہ زیر صدارت ڈاکٹر عبد الجبار خیری صاحب کونسل روم میں منعقد ہوا جس میں مولوی مسعود الرحمن خاں صاحب شروانی اور ظفر احمد صاحب صدیقی بھی شریک تھے۔

بریلی کے اسلامیہ کالج کو توسیع عمارات کے سلسلہ میں مزید زمین کی ضرورت تھی، اب ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ ہز ہائنس فرمانروائے رامپور کی نوازش و کرم سے یہ مشکل حل ہو گئی، یعنی ہز ہائنس دام اقبالہ نے از راہ علم پروری ۲۷۰۰۰ گز زمین کالج کو عطا فرمائی، اس فیاضی سے کالج کی ایک اہم ضرورت پوری ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

پنجاب پراونشل طبی کانفرنس کا عام اجلاس دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ۶-۷ مئی ۱۹۴۴ء کو منعقد ہو رہا ہے جس میں پنجاب کے علاوہ لکھنؤ، دہلی اور حیدر آباد دکن وغیرہ کے نامور اطبا بھی شریک ہو رہے ہیں، مختلف طبیہ کالجوں کے نمائندوں کو بھی شرکت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴-اپریل ۱۹۴۴ء

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس

(از اخبار الفاروق کامٹی)

۱۶-اپریل ۹½ بجے صبح کانفرنس کے منتخب صدر آنریبل سر عزیز الحق صاحب ممبر آف کامرس حکومت ہند بہ شکل جلوس اسٹیشن جبل پور سے انجمن ہائی اسکول سے ملحقہ تعمیر شدہ شاندار پنڈال میں تشریف لائے۔ جہاں اہل صوبہ و شہر کے علاوہ طول و عرض ہند کے نمائندگان نے آپ کا شاندار خیر مقدم کیا اور عوام نے پُرجوش نعرہ تکبیر سے آپ کو خوش آمدید کیا۔

جلسہ ۱۰ بجے شروع ہوا۔ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ جناب خان صاحب عبدالستار صاحب صدر استقبالیہ نے اپنا خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد جناب صدر یار جنگ صاحب بہادر کی تحریک اور خان بہادر حافظ ولایت اللہ صاحب کی و نیز نواب صدیق علی خان صاحب و خان صاحب رشید احمد خان صاحب کی تائید مزید سے منتخب صدر نے تالیوں کی گونج میں کرسیٔ صدارت کو رونق بخشی۔

نواب صدر یار جنگ بہادر نے صدر محترم کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا۔ یہ خوش کرنے اور محض رسمی بات نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کہ آنریبل سر عزیز الحق نے ملک کو جو بہترین خدمات انجام دی ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہیں اور خصوصیت سے ایجوکیشنل کانفرنس سے آپ کو جو تعلق رہا ہے وہ کمال یار جنگ کمیٹی کے دورے اور اس کی سفارشات سے ظاہر ہے۔

آنریبل سر عزیز الحق ایک سچے اور ملک کا قومی درد رکھنے والے انسان ہیں، جس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ آج وہ اپنی مصروفیات کے باوجود دور دراز کا سفر طے کر کے جلسہ کی صدارت فرمانے تشریف لائے ہیں۔

تعارف کے بعد محترم صدر نے اپنا خطبہ صدارت جو انگریزی میں تھا ارشاد فرمایا۔ جسے بہت زیادہ پسند کیا گیا۔

خطبۂ صدارت کے بعد حق ہمایان قوم کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔ ذیل میں ان کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح، جناب سر یحییٰ بخش صاحب وزیر سندھ، نواب مہدی یار جنگ صاحب بہادر، جمیل احمد صاحب برنی، بشیر حسن صاحب ندوی، امیر سر رضا علی نئی دہلی، ڈاکٹر صوفی صاحب لاہور، رؤف شاہ صاحب، وغیرہ پیغامات کے بعد کمال یار جنگ بہادر اور پروفیسر عبدالعزیز [illegible] مرحوم کی وفات حسرت آیات پر قرار داد تعزیت پیش ہوئیں۔ صدر مجلس نے فاتحہ خوانی کی اپیل کی جسے مجمع نے کھڑے ہو کر انجام دیا۔

اجلاس شعبۂ تاریخ و تمدن ۹ بجے شب کو زیر صدارت پروفیسر حلیم صاحب شعبۂ تاریخ و تمدن کا اجلاس شروع ہوا۔ پہلے صدر نے اپنا تحریری خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد سکریٹری شعبۂ تاریخ و تمدن نے اپنی سکریٹری رپورٹ پڑھی اور ذیل کے اصحاب نے مقالات پڑھے۔

خان بہادر ظفر حسن صاحب۔ پروفیسر عبدالغنی صاحب ایم اے، ڈاکٹر عبداللہ صاحب، راشد صاحب برہان پوری، مقالات کے بعد سر عزیز الحق صاحب صدر کانفرنس سے درخواست کی گئی کہ وہ اس موضوع پر کچھ ارشاد فرمائیں۔

سر عزیز الحق نے تالیوں کی گونج میں فرمایا "آدمی پر کئی قسم کی مصیبتیں آتی ہیں۔ میرے لئے ایک مصیبت اردو میں تقریر کرنا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے دوسری چیزیں پیش کرنے کا وقت نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ عام مسلمانوں کی طرح یہاں کی تعلیمی حالت بھی سست کمزور ہے۔ مگر یہ خوشی کی بات ہے کہ اس صوبہ کے مسلمانوں نے اپنی اقلیت کے باوجود اس قدر تعلیم حاصل کر لی ہے اور اگر یہ آپس میں متحد رہے تو مجھے امید ہے کہ بہت جلد ترقی کر جائیں گے۔

میں جب کمال یار جنگ کمیٹی کے سلسلہ میں یہاں آیا تھا۔ تو اسی وقت ہم لوگوں کو معلوم ہوا تھا کہ یہاں کے مسلمان باوجود شدید مشکلات اور موانع کے کئی اسکول چلا رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جبل پور انجمن اسلامیہ کی [illegible] گرانٹ ہمیشہ کے لئے [illegible] چلا گیا۔ یہ صورت دیکھ کر مسلمان اس سے بددل نہ ہوں۔ اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر ایجوکیشنل کانفرنس کی رہنمائی میں تعلیمی میدان میں آگے بڑھیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ اکثریت کا مقابلہ کرنے کے لئے واجب ہے کہ تعلیمی ہتھیاروں سے مسلح ہونا چاہئے۔

سر موصوف نے زمانہ ما بعد جنگ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ دنیا ایک سخت ماحول کو جا رہی ہے۔ ہم اس ماحول سے اس وقت زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جبکہ ہم اس کے لئے پہلے سے تیار رہیں۔ اگر ہم نے قبل از وقت تیاری نہیں کی تو ہمیں [illegible] مشکل ہو جائے گا۔ متمدن دنیا اور خصوصاً انگریز اس کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ مستقبل کا مقابلہ کر سکیں ہمارا ابھی یقین ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں اس خیال سے میں نے اپنے خطبہ صدارت میں اشارات پیش کئے اور زور دیا ہے کہ اس کانفرنس میں سب سے پہلے اس کا فیصلہ کر کے ہی اٹھنا چاہئے [illegible] حالات پیدا کر رہے ہیں۔ سر موصوف نے نواب صدر یار جنگ بہادر کی تعلیمی خدمات کو سراہا۔ اور کہا کہ آپ اس بڑھاپے میں بھی جوانوں کا سا کام کر رہے ہیں۔ آپ سے ہمیں سبق لینا چاہئے مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا جوش بہت جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ میرے مرحوم دوست کمال یار جنگ بہادر جب کبھی مسلمانوں کے جوش کا ذکر آتا تھا تو علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

کے وجود قائم [illegible] خون زندگی دوڑایا جو احیاء علوم کا تنہا ذمہ دار ہے اور جس کی دوراندیشی و نکتہ رسی اس کانفرنس کی خلاق ہے۔ یہ میری آرزو ہے اور دعا بھی کہ اس کانفرنس کے انعقاد کے نتائج خوشگوار اور دور رس ثابت ہوں اور ہمارے صدر محترم ڈاکٹر سر عزیز الحق صاحب ایم اے ایل ایل ڈی، کے بی، سی آئی ای اور ان کے رفقاء کار کی تشریف آوری اس صوبہ میں ایک مستقل یادگار رہے۔ نیز تمام رکاوٹیں جو صوبہ کے مسلم بچوں اور بچیوں کی تعلیم میں سد راہ ہیں ہمیشہ کے لئے دور ہو جائیں۔

حضرات! مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ میں فن تعلیم کے اصولوں سے کما حقہ واقف نہیں ہوں اور اسی لئے ان اکابر اور ماہرین فن تعلیم کے سامنے جو ہماری خوش قسمتی سے مجتمع ہیں صوبہ کے مسلم بچوں اور بچیوں کی تعلیمی مشکلات کو شاید زیادہ وضاحت کے ساتھ نہ پیش کرسکوں گا لیکن ؎

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

مقامی ادارہ تعلیمی انجمن اسلامیہ ہائی اسکول جبل پور سے مدت مدید تک متعلق رہنے اور صوبہ کے اکثر مقامات کا دورہ کرنے کی وجہ سے میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے صوبہ میں مسلمانوں کی پس ماندگی پریشان کن حدود تک پہونچ چکی ہے اور ہم پر مختلف شعبہ جات تعلیم کے دروازے قطعی طور پر بند ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اعداد و شمار کا مطالعہ غلط فہمیوں کی گنجائش پیدا کر دے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی آبادی زیادہ تر شہری ہے اور ایسی صورت میں تناسب آبادی چنداں اہم نہیں۔ پرائمری تعلیم سے ثانوی تعلیم تک اور ثانوی تعلیم سے یونیورسٹی تک کے اعداد و شمار کا جائزہ لینے سے ان مسائل کی صحیح سنگینیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہمارا صوبہ تعلیم میں آخر اس قدر پیچھے کیوں رہا؟ یہ ایک طویل داستان ہے جس کو چھیڑنا اس وقت ضروری نہیں سمجھتا۔ ہاں تین ٹھوس وجوہ جو میری سمجھ میں آسکے ہیں پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک تو یہ کہ ہمارا صوبہ شمالی ہند سے جو مسلمانوں کا گہوارۂ تہذیب و تمدن ہے الگ تھلگ رہا اور خود مسلمانان سی، پی نے عدم توجہی برتی۔ دوسرے تعداد کی قلت اور حد درجہ اقتصادی پس ماندگی نے یہاں کے مسلمانوں کی قسمت کی لکیریں بنائی ہیں۔ تیسری وجہ ہمارے وطنی بھائیوں کی مسلم اقلیت کو نظر انداز کرنے کی پیہم مساعی ہیں جن کا مظاہرہ آئے دن ہوتا رہتا ہے چنانچہ راجہ بہادر لچھمی نرائن کے اس چھبیس لاکھ کے عطیہ کا جو ناگپور یونیورسٹی کو صرف ہندوؤں کی صنعتی و حرفتی تعلیم کے لئے عطا کیا گیا ہے یونیورسٹی کی فرقہ وارانہ ذہنیت کا بین ثبوت ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اہل صوبہ کو بلاتخصیص مذہب اس سے مستفیض ہونے کا موقعہ دیا جاتا اور یونیورسٹی ہرگز ایسے عطیہ کو قبول نہ کرتی جس سے فرقہ وارانہ تعزب کو تقویت پہنچتی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا شہر یونیورسٹی کے قیام کی تجویز تنگ نظری اور حق تلفی کی اپنی آپ مثال ہے۔ یہ تجویز عملی جامہ پہن لینے کے بعد مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کے لئے سم قاتل ثابت ہوگی ان حالات کے علاوہ برادران وطن کی تعلیمی حالت مراعات خصوصی کی بدولت دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے اس کے برعکس ہماری بے کسی اور منزل مقصود سے دوری دیدنی ہے

ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے
یاران تیز گام نے منزل کو جا لیا

انجمن اسلامیہ جبل پور

حضرات! ایک مسلمان کے لئے مذہب ہی سب کچھ ہے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے اخلاف کو تعلیم اس طرح دی جائے کہ ان میں اسلامی زاویہ نگاہ پیدا ہو تاکہ وہ اپنی زندگی کی ضرورت اور اس کے اہم مسائل پر اس نقطۂ نظر سے غور کرنے کے قابل ہو سکیں۔ دور حاضرہ کی الحاد و بے دینی کی تند و تیز ہواؤں کا مقابلہ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہمارے بچوں کی تعلیم میں مذہب کی اہمیت اور اسلاف کے قابل تقلید کارناموں کو نمایاں درجہ حاصل ہو اس خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک صاحب ایثار اور ہمدرد ملت بزرگ خان بہادر مولوی ولی احمد صاحب مرحوم و مغفور نے انجمن اسلامیہ جبل پور کی ۱۸۷۸ء میں بنیاد ڈالی اور اس کو مدت دراز تک انتھک کوشش کر کے شمس العلماء حاجی حکیم مولوی محمد امین صاحب سیشن جج مرحوم نے پروان چڑھایا۔ انجمن کی یہ بلند و بالا خوش نما عمارت اس کی دوسری عمارات اور مستقل ذرائع آمدنی اور نیز مطب کچھ شمس العلماء مرحوم نے قائم کئے۔ سر دست اتنا وقت نہیں کہ انجمن کی تاریخ اور اس کی خدمات بالتفصیل آپ کے سامنے بیان کی جائیں۔ مختصراً عرض ہے کہ ایک اسلامیہ ہائی اسکول جس میں تقریباً سات سو لڑکے زیر تعلیم ہیں۔ گرلس ہائی اسکول جس میں ۱۴۰ لڑکیاں پڑھ رہی ہیں۔ متعدد پرائمری اسکول یتیم خانہ و اہتمام تجہیز و تکفین۔ مساکین اور ضرورتمند طلباء کے لئے وظائف انجمن کے کارناموں میں سے چند ہیں۔ ہم اپنا دائرۂ عمل وسیع تر بنانے کی اسکیمیں مرتب کرنے میں مصروف تھے لیکن خدا بھلا کرے کانگریس کے دور حکومت کا جس کی بدولت ہمیں اس معتدبہ آمدنی سے محروم ہو جانا پڑا جس کے بل بوتہ پر ہم نے اپنے مستقبل کے پروگرام تیار کئے تھے اور جن سے ہماری تمام تر امیدیں وابستہ تھیں۔ میری مراد انجمن اسلامیہ پریس سے ہے جس کو کانگریس راج نے سرکاری چھپائی کے کام سے محروم کر کے فنا کی حد تک پہنچا دیا ؎

نہ کر دے مجھ کو مجبور فغاں درس شکیبائی
مرا سوز دروں پھر گرمیٔ محفل نہ بن جائے

صوبائی گورنمنٹ نے بندوبست کے فارموں کی طباعت کا ٹھیکہ انجمن پریس کو دے رکھا تھا تاکہ انجمن اسلامیہ اپنی تعلیمی جدوجہد میں مالی مشکلات سے دوچار نہ ہو پینسٹھ سال تک اس کام کو خوش اسلوبی سے سر انجام دینے کا صلہ نام نہاد قومی حکومت نے یہ دیا کہ اولین فرصت میں انجمن پریس کو اس اہم کام سے سبکدوش کر دیا جس کی وجہ سے مالی پریشانیاں روز بروز روبہ ترقی ہیں اور مختلف صورتوں میں ہمیں ناامیدی اور دل شکستگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس معقول آمدنی کے دفعتاً بند ہو جانے سے مالی حالت اس قدر سنگین ہو گئی ہے کہ ہم کو اپنے موجودہ اداروں کو ترقی دینا تو کجا ان کا چلانا

بھی دشوار نظر آ رہا ہے۔

اسلامیہ کالج کا قیام

حضرات! ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے کلچر، ہماری تہذیب، زبان اور اعتقادات کا سرکاری و غیر سرکاری درس گاہوں میں کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔ بھیجۂ ظلم سے رحم کی توقع کرنا ہماری مدبری کوتاہی کے مترادف ہے۔ ہم کیوں نہ اپنی دنیا علیحدہ بنائیں اور اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔

تن بے رنج سے بیزار رہے حق
خدا ہے زندہ، زندوں کا خدا ہے

سرکاری غیر سرکاری اداروں کے مقابلہ میں ہم اپنے ادارے کیوں نہ قائم کریں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ؎

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

لیکن ہمیں اپنی دنیا کو خوبصورت بنانے کے لئے اس کی بھی تفتیش ضرورت ہوگی کہ ہم رنگ برنگ کے پھول و پودے لگا کر اس کو پر رونق اور دلکش بھی بنائیں ؎

جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود
ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیٔ فکر و کردار کا

میٹرک کے بعد مسلمان بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے حاطر خواہ حصول میں گوناگوں دقتیں پیش آتی ہیں ان کے دفعیہ کے لئے واحد صورت یہی ہے کہ ہمارے صوبہ میں ایک اسلامیہ کالج جلد از جلد قائم کیا جائے اس صوبہ کی اہم ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اس تاریخی کانفرنس کے صدر محترم و جملہ ارکان سے درخواست کروں گا کہ وہ صوبہ کے مسلمان بچوں کی تعلیم کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیں اور ہماری ضروریات و مطالبات کا خیال رکھتے ہوئے جبل پور میں اسلامیہ کالج کے قیام کی طرف بطور خاص توجہ فرمائیں، تاکہ جبل پور اسلامیہ کالج ہماری پیہم انتھک کوششوں کا ثمر بن کر ہماری تعلیمی فلاح کا ضامن بن سکے۔

شہر جبل پور میں صوبہ کے دیگر شہروں کی بہ نسبت مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ صرف انجمن اسلامیہ ہائی اسکول ہی سے پچاس سے زائد طلبا ہر سال میٹرک پاس ہو کر نکلتے ہیں۔ دیگر اضلاع سے بھی مسلمان طلبا کی ایک بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کی طرف رجوع ہوتی ہے ان طلبا کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام اسلامی ماحول میں اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اسلامیہ کالج کا وجود ہو چنانچہ اسلامی کالج کے قیام سے دیگر اضلاع میں اردو میڈیم اسکولوں کی مانگ بھی پوری ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں ناگپور یونیورسٹی اور حکومت نے ہمارے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک کیا ہے اور ہر دم توجہی و فرض ناشناسی کا ثبوت دیا ہے۔ ہماری تعلیمی مشکلات کے سدباب کی طرف ان سے رجوع کرنا اور ان کی توجہ کی امید کرنا ایک حسین خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ہمیں کالج قائم کرنے کی بھی اجازت نہیں دی جاتی۔ ناگپور یونیورسٹی کے اس قابل مذمت رویہ پر آنسو بہانے کا وقت اب نہیں رہا بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میدان عمل میں گامزن ہوں کیونکہ

آرزوؤں سے بنا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

بحمداللہ یاس و قنوطیت کی تاریکی میں امید کی دلربا شعاعیں بھی نظر آ رہی ہیں ؎

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

ہمارے غریب شہر میں آپ کی آمد آمد ہمارے کم نہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہماری مشکلات بحسن و خوبی حل ہو جائیں گی لیکن صرف حصول اجازت ہی کالج کی تشکیل کو عمل میں نہیں لا سکتی اس کے لئے زر کثیر کی ضرورت ہے مسلمانان سی پی کی اقتصادی حالت بہت پست ہے اسی لئے ہماری توقعات دوسرے صوبہ جات سے وابستہ ہیں مجھے یقین ہے کہ ہماری امیدیں بار آور ہوں گی اور ہماری درخواست آپ کے حساس اور دردمند قلوب کو متاثر کئے بغیر نہ رہے گی۔

تعلیم نسواں

محکمۂ تعلیم نے تعلیم نسواں کے ساتھ بھی اپنی بے اعتنائی برتی اور اس کو بھی کس مپرسی کی حالت میں رہنے دیا ہمارے ساتھ کوئی مراعات نہ برتی گئیں بلکہ ہر جگہ ہندو نوازی اور "بھارتیہ سیتا" کی جابرانہ کارفرمائیوں نے ہماری خواتین کی تعلیمی حالت کو ابھرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا چنانچہ تعلیم نسواں کا جو معیار اور نصب العین ہمارے پیش نظر ہونا چاہئے اس کی تحصیل بہت دقت طلب ہو گئی ہے اور تعلیم نسواں کا خواب شرمندۂ خواب ہی ہے۔

تحقیقاتی کمیٹی

حضرات! ہماری خواہش ہے کہ ہماری مشکلات اور نیز اس امر کے پیش نظر کہ ہمارے صوبہ کو واردھا اسکیم اور ودیا مندر اسکیم کی جنم بھومی کہلانے کا فخر حاصل ہے۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی جانب سے ایک ایسے تحقیقاتی کمیشن کا تقرر عمل میں لایا جائے جس کا فرض ہو کہ وہ ہماری ضروریات اور مشکلات کی تحقیقات کرے اور ہمارے مطالبات کو گورنمنٹ سے تسلیم کرائے۔ ہمارے صوبہ کو تعلیمی اصلاح و ترقی کے بارے میں اپنے مفید مشوروں سے مستفیض کرے اور مسلمان بچوں اور بچیوں کی تعلیمی حالت و ضروریات کا اندازہ کر کے مفید و مناسب لائحۂ عمل مرتب کرے تاکہ آئندہ ہمارے نوجوانوں میں ایسی صلاحیتیں پیدا ہوں جو اس دور رستخیز میں انھیں اپنی قوم کے لئے مفید اور کارآمد بنا سکیں۔

شکریہ

حضرات! سمع خراشی کی معذرت چاہتا ہوں آخر میں صدر محترم و اکابر ملت اور معزز مندوبین کی خدمت میں مسلمانان جبل پور کی جانب سے ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں کہ آپ سب نے دور دراز سے زحمت سفر برداشت کر کے کانفرنس میں شرکت فرمائی اور صوبۂ سی پی و برار کے مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا۔ بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ مجھے نیز میرے دوسرے رفقائے کار کو اس امر کا دلی رنج ہے کہ ہم آپ کی شایانِ شان خاطر و مدارات نہ کر سکے یقین ہے کہ موجودہ زمانہ کی ہولناک مشکلات اور ضرورت کی ہر چیز کی گراں ارزانی پر لحاظ فرماتے ہوئے آپ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائیں گے۔ والسلام

مہاسبھائی لیڈروں کی سرگرمیاں

مسلمانوں کے خلاف مہاسبھائی لیڈروں کی سرگرمیاں برابر بڑھتی جاتی ہیں چنانچہ ہمعصر الکلام بنگلور سے معلوم ہوا کہ ابھی حال میں بنگلور میں ہندوؤں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس کے

یہ جائز رکھا کہ اُن لیڈروں کو جو فرقہ پرستی میں بدنام ہیں اپنے یہاں ایسی تقریریں کرنے کی اجازت دی جن سے اُس کی ہندو مسلم رعایا کے باہمی تعلقات خراب ہوں اور ملک کی امن و عافیت کو نقصان پہنچے۔

ـــــــ

ــ تک ہماری دیسی ریاستوں کے فرمانروا ... اور ہندو مسلم رعایا سے یکساں سلوک کرنے میں نیک نام تھے اور یہ اسی کا اثر تھا کہ ... ریاستیں فرقہ وارانہ جھگڑوں سے بڑی حد تک ... تھیں اور رعایا کے سب فرقے بلا امتیاز مذہب اپنے فرمانروا کو یکساں طور پر عزیز و محبوب رکھتے اور ... رعایا کا ہمدرد و غمگسار سمجھتے تھے۔

ہندو ریاستوں میں مسلمان بڑے بڑے ذمہ داری کے عہدوں پر مامور تھے جو ہمیشہ ریاست کی ترقی کے لئے کوشش کرنے اور مہاراجہ کی خدمت وفاداری سے انجام دیتے تھے، یہ تھیں ہماری دیسی ریاستوں کی مشرقی روایات! لیکن اب یہ حالت ہے کہ بیرون ریاست کے فرقہ پرست لیڈر ریاستوں میں جاکر ایسی تقریریں کرتے ہیں جن سے وہاں کی فضا خراب ہوتی ہے اور امن و امان میں خلل پڑتا ہے، اگر یہ سلسلہ ریاستوں میں جاری رہا تو اس کا انجام خطرناک ہوگا۔

کیا یہ حقیقت انگیز نہیں ہے کہ مسٹر ساورکر منگلور پہنچ کر ہندوؤں کے جذبات برانگیختہ کرنے کے لئے پرانے قصے چھیڑتے ہیں اور ٹیپو کے ایک مسلمان شاہی خاندان کو غاصب قرار دے کر لوگوں میں اشتعال پیدا کرتے ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ

"ہندوستان ہندوؤں کا ملک
ہے اور ہمیشہ رہے گا"

... یہ ہے کہ ہندوستان مسلمانوں کا ملک ... وطن نہیں ہے، جب مسلمانوں کو وہ اس طرح بیگانہ ... سمجھتے ہیں تو اس کے جواب میں مسلمانوں سے کیا توقع رکھتے ہیں، ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جب تک ہندوستان میں ایسے تنگ نظر لیڈر موجود ہیں ہندوستان "ہمیشہ انگریزوں کا ملک رہے گا اور اسے کبھی آزادی نصیب نہ ہوگی"

ڈاکٹر مونجے مسور پہنچ کر اپنا دماغی توازن قائم نہیں رکھ سکے اور انھوں نے مسٹر ساورکر سے بڑھ کر مسلمانوں کو یہ دھمکی دی کہ

"مسلم لیگ کی سرگرمیوں سے علیحدہ
رہیں ورنہ انھیں خطرات سے دوچار
ہونا پڑے گا"

ہم معلوم کرنا چاہتے کہ اگر یہ صحیح ہے تو کیا ریاست میسور نے ڈاکٹر مونجے کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ اس کی مسلمان رعایا کو اس قسم کی دھمکی دیں، اس کے بعد ہم مسٹر مونجے سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کون سے "خطرات" ہیں جن سے مسلمانوں کو "دوچار ہونا" پڑے گا۔ اور وہ کون سی طاقت ہے جو مسلمانوں کے ساتھ خون کی ہولی کھیلے گی؟ مسٹر مونجے کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان "خطرہ" سے نہیں ڈرتا، اسلام کی ساری تاریخ خطرات سے بھری ہوئی ہے، آخر میں مسٹر مونجے نے یہ فرمایا۔

"ہندوستان ہندوؤں کا ہے اور
جب تک ایک ہندو بھی زندہ ہے
پاکستان نہ قائم ہونے دیگا"

یہ کس قدر مضحکہ انگیز بات ہے، ہندوستان کے نوے فی صدی ہندوؤں نے کب مونجے کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ اُن کی طرف سے اس قسم کے لغو اعلان کریں، اس کے علاوہ مونجے صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہندوستان صدیوں تک "پاکستان" بنا رہا، حالانکہ یہاں ایک ہندو نہیں بلکہ کروڑوں ہندو موجود تھے، اور انشاء اللہ آیندہ بھی پاکستان بنے گا جس میں ہندو مسلمان دونوں باہمی میل ملاپ سے رہیں گے اور مونجے صاحب کی قسمت میں حسرت و ناکامی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

ـــــــ

بنارس یونیورسٹی سے طلبہ کا اخراج

بنارس کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ہندو یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ نے ۱۴ طلبہ کو جن میں تین لڑکیاں بھی شامل ہیں دو سال کے لئے یونیورسٹی سے خارج کر دیا ہے ان کے خلاف یہ الزام ہے کہ انھوں نے امتحان میں سوالوں کا جواب دیتے وقت نامناسب طریقے اختیار کئے۔

محمد عبد الغفار خاں صاحب کی رحلت

رنج و افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ محمد عبد الغفار خاں بی اے ایل ایل بی (علیگ) سابق اگزکٹو افیسر بریلی نے جو کچھ مدت سے علیل تھے رحلت فرمائی، مرحوم ۲۰ سال تک بریلی میونسپلٹی میں اگزکٹو افیسر کے عہدہ پر مامور رہے اور اپنے فرائض قابلیت سے انجام دیتے رہے۔ اس عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے وکالت شروع کر دی تھی، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق بخشے۔

ـــــــ

ایک اور حادثۂ رحلت

ہم نے یہ خبر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ سنی کہ خان بہادر مولوی سید آل علی نقوی صاحب ایم اے سکرٹری شعبۂ تعلیمی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی والدہ ماجدہ نے حال میں رحلت فرمائی، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ اور نقوی صاحب و دیگر اعزا و اقارب کو صبر عطا فرمائے۔

ـــــــ

بنگال میں تعلیمی بل کا معاملہ

کلکتہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یونائیٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ وزیر اعظم بنگال خواجہ سر ناظم الدین نے ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی اور جماعت اختلاف کے تین اور ممبر کو وزارتی پارٹی کے اتنے ہی ممبروں کے ساتھ ایک گول میز کانفرنس میں مل کر بیٹھنے کی دعوت دی ہے۔ تاکہ "تعلیمی بل" پر تبادلۂ خیالات کیا جا سکے اور اگر ممکن ہو تو کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے جس پر سب متحد ہو سکیں۔

ـــــــ

ہندوستان کو ۸۰ کروڑ کا سامان

واشنگٹن کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۴۵ء کے آخر تک امریکہ تقریباً اسی کروڑ کا سامان ہندوستان کو بھیجے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسی

امداد کے متعلق اگرچہ امریکہ اور ہندوستان کے درمیان کوئی باقاعدہ مفاہمت نہیں ہوئی ہے لیکن ہندوستان نے باہمی مفاہمت کا اصول مان لیا ہے۔ ہندوستان اُدھار اور پٹے کے قانون کے ماتحت سپلائی کئے ہوئے سامان کے معاوضہ میں امریکہ کو سامان سپلائی کر رہا ہے۔

راشن کے سلسلہ میں مسلم لیگ کی ہدایات

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل نے سب صوبائی مسلم لیگوں کو ایک گشتی مراسلہ بھیجا ہے جس میں انہیں ہدایت کی ہے کہ جہاں جہاں حکومت راشن بندی کرنا چاہتی ہے وہاں اس کام میں مسلم لیگ کو مقامی حکام اور راشننگ حکام کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے اور راشن بندی کے نظام میں مسلمانوں کے حقوق ومفاد کی نگرانی کرنی چاہئے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ مسلمان چونکہ زیادہ تر ناخواندہ ہیں اس لئے راشن بندی کے بارے میں انہیں تمام باتیں سمجھانی چاہئیں۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ "مجلس عمل" کا آیندہ اجلاس لاہور میں منعقد ہو رہا ہے۔

صوبہ سرحد سے مسلم لیگ کو دعوت

صوبہ سرحد کی ایک خبر مظہر ہے کہ پراونشل مسلم لیگ صوبہ سرحد نے حال میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اگلے اجلاس کو پشاور میں منعقد کرنے کی دعوت دی جائے، ہمارا خیال ہے کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی خصوصیت سے ضرورت ہے۔

سنسر کے خلاف احتجاج

لندن کی ایک خبر مظہر ہے کہ ہندوستان کی علمی وسیاسی خبروں پر سنسر شپ کے متعلق [illegible] نے برٹش پارلیمنٹ میں یہ سوال کیا [illegible] گورنمنٹ کوئی تبدیلی [illegible] مسٹر ایمرے نے جواب

میں کہا کہ میں نے ہندوستان میں مقیم برطانوی نامہ نگاروں کی بعض اطلاعات [illegible] کے خلاف احتجاج کی اطلاع اخبارات میں پڑھی ہے۔ یہ نامہ نگار جنوب مغربی ایشیائی کمان کے ساتھ کام کر رہے ہیں اس سلسلہ میں تحقیقات جاری ہیں۔

مسٹر اسٹراس۔ کیا وزیر ہندوستان کے حکام پر یہ واضح کر سکتے ہیں کہ برطانوی عوام برما کی مہم کے متعلق حقائق کو جاننا چاہتے ہیں خواہ وہ سازگار ہوں یا ناسازگار۔ صرف حفاظتی وجوہ کی بنا پر ہی اطلاعات میں مداخلت کی اجازت ہو سکتی ہے۔

مسٹر ایمرے نے جواب میں کہا کہ میرے خیال میں حفاظتی وجوہ کی بنا پر ہی مداخلت کی گئی۔

مسٹر ڈبلیو۔ ڈبلیو آسٹر نے دریافت کیا کہ مسٹر ایمرے جانتے ہیں کہ بدقسمتی سے اخبارات اور ہندوستان کے فوجی حکام کے درمیان تعلقات دوسرے جنگی رقبوں کی نسبت بدتر ہیں۔ کیا وہ انگلینڈ سے کسی تجربہ کار افسر کو وہاں بھیجیں گے تاکہ اس مشکل کا علاج کیا جا سکے۔ مسٹر ایمری نے جواب میں کہا کہ سارے سوال پر غور کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر حامد علی صاحب کے اعزاز میں ایٹ ہوم

ڈاکٹر حامد علی صاحب (علیگ)، وظیفہ یاب سرکار نظام نے طلبہ کے وظائف کے لئے جو گرانقدر رقم وقف کی ہے اس کا تذکرہ کانفرنس گزٹ میں ہو چکا ہے۔

اب معلوم ہوا ہے کہ "انجمن طلبائے قدیم علی گڑھ (حیدرآباد دکن)" نے بغرض اظہار شکر گزاری چمن [illegible] (حیدرآباد) میں ایک ایٹ ہوم دیا جس میں علی گڑھ کے تقریباً ڈیڑھ سو طلبائے قدیم شریک ہوئے۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا جس میں اُن کے زمانہ طالب علمی اور سادہ زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ۱۳ لاکھ روپیہ کے عطیہ پر شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ اور یہ بتایا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے کیسی محنت و کفایت شعاری سے یہ روپیہ جمع کیا تھا جو قوم کے بچوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے سپاسنامہ کے جواب میں ایک نہایت اثر انگیز تقریر کی جس میں علی گڑھ سے اپنی عمیق محبت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بتایا کہ انہوں نے ....

جلد (۱۵) | مورخہ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ... و ۲۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۱۸ و ۱۹)

مسٹر احمد وہاب چیف ڈائرکٹر پبلسٹی ... مسلم یونیورسٹی اطلاع دیتے ہیں کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی اگزیکٹو کونسل کا ایک اجلاس ... مئی سنہ مقام کونسل روم بصدارت لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر منعقد ہوا۔ آنریبل حسن امام صاحب ... خان صاحب، ملا محمد بیگ مرزا صاحب حاجی ... حسن صاحب اور نواب صدر یار جنگ بہادر صاحب شریک جلاس تھے۔

... علی حضرت سلطان العلوم حضور ... دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کا شکریہ ادا کیا گیا کہ حضور نے یونیورسٹی کے ... جنگ کے سلسلہ میں ... کا اضافہ منظور فرمایا ہے۔

ڈاکٹر ربیع محمد چودھری صاحب اور ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب کو فزکس میں پروفیسر بنایا گیا۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد بابر مرزا صاحب چونکہ فیکلٹی آف سائنس کے ڈین مقرر ہو چکے ہیں اس لئے اُن کی بجائے ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب کو آفتاب ہال کا

پرووسٹ مقرر کیا گیا۔

نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب حاجی بوالحسن صاحب اور خان بہادر عبد المجید قریشی صاحب کو اگزیکٹو کونسل اور اکیڈمک کونسل کی اس مشترکہ کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا، جو مسلم یونیورسٹی کے دستور میں عہدہ پرو وائس چانسلری کی تخفیف اور ڈیلیگیٹ سسٹم کے نفاذ کی وجہ سے ہونے والی ضروری ترمیمات کرے گی۔

کونسل نے منظور کیا کہ یونیورسٹی کے ان ملازمین کو جن کا مشاہرہ (۳۹) ماہوار تک ہے (۶) روپیہ ماہوار اور جو (۱۵) تک مشاہرہ پاتے ہیں (۸) روپیہ ماہوار کی شرح سے مہنگائی دی جائے۔

کونسل نے وائس چانسلر صاحب کی اس تجویز کو منظور کیا کہ ممبران سٹاف کو اشیائے خوردنی خریدنے کے لئے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دی جائے۔

ٹریننگ کالج کے لکچرر مشرف حسین صاحب ایم اے، ای ٹی (لیڈس) کو مسلم یونیورسٹی اسکول کا ایکٹنگ ہیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا۔

خان بہادر نبی بخش محمد حسین صاحب دیوان ریاست جوناگڈھ کو بطور نمائندہ دربار جوناگڈھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کا ممبر قرار دیا گیا۔

یہ خبر ہم نے نہایت رنج و افسوس کے ساتھ سنی کہ خان بہادر کرنل مقبول حسین صاحب قریشی ہوم منسٹر ریاست بہاولپور کی والدہ ماجدہ نے ۲۲ اپریل گزشتہ کو رحلت فرمائی، ہمیں اس اندوہناک ... میں کرنل صاحب موصوف کے ساتھ ہمدردی ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کرنل صاحب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

خان بہادر کرنل مقبول حسین صاحب علی گڑھ کے ممتاز اولڈ بوائے ہیں، اور اب بھی مسلم یونیورسٹی سے عمیق تعلق رکھتے ہیں، اس کے علاوہ آپ کانفرنس اور کانفرنس گزٹ کے خاص معاون و بہی خواہ ہیں۔ اور کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ... کی صدارت بھی فرما چکے ہیں۔ امید ہے کہ ... اس صدمہ کو صبر و استقامت ... کریں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ و ۱۶ مئی سنہ ۱۹۴۴ء

ہماری تعلیمی و اقتصادی پستی اور اُس کے نتائج

انگریزی عہد حکومت میں "جدید تعلیم" کی ترقی و اشاعت نے ہندوستان کی مختلف قوموں میں بیداری پیدا کر دی ہے۔ اس لئے کم و بیش ہر قوم ترقی حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کر رہی ہے۔ چنانچہ مسلمان بھی شخصی و اجتماعی طریقہ سے اس کوشش میں مصروف ہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ جیسی مستعدی و سرگرمی سے برادران وطن اپنی قومی ترقی کے لئے محنت و کوشش کر رہے ہیں مسلمانوں میں ایسی سرگرمی نہیں پائی جاتی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں، کیونکہ دونوں قوموں کی محنت و کوشش کے نتائج ہمارے سامنے موجود ہیں، اس لئے ہر شخص جو ملک کی حالت سے کچھ بھی باخبر ہے اچھی طرح جانتا ہے کہ ہندوستان کی ان دو کثیر الافراد قوموں یعنی ہندو و مسلمانوں میں کون سی قوم آگے بڑھ رہی اور زیادہ ترقی کر رہی ہے اس حقیقت کو نہایت مختصر الفاظ میں اس طرح ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی یہ دونوں قومیں زندگی کے جن شعبوں میں ترقی کر رہی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تعلیم جس میں عام تعلیم کے علاوہ صنعت و حرفت، زراعت وغیرہ کی تعلیم بھی شامل ہے۔

۲۔ تجارت و کاروبار۔ خواہ وہ ملک کی خام اجناس و پیداوار سے تعلق رکھتا ہو یا ملکی و غیر ملکی مصنوعات و دستکاری سے۔

۳۔ ملازمت یعنی حکومت انگریزی اور دیسی ریاستوں میں چھوٹے بڑے سرکاری عہدے جو علاوہ وسیلۂ معاش ہونے کے قوم کی قوت و رسوخ کا بھی ایک زبردست ذریعہ ہیں۔

ترقی کے مذکورہ بالا شعبوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد و حیثیت برادران وطن سے زیادہ یا اُن کے برابر ہو، یعنی تعلیم، تجارت اور سرکاری ملازمت ان میں کسی میں بھی مسلمانوں کی کوئی ممتاز حیثیت نہیں ہے جس کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

۱۔ قومی ترقی کے لئے بنیادی چیز "تعلیم" ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم جب اس میں ترقی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے تعلیم پر توجہ کرتی ہے چنانچہ ہندوستان میں بھی جب ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد لوگوں کو اپنی اصلاح و ترقی کا خیال پیدا ہوا تو سب سے پہلے اسی بنیادی چیز یعنی "تعلیم" پر توجہ کی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ جذبہ سب قوموں میں ایک ساتھ نہیں پیدا ہوا تھا اس لئے ہندوستان کی مختلف قومیں بیک وقت اور ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو تعلیم حاصل کرنے میں مشغول نہ ہو سکیں، بلکہ پہلے ہندو آگے بڑھے اس کے بعد مسلمانوں نے بھی کسی قدر تذبذب و بے رغبتی کے ساتھ آگے قدم بڑھایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے خیال میں بھی جو کام سب سے پہلے کرنے کے لائق تھا وہ یہی تھا کہ بمقتضائے زمانہ جدید تعلیم حاصل کی جائے، یہ اور بات ہے کہ بدقسمتی سے مسلمانوں کو اس ضرورت کا بہت دیر میں احساس ہوا اس لئے وہ تعلیم میں برادران وطن سے پیچھے رہ گئے اور اس پسماندگی کی وجہ سے اُن کی برابری نہ کر سکے۔

یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی قوم وقت پر بیدار نہیں ہوتی اور کام کرنے کا صحیح موقع ضائع کر دیتی ہے تو اس کے نتائج اُسے مدت تک بھگتنے پڑتے ہیں، جس طرح میدان جنگ میں ایک جنرل کی ذرا سی غلطی جنگ کا نقشہ پلٹ دیتی ہے، اور اس کی وجہ سے فتح بصورت شکست تبدیل ہو جاتی ہے، اسی طرح کسی قوم کی غلطی سے اُس کے مستقبل کا مرقع بالکل بدل جاتا ہے یعنی جو قوم وقت پر قدم نہیں اٹھاتی یا غلط قدم اٹھاتی ہے، تو اس کے اثرات اتنے دور رس اور شدید ہوتے ہیں کہ آنے والی نسلیں بھی مصیبت میں گرفتار ہو جاتی ہیں اور اُن کی ہمت پست ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ ماضی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے اکثر اس قسم کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں کہ وہ اپنی غفلت یا کوتاہ اندیشی کی وجہ سے وقت پر بیدار نہیں ہوئے اس لئے وہ سب کچھ اپنے ہاتھ سے کھو دیا جو یقیناً انھیں مل سکتا تھا۔ یہی صورت ہندوستان میں پیش آئی کہ مسلمانوں نے مقتضائے وقت کو نہ پہچانا اور ایک خاصی مدت تک پس و پیش کی حالت میں رہے، جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ دوسرے ابنائے وطن سے پیچھے رہ گئے اگر ہندوستان میں مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم نہ ہوتی تو یہ ممکن تھا کہ اس ناعاقبت اندیشی سے انھیں کوئی نقصان نہ پہنچتا کیونکہ کسی قوم سے مقابلہ نہ تھا۔ لیکن بحالت موجودہ جبکہ ہندوستان میں دوسری قومیں بھی موجود ہیں مسلمانوں کی ذرا سی تاخیر انھیں سخت نقصان پہنچا سکتی ہے، کیونکہ دوسری قومیں اس کا ہرگز انتظار نہیں کریں گی کہ جب تک مسلمان آگے قدم نہ بڑھائیں وہ اُن کے انتظار میں ٹھیری رہیں دنیا میں ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ جو قوم سبقت کرتی ہے عموماً وہی کامیاب ہوتی ہے۔

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

غرض واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے بھی اپنی قومی ترقی کے لئے وہی راستہ اختیار کیا جو برادران وطن نے، لیکن بہت تاخیر کے بعد، جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ پیچھے رہ گئے اور اب تک اُن کے اور برادران وطن کے درمیان اتنا فاصلہ موجود ہے کہ جس کو طے کر کے آگے بڑھ جانے والوں کے دوش بدوش پہنچ جانا اُن کے لئے بہت مشکل ہے۔

اس کے بعد اعمال نامہ کا نمبر آتا ہے۔ اعمال نامہ کی کوئی معمولی صفت نہیں ہے۔

کہ سا کو جس شعر پر سید صاحب نے جس طور سے ختم کیا ہے وہ نہایت معنی خیز اور پُر اثر ہے مجھے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے یہ شعر حفیظ نے کہا ہوتا تو سید صاحب کا کہلاتا۔ اور سید نے بھی پوری داستان نہ دوہرائی ہوتی تو اس آخری کو ذہن میں رکھ کر کوئی دوسرا اُن کی داستان مرتب کر دیتا وہ شعر یہ ہے۔

پانی وضو کو لاؤ رُخِ شمع زرد ہے
مینا اُٹھاؤ وقت اب آیا بہار کا

آخر میں مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر علی گڑھ کا گنہگار یعنی علی گڑھ کے گنہگار نمبر ۲ سے شعر سننے پا آزردہ ہوا ہو تو اُسے اکبر کا یہ شعر بھی یاد رکھنا چاہئے

دی نگاہ جو کرلی ہے سنت رندوں کو
غضب یہ ہے کہ کہیں محتسب بھی ہوتی ہے

(کسی قدر ترمیم و اضافہ کے بعد بإجازت آل انڈیا ریڈیو دہلی)

پنجاب مسلم لیگ کی توسیع و استحکام

پنجاب کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی) نے جو سب کمیٹی مقرر کی تھی اس نے چھ گھنٹے کے غور و بحث کے بعد صوبہ پنجاب میں مسلم لیگ کے نظام کی توسیع و استحکام کے لئے ایک جامع اسکیم مرتب کی ہے اس اسکیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ایک صوبائی سکریٹریٹ لاہور میں قائم کیا جائیگا جس کی شاخیں صوبہ کے تمام اضلاع میں پھیلائی جائیں گی۔ کارکنوں کے لئے ٹریننگ کی ایک کورس بھی زیر تجویز ہے۔

۴ مئی ۱۹۴۶ء کو سب کمیٹی کی رپورٹ ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھی گئی، جس نے سب تجویزیں منظور کر لیں، ورکنگ کمیٹی نے ایک نگراں کمیٹی بھی قائم کی ہے۔ تاکہ حکومت کے مختلف شعبوں کے ماتحت مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔ اس کمیٹی کے کنوینر میاں امیر الدین ایم ایل اے اور ممبر شیخ صادق حسن ایم ایل اے مولوی غلام محی الدین ایم ایل اے اور خواجہ صمد ایم ایل اے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک دوسری خبر میں بتایا گیا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل اور ورکنگ کمیٹی پراونشل مسلم لیگ پنجاب کے ارکان کی ایک غیر رسمی کانفرنس میں سیاسیات پنجاب کی تازہ صورتوں اور خاص کر جناح خضر حیات مذاکرات اور اُن کے تاثرات پر تبادلۂ خیالات ہوا، پنجاب کے دیہی علاقوں میں مسلم لیگ کے نظام کو مضبوط بنانے کے پروگرام پر بھی غور کیا گیا۔

پنجاب میں مسلم لیگ کی جد وجہد

لاہور سے یہ خبر شائع ہوئی ہے ممدوٹ ولاس پنجاب پراونشل مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم لیگ کی "مجلس عمل" کا مشترکہ اجلاس کئی گھنٹے جاری رہا، اجلاس کے خاتمہ پر ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی جسے صوبہ پنجاب میں مسلم لیگ کی تنظیم مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی صنعتی اور ذہنی بیداری کے لئے پروگرام تیار کرنے کا اختیار دیدیا گیا۔

پروپیگنڈا کے لئے ایک درجن تنخواہ دار کارکن رکھے جائیں گے جو بہترین مقرر ہوں گے ان کا کام یہ ہوگا کہ وہ گاؤں گاؤں پھریں اور مسلم لیگ کا پیام عوام تک پہنچائیں نیز رضاکاروں کی ایک بڑی جماعت تیار کی جائے گی، ان والنٹیروں اور لیگ کے دوسرے کارکنوں کی ٹریننگ کے لئے لاہور میں ایک "ٹریننگ سنٹر" کھولا جائے گا۔ اس کے علاوہ سب کمیٹی نے ایک "محافظ حقوق مسلمین" کمیٹی بھی بنائی ہے۔ اُس کے داعی میاں امیر الدین ایم ایل اے مقرر کئے گئے ہیں۔ اس کمیٹی نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر کسی مسلمان کو کسی قسم کی کوئی تجویز بھیجنی ہو یا معلومات حاصل کرنی ہوں تو وہ کمیٹی کے دفتر سے نامہ و پیام کرے۔

یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ ان سب تجویزوں کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی رقم منظور کی گئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس اسکیم کو مرتب کر لینے کے بعد سب کمیٹی نے اسے ممدوٹ ولاس پر اونشل مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھا۔ ورکنگ کمیٹی اور سب کمیٹی کے مشترکہ اجلاس نے دو گھنٹہ کی بحث کے بعد اسے متفقہ طور پر منظور کر لیا اب اس اسکیم کو آخری منظوری کے لئے "مجلس عمل" کے اجلاس میں پیش کیا جائیگا۔

مسلم لیگ صوبہ متحدہ کی مجلس عاملہ کا تقرر

لکھنؤ کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ صدر پراونشل مسلم لیگ یوپی نے حسب ذیل اصحاب کو اپنی ورکنگ کمیٹی کے ارکان کی حیثیت سے نامزد کیا ہے (۱) چودھری خلیق الزماں صاحب لکھنؤ (۲) نواب سر محمد یوسف (جونپور) (۳) عزیز احمد خاں (بریلی) مسٹر ظہیر الحسن لاری (الہ آباد) (۴) شیخ ظہور احمد (الہ آباد) مولوی جمال میاں (لکھنؤ) (۵) مولوی عبدالحامد (بدایوں) (۶) مولوی کرم علی صاحب ملیح آبادی (۷) سید محمد اشرف صاحب (میرٹھ) (۸) مسز شوکت علی (بلند شہر) (۹) بیگم اعزاز رسول (ہردوئی) (۱۰) مسٹر سلیمان خاں (مظفر نگر) (۱۱) حافظ نبی احمد خاں (کانپور) (۱۲) سید محمود احمد (گورکھپور) (۱۳) مولوی کرم الرضا خاں (شاہجہاں پور) (۱۴) سید ذاکر علی صاحب (آگرہ) (۱۵) سید مغرب حسین صاحب (امروہہ) (۱۶) مسٹر احسان الرحمن قدوائی (بارہ بنکی) (۱۷) مسٹر رضوان اللہ (گورکھپور)

ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۳ مئی ۱۹۴۶ء کو محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ میں ہوگا

حکومت ترکی اور خطرۂ جنگ

انقرہ ریڈیو نے حکومت ترکی کے وزیر خارجہ اوغلو کا ایک بیان براڈکاسٹ کیا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ ترکی کو ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہئے۔ ترکی اس وقت ایسے زمانہ سے گزر رہا ہے جبکہ دنیا مصیبت میں ہے۔ جب تک دنیا اس مخمصہ میں مبتلا ہے

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خان ندوی

مینیجر سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۵) ۲۴ - مئی ۱۹۴۴ء مطابق یکم جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۳ھ نمبر (۲۰)

چنکنگ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ہندوستان کے مشہور فلاسفر سر را دھا کرشنن چنکنگ پہنچ گئے آپ کے اعزاز میں سائنو انڈین سوسائٹی کی طرف سے پارٹی دی گئی - ڈاکٹر ہیچیان ہی چیرمین بورڈ نے کہا کہ سر رادھا کرشنن ہندو ساتی تمدن کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں اور وہ ایسے زمانہ میں یہاں آئے ہیں جبکہ ہندوستان کا تمدن از سر نو چین میں منتقل ہو گیا ہے -

---

طہران کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ ایران کا جو وفد ہندوستان آیا تھا وہ اب اپنا دورہ ختم کرنے کے بعد ایران پہنچ گیا ہے، وفد کے ارکان ہندوستانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لیکچر دیں گے دونوں ممالک (ایران و ہندوستان) کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے طلبہ کے باہمی تبادلہ کا سوال زیر غور ہے معاصر پریس ہندوستان کی خبروں کو نمایاں طور پر شائع کر رہا ہے -

---

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ہندوستان

کے نو سر برآوردہ ماہرین صنعت کا جو وفد امریکہ گیا تھا وہ انگلستان جانے والا تھا وہ سفر کی موجودہ مشکلات کی وجہ سے ابھی چند مہینے تک انگلینڈ نہیں جا سکے گا البتہ اگر حالات بہتر ہو گئے تو نومبر ۱۹۴۴ء کے آخر تک یہ لوگ روانہ ہو جائیں گے -

---

کلکتہ کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ بنگال کی لیجسلیٹو اسمبلی میں مسٹر تمیز الدین خاں وزیر تعلیم نے "بنگال سکنڈری ایجوکیشن بل" پیش کیا، یہ ایک بورڈ کے قیام سے تعلق رکھتا ہے جو بنگال میں ثانوی تعلیم کے لئے کام انجام دیگا -

اسی سلسلہ میں یہ خبر بھی موصول ہوئی ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی کی سنٹ نے ۶ ووٹوں کے مقابلہ میں ۳۴ ووٹوں سے وہ رپورٹ منظور کر لی ہے جو بنگال سکنڈری ایجوکیشن بل کے بارے میں سنڈیکیٹ نے پیش کی تھی اس کے ذریعہ سے حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ بل کو ترک کر دیا جائے -

ڈھاکہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ سکنڈری ایجوکیشن بل کے خلاف بطور احتجاج ہندو طلبہ نے

اسٹرائک [illegible] اور کالجوں میں نہیں گئے [illegible]

دہلی کی ایک [illegible] احمد سعید صاحب صدر [illegible] مسٹر محمد علی جناح کو ایک تار [illegible] میں ان کی اس تقریر کا جو ۲ - مئی ۱۹۴۴ء کو سیالکوٹ میں کی گئی تھی اور جس میں اسلامی جماعتوں سے تعاون کی اپیل کی گئی تھی، خیر مقدم کیا ہے مولوی صاحب نے مسٹر جناح کو ۲۶ - ۲۷ اور ۲۸ مئی کو دہلی میں جمعیتہ العلماء صوبہ دہلی کے اجلاس میں شریک ہونے کی دعوت دی ہے تاکہ باہمی تبادلۂ خیالات سے ملت اسلامیہ کے صحیح اور حقیقی مفاد پر غور کیا جا سکے -

---

کلکتہ کی ایک خبر مظہر ہے کہ بنگال سکنڈری ایجوکیشن بل کے خلاف پروٹسٹ کرتے ہوئے ہندوؤں نے ہڑتال کی اور بہت سی دکانیں بند رہیں یہ کارروائی مہاسبھا کے فیصلہ کی بنا پر کی گئی -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ مئی ۱۹۴۴ء

ہماری تعلیمی و اقتصادی پستی اور اُسکے نتائج (۲)

اپنے پچھلے مضمون میں مسلمانوں کی تعلیمی و اقتصادی پستی کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم نے یہ بتایا تھا کہ مسلمان جس طرح تعلیم میں پسماندہ ہیں اسی طرح تجارتی کاروبار میں بھی اس کا کوئی معقول حصہ نہیں ہے، ایسی حالت میں اگر وہ افلاس و بیچارگی کی حالت میں مبتلا ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

موجودہ زمانہ میں تجارتی کاروبار جس بلند و حیرت انگیز معیار پر پہنچ گیا ہے اور یورپ و امریکہ کے سرمایہ دار اُس کے ذریعہ سے جو بے پایاں دولت حاصل کر رہے ہیں ایک ہندوستانی شاید ابھی اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کیونکہ ہندوستان میں یورپ اور امریکہ کی طرح ایسے سرمایہ دار نہیں ہیں جو کروڑوں اربوں روپیہ کے سرمایہ سے عظیم الشان کارخانے قائم کر سکیں یا جن کے تجارتی جہاز لاکھوں روپیہ کے سامان سے لدے ہوئے ساری دنیا کے سمندروں میں دوڑ رہے ہوں اور ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے اپنا تجارتی مال مشرقی دنیا کے ایک ایک گوشہ میں پہنچا رہے ہوں، اس کے علاوہ ہندوستانی سرمایہ دار کی ایک خاص کمزوری یہ ہے کہ اُسے وہ وسائل و سہولتیں میسر نہیں ہیں جو آزاد ممالک کے تاجروں کو اپنی قومی حکومت کی وجہ سے حاصل ہیں۔

جب ہم ہندوستانی مسلمانوں کی تجارتی و اقتصادی پسماندگی کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان یورپ و امریکہ سرمایہ داروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ موجودہ صورت میں جبکہ مسلمان محکومیت کی حالت میں ہیں اور تجارت کے جدید ترقی یافتہ طریقوں سے بالکل بیگانہ و ناآشنا ہیں کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ تجارتی کاروبار میں یورپ کی اُن اولوالعزم قوموں کا مقابلہ کر سکیں گے جو علاوہ سرمایہ داری کے اپنی علمی برتری مہارت فن اور سائنس کے مسلسل تجربات کے اعتبار سے اُن سے بمراتب بلند ہیں ایسی حالت میں مسلمانوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ باوجود فقدان وسائل تجارت میں دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کا مقابلہ کر سکیں گے ایک مضحکہ انگیز بات ہے۔

مسلمانوں کی بے مائیگی اور افلاس تو مسلّم ہے، ہمارے برادران وطن جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دولت مند ہیں اور اُن میں بہت سی قومیں صدیوں سے تجارتی کاروبار میں مصروف ہیں گویا بیوپار اُن کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے جب وہ بھی یورپ کے سرمایہ داروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو مسلمان جو بے کس شمار میں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی تجارتی پستی و کمزوری سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ برادران وطن کے مقابلہ میں تجارتی میدان میں پسماندہ ہیں یعنی دولت کمانے کے جو وسائل اُن کے ابنائے وطن کو حاصل ہیں وہ مسلمانوں کو میسر نہیں ہیں، اس لئے وہ اُن کے مقابلہ میں مفلس ہیں اور یہ اسی افلاس کا نتیجہ ہے کہ اُن کا سارا نظام معاشرت درہم برہم ہو گیا ہے۔ اور پوری قوم ابتر و پراگندہ حالت میں اپنے زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس افسوسناک حالت کا کون ذمہ دار ہے؟

برادران وطن بھی مسلمانوں کی طرح محکومیت کی حالت میں ہیں اور جن ناسازگار حالات کا مسلمانوں کو مقابلہ کرنا پڑتا ہے وہ بھی اُن سے محفوظ نہیں ہیں پھر یہ کیا ہے کہ ایک قوم تو اسی سرزمین پر عزت و کامرانی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی اور سیم و زر سے کھیل رہی ہے اور دوسری کرب و اضطراب کی حالت میں حسرت کے ساتھ اپنی عبرت انگیز زندگی بسر کر رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس ناگفتہ بہ حالت کی ذمہ داری اُن کی "بے علمی و بے عملی" ہے۔ بے علمی سے ہماری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں نے حالات کی تبدیلی کا اندازہ نہیں کیا اس لئے زمانہ کی ضرورت کے مطابق تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ کاش اگر مسلمان انقلاب حکومت کے وقت یہ سمجھ لیتے کہ جس اس ملک میں جو قوت و اہمیت و فارغ البالی حاصل تھی وہ حکومت کی وجہ سے تھی جو انقلاب حکومت کے بعد وہ محسوس کرتے کہ اب اس جدید دور میں اُن کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے؟ اور آئندہ کس طریقہ سے وہ مزید زوال و انحطاط سے محفوظ رہ کر اور مزید ترقی حاصل کر سکتے ہیں؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انقلاب کے بعد مسلمانوں کے سامنے کوئی قومی نصب العین تھا، نہ کوئی راہ عمل، صرف اپنی شخصیت کا تحفظ ہر شخص کے پیش نظر تھا، اس لئے مسلمان یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ہمیں کوئی ایسا کام انجام دینا چاہئے جو پوری قوم اور ملک کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو، اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر کوئی ایسی قوم جس کی تعداد کروڑوں ہو اپنا کوئی قومی نصب العین نہ رکھتی ہو تو وہ دنیا میں کوئی بھی شاندار کام جو قومی و ملکی مفاد سے تعلق رکھتا ہو انجام نہیں دے سکتی۔

اگر مسلمان ابتدا ہی سے جدید تعلیم حاصل کرنے پر توجہ کرتے تو اُن کی آنکھیں کھل جاتیں، اپنی پستی، کمزوری اور بیچارگی کا احساس پیدا ہو جاتا اور دوسری قوموں کی ترقی و سربلندی دیکھ کر اُن کے دلوں میں بھی آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی امنگ پیدا ہوتی، اور وہ اپنا ایک قومی نصب العین معین کر لیتے جس کے حاصل کرنے کے لئے قوم کا ہر فرد کوشش میں مصروف ہو جاتا۔

اب تو خدا کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے لیکن آغاز اسلام کے

زمانہ میں جب اُن کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں سے زیادہ نہ تھی، اُس وقت بھی اُنھوں نے باوجود ناسازگاری حالات اپنا نصب العین متعین کر لیا تھا جس سے وہ کماحقہٗ واقف تھا، نہ صرف واقف تھا بلکہ اُس کے حصول کے لئے دیوانہ وار کوشش بھی کر رہا تھا،

وہ نصب العین کیا تھا؟ اشاعت توحید اعلاءِ کلمۃ اللہ، اور دنیا میں امن و عافیت قائم رکھنے کے لئے خلافت الٰہیہ کا قیام، کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ایک چھوٹی سی بے سروسامان قوم جو روزمرہ کے اسباب معیشت کی محتاج ہے عرب کے ایک بے آب و گیاہ دشت سے اس عزم کے ساتھ اٹھتی ہے کہ ساری کائنات کو توحید کا پیغام سنائے گی اور انسان کا مرتبہ اس قدر بلند کر دے گی کہ وہ صحیح معنی میں خلافت الٰہیہ کا مستحق ثابت ہو گا۔

یہ اسی مضبوط نصب العین اور عزم بلند کا نتیجہ تھا کہ یہ چھوٹی سی بے سروسامان قوم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی، اور ہر قسم کی فلاح و ترقی جو دنیا میں کسی قوم کو مل سکتی ہے اسے بھی ملی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ "انیسویں صدی" کے مسلمان کے سامنے کوئی قومی نصب العین نہ تھا، اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس صدمہ کے بعد جس نے اس کی حکومت کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے آئندہ اپنی قومی عزت و زندگی برقرار رکھنے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟

اس بے حسی کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جب کوئی مقصد پیش نظر نہیں تو "عمل" کی کیا ضرورت! غرض جب برادران وطن موقع سے فائدہ اُٹھا کر تعلیمی و اقتصادی ترقی کے لئے کوشش کر رہے تھے اور اپنے مستقبل کی تعمیر میں مصروف تھے تو مسلمان نقوشِ تعطل و جمود کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے،

جہاں تک تجارتی کاروبار کا تعلق ہے اسلامی عہد حکومت میں بھی برادران وطن کو اس میں امتیاز حاصل تھا اور کوئی فائدہ بخش کاروبار ایسا نہ تھا جو اُن کے تصرف سے باہر ہو اُس زمانہ میں بھی ہمارے دیس کا "بنیا" اور "بیوپاری" تجارت و سود کے ذریعہ سے بے قیاس دولت پیدا کر رہا تھا، اور زرکشی کی تدبیروں سے بخوبی واقف تھا،

یہ "عملی تجربہ" جو صدیوں کی کاروباری مشغولیت سے اُسے حاصل ہوا تھا موجودہ دور حکومت میں بھی مفید ثابت ہوا، بلکہ اس زمانہ میں اُس کی تجارتی قابلیت و صلاحیت اور زیادہ چمک اٹھی اب اُس نے اپنے کاروبار کے محدود دائرہ سے قدم باہر نکالا اور ضرورت زمانہ کے مطابق صنعت و حرفت و تجارت میں داخل ہو گیا اور باوجود قدامت پرست ہونے کے بیوپار کے فرسودہ طریقے چھوڑ کر کاروبار کے نئے ڈھنگ سیکھے اور ان سے خوب فائدہ اٹھایا مثلاً بڑے بڑے کارخانے، بینک، تجارتی کوٹھیاں اور بیمہ کمپنیاں قائم کیں، اور مشترکہ سرمایہ سے کام کرنے کے طریقہ کو رواج دیا جس سے ساری قوم میں روپیہ پیدا کرنے اور بڑھانے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ ان کارخانوں یا ملوں کی وجہ سے ہندو قوم کے لاکھوں بیکار افراد کے لئے کام پیدا ہو گیا، اور وہ اپنی روزی کمانے لگے۔

بے شبہ مسلمانوں میں بھی بعض تجارت پیشہ قومیں تھیں جو کئی نسلوں سے کاروبار کے ذریعہ سے دولت کما رہی تھیں، لیکن اب اُن کی وہ حیثیت و نوعیت قائم نہیں رہی جو پہلے تھی کیوں کہ انھوں نے اس دور جدید میں ذہنی حیثیت سے کوئی خاص ترقی نہیں کی، اور تعلیم کی صحیح اہمیت محسوس کرنے سے قاصر رہے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ جو لوگ سرکاری ملازمت کے حلقہ میں داخل ہونا نہیں چاہتے انھیں زیادہ تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اس غلط فہمی کی بنیاد یہ تھی کہ ہمارے یہاں تعلیم کا مقصد محض "ملازمت" سمجھا جاتا ہے اس لئے وہ لوگ جو دوسرے ذرائع سے کسب معاش کرتے ہیں تعلیم کی چنداں اہمیت محسوس نہیں کرتے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم کی ضرورت ہر شعبۂ حیات میں ہے، ایک تعلیم یافتہ اور باخبر تاجر ایک جاہل تاجر پیشہ سے زیادہ کامیاب رہتا ہے، اس کی رسائی ہر جگہ ہو سکتی ہے اور وہ ترقی کے ہر موقع سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ مسلمان تجارت پیشہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے خسارہ میں رہے کیونکہ اب اُن کے مقابلہ میں ایسے لوگ آ گئے جو اچھے خاصے تعلیم یافتہ اور اس حقیقت سے باخبر تھے کہ موجودہ زمانہ میں تجارت کے دقیانوسی طریقے کام نہیں آ سکتے، اس لئے انھوں نے نئے طریقہ سے کام شروع کیا اور قدامت پرست مسلمان تاجروں کو جو اب تک فرسودہ طریقوں سے کام لے رہے تھے اپنے جمود و بے حسی کا نتیجہ بھگتنا پڑا،

بے شک اس زمانہ میں کچھ حوصلہ مند مسلمانوں نے بھی نئے ڈھنگ پر مشترکہ سرمایہ سے کام کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اکثر ناکامیاب ہوئے اور ان کے بینک اور تجارتی کمپنیاں فیل ہوئیں اور حصہ داروں کا روپیہ ضائع ہوا۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ کام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھا جو تجربہ کار اور ماہر فن نہ تھے اس لئے بہترین طریقہ سے کام کی نگرانی نہیں کر سکتے تھے، اس تلخ تجربہ کی وجہ سے لوگوں کو بڑی مایوسی ہوئی اور ان کا اعتماد زائل ہو گیا۔

غرض جہاں تک تجارت و کاروبار کا تعلق ہے مسلمان آج بھی اس میدان میں برادران وطن سے پیچھے ہیں، اور یہ ایک بڑی وجہ اُن کے افلاس و فلاکت کی ہے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں صرف تجارت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے بے پایاں دولت حاصل کی جا سکتی ہے اور جس کی بدولت مغربی قوموں کو یہ عروج و اقتدار حاصل ہوا ہے کہ انھوں نے مشرقی قوموں کو اپنا محکوم و دست نگر بنا لیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اگر اب بھی اس طرف توجہ نہ کریں گے تو اسی طرح پستی و افلاس میں مبتلا رہیں گے، اور کبھی عزت و وقار حاصل نہیں کر سکیں گے۔

---

(۳) ایک ذریعہ کسب معاش کا ملازمت ہے لیکن یہ ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ جس سے ہر شخص مستفید ہو سکے یا زیادہ دولت کما سکے، کیونکہ کسب معاش کے جملہ ذرائع میں یہ سب سے معمولی ذریعہ ہے، اور اس سے کوئی قوم دولتمند

(بقیہ مضمون صفحہ ۲۸ پر)

فرانس اور الجیریا کے مسلمانوں کے حقوق شہریت

فرانسیسی جنگی معلومات کے دفتر سے اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ الجیریا کے مسلمانوں کے لئے جو الجیریا کی آبادی کی ایک زبردست اکثریت کی نمائندگی کرتے ہیں، چند مختلف ایسی صورتیں پیدا کی گئی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حق رائے دہندگی پورا پورا مل سکے۔ اور ان کو وہی سیاسی پوزیشن حاصل ہو سکے جو خود فرانسیسی ارکان حکومت کو فرانس کی نیشنل لبریشن کی طرف سے دی گئی ہے۔ گذشتہ ۱۰ دسمبر کو ایک سرکاری اعلان میں کہا گیا ہے کہ کمیٹی نے متفقہ طور پر چند امور طے کئے ہیں، اول یہ کہ الجیریا کے کئی ہزار فرانسیسی مسلمانوں کو فرانسیسی حقوق شہریت فوراً دیئے جائیں اور اس طرح کہ ان کی مختلف جماعتوں میں کسی قسم کا فرق نہ رکھا جائے۔ دوم یہ کہ لوکل مشاورتی اسمبلیوں میں نمائندگی کو اور بڑھا دیا جائے اور جن لوگوں کو اب تک مستقل حق رائے دہندگی نہیں ملا ہے ان کے لئے اس کی اور توسیع کر دی جائے۔ سوم یہ کہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں انتظامی ملازمتوں میں جگہ ملتی رہے اور چہارم یہ کہ نیشنل لبریشن کمیٹی کی طرف سے مسلمانوں کے لئے ایک ایسا مسودہ جلد از جلد تیار کر کے نافذ کیا جائے جس میں تمام مسلم آبادی کی معاشرتی اور اقتصادی ترقیات کے لئے ایک بہترین پروگرام بنایا گیا ہو۔ اس میں یہ بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ اس پروگرام کو چلانے کے لئے مالی ذرائع مہیا کئے جائیں اور اس کی کامیاب تکمیل کے لئے ایک وقت بھی مقرر کر دیا جائے۔ کچھ روز کے بعد ڈسٹرکٹ کانسٹنٹائن کے تین ملین مسلمانوں کے ڈیلیگیٹ جنرل ڈی گال سے یہ ظاہر کرنے کے لئے ملے کہ مادر وطن کے لئے افریقی بھائیوں میں محبت اور ہمدردی کے جذبات بہت زیادہ ہیں۔ اس موقعہ پر جنرل ڈی گال نے اس بات پر زور دیا کہ الجیریا میں نیشنل لبریشن کی فرانسیسی کمیٹی کی وہ داخلی پالیسیاں نیز تدابیر جن کو فرانسیسی اپنے گھر میں رائج کئے ہوئے ہیں اور یہ اس وقت جبکہ فرانس نے نازی جوئے سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ ڈاکٹر بن جیلول نے بیان کیا کہ ایک نئے اور مکمل جمہوری فرانس کو از سر نو تعمیر کرنے کے لئے تمہاری مدد کر کے ہم خود اپنی مدد کر رہے ہیں۔

۲۴ جنوری کو نوآبادیات کے سوال پر بحث ہونے کے بعد مشاورتی اسمبلی نے قطعی طور پر بیان کر دیا ہے کہ فرانس کا یہ مصمم فیصلہ ہے کہ وہ فرانسیسی کانسٹیٹیوشن میں اپنی نوآبادیات کو جمہوری طرز کی حیثیت ضرور دے گا۔ اسمبلی کو اس بات پر پورا اعتماد ہے کہ نیشنل لبریشن کمیٹی مستقل جمہوریت کے ارتقاء کے طور پر اور جو لوگ اس سلطنت میں رہتے ہیں ان کی اخلاقی اور مادی مسلسل ترقیات کے طور پر نوآبادیات کی اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی ترقی کو آگے بڑھائے گی اور اسمبلی کو اس پر بھی اعتماد ہے کہ کمیٹی وہ تمام تعمیری اصلاحات جو ہماری نوآبادیات کے لئے ضروری ہیں ان کو فرانس کے آیندہ کانسٹیٹیوشن میں ایک مناسب جگہ دے گی۔

کمیٹی کے ۷ مارچ کے سیشن کے دوران میں اس موضوع پر پوری طرح بحث کی گئی اور یہ حکم جاری کیا گیا کہ الجیریا کے مسلمان بھی وہی حقوق پائیں گے جو فرانس کے ارکان حکومت کو حاصل ہو گئے اور ان کو سول اور ملٹری میں پوری پوری حیثیت حاصل ہو گی اور پھر یہی قوانین تمام فرانسیسیوں کو بغیر کسی امتیاز کے ماننا پڑیں گے خواہ وہ ارکان حکومت الجیرین ہوں یا فرانسیسی ہوں۔

اس کو زیادہ واضح کرنے کے لئے بتایا گیا کہ الجیریا میں مسلمانوں کو درجے و پبلک کا پسندیدہ منصب ہونے سے کوئی چیز روک نہیں سکے گی۔ بہر نوع ایک ہی قسم کے حقوق اور اعوان حکومت کی سی پوری پوزیشن مسلم آبادی کو حاصل ہو گی خواہ وہ الجیریا میں ہوں خواہ خود فرانس میں اور فرانسیسی مسلمانوں کے ہر قسم کے استثنار کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔

اس سیاسی اور معاشرتی استحکام کی اصلاحات کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ الجیریا کی آبادی کے لئے یہ صرف تسلیم ہی کر لیا گیا ہے بلکہ یہ فرانسیسی نوآبادیات انتظامات کے سلسلہ میں ایک منطقی اسٹیج ہے فرانس کی نوآبادیات کے پروگرام کے لئے بہت پہلے ہی تین لفظوں میں اس کا مطلب صاف کر دیا گیا ہے یعنی "صلح، تعلیم" اور آزادی۔ یہ وہی پروگرام ہے جس پر الجیریا کی کمیٹی آج بھی کاربند رہنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

پیرس کانفرنس میں جنرل کیٹرو کس نے نو نومبر ۱۰ غیر ملکی پریس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلم الجیرین فرانسیسی قومیت سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ملک فرانس کا ہی ایک حصہ ہے۔ اور اس کے باشندے فرانس کمیونٹی کے ہی ممبر ہیں۔ جنرل نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے کہ فرانسیسی حکومت نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کی مختلف مذہبی جماعتوں کے ساتھ ساتھ ان ذاتی مراتب کے حصول کو اور ان کے مکمل فرانسیسی حقوق شہریت کے حصول کو کوئی ناقابل حل شکل محسوس نہیں کیا ہے اور فرانس کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ آزاد اور پرائیویٹ اجتماعات میں بیٹھ کر اس مشن کو جاری رکھے جو اس کو الجیریا میں سپرد کیا گیا ہے۔ (دہلی اخبار)

اسلامی عہد حکومت میں بنگال کی خوشحالی

(از امس فاطمہ بیگم سید لطافت علی کیلوی)

اسلامی عہد حکومت میں اشیاء خورد ونی مثلاً گیہوں، چاول، ترکاریوں وغیرہ بنگال میں کرتی تھیں۔ تھا اگر تھا بھی تو برائے نام اس لئے یہ چیزیں بہت ارزاں فروخت ہوتی تھیں۔ نواب شائستہ خاں کے زمانہ میں ایک روپیہ کے دو من چاول آتے تھے۔

ڈاکٹر برنیر عہد اورنگ زیب کا سیاح اپنے سفرنامہ بنگال میں تحریر کرتا ہے کہ

"اس ملک یعنی بنگال کی غذا زیادہ تر تین قسم کی ترکاریاں، چاول اور گھی ہے جو بہت تھوڑی قیمت پر مل سکتا ہے۔ ایک روپیہ میں بیس سے زیادہ مرغ مل سکتے ہیں اور بطخیں، مرغابیاں بھی اسی قدر ارزاں ہیں، بھیڑ بکریوں کی بھی افراط ہے اور ہر قسم کے تازہ نمک مچھلی وغیرہ بھی اسی افراط سے ملتی ہے۔ غرض کہ بنگال میں معیشت کی ہر ایک چیز با افراط ہے۔"

اسی سیاح نے اپنے دوست کو ایک خط لکھا تھا اس میں وہ لکھتا ہے کہ

"دو مرتبہ بنگال جانے سے جو مجھکو واقفیت ہوئی ہے اس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جو فضیلت

کی توسیع پر سر ضیاء نے آگے تفصیل سے بحث کی ہے۔
وہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ایسا شعبہ ہونا چاہئے جو اس پر نظر رکھے کہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت کے متعلق اخبارات میں، کونسل و ایوانہائے قانون کی اور ہندوستان کے دوسرے اداروں کی کارروائیوں میں کیا شائع ہوتا ہے اور اس کی رپورٹ شائع کرے (۲) تمام صوبجات ہندوستان میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخیں ہونی چاہئیں جو تمام ہندوستان میں طلباء کی تعلیمی حالت پر نظر رکھیں اور جو کمی ان کو نظر آئے ان کے رفع کرنے کا انتظام کریں (۳) مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے ایسے اہل علم اور ماہرین تعلیم کے [illegible] ہوں جو واقعی کسی نہ کسی نوعیت سے مسلمانوں کی تعلیمی خدمت میں مصروف ہیں [illegible] مسائل کے سب سے زیادہ اہم کام ان کے سامنے یہ ہو کہ وہ اسکولوں اور کالجوں کی ان کتابوں کو دیکھتے رہیں جو نصاب میں داخل ہوں کیا وہ مسلمانوں کی تعلیم کے لئے مناسب ہیں یا نہیں۔ (۴) تمام ہندوستان کے لئے ایک اسلامیات کی تحقیقات کا مرکزی ادارہ ہو۔ یہ تحقیقات کے لئے سہولتیں بہم پہونچائے طلبا کو وظائف دے اور اُن کی تصانیف کی اشاعت کا خرچ ادا کرے اور کام کرنے کی انھیں ترغیب دے۔ (۵) تعطیل کے زمانہ میں ایسے کیمپوں اور تعلیمی اداروں کا انتظام کرے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے طالب علم اور استاد اور غیر ممالک کے طالب علم اور استاد باہم مل سکیں اور ہندوستان کے اندر اور باہر سفر کریں (۶) کانفرنس کو مسلم اسکول کا ایک نمونہ معین کرنا چاہئے اور اس میں دینی تعلیم کے خاص اہتمام کے ساتھ جس طریقہ پر اسلامی اسکولوں میں اس وقت جو دینی تعلیم دی جا رہی ہے وہ بہت ناقص ہے (۷) ایک مشرقی تعلیمی بورڈ ہونا چاہئے جو مشرقی علوم کی انتہائی تعلیم کی تنظیم کرے اور علوم مشرقیہ کے دوسرے اداروں کی سرگرمیوں سے ربط پیدا کرے (۸) کانفرنس کو چاہئے کہ اس کا انتظام کرے کہ جہاں مسلمان طلبہ کی کوئی تعداد ہو وہاں بلند پایہ مسلمان علماء اور ماہرین تعلیم اسلام، اس کے اصول اسلامی کلچر اور اسلامی تاریخ پر وقتاً فوقتاً لکچر دیں۔

سر ضیاء الدین نے مسلمانوں کے لئے سرکاری ملازمتوں کی تعلیم کے انتظام پر اصرار کیا۔ ان شعبوں کی تعلیم میں مسلمان طلبا کو جو دشواریاں اس وقت درپیش ہیں ان کا ذکر کرکے یہ تجویز پیش کی کہ اگر موجودہ اداروں سے مسلمانوں کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں تو جتنی جلد ممکن ہو خاص طور پر مسلمانوں کے لئے ایسی کئی درس گاہیں کھولی جائیں جنھوں نے ان شعبوں میں اپنی تحقیقات [illegible] بھی جاری [illegible] کہ کم از کم ایک ایسی اسلامی [illegible] جائے جس میں سائنس دستکار اور [illegible] کے متعلق انتہائی مطالعہ اور تحقیقات کی جائے اور نوجوانوں کے لئے مخصوص ہو چنانچہ اس مقصد کے لئے کانفرنس نے ایک رزولیوشن بھی پاس کیا ہے

اگر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ارباب حل و عقد اس طریقہ پر جو سر عزیز الحق نے تجویز کیا ہے اور اس اساسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر جس کی طرف انھوں نے تقریر میں اشارہ کیا ہے کانفرنس کو وسعت دیں تو مسلمانوں کے تعلیمی مصائب دور ہو جائیں اور قومی مقاصد کو بڑی قوت پہنچے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ ایسا کریں گے۔

ہماری تعلیمی و اقتصادی پستی اور اسکے نتائج (۲)

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

نہیں ہو سکتی البتہ قوم کے چند افراد اس ذریعہ سے اپنی معاش حاصل کر سکتے ہیں لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اس میدان میں بھی برادران وطن سے پیچھے ہیں، اور اپنی تعداد کی نسبت کے لحاظ سے ملازمت میں جو حصہ ان کا ہونا چاہئے وہ اب تک انھیں حاصل نہ ہو سکا مسلمانوں کی اس حق تلفی کا اخبارات میں ہمیشہ چرچا رہتا ہے اور اعداد پیش کرکے یہ بتایا جاتا کہ فلاں محکمہ میں مسلمانوں کا نام و نشان نہیں ہے یا ہندو مسلمانوں کی تعداد کا تناسب سخت قابل اصلاح ہے، یہ بھی ایک عام شکایت ہے کہ بڑی تنخواہوں کے عہدے عموماً برادران وطن کے قبضہ میں ہیں اور مسلمانوں کو صرف ادنیٰ درجہ کی ملازمتیں مشکل ملتی ہیں۔

حکومت کی طرف سے اکثر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ قابل و موزوں مسلمان نہیں ملتے، لیکن مسلمان یہ کہتے ہیں کہ قابل مسلمان بھی اکثریت کے تعصب اور اقتدار کی وجہ سے سرکاری محکموں میں جگہ حاصل کرنے میں ناکامیاب رہتے ہیں۔

ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ ملازمت حصول دولت کا کوئی معقول ذریعہ نہیں ہے تاہم وہ کسب معاش کا ایک وسیلہ ہے اور لاکھوں انسان اس ذریعہ سے اپنی روزی حاصل کر رہے ہیں اس لئے مسلمانوں کو بھی اُن کا واجبی حصہ ملنا چاہئے، اور اس کی کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اپنا حصہ حاصل کرنے کے لئے کوشش نہ کریں،

اس کے علاوہ بحیثیت ایک ہندوستانی اور شہری کے بھی مسلمانوں کا یہ حق ہے کہ ہندوستان کی حکومت کے نظم و نسق میں انھیں حصہ دیا جائے اس کی کوئی وجہ نہیں کہ دس کروڑ مسلمان اپنے وطن کی حکومت کے انتظام سے بے دخل کر دئے جائیں، اور دوسرے اپنے حق سے زیادہ حکومت پر حاوی ہو جائیں، جس طرح مسلمانوں کو اسمبلیوں اور دوسرے اداروں میں اپنے نمائندے بھیجنے کا حق حاصل ہے، اسی طرح یہ حق بھی حاصل ہے کہ حکومت کے ہر صیغہ و محکمہ میں اُن کی آبادی کے تناسب کے اعتبار سے انھیں حصہ دیا جائے، لہذا مسلمانوں کو اس حق کے حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرنا چاہئے۔

جو قومیں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے کوئی جد و جہد نہیں کرتیں وہ مردہ سمجھی جاتی ہیں، اس کمزوری کا انجام یہ ہوتا ہے کہ حریف دلیر ہو جاتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ بھی چھین لیں، مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر انھوں نے حکومت کے انتظام اور مختلف سرکاری محکموں میں اپنا واجبی حصہ نہ حاصل کیا تو ان کا "قومی وقار" اس ملک میں باقی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے شخصی مفاد سے قطع نظر خود قومی مفاد اس امر کو مقتضی ہے کہ وہ اپنے ایک معمولی سے حق سے بھی دستبردار نہ ہوں اور ہمیشہ اس کے حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرتے رہیں۔

امریکہ میں مسلمان

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی اتحادیوں کی جنگی سرگرمیوں میں ان کا دست راست ثابت ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے اس گروہ میں چھ ہزار شامی، اعقالی، شرق الہندی، ترک اور البانوی باشندے شامل ہیں۔ یہ امریکہ کے بہت بڑے موٹر ساز کارخانے ڈیٹرائٹ کے قریب رہتے ہیں۔

اکثر ڈیربارن کے نواح میں فورڈ موٹر کمپنی میں کام کرتے ہیں۔ اور اس بہت بڑے جنگی کارخانے کے سایہ میں دو مسجدوں میں اپنے خدائے واحد کی عبادت بھی کرتے رہتے ہیں۔ اگرچہ جمعہ کی نماز باقاعدہ ادا کی جاتی ہے۔ لیکن اب جمعہ کے علاوہ اتوار کو بھی ایک خطبہ دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ لوگ جو جمعہ کی نماز میں کسی وجہ سے شامل نہیں ہوتے اپنے خدا اور رسول کے احکام و ارشادات سننے سے محروم نہ رہیں۔

اس طبقہ کے دو سردار ہیں۔ ایک شیخ ایمان حسین قرولی ہیں۔ آپ کی عمر ۹۴ برس ہے۔ آپ شامی ہیں اور دمشق میں مشہور و معروف عالم دین شیخ بدر الدین کی نگرانی میں آپ نے تعلیم پائی ہے شیخ قرولی نے کہا ہے "ہم مسلمان اپنے اس وطن سے محبت کرتے ہیں۔ اور جمہوریت کی آخری فتح کے لئے ہر امکانی کوشش میں مصروف ہیں۔ ہم یہاں بہت خوش ہیں اور جانتے ہیں کہ امریکہ میں مذہب کی آزادی ناقابل تردید حقیقت ہے۔ ہم امریکہ کی ہر حال اور ہر رنگ میں مدد کرتے ہیں۔ اپنے مقررہ حصہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر جنگی بانڈ خریدے ہیں۔ ہمارے بیشتر نوجوان دوسرے امریکنوں کی طرح دشمنان حریت کے خلاف نبرد آزما ہیں۔

شیخ ایمان قرولی اور ان کے ساتھی جنگ کے کامیاب اختتام کے منتظر ہیں۔ وہ جنگ کے بعد اپنی عظیم الشان مسجد کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ جس پر ۶۵ ہزار روپیہ کے قریب خرچ آئے گا۔ ۱۹۳۸ء سے ۲۶ ہزار روپیہ اس خوبصورت فرش پر صرف ہوئے ہیں جس پر آج کل نماز ادا کی جاتی ہے۔ برسوں سے شیخ موصوف ہر روز درس دیتے ہیں۔ نوجوان مسلمان عربی زبان اور اسلامی تاریخ پڑھتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اسلامی ممالک کی سیاسی و تمدنی ترقی کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں۔

اس گروہ کے دوسرے روحانی پیشوا شیخ ایمان خلیل بزی ہیں۔ آپ کی عمر ۴۴ برس ہے۔ یہ جس مسجد میں خطبہ دیتے ہیں وہ فن تعمیر کے لحاظ سے قابل دید مقام ہے۔ نیویارک، واشنگٹن اور امریکہ کے مغربی ساحل پر اور بھی مساجد ہیں۔ جو عربی اور عجمی فن تعمیر کے اچھے نمونے ہیں۔

یہ مسلمان محنتی اور آئن شکن ہیں۔ امریکن لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔ یہ ذمہ دار شہری ہیں قرآن مجید کی تعلیم پاک کے مطابق انہیں امریکہ میں آزادی سے عبادت کا حق حاصل ہے۔ وہ مخلص امریکنوں میں شمار ہوتے ہیں۔ (نئی زندگی)

حرمین شریفین کے لئے دو ہزار ٹن غلہ

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ مسلمانان سندھ کو جب حرمین شریفین کی اس حالت کا علم ہوا کہ وہاں قحط کی وجہ سے مسلمان نہایت تکلیف کی حالت میں ہیں تو انہوں نے کوشش کر کے دو ہزار ٹن غلہ بھیجنے کی اجازت طلب کی، حکومت نے ان کی درخواست منظور کر کے مرکزی حکومت کو بھیج دی۔ مسلمانان سندھ نے ایک ڈیپوٹیشن امام صاحب کی سرکردگی میں مرکزی حکومت کے پاس بھیجا۔ ڈیپوٹیشن یہاں آیا اور اعلیٰ حکام سے ملا۔ حکام نے بہت ہمدردی سے اُن کی درخواست سنی اور امید دلائی لیکن ابھی تک اجازت نہیں ملی۔ حکومت سے درخواست ہے کہ جلد از جلد حرمین شریفین کو غلہ بھیجنے کی اجازت دے اور اس قسم کی سہولت بہم پہنچائے کہ ہم اس کام کو پورا کر سکیں۔

امریکہ سے ہندوستان میں سامان کی آمد

نیویارک کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۴۱ء مارچ سے دسمبر ۱۹۴۲ء تک امریکہ نے اُدھار پٹہ کے قانون کے ماتحت اتحادی ملکوں کو ۸ ارب ڈالر کا سامان جنگ سپلائی کیا ہے، اس وقت امریکہ ایک ارب ڈالر کا سامان ہر مہینہ بھیج رہا ہے۔ ہندوستان کو اس عرصہ میں ۴۷ کروڑ ۵۹ لاکھ ۱۲ ہزار ۵۰۰ ڈالر کی قیمت کا سامان...

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

منیجر سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۵) | یکم جولائی ۱۹۴۴ء مطابق ۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۲۱)

دہلی کی ایک خبر مظہر ہے کہ دہلی یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر موریس گوئر نے چند طلبہ کو جو بی اے کے ایک انگریزی پرچہ کو ظاہر کرنے کے ذمہ دار ثابت ہوئے تھے ایک سال کے لئے یونیورسٹی سے نکال دیا ہے، یہ طلبہ مختلف کالجوں سے تعلق رکھتے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سازش میں چند استادوں کا ہاتھ بھی تھا جن کے خلاف تفتیش ہو رہی ہے۔

کلکتہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ "آل بنگال ٹیچرز کانفرنس" کی ایک خاص کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں سیکنڈری ایجوکیشنل بل کی مذمت میں ایک رزولیوشن پاس کیا گیا۔ رزولیوشن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر بل نافذ ہو گیا تو (۱) تعلیم کے دائرہ میں علیحدہ فرقہ وارانہ انتخاب کا اصول جاری ہو جائے گا (۲) اور تعلیم کو قطعی سیاسی اغراض کے ماتحت کر دے گا (۳) اور صوبہ میں ثانوی تعلیم کو سرکاری کنٹرول میں رکھ دیگا (۴) اور صوبہ میں ثانوی تعلیم کی مناسب ترقی کے لئے مالی امداد ناکافی ہو جائے گی۔ اس لئے کانفرنس حکومت سے درخواست کرتی ہے کہ وہ بل کو موجودہ صورت میں واپس لے لے، اور صوبہ بھر کے ماہرین تعلیم سے مشورہ کر کے صوبہ کی ثانوی تعلیم کا نظام مرتب کیا جائے۔

مجلس مصنفین علی گڑھ" کا بیالیسواں جلسہ ۲۲ مئی ۱۹۴۴ء کی شام کو زیر صدارت سید محمد احسن صاحب مارہروی (اسسٹنٹ رجسٹرار مسلم یونیورسٹی) احاطہ کانفرنس میں منعقد ہوا۔ چائے اور اس کے متعلقات کی دعوت جناب نواب صدر یار جنگ بہادر کی طرف سے تھی جو خود بھی جلسہ میں تشریف رکھتے تھے اس جلسہ میں مولوی حسن عبداللہ صاحب ایم اے کنٹرولر مسلم یونیورسٹی نے "ظفر کی شاعری" پر اپنا دلچسپ و پر مغز مقالہ اثر انگیز طریقہ سے پڑھا، مقالہ میں خاندان تیموریہ کے آخری بدنصیب بادشاہ کی شاعرانہ حیثیت اور کلام پر نقد و تبصرہ کر کے انکی شاعرانہ خصوصیات بتائی گئی تھیں، اور دل نشین دلائل کے ساتھ مصنف آب حیات کے اس خیال کی تردید کی گئی تھی کہ ظفر کا کلام استاد ذوق کا مرہون منت ہے۔
لائق مقالہ نگار نے ظفر کی شاعری کے ساتھ اس زمانہ کے ماحول پر بھی خوش اسلوبی سے بحث کی تھی جس سے نہ صرف ظفر کی شاعری کے سمجھنے میں مدد ملتی تھی، بلکہ اور بہت سے عبرت انگیز اور درد ناک تاریخی واقعات کا بھی انکشاف ہوتا تھا، مقالہ پوری دلچسپی سے سنا گیا، اور خاتمہ پر حاضرین نے اس کی تحسین و ستائش کی، اور تقریباً ۹½ بجے کو یہ پر لطف صحبت ختم ہوئی۔

امریکہ کے مشہور اخبار "نیویارک ٹائمز" نے ہندوستان پر جاپان کے حملہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس وقت اس نے ہندوستان پر دو مقصد سے حملہ کیا ہے اول یہ کہ ہندوستان میں سیاسی گڑبڑ پیدا کر کے اتحادیوں کے مساعی جنگ میں رکاوٹ ڈالی جائے، دوسرے ہندوستانی فوجوں میں بدنظمی و انتشار پیدا کر دیا جائے لیکن ان دونوں مقاصد میں جاپان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم جون ۱۹۶۳ء

قومی اصلاح کیلئے اخلاقی جرأت کی ضرورت

مسلمان چونکہ مسلمہ طور پر تنزل و انحطاط کی حالت میں ہیں اس لئے اُن میں طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اُن کے کسی کام میں خواہ وہ شخصی ہو یا قومی، اعتدال، توازن اور باقاعدگی نہیں ہے۔ یہ کمزوری اُن میں اس قدر راسخ ہو چکی ہے کہ وہ جو اچھا یا بُرا کام کرتے ہیں اُس میں حد اعتدال سے گزر جاتے ہیں۔

یہ حالت عوام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ علماء، مشائخ، امراء، صحیفہ نگار، مصنفین، سیاسی لیڈر، احکام اور فرمانروا سب کے سب کم و بیش اس کمزوری میں مبتلا ہیں، اگر آپ ان کی حالت کا جائزہ لیں تو یہ دیکھ کر افسوس ہوگا کہ ان میں سے کوئی جماعت بھی ایسی نہیں ہے جو اپنے صحیح نصب العین، اور اصل مقصد پر قائم ہو، اور حد اعتدال سے تجاوز نہ کر چکی ہو۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر جماعت و طبقہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے فرائض مناسب و معتدل طریقہ سے ادا کرتے ہیں اور جذبات کی رو میں بہہ کر بے قابو نہیں ہو جاتے لیکن محض چند صحیح الفکر و صحیح العمل افراد کی وجہ سے پوری قوم کے متعلق کوئی ایسی رائے نہیں قائم کی جائے گی۔ اعتبار ہمیشہ اکثریت کا کیا جاتا ہے مثلاً اگر ایک قوم کے اکثر افراد جاہل و ناخواندہ ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو بلحاظ علم و فضل بوعلی سینا یا ارسطو کے ہمپایہ یا یگانۂ روزگار ادیب و انشاء پرداز ہیں تو محض ان چند افراد کی وجہ سے وہ قوم تعلیم یافتہ نہیں سمجھی جائے گی۔

اسی طرح اگر عام طور پر کوئی قوم افلاس و تنگ دستی میں مبتلا ہے لیکن اس میں چند کروڑ پتی اور سرمایہ دار بھی ہیں جو بڑے بڑے خزانوں کے مالک ہیں تو محض ان چند سرمایہ داروں کی وجہ سے وہ قوم دولتمند نہیں مانی جائے گی۔ ان تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر تعلیم یافتہ قوموں میں بھی کچھ لوگ اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہو سکتے ہیں اور ایک مفلس و بے مایہ قوم میں بھی سرمایہ داروں کا وجود ممکن ہے لیکن ان چند افراد کی بنا پر اگر ہم پوری قوم کے متعلق یہ رائے قائم کریں کہ وہ تعلیم یافتہ یا دولتمند ہے تو یہ سخت غلطی ہوگی۔

مثال کے طور پر مسلمانوں کی حالت پیش نظر رکھئے، آج اس پستی و تنزل کی حالت میں بھی اُن میں علماء، ماہرین فن اور دولتمند لوگوں کی ایک مختصر سی تعداد موجود ہے لیکن جب قوم کے کثیر افراد جہالت و افلاس میں مبتلا ہیں تو ان چند افراد کی مخصوص حالت ہمارے لئے باعث مسرت نہیں ہو سکتی۔

اخلاقی اوصاف کی بھی یہی حالت ہے، کوئی بھی قوم ایسی نہیں ہے جس کے سب افراد بداخلاق جرائم پیشہ یا اخلاقی محاسن سے بالکل عاری ہوں، اگر آپ جستجو کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ بہت سی بدنام و ناتربیت یافتہ قوموں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو شریف طینت، بامروت، نیک چلن، خوش کردار، وفادار، اور قابل اعتماد ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ ساری قوم اخلاقی اوصاف سے مزین ہے۔ مثلاً آج اخلاقی حیثیت سے مسلمان پستی کی حالت میں ہیں لیکن اس کے معنی نہیں کہ ساری قوم کی اخلاقی حالت ابتر ہے کیونکہ اُن میں ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جن کا اخلاقی مرتبہ بہت بلند ہے اور وہ ایسے نیک کردار ہیں کہ کوئی شخص بھی اُن کی سیرت و خصائل پر نکتہ چینی نہیں کر سکتا لیکن قوم کی اکثریت چونکہ مختلف اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہے۔ اس لئے یہی کہا جائے گا کہ مسلمان قوم اخلاقی حیثیت سے پستی کی حالت میں ہے

کسی قوم کی اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کے اعمال و کردار کا جائزہ لیا جائے اور اس کی پستی و درماندگی کے اسباب معلوم کرکے قوم کو وہ اخلاقی کمزوریاں جو اس کے تنزل کا باعث ہیں ایک ایک کرکے بتائی جائیں، اس کے بعد مناسب و مؤثر طریقہ سے اس کو یہ ترغیب دی جائے کہ وہ ان کمزوریوں کی اصلاح کرکے دین و دنیا کی فلاح و ترقی حاصل کرے۔ قرآن مجید نے بھی اصلاح کا یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

مسلمانوں کے علاوہ قرآن مجید کے مخاطب یہودی نصرانی اور مشرکین عرب تھے، جو اپنے عقائد واوہام اور رسوم و اعمال کے لحاظ سے ایسی پستی کی حالت میں تھے کہ صفحۂ ہستی پر ان کا وجود انسانیت کے لئے باعث عار و ننگ تھا، اس لئے قرآن مجید نے ان لوگوں کی تمام بداعمالیاں صاف صاف بیان کرکے مؤثر طریقہ سے اُن کی مذمت کی لیکن اس کے ساتھ ہی نہایت دلنشین الفاظ میں یہ ترغیب بھی دی کہ وہ اپنی اصلاح کریں اور کھلے ہوئے الفاظ میں یہ بتایا کہ اس اوہام پرستی اور بدکرداری کا انجام یہ ہوگا کہ وہ دنیوی ترقی اور آخرت کی فلاح و سعادت حاصل نہ کر سکیں گے اور اپنے اعمال کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑے گا۔

قرآن مجید سارے الہامی مذاہب کی حقانیت کا معترف اور اُن کی صداقت تسلیم کرتا ہے، چنانچہ اس نے جابجا صراحتہً یہ اعلان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے پیغمبر مامور ہوئے وہ سب خدائے واحد و یگانہ کی پرستش و عبادت کی تعلیم دیتے تھے، لیکن ان کے بعد لوگوں نے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی بنا پر مذہب کی الہامی و مذہبی کتابوں میں تحریف و تصرف کردی اس لئے کسی مذہب کی اصلی تعلیم محفوظ نہیں رہی بلکہ انسانی خیالات کے ساتھ خلط ملط ہو گئی چنانچہ نزول قرآن مجید کے زمانہ میں کوئی الہامی

کتاب خواہ وہ توریت ہو یا انجیل اپنی شکل و صورت میں محفوظ نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کتابوں کی تحریف کا اعلان کر کے مسخ شدہ یہودیت و نصرانیت کی مخالفت کی اور صاف طریقہ سے یہ ظاہر کر دیا کہ موجودہ زمانہ کا یہودی و مسیحی مذہب حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی تعلیم کے مطابق نہیں ہے۔

قرآن مجید کا یہ اظہار حقیقت اُن لوگوں کو سخت ناگوار ہوا جو یہودیت یا مسیحیت کی پیروی کے مدعی تھے اس لئے انھوں نے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے خلاف طرح طرح سے پروپگنڈا کر کے لوگوں کو مخالفت پر آمادہ کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک اولوالعزم پیغمبر اور مصلح اعظم تھے اور اپنے مقصد کی صداقت و حقانیت پر کامل یقین رکھتے تھے اس لئے منکرین کی مخالفت سے مرعوب و متاثر نہیں ہوئے بلکہ تائید ایزدی پوری قوت و استقامت سے اپنا کام جاری رکھا اور دین کے معاملہ میں مداہنت یا مروت سے کام نہیں لیا۔ اس پیغمبرانہ عزم کا انجام یہ ہوا کہ منکرین کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور بہت سے لوگوں نے اسلامی تعلیم کو جو انسانی فطرت کے مطابق تھی برضا و رغبت قبول کیا جس سے اُن کی زندگی میں ایک مبارک انقلاب پیدا ہو گیا۔ اور ایک ایسی سرفروش و فدا کار قوم وجود میں آئی جو اس آیت کا مصداق تھی۔

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین کے معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کبھی مروت و مداہنت سے کام نہیں لیا بلکہ نہایت جرأت و دلیری سے منکرین کے اوہام و خرافات اور رسوم جاہلیت کی برائیاں علی الاعلان بیان کیں حالانکہ جن عقائد و رسوم کی مذمت کی گئی تھی وہ صدیوں سے ملک میں رائج تھے اور اُن کی عظمت و اہمیت منکرین کے دلوں میں راسخ تھی اس لئے یہ پہلے سے معلوم تھا کہ جب ان چیزوں کی مخالفت کی جائے گی تو کفار و مشرکین سخت مشتعل ہوں گے اور آنحضرت و اسلام کے خلاف اُن کی نفرت و عداوت اور زیادہ بڑھ جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سارے جزیرۃ العرب میں ایک طوفان مخالفت برپا ہو گیا۔

منکرین و معاندین کو سخت تعجب و غصہ تھا کہ جن رسوم و آداب کے ہم صدہا برس سے پابند ہیں انھیں کس طرح چھوڑ دیں چنانچہ جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو یہ کام کرتے ہوئے پایا اس لئے ہم تو انھیں کے نقش قدم پر چلیں گے۔

ان واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کفر و اسلام کی کش مکش اس بنا پر تھی کہ منکرین اپنی قدامت پرستی اور کورانہ تقلید کی بنا پر باپ دادا کے طریقہ پر قائم رہنا چاہتے تھے اور قرآن مجید یہ کہتا تھا کہ تمہارے باپ دادا جاہل و گمراہ تھے، اس لئے اُن کی پیروی نہ کرو اور اس "صداقت" کو قبول کرو جو محض تمہاری فلاح و نجات کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

کفر و اسلام کی اس کش مکش کا خاتمہ دو طرح سے ہو سکتا تھا ایک تو اس طرح کہ آنحضرت و صحابہ کرام اپنا طرز عمل بدل دیتے یعنی کفار کے خود ساختہ معبودوں اور مشرکانہ رسم و رواج کی مذمت نہ کرتے اس صورت میں یہ کش مکش بلا تاخیر ختم ہو جاتی۔ دوسرے اس طرح کہ یہ جنگ برابر جاری رہتی یہاں تک کہ ایک فریق کو پوری ہزیمت ہو جاتی اور اس میں آئندہ جنگ جاری رکھنے کی صلاحیت و طاقت باقی نہ رہتی، لیکن "جنگ دو سردارد" مشہور ہے، اس لئے یہ پیشین گوئی کرنا بہت مشکل تھا کہ کفر و اسلام کی کش مکش میں کون فتحیاب ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا طریقہ جو بظاہر بے ضرر و مصالحانہ تھا پسند نہیں کیا بلکہ وہ پر خطر طریقہ اختیار کیا جس میں فتح و شکست دونوں کا امکان تھا، بلکہ جہاں تک ظاہری اسباب کا تعلق ہے شکست زیادہ قرین قیاس تھی کیونکہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور وہ عموماً مفلس و بے مایہ تھے، اس کے خلاف دوسری طرف عرب کے زبردست قبائل اور سرداران قریش تھے جنھیں علاوہ تعداد کی اکثریت کے دنیوی وجاہت و قوت بھی حاصل تھی، اس لئے اُن کی کامیابی کا امکان زیادہ تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اُن سے مقابلہ کا طریقہ کیوں اختیار کیا گیا؟

حقیقت یہ ہے کہ ہر پیغمبر و مصلح کا ظہور ہمیشہ اُس وقت ہوتا ہے جب کسی قوم کی ذہنی و اخلاقی حالت بالکل بگڑ جاتی ہے اور وہ انسانیت کے بلند مرتبہ سے گر کر ناشائستہ اعمال میں مبتلا ہو جاتی ہے پیغمبر یا مصلح کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بگڑی ہوئی جاہل و ناتربیت قوم کی اصلاح کر کے اُسے انسانیت کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچائے۔

اس مقصد کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ قوم کے معائب اور اخلاقی کمزوریاں آشکار کر کے اُسے اخلاق رذیلہ ترک کرنے کی تاکید اور اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے۔ لہذا کوئی مصلح یا پیغمبر قوم کی بد اعمالی و اخلاقی حالت سے چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہے گا جس کے لئے وہ مامور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر جو قوم کی اصلاح و اخلاقی تعلیم کے لئے مامور ہیں وہ نہایت اخلاقی جرأت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور قوم میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ جو شخص قوم کے اخلاق و اعمال پر شدید نکتہ چینی کرتا ہو وہ کس طرح ہر دلعزیزی حاصل کر سکتا ہے البتہ جب اس مصلح کی مخلصانہ کوشش سے قوم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور وہ اخلاقی فضائل حاصل کر لیتی ہے تو پھر قوم کی نظر میں کوئی ہستی اس سے زیادہ محبوب و محترم نہیں ہوتی، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ جو لوگ حالت کفر میں حضور انور سے سخت عداوت رکھتے تھے اور بدترین دشمن سمجھے جاتے تھے جب توفیق الٰہی سے انھیں اسلام کا حلقہ بگوش ہونے کی سعادت حاصل ہوئی تو اس ساری کائنات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی سے زیادہ اور کوئی ہستی اُن کے نزدیک محبوب و محترم نہ تھی۔

صدارت اجلاس شعبۂ تعلیمی

از

(جناب سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج)

گزشتہ اپریل ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جو سالانہ اجلاس جبل پور میں منعقد ہوا تھا، اس کے شعبۂ تعلیمی کی صدارت سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد دکن نے فرمائی تھی۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبہ پڑھا، وہ ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔

ایڈیٹر

میرے محترم اور بزرگ قوم نواب صدر یار جنگ بہادر نے تار کے ذریعہ جب یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ میں اس کانفرنس کے تعلیمی شعبہ کی صدارت کروں تو مجھے تسلیم خم کرنے کے سوائے کوئی اور چارہ نہ تھا۔ نواب صاحب ممدوح کا ارشاد میرے لئے بمنزلۂ حکم کے ہے چنانچہ میں اس وقت آپ کی خدمت میں محض ان کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوں۔ تعلیمی شعبہ کی صدارت کے لئے میرا انتخاب نہ صرف میرے لئے باعث عزت ہے بلکہ باعث مسرت بھی ہے میں ہندوستان کے ایک ایسے حصہ کا باشندہ ہوں جس کو مسلمانانِ ہند ہمیشہ محبت اور افتخار کی نظر سے دیکھتے ہیں اور سی' پی کے مسلمان تو بطور خاص ایک سے زیادہ وجوہ کی بناء پر اس خصوص میں سب سے زیادہ پیش پیش ہیں جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ ایک ادنیٰ خادم تعلیم کی حیثیت سے اس جلسہ میں شرکت ایک اور امر کے باعث میرے لئے فخر کا موجب ہے۔ اگرچہ سی' پی میں مسلمان جملہ آبادی کا صرف (۴ء۴) فی صد [illegible] ان کے لئے ہر شعبۂ زندگی میں چاہے وہ ملازمت ہو یا تجارت۔ زراعت ہو یا صنعت قدم قدم پر طرح طرح کی مشکلات اور رکاوٹیں ہیں مگر اس کے باوجود وہ اردو کی محبت اس کی اشاعت اور عام تعلیمی ترقی میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں کے مقابلہ میں یہاں کے مسلمان طلبائے زیر تعلیم کی تعداد بلحاظ آبادی (۸ء۷) فی صد ہے یعنے بلحاظ تناسب آبادی پنجاب، بنگال، بہار اور یو' پی سے زیادہ ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے مسلمانانِ سی' پی و برار کو اس تعلیمی بیداری اور پر مبارکباد دیتے ہوئے متوقع ہوں کہ وہ اسی طرح گامزن رہ کر بہت جلد یہ ثابت کر دیں گے کہ جوش، صداقت، ہمت اور استقلال سے کام لیا جائے تو اقلیت اکثریت سے ہر معاملہ میں بازی لیجا سکتی ہے۔

خواتین و حضرات۔ آپ سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہم یہاں ایک بڑے نازک دور میں اپنے تعلیمی امور پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں مجھے اس موقع پر یورپ کے ایک مدبر کا مقولہ یاد آتا ہے کہ اسباب زمانۂ امن میں جنگ کے لئے اور زمانۂ جنگ میں امن کے لئے تیاری کرنا ہے۔ تاریخ پر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ بات بہت واضح ہو جاتی ہے۔ گزشتہ سو برس کی یورپ کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انگریز اور یورپ کی دیگر قومیں اسی مقولہ پر برابر عمل کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ تاریخ تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بڑی جنگ میں کسی زبردست نظام تعلیمی نے جنم لیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ قوموں کی جنگ ان کے تعلیم و تربیت کے نظامات کا سخت ترین امتحان ہے اور اس [illegible] اور اس امتحان کے تجربوں اور نتائج کی روشنی میں آئندہ نسل کے لئے تعلیمی نظامات از سر نو وضع اور رائج کئے جاتے ہیں۔ گزشتہ جنگ عظیم نے انگلستان، جرمنی، روس اور ترکی وغیرہ کے تعلیمی نظامات میں بہت کچھ رد و بدل اور انقلاب پیدا کیا۔ گو ہندوستان بھی اس جنگ میں طوعاً و کرہاً شریک تھا لیکن جنگ کے شعلے اس کی سرحدوں سے اتنی دور رہے تھے کہ ختم جنگ عظیم کے بعد جو دور شروع ہوا وہ ماقبل جنگ کے دور سے زیادہ مختلف نہ تھا لیکن کیا اس مرتبہ بھی ہم اس کی توقع کر سکتے ہیں۔ کیا ہم ماقبل جنگ کے زمانہ کو جس کے ہم عادی رہے ہیں اور جس سے ہم بخوبی واقف ہیں ختم جنگ کے بعد تازہ کر سکتے ہیں۔ کیا ہم ماضی کو پھر زندہ کر سکتے ہیں۔ ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے جس کی تائید ہماری سالہا سال کی ماضی کو زندہ کرنے کی بے سود کوشش سے ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مردہ قومیں ہی ہمیشہ ماضی کا خواب دیکھا کرتی ہیں اور اس کی واپسی کے لئے جد و جہد کرتی ہیں۔ اس کے برخلاف زندہ قومیں ماضی اور حال کی روشنی میں مستقبل کے لئے تیاری کرتی ہیں۔ زندہ قومیں سمجھ چکی ہیں کہ دنیا برابر بدلتی رہتی ہے جو کل تھا وہ آج نہیں۔ جو آج ہے وہ کل نہیں۔ مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو تاریخ کی ورق گردانی کیجئے۔ اپنے گرد و پیش کے حالات کا مطالعہ کیجئے۔ خود اپنی زندگی پر غور کیجئے۔ کیا بچپن کا زمانہ دوبارہ آ سکتا ہے کیا شباب کا زمانہ بڑھاپے میں نصیب ہو سکتا ہے۔ یہی حال قوموں کی زندگی کا ہے۔ زندہ قومیں جانتی ہیں کہ گزرا ہوا زمانہ نہیں آ سکتا البتہ موجودہ اور آئندہ زمانہ کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے وہ کوشش کرتی ہیں کہ آنے والا زمانہ موجودہ اور گزشتہ دونوں زمانوں سے بہتر ہو اور اس مقصد کے حصول کا صرف ایک ہی مسلمہ ذریعہ ہے اور وہ موزوں تعلیم ہے۔

تعلیم کا مذہب۔ سیاست، اقتصادیات اور معاشرت سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ تعلیمی مسائل کے سمجھنے اور ان کا حل نکالنے کے لئے ان سب پر نظر رکھنی ضروری ہے۔ میں جب ہندوستان کے تعلیمی مسائل پر غور کرتا ہوں تو بعض اوقات ان پیچیدگیوں کو دیکھ کر ڈر جاتا ہوں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے کسی ملک میں کسی قوم کے تعلیمی مسائل اتنے مشکل اور الجھے ہوئے نہیں ہیں جیسے کہ مسلمانان ہند کے ہیں۔ موجودہ دور میں بالخصوص اس دور میں جو اس جنگ کے بعد شروع ہوگا۔ مسلمانوں کو ایسے نازک اور تغیر پذیر حالات اور واقعات سے دوچار ہونا پڑے گا جن کے مقابلہ میں سنہ ستاون کے واقعات کوئی حقیقت نہیں رکھیں گے۔ آپ واقف ہیں کہ اس زمانہ میں سرسید علیہ الرحمہ جیسی زبردست اور غیر معمولی ہستی اور ان کے قابل احترام رفقائے کار کو کیسی کیسی مصیبتیں جھیلنی پڑیں تب بھی ان کا جو مقصد تھا وہ پوری طرح پر حاصل نہ ہو سکا۔ اس نازک زمانہ میں افسوس نہ سرسید

یعنی یہاں ۔۔۔ ہے لیکن وہاں چار یونیورسٹیاں ہیں جن میں دس ہزار سے زیادہ طالب علم تھے ان ممالک نے خصوصاً اس جنگ کے دوران میں یہ ثابت کر دکھایا کہ اعلیٰ اور فنی تعلیم کا اقتصادی حالت سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اعلیٰ اور فنی تعلیم ایک قوت ہے جو کمزور کو طاقتور کرتی ہے اور مفلس کو مالدار بنا دیتی ہے۔ اور یہی ہے مسلمانان ہند کی موجودہ حالت کا مرقع ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے ہم مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ایک مبسوط اسکیم تیار کرنی چاہیے۔ درست ہے لیکن اس اسکیم کو نافذ کون کرے گا۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ تصور بھی کر لیا جائے کہ اکثریت کے صوبوں میں مسلمان پورا اقتدار حاصل کرتے ہی اس کو نافذ کر دیں گے تو وہ مسلمان کیا کریں گے جو اقلیت میں ہیں اور اپنے علاقہ جات میں اقتدار کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ ایک اور مشکل بھی پیدا ہو گئی ہے اور یہ ایک ایسی مشکل ہے جو کہ سر سید علیہ الرحمۃ اور ان کے رفقائے کار کے زمانہ میں نہ تھی۔ برطانوی حکومت ایک زمانہ میں خانگی ذرائع تعلیم پر زور دیتی تھی۔

یہی نہیں بلکہ جب کبھی تعلیم کے لئے سرکاری ذمہ داری کی تحریک کی گئی تو اس نے مخالفت کی لیکن اب حکومت کی پالسی میں بڑی تبدیلی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہر معاملہ میں حکومت کا دخل بڑھتا جاتا ہے۔ تعلیم کی ذمہ داری کو حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے آمادہ معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ مسٹر سارجنٹ نے جو یادداشت بابت تعلیم مابعد جنگ تیار اور پیش کی ہے وہ اس خیال کی تائید کرتی ہے اب چونکہ اس یادداشت کو سنٹرل ایڈوائزری بورڈ اور انٹر یونیورسٹی بورڈ نے بعض خفیف ترمیمات کے ساتھ منظور کر لیا ہے اس لئے ہم کو اس کا بغور مطالعہ کر کے مناسب چارہ کار کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔

مسٹر سارجنٹ کی مجوزہ اسکیم مندرجۂ ذیل اصولوں پر مبنی ہے:

۱۔ ہندوستان کی اصلاح و ترقی کیلئے ایک قومی تعلیمی اسکیم کی ضرورت ہے۔

۲۔ حکومت ہند کو اس اسکیم کے نفاذ اور اس کے اخراجات کا ذمہ دار ہونا چاہیئے۔

۳۔ ہندوستان کے تمام لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم کے انتظامات ہونے چاہئیں۔

(الف) تین برس کی عمر سے لیکر چھ برس کی عمر تک کے بچوں کے لئے شش گھر (نرسری اسکولس) قائم کئے جائیں لیکن ان میں شرکت اختیاری ہو۔

(ب) چھ برس سے چودہ برس تک لڑکے اور لڑکیوں کو مادری زبان میں جبری اور مفت تعلیم دی جائے اور غیر زبان نہ پڑھائی جائے۔

(ج) ابتدائی منزل کے بعد ان کے رجحانات کی مناسبت سے مختلف اقسام کے مدارس میں تعلیم دی جائے۔

۴۔ ثانوی تعلیم۔ یونیورسٹی۔ فنی اور پیشہ وری تعلیم کے انتظامات کئے جائیں اور قابل مگر نادار طلبہ و طالبات کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے مالی امداد دی جائے۔

۵۔ معذور اور جسمانی لحاظ سے کمزور طلبہ کی تعلیم کے لئے خاص مدارس قائم کئے جائیں۔

۶۔ جملہ افراد زیر تعلیم کے طبی معائنہ اور ان کے علاج معالجہ کا انتظام کیا جائے۔

۷۔ ترک تعلیم کے بعد نوجوانوں اور مسن اشخاص کے لئے تفریحی مشاغل کا بندوبست کیا جائے۔

۸۔ (۱۴ تا ۴۰) برس کی عمر والوں کو خواندہ بنانے اور رکھنے کے لئے تدابیر اختیار کی جائیں۔

۹۔ مدرسین کو معقول مشاہرہ دیا جائے اور ان کی فنی تربیت کے لئے انتظامات کئے جائیں۔

۱۰۔ ترک تعلیم کے بعد فارغ التحصیل کو روزی سے لگانے اور ان کی رہبری کے لئے محکمہ قائم کیا جائے۔

۱۱۔ مجوزہ اسکیم کو عمل میں لانے کے لئے ایسے محکمۂ تعلیمات ہوں جو ذہنی جرأت اور استقلال سے اپنے فرائض انجام دیں۔

۱۲۔ چالیس برس کی مدت میں اسکیم کا مکمل نفاذ کیا جائے۔

مسٹر سارجنٹ نے اپنی یادداشت تعلیم میں سب سے پہلے یہ بتلایا ہے کہ ان کی جو تجویز ہے وہ برطانیہ یا دوسرے مغربی ممالک کے تعلیمی نظامات سے تجاوز نہیں کرتی۔ انہوں نے جو تجویز پیش کی ہے وہ ہندوستان کے مستقبل کے لئے اتنی ضروری ہے کہ اس میں ذرا بھی کمی نہیں کی جا سکتی۔ ان کی رائے میں صرف برطانوی ہند کے لئے پوری اسکیم کے نفاذ کے لئے تین سو تیرہ کروڑ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہوگی۔ بادی النظر میں یہ رقم بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ آج کل کے جنگ کے روزانہ اخراجات پر نظر کریں تو ثابت ہوگا کہ یہ رقم جو آمدہ نسل کی تیاری پر صرف کرنی مقصود ہے زیادہ نہیں ہے۔ اگر آپ برطانوی ہندوستان کی کئی کروڑ کی آبادی پر اسے تقسیم کریں تو معلوم ہوگا کہ فی کس اخراجات چند روپیہ سالانہ سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اس اسکیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ تمام قابل تعلیم بچے، لڑکے، لڑکیاں مفت اور لازمی طور پر ابتدائی تعلیم یعنی بیسک ایجوکیشن پائیں اور جو قابل ترین ثابت ہوں وہ ہائی اسکولس اور یونیورسٹی کی تعلیم کے علاوہ صنعتی زراعتی تجارتی اور فنون لطیفہ کے مدارس میں اپنی اعلیٰ تعلیم جاری رکھ سکیں۔ ظاہر ہے کہ مسٹر سارجنٹ کی اسکیم کا سب سے اہم حصہ ابتدائی تعلیم بیسک ایجوکیشن سے متعلق ہے۔ ان کی رائے ہے کہ چھ برس سے لیکر چودہ برس کی عمر تک ہر لڑکا اور لڑکی لازمی طور پر مفت تعلیم پائے اس کے یہ معنے ہوئے کہ وہ مسلسل آٹھ سال کی مفت اور جبری تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ عام طور پر ہندوستان میں ابتدائی تعلیم کی مدت پانچ سال کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ غور طلب ہو جاتا ہے کہ کیا تمام طلبہ کو مفت اور جبری تعلیم مسلسل آٹھ سال تک دی جائے؟

ایک ایسے ملک میں جہاں چار پانچ سال کی تعلیم بھی جبری اور مفت نہ کی جا سکی تو کیا ایکدم اتنا اضافہ کیا جا سکتا ہے؟ یہ ایسے مسائل ہیں جن پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے دوسرا سوال عمر کا ہے۔ کیا ہمارے ملک میں چھ برس کی عمر میں تعلیم شروع کی جائے یا اس

سے پہلے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہمارے ہاں بچہ کی بسم اللہ عموماً چار برس کی عمر میں ہوتی ہے اور پانچ برس کا بچہ باقاعدہ تعلیم پانے کے قابل متصور ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا لڑکے اور لڑکیوں کی عمر میں کوئی فرق نہ رکھا جائے؟ کیا شہری اور دیہاتی بچہ کی عمر میں امتیاز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض ماہرین کی رائے ہے کہ ہمارے ملک کے حالات کے لحاظ سے لڑکے اور لڑکیوں شہری اور دیہاتی دونوں کی تعلیمی عمروں میں فرق کرنے کی قطعی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری تجویز یہ کی گئی ہے کہ بیسک ایجوکیشن کی دو منزلیں قرار دی جائیں۔ ایک چھ برس کی عمر سے گیارہ برس تک۔ دوسری گیارہ سے چودہ تک۔ جو طلبہ قابل ترقی نظر آئیں ان کو پہلی منزل کے بعد ہی ہائی اسکول اور دیگر اعلیٰ تعلیم گاہوں میں منتقل کرنے کا انتظام کیا جائے۔ گو مسٹر سارجنٹ کی اسکیم کے بموجب چھ سال کی عمر سے جبری تعلیم شروع ہوئی لیکن انھوں نے تجویز کی ہے کہ اس سے کم عمر بچوں کے لئے نرسری اسکول قائم کئے جائیں جن میں عورتیں کام کریں۔ نرسری اسکولوں میں شرکت اختیاری ہوگی۔ بعض کی رائے ہے کہ بچہ کی تعلیم و تربیت پیدائش کے بعد جتنی جلد شروع کی جائے بہتر ہے خصوصاً ایسے گھرانوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت جہاں علالت افلاس اور جہالت چھائی ہوئی ہے جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے ہندوستان میں کثرت ایسے ہی بیمار و نادار گھرانوں کی ہے۔ بچوں کی شرح اموات دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ ایسی حالت میں مجوزہ اسکیم کی یہ بڑی کمزوری ہے کہ جس عمر میں بچوں کی سب سے زیادہ دیکھ بھال و تربیت کی ضرورت ہے اس کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی جتنی کہ ہر متمدن ملک میں دی جارہی ہے اور دی جائے گی۔ ہائی اسکول کی تعلیم کے متعلق لکھا ہے کہ وہ دو قسم کی ہونی چاہئے۔ ادبی اور صنعتی ان دونوں کا مقصد یہ ہو کہ وہ آیندہ زندگی اپنے پیشوں کے لئے طلبہ کو تیار کریں۔ ان کی مدت تعلیم چھ سال ہو۔ ہائی اسکول کی تعلیم کے لئے ذاتی طور پر اخراجات برداشت کرنے پڑیں گے لیکن ذہین مگر نادار طلبہ کی تعلیم کے لئے رقمی امداد وغیرہ دی جانی چاہئے۔ اس کے یہ معنے ہوئے کہ ابتدائی تعلیم کے بعد جو دو منزلیں وسطانیہ اور فوقانیہ ہیں وہ ضم ہو جائیں گی۔ دوسرے الفاظ میں اس تجویز کے لحاظ سے موجودہ ہائی اسکول کی جماعتوں میں گیارھویں جماعت کا اضافہ ہوگا۔

بات یہ ہے کہ اگر اسکول کی تعلیمی مدت میں اضافہ کیا جاتا ہے تو یونیورسٹی کی تعلیمی مدت میں کمی کی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی تعلیمی عمر کی ایک مدت مقرر ہے۔ یہ پوری مدت چودہ یا پندرہ سال سے زیادہ نہیں کی جاسکتی۔ مسٹر سارجنٹ نے اسکول کی مدت میں اضافہ کیا تو یونیورسٹی کی تعلیمی مدت میں ایک سال کی کمی کر دی یعنی ڈگری حاصل کرنے کے لئے چار سال کے بجائے تین سال کی مدت قرار دی۔

(باقی آیندہ)

قومی اصلاح کے لئے اخلاقی جرأت کی ضرورت

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۲ کا)

کیسی عجیب بات ہے کہ جو لوگ تمام جاہلیت حضورؐ کی جان کے درپے تھے اب پروانہ وار اپنی جانیں آپ پر قربان کر رہے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بغیر کسی ذاتی غرض کے صداقت و اخلاص کے ساتھ بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے کوشش کی جائے تو اگرچہ ابتدا میں لوگ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے سخت مخالفت کرتے اور پیغمبر یا مصلح کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں لیکن آخرکار ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اصلاح کے لئے جو سعی و محنت کی گئی ہے وہ بارآور ہوتی ہے اور جو لوگ پیغمبر یا مصلح کو پہلے اپنا دشمن سمجھتے تھے اب اس کے احسان کا صمیم قلب سے اعتراف کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہلاکت سے بچا کر حیات تازہ عطا کی،

موجودہ زمانہ میں جو لیڈر یا خدام قوم مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کی خدمت میں مصروف ہیں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مصلحین و صحابہ کرام کے اس طریقہ عمل کی پیروی کرنی چاہئے اور وہ اس طرح کہ سب سے پہلے انہیں احتیاط و سنجیدگی سے مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لینا چاہئے اور یہ معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کون سے معائب و اخلاقی کمزوریاں و خامیاں ہیں جو مسلمانوں کو ابھرنے نہیں دیتیں بلکہ وہ روز بروز پستی میں گرتے چلے جاتے ہیں۔

انحطاط و پستی کے اسباب معلوم ہو جانے کے بعد لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ وہ اخلاقی جرأت سے کام لے کر عوام کو صاف طور سے اُن کے عیوب و اخلاقی کمزوریوں سے (جو اُن کے تنزل و پستی کا سبب ہیں) آگاہ کریں اور اس کی پروا نہ کریں کہ اُن کی صاف گوئی سے عوام ناخوش ہوں گے جس سے اُن کے اثر و اقتدار اور ہردلعزیزی کو صدمہ پہنچے گا۔ کیونکہ قوم کے مفاد کو شخصی وقار پر قربان کرنا قوم کے ساتھ بدترین غداری ہے لیکن نہایت افسوس ہے کہ ہمارے اکثر مذہبی و سیاسی رہنما شخصی وقار و ہردلعزیزی قائم رکھنے کے لئے عموماً حق بات کہنے سے گریز کرتے ہیں، اور جب ملک وملت پر کوئی ایسا نازک وقت آتا ہے کہ سچی بات کہنا اور صحیح طریقہ سے قوم کی رہنمائی کرنا ضروری ہوتا ہے تو وہ مصلحت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہماری قوم میں اس وقت دو قسم کے لیڈر ہیں۔ ایک مذہبی یعنی علماء جو قوم کی روحانی و اخلاقی اصلاح کی خدمت انجام دیتے ہیں دوسرے سیاسی لیڈر جو پولیٹکل معاملات میں قوم کی رہنمائی کے مدعی ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی دونوں کی حالت ناقابل اطمینان ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں اس لئے اختصاراً عرض کیا جاتا ہے کہ علماء کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ عوام کو طرح طرح کے مشرکانہ عقائد و بدعات اور خلاف شرع رسم و رواج میں مبتلا دیکھتے ہیں لیکن ان میں یہ جرأت نہیں کہ صاف طور پر ان خرافات کی برائیاں اُن کے سامنے پیش کریں کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر اُن رسوم و خرافات کی مخالفت کریں گے تو عوام جو نہایت

[illegible] اُن سے
[illegible] دلعزیزی

[illegible] نہیں ہیں کہ
ان مشرکانہ عقائد و رسوم نے لاکھوں مسلمان
خاندانوں کو برباد کر دیا ہے ایسی حالت میں
ان خرافات سے چشم پوشی کرنا کس قدر شقاوت
ہے۔ لیکن با ایں ہمہ علماء میں ایسے فرض شناس
بہت تھوڑے ہیں جو ذاتی وقار و مفاد سے
قطع نظر کر کے اصلاح و تبلیغ کی خدمت انجام
دیتے ہیں۔

اب رہے "سیاسی لیڈر" تو اُن کی حالت
بھی کچھ کم افسوس ناک نہیں۔ یہاں تک کہ بعض
اوقات اُن کی حالت دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل
ہو جاتا ہے کہ وہ عوام کی رہنمائی کرتے ہیں
یا عوام اُن کے رہنما ہیں، واقعہ یہ ہے کہ قوم
میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کا شوق انہیں عموماً
حق و صداقت کے اظہار سے روکتا ہے۔ یہی
وجہ ہے کہ اُن کے سیاسی خیالات اور طریقۂ
کار میں ہمیشہ انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ کبھی تو وہ
ایسے گرجتے برستے میدان میں آتے ہیں کہ معلوم
ہوتا ہے کہ ہندوستان کا تختہ الٹ دیں گے
لیکن کبھی عین وقت پر جبکہ عوام کو ان کی رہنمائی
کی شدید ضرورت ہوتی ہے وہ کہیں نظر نہیں
آتے لیکن جب خطرہ کی گھڑیاں گزر جاتی اور
حالات سازگار ہو جاتے ہیں تو وہ پھر نمودار
ہو جاتے ہیں، غرض مسلمانوں میں ایسے لیڈر
بہت تھوڑے ہیں جو کسی متعین نصب العین اور
مخصوص مقصد کے لئے پوری قوت و عزم ثبات
کے ساتھ شروع سے اخیر تک کام کرتے رہیں
اور حبِ جاہ و مال یا عوام میں ہر دلعزیزی حاصل
کرنے کا شوق انہیں صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابۂ کرام
کا یہ طریقہ کار نہ تھا، اگر وہ دولت، عزت یا ہر دلعزیزی
حاصل کرنا چاہتے تو معمولی سی چشم پوشی و مداہنت
سے [illegible] انہیں میسر آ سکتی تھیں لیکن
[illegible] کی جو عظیم الشان خدمت انہوں
[illegible] اس سے محروم رہ جاتی، جو

لوگ ملک و ملت کی خدمت انجام دینا چاہتے
ہیں انہیں اسی طریقہ پر عمل کرنا چاہئے۔

برطانیہ کا ایک بڑا ہوائی جہاز

لندن کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ برطانیہ
میں ایک بہت بڑا ہوائی جہاز جس کا نام کوئن میری
تجویز کیا گیا ہے تیار ہو رہا ہے، جو جنگ کے بعد امن
بحال ہونے پر لندن سے نیویارک تک ہوائی سفر
کیا کرے گا۔

برسل ایروپلین کمپنی سے حکومت نے اس بڑے
جہاز کا ڈیزائن بنانے کے لئے کہا ہے، ابتدائی کام
مکمل ہو گیا ہے، جہاز کی ستین ۱۲۰ ٹن وزنی ہوگی
۲۰ ہزار ہارس پاور کے انجن لگائے جائیں گے
کمپنی کا چیف انجنیئر اس جہاز کا ڈیزائن بنا رہا ہے۔

نوٹس

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یونیورسٹی کا سشن اور طلبار کے داخلہ کی ۱۹۴۴-۴۵ء
کے لئے حسب ذیل تاریخیں مقرر ہیں۔

(۱) ایم اے اور ایم ایس سی فائنل کلاسوں کے لیے ۵ / مئی ۱۹۴۴ء

(۲) ایل ایل بی - فائنل کلاس کیلئے۔ ۱۵ / جون ۱۹۴۴ء

(۳) دیگر کلاسوں کیلئے۔ یکم جولائی ۱۹۴۴ء

وہ طلبار جو جولائی ۱۹۴۴ء میں داخلہ حاصل
کر سکیں انہیں چاہیے کہ وہ تعطیلات میں (۱۵
جولائی سے ۳۱ / اکتوبر ۱۹۴۴ء تک) اپنا نام رجسٹر
کرا لیں۔

بی ٹی کلاس کے لئے داخلہ کی درخواستوں
کی آخری تاریخ ۱۵ / جون ۱۹۴۴ء مقرر ہے۔ منتخب
کئے ہوئے امیدواروں کو ٹیسٹ اور انٹرویو کو ۲۹ /
اور ۳۰ / جون ۱۹۴۴ء کو آنا ہوگا۔ وہ طلبار جنھوں
نے ۱۹۴۴ء کے امتحان میں شرکت کی ہے۔ وہ
بی ٹی کلاس میں اپنے داخلہ کے لئے نتیجہ سے
پہلے ہی درخواست بھیج دیں لیکن انھیں چاہئے
کہ وہ نتیجہ نکلتے ہی رجسٹرار کو اپنے نتیجہ سے آگاہ کر دیں
یونیورسٹی کا پراسپکٹس رجسٹرار سے بلا قیمت
حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور بی ٹی کا پراسپکٹس اور
سلیبس "ارشاد بک ڈپو سول لین علی گڑھ سے
مل سکتا ہے۔

تصانیف مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی

نظامِ سلطنت } مذہب، تمدن، اخلاق و معاشرت اور
قوانین سلطنت پر محققانہ بحث۔ قیمت ۔۔ ۱۲/

مقدمہ تاریخ ہند قدیم } ساری دنیا کی قدیم ممالک و
مذاہب و علوم کا خلاصہ۔ قیمت ۔۔ ۱۲/

عالمگیر ہندو ؤں کی نظر میں } عالمگیر پر ہندوؤں نے
تمام اعتراضات کو صرف ہندو مصنفین کی کتابوں سے
غلط ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲/

حجۃ الاسلام } اسلام کی حقیقت اور تبلیغ اسلام
کے بہترین طریقے۔ قیمت عدہ/

فصل الخطاب } تحریک خاکساران کے متعلق عالمانہ
و محققانہ بحث۔ قیمت ۔ ۱۲/

حج بیت اللہ } حج کی حقیقت ذہن نشین کرنے اور
ترغیب حج کیلئے خاص چیز۔ قیمت ۳/

نواب امیر خاں } نواب امیر خاں کی مستند اور سبق
آموز سوانح عمری۔ قیمت ۔۔ ۵/

جنگ انگورہ } تیمور اور بایزید یلدرم کی سب سے
بڑی لڑائی کا مفصل حال۔ قیمت ۳/

باطل شکن } اسلام کے خلاف عیسائیوں کی کتاب
تاویل القرآن کا مدلل جواب۔ قیمت ۴/

تصانیف مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی

روح القرآن } کلام مجید کی بہترین تفسیر حسبِ ضروریات
زمانہ کے مطابق۔ قیمت [illegible]

نگارخانہ } مستورات کے لئے ایک تحفہ [illegible] قیمت [illegible]

ماں بچہ کی نگہداشت } [illegible]
مفید اور کارآمد معلومات۔ قیمت [illegible]

رفیق زمیندار } تعلیم [illegible]
اور مویشیوں کی پرورش وغیرہ [illegible] قیمت [illegible]
[illegible]

تصانیف مولوی محمد [illegible] صاحب [illegible]

نصاب [illegible] } [illegible]
[illegible] کتاب۔ قیمت [illegible]
المعلم } [illegible] کتاب [illegible]
[illegible] } [illegible] قیمت [illegible]
درحت خرم } ایک باکمال [illegible] کے حالات [illegible] قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ۔ کانفرنس بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

[illegible] مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں [illegible] محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلیشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا

خطبۂ صدارت اجلاس شعبۂ تعلیمی

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ)

(از جناب سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج)

مسٹر سارجنٹ کا نظریہ یہ ہے کہ ہائی اسکول کی تعلیم کے بعد کثیر تعداد کام کاج میں لگ جائیں۔ اسی واسطے انھوں نے زمانہ کا رنگ دیکھ کر صنعتی زراعتی اور تجارتی تعلیم پر خصوصیت سے زور دیا ہے۔ صنعتی، زراعتی اور تجارتی ہائی اسکولوں کا مقصد یہ قرار دیا ہے کہ وہ ایک طرف تو ایسے طلبہ کی خواہش کو پورا کریں جو ادبی کے بجائے عملی کام پسند کرتے ہیں دوسرے ملک کی صنعتی، زراعتی اور تجارتی کاموں کے لئے عمدہ کارپرداز مہیا کریں جن کی جنگ کے بعد بہت زیادہ ضرورت ہوگی۔ اس تجویز کی اہمیت اور ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہندوستان نے تعلیم کے اس پہلو کو نظرانداز کرکے بہت کافی نقصان اٹھایا ہے اور [illegible] کا اب تک خمیازہ بھگت رہا ہے لیکن [illegible] کے ساتھ مسٹر سارجنٹ کی تجویز یہ ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت کے مدنظر یہ معاملہ مرکزی حکومت کے ہاتھ میں رہے۔ انتظامی نقطۂ نظر سے ان کی رائے کے آخری جزء کے خلاف دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان اتنا بڑا ملک ہے اور اس کے مختلف حصوں میں اتنے اختلافات اور صوبائی اور ریاستی مسائل ہیں کہ حصہ واری طور پر ملکی صنعتی زراعتی اور تجارتی انتظامات زیادہ عمدہ اور کارگر ہو سکتے ہیں۔

طلبہ کی گیارہ برس میں ادبی اور صنعتی درسگاہوں میں منتقلی کوئی آسان بات نہیں ہے خوش حال طلبہ تو شاید روپیہ کے زور پر منتقل ہو جائیں گے لیکن نادار مگر قابل ذہین طلبہ کا انتخاب کیسے ہوگا۔ ان کو تعلیمی وظائف امتحان لیکر دیئے جائیں گے یا مدرسہ کا ریکارڈ وظیفہ کے لئے استحقاق پیدا کرے گا۔ اس میں جو انتظامی مشکلات ہیں اور اہل و مستحق طلبہ کے حقوق کی حفاظت میں جو دقتیں ہیں وہ ظاہر ہیں۔ ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا گیارہ برس کی عمر میں یہ تصفیہ کیا جا سکتا ہے کہ کون ادبی یا صنعتی یا زراعتی تعلیم کے لئے موزوں ہے۔ انگلستان میں عرصہ سے انتخاب مدرسہ کے لئے گیارہ برس کی مقررہ عمر پر سخت اعتراض ہو رہے ہیں اور کثرت رائے یہ ہے کہ یہ عمر آئندہ کے رجحانات کا پتہ لگانے کے لئے ناکافی ہے۔ فرض کیجئے کہ کوئی طالب علم ادبی یا صنعتی مدرسہ میں شریک ہو گیا۔ ایک برس دو برس کے بعد یہ پتہ چلا کہ وہ اس تعلیم کے لئے ناموزوں ہے تو ایسی صورت میں ایک قسم کے مدرسہ مثلاً ادبی سے دوسرے قسم کے مدرسہ صنعتی میں منتقلی کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں گی؟ ظاہر ہے کہ کوئی ایسی تدبیر ہونی چاہیئے کہ طالب علم کی عمر یا مدت تعلیم کا نقصان نہ ہو اور وہ اپنے رجحانات کے مطابق تعلیم پائے۔ فرض کیجئے کہ بعض طالب علم بیسک ایجوکیشن کی پوری آٹھ سالہ مدت ختم کرنے کے بعد کسی ہائی اسکول میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے کیا سہولت ہوگی خصوصاً جبکہ انھوں نے انگریزی کی تعلیم نہیں پائی ہے جو صرف ہائی اسکول میں لازمی ہوگی؟ اس کا بھی اب تک کوئی حل نہیں بتلایا گیا ہے اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے [illegible] اگر نادر کی اور ناقابلیت کے [illegible] طلبہ ادبی مدارس ہی میں شریک ہونے کے خواہشمند رہے تو کیا حکومت ان کو ملکی ضروریات کے [illegible] دوسرے قسم کے مدارس میں تعلیم پانے کے لئے مجبور کرے گی؟ یہ بھی ایک نہایت اہم مسئلہ ہے [illegible] یادداشت میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے اور میرے خیال میں بجا طور پر زور دیا گیا ہے کہ مدرس کی حیثیت کی اصلاح کرکے اس کے مرتبہ کو بلند کیا جائے۔ مدرسین کو معقول مشاہرہ دیا جائے۔ ان کی ملازمت میں بہتر [illegible] ٹریننگ کے لئے باقاعدہ انتظام کیا جائے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ عمدہ تعلیم کے لئے عمدہ مدرس کی سخت ضرورت ہے۔ عمدہ مدرس ہوا پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس مادہ پرستی کے زمانہ میں یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ بدترین تنخواہ پر اچھا آدمی مل جائے گا۔ اچھے آدمیوں کے لئے کم سے کم اتنی تنخواہ دینا لازم ہے جو پیٹ بھر کھانا اور صاف ستھرے لباس کی کفالت کر سکے مسٹر سارجنٹ ابتدائی تعلیم کے لئے معلمات کو زیادہ موزوں ٹھیراتے ہوئے ان کی زیادہ سے زیادہ بھرتی پر اصرار کرتے ہیں۔ یورپی خیالات کے بموجب لڑکوں کی تعلیم بھی ابتدائی مدرسہ میں عورتوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ یہاں بھی ہمارے ملک کی روایات اور حالات کے لحاظ سے خلاف رائے کی گنجائش ہے۔ ہمارے ہاں تو لڑکیوں کی تعلیم بھی مردوں کی سپردگی سے اور جب سے انگریزی [illegible] کے تحت لڑکیوں کے مدارس میں معلمات کام کرنے لگی ہیں عوام کو ان کی تعلیم سے تشفی نہیں ہوئی ہے۔ مدرسین کا دستیاب ہونا اتنا کٹھن نہیں جتنا کہ معلمات [illegible] وہ بھی موزوں معلمات کا ملنا ہے۔ مختصر یہ کہ سارے ہندوستان کے لئے اس اسکیم کے بموجب دس لاکھ اسی ہزار مدرسین اور معلمات کی ضرورت ہوگی۔

مسٹر سارجنٹ نے تعلیم بالغان مدرسین کی تعلیم و تربیت طلبہ کی صحت [illegible] تعلیم و [illegible] اور [illegible] طلبہ کو [illegible] تفصیلی [illegible] تجاویز پیش [illegible] اس [illegible] بیان کیا جائے۔ اس لئے میں آخر میں صرف یونیورسٹی کی تعلیم کے [illegible] پر اکتفا کرتا ہوں مسٹر سارجنٹ [illegible] میں ایک سال کو [illegible] کرکے یونیورسٹی [illegible] ڈگری کی تعلیم کے لئے تین سال کی مدت مقرر کی ہے جس کا مطالبہ [illegible] صاحب تخفیف کر رہے ہیں اور بی اے کی دو سالہ جماعت [illegible] سالہ کرکے آخری امتحان لیا جائے [illegible] میں سے بعض صاحبین کو یاد ہوگا کہ انٹرمیڈیٹ جماعتیں ایک عرصہ تک زیر بحث ہیں [illegible] سیڈلر کمیشن [illegible] ماہرین تعلیم کی [illegible] ان کی [illegible] اور [illegible] کی یونیورسٹی کی تعلیم کے معیار کو بلند کرنے کے لئے ان جماعتوں کو یونیورسٹی سے علیحدہ کرکے اور ان میں میٹرک کی دو سالہ جماعتیں شامل کرکے ایک نیا ادارہ قائم کیا جائے۔ ہندوستان میں اس تجویز پر جا بجا عمل ہوا اور جگہ جگہ انٹرمیڈیٹ کالج قائم ہو گئے چنانچہ ممالک محروسہ میں بھی یہی عمل ہوا [illegible] نئے اداروں سے جو توقعات وابستہ تھیں

کرتے ہیں جس سے خود مذہب کی رسوائی ہوتی ہے۔

ہر مذہب میں جس کے پرستاروں کی تعداد زیادہ ہے بہت سے چھوٹے چھوٹے فرقے ہوتے جو معمولی اختلافات کی بناء پر پیدا ہو جاتے ہیں، چنانچہ مسیحی مذہب اور ہندو مذہب میں بہت سے فرقے اور گروہ موجود ہیں جو کسی زمانہ میں ایک دوسرے کے عقائد اور اعمال و رسوم پر خوب نکتہ چینی کیا کرتے تھے، چنانچہ مسیحی ممالک میں صدیوں تک یہ معرکے جاری رہے، خود ہمارے ملک میں اب سے چالیس برس پہلے سناتن دھرم اور آریہ سماج میں اچھی خاصی جنگ برپا رہتی تھی، دونوں کے پنڈت اور مذہبی پیشوا ایک دوسرے پر شدید نکتہ چینی کرتے تھے، لیکن اب ان فرقوں میں اس قدر سمجھ پیدا ہو گئی ہے کہ انھوں نے یہ ہنگامہ آرائی بند کر دی ہے اور باہمی اختلافات کا کوئی اثر روزمرہ کے کاروبار و معاملات میں محسوس نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ مشترک مقاصد کے لئے یہ سب فرقے باہم مل کر کام کرتے ہیں اور مختلف فیہ معاملات کو زیر بحث نہیں لاتے۔

جس طرح دوسرے مذہب مختلف فرقوں میں منقسم ہیں اسی طرح مسلمانوں میں بھی بہت سے فرقے پیدا ہو گئے ہیں بلکہ ان کی تعداد ہمیشہ بڑھتی جاتی ہے۔ سب اسلام کے مدعی ہیں اور قرآن مجید کو صحیفۂ الٰہی تسلیم کرتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے درمیان شدید اختلاف ہے اور یہ ہمیشہ ایک دوسرے پر سخت نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔

یہ خانہ جنگی صدیوں سے جاری ہے جس سے مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں کو خوفناک نقصان پہنچا ہے لیکن پھر بھی مسلمان عبرت حاصل نہیں کرتے، اسلامی ممالک میں اب یہ فتنہ تقریباً ختم ہو چکا ہے لیکن ہندوستان میں موجود ہے اور مختلف فرقے برابر ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں، ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے اب تک مختلف اسلامی فرقوں میں ہزاروں مناظرے ہو چکے ہیں اور ہزاروں کتابیں ایک دوسرے کے خلاف لکھی گئی ہیں، مسلمانوں کا جو قیمتی وقت اس خرافات میں صرف ہوا ہے وہ بے حد و حساب ہے، اس کے علاوہ لاکھوں روپیہ ان کا عدالت بازی میں خرچ ہو چکا ہے۔ لیکن نتیجہ ہیچ، کیونکہ ہر فرقہ آج بھی اسی طرح اپنی جگہ پر موجود ہے جیسے پہلے تھا، کسی نے بھی اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا، اس کے علاوہ اغیار کی نظروں میں مسلمانوں کی جو رسوائی ہوئی وہ مزید برآں،

یہ کس قدر شرم و افسوس کی بات ہے کہ بسا اوقات ان مذہبی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں میں باہم خونریزی ہوئی، جس کی یاد اب بھی عدالتوں [illegible] سزائیں دیں، اس کے علاوہ بہت سے مذہبی جھگڑوں کے فیصلے بھی غیر مسلم عدالتوں نے کئے مثلاً فلاں فرقہ فلاں مسجد میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کسی خاص مسجد میں آمین بالجہر کہنے یا نہ کہنے کا فیصلہ بھی اکثر اوقات عدالت ہی سے ہوا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے سینکڑوں مذہبی جھگڑے تصفیہ کے لئے عدالتوں میں جاتے ہیں، یہ سب رسوائی اس وجہ سے ہے کہ ہمیں اپنی زبان اور قلم پر قابو حاصل نہیں، ہم ایک دوسرے پر شرمناک طریقے سے حملے اور نکتہ چینی کرتے ہیں جس سے لوگوں میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور یہی اشتعال فتنہ و فساد کا سبب بن جاتا ہے۔

مذہبی جھگڑوں کے علاوہ اب "سیاسی معاملات" بھی ہمارے لئے ایک سخت مصیبت بن گئے ہیں، جب تک مسلمانوں میں سیاسی ذوق نہیں پیدا ہوا تھا وہ مذہبی چیزوں کے لئے لڑا کرتے تھے، کہیں شیعہ سنی کا جھگڑا تھا کہیں مقلد غیر مقلد کا۔ اب مذہبی حرارت کم ہو جانے کی وجہ سے یہ جھگڑے کسی قدر ٹھنڈے پڑ گئے ہیں البتہ سیاست کا نشہ تیز و تند ہو گیا ہے جس کی وجہ سے فتنہ و فساد کا ایک نیا باب کھل گیا ہے۔

بحالت موجودہ مسلمانوں کے سامنے کوئی مشترک سیاسی نصب العین نہیں ہے۔ یعنی جس طرح مذہبی عقائد و خیالات کے اعتبار سے ان کے متعدد فرقے ہیں اسی طرح سیاسی حیثیت سے وہ مختلف پارٹیوں میں تقسیم ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے پر تلخی سے نکتہ چینی کرتی رہتی ہیں۔

کچھ مدت پہلے سیاسی حیثیت سے [illegible] دو حصوں پر تقسیم تھے، کانگریسی اور مسلم لیگی لیکن [illegible] کے بعد دیگرے بہت سی مستقل جماعتیں وجود میں آگئیں، جن میں بعض خالص سیاسی نہیں ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی نہ کسی حیثیت سے ملکی [illegible] میں نمایاں حصہ لے رہی ہیں۔ ان جماعتوں [illegible] علیحدہ علیحدہ نام خود اس امر کا ثبوت [illegible] کے "سیاسی مقاصد" باہم مختلف [illegible] مقصد کے لئے متحد و جماعتوں [illegible]

اختلاف [illegible] شخص اپنی بصیرت [illegible] پارٹی میں شامل [illegible] ان مدرسوں [illegible] لئے کام کر سکتی [illegible] ان علاقوں [illegible] ملک میں سیاسی [illegible] و سیاسی نظریہ کا اختلاف نہیں ہے بلکہ [illegible] ذاتیات و جذبات بھی شامل ہو گئے ہیں [illegible] لئے یہ اختلاف اپنی حد سے تجاوز کر کے شر [illegible] کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہے، یہی وجہ ہے [illegible] ہر سیاسی پارٹی اپنے نصب العین کی تبلیغ و اشاعت سے زیادہ دوسری پارٹی پر نکتہ چینی کرنے میں اپنا وقت صرف کرتی ہے۔

ان سیاسی جماعتوں کے عام جلسوں میں تقریروں اور رزولیوشنوں کے ذریعہ سے ایک دوسرے پر سخت نکتہ چینی کی جاتی اور طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں، یہ مخالفت کبھی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں [illegible] واقع ہوتا ہے اور فتنہ و فساد [illegible]

اکثر سیاسی پارٹیوں کے عام جلسوں [illegible] نمایاں خصوصیت "زندہ باد" اور "مردہ باد" کے نعرے ہیں جو بڑے جوش و خروش سے گلا پھاڑ پھاڑ کر بلند کئے جاتے ہیں، ان نعروں یا بددعاؤں کا مطلب یہ ہے کہ ہماری پارٹی کے لیڈر ہمیشہ زندہ رہیں اور دوسری پارٹی والے جو ہمارے مخالف ہیں ہلاک ہو جائیں یعنی "فرشتۂ اجل" ان کی روح قبض کر لے، یہ مخالف کون ہیں؟ خود ہمارے مسلمان بھائی، لیکن چونکہ ان کا سیاسی مسلک ہم سے مختلف ہے اس لئے انھیں زندہ رہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، یہ ہے ہماری "سیاست"

ممکن ہے شبلی کے علی گڑھ میں موجود ہونے سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں، اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سرسید شبلی کی کس قدر قدر کرتے تھے،

اکرام نے موج کوثر میں شبلی کو سرسید کا مدمقابل قرار دیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں۔ شبلی کی تحریک کا مقصد سرسید کی تحریک کو ختم کرنا نہیں، اس کی اصلاح کرنا تھا۔ اگر حیات شبلی کا اچھی طرح مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔

حیات شبلی سید سلیمان ندوی نے لکھی ہے جو شبلی کے جانشین، اور اُن کے دارالمصنفین کے روح رواں ہیں۔ شبلی کی لائف لکھنے کی سب سے لوگوں نے خواہش کی تھی مگر وہ۔ چاہتے تھے کہ اور لوگوں سے واضح ہو کر سید سلیمان ہی لکھیں، سید سلیمان صاحب نے شبلی سے جو کچھ سیکھا تھا، یہ کتاب لکھ کر اس احسان کا بدلہ دیا ہے۔ یہ ایک طور پر یادگاری یا (ملمه نة ىنعرىهى) سوانح عمری ہے اور صاف ظاہر ہے کہ لکھتے وقت حیات جاوید قدم قدم پر پیش نظر ہے۔ شروع ہی میں لکھا ہے:

"نو سو صفحوں کی کتاب صرف اس عہد کے ایک شخص کی سوانح عمری نہیں بلکہ درحقیقت مسلمانان ہند کے پچاس برس کے علمی، ادبی، سیاسی، تعلیمی، مذہبی اور قومی واقعات کی تاریخ بن گئی ہے۔"

یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ شبلی کا اس زمانے کے بنانے میں بہت کچھ حصہ ہے، اُن کی زندگی کے چالیس سال خالص علمی زندگی میں بسر ہوئے۔ انھوں نے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ سے نہ صرف صحیح علمی مذاق پھیلانا چاہا بلکہ قدیم و جدید کا ایک ایسا سنگم بنانا چاہا جس میں دونوں دریاؤں کے دھارے آ کر مل جائیں۔ وہ ایک قدیم ماحول سے آئے تھے مگر انھوں نے جدید تحریک کی بہت سی مفید باتوں کو اپنایا، وہ یورپ کے علمی کارناموں کا احترام کرتے تھے، وہاں کے لوگوں کی تحقیق و تدقیق کی داد دیتے تھے۔ یورپ سے بہت کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے مگر وہ یورپ سے سرسید کی طرح مرعوب نہ تھے، یہ بات بھی کچھ ایسی بے معنی نہیں کہ سرسید نے انگلستان کا سفر کیا مگر شبلی مصر، شام و ترکی کی سیر کر کے گئے۔ شبلی مولوی تھے، عالم دین تھے، علوم مشرقیہ کے فاضل تھے، بقول مہدی افادی کے تاریخ کے معلم اول تھے، انھوں نے اردو میں تاریخ کو واقعہ نگاری سے نکال کر اسے علوم کی سرحد میں داخل کیا اور فلسفہ اور تاریخ کا امتزاج کیا، مگر سید سلیمان ندوی نے انھیں عہد جدید کا معلم، غلط کہا۔ یہ لقب سرسید ہی کو زیب دیتا ہے۔

سید سلیمان ندوی نے ابتدائی صفحات میں شبلی کی حیات پر موجود مواد کا جائزہ لیا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں سب سے معتبر کتاب مکاتیب شبلی ہے۔ اس کے بعد دیباچہ میں مولانا کے کارناموں کی اہمیت بیان کی ہے۔ ساری کتاب کا عطر ان صفحات میں آ گیا ہے۔ شبلی بھی سرسید کی طرح نئے حالات اور نئی ضروریات سے متاثر تھے وہ علوم جدیدہ کی تعلیم کے حامی تھے۔ یورپ کی علمی ترقیوں کے مداح تھے، سرسید کا خیال یہ تھا کہ نئی علمی تحریک کی بنیاد مغرب کے طبیعاتی علوم پر رکھنی چاہیے، وہ قدیم خیال کے لوگوں سے قیادت چھین کر نئے لوگوں کے ہاتھ میں دینا چاہتے تھے، شبلی خود ایک قدیم دبستان سے تعلق رکھتے تھے مگر اُن کے ذہن میں ترقی اور نشو و نما کی صلاحیت تھی۔ علی گڑھ نے شبلی کو بہت کچھ دیا۔ انگریزی کی تعلیم اور علوم جدیدہ کی تعلیم کی اہمیت کا انھیں یہیں اندازہ ہوا، مگر اُن کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مسلمانوں کی قیادت حالات زمانہ سے باخبر اور حریت پسند عالم کریں۔ انھیں نئی تعلیم یافتہ نسل پر زیادہ اعتماد نہ تھا، شبلی کی ساری زندگی ایک علمی جہاد تھی، وہ اپنے عملی کاموں میں بھی بہت کچھ کامیاب ہوئے، مگر سب سے زیادہ کامیابی انھیں علمی میدان میں ہوئی، انھوں نے اپنے علم کلام سے صرف معترضوں کی زبان بند ہی نہیں کی، بند دلوں کو کھولا بھی، انھوں نے اسلاف کے کارناموں سے جذباتی عقیدت کو ایک ذہن دیا اور ایک استواری۔ انھوں نے قدیم اسکول کو بچا لیا، اور عجیب بات یہ ہے کہ بقول اکرام آج قوم کی ذہنی زندگی میں اُن لوگوں کا اثر بہت زیادہ ہے جو سرسید سے زیادہ شبلی سے متاثر ہیں، دیباچہ میں سید سلیمان صاحب نے شبلی کی جامعیت پر بجا زور دیا ہے، اردو کو علمی زبان بنانے اور اس کی ترقی میں بلا مبالغہ ... نہایت روشن ہے۔ اُن کا مطالعہ وسیع تھا ... علم جامع، اُن کا اسلوب سادہ، رنگین اور عالمانہ ... اُن کے ذہن میں الجھن نہ تھی اور اُن کی تحریر میں ... پیچیدگی ناپید۔ حیات شبلی کا یہ حصہ بہت ... اور لکھنے والے کی عقیدت کے علاوہ ... اسلوب پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔

دیباچہ کے بعد ایک ... پچاس صفحے کے لگ بھگ ... نے بڑی محنت سے پورا ... کیا ہے۔ اُن بزرگ ... ہدایت کے علاوہ ... دیتے تھے، اُن مدرسوں ... دم سے علم کی شمع ان علاقو ... اس سلسلہ میں سینکڑوں کتابوں ... خانوں اور علمی کارناموں کا جائزہ ... یہ کام بڑا وقیع ہے اور غالباً اس کو ... دکھلانا ہے کہ مولانا شبلی جس زمین کی پیداوار ... وہ کوئی دور افتادہ ویرانہ نہ تھی، صدیوں سے ... ہونی اگل رہی تھی اور مولانا ان تمام خانوادوں ... کی علمی روشنی کی کرن تھے، مگر انصاف یہ ہے ... بحث اگر مختصر طور پر آتی تو زیادہ بہتر تھا ... شبلی میں اتنی تفصیل کی گنجائش نہ تھی ... مستقل تصنیف میں پھیلانا زیادہ بہتر ہوتا۔

مقدمہ کے بعد اعظم گڑھ اور اس کے اطراف کا تذکرہ ہے اور اس کے بعد شبلی کی ولادت، تعلیم و تربیت، ابتدائی مشاغل، علی گڑھ کالج کی ملازمت اور اس زمانہ کے علی گڑھ کی زندگی کا عکس ہے۔ ان تفصیلات سے چند باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ شبلی کا ذوق علمی، اُن کی شاعری کا رس اور اُن کے ذہن کی وسعت اور آزادی،

یہ واقعہ ہے کہ سرسید نے شبلی کو شبلی ... مگر سرسید جہاں تھے وہیں رہے۔ شبلی کا ذہن ... اور آگے لے گیا۔

۱۸۸۳ء سے شبلی کی تصنیفی زندگی ... ہوتا ہے۔ المامون شائع ہوئی ... مگر اس زمانہ کا سب سے قابل ذکر ...

روم و مصر و شام کا سفر ہے۔ شبلی بڑے جذباتی آدمی تھے۔ اس سفر نے انہیں مسرت و عبرت دونوں کا سامان دیا۔ وہ ترکوں کی شان و شوکت دیکھ کر خوش بھی ہوئے اور قدیم علوم کی بے کسی بیکسی اور ناقدری دیکھ کر خون کے آنسو بہائے بھی۔ جابجا انھوں نے اپنے تاثرات اشعار میں کیا ہے۔ عربوں اور ترکوں [illegible] بڑی عقیدت تھی۔ عربوں سے اس لئے [illegible] اسلام کے پہلے معمار ہیں، ترکوں [illegible] کرے یا [illegible] لیے کہ وہ اس زمانہ میں اسلام [illegible] دس برس کے قبل [illegible] نمائندے ہیں۔

آبادی کا حصہ [illegible] علی گڑھ کا میدان بہت [illegible] تعلیم [illegible] سید سلیمان کے نزدیک اس جہلاء اور بالخصوص [illegible] "ادب معاملہ دانی خوف کرتا ہے [illegible] ن" سرسید ترکوں کے مخالف تھے، کی ضرورت [illegible] کے علاوہ سرسید انگریزوں کے حامی لئے شبلی اُن پر نکتہ چینی سے باز نہ آتے تھے [illegible] سرسید جمہوریت کے خلاف تھے اور انتخاب کو برا کہتے تھے۔ شبلی کی رائے دوسری تھی۔ سرسید الفاروق لکھنے کے خلاف تھے۔ شبلی اس کو اپنی زندگی کا کارنامہ سمجھتے تھے۔ مذہبی عقائد میں فرق تھا ہی، کچھ سیاسی مصلحتیں بھی ایسی ہی ہوں گی، کچھ ذاتی بھی، اگرچہ انصاف یہ ہے کہ شبلی نے سرسید کی روش کو [illegible] اور دکھا ہے آمد، سے تعبیر نہیں کیا۔ غرض شبلی سرسید کے مرنے کے بعد علی گڑھ سے رخصت ہوئے، کچھ دنوں حیدرآباد میں خالص علمی کاموں میں لگے رہے اور سلسلۂ آصفیہ میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ مگر شوق [illegible] پھر ہندوستان لایا اور اب کے ندوہ کی اصلاح میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

شبلی نے اپنا سب سے زیادہ قیمتی وقت ندوہ کی اصلاح کو دیا۔ انھوں نے اسے اپنے خون جگر سے سینچا۔ اُن کے زمانہ میں ندوہ کا شہرہ سارے ملک میں پھیل گیا۔ اس کی مالی حالت مضبوط ہوئی، اس کی عمارت بنی۔ اس کے نصاب میں بھی بڑی بڑی مخالفتوں کے بعد کچھ اصلاح ہوئی [illegible] انصاف یہ ہے کہ ندوہ کو بہت کچھ [illegible] نے کے باوجود مولانا کو ندوہ اور [illegible] میں علماء نے شکست دی۔ خود اُن کے عزیز دوستوں مثلاً شروانی نے اُن کی معمولی سی اصلاحیں، مثلاً انگریزی کی لازمی تعلیم اور نصاب میں سے غیر ضروری، جزوی اور فروعی مباحث کا اخراج بہت دن تک ٹالیں اور یہ بہت بعد میں عمل میں آئیں۔ وہ چونکہ مزاج کے سخت تھے اور جلد خفا ہو جاتے تھے، اس لئے اُن کی مخالفت بھی ہوئی، وہ کام کرنے کے خیال سے چونکہ اپنا نام آگے رکھتے تھے، اس لئے اُن سے لوگوں کو رشک وحسد بھی پیدا ہوا۔ شبلی سرسید کی طرح اپنے رفیقوں کو ساتھ رکھنا نہ جانتے تھے۔ وہ بہت سے کام ایک ساتھ کرنا چاہتے تھے، انھوں نے بہت سے کام کئے بھی، مگر بہت سے کام نہ کر سکے۔ سرسید نے ایک کام ہاتھ میں لیا اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کر گئے۔

سید سلیمان ندوی صاحب نے ان باتوں کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ ندوے کے ایک ایک اجلاس کی روداد، ایک ایک تجویز کا خلاصہ، ایک ایک قدم کا جائزہ، اگر شبلی کے قدم ندوے میں جم جاتے تو یہ بہت بڑا انقلابی کارنامہ ہوتا مگر بقول شروانی شبلی "کبھی قدیم رنگ کے علماء میں شیر و شکر نہ ہو سکے" اور وہ بھی انہیں ہمیشہ شبہ کی نظر سے دیکھتے رہے۔ شبلی کی سیاسیات پر سید صاحب نے بہت اچھی بحث کی ہے۔ شبلی دراصل لبرل تھے۔ سرسید کا خیال یہ تھا کہ ابھی وقت نہیں آیا ہے، ابھی ہم کو پالیٹکس کے قابل بننا ہے ابھی صرف تعلیم کی ضرورت ہے، ہماری تعداد کم ہے، اس لئے شاہی اصول سلطنت ہمارے موافق ہیں، شبلی نے مسلمانوں کی پولیٹکل کروٹ میں سرسید کی پالسی کی ترمیم کو ضروری قرار دیا تھا۔ موجودہ پالیسی غلط ہے۔ یہی شبلی کے نزدیک صحیح پالیٹکس تھی۔ ایک اور جگہ لکھا ہے۔

"رائے میں ہمیشہ آزاد رہا۔ سرسید کے ساتھ ۱۶ برس رہا۔ سرسید سے بارہا بحثیں رہیں۔" شبلی نے اس زمانہ کی سیاست پر اپنی نظموں میں اظہار خیال کیا ہے اور باوجود اس کے کہ ان کے بہت سے موضوع وقتی ہیں مگر شبلی کا رنگین اسلوب، دل کش اشارے، پُر زور لہجہ اور مترنم زبان، کی وجہ سے یہ نظمیں اب بھی مزا دیتی ہیں۔

کشتگان کانپور پر لکھتے ہیں:-

کچھ نوجوان ہیں بے خبر نشۂ شباب
ظاہر میں گرچہ صاحب عقل و شعور ہیں
اٹھتا ہوا شباب یہ کہتا ہے بد دریغ
مجرم کوئی نہیں ہے مگر ہم ضرور ہیں
سینے پہ ہم نے روک لئے برچھیوں کے وار
ازبسکہ مست بادۂ ناز و غرور ہیں

شہر آشوب اسلام ڈاکٹر انصاری کی واپسی اصرار، جنگ عظیم پر اُن کی نظمیں ابھی دلوں کو گرماتی ہیں اُن کے یہ اشعار آج بھی صحیح معلوم ہوتے ہیں ؎

موزوں نہیں ہے جنبش اعضا تو کیا عجب
شب کے خمار کی ہیں یہ انگڑائیاں ابھی
آئے کہاں سے قوت رفتار پاؤں میں
کچھ بیڑیاں ہیں پاؤں کی سنگ گراں ابھی
غوں غاں ہے کچھ مباحث ملکی میں ہیں یہ
اک طفل ہے سیاست ہندوستاں ابھی

جنگ عظیم پر ان کے یہ اشعار آج بھی لطف دے سکتے ہیں ؎

اک جرمنی نے مجھ سے کہا از رہ غرور
آساں نہیں ہے فتح تو دشوار بھی نہیں
برطانیہ کی فوج ہے دس لاکھ سے بھی کم
اور اس پہ لطف یہ ہے کہ تیار بھی نہیں
باقی رہا فرانس تو وہ رند لم یزل
آئین تناسل سے تو وہ بیکار بھی نہیں
میں نے کہا غلط ہے ترا دعوئ غرور
دیوانہ تو نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
ہم لوگ اہل ہند ہیں جرمن سے دس گنے
تجھکو تمیز اندک و بسیار بھی نہیں
سنتا رہا وہ غور سے میرا کلام اور
پھر وہ کہا جو لائق اظہار بھی نہیں
اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

سید سلیمان صاحب نے یوں تو شبلی کے سبھی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، مگر اُن کے اخلاق و عادات کا بیان نہایت دلچسپ مفصل اور پرتن ہے، اس سے شبلی کے علمی و ادبی ذوق کے علاوہ اُن کی مخصوص طبیعت، اُن کی پسندیدہ و ناپسند چیزیں اُن کا وسیع حلقۂ احباب، ایک عالم ہونے کے باوجود اُن کی شاعرانہ شوخیاں، اُن کی باقاعدہ زندگی کا پروگرام شاگردوں سے محبت، اُن کی سخت عصبیت، خودداری

[illegible] کے نزدیک [illegible] جس میں تمامتر [illegible] جو مال لادا گیا اس میں [illegible] تھے۔ اس میں ایک حصہ ہندوستان کا پیداوار تھا لیکہ وہ ادر کستان صرف بنگال [illegible] تھیں۔

[illegible] نے جو حالات ہندوستان کی صنعت کے [illegible] نے ہم وطنوں کو تحریر کئے تھے اس میں [illegible] اور باریک ململوں کا ذکر کرتا [illegible] کرتے یارنہ [illegible] ان کتنے تھے۔ اور جو اس کے دس برس کے قبل [illegible] میں بکنے کے لئے موزوں تھا آبادی کا حصہ [illegible] کہ اگر ضرورت ہو تو تعلیم [illegible] علاوہ زیادہ اعلیٰ قسم کا [illegible] جبلا اور بالخصوص [illegible] میں لٹھے کی مانگ حیرت انگیز کرتا ہے۔ [illegible] اس سال ۱۴ ہزار تھان کی ضرورت کے [illegible] میں جو مال روانہ کیا گیا [illegible] ہزار گٹھوں پر مشتمل تھا جن میں ڈیڑھ لاکھ بلکہ اس سے کچھ زیادہ تھان ہوں۔

[illegible] میں بنگال کے مشرقی ساحل سے جو کپڑا بھیجا گیا وہ بہت مختلف اقسام کا تھا یعنی پرکال، موٹی ململ پوری اور اسے ادنیٰ لتھہ کہہ سکتے ہیں۔

کپڑے کی اس کثیر مقدار میں برآمد کا حال سنکر شاہ انگلستان جیمز اول بھی اس طرف متوجہ ہوا اور کمپنی کے نائب ناظم سے اس نے دریافت کیا کہ "یہ کپڑا کس طرح کھپتا ہے۔ جواب میں عرض کیا گیا کہ اس کا اکثر حصّہ تو انگلستان میں بکتا ہے اور نہایت کارآمد ہے جس کی وجہ سے فرش فروش چارخانہ اور دوسرے کتانی کپڑوں کی قیمتیں گر گئی ہیں۔ باقی ماندہ اب خود انگلستان کی پیداوار بن گیا ہے کہ ممالک محروسہ کی ضروریات پوری کرنے کے بعد خالص کپڑا دوسرے ممالک میں انگلستان کی مصنوعات کی حیثیت سے دساور [illegible] دیا جاتا ہے۔"

اس پر بادشاہ سلامت نے بہت خوشنودی [illegible] کیا اور کہا کہ ملک میں دولت لانے کا یہ بہت [illegible] ہے۔

[illegible] حالات اکبر تا اورنگ زیب۔

[illegible] آیا۔

[illegible] زیب۔

مسٹر میتھولڈ[1] کے دل پر اس زمانہ کی کاریگری کی خوبی کا سکہ بیٹھ گیا تھا کہ ہندوستان میں طرح طرح کے سامان تجارت کے وسیع پیمانہ پر فروخت نہ ہونے کے اسباب جو انھوں نے بیان کئے تھے ان میں لوگوں کی مذہبی اور ملکی عادات اور دوسری تمام باتوں کے علاوہ خود اُن کی کاریگری کی خوبی شامل تھی۔ خود صاحب موصوف نے ایک ہندوستانی شال سات سال تک استعمال کی تھی اور اس قدر مدت تک استعمال کرنے کے باوجود بھی اس میں کوئی تغیر نہیں پایا وہ لکھتا ہے کہ

"آج تک [illegible] نے یورپ میں کوئی شال ایسی نہیں دیکھی جو مجھکو تحفۃً بھی مل جائے تو میں اس کو استعمال کرنے پر راضی ہو جاؤں"

ایچ مورلینڈ صاحب نے بھی مسلمانوں کی تجارتی ترقی کے بارے میں بہت کچھ تحریر کیا ہے لیکن یہاں صرف اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

"مقابلہ کے اثرات ۱۶۳۰ء اور ۱۶۳۵ء کے درمیان سب سے زیادہ محسوس ہوئے لیکن پھر حالات نے عود کیا اور ۱۶۴۲ء میں انگریز سوداگروں نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کے ملوکہ جہازوں کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے کہ انھیں کام میں لانے کے لئے وہ حقیر سے حقیر کرایہ قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ۱۶۶۰ء میں ہندوستانی جہاز اس تیزی سے تعداد میں بڑھ رہے ہیں کہ دس سال قبل سورت میں کم و بیش کل پندرہ ہوں گے اور اب کا شمار اسی ہو گیا ہے۔"[2]

کپتان ہیملٹن صاحب لکھتے ہیں کہ

"تمام ساحل ہند پر ہندوستانیوں کے بڑے بڑے جہاز تجارتی مال سے لدے ہوئے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ بنگال میں صرف دریائے ہگلی سے ۵۰ یا ۶۰ جہاز مال سے بھرے ہوئے سالانہ تجارت کے لئے بیرون ہندوستان بھیجے جاتے تھے، ایک ایک ہزار میل کے فاصلہ سے یہ مال کشتیوں پر لایا جاتا تھا اس میں زیادہ تر

---

[1] ۱۶۰۸ء میں ایک سپاہی کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔ ۱۶۱۸ء میں مدراس کا گورنر ہوا اور ۱۶۲۲ء میں ہندوستان ہی میں انتقال کیا۔

[2] معاشی حالات اکبر تا اورنگ زیب۔

افیون، مرچ، سونٹھ اور کپڑا ہوتا تھا[1]۔"

ایچ مورلینڈ صاحب نے لکھا تھا کہ

"شروع میں یہ خیال کہ کوئی انگریزی جہاز بحر احمر جانے پر ہندوستان کے تاجروں کو مشتعل کر دیتا تھا اور ۱۶۱۸ء میں جب اس خیال نے واقعی عملی صورت اختیار کر لی تو سورت میں انگریزی تاجروں کی بڑی مخالفت کی گئی اور لوگوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔ گجرات کا صوبہ ان دنوں شہزادہ خرّم کے پاس تھا اسے عرضی دی گئی کہ اگرچہ ہمیں انگریزوں کو اجازت دینے میں مضائقہ نہیں مگر بحر قلزم کا راستہ ہندوستان والوں کے لئے مختص ہونا چاہئے۔

شہزادے نے مقامی تاجروں کی ہمنوائی کی اور انگریزوں سے کہہ دیا کہ اگر تم کو چھوڑ کر باقی راستوں کی تجارت پر قانع ہوں تو بہتر ورنہ اس ملک کو چھوڑ دینا ہوگا[2]۔

ٹامس پادری صاحب نے بھی اپنے سفرنامہ میں مختلف قسم کی کشتی اور تجارتی کشتیوں اور جہازوں کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

"یہاں نہایت عمدہ اقسام کے جہاز اور کشتیاں بنائی جاتی تھیں ایک قسم کی کشتی تھی جو بہت ہلکی سی ہوتی تھی اس میں دونوں محاذ پر شہتیر لگے ہوئے تھے، اس کے تختے بہت پتلے ہوتے تھے اور آپس میں سوت سے سلے ہوئے ہوتے تھے[3]۔"

---

[1] سفرنامہ کپتان ہملٹن صاحب جلد دوم۔

[2] معاشی حالات اکبر تا اورنگ زیب۔

[3] ایک انگریز سیاح۔

مسلم یوتھ کلب

محمد تسنان صاحب معتمد اعزازی (کلب) اطلاع دیتے ہیں کہ مسلم یوتھ کلب کا ایک جلسہ زیر صدارت سید احمد علی صاحب منعقد ہوا جو تلاوت کلام مجید سے شروع ہوا، اس کے بعد سید معصوم علی صاحب نے جناب وائس چانسلر صاحب کے دوبارہ انتخاب پر مبارکباد کی تجویز پیش کی، جس کی تائید کرتے ہوئے اظہار الدین صاحب قریشی اور سید ابن جعفری نے تقریر کی اور یہ تجویز بالاتفاق منظور

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

منیجر سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)   ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خان ندوی

جلد (۱۵) | ۲۴ جون سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۲ رجب سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۲۴)

علی گڑھ میں یہ خبر نہایت مسرت و ابتہاج کے ساتھ سنی گئی کہ حال میں ملک معظم کی سالگرہ کی تقریب پر خطابات و اعزازات کی جو فہرست شائع ہوئی ہے اس میں ہز ہائی نس مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامراء نواب سر سید محمد رضا علی خاں بہادر فرمانروائے رامپور کا نام نامی بھی درج ہے یعنی ملک معظم نے علاوہ سابقہ خطابات کے ہز ہائی نس دام اقبالہٗ کو "نائٹ گرانڈ کمانڈر" کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔

ہز ہائی نس خلد اللہ ملکہٗ نے جنگ کے سلسلہ میں مختلف طریقوں سے جو گرانقدر امداد دی ہے اور اب تک دے رہے ہیں وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے، اس کے علاوہ موجودہ دور اضطراب و پریشانی میں ہز ہائی نس نے از راہ شفقت اپنی رعایا کے لئے جو سہولتیں مہیا فرمائی ہیں وہ بھی اظہر من الشمس ہیں، اس لحاظ سے ہز ہائی نس ہر بڑے سے بڑے اعزاز کے مستحق ہیں ہماری دعا ہے کہ حضور ممدوح مدت دراز تک نو بنو اعزازات سے سربلند و سرفراز ہوتے رہیں۔

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ برطانیہ کے شاعر اعظم جان میسفیلڈ نے "برٹش نیشنل بک کونسل کی میٹنگ میں جس کے وہ صدر ہیں یہ کہا کہ جنگ کے آغاز سے اب تک ڈیڑھ کروڑ کتابیں مادہ آتشگیر بنانے کے کام میں لائی گئیں۔ اور اس سے بھی زیادہ کتابیں تباہ ہو گئیں۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ جنگ کی نحوست سے یورپ میں کتابوں کا بلیک آوٹ ہو گیا اور کتابیں آزادانہ طور پر استعمال نہیں کی جا سکتیں۔

لندن کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں راشننگ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں مسٹر ایمری نے یہ بتایا کہ اس وقت ہندوستان ۱۳۰ سے زیادہ شہروں میں ڈھائی کروڑ لوگوں کو راشن دیا جا رہا ہے یہ تعداد آخر میں دوگنی تک پہنچ جانے کی امید ہے۔

فصل کو نقصان پہنچنے کی وجہ سے اس دفعہ ہندوستان میں گیہوں کی پیداوار میں گزشتہ سال کے مقابلہ میں ایک کروڑ ٹن کی کمی کا اندیشہ ہے۔

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حکومت دہلی کو غیر مہر شدہ کپڑے پر مہر لگانے کی فیس کے طور پر دو لاکھ روپیہ کی رقم وصول ہوئی ہے، ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حکومت اس روپیہ کو کس کام پر خرچ کرے گی لیکن حکومت ہند کی یہ تجویز ہے کہ اس رقم کو ارزاں کپڑا مہیا کرنے پر خرچ کیا جائے۔

نئی دہلی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ حکومت ہند اور ٹاٹا کمپنی کے درمیان ریلوے انجن بنانے کے متعلق بات چیت اور آگے بڑھ گئی ہے اب اس سوال پر غور کیا جا رہا ہے کہ ریلوے انجن بنانے کا کام پرائیویٹ کمپنیوں کے سپرد کر دیا جائے یا سرکاری کنٹرول میں رکھا جائے۔

دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک اجلاس ۱۵ / جولائی سنہ ۱۹۴۴ء کو منعقد ہوگا۔ مقام و تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ کونسل ممبروں سے درخواست کی گئی ہے [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۲۴ جون ۱۹۶۴ء

سیاسی نکتہ چینی اور ہنگامہ آرائی

مسلمانوں کی مختلف سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے پر جس انداز سے اعتراض و نکتہ چینی کرتی ہیں اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ہر سیاسی پارٹی کی قوت و شہرت کا مدار اس پر ہے کہ قوم کے زیادہ سے زیادہ افراد اُس کے ہم خیال اور ہم آہنگ ہوں تاکہ وہ حکومت کو یہ باور کرا سکے کہ اُس کی حیثیت ایک نمایندہ جماعت کی ہے اور وہ ساری قوم کی ترجمانی کرتی ہے۔ لیکن جب تک دوسری با اقتدار پارٹیاں ملک میں موجود ہیں یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر سیاسی پارٹی دوسری پارٹی کا اثر گھٹانے اور اپنا رسوخ قوم میں بڑھانے کی کوشش کرتی ہے اور چونکہ زمانہ حاضرہ کی سیاست میں جائز یا ناجائز کا کوئی سوال نہیں ہے، نہ کوئی شخص اپنی اخلاقی ذمہ داری محسوس کرتا ہے اس لئے عموماً یہ ہوتا ہے کہ دوسری پارٹی کا اثر گھٹانے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ بے تامل اختیار کر لیا جاتا ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ کوئی بھی طریقہ ناجائز نہیں سمجھا جاتا۔

اگر کوئی پارٹی سرگرمی سے ملک کی سیاسی خدمت میں مصروف ہے تو یہ ظاہر ہے کہ اُس کو عوام میں ہر دلعزیزی حاصل ہوگی اور اس کا اثر روز بروز بڑھتا جائے گا۔ اب اگر کوئی دوسری پارٹی ملک میں رسوخ و اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے تو وہ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ جو سیاسی پارٹی پہلے سے میدان عمل میں موجود ہے اُس کا اعتماد ملک سے ضائع کیا جائے اور عوام کو یہ بتایا جائے کہ یہ سیاسی جماعت مسلمانوں کی صحیح ضرورت اور تقاضائے وقت کے مطابق کام نہیں کرتی اس لئے ایک نئی اور باعمل سیاسی جماعت کی ضرورت ہے اور وہ جماعت ہم ہیں جو صحیح طریقہ پر مسلمانوں کی سیاسی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں۔

کبھی اس سے بھی آگے قدم بڑھایا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پرانی پارٹی مخلص ہے نہ باعمل بلکہ اپنے ذاتی مفاد و اغراض کے لئے اعضاء سے سازش بھی اور اُن کے اشارہ چشم و ابرو پر رقص کرتی ہے یعنی قومی مفاد پر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتی ہے۔

اسی طرح پرانی سیاسی پارٹی نئی پارٹی کی جد و جہد کو مشتبہ نظروں سے دیکھتی ہے، وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اُس نے ملک کی خدمت کر کے جو اعتماد حاصل کیا ہے وہ ایک نو ساختہ جماعت کے ہاتھ سے زائل ہو جائے اور جس جماعت نے ابھی تک ملک و ملت کی عملی خدمت انجام نہیں دی ہے وہ اُس سے زیادہ ملک میں رسوخ و اثر حاصل کرلے۔

اس اختلاف و بدگمانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں سیاسی پارٹیوں میں کشمکش پیدا ہو جاتی ہے اور وہ پبلک طور پر ایک دوسرے پر شدید نکتہ چینی شروع کر دیتی ہیں جو عوام کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہوتی ہے اور اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس پارٹی کی پیروی کریں اس لئے وہ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کسی ایک پارٹی میں شریک ہو کر اُس کے سیاسی نظریات کی تائید شروع کر دیتے ہیں۔ ابھی یہ کشمکش اسی طرح جاری ہوتی ہے کہ یکے بعد دیگرے دوسری سیاسی پارٹیاں وجود میں آجاتی ہیں جو یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ مسلمانوں کی اقتصادی و سیاسی ترقی کا صحیح پروگرام اُن کے پاس ہے۔ غرض حالت یہ ہے کہ

ع خود پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

اگر مسلمانوں کی ان مختلف جماعتوں کے "سیاسی نصب العین" و مقاصد کی تحقیق کی جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ سیاسی مسلک کے اعتبار سے حقیقت میں صرف دو ہی گروہ ہیں۔

۱۔ انتہا پسند۔ جو آزادی کامل کے حامی ہیں اور حکومت سے تعاون نہیں کرتے۔

۲۔ اعتدال پسند۔ جو آئینی طریقہ سے ملک کی "سیاسی ترقی" کے لئے کوشش کرتے ہیں اور حکومت سے تعاون کر کے کام کرنا چاہتے ہیں۔

ان میں سے ہر گروہ درحقیقت بہت سی چھوٹی بڑی سیاسی پارٹیوں پر مشتمل ہے جو اگرچہ سیاسی مسلک کے اعتبار سے تقریباً ہم خیال ہیں لیکن ان کا طریقہ عمل اور حلقہ اثر مختلف ہے اس میں سے ہر جماعت اپنی اہمیت جتا کر عوام میں رسوخ و ہر دلعزیزی حاصل کرنا چاہتی ہے۔

اعتدال پسند جماعت میں ایک خاص تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو حکومت کے ہر نظریہ عمل کی تائید و حمایت کرتے رہتے ہیں اس لئے مخالفین انہیں حکومت پرست کہتے ہیں۔ یہ لوگ اعتدال پسند جماعت میں اس لئے شامل ہو گئے ہیں کہ اب ملک کے حالات اُن کے لئے سازگار نہیں ہیں اور گزشتہ ۲۵-۳۰ برس میں جو ذہنی و سیاسی انقلاب ملک میں ہوا ہے وہ اس کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ قوم پرور بزرگ اپنی کوئی علیحدہ جماعت بنا کر ملک میں اپنی کوئی مستقل پوزیشن قائم رکھ سکیں۔

اس ملک میں جو سیاسی کشمکش جاری ہے وہ درحقیقت انتہا پسند اور اعتدال پسند جماعت کے درمیان ہے۔ دونوں جماعتیں ہمیشہ نہایت ناخوشگوار طریقہ سے ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرتی رہتی ہیں۔ اول الذکر جماعت کی طرف سے جو نکتہ چینی اعتدال پسند جماعت پر کی جاتی ہے اُس میں جماعت مذکورہ کے کارکنوں پر حکومت پرستی کا الزام لگایا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ملک کے حقیقی خیر خواہ نہیں ہیں اور ملکی مفاد کے مقابلہ میں حکومت کے مفاد کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ بعض دفعہ صاف صاف یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ

مختلف صوبوں میں حکومت سے اپنی خدمات کا صلہ پاتے رہتے ہیں، اس لئے حکومت کی حمایت میں پروپیگنڈا کیا کرتے ہیں۔

اس الزام کے مقابلہ میں اعتدال پسند جماعت اپنے حریفوں پر یہ الزام لگاتی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف برادران وطن سے سازش کر رکھی ہے نیز یہ کہ وہ خفیہ طور پر برادران وطن سے روپیہ پاتے ہیں جس کے معاوضہ میں مسلمان عوام میں کانگریس کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر جماعت اپنے حریف پر قومی چندوں کے خورد برد کرنے کا الزام بھی لگاتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ فلاں مقصد کے لئے پبلک سے جو چندہ لیا گیا تھا اس کی آمد و خرچ کا حساب بتایا جائے۔

عام مسلمان ان الزامات کو سن کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں اور اپنے لیڈروں اور قومی کارکنوں پر سے ان کا اعتماد اٹھ جاتا ہے، اور وہ آیندہ کسی قومی ضرورت کے لئے چندہ دینے میں تامل کرتے ہیں، سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس نکتہ چینی سے اعتبار کے حلقہ میں کم و بیش ہر کارکن جماعت کی رسوائی ہوئی ہے۔ جو مسلمانوں کے قومی مفاد کے لئے بہر صورت نہایت مضر ثابت ہوئی ہے۔

کسی سیاسی پارٹی کے کارکن جب اپنی حریف پارٹی پر بے عملی، ملت فروشی اور بددیانتی کا الزام لگاتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس طریقہ سے وہ اپنے حریفوں کو رسوا کر کے پبلک سے ان کا اعتماد زائل کر دیں گے لیکن یہ نکتہ چیں اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ جب دوسری پارٹی کی طرف سے ان پر اسی قسم کے الزامات لگائے جائیں گے تو خود ان کی بھی ہوا خیزی ہوگی غرض دونوں رسوا ہوں گے اور کوئی بھی بدنامی سے محفوظ نہیں رہے گا۔

ہم ۔۔ کر را منرلت ۔ ۔ ۔

ضرورت ہے کہ ہمارے قومی کام کرنے والے ان حالات سے عبرت و بصیرت حاصل کر کے اپنے طریقہ عمل کی اصلاح کریں اور جو لوگ ان سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی نیت اور کام پر ایسے مبتذل و معاندانہ طریقہ سے حملہ نہ کریں کہ آخر کار وہ بھی اسی انداز میں جواب دینے پر مجبور ہوں۔

برادران وطن میں بھی سیاسی مسلک کے اعتبار سے سخت اختلاف ہے اسی وجہ سے ان میں متعدد سیاسی پارٹیاں پیدا ہو گئی ہیں یعنی ان میں بھی انتہا پسند، اعتدال پسند اور حکومت پرست وغیرہ سب قسم کے لوگ موجود ہیں لیکن ان کا طریقہ عمل مسلمانوں سے بہت کچھ مختلف ہے، ان کی توجہ عموماً تعمیری کام کی طرف ہے اس لئے وہ اپنے مسلک کے مطابق ملک کی عملی خدمت میں مصروف رہتے ہیں اور اپنا وقت باہمی جنگ و جدال اور دوسروں پر نکتہ چینی کرنے میں ضائع نہیں کرتے، نیز ان کے مختلف الخیال لیڈر ایک دوسرے کی ذاتیات و اعمال پر نکتہ چینی کرنے سے سخت احتراز کرتے ہیں، بلکہ ہر شخص پبلک طور پر دوسرے کا احترام کرتا ہے۔

مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ گاندھی جی، سر تیج بہادر سپرو، پنڈت مدن موہن مالوی، اور مسٹر راجگوپال اچاریہ وغیرہ کے سیاسی خیالات و افکار میں کس قدر اختلاف ہے لیکن آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ ان لیڈروں نے کسی موقع پر ایک دوسرے کی ذات پر حملہ یا اس کی نیک نیتی پر شبہ کیا ہو۔ یا کبھی اپنے حلقہ اثر میں اسے رسوا کرنے اور عوام کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی ہو۔

اس کے علاوہ یہ لیڈر اپنے اختلافات ایک خاص دائرہ تک محدود رکھتے ہیں، اور جن معاملات میں اختلاف نہیں ہے ان میں باہم مل کر کام کرنے میں انھیں کوئی تکلف و تامل نہیں ہوتا، نیز ان کے باہمی ذاتی تعلقات عموماً خوشگوار ہوتے ہیں اور روز مرہ کی عام معاشرت میں سیاسی اختلافات کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا نہ انھیں ایک جگہ بیٹھ کر بے تکلف بات چیت کرنے میں کوئی جھجک ہوتی ہے۔ اس طرز عمل کا ایک کھلا ہوا فائدہ یہ ہے کہ برادران وطن کے لیڈر اور قومی کارکن پبلک میں ذلیل و رسوا ہونے سے عموماً محفوظ رہتے ہیں اور ان کا اعتماد عوام میں قائم رہتا ہے۔

اس کے خلاف ہمارے یہاں یہ مصیبت ہے کہ مختلف الخیال لیڈروں اور سیاسی کارکنوں کے درمیان اس قدر منافرت ہوتی ہے کہ وہ "مشترک مقاصد" کے لئے تو وہ ایک دوسرے کے خلاف پبلک طور پر اس قدر لعن و طعن اور نکتہ چینی کر چکے ہوتے ہیں کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، بلکہ فریقین کی سیف زبانی سے ایک دوسرے کے دل اس قدر مجروح ہوتے ہیں، کہ جب کسی اتفاق سے وہ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو معمولی معمولی باتوں پر ان کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور دماغی توازن قائم نہیں رہتا، ایسی حالت میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ مشترک مقاصد کے لئے باہم مل کر کام کر سکیں،

دوسری مصیبت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہمارے لیڈر اپنے سیاسی نظریات و افکار کی تائید میں مذہب کو بھی گھسیٹ لاتے ہیں، اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو چیز انھوں نے پیش کی ہے وہ عین مذہب کے مطابق بلکہ ایک ہی فرض ہے اور دوسری سیاسی پارٹی جو کچھ پیش کر رہی ہے وہ حرام و معصیت ہے، اور کفر و شرک کی حمایت،

مثلاً جب ایک سیاسی جماعت کسی خاص مقصد سے کونسل یا اسمبلی کا بائیکاٹ کرتی ہے تو وہ اس معاملہ کو عوام کے سامنے مذہبی رنگ میں پیش کرتی ہے اور یہ فتوی دیتی ہے کہ اسمبلی میں شرکت حرام ہے، اس کے مقابلہ میں دوسری جماعت اس شرکت کو نہ صرف جائز تصور کرتی ہے بلکہ مسلمانوں کے لئے مفید و ضروری سمجھتی ہے۔

"سیاسیات" میں مذہب کا اس طرح گھسیٹ لانا نہایت افسوسناک ہے، اس غلط کاری کا ناگزیر رد عمل یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ مذہبی وجوہ پر اسمبلی میں شریک ہونا حرام سمجھتے تھے کچھ روز بعد اس کی ممبری کے لئے دربدر ووٹ مانگتے نظر آتے ہیں اور انھیں شرم نہیں آتی کہ کل جس

خطبۂ صدارت شعبۂ معاشیات و اصلاح معاشرت

از نور الرحمٰن صاحب نیبدریشن آف مسلم چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری دہلی

جو

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے گزشتہ سالانہ اجلاس منعقدہ جبل پور کے شعبۂ اصلاح معاشرت میں پڑھا گیا

حضرات! آپ نے شعبۂ اصلاح معاشرت اور معاشیات کی صدارت مجھ کو تفویض فرمائی۔ اس کا دل سے شکرگزار ہوں، ساتھ ہی یہ شکوہ بھی ہے کہ شاید آپ نے اس کا لحاظ نہیں فرمایا کہ جس بار کو آپ نے میرے سر ڈالا ہے اس کے اٹھانے کی مجھ میں سکت بھی ہے کہ نہیں۔ ؎

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

مت بہرحال تعمیل حکم پر مجبور تھا۔ اس لئے کہ یہ خدمت اس انجمن کی جانب سے سپرد کی گئی ہے جو مسلمانوں کی نہ صرف تاریخی انجمن ہے بلکہ جس نے تعلیمی بیداری اصلاح معاشرت اور معاشیات کے میدان میں سب سے پہلے قدم اٹھایا اور سابقون الاوّلون کا مرتبہ حاصل کیا آج بھی جبکہ دوسری بڑی جماعتیں اور اسلامی ادارے وقت کی اس اہم ضرورت سے بے خبر اور غافل ہیں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے نظام میں اس شعبہ کو ایک خاص مرتبہ دیا گیا ہے۔

حضرات! کسی قوم کی معاشرت کو اس کی معاشیات سے جدا نہیں کیا جاسکتا، دونوں میں چولی دامن کا رابطہ ہے۔ اگر مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اصلاح و توجہ کی محتاج ہے تو قومی زندگی کے معاشی پہلو پر نظر ڈالنی ہوگی اور [illegible] ان ہے کہ خرابی کی جڑ اور کمزوری کی وجہ [illegible] میں ظاہر ہوگی۔ اور یہیں سے اس مرض کی ابتدا ہوا اور اس کے برے اثرات کے نتائج کا کھوج ملے گا۔ اسی لئے موجودہ دور میں معاشیات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور ہندوستان کے مخصوص حالات نے اس اہمیت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ اب یہ سوال اصلاح و ترقی کا نہیں رہا [illegible] موت و حیات کا مسئلہ بن گیا ہے۔ ہماری سیاسی [illegible] معاشرتی پامالی اخلاقی کمزوری اور علمی پستی سب پر معاشی حالات اور اسباب کا اثر ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے ہم نے صدیوں سے اس حد تک بے پروائی برتی ہے کہ اس کی دوسری مثال ملنا مشکل ہے۔

یہ امر کہ مسلمانوں نے صدیوں سے اپنی اقتصادی حالت کی طرف سے غفلت برتی، اس لئے اور زیادہ حیرت انگیز ہے کہ ان کے تاریخی حالات ان کی مذہبی روایات اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی تعلیمات اس کے منافی ہیں۔

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "الکاسب حبیب اللّٰہ" اور دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ "حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ کے فریضۂ عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔" پھر ذرائع معاش کے متعلق ارشاد ہوا کہ "اللہ تعالیٰ نے رزق کی اس طرح تقسیم فرمائی کہ نو حصے رزق تجارت میں رکھا اور ایک حصہ باقی ذرائع معاش میں۔"

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں معاشی مسئلہ کی اہمیت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:-

"دس ہزار آدمیوں کی ایک بستی ہے اگر اس کا اکثر حصہ نئی چیزیں پیدا کرنے میں مصروف نہیں رہتا تو وہ ہلاک ہو جائے گی، ایسے ہی اگر اس کا بڑا حصہ تعیش میں مبتلا ہوگیا تو وہ قوم کے لئے بار بن جائے گا جس کا ضرر بتدریج ساری آبادی میں پھیل جائے گا۔"

حضرات! ہندوستان میں مسلمانوں کا قدم تجارت ہی کے وسیلہ سے پہنچا ہے، ان کی قومی داستان میں شجاعت اور تجارت سب سے زیادہ نمایاں رہی ہیں اور تجارت کے میدان میں وہ تمام قوموں کے رہنما اور دنیا کے ہر ملک میں پیشرو اور امام مانے گئے ہیں، ان روایات کے نشانات آج بھی باقی ہیں اور ماضی کی یاد کو تازہ کرتے ہیں۔ مجھ سے ایک ہونہار محسن نے بیان کیا کہ وہ اپنے کاروباری تعلقات سے چین کے ایک ایسے مقام پر پہنچے جس کی مسافت دو مہینے میں طے ہوتی تھی، جس شخص سے ملنا تھا وہ ان کا آڑتی تھا، اس کی وضع قطع اور طرز زندگی سے وہ اس کو چینی ہی سمجھتے رہے اور یہی سمجھ کر گئے بھی تھے، مگر دوران قیام میں ان کو معلوم ہوا کہ وہ مسلمان اور ہندوستانی میمن ہے۔ بلاشبہ آج بھی مسلمان تاجر دور دراز ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور روئے زمین کا کوئی ایسا حصہ نہیں جہاں ان کا کاروبار نہ ہو۔ خواہ اس کی حیثیت کچھ ہی رہ گئی ہو۔ گویا مسلمانوں کے پُرعظمت تاریخی دور کے یہ دھندلے نشان ہیں اور زبان حال سے کہتے ہیں کہ ؎

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

لیکن زمانہ کی موجودہ رفتار اور تجارتی و صنعتی دور جدید کا تقاضہ یہ ہے کہ قدیم روایات اور تاریخی واقعات سے قطع نظر کرکے آج جو حالات درپیش ہیں اُن کا جائزہ لیا جائے اور کاروبار کا عملی پہلو بھی یہی بتاتا ہے کہ اگر کھاتہ میں پچھلے نقصانات درج ہیں، بالعض سودے ناکمل اور الجھے ہوئے ہیں تو ان سب کو قلمزد کردیا جائے اور جو وسائل موجود ہوں اُن کو سامنے رکھ کر موجودہ حالات میں کام کو سنبھالنے اور بڑھانے کی تدبیریں اختیار کی جائیں یہی عملی بات ہے اور اسی کو عقل معاش کا حاصل سمجھا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے اگر دیکھئے تو آج ہندوستان غیرمعمولی معاشی دور سے گزر رہا ہے اور اس کے وجوہ و اسباب بھی غیرمعمولی ہیں۔ ہندوستان زراعتی ملک ہے نوّے فی صدی آبادی کی زندگی زراعت اور اس کی پیداوار سے وابستہ ہے۔ مزدوری اور کمائی بھی زراعت ہی کے کاموں سے متعلق ہے اور تجارت میں بھی خام اشیاء کی مانگ زیادہ ہے لیکن گزشتہ پچیس سال سے اس ملک کی صنعت وحرفت نے غیرمعمولی ترقی کی ہے اور اب ہندوستان محض زراعتی ملک نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس کا شمار اُن ممالک میں ہے جو صنعتی حیثیت سے ترقی یافتہ مانے جاتے ہیں۔ مصنوعات کی ترقی عام تجارتی ترقی پر بھی اثرانداز ہوتی ہے۔ گو اس کی کیفیت اور حالت ہر ملک میں جداگانہ ہے۔

ہندوستان کی تجارت سنہ ۱۹۳۸ء میں اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ اس ملک کا شمار تجارتی ممالک کی فہرست میں ساتویں نمبر پر تھا۔ اور دنیا کی کل تجارت

؎ یہ حدیث نہیں ہے۔ ایڈیٹر

کا ۳۰ء۶ فی صد ہندوستان کے قبضہ میں تھا۔ اور صرف برطانیہ، جرمنی، امریکہ، فرانس، ہالینڈ اور بلجیم اس تجارتی میدان میں ہندوستان سے آگے تھے۔ اس وقت چین کا نمبر اس فہرست میں نواں اور جاپان کا گیارہواں تھا۔ ۱۹۲۹ء میں ہندوستان چھٹے نمبر پر آگیا لیکن ۱۹۳۶ء میں اس کا نمبر آٹھواں اور تجارت میں ۲ء۷۰ فی صد حصہ رہ گیا۔ لیکن یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد تجارت میں مزید ترقی ہوئی۔

جیسا کہ ابھی ظاہر کیا گیا تجارت کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ درآمد اور برآمد کی کتنی مقدار ہے؟ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ کون اشیاء یا خام اجناس اور وہ کس مقدار میں درآمد یا برآمد ہوتی ہیں؟ یہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے اور اس کے لئے مندرجہ ذیل اعداد قابل غور ہیں:-

درآمد

مخصوص تجارتی اشیاء	۳۵-۱۹۳۴ء	۳۶-۱۹۳۵ء	۳۷-۱۹۳۶ء
	تناسب فی صد تقریباً ایک		
۱۔ سوتی کپڑا	۱۶	۱۳	۱۴
۲۔ لوہا اور فولاد	۵	۵	۵
۳۔ مشین اور کلیں	۱	۱۰	۱۲
۴۔ شکر	۲	۱	۰
۵۔ لوہے کا سامان	۲	۲	۱
۶۔ معدنی تیل	۵	۴	۵
۷۔ ریشمی سامان	۲	۲	۱
۸۔ دیگر اشیاء	۵۸	۶۰	۶۲

درآمد

	۳۵-۱۹۳۴ء	۳۶-۱۹۳۵ء	۳۷-۱۹۳۶ء
۱۔ جوٹ خام اور سامان	۲۱	۲۴	۲۲
۲۔ روئی اور کپڑا	۲۵	۲۴	۲۵
۳۔ خوراکی اور چاول	۸	۷	۸
۴۔ تل السی وغیرہ	۷	۶	۹
۵۔ چاء	۱۳	۱۲	۱۰
۶۔ چمڑا اور کھال	۲	۲	۲
۷۔ دیگر اشیاء	۲۴	۲۵	۲۴

اس کے علاوہ ایک تیسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ کل تجارت جس میں درآمد اور برآمد دونوں شامل ہیں بیرونی ممالک میں کن ملکوں سے ہوتی ہے اور اس کا کیا تناسب ہے۔ اس نظر سے مندرجہ ذیل اعداد پیش کئے جاتے ہیں۔ ان اعداد و شمار پر غور کرنے سے واضح ہوگا کہ ہندوستان کی تجارت کا رُخ برطانیہ سے ہٹ کر دوسرے ممالک کی جانب ہوگیا ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان اپنے تجارتی تعلقات میں پہلے سے زیادہ وسعت پیدا کرچکا ہے اور اس کی حیثیت بھی بدلتی جاتی ہے۔

ہندوستانی تجارت کی تقسیم

درآمد

ممالک	۳۵-۱۹۳۴ء	۳۶-۱۹۳۵ء	۳۷-۱۹۳۶ء
۱۔ برطانیہ	۴۱ فیصد	۳۹ فیصد	۳۸ فیصد
۲۔ برطانوی مقبوضات	۸ 〃	۱۰ 〃	۱۱ 〃
۳۔ امریکہ	۶ 〃	۷ 〃	۷ 〃
۴۔ جاپان	۱۶ 〃	۱۶ 〃	۱۷ 〃
۵۔ جاوا	۱ 〃	۱ 〃	۱۳ 〃
۶۔ جرمنی	۸ 〃	۹ 〃	۱۰ 〃
۷۔ دیگر ممالک	۲۰ 〃	۱۸ 〃	۱۷ 〃

برآمد

ممالک	۳۵-۱۹۳۴ء	۳۶-۱۹۳۵ء	۳۷-۱۹۳۶ء
۱۔ برطانیہ	۳۲ فیصد	۳۱ فیصد	۳۴ فیصد
۲۔ برطانوی مقبوضات	۱۴ 〃	۱۵ 〃	۱۴ 〃
۳۔ امریکہ	۹ 〃	۱ 〃	۱۰ 〃
۴۔ جاپان	۱۶ 〃	۱۳ 〃	۱۵ 〃
۵۔ فرانس	۴ 〃	۴ 〃	۴ 〃
۶۔ جرمنی	۵ 〃	۶ 〃	۵ 〃
۷۔ دیگر ممالک	۲ 〃	۲۱ 〃	۲۰ 〃

ہندوستان کی صنعت و حرفت نے جو ترقی ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۵ء تک کی ہے وہ اب تک غیر معمولی سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ یہی چند سال خاص طور پر عالمگیر کساد بازاری کے گزرے ہیں اور اسی زمانہ میں ہندوستانی صنعت و حرفت کا فروغ ہوا، مثلاً اس زمانہ میں سوتی کپڑا ۴۱ فی صدی زیادہ تیار ہوا، حالانکہ جاپان میں صرف ۴۲ فی صدی اضافہ ہوسکا۔ لوہے کے کارخانوں میں ۷۵ فی صدی مال زیادہ تیار ہوا، جب کہ امریکہ میں ۵۴ فی صدی، فرانس میں ۳۰ فی صدی اور برطانیہ میں ۲۰ فی صدی کی کمی واقع ہوئی۔ اس کے علاوہ اس ملک میں کاغذ، شیشہ، صابن، لوہے کا سامان، بجلی کا سامان، ربڑ اور اس کا سامان، سمنٹ، رنگ، وارنش، شکر، کپڑا اور اکثر متفرق چیزیں اس مقدار سے تیار ہونے لگیں کہ اگر یہ حالت قائم رہے تو ہمارا ملک کسی دوسرے کا محتاج نہ رہے گا۔

اس وقت تک جو اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں وہ موجودہ جنگ سے پہلے کے ہیں لیکن ہندوستان کی صنعتی ترقی میں حالات جنگ اور اس کی ضروریات نے جو عظیم الشان تبدیلی کی ہے اس کا اندازہ لگانا اگرچہ قبل از وقت ہے، لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ آج ہمارے ملک میں ہوائی جہاز، موٹر کار، بحری جہاز، آلات حرب، نازک قیمتی آلات، برقی ساز و سامان اور کیمیاوی اشیاء سب بنائے گئے ہیں یا بنائے جاسکتے ہیں یا اُن کے بنانے کا امکان پیدا ہوگیا ہے۔ ان حالات میں ہندوستان کا معاشی مستقبل بے حد دلچسپ اور نہایت اہم ہوگیا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس ملک کی زراعتی خصوصیات اس کی صنعتی ترقی کی معاون ہوسکتی ہیں اور اس کا صنعتی عروج زراعت کی توسیع کا ضامن۔ اور اگر یہ صورت پیدا ہوجائے تو ہندوستان کی کثرت آبادی اور قلت زمین کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے اور وہ اپنی تجارت، معاشی ترقی اور عام خوش حالی میں کسی دوسری قوم یا ملک کا دست نگر نہیں رہ سکتا۔ یہ گویا حقیقی اور عملی سوراج یا معاشی غلامی سے آزادی ہے۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان اپنی خام پیداوار اور مصنوعات میں وہ توازن پیدا کرسکتا ہے جو آج امریکہ کو حاصل ہے یعنی زراعت و زمین سے جو خام اشیاء مثلاً اجناس اور معدنیات حاصل ہوتی ہیں وہ ملکی مصنوعات میں کام آسکتی ہیں اور اتنی مقدار میں مل سکتی ہیں کہ کسی دوسرے ملک سے اس مقصد کے لئے کسی چیز کے منگانے کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ نیز ہندوستان میں صنعت و حرفت کو اس قدر ترقی دی جاسکتی ہے کہ ضروریات اور تعیشات کی تمام اشیاء یہاں نہایت کامیابی سے تیار کی جاسکتی ہیں اور خوبی یہ ہے کہ اس کی بھی احتیاج نہ ہوگی کہ اس مال کو کسی دوسرے ملک یا منڈی میں فروخت کیا جائے کل تیار شدہ مال اور صنعتی اشیاء خود اسی ملک کے اندر اور اسی ملک کے باشندوں کی ضروریات میں کام آسکتی ہیں۔ معاشی ترقی کی

یہ صورت سب سے بہتر ہے اور ہندوستان میں بھی اس کا امکان ہے، مگر یہ ایک شرط پر منحصر ہے اور یہی شرط سب سے زیادہ اہم اور قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ ہندوستان کے عام باشندوں کی زندگی کا معیار بلند ہو جائے۔ اس مسئلہ کو دوسرے الفاظ میں اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں شخصی آمدنی کا اوسط اکثر ترقی یافتہ ممالک سے کم ہے اور اس لئے ہمارا افلاس ضرب المثل ہو گیا ہے مثلاً ہندوستان کی قومی آمدنی یا حصل (انکم) فی کس ۶۵ روپیہ سالانہ ہے۔ حالانکہ دوسرے ممالک کا اوسط کہیں زیادہ ہے۔ ملاحظہ ہو

ملک	روپیہ	ملک	روپیہ
۱-جاپان	۱۸۶	۵-فرانس	۵۴۵
۲-بلغاریہ	۱۲	۶-برطانیہ	۱۰۱۰
۳-اٹلی	۳۱۹	۷-امریکہ	۱۱۸۴
۴-جرمنی	۵۱۹	.	.

ہندوستان کے باشندوں کا معیار بلند کرنے اور اُن کی اوسط آمدنی میں اضافہ کرنے کی شرط اور اس کی اہمیت اور ضرورت پر ہر طبقہ اور جماعت، رعایا اور حکومت ہندوستانی اور انگریز سب متفق ہیں اور اسی نظریہ کو سامنے رکھ کر آج کل وہ تجاویز پیش کی جا رہی ہیں جن کا بعد جنگ بروئے کار لانا سب کا مقصد ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ جس طرح ملک میں ان مسائل پر غور و خوض کیا جا رہا ہے مسلمان بھی صحیح معاشی نقطۂ نظر سے اپنے حالات کا جائزہ لیں، اپنی ضروریات کو سمجھیں، وقت اور موقع کی نزاکت کو محسوس کریں اور جذبات و دور از کار خیالات کی دنیا سے الگ ہو کر یہ فیصلہ کریں کہ ان کے لئے سب سے اہم چیز کیا ہے، اور ان کو تدبیر منزل کے لئے کن معاشی اصولوں پر سب سے پہلے عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

(باقی آیندہ)

آل انڈیا اردو کانگریس حیدرآباد دکن

مکرمی۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا حیدرآباد میں ایک مرکزی حیثیت سے زبان اردو کی ترقی اور اشاعت کا کام سرگرمی کے ساتھ ہو رہا ہے لیکن ادارۂ ادبیات اردو کے کارکن اور دیگر سرگرم حامیان اردو اپنے کام کی ایسی منزل پر پہنچ گئے ہیں جبکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک وسیع تر بنیاد پر ہندوستان کے شمال و جنوب کی کوششوں کو اس طرح مربوط کیا جائے کہ بجائے ہنگامی اجتماع کے ماہرین اور حامیان اردو کی ایک ایسی علمی و فنی کانگریس ملک کے ہر گوشہ میں اپنی کوششوں کا جال بچھا دے جس کے اجتماعات تمام اُن علمی اور تعلیمی اداروں کے نمایندے ہوں جہاں اردو کی تعلیم اور اردو زبان کے متعلق فنی تحقیقات کا کام جاری ہے۔ ایک ہمہ گیر تحریک کے اس تصور کی تکمیل کے لئے حیدرآباد کے علمی حلقوں میں یہ تجویز بہت پسند کی گئی ہے کہ تمام ہندوستان کے تعلیمی اداروں کے اُن اساتذہ اور پروفیسروں اور ممتاز اہل قلم کو اس کانگریس کے پہلے اجتماع میں بمقام حیدرآباد شریک ہونے کی دعوت دی جائے جو اردو زبان کی ترقی و اشاعت سے گہری دلچسپی رکھتے ہوں اور جو اس کام میں مصروف ہوں۔ ایسے اصحاب کے وسیع تجربہ کو یکجا کر کے مجوزہ کانگریس کے داعیان اردو زبان کے متعلق بعض اہم مسائل کو مرکز فکر و نظر بنانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا پروگرام مرتب کیا جو حیدرآباد اور بیرون حیدرآباد کی کوششوں میں ہم آہنگی پیدا کر سکے اور آل انڈیا ہسٹری کانگریس یا سائنس کانگریس کی طرح اس اردو کانگریس کو بھی ماہرین فن اور اساتذہ کے نہ صرف ہر دو سال میں ایک بار اجتماع کا بلکہ ایک مربوط اور مسلسل جد و جہد کا مرکز بنا دے۔ خوش قسمتی سے اس تحریک کو حیدرآباد کے نامور بلند پایہ ارباب علم و فضل کی تائید حاصل ہے۔ چنانچہ ہز ایکسلنسی کرنل ڈاکٹر حافظ سر محمد احمد سعید خاں بہادر نواب چھتاری صدر اعظم دولت آصفیہ نے ازراہ علم دوستی اس کی سرپرستی اور ایک اجلاس کی صدارت قبول فرمائی ہے۔ اور آنریبل ڈاکٹر نواب سر مہدی یار جنگ بہادر وزیر تعلیمات بحیثیت صدر ادارۂ ادبیات اردو اس کانگریس کی مجلس استقبالیہ کے صدر ہیں۔

ہم توقع کر رہے ہیں کہ یہ اجتماع اپنی نوعیت کا ایک بہترین اجتماع ہوگا۔ حیدرآباد نے اب تک اردو زبان کی جو کچھ خدمت کی ہے اس پر نظر رکھتے ہوئے یہ تجویز گویا حالات کا ایک قدرتی اقتضا ہے اس لئے اس اعتماد کے ساتھ کہ حیدرآباد کی یہ دعوت آپ قبول فرمائیں گے اور ایک دفعہ خود حیدرآباد تشریف لا کر ان کاموں کا مطالعہ کریں گے جو یہاں اردو زبان کی ترقی کے لئے جاری ہیں میں کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کی جانب سے استدعا کرتا ہوں کہ جناب بتواریخ ۲۱-۲۲-۲۳ جولائی ۱۹۴۴ء اس کانفرنس میں شرکت فرمائیں اور اُن مسائل کے متعلق جو اس اجتماع میں مرکز فکر ہیں گے اپنے مشورہ سے ہم سب کو مستفید ہونے کا موقعہ عنایت کریں۔ جو مسائل خاص طور پر کانفرنس میں زیر بحث آئیں گے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) زبان کی ترقی و اشاعت کے وسائل،

(۲) رسم الخط اور ٹائپ کی طباعت،

(۳) مصطلحات کی نشر و اشاعت اور اب تک اس سمت میں جو کام ہوا ہے اس پر تبصرہ،

(۴) تاریخ زبان اردو کی ترتیب،

(۵) ترویج و اشاعت زبان کے لئے ہندوستان کے جرائد و رسائل کا ایک منظم تعاون،

ان مسائل کے متعلق اگر جناب کوئی تحقیقی مقالہ پڑھنا چاہیں تو از راہ کرم ۱۵ جون ۱۹۴۴ء تک ہمیں اطلاع دیں۔ کہ اس کے لئے پروگرام میں وقت رکھا جائے۔

مجلس استقبالیہ مہمانداری کی مسرت حاصل کرے گی۔ اس کا بھی انتظام کیا جائے گا کہ آپ حیدرآباد کے علمی اور ثقافتی مراکز کا مطالعہ کریں۔ کانفرنس کی تاریخیں ایسے موسم میں رکھی گئی ہیں جو حیدرآباد کا بہت خوشگوار موسم ہے۔

مجھے امید ہے کہ جناب ہماری اس دعوت کو قبول فرما کر ہمیں مرہون منت فرمائیں گے۔ فقط

دفتر ادارۂ ادبیات زین یار جنگ
خیریت آباد حیدرآباد دکن صدر مجلس منتظمہ آل انڈیا اردو کانگریس

اردو پریس کانفرنس یو پی و دہلی

لکھنؤ میں یو پی اور دہلی کی مشترکہ اردو پریس کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں کافی سرگرمی

سے کام شروع کر دیا ہے ایک مضبوط مجلس استقبالیہ لکھنؤ کے تمام اردو اخبار نویسوں کی بنائی گئی ہے مجلس استقبالیہ کے صدر مولوی عبدالرؤف عباسی ایڈیٹر روزنامہ حق اور جنرل سکرٹری مولوی انیس احمد عباسی ایڈیٹر روزنامہ حقیقت منتخب ہو چکے ہیں مجلس استقبالیہ کے ممبران کی تعداد اب تک ۵۴ ہو چکی ہے جس میں روزنامہ ہفت روزہ پندرہ روزہ ماہانہ جرائد اور رسائل کے اداروں کے اخبار نویس شامل ہیں اور ممبری سلسلہ جاری ہے۔

ان کے علاوہ آفس سکرٹری پروپیگنڈا سکرٹری بھی منتخب ہو چکے ہیں مجلس استقبالیہ کی جانب سے فراہمی سرمایہ کے سلسلہ میں وفود بھی شہر کے ان حضرات سے جن کو اردو اخبار نویسوں اور اردو اخبارات سے ہمدردی اور ذوق ہے مل رہے ہیں اب تک وفد کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں لوگوں نے فراخ حوصلگی اور ہمت کا ثبوت دیا ہے اور ہر طبقہ میں کانفرنس کے انعقاد کے لئے ہمدردی کا جذبہ پایا جاتا ہے پہلے یہ خیال تھا کہ کانفرنس کو جلد سے جلد منعقد کیا جائے لیکن یوپی اور دہلی کے اکثر نامور اخبار نویسوں نے یہ مشورہ دیا کہ موسم کی سختی کانفرنس کی کامیابی میں مخل ہوگی۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس کو کچھ اور آگے بڑھایا جائے۔

چنانچہ مجلس استقبالیہ نے ان مشوروں اور راؤں پر عمل کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ کانفرنس کی کامیابی کے لئے یقیناً موسم کے اعتدال کی ضرورت ہے۔ ابھی تاریخ انعقاد کانفرنس طے نہیں ہوئی لیکن اس کے متعلق تمام ضروری انتظامات پر غور حاصل کیا جا رہا ہے۔

سب سے اہم سوال کانفرنس کی صدارت اور افتتاح کا ہے اس سلسلہ میں جن مشاہیر اخبار نویسوں سے صدارت کے لئے اور جن ذمہ دار ہستیوں سے افتتاح کے سلسلہ میں خط وکتابت ہو رہی ہے ابھی تک اُن کے جوابات اور قطعی فیصلے بھی موصول نہیں ہوئے ہیں اس لئے ابھی کانفرنس کے انعقاد میں تعجیل پیش نظر نہیں رہی کیونکہ مقصود یہ ہے کہ یہ کانفرنس ایسی بنیادوں پر منعقد ہو کہ اس کی آواز میں زور پیدا ہو اور اس سے اردو صحافت کو ایک زبردست طاقت حاصل ہو امید کہ آپ اس فیصلہ سے متفق اور مطمئن ہونگے مجلس استقبالیہ آپ کے جذبہ تعاون اور اشتراک کے ساتھ آپ کے مفید مشوروں کی بھی منتظر ہے اور تمام اردو اخبار نویسوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے مکمل پتہ سے دفتر کو مطلع کر دیں۔

سکرٹری نشر و اشاعت
اردو پریس ایسوسی ایشن لکھنؤ

مسلمانوں سے ایک ضروری اپیل

اہل بنگال کی تباہی و بربادی ایک الم ناک داستان غم ہے۔ جو محتاج بیان نہیں اس قیامت خیز دردانگیز واقعہ کا نتیجہ نکلا کہ مصیبت اور فاقہ سے مرنے والوں نے تو نجات حاصل کر لی لیکن جو اس تباہی سے بچے وہ دنیا کا بوجھ ان گئے سب سے دلخراش منظر ان مدم آباد کے جانے والوں کی بچی بچائی بوچھی تھی جو بے کس و بے کسی کی حالت میں بے گور و کفن لاشوں سے چمٹے ہوئے سسکتے اور بلکتے ہوئے یاس سے ایک ایک کا منہ تکتے تھے۔ آخر حکومت بنگال نے اس جگر خراش و دردانگیز منظر کو دیکھ کر ایک عارضی جائے پناہ کھول دی اور بچوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ اس موقع پر غیر قوموں کے مختلف ادارے اور انجمنیں حکومت سے لاوارث بچوں کو حاصل کر کے اپنے مذہب و ملت کے تعداد بڑھانے کا ذریعہ بنیں۔ اور ہزاروں کو اپنے مذہب و ملت میں شامل کر کے ایک متحدہ دکان کا مصداق بنیں۔ مزید برآں بیرون بنگال بھی ہزاروں کی تعداد میں غیر مسلم اداروں نے لاوارثوں کو حاصل کیا۔

لیکن مسلمانوں کی کوئی ایسی انجمن یا ادارہ نہ تھا جو صورت حال کے لئے قائم ہوا ہو جو لاوارث بے بس و بے کس بچوں کو پناہ میں لیتا۔ اور ہزاروں کو مرتد ہونے سے بچاتا۔ بہرحال ہزاروں مسلم تو نہالوں کے ضائع ہو جانے کے بعد کلکتہ مسلم لیگ کے سکرٹری مولانا عبدالجبار وحیدی صاحب کے دل میں خداوند کریم نے یہ بات ڈالی اور انھوں نے سب سے پہلے اس اہم اور ضروری کام پر قدم اٹھایا اور ایک جائے پناہ بنام دارالامن اسلامیہ کھولنے پر کامیاب ہوئے جہاں میرے زیر نگرانی لاوارث مسلم عورتوں کو پناہ میں لایا گیا۔ نیز لڑکوں کے واسطے ایک علیحدہ مکان لے کر بنام "اطفال المسلمین" لاوارث لڑکوں کو جمع کیا گیا۔

اب لڑکیوں کے لئے ایک علیحدہ جائے پناہ کی سخت ضرورت محسوس ہوئی جسے میں نے نہایت ضروری سمجھ کر یہ بار اپنے کمزور شانوں پر اٹھا لیا۔ اس اہم اور ضروری کام کو انجام دینے کے لئے رمضان المبارک کے مہینہ سے میں سرگرداں اور کوشاں رہی۔ بحمداللہ میری کوشش بار آور ہوئی کہ اور میں آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس (بنگال برانچ) کے سکرٹری کی حیثیت سے اپنے ممبروں کو اس کار خیر میں حصہ لینے پر کامیاب ہوگئی۔ ممبروں سے ایک رلیف سب کمیٹی زیر صدارت لیڈی فضل الرحمٰن صاحبہ انتخاب عمل میں آیا۔ اور ایک سکیم مرتب کر کے ۱۱ تلجلا روڈ۔ سرکس۔ کلکتہ بتاریخ ۱۹۔ نومبر ۱۹۴۳ء "بیت الاطفال صبیہ" کا افتتاح بیگم تمیز الدین خاں (اہلیہ وزیر تعلیمات بنگال) کے ہاتھوں سے ہوا۔

موجودہ سکیم کے مطابق ۴۰ بچیوں کی پرورش و پرداخت کا فی الحال تخمینہ کیا گیا ہے اس سلسلہ میں مسلم جیمبر آف کامرس نے ایک ہزار روپیہ۔ یوپی پراونشل مسلم لیگ بذریعہ بیگم اعزاز رسول صاحبہ پانچسو روپیہ کے حسن صاحب کوملبوالہ پانچسو روپیہ۔ بنگال مسلم لیگ رلیف کمیٹی ڈھائی سو روپیہ ابتدائی اخراجات کے مد میں عطا کئے۔ علاوہ اس کے قومی ہمدردوں نے اس کار خیر میں حصہ لیکر میری بیحد ہمت افزائی کی اور ثواب دارین حاصل کیے کمیٹی نے اس جائے پناہ کو قائم رکھنے کے لئے موجودہ سکیم کے مطابق [illegible] ماہوار خرچ طے کیا ہے۔ اور جب کے [illegible] کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے مذہب و ملت کے دردمندوں سے اس کار خیر کو چلانے کے لئے امداد حاصل کی جائے۔

[illegible] کے

[illegible] کے لئے کلکتہ سے

[illegible] کا [illegible] دبنگال منتقل کر دیا گیا ہے۔ اب اس جائے پناہ کو قائم رکھنے کے لئے مالی رقم کی ضرورت ہے۔ اور رکھنا بھی ضرور ہے۔ کیونکہ ان خانمان برباد بچیوں کا کوئی سہارا [illegible] کوئی دوسرا ٹھکانا نہیں۔

اس کام کے انجام کے لئے نہ کوئی رقم وقف میرے پاس موجود ہے۔ نہ کوئی ذریعہ بجز اس کے کہ دردمندان قوم اور مخیر حضرات ان کی پرورش و پرداخت میں حصہ لیں اور ان کی زندگی کو تباہی و بربادی سے بچا کر قوم کے لئے کارآمد بنائیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اس ادارے کے ذریعہ قوم کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ بچیاں یہاں پرورش پا کر تعلیم حاصل کر سکیں تو نرسیں۔ مڈوائف۔ ٹرینڈ معلمات وغیرہ بن کر قوم وملت کے لئے مفید و کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔

ماسوا ان ضرورتوں کے تبلیغی و تنظیمی کام بھی ان کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے صحیح معنوں میں قوم کی یہ بیٹیاں ہیں اور قوم ان کی وارث۔ اب لازم ہے کہ قوم بھی ان کی نگہداشت اور پرورش کا ذمہ لے۔ اور اپنی اولاد کی طرح پرورش کر کے قوم وملت کو مضبوط کر کے قوی تر بنائے۔

قدرت نے انتہائی انسانی قربانی کے بعد یہ زریں موقع بہم پہنچایا ہے۔ امید ہے کہ میرے محترم بھائی اور بہنیں میری اس اسکیم و منصوبے کو پورا کرنے میں فراخ دلی سے امداد دیں گے اور ان چند بے کس ہستیوں کو نہ صرف بربادی سے بچائیں گے بلکہ انہیں قوم کی ایک مضبوط کڑی بنا کر اصحاب سلف کی دوبارہ یادگار قائم کریں گے۔

(امدادی رقم و عطیات۔ کپڑے و اناج وغیرہ بنام سکریٹری بیت الاطفال صبیبہ بیل ڈانگا ضلع [illegible] بنگال۔ یا۔ صدر لیڈی فضل الرحمن صاحب [illegible] کلکتہ بھیجے جائیں۔

خادم اسلام۔ مسز ایچ اے حکم
آنریری سکرٹری

سیاسی [illegible] اور ہنگامہ آرائی

(بقیہ مضمون صفحہ ۳ کالم ۳ کا)

چیز کو ہم حرام کہہ رہے تھے آج اسی کے حاصل کرنے کے لئے سرگرداں ہیں۔ یہ مذہب کے ساتھ ایک کھیل ہے اور عوام کو احمق بنانے کی افسوسناک کوشش جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا ہے اور آئندہ بھی پہنچے گا۔

جب کوئی سیاسی لیڈر ایک مفتی یا مذہبی پیشوا کا جامہ پہن کر مذہب کے نام پر مسلمانوں کو دعوت دے تو ان کا فرض ہے کہ سب سے پہلے وہ اس کی مذہبی زندگی کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ علم و عمل کے اعتبار سے وہ کہاں تک مذہبی علمبردار ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ جو لوگ مذہب سے بالکل بیگانہ اور قرآن و حدیث سے یکسر ناآشنا ہیں وہ اپنے سیاسی نظریات کو مذہب سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں اور انہوں نے مذہب کو ذاتی اغراض اور سربلندی کے لئے آلۂ کار بنا رکھا ہے جب تک یہ حالت موجود ہے مسلمانوں کا ابھرنا اور ان کی اصلاح و فلاح ناممکن ہے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بی ایس سی و ڈپلوما انجینئرنگ فرسٹ ایر کلاس کے لئے داخلے حسب ذیل اسکیم کے ماتحت ہوں گے۔

امیدواروں کو پرنسپل انجینئرنگ کالج سے پراسپکٹس منگانا چاہئے اور اس میں داخلہ کا جو فارم ہوتا ہے اس کے خانہ پری کر کے رجسٹرار مسلم یونیورسٹی کو بھیجنا چاہئے درخواستوں کی آخری تاریخ ۷ر جولائی ہے منتخب طلبہ کا امتحان داخلہ اور انٹرویو ۱۶ر اور ۱۷ر جولائی ۱۹۴۳ء کو ہوگا۔ رجسٹرار

بچوں کی اردو تعلیم کے لئے کانفرنس کی مرتبہ اخلاقی ریڈریں طلب کیجئے جو مختلف اسلامیہ مکاتب میں پڑھائی جاتی ہیں۔

لڑکیوں کو ہنرمند بنانے والی کتابیں

اگر آپ کو کھانے کا شوق ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں ہر قسم کا کھانا اعلیٰ درجہ کا لذیذ اور خوشذائقہ پکے اور آپ کی عزیز لڑکیاں کھانا پکانے اور کشیدہ کاری کے فنون سے اچھی طرح واقف اور ہوشیار و ماہر ہو جائیں تو حسب ذیل کتابیں طلب فرمائیے۔ یہ کتابیں آپ کو باورچیوں بازار کے حلوائیوں اور درزیوں سے بے نیاز کر دیں گی اور ان کے نتائج اپنے گھر میں دیکھ کر آپ نہایت خوش اور مسرور ہوں گے۔

مشرقی مغربی کھانے } ہندوستانی عربی ایرانی اور یورپین ممالک کے کھانوں کی صحیح صحیح ترکیبیں اور ان کے متعلق کارآمد مضامین۔ قیمت .. ۸ر

عصمتی ہنڈکلیا } بچیوں کے لئے سوا سو کھانوں کی صحیح ترکیبوں کے علاوہ قیمتی ہدایتیں قیمت ۱۰ر

ناشتہ } ضیحے ورمزعفی اور ہر موقعے کے ماتحت قیمت ۱۲ر

بچوں کے کھانے } ننھے بچوں کو کیا غذا دینی چاہئے اور کس طرح تیار کرنی چاہئے۔ قیمت ۱۰

بیمار و بچے کھانے } نہ صرف کھانوں کی ترکیبیں بلکہ ماہر ڈاکٹروں کے قابل قدر مضامین بھی۔ قیمت ۱۲ر

مذاقیہ کھانے } شادی کے موقعوں پر دولہا بھائی وغیرہ سے شائستہ مذاق کرنے کے لئے۔ قیمت .. ۶ر

نیا باورچی خانہ } اسلامی اور ہندوستانی کھانوں کی تجربہ شدہ ترکیبیں۔ قیمت ۶ر

ترکی کھانے } ترکی قوم کے لذیذ اور مزہ دار کھانوں کی ترکیبیں۔ قیمت .. ۱۰ر

ذائقہ } ہر قسم کے ہندوستانی کھانوں وغیرہ کی آزمودہ اور تجربہ کی ہوئی ترکیبیں۔ قیمت .. ۸ر

عصمتی کشیدہ } کشیدہ کاری کی بہت مشہور و مقبول کتاب ۱۲ر

گلزار دستکاری } کشیدہ کاری کے سو کے قریب عمدہ نمونے۔ ۱۲ر

اونی کام سلائی و سپیے } نٹ منٹگ پر بہترین کتاب۔ ۶ر

تارکشی کا کام } جس کی مدد سے کپڑے سے دھاگا نکالنے کا کام آجاتا ہے۔ قیمت .. ۱۲ر

خواتین کی دستکاریاں } پردہ نشین خواتین کی بیکاری دور کرنے کے لئے نہایت کارآمد و مفید نمونے۔ قیمت ۱۰ر

گوٹہ کناری کا کام } ہندوستان کی قدیم صنعت پر بہترین کتاب اور حسین نمونے۔ قیمت .. ۶

ملنے کا پتہ۔ مہتمم بکڈپو سلطان جہاں منزل علی گڑھ

رجسٹر نمبر اے ۵۸
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار تعلیمی و اصلاحی پرچہ
کانفرنس گزٹ
علی گڑھ
تاریخ ہائے اشاعت ہر ماہ عیسوی کی یکم - ۸ - ۱۶ - ۲۴
قیمت اخبار: سالانہ - تین روپیے، ششماہی - دو روپیے، سہ ماہی - ایک روپیہ
قیمت فی پرچہ ایک آنہ
زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس
منیجر سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)
ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خان ندوی
جلد (۱۵) یکم جولائی ۱۹۴۴ء مطابق ۹ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ نمبر (۲۵)

پارلیمنٹ میں اس سوال کے جواب میں کہ جنگ میں ہندوستان نے کیا مالی امداد کی ہے؟ مسٹر ایمری وزیر ہند نے۔ کہا کہ فروری ۱۹۴۰ء میں جو معاہدہ ہوا تھا اس کے مطابق ہندوستان زمانہ جنگ میں اُن فوجوں کا خرچ برداشت کریگا جو جنگ سے پہلے اس کے پاس تھیں، ان میں صرف اُن کی تنخواہوں میں اضافہ ہوگا اور گرانی کا اضافہ ہوگا۔ جب وہ دوسرے ملکوں میں بھیجی جائیں گی تو ایک روپیہ سالانہ اور خرچ برداشت کرے گا۔

ہندوستان نے حفاظت کے مقامی مصارف بھی برداشت کیے ہیں، جس میں ہندوستانی فوجوں کے خرچ میں اضافہ اور ہتھیاروں میں اضافہ بھی شامل ہے، ہندوستان میں مقیم انگریزی فوج کا خرچ بھی ہندوستان برداشت کر رہا ہے ہوائی اڈوں کی تعمیر اور دوسری فوجی تعمیرات کا بھی پورا خرچ ہندوستان کے ذمہ ہے، اس کے علاوہ ہندوستان کے بحری بیڑہ کا خرچ بھی ہندوستان کے ذمہ ہے، نیز باہمی امداد میں بھی ہندوستان کا حصہ ہے۔ ہندوستان نے [illegible] جنگ کے سلسلے میں امریکہ کو خام مال [illegible] دی ہیں۔ [illegible] مال سپلائی کیا ہے۔

اس طرح ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ء تک ہندوستان نے کل ساٹھ کروڑ پونڈ کا خرچ برداشت کیا، اور بالفعل اس کے فوجی اخراجات ۲۲ کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ سالانہ ہیں، جنگ سے پہلے ہندوستان کے فوجی مصارف ۵ کروڑ ۴۰ لاکھ پونڈ سالانہ تھے۔

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ روس کو مغربی اتحادیوں کی طرف سے جو سامان حرب دیا گیا ہے اس کی تفصیل روس کے محکمۂ غیر ملکی تجارت نے شائع کی ہے، رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اپریل ۱۹۴۴ء تک امریکہ، برطانیہ اور کناڈا کی طرف سے روس کو ۱۲۲۵۶ ہوائی جہاز ۱۹۱۴ ٹینک اور دو لاکھ ۱۵ ہزار لاریاں حاصل ہوئی ہیں، سب سے زیادہ سپلائی امریکہ سے ملی ہے جس نے ۸۵ لاکھ ٹن وزن کا سامان فراہم کیا ہے، اور کناڈا نے ۱۴ لاکھ ٹن وزن کی چیزیں

بمبئی کے ایک سربرآوردہ تاجر سر چنی لال مہتا نے امریکہ سے ہندوستان میں دس کروڑ اونس چاندی کی آمد کو خوش آمدید کہتے ہوئے ایک انٹرویو میں یہ کہا کہ چاندی کی آمد سے سونے کا مطالبہ کم ہو جائے گا۔ اور یہ چاندی سکہ بنانے اور عوام کی ضرورت پوری کرنے کے کام میں آئے گی۔ اس وقت امریکہ میں چاندی کا نرخ ۷۱ سینٹ فی اونس ہے اور ہندوستان میں اس کا پڑتا ۸۵ روپیہ فی سو تولہ پڑتا ہے چاندی کے آنے کی خبر سے بازار برابر گرتا جا رہا ہے، میرا خیال ہے کہ ایک لاکھ سلفیاں ایک خاصی مدت تک ہندوستان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی ہونگی۔

بجنور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ نے یکم جولائی سے ایک گرلز ہائی اسکول منظور کیا ہے چنانچہ اس کیلئے موزوں بلڈنگ منتخب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم جولائی ۱۹۴۶ء

جدید تصانیف پر انتقاد و نکتہ چینی

ہماری قوم کی مختلف الخیال جماعتیں یا پارٹیاں ایک دوسرے پر جس طریقہ سے نکتہ چینی کرتی ہیں اس کی بعض تفصیلات ہم پہلے عرض کر چکے ہیں مثلاً یہ کہ مذہبی پیشوا اور سیاسی لیڈر اپنے مخالفین پر کس طرح نکتہ چینی کرتے ہیں اور اس سے مسلمانوں کے قومی مفاد کو کیا نقصان پہنچتا ہے، اب اسی سلسلہ میں ہم موجودہ زمانہ کے مصنفین اور ارباب صحائف کے عام طرز عمل اور ان کے طریقۂ انتقاد و نکتہ چینی پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں

تالیف و تصنیف کی دنیا میں انتقاد یا نکتہ چینی ایک مفید علمی خدمت ہے کیونکہ اس سے علم و فن کا معیار بلند ہوتا ہے اور صحیح معلومات کے حصول میں مدد ملتی ہے۔ لیکن یہ فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب نکتہ چیں یا نقاد خارجی اثرات و جذبات سے بے تعلق ہو کر محض علم و فن کی ترقی کے لئے یہ خدمت انجام دے، نیز یہ کہ جس فن کی تصنیف پر وہ نقد و تبصرہ کر رہا ہے اس میں کافی بصیرت و مہارت رکھتا ہو

جب کوئی مصنف اپنی کتاب پبلک کے سامنے پیش کرتا ہے تو پبلک کے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے کھرے کھوٹے کو جانچیں، اور اگر اس میں کچھ غلطیاں اور خامیاں ہیں تو ان کو بے تکلف پبلک طور پر ظاہر کر دے تاکہ غلط واقعات و معلومات کی اشاعت سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

ملک میں روزمرہ جو کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں ان کے اقسام کا احاطہ کرنا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے کیونکہ سینکڑوں موضوع اور علوم و فنون ہیں جن پر تالیف و تصنیف کا سلسلہ جاری ہے تاہم اجمالاً ان کی تقسیم حسب ذیل اقسام پر ہو سکتی ہے۔

۱۔ **مذہبی تالیفات** یعنی وہ کتابیں جو کسی مذہب کی تائید و حمایت یا کسی مذہب کی تردید و مخالفت میں لکھی جاتی ہیں۔

۲۔ **اخلاقی تصنیفات** یعنی وہ کتابیں جو لوگوں کی اخلاقی تعلیم و تربیت کے لئے تالیف کی جاتی ہیں اور جن میں روزمرہ کے آداب و طرز زندگی کو کامیاب بنانے کے اصول بتائے جاتے ہیں، یہ کتابیں عموماً مذہبی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ ہر مذہب میں عقائد و عبادات کے علاوہ لوگوں کو کم و بیش اخلاقی تعلیم بھی دی گئی ہے، جو لوگ یہ اخلاقی کتابیں لکھتے ہیں وہ عموماً کسی نہ کسی مذہب کے پابند ہوتے ہیں اس لئے وہ ہمیشہ اپنے مذہب کے نقطہ نظر کے مطابق لوگوں کو اخلاقی تعلیم دیتے ہیں اور اس طرح سے درحقیقت وہ اپنے مذہب کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مذاہب کے علاوہ بعض حکماء نے بھی اخلاقی تعلیم دی ہے جو کسی تعلیم ربانی پر مبنی نہیں ہے اس لئے یہ حکماء مذہبی پیشوا نہیں مانے جاتے لیکن معلم اخلاق سمجھے جاتے ہیں، جو لوگ ان حکماء کی اخلاقی تعلیم کے پیرو ہیں ان میں جو علمی و تصنیفی قابلیت رکھتے ہیں، وہ تالیف و تصنیف کے ذریعہ سے ان کے حالات کی اشاعت کرتے ہیں، اس لئے ہر زمانہ میں ان حکماء کی اخلاقی تعلیم کا بہت سا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جس پر نقد و تبصرہ ہوتا رہتا ہے، کیونکہ مختلف لوگ اپنے ذوق کے مطابق مختلف حکماء کی تعلیم پسند کرتے ہیں

۳۔ **سیاسی تصنیفات** شخصی حکومتوں کے زمانہ میں ملکی سیاسیات پر بہت کم لکھا جاتا تھا لیکن موجودہ زمانہ میں جبکہ حکومتیں عوام کا دخل بہت کچھ بڑھ گیا ہے اور ان کے نمائندے حکومت کے انتظام اور قانون ساز جماعتوں میں شریک ہیں تقریباً ہر ملک خصوصاً مغربی ممالک میں بہت سی سیاسی پارٹیاں پیدا ہو گئی ہیں جو کتابوں اور اخباروں کے ذریعہ سے اپنے سیاسی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کرتی رہتی ہیں اس لئے سیاسی مسائل پر کتابوں کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ ہر ملک کے لٹریچر میں مہیا ہو گیا ہے اور چونکہ تقاضائے زمانہ کے مطابق لوگوں میں سیاسی ذوق بہت کچھ بڑھ گیا ہے اس لئے جو کتابیں ملکی سیاسیات پر لکھی جاتی ہیں وہ بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں

۴۔ **ادبی تصنیفات** کو بھی ہر ملک کے لٹریچر میں ہمیشہ سے ایک خاص درجہ حاصل ہے، کم و بیش ہر حلقہ میں مقبول ہیں اور رغبت و دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر زبان کے لٹریچر میں ان کا ذخیرہ زیادہ ہے اور شعراء و انشاء پرداز مسلسل اس ذخیرہ میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

۵۔ **علمی تصنیفات** ہر ترقی یافتہ زبان میں "علمی تصانیف" کا وجود ضروری ہے جو قوم جس قدر زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے اسی قدر اس کا لٹریچر ہر قسم کے علمی نوادر اور جواہر سے زیادہ معمور ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کی ذہنی ترقی اور علمی فضیلت و مرتبہ کے اندازے کا ذریعہ وہ علمی تصانیف ہیں جو اس قوم کے مصنفین کی کاوش و فکر کا نتیجہ ہیں۔

"علمی تصانیف" سے ہماری مراد وہ سب کتابیں ہیں جو مروجہ علوم و فنون مثلاً منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت وغیرہ کسی فن سے متعلق لکھی ہوں ان مروجہ علوم اور ان کی شاخوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے اس لئے علمی تصانیف کا ذخیرہ بھی روز افزوں ہے۔

مندرجہ بالا تقسیم سے واضح ہوتا ہے کہ مذہب، اخلاق، سیاست، ادب اور دوسرے علوم و فنون سے متعلق تالیف و تصنیف کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور جو لوگ کسی موضوع پر لکھنے کی تھوڑی بہت صلاحیت رکھتے ہیں وہ کچھ۔ کچھ

لکھتے رہتے ہیں اور اُن کی کتابیں اشاعت پذیر ہوکر ملک کے سامنے آتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ کتابیں سب کی سب اس قابل نہیں ہوتیں کہ پڑھی جائیں اور اُن سے استفادہ کیا جائے کیونکہ اُن میں رطب و یابس سب ہی کچھ ہوتا ہے لیکن بدقسمتی سے چونکہ ہمارے ملک کا علمی معیار ابھی پست ہے اس لئے یہاں ادنیٰ درجہ کی کتابوں کی بھی خوب ہی بہت کھپت ہو جاتی ہے اور پڑھنے والے انہیں پڑھ لیتے ہیں۔ مگر مطالعہ عموماً ایسا ہی مفید ہونے کے بجائے مضر ہوتا ہے کیونکہ ادنیٰ درجہ کی کتابیں عموماً غلط معلومات اور بے کار توہمات پر مشتمل ہوتی ہیں اور عوام چونکہ غلط و صحیح میں کچھ امتیاز نہیں کر سکتے اس لئے وہ ہر ایسی چیز کو جو کسی کتاب میں لکھی ہے صحیح سمجھ کر مان لیتے ہیں۔

ادنیٰ درجہ کی مبتذل و کم پایہ کتابوں کی اشاعت اُس وقت رک سکتی ہے جب ناظرین کا "معیارِ تعلیم" بلند ہو اور اُن میں مطالعہ کا صحیح ذوق پیدا ہو جائے، چنانچہ جن قوموں میں علوم و فنون کا رواج ہے اور علمی معیار بلند ہے وہاں اس قسم کی بازاری کتابیں بہت کم شائع ہوتی ہیں۔

عوام کا طبقہ اگرچہ ہر ملک میں ہے لیکن ترقی یافتہ قوموں کے عوام اپنی ذہنی صلاحیت و عام معلومات کے اعتبار سے ہمارے عوام سے بہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں، اس لئے وہاں عوام کے لئے جو کتابیں لکھی جاتی ہیں اُن کا معیار ہمارے یہاں کی بازاری کتابوں سے زیادہ بلند ہوتا ہے۔

ہندوستان کی علمی پسماندگی مسلّم ہے ابھی "ابتدائی تعلیم" کا بھی ملک میں عام رواج نہیں ہے وہیات و قصبات کا تو کیا ذکر، اچھے اچھے مرکزی شہروں میں بھی آبادی کا بڑا حصہ جاہل و ناخواندہ ہے اور جو لوگ خواندہ یا تعلیم یافتہ ہیں انہیں عموماً مطالعہ کا کوئی خاص ذوق نہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں بلند پایہ علمی کتابوں کی زیادہ مانگ نہیں اور اُن کے پڑھنے والوں کی تعداد محدود ہے، البتہ عامیانہ مضامین کی بازاری کتابیں جن سے ملک کا مذاق بگڑتا ہے اور ذہنی پستی پیدا ہوتی ہے زیادہ تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔

اس مصیبت کا اصلی علاج تو یہ ہے کہ ملک میں تعلیم کی اشاعت کے لئے کوشش کی جائے اور اس کا معیار بڑھایا جائے لیکن یہ ایک دن کا کام نہیں مسلمانوں کے تعلیمی لیڈر ۶۰-۷۰ برس سے اس کوشش میں مصروف ہیں لیکن ابھی تک پوری کامیابی نہیں ہوئی، لہٰذا بالفعل اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ جو کتابیں روز مرہ ہماری زبان میں شائع ہوتی ہیں اُن پر علمی نقطۂ نظر اور اخلاقی پہلو سے تنقید و تبصرہ کیا جائے تاکہ ہمارے عوام میں اچھے بُرے اور کھوٹے کھرے میں امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، اور جو کتابیں غلط واقعات و معلومات پر مبنی ہیں یا جن سے ملک کا مذاق بگڑتا ہے وہ بازار سے غائب ہو جائیں اور ہمارے مصنف و پبلشر جو ملک کے بگڑے ہوئے مذاق سے فائدہ اٹھا کر محض تجارتی مقصد سے کتابیں لکھتے اور شائع کرتے ہیں وہ "تنقید و نکتہ چینی" کی خوف سے آئندہ زیادہ احتیاط سے کام لیں۔

تصنیف کتابوں اور شعراء کے کلام پر تنقید و اظہارِ رائے کا دستور بہت پرانا ہے جو ہندوستان میں بھی رائج تھا یہاں جو کتابیں تالیف ہوتی یا چھپتی تھیں اُن پر مشہور اربابِ علم یا شعراء اپنی رائیں نثر و نظم میں لکھتے تھے جو عموماً کتاب کے آخر میں درج کی جاتی تھیں، نثر کی رائیں "تقریظ" کے نام سے موسوم ہوتی تھیں، اور منظوم رائیں عموماً ایک قطعہ کی صورت میں لکھی جاتی تھیں جن میں تصنیف و مصنف کی مدح و ستائش کے علاوہ آخری شعر میں کتاب کی "تالیف" یا "طباعت" کی تاریخ بھی نکالی جاتی تھی جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کتاب فلاں سنہ ہجری یا عیسوی میں تصنیف ہوئی یا چھپی، لیکن یہ تقریظیں یا تاریخیں تنقید و تبصرہ کی حیثیت نہیں رکھتی تھیں کیونکہ اس میں نہ کتاب کی کوئی خامی و غلطی بتائی جاتی تھی نہ ادبی حیثیت سے اس پر کوئی تنقید و نکتہ چینی کی جاتی تھی بلکہ عموماً کتاب و مصنف کی ایسی مبالغہ آمیز تعریف و ستائش کی جاتی تھی جس سے زیادہ ممکن نہیں،

مثلاً اگر طب کی کتاب ہے تو اس کے مصنف کو شیخ بوعلی سینا کا ہمسر بنا دیا جاتا تھا اور اگر کسی شاعر کا دیوان ہے تو صاحبِ دیوان کو کم از کم انوری و خاقانی کے مرتبہ پر پہنچایا جاتا تھا۔ بس الفاظ کا ایک طلسم ہوتا تھا جس کی بندش و آراستگی میں انشاء پردازی کا پورا زور صرف کر دیا جاتا تھا، لیکن پوری تقریظ یا تاریخی قطعہ پڑھنے کے بعد بھی کتاب کی حقیقت اور اس کے مضامین و مطالب کی نوعیت آپ پر مخفی رہتی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں جب کوئی کتاب لکھی جاتی یا کوئی دیوان مرتب ہوتا تھا تو مصنف و شاعر کے صاحبِ علم دوستوں کا یہ اخلاقی فرض ہوتا تھا کہ کتاب یا دیوان پر کوئی تقریظ یا تاریخی قطعہ لکھیں جس میں اپنی قابلیت کا پورا زور صرف کر دیں۔

اب سے ۲۵-۳۰ سال پہلے کی چھپی ہوئی کتابیں دیکھئے تو ان کے آخر میں اس قسم کی تقریظیں، اور تاریخی قطعات کثرت سے ملیں گے جن میں لوگوں نے اپنی قابلیت و ذہانت اور زورِ طبیعت کے نمونے پیش کئے ہیں، لیکن علم و فن کی ترقی کے لئے تنقید و تبصرہ کا یہ طریقہ کچھ بھی مفید نہیں ہے، البتہ گزشتہ زمانے کے مشہور علماء و ناقدین نے اپنے ہمعصر مصنفین کی کتابوں پر مذہبی یا ادبی حیثیت سے جو تنقیدیں کی ہیں وہ بے شبہ مفید ہیں، اور اُن کے پڑھنے سے ناظرین کو غلط اور صحیح میں امتیاز کرنے کا موقع ملتا ہے۔

غرض کتابوں پر تنقید و نکتہ چینی کا سلسلہ ایک مدتِ دراز سے جاری ہے، البتہ موجودہ زمانہ میں اس کی نوعیت بدل گئی ہے، اب محض کتاب کی تعریف و توصیف نہیں کی جاتی بلکہ اُس کی غلطیاں و خامیاں بھی دکھائی جاتی ہیں جو بجائے خود ایک مفید طریقہ ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض اوقات ناقدین اس معاملہ میں دیانت و انصاف سے کام نہیں لیتے، اور خارجی اثرات یا مذہبی و سیاسی جذبات سے مغلوب ہوکر اپنے ہمعصر مصنفین کی کتابوں پر ایسے انداز سے نکتہ چینی

خطبۂ صدارت شعبۂ معاشیات و اصلاح معاشرہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

از نور الرحمٰن صاحب فیڈریشن آف مسلم چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری دہلی

مسلمانوں کی کچھ تاریخی روایات اور قومی خصائل بھی ہیں۔ اُن کی معیشت بھی خاص سانچے میں ڈھلی ہے اور ان کے رسم و رواج اور طور طریقے بھی مخصوص ہیں۔ مثلاً عام بات ہے کہ وہ اخراجات پر قابو نہیں پاتے اور اُن کو حدود میں نہیں لا سکتے۔ اس لئے بالعموم اُن کی روزمرہ زندگی میں فیملی بجٹ یا گھر کے آمد و خرچ کا تخمینہ اور اس کا اصول معین نہیں ہوتا۔ جس قوم کا یہ حال ہو اُس کو صنعتی یا معاشی انقلاب کی دعوت دینے سے پہلے خود اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہئے اور میرے نزدیک مسلمانوں کی معاشی ترقی کی پہلی منزل گھر کی چار دیواری ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ میری اور آپ کی ضروریات کا یہی تقاضا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ معاشی زندگی کی ترقی اور اس میں کامیابی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس راہ کی دشواریوں سے پوری طرح واقفیت حاصل کی جائے اور استادوں سے علم المعیشت کے اصول سمجھنے کی بجائے زندگی کے عملی تجربہ سے سبق حاصل کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "آمدنی اور خرچ میں میانہ روی معاشی زندگی کی کامیابی کا نصف حصہ ہے"۔ فیملی بجٹ یا خاندانی میزانیہ کی ضرورت اور اہمیت کو اب تک ہندوستان میں پوری طرح نہیں سمجھا گیا ہے اور عام طور پر اس کا کوئی تصور بھی قائم نہیں ہوا حتیٰ کہ گورنمنٹ نے بھی آج سے دو سال پہلے تک کبھی توجہ نہیں کی تھی۔ لیکن جولائی ۱۹۴۲ء میں ایک مختصر کمیٹی کا تقرر اس مقصد سے کیا گیا ہے کہ بعض مخصوص مرکزی مقامات کے لئے ہر صوبہ میں مزدوروں کی ضروریات خانہ داری کی قیمتوں کا جائزہ لے کر گوشوارہ بنایا جائے اور ہر ہفتہ قیمتوں کے فرق کا اندراج کیا جائے جس سے اُن کے اخراجات اور مزدوری کا تناسب قائم کیا جا سکے۔

غالباً گورنمنٹ نے اس مسئلہ پر توجہ اپنی خاص مصلحتوں کی وجہ سے کی ہے اس لئے کہ محض اس کمیٹی کے قیام سے یا اس کے محدود دائرہ عمل سے عام لوگوں کی بھلائی کا کوئی کام نہیں ہو سکتا اور نہ دوسرے ممالک میں اُن اشیاء کی جو روزمرہ کی ضروریات میں استعمال ہوتی ہیں قیمت کا اندازہ محض دو چار صنعتی کارخانوں کے مزدوروں کی ضروریات سے کیا جا سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج ہندوستان کی موجودہ گرانی اور عام پریشانی کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا دشوار ہو گیا ہے۔ بعض لوگ اس کو محض جنگ کے عارضی اثرات کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قیمتوں کے اضافے [illegible] کا دور دورہ ہے۔ بعض کے نزدیک راجح ملک میں چونکہ غیر معمولی صنعتی ترقی ہوئی ہے یہ اس کا اثر ہے۔ لیکن اگر واقعات کی روشنی میں دیکھئے تو حقیقت کچھ اور ہی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً حالات موجودہ میں جب کہ انگلستان میں اخراجات زندگی کے انڈکس میں ۲۵ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے اور امریکہ میں صرف ۱۵ فی صدی۔ ہندوستان کے بعض حصوں میں ۲۰۰ فی صدی کا اضافہ پایا جاتا ہے۔ اور بعض مقامات پر ۳۰۰ فی صدی تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

اس کے علاوہ ضروریات زندگی جو ہر طبقہ اور جماعت میں مختلف ہیں اُن کا صحیح اندازہ اب تک نہیں کیا گیا۔ اور نہ ضروریات کے اختلاف اور اہمیت کا لحاظ رکھا گیا۔ مختصر یہ کہ جو فائدہ اس ملک کے عام باشندوں کو اس [illegible] سے ہونا چاہئے وہ حاصل نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے جب تک کہ صحیح معنوں میں وسیع پیمانہ پر اعداد و شمار حاصل کر کے قیمتوں اور ضروریات کا تناسب قائم کیا جائے اور ہر طبقہ و جماعت کے لئے جداگانہ اصول بنائے جائیں جن کی بنیاد پر عام لوگوں کی رہنمائی کی جا سکے۔

دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان کے عہد صنعتی دور کا گھریلو صنعتوں پر کیا اثر ہوگا؟ اور مسلمانوں کی معاشی زندگی کا اس سے کیا تعلق ہے؟ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ صنعت و حرفت کی ترقی جنگ کے بعد اور زیادہ وسیع پیمانہ پر ہوگی۔ اور ملک کے ہر گوشہ میں اس کے آثار اور نتائج ظاہر ہوں گے۔ بجلی کی طاقت اور آمد و رفت کی سہولت سے عظیم الشان کارخانوں اور جدید صنعتوں کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ اُن حالات میں چھوٹے کارخانوں اور ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگروں کو اپنے وجود کو قائم رکھنا اور اپنے لئے جدید اقتصادی نظام میں کھپائی کا راستہ تلاش کرنا دشوار کام ہوگا۔ چونکہ گھریلو صنعت، دستکاری اور چھوٹے [illegible] میں مسلمان کثرت سے کام کرتے ہیں اور ان کا تعلق معاشی زندگی کے اس جزو سے بہت قدیم ہے اور مختلف حیثیتوں میں قائم ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ اُن کی خاص توجہ کا محتاج ہے۔

درحقیقت صنعتی ترقی کا یہ لازمی نتیجہ نہیں ہے کہ گھریلو صنعت اور چھوٹے کارخانے فنا ہو جائیں۔ دوسرے ممالک مثلاً جاپان، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ نے اس مسئلہ کا حل کامیابی کے ساتھ کیا ہے۔ اگرچہ ہر ملک میں جداگانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ جاپان نے گھریلو صنعت کو بڑے کارخانوں کے ساتھ وابستہ کر دیا اور سویڈن میں انجمنہائے اتحاد باہمی نے وہ نتائج پیدا کئے کہ صنعتی دور کی وسعت کے باوجود چھوٹی دستکاری میں بجلی کی تیز رفتاری اور بڑے کارخانوں کی وسعت پیدا ہو گئی۔

ہندوستانی دستکاری کی شہرت تمام دنیا میں ہے اور مختلف ممالک میں بڑی قدر و منزلت سے دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے باوجود صنعتی اور مشینی دور کے اس کا وجود اور اس کی قدر قائم رہ سکتی ہے بلکہ اس میں خاطر خواہ اضافہ اور ترقی بھی ممکن ہے۔ ایک جاپانی کا مقولہ ہے کہ "ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ہم اپنی اس بڑائی سے جو چھوٹی چیزوں میں ہم کو حاصل ہے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان کی انگلیاں اب بھی دنیا کی مشین سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اور اگر جاپانیوں کی چالیس کروڑ انگلیاں پوری طرح کام پر لگائی جائیں تو ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ وہ صنعتی ترقی میں کتنا بڑا انقلاب پیدا کر سکتی ہیں۔ وہ وقت بھی آ سکتا ہے کہ ہم اپنی انگلیوں کے پوروں سے تمام دنیا کو شکست دے دیں"۔

حضرات! جاپان نے چالیس کروڑ انگلیاں گنائی ہیں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں آٹھ

کی تعداد دس گنی زیادہ ہے۔

ہندوستان میں چھوٹی صنعت کے تحفظ اور ترقی کے لئے دو طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو بڑے کارخانوں سے وابستہ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ امداد باہمی کے اصول پر ان کی موجودہ اور آیندہ پیش آنے والی دشواریوں کا حل کیا جائے۔ اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ چھوٹے کارخانوں اور گھریلو صنعتوں پر وقت ضائع کرنے کی بجائے مسلمانوں کو بڑے اور بہت بڑے کارخانے قائم کرنے چاہئیں۔ اور اس کی دلیل یہ بتائی جاتی ہے کہ دوران جنگ میں تجارت پیشہ لوگوں اور صنعتی کارخانوں کے مالکوں نے اس قدر دولت پیدا کرلی ہے اور روپیہ کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ جو سرمایہ دار دس پانچ ہزار کے تھے اب لاکھ دو لاکھ پر پہنچ گیا ہے۔ اس لئے بعد جنگ جو کارخانے قائم ہوں گے وہ اتنے بڑے پیمانہ پر قائم ہوں گے کہ اُن کی حیثیت موجودہ کارخانوں کے مقابلہ پر ہزار ہا درجہ زیادہ ہوگی اور ان کا سرمایہ بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔ اگر یہ بات دل کو لگتی ہے اور واقعی بے وزن بھی نہیں ہے تو پھر سوچئے کہ مسلمان اس سربفلک عمارت اور صنعتی نظام کے مقابلہ میں محض اپنے بل بوتے پر کہاں تک اور کس حد تک کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ اندیشہ یہ ہے کہ اگر اسی نظام کے ماتحت انھوں نے بھی قدم اٹھایا تو وہ اتنی بلندی تک نہ پہنچ سکیں گے جس پر پہنچے بغیر اُس وقت کامیابی کا امکان نہ رہے گا۔ لیکن اگر اوسط درجہ کے کارخانے گھریلو صنعت اور قدیم دستکاری باقی رہے تو مسلمان اس سربفلک عمارت میں بھی اپنے لئے جگہ پیدا کرسکتے ہیں۔ اور جدید ترقی یافتہ نظام سے بھی اپنے مفید و بھرپور فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

آپ صاحبوں نے کانفرنس کے اس اجلاس میں سنٹرل ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن کی رپورٹ کا جس کو سارجنٹ رپورٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کافی ذکر سنا ہوگا۔ اس رپورٹ میں ایک اہم بحث پر قابل غور ہے جس کو میں یہاں نقل کرتا ہوں۔

"گزشتہ پچیس سال میں نہایت آسانی سے یہ فرض کرلیا گیا۔ اور وہ لوگ بھی جو چھوٹی صنعتوں کے غارت ہونے پر سماجی حیثیت سے بیدا افسوس کرتے ہیں یا ماننے لگے کہ چھوٹی تجارت اور گھریلو صنعت کو بڑے صنعتی کارخانے یقیناً فنا کردیں گے۔ لیکن زمانہ حال کے جو طریقے عمل تقسیم اور منڈیوں میں خرید و فروخت کے ہیں اُن سے یہ امید ہوتی ہے کہ اُن ملکوں میں بھی جہاں صنعتی ترقی درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے، چھوٹے کارخانے باقی رہ سکتے ہیں اور اپنے مدمقابل یعنی بڑے سرمایہ داروں کے باوجود ترقی بھی کرسکتے ہیں۔"

دستکاری اور گھریلو صنعتوں کے تحفظ کے لئے دونوں طریقے جو تحریر کئے گئے ہیں مزید وضاحت چاہتے ہیں اور وہ اُس وقت تک یقین کا درجہ حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ ان مسائل کے متعلق ضروری اور تفصیلی معلومات حاصل نہ کی جائیں اور ان پر عملی اور فنی حیثیت سے نظر نہ ڈالی جائے اور ایسا کئے بغیر چارہ ہی نہیں لیکن اس کام کو ہاتھ میں لینے کے یہ معنی ہیں کہ مسلمان تاجر پیشہ جماعتوں کی تشکیل ہو اور اُن کے ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو تجارتی صنعتی اور معاشی مسائل کے حل کرنے پر پوری توجہ سے مستعد ہوں۔

ایوان تجارت یا چیمبر آف کامرس جن کے قیام کی ضرورت ابھی ظاہر کی گئی اپنی اہمیت کے اعتبار سے موجودہ دور میں غیرمعمولی درجہ رکھتے ہیں اور اب ہندوستان میں بھی اُن کے وجود کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے انگریز تاجروں نے اس طرف توجہ کی اور ۱۸۳۴ء میں بنگال چیمبر آف کامرس کلکتہ میں قائم ہوا اور ۱۹۲۱ء میں لندن چیمبر آف کامرس نے ایک شاخ ایسٹ انڈیا سیکشن کے نام سے اپنے چیمبر میں اضافہ کیا۔ ان اداروں کے کام کی وسعت اور تفصیلات کے بیان کو جداگانہ تصنیف درکار ہے۔ اتنا سمجھ لیجئے کہ انگلستان اور ہندوستان کے تاجر دوسرے ملکوں اور انگلستان کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں، لیکن ان کی شرح قیمت لندن میں مقرر ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ حکومت ہند کی مالیہ پالیسی کی باگ بھی لندن کے بیوپاریوں کی اس مختصر جماعت کے ہاتھ میں ہے تو قطعاً بیجا نہ ہوگا۔ اگرچہ بظاہر ایک دوسرے کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ غرض تجارت، کاروبار اور صنعت و حرفت کے میدان میں اگر قدم رکھنا ہے تو شرط اول یہ ہے کہ وسیع معلومات، صحیح حالات اور معتبر اعداد و شمار سے کام لیا جائے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ آپ کے تجارتی ادارے ہوں اور با اثر چیمبر آف کامرس اور ٹریڈ ایسوسی ایشن قائم کئے جائیں۔

خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں نے اس کام کی ابتدا کردی ہے۔ اور ۱۹۳۲ء میں کلکتہ اور بمبئی اور پھر چٹاگانگ، مدراس اور اب بمبئی، لاہور اور کراچی میں مسلم چیمبر آف کامرس قائم ہوگئے ہیں اور دوسرے صوبوں اور بعض اہم تجارتی مقامات پر بھی جلد اس قسم کے ادارے قائم ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

تجارت اب ایک وسیع علم ہے اور اس کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں ایک درسی اور دوسرا عملی۔ افسوس کہ مسلمانوں نے اس علم کی طرف اب تک پوری توجہ نہیں کی۔ اور ہماری درسگاہوں اور یونیورسٹی بلکہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے بھی اس اہم ضرورت سے ناروا غفلت برتی ہے حالانکہ تجارتی نصاب جیسا کہ یونیورسٹیوں میں منظور کیا گیا ہے ہر کالج اور اسکول میں آسانی کے ساتھ جاری کیا جاسکتا ہے۔ نہ اس کے لئے ڈاکٹری انجنیرنگ اور سائنس کی طرح بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے اور نہ اس میں آلات اور معمل گاہوں کی احتیاج ہے۔ یہ کام ہماری قومی تعلیم کے رہنماؤں کا ہے کہ وہ اس جانب متوجہ ہوں اور اس کمی کو بغیر مزید تاخیر کے پورا کریں۔

حضرات! مسلمان اپنی صحبت اور گفتگو میں یہ نوحہ کرتے ہیں کہ نہ مسلمانوں کے بنک ہیں نہ صنعت و حرفت کے بڑے کارخانے ہیں نہ مسلمان نوجوان تجارتی دفتروں میں بڑے مرتبہ پر نظر آتے ہیں۔ یہ صحیح ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ترقی کے دروازے ہر طرف بند ہیں، دوسروں سے امداد ملنا تو بہرحال دشوار ہے خود ہمارا ہی یہ حال ہے کہ صنعت اور دور جدید کی

ترقیات میں ہمارا حصہ بہت کم ہے اور قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی باہمت کھڑا بھی ہو جائے اور یہ ارادہ کرے کہ مسلمانوں کے بنک فائنانس کارپوریشن اعلیٰ کیمیاوی کارخانے اور بڑے صنعتی تجارتی کاروبار قائم کئے جائیں تو اس کو کامیابی نظر نہیں آتی۔ مسلمان قوم میں تجربہ کار محاسب منتظموں کا علم رکھنے والے انجینیر کیمیاوی اور علوم طبعی کے ماہرین کو صنعت و حرفت میں دخل ہو کہاں ہیں؟ کتنے کارخانے ہیں جہاں مسلمان تعلیم یافتہ نوجوان بطور اپرنٹس کام کرتے ہیں اور کتنے وہ نوجوان ہیں جنھوں نے صنعت و حرفت یا تجارت کے کام میں ابتدائی منزل سے اعلیٰ مدارج تک کامیابی کے ساتھ ترقی کی ہو۔ اصل کمی سرمایہ کی نہیں ہے بلکہ کارکردہ اور ٹرینڈ آدمیوں کی ہے جن کو کام پر لگایا جا سکے۔ اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے بہترین تعلیم اور مکمل ٹریننگ کی ضرورت ہے جس کا انتظام وسیع پیمانہ پر کئے بغیر چارہ نہیں۔

حضرات! مجھے اعتراف ہے کہ چند صفحات میں ہندوستان کے معاشی مسئلہ کی حقیقت یا اس کے اہم مباحث کو واضح کر دینا ممکن نہیں اور نہ اس مختصر بیان میں اس کی کوشش کی گئی۔ البتہ بعض ایسے مسائل جن کا مسلمانوں کی قومی زندگی سے واسطہ ہے اور جن کے سمجھنے یا نہ سمجھنے پر اُن کی معاشی حیثیت کا انحصار ہے، آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں۔

ان میں سب سے اہم مسائل یہ ہیں۔

(۱) فیملی بجٹ یا خاندانی میزانیہ کا رواج،
(۲) گھریلو صنعتوں کا تحفظ،
(۳) طریقہ امداد باہمی کا اجرا،
(۴) تجارتی اور صنعتی تعلیم کا انتظام اور
(۵) تجارتی انجمنوں کے قیام کی ضرورت،

لیکن واضح رہے کہ محض اظہار و بیان سے کوئی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی اور نہ صرف گفت و شنید سے معاشیات کی دنیا میں کامیابی ہے۔ اگر واقعی کامیابی مقصود ہے تو اس کا واحد ذریعہ عمل مسلسل اور پیہم عمل ہے اور میری دعا ہے کہ ہماری قوم عمل کے میدان میں قدم اٹھائے اور زندگی کے اُن تصورات اور خیال کی اُس دنیا سے جس میں وہ اب تک اپنے قوائے عمل کو معطل کرنے میں مصروف رہی الگ ہو کر کام کی راہ کو سمجھے اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہو۔

اسلامی کلچر اور فلمساز کمپنیاں

ایک عرصہ سے ہم فلمساز کمپنیوں کے اس دل آزار اور خطرناک رویہ کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے ہیں جو عام طور پر اسلامی تہذیب اور مسلمانوں کے کلچر پر براہ راست اثر انداز ہو رہا ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلامی دنیا اس بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کب اور کیونکر کرے گی اور وہ کونسا مبارک دن ہوگا جب کوئی اسلامی ادارہ ایک ایسا محکمہ "دار الاحتساب" قائم کرے گا جس کی آواز میں انگاروں کی سی حدت اور بجلی کی سی تڑپ ہوگی اور جو بیک وقت مارکان [illegible] فلم کے دلوں کو ایک تڑپ و ہلا دے گی اور دوسری طرف اُن تعلیم یافتہ و نیم تعلیم یافتہ لوگوں کی آنکھوں میں چنگاریاں بھر دے گی جو نہایت کم اور نا [illegible] زیادہ فلموں کو دیکھ کر [illegible] محبت و عزیزی سے پیدا ہوئی [illegible] گونگے انسان کی طرح [illegible] صرف کر رہے ہیں جیسے سب کچھ دکھائی [illegible] گویا کچھ نظر نہیں آتا۔ اور زبان رکھتے ہوئے بھی وہ اپنی تہذیب و تمدن اور زبان وغیرہ پر تیشے چلتے [illegible] دیکھ کر اس کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالتا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بنا پر ملک کا ایک بڑا طبقہ تصویر بینی کو اس قدر ضروری سمجھنے لگا ہے کہ بغیر اس غارت گر مشغلہ سے تفریح اور تضییع اوقات کے وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو ویران اور اپنے ہر گوشہ کو سنسان خیال کرتا ہے۔ اس گرانی اور عام پریشانی کے زمانہ میں بھی شاید ہی کوئی سینما ہال ایسا ہو جو مسلمانوں کے جمگھٹوں سے محروم رہتا ہو، نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی اس طرز تفریح کی اس قدر دلدادہ ہوگئی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اس میں صرف عورتوں کی خطا نہیں بلکہ مردوں کا بھی قصور ہے اور ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نوجوان اور ناعاقبت اندیش شادی شدہ طبقہ عورتوں کو اس فعل قبیح کو روکنا تو درکنار خود انھیں شوق دلاتا اور اُن کی راہ میں آسانیاں پیدا کرنے کا مجرم ہے۔

اور نیا دار تو بعض قدیم زمانہ کے بزرگ بھی اپنی نوجوان اور کمسن لڑکیوں اور بہوؤں کو ان کے نگراں بن کر سینما ہال تک پیدل لے جاتے اور کھیل دکھا کر واپس لاتے ہیں۔ آثنائے راہ میں خوش حال، بیباکیاں، مارک [illegible] اور [illegible] جوان طالبعلموں سے سرزد ہوتی ہیں اور یہ بڑے میاں کے سفید ڈاڑھی [illegible] انسان جس سعادت مندی سے ان کے [illegible] پیچھے سر جھکائے سب کچھ برداشت کرتے ہوئے چلتے ہیں وہ دیکھنے کا [illegible] منظر اگر آپ نے کبھی دیکھا ہوگا تو یقیناً شرم و ندامت سے گردن جھک گئی ہوگی۔ یہ [illegible] قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو خود ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں۔

[illegible] اخلاق [illegible] باوجود [illegible] آخر کیوں؟ [illegible] اپنی [illegible] اپنے تمدن [illegible] اپنی روزمرہ کی زندگی میں [illegible] [illegible] انھیں [illegible] محسوس نہیں ہوتی [illegible] کے [illegible] اور اخلاق سوز کہانیاں کی گھریلو زندگی میں بالکل اسی طرح پیش کئے گئے ہیں جیسے عموماً غیر مسلموں کی طرف ظاہر کئے جاتے ہیں۔

اگر اسلامی طبقہ اس قسم کی فلمی کمزوریوں کو شدت کے ساتھ محسوس کر کے ناخوش کر دے اور اس کے خلاف اپنے غم و غصہ کا مظاہرہ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ زمانہ موجودہ کی ہندو فلمی صنعت مسلمانان ہند کی تہذیب اور ان کے تمدن کے حق میں زہر افشانیاں اور نمک پاشیاں ترک نہ کر دے لیکن یہ سب کمزوری خود ہماری ہی ہے کہ ہم ہر اس چیز کو تریاق کا گھونٹ سمجھے ہوئے ہیں جو درحقیقت زہر ہلاہل ثابت ہونے والی ہے۔ اگر ہم میں بیداری

کی روح پیدا ہو جائے تو برادران وطن ہماری تہذیب و تمدن کو نہ مٹا سکتے ہیں اور ہمارے مذہب کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ جو ہی نہ مانا ہم اور آپ دونوں دیکھ رہے ہیں۔ تقریباً تین سال سے کان پور کے بعض نوجوان "مسلم سینما کنٹرول بورڈ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کئے ہوئے ہیں مگر معلوم نہیں کہ اب تک وہ اس سلسلہ میں کیا کر چکے ہیں اور آئندہ کے لئے ان کے نقطۂ نظر کیا ہیں۔ کا ہو گئے۔ نوجوانان ملت اسلامیہ کی ... روی ... طریقہ پر منظر عام پر لائیں تو کوئی ... چہ نہیں ... آئندہ ... اشاعت ... ہمارا مشورہ ہے کہ ... کے اس ادارہ کی طرح اہل لکھنؤ، دہلی، آگرہ، لاہور اور دیگر خاص خاص مقامات ... اس سیلاب کے مقابلہ کے لئے ادارے قائم کریں اور اپنی حمیت دینی کا ثبوت دیں۔ ورنہ موجودہ زمانہ کی بیہودہ فلمیں جو زہر ہماری رگوں میں بڑی ہوشیاری اور چابکدستی کے ساتھ داخل کر رہی ہیں اس کا کوئی علاج ممکن نہ ہوگا۔ اگر اس قسم کی مخرب اخلاق فلموں کا دیکھنا مسلمان ترک کر دیں جن میں ان کی تہذیب و تمدن اور مذہب پر کوئی خلاف رنگ چڑھایا گیا ہو تو ان بدعتوں کی خو و بو دور ہو سکتی ہے اور بہت جلد اصلاح ہو سکتی ہے۔ جو مالکان فلم اس وقت محسوس نہیں کر رہے ہیں وہ مجبور ہوں گے کہ مسلمانوں کے جذبات کو خواب میں بھی پامال نہ کریں۔

(حق لکھنؤ)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فوجی تربیت گاہ

آکن لک انسٹی ٹیوٹ آف ملٹری ٹریننگ

اپیل از لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

قوموں کی قسمت کا فیصلہ ان کی عسکری قوت پر منحصر ہوتا ہے چنانچہ مسلم یونیورسٹی سے جو ہندوستان میں مسلم نوجوانوں کی ذہنی تربیت کا واحد ادارہ ہے اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے یہ فوجی تربیت گاہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

۵۔ مارچ ۱۹۴۴ء کو ہز ایکسیلنسی کمانڈر انچیف علی گڑھ تشریف لائے۔ تشریف آوری کی یادگار میں یہ قرار پایا کہ مسلم یونیورسٹی میں آکن لک انسٹی ٹیوٹ آف ملٹری ٹریننگ کے نام سے فوجی تربیت کا ایک ادارہ قائم کیا جائے۔ یہ ادارہ یونیورسٹی کے شعبہ جات سائنس کا ایک مستقل جزو ہوگا۔ یونیورسٹی نے اب تک اپنی جنگی سرگرمیوں کو مختلف طریقوں سے وسیع دی ہے۔ ایک بریگیڈ ٹریننگ سکول، فضائی تربیت کا ادارہ، انجینئرنگ ٹریننگ اسکول، افسروں کی تربیت گاہ، ملٹری سائنس کا ایک مستقل شعبہ اور فوجی ماسٹروں کی تربیت کا انتظام ... عمل میں آ چکا ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام جنگی سرگرمیوں میں اشتراک عمل پیدا کرنے کے لئے ملٹری سائنس کا ایک ادارہ کھولا جائے جو ان تمام کاموں کا مرکز ہوگا جو کسی نہ کسی طرح جنگی سرگرمیوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ ادارہ ایک ڈائرکٹر کے ماتحت کام کرے گا جو کم سے کم کرنل کے عہدہ پر فائز ہوگا۔ اس ادارہ میں فوج کی مختلف ملازمتوں اور مختلف شعبوں میں جانے والوں کی ابتدائی تربیت کا انتظام ہوگا جو صرف بری فوج کے لئے قومی اور عمدہ وار مہیا نہ کریں گے بلکہ بحری اور فضائی فوج اور اس کے علاوہ وہ تمام انتظامی امور جن میں ذرائع نقل و حمل، دفتروں کا مہیا کرنا اور محفوظ رکھنا جو جنگی ضروریات کے لئے ناگزیر ہیں۔ ہمارے دائرۂ عمل میں شامل ہوگا۔ یہ ادارہ فوجی کارروائی کے متعلق اطلاع رسانی کا ایک مرکز ہوگا۔ اور وہ تمام اطلاعات جو محکمۂ فوج کے پبلک ریلیشن آفس اور جنگی سیاسیوں کے دوسرے محکمہ جات نشر و اشاعت سے موصول ہوں گی۔ اس ادارہ کے ذریعہ سے زیادہ سرعت اور زیادہ مؤثر طریقہ پر نشر کی جا سکیں گی۔

اس ادارہ کا نقشہ خاکہ اور تخمینہ نواب زین یار جنگ بہادر نے تیار کیا ہے جو حکومت سرکار نظام کے مشہور ماہر تعمیرات ہیں۔ اس عمارت کے نقشے عطیہ دینے والے حضرات کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ یہ ادارہ تمام شعبوں میں فوجی بھرتی کی ترقی و اضافہ میں معاون ہوگا اور اس کے ساتھ جنگ کے بعد ہونے والے ملک کے تعمیری تعلیمی پروگرام میں بھی اہم حصہ لیگا۔ جنگ کے بعد بھی اس ادارہ میں ان مختلف جنگی ملازمتوں کے لئے امیدوار مہیا کئے جائیں گے جو اس وقت کے حالات کے مطابق بروئے کار آئیں گے۔ یہ امیدواروں کو براہ راست بھی تربیت دے گا۔ اور ان امیدواروں کی تربیت میں بھی نمایاں حصہ لے گا جو دوسرے اسکول میں جانا چاہیں گے جہاں بری، بحری اور فوجی افسروں کی تربیت ہوتی ہے۔

تعمیری اور ضروری سامان کی فراہمی کے لئے جس میں بجلی اور آبرسانی کا بھی انتظام شامل ہے تقریباً ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی اور مجھے کامل یقین ہے کہ جو لوگ جنگی سرگرمیوں میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کے عطیوں سے یہ رقم فراہم ہو جائے گی۔ جو حضرات دس ہزار روپیہ یا اس سے زیادہ کا عطیہ دیں گے انسٹی ٹیوٹ کی عمارت کے ایک کمرہ پر انکے نام کی لوح نصب کر دی جائے گی اور وہ کمرہ ان کے نام سے موسوم ہوگا ان تمام حضرات کے اسمائے گرامی کی لوح جو ۵۰۰ روپیہ یا اس سے زیادہ کا عطیہ دیں گے ایک مرکزی ہال میں نصب کر دی جائے گی۔ جس طرح اسمائے معطیان اسٹریچی ہال میں نصب ہیں۔ مجھے یہ اعلان کرنے میں بڑی مسرت ہے کہ سرمایہ جمع کرنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے اور جس وقت ہز ایکسیلنسی کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جا رہا تھا سر ... نے از راہ کرم دس ہزار کے گرانقدر عطیہ کا اعلان فرمایا اور میرٹھ کے خان صاحب شیخ عبدالرشید صاحب نے کمال مہربانی ۲۵۰۰ کی رقم عطا فرمائی ہے یہ امر باعث امتنان ہے کہ کشتبلیہ اور ... کی بیگم نے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیڈی آکن لک کوارٹر ماسٹر جنرل اور ماسٹر جنرل آف آرڈیننس ہز ایکسیلنسی کمانڈر انچیف کے ورود کے موقع پر تشریف نہیں لائے تھے لیکن امید کی جاتی ہے کہ اس ادارہ کی رسم افتتاح لیڈی آکن لک اور ان حضرات کی موجودگی میں انجام پذیر ہوگی مجھے امید ہے کہ وہ تمام حضرات جو فوجی تربیت سے دلچسپی رکھتے ہیں اس اہم موقع پر تشریف

...لئے ہے۔ اس سرٹیفیکیٹ کی تفصیلات کا ذکر اس سپاس نامہ میں موجود ہے جو ہزاکسی لینسی کمانڈر انچیف کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور جس کی ایک مثل منسلک ہے۔ تمام چندہ براہ راست وائس چانسلر کے نام ارسال کیا جائے اور اس کے ساتھ ایک خط شامل ہو جس میں صاف طور پر یہ مذکور ہو کر یہ چندہ آکن لک انسٹی ٹیوٹ آف ملٹری ٹریننگ کے لئے ہے۔ چیف اکاؤنٹنٹ صاحب مسلم یونیورسٹی سے باقاعدہ رسید مع وائس چانسلر صاحب کے خط کے تمام معطیان کی خدمت میں ارسال کی جائے گی۔

جدید تصانیف پر انتقاد و نکتہ چینی

(بقیہ مضمون صفحہ ۲ کالم ۳ کا)

کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد علمی تحقیقات یا فن کی ترقی نہیں ہے بلکہ اپنی قابلیت کا بے موقع اظہار اور مصنف کو رسوا کرنا مقصود ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی تنقیدیں علمی نقطۂ نظر سے ذرا بھی مفید نہیں بلکہ نہایت مضر اور لائق اجتناب ہیں،

اس طرح کی نکتہ چینیاں زیادہ تر مذہبی ادبی اور تاریخی کتابوں پر کی جاتی ہیں، مذہبی تصنیفات پر جو تنقید و نکتہ چینی کی جاتی ہے وہ مناظرہ و مجادلہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور نکتہ چین مذہبی تعصبات سے اس قدر مغلوب ہو جاتا ہے کہ تہذیب و شائستگی کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، لیکن وہ بجائے خود یہ سمجھتا ہے کہ اس نکتہ چینی سے میں ایک مذہبی فرض انجام دے رہا ہوں،

اسی طرح ادبی تصنیفات اور شعراء کے کلام یا تاریخی کتابوں پر بھی ہمیشہ بے لاگ طریقہ سے نکتہ چینی نہیں کی جاتی بلکہ یہاں بھی جذبات و تعصبات کارفرما نظر آتے ہیں، لیکن بظاہر اسے ادبی خدمت و علمی تحقیق قرار دیا جاتا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس قسم کی "تنقید" کا ہمارے یہاں رواج ہے وہ افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ تفریط یا تنقید پڑھنے کے بعد بھی لوگ کسی صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچتے اور حقیقت بدستور مستور رہتی ہے۔

بچوں کی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ حل ہو گیا

آپ اپنے بچوں کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی تیار کردہ اردو ریڈریں پڑھائیے جو خاص ان کے لئے اسلامی اور مشرقی نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں اور ان کے تمام اسباق ایسے مضامین پر مشتمل ہیں جو مسلمان بچوں کے لئے ہر لحاظ سے ضروری اور کارآمد ہیں۔ ان ریڈروں کو پڑھ کر مسلمان بچے نہ صرف اپنی زبان سے واقف ہوں گے بلکہ اسلامی و مشرقی اخلاق و آداب بھی سیکھیں گے۔ ریڈروں کی زبان نہایت آسان ہے۔ فقرے چھوٹے چھوٹے اور انداز بیان اس قدر دلنشین ہے کہ بچے ان کو نہایت شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ فی الحال ان ریڈروں کے دو حصے تیار ہیں۔ ایک حصۂ اول کے لئے دوسرا حصۂ دوم کے لئے۔

قیمت حصہ اول — ۳ر اور حصۂ دوم ۶ر

بالکل مفت

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا لٹریچر جو صاحب پڑھنا چاہیں وہ اپنے شہر کے کم از کم پچیس اہل علم اصحاب کے پورے نام اور پتے لکھ کر بھیج دیں ان کو یہ لٹریچر دفتر ہی سے محصول لگا کر بھیج دیا جائیگا۔

ملنے کا پتہ:۔ صدر دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ،

کلکتہ کی ایک خبر مظہر ہے کہ حکومت ہند نے حکومت بنگال کو دس کروڑ روپیہ کی مالی امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ مالی امداد اس لئے دی جا رہی ہے کہ اس نے ۱۹۴۳ء میں قحط پر بہت بڑی رقم خرچ کی ہے۔

لڑکیوں کو ہنرمند بنانے والی کتابیں

اگر آپ کو کھانے کا شوق ہے اور آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے گھر میں ہر قسم کا کھانا اعلیٰ درجہ کا لذیذ اور خوش ذائقہ پکے اور آپ کی عزیز لڑکیاں کھانا پکانے، اور کشیدہ کاری کے فنون سے اچھی طرح واقف اور ہوشیار و ماہر ہو جائیں تو حسب ذیل کتابیں طلب فرمائیے۔ یہ کتابیں آپ کو باورچیوں بازار کے حلوائیوں اور درزیوں سے بے نیاز کر دیں گی اور ان کے نتائج اپنے گھر میں دیکھ کر آپ نہایت خوش اور مسرور ہوں گے۔

مشرقی مغربی کھانے } ہندوستانی، عربی، ایرانی اور یورپین ممالک کے کھانوں کی صحیح صحیح ترکیبیں اور ان کے متعلق کارآمد مضامین۔ قیمت ۱۲ر

عصمتی ہنڈکلیا } بچیوں کے لئے سو سوا سو کھانوں کی صحیح ترکیبوں کے علاوہ قیمتی ہدایتیں قیمت ۱۰ر

ناشتہ } ہر قسم کے طبقہ، ہر موقعہ کے ناشتے قیمت ۱۲ر

بچوں کے کھانے } ننھے بچوں کو کیا غذا دی جائے اور کس طرح تیار کرنی چاہئے قیمت [illegible]

بیماروں کے کھانے } نہ صرف کھانوں کی ترکیبیں بلکہ نامور ڈاکٹروں کے قابل قدر مضامین بھی۔ قیمت [illegible]

مدافیہ کھانے } شادی کے موقعوں [illegible] سے شائستہ مذاق [illegible]

نیا باورچی خانہ } اسلامی [illegible] تجربہ شدہ ترکیبیں۔ قیمت [illegible]

ترکی کھانے } ترکی قوم [illegible] ترکیبیں۔ قیمت [illegible]

ذائقہ } ہر قسم کے [illegible] آزمودہ اور تجربہ کی ہوئی ترکیبیں۔ قیمت [illegible]

عصمتی کشیدہ } کشیدہ کاری کی [illegible]

گلزار دستکاری } گلدوزی کاری کے [illegible]

اونی کام سلائیوں سے } [illegible] کتاب [illegible]

تاکشی کا کام } [illegible] بنانے کا کام آجاتا ہے۔ قیمت [illegible]

خواتین کی دستکاریاں } [illegible] کرنے کے لئے نہایت کارآمد و مفید ہے۔ قیمت [illegible]

گوٹہ کناری کا کام } ہندوستان کی قدیم صنعت پر بہترین کتاب اور حسین نمونے۔ قیمت [illegible]

(ماہنامہ خاتون) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد (۱۵) | ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۲۴ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر (۲۷)

واشنگٹن کے ایک بحری تار میں بتایا گیا ہے کہ امریکی ہوائی فورس کے کمانڈر جنرل ہنری ایچ آرنلڈ نے بیان کیا کہ ۳۰ مہینے ہوئے جب سے امریکہ جنگ میں شامل ہوا ہے امریکی ہوائی فورس نے تمام جنگی محاذوں پر جاپان کے ۱۷۴ ۲ ہوائی جہاز تباہ کر دیے ہیں، جبکہ اسی عرصہ میں امریکہ کے صرف ۶۱۵۴ ہوائی جہاز کام آئے ہیں۔ اس مدت میں امریکہ نے ۳۹۱ ۸۴۸ ... ورل کے ... برائے ہیں۔

امریکہ کے ایک اعلیٰ بحری افسر نے بیان کیا ہے ... کے پہلے چار مہینوں میں امریکی بیڑے میں ۱۸۵ جدید جہازوں اور پندرہ ہزار دوسرے چھوٹے جہازوں، کشتیوں وغیرہ کا اضافہ ہوا۔ ... ٹن کا ... کا وزن ۱۵ لاکھ ٹن ہے ... اس وزن کے برابر ہے جو آج سے چار سال پہلے امریکی بحری بیڑے کے کل جہازوں کا وزن تھا

ماسکو کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ جنگ میں والدین کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے جو بچے یتیم ہو گئے اُن کی پرورش کے متعلق عورتوں میں ایک تحریک جاری ہوئی ہے عورتیں ان بچوں کو بطور خود اپنے پاس رکھیں گی، اس طریقہ سے روس کے یتیم بچوں کی پرورش کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے یتیم بچوں کو سرکاری گھروں اور اسکولوں میں رکھا جا رہا ہے۔

ٹیکسٹائل کمشنر بمبئی نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں کپڑے کے لئے ہم کی جو اسکیم بنائی ہے اس کے متعلق جو مزید تفصیلات موصول ہوئی ہیں اُن سے معلوم ہوا ہے کہ یہ اسکیم فی الحال ماہ جون، جولائی اور اگست کے لئے ہے۔ اور گورنمنٹ ایک کروڑ روپیہ کا سر بمہر کپڑا مختلف صوبجات کو تقسیم کرے گی، جس میں سے صوبہ پنجاب کو تقریباً ۷ لاکھ روپیہ کا کپڑا ہر مہینہ ملا کرے گا۔ جس میں ۷½ لاکھ روپیہ کے قریب امرتسر شہر کو ملے گا۔

ہمارے اخبارات

(بقیہ صفحہ ۸ کالم ۲ کا)

غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن اگر کبھی واقعات بڑی بڑی وحشت خیز سرخیوں کے ذیل میں روزمرہ اخبارات میں شائع ہوتے رہیں تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ ہندوستان میں شبانہ روز فتنہ و فساد برپا رہتا ہے اور کوئی دن بھی امن و اطمینان سے نہیں گزرتا، حالانکہ اگر اخبارات اس معاملہ میں زیادہ احتیاط و ذمہ داری سے کام لیں اور ایسی خبروں کو آب و رنگ دیکر نمایاں طریقہ سے شائع نہ کریں تو بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے۔

ہم نے جو کچھ عرض کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے سب ملکی اخبار فرقہ وارانہ معاملات میں اپنے حدود سے تجاوز کر کے فرقہ پرستی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو یہ مصیبت ناقابل اصلاح ہوتی لیکن پھر بھی ہر صوبہ میں ایسے متعدد اخبار موجود ہیں جو فرقہ پرستی میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی اسی مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں اگر وہ اپنا طرز عمل بالکل بدل کر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ جولائی ۱۹۴۶ء

ہمارے اخبارات (۲)

پچھلے پرچہ میں دیسی زبانوں کے اخبارات کی حالت پر بحث کرتے ہوئے ہم نے یہ بتایا تھا کہ "ہندوستانی صحافت" کے ابتدائی دور میں ہمارے اخبارات کو فرقہ وارانہ معاملات میں انہماک نہ تھا بلکہ وہ اپنے ہندو مسلم ناظرین کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے زیادہ تر ایسے مضامین شائع کرتے تھے جن سے کسی فرقہ کو رنج و تکلیف نہ پہنچے۔ لیکن اس دور کے بعد بتدریج حالات بدلتے گئے، اور اکثر اخبارات نے پرانی پالیسی چھوڑ کر فرقہ وارانہ حیثیت حاصل کر لی اور صرف اپنے فرقہ کے وکیل اور علمبردار بن گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ صحافت کے ابتدائی دور میں اخبارات کی عنان ادارت عموماً ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو قدیم طرز کے تعلیم یافتہ اور پرانی مشرقی روایات کے حامل تھے، اس لئے اُن پر مصالحت و رواداری کا جذبہ غالب تھا، لیکن "جدید مغربی تعلیم" کی جادوگری نے لوگوں کے خیالات میں انقلاب برپا کر دیا، اور اُن کے وطنی و نسلی جذبات برانگیختہ ہو گئے۔

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ تعصب و تنگ نظری اور وحشت و کم آمیزی جہالت و بے علمی کا ثمرہ ہے۔ اور تعلیم سے فراخدلی و رواداری اور وسعت نظر پیدا ہوتی ہے لیکن واللہ اعلم یہ کس قسم کی تعلیم تھی جس نے تعصب و تنگ نظری پیدا کر کے مختلف قوموں کے خوشگوار و دیرینہ تعلقات کا خاتمہ کر کے انھیں ایک دوسرے سے بیگانہ کر دیا اور ایام بدحالت میں اُن کے باہم جس قدر رواداری اور ملنساری تھی وہ بھی باقی نہ رہی۔

اس دور تنگ نظری و رواداری میں اخبارات کی ادارت اُن لوگوں کے ہاتھ میں آئی جنھوں نے موجودہ ماحول میں تربیت پائی تھی اور جنکی ذہنیت "جدید تعلیم" کے اثر سے مسموم و متاثر ہو چکی تھی اس لئے انھوں نے اخبار کے ذریعہ سے فرقہ وارانہ خیالات کی جا و بیجا حمایت کر کے اپنے فرقہ کے عوام میں خاصی ہردلعزیزی اور سستی شہرت حاصل کر لی، اور جو اُن سے زیادہ تیز تھے وہ قوم کی جہالت اور سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر کسی نہ کسی گروہ کے عارضی یا مستقل لیڈر بن گئے۔

اگر ملک کی فضا صاف ہوتی اور حالات سازگار ہوتے تو ایسے تنگ نظر لوگوں کو قوم میں رسوخ حاصل نہ ہوتا لیکن بدقسمتی سے عوام اپنے فرقہ پرست لیڈروں سے بیحد متاثر ہو چکے تھے۔ اس لئے فرقہ پرست اخبار نویس اپنا قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے اور اُن میں سے بہتوں نے اپنی قوم میں رسوخ پیدا کرنے کے علاوہ مالی منفعت بھی حاصل کی ہوشمند لیڈر اور اخبار نویس اسی طرح موقع سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔

فرقہ پرست جماعت میں متعدد لیڈر اور اخبار نویس ایسے بھی ہیں جو اتنے تنگ نظر و متعصب نہیں ہیں جتنے کہ وہ بظاہر نظر آتے ہیں بلکہ اپنی پرائیویٹ صحبتوں میں وہ دوسرے فرقہ کے قومی کارکنوں سے بڑی بے تکلفی سے ملتے ہیں یہاں تک کہ انھیں ایک میز پر بیٹھ کر کھانے پینے میں بھی تکلف نہیں ہوتا لیکن جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی لیڈری یا اڈیٹری کی کرسی پر بیٹھتے ہیں تو پھر اُسی زور و شور سے اپنے فرقہ کی حمایت اور دوسرے کی مذمت شروع کر دیتے ہیں، یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ عوام کے خیالات بگڑ چکے ہیں، اُن کی ذہنیت مسموم ہو چکی ہے اس لئے وہ اُس تابید یا مسلک کی قدر کرتے ہیں جو فرقہ پرستی کے فتنہ سے بدمست ہوں اور [illegible] اپنے فرقہ کی تائید میں خوب شور و ہنگامہ برپا کرتے رہیں جب عوام کالانعام کی یہ حالت ہے تو اُن کی "حماقت" سے فائدہ نہ اٹھانا واقعی ایک بڑی حماقت ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ دو وکیل جو عموماً ایک دوسرے کے دوست بلکہ کبھی حقیقی بھائی ہوتے ہیں کسی مقدمہ میں فریقین کی طرف سے وکالت نامہ داخل کرتے ہیں یعنی ایک مدعی کا وکیل اور دوسرا مدعا علیہ کا اس کے بعد جب عدالت میں آتے اور مقدمہ کی پیروی شروع کرتے ہیں تو اُن کے انداز اور تیور دیکھ کر ایک اجنبی یہ سمجھتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حریف و مخالف ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ سارا کھیل عدالت تک محدود رہتا ہے، باہر نکلنے کے بعد پھر وہ دوست یا بھائی بن جاتے ہیں اور تھوڑی دیر پہلے جس قانونی نبرد آزمائی میں مصروف تھے اُس کا کوئی ذکر آپس میں نہیں کرتے گویا وہ کوئی واقعہ ہی نہ تھا۔

یہی حالت متعدد لیڈروں اور اخبار نویس اصحاب کی ہے جو اگرچہ بجائے خود فرقہ وارانہ فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتے مگر چونکہ انھیں اپنی قوم کے ساتھ رہنا ہے اس لئے بادل نخواستہ بھی اپنے کو کٹر فرقہ پرست ظاہر کرتے ہیں، اسی طرح اسمبلی کی ممبری کے امیدوار اور بالخصوص مسلم امیدوار ایسے ہیں جن کے ذاتی تعلقات دوسرے فرقہ والوں سے اچھے خاصے خوشگوار ہیں اور وہ جیل کے ورجن باجے سے [illegible] اہمیت نہیں دیتے اور انتخابات کے [illegible] اپنا حلقہ وطن سے میدان کارزار گرم کرنا کسی طرح مناسب نہیں جانتے مگر وہ بھی قوم کی ذہنی پستی سے مجبور ہیں کیونکہ انھیں اسمبلی میں جانے کے لئے اپنے حلقہ کے ووٹروں سے ووٹ لینے کی ضرورت ہے اور یہ ووٹ انھیں صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جب وہ اپنی قوم کو یہ باور کرائیں کہ اسمبلی میں پہنچ کر وہ اُن کے

مفروضہ حقوق کے لئے خوب لڑیں گے۔ اور ہر جائز و بیجا مطالبہ کی تائید کریں گے۔

غرض لیڈر ہوں یا فرقہ پرست اخبار، اُن کی گرمیٔ بازار اُسی وقت تک ہے جب تک وہ دوسرے فرقوں سے نبرد آزما ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ عموماً ہندو مسلم اتحاد میں روڑے اٹکاتے رہتے ہیں اور جب کبھی مصالحت کی بات چیت شروع ہوتی ہے تو عین وقت پر کوئی ایسا فتنہ اٹھاتے ہیں کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے یہ حرکت وہ اس لئے کرتے ہیں کہ انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جس روز ملک سے فرقہ وارانہ جنگ کا خاتمہ ہو جائے گا اُن کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی اب سوال یہ ہے کہ یہ طریقہ کہاں تک جائز ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ کسی لیڈر، مصنف، اخبار نویس کا یہ فرض ہرگز نہیں ہے کہ وہ قوم کے بگڑے ہوئے مذاق اور احمقانہ جذبات کی پیروی کرے ذاتی مفاد یا ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے قوم کو غلط راستہ پر ڈالنا یا اس کے جذبات کو برانگیختہ کرنا یا ہر غلط کاری پر حوصلہ افزائی کرنا قوم کی بہی خواہی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص اس سادہ حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ اگر کسی ملک میں ایک سے زیادہ قومیں بستی ہوں تو اُن کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ آپس میں مصالحت و رواداری کے ساتھ زندگی بسر کریں ورنہ ملک میں امن و امان قائم نہیں رہ سکتا لہٰذا جو شخص (خواہ وہ لیڈر ہو یا اخبار نویس) ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جس سے مختلف قوموں کے تعلقات میں ناخوشگواری پیدا ہو، وہ ملک و قوم کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔

قوم کی حقیقی نیک خواہی یہ ہے کہ ہر مفید و جائز معاملہ میں اس کی ہمت افزائی کی جائے اور غلط روی سے علی الاعلان روکا جائے۔ دنیا کے سارے مصلحین اور محبانِ وطن نے ہمیشہ اسی طریقہ سے اپنے اپنے زمانہ میں ملک و قوم کی خدمت کی ہے۔ اگر ہمارے زمانہ کے کچھ لیڈر یا اخبار نویس اس حقیقت سے واقف ہوتے ہوئے ہر ناجائز و غلط معاملہ میں اپنی قوم کی تائید و حمایت کرتے ہیں تو یہ اُن کی خود غرضی ہے یا اخلاقی جرأت کا فقدان، یعنی یا تو وہ اس طریقہ سے قوم کو خوش کرکے ہر دلعزیزی حاصل کرنا چاہتے ہیں، یا اُن میں اس قدر ہمت اور اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ قوم کو علی الاعلان اس کی غلط روی سے روک سکیں، دونوں صورتوں میں وہ اپنے منصب کے اہل نہیں ہیں۔

جن لوگوں نے عہدِ گذشتہ کی تاریخ اور قوموں کے عروج و زوال کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ مصلحین اور اُن کی قوموں کے درمیان ہمیشہ سخت کشمکش جاری رہی ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ قوم کو غلط کاری اور کجروی سے روکتے تھے، اور قوم اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے اپنے پرانے طریقہ کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی اور اپنا نفع و نقصان نہیں سمجھتی تھی اس لئے وہ مصلحین کو نفرت و عداوت کی نظر سے دیکھتی تھی، اگر یہ لیڈر قوم کی ہمنوائی اختیار کرتے تو اچھی خاصی ہر دلعزیزی و شہرت حاصل کر سکتے تھے، لیکن انھوں نے قوم کے مفاد کو اپنے عارضی ذاتی مفاد پر ترجیح دے کر خود ایک مصیبت مول لی، وہ سمجھتے تھے کہ قوم کی حالت ایک ایسے مریض یا نادان بچہ کی طرح ہے جو بالفعل اپنے نفع و نقصان کو نہیں سمجھتا لہٰذا مقتضائے ہمدردی یہ ہے کہ ہم اس کی خوشی یا ناخوشی سے قطع نظر کرکے صرف اُس کے مفاد کو پیش نظر رکھیں، چنانچہ انھوں نے یہی کیا اور یہ حقیقت سب کے سامنے ہے وہ کامیاب ہوئے۔

تاریخ میں آپ کو اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ جو مصلحین اپنی اصلاحی جد و جہد کے ابتدائی دور میں نفرت کی نظر سے دیکھے جاتے اور قوم کے دشمن سمجھے جاتے تھے اپنی زندگی کے آخری دور میں یا موت کے بعد انھوں نے ایسی عظمت و عزت حاصل کی جو قابلِ رشک ہے یہ اُن کی نیک نیتی اور بے غرض خدمت کا صلہ تھا۔ جو انھیں ملا حالانکہ وہ کسی صلہ کے طالب و متمنی نہ تھے، صرف اپنی قوم کی اصلاح کے آرزو مند تھے اور اسے بہتر حالت میں دیکھنا چاہتے تھے، جب قوم کو آخرکار اُن کے اخلاص اور بے لوث خدمات کا احساس ہوا تو اُس نے بھی قدر و عزت میں کوتاہی نہ کی، یعنی اُن کی موت پر ماتم کیا اور رنج و غم کے آنسو بہائے اور اُن کی یادگاریں قائم کرکے اُن کے نام کو اس کائنات ارضی میں "حیات جاوید" بخشی،

ہماری قوم کی موجودہ حالت یہ ہے کہ وہ ایک عبوری دور سے گزر رہی ہے، کل تک وہ بدترین قسم کی غلامی میں مبتلا تھی اور اس پر ایک ہمہ رنگ موت جمود طاری تھا لیکن اب اس میں آثارِ حیات نمودار ہو رہے ہیں اور ہر شخص کو آزاد ہونے کا احساس پیدا ہو گیا، اس لئے وہ عملی کوشش کے لئے آمادہ ہے اور نجات کا راستہ تلاش کر رہی ہے۔ عبوری دور ہر قوم کی زندگی میں نہایت نازک ہوتا ہے اور اس موقع کی ذرا سی غفلت قوموں کے مستقبل کو بدل دیتی ہے۔

جب تک قوم جمود و تعطل کی حالت میں تھی اور اپنے مستقبل کی تعمیر کے لئے کسی سعی و کوشش میں مصروف نہ تھی کوئی مفید و غیر مفید تحریک اس کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی کیونکہ وہ کسی بھی تحریک پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ تھی، لیکن بحالتِ موجودہ جبکہ قوم کو اپنی کمزوری و درماندگی کا احساس پیدا ہو گیا ہے اور وہ عملی جد و جہد کے لئے آمادہ ہے اگر اُسے کسی ایسے کام پر آمادہ کیا جائے گا جو ملک و ملت کے مفاد کے لئے سخت مضر ہے۔ تو اس کا نتیجہ تباہ کن ہوگا۔ اور اگر اس وقت کے قدم کسی غلط راستہ کی طرف اٹھ گئے تو صدیوں تک اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ لہٰذا ہمارے لیڈر، مصنف، اخبار نویس سب کا یہ فرض ہے کہ وہ اس نازک عبوری دور میں صحیح طریقہ سے قوم کی رہنمائی کریں، لیکن سب سے زیادہ یہ فرض اخباروں پر عائد ہوتا ہے جو مختلف ملکی زبانوں میں روزمرہ شائع ہوتے اور ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچتے ہیں اس لئے وہ قوم کی اصلاح و ترقی کے سلسلہ میں بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں، مثلاً اگر ہمارے

خطبۂ صدارت شعبۂ تصنیف و تالیف (۲)

از
ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور
ایم اے پی ایچ ڈی، پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ، معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اردو

جو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور کے شعبۂ تصنیف و تالیف میں پڑھا گیا

ہماری زبان کے ادیب اور شاعر اپنی ذہانت، محنت اور فنکارانہ کمال میں بڑی سے بڑی اور جدید ترین زبان کے ادیبوں اور شاعروں سے کسی طرح کم نہیں۔ لیکن جس زبان کے بولنے والے خواہ امیر ہوں کہ غریب مگر غریبوں سے زیادہ امیر قدردانی کے فن سے عاری اور ادبی ذوق سے بے بہرہ ہوں اس میں علم و فن اور شعر و ادب پروان چڑھے تو کیونکر۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صاحبان علم اردو کی جگہ انگریزی اور ہندی میں لکھنے کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ جب ہم میں سے اکثروں کی ذہنیت کا یہ عالم ہو کہ ہم انگریزی زبان میں چھپی ہوئی تحریر کو زیادہ مستند اور دلچسپ سمجھتے ہیں تو پھر اردو میں کون لکھے گا۔ یہ ایک میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب کوئی کتاب اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں چھپتی ہے تو لوگ اس کے انگریزی نسخہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اور اردو نسخہ دوسری اردو کتابوں کی طرح مدتوں طاق نسیاں میں دھرا رہتا ہے اور بیچارے مصنف کو پھر کبھی کوئی کتاب اردو میں چھپوانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ غرض جب اپنے شاعروں اور ادیبوں کی خود ہم قدر نہ کریں گے تو دوسرے ان کی طرف کیوں متوجہ ہوں اور پھر ہم کیوں توقع رکھیں کہ ترکی کے صحیفہ نگار یا ایرانی ثقافتی وفد کے ارکان بنگالی کے ٹیگور کے مقابلہ میں اردو کے شاعر اقبال سے زیادہ واقف ہوں گے۔

اس لئے اردو کے تمام ہمدردوں کو تہیہ کر لینا چاہیے کہ وہ اپنی آمدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ اردو کتب و رسائل کی خریداری کے لئے ہر مہینے لازمی طور پر خرچ کریں گے۔ اگر دس کروڑ سے زیادہ انسانوں کی بولی جانے والی زبان میں دس لاکھ آدمی بھی ایسے نہ مل سکیں جو اپنی زبان کی کتابوں اور رسالوں کو پابندی اور شوق سے خریدتے ہوں اور دس بارہ صاحبان مقدرت ایسے مہیا نہ ہو سکیں جو اردو تصنیفات و تالیفات پر انعام و اکرام دیتے اور اردو کے ارباب قلم کی شایان شان سرپرستی کرنے کا ارادہ کر سکیں تو پھر کثرت تعداد پر فخر کرنے اور اپنی زبان کی فضیلت و وسعت جتانے سے کیا فائدہ؟ اہل اردو کو اس کا قلق ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ کچھ لوگ اردو چھوڑتے جا رہے ہیں۔ اصل غم تو اس کا ہے کہ جو لوگ اردو کو کسی طرح بھی چھوڑ نہیں سکتے وہ اس زبان کا کوئی درد نہیں رکھتے۔ اگر ہم جانے والوں سے جھگڑنے کی جگہ رہنے والوں کو صحیح معنوں میں زندہ اور اردو ادب کے دلدادہ بنا دیں تو پھر ہم کو نہ انگریزی سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہندی یا پنجابی سے۔

غرض جس طرح ان پڑھوں کے لئے تعلیم بالغاں کی مہم کا آغاز ہمارے ادیبوں و اہل دانش نے کیا ہے اسی طرح پڑھے لکھے لوگوں کے لئے دارالمطالعوں کے قیام اور نتیجتاً اردو ادب کی اشاعت کی بھی ایک علٰحدہ مہم جاری کرنا ہمارے لئے بے حد ضروری ہے۔ اور یہ دونوں کام ایسے بھی نہیں ہیں جو کسی بڑی تنظیم یا سرمایہ کے بغیر نہ چل سکیں گے۔ ہر ہوا خواہ اردو بحالت مجبوری انفرادی طور پر بھی ان کو آسانی سے چلا سکتا ہے۔ اور اگر ان کی خاطر ملک کے مختلف حصوں میں اجتماعی طور پر کام شروع ہو سکے تو اردو زبان کی اس سے بڑھ کر خوش قسمتی عہد حاضر میں اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

اردو تصنیف و تالیف کی ایک نمایاں بدقسمتی جس کی طرف ابھی ابھی اشارہ کیا گیا تھا یہ ہے کہ عوام کی بے حسی اور ناقدری کے ساتھ ساتھ بعض خاصان ادب میں بھی ایسی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جو زبان کی ترقی اور ادب کے نشوونما کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتی ہیں۔ جو مصنفین و مؤلفین بخت و اتفاق سے کسی مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ دوسرے بھی اس درجہ تک پہنچنے کے اہل ثابت ہوں۔ جس طرح میں نے آج سے چار سال قبل فروری ۱۹۳۹ء میں جامعہ عثمانیہ کی اردو کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا "اب زمانہ بدل رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی ٹھیکے بھی ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان ٹھیکہ داروں کی ذہنیت کے بدلنے میں ابھی کچھ عرصہ درکار ہو۔ لیکن اردو کے جواں ہمت خدمت گزاروں کو بددل نہ ہونا چاہیے۔ ان کے آگے وسیع میدان ہے۔ وہ اگر چاہیں تو اپنی دنیا آپ پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ تو سینکڑوں ہزاروں کے اس سجادہ نشینوں کے ظاہری یا باطنی [illegible] کے بغیر ہی اپنی ذاتی کد و کاوش سے نئے ویرانوں میں چراغاں کر سکتے ہیں۔"

ایک طرف بعض مستند ادیبوں کی علمی امارت اور سرمایہ داری کی وجہ بڑھتی جا رہی ہے اور دوسری طرف عدم احتساب اور اہل زبان کی کم توجہی کے باعث اردو کا ہر طفل مکتب خود کو ایک بڑا ادیب اور شاعر سمجھنے لگا ہے۔ گویا اردو ادب کی دنیا ایک ایسی لنکا سی ہو گئی ہے جس میں ہر شخص باون گز کا ہے۔ جس میں نہ بڑوں کو چھوٹوں کا خیال رہے اور نہ چھوٹوں کو بڑوں کا لحاظ تو اس کے [illegible] آخر بڑے ہی انتشار کی [illegible] ہے۔

ایک اور عیب جس نے اس زمانہ کی تصنیف و تالیف کے راستہ میں [illegible] کانٹے بو رکھے ہیں صوبہ جاتی تعصب ہے۔ گرچہ تعصب خواہ وہ کسی قسم کا ہو معیوب ہے لیکن علمی و ادبی فضا میں تو وہ سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ پہلے پہل تو صرف دلی اور لکھنؤ والے ہی اس مقابلہ میں مست تھے اور دوسرے صوبوں کی اردو کو اردو ہی نہیں ماننا چاہتے تھے لیکن اب تو اکثر اردو بولنے والے صوبوں میں تعصب کا بازار گرم ہے۔ اور ہر جگہ روز بروز جتھا بندی بڑھتی جا رہی ہے۔ چنانچہ بعض صوبوں میں منظم جتھ بندی کی جاتی ہے کہ خواہ ذوق و انصاف کا خون ہی کیوں نہ ہو لیکن اپنے علاقہ کے شاعر

اور ادب کے مقابلہ میں دوسرے مقام کے صاحبان کمال کو ترجیح نہ حاصل ہونے پائے۔ اس رجحان سے اردو کی ہمہ گیری کو بڑا صدمہ پہنچے گا اور ایک ایسی بھیانک فضا چھا جائے گی جس میں کمال فن اور جمال ادب کے جلوے ناپدید ہو جا سکیں۔ چونکہ دوسروں سے بحث کرنے مگر دعویٰ کرتے ہیں کہ اردو اہل ہند کی ایک مشترکہ میراث ہے اور اپنی انہی خصوصیات کے باعث ہندوستان کی ہمہ زبان کہلانے کا حق اسی کو حاصل ہے اس لئے کہ ذرا اس کو بھی سمجھیں اور ان خانہ جھگڑوں کو جلد سے جلد محسوس کر کے فرقہ وارانہ تعصبات کا فراخ دلی کے ساتھ سدباب کریں۔

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو زبان اردو کی تشکیل و ارتقا میں ہندوستان کے اکثر و بیشتر علاقوں نے برابر کا حصہ لیا ہے۔ ایک کو دوسرے پر فوقیت دینا اپنی زبان کی تاریخ سے ناواقفیت کا ثبوت بہم پہنچانا ہے۔ پنجاب کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے غزنوی سلطنت کے زمانہ میں اردو کا بیج بویا۔ جب دلی میں ترک غلاموں کی سلطنت قائم ہوئی تو علاقہ برج (یعنی آگرہ، گوالیار اور دلی) کی زبان اور تہذیب نے اس کی آبیاری کی۔ پھر گجرات کی مظفر شاہی اور دکن کی بہمنی اور بعد کو اس کی جانشین قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں نے پنجاب اور دوآبہ گنگ و جمن کے اس پودے کی ایسی اچھی پرداخت کی کہ اس میں پھول اور پھل آئے۔ احمد آباد اور گولکنڈہ اور بیجاپور اردو ادب کے ابتدائی گہوارے کہلائے۔

عہد اورنگ زیب تک شمالی ہند میں اردو صرف بازاروں اور لشکروں کی عام بول چال کی زبان رہی لیکن اورنگ آباد کے ایک زندہ دل شاعر ولی کی کرامت نے شاہجہاں آباد کے شاعروں سے فارسی گوئی ترک کرا کے ان کو اردو کا گرویدہ بنا دیا۔ جب دلی والوں نے اس زبان کو ادب کے لئے استعمال کرنا شروع کیا تو اس نے رفتہ رفتہ ایک ایسی معیاری زبان کی شکل اختیار کر لی کہ بعد کو خود گجرات اور دکن والے بھی اپنا قدیم اسلوب چھوڑ کر اسی کی تقلید پر مجبور ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب شعرائے دہلی اس معیاری زبان کو لے کر مشرقی ہندوستان میں پہنچے تو اودھ اور بہار اور بنگالہ کے صاحبان ذوق نے اپنی مقامی بولیوں کی جگہ اسی کو اپنی ادبیات و فنون کے مظاہرہ کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اودھ اور بہار کی انہی سرزمینوں سے اردو کے بڑے بڑے صاحبان کمال اٹھے۔ فیض آباد، لکھنؤ، پٹنہ اور مرشد آباد اردو کے وہ مرکز ہیں جن کے تذکرہ کے بغیر اردو کی تاریخ مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ خاص کر اردو شاعری کا دامن وہاں کے شعراء نے ایسے گلہائے رنگا رنگ سے بھر دیا جن کی شگفتگی ہمیشہ باقی رہے گی۔

برطانوی راج کے آغاز کے بعد جب ہندوستان کے علوم و فنون نے نشاۃ ثانیہ حاصل کی تو دوآبہ، پنجاب اور دکن بھی نئے سرے سے اردو کے سنوارنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ چنانچہ پنجاب میں جدید اردو ادب نے جنم لیا اور آزاد اور حالی جیسے باکمالوں کے ہاتھ میں وہ جدید شاعری اور جدید نثر کے سانچے سے روشناس ہوئے۔ ساتھ ہی حیدرآباد میں پہلے نواب شمس الامراء کی اور بعد کو جامعہ عثمانیہ کی سرپرستی میں اردو کا خزانہ مغربی علوم و فنون تمام کر اس کے مضامین سے مالا مال ہو گیا۔ ادھر سر سید احمد خاں نے دلی اور پھر علی گڑھ میں ہماری زبان کو انگریزی سے ہم آہنگ بنانے کا جو بیڑا اٹھایا تھا اس کو ان کے صاحب کمال ساتھیوں نے اس خوبی سے نبھایا کہ اردو واقعی ایک مہذب زبان بن گئی اور اس کا شمار دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں کیا جانے لگا۔

عہد حاضر میں بھی اردو زبان و ادب کی جو اجتماعی و انفرادی خدمات انجام دی جا رہی ہیں وہ بھی کسی ایک خطۂ ملک تک محدود نہیں ہیں۔ یہ اردو کی ہمہ گیری کا ایک نمایاں ثبوت ہے کہ اس کے ارتقا میں ہندوستان کے اکثر و بیشتر صوبوں کے باشندے اب بھی اپنے اپنے طور پر برابر سرگرم عمل ہیں۔ اور یہ وہ امتیازی خصوصیت ہے جو ہندوستان کی کسی اور زبان کو خواہ اردو کی حریف مقابل ہی کیوں نہ ہو نصیب نہیں ہو سکتی۔

اردو کی اجتماعی خدمات میں سب سے پہلے جامعہ عثمانیہ اور اس کے دارالترجمہ کا ذکر ضروری ہے۔ جامعہ سلطان العلوم اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع کی مسیحا نفسی کا ایک ایسا کرشمہ ہے جس نے ہماری زبان کے علم و فضل اور ہمارے مخزن مباحث میں چار چاند لگا دیے۔ جامعہ عثمانیہ ایک ایسا آفتاب ہے جس کی ضیا پاشیوں سے اردو کا ذرہ ذرہ چمک اٹھا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس لئے میں اس جامعہ سے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل سمجھتا ہوں۔

جامعہ عثمانیہ کے بعد انجمن ترقی اردو ہماری زبان کی وہ واحد انجمن ہے جس کی طرف ہر خطۂ ملک کے اردو والوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ یہ انجمن نہ صرف اپنی قدامت بلکہ اپنے وسائل کے لحاظ سے بھی اردو کی دوسری انجمنوں اور اداروں پر فضیلت رکھتی ہے۔ اس نے اردو شاعروں کے تذکرے اور مختلف فنون کی اصطلاحات اور لغت شائع کر کے اردو کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ اسی کل ہند اسلامی تعلیمی کانفرنس کے شعبۂ تصنیف و تالیف اردو کی حیثیت سے اس کا آغاز ہوا۔ اور اس کو علامہ شبلی، مولانا حبیب الرحمٰن خاں صدر یار جنگ بہادر شروانی، مولوی عزیز مرزا اور مولوی ڈاکٹر عبدالحق جیسے فاضل اور سرگرم عمل معتمد نصیب ہوئے۔ اگرچہ کانفرنس کے اس شعبہ نے بڑھ کر انجمن ترقی اردو کی ایک جداگانہ شکل اختیار کر لی لیکن بڑی مسرت کا مقام ہے کہ اس کانفرنس نے اپنے اس شعبہ کو بھی برابر قائم رکھا۔ چنانچہ آج کل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ اردو کے صدر پروفیسر رشید احمد صدیقی جیسے صاحب ذوق اس کے معتمد ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر موصوف ہی کی نگرانی میں علی گڑھ کی مشہور قدیم انجمن اردوئے معلی بھی اب تک سرگرم عمل ہے۔ اور علی گڑھ کی وہ قدیم علمی و ادبی روایات بھی برقرار ہیں جن پر اردو دنیا جتنا فخر کرے کم ہے۔

اردو کی دوسری اجتماعی خدمات میں دارالمصنفین اعظم گڑھ، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد، ادارۂ

ادبیات اردو حیدرآباد، اور مجلس مصنفین علی گڑھ خاص کر قابل ذکر ہیں۔ دار المصنفین علامہ شبلی کی ایک صحیح یادگار ہے اور اس کے کارکن اسی مستحسن روش پر چلنا اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں جو اردو کے اس بڑے ادیب اور مورخ نے اختیار کی تھی۔ شبلی کے جانشینوں کو تاریخ و علوم اسلامی کا اچھا اور پختہ ذوق حاصل ہے لیکن شبلی کا وہ دلچسپ اسلوب بیان ان کو ورثہ میں نہ مل سکا جس کے باعث شبلی نہ صرف ایک اعلیٰ مورخ اور سوانح نگار ہیں بلکہ اردو کے ان چوٹی کے ادیبوں میں شمار کئے جاتے ہیں جنھوں نے اس زبان کو اپنے پرشکوہ اور رنگین اسلوب بیان کی وجہ سے ایک ایسی ہمہ گیر شگفتگی بخشی کہ یہ زبان اب ہر خطۂ ملک کے لکھنے والوں کے لئے آسان بن گئی ہے۔ اس جماعت کے روح رواں مولانا سید سلیمان ندوی نے حال ہی میں حیات شبلی شائع کرکے مولانا حالی کی وہ فضیلت چھین لی جو ان کو حیات جاوید لکھنے کے بعد اردو ادب میں حاصل تھی۔

ہندوستانی اکیڈیمی صوبہ متحدہ کی حکومت کی اس خواہش کی بناء پر قائم ہوئی تھی کہ ہندی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی تصنیف و تالیف کا مفید کام ہو سکے لیکن کچھ تو حکومتی اور سیاسی الجھنوں کی بناء پر اور کچھ اس وجہ سے کہ اس تنظیم کے پیچھے اردو کے کسی بڑے ادیب اور مخلص رہنما کا سہارا نہ تھا یہ اکیڈیمی ارباب اردو کی توقعات کے مطابق کامیاب ثابت نہ ہو سکی اگرچہ حکومت نے اس کے سہ ماہی رسالے کی ادارت یکے بعد دیگرے کئی قابل اصحاب کے سپرد کی اور اس کی مجلس منتظمہ میں بعض لائق لوگوں کو بھی شریک رکھا۔ پھر بھی تصنیف و تالیف کا جو کچھ کام ہوا ہے ایک حد تک غنیمت ہے اور متوقع ہے کہ آئندہ اس سے بہتر کام ہو سکے گا۔

ادارۂ ادبیات اردو بھی تقریباً اسی زمانہ میں قائم ہوا جس زمانہ میں ہندوستانی اکیڈیمی قائم ہوئی تھی۔ لیکن یہ ایک بالکل خانگی ادارہ ہے اور اس کے بانیوں نے حکومت یا عوام کے آگے امداد کے لئے دست طلب دراز کئے بغیر اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ اور سخت سے سخت گھڑیوں میں بھی ہمت و استقلال کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اسی لئے اس کی جانب سے ماہ ناموں کے علاوہ اب تک سوا سو سے زیادہ تاریخی و ادبی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور کچھ عرصے سے وہ ایک مخزن علوم و فنون یعنی اردو انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب میں بھی مصروف ہے جس کی پہلی جلد چھپ رہی ہے۔ اس ادارے نے تعلیم بالغان کی جس مہم کا آغاز کیا اس کا ذکر اس سے قبل گزر چکا ہے۔

ادارۂ ادبیات اردو نے جس چھوٹے پیمانہ پر خلوص اور خاموشی کے ساتھ اپنا کام شروع کیا تھا اسی طرح دو سال قبل علی گڑھ میں مجلس مصنفین نے اردو کی خدمت کا آغاز کیا ہے۔ اس کے لائق اور مخلص معتمد مولوی الطاف علی صاحب بریلوی بی اے ہیں۔ جو اس مجلس کے ترجمان مجلۂ مصنف کے مدیر بھی ہیں۔ یہ رسالہ ادب و تاریخ کے ان بلند پایہ مقالوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو اس مجلس کے جلسوں میں ہر ماہ پڑھے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ مجلس خلوص اور صحیح ذوق کے تحت کام کر رہی ہے اس لئے یقین ہے کہ اردو ادب کی اجتماعی جدوجہد کی تاریخ میں اپنے لئے ایک نمایاں جگہ مخصوص کر لے گی۔

دہلی میں بھی ایک اردو مجلس خواجہ محمد شفیع صاحب کی ذاتی دلچسپی کی بناء پر قائم ہوئی، جس کے اجلاس ہر مہینے منعقد ہوتے ہیں۔ اور ان میں بھی اچھے مضامین اور نظمیں سنائی جاتی ہیں لیکن اس مجلس کی جانب سے کوئی رسالہ شائع نہیں ہوتا۔ گزشتہ دو تین ماہ سے حیدرآباد میں بھی مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے ایک ایسی ہی مجلس کا افتتاح کیا ہے۔ اگر یہ مجلسیں یوں ہی خوش اسلوبی سے منعقد ہوتی رہیں اور ارباب ذوق اسی طرح ایک دوسرے سے استفادہ کرتے رہیں تو یقین ہے کہ اردو ادب کا اچھا ذوق پھیل سکے گا اور لوگوں میں اپنی زبان اور ادب کے مختلف مسائل سے دلچسپی پیدا ہو کر وہ غفلت دور ہو سکے گی جس کی خرابیوں کی تفصیل اس سے قبل بیان ہو چکی ہے۔

اجتماعی کوششوں کے سلسلہ میں سب سے آخر میں ترقی پسند مصنفین کی جماعت کا ذکر ضروری ہے۔ اس جماعت کے افراد میں جو باغیانہ ذہنیت عام طور پر محسوس کی جا رہی ہے وہ دراصل ردعمل ہے عام اردو دانوں کے اس جمود و غفلت اور خاصان اردو کی اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کا جس کا تفصیلی تذکرہ میں پہلے کر چکا ہوں۔ دنیائے اردو میں گزشتہ ربع صدی کے اندر جو مایوس کن فضا پیدا ہو گئی تھی میری نظر میں اس کا فطری اقتضا یہی تھا کہ ایک ایسی جماعت پیدا ہوتی جو اپنے ادب کے جملہ رجعت پسندانہ خصوصیات اور گوناگوں کمزوریوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتی۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ مرض جتنا شدید ہوتا ہے اس کے علاج میں بھی اتنی ہی تلخ و تند دوائیں تجویز کرنی پڑتی ہیں اور شاید اسی خیال کے پیش نظر ترقی پسندوں نے اپنے لہجہ کو تیز اور تند بنانے کی کوشش کی لیکن ان میں بعض ایسے گم کردہ راہ اور برخود غلط نوجوان بھی شامل ہو گئے جنھوں نے اصل مقصد سے ہٹ کر یا تو اشتراکیت کی تبلیغ شروع کر دی یا فحش گوئی پر اتر آئے۔ یہ دونوں رجحانات اصل میں ہماری موجودہ معاشرت ہی کا نتیجہ ہیں اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ اردو بولنے والوں کے ذہن آج کل کس سیاسی اور سماجی بے چینی میں مبتلا ہیں۔ ہمارے نوجوان اخلاقی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے کس پست درجہ تک پہنچ چکے ہیں۔

عموماً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترقی پسند ادب کی تحریک جاری ہوئے ابھی کسی قدر عرصہ ہوا ہے اچھے اور شریف ہم قلم کے ادیبوں نے ابتدا اپنی تحریروں کو بانکپن سے آراستہ کیا جو ہٹے ہیں وہ اس امر کو سمجھ گئے ہوئے ہیں کہ خیال اور زبان آزاد ہو کر ادب اور زندگی کو وہ فائدہ پہنچا سکیں جو ہماری کم فہم سماج کی عائد کردہ جکڑ بندیوں کی وجہ سے بحالت موجودہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور جو برے ہیں انھیں ترقی پسندوں کی آڑ میں اپنی گندگیوں کو پھیلانے کی آزادی حاصل ہو گئی ہے۔ گویا ایک ایسا میلہ لگا ہوا ہے جس میں اوباشوں کی وجہ سے شریفوں کی بدنامی ہو رہی ہے اور شریفوں کا بھیس لیکر اوباش جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ ان دونوں کے ایک دوسرے سے جدا ہونے میں کچھ عرصہ تو لگے گا اور جب مجمع کچھ دن رنگ رلیاں کر چکے گا، رہبروں کی برائیاں اور رہزنوں کی بھلائیاں الگ الگ نظر آنے لگیں گی تو اس تحریک کی صحیح قیمت متعین ہو سکے گی۔ اور اگر اس کے چلانے والوں نے جرأت و استقلال کے ساتھ اعلیٰ کردار کا بھی مظاہرہ کیا تو امید ہے کہ موجودہ افراتفری کا سد باب ہو کر یہ تحریک صحیح معنوں میں ترقی پسند ثابت

ہوگی اور اس سے اردو ادب کو فائدہ پہنچے گا ورنہ یقینی ہے کہ تاریخ ادب اردو میں اس کو ایک ہنگامہ نا و نوش سے زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکے گی۔

ان چند اجتماعی تحریکوں کے علاوہ ہندوستان کے مختلف اضلاع میں اردو انجمنیں اردو تصنیف و تالیف کی خدمت کر رہی ہیں۔ اور ان کے علاوہ بعض اصحاب ایسے بھی ہیں جو اگرچہ تنہا کام کر رہے ہیں لیکن بجائے خود ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سب کی اردو خدمات پر تبصرہ کرنے کی یہاں اس وقت ضرورت ہے اور نہ فرصت۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی بے بساطی اور مصروفیت کے باعث اس وقت بعض ایسے مسائل کی طرف بھی آپ حضرات کی توجہ منعطف نہ کرا سکا جن کی نسبت بعض صاحبان ذوق غور و خوض کر رہے ہیں مثلاً رسم الخط میں اصلاح، لیتھو کی جگہ ٹائپ کا انتخاب اور زبان کی سلاست و سادگی وغیرہ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اب تک جو کچھ سمع خراشی کی گئی ہے وہی ناگوار خاطر نہ ہوئی ہو۔ لیکن اتنا یقین ہے کہ یہ صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی اور اردو کے مسئلہ کو ہم سب اپنا ذاتی معاملہ سمجھیں گے اور جس طرح ہم اپنے ذاتی کام کو بہر صورت انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس امید میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہتے کہ دوسرے دست تعاون دراز کریں گے تو ہم بھی اٹھیں گے اسی طرح اردو کے کام کے لئے بھی ہم میں سے ہر ایک تن تنہا میدان عمل میں نکل آئے گا ہمیں اردو کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے اس لئے جس شخص سے جتنا بھی بن پڑے غنیمت ہے اردو ہم سے صرف اتنا ہی چاہتی ہے۔ وہ دنیا کی ان زبانوں میں سے ہے جن میں زندہ رہنے کی سکت ہوتی ہے اور جو تمام مخالفتوں اور صعوبتوں کا خود ہی اپنی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے مقابلہ کر لیتی ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اس کی صلاحیتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور اپنی زندگی کو شگفتہ، تمدن کو پاکیزہ، اور قوم کو وسیع و مستحکم بنانے میں اپنی زبان کے مقبول عام اور ہمہ گیر اوصاف کو بطور حربہ استعمال کریں ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے اسلاف کے ورثے میں ہمیں اردو کی صورت میں ایک ایسی عمدہ تلوار ملی ہے جس کے جوہر اتنے ہی زیادہ نمایاں ہوں گے جتنا زیادہ ہم اس کو استعمال کریں گے اگر ہم اس کو میان ہی میں پڑی رہنے دیں اور سمجھیں کہ یہ خود بخود ہماری تہذیب و تمدن بلکہ ہمارے قومی وجود کی حفاظت کے لئے اٹھے گی تو ہم سے بڑھ کر کم فہم اور غافل کوئی نہیں ہو سکتا۔

اسلامی عہد حکومت میں مسلمانان بنگال کی تعلیمی ترقی

(از انیس فاطمہ بیگم سلمہ [illegible])

مغلیہ عہد حکومت میں مسلمانان بنگال نے تعلیم میں اس قدر عظیم الشان ترقی کی تھی کہ بلاشبہ ان کو اس خصوص میں بقیہ تمام ہندوستان پر تفوق حاصل تھا۔ ہر مسجد ایک مدرسہ یا مکتب کی حیثیت رکھتی تھی "اور اس کے جملہ مصارف خزانہ شاہی سے ادا کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ کثیر التعداد تعلیمی اوقاف کی آمدنیاں بھی اس کے لئے وقف ہوا کرتی تھیں جیسے وقف ہگلی وغیرہ جب گرانٹ کے تخمینہ کے مطابق صوبہ بنگال کا چہارم حصہ ان کاموں کے لئے منتقل ہو چکا تھا" تعلیم دینا یا دلوانا ایک فریضہ مذہبی خیال کیا جاتا تھا۔ اکثر فقیہ العصر اساتذہ کوئی اجرت نہیں لیتے تھے یا بقدر ضرورت لیتے بھی تو طلباء سے نہیں بلکہ خزانہ سے یا اوقاف کی آمدنی سے۔ سلطنت کی جانب سے بھی ان کی کافی پزیرائی کی جاتی تھی چونکہ فکر معاش سے مستغنی ہوتے تھے اس لئے فنا فی العلم ہو کر اپنی پوری زندگیاں عوام الناس کی تعلیم و تربیت کے لئے وقف کر دیتے تھے چنانچہ ارل میو نے ان علمائے خیر کے اس ایثار و قربانی سے متاثر ہو کر تحریر کیا تھا کہ

"افسوس کی بات ہے کہ ایک اتنی بڑی جماعت جو مشرقی علم و فضل کی حامل ہو۔ جس کا علمی خزانہ جواہرات سے بھرا ہو جس کا ہر فرد علم کے حصول اور علم کی تبلیغ میں ایک جماعت کا کام کرتا ہو وہ کیوں ہمارے طریقۂ تعلیم سے پرہیز کرتی ہے۔"

نہ صرف ابتدائی بلکہ اعلیٰ تعلیم بھی مفت دی جاتی تھی جس میں امیر و غریب یا ذات برادری کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ طالب علم کی استعداد علمی ہی اس کی ترقی کی ضامن ہوا کرتی تھی۔

"ولیم ہنٹر صاحب نے تحریر کیا تھا کہ

[illegible]ء میں ایک مسلمان رئیس نے مرتے وقت ایک بڑی جائداد کار ہائے خیر کے لئے وقف کی دو متولیوں میں جھگڑا ہوا ضلع کلکٹر نے تا تصفیہ مقدمہ جائداد کو ٹھیکہ پر اٹھا دیا دوران مقدمہ میں جائداد کا منافعہ بقدر ۱۰ لاکھ کے جمع ہو گیا اور ایک لاکھ بیس ہزار اس کے علاوہ تھا۔"[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب امراء اور رؤسا تعلیمی مد میں اس قدر دریا دلی سے خرچ کرتے تھے تو سلطنت کی جانب سے کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں جب بنگال کی حکومت مسلمانوں سے منتقل ہو کر آئی ہے اس وقت صرف بنگال میں مسلمانوں کے ایک لاکھ مدارس موجود تھے۔ جہاں لڑکے اور لڑکیاں پڑھا کرتے تھے۔

پروفیسر میلز لکھتا ہے کہ

"برطانوی عہد حکومت سے قبل بنگال میں ۸۰ ہزار دیسی مدارس تھے اس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہوئے کہ آبادی کے ہر چار سو افراد کے لئے ایک مدرسہ قائم تھا۔"

فلر صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے تحریر کیا تھا کہ

"بجز انبالہ کے دیسی زبان کی تعلیم ہر جگہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔"

ایونٹ وا ۱۸۲۱ء میں بیان کرتا ہے کہ

"انڈیا اسکولوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہاں پر ۳۱ لڑکوں پر ایک اسکول ہے۔"

[illegible]ء میں مسٹر منرو نے دارالعوام کے روبرو شہادت دیتے ہوئے کہا تھا کہ

"قصبہ میں پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے کثرت سے مدارس قائم تھے۔

مسٹر ای، سی، بیلی، سی، ایس، آئی کا قول

۱؎ مسلمانوں کے افلاس کا علاج ص ۵۲ رسالہ تعلیمی ہند۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم اگست ۱۹۴۴ء

جنگ اور اُس کے مصائب

جرمنی اور جاپان کی ہوسِ مُلک گیری اور خون آشامی نے ساری دُنیا کو طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جو ملک براہِ راست جنگ میں شریک یا میدانِ کارزار بنے ہوئے ہیں اُنکی مصیبت کی تو کوئی حد نہیں، ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جانیں جن میں بچے، عورتیں اور کمزور و ناتواں بوڑھے شامل ہیں نذرِ اجل ہو رہی ہیں۔ اُن کے رہنے کے گھر فضائی بمباری سے برباد ہو رہے ہیں اور پُرانی پُرانی عمارتیں اور عبادت گاہیں کھنڈر بن گئی ہیں، اس پر طرہ یہ ہے کہ جو لوگ کل تک ہزاروں لاکھوں کے مالک تھے وہ آج نانِ شبینہ کے محتاج ہیں، غرض کوئی مصیبت نہیں ہے جو باقی رہ گئی ہو۔

جو ملک یورپ کے میدانِ کارزار سے دور ہیں وہ بھی جنگ کی آفات سے محفوظ نہیں ہیں، اُن میں ایک بدنصیب ہندوستان بھی ہے جو جنگ کی وجہ سے سخت مصائب برداشت کر رہا ہے، ہندوستان ایک سرسبز و شاداب اور زرخیز ملک ہے، یہاں اجناسِ خوردنی کی فراوانی تھی اور اتنا غلہ پیدا ہوتا تھا کہ ہندوستان خود بھی کھاتا تھا اور دوسرے ملکوں کو بھی فیاضی سے کھلاتا تھا۔ وہ کبھی اس کا محتاج نہ ہوا کہ اپنی ضروری معمولی خوراک دوسرے ملکوں سے حاصل کرے۔

لیکن زمانے کا یہ انقلاب کسقدر اندوہناک ہے کہ آج وہی ہندوستان اپنی خوراک کے لئے دوسروں کا محتاج ہے، اور چشم براہ ہے کہ کب آسٹریلیا وغیرہ سے گیہوں آئے اور وہ اپنی شکم پوری کرے، حالت یہ ہے کہ آج لاکھوں آدمی فاقہ کشی کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور کافی خوراک نہ ملنے کی وجہ سے اُنکی صحت تباہ ہو رہی ہے۔

بنگال ہمارے ملک کا ایک زرخیز و شاداب صوبہ ہے لیکن وہاں جو کچھ گزرا وہ ابھی کل کی بات ہے، لاکھوں آدمی بھوک کی وجہ سے موت کا شکار ہوگئے اور انھیں اسقدر خوراک میسر نہ آسکی کہ روح و تن کا باہمی تعلق قائم رکھ سکیں، افسوس یہ ہے اب بھی غذائی حیثیت سے حالت اطمینان بخش نہیں ہے، مستقبل تیرہ و تاریک نظر آتا ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مصائب کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا اور کس حد پر پہونچ کر ختم ہوگا۔

ہندوستان نے جرمنی اور جاپان کو کبھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچایا، بلکہ وہ ان دونوں حریص ملکوں کی تجارتی منڈی تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جرمنی اور جاپان نے غریب ہندوستان سے کروڑوں، اربوں روپیہ کمایا، خصوصاً جاپان نے اپنی کم زور اور نوری مصنوعات سے یہاں ہندوستان کی خام پیداوار خرید کر اور اس سے مختلف چیزیں تیار کرکے بے پایاں دولت حاصل کی، لیکن کس قدر افسوس ہے کہ وہی جرمنی و جاپان آج ہمارے ملک کی موجودہ مصیبت کا باعث ہیں، اور ان کے شرمناک جرائم و مظالم میں اٹلی بھی شریک ہے جو مشرقی قوموں خصوصاً مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے۔ ہندوستان کا فرض ہے کہ وہ ان ظالم بیرحم دشمنوں سے اِنتقام لینے کی کسی تدبیر میں تامل نہ کرے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر چیز میں اچھے بُرے دونوں پہلو ہوتے ہیں، یعنی شر کے ساتھ خیر کا بھی وجود ہوتا ہے چنانچہ شراب جیسی مہلک و مضر چیز میں بھی نفع کے بعض پہلو موجود ہیں، اِسی طرح موجودہ جنگ بھی جس نے لاکھوں انسانوں کو خانماں برباد کر دیا ہے۔ کچھ لوگوں کے لئے نفع بخش ثابت ہوئی ہے، لیکن اس مخصوص فائدہ کی بنا پر جو کسی خاص گروہ کو حاصل ہوا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ جنگ دُنیا کیلئے مفید یا باعث برکت ہے۔

جنگ کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے کام چھڑ گئے ہیں اور جنگی ضروریات کے سلسلہ میں ہر قسم کا سامان تیار ہو رہا ہے، اس لئے کاروبار کرنے والے سرمایہ داروں نے کروڑوں روپیہ اِن نفع بخش کاموں میں لگا دیا ہے، جس سے وہ کثیر دولت حاصل کر رہے ہیں، اِس لئے یہ جنگ اُن کیلئے باعث رحمت ہی لیکن اسی کے مقابلہ میں اس ملک کی کروڑوں آبادی جنگ کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا ہے، اور زندگی کی ناگزیر ضروریات کا بہم پہونچانا بھی اس کے لئے سخت مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ محنت کا معاوضہ بڑھ جانے کی وجہ سے کاریگروں اور مزدوری پیشہ لوگوں کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو گیا ہے، لیکن اِسی کے مقابلہ میں معیار زندگی بہت بڑھ گیا ہے اور ضرورت کی ساری چیزیں خوفناک حد تک گراں ہو گئی ہیں، اس لئے آمدنی کا یہ "عارضی اضافہ" نتیجہ کے اعتبار سے کچھ بھی مفید نہ د

اطمینان بخش نہیں ہے، اگر ایک طرف لوگ زیادہ کماتے ہیں تو دوسری طرف زیادہ خرچ بھی کر دیتے ہیں۔ غرض چند سرمایہ داروں کے علاوہ جو انسانی خون کے گارے سے اپنا قصرِ دولت تعمیر کر رہے ہیں، کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ یہ منحوس جنگ زیادہ مدت تک جاری رہے۔

موجودہ جنگ کی نحوست و لعنت اسی سے ظاہر ہے کہ اُس کی وجہ سے انسان کی جان جو اس کائناتِ ارضی کی سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے بیحد ارزاں ہو گئی ہے، کسقدر حیرت و افسوس کی بات ہے کہ آج دُنیا کی ہر حقیر سے حقیر چیز گراں ہے لیکن انسان کی جان ارزاں۔ اتحادیوں نے یورپ پر جو تازہ حملہ کیا ہے اُس کو ابھی تین ہفتے بھی نہیں ہوئے۔ لیکن اِس مختصر سی مدت میں فریقین کے کئی لاکھ نوجوان جنگ پر قربان ہو چکے ہیں

جب تک یہ جنگ جاری رہیگی دُنیا کو مصائبِ آلام سے نجات نہیں مل سکتی۔ اس لئے ہر انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ممکن تدبیر اور قربانی سے اس جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کرے تاکہ دُنیا امن کرے، و اضطراب سے نجات حاصل کرے اور امن و عافیت کا مبارک زمانہ دوبارہ واپس آئے اور انسانوں کو اطمینان سے سانس لینے کا موقع ملے۔

فرقہ وارانہ اتحاد کا خواب پریشاں

جب سے مسٹر راجگوپال اچاریہ نے ہندو مسلمانوں کی مفاہمت کے سلسلہ میں مسٹر محمد علی جناح کے سامنے اپنا فارمولا پیش کیا ہے، سارے ملک میں از سر نو اِس مسئلہ پر مباحث پر زور و شور سے بحث چھڑ گئی ہے۔ مسٹر راجگوپال کو گاندھی جی اور اکثر کانگریسی لیڈروں کی تائید حاصل ہے۔ لیکن مہاسبھائی لیڈر اور سکھ عموماً مخالف ہیں، مسلمانوں کی بعض سیاسی جماعتیں مؤید ہیں اور بعض مخالف، ہندوستان کے علاوہ انگلستان میں بھی یہ فارمولا زیر بحث ہے،

ان حالات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسئلہ کی اہمیت نے ملک کی ہر پارٹی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے اور مفاہمت کی ضرورت اصولاً عام طور پر محسوس کیجاتی ہے، لیکن تفصیلات میں اختلاف ہے، کوئی جماعت اب تک تنگ نظری و بدگمانی سے کام لے رہی ہے اور کوئی فراخدلی سے مفاہمت کیلئے آمادہ ہے۔

ابھی حال میں مشہور کانگریسی لیڈر اور گاندھی جی کے رفیقِ کار مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے بھی اِس مسئلہ پر بمبئی میں ایک بیان دیا ہے۔ جس میں کسی قدر وضاحت و صفائی سے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔

مسٹر ڈیسائی نے مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی سے مفاہمت کے لئے اپیل کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کو وقت کی سب سے اہم ضرورت سمجھتا ہوں، اور یہ خیال کرتا ہوں کہ ان دونوں جماعتوں کا اتحاد اس بدلتے ہوئے دور میں استحکامِ مستقبل کا پیش خیمہ ہوگا

آپ نے کہا کہ مرکزی اسمبلی کے گزشتہ بجٹ سیشن کے موقعہ پر کانگریس اور مسلم لیگ نے ہر ایک سوال کو مشترکہ نقطۂ نظر سے دیکھا تھا اس وقت ہر شخص یہ خیال کر رہا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کی یہ ایک شاندار مثال ثابت ہوگی کانگریس اور لیگ کے سمجھوتہ کا صرف ایک ہی نتیجہ نہیں ہوگا کہ ایک بڑی رکاوٹ ہمارے راستے سے دور ہو جائے گی، بلکہ ساتھ ہی دو نئی زندگی پیدا ہو جائے گی اور عوام موجودہ پریشانی اور تکلیف کی زندگی سے نکل کر شاندار مستقبل کی تعمیر کریں گے۔ بداعتمادی اور شکوک و شبہات کی وجہ سے ہماری قوت کا بیجا صرف ہو رہا ہے یہ اِتحاد اِس کو ختم کر دے گا اور تعاون و ہمدردی کی ایسی فضا تیار ہوگی جس کے ذریعہ سے ہم دُنیا کے مستقبل کے نقشہ پر آزاد ہندوستان قائم کرینگے۔

سلسلۂ بیان میں آپ نے یہ بھی کہا کہ رہائی کے بعد گاندھی جی نے اِس مسئلہ کو خلوص نیت کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور اس کو حل کرنے کے لئے چند تجاویز مرتب کی ہیں، یہ ضرور ہے کہ مسلم لیگ اِن تجاویز کو اپنے نقطۂ نظر سے دیکھے گی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ لیگ کو اپنی تجاویز سامنے لانا چاہیئے، تاکہ ہم کسی سمجھوتہ پر پہونچ سکیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ لیگ اسی اسپرٹ میں اِس سوال پر غور کرے گی۔

آخر میں آپ نے کہا کہ دُنیا نیا جنم لے رہی ہے ہمیں متحد ہو کر اس دُنیا کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کرنا چاہیئے۔

نواب ممتاز یار الدولہ کی وفات

سمانت ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ بہادر معتمد مدرسہ آصفیہ

بخدمت شریف جناب نواب صدر یار جنگ بہادر سکریٹری آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہاں منزل علیگڑھ

جناب کا عنایت نامہ مورخہ ۱۳ جون ۱۹۴۴ء وصول ہوا نہایت افسوس کیساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ بھیّر نواب ممتاز یار الدولہ بہادر معتمد بانی مدرسہ آصفیہ کا انتقال پُر ملال بتاریخ ۱۲ امرداد ۱۳۵۳ف مطابق ۱۷ جون ۱۹۴۴ء روز شنبہ عمل میں آیا اوسی روز مدرسہ آصفیہ جہان

مرحوم نے اپنی زندگی میں مقبرہ تعمیر فرمایا تھا۔ تدفین عمل میں آئی انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ان کی جگہ پر بحیثیت اعزازی معتمد مجلس انتظام نے ... کا انتخاب فرمایا ہے، مرحوم کو آپ سے اور علی گڑھ سے جو مخلصانہ تعلقات رہے ہیں اس کو آپ بخوبی جانتے ہیں۔ آپ نے مدرسہ آصفیہ کو برمانہ قیام حیدرآباد معائنہ فرمایا ہے۔ مرحوم نے اس مدرسہ کیلئے پچاس سال تک محنت اور مشقت برداشت کرکے اس درجہ کو پہونچایا اور اپنی کسوہ ذاتی جائداد کا ایک بڑا حصہ مالیتی تین لاکھ وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آمین ثم آمین۔

چندہ کلدار بابت ۴۳-۱۹۴۲ء جو مرحوم کے ذمہ تھے، وہ بذریعہ منی آرڈر مرسل خدمت ہیں۔

اڈیٹر، یہ جواب ممتاز یار الدولہ مرحوم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے پرانے ممبر تھے اور کانفرنس کی تعلیمی تحریک سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے، آپ متعدد بار کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں میں شریک ہوئے، اور زیر بحث مسائل میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ چند سال ہوئے کہ آپ علی گڑھ آئے اور کانفرنس کے دفتر میں تشریف لاکر بڑی تفصیل سے کانفرنس کے کاروبار کے متعلق واقفیت حاصل کی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگاں کو صبر کی توفیق عطا کرے۔

مہاسبھا کا شاندار کارنامہ

یونائیٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ آل انڈیا ہندو مہاسبھا کی طرف سے مسٹر ساورکر نے مسٹر ایمری کو ایک طویل تار بھیجا ہے، جس میں تقسیم ہند کی پالیسی کے متعلق سخت مذمت کا اظہار کیا ہے۔

تار میں لکھا ہے کہ گاندھی جی یا کانگریس ہندوؤں کی نمائندگی نہیں کرسکتے (جز اک اللہ) ہندو مہاسبھا کے جلسوں میں ہزاروں قرار دادیں پاس کرکے صوبوں کو مرکز سے علحدہ ہونے اور ان کے حق خود اختیاری کی مذمت کی ہے۔ ہندو مہاسبھا کسی قیمت پر بھی اپنے وطن عزیز کے ٹکڑے نہیں ہونے دے گی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسٹر ساورکر نے ایسا ہی ایک تار ایک امریکن نیوز ایجنسی کو بھی ارسال کیا ہے۔

لکھنؤ کی کانگریسی جماعت اور مسئلہ اتحاد

لکھنؤ کے کانگریسی کارکنوں کا ایک جلسہ پنڈت ہرسچند رایم ایل اے کی صدارت میں منعقد ہوا۔ طویل بحث و گفتگو کے بعد جلسہ میں گاندھی جی کی ان تجاویز پر جو انھوں نے ایک انٹرویو میں مسٹر اسٹیوارٹ گلڈر آف "نیو ریپبلکن" کے روبرو پیش کیں، متحدہ طور سے پسندیدگی کا اظہار کیا گیا اور گاندھی جی کے ان بیانات کی بھی تائید کی گئی جو پریس میں شائع ہوئے، جلسہ میں مسٹر راجگوپال اچاریہ کے فرقہ وارانہ فارمولا کی بھی جو گاندھی جی کی منظوری اور تائید سے پیش کیا گیا بالاتفاق حمایت کی گئی اور امید ظاہر کی گئی کہ یہ فارمولا مسلم لیگ کیلئے قابل قبول ہوگا۔ شہر کے ۵۰ سے زیادہ کانگریسی کارکن جلسہ میں شریک تھے۔

کلکتہ میں طلبہ کی صحت

کلکتہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ بنگال کی مجلس قانون ساز میں ایک سوال کے جواب میں مسٹر تمیزالدین وزیر تعلیم نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ دوران جنگ میں غذا کی گرانی کی وجہ سے بنگال میں طلبہ کی صحت پر برا اثر پڑا ہے، آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ شکایت کی ہے وہ اس سلسلہ میں اعداد و شمار سے یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ طلبہ کی صحت خراب ہوئی ہے

وزیر تعلیم نے یہ بھی فرمایا کہ صوبے میں کوئی صحت گاہ نہیں ہے کلکتہ میں اسکولوں اور کالجوں میں طلبہ کے ڈاکٹری معائنہ کی اسکیم پر عمل کیا جارہا ہے اسی طرح ان اداروں کی لڑکیوں کے لئے طبی معائنہ کی باقاعدہ اسکیم پر عمل کیا جانے والا ہے۔

ضرورت ہے

گرلس اسکول حیدرآباد دکن کے لئے ایک بہت لائق اور تجربہ کار لیڈی ٹیچر کی ضرورت ہے، مولوی کلاس میں ادب اسلامی تاریخ حدیث اور دینیات وغیرہ کی تعلیم دینی ہوگی تنخواہ بہ اعتبار ... و قابلیت [illegible] ہوگی۔

خواہشمند ... (علیگ) حیدرآباد ... [illegible]

ضروری اطلاع ۔ ... [illegible] بعض ضروری مضامین ... اخبار کی کاپی ... [illegible] ... کا حساب تھا ... روک دی گئی ... [illegible]

(ایڈیٹر)

(باہتمام (حافظ صاحب) جواہر خان مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر ا ۔ ۵۲۰

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار تعلیمی و اصلاحی اخبار

کانفرنس گزٹ علی گڑھ

تاریخہائے اشاعت ہر ماہ عیسوی کی یکم - ۸ - ۱۶ - ۲۴

قیمت فی پرچہ ایک آنہ

قیمت اخبار
سالانہ ۔ تین روپیہ
ششماہی ۔ دو روپیہ
سہ ماہی ۔ ایک روپیہ

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ایڈیٹر ۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

مینیجر ۔ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

جلد ۱۵ | ۱۶ اگست ۱۹۴۴ء مطابق ۲۵ شعبان ۱۳۶۳ھ | نمبر ۳۱

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ فرانس پر حملہ کرنے والی اتحادی فوج کو ۶ جون ۱۹۴۴ء سے ۲۰ جولائی تک جو نقصان پہونچا اسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

برطانیہ

ہلاک - ۵۶۴۶ زخمی - ۲۷۷۶۶
مفقود الخبر ۶۱۰۲ - کل میزان - ۶۵۴۵

امریکہ

ہلاک [illegible] زخمی [illegible]
مفقود [illegible]

[illegible]

ہلاک ۹۱۹ - زخمی - ۴۳۵۴
مفقود ۱۲۰۳ میزان کل ۶۵۴۵

جرمنی کے نقصان کی اطلاع نہیں کہ وہ کس قدر ہیں لیکن جب حملہ آور فوج کا اس قدر نقصان ہوا تو یہ ظاہر ہے کہ جرمنی کا اس سے زیادہ ہوا ہوگا، یہ دو جنگ سے کم کے اعداد ہیں اور صرف ایک میدان جنگ کے، اسی سے ایک حد تک اندازہ ہو سکتا ہے کہ پانچ سال میں مختلف میدانہائے کارزار میں انسانی جانوں کا کس قدر نقصان ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس مصیبت عظمیٰ سے بنی نوع انسان کو جلد نجات دے۔

کراچی کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ بچت اسکیم جس کا آغاز اپریل میں کراچی میں ہوا تھا نہایت کامیابی کے ساتھ جاری ہے اور ہر طرف سے حوصلہ افزا اطلاعات موصول ہو رہی ہیں، اب تک عام لوگوں نے ۱۸ لاکھ اس اسکیم کے تحت جمع کر دیا ہے۔

اس کامیابی کے پیش نظر حکومت سندھ نے اس اسکیم کو صوبہ کے دوسرے شہروں میں نافذ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر یہ اسکیم شہروں میں کامیاب ہوتی ہے تو خیال ہے کہ اس کو سارے دیہات میں عام بنایا جائے گا، معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں مسٹر آئی پی ایم گارمل سارے صوبے کا دورہ کریں گے۔

لاہور کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ ۹ اگست تک مسٹر محمد علی جناح کو تقریباً ۵۰۰ تار اور خطوط ملک کے مختلف طبقوں کی طرف سے موصول ہو چکے ہیں جن میں یہ امید اور خواہش ظاہر کی گئی ہے کہ مسٹر گاندھی اور مسٹر جناح کی ملاقات کامیاب ثابت ہوگی۔

واشنگٹن کی ایک خبر میں یہ بتایا گیا ہے کہ امریکہ سے جنرل اسٹل ویل کی فوجوں کے لئے ہندوستان میں جو سامان بھیجا جاتا ہے وہ ساڑھے گیارہ ہزار میل کا فاصلہ طے کرکے پانچ دن میں ہندوستان پہونچ جاتا ہے، یہ ہوائی ذریعہ سے سامان پہونچانے کا سب سے بڑا ریکارڈ ہے۔

[illegible] کے طور پر تسلیم کیا ہے اور مسلمانوں اور ہندوؤں کو کالج کی مختلف انتظامی مجالس میں غالب اکثریت دی گئی ہے۔

میں پورے زور سے کہنا چاہتا ہوں کہ اسلامیہ کالج مسلمانوں کا ایک قومی ادارہ ہے اگر اسے گورنری ادارہ میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی تو نہ صرف پٹھان سخت ناراض ہوں گے بلکہ سارے طول و عرض ہند میں ہیجان و اضطراب پھیل جائے گا، باشد ضرورت ہے کہ اس ادارے کے مفاد کو نقصان پہونچانے سے بچایا جائے، قائد اعظم اور ڈاکٹر خان صاحب اور دوسرے سربرآوردہ اصحاب اس بارے میں فوری اقدام کریں۔

اردو کو ہندوستان کی مشترکہ زبان بنانے کی ضرورت

حیدر آباد دکن کی جرنلسٹ کانفرنس میں سید عبداللہ بریلوی نے خطبہ صدارت دیتے ہوئے کہا کہ یہ بات جرنلسٹوں کے اختیار میں ہے کہ وہ اردو زبان کو ملک کی مشترکہ زبان بنا دیں یا اس زبان کو کسی خاص حصہ میں مخصوص کر دیں، انھوں نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے سارے ہندوستان میں ایک مشترکہ اور عام بولی رائج تھی، جس کے تین نام تھے، ہندوستانی، اردو، اور ہندی، یہی زبان اپنے انتہائی عروج کو پہونچ گئی تو اردو کہلائی۔

یہ زبان مسلمان بادشاہوں نے عوام کے لئے خود مقرر نہیں کی تھی بلکہ عوام کے میل جول سے خود بخود پیدا ہو گئی تھی، البتہ انگریزی راج میں یہ ضرور ہوا کہ حکمرانوں نے لوگوں کو مجبور کر دیا کہ وہ انگریزی زبان سیکھیں، لیکن اردو زبان اس سرزمین سے خود پیدا ہوئی، قدرتی طور سے پروان چڑھی

اسی سلسلہ میں مسٹر بریلوی نے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت ادیبوں کی دو جماعتیں ہو گئی ہیں ایک اردو میں عربی و فارسی کے زیادہ سے زیادہ الفاظ داخل کرتی جا رہی ہے، دوسری سنسکرت کے مشکل ترین الفاظ اردو میں استعمال کر رہی ہے جس سے اردو کی دو شاخیں ہو گئی ہیں ایک اردو کو زیادہ ہندو اور چند مسلمان سمجھ سکتے ہیں اور دوسری اردو کو زیادہ مسلمان اور چند ہندو جانتے ہیں، میری رائے میں مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں کی ادارت میں اردو زبان کے زیادہ رسائل و جرائد شائع ہوتے ہیں، اس صورت حالات کو دیکھتے ہوئے توقع ہے کہ عنقریب وہ وقت آئے گا جب اردو کی دونوں شاخیں ایک ہو جائیں گی اور دور قدیم کی طرح ایک زبان [illegible] نام اردو اور ہندی ہوں گے۔

حکومت صوبہ متحدہ کی سالانہ رپورٹ

لکھنؤ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ حکومت صوبہ متحدہ کی رپورٹ بابت ۱۹۴۳ء شائع ہو گئی ہے جس میں لکھا ہے کہ امسال پچھلے سال کے مقابلہ سیاسی زور شور کم رہا اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی، کانگریس کمیٹیاں ابھی تک ناجائز ہیں، اور اگست ۱۹۴۲ء کی تحریک کے فیل ہو جانے کے بعد سے بہت سے کانگریسی کارکن یہ ثابت کرنے کے لئے بیتاب ہیں کہ ان ہنگاموں کے لئے کانگریس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح مسلم لیگ پر بھی سیاسی جمود کا اثر ہے اگرچہ اس کی کارروائیاں تھوڑی بہت جاری ہیں، صوبہ کی کوشش جنگ جاری ہے اور وار فنڈ میں ۹۹ لاکھ ۲۰ ہزار روپیہ دینے کے وعدے ہوئے، سالہائے گزشتہ کی رقم ملا کر ۲ کروڑ ۱۱ لاکھ ۱۴ ہزار روپیہ کی میزان ہوتی ہے۔

غلہ کے کنٹرول اور تقسیم کی ایک اسکیم جاری کی گئی اور صوبہ میں جزوی راشننگ جاری ہو گیا جس کا اثر ۲۵ لاکھ اشخاص پر پڑ رہا ہے۔

امریکہ کی سلطنت میں اضافہ

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ اخبار ڈیلی میل کا نامہ نگار مقیم نیویارک لکھتا ہے کہ امریکہ کے اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ [illegible] سے معلوم [illegible] میں اضافہ کر لیا یعنی [illegible] اس وقت [illegible]

اسکیم قاہرہ کے معاہدہ کے مطابق بنائی گئی ہے، جس میں کہا گیا تھا کہ جاپان کو اس کی ساری مقبوضات سے محروم کر دیا جائے گا، یہ اسکیم حکومت امریکہ، حکومت برطانیہ اور حکومت آسٹریلیا و ہالینڈ نے مل کر بنائی ہے

(باہتمام خانصاحب جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع [illegible])

زیر نگرانی جناب نواب ڈاکٹر صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ر ۔ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر ۔ محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۵) | یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء مطابق ۱۲ شوال المکرم ۱۳۶۳ھ | نمبر (۳۷)

یونیورسٹی کی سالانہ تعطیل کا اب اختتام کے ... ہے، یونیورسٹی ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو کھلے گی ... سے طلبہ جولائی گزشتہ میں اور اس کے بعد ... ل ہو چکے ہیں، اب بھی داخلہ کا سلسلہ جاری ہے۔

...ہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ مرکزی مجلس مشاورت ... مقرر کردہ کمیٹی کا ایک جلسہ ۲، ۳، ۴ اکتوبر ۱۹۴۴ء ... میں منعقد ہوگا جس میں مختلف قسم کے اداروں ... کام کرنے والے مدرسین کی تنخواہوں کے اسکیل ... پر غور و خوض کیا جائے گا، اس کمیٹی کے اجلاس کی ... صدارت سر ماریس گوائر سابق چیف جسٹس فیڈرل ... ٹ فرمائیں گے۔

یونائیٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ جنگ کے بعد ... تعلیمی اسکیم کی جسے عام طور پر سارجنٹ اسکیم ... جاتا ہے دوبارہ چھ ہزار کاپیاں چھپ کر ختم ہو چکی ... ، اب تیسرا ایڈیشن چھاپنے کے انتظامات ... ہے ہیں۔

ڈائرکٹر محکمہ اطلاعات بیکانیر نے اخبارات کو یہ اطلاع دی ہے کہ مہاراجہ صاحب بیکانیر نے ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر اعلیٰ سائنس اور مختلف صنعتوں کی تعلیم کے لئے پانچ لاکھ روپیہ کے وظائف دینے منظور کئے ہیں۔

بنارس کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ مسٹر راہل سنکرتائن کو لینن گراڈ (روس) کی یونیورسٹی میں مشرقی علوم کی پروفیسری کے لئے بلایا گیا ہے اسلئے وہ جلد ہی ہندوستان سے روانہ ہونیوالے ہیں۔

پٹنہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ڈاکٹر سچدانند سنہا وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی، آنکل یونیورسٹی کا کنووکیشن ایڈریس پڑھیں گے، کنووکیشن کا اجلاس ۲ نومبر ۱۹۴۴ء کو ہوگا۔

نیو کرانیکل کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ حکومت ہند اس تجویز پر غور کر رہی ہے کہ تمام پرائیویٹ فوجوں یا فرقہ وارانہ اور سیاسی والنٹیر کوروں پر پابندی

عائد کی جائے، چند سال ہوئے والنٹیر کوروں کو وردی ... کرنے یا مارچ کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔

نیویارک کی ایک اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں مختلف کمپنیوں یا افراد کی طرف سے تقریباً سو درخواستیں سول ہوائی پرواز کے بورڈ کو موصول ہوئی ہیں، جن میں دنیا کے مختلف حصوں میں پانچ لاکھ میل کے ہوائی راستوں پر کام کرنے کی اجازت مانگی گئی ہے، ہوائی تجارت کی ترقی کے لئے تجویزیں مرتب ہو رہی ہیں۔

ہندوستان کو جو ممتاز ماہرین سائنس برطانیہ جانے والے ہیں توقع ہے کہ وہ اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں برطانیہ پہنچ جائیں گے جہاں وہ تقریباً سات ہفتے رہیں گے۔ وہ برطانیہ کے اہم مرکزوں کو جاکر دیکھیں گے اور اہم اداروں میں عصر حاضر کی سائنٹفک ترقیوں پر تبادلۂ خیالات کریں گے۔

ایک مصری نجومی شیخ حسن القدسی نے یہ پیشگوئی کی ہے کہ جنگ ۲۴ اکتوبر کو ختم ہو جائے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء

فرقہ وارانہ اِتحاد کی ناکام کوشش

ہندوستان کی سیاست کا سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ جو ابھی تک حل نہیں ہوا وہ "ہندو مسلم تعلقات" کا مسئلہ ہے، یوں تو ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے علاوہ اور بھی بہت سی قومیں یا فرقے آباد ہیں لیکن تعداد کے اعتبار سے ہندو اور مسلمان سب سے زیادہ ہیں، اس لئے جب فرقہ وارانہ اِتحاد یا اختلاف پر گفتگو ہوتی ہے تو عموماً ہندو مسلم تعلقات کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ملک میں بسنے والے سب ہی فرقوں میں مصالحت و رواداری کی سخت ضرورت ہے اور یہ ایسی ضرورت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا یہ اسی ضرورت کا تقاضا ہے کہ ہر محبِ وطن ہندوستانی فرقہ وارانہ اتحاد کیلئے حتی الامکان کوشش کرتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی کوشش ابھی تک کامیاب نہیں ہوئی، البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ کبھی کبھی عارضی طور پر ملک کی فضا خوشگوار ہو جاتی ہے لیکن بدقسمتی سے چونکہ اتحاد و مصالحت کی ضرورت ابھی پورے طور پر دلوں میں جاگزیں نہیں ہے اس لئے کوئی معمولی سا واقعہ خصوصاً جو مذہبی نوعیت کا ہو از سر نو لوگوں کے جذبات میں اشتعال پیدا کر دیتا ہے اور وہ باہم دست و گریباں ہو جاتے ہیں، جس سے ملک کی فضا میں ایک عجیب تلاطم برپا ہو جاتا ہے، یہ صورت حال نہایت خطرناک اور ہندوستان کے لئے ایک مستقل مصیبت ہے، کوئی بہی خواہ ملک یہ نہیں چاہتا کہ ہمارا وطن عزیز اِس مصیبت میں مبتلا رہے، مگر باوجود کوشش کوئی بھی اس مصیبت کو دور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اگر کسی ملک میں مختلف قومیں آباد ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ وہ آپس میں ہمیشہ لڑتی رہیں، ہندوستان کے علاوہ دنیا میں اور بھی ایسے ممالک ہیں جہاں متعدد قومیں موجود ہیں جو نسل، مذہب، معاشرت، زبان اور قومی روایات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن وہ ہمیشہ امن و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہیں اور اپنے وطن کی محبت میں یکساں طور پر سرشار ہیں۔

ہمارے سامنے روس کی مثال موجود ہے جہاں مختلف قومیں آباد ہیں جو نسلاً و مذہباً مختلف ہیں اور مختلف زبانیں بولتی ہیں لیکن اُن کی روزمرہ کی زندگی پر اِس اختلاف کا کوئی اثر نہیں ہے، اس کے علاوہ اُن میں اپنے وطن کے لئے ایثار و قربانی کا زبردست جذبہ موجود ہے جس کا اندازہ اِس سے ہوتا ہے کہ جب جرمنی جیسے زبردست حریف نے روس پر حملہ کیا اور ایک نہایت طویل محاذ پر وہ خوفناک جنگ چھڑ گئی جو تاریخ عالم میں بے مثال ہے تو روس کی ساری قومیں اپنے وطن کی حفاظت کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور متحد ہو کر میدان عمل میں آگئیں، اور نہایت استقلال و استقامت سے ہر قسم کی قربانیاں کرتی رہیں یہاں تک کہ خوفناک حریف کو شکست دیکر اپنا سارا ملک جو جنگ کے آغاز میں اُن کے ہاتھ سے نکل گیا تھا واپس لیا، اسی طرح چین میں بودھ مذہب کے پیرو اور مسلمان یکساں طور پر اپنے دشمن جاپان کے مقابلہ میں سرد آزما ہیں، اسکے علاوہ امن و عافیت کی حالت میں مصالحت و رواداری کیساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

اِن واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مختلف قوموں اور فرقوں کا ایک ملک میں مصالحت و باہمی تعاون کے ساتھ رہنا نہ صرف عملاً ممکن ہے بلکہ اسکی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں لیکن ہندوستان ایسا بدنصیب ملک ہے جو باوجود محکومیت باہمی مصالحت و اتحاد کی قدر و قیمت سے اب تک نا آشنا ہے اور یہاں نہایت حقیر و معمولی باتوں پر روزمرّہ فتنہ و فساد برپا رہتا ہے، موجودہ عالمگیر جنگ نے ایسی بہت سی قوموں کو متحد کر دیا ہے جو تاریخی حیثیت سے ایک دوسرے کی مخالف سمجھی جاتی تھیں لیکن ہندوستان نے اس ہولناک جنگ سے بھی کوئی عبرت و بصیرت نہیں حاصل کی اور وہ بدستور خانہ جنگی میں مبتلا رہا۔

ہندوستان کی ہر سیاسی جماعت اس کی مدعی ہے کہ وہ ملک کی ترقی اور آزادی وطن کی طالب ہے لیکن اس کا طرز عمل ایسا ہے جس سے محکومیت و غلامی کی زنجیریں اور زیادہ مضبوط و مستحکم ہوتی جاتی ہیں، آزادی کی بنیادی و اولین شرط یہ ہے کہ ملک کی مختلف قوموں و فرقوں میں مصالحت و تعاون کی روح موجود ہو اور وہ کسی مشترک نصب العین کے لئے اتحاد و ہم آہنگی سے کام کر سکیں، ہمارے سامنے ایسی کوئی مثال نہیں ہے کہ کسی ملک میں شدید اندرونی اختلافات موجود ہوں، مختلف قوموں کے باہمی تعلقات ناخوشگوار ہوں اور پھر بھی اس نے آزادی حاصل کر لی ہو، یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ہندوستان کی بعض قومیں خود اپنے اہل وطن کو انسانیت کے پورے حقوق دینا نہیں چاہتیں، لیکن ایک غیر ملکی حکومت سے یہ توقع کرتی ہیں کہ وہ انہیں کامل آزادی عطا کر دے۔

ہمیں معاف کیا جائے اگر ہم اِس حقیقت کا اظہار کریں کہ ہندوستان کی مختلف قوموں میں جو شدید اختلاف و بے اعتمادی پائی جاتی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ایک قوم نے جو اپنی دولت و تعدادی اکثریت کے اعتبار سے ملک میں فی الجملہ اثر و اقتدار رکھتی تھی، یہ فرض کر لیا کہ وہ بغیر دوسری قوموں کے اشتراک عمل کے

محض اپنی اکثریت کے بل پر سب کچھ حاصل کرلے گی لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ مفروضہ غلط تھا اور دوسری قوموں کو نظر انداز کرنا ایک شدید غلطی تھی۔

جہاں تک تعداد کا تعلق ہے مسلمان اقلیت کی حالت میں ہیں۔ لیکن جس شخص نے اسلام کی تاریخ کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتا کہ خالص توحید پرست ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں بعض ایسے اخلاقی اوصاف پیدا ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے اُن کی ذہنیت دنیا کی دوسری قوموں سے مختلف ہے، اور یہ اسی ذہنیت کا اثر ہے کہ مسلمانوں نے اپنی تاریخ ماضی کے کسی بھی دور میں اقلیت و اکثریت کے مسئلہ پر کبھی توجہ نہ کی اور انھوں نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ محض اس وجہ سے کہ وہ تعداد کے اعتبار سے تھوڑے ہیں دوسرے لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ انھیں اپنے زیر اقتدار رکھنے کی کوشش کریں۔

مسلمان جس آزادی کے طالب ہیں وہ کسی خاص قوم یا اکثریت کے ساتھ مخصوص نہیں، کیونکہ آزادی ہر انسان کا فطری حق ہے اس لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی قوم کو بھی یہ حق ملنا چاہیئے، جب مسلمانوں کی ذہنیت یہ ہے تو وہ اکثریت کا ایسا غلبہ جس سے ان کے فطری حقوق معرض خطر میں آجائیں کس طرح برداشت کر سکتے ہیں، وہ آزادی اس لئے نہیں چاہتے ہیں کہ کسی دوسری قوم پر غلبہ حاصل کریں، اس لئے وہ اپنے اوپر بھی کسی کا غلبہ و اقتدار جائز نہیں رکھتے اگر لوگ مسلمانوں کی اس ذہنیت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ہندوستان کی سب چھوٹی بڑی قوموں کے مساوی حقوق تسلیم کرلیں تو سارے اختلافات کا ایک دن میں خاتمہ ہو سکتا ہے، لیکن جب تک تنگدلی اور مول تول کی ذہنیت کا مظاہرہ ہوتا رہے گا یہ اختلافات موجود رہیں گے اور ملک کو امن و عافیت نصیب نہیں ہوگی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا نیا تعلیمی سال

ندوۃ العلماء نے تقریباً نصف صدی پہلے "اصلاح و تجدید نصاب تعلیم" کی دعوت دی، خدا کا شکر ہے کہ اس کی یہ دعوت غیر مؤثر ثابت نہیں ہوئی، اور اب جا بجا کامیابی کے آثار بھی نظر آنے لگے ہیں۔

لیکن ندوۃ العلماء کے کارکنوں نے ان پچھلے چند برسوں میں یہ محسوس کیا کہ اصلاح و تجدید نصاب کا مرحلہ محض دعوت و تبلیغ یا اس کی ضرورت کا احساس و اعتراف کر لینے سے طے نہیں ہوگا، قدیم نصاب کی جن کتابوں پر ہم تنقید کر رہے ہیں وہ برسوں کی جد و جہد، دماغی کاوش اور علماء و مصنفین کی یکسوئی و انہماک کا نتیجہ ہیں، انھوں نے ایک علمی چیز پیش کی اور حق یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے و ماحول کے لئے موزوں اور اس وقت کے بہترین نتائج افکار تھے اُن میں سے اب اگر کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹانا ہے تو اس سے بہتر اور اس سے موزوں تر چیز ہی لائی جانی چاہئے، اور ضروری ہے کہ وہ کوئی خیالی چیز نہ ہو بلکہ عملاً ہمارے پاس موجود ہو تاکہ ہم جانچ پڑتال کر سکیں۔

یہ کام چند مہینوں یا ایک دو سال کا نہیں ہے، اور نہ کسی ایک شخص کی بساط کا ہے، یہ بڑا عظیم الشان اور اہم تعمیری و تعلیمی کام ہے جس کا اثر صدیوں تک قائم رہے گا، حقیقت یہ ہے کہ مدارس عربیہ کا آئندہ قیام و بقا اسی کام کی تکمیل پر منحصر ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پاس کسی علمی شعبہ اور فن کی تعلیم کا شایان شان سامان نہیں جو اس زمانے کی ضرورتوں کو پورا کر سکے اور قدیم کی جگہ لے سکے، ضرورت تھی کہ مستقل ادارے اور مسلم جماعتیں تعاون و اشتراک اور تقسیم عمل کے ساتھ یہ اہم خدمت انجام دیتیں، صرف و نحو اور عربی زبان و ادب کے مبادی سے لیکر علوم عقلیہ و شرعیہ ہر شعبہ میں اس کے ماہرین و مبصرین سے کتابیں تالیف کرائی جاتیں جو اصول تعلیم و تربیت، ترتیب و انتخاب، زبان و انداز بیان کے لحاظ سے زیر درس کتابوں کے مقابلہ میں زمانہ حال کے زیادہ مطابق ہوں، جدید ذہن کو متاثر اور مطمئن کرنے کی اسمیں زیادہ قابلیت ہو، مسائل و علوم کو ان کے ذریعہ زیادہ آسانی کے ساتھ ذہن نشین کیا جا سکے اور ان سے علوم میں زیادہ بصیرت و تفقہ اور علمی لیاقت پیدا ہو سکے۔

ان نئی کتابوں کی تعریف میں مبالغہ و لفظ آرائی نہیں کی گئی بلکہ یہ ان نئی تالیفات کے ضروری شرائط ہیں ورنہ وہ سابقہ کتابوں کے مقابلہ میں قابل ترجیح نہیں جو دو دو چار چار صدیوں سے زیر درس چلی آرہی ہیں۔

لیکن چونکہ ابھی تک نصاب تعلیم میں تغیر و اضافہ کا مسئلہ ہی بنیادی طور پر زیر بحث ہے اور ابھی تمام مدارس کا اتفاق نہیں کہ نصاب میں کسی ترمیم و تغیر کی ضرورت ہے، اس لئے اس بارہ میں اشتراک و تعاون کی زیادہ توقع نہیں تھی، اس بنا پر مزید انتظار کئے بغیر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعض معلمین نے اللہ کے بھروسہ پر اس کام کا آغاز کر دیا، کام کا جو خاکہ سامنے ہے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

(۱) عربی زبان و ادب کی تعلیم کے لئے ایک ایسے مکمل سلسلہ کی تالیف جو ہم ہندوستانی مسلمانوں کی خصوصیات اور حالات سے مطابقت رکھتا ہو، جس میں زبان و ادب، دین و اخلاق، اسلامی آداب، اسلامی تاریخ نیز اسلامی ہند کی تاریخ کا ضروری حصہ شامل ہو، اس سلسلہ میں اتنی چیزیں تیار ہیں:۔

۱۔ حکایات الاطفال کے طور پر جو بچہ کو ابتدائی چند سبقوں کے بعد روانی کے ساتھ پڑھنے کے لئے یا درساً ابتدائی کتاب کے طور پر دی جائے، قصص النبیین للاطفال جس میں بلی کتے اور ریچھ بندر کے قصوں کے بجائے سہل زبان اور تکرار الفاظ کے اصول پر حضرات انبیاء علیہم السلام کے واقعات بچوں کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق لکھے گئے ہیں۔

(۲) عربی زبان کی تعلیم کا ایک پورا سلسلۂ کتب جو مندرجہ بالا شرائط و اوصاف کے مطابق ہے، اس سلسلہ کی دو کتابیں تیار ہیں، لیکن طباعت کی موجودہ مشکلات کی وجہ سے چھپ نہیں سکتیں۔

(۳) اس سلسلہ کی بعد کی تعلیم اور عربی ادب کا صحیح

[illegible] پیدا کرنے کے لئے منتخبات کا ایک ایسا [illegible] ادب اور اسلامی تہذیب دونوں سے روشناس کرا سکے، اِس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مختارات کے نام سے کتاب طبع ہو چکی ہے اور تین چار سال سے دار العلوم میں زیر تدریس ہے۔

(ب) صرف و نحو کے مسائل کو سلجھا کر اسطرح پیش کیا جائے کہ ان کے استعمال کا عملی ملکہ پیدا ہو اور ادبی ذوق بھی نشو و نما پائے اِس سلسلہ میں انشاءاللہ اس سال سے کام شروع ہو جائیگا۔

(ج) تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ عربی مدارس کے طلبہ اسلام کے مبادی و ضروریات سے تو واقف ہوتے ہی نہیں، اس کے لئے دینیات کے ایک پورے سلسلہ کی ضرورت ہے، جہیں توحید، رسالت، معاد، اور ارکان دین پر خطبات ہوں، فقہ کی تعلیم یہ ضرورت نہیں پیدا کرا سکتی کہ وہ صرف عملی تفصیلات سے مخصوص ہے، عقاید و کلام کی کتابوں سے ایمان و یقین نہیں پیدا ہوتا اور ان کا طرز استدلال و تفہیم قرآنی نہیں اور اِس زمانہ میں اس درجہ موثر نہیں جتنا پہلے رہا ہوگا، اِس سلسلہ میں متوسط اور اعلیٰ جماعتوں کے لئے کتاب تیار ہے اور دار العلوم میں چند سال سے زیر تعلیم ہے ابتدائی جماعتوں کے لئے اسی طرز پر ایک دو کتابیں پیش نظر ہیں۔

(د) فقہ و مسائل دین کی تعلیم کے لئے بھی ایک نئے سلسلہ کی ضرورت ہے، اس کی ابتدا بھی اس سال سے پیش نظر ہے

۵ رشوال کو دار العلوم کا نیا تعلیمی سال شروع ہوگا کوشش کی جائے گی کہ مفید چیزوں سے فائدہ اٹھایا جائے اور ترقی کی طرف قدم بڑھایا جائے، دار العلوم نے اِس سے پہلے بھی مفید و اولیٰ چیز کے اختیار کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا اور کسی غلط یا ناقص چیز پر اصرار و جمود اس کا شیوہ نہیں رہا۔

جو لوگ ان مقاصد اور کاموں سے اتفاق اور دلچسپی رکھتے ہوں اور ان کو مفید و ضروری سمجھتے ہوں وہ اہل اور صاحب صلاحیت طلبہ کو بھیجکر ہمارے اِس اہم مقصد کی تکمیل میں امداد کریں، اور جو حضرات اپنے بچوں کو اسی نہج و اصول پر تعلیم دلانا چاہتے ہوں وہ ۵ رشوال سے ۲۰ رشوال تک طلبہ کو بھیجدیں، دار العلوم اپنی وسعت و امکان کے مطابق طلبہ کی خدمت کے لئے تیار رہے، جو لوگ طلبہ کو بھیجنا چاہیں وہ دار العلوم کے قواعد و نصاب کی ایک کاپی دفتر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے منگوالیں، اس سے انہیں دار الاقامہ کے اخراجات بھی معلوم ہو جائیں گے اور دار العلوم کے ضوابط کا علم بھی ہو جائیگا۔

(ڈاکٹر مولوی حکیم حاجی سید) عبد العلی
ناظم مجلس ندوۃ العلماء لکھنؤ

نماز عید الفطر (اجتماع خواتین)

حسب سابق اِس سال بھی کلکتہ کی مسلم خواتین نے "نماز عید الفطر" زیر اہتمام آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس (بنگال پراونشل برانچ) مسلم انسٹی ٹیوٹ میں باجماعت ادا کی۔

مولانا ابو اللیث صاحب نے امامت کی خواتین کثیر تعداد میں شریک ہوئیں۔ کلکتہ کی یہ نماز ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، باوجودیکہ عید کی مصروفیت اور خانہ داری، خواتین نے جماعت میں خشوع سے شرکت کر کے اسلامی شان کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

مسز ایچ۔ اے۔ حکیم۔ آنریری سکریٹری

ہندوستان اور ایران کے درمیان علمی و ادبی تعلقات

معلوم ہوا ہے کہ ایران سے جو کلچرل (ادبی) مشن یہاں ہندوستان آیا تھا اور شروع سال میں اس نے مختلف تعلیمی درسگاہوں اور ادبی اداروں کو دیکھا تھا اس نے حکومت ہند اور ہندوستان و ایران کے درمیان علمی و ادبی تعلقات بہتر بنانے کے لئے کچھ تجاویز پیش کی ہیں جس میں ایک تجویز یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں فارسی زبان کی تعلیم دینے کے لئے کچھ ایرانی پروفیسر مقرر کئے جائیں۔

لندن میں اسلام کے نئے ادبی مرکز کا پہلا اجتماع

اسلام کے نئے ادبی مرکز میں جو ریجیٹ پارک لنڈن میں قائم ہے مسلمانوں کا پہلی بار اجتماع وقوع میں آیا۔ یہ گویا رمضان کے روزوں کے بعد عید کے سلسلہ میں ایک مذہبی دعوت تھی، ڈاکٹر حسن نشاط پاشا مصری سفیر نے اِس موقعہ پر عربی زبان میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جس مسجد کی تعمیر زیر تجویز ہے اس پر اندازاً نصف کروڑ پونڈ صرف ہوگا، انھوں نے بیان کیا کہ مسجد کی تعمیر کے لئے برطانی حکومت نے جو قطعہ زمین مرحمت فرمایا ہے اسکی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ پونڈ لگایا جاتا ہے، جسطرح مصری حکومت نے برطانیہ کو قاہرہ میں دریائے نیل کے قریب ایک گرجا کی تعمیر کے لئے قطعہ زمین مرحمت فرمایا اسیطرح برطانیہ نے ایک مسجد کی تعمیر کیلئے قطعہ زمین دیا۔

وارسا میں خوراک کی مصیبت

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یہاں وارسا میں جو خبر پہونچی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وارسا کے لوگ کتوں کا گوشت کھا کر گزارہ کر رہے ہیں، ان کو جرمنوں کے خلاف لڑتے ہوئے سات ہفتہ ہو گئے ہیں اب ان کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں رہا ہے، ان کو ہوائی جہازوں کے ذریعے جو کھانا پہونچایا جاتا ہے وہ ناکافی ہے۔

اسکندریہ میں عرب کانگریس

رائٹر کا ایک تار پیام مظہر ہے کہ آج ۲۹ ستمبر کی شام کو اسکندریہ میں عرب کانگریس کا عام اجلاس شروع ہوا، یہ اجلاس دنیائے عرب کی تاریخ میں اپنی قسم کا پہلا اجلاس تھا، کیونکہ اسمیں مشرق وسطیٰ کے تمام عرب ممالک کے نمائندے شریک ہیں۔

وزیر اعظم مصر مصطفیٰ نحاس پاشا نے اس اجلاس کے متعلق اِس امر کا اظہار کیا ہے کہ اجلاس کے اختتام پر ہمیں اچھی خبریں سننے کو ملیں گی، ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ اِس اجلاس کے ایجنڈے میں کون کون سے مسائل شامل ہیں۔

(باہتمام خانصاحب جواہر خان مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خان ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی ڈاکٹر محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ایڈیٹر :- محمد اکرم اللہ خاں ندوی !

[illegible] :- سید العاف علی بریلوی [illegible]

جلد ۴۵ | اکتوبر ۱۹۴۴ء مطابق ۱۹ شوال المکرم ۱۳۶۳ھ | نمبر ۳۸

بھوپال کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ ڈاکٹر ہادی حسن صاحب پیریمیں شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی نے کونسل ہال بھوپال میں فارسی شعراء کی بدیہہ گوئی اور تاریخی روایات پر ایک لیکچر دیا، جس میں ریاست کے اعلیٰ حکام اور بہت سے طلبہ موجود تھے۔

لندن کی ایک خبر مظہر ہے کہ وارسا کی بغاوت کے بارہ میں حکومت پولینڈ نے جو رپورٹ شائع کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ حب الوطنی کی جنگ میں وطن پرور پولستانی فوج کے [illegible] آدمی ہلاک، زخمی یا گم ہوگئے اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی قید ہیں۔ شہر کی نصف عمارتیں برباد ہوگئیں اور ۳۵ فی صدی عمارتیں ناقابل سکونت ہیں

الہ آباد کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ یہ تجویز زیر غور ہے کہ سرمارس گوائر ریٹائرڈ چیف جسٹس آف انڈیا کی خدمات برطانوی وزارت اطلاع کے ماتحت امریکی یونیورسٹیوں کے دورہ کیلئے حاصل کی جائیں، لیکن ابھی کسی معتبر ذریعہ سے اس خبر کی تصدیق نہیں ہوئی۔

[illegible] کے حوالہ کر دیا۔

لکھنؤ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ [illegible] راجہ صاحب محمود آباد نے ایک مکمل ہسپتال [illegible] میموریل فنڈ کو دیا ہے جس کا نام محمود آباد کستوربا میموریل ہوگا اور اس کے مصارف [illegible] ریاست [illegible] سے ادا کئے جائیں گے۔

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے [illegible] سکرٹری مسٹر ہربرٹ مورسن [illegible] تقریر میں کہا کہ موجودہ جنگ میں اب تک برطانیہ کا [illegible] ارب پونڈ خرچ ہو چکا ہے (جو تقریباً دو کھرب [illegible] کروڑ روپیہ ہوتا ہے)۔

نئی دہلی کی ایک اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ ۲۶ ستمبر کو ختم ہونے والے دو ہفتوں کے دوران میں سمندر پار سے ہندوستان میں [illegible] ۲۴ [illegible] ٹن گیہوں آیا۔

مدراس کی ایک اطلاع [illegible] [illegible] ریسرچ کی جس کمیٹی کو حکومت ہند نے [illegible] کیا تھا گزشتہ ہفتہ میں اس کے ممبروں نے [illegible] یونیورسٹیوں [illegible] مدراس سے ملاقات کی [illegible] [illegible] کے نمائندوں [illegible] ملاقات کر [illegible] ہیں

[illegible] حجاز میں [illegible] [illegible] سعودی [illegible] حکومت [illegible] [illegible] کی قیمتیں [illegible] [illegible] موقعہ پر تھیں، یہ توقع کی جاتی ہے کہ امسال [illegible] معظمہ میں حاجیوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ جائے گی

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ [illegible] "ڈیلی ٹیلیگراف" کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ اٹلی [illegible] بینک کے گورنر کے خلاف اس الزام میں مقدمہ [illegible] چلایا جائے گا کہ اس نے اٹلی کا ساٹھ ٹن سونا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ر اکتوبر ۱۹۴۴ء عیسوی

فرقہ وارانہ مصالحت کا خواب پریشاں

ہمارے سامنے جو مختلف مسائل و معاملات غور و فکر کے لئے آتے ہیں اُن میں کچھ ایسے ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے یعنی لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ کوئی کچھ رائے دیتا ہے کوئی کچھ۔ لیکن بعض ایسے مسائل بھی ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش نہیں، مثلاً اگر آپ کسی مجمع سے جس میں مختلف الخیال لوگ موجود ہوں یہ سوال کریں کہ مظلوم کی مدد کرنا، بنی نوع انسان کیساتھ نیکی کرنا اور سچ بولنا بہتر ہے یا ظالم کی حمایت کرنا لوگوں سے بدی کرنا اور جھوٹ بولنا اچھا ہے تو ظاہر ہے کہ کوئی انسان بھی خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو یہ کہنے کی ہی جرأت نہیں کرے گا کہ ظالم کی امداد، انسانوں سے بدسلوکی اور جھوٹ بولنا بمقابلہ مظلوم کی حمایت اور نیکی و راستبازی کے زیادہ بہتر ہے۔

اسی طرح ایک اور مسلّمہ حقیقت جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں مختلف قومیں رہتی اور بستی ہیں تو انہیں آپس میں مِل جُل کر محبت و رواداری کے ساتھ رہنا چاہیے، تاکہ ہر شخص اطمینان و عافیت سے زندگی بسر کر سکے اور ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے یا روزمرہ کے کاروبار اور مذہبی فرائض میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ حسن معاشرت اور نیک سلوک کا طریقہ وتیرہ کر کے انسانیت کا اولین فرض انجام دے۔

غرض کوئی شریف و معقولیت پسند انسان یہ جائز نہیں سمجھے گا کہ ایک خاندان یا ایک ملک کے افراد آپس میں لڑتے جھگڑتے اور فتنہ و فساد برپا کرتے رہیں۔

یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے کہ اگر کسی ملک میں رہنے والی مختلف قومیں آپس میں مِل کر مصالحت و رواداری کے ساتھ زندگی بسر کریں گی تو اس کا فائدہ صرف کسی ایک قوم کو نہیں ہو پہنچے گا بلکہ جب ملک میں امن و عافیت کا دور ہوگا تو ہر قوم اطمینان و سکون سے زندگی بسر کرے گی اور اپنے فرائض بے روک ٹوک ادا کر سکے گی۔

اس کے برخلاف اگر ملک کی مختلف قوموں کے تعلقات ناخوشگوار ہوں گے اور اُن کے باہم مخالفت و عداوت ہو گی تو کسی بھی قوم کو اطمینان نصیب نہ ہوگا بلکہ وہ دوسری قوم کے ہاتھ سے تکلیف و ضرر اٹھاتی رہیگی۔ بے شک اس کشمکش میں اس قوم کو زیادہ ضرر پہونچیگا جو کمزور ہے اور تعداد کے لحاظ سے کم ہے، لیکن کثیر التعداد قوم بھی نقصان سے محفوظ نہیں رہے گی، نہ اطمینان و عافیت سے زندگی بسر کر سکے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ بحالت موجودہ ہندوستان کے لئے کونسی صورت زیادہ مفید ہے۔ آپس میں لڑتے رہنا اور فتنہ و فساد برپا کرنا یا مصالحت و رواداری کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، لیکن ہندوستان ایسا بدنصیب و ناعاقبت اندیش ملک ہے کہ یہاں اس معاملہ میں بھی اختلاف ہے اور ایک اچھی خاصی تعداد ہمارے ملک میں ایسے فتنہ پرداز لوگوں کی موجود ہے جو ہندو مسلم اتحاد کے علی الاعلان مخالف ہیں اور باہمی مصالحت و رواداری کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب ملک میں یہ خبر مشتہر ہوئی کہ گاندھی جی ہندو مسلم سمجھوتے کیلئے مسٹر محمد علی جناح کی ملاقات کے لئے بمبئی جانے والے ہیں تو ان لوگوں نے سارے ملک میں ایک شور و ہنگامہ برپا کر دیا، گاندھی جی کے پاس سینکڑوں تار اور خطوط اس مضمون کے پہونچے کہ وہ اس ارادہ سے باز آئیں، اسکے علاوہ مختلف صوبوں کے بہت سے مہاسبھائی تنہا یا ڈیپوٹیشن کی صورت میں گاندھی جی کے پاس پہونچے پھر مختلف جلسوں میں ملاقات کے خلاف تجویزیں پاس ہوئیں جب یہ تدبیریں بھی ناکام رہیں تو کچھ سر پھرے گاندھی جی کی کٹیا پر پکٹنگ کرنے کے لئے پہونچ گئے تاکہ انہیں بمبئی جانے سے روکیں۔

اس ساری ہنگامہ آرائی کا مقصد و منشا صرف یہ تھا کہ ہندو مسلمانوں میں مصالحت کی بات چیت نہ ہونے پائے کیونکہ اگر ان دو قوموں میں کوئی سمجھوتہ ہوگیا تو پھر ملک میں اُن نام نہاد لیڈروں کی کوئی حیثیت و اہمیت باقی نہیں رہیگی جو فرقہ وارانہ جذبات کو برانگیختہ کر کے ہندو مسلمانوں کو لڑا رہے ہیں اور اس قومی خدمت کے صلہ میں بغیر کسی قربانی و ایثار کے انہیں لیڈری کا منصب حاصل ہوگیا ہے۔

یہ بات لائق تحسین ہے کہ مسلمانوں کی کسی مذہبی یا سیاسی جماعت نے اس ملاقات کی مخالفت نہیں کی، بلکہ اس خبر کے شائع ہونے پر مسرت کا اظہار کیا اور ہر ممکن طریقہ سے ان لیڈروں کی ہمت افزائی کی تاکہ وہ ایک خوشگوار فضا میں صلح کی بات چیت کر سکیں، اسلامی اخبارات نے بھی اپنا لہجہ بدل دیا اور ایسے مضامین لکھنے سے احتراز کیا جو گفتگوئے مصالحت میں رکاوٹ پیدا کریں، غرض ہر ممکن طریقہ سے سازگار حالات پیدا کرنے کی کوشش کی۔

یہ حالات تھے جب بمبئی میں گاندھی جی کی ملاقات ہوئی جس کا سلسلہ ۱۷ روز تک جاری رہا، ایک طرف یہ ملاقات ہو رہی تھی، دوسری طرف بدستور ہنگامہ برپا تھا۔ ملک کی بدقسمتی سے یہ ملاقات ناکامیاب ہوئی، جس پر محب وطن خصوصاً مسلمانوں کو نہایت افسوس ہوا۔ لیکن کٹر فرقہ پرستوں نے اس پر اظہار مسرت کیا، یعنی وہ اس بات سے خوش ہوئے کہ ہندو مسلمانوں میں مصالحت نہیں ہوئی چنانچہ آنریبل این. سی. کھرے نے

یونٹی ایٹیڈ کے نمایندے سے ایک بیان کے دوران میں کہا :۔

"مجھے خوشی ہے کہ گاندھی جی اور مسٹر جناح کے درمیان طویل ملاقات کا سلسلہ ناکامی پر ختم ہوا ۔"

"مجھے امید ہے کہ یہ ناکامی تمام سمجھدار اور ہوشمند لوگوں کی ہمتیں بڑھانے کیلئے کافی ہوگی"۔

اسی طرح مسٹر [illegible] لال شیلواد اور مسٹر [illegible] ایک مشترکہ بیان میں کہتے ہیں ۔

"ہمیں گاندھی جناح گفت وشنید کی ناکامی کا قطعی افسوس نہیں ہے"۔

غرض متعدد لیڈروں اور فرقہ پرست اخباروں نے اس افسوسناک واقعہ پر اطمینان ومسرت کا اظہار کیا ہے ۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

جب تک ہمارے ملک میں اس ذہنیت کے لوگ موجود ہیں جو مصالحت وآزادی کے مقابلہ میں مخاصمت وغلامی کو ترجیح دیتے ہیں تو کیسے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر "گاندھی جناح" کی دوسری ملاقات ہوئی تو وہ کامیاب ہوگی ۔

اس پہلی ملاقات سے جو آگ بھڑکائی ہے ابھی تو اس کے شعلے بھی نہیں بجھے ۔

مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

(از مولانا محمد سلیم صاحب ناظم اعزازی مدرسہ صولتیہ)

خدا کے گھر کے لئے ان غیور وحساس مسلمانوں سے یہ مختصر خطاب ہے جنکو فیاض ازل نے اپنے فضل وکرم سے ایمان کی دولت حساس کی نعمت اور نیک کاموں کی رغبت عطا کی ہے۔

موجودہ مشکلات کے اس دور میں افسوس ہے کارکنان دار العلوم حرم اپنے دیرینہ محسنوں اور معاونین کرام کی خدمت میں کوئی مفصل اپیل پیش نہیں کر سکتے۔ قانونی احکام سخت ہیں اور کاغذ گراں ہے ۔

یہ عریضہ جن دلی توقعات کے ساتھ ارسال ہے خدا کرے کہ اہل حرم کی دن رات کی دعاؤں کا ثواب بنکر آپ ہمارے سامنے آئیں ، خدا کا شکر ہے کہ آج بھی ہندوستان میں ایسے نیکدل اہل خیر موجود ہیں جو مکہ معظمہ کے اس عظیم الشان صدقہ جاریہ کی مرکزی اہمیت کو سمجھ چکے ہیں ۔ اگر یہ عقیدہ ناقابل تبدیل ہے کہ ہر پاک نفس مسلمان اپنے ایمانی تعلق اور دلی لگاؤ سے بیت اللہ کی طرف لازوال کشش رکھتا ہے تو پھر کعبہ کے زیر سایہ اپنی اسی سالہ قومی اور علمی مشترکہ یادگار مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کو یاد رکھئے جو مرکز اسلام میں آپ کی طرف سے، آپ کے نام سے اور صرف آپ کی امداد وسرپرستی میں سب سے پہلا دار العلوم اور جزیرۃ العرب میں سب سے بڑی دینی درسگاہ ہے اور ارض حرم پر الحمد للہ اسلامی دنیا کے ہر خطہ اور ہر نسل کے چھ سو سے زیادہ شائقین علم کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتا ہے جس کے مختلف تعلیمی اور انتظامی شعبوں میں (۴۷) اساتذہ وعہدیداران وملازمین ذمہ دارانہ حیثیت سے دین وعلم کی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں اور صبر واستقلال کے ساتھ زمانہ کی حوصلہ شکن مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں ۔

دار العلوم حرم کا سال حال کا میزانیہ بجٹ ۳۹۵۸۴ روپیہ ہے ، محرم ۱۳۶۳ھ سے رجب ۱۳۶۳ھ یعنی سات ماہ میں صرف ۱۸۱۰۳ روپیہ ۹ آنہ ۹ پائی آمدنی ہوئی ، سال تمام تک موجودہ شعبوں کے اہم مصارف کو احتیاط وضروری کے ساتھ پورا کرنے کے لئے ۳۵ ۴ ۳ روپیہ ۶ آنہ ۲ پائی کی کمی خادمان دار العلوم حرم کے لئے ہوش ربا ہے ۔ ع

ابر نیساں یہ تنک باری تبسم کب تک
میرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی

ایسے نازک وقت میں مکہ معظمہ کے علمائے کرام اور مجاہدین علم طلبا کا سہارا کون ہو سکتا ہے ؟ صرف خدا اور اس کی تائید غیبی سے وہ فیاض دل بندے جن کو کسی عمل خیر سے دلی تعلق ہو اور وہ اولوالعزم محسن جو اپنی نیک کمائی کا ادنیٰ اور معمولی حصہ سرمایۂ آخرت کی شکل میں بدلنے کے آرزومند ہوں ، خداوند کریم کبھی کسی محسن کے اجر کو ضائع نہیں کرتا اور پھر اپنے پاک گھر میں جہاں "ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر ہے"۔ ہمارا یقین ہے کہ خداوند کریم جس پر اپنا فضل وکرم کرنا چاہتا ہے اس کے نرم ونازک دل میں خدمت حرم کا مبارک جذبہ پیدا کرکے ولادت گاہ رحمۃ للعالمین میں اس مرکز علم وعرفان مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی امداد واعانت کی رغبت وتوفیق دیتا ہے ۔ اس مقصد خیر کی طرف آپ کی گرامی قدر توجہ مبذول کرانا میرا فرض منصبی تھا ، متاثر ہونا آپ کا کام ہے اور توفیق خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔ زیادہ دعائے خیر

پتہ ۔ معتمد صاحب صدر دفتر مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ قرول باغ ۔ دہلی ۔

روس میں ایک جدید تعلیمی اسکیم

ماسکو کے نامہ نگاروں کا بیان ہے کہ مارشل اسٹالن کی امداد سے روس میں سائنس کی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے زبردست کوشش ہو رہی ہے ۔ تمام روس میں تعلیم کا معیار بڑھایا جا رہا ہے ۔ اسکولوں کا نصاب بدلا گیا ہے ۔ اب اسکولوں میں لازمی داخلہ کی عمر آٹھ سے گھٹا کر سات سال کر دی گئی ہے ۔ صرف وہی طالب علم یونیورسٹی میں جا سکیں گے جو اچھے نمبروں سے پاس ہوں گے ۔

اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ سب شہریوں کو ہر سائنس کی کچھ نہ کچھ واقفیت ہونا چاہئے ۔ ۷ سال سے ۱۱ سال تک کے بچوں کو قدرتی تاریخ پڑھائی جائے گی اور ۱۱ سے ۱۷ سال تک عمر کے بچوں کو علم الحیات ، طب ، نجوم ، ادویہ ، ترکیب انسانی ، عضویات ، اور بجلی وغیرہ کے علوم اور ڈارون کے اصول سکھائے جائیں گے ۔

نئی تعلیمی اسکیم کا منشا یہ ہے کہ روس میں ایسے عالی دماغ لوگ معقول تعداد میں پیدا ہوں جو دوسرے ممالک کا مقابلہ کر سکیں ۔

روس میں شیخ الاسلام کا انتخاب

ماسکو کی ایک خبر میں بیان کیا گیا ہے کہ کاکیشیا کے مولویوں کی ایک بڑی مجلس حال میں ماسکو میں منعقد ہوئی ، آذربائیجان ، آرمینیا ، جارجیا ، ماسکو ، قازان اور تاشقند وغیرہ علاقوں کے مسلمانوں کے ڈیلی گیٹ مجلس میں شریک ہوئے مجلس نے مارشل اسٹالن کو مبارکباد کا تار بھیجا ،

[illegible] مسلمانوں کو فیسزم کے خلاف لڑنیکا پیغام دیا، کاکیشن کے علاقہ کے لئے مستقل "مسلم بورڈ" منتخب کیا گیا اسکے علاوہ شیخ الاسلام آغا [illegible]، شیخ صاحب نے گلوب کے نمائندے کو بتایا کہ روس کے مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ بجائے تقرر کے شیخ الاسلام کا انتخاب کیا گیا۔

شیعہ سنّی جھگڑے کے متعلق شیخ صاحب نے بتایا کہ اب یہ مسئلہ اس طریقہ پر حل ہو گیا ہے جسکا ہم پہلے خواب میں بھی خیال نہیں کر سکتے تھے، ہم شیعہ لوگ آذربائیجان میں اکثریت میں ہیں، مگر ہم سنیوں کی مذہبی آزادی میں خلل انداز نہیں ہوتے ہم سب کے لئے "مسلم بورڈ" ایک ہی ہے میرے نائب جو صاحب ہیں وہ سنیوں کے نمائندے ہیں۔ سوویٹ حکومت کا یہ مقولہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے مذہبی عقیدہ پر چلنے کا حق ہے۔ دور شاہی میں مسلمانوں اور ارمنیوں کے درمیان مخاصمت تھی جس کی بدولت خون خرابہ ہو جاتا تھا۔ سوویٹ حکومت نے اسکو ختم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو دنیا بنائی ہے اسمیں شیعہ و سنی دونوں کے لئے کافی گنجائش ہے۔

ہندوستان کی تعلیم پر ممبر تعلیم کا تبصرہ

دہلی کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ سر جوگندر سنگھ نے جو ہز ایکسیلنسی وائسرائے کی مجلس انتظامی میں تعلیم کے ممبر ہیں اساتذہ کی ایک کمیٹی کے جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے ملک کو استادوں کی ایک فوج کی ضرورت ہے۔ اس کمیٹی کو تعلیم کے سنٹرل ایڈوائزری بورڈ نے مقرر کیا تھا۔

صدارتی تقریر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تعلیم ایک سوشل سروس ہے۔ اسوقت برطانوی ہندوستان میں ۱۶ یونیورسٹیاں ہیں اور بارہ اونچے تعلیمی ادارے ہیں اسکے علاوہ ۳۴۳ کالج ہیں جن کا تعلق ان یونیورسٹیوں سے ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کمیٹی کے ممبروں کو معلوم ہوگا کہ کم تنخواہوں کے استاد رکھکر کچھ اچھے دماغ کے لوگوں کو جو زیادہ تنخواہوں کے مستحق تھے کھو دیا گیا ہے۔ آپ نے تعلیم کے معیار کو اور زیادہ بلند کرنے پر بھی زور دیا۔

اس کے بعد سر جوگندر سنگھ نے اپنی تقریر میں مشاورتی مرکزی تعلیمی بورڈ کی اسکیم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اسکی ایک تجویز یہ ہے کہ ۶ سے ۱۴ سال تک کی عمر کے بچوں کو جبری طور پر مفت تعلیم دیجائے۔ دوسری تجویز یہ ہیں کہ [illegible] اسکولوں میں دس لاکھ جگہیں نکالی جائیں اور ۶ سال سے کم عمر کے بچوں کے لئے مخصوص اسکول کھولے جائیں اور مختلف قسم کے ہائی اسکول بھی قائم کئے جائیں۔

آخر میں سر جوگندر سنگھ نے یہ کہا کہ اگر ہندوستان نے تعلیم کے لحاظ سے ایسی ترقی نہ کی جیسی کہ دوسرے ممالک نے کی ہے تو جنگ کے بعد وہ ہندوستان کے دوسرے شائستہ ممالک کے دوش بدوش نہ چل سکے گا۔

حکومتِ ہند کیطرف سے حکومت حجاز کی امداد

کراچی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ اورینٹ پریس کو نہایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ پچھلے دو سال میں حکومت ہند نے حکومت حجاز کو دس لاکھ روپیہ سالانہ کی امداد دی ہے تاکہ حکومت حجاز کے اس نقصان کی تلافی ہو سکے جو حاجیوں کی قلت کی وجہ سے [illegible] کی آمدنی [illegible] کی صورت میں حجاز کو ہو رہا تھا امسال [illegible] دو جہاز حجاج کو لے جائیں گے اور راستہ میں ان جہازوں کی حفاظت ہندوستان کا بحری بیڑا کرے گا۔

ہندوستانی سائنسدانوں کے وفد کی روانگی

کراچی کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ [illegible] ہندوستانی سائنسدانوں کا ایک وفد برطانیہ کی سائنس کی ترقیوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہندوستان سے انگلستان کے لئے روانہ ہوگیا اس وفد کی قیادت سر شانتی سروپ بھٹناگر ڈائرکٹر سائنٹفک و انڈسٹریل ریسرچ انسٹیٹیوٹ کر رہے ہیں، یہ وفد انگلستان میں سات ہفتے قیام کرے گا، اس کے بعد امریکہ کے دورہ کے لئے روانہ ہو جائے گا۔

گاندھی جی اور ہندی کی حمایت

واردھا کی ایک خبر مظہر ہے کہ مسٹر ستیا نرائن سکریٹری دکھشن بھارت ہندی پرچار سبھا نے جنوبی ہندوستان میں کام کے سلسلہ میں آج گاندھی جی سے ملاقات کی، گاندھی جی نے ۱۹۱۸ء میں ہندی پرچار کا کام شروع کیا تھا بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں کافی ترقی حاصل ہوگئی تھی اور جنوبی ہندوستان کے لاکھوں باشندوں کو ہندی زبان سکھا دیگئی تھی اب ستیا نرائن سلور جوبلی منانے کی تجویز پیش کی ہے جسکو گاندھی جی نے قبول کرلیا۔

ڈاکٹر امبیدکار اور اچھوت

پٹنہ کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ بہار پراونشل اچھوت فیڈریشن کے صدر مسٹر جے دیوا پرشاد نے ڈاکٹر امبیدکار کے اُن خیالات کی تائید کی جو انھوں نے گاندھی جناح گفتگو کے سلسلہ میں ظاہر کئے تھے اور کہا کہ اچھوتوں کا دعویٰ حق خود انفصالی کا ہے اور وہ پاکستان یا ہندوستان کا ضمیمہ بنکر نہیں رہنا چاہتے۔ وہ اسکی پوری طاقت سے مخالفت کریں گے۔

لکھنؤ یونیورسٹی یونین

لکھنؤ کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ لکھنؤ یونیورسٹی یونین اگست ۱۹۴۲ء میں معطل کی گئی تھی [illegible] کی کوشش جاری ہے، [illegible] لکھنؤ [illegible] ملاقات کی ہے

ڈاکٹر سیّد محمود کا بیان

ڈاکٹر سیّد محمود ممبر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے [illegible] بمبئی پہنچنے کے بعد یہ کہا کہ میں بحالت موجودہ ملک کے بڑے مسائل پر کوئی اظہار خیال کرنے سے اسوقت تک قاصر ہوں جب تک میں اس صورتِ حال کا صحیح جائزہ نہ لے لوں جو گزشتہ دو سال کے دوران میں پیدا ہو گئی ہے۔

(باہتمام (خانصاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علیگڑھ سے شائع کیا)

زیر نگرانی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی ڈاکٹر محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

ایڈیٹر :- محمد اکرام اللہ خاں ندوی
منیجر :- سید الطاف علی بی۔ اے (علیگ)

جلد ۱۵ | ۱۶ راکتوبر ۱۹۴۴ء مطابق ۲۷ ر شوال المکرم ۱۳۶۳ھ | نمبر ۳۹

مسلم یونیورسٹی ۱۴ اکتوبر ۴۴ء کو کھل گئی، امسال طلبہ کا داخلہ بہت کثرت سے ہوا ہے، سارے ہوسٹل بھر گئے، پھر بھی جگہ کی تنگی ہے اور طلبہ کیلئے خیموں وغیرہ کا انتظام ہو رہا ہے،

مولوی مراد علی خاں صاحب سفیر کانفرنس آجکل کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی اشاعت اور علم دوست اصحاب کو کانفرنس کا ممبر بنانے کیلئے پنجاب کا دورہ کر رہے ہیں، ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ مولوی صاحب کی کوشش و ترغیب سے پنجاب کے مختلف اضلاع میں حسب ذیل اصحاب نے کانفرنس کی لائف ممبری قبول کی :

۱۔ آنریبل لفٹنٹ کرنل ملک خضر حیات خاں صاحب وزیر اعظم پنجاب۔

۲۔ جناب میجر سردار شوکت حیات خانصاحب سابق وزیر تعلیم پنجاب۔

۳۔ جناب نواب افتخار حسین خانصاحب بی۔ اے (علیگ) ایم۔ ایل۔ اے نواب ممدوٹ۔

۴۔ نوابزادہ محمد سعید خانصاحب رئیس اعظم ساہیوال۔ شاہ پور۔

۵۔ جناب ایس۔ اے رحمٰن صاحب سشن جج سرگودھا۔

۶۔ جناب شیخ محمد سعید صاحب ڈویژنل آفیسر سرگودھا

۷۔ جناب فقیر محمد خورشید صاحب بی۔ اے ایل ایل۔ بی سجادہ نشین شاہ صادق، ہنگ ضلع جھنگ۔

۸۔ خان بہادر سردار حسین شاہ صاحب رئیس اعظم رجوعہ۔

۹ خان محمد عارف صاحب ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ و رئیس بدھ رجبانہ۔

۱۰۔ خان بہادر رائے سلطان بھٹی صاحب رئیس و ذیلدار بدانہ۔

کارکنان کانفرنس ان سب اصحاب کے شکرگزار ہیں، ہمیں امید ہے کہ پنجاب کے دوسرے علم دوست اصحاب بھی کانفرنس کی لائف ممبری قبول کر کے اپنی قوم کی تعلیمی ترقی میں امداد دینگے۔

لائف ممبری کا چندہ ایک سو پچیس روپیہ ہے جو اصحاب یہ رقم ادا کرتے ہیں وہ ساری عمر کے لئے کانفرنس کے ممبر بنجاتے ہیں۔

مدراس کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ مکہ مدینہ سنٹرل ریلیف کمیٹی بلاد عرب کے فاقہ زدوں کی امداد کے لئے ایک ہزار ٹن گیہوں بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہے، یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس امداد پر تقریباً ۳ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا صوبہ مدراس کے اطراف واکناف سے اس مقصد کیلئے چندہ جمع کیا جا رہا ہے۔

مسلم یونیورسٹی میں ایک میڈیکل کالج قائم کرنیکی جو تحریک شروع ہوئی ہے ملک کے ہر حصہ میں اسے بہ نظر استحسان دیکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں طلبہ کے جو ڈیپوٹیشن مختلف مقامات پر بھیجے گئے تھے، ہر جگہ ان کا خوش دلی سے خیر مقدم کیا گیا، اور انھیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ اکتوبر ۱۹۴۴ء

مصالحت کی بے نتیجہ گفتگو

جب ہندو مسلم اختلافات کے حل کرنے کیلئے مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ اور گاندھی جی کی بات چیت شروع ہوئی تو ہر محب وطن ہندوستانی کی دلی آرزو تھی کہ یہ گفتگو کامیاب ہو، اور ہندوستان فرقہ وارانہ کشمکش کی اس مستقل مصیبت سے نجات حاصل کرے جس میں وہ ایک مدت سے مبتلا ہے لیکن دوسری طرف مہاسبھائی اور کٹر فرقہ پرست اس ملاقات و گفتگو کو ناکام بنانے کی تدبیروں میں مصروف تھے، کیوں کہ وہ اپنی قدامت پسندی اور تعصب و تنگ نظری کی وجہ سے یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ہندو مسلمانوں میں مصالحت ہو جائے اور آئندہ ہندوستان کی یہ دو بڑی قومیں میل ملاپ اور رواداری کے ساتھ اس ملک میں زندگی بسر کریں۔

جب تک یہ بات چیت رہی سارا ملک ایک عجیب اضطراب کی حالت میں تھا، اور صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ انگلستان میں بھی اس تاریخی ملاقات و گفتگو کے نتیجہ کا امید و بیم کے ساتھ انتظار کیا جا رہا تھا، یہ اضطراب و انتظار بجا نہ تھا کیونکہ ہر شخص اس حقیقت سے واقف تھا کہ یہ ملاقات خواہ کامیاب ہو یا ناکامیاب بہر صورت اس کے اثرات ہندوستان کے لئے نہایت غیر معمولی ہوں گے، کامیابی کی صورت میں یہ نہایت انقلاب آفریں ہوگی جس سے ہندوستان کا مستقبل یکسر بدل جائیگا، اور اس کے نظام حکومت میں ایسی زبردست تبدیلیاں ہوں گی کہ گویا ایک "نیا ہندوستان" وجود میں آئے گا جس کا خواب ہم برسوں سے دیکھ رہے ہیں اور جس کے لئے ہزاروں محبان وطن نے قید و بند کے مصائب برداشت کئے اور زبردست قربانیاں کی ہیں۔

اس ملاقات کی کامیابی کے یہ معنی تھے کہ ہندو مسلمانوں کا سمجھوتہ ہو جاتا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک میں جو فرقہ وارانہ ہنگامے رات دن برپا رہتے ہیں وہ ختم ہو جاتے اور امن و عافیت کا ایک نیا دور شروع ہوتا اور ہندوستان بھی دنیا کی دوسری باعزت و ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش ترقی کرتا لیکن بدنصیبی سے ایسا نہیں ہوا، اور یہ طویل ملاقات جس کے نتیجہ پر کروڑوں انسانوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں ناکامیاب رہی

ناکامیابی کی یہ خبر سارے ملک میں نہایت رنج و افسوس کے ساتھ سنی گئی اور لوگوں نے ہندوستان کی فلاح و آزادی کے متعلق جو اُمیدیں قائم کر رکھی تھیں وہ خواب و خیال ہوگئیں، اب ہندوستان بدستور جمود کی حالت میں مبتلا ہے اور فرقہ وارانہ تعلقات بد سے بدتر ہوگئے ہیں۔ "اکھنڈ ہندوستان" والوں نے سارے ملک میں ایک شور برپا کر رکھا ہے، اور وہ علی الاعلان ایسے خیالات ظاہر کر رہے ہیں جن سے باہمی تعلقات میں اور زیادہ تلخی پیدا ہو گئی ہے، اور گفتگوئے مصالحت کے زمانے میں جو خوشگوار و امید افزا حالت پیدا ہو گئی تھی اب باقی نہیں رہی۔

یہ ملاقات اگرچہ ناکامیابی پر ختم ہوئی لیکن ملاقات کے اختتام پر دونوں لیڈروں کے جو بیانات شائع ہوئے اُن میں امید کی ایک جھلک پائی جاتی تھی، اور یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ ملاقات آخر تک بغیر کسی بے لطفی کے دوستانہ طریقہ سے جاری رہی اس لئے ممکن ہے کہ یہ دونوں لیڈر ایک دفعہ پھر باہم ملاقات کر کے زیر بحث معاملات کا تصفیہ کر لیں لیکن اب بلحاظ حالات یہ امید موہوم بھی باقی نہیں رہی۔

مسٹر محمد علی جناح نے گفتگو کے ناکام خاتمہ کے بعد اپنی اور گاندھی جی کی خط و کتابت اشاعت کی غرض سے دیتے ہوئے ایک بیان دیا تھا جس کے آخر میں یہ فرمایا تھا۔

"مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں مسٹر گاندھی کی رائے بدلنے کے کام میں فیل ہوگیا، اس لئے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ہمارے درمیان جو خط و کتابت ہوئی ہے اسے اخبارات میں شائع کرا دیں، پھر بھی "ہم" امید کرتے ہیں کہ پبلک تلخی نہ محسوس کرے گی اور ہمیں یہ یقین ہے کہ یہ ہماری کوششوں کی آخری منزل نہیں ہے۔

مسٹر جناح نے لفظ "ہم" استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گاندھی جی بھی اس "یقین" میں شریک تھے کہ یہ ان دونوں کی کوشش کی آخری منزل نہیں ہے۔

مسٹر محمد علی جناح کے علاوہ خود گاندھی جی نے بھی ۲۷ ستمبر کو ایک پریس کانفرنس میں یہ فرمایا۔

"یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم کسی سمجھوتے پر نہیں پہونچ سکے مگر مایوسی کی کوئی وجہ نہیں"

آپ نے یہ بھی کہا۔

"اسے خاتمہ نہیں کہا جا سکتا، یہ غیر معین التوا ہے، اگر ہم اس عرصہ میں اپنا نقطہ نگاہ ایک دوسرے کے سامنے رکھیں اور اگر پبلک تعاون کرے تو ہم جلد ہی اس مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں جو اسوقت ناقابل حل معلوم ہوتا ہے"

ایک سوال کے جواب میں گاندھی جی نے صراحتًہ یہ فرمایا۔

"مجھے امید ہے ہم جلد ہی از سر نو ملاقات کر سکیں گے، اس ملاقات کو ممکن بنانا اور تاریخ ملاقات کو قریب تر لانا اخبارات اور عوام کا کام ہے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم دشمنوں کی طرح نہیں بلکہ دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے جدا ہوئے ہیں"

دونوں لیڈروں کے مندرجہ بالا بیانات سے

یہ واضح ہوتا ہے کہ گفتگو کے اختتام پر وہ ایسی حالت میں جدا ہوئے کہ ان کے باہمی تعلقات خوشگوار تھے اور وہ توقع کرتے تھے کہ دوبارہ ملاقات کر کے اِن مشکلات کا کوئی حل تلاش کر سکیں گے، خود گاندھی جی کا یہ خیال تھا کہ :

"مایوسی کی کوئی وجہ نہیں"

لیکن نہایت افسوس ہے کہ ملاقات کے چند ہی روز بعد گاندھی جی نے ایسے بیانات دینے شروع کئے جو مقتضائے مصلحت کے خلاف تھے اور جن میں ایسے اشارے کئے گئے تھے جن سے بے شبہ مسٹر محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی موجودہ پوزیشن کو صدمہ پہونچتا تھا، اس بے احتیاطی کا انجام یہ ہوا کہ مسٹر محمد علی جناح نے پبلک طور پر ان بیانات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ جواب شائع ہوا جو گاندھی جی کے حلقہ معتقدین میں ناپسند کیا گیا، حاصل کلام یہ کہ از سر نو تلخی پیدا ہو گئی اور وہ "قصر امید" جو دونوں لیڈروں نے قائم کیا تھا منہدم ہو گیا۔

گاندھی جی نے اپنے ابتدائی بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ "تاریخ ملاقات کو قریب تر لانا اخبارات و عوام کا کام ہے" بے شبہ یہ صحیح تھا لیکن "اخبارات و عوام" نے اس پر کس حد تک عمل کیا؟ وہ اس سے ظاہر ہے کہ برادران وطن کے اکثر اخبارات نے جو درحقیقت پہلے ہی سے اِس ملاقات کے مخالف تھے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اور وہ اس ناکامی کا ذمہ دار صرف مسٹر محمد علی جناح کو قرار دیتے ہیں۔ رہے عوام تو وہ حسب معمول لیڈروں کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں اور لیڈروں کی یہ حالت ہے کہ وہ اس ملاقات کے چند روز بعد "اکھنڈ ہندوستان" کی تائید میں دہلی میں ایک جلسہ وسیع پیمانے پر منعقد کر کے اپنی شعلہ بار تقریروں سے سادہ لوح عوام کے جذبات کو مشتعل کر رہے ہیں، اب فرمائیے۔ ع

"بیست یاراں طریقت بعد ازیں تدبیر ما"

یہ واقعات ہیں جنھوں نے ان لوگوں کو جو مستقبل قریب میں ان لیڈروں کی دوسری ملاقات اور از سر نو گفتگوئے مصالحت شروع ہونے کی توقع کر رہے تھے بالکل مایوس کر دیا ہے

یہ گفتگو ایک ایسے نازک وقت میں شروع ہوئی تھی جب کہ ہندوستان کو فرقہ وارانہ اتحاد کی شدید ضرورت تھی لیکن تنگ نظر اور کوتاہ اندیش لوگوں نے موقع کی اہمیت کو نہ جانا۔

گاندھی جی اگر درحقیقت ہندوستان کی آزادی کے طالب تھے اور ہندو مسلمانوں کو ایک قوم سمجھتے تھے تو انہیں بھی فراخدلی سے کام لینا چاہئے تھا، جس کو آزادی عزیز ہوتی ہے وہ ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے درپے نہیں ہوتا،

بہرحال جو کچھ ہوا بُرا ہوا، فرقہ وارانہ مصالحت کا مسئلہ ایک غیر معین مدت کے لئے پیچھے پڑ گیا، آئندہ کیا ہوگا؟ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا، لیکن بظاہر تو حالات امید افزا نہیں ہیں۔

ہندوستان کیلئے ایک تعلیمی اسکیم

واشنگٹن کا ایک مجری تار مظہر ہے کہ حکومت ہند کے مشاورتی تعلیمی بورڈ سر جان سارجنٹ نے جو یہاں کی یونیورسٹی کا معائنہ کرنے آئے ہوئے ہیں ایک انٹرویو میں یہ کہا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان میں ۲ لاکھ ٹیچروں کو ٹریننگ دی جائے گی اور ان میں سے بہت سے ٹیچروں کو امریکہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں خاص ٹیکنیکل ٹریننگ دینے کی سہولت دی جائے گی، انھوں نے کہا کہ ہندوستان میں تعلیمی پروگرام کے ہمارے دو مقصد ہیں ایک یہ کہ عملی مسائل کا حل کیا جائے۔ دوسرے ایسے ٹیچروں کو دوسری قوموں کے تمدنی مسائل اور قومی کیرکٹر سے واقف کرنا

جامعہ ازہر میں طلبہ کی کثرت

قاہرہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ امسال جامعہ ازہر میں داخل ہونے کیلئے مشرق وسطیٰ کے تمام عرب ممالک سے چار ہزار مسلمان طلبہ نے درخواستیں دی ہیں، طلبہ کی تعداد پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، لہٰذا جامعہ ازہر کی انتظامی مجلس کے ساتھ نائب شیخ جامعہ ازہر انفرادی طور پر ہر ایک طالب علم کے معاملہ پر غور کریں گے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جامعہ ازہر میں امسال ہندوستان کے ۱۵۰ طلبہ ہیں۔

چین کو سامان جنگ کی امداد

امریکہ کے محکمہ جنگ کے ایک اعلان سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ صرف پچھلے مہینے میں چار کروڑ ۱۰ لاکھ پونڈ سے زیادہ وزن کا جنگی سامان طیاروں کے ذریعہ سے ہندوستان سے چین کو بھیجا گیا ہے۔

اس جنگی سامان میں پٹرول اور بارود وغیرہ بھی شامل ہے۔ اس مہینہ میں صرف ایک روز ۲۵ لاکھ پونڈ سامان بھیجا گیا جس روز یہ سامان بھیجا گیا طیاروں نے ۵۹۵ مرتبہ پرواز کی اور کوہ ہمالیہ کو اوسطاً ہر ڈھائی منٹ کے بعد عبور کیا جاتا تھا۔

حیدرآباد میں زراعتی کالج کی تجویز

حیدرآباد کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ حکومت حیدرآباد نے اپنے یہاں ایک ایسے زراعتی کالج کھولنے کی ایک اسکیم منظور کی ہے جس میں تقریباً ۷۰ طلبہ کو زراعت کی تعلیم دیجائے گی، اس مقصد کے لئے حکومت نے ۱۵ لاکھ روپیہ کا بجٹ منظور کیا ہے۔

اب تک حکومت حیدرآباد تین یا چار طلبہ کو زراعت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کے مختلف حصوں میں بھیجنے کی اسکیم پر عمل کرتی رہی ہے، لیکن ریاست کے زراعتی محکمہ کی ضروریات کے پیش نظر یہ تعداد بہت ناکافی ہے اور قبل از جنگ بھی یہ تعداد ناکافی خیال کی گئی تھی، اس لئے حکومت نے اِس بات کو محسوس کیا کہ مابعد جنگ زراعتی ترقی کے لئے لوگوں کو تیار کیا جائے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کالج آئندہ جون تک کھل جائے گا۔

اسلامیہ انٹر کالج بریلی کو گرانقدر عطیہ

ڈاکٹر حامد علی صاحب بریلوی (حامد نواز جنگ بہادر) نے گزشتہ سال مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے لاکھوں روپیہ کا جو وقف کیا ہے وہ باخبر حضرات کو معلوم ہے، اس سے پہلے آپ نے چند شرائط پر ۲۶ ہزار روپیہ کانفرنس کو بھی ایک

خاص عمارت کی تعمیر کے لئے مرحمت فرمایا تھا، چنانچہ آپ کے نام پر ایک خوش نما سلسلہ عمارات تعمیر کیا گیا، جس کا نام "حامد علی بلڈنگ" ہے۔ کچھ مدت بعد اس عمارت کا کرایہ طلبہ کے وظائف پر خرچ ہوگا۔

اب ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے وطن بریلی کے "اسلامیہ انٹر کالج" کو بھی دس ہزار روپیہ عنایت کیا ہے، کالج کو یہ گرانقدر امداد عین ضرورت کے وقت ملی ہے، ممدوح کو اس امداد پر آمادہ کرنے میں سید الطاف علی صاحب بی۔ اے بریلوی کی کوشش کو خاص دخل ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے گزشتہ سال جو شاندار وقف کیا تھا اس پر اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ نے بھی اظہار خوشنودی فرمایا تھا۔

بنگال میں ایک لائبریری قائم کرنیکی تجویز

کلکتہ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ صوبہ بنگال کی "مسلم لیگ لائبریری" کے افتتاح کے سلسلہ میں ابتدائی انتظامات تقریباً مکمل ہو چکے ہیں اس لائبریری میں ہر موضوع مثلاً تاریخ، دینیات وغیرہ ہر خیال کی سیاسی کتابیں فراہم کی جائیں گی اور ہر شخص نہ کسی حرج کے مستفید ہو سکیگا۔

اس لائبریری کے مصارف صوبے کی مسلم لیگ کے ذمہ ہوں گے۔ اس بات کی پوری کوشش کی جارہی ہے کہ اسے اوّل درجہ کی لائبریری بنایا جائے، دو ہزار روپیہ کا سامان ریچر وغیرہ اب تک فراہم کیا جا چکا ہے۔ یہ لائبریری صوبہ مسلم لیگ کے دفتر کے قریب قائم کی جائے گی۔ کمرہ اسقدر وسیع ہے کہ بیک وقت ساٹھ اشخاص بیٹھ کر مطالعہ کر سکیں گے، ابتدائی مصارف تقریباً دس ہزار ہوں گے۔

الہ آباد یونیورسٹی کی اگزکٹو کونسل

الہ آباد کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ الہ آباد یونیورسٹی کی اگزکٹو کونسل کا ایک اجلاس ۱۴ر اکتوبر ۱۹۴۴ء کو منعقد ہوا۔

کونسل نے وائس چانسلر کے عہدہ کے لئے پروفیسر امرناتھ جھا، ڈاکٹر کنہیا لال اور سر سید

وزیر حسن کے نام تجویز کئے ۱۹۴۴-۴۵ء کے لئے بجٹ کا تخمینہ بھی منظور ہوا۔

مصنفین کا ایک جلسہ

گزشتہ ہفتہ میں لکھنؤ کے مصنفین کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں حکومت ہند کے سول سپلائی کے محکمہ کے پاس ایک ڈیپوٹیشن لیجانا منظور ہوا، تاکہ کاغذ کے کنٹرول میں ترمیم کرانیکی درخواست کی جائے جس سے مصنفین کی انجمن تالیف وتصنیف اور نشر واشاعت کا کام جاری رکھ سکے۔

جنگ کے بعد ۵۰ لاکھ آدمی بیروزگار

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یورپ میں جنگ کے خاتمہ پر پچاس لاکھ آدمی بے روزگار ہو جائیں گے اس میں عورتیں بوڑھے اور وہ لوگ شامل ہیں جو بڑی تنخواہوں کے لالچ سے کام کرتے ہیں، دی ٹائمز کا نامہ نگار نیو یارک سے لکھتا ہے کہ مذکورہ بالا ملازمتوں میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جنہیں فوجی خدمات سے سبکدوش کیا جائے گا بہرحال یہ تعداد ایسی نہیں ہے کہ اس سے بیکاری کا عقدہ لاینحل پیدا ہو جائے۔

اُردو جرنلسٹ ایسوسی ایشن یو، پی

اُردو جرنلسٹ ایسوسی ایشن یو پی کا ایک جلسہ ۰ ۱ر اکتوبر ۱۹۴۴ء کو بمقام لکھنؤ گنگا پرشاد میموریل ہال میں منعقد ہوا، جس میں غور وبحث کے بعد ایسوسی ایشن کا دستور العمل منظور ہوا، اس کے بعد ورکنگ کمیٹی اور کونسل کے ممبروں کا انتخاب ہوا، اور چند ضروری رزولیوشن منظور ہوئے، نیوز پیپر کنٹرول اکانمی آرڈر پر کافی بحث وگفتگو ہوئی اور اُسے اخبارات کی زندگی کے لئے خطرناک قرار دیا گیا، اِسی سلسلہ میں ایک ڈیپوٹیشن کا دہلی جانا بھی طے ہوا، اجلاس کانفرنس کے بعد روزنامہ حقیقت کے دفتر میں سب مہمانوں کو ایک پرلطف ایٹ ہوم دیا گیا، جلسہ ہر اعتبار سے کامیاب رہا۔ مفصل آئندہ

امریکہ کا ہولناک جنگی خرچ

امریکہ کے وزیر خزانہ مسٹر مارگنتھو نے اپنے ایک بیان میں یہ بتایا کہ امریکہ کے کل وسائل کا نصف جنگ پر خرچ کیا جا رہا ہے، جب سے پرل ہاربر پر حملہ ہوا، اسوقت سے ۱۰کھرب ۸۰ ارب ڈالر کی رقم خرچ ہو چکی ہے۔ اس زمانہ میں غیر فوجی مصارف میں کمی کرکے سولہ ارب ڈالر کرائے گئے، اس طریقہ سے حکومت نے جنگ پر دو کھرب ۲۱ ارب ڈالر کی رقم خرچ کی۔

ہندوستان کے ماہرین صنعت کا مشن

حکومت ہند نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس نے ہندوستان کے ماہرین صنعت اور بیوپاریوں کو انگلستان اور امریکہ جانے کیلئے مدعو کیا ہے تاکہ وہاں جاکر وہ ان ممالک کی صنعتی تنظیم کا معائنہ کریں۔

یہ مشن بالکل غیر سرکاری ہوگا اور اس میں ہر خیال اور ہر طبقہ کے افراد شامل ہوں گے، حکومت ان کو دورہ کرنے کی تمام سہولتیں بہم پہونچائے گی لیکن یہ لوگ اپنا خرچ خود برداشت کریں گے، اِس ڈیلیگیشن کے ممبر حسب ذیل اصحاب ہوں گے۔

مسٹر جے۔ آر۔ ڈی ٹاٹا، مسٹر جی۔ ڈی۔ برلا، مسٹر ملی رحمن سرکار، سر پدم پت سنگھانیہ، مسٹر کرشن سہائے ٹھکری، سیٹھ کستور بھائی لال جی۔ سر سلطان چنائے، مسٹر ایم۔ اے۔ اصفہانی، میر لائق علی اور مسٹر اے۔ ڈی شراف،

ایک شہر کی خوفناک بربادی

ایک سرکاری بیان میں بتایا گیا ہے کہ یارک شائر کی بندرگاہ ہل میں ۹۲۰ ہزار مکانات میں سے ۸۴ ہزار یا تو بمباری سے تباہ ہوگئے یا انہیں شدید نقصان پہونچا ۱۵۲۰ باشندے بے گھر ہوگئے۔ ان میں ۳۴ ہزار اشخاص کے مکانات ۱۹۴۱ء میں صرف دو راتوں میں تباہ ہوگئے تین ہزار آدمی ہلاک وزخمی ہوئے، ان میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۱۲۰۰ ہے، یہ ہے مہذب جرمنی کا ہلاکت آفریں کارنامہ۔

مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد ۲۵ر نومبر ۱۹۴۴ء کو حسب معمول اسٹریچی ہال میں منعقد ہوگا۔

باہتمام (خانصاحب) جواہر حسن مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا۔

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۰

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار تعلیمی و اصلاحی اخبار

کانفرنس گزٹ

علی گڑھ

تاریخہائے اشاعت
ہر ماہ عیسوی کی
یکم، ۸، ۱۶، ۲۴

قیمت اخبار
سالانہ :- تین روپے
ششماہی :- دو روپے
سہ ماہی :- ایک روپیہ

فی پرچہ
ایک آنہ

زیر نگرانی جناب ڈاکٹر نواب صدر یار جنگ بہادر مولینا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

مینیجر
سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

ایڈیٹر
محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد ۱۵ | یکم نومبر ۱۹۴۴ء مطابق ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ | نمبر ۴۱

لکھنؤ یونیورسٹی سے پروفیسر کالی پرشاد نے اس یونیورسٹی کی تعلیمی ریسرچ کی کونسل کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک میں تعلیمی ریسرچ کی اسکیم ہماری خاص ضرورتوں کے مطابق ہونی چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر جنگ کے بعد جدید تشکیل میں تعلیمی اسکیموں کے مصارف میں کاٹ چھانٹ کی گئی تو نتائج افسوسناک ہوں گے۔

بیت المقدس کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ فلسطین ریلوے اسٹیشن سے دو ہزار حاجی عازم مکہ معظمہ ہوئے ان میں شامی، لبنانی، اور عراقی حاجی بھی شامل تھے۔ اسٹیشن پر نہایت خلوص سے انہیں الوداع کہی گئی۔

حیفہ سے ۱۷ ہزار حاجی اسپیشل ٹرینوں میں حجاز مقدس جا رہے ہیں عازمین [illegible] خواتین بھی شامل ہیں۔ امسال یہ پہلا موقعہ ہے کہ زمانہ جنگ میں مسلمان اس قدر کثیر تعداد میں حج بیت اللہ کیلئے جا رہے ہیں

نیویارک کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں کبوتروں کو تین سو اور چار سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والے ہوائی جہازوں سے اڑ کر پیغام لیجانا سکھا لیا ہے، وہ بالکل بے جان ہو کر گر پڑتے ہیں۔ ہوائی جہاز دور ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بازوؤں سے اڑتے ہیں۔

ایک کبوتری کو اسی طرح پیغام لیجانے کے لئے شمالی افریقہ میں چھوڑا گیا۔ اس کا نام تھا "لیڈی آشر" راستہ میں اسے گولی مار دی گئی لیکن وہ اسی حالت میں ۷ میل تک اڑی جب گری تو پیغام کا پرچہ اس کی ٹانگ میں بندھا تھا۔

لکھنؤ کی ایک خبر مظہر ہے کہ حکومت صوبجات متحدہ نے یہ طے کیا ہے کہ اقتصادی ریسرچ کے لئے سو سو روپیہ مہینہ کے پانچ وظیفے ایک سال کے لئے منظور کئے جائیں اس صوبے کی مختلف یونیورسٹیوں میں یہ وظائف حسب ضرورت تقسیم ہوں گے۔

لکھنؤ کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ حکومت صوبجات متحدہ نے پنجاب سے آٹے کی کافی مقدار آنے کی اجازت دیدی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند یو۔پی کو ۵۰ ٹن چاول بھی سپلائی کر رہی ہے۔

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ہندوستان کے جو ماہرین سائنس آجکل برطانیہ میں آئے ہوئے ہیں، انہوں نے کیمبرج کی لیبوریٹریوں کا معائنہ کیا، وہ دوبارہ بھی معائنہ کریں گے۔

قاہرہ سے رائٹر کا ایک بیان مظہر ہے کہ مصر کی مشہور اسلامی درسگاہ جامع ازہر ۲۰ اکتوبر سے کھل رہی ہے اور شیخ مصطفیٰ المراغی جنہوں نے مصطفیٰ نحاس پاشا کے زمانہ میں ریکٹر کے عہدہ سے استعفا دیدیا تھا اب پھر اپنے عہدہ پر واپس آرہے ہیں۔

نئی دہلی کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ [illegible] کو ختم ہونیوالے ہفتہ میں سمندر پار ممالک سے ہندوستان میں ۲۵ ہزار ٹن گیہوں درآمد کیا گیا۔

---

۲۹ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی کی [illegible] کانفرنس کا [illegible] جس میں بہت [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

{ یکم نومبر ۱۹۴۴ء }

ہندوستان کا معیارِ زندگی

امریکہ اور یورپ کے دولت مند و متمدن ممالک کے مقابلہ میں ہندوستان مسلمہ طور پر ایک مفلس و ہلاکت زدہ ملک ہے، یہاں کسب معاش کے وسائل محدود ہیں اور لاکھوں انسان بے روزگار اور نانِ شبینہ کے محتاج ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں کے ادنیٰ و اوسط طبقہ کا معیارِ زندگی دنیا کے دولتمند و ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں بہت پست ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے رہنے والوں کی روزمرہ کی معاشرت یوں بھی ہمیشہ سے سادہ و کم خرچ رہی ہے، جب یہاں افلاس و قحط نہ تھا اور اجناس خوراک کی ارزانی و فراوانی تھی اس وقت بھی یہاں لباس و خوراک میں بے حد سادگی تھی اور بود و باش کے طریقے ہر قسم کے تکلفات سے عاری تھے بلکہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کے عوام کی زندگی ضرورت سے زیادہ سادہ تھی، مثلاً لباس میں اس قدر کفایت کی جاتی تھی کہ موجودہ زمانے کے نقطۂ نظر کے اعتبار سے لوگ عموماً نیم برہنہ رہتے تھے، بلکہ بعض دور افتادہ اندرونی علاقوں میں یہ سادگی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ جامۂ عریانی کے سوا لوگ ہر لباس سے بے نیاز رہتے، اور جو لوگ تن پوشی کے لئے کپڑوں کی ضرورت محسوس کرتے تھے وہ بھی نفیس اور بیش قیمت کپڑوں سے ناآشنا تھے عموماً دیسی سوت کا کپڑا جو تقریباً ہر گاؤں میں بنا جاتا تھا عام طور پر سب کے استعمال میں آتا تھا۔

لباس کے علاوہ کھانے پینے میں بھی غیر معمولی سادگی برتی جاتی تھی۔ آج کل خورونوش کا معیار جس قدر بلند ہوگیا ہے اور انواع و اقسام کے جو لذیذ و نفیس کھانے عام طور پر رائج ہیں لوگ ان سے بالکل ناآشنا تھے، عام طور پر معمولی اناج اور ساگ پات پر زندگی بسر کی جاتی تھی، صاحب استطاعت لوگوں کو دودھ، دہی، اور گھی بھی میسر آجاتا تھا۔ لیکن ہر چیز اپنی قدرتی اور سادہ حالت میں استعمال کی جاتی تھی، ہندوستانی دماغ نے ابھی تک طرح طرح کے کھانے ایجاد و اختراع کرنے اور مختلف غذاؤں کو کسی خاص طریقہ سے ترکیب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، کھانے کے دوسرے لوازم مثلاً ظروف وغیرہ سے بھی لوگ بے نیاز رہتے۔ عموماً اپنی سادی غذا پتوں پر رکھ کر کھاتے تھے البتہ مختلف ضرورتوں کے لئے مٹی کے برتنوں کا بھی رواج تھا۔

لباس و خوراک کے علاوہ رہنے سہنے کے طریقے بھی بہت سادہ تھے، دیہات میں تو یہ سادگی انتہا تک پہونچ گئی تھی اور شہروں میں بھی موجودہ معیار کے مطابق شہریت نہ تھی، لوگ عام طور پر ایسے مکانوں میں رہتے تھے جن میں ہوا اور روشنی کا گزر نہ تھا۔ اس زمانے کی ذہنیت کچھ ایسی تھی کہ تنگ و تاریک اور پست مکانات بناتے تھے، غرض عام لوگوں کی زندگی مدو یانہ یا نیم وحشیانہ تھی لیکن وہ اسی میں خوش تھے اور دنیا کی دوسری قوموں سے بالکل الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر کر رہے تھے سمندر پار جانا اور سیر و سفر کرکے دنیا کی دوسری قوموں کے تمدن و تہذیب کا مطالعہ کرنا ان کے نزدیک بڑا پاپ تھا اس لئے وہ اپنے دیس سے باہر جاکر کسی قوم کی تہذیب یا کسی علم و فن کے سیکھنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے، لیکن دنیا ترقی کر رہی تھی اور مختلف قومیں قسمت آزمائی کے لئے آگے بڑھ رہی تھیں اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی قوم اپنے ملک میں امن و عافیت سے بیٹھ سکے، بلکہ اس کے لئے زندگی کی کشمکش میں حصہ لینا ضروری تھا۔

ہاں یہ ہوسکتا تھا کہ کوئی قوم خدا کی اس وسیع کائنات کا مطالعہ کرنے یا قسمت آزمائی کیلئے باہر نہ جائے لیکن وہ کسی بلند حوصلہ قوم اور قسمت آزما مردانِ کار کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتی تھی، چنانچہ ہندوستان کے معاملہ میں بھی یہی صورت پیش آئی کہ ایک اولوالعزم، نبرد آزما قوم جو خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی تھی، اور جو جزیرۃ العرب سے نکل کر ایک بے پناہ سیلاب کی طرح سارے مشرق میں پھیل رہی تھی، آخرکار ہندوستان میں بھی فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوگئی، بے شبہ اس جانباز قوم کا ہمت و دلیری سے مقابلہ کیا گیا، لیکن فاتحین اس سخت مقابلہ کے بعد بھی ہندوستان میں داخل ہوگئے۔

ابتدائی دور کے مسلمان فاتحین اگرچہ ہندوستان میں رہنے کے لئے یہاں آئے تھے لیکن بعد کے آنیوالوں کو یہ ملک اس قدر پسند آیا کہ وہ یہاں رہ گئے اور اپنے اصلی وطن چھوڑ کر ہندوستان کو اپنا محبوب وطن بنا لیا جو انہیں اس لئے عزیز تر تھا کہ ان کے جانباز اسلاف نے اس کے حاصل کرنے کے لئے بہت سی قربانیاں کی تھیں

مسلمان سلاطین نے اس ملک میں داخل ہوتے ہی اس کی اصلاح و ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے پوری سرگرمی سے کوشش شروع کر دی، انہوں نے ہندوستان کے کسی بھی مذہب میں مداخلت نہیں کی بلکہ ہر شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا کہ وہ جس دیوی دیوتا کو چاہے پوجے اور جس مذہب کی تعلیم پر چاہے عمل کرے البتہ مسلمانوں نے یہاں والوں کو تہذیب و شائستگی سکھائی علم و ہنر اور صنعت و حرفت کو ترقی دی اور زراعت کے طریقوں کی اصلاح کرکے زمین کی پیداوار میں اضافہ کیا اور اسے رعایا کی بہبودی کیلئے صرف کرتے رہے

اس کے علاوہ مسلمان بادشاہوں نے جمہوری طرز حکومت رائج کرکے ملک میں وہ امن و امان قائم کیا جو اس سے پہلے میسر نہ تھا۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان کی دوسری قوموں کو اسیری کی حالت میں رکھنا پسند نہیں کیا بلکہ ان کی دماغی و ذہنی صلاحیتوں کو بیدار کرکے اور تربیت دیکر ملک کے لئے مفید بنایا اور حکومت کی مختلف خدمتوں پر مامور کرکے ترقی کا موقع دیا۔

مسلمانوں نے اپنے زمانے میں ہر مذہب و ملت کے ارباب کمال اور اہل ہنر کی حوصلہ افزائی کی، یعنی حکومت کے بڑے بڑے عہدے اور گرانقدر انعامات دیکر ان کی علمی فضیلت اور ہنرمندی و صنعت گری کا عملاً اعتراف کیا۔ مسلمانوں کا ایک خاص کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان میں ایک علمی

...سالہ ... ضلع میں ... جاری ہوسکیگا ... ہے۔

مسٹر فلپس کی رپورٹ کا جواب

لندن کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ جب سے امریکہ میں مسٹر فلپس کی یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ ہندوستانی فوج زر خرید ہے، امریکہ میں برطانیہ کے "ہندوستانی محکمہ اطلاعات" نے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستانی فوج رضاکار ہو اور ایک باقاعدہ اور وفادار فوج ہے۔

دو ہفتے ہوئے اس کتاب کی ہزاروں کاپیاں ماسکو بھیجی گئیں۔

اسلامیہ کالج پشاور اور خان بہادر سعد اللہ خاں

ایک پشاور کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے گورنر صوبہ سرحد ہز ایکسیلنسی سر جارج کننگھم نے سابق آنریری سکرٹری خان بہادر سعد اللہ خاں کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا اور کالج کے لئے انھوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کی کہ اب بھی وہ ہمیشہ کالج سے وابستہ رہیں گے اور اس کی خدمت کرتے رہیں گے۔

اسی سلسلہ میں گورنر نے یہ بھی بتایا کہ آئین کی تبدیلی کے سلسلہ میں ان میں اور سکرٹری میں اکثر اختلاف رہا مگر وہ ان کی خدمات ... ہیں، خان بہادر سے موزوں الفاظ میں گورنر سرحد کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ جب انھوں نے کالج کی سکرٹری شپ کا عہدہ سنبھالا تو خزانہ میں کل روپیہ تین لاکھ تھا۔ اب وہ لاکھوں روپیہ جدید عمارات پر خرچ کرنیکے باوجود چار لاکھ روپیہ چھوڑے جا رہے ہیں۔

مسٹر اسکاٹ پرنسپل نے اپنے بنگلہ پر خان بہادر سعد اللہ خاں کے اعزاز میں چائے کی دعوت دی۔

پیرس میں خوفناک گرانی

لندن کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ آج پیرس ... خودکشی کا نام نہیں ہو، جرمن ... نے پیرس خودکشی کی پہلی ... حکومت کے چالیس لاکھ ... کی شدت اور مصائب کے خوف سے کانپ رہے ہیں اُن کیلئے آثار کچھ اچھے نہیں ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں کا قحط ہے جہاں کھانا ملتا ہے وہ بے حد گراں ہے، ریسٹورنٹوں میں ایک وقت کا کھانا مع شراب کے ۳ پونڈ (چھ سو فرانک) میں ملتا ہے کوئلہ شہر میں بالکل نہیں۔ کپڑا اتنا گراں ہے کہ اس کا خریدنا ہر ایک شخص کی بات نہیں۔

الجیریا کے مسلمانوں کیلئے ترقی اسکیم

پیرس کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ فرانس کی کیبنٹ کے اجلاس میں جو فیصلے کئے گئے ہیں اُن کے مطابق الجیریا کی مسلم آبادی پر منظر اعزاز ہونیوالی دو نہایت اہم اطلاعات ہیں۔ ایک یہ کہ دس لاکھ مسلم بچوں کو جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں تعلیم دیجائے گی۔ دوسرے قابل سکونت زمین پر ہزاروں مسلمانوں کو آباد کیا جائیگا

اس کے علاوہ دیہات اور شہروں کیلئے مکانات بنانے کی اسکیم اور حفظان صحت کی تدبیریں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ فرانسیسی حکومت نے مسلم مزدوروں کو کام پر لگانے کے لئے کارخانے کھولنے کا بھی فیصلہ کیا ہے، مجوزہ اسکیم پر ۱۶۲ کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔

بمبئی کے جرائم میں اضافہ

انسپکٹر جنرل پولیس بمبئی نے ۱۹۴۳ء کے متعلق رپورٹ شائع کی ہے اس میں لکھا ہے کہ پہلے اس صوبے میں سال میں پانچ سات قتل ہوتے تھے لیکن سال زیر رپورٹ میں ۱۰۱ قتل ہوئے، قتل کا معاملہ پولیس کے کنٹرول سے باہر رہے، ۱۹۴۲ء کے "ہندوستان چھوڑ دو" والے ریزولیوشن سے قانون ہاتھ میں لینے کا رجحان پیدا ہوگیا۔

امسال جرائم غیر معمولی طور پر زیادہ رہے اسکی وجہ ایک حد تک آبادی میں اضافہ بھی ہے، حالات پر نظر کرتے ہوئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جرائم میں اس قدر اضافہ کیوں ہوا بلکہ حیرت کی بات یہ ہو کہ پولیس نے سیاسی حالات سے پیدا شدہ جرائم کے باوجود قابو کیسے رکھا۔

جے پور کی وزارت

روزنامہ تیج دہلی کا نامہ نگار جے پور سے اخبار مذکور کو اطلاع دیتا ہے کہ جے پور کے پرائم منسٹر سر مرزا اسمٰعیل مارچ ۱۹۴۵ء میں ریٹائر ہو جائیں گے اور ان کی جگہ کسی انگریز پرائم منسٹر کا تقرر کیا جائے گا، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سر مرزا اور پولٹیکل ڈپارٹمنٹ میں اختلاف پیدا ہوگیا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

ہمارے نزدیک ابھی یہ خبر محتاج تصدیق ہے۔

جی آئی پی ریلوے کی مسافروں پر توجہ

بمبئی کی ایک خبر مظہر ہے کہ جی آئی پی ریلوے کے کارکنوں نے زمانہ مابعد جنگ کے لئے اچھے معیار پر زندگی بسر کرنے والوں کے لئے جدید آرام دہ کوچیں بنانے کی تیاریاں کی ہیں، امید کیجاتی ہے کہ ان سے مسافروں کو بہت آرام ملیگا۔

غیر ممالک میں ہندوستانی طلبہ کی تعلیم

بمبئی کی ایک خبر مورخہ ۲۷ اکتوبر مظہر ہے کہ سر آردیشیر دلال نے آج جنرل پالیسی کمیٹی کے جلسہ میں صدارتی تقریر کے دوران میں انکشاف کیا کہ طلبہ کی بڑی تعداد کو سمندر پار ممالک میں ٹریننگ دلانیکی اسکیم پر غور کر لیا گیا ہے، اور یہ خیال کیا جا رہا ہو کہ حکومت ہند پہلی مرتبہ ... طلبہ کو بھیجنے کا انتظام کریگی۔

اسی سلسلہ میں آپ نے ملک میں تربیت یافتہ اشخاص کی کمی کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ حکومت ہند جنگ سے پہلے بہت سی ٹریننگ اسکیموں کو بروئے کار لانے کی امیدیں رکھتی ہے اور وہ بہت جلد طلبہ کو ممالک غیر میں ٹریننگ حاصل کرنیکے لئے بھیجنا چاہتی ہے۔

آل انڈیا اُردو کانگرس

حیدرآباد دکن کی ایک خبر مظہر ہے کہ آل انڈیا اردو کانگرس کی کونسل اور مجلس عاملہ کے اجتماعات ۱۵ نومبر ۱۹۴۳ء کو ہوں گے۔ ایجنڈے میں دوسرے امور کے ساتھ اُردو کانگرس کے آئندہ پروگرام پر بھی غور ہوگا۔

ہمیں امید ہے کہ کانگرس کے ارباب حل وعقد اُردو کی ترقی واشاعت کیلئے ایسی عملی تجاویز منظور کریں گے جو مفید ونتیجہ خیز ثابت ہوں گی۔

دہلی کی ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا ایک ضروری جلسہ ۹ نومبر ۱۹۴۳ء کو دس بجے صبح دفتر جمعیۃ علماء ہند میں منعقد ہوگا۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار تعلیمی و اصلاحی اخبار

کانفرنس گزٹ

مائے اشاعت
ء عیسوی کی
۸، ۱۶، ۲۴،

قیمت اخبار
سالانہ:۔ تین روپیہ
ششماہی:۔ دو روپیہ
تین ماہی:۔ ایک روپیہ

ایک آنہ

علی گڑھ

زیر نگرانی جناب ڈاکٹر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

سید الطاف علی بریلوی بی-اے (علیگ)

ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد (۱۵) | ۸ نومبر سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ۲۱ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۳ھ | نمبر ۴۲

ایک خبر مظہر ہے کہ اخبار "انڈین نشن" کو معتبر ... سے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر ایس پی این سنہا ... ای' ایم ایل کو پٹنہ یونیورسٹی کی وائس چانسلری ... گئی تھی جو انھوں نے قبول کر لی۔

... کی ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر امر ناتھ جھا ... الٰہ آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں ... بنارس ہندو یونیورسٹی کے وائس چانسلر منتخب ... پہلی دفعہ سنہ ۱۹۳۸ء میں اس عہدہ پر ان کا تقرر ...

... کی ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ جناب ... محمد اسمٰعیل صاحب دیوان ریاست جے پور ... سنہ ۴۴ء کو آگرہ یونیورسٹی کا کونوکیشن ایڈریس ... گے۔ سر مرزا کو تعلیمی مسائل سے خاص دلچسپی ... اس لئے امید ہے کہ موصوف کا خطبہ بہت سے ... معاملات میں صحیح طریقہ سے رہنمائی کرے گا

... کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ صوبہ بہار ...

کے وزیر فنانس سر منوہر لال پنجاب یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں جو ۲۳ دسمبر سنہ ۱۹۴۴ء کو منعقد ہوگا تقریر کریں گے۔

کٹک کی ایک خبر مظہر ہے کہ سر ایچ لیوس گورنر اڑیسہ نے یکم نومبر سنہ ۱۹۴۴ء کو "اتکل یونیورسٹی" کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی تقریر میں وسعت نظر، رواداری، اور فراخدلی پر زور دیا، مسٹر پی پاریجہ وائس چانسلر نے یونیورسٹی کے مقاصد میں اڑیسہ کلچر کی حفاظت و ترقی کا ذکر کیا۔ یونیورسٹی میں سات کالج ہیں جن میں سے ایک "آرٹس کالج" ہے۔

مدراس کی ایک خبر مظہر ہے کہ وہاں کے ایک سربرآوردہ ایڈوکیٹ نے یونیورسٹی سے ایک جدید میڈیکل کالج کھولنے کی اجازت طلب کی ہے۔ اگر یونیورسٹی نے منظور کر لیا تو یہ کالج آئندہ تعلیمی سال سے شروع ہو جائے گا۔ جو مدراس میں ایک اعلیٰ درجہ کا میڈیکل کالج ہوگا۔ ایڈوکیٹ مذکور نے اس کالج کے لئے کئی لاکھ روپیہ ... منظور کیا ...

فلسطین کی اعلیٰ مجلس اسلامیہ مسجد اقصیٰ کی مرمت ختم ہوتے پر دسمبر سنہ ۱۹۴۴ء میں ایک خاص تقریب منانے کا انتظام کر رہی ہے۔ توقع ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں کے زعمائے اسلام کو اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی جائے گی۔

لکھنؤ کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ حکومت صوبجات متحدہ نے زمانہ مابعد جنگ کے لئے جو اسکیمیں مرتب کی ہیں وہ ایک کتاب کی صورت میں شائع ہو گئی ہیں۔ آخری جانچ کے بعد یہ اسکیمیں حکومت ہند کے پاس بھیجی جائیں گی۔ معلوم ہوا ہے کہ ان اسکیموں میں لازمی ابتدائی تعلیم بھی شامل ہے۔

گوالیار کی ایک خبر مظہر ہے کہ ... نے حکم دیا ہے کہ آئندہ تمام ... ہندی بجائے انگریزی ... ہندی کی ... جس ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ نومبر ۱۹۴۴ء

ہندوستان کا معیارِ زندگی

(۲)

مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان نے تہذیب و تمدن، علم و ہنر اور معیارِ زندگی کے اعتبار سے جو ترقی کی اُس کا مختصر تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں، اب اسی سلسلہ میں کسی قدر تفصیل سے عرض کیا جاتا ہے

واقعہ یہ ہے کہ جو قوم تہذیب و تمدن اور اخلاقی خصوصیات و دماغی اوصاف کے اعتبار سے بلند مرتبہ ہوتی ہے وہ ایسی قوم پر جو ذہنی و اخلاقی حیثیت سے پستی کی حالت میں ہو ہمیشہ غالب آجاتی ہے یہاں تک کہ بعض دفعہ فاتح قوم کو اپنی علمی بے مائگی یا اخلاقی و ذہنی پستی کی وجہ سے مفتوح قوم کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔

مثلاً **تاتاری** جو وحشی و ناتربیت یافتہ تھے محض اپنی فوجی قوت اور بعض حریص و ملت فروش مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے **خلافتِ عباسیہ** کو برباد کر کے حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن چونکہ وہ اخلاقی و دماغی حیثیت سے کوئی درجہ نہیں رکھتے تھے اور علم و تہذیب سے عاری تھے اس لئے انھیں خواہ مخواہ اسلام کی روحانی و اخلاقی برتری کا اعتراف کرنا پڑا یعنی کچھ مدت بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے اور اُس کی حقانیت و عظمت اُن کے دلوں میں اسقدر راسخ ہو گئی کہ انھوں نے اُس کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں انجام دیں، اور اپنی وحشت و جہالت کے زمانے میں جو اسلام کے خلاف اٹھائی تھی، اب اُس کی حمایت و حفاظت کے لئے وقف کر دی۔ اور خود اُس [illegible] یہ فائدہ پہونچا کہ وہ اسلام کے آغوشِ شفقت میں تربیت پاکر مہذب و شائستہ بن گئی۔

اسلام کا یہ اثر واقعی کسقدر حیرت انگیز کہ جو مغرور و متکبر وحشی اسلام کو مٹانے آئے تھے اُس کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اپنے آبائی مذہب رسم و رواج اور قومی خصوصیات و روایات کو چھوڑ کر ایک نئے سانچے میں ڈھل گئے یہاں تک کہ عقائد کی پختگی اور احکام دین کی پابندی کے اعتبار سے اُن میں اور کسی قدیم الاسلام قوم میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔

اب غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اِس زبردست انقلاب کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کو اپنے عقائد و اعمال کی سادگی اور تہذیب و معاشرت کی خوبی کی وجہ سے ایک خاص فضیلت و برتری حاصل تھی جس سے ہر قوم کا اثر پذیر ہونا ضروری تھا، چنانچہ تاتاری جیسے وحشی بھی اس سے متأثر ہوئے۔ اسی سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب اوائل اسلام میں اخلاقی حیثیت سے مسلمانوں کا مرتبہ بہت بلند تھا تو ہمعصر قومیں اُن سے کسقدر متأثر ہوئیں اور اُس اخلاقی برتری سے اشاعتِ اسلام میں کسقدر کامیابی ہوئی۔

"عہدِ ماضی" میں مسلمانوں پر عروج و زوال کے بہت سے دور گزرے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ تھا جو ابھی عرض کیا گیا یعنی تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی بربادی جو تاریخ اسلام کا ایک نہایت دردناک واقعہ ہے دوسرا دور یہ تھا کہ مسلمان فاتحانہ حیثیت سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور انھوں نے یہاں کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا جو ناگزیر تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام صرف چند عقائد و مذہبی رسوم کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ہمہ گیر مذہب ہے جس کے احکام ولادت سے وفات تک انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں کارفرما ہیں، لہٰذا جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو اس کی شبانہ روز کی زندگی میں خواہ مخواہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ نئے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور اس کی زندگی دوسروں کیلئے ایک مثال بنجاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مسلمان تجارت، سیاحت یا حکومت کے لئے کسی ملک میں داخل ہوتا ہے تو اپنے عقائد و مذہبی اعمال کے علاوہ اپنا تمدن بھی ساتھ لیجاتا ہے جس سے وہ دوسرے ملک میں سب سے جدا اور ممتاز نظر آتا ہے اور عام لوگ اسکی روزمرہ کی معاشرت اور اعمال و کردار دیکھ کر صاف طور پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو تہذیب و تمدن کے لحاظ سے اُن سے بالکل مختلف ہے، چنانچہ جب مسلمان ہندوستان آئے اور یہاں رہ پڑے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ باوجود ایک مشرقی قوم ہونے کے وہ ان سے مختلف ہیں، اس کے بعد انھوں نے مسلمانوں کے مذہبی **عقائد و اعمال** اور تہذیب و معاشرت کو سمجھنے کی کوشش کی، جسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ بہت سے **لوگ** اسلامی تہذیب و تمدن سے اسقدر متاثر ہوئے کہ اپنی معاشرت اور طریقہ بود و باش میں تبدیلی کے لئے آمادہ ہو گئے۔

"ہندو" اپنے مذہبی عقائد و اوہام میں ہمیشہ سے نہایت قدامت پرست تھے، اُن کی نمایاں قومی خصوصیت یہ تھی کہ وہ دوسری قوموں سے سخت بیزار رہتے اور چھوت چھات کا برتاؤ کرتے تھے، اس کے علاوہ انھیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی آزادی حاصل نہ تھی، مذہبی [illegible] میں [illegible] ہوئے تھے اور برہمن بڑی قوت سے اُن کی ساری زندگی پر مسلط تھا اور انھیں اسکے پنجہ سے آزاد کرنے کے لئے تیار نہ تھا ایسی حالت میں اُن کا مسلمانوں کے طریقہ اور اُن کی تہذیب سے دلچسپی لینا یہاں تک کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اصلاح و تبدیلی کے لئے آمادہ ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ باوجود شدید قدامت پرستی کے اس اجنبی قوم کی شریعت اور تہذیب و تمدن کی خوبیاں اُن کے دلوں میں اس حد تک گھر کر چکی تھیں کہ وہ عملاً اُس کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔

ہندوستان کے مسلمان سلاطین کو مذہبی تبلیغ سے کوئی سروکار نہ تھا اسی لئے انھوں نے "اشاعتِ اسلام" سے کوئی عملی دلچسپی نہیں لی البتہ ہندوستان کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے اور اُسے مہذب و متمدن بنانے کے لئے انھوں نے ضرور کوشش کی جس میں وہ ایک حد تک کامیاب ہوئے۔

دہلی و آگرہ اسلامی قوت و طاقت کے خاص مرکز تھے اگر مسلمان بادشاہ اشاعتِ اسلام کا عزم کرتے تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس علاقہ کی آبادی متاثر ہوتی، خصوصاً شودر قومیں بڑی خوشی و فخر سے اسلام قبول کر لیتیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صدیوں کی اسلامی

کو۔ درا قتدار کے بعد آج بھی سواح دہلی و آگرہ میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان سلاطین نے کبھی دوسری قوموں کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا

مسلمان نہ صرف فاتحانہ حیثیت رکھتے تھے، بلکہ تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بھی اُن کا مرتبہ بہت بلند تھا اور انھوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایسی ترقی کی تھی جس نے اُنھیں اپنے زمانہ کی تمام قوموں میں ممتاز بنا دیا تھا۔ اسلئے یہ قدرتی بات تھی کہ عام لوگ اُن کی تہذیب اور لٹریچر سے خواہ مخواہ متاثر ہوتے تھے جس طرح موجودہ زمانہ میں بہت سی مشرقی قومیں (جن میں ہندوستان بھی داخل ہے) یورپ کی تہذیب و علوم سے بیحد متاثر ہو رہی ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں اُن کی تقلید پیروی کی کوشش کرتی ہیں۔

مسلمان فاتحین نے ہندوستان کو ایسی حالت میں پایا کہ وہ تہذیب، تمدن اور معیار زندگی کے اعتبار سے نہایت پستی کی حالت میں تھا اور بیرونی دنیا کی قوموں کے حالات اور ان کی تہذیب و علوم سے بالکل ناآشنا تھا۔ مسلمان چونکہ ہندوستان میں رہنا چاہتے تھے اور اُن کا یہ مقصد نہ تھا کہ ہندوستان سے دولت کما کر اپنے اصلی وطن کو واپس جائیں اسلئے انھوں نے اپنی ساری توجہ ہندوستان کو بنانے سنوارنے اور اُس کی صنعت، حرفت اور زراعت کو ترقی دیکر اُسکو مہذب و متمدن ملک کے درجہ تک پہنچانے میں صرف کر دی۔

مسلمانوں نے سب سے پہلے ہندوستان کی مختلف قوموں کی ذہنیت اور پُرانی روایات و رسم و رواج کو سمجھنے کی کوشش کی اور جو قوم جس کام کے لئے مناسب و موزوں نظر آئی اُس کو اسی طرح کی تربیت دیکر ملک کی فلاح و ترقی کی مختلف خدمتوں پر مامور کیا، مثلاً اُنھوں نے راجپوتوں کی سپہ گری کے جوہر دیکھ کر فوجی خدمت کے لئے منتخب کیا اور اُن پر اس قدر اعتماد کیا کہ بڑے بڑے فوجی عہدے دینے میں تامل نہیں کیا، اسی طرح کایستھ قوم کو اُس کی اہلیت و خداداد قابلیت کے مطابق سلطنت کے دفاتر میں نوکر رکھا اور یہ موقع دیا کہ وہ حسن کارگزاری کی بنا پر جس قدر چاہیں ترقی کریں۔ اسی سلسلہ میں مسلمان اُمراء و سلاطین نے ہندوستان کے عام انسانوں کو صوبجاتی معماروں اور کاریگروں کی

حالت پر توجہ کرکے اُن کی زندگی کو خود اُن کے لئے اور وطن کے لئے مفید اور کارآمد بنانے کی کوشش کی نیز عوام و خواص سب کا معیار معاشرت بلند کرکے اُنھیں زندگی کی جائز مسرتوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا۔

یہ زمانہ مسلمانوں کے عروج و اقبال اور قوت و ترقی کا تھا اور ایک حکمران و با اقتدار قوم کی حیثیت سے اُن کے وسائل نہایت وسیع اور معیار زندگی بلند تھا۔ اس کے علاوہ صدیوں کی حکومت، دولت و حشمت اور علم و فن کی ترقی نے مسلمانوں کو دنیا کی سب سے زیادہ مہذب و متمدن قوم بنا دیا تھا اور اُن کے اصول حکمرانی اور آئین جہانبانی ہر قوم میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے،

اب یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی ترقی یافتہ قوم کسی ایسے ملک پر قبضہ کرتی ہے جو تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے اعتبار سے پستی و انحطاط کی حالت میں ہو تو وہ لازمی طور پر اُس ملک کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق مہذب و متمدن بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ خصوصاً اگر وہ فاتح قوم اس ملک میں مستقل قیام کا ارادہ رکھتی ہو تو وہ اور بھی زیادہ اُس کی ترقی کے لئے کوشش کرتی ہے تاکہ ایک ترقی یافتہ قوم کے لئے جن لوازم حیات کی ضرورت ہے وہ اس ملک میں فراہم ہو جائیں اور ایک ایسا ماحول پیدا ہو جائے جو فاتح قوم کے حالات و قومی خصوصیات کے لئے مناسب و موزوں ہو، چنانچہ جب مسلمانوں نے ہندوستان میں مستقل قیام کا ارادہ کیا تو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق اس کو مہذب، متمدن اور ترقی پذیر ملک بنانے کے لئے خاص طور پر کوشش کی۔

آج یورپ کی حوصلہ مند قوموں کا بھی اسی طریقہ پر عمل ہے۔ یعنی جب وہ کسی مشرقی ملک پر مسلط ہو جاتی ہیں تو تہذیب نو کے لوازم بھی اُن کے ساتھ ساتھ جاتے ہیں، چنانچہ آج مشرقی ممالک میں جو تھیٹر، سینما، شراب خانے، رقص خانے، عشرتکدے، ہوٹل، تفریح گاہیں اور روزمرہ کی خود ساختہ ضرورتوں کا جو ساز و سامان پایا جاتا ہے وہ سب اسی تہذیب جدید کا کرشمہ ہے، جس سے یورپ کی قومیں خاطرخواہ فائدہ حاصل کر رہی ہیں، لیکن مسلمانوں نے جن مفتوحہ ممالک کو مہذب و متمدن بنانے کی کوشش کی اس میں خود ان قوموں کا فائدہ تھا (باقی آئندہ)

روس میں تعمیری جدوجہد

ماسکو کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ روس کے جنگ زدہ اور ویران و برباد علاقوں میں از سر نو بڑی سرگرمی سے مکانات تعمیر ہو رہے ہیں، اب کی دفعہ تجویز ہے کہ ہر سبزہ زار کے چاروں طرف مکانات بنائے جائیں گے۔

تعمیر میں اختلاف آب و ہوا اور دوسری ضروریات کا پورا لحاظ رکھا جا رہا ہے۔ اب تک ہزاروں مکان تعمیر ہو چکے ہیں اور کارخانوں میں تقریباً چار ہزار مکانوں کا سامان ہر مہینہ تیار ہو جاتا ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ جب کسی قوم میں زندگی کی حقیقی روح موجود ہوتی ہے تو وہ کسی ہنگامی مصیبت یا تخریب بربادی میں مبتلا ہونے کے بعد جب ذرا بھی سانس لینے کی مہلت پاتی ہے تو از سر نو تلافی مافات اور تعمیری کام میں مصروف ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح بہت جلد نصیب جاتی اور از سر نو از دست رفتہ قوت و طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ لیکن کمزور درماندہ قومیں جب زندگی کے کسی میدان میں شکست پاکر پراگندہ ہو جاتی ہیں تو اُن میں یہ حوصلہ باقی نہیں رہتا کہ کسی تعمیری جدوجہد یا زندگی کی کشمکش میں بلند ہمتی کے ساتھ از سر نو حصہ لے سکیں۔

موجودہ جنگ میں جرمنی کے ہاتھوں روس کی جو بربادی ہوئی وہ تاریخ عالم میں نادر المثال ہے، سیکڑوں شہر کھنڈر بن گئے۔ اور ہزاروں بستیاں ویران و بے چراغ بن گئیں، یہ جنگ جس کی بدولت یہ سب کچھ ہوا آج بھی جاری ہے یعنی روسی قوم جرمنی سے نبرد آزما ہے ابھی تک امن و صلح کا دور نہیں آیا۔ لیکن اسی کے ساتھ دوسری طرف تعمیری کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ یہ ہیں زندگی کے آثار، مسلمان جب مسلمان تھے تو اُن میں بھی یہی روح کارفرما تھی۔ وہ گر گر کر سنبھلتے تھے اور مر مر کر جیتے تھے، اُن کی سخت جانی اور ثبات و استقلال نے حریفوں کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ لیکن [illegible] ایسے گرے کہ پھر نہ سنبھل سکے [illegible] ہو ماست،

ہیں آج کیوں ذلیل [illegible]
گستاخی فر[illegible]

[illegible] ہندوستانی سائنسدانوں کی خاموشی

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ اگرچہ ہندوستانی سائنسدانوں کے اعزاز میں بہت سی دعوتیں دیجا چکی ہیں مگر ان موقعوں پر تقریریں نہیں ہوئیں۔ ہندوستانی سائنس دانوں نے اپنے ہونٹوں پر مہر خاموشی لگا رکھی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انہیں مطلع کر دیا گیا ہے کہ ان کے میزبان یہ توقع نہیں کرتے کہ جو وقت دوسرے مفید کاموں پر صرف کیا جا سکتا ہے وہ تقریریں کرنے پر صرف کیا جائے۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو لندن کے لارڈ میئر نے ان سائنسدانوں کو لنچ دیا۔ اس میں مسٹر ایمری بھی شریک تھے۔ اس موقع پر بھی بات چیت ہوتی رہی مگر تقریریں نہیں ہوئیں۔ بعض ہندوستانی سائنسدانوں نے کہا کہ یہ اچھا ہے کیوں کہ اس سے کام کے لئے زیادہ وقت مل جاتا ہے۔ جس کے لئے ہم یہاں آئے ہیں صرف ایک ہی موقع پر اس قاعدہ کی خلاف ورزی کی جائے گی جبکہ ہندوستانی اخباروں کی کمیٹی دعوت دیگی۔ اس میں ضرور تقریریں ہونگی۔

عملی تعلیم کی ضرورت

بمبئی کی ایک خبر مظہر ہے کہ مسٹر بی جی کھیر سابق وزیر اعظم بمبئی نے بمبئی پراونشل سکینڈری ٹیچرز کانفرنس کے ساتویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے یہ کہا کہ موجودہ طریقہ تعلیم کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں بہ نسبت عملی تعلیم کے کتابی تعلیم پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انگریزی زبان پر زیادہ زور دینے کی پالیسی ترک کر دینی چاہیئے۔ اور اسکولوں میں دستکاری سکھانے کا بھی انتظام کرنا چاہیئے۔

ایک طویل العمر حاجی

[illegible] سو حاجیوں میں جو امسال [illegible] گئے ہیں۔ ایک صاحب [illegible] برس کی بتائی جاتی ہے [illegible] پر رخصت کرنے [illegible] صاحب کی عمر ۹۰ سال

کی ہے، معلوم ہوا ہے کہ کلکتہ سے روزانہ پچاس اور ساٹھ کے درمیان حجاج روانہ ہو رہے ہیں۔ ۱۶۰ مسلمان ایسے ہیں جو جہاز پر جگہ نہ ملنے کی وجہ سے اپنے گھروں کو واپس آگئے۔

حکومت سندھ اور ستیارتھ پرکاش

کراچی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حکومت سندھ نے شہری امن و تحفظ کے قیام کی بنا پر ستیارتھ پرکاش کے "چودھویں باب" کو قابل مذمت قرار دیا ہے۔ قانون تحفظ ہند کے تحت حکومت سندھ نے ایک آرڈر جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ستیارتھ پرکاش کو اس وقت شائع کیا جائیگا جب یہ باب اس میں سے خارج کر دیا جائے۔

حکومت سندھ کو آریہ سماج کی دھمکی

آریہ سماج امرتسر کے وائس پریسیڈنٹ لالہ گنگا رام نے وزیر اعظم سندھ کو ایک تار بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کی اشاعت کے متعلق امتناعی حکم کو خلاف قانون قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حکم عام آریہ سماجیوں کے لئے ایک چیلنج ہے براہ مہربانی اس حکم امتناعی کو فوراً واپس لیجئے ورنہ میں آریہ سماجیوں کے ایک جتھے کے ساتھ سندھ روانہ ہونے پر مجبور ہوں گا۔ تاکہ مسلم لیگی حکومت سندھ کے مجرمانہ احکام کی خلاف ورزی کروں۔

حکومت سندھ کو امتناعی حکم پر مبارکباد

لاہور کی ایک خبر مظہر ہے کہ اینٹی ستیارتھ پرکاش لیگل پروسیڈنگز کمیٹی کے سکریٹری مسٹر [illegible] نے وزیر اعظم سندھ کو بذریعہ تار مبارکباد دی ہے کہ انہوں نے ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کے خلاف بروقت قدم اٹھایا۔

انہوں نے پنجاب، بنگال، آسام اور سرحد کے وزرائے عظام کو بھی [illegible] دئے ہیں جس میں [illegible] سے کمیٹی کی طرف سے درخواست کی ہے کہ جب تک اس مقدمہ کا فیصلہ ہو جائے جو کمیٹی نے دائر کیا ہے اس وقت تک ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کی اشاعت پر پابندی کے متعلق وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو حکومت سندھ نے اختیار کیا ہے۔

سفر حجاز کے متعلق حکومت کا بیان

مرکزی اسمبلی میں ۳ نومبر ۱۹۴۴ء کو جناب حکومت یہ بتایا گیا ہے کہ حاجیوں کی تکلیف کی جو داستانیں اخباروں میں شائع ہوئی ہیں وہ نہایت بڑھا چڑھا کر لکھی گئی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حاجیوں کے پہلے قافلہ میں ۱۹ سو حاجی جا چکے ہیں اور ابھی سلسلہ جاری ہے۔ کل تعداد سرکاری اندازہ کے مطابق ۵ ہزار تھی جس قدر حاجی وقت پر پہونچ گئے انہیں جگہ مل گئی اور جو وقت پر نہ پہونچ سکے وہ رہ گئے، اس میں عملہ یا حکومت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ حالات موجودہ میں جو کچھ بھی زیادہ سے زیادہ کیا جا سکتا تھا کر دیا گیا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ بھی کیا گیا اس سے عوام کی تسلی و تشفی نہ ہو، مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔

عید الاضحیٰ اور ممتاز دار الیتامیٰ لکھنؤ

ممتاز دار الیتامیٰ جس نے تقریباً سو بچوں کے خورد و نوش اور تعلیم و صنعت کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے، اس گرانی کے زمانہ میں ہر مسلمان کو اس کی امداد کرنی چاہیئے۔

اس یتیم خانے میں نہ صرف یو۔پی بلکہ دوسرے صوبوں کے بچے بھی پرورش پاتے ہیں جن کی تربیت کے لئے پرائمری و صنعتی اسکول ہیں، اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر کے اداروں میں بھیجے جاتے ہیں جن کی ہر قسم کی کفالت یتیم خانہ کرتا ہے۔

بیرون لکھنؤ کے متعلق مسلمانوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ چرم ہائے قربانی جمع کر کے اور مناسب قیمت پر فروخت کر کے رقم مولوی عبدالمجید صاحب (پنشنر ڈپٹی کلکٹر) آنریری سکریٹری ممتاز دار الیتامیٰ (انجمن اصلاح المسلمین لکھنؤ) کے نام ارسال فرمائیں

خلیل احمد۔ سپرنٹنڈنٹ انجمن

حیدرآباد دکن کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ اعلیٰحضرت نظام کی حکومت نے درخت لگانے کی ایک عظیم الشان اسکیم مرتب کی ہے۔ جس پر ابتدا میں پانچ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا

زیر نگرانی جناب ڈاکٹر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

ایڈیٹر :- محمد اکرام اللہ خاں ندوی

منیجر :- سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)

نمبر ۴۳	۱۶ نومبر ۱۹۴۴ء مطابق ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ	جلد ۱۵

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد ۲۵ نومبر ۱۹۴۴ء کو اسٹریچی ہال میں منعقد ہوگا نواب مہدی یار جنگ بہادر وزیر تعلیم حیدرآباد دکن کونوکیشن کا خطبہ پڑھیں گے۔

جلسہ تقسیم اسناد سے ایک روز پہلے ۲۴ نومبر کو مسلم یونیورسٹی کورٹ کا اجلاس ہوگا۔

ایک ہمعصر کا بیان ہے کہ حکومت گوالیار اپنی ریاست میں ایک یونیورسٹی قائم کرنے کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے جسمیں ہندی زبان کے ذریعہ سے تعلیم دیجائیگی اس خبر میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ریاست گوالیار نے یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کیلئے جملہ علوم جدیدہ کی کتب تیار کرالی ہیں، یا ابھی یہ مرحلہ طے کرنا باقی ہے۔

لکھنؤ کی ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ خان بہادر محمد جان صاحب سکریٹری آل انڈیا مسلم مجلس نے یو۔پی اردو جرنلسٹ ایسوسی ایشن کو ۵۰۰ روپیہ کی رقم عنایت کی ہے۔

نئی دہلی کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو ختم ہونے والے ہفتہ میں ۲۵ ہزار ٹن گیہوں باہر سے ہندوستان آیا۔ پچھلے دو برس میں غلہ اتنی مقدار ایک ہفتہ میں کبھی نہیں آئی۔

پشاور کی ایک خبر مظہر ہے کہ صوبہ سرحد کی مسلم لیگ کونسل کا ایک جلسہ ۱۵ نومبر کو منعقد ہو رہا ہے، جسمیں اس پر غور کیا جائے گا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو دعوت دیجائے کہ وہ اپنا سالانہ اجلاس ایسٹر کی تعطیل میں پشاور میں منعقد کرے۔

لاہور کی ایک خبر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں کے کٹر سناتن دھرمی حلقوں میں ستیارتھ پرکاش کیخلاف ایک تحریک قوت حاصل کر رہی ہے جسے "اینٹی ستیارتھ پرکاش" تحریک کے نام سے موسوم کیا جا رہا ہے، ان حلقوں کا یہ خیال ہے کہ ستیارتھ پرکاش کے ان ابواب کو ضبط کرنے کی تحریک شروع کرنی چاہیئے جنمیں سناتن دھرم کے اوتاروں کی مخالفت اور "مورتی کھنڈن" کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں بہت جلد نتیجہ خیز قدم اٹھایا جائیگا جس کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک میٹنگ جلد طلب کی جارہی ہے۔

واردھا کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ سندھ کی مسلم لیگی حکومت نے ستیارتھ پرکاش کے خلاف جو حکم جاری کیا ہے اس کی طرف گاندھی جی کو توجہ دلائی گئی تھی، انھوں نے جواب دیا تھا کہ جب تک میں تمام حالات سے آگاہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا۔ معلوم ہوا ہے کہ ستیارتھ پرکاش کے معاملہ کے متعلق گاندھی جی جلد ہی ایک بیان جاری کریں گے۔

دہلی کی ایک خبر مظہر ہے کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند اس تجویز پر غور کر رہی ہے کہ اخباروں کی قیمت اور صفحوں کا تعین کر دیا جائے یعنی ایک اخبار کے جس قدر صفحے ہوں اسی نسبت سے اُس کی قیمت مقرر کی جائے، زیادہ سے زیادہ ایک اخبار کی قیمت چھ پیسے ہو سکے گی، اور زیادہ سے زیادہ اخبار کے صفحے بھی صرف چھ ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۱۶ نومبر ۱۹۴۴ء

ہندوستان کا معیارِ زندگی

(۳)

اس سلسلہ کے پچھلے مضامین میں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ جب ہندوستان کے مسلمان فاتحین نے یہ طے کر لیا کہ وہ اس مقبوضہ ملک کو اپنا وطن بنائیں گے تو یہ قدرتی بات تھی کہ انھوں نے ہندوستان کی ترقی و فلاح کے لئے ہر قسم کی کوشش شروع کر دی۔

مسلمانوں نے ہندوستان کو کیوں فتح کیا اور کیوں یہاں اپنی حکومت قائم کی؟ اس پر کسی بحث و گفتگو کی ضرورت نہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ جب کسی قوم کو اپنی کوشش و تدبیر یا حُسنِ اتفاق سے ترقی کا موقعہ مل جاتا ہے اور حکومت ہاتھ آجاتی ہے تو اس کا عزم و حوصلہ بڑھ جاتا ہے، اس لئے وہ اپنی موجودہ حالت پر قناعت نہیں کرتی، بلکہ اور زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہے، یہ بنی نوعِ انسان کی فطرت ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہو سکتی۔

آپ ابتدائے آفرینش سے آج تک انسانیت کی "تاریخ" کا مطالعہ کیجئے تو یہی نظر آئے گا کہ جب کسی قوم کو ایسے وسائل و اسباب حاصل ہوئے کہ وہ آگے بڑھ سکے تو اس نے حتی الامکان اس موقع کو ضائع نہیں کیا۔ لیکن جو قومیں محکوم و غلام ہیں وہ اس [illegible] نہیں کر سکتیں، کیونکہ اُن کی [illegible] قوم سے بالکل مختلف ہوتی ہے، جو [illegible] اولوالعزمی اور پیش قدمی کی جو ہمت [illegible] پائی جاتی ہے ایک محکوم قوم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ لہٰذا ہم جو محکومیت کی حالت میں ہیں اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے کہ وہ کون سا بے پناہ جذبہ تھا جس نے مسلمانوں میں یہ ہمت و حوصلہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ بلا استثنا دنیا کی ہر زبردست سے زبردست قوم سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، اور جب ایک دفعہ آگے بڑھنے کا عزم کر لیتے تو نہ سمندر باوجود اپنی قہرمانی قوتوں کے اُن کے راستہ میں حائل ہو سکتا تھا نہ کوئی دشت و جبل۔

آج بھی یہی حالت ہے کہ جن قوموں کو آگے بڑھنے اور دنیا کے دوسرے ملکوں پر قبضہ کرنے کے وسائل حاصل ہیں وہ کبھی دوسری قوم کو اپنا محکوم بنانے یا اُسے کمزور و برباد کر کے مادّی فائدہ اٹھانے میں کوئی تامّل نہیں کرتیں، یعنی تقریباً ہر ترقی یافتہ قوم جوع الارض کے مرض میں مبتلا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف قوموں میں ہمیشہ ایک کشمکش جاری رہتی ہے۔

عہدِ ماضی میں جب کوئی زبردست قوم کسی ملک پر حملہ کرتی تو کبھی اس پر باقاعدہ قبضہ کر لیتی اور کبھی ایسا ہوتا کہ جس قدر دولت وہاں مل سکتی اُسے لوٹ کر اپنے ملک میں واپس آجاتی۔ آج کل بھی تقریباً یہی طریقہ رائج ہے، یعنی زبردست قومیں کبھی تو کمزور ملک پر مستقل قبضہ کر لیتی ہیں اور کبھی پُرفریب و عیارانہ معاہدوں کے ذریعہ سے اس کے مالی وسائل، اندرونی تجارت بلکہ سارے کاروبار پر اس طرح حاوی ہو جاتی ہیں کہ خود اہلِ ملک ان زبردست قوموں کے دستِ نگر ہو جاتے ہیں اور وہ تونگر و دولت مند بن جاتی ہیں۔

آزاد قوموں کو غلام بنانے کا یہ طریقہ زمانۂ ماضی کے حملہ آوروں کے طریقے سے زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ اُس زمانہ میں جب زبردست قومیں کمزور قوموں کو ستاتی اور لوٹ مار کرتی تھیں تو ان کی یہ کھلی ہوئی غارتگری عام طور پر قابلِ مذمت سمجھی جاتی اور کمزور قوموں میں اُن کے خلاف جذبۂ نفرت و عداوت پیدا ہوتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں مغربی قوموں کی جادوگری کمزور و سادہ لوح قوموں کو کچھ اسطرح مسحور و خود فراموش بنا دیتی ہے کہ ایک مدتِ دراز تک وہ اسی حالت میں سرشار رہتی ہیں، اور اگر کبھی ہوش آتا ہے تو اُس وقت جب اس طلسم خواب آور سے نجات حاصل کرنے کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں، مشرق کی بہت سی قومیں اسی طرح عہدِ حاضر کی پُرفریب سیاست کا شکار ہو چکی ہیں۔

بے شبہ مسلمان فاتحین بھی جب کسی ملک پر [illegible] کرتے تو وہاں اپنی تہذیب اور علوم و فنون کی [illegible] کرتے تھے، لیکن وہ کسی قوم کو اسلامی تہذیب [illegible] علوم سیکھنے پر مجبور نہیں کرتے تھے، نہ اُسے علا[illegible] بیچارگی کی حالت میں رکھنا چاہتے تھے، بلکہ خود [illegible] تہذیب و تمدن کی خوبیاں لوگوں میں اسکی طرف [illegible] و رغبت پیدا کرتی تھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے زمانہ عروج و[illegible] میں دنیا کی سب سے زیادہ متمدن و ترقی یافتہ قو[م] اور علم و ہنر میں بھی اُن کو اپنی ہمعصر قوموں [illegible] حاصل تھی، لہٰذا جب وہ کسی ملک میں مستقل طو[ر] اقامت کرتے تو لوگوں کا معیارِ زندگی خواہ مخواہ [بلند] ہو جاتا تھا اور کسی کی ترغیب یا جبر سے نہیں [illegible] شوق سے لوگ اپنی روزمرہ کی معاشرت [و] لوازمِ حیات میں اصلاح و ترقی کے لئے کوشش[اں] تھے، تاکہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح شائستہ و متم[دن] سمجھے جائیں،

مسلمانوں کے ترقی یافتہ معیارِ زندگی کا اند[ازہ] اُن کی روزمرّہ کی معاشرت کے طریقوں اور [illegible] رجحانات سے ہوتا ہے، مثلاً انھوں نے فن [تعمیر] میں حیرت انگیز ترقی کی تھی، چنانچہ اُن کے عہد [کی] بہت سی ایسی عمارتیں مختلف ممالک میں موجو[د ہیں] جو تاریخی شہرت رکھتی ہیں، وہ عموماً اپنے ر[ہنے کے لئے] خوبصورت و راحت بخش مکانات بناتے اور انھیں نفیس و کارآمد سازوسامان سے مرتب و آراستہ [رکھتے] تھے جو اُن کے ترقی یافتہ معیارِ زندگی کے مطابق [تھے] درحقیقت خود اُن کی ذہنی کاوش، ہنرمندی [و] صناعی سے وجود میں آیا تھا۔

مکانات کے علاوہ وہ مناظرِ فطرت سے [illegible] قدرشناس تھے، اور اس کائناتِ ارضی [میں] قدرت نے جو گوناگوں نعمتیں انسان کیلئے پیدا [کی ہیں] اُن سے لطف اندوز ہونا اور انھیں اپنی صرف[illegible]

بنایا جاتے تھے، اسی ذوق کی بنا پر انہیں نفیس و لذیذ پھلوں خوبصورت و نظر فریب پھولوں، سرسبز و شاداب وادیوں، آب رواں اور آبشاروں سے غیر معمولی دلچسپی تھی، چنانچہ وہ اپنے مکانوں کے ساتھ فرحت بخش باغ تیار کرتے، نہریں نکالتے، دامنِ کوہ یا قدرتی چشموں کے کنارے موسم بہار کا لطف اٹھانے کے لئے عمارتیں بناتے، غرض قدرت کی ساری روح پرور نعمتوں سے لذت اندوز ہوتے تھے، اُن کے اس حسنِ ذوق کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ جس ملک میں جاتے اُسے اپنے ذوقِ طبع کے مطابق مہذب و متمدن بناتے اور لوگوں کا معیارِ زندگی بلند کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمان سلاطین میں خصوصیت کیساتھ تیموریہ خاندان کے حکمراں سب سے زیادہ صاحبِ ذوق تھے، انہیں مناظرِ فطرت اور فنونِ لطیفہ سے خاص دلچسپی تھی اور اُن کی نکتہ رس نگاہ سے زندگی کا کوئی گوشہ مخفی نہ تھا، اس لئے وہ ہر شعبۂ حیات میں اصلاح و ترقی کے لئے کوشش کرتے تھے، ایک تعلیم یافتہ ہندو مصنف نے مسلمان حکمرانوں کے ذوقِ سلیم کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اس عہدِ رفتہ کے تعمیری آثار کثرت سے سارے ملک میں موجود ہیں اور فرمانروایانِ سابق کی قوت و دولت اور ذوقِ سلیم کے شاہد ہیں، عالی شان عمارات صرف دار الخلافہ ہی کا حصہ نہ تھیں، مختلف صوبوں میں جدید اور حسین طرز کی عمارتیں جو تمام جزئیات میں مکمل تھیں نظر آنے لگیں۔"

اس کے بعد باغات کے متعلق لکھا ہے۔

باغات کا تو کہنا ہی کیا ہے، کشمیری باغات میں صرف نشاط، شالیمار، چشمہ شاہی اور ویری ناگ کا نام لینا کافی ہے، آگرہ کا رام باغ خود بابر نے نصب کیا تھا۔ تاج اور اعتماد الدولہ میں باغ ہیں، آگرہ کالج اور دہلی کے قلعوں میں باغ تھے، لاہور میں شالامار اب تک موجود ہے۔

عمارات و باغات کے علاوہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں مسلمانوں نے جو اصلاح و ترقی کی، اُس کے متعلق لکھا ہے۔

"خوراک، لباس اور خانہ داری کے سامان بھی بدل گئے۔ چینی کے برتن اور قالین استعمال ہونے لگے۔

مسلمانوں کو دنیوی نعمتوں سے نفرت نہ تھی، چنانچہ عادات و اطوار تک تبدیل ہو گئے، اسلام کا نقطۂ نظر عملی تھا وہ ان ہی حالات سے سروکار رکھتا تھا جو خارج میں موجود ملتے تھے اور اپنے معتقدین کو اُن سے بوجہ احسن مستفید ہونے کا حکم دیتا تھا وہ جہاں پہنچتا تھا شوکت، شائستگی اور آسائش کے اسباب مہیا کرتا تھا کیونکہ مسلمان بالطبع مدنیت پسند ہے اور خریدہ روی کا مخالف ہے۔"

ڈاکٹر نواب صدر یار جنگ بہادر "تذکرۂ بابر" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بابر سے پیشتر بادشاہ کی دلچسپی کا سامان ہندوستان میں کچھ بھی نہ تھا، نہ دلفریب باغ تھے، نہ دلربا چشمے تھے، نہ علمی مدرسے تھے، نہ ہوادار مکان تھے، ہندوستان میں بابر کی بادشاہی کا قلیل زمانہ امن قائم کرتے کرتے گزر گیا، اس پر بھی اُس نے نقائص کے دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

دھولپور، آگرہ، گوالیار وغیرہ مقامات میں کثرت سے اُس نے باغ اور حمام اور باؤلیاں بنوائیں، آگرہ میں اُمرائے شاہی نے بھی لب جمنا دلفریب اور پُرفضا باغ لگائے۔

پھر اسی سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ولایتی باغبانوں کو حکم دیا کہ آگرہ میں سردہ ملک کے خربوزے اور انگور بوئیں، ہندوستان کے دورہ میں جہاں خوشنما پھول نظر پڑ جاتا شاہی باغوں میں اس کو لے آتا گوالیار کے میدان سے گلِ سرخ آتشیں رنگ اور بہار سے نیلوفر لاکر شاہی باغ میں لگایا۔"

ان واقعات سے صراحۃً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ہندوستان میں دولت کھینچنے یا بربادی و تباہی پھیلانے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ وہ اسے اپنی جانفشانی و حوصلہ مندی سے جنتِ ارضی بنانا چاہتے تھے، اور جس چیز میں کوئی عیب یا نقص پاتے اُس کی اصلاح و ترقی کے لئے پوری کوشش کرتے تھے، ہندوستانی زندگی کا کوئی گوشہ اُن کی ہمہ گیر نظروں سے مخفی نہ تھا۔

اگر مسلمانوں کو ہندوستان سے محبت و دلچسپی نہ ہوتی اور وہ اُسے اپنا وطن نہ سمجھتے تو اس کی ترقی کے لئے یہ کوشش دکاوش نہ کرتے۔

گاندھی جی اور قومی تعلیم کا نظام

سیواگرام کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ "ہندوستانی تعلیمی سنگھ" کے ممبروں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا کہ اب اس سنگھ کو قومی تعلیم کا تمام نظام اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے، اور زندگی کی ساری منازل کے لئے قومی تعلیم کا پروگرام تیار کرنا چاہیئے جو بذریعہ دستکاری ہونا چاہیئے، اس لئے قومی تعلیم کا پروگرام موجودہ "بیسک تعلیم" کی بالائی و زیریں توسیع ہے۔

سنگھ نے اپنی میٹنگ میں یہ طے کیا کہ جنوری ۱۹۴۵ء کے پہلے ہفتہ میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے جس میں گاندھی جی کی مندرجہ بالا ہدایت کے مطابق قومی تعلیم کی مختلف منزلیں طے ہوں گی۔ تین سب کمیٹیاں بنائی گئی ہیں جن میں سے ایک "بیسک تعلیم" سے پہلے کے لئے، دوسری اُس کے بعد کے لئے اور تیسری بالغوں کی تعلیم سے تعلق رکھتی ہے۔

سنگھ نے صوبہ میں نمونے کے اسکول اور اس کے ساتھ ٹریننگ سنٹر کھولنے کا فیصلہ کیا "کستوربا گاندھی نیشنل میموریل ٹرسٹ" نے سنگھ سے درخواست کی کہ وہ کارکنوں کی تربیت کے لئے ایک اسکیم تیار کرے، سیواگرام میں سنگھ کی طرف سے ۱۵ نومبر سے ایک ٹریننگ کیمپ بیسک تعلیم کے لئے کھل جائے گا۔

امریکہ میں ہندوستانی طلبہ کو وظائف

نیویارک کی ایک خبر مظہر ہے کہ "وڈیل فاؤنڈیشن" کے بانی کی بیوی مسز وڈیل نے بتایا کہ اس یادگاری فنڈ کے ماتحت امریکہ اور ہندوستان کے درمیان طلبہ اور پروفیسروں کے تبادلہ کا انتظام کیا جا رہا ہے، طلبہ کو اسکالرشپ دیئے جائیں گے۔ ہندوستان سے چھ سو سے زیادہ مرد اور عورتوں نے امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے درخواستیں بھیجی ہیں جو حسب ذیل مضامین کی تعلیم سے تعلق رکھتی ہیں۔

زراعت، ادویہ، حفظانِ صحت، انجینئرنگ، غذا، بچوں کی پرورش، سائنس اور ایجوکیشن۔

مشہور ماہرین تعلیم ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں لکچر دینے کے لئے بھیجے جا رہے ہیں، قریب ہے کہ آخر میں امریکنوں اور ہندوستانیوں کی ایک کمیٹی

... ہندوستانیوں کے نام منتخب کئے گئے جنہیں امریکہ کی یونیورسٹیوں میں پڑھنے کے لئے وظیفہ دیا جائے گا۔ ہندوستان کے گریجویٹ دو سال کے لئے امریکہ آئیں گے۔ ہر سال وظیفے دیئے جائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگ دنیا کی نئی ایجادوں سے واقف ہو جائیں اور بشرط ضرورت ہندوستان میں انہیں رائج کریں۔

مکرجی کو تلوار کا تحفہ

لدھیانہ کی ایک خبر مظہر ہے کہ "پنجاب ہندو کانفرنس" کے لئے جوش و خروش سے تیاری ہو رہی ہے، اور انتظامات کے لئے ایک استقبالیہ کمیٹی بنگئی ہے، کانفرنس میں ایک رزولیوشن پیش کیا جائے گا کہ ستیارتھ پرکاش کے معاملہ پر قدم اٹھایا جائے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ "ہندو اسٹوڈنٹس فیڈریشن" کی طرف سے ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی (مشہور بنگالی مہاسبھائی) کو تلوار پیش کی جائیگی۔ مکرجی کو تلوار مبارک لیکن سوال یہ ہے کہ وہ اِس کھلونے کو لیکر کیا کریں گے؟ اُن کی سیف زبان جو برابر مسلمانوں کے خلاف چلتی رہتی ہے کیا کم ہے کہ اب اِس سیف آہنی کی ضرورت پیش آئی، ہمیں امید ہے کہ مکرجی اِس تحفہ کے قبول کرنے سے جو اُن کے لئے ایک فضول و بیکار چیز ہے اِنکار کر دیں گے۔

پارلیمنٹ کی جدید عمارت

لندن کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ ایک نیا ہاؤس آف کامنز تیار کیا جا رہا ہے، پرانی عمارت جرمنی کے ہوائی حملوں سے برباد ہو گئی ہے۔ پارلیمنٹ کا نیا چیمبر بنانے کی جو اسکیم شائع ہوئی ہے اس کے مطابق اِس عمارت میں ۶۱۵ ممبروں میں سے ۴۳۷ کے لئے نشست کا انتظام ہوگا، لیکن وزیروں اور پریس والوں کے لئے اب بجائے ۲۵۲ کے ۸۰۴ نشستوں کا انتظام کیا گیا ہے۔

اِس تعمیر پر ۰۰۰,۷۴۰ پونڈ کی رقم صرف ہوگی۔ تقریباً ۱۸ مہینے چیمبر گرانے میں لگیں گے اور ... پانچ سال کا زمانہ نیا چیمبر بنانے میں لگے گا۔

مجلس مصنفین علی گڑھ کا جلسہ

... کو مجلس مصنفین" علی گڑھ کا اُنچاسواں جلسہ زیر صدارت مولوی ابرار حسین صاحب فاروقی ایم۔اے (علیگ) کانفرنس لائبریری میں منعقد ہوا، جس میں مولوی ظہیرالدین صاحب علوی ایم۔اے استاد شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی نے "اردو شاعری میں خمریات" کے عنوان پر مقالہ پڑھا جو توجہ سے سنا گیا، اس کے بعد متعدد ممبروں نے مقالہ پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے بہت سے سوالات کئے، آخر میں مقالہ نگار نے سوالات کا اجمالی جواب دیتے ہوئے مقالہ کا مقصد واضح کیا۔ علوی صاحب کی طرف سے جملہ ممبروں کیلئے عصرانہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔

اِس جلسہ میں مجلس مصنفین اور اس کے سہ ماہی رسالہ مصنف کے "بیت المصنف" (دفتر) کی رسم افتتاح بھی عمل میں آئی جو خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب صدر شعبۂ ریاضی مسلم یونیورسٹی نے ادا فرمائی، اس موقعہ پر سید الطاف علی صاحب بی۔اے معتمد مجلس نے قریشی صاحب کی خدمت میں ایک سپاسنامہ بھی پیش کیا، جس کا ممدوح نے حوصلہ افزا جواب دیا۔ سپاسنامہ میں سرسید مرحوم اور ان کے رفقائے کار پھر سرسید کے بعد عہد بہ عہد تا حالت کے مصنفین و ارباب قلم کی تصنیفی خدمات کا تذکرہ کیا گیا تھا پھر یہ توقع ظاہر کی گئی تھی کہ جدید دور میں بھی علم و ادب کی خدمت کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

سپاسنامہ کے بعد مولوی سید طفیل احمد صاحب (علیگ) نے پُر زور الفاظ میں قریشی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ آخر میں صدر مجلس نے اختتامی تقریر فرمائی، جو نہایت دلچسپی سے سنی گئی، تقریباً ۹ بجے شب کو یہ پُر لطف صحبت ختم ہوئی۔

ستیارتھ پرکاش اور مسلمانانِ سندھ

ایک ہمعصر کا نامہ نگار حیدرآباد سندھ سے بذریعہ تار اطلاع دیتا ہے کہ مسلمانانِ حیدرآباد سندھ کا ایک عام جلسہ مولانا غلام مہر سرہندی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجویز منظور ہوئی:-

یہ جلسہ حکومت سندھ کے اِس اقدام کی پُر زور حمایت کرتا ہے جس کی رُو سے ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کی طباعت و اشاعت وغیرہ ممنوع قرار دی گئی ہے، جس میں تاریخی حیثیت سے صحیح واقعات پر خود ساختہ اعتراض اور ناپاک حملے کئے گئے ہیں، ... پوری طاقت سے مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت کو ایسے دوسرے ابواب کی طباعت و اشاعت بھی ممنوع قرار دینی چاہیئے، جن میں جھوٹے لغو اور ناپاک حملے جملہ مذاہب کے رہنماؤں پر کئے گئے ہیں۔ یہ مطالبہ بالکل انصاف پر مبنی ہے اور اِس میں خود حکومت کا مفاد بھی مضمر ہے۔

یہ جلسہ حکومت کو مطلع کرتا ہے کہ وہ آریہ سماجیوں کی ان بزدلانہ دھمکیوں کا فوراً سدباب کر دے جن کی رُو سے انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ وہ یہاں آکر بدامنی اور شرارت پیدا کریں گے۔ یہ اجتماع حکومت کو یقین دلاتا ہے کہ مسلمان اس کو اپنی تمام امداد دینے کے لئے تیار ہیں جو اِس کو مفاد عام برقرار رکھنے کیلئے درکار ہو۔ یہ اجتماع مسلمانوں کے اِس بنیادی مطالبہ کو دہراتا ہے کہ اِس پوری کتاب کو ممنوع قرار دیا جائے۔

مندرجہ بالا تجویز مولانا فضل احمد سرہندی نے پیش کی اور تائید میں علی اکبر شاہ اور عبدالجبار صاحب ایڈوکیٹ سندھ نے تقریریں کیں۔

مسلم جرنلسٹ فیڈریشن کا اجلاس

۱۲ نومبر ۱۹۴۴ء کو "مسلم جرنلسٹ فیڈریشن" کا ایک جلسہ دہلی میں منعقد ہوا، جس میں محلہ و سرتی کا ویر کے ایک تجویز حکومت سندھ کے حکم کے متعلق ستیارتھ پرکاش کے سلسلہ میں حسب الفاظ پاس کی گئی۔

"مسلم جرنلسٹ فیڈریشن کا یہ جلسہ حکومت سندھ کی خدمت میں اِس اخلاقی جرأت و اقدام پسندی کیلئے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے کہ اِس نے "ستیارتھ پرکاش" کے چودھویں باب کو جس میں مذہب اسلام کی توہین اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تاجدار مدینہ کی شان والا تبار میں ناقابل برداشت گستاخیاں کی گئی ہیں، قابل اعتراض قرار دیا ہے۔

یہ جلسہ حکومت سندھ کو یقین دلاتا ہے کہ اس نے ستیارتھ پرکاش کے اِس باب کو ممنوع قرار دے کر ہندوستان کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے اور اِس کو کوتاہی سے بچایا ہے۔

حیدرآباد کی ایک خبر مظہر ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کا کانووکیشن جنوری ۱۹۴۵ء میں ہوگا، جس کا ایڈریس سر سی پی راما سوامی آئر دیوان ریاست ٹراونکور پڑھیں گے۔

باہتمام (خانصاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی پبلشر نے صدر دفتر کانفرنس سے شائع کیا۔

زیرنگرانی جناب ڈاکٹر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی آنریری سکرٹری کانفرنس

منیجر۔ سید الطاف علی بریلوی بی۔ اے (علیگ) ایڈیٹر محمد اکرام اللہ خاں ندوی

جلد ۱۵ | یکم دسمبر ۱۹۴۴ء مطابق ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ | نمبر ۴۵

ہر ہائنس فرمانروائے رام پور خلد اللہ ملکہ (چانسلر مسلم یونیورسٹی) ۱۹۳۰ء میں سریر آرائے حکومت ہوئے تھے۔ جب سے ہر سال سالگرہ ہمایونی کی تقریب سعید نہایت مسرت وشادمانی سے ریاست میں منائی جاتی ہے۔ چنانچہ امسال ۱۷ نومبر ۱۹۴۴ء کو حضور ممدوح کی انتالیسویں سالگرہ کی مبارک رسم نہایت لطف ومسرت سے دار الحکومت رام پور میں ادا کی گئی۔

۱۷ نومبر کو بعد نماز جمعہ حامد منزل کے ہال میں دربار منعقد ہوا، جس میں جملہ متوسلین کو باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ دربار کے علاوہ اس خوشی میں اور متعدد ایٹ ہوم وڈنر دیئے گئے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ اس مرتبہ تقریب سالگرہ کے سلسلہ میں بہت سے عہدیداروں کی تنخواہ میں اضافہ فرماکر قدرشناسی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ جناب کرنل سید بشیر حسین صاحب زیدی سی۔ آئی۔ ای چیف منسٹر ریاست کی موجودہ تنخواہ میں پانسو روپیہ ماہوار کا اضافہ فرمایا گیا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ہائنس کی عمر ودرجات میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

---

۲۴ نومبر ۱۹۴۴ء کو بعد نماز جمعہ مسلم یونیورسٹی کورٹ کا جلسہ منعقد ہوا، جس میں چوتھی مرتبہ باتفاق رائے

ہز اگزالٹیڈ ہائینس اعلیٰ حضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کو مسلم یونیورسٹی کا چانسلر منتخب کیا گیا، ہم اس مبارک انتخاب پر مسلم یونیورسٹی کو مبارکباد دیتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت از راہ نوازش خسروانہ عہدہ چانسلری کو قبول فرماکر مسلم یونیورسٹی کا وقار بڑھائیں گے۔

[illegible] ۱۹۴۴ء کو بوقت ۱۱ بجے دن مسلم یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد نہایت شان سے منعقد ہوا، جس میں علاوہ ممبران کورٹ، اساتذہ اور طلبہ کے دوسرے بہت سے مہمان وحکام بھی شریک تھے۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر وزیر تعلیمات دولت آصفیہ نے کنووکیشن ایڈریس پڑھا۔ جو بڑی توجہ سے سنا گیا جناب وائس چانسلر صاحب بالقابہ نے مسلم یونیورسٹی کی سالانہ رپورٹ پڑھی اور طلبہ کو اسناد تقسیم کیں۔

۴½ بجے سہ پہر کو ہر ہائنس فرمانروائے رام پور بالقابہ چانسلر مسلم یونیورسٹی کی طرف سے جملہ مہمانوں کو نہایت وسیع پیمانہ پر ایک پرتکلف ڈنر دیا گیا، افسوس ہے کہ خود ہر ہائنس خلد اللہ ملکہ کسی دوسری مصروفیت کی وجہ سے بنفس نفیس کنووکیشن میں شرکت نہ فرماسکے۔

عید کی نماز مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد میں ٹھیک دس بجے ادا کی گئی، عید کی تعطیل کی وجہ سے بہت سے طلبہ اپنے گھروں کو چلے گئے تھے، بایں ہمہ نمازیوں کی تعداد اسقدر زیادہ تھی کہ مسجد باوجود اپنی وسعت وفراخی کے ناکافی ثابت ہوئی اور بہت سے لوگوں کو صحن مسجد کے باہر نماز ادا کرنی پڑی، کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی مسجد میں نمازیوں کا اسقدر اجتماع نہیں ہوا۔

نئی دہلی کی ایک خبر مظہر ہے کہ انڈین اکانومک کانفرنس کا ستائیسواں اجلاس ۳۰، ۳۱ دسمبر اور پہلی دوسری جنوری ۱۹۴۴ء کو یونیورسٹی ہال (دہلی) میں منعقد ہوگا۔ اور مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر اقتصادیات ڈاکٹر ایل۔ کے۔ حیدر اسکی صدارت فرمائیں گے۔

دہلی یونیورسٹی کا سالانہ کنووکیشن ۱۷ دسمبر ۱۹۴۴ء یوم دوشنبہ کو بوقت ۲½ بجے سہ پہر یونیورسٹی ہال (پرانی وائسریگل لاج) دہلی میں منعقد ہوگا

لاہور کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ وہاں مختلف مسجدوں میں جلسے منعقد ہوئے، جن میں ہندو چھاپہ خانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ قرآن مجید نہ چھاپیں۔ نیز حکومت پنجاب سے درخواست کی گئی کہ وہ اس بارہ میں قانون بنادے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

یکم دسمبر ۱۹۴۴ء

اسلامی عہد حکومت اور ہندوستان

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مسلمان سلاطین نے، چونکہ ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا تھا اس لئے وہ ہمیشہ اسکی فلاح و ترقی کی کوشش میں مصروف رہتے اور جہاں جہاں اصلاح و ترقی کی گنجائش پاتے اس پر پوری توجہ کرتے تھے، اس دور میں ہندوستان اپنی تہذیب و معیار معاشرت کے لحاظ سے نہایت پستی کی حالت میں تھا اور مسلمان دنیا کی سب سے زیادہ متمدن، ترقی یافتہ اور فرض شناس قوم تھے اس لئے وہ محسوس کرتے تھے کہ جس ملک کو انھوں نے اپنا وطن بنا لیا ہے اس کے رہنے والوں کو مہذب و شائستہ بنانا، اور نیم وحشیانہ حالت سے نکال کر تہذیب و معاشرت کا معیار بلند کرنا ان کا اخلاقی فرض ہے۔

مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کو مہذب و متمدن بنانے اور اس کا معیار معاشرت بلند کرنے کے لئے جو کچھ کیا وہ اکثر ایسی حالت میں کیا جبکہ انھیں اطمینان و فراغ خاطر میسر نہ تھا اور بیک وقت جہانگیری اور جہانداری کے فرائض میں مصروف رہنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی ساری عمر اسی کشمکش اور دار و گیر میں گذر جاتی تھی۔

ان حکمرانوں کی زندگی میں اکثر ایسے دور بھی آتے تھے جب انھیں مہینوں بلکہ برسوں اپنے دار الحکومت میں قیام کرنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی سلطنت کے تحفظ اور ملک کو خونریزی سے محفوظ رکھنے کیلئے دار الحکومت سے دور دراز فاصلہ پر کسی باغی امیر یا سرکش سپہ سالار کی بغاوت فرو کرنے یا بیرونی حملہ آوروں سے مقابلہ کرنے میں مصروف نظر آتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بیک وقت بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے جن کے فرو کرنے کے لئے بڑے بڑے کار آزمودہ سپہ سالار بھیجے جاتے اور جہاں زیادہ خطرہ ہوتا وہاں خود بادشاہ میدان جنگ میں پہنچکر باغی سردار یا بیرونی حریف کا مردانہ وار مقابلہ کرتا تھا۔ جب ان جنگی معرکوں سے کچھ دنوں کے لئے نجات ملتی تو انتظام مملکت پر توجہ مبذول ہوتی اور ایسے نئے قوانین جو ایک مہذب و ترقی پذیر سلطنت کے لئے ناگزیر ہیں، جاری کئے جاتے۔

مسلمانوں نے ہندوستان کی حکومت کا فرسودہ ڈھانچہ بالکل بدل دیا تھا۔ بہت سے نئے محکمے اور دفاتر جن کے نام سے بھی ہندوستان والے نا آشنا تھے قائم کئے گئے تھے جہاں بلا امتیاز ہندو مسلمان اہلکار کام کا تجربہ اور دماغی تربیت حاصل کرتے تھے۔ آمد و رفت کے وسائل، سامان تجارت کے نقل و حمل کے ذرائع اور [illegible] دوسرے کاموں پر خصوصیت سے توجہ کی گئی تھی، چنانچہ ملک کے مختلف حصوں میں طویل سڑکیں، وسیع سرائیں اور کنوئیں وغیرہ تعمیر کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ تجارتی کاروبار اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے کیلئے آسانیاں بہم پہنچائی گئی تھیں، اور تاجروں و صنعتکاروں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔

اسی طرح خانگی زندگی کو پرکیف و راحت بخش بنانیکی کوشش بھی جاری تھی، اس مسلسل جد و جہد کا نتیجہ یہ تھا کہ ہندوستان کا معیار زندگی بلند ہو گیا تھا، اور اسکی دولت و حشمت اور جاہ و جلال کے دلآویز افسانے عام شہرت حاصل کر چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر فن کے ارباب کمال و ہنرمند، شاہان ہند کی جوہر شناسی کی یہ داستانیں سنکر ہندوستان آتے اور منہ مانگی مراد پاتے تھے۔ چنانچہ ایران کے اکثر شعراء اور دوسرے ارباب کمال نے سلاطین ہند کی قدرشناسی کی بدولت وہ عزت و شہرت حاصل کی جو انھیں خود اپنے شہرۂ آفاق وطن میں کبھی میسر نہ آسکی۔

بادشاہوں کے علاوہ ان کے درباری امراء بھی علم دوست و ہنرپرور تھے جو نہ صرف ارباب کمال کی حوصلہ افزائی کرتے تھے بلکہ انہیں اپنی صحبت میں ہر قسم کی تربیت دے کر اس قابل بناتے کہ وہ شاہی دربار کے لئے موزوں ثابت ہوں، چنانچہ اکثر شعراء و ماہرین فن ان قدرشناس امراء ہی کی وساطت سے شاہی درباروں میں پہنچے ہیں۔ ان امراء کی جوہر شناسی اور سخن فہمی کا یہ عالم تھا کہ وہ بڑے بڑے نازک خیال شعراء کے کلام پر نکتہ چینی کرتے اور انھیں ٹوک دیتے تھے، مثلاً عہد اکبری کے امیر الامراء خانخاناں کا نام پیش کیا جا سکتا ہے جن کی سخن فہمی بلکہ استادانہ قابلیت کا اعتراف عرفی شیرازی جیسے مغرور شاعر نے بھی کیا ہے۔

عہد ماضی میں ہندوستان کا [illegible] باوجودیکہ [illegible] زمانہ کا دور تھا جب کہ مسلمان امراء و سلاطین کے زیر سایہ ترقی حاصل کرنے کا موقع ملا یہ انھیں جوہر شناس سلاطین کی سعی پیہم کا ثمرہ تھا کہ ہندوستان سارے دنیا میں روشناس ہوا اور اس نے غیر معمولی شہرت حاصل کی، اور اسے وہ سب کچھ میسر آگیا جو [illegible] عہد حکومت سے پہلے اسکے خواب و خیال میں بھی نہیں آیا تھا

مسلمانوں سے پہلے ہندوستان کس حالت میں تھا؟ اس کا کچھ تھوڑا سا اندازہ شہنشاہ بابر کی ایک تحریر سے ہو سکتا ہے جس میں ہندوستان کی عام حالت اور روزمرہ کی معاشرت کا خاکہ کھینچا گیا ہے، ملاحظہ ہو۔

"ہندوستان میں اچھے گھوڑے نہیں، اچھے گوشت نہیں، انگور نہیں، خربوزہ نہیں، آب سرد نہیں، حمام نہیں، مدرسہ نہیں، شمع نہیں، شمعدان نہیں، شمع کے بجائے ڈیوٹ ہوتا ہے یہ تین پایہ کا ہوتا ہے۔ ایک پایہ میں چراغدان کے منہ کی شکل کا ایک لوہا لکڑی میں وصل کر کے لگا دیتے ہیں ایک دھجی سی دوسرے پایہ میں لگی ہوتی ہے۔ داہنے ہاتھ میں کدو کی ایک تونبی ہوتی ہے جس کا سوراخ تنگ ہوتا ہے، اسی کی راہ سے تیل کی پتلی سی دھار گرتی ہے۔ راجوں اور مہاراجوں کو رات کے وقت روشنی کا جب کچھ کام پڑتا ہے تو نوکر چاکر یہی کثیف ڈیوٹ لیکر ان کے پاس کھڑے ہوتے ہیں۔

باغوں اور عمارتوں میں آب رواں نہیں، عمارتوں میں نہ صفائی ہے نہ موزونی، نہ ہوا، نہ تناسب، عام آدمی ننگے پاؤں ایک لنگوٹی لگائے پھرتے ہیں، عورتیں لنگی باندھتی ہیں جس کا آدھا

کمر سے لپیٹ لیتی ہیں اور آدھا سر پر ڈال لیتی ہیں"
(ترک بابری بحوالہ مقالات شبلی)

شہنشاہ بابر نے جس زمانے کے ہندوستان کی یہ تصویر کھینچی ہے اس پر اب چار سو برس کا زمانہ گزر چکا ہے، لیکن ہندوستان کے بعض علاقوں میں اس وحشیانہ زندگی کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں، اور آج بھی اس ملک میں لاکھوں انسان ایسے موجود ہیں جو جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں، اور مغربی تہذیب بھی انہیں اب تک متاثر نہیں کر سکی، حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان نہ آتے اور ان کے جانشین ہندوستان کی فلاح و ترقی کے لئے کوشش نہ کرتے تو جو افسوسناک حالت آج مرکزی شہروں سے دور افتادہ علاقوں کی ہے وہ سارے ہندوستان کی ہوتی۔

یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ تعصب و تنگ نظری کی بنا پر مسلمانوں کی ان خدمات جلیلہ کا اعتراف نہ کریں جو انھوں نے اس ملک میں تہذیب و شائستگی پھیلانے اور عوام کی اصلاح اور ان کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے انجام دی ہیں لیکن تاریخی واقعات و حقائق پر زیادہ دنوں تک پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔

مسلمانوں کا دور حکومت گزر چکا اور ان کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا لیکن آج بھی اس ملک کے چپہ چپہ پر ان کے ایسے آثار و نشانات پائے جاتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ کبھی اس ملک پر ایک ایسی قوم نے حکومت کی ہے جو تہذیب و تمدن کے اعتبار سے بلند پایہ تھی، اسلامی عہد کی بہت سی شاندار عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بن گئیں لیکن حسن اتفاق سے جو دستبرد حوادث سے محفوظ رہ گئی ہیں وہ ان کی خوش مذاقی، ہنرمندی اور اولوالعزمی اور زمانہ و علاء کی شہادت زبان حال سے دے رہی ہیں

مسلمانوں کے یہ تعمیری کارنامے اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ وہ ہندوستان میں غارت گری کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ انہوں نے اس سرزمین کو اپنا وطن بنا لیا تھا، اس لئے وہ ہمیشہ اس کی فلاح و ترقی کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک "مقالہ" میں نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ ایک مہذب و متمدن قوم جب کسی ملک میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوتی ہے تو اس کا طرز عمل کیا ہوتا ہے، فرماتے ہیں۔

"کسی غیر قوم کا کسی غیر ملک پر قبضہ کرنا کوئی جرم نہیں ورنہ دنیا کے سب سے بڑے فاتح سب سے بڑے مجرم ہوں گے، لیکن یہ دیکھنا چاہیئے کہ فاتح قوم نے ملک کی تہذیب و تمدن پر کیا اثر پیدا کیا۔

چنگیز خاں فتوحات کے لحاظ سے دنیا کا فاتح اعظم ہے لیکن اس کی داستان کا ایک ایک حرف خون سے رنگین ہے مرہٹے ایک زمانے میں تمام ہندوستان پر چھا گئے لیکن اس طرح کہ آندھی کی طرح اٹھے لوٹا مارا خوب وصول کی اور نکل گئے۔ بخلاف اس کے متمدن قوم جب کسی ملک پر قبضہ کرتی ہے تو وہاں کی تہذیب و تمدن دفعتہً بدل جاتی ہے، سفر کے وسائل، رہنے سہنے کا طور، کھانے پینے کے طریقے، وضع، لباس کا انداز، مکانوں کی سجاوٹ، گھروں کی زیبائش، تجارت کے سامان، صنعت و حرفت کی حالت ہر چیز پر ایک عالم طاری ہو جاتا ہے، گو مفتوح قوم صدمے احسان نہ مانے لیکن در و دیوار سے شکر گزاری کی صدائیں آتی ہیں۔

مندرجہ بالا معیار پیش نظر رکھتے ہوئے ہر انصاف پسند یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں داخل ہو کر کونسا طریقہ اختیار کیا، وحشی فاتحین کا یا ایک مہذب و متمدن قوم کا؟

ویدوگیتا اور اچھوت

پونا کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ "آل انڈیا اچھوت فیڈریشن" کے جنرل سکریٹری مسٹر پی۔ این۔ راج بھوج نے ڈاکٹر امبیدکر لیبر ممبر حکومت ہند کے اعزاز میں ایک تقریب کی تھی، جس میں انھوں نے ویدوگیتا کے متعلق اپنے بیان کی تشریح کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں پہلا شخص نہیں ہوں جس نے ان کتابوں پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ پرانے زمانہ میں ویدوں کی ہدایات کو قبول کیا گیا، اور برہمنوں نے بھی ان کے مصنفین کو تسلیم کیا، بدھ مذہب کے ماننے والوں نے ان ہدایات کو قبول نہیں کیا اور بدھ مت ویدوں اور ویدک نا شرم کے اصول پر بڑی سخت ضرب لگائی۔

بدھ مت نے ملک کی انسانی سوشل اور سیاسی زندگی میں بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا اور شودر جو اس زمانہ میں نہایت ذلیل حالت میں رکھے گئے تھے بلند ہوئے اور باوقار بن گئے، بدھ مت اور برہمن مت کے درمیان تقریباً دو ہزار سال تک کشمکش جاری رہی۔ جو بھی مذہبی کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی وہ سیاسی تھی اور اس لئے "بھگوت گیتا" کو بھی اسی قسم کی سیاسی کتاب خیال کیا جانا چاہیئے۔ اس کا خاص مقصد ویدوں کی تعلیم کو قائم رکھنا اور برہمنوں کی پوزیشن کو بلند کرنا تھا انھوں نے بیان کیا کہ یہ کتاب جنھوں نے اچھوتوں کے سروں پر ذلتوں کی بارش کی ہے اور ان کو اس ذلیل حالت پر پہنچا دیا ہے، ایسی نہیں ہیں کہ وہ ان کو مقدس اور متبرک کتابیں مانیں۔

لندن میں مرکزی مسجد کی تعمیر

لندن کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ریجنٹ پارک میں "اسلامک کلچرل سنٹرل" کا معائنہ کر لینے کے بعد ملک معظم لندن کی مرکزی مسجد کی اسکیم میں گہری دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں جو ریجنٹ پارک میں جنگ کے بعد تعمیر کی جائیگی، ملک معظم نے اس نقشہ کا بغور مطالعہ کیا۔ جب قاہرہ سے حال ہی میں واپس آیا، وہاں اس نقشہ کو اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اسمیں مناسب ترمیمات کرائی جائیں۔

مسجد کی تعمیر میں پورے تین سال لگیں گے۔ اسکا رنگ سفید ہوگا۔ مصری سفیر نے گلوب کے نمائندے کو بتایا کہ ملک معظم اسلامی مسائل میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے ہمدرد دوست ہیں

مسلم لیگ کا آیندہ سالانہ اجلاس

مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک اعلان سے واضح ہوتا ہے کہ لیگ کا آیندہ سالانہ اجلاس ایسٹر ۱۹۴۴ء کے ہفتہ میں لاہور میں قرار پایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے اپنے جلسہ منعقدہ ۳ جولائی ۱۹۴۳ء میں مجھے اختیار دیا تھا کہ میں آیندہ سالانہ اجلاس کے لئے مقام اور تاریخ مقرر کر دوں، اس کے مطابق میں نے مختلف صوبائی لیگوں سے ان کے صدر کی وساطت سے رائے دریافت کی کہ کس زمانہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کہاں منعقد کیا جائے، اگرچہ بہت سے صوبوں نے مخلصانہ دعوت دی کہ لیگ کا سالانہ اجلاس ان کے صوبہ میں کیا جائے، لیکن زیادہ تر منشاء یہ ہوئی کہ یہ اجلاس لاہور میں ہو، اور ان رایوں پر غور کرکے

...ہندوستان کے مختلف حصوں سے موصول ہوئی تھیں
جن میں سے کسی ... پہونچا ہوں کہ مجموعی طور پر لاہور بہت
زیادہ مناسب مقام ہے۔ اس لئے میں یہ اعلان کرنا
چاہتا ہوں کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور
میں ہوگا۔ صحیح تاریخ اور پروگرام کی اطلاع جلد از جلد
مناسب وقت پر ہو جائے گی۔

میں نہایت خلوص کے ساتھ ان صوبوں کا شکریہ
ادا کرتا ہوں جنھوں نے نہایت خلوص سے دعوت نامے
بھیجے ہیں، جن میں زور دیا گیا تھا کہ یہ اجلاس ان کے
صوبوں میں منعقد کیا جائے، اور میں امید کرتا ہوں کہ
وہ سمجھ لیں گے کہ ہمارے ادارے کے بہترین مفاد کیلئے
لاہور کا انتخاب بہت زیادہ مناسب ہے۔

ہندوستان کی صنعت شکر سازی

سر جگیندر سنگھ (ممبر اگریکلچر کونسل) نے ابھی حال میں
ایک تقریر کے سلسلہ میں یہ بتایا کہ بحالت موجودہ کپڑے کی
صنعت کے بعد دوسرے نمبر پر ہندوستان میں شکر سازی
کی صنعت ہے، جس میں ایک لاکھ مزدور ۳ ہزار گریجویٹ اور
اصطلاحی واقفیت کے کارکن اور دو کروڑ کسان لگے ہوئے
ہیں، نیز ۳۳ کروڑ روپیہ اس صنعت میں لگا ہوا ہے۔

ہر سال ۱۳ لاکھ ٹن شکر تیار ہوتی ہے اور ایک
ٹن کی قیمت اوسطاً ۴۰۰ روپیہ ہوتی ہے۔ اس
حساب سے ہر سال ۵۰ کروڑ روپیہ کی شکر تیار ہوتی ہے۔
۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۳ء کے درمیان ہندوستان میں ۷ لاکھ
۴۴ ہزار ۱۵۰ ٹن شکر درآمد کی گئی جس کی قیمت ۱۲ کروڑ
۷۱ لاکھ روپیہ تھی۔ آج ہم اپنی ضرورت کی تمام شکر
پیدا کرتے ہیں، اسکے علاوہ ہر سال ۹۰ لاکھ ٹن گڑ
پیدا ہوتا ہے۔

ہندوستانی ڈکشنری

سی پی کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ جس زمانہ میں
صوبہ بہار میں کانگریسی حکومت برسر اقتدار رہی تو اسنے
ایک "ہندوستانی کمیٹی" بنائی تھی، جس کے دس ممبر تھے۔
ان میں سے ایک ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب ناظم انجمن
ترقی اردو بھی تھے۔
۱۹۳۸ء میں "ہندوستانی ڈکشنری" بنانے کا کام
انکے سپرد کیا گیا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ چھ سال کی
محنت کے بعد آپ نے یہ "ہندوستانی ڈکشنری" مرتب کرلی ہے
اب یہ ہندوستانی کمیٹی کے سامنے پیش ہوگی اور اسکے بعد
حکومت بہار کے سپرد کی جائے گی۔

ریاست گوالیار میں ہندی

ریاست گوالیار کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ
مہاراجہ صاحب کی حکومت نے یہ احکام صادر کئے ہیں کہ
ریاست کے جملہ کاغذات اور کام انگریزی اور ہندی میں
ہونے چاہئیں، اور یہ ہندی سادہ اور معمولی ہونی چاہئے
جو عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ البتہ غیر ملکی
زبانوں کے صرف وہ الفاظ جو استعمال میں ہیں انھیں باقی
رکھا جائے گا۔

دولت کا کرشمہ

نیویارک کی یہ خبر غالباً دلچسپی سے پڑھی جائیگی کہ
الاسکا میں سڑکوں کی تعمیر کے سلسلہ میں جو امریکن کام کر رہے ہیں
اُن کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے ناشتہ کے لئے
شہد کافی مقدار میں دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لئے
"دیکھئے ورما" سے شہد کی دس ہزار مکھیاں ہوائی جہاز سے
الاسکا بھیجی گئیں، یہ ہوائی راستہ جو جہاز نے طے کیا
۲۰۰۰ میل طویل تھا۔

یہ ایک دولت مند ملک کا واقعہ ہے جہاں شہد بھی
روزمرہ کی ضروریات زندگی میں داخل ہے، اس کے
مقابلہ میں غریب ہندوستان کی یہ حالت ہے کہ شہد تو بڑی
چیز ہے۔ یہاں لاکھوں انسانوں کو ناشتہ میں گڑ بھی
میسر نہیں آتا۔

مسٹر ساورکر کا اعتراف

مسٹر ساورکر صدر آل انڈیا ہندو مہاسبھا نے ۲۸ نومبر
کو ایک پریس کانفرنس میں بیان کیا کہ "مشترکہ مذہب،
مشترکہ روایات، مشترکہ کلچر، مشترکہ زبان اور مشترکہ
قوت امادی ایک قوم بناتی ہے"
"مسلمان کسی بات میں ہندوؤں کے ساتھ مشترک
نہیں ہیں اور اُن کی مشترکہ خواہش یہ بھی نہیں ہے کہ
وہ ایک مرکزی حکومت کے تحت رہیں"
مسٹر ساورکر نے کہا۔
اگر مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ ایک جداگانہ قوم ہیں
تو ہمیں اس پر غصہ نہیں ہو سکتا۔ اُن سے یہ کہنا بیکار ہے
کہ وہ جداگانہ قوم نہیں ہیں، لیکن تم ایک میان میں دو تلواریں
کیونکر رکھ سکتے ہو۔

تجارتی رقابت کا نتیجہ

نیویارک کی ایک خبر مظہر ہے کہ انڈین چیمبر آف کامرس
آف امریکہ نے بین الاقوامی بزنس کانفرنس میں شرکت
کرنے والے ہندوستانی وفد کے اعزاز میں ایک ڈنر دیا،
اس تقریب میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر عبدالرحمن صدیقی
نے کہا کہ ہندوستان نے جنگ کے تمام اکھاڑوں میں جو
کوشش کی ہے وہ اس قابل ہے کہ اتحادی قومیں اسکی
زیادہ بہتر طریقہ پر قدر کریں۔

مسٹر صدیقی نے امریکہ والوں پر زور دیا کہ وہ
مسائل امن کو اسی قوت کے ساتھ ہاتھ میں لیں جس
قوت سے انھوں نے جنگ میں کام لیا ہے۔ گورے
رنگ والوں اور دوسروں کے درمیان تعاون ہی
شاہراہ امن کی طرف اشارہ کر سکتا ہے، جاہ مال
اور سٹیٹوں کے لئے لڑائی کا نتیجہ تجارتی رقابت ہوتا ہے
اور تجارتی رقابت آگے چل کر لڑائی کا پیش خیمہ
بن جاتی ہے۔

اچھوت لیگ کا مطالبہ

یو۔پی اچھوت لیگ نے حکومت یو۔پی کے سامنے
ایک میمورنڈم پیش کیا ہے، جس میں درخواست کی
گئی ہے کہ وہ میونسپل بورڈ کے لئے اس کے ممبروں کو
نامزد کرے۔ لیگ کا دعویٰ ہے کہ اچھوتوں کا صرف
وہی ایک نمائندہ ادارہ ہے

دہلی میں والیان ملک کا اجتماع

دہلی میں والیان ملک کا ہفتہ شروع ہو گیا ہے،
اور ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستوں کے فرمانروا
دہلی پہونچ گئے ہیں، ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال
چانسلر ایوان راجگان ہند، مہاراجہ جام صاحب نوانگر
پرو چانسلر کے علاوہ گوالیار، جودھپور، سانگلی اور
دیواس کے والیان ریاست بھی دہلی آ گئے ہیں۔

اسپیشل کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت
مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے کی، اس کمیٹی نے جو سفارشات
کی ہیں انکی بنا پر والیان ریاست اپنی ریاستوں میں مقامی
ضروریات اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے انتظامی
امور پر نظر ثانی کر سکیں گے۔

(باہتمام (خان صاحب) جواہر خاں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور محمد اکرام اللہ خاں ندوی اسسٹنٹ نے صدر دفتر کانفرنس علی گڑھ سے شائع کیا)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ہفتہ وار

کانفرنس گزٹ

علی گڑھ

فی پرچہ ایک آنہ

تاریخہائے اشاعت ہر ماہ عیسوی کی یکم، ۸، ۱۶، ۲۴

زیر نگرانی جناب ڈاکٹر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی آنریری سکریٹری کانفرنس

مینیجر۔ سید الطاف علی بریلوی بی۔اے (علیگ)

ایڈیٹر۔ محمد اکرام اللہ خان ندوی

جلد ۱۵	۸ دسمبر ۱۹۴۴ء مطابق ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ	نمبر ۴۶

سورت سے یہ دل حیسپ خبر شائع ہوئی ہے کہ وہاں اسکولوں کے تین سو اساتذہ نے سورت میونسپلٹی کے خلاف بطور احتجاج ایک دن کے لئے بھوک ہڑتال کر دی ہے۔ ان ہڑتال کرنیوالوں میں ایک سو کے قریب استانیاں بھی شامل ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ میونسپلٹی نے ان غریبوں کو گرانی کا الاؤنس دینے سے انکار کر دیا تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ استادوں [illegible] گاندھی جی کی کورانہ تقلید کر کے اپنے شاگردوں کے سامنے کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کیا۔ غالباً میونسپلٹی اس یک روزہ بھوک ہڑتال کی ذرا بھی پروا نہیں کرے گی۔

آل انڈیا ہندی جرنلسٹ ایسوسی ایشن کا سالانہ اجلاس ۲۳۔۲۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو کانپور میں منعقد ہوگا۔ اس اجلاس کا مقصد یہ ہے کہ جو مشکلات اس وقت درپیش ہیں اُن پر غور کیا جائے اور ہندی صحافت کا معیار بلند کرنے کی کوشش کی جائے، نیز یہ کہ ملک میں حصول آزادی کیلئے جو جدوجہد جاری ہے اس میں ہندی اخبار [illegible]

بھی حصہ لے سکیں۔

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ آل انڈیا ہندو مہا سبھا کا جو سالانہ اجلاس ۲۴ تا ۲۶ دسمبر ۱۹۴۴ء بلاس[illegible] (سی۔پی) میں منعقد ہونیوالا ہے، اس کی صدارت کے لئے بلا اختلاف ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کا انتخاب ہوا ہے۔

[illegible] کلکتہ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ خطبۂ افتتاحیہ کے لئے استقبالیہ کمیٹی نے مسٹر ساورکر سے درخواست کی ہے، ڈاکٹر مکرجی اور مسٹر ساورکر دونوں مسلمانوں کے کرم فرما ہیں، دیکھئے ان کے اجتماع کا کیا انجام ہوتا ہے۔

سرنگا پٹم کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ حسب معمول امسال بھی ٹیپو سلطان شہید کی برسی منائی گئی۔ اس تقریب میں ہزاروں مسلمان شریک ہوئے، ایک جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا جس میں مسٹر [illegible] اور ممتاز مسلمان لیڈروں کے پیامات پڑھ کر سنائے گئے، اور ایک قرارداد [illegible] حکومت میسور سے درخواست کی گئی [illegible]

۲۰ ذوقعدہ کو عام تعطیل دی جائے تاکہ [illegible] کی یاد منائی جا سکے۔

ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں [illegible] نومبر میں تقسیم اسناد کے جلسے منعقد [illegible] کے ماہرین تعلیم نے معرکۃ الآراء خطبات پڑھے۔ [illegible] ہوا ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد [illegible] ۱۹۴۴ء کو منعقد ہونیوالا ہے۔

لندن کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ [illegible] امریکہ نے حکومت برطانیہ کو [illegible] کے تحت میں ساڑھے کروڑ پونڈ سالانہ [illegible] بنایا ہے تاکہ برطانیہ جنگ میں [illegible] بڑے پیمانہ پر حصہ لے سکے۔

کلکتہ کی ایک [illegible] کی دعوت پر [illegible] انیسواں سالانہ [illegible] منعقد [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کانفرنس گزٹ

۸ر دسمبر ۱۹۴۲ء

خطبہ جلسہ تقسیم اسناد مسلم یونیورسٹی

از

نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات دولت آصفیہ و پرو چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی

[illegible] کو نواب مہدی یار جنگ بہادر نے مسلم یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں جو پُر مغز خطبہ ارشاد فرمایا وہ انگریزی میں تھا۔ اب از راہِ عنایت مولوی ابرار حسین صاحب فاروقی ایم۔ اے۔ لکچرر مسلم یونیورسٹی نے اس خطبہ کا سلیس و شگفتہ اردو میں ترجمہ کر دیا ہے جو ناظرین کانفرنس گزٹ کے مطالعہ کے لئے ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔

ایڈیٹر

حضرات! مجھے اس بات پر فخر ہے کہ حضرت اقدس و اعلیٰ خسرو دکن و چانسلر مسلم یونیورسٹی نے مجھکو اس سال [illegible] جلسہ تقسیم اسناد کے موقعہ پر خطبہ دینے [illegible] فرماکر میری عزت کو دوبالا فرمایا۔ [illegible] میں آپ سب حضرات اور اپنے پڑھنے [illegible] کرتیل ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب [illegible] ہوں۔ جنہوں نے دعوت دے کر [illegible] پر حضرت اعلیٰ حضرت خسرو دکن نے [illegible] مصروفیات اور آن خاندانی [illegible] کے نگران کو جو ان بیرون [illegible] جانے سے باز رکھتی ہیں [illegible] قبول فرماکر اپنے [illegible] یونیورسٹی سے [illegible] ظاہر فرمادیا۔ ان جذبات کا اظہار حضرت اقدس و اعلیٰ نے دیگر ممدوح نے علی گڑھ میں نزول اجلال فرماکر لارڈ ولنگڈن سابق وائسرائے ہند کو اعزازی ڈگری عطا فرمائی تھی) ارباب جامعہ کے اُس سپاس نامہ کے جواب میں فرمادیا تھا جو مسلم یونیورسٹی کی طرف سے مارچ ۱۹۳۳ء میں پیش کیا گیا تھا۔ حضرت اقدس و اعلیٰ بانی جامعہ عثمانیہ اور اس کے سرپرست ہیں۔ جامعہ عثمانیہ و علی گڑھ دونوں وہ توام ہیں جو شاہانہ اکرام سے فیض یاب ہیں۔

ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ کی جب ابتدا ہوئی تھی اُس وقت سے حیدرآباد کا علی گڑھ سے برابر قریبی تعلق رہا ہے۔ علاوہ مالی امداد کے جو حکومت اور ملک کے امرائے دی۔ سر سید احمد خاں مرحوم کی محنتوں کی حیدرآباد نے پُرجوش طریقہ پر تائید اور حوصلہ افزائی کی۔ مرحوم کے بعض رفقائے کار اور جانشین حیدرآباد کے وہ اعلیٰ عہدیدار تھے جنھوں نے اپنے اعلیٰ تجربوں اور فہم و فراست سے علی گڑھ کی نامور خدمات انجام دیں۔ ان میں سے ممتاز ترین نواب محسن الملک بہادر و نواب وقار الملک بہادر اور مولوی چراغ علی صاحب مرحومین تھے۔ میرے والد بھی سر سید کے گہرے دوست اور رفیق کار تھے اور ان کے خیالات و مقاصد کے زبردست موید تھے۔ یہی سبب ہے کہ مجھے بھی اس درسگاہ سے تعلق رہا ہے۔ اس کے علاوہ میں ذاتی طور پر بھی اس کے لئے اجنبی نہیں ہوں کیونکہ ۱۹۰۰ء میں جبکہ نواب محسن الملک اس کے اعزازی معتمد تھے میں بھی کچھ عرصہ کے لئے یہاں اعزازی پروفیسر رہا ہوں۔ اسی وجہ سے پرانے مناظر کو جو بہت کچھ بدل گئے ہیں دوبارہ دیکھنے اور گزری ہوئی مسرت آگیں یادوں کو تازہ کرنے کی مجھے اس وقت خوشی ہے۔

جب سر سید احمد خاں نے ایم۔ اے۔ او کالج کی ۶۷ سال قبل علی گڑھ میں بنیاد ڈالی تھی اُس وقت اُنھوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ مسلم جماعت کو تعلیم کی سخت ضرورت ہے اس بصیرت افروز نظر سے جو ایک بڑے مدبر اور رہنما کا لازمہ ہے۔ اُنھوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ملک کے سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں مسلمان اُس وقت تک نہ تو خاطر خواہ حصہ لے سکتے ہیں اور نہ کوئی وزنی مشورہ دے سکتے ہیں تا وقتیکہ وہ تعلیم یافتہ نہ ہوں۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمان انگریزی تعلیم کے سخت دشمن تھے آخرکار بمشکل اس مخالفت پر قابو پا لیا گیا۔ اب وہ تنگ نظری عرصہ ہوا فنا ہو چکی۔ ایم۔ اے۔ او کالج نے اب یونیورسٹی کی شکل اختیار کرلی اور مختلف مدارج کے مسلم تعلیمی ادارہ جات تمام ملک میں بہ تعداد کثیر جاری ہو گئے۔ اگرچہ مسلمانوں میں تعلیم کا بہت زیادہ چرچا ہو گیا ہے لیکن پھر بھی نسبتاً ابھی مسلم جماعت پیچھے ہے اور یہ بات اب بھی کہی جا سکتی ہے۔ اگرچہ اس زور سے تو نہیں جتنی کہ سر سیدؒ کے زمانہ میں کہی جاتی تھی کہ اُس وقت تک ملک میں مسلمان اس مرتبہ کو حاصل نہیں کر سکتے ہیں جس کے کہ وہ بحیثیت اپنی تعداد اور اہمیت کے مستحق ہیں جب تک کہ اور زیادہ اُن میں تعلیم نہ پھیلے۔ یہ پستی اُن میں کئی وجوہ سے ہے جس کو یہاں بحث میں لانا غیر ضروری ہے۔ ہم کو تو آج مسلم یونیورسٹی سے بحث ہے کہ یہ کس بہتر طریقہ سے مسلمانوں کی ترقی میں حصہ لے سکتی ہے۔

ہم مسلمان بہت بڑی روایات کے وارث ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں ہمارے کارنامے زریں حروف سے لکھے ہوئے ہیں اور انسانی ثقافت و تہذیب میں ہمارا لاقیمت حصہ ہے۔ قدیم جامعات قرطبہ۔ غرناطہ اور بغداد علوم کے وہ ایوان تھے جو مشہور زمانہ تھے۔ مسلمان علماء کی تحقیقاتوں کے ذریعہ سے انسانی علوم میں زبردست اضافہ ہوا۔ علوم کیمیا۔ ہندسہ۔ ہیئت۔ مناظرہ اور جغرافیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تاریخ کے جدید طریق تحقیقات کی بنیاد بھی عربوں نے ڈالی۔ ہماری قدیم جامعات نے اس زمانہ میں شمع علم روشن کی جبکہ یورپ قرون وسطیٰ میں جہل و تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سر سید احمد خاںؒ کا مقصد احیاء علوم قدیم تھا جو ہمارا بہترین ترکہ ہے اور وہ بھی اس طرح سے کہ مغرب کے بہترین جدید علوم و فنون اور طریق استخراج و تحقیقات کا خوشنما پیوند اس میں لگا دیا جائے۔

موجودہ حالات میں بہرحال یہ خطرہ ہے کہ ایسا ہو کہ سر سیدؒ کے مقاصد اور خیال کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ میں اپنے مطلب کی مزید وضاحت کئے دیتا ہوں۔ برطانوی ہند کے ایک کالج میں کئی سال قبل میں گیا کالج کے پرنسپل نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس کا مقصد ڈپٹی کلکٹر اور تحصیلدار بنانا ہے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُس کو اس بات پر بڑا فخر بھی ہے کہ اُس کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد ان عہدوں پر فائز تھی۔ محض یہ طریق تھا کہ نوٹوں کے ذریعہ سے پڑھ لیا اور رٹ کر امتحان کامیاب کرلیا۔ درسگاہ کی اس ضروری تعلیم پر مجھے حیرت ہوئی اس درسگاہ میں تعلیمی ماحول اور اُس ثقافت کا فقدان تھا جو اُس تعلیم کا ہونا چاہیئے تھا۔ اس کالج میں نہ تو علماء تھے نہ بڑے کتب خانہ جات نہ تہذیب و تعلیم کا ماحول اور نہ تصنیف و تالیف کا کوئی کام۔ مختصر یہ کہ وہاں کے طلباء کو دیتے

مقررہ نصاب سے بحث تھی۔ اور کسی بات سے کچھ واسطہ ہی نہ تھا۔ البتہ خارج از نصاب مصروفیات میں ان کے کالج میں صرف ایک "انجمن اتحاد" (یونین) یا بزم مباحثہ تھی وہ بھی "ٹریڈ یونین" کے اصولوں پر قائم کی گئی تھی جس کے ذریعہ سے طلباء کے حقوق کی حفاظت کی جاتی تھی گویا کہ وہ ایک حصے کے لوگ تھے اعلیٰ معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو کچھ میں نے اس کالج میں دیکھا اُس سے میں تو بہت ہی مایوس ہوا۔

یونیورسٹی کے نصب العین کو برقرار رکھنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اعلیٰ قابلیت کے معلم ہوں اور ان کا علم عمیق ہو اس کے ساتھ لوگوں کو اس "قلیل صدقہ" کے مقابلے میں بہت اونچی تنخواہیں بھی دی جانی چاہئیں۔ جو آج کل اس ملک کے مدرس کی قسمت میں عموماً لکھ دیا گیا ہے۔ لیکن حرج کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ بہرحال پروفیسروں کو دل سے کام میں مشغول رکھنے اور اپنے شاگردوں پر پوری توجہ دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کافی تنخواہ دی جا کر مالی دشواریوں اور دوسری افکار سے اُن کو بے نیاز کر دیا جائے اس کا صرف یہ ہوگا کہ وہ خود صاف ستھری اور آرام کی زندگی بسر کر سکیں گے بلکہ اس شائستگی کو بھی برقرار رکھ سکیں گے جو ایک جامعی ماحول کے لئے ضروری ہے۔ پیشہ معلمی کا معاوضہ بہت ہی کم ہے میں اس میں یونیورسٹی کے پروفیسروں کو بھی داخل کرتا ہوں۔ ہمارے پروفیسروں کو اعلیٰ ترین کردار اور راستبازی کا حامل ہونا چاہئے علماء و صلحاء کی صحبت بجائے خود عمدہ تعلیم ہے۔ ہمارے طلباء ان کی صحبتوں سے بہت کچھ نفع حاصل کر سکیں گے۔ اس کے ساتھ ہی یونیورسٹی کی فضا اور اس کا تعلیمی و ذہنی معیار بھی بلند ہو جائے گا۔

بہترین روایات اور تہذیبی اور ثقافتی پس منظر کے ساتھ میل جول کی زندگی کو فروغ دینے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ یونیورسٹی اقامتی ہو محض ایک امتحانی جماعت نہ ہو۔ میں اس موقع پر یہ کہوں گا کہ علی گڑھ کا روپ اُس کی اجتماعی زندگی اور طلباء و اساتذہ کے آپس میں مل جل کے رہنے میں ہے۔ اس قسم کی جامعی زندگی سے گزرنا علی گڑھ کے طلباء کا طرۂ امتیاز اور آئندہ کی کامیاب زندگی کا پروانۂ راہ داری ہے۔ ہم کو چاہئے کہ ہم اُن بہترین روایات کو جو سر سید احمد خاںؒ اور اُن بڑے پرنسپلوں مثل تھیوڈور بیک اور موریسن کی تعمیر کردہ ہیں، برقرار رکھیں، معقول جامعی زندگی کو حاصل کرنے کے لئے یعنی وہ اقامتی زندگی جو ڈگری کی تعلیم کے لئے گزارنی پڑتی ہے ایک معقول زمانہ کی ضرورت ہے۔ اسی لئے میں اس سے متفق ہوں کہ ڈگری کے درس کو طویل کیا جا کر تین سال کا کر دیا جائے یہ دہلی یونیورسٹی کے بھی عمل کے مطابق ہوگا اور انٹر یونیورسٹی بورڈ اور سارجنٹ کمیٹی کے تجویز و سفارش کے مطابق بھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایف۔ اے کا امتحان برخاست کر دیا جائے۔ اور ہائی اسکول کو اس حد تک بلند کر دیا جائے کہ اسکول لیونگ یا میٹرک کے امتحان کو کامیاب کرنے کے بعد طالب علم کو یونیورسٹی کی سہ سالہ ڈگری کے درس میں برائے شرکت تیار ہو جانا چاہئے۔ یہی برطانوی جامعات میں بھی عمل ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو یہاں جاری نہ کیا جائے۔ اس غایت کو پورا کرنے کے لئے ہماری ثانوی تعلیم کے طریقہ میں جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ تعداد کو بڑھانا نہیں ہے بلکہ معیار اور کیفیت میں ترقی ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر معیار بلند کرنا ہے تو اساتذہ کی تعداد بھی زیادہ ہو اور وہ فن معلمی میں بلند پایہ بھی ہوں اور علاوہ معیار بلند کرنے کے ہائی اسکول میں ایف اے کے ایک سال کا اضافہ بھی کر دیا جائے۔ محض ثانوی مدارس کی تعداد کو بڑھانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسے مدرسوں سے طلباء کی بڑی تعداد کا نکلنا جو جامعی تعلیمی زندگی کے لئے نااہل ہوں بے سود ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی اور پیشے کے لئے بھی موزوں نہیں ہوں گے۔

(باقی آئندہ)

موجودہ تعلیم پر ایک واقفکار کے خیالات

نومبر گزشتہ میں مسٹر سندرم نے جو گورنمنٹ کے محکمہ تعلیمات میں انڈر سکریٹری اور سارجنٹ اسکیم کے واقفکار ہیں آگرہ میں زیر صدارت پرنسپل صاحب آر۔ اے۔ سی موجودہ تعلیم پر ایک طویل اور دلچسپ تقریر کی جس کے بعض حصے حسب ذیل ہیں۔

مسٹر سندرم نے تمہید کے بعد یہ کہا۔

"اس ملک میں ابھی ہر سات لڑکوں میں چھ اسکول نہیں جاتے اور اوسطاً جو ایک لڑکا اسکول جاتا ہے اُن کی مجموعی تعداد میں سے ۸۵ فی صدی پانچویں درجہ تک پہنچتے پہنچتے اسکول چھوڑ دیتے ہیں، باقی ۱۵ فی صدی جو پانچویں سے آگے پڑھتے ہیں اُن میں سے ۹۰ فی صدی آٹھویں درجہ میں پہنچنے سے پہلے تعلیم ترک کر دیتے ہیں، اس طرح مڈل کلاس اور آگے تک پڑھنے والے طلبہ [illegible] فی صدی رہ جاتے ہیں۔ ان میں سے بھی تین فی صدی انٹرنس تک پہنچنے سے پہلے پڑھنا [illegible] ہیں،

اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی بتایا کہ جو ۸۰ فی صدی طلبہ اسکول جاتے ہیں وہ سب شہروں کے رہنے [illegible] ہوتے ہیں دیہات کے طلبہ اس سے محروم ہیں، اور چونکہ [illegible] کی زیادہ تعداد دیہات میں ہے۔ (دیہات تقریباً [illegible] لاکھ ہیں) لہٰذا وہ پڑھنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ [illegible] سلسلہ میں آپ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ آئندہ دیہات میں زیادہ سے زیادہ اسکول کھولے جائیں، تاکہ وہاں کے طلبہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

آپ نے انٹرنس پاس کرنے والے طلبہ کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا کہ چونکہ اُن میں اکثر کو کوئی ذریعہ معاش نہیں ملتا اس لئے وہ مجبوراً کالجوں میں نام لکھا لیتے ہیں۔

کشمیر میں سیاحوں کی کثرت

کشمیر ہندوستان کے اُن مقامات میں سے ہے جہاں بہت سے سیاح قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے جاتے ہیں، جس قدر دولت بڑھتی جاتی ہے اور وسائل سفر میں سہولتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں سیاحوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ سرینگر کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ امسال [illegible] نومبر [illegible] تک کشمیر وارد ہونے والے سیاحوں کی مجموعی تعداد ۳۲۷۵۷ تھی۔ ان میں ۱۷۸۴۸ یورپین تھے اور ۱۴۹۰۹ ہندوستانی یعنی یوروپین سیاحوں کی تعداد زیادہ تھی،

گزشتہ سال اسی تاریخ تک جو سیاح کشمیر میں وارد ہوئے اُن کی تعداد ۲۶۹۰۲ تھی، ان میں [illegible] ۱۱۵۰۱ تھے اور ہندوستانی ۱۵۴۰۱ تھے گویا سال رواں میں بہ نسبت سال گزشتہ ۵۸۵۰ زیادہ سیاح کشمیر میں وارد ہوئے۔

لکھنؤ میں کمیونسٹ مسلمانوں کی جدوجہد

لکھنؤ کی ایک خبر مظہر ہے کہ وہاں [illegible] مسلمان ارکان آج کل اس [illegible] مختلف جماعتوں کے مسلمان ممبروں کو [illegible] داخل کرا رہے ہیں۔ ابھی حال [illegible] کی برانچ قائم ہوئی تھی اور [illegible]

[illegible] ہے

[illegible] کے ارکان
[illegible] انھوں نے ان ارکان کو
[illegible] کہا کہ وہ "مسلم مجلس" میں شامل
[illegible] میں شرکت کے لئے
[illegible] چنانچہ معلوم ہوا ہے
[illegible] اس مقصد میں ایک حد

[illegible] پچاس لاکھ روپیہ

[illegible] ایک خبر مظہر ہے کہ سر سی پی راما سوامی آئر
[illegible] وائس چانسلر ٹراونکور یونیورسٹی نے
[illegible] پچاس لاکھ روپیہ منظور کیا ہے اور اگر
[illegible] تو اس رقم کو دوگنا کر دیا جائے گا۔
[illegible] ہر لحاظ سے لائق ستائش اور قابل
[illegible] موجودہ زمانہ میں کوئی علمی کام بھی بغیر کافی سرمایہ
[illegible] جا سکتا۔

[illegible] فارمولا

[illegible]

سے یہ درخواست کرتا ہے کہ سوامی دیانند کی کتاب ستیارتھ پرکاش کے "تیرھویں باب" کی اشاعت ممنوع قرار دیجائے جو کہ مسیحیوں کے جذبات مذہبی کو برانگیختہ کرتا ہے۔

(الف) مقدس بائبل پر جو اعتراضات ہیں ان کے الفاظ بہت سخت ہیں اور بہت ہی غلط طریقہ سے پیش کئے گئے ہیں، جس میں نیت بھی صاف نہیں معلوم ہوتی۔

(ب) یسوع مسیح کی مقدس زندگی پر جو اعتراضات کئے ہیں وہ بہت دل آزار و توہین آمیز ہیں۔

برما روڈ کھلنے کی توقع

ایسوشی ایٹڈ پریس کا [illegible] نامہ نگار لکھتا ہے کہ ساوین کے مورچہ پر جنگ [illegible] ہونیوالی ہے ممکن ہے کہ [illegible] ختم ہونے سے پہلے ہندوستان اور چین کے درمیان خشکی کا راستہ کھل جائے۔

بریگیڈیر جنرل فرانک ڈوون کمانڈر امریکی فوجی مشن نے جو کہ چینی فوج کی امداد کر رہے ہیں، ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ برما روڈ کرسمس تک کھل جائیگی۔ اگر یہ امید پوری ہو گئی تو چین کے لاکھوں آدمی جو تین سال سے ناکہ بندی کی وجہ سے مصیبت اٹھا رہے ہیں، جس سامان کی انھیں ضرورت ہے وہ حاصل کر سکیں گے۔

انڈین ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن

نئی دہلی کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ امسال انڈین ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن کے اکیسویں اجلاس میں [illegible] دسمبر [illegible] اودے پور میں منعقد ہو رہا ہے، [illegible] اور ہندوستانی یونیورسٹیاں شریک [illegible]۔ اور ہندوستان کی بعض بہت زیادہ اہمیت [illegible] رکھنے والی ریاستوں نے بھی [illegible] کا وعدہ کیا ہے [illegible] ہے کہ جنگ کے بعد ہندوستان میں ریسرچ کے لئے آسانیاں بہم پہنچانے میں توسیع کی جائے۔ اسکیم کا تیار [illegible] ساخت [illegible] کی صلاحیت میں ریسرچ اینڈ پبلیکیشن کمیٹی نے کی ہے [illegible] اسکیم کمیشن اور حکومت ہند نے پسند کر لی تو اسکو ہندوستان کے ریسرچ کے طلبہ پر چھوڑ دیا جائیگا۔ [illegible] اپنی طرف سے ایک نمائش کا انتظام

کر رہی ہے جس میں تاریخی دستاویزات سکہ جات اور تصاویر وغیرہ فراہم کی جائیں گی۔

لندن میں ہندوستانی جرنلسٹ یونین

لندن کی ایک خبر مظہر ہے کہ تقریباً بیس ہندوستانی جرنلسٹوں نے کئی مہینے کے غور و فکر کے بعد ایک "جرنلسٹ ایسوسی ایشن" بنائی ہے جس کے صدر مسٹر ہری سنگھ گوڑ ہیں، برٹش نیشنل یونین آف جرنلسٹ سے اس کا الحاق نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ بیرسے وابستہ رہے گی۔ اس کا مقصد ہندوستانی جرنلسٹوں کی ترقی میں امداد دینا اور غیر پیشہ ور جرنلسٹوں کی تعداد میں اضافہ کو روکنا ہے۔

برطانیہ کی حیرت انگیز عملی جدوجہد

حکومت برطانیہ نے ساحلی جنگ کے سلسلہ میں جو وائٹ پیپر حال میں شائع کیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ برطانیہ کی ۴ ½ کروڑ آبادی نے میدان جنگ کے لئے ۴۵ لاکھ فوج دی ہے اور جنگ کے گزشتہ پانچ برس میں برطانیہ نے ایک لاکھ ہوائی جہاز اور ۸ ہزار بحری جہاز تیار کئے ہیں۔ ان اعداد سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ برطانیہ کے لوگوں نے اپنے وطن کی حفاظت کے لئے کیسی زبردست قربانیاں کی ہیں۔

اے۔آر۔پی والوں کی تعداد میں تخفیف

کٹک کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ چونکہ اتحادیوں کی پوزیشن بہتر ہو چکی ہے اور جاپانی حملہ کا خطرہ بہت کم رہ گیا ہے، اس لئے اڑیسہ میں اے۔آر۔پی والوں کی تعداد میں تخفیف کی جا رہی ہے اور روشنی پر جو پابندیاں تھیں وہ کم کی جا رہی ہیں۔

کانفرنس کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۴ء کی سہ پہر کو مستقر کانفرنس میں منعقد ہوگا جس میں "سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی" وہ تحریک بغرض منظوری پیش ہوگی جو "مجلس عاملہ" میں منظور ہو چکی ہے۔ اور ۲۲ نومبر گزشتہ کے کانفرنس گزٹ میں شائع ہوئی ہے۔